# کلیاتِ ڈپٹی نذیر احمد

27

# کلیاتِ ڈپٹی نذیر احمد

Marfat.com

# ملنے کے پتے

مکتبہ رحمانیہ' اقرا سنٹر' اردو بازار لاہور
کوالٹی ڈیپارٹمنٹل سٹور' کالج روڈ' بورے والا
بنگش بک ڈپو' اردو بازار' سیالکوٹ
مکتبہ رشیدیہ' نیو جنرل' چکوال
ویلکم بک پورٹ' اردو بازار' کراچی
یونیورسٹی بک ایجنسی' خیبر بازار پشاور
بک سنٹر علامہ اقبال چوک' سیالکوٹ
منیر برادرز' مین بازار جہلم
احمد بک کارپوریشن' اقبال روڈ' راولپنڈی
اسلامی کتب خانہ' فضل الٰہی مارکیٹ' اردو بازار لاہور
چوہدری بک ڈپو' مین بازار' دینہ
اسلامک بک سنٹر' اردو بازار' کراچی
ضیاء القرآن پبلشرز' گنج بخش روڈ' لاہور
فرید پبلشرز' نزد مقدس مسجد' اردو بازار' کراچی
کتاب گھر' علامہ اقبال روڈ' راولپنڈی
نیو الیاس کتب محل' کچہری بازار' جڑانوالہ
ادریس کتاب محل' مین بازار' منڈی سمبڑیال
عمر بک سنٹر جی ٹی روڈ سرائے عالمگیر 653057

سعد پبلی کیشنز' فرسٹ فلور' میاں مارکیٹ اردو بازار لاہور
کشمیر بک ڈپو' تلہ گنگ روڈ' چکوال
مسلم بک لینڈ' بینک روڈ' مظفر آباد
ضیاء القرآن پبلشرز' اردو بازار' کراچی
نیو وہاڑی کتاب گھر مین بازار' وہاڑی
رحمٰن بک ہاؤس' اردو بازار' کراچی
الکریم نیوز ایجنسی گول چوک' اوکاڑہ
شائقہ لائبریری' محلہ چوہدری پارک' ٹوبہ ٹیک سنگھ
بلال کاپی ہاؤس' لیاقت روڈ میاں چنوں 662650
مکتبہ العلم' ۱۷- اردو بازار لاہور
میاں ندیم' مین بازار' جہلم
دارالادب' تلمبہ روڈ' میاں چنوں
اشرف بک ایجنسی' کمیٹی چوک' راولپنڈی
شمع بک ایجنسی' فیصل آباد
ہاشمی برادرز کتب و رسائل' گوردت سنگھ روڈ' کوئٹہ
رضا لائبریری شاہ کوٹ
الاخوان القادری مسندی کارنر اندرون بوہڑ گیٹ ملتان
نیو نفیس بک ڈپو مین بازار میانوالی

اس کتاب کا کوئی بھی حصہ خزینہ علم و ادب' مصنف
سے باقاعدہ تحریری اجازت کے بغیر کہیں بھی شائع نہیں
کیا جا سکتا۔ اگر کسی قسم کی کوئی بھی صورت حال ظہور
پذیر ہوتی ہے تو قانونی کارروائی کا حق محفوظ ہے۔

Marfat.com

# کلیاتِ ڈپٹی نذیر احمد

مرتبہ
شوکت علی

ڈپٹی نذیر احمد

خزینۂ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار - لاہور ۷۳۱۴۱۶۹، ۷۲۱۱۴۶۸

Marfat.com

دیدہ زیب اور
خوبصورت کتب کا
واحد مرکز

تزئین واہتمام
نذیر محمد' طاہر نذیر

84068

جملہ حقوق محفوظ ہیں


| | |
|---|---|
| بار اوّل: | 2005ء |
| سرِ ورق: | عبیداللہ |
| کمپوزنگ: | الاشراق کمپوزنگ سنٹر |
| مطبع: | حافظ جمیل پرنٹنگ پریس' لاہور |
| قیمت: | 500/روپے |


Marfat.com

# ترتیب کتب

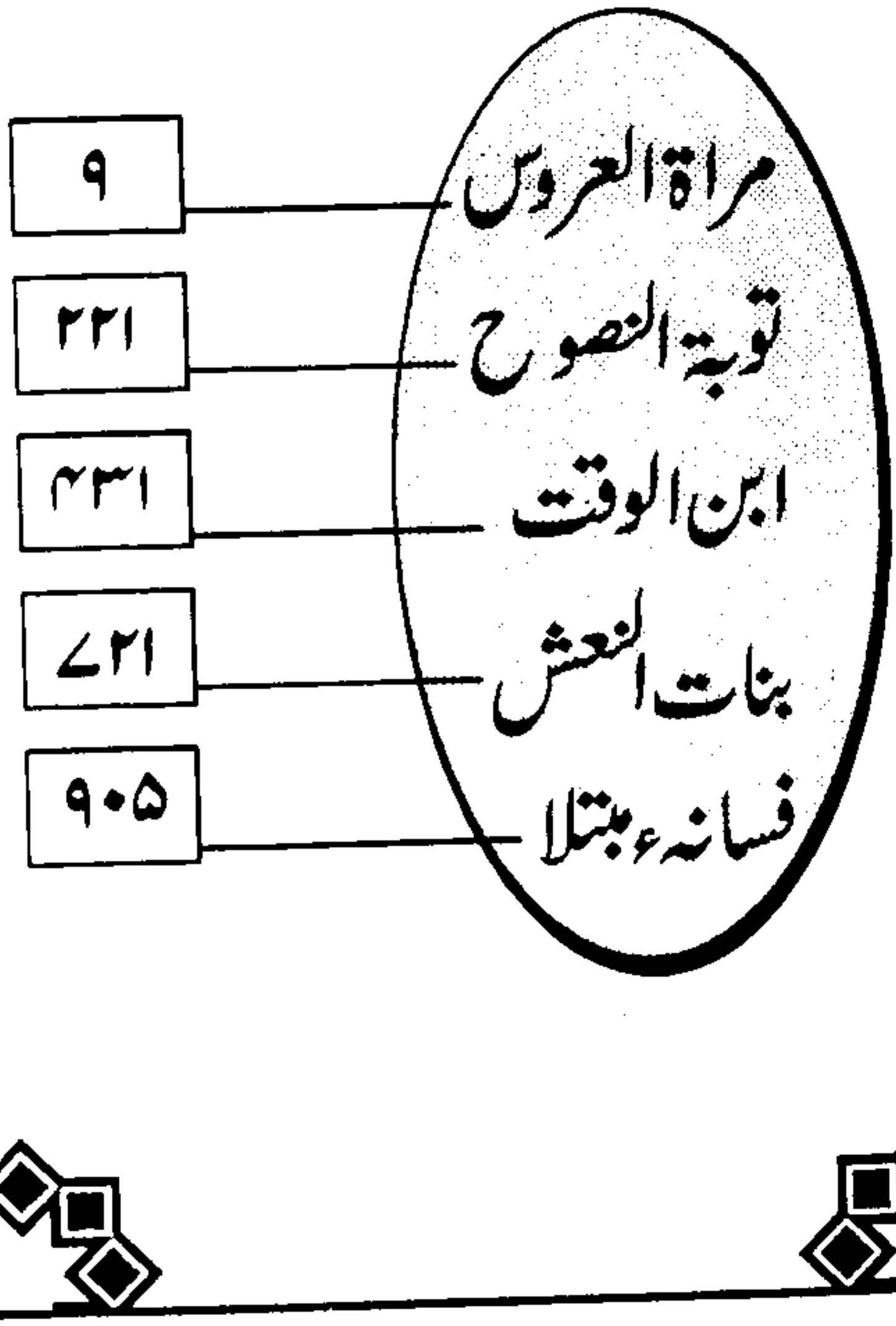


Marfat.com

Marfat.com

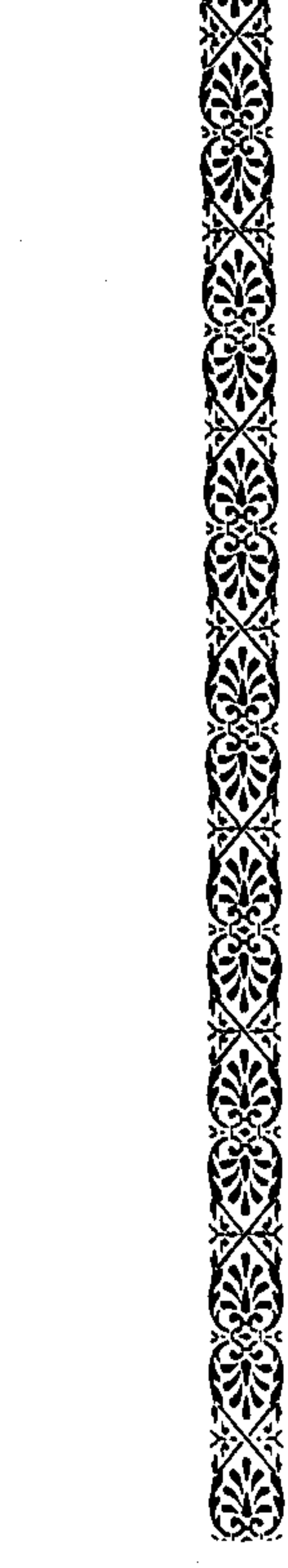

Marfat.com

Marfat.com

# مقدمہ

مرآۃ العروس ۱۸۶۹ء میں پہلی دفعہ چھپ کر شائع ہوئی' یعنی پورے ایک سو تیس سال پیشتر۔ اردو کی بہت کم کتابوں کو اتنی شہرت حاصل ہوئی جتنی کہ مرآۃ العروس کو۔ ایڈیشن پر ایڈیشن چھپے اور ہاتھوں ہاتھ بکے۔ کوئی پڑھا لکھا گھرانہ ایسا نہ تھا جہاں اس کتاب کی ایک کاپی نہ پائی جاتی ہو اور کوئی لڑکی یا عورت ایسی نہ تھی جو پڑھنا سیکھنے کے بعد مرآۃ العروس نہ پڑھتی ہو۔

اکبری اور اصغری کا قصہ ہر گھر میں اس طرح مشہور ہو گیا جیسے جانے پہچانے لوگوں کی داستان ہو۔ یہاں تک کہ اس کا ایک ایک جملہ زبان زد عام و خاص ہو گیا۔ اس کے واقعات کی طرف اس طرح اشارہ کیا جاتا تھا کہ گویا دیکھی سنی بات ہو۔ لڑکیاں اگر بے جا ڈینگ کی لیتیں تو ان سے کہا جاتا تھا کہ ''حسن آرا کی سی باتیں نہ کرو'' ''اکبری کی طرح نہ اتراؤ''۔

لوٹنے اور چوری کرنے والی نوکرانی کا نام ''ماما عظمت'' تیز و طرار' منہ پھٹ' لڑکی کا لقب ''تماشا خانم'' تھا۔ ''اصغری'' اور ''محمودہ'' کے نام سلیقے اور سگھڑاپے کے مترادف تھے۔

یہ حالت تقریباً پچاس سال تک قائم رہی لیکن گزشتہ تیس چالیس سال سے مرآۃ العروس کی مقبولیت میں کمی ہونا شروع ہوئی اور آج کل نہ صرف انگریزی سکول کی پڑھی لکھی لڑکیاں ہی اس کتاب سے ناواقف ہوتی جا رہی ہیں' اکثروں نے تو ان کا نام تک نہیں سنا اور بہتوں کو اس کی زبان نامانوس اور اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے

Marfat.com

کہ بامحاورہ اردو بولنے والیاں بہت کم رہ گئی ہیں۔ انگریزی زبان کے پڑھنے اور بولنے کے شوق نے لوگوں کو اپنی معاشرت اور زبان سے بے گانہ کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ مرآۃ العروس جیسی سلیس زبان میں لکھی ہوئی کتاب ان کی سمجھ میں بھی نہیں آتی۔ اگر کچھ دن اور یہی حالت رہی تو اس نادر کتاب کا پتہ بھی لگانا مشکل ہو جائے گا۔ اب بھی یہ نوبت آ گئی ہے کہ اس کے نسخے آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے' ایک غضب اور ہو رہا ہے کہ مرآۃ العروس کی عبارت میں لوگوں نے تصرف کرنا شروع کر دیا ہے اور اس کی زبان کو بھی بدلنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حال ہی میں مرآۃ العروس کا ایک نسخہ میری نظر سے گزرا جس میں ناشر صاحبان کو سارے قصے کی ساری ترتیب تک بدل دینے کی جرأت ہوئی اور بجائے اس بے ساختہ پن کے جس سے مرآۃ العروس کا قصہ شروع ہوتا ہے اس بھونڈے پن سے اس کا آغاز کیا۔

''دلی میں اندیش خانیوں کا ایک بڑا مشہور خاندان ہے' مدت سے اس خاندان کے مردوں کے نام اندیش خاں پر چلے آتے تھے جیسے دور اندیش خاں' آل اندیش خاں' خیر اندیش خاں وغیرہ۔ اس سے یہ لوگ اندیش خانی کہلائے' ان لوگوں کا اتنا بڑا خاندان تھا کہ شہر میں شریفوں کا کوئی محلہ نہ ہوگا جس میں دو چار گھر اندیش خانیوں کے نہ ہوں۔ یہ لوگ سب کے سب نوکری پیشہ اور اکثر ہندوستانی سرکاروں میں ممتاز خدمتوں پر مامور تھے۔ دور اندیش خاں جن کے خانگی حالات سے یہ کتاب ترتیب دی گئی پنجاب کے پہاڑی اضلاع میں سرکار انگریزی کی طرف سے تحصیل دار تھے۔ نوکری اور تنخواہ تو کچھ ایسی بہت بڑی نہ تھی مگر آدمی تھے لائق اور دیانت دار اور کارگزار کہ اتنی صفتیں نوکروں میں ذرا کم ہوتی ہیں۔ اس سے انگریزوں میں اچھی آبرو پیدا کی تھی ہم اور دور اندیش خاں صاحب سے جب اول اول ملاقات ہوئی کہ اس کو اب چار سوا چار برس ہونے آئے' تو ان کی ایسی کوئی چوالیسی پینتالیس برس کی زہی ہوگی۔ بہت ہی خوش رو آدمی تھے۔ کشیدہ قامت بدن کے اکہرے' جامہ زیب' ڈاڑھی کھچڑی ہو چلی تھی' ہم تو

Marfat.com

سمجھے تھے کہ دادا اور نانا ہوں تو عجب نہیں مگر پھر معلوم ہوا کہ ابھی بڑی لڑکی کا بیاہ کیے چلے آ رہے ہیں' ان کی کچھ ایسی بہت اولاد بھی نہ تھی۔ صرف دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ یہ چاروں بچے گنگا جمنی کے طور پر پیدا ہوئے تھے۔ یعنی سب سے بڑی پہلوٹی کی اکبری' اس کے اوپر کا خیر اندیش' خیر اندیش کے اوپر کی اصغری۔ اصغری کے بعد سب سے چھوٹا' آل اندیش۔ ایک دن کچھ یوں ہی مذکور سا آ گیا کہ اولاد کم ہے تو بولے۔ خدا اصغری کی عمر میں برکت دے اور اس کو صاحب نصیب کرے اور ان شاء اللہ ہو گی مجھے تو بیٹا بیٹی کسی کی تمنا باقی نہیں۔''

یوں تو میں برابر خواہش مند تھی کہ مرآۃ العروس پھر سے چھپے اور آج کل کی لڑکیوں میں مقبول ہو لیکن اس نسخے کو دیکھنے کے بعد تو میرے نزدیک اس کے صحیح ایڈیشن کا چھپ جانا بے حد ضروری ہو گیا ہے۔

ممکن ہے یہ سوال کیا جائے کہ جب یہ کتاب اب مقبول نہیں رہی تو پھر اس کے چھپوانے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اس کے بدلے بہتر یہ نہ ہوتا کہ زمانہ حال کے مذاق کے مطابق کتابیں لکھوائی اور چھپوائی جائیں؟ اس وقت اردو جس کسمپرسی کی حالت میں ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ بھی بے حد ضروری ہے لیکن اردو ادب کے قدیم شہ پاروں کو معدوم ہونے سے بچانا بھی لازمی ہے۔ ورنہ ہماری زبان کا کوئی وقار باقی نہ رہے گا اور وہ دنیا کی دوسری ادبی زبانوں میں کوئی جگہ حاصل نہ کر سکے گی۔ اس کی حیثیت ایک Lingwa Franca یعنی ایک ''کام چلاؤ'' زبان کی حیثیت سے زیادہ نہیں رہے گی۔ کسی بھی زبان کی بقا و عظمت کو برقرار رکھنے کے لیے اس کے سرمایہ ادب کا محفوظ رہنا انتہائی ضروری ہے۔ مرآۃ العروس' اردو ادب کے خزانے کا ایک انمول جوہر ہے' اس لیے اس کو زمانے کی دست برد سے بچانا ایک لازمی ادبی فریضہ ہے۔

مرآۃ العروس کو کئی باتوں کی بنا پر یہ درجہ حاصل ہے۔ اول تو اس کی زبان اتنی پیاری اور با محاورہ ہے کہ اس کو پڑھ کر مزا آتا ہے جس کو اردو ادب سے ذرا بھی لگاؤ

Marfat.com

ہے وہ مرآۃ العروس سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ دہلی کی شریف بیویوں کی کوثر سے دُھلی زبان میں لکھی ہوئی ہے جو نزاکت و لطافت اس میں پائی جاتی ہے شاید ہی اردو کی کسی کتاب میں ہو۔ انگریزی زبان کی ایک مشہور مصنفہ جین آسٹن Jane Austin نے اپنے ناولوں کے متعلق کہا تھا کہ

**"She paints on half an inch of wax with a very fine brush"**

ڈاکٹر نذیر احمد کے ناولوں کی بھی یہی تعریف کی جاسکتی ہے وہ زبردست شاہکار نہ سہی پھر بھی ان کے کمال کا مختصر مگر بے نظیر نمونہ ہیں۔

ساری کتاب اتنی دلنشین ہے کہ لطافت زبان کے نمونوں کا انتخاب بہت مشکل ہے۔ قصے کے شروع ہوتے ہی لڑائی کا سماں کس مزے سے بیان کیا ہے۔

''پٹاری کے گرنے کا غل سن کر سامنے کے والان سے ساس دوڑی آئیں۔ ماں کو آتے دیکھ کر بیٹا دوسرے دروازے سے چل دیا لیکن اپنے دل میں کہتا تھا'' ناحق میں نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑا'' ساس نے آکر دیکھا تو چار پیسے کا کتھا جو کل چھان پکا کر کلہیا میں بھر دیا تھا' سب گرا پڑا ہے تو شک کتھے میں لت پت ہے' لحاف چونے میں تر بتر' بہو زار و قطار رو رہی ہیں۔''

اکبری کے بدتمیزانہ جوابوں میں بھی ایک چاشنی ہے۔

''اسی بوڑھی اماں سے پوچھو کہ بیٹے کا بیاہ کیا ہے یا لونڈی مول لی ہے؟ لو صاحب روزے میں چولہا جھونکنا''

اور پھر

''دیکھو جھوٹی نامراد آپ تو دوڑتے میں گری اور میرا نام لگاتی ہے۔'' ساس بھی مزاج دار کی باتوں سے تنگ آکر ترکی بہ ترکی جواب دیتی ہے۔

''مجھ کو کیا معلوم تھا کہ یکا یک تم کو اس کی یاد گدگدائے گی۔ بیٹی! سوچ کسی کو کسی

Marfat.com

سے ایسا عشق ہو جیسا تم کو بنوکا ہے..... مجھ کو اپنا بڈھا چونڈا نہیں مونڈوانا' جولڑکے کی بے اجازت ڈولی منگوادوں وغیرہ وغیرہ۔''

محمد عاقل کی ساس کی گفتگو جس میں وہ محمد عاقل کو الگ گھر کرنے کی ترغیب دیتی ہیں بڑی لچھے دار ہے۔

''کیوں بیٹا! تم میاں بی بی میں یہ کیا آئے دن لڑائی رہا کرتی ہے۔نہیں معلوم اس کو کیا خدا کی سنوار ہے بہتیرا پوچھ پوچھ کر اپنا منہ تھکاؤ حاشا کہ یہ کچھ بھی بتائے لیکن ٹولے محلے کی بات کانوں کان پہنچ جاتی ہے۔اوپری لوگوں سے میں بھی گھر بیٹھی سنا کرتی ہوں۔''

اکبری خانم کے پکانے کی تعریف بھی بڑے مزے کی ہے۔

''روٹی پکائی تو عجیب صورت کی' نہ گول نہ چوکھونٹی' ایک کان ادھر نکلا ہوا اور چار کان ادھر' کنارے موٹے بیچ میں نکیا' کہیں جلی' کہیں کچی' دھوئیں میں کالی' اور دال جو پکائی تو پانی الگ اور دال الگ۔غرض مزاج دار ایسا لذیذ اور لطیف کھانا پکاتی تھی کہ جس کو دیکھ کر بھوک بھاگ جائے۔سالن پکاتی تو بدرنگ' بدمزہ' نمک ڈالا تو زہر اور کبھی پھیکا پانی۔''

لیکن ساری کتاب میں مجھے تو ماما عظمت کی باتوں میں سب سے زیادہ مزا ملتا ہے۔جب وہ ہزاری مل کے بار بار ٹوکنے پر جل کر کہتی ہے۔

''اے لالہ! یہ کیا تو نے مجھ سے آئے دن کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے۔جب مجھ کو دیکھتے ہو تقاضا کرتے ہو جن کو دیتے ہو ان سے مانگو' ان پر تقاضو کرو۔میں بیچاری غریب آدمی' ٹکے کی اوقات' مجھ سے اور مہاجنوں کے لین دین سے کیا واسطہ؟ میری ایسی کیا حیثیت تم نے دیکھ لی۔میرے پاس نہ جائیداد نہ دولت اور تم نے سینکڑوں روپیہ آنکھ بند کر کے مجھ کو دے دیا اور اگر مجھ کو دیا تو جاؤ مجھ ہی سے لے بھی لینا' میرے جو مکل کھڑے ہوں گے بکوالینا' قلعے میں جو میری تنخواہ ہوگی بند کرا دینا۔''

Marfat.com

اور پھر جب ہزاری مل خوشامد درآمد کر کے اس کا غصہ دور کرتا ہے اور باتوں ہی باتوں میں پوچھتا ہے کہ

''سنا ہے چھوٹی بہو صاحب کو بڑا بھاری جہیز ملا ہے؟' تو اس کے جواب میں اصغری کا کچا چٹھا اس کے آگے اس طرح بیان کرتی ہے۔

ماما نے چھوٹتے ہی کہا'' خاک' بڑی سے بھی اترتا ہوا۔''

ہزاری مل نے کہا'' بڑا تعجب ہے ان کے بیاہ کے وقت تو خان صاحب تحصیل دار تھے' بڑی بیٹی سے زیادہ دینا لازم تھا۔''

ماما نے کہا'' اے ہے! تحصیل دار کا کچھ دوش نہیں' اس بیچارے نے تو بڑی تیاریاں کی تھیں' یہی چھوٹی کھوٹی منہ سے بولی تھیں' ماں باپ کی خیر خواہی کے مارے کہہ کہہ کر سب چیزیں کم کرائیں۔''

ہزاری مل نے کہا'' اگر یہی حال ہے تو بڑی بہن کی طرح یہ بھی الگ گھر کریں گی۔''

ماما نے کہا'' الگ گھر کرنا کیسا۔ یہ تو بڑے گل کھلائیں گی۔ بڑی بہو بدمزاج تھیں لیکن دل کی صاف اور یہ زبان کی میٹھی اور دل کی کھوٹی۔ کوئی کیسا ہی جان مار کر کام کرے ان کی خاطر تلے نہیں آتا۔ بات بھی کہیں گی تو تہ کی' منہ پر کچھ دل میں کچھ' نا بابا یہ عورت ایک دن نباہ کرنے والی نہیں اب تو پہاڑ پر باپ کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔''

ہزاری مل نے پوچھا'' لاہور سے ان دنوں کوئی خط آیا ہے؟''

ماما نے کہا'' ہر روز انتظار رہتا ہے نہیں معلوم کیا سبب ہے کوئی خط نہیں آیا' بیوی خرچ کی راہ دیکھ رہی ہیں' رمضان سر پر آ رہا ہے بلکہ پرسوں اترسوں مجھ سے کہتی تھیں ہزاری مل سے پچاس روپے قرض لانا۔''

یہ مکالمہ نہ صرف زبان کے لحاظ سے ہی دلچسپ ہے بلکہ اس سے اصغری کے کردار

Marfat.com

پر بھی ایک خاص روشنی پڑتی ہے۔ اصغری' جس کی دھاک نہ صرف اپنے کنبے' محلے بلکہ شہر بھر پر بیٹھی ہوئی ہے وہ ماما عظمت کی نظر میں تنگ دل' بخیل اور عیب جو عورت ہے۔ یہاں ڈاکٹر نذیر احمد نے اپنی حقیقت نگاری کا کمال دکھایا ہے۔ ہر ایک کردار ہر انسان کی نظر میں ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اصغری جو اپنے باپ' خسر' سلطانی بیگم اور دوسرے تمام معزز لوگوں کی نظر میں جن باتوں کی بنا پر ایک نہایت ہی قابل تعریف ہستی ہے وہی باتیں یعنی انتظامی سلیقہ' ہر کام کی نگرانی کا مادہ' کفایت شعاری وغیرہ اس کو ماما عظمت کی نظر میں مطعون کرتی ہے۔ اصغری اور ان کی ساس کی محمودہ کی نسبت کے متعلق گفتگو بھی بڑے مزے کی ہے۔ اگرچہ اس مکالمے کا مقصد شادی کی فضول خرچیوں کی اصلاح ہے لیکن یہاں بھی ڈاکٹر نذیر احمد کے طرز تحریر کی شگفتگی ان کے اصلاحی رنگ پر غالب آ گئی ہے۔

اصغری کی ساس شادی کے متعلق اصغری کی رائے سن کر کہ کوئی فضول خرچی اور رسمیں نہیں ہونا چاہتیں کہتی ہیں کیا تم نے محمودہ کا اسی طرح اونگھتا اداس نکاح تجویز کیا ہے۔ نہ بوا خدا کے لیے ایسا غضب تو مت کرو۔ اس بڑھوتی میں میری تو یہی ایک بچی بیاہنے کو ہے۔ اب میں کیا قبر سے کسی کا بیاہ کرنے پھر آؤں گی؟'' اور پھر جل کر'' بھلا رسمیں تو رسمیں تم تو کپڑوں اور زیور کو بھی فضول بتاتی ہو..... کیوں نہیں کہتیں کہ سرے سے بیاہ ہی فضول ہے۔''

اور اصغری کے مکتب کے مقابلے میں دوسرے مکتبوں کا ذکر بھی کس مزے سے کیا ہے'' اور کام کو پوچھو تو صبح آتے کے ساتھ گھر میں جھاڑو دی' استانی جی اور استاد جی اور دس بارہ خلیفہ جی بلکہ پڑوسیوں تک کے بچھونے تہ کیے اور چار چار پانچ پانچ نے مل کر کم بخت بھاری بوجھل چارپائیاں اٹھائیں۔ پھر دو چار کی جو جلد شامت آئی تو سیپارہ لے کر بیٹھیں۔ منہ سے آواز نکلی اور استانی جی نے بیٹھی پھینکنی شروع کی اور دو چار جو کسی اچھے کا منہ دیکھ کر اٹھی تھیں کام دھندے میں لگ گئیں۔ کسی نے استانی جی کے لڑکوں کو گود

Marfat.com

میں لیا' بوجھ کے مارے کولہا ٹوٹا جاتا ہے لیکن مار کے ڈر سے گردن پر بلا سوار ہے اور وقت ٹالتی پھرتی ہیں۔ پٹتی ہوئی لڑکیوں کی آواز کان میں چلی آ رہی ہے' دل ہے کہ اندر ہی اندر سہما جاتا ہے۔ اس عذاب سے یہ مصیبت غنیمت معلوم ہوتی ہے۔ کسی نے رات کے جھوٹے برتن مانجھنے شروع کیے۔ گٹے پڑ پڑ گئے ہیں اور کندھے رہ رہ جاتے ہیں لیکن چھوٹی بہن پٹ رہی اور چلا رہی ہے اچھی استانی جی میں مرگئی' اچھی میں تم پر واری گئی' اچھی خدا کے لیے اچھی رسولؐ کے لیے' اچھی میں خلیفہ جی کی لونڈی ہوگئی۔ ہائے رے' ہائے رے' اوئی اماں' اوئی آپا اور آپا ہیں کہ جھائیں جھائیں جلدی جلدی برتن مانجھ رہی ہیں۔ ان کاموں سے فراغت ہوئے تو مصالحہ پیسنے' آٹا گوندھنے' آگ سلگانے' گوشت بگھارنے کا وقت آیا۔ پھر دوپہر کو استانی جی ہیں کہ سو رہی ہیں اور معصوم بچے پنکھا جھل رہے ہیں اور دل میں دعا مانگ رہے ہیں کہ الٰہی ایسی سوئیں کہ پھر نہ اٹھیں۔"

مرآۃ العروس ایک اصلاحی قصہ ہے جس کا مقصد عورتوں میں پڑھنے کا شوق اور ہنر' سلیقہ پیدا کرنا تھا۔ اس کا پلاٹ پیچیدہ نہیں بلکہ صحیح معنوں میں یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا کوئی پلاٹ ہے۔ کیونکہ پلاٹ کے لیے کشمکش Conflict کا ہونا ضروری ہے۔ مرآۃ العروس میں دو بہنوں کی زندگی کی روداد ہے۔ سیدھے سادے لفظوں میں ان واقعات کا ذکر ہے جو شریف عورتوں کی زندگی میں پیش آتے تھے۔ چونکہ اس قصے کو لکھے ہوئے اسی سال سے زیادہ ہو چکے ہیں' اس لیے اب یہ معاشرت کے گزرے ہوئے دور کی ایک بے نظیر تصویر ہے۔ اس کو پڑھ کر ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آج سے ستر اسی سال پہلے ہماری معاشرت کیسی تھی' ہمارے شریف گھرانوں کے طور طریقے کیا تھے' کون سی چیز اچھی اور کون سی بری سمجھی جاتی تھی۔ فارغ البالی کا کیا معیار تھا اور کتنی کم آمدنی میں خوشحالی سے زندگی بسر ہو سکتی تھی۔ انگریزی تمدن کا اثر کس حد تک ہو چلا تھا۔ ہر چند کہ مرآۃ العروس کو اس مقصد سے نہیں لکھا گیا تھا کہ آئندہ چل کر اپنے زمانے کی تہذیب کی ترجمانی کرے اس لیے اس کی اہمیت ان کتابوں سے کہیں زیادہ ہے جو اس مقصد کو پیش

Marfat.com

نظر رکھ کر لکھی جائیں۔ کیونکہ اس میں جو تصویر ملتی ہے اس پر پورا پورا اعتماد کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اس وجہ سے نہیں لکھی گئی تھی کہ سابقہ معاشرت کی تعریف یا مذمت کی جائے۔ اس سے غیر ارادی طور پر اس زمانے کے حالات پر روشنی پڑتی ہے اور پڑھنے والا خود صحیح نتیجے اخذ کر سکتا ہے۔ اس نقطہ نگاہ سے مرآۃ العروس ایک اہم معاشرتی تاریخ کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی طرح مرآۃ العروس سے اس الزام کی بھی تردید ہوتی ہے کہ مسلمان اپنی عورتوں کو ذلیل اور کم درجہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ وہ دور جس کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں عورت کی کوئی قدر اور عزت نہیں تھی' اس میں شرافت کا یہ معیار تھا کہ محمد عاقل جب اپنی خلیا ساس سے بیوی کی شکایت کرتا ہے تو وہ کہتی ہیں۔

''بیٹا! تم کو خدا نے سب طرح لائق کیا ہے' ایسی بات نہ ہو کہ لوگ ہنسیں' آخر تمہاری ناموس ہے۔''

یعنی قصور سراسر اکبری کا ہے لیکن اس زمانے کی تہذیب اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ میاں بیوی کو چھوڑ دے۔ آگے چل کر محمد عاقل کی ماں بھی یہی کہتی ہیں۔

''ارے بیٹا! یہ بھی کہیں ہوتی ہے۔ اشرافوں میں کہیں بیبیاں چھوٹتی ہیں؟ تم کو اپنی عمر ان ہی کے ساتھ کاٹنی ہے ہمارا کیا ہے' قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں' آج مرے کل دوسرا دن۔''

اس سے اس زمانے کی قدروں پر روشنی پڑتی ہے جس کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس میں عورت کی کوئی قدر و عزت نہیں تھی۔

لیکن اس دور میں عورت کا درجہ خصوصاً ماں کا وقار کیا تھا؟ وہ محمد عاقل کی والدہ کی اس ڈانٹ سے ظاہر ہوتا ہے جو اس پر جواب نہ دینے پر پڑتی ہے۔ محمد عاقل کی ماں کہتی ہیں۔

''شاباش بیٹا شاباش! میں تم کو پکار رہی ہوں اور تم سنتے ہو اور جواب نہیں دیتے' تیرہویں صدی میں ماؤں کا یہی وقار رہ گیا ہے۔''

عام طور پر ایک غلط فہمی یہ بھی ہے کہ بہوؤں کی کوئی جداگانہ ہستی نہیں ہوتی تھی۔

Marfat.com

ساسوں کو ان پر ان کے بچوں پر پورا قبضہ ہوتا تھا لیکن صورت حال یہ تھی کہ اصغری کی ساس بہو کا زیور عاریتاً بھی مانگنے کے تصور سے کانپ اٹھتی ہیں اور کہتی ہیں۔

''بہو اور نئی بیاہی ہوئی سے بھلا کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے۔ دیکھ خبردار! پھر زبان سے یہ بات مت نکالیو۔ ایسا نہ ہو محمودہ کے کان پڑ جائے اور وہ بہو سے جا لگائے۔ اگر رہنے کا مکان تک بھی بک جائے تو مجھ کو منظور ہے لیکن بہو سے کہنے کا منہ نہیں۔ کیا شرافت اور لحاظ کا معیار تھا ان بیبیوں کا جن کو'' جاہل'' کے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔

اکبری تو خیر بدتمیز تھی۔ اصغری غیر معمولی قابلیت کی عورت تھی لیکن محمد عاقل کی والدہ جو نہایت ہی مرنجان مرنج طبیعت کی بیوی تھی' وہ بھی اپنے شوہر محمد فاضل سے برابری کے لہجے میں باتیں کرتی ہیں۔ جب وہ مولوی محمد فاضل سے گھر میں کم روپے بھیجنے کی شکایت کرتی ہیں تو کہتی ہیں۔ ''پچاس میں تم اپنے اکیلے دم کے واسطے تو تیس روپے رکھو اور یہاں کنبے کے واسطے بیس روپے یہاں شادی بیاہ' برادری کا لینا دینا' آنا جانا' سب مجھ کو کرنا پڑتا ہے۔'' اس مثال سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی معاشرت ''ہندوانہ دھرم پتی'' والے رویے سے کبھی بھی متاثر نہیں ہوئی۔ غیر قوم کے افراد جو ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں پر یہ الزام تراشتے ہیں کہ وہ اپنی عورتوں کو ذلیل اور کم درجہ سمجھتے تھے مراۃ العروس کے مطالعے سے اس غلط الزام کی تردید ہوتی ہے۔

ہماری معاشرت کتنی پر تکلف تھی' ہمارے یہاں حفظ مراتب رکھ رکھاؤ کا کس حد تک خیال رکھا جاتا تھا' مسلمانوں کی ساکھ حکومت کے مٹنے کے بعد بھی کتنی قائم تھی؟ ان سب باتوں کا مراۃ العروس سے پتہ چلتا ہے۔ کھانے اور کپڑے میں کس حد تک تکلف برتا جاتا تھا وہ اس بات سے ظاہر ہے کہ جب اصغری نے حسن آرا کو بلا کر کہا کہ

''بوا تمہارا گڑیا کا گھر تو خوب آراستہ ہے' صرف ایک کسر ہے کہ تمہاری گڑیوں کے پاس رنگین جوڑے نہیں معلوم ہوتے شاید تم کو رنگنا نہیں آتا۔''

حسن آرا نے کہا ''رنگ تو مجھ کو محمودہ بیگم نے بہت سکھا دیے ہیں' یوں ہی نہیں رنگے۔''

Marfat.com

اصغری نے کہا ''بھلا بتاؤ تو''

حسن آرا بولی ''استانی جی برسات کے رنگ' سرخ' نارنجی' گل انار' گل شفتالو' سردئی' دھانی' اودا اور جاڑے کے' گیندئی' جوگیا' عنابی' کاہی' تیلیا' کاکریزی' سیاہ' نیلا' گلابی' زعفرانی' کوکئی' کرنجوئی اور گرمی کے پیازی آبی' چپئی' کپاسی' بادامی' کافوری' دودھیا' خشخاشی' فانسی' ملاگیری' سیندوریا۔

یعنی کوئی ۲۰-۳۰ رنگ گنوادیے پھر یہ کہا کہ ''اور رنگ تو اور بہت ہیں مگر میں نے وہی بیان کیے جو اکثر پہنے جاتے ہیں۔'' رنگوں کے ساتھ ساتھ موسم کی تخصیص اور رنگوں کے ذرا ذرا سے فرق ملاحظہ ہوں یعنی گل انار اور گل شفتالو میں کتنا فرق ہے اور آج سردئی' زعفرانی جوگیا اور چپئی سب کے سب کو زرد کہا جاتا ہے۔ گلابی' پیازی اور آبی کے درمیان جو فرق ہے اس کا کس کو احساس ہے؟ کافوری' دودھیا اور خشخاشی کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں اور سرخ و سیندوریا میں جو ذرا سا فرق ہے اس کی کس کو تمیز ہے' آج کل کی ہماری وہ فیشن ایبل لیڈیز بھی جن کو اپنی خوش لباسی پر بڑا ناز ہے ان رنگوں کے نام گنوانا تو بڑی بات' ان کا فرق بھی نہیں بتا سکتیں۔ یہی حالت زیوروں کی ہے' محمودہ کو جہیز اور چڑھاوے میں جو زیور ملے تھے اس کی تفصیل سنیے۔

''ناک میں نتھ اور کیل' ماتھے کو ٹیکا' جھومر' بینا' کانوں میں بالی' یتے' جڑاؤ اور سادے' چھپکے کے بالے' کان جھالے' مگر' مرکیاں' بجلیاں' کرن پھول' جھمکے' گلے میں گلوبند' طوق' چمپاکلی' کسھی' توڑا' دھگ دگی' چندن ہار' زنجیر مالا' بازو پر جوشن' نورتن' بھوج بند' نونگے' ہاتھوں میں کڑے' نوگرھی' چوہے دتیاں' لچھے' دست بند' انگلیوں میں انگوٹھی' چھلے' جوڑ' پاؤں میں پازیب' توڑے' چوڑیاں' لچھے' چٹکی' چھلے۔''

اس زمانے میں گلے کا سارا زیور ''نکلس'' کانوں کے ہر وضع کے زیور ''آویزے'' یا ''ائر رنگس'' کہلاتے ہیں۔ ہاتھوں کے زیور میں بڑی تخصیص کی تو ''چوڑیاں اور کڑے'' کہہ دیا۔ ورنہ انگریزی کا ایک لفظ Bracelet کافی ہے۔ ایک سائن کا لفظ اطلس' کم خواب سب پر حاوی ہے۔ کرکری تاش' کارچوبی اور جال دار کے

Marfat.com

معنی بھی کوئی نہیں سمجھتا۔ یہ مسلمانوں کی مٹی ہوئی تہذیب کے تکلفات تھے۔ آج جن کے پاس دولت ہے وہ بھی ان سے آشنا نہیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ Feudal Civilization یعنی ''جاگیردارانہ نظام'' میں بہ نسبت Industrial civilization یعنی ''صنعتی نظام'' کی طرح ذرائع معاش نہیں ہوتے تھے لیکن مجھے مرآۃ العروس میں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اس زمانے میں روزی کمانے کے کتنے ذریعے تھے۔ سنیے۔ ''فنی پیشہ وروں'' کی فہرست ملاحظہ فرمایئے اور Technically Traind Cartsman دیکھیے کہ کتنے نام ڈاکٹر نذیر احمد نے گنوائے ہیں۔

سنار' لوہار' ٹھٹھیرا' کسیرا' کندلا گر' زرکوب' دبکیا' تارکش' ملمع ساز' جڑیا' سلمہ ستارے والا' بٹیا' بدر ساز' مینا ساز' قلعی گر' سادہ کار' صیقل گر' آئینہ ساز' زردوز' سنہیار' نعل بند' نگینہ ساز' کامدانی والا' بسان گر' نیاز یا' ڈھلیا' بڑھئی' خرادی' ناریل والا' کنگھی ساز' بنس پھوڑ' کاغذی' جولاہا' رفوگر' رنگریز' چھپی' دستار بند' درزی' علاقہ بند' نیچہ بند' موچی' مہرکن' سنگ تراش' حکاک' معمار' دبگر' کمہار' حلوائی' تیلی' تنبولی' رنگ ساز' گندھی وغیرہ۔

ان میں کے بہت سے پیشے آج متروک ہو چکے ہیں۔ جیسے دستار بند' نیچہ بند وغیرہ اور بہت سے ایسے ہیں' جو عنقریب معدوم ہونے والے ہیں۔ جیسے گندھی' سادہ کار' تارکش' بینا ساز وغیرہ کیونکہ ہاتھ سے کام کا فن تیزی کے ساتھ ملک سے فنا ہو رہا ہے۔ مرآۃ العروس میں ان فنکاریوں کی فہرست اب ایک یادگار چیز ہے۔

مسلمانوں کی ساکھ' حکومت کے مٹنے کے باوجود کس حد تک قائم تھی وہ اس بات سے ظاہر ہے۔ اگرچہ محمد عاقل کا سارا گھرانا برسوں سے ہزاری مل کا مقروض ہے' وہ ان لوگوں کی کتنی عزت کرتا ہے اور کس ادب سے ان کا ذکر کرتا ہے اور قرض کا تقاضا بھی کرتا ہے تو ان لفظوں میں۔

''میں تو بیگم صاحب کی سرکار کا بڑا لحاظ کرتا ہوں لیکن میرا ساتھی چھدامی لال نہیں

Marfat.com

مانتا۔"

جب تماشا خانم یہ سنتی ہیں کہ ہزاری مل نالش کرنے والا ہے تو آگ بگولا ہو جاتی ہیں اور کہتی ہیں۔

"اس سے تو ہماری سسرال میں بھی لین دین ہے۔ بھلا کیا موئے کی طاقت ہے جو نالش کرے گا۔ میں یہاں سے جا کر تمہارے بھائی جان سے کہوں گی' دیکھو تو کیسا ٹھیک بناتے ہیں۔"

یہ تھا سات سو سال کی حکومت کا رعب' جو مٹ مٹا کر بھی اس حد تک قائم تھا کہ قرض دینے والے مہاجن بھی حکمران کے مفلوک الحال افراد کی اس قدر عزت کرتے تھے۔

لیکن جو چیز مرآۃ العروس کو نہ صرف اردو ادب میں ایک ممتاز درجہ دیتی ہے بلکہ جس کی بنا پر اس کا دوسری زبانوں کے ناولوں سے کامیاب مقابلہ کیا جا سکتا ہے وہ اس کی بے نظیر کردار نگاری ہے۔ اس کے اہم اور غیر اہم کردار اس خوبی سے پیش کیے گئے ہیں کہ وہ بالکل جیتے جاگتے' بولتے چالتے انسان معلوم ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مرآۃ العروس کے پڑھنے والے اس کے کرداروں سے اس طرح مانوس ہیں جیسے کہ اپنے دوستوں یا محلے والوں سے۔ یہ بات صرف دنیا کے بہترین ناولوں کے کرداروں ہی کو حاصل ہے کہ وہ پڑھنے والوں کے تصور پر یوں حاوی ہو جائیں۔

مرآۃ العروس ایک اصلاحی مقصد کو پیش نظر رکھ کر لکھا گیا تھا۔ وہ مقصد یہ تھا کہ عورتوں میں پڑھنے لکھنے کا شوق پیدا کیا جائے جہالت اور پھوہڑ پن سے جو نقصانات ہوتے ہیں ان سے آگاہ کیا جائے۔ اس لیے اکبری اور اصغری کے کردار اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر ڈھالے گئے ہیں۔ یہ ڈاکٹر نذیر احمد کا کمال ہے کہ وہ دانستہ طور پر مثالی کردار پیش کرنے کے باوجود انہیں اس حد تک جان دار بنانے میں کامیاب ہوئے۔ عموماً دیکھا گیا ہے کہ مقصدی ناول کے کردار بہت ہی بے جان اور ٹھوس ہوتے ہیں ان کے سراپا عیب یا سراپا صفت ہونے کی وجہ سے اصلی ہونے کا یقین نہیں آتا۔ چونکہ واقعہ

Marfat.com

یہ ہے کہ دنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوئے جن میں بَرائی ہی برائی ہو اور نہ ایسے فرشتہ صفت انسان دیکھنے میں آتے ہیں جن میں کوئی عیب یا نقص نہ پایا جائے' بلکہ عموماً دیکھنے میں یہی آیا ہے کہ جن لوگوں کے کریکٹر میں بڑی خامی یا کمی پائی جاتی ہے ان میں اس کے ساتھ ہی ایسی بھی کوئی بات موجود ہوتی ہے کہ خواہ مخواہ ان کی طرف دل کھنچتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی میں ساری خوبیاں اکٹھی ہو جائیں تو معمولی لوگ اس کی صحبت میں ایک طرح کا بار محسوس کرتے ہیں۔

حالانکہ اکبری پھوہڑ' بدمزاج' بدسلیقہ سب ہی کچھ ہے لیکن اس کی بدسلیقگی میں ایک الہڑ پن اور اس کی بے عقلی کی حرکتوں میں ایک بھول پن بھی ہے جس کی وجہ سے اس سے ایک انسیت سی پیدا ہو جاتی ہے۔

آج کے نفسیاتی نقطہ نگاہ سے اگر اکبری کے کردار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ کہا جائے گا کہ اصغری جیسی حد سے زیادہ عقل مند' باسلیقہ اور ہنر مند بہن کے مقابلہ میں اکبری میں ایک احساس کمتری پیدا ہو گیا تھا۔ ذرا سی کلی پاجامے میں لگانے پر خوش ہو کر اترانا' جن سے سستی چیزیں خرید لینے پر محمد عاقل پر اپنی عقل مندی جتانا' الگ گھر داری کر کے اپنے جوہر دکھانے پر اصرار' یہ سب باتیں اس کے احساس کمتری کی دلیل ہیں۔

اصغری کے مقابلے میں اکبری اپنے ہم چشموں میں تو کوئی جگہ پیدا کر ہی نہیں سکتی تھی۔ اس لیے کم حیثیت لوگوں سے دوستی کرتی تھی۔ جن سے اتنا جلد گھل مل جانے کی وجہ یہی تھی کہ وہ اپنی تعریف اور قدر دانی کی بھوکی تھی۔ محمد عاقل کے رویے نے اکبری کے احساس کمتری کو اور بھی بڑھایا اگر وہ محمد کامل کی طرح لاابالی' بے پروا قسم کا آدمی ہوتا تو اکبری اپنی کوتاہی کو اس قدر محسوس نہ کرتی لیکن وہ حد سے زیادہ سنجیدہ اور اپنی بیوی میں ہر قسم کی صفت کا متوقع تھا۔ اکبری کی بدمزاجی دراصل محمد عاقل کے رویے کا ردعمل تھی چونکہ اس کو بخوبی احساس تھا کہ محمد عاقل اسے نکما اور بے عقل سمجھتا ہے' اس لیے وہ بدمزاجی اور بدزبانی کے پردے میں اپنی مجروح خودداری کو چھپاتی تھی۔

جس زمانے میں مرآۃ العروس لکھی گئی اس زمانے میں ہمارے یہاں تو کیا'

84068

Marfat.com

یورپ میں بھی کسی نے نفسیات کا نام تک نہیں سنا تھا اور احساس کمتری و احساس برتری اور ذہنی عارضہ Complex وغیرہ جیسے الفاظ جو آج کل اعلیٰ و ادنیٰ ناول نویسوں کا تکیہ کلام ہیں' اس وقت کے کسی ناول نگار کو نہیں معلوم تھے لیکن جن ناول نگاروں کا مطالعہ و مشاہدہ' انسانی فطرت کے متعلق گہرا ہوتا تھا وہ ان نفسیاتی چکروں میں پڑے بغیر اپنے کرداروں کو اس طرح پیش کرتے تھے کہ آج کل کے نفسیاتی اصول کے عین مطابق نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر نذیر احمد نے بھی یہی کیا ہے۔

اصغری کا کردار سونہ آنے مثالی ہے۔ اس میں دنیا کی ہر ایک خوبی اور صفت پائی جاتی ہے۔ پڑھنا لکھنا' ہنر سلیقہ گھر کا انتظام گھریلو پیچیدگیوں کو بڑی خوبصورتی سے سلجھانا۔ غرض کہ ہر ایک چیز میں اسے یدطولیٰ حاصل ہے۔ میکے سسرال دونوں جگہ اس کی قدر و منزلت ہوتی ہے۔ محلے بلکہ شہر بھر میں سیاہ و سفید کی مالک بن بیٹھتی ہے۔ ساس اور میاں پھر آگے چل کر جیٹھ اور خسر بھی اسی کی مرضی کے مطابق چلتے ہیں۔ اگر چہ وہ ساری باتیں بڑی خوش اسلوبی سے کرتی ہے' اس کی رائے اور عقلمندی سے ہر ایک کا فائدہ ہوتا ہے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اصغری کے مزاج میں دوسروں کی زندگی میں دخل اندازی کا مادہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ اس میں کسی حد تک نرمی اور مروت کی کمی تھی' اس نے ساس کی بیس برس پرانی ماما کو بغیر کسی جھجک کے نکال باہر کیا۔ ساس اور میاں دونوں کی مرضی کے خلاف میاں کو سیالکوٹ بھجوانا' پھر کچھ دنوں بعد وہاں پہنچ کر میاں کے دوستوں کو چھانٹ کر الگ کرنا اور پھر ساس کی قطعی لاعلمی اور حسن آرا کے خاندان والوں کی مخالفت کے باوجود محمودہ کا رشتہ اس خاندان میں کروانا۔ اصغری دراصل اس قسم کی عورت ہے کہ اگر آج کے زمانے میں ہوتی تو قومی زندگی میں ایک نمایاں جگہ پیدا کر لیتی لیکن اس قسم کے کرداروں میں عموماً اس نرمی اور لوچ کی کمی پائی جاتی ہے جو نسوانی کردار کا خاص جوہر ہے اور جو محمد کامل کی والدہ جیسی عورتوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

اصغری کے مزاج میں خود مطلبی بہت تھی۔ وہ محلے کی لڑکیوں سے بڑے اکل کھرے

Marfat.com

پن سے پیش آئی کیونکہ ان سے ملنے سے اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کے برخلاف اس نے محمودہ سے اس لیے دوستی کی کہ اس کے ذریعے اس کے بہت سے کام نکل سکتے تھے۔

ڈاکٹر نذیر احمد نے دوسرے غیر اہم کرداروں کو بڑی کامیابی سے پیش کیا ہے۔ محمد کامل کی والدہ' اکبری کی طرح پھوہڑ یا بدمزاج نہیں ہیں لیکن اصغری کی طرح ایسی منتظم اور سلیقہ مند بھی نہیں کہ وحشت ہونے لگے۔ ان کی کمزوریاں ہی ان کے کردار کو بلند کرتی ہیں۔ وہ تنگ دست ہونے کے باوجود بھی' تنگ دل نہیں اور نہ انہیں ترقی کی خواہش اور دولت کی ہوس ہے۔ وہ محمد کامل کے عمر بھر دس روپے تنخواہ پانے پر شاکر تھیں اور محض ترقی کے لیے اسے اپنے سے جدا کرنا پسند نہ تھا۔ اگرچہ عقل کی رو سے یہ بات غلط تھی' وہ محمودہ کو بھی خواہ مخواہ اپنے سے سوگنے دولت مند خاندان میں دینا پسند نہیں کرتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ''بواغریبوں کی کھپت غریبوں میں ہی ہوتی ہے۔''

مختصر یہ کہ محمد کامل کی والدہ پرانے زمانے کی شریف مسلمان عورتوں کا نمونہ ہیں' جو نہ اکبری کی طرح پھوہڑ اور نہ اصغری کی طرح باکمال ہوتی تھیں۔ اصغری ایک مثالی خاتون ہے' محمد کامل کی والدہ حقیقی انسان ہیں۔ محمد کامل کی والدہ کے علاوہ دوسرے غیر اہم کردار مثلاً ماما عظمت' تماشا خانم' ہزاری مل وغیرہ بھی بے حد کامیاب ہیں۔ ماما عظمت کا کیریکٹر تو بہت ہی مزیدار ہے۔ وہ چور ہے بے ایمان اور سب کچھ ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کو اپنی مالکہ محمد کامل کی والدہ سے ایک قسم کا انس بھی ہے۔ وہ کہتی ہے ہماری بیگم صاحب تو بیچاری اولیاء آدمی ہیں'' اس نے اصغری کے کیریکٹر کا صحیح جائزہ لیا تھا اور اس کا یہ کہنا بڑی بہو سے بھی زیادہ رنگ لائیں گی بالکل صحیح نکلا۔ بڑی بہو نے تو صرف اپنا گھر الگ کر لیا تھا' اصغری تو ساس کے گھر میں رہ کر' ساس کو دودھ کی مکھی کی طرح الگ کر کے سارے گھر پر قابض ہو گئی اور اس ہوشیاری سے سب کچھ کیا کہ بھلی کی بھلی بنی رہی۔

وہ غیر اہم کردار جو اس کہانی میں اپنی صرف ایک جھلک دکھا کر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان میں بھی اتنی جان ہے کہ بھلائے نہیں جا سکتے۔ جیسے ہزاری مل' تماشا خانم'

Marfat.com

جیمس صاحب وغیرہ۔ ہزاری مل بنیا ہے اس کو دراصل اپنے روپے وصول کرنے کے سوا اور کسی چیز کی پروا نہیں لیکن سطحی طور سے اس نے رکھ رکھاؤ' وضع داری کے طور طریقے سیکھ لیے ہیں۔ جن گھروں سے اس کی اچاپت ہے' ان کے نوکروں سے بھی ملاوٹ کی باتیں کرتا ہے۔ اس لیے جب ماما عظمت اس کے متواتر تقاضوں سے بگڑ کھڑی ہوتی ہے تو اس کو چکنی چپڑی باتوں سے خوش کر لیتا ہے۔ حساب کتاب کے وقت یہ ظاہر ہونے پر کہ اب ماما عظمت کی ساکھ باقی نہیں رہی تو اس سے صاف بے مروتی برتنے میں ذرا بھی جھجک نہیں ہوتی۔ ہزاری مل کا کردار' ایک کاروباری آدمی کے کردار کا بہترین نمونہ ہے جو بنیادی طور سے حریص ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ ان کی بات چیت اور برتاؤ پر ایک اخلاقی ملمع چڑھا ہوا ہوتا ہے۔

تماشا خانم' پورے قصے میں صرف دو تین دفعہ ہی نظر آتی ہے لیکن ایسی جیتی جاگتی ہستی ہے کہ اس کی یاد بھلائی نہیں جا سکتی۔ اس کے کردار میں اصغری اور اکبری دونوں کے کرداروں کی خصوصیات شامل ہیں۔ وہ اکبری کی طرح تیز مزاج اور منہ پھٹ ہے لیکن اصغری کی طرح عقلمند بھی ہے۔ اس لیے موقع محل دیکھ کر بات کرتی ہے۔ اصغری سے کہتی ہے ''تم یوں ہی پس و پیش لگا کر اپنا وقر کھوتی ہو' بوا اگر میں تمہاری جگہ ہوتی خدا کی قسم مردار کو مارے جوتیوں کے ایسا سیدھا بناتی کہ عمر بھر یاد رکھتی'' تماشا خانم ہر طبیعت کے تیز اور دل کے صاف آدمی کی طرح بڑی مخلص دوست ہے' کردار کی یہ باریکیاں اتنے اختصار سے ظاہر کرنا' ڈاکٹر نذیر احمد کا کمال ہے۔ ماما عظمت' ہزاری مل' تماشا خانم وغیرہ کے علاوہ باقی سارے غیر اہم کردار یہاں تک کہ وہ لوگ جن کا ذکر صرف ایک یا دو بار سے زیادہ نہیں آتا جیسے مولوی محمد فاضل امیر بیگم یا دور اندیش وغیرہ' ان کی تصویر بھی ذہن میں صاف اتر آتی ہے۔

میں نے ارادتاً حسن آرا' محمودہ اور مکتب سے متعلق کردار جیسے شاہ زمانی بیگم' سلطانی بیگم وغیرہ کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ ان کا پورا ارتقاء ''بنات النعش'' میں ہوتا ہے لیکن اس موقع پر اتنا کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اصغری کا مکتب اور اس کے پڑھانے کا

Marfat.com

طریقہ آج کے جدید ترین اصول کے مطابق ہے۔ وہ سفین کے اعتراض کے جواب میں کہتی ہے۔ ''ہنڈکلیوں میں لڑکیاں ہر ایک طرح کے کھانے کی ترکیب سیکھتی ہیں..... سب کھیلوں میں مجھ کو گڑیوں کا کھیل بہت پسند ہے۔

اس کے ذریعے سے لڑکیاں سینا' پرونا' کپڑوں کی قطع اور گھر کا بندوبست ہر طرح کی تقریبات' چھٹی' کھیر چٹائی' دودھ چھڑائی' بسم اللہ' روزہ' منگنی' عیدی' سانونی' محرم کی قفلیاں اور گوٹا' تیج تہوار' ساچق' برات' بہوڑا' بیاہ' چالے' چوتھی کی راہ ورسم سے واقفیت حاصل کرتی ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے طریقہ تعلیم میں غیر ارادی طور پر Project method کے سارے اصول برتے جاتے تھے۔

مرآۃ العروس آج سے ستر اسی سال پہلے لکھی گئی تھی۔ یہ زمانہ انگریزی ادب میں ''وکٹورین دور'' کہلاتا ہے۔ جس کی نمایاں خصوصیت Didacticism یعنی نصیحت آموزی تھی۔ ڈاکٹر نذیر احمد اور ان کے تمام ہم عصر یعنی حالی' شبلی اور خود سرسید مرحوم کی تحریر وتقریر انگریزی ادب کے انہی رجحانات سے متاثر تھی۔

ڈاکٹر نذیر احمد کا مرآۃ العروس اور بعد میں بنات النعش' توبۃ النصوح وغیرہ کا لکھنا انگریزی ادب کی حقیقت نگاری کی تقلید تھی لیکن ڈاکٹر نذیر احمد ایک زبردست آرٹسٹ تھے۔ باوجودیکہ وہ ارادی طور پر ٹھوس مقصدی قصے لکھ رہے تھے' غیر ارادی طور پر نہایت ہی دلچسپ اور جیتے جاگتے کرداروں کی تخلیق کی۔ جس کی وجہ سے ان کی کتابوں کو اردو ادب میں ایک مستقل مقام حاصل ہیان کی تتبع میں بہت سے لوگوں نے بہت سی کتابیں لکھیں لیکن چونکہ ان میں مرآۃ العروس کی سی جان نہ تھی آج ان کے نام بھی کسی کو معلوم نہیں اور ان کا درجہ اردو ادب کے ارتقاء کی ایک کڑی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔

مرآۃ العروس کے قصے کے شروع ہونے سے پہلے ڈاکٹر نذیر احمد نے ایک سولہ سترہ صفحے کی مختصر تمہید بھی لکھی ہے۔ اس تمہید پر بہت کم لوگوں نے غائر نظر ڈالی ہے۔ حالانکہ یہ مختصر ہونے کے باوجود بڑی پرمغز اور دلچسپ چیز ہے۔ اس کے پڑھنے ڈاکٹر نذیر احمد کی ذہنیت اور شخصیت پر روشنی پڑتی ہے اور یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے خیالات

Marfat.com

اپنے زمانے کے لحاظ سے بہت آگے تھے۔ وہ نہ صرف عورتوں کی تعلیم کے حامی تھے۔ بلکہ ان کا خیال تھا کہ عورتیں اگر تعلیم حاصل کرلیں تو ممکن ہے کہ وہ بھی مردوں کی طرح میں دنیا نامور اور مشہور ہوں۔ وہ کہتے ہیں:

''جن عورتوں نے وقت کی قدر پہچانی اور اس کو کام کی باتوں میں لگایا' وہ مردوں کی طرح دنیا میں نامور اور مشہور ہوئی تھیں۔ جیسے نور جہاں بیگم' زیب النساء بیگم یا ان دنوں نواب سکندر بیگم یا انگریزوں کی شہزادی وکٹوریا' یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے ایک چھوٹے سے گھر اور کنبے کا نہیں بلکہ ملک اور جہان کا بندوبست کیا۔''

۱۸۶۹ء میں برصغیر ہند میں تو کیا یورپ میں بھی عام طور سے یہ بات نہیں مانی گئی تھی کہ عورت کی تعلیم کا مقصد گھر کی دیکھ بھال کے سوا اور بھی کچھ ہوسکتا ہے؟ جو لوگ عورت کی تعلیم کے حامی تھے ان کی حدنظر بھی یہی تھی کہ عورتیں اگر پڑھ لکھ لیں گی تو اپنے گھر کا انتظام بطریق احسن کرسکیں گی۔ ڈاکٹر نذیر احمد بھی بظاہر یہی کہہ کر لڑکیوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کرتے ہیں لیکن عورت کی تعلیم کے معاملے میں ان کا خیال اس سے کہیں بلند ہے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے مقدمے میں صاف لفظوں میں یہ کہا ہے کہ عورت تعلیم پاکر بہت کچھ کرسکتی ہے اور اصغری کو نہ صرف گھر اور خانہ داری کا انتظام کرتے ہوئے بتایا ہے بلکہ اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

''مگر اصغری کو بچپن سے تربیت ہوئی تھی' روز بروز گھر میں برکت زیادہ ہوتی جاتی تھی' یہاں تک کہ اکبری کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور خانم کے بازار میں تمیزدار بہو کا وہ عالی شان محل کھڑا ہے کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے اور اصغری خانم ہی کے نام سے وہ محلہ خانم کا بازار مشہور ہوا۔

جوہری بازار میں وہ اونچی مسجد جس میں حوض اور کنواں ہے تمیزدار بہو کی بنوائی ہوئی ہے۔ مولوی محمد حیات صاحب کی مسجد میں اب تک بیس مسافروں کو اس کے لنگر خانے سے خمیری روٹی اور چنے کا قلیہ دونوں پہنچا کرتا ہے۔ قطب صاحب میں اولیاء مسجد کے برابر سرائے' اسی تمیزدار بہو کی بنوائی ہوئی ہے۔ فتح پور میں بمبئی کے چھاپے کے پانچ

Marfat.com

سو قرآن ایک دن اسی نے تقسیم کرائے تھے۔ ہزار کمبل آتے جاڑے اب تک مسکینوں کو ملا کرتے ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ عورت گھر ہی کے نہیں بلکہ ملکی معاملات میں بھی حصہ لے۔ پردے کے متعلق بھی ان کا خیال اپنے زمانے سے بالکل جدا تھا۔ مقدمے کے دوران میں بھی وہ پردے کی مذمت کرتے ہیں اور ترقی میں سدراہ سمجھتے ہیں اور سفہین اور اصغری سے جو باتیں ہوئی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس کو شرم وحیا کی دلیل بھی نہیں سمجھتے۔ اصغری کہتی ہے۔

''باہر کے پھرنے کی جو تم نے کہی تو ان کے ملک میں پردے کا دستور نہیں' غدر کے دنوں میں ہم لوگ ایک گاؤں میں بھاگ کر گئے تھے' وہاں بھی پردے کا دستور نہ تھا۔ سب کی بہو بیٹیاں باہر نکلتیاں تھیں لیکن میں تو چار مہینے وہاں رہی باہر کی پھرنے والیوں میں وہ شرم ولحاظ دیکھا کہ خدا ہم سب پردے والیوں کو نصیب کرے اور بچوں کو ولایت بھیج دینے سے تم نے کیوں کر سمجھا کہ اولاد کی محبت نہیں۔

البتہ ان لوگوں کی محبت عقل کے ساتھ ہے' یہاں کی ماؤں کی طرح باولی محبت نہیں کہ اولاد کو پڑھنے سے روکیں ہنر حاصل کرنے سے باز رکھیں' نام کو تو محبت اور حقیقت میں اولاد کے حق میں کانٹے بوتیاں ہیں' اولاد کو ناہموار اٹھاتی ہیں اور محبت کا نام بدنام کرتی ہیں۔

لیکن ڈاکٹر نذیر احمد کی طبیعت کا رنگ اصلاحی تھا انقلابی نہیں۔ ان کے ذہن میں یہ کبھی نہیں آیا کہ عورتیں پردہ چھوڑ بھی سکتی ہیں' کہتے ہیں۔

''اس پردے سے تو تم کو نجات کی امید نہیں' ہمارے ملکی دستور اور رواج نے پردہ نشینی کو عورتوں پر فرض واجب کر دیا ہے اور اب اس رواج کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ پس سوائے پڑھنے لکھنے کے اور کیا تدبیر ہے کہ تمہاری عقلوں کو ترقی ہو بلکہ مردوں کی بہ نسبت عورتوں کو پڑھنے کی زیادہ ضرورت ہے' مرد تو باہر کے چلنے پھرنے والے ٹھہرے' لوگوں سے مل جل کر بھی تجربہ حاصل کر لیں گے۔ تم گھر میں بیٹھے بیٹھے کیا کرو

Marfat.com

گی؟ سینے کے بقچے سے عقل کی پڑیا نکالو گی' یا اناج کی کوٹھری سے تجربے کی جھولی بھر لاؤ گی' پڑھنا سیکھو کہ پردے میں بیٹھے ہوئے تمام دنیا کی سیر کر لیا کرو' علم حاصل کرو کہ اپنے گھر میں زمانے بھر کی باتیں ہوا کریں۔

عورتوں کو گھر کے معاملات میں اختیار کلی حاصل تھا۔ جیسا کہ مرآۃ العروس کے قصے سے ظاہر ہے لیکن ڈاکٹر نذیر احمد کے نقطہء نگاہ سے یہ کافی نہ تھا کہ عورتوں سے یہ پوچھ لیا جائے کہ کیوں بھئی آج کیا ترکاری پڑے گی؟ لڑکی کے واسطے ٹاٹ بافی' جوتی منگواؤ گی یا ڈیڑھ حاشیے کی؟ چھالیہ مانک چندی لوگی یا جہازی؟ زردہ پوربی لینا منظور ہے یا امانت خانی؟ رضائی کو اودی گوٹ لگے گی یا سرمئی؟ وہ عورتوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ پس اے عورتو! کیا تم کو ایسے برے حالوں کا جینا کبھی ناخوش نہیں آتا؟ اپنی بے اعتباری اور بے وقری پر کبھی افسوس نہیں ہوتا؟ کیا تم نے اپنے ہاتھوں اپنا وقر کھو رکھا ہے' اپنے کارن نظروں سے گری ہو۔ تم کو قابلیت ہو تو مردوں کو کب تک خیال نہ ہوگا۔ تم میں لیاقت ہو تو مردوں کو کہاں تک پاس نہ ہوگا۔ مشکل تو یہ ہے کہ تم صرف اسی روٹی دال پکا لینے اور پھٹا پرانا سی لینے کو لیاقت سمجھتی ہو۔ پھر جیسی لیاقت ہے' ویسی قدر ہے۔ تمہاری اس بالفصل کی حالت پر ایک بدعقلی اور ایک مکر و بے وفائی کیا' اگر دنیا بھر کے الزام تم پر لگائیں جائیں تو واجب اور دنیا بھر کی برائیاں تم میں نکالی جائیں تو بجا۔

اے عورتو! تم مردوں کے دل کا بہلاؤ' ان کی زندگی کو سرمایہ عیش' ان کی آنکھوں کو باغ و بہار' ان کی خوشی کو زیادہ اور ان کے غم کو غلط کرنے والیاں ہو۔ اگر تم سے مردوں کو بڑے کاموں میں مدد ملے اور تم کو بڑے کاموں کے انتظام کا سلیقہ ہو تو مرد تو تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیا کریں۔

بیسویں صدی کے اوائل میں انگریز عورتوں نے کہیں جا کر اس طرح سے عورتوں کے حقوق Suffarge کا مطالبہ کیا اور اواخر انیسویں صدی میں برصغیر کے مرد قلم سے عورت کی حمایت میں ایسے الفاظ انتہائی روشن خیالی اور بلند نظری کی دلیل ہیں۔

ڈاکٹر نذیر احمد انتہائی کامیاب ناول نگار تھے۔ ان کی قوت مشاہدہ و مطالعہ بہت

Marfat.com

زبردست تھی اور انسانی فطرت کی گہرائیوں اور باریکیوں کو سمجھنے میں کمال حاصل تھا۔ ہر طبقے اور ہر قسم کے انسان کی فطرت سے انہیں واقفیت تھی اور اس کے ہر پہلو کو سمجھنے اور دکھانے کا انہیں ملکہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایسے زندہ جاوید کرداروں کی تخلیق میں کامیاب ہوئے۔ ان کی زبان نہایت شیریں وصاف ہے ان کی کتابیں دلی کے شرفاء کی روزمرہ کی بول چال میں لکھی گئی ہیں۔ جس کی وجہ سے نہ صرف ان کے ناول' مرآۃ العروس' بنات النعش' توبۃ النصوح' ابن الوقت بلکہ ان کی ٹھوس تاریخی کتابیں بھی اسی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر بیگم شائستہ اکرام اللہ

Marfat.com

# دیباچہ اول

خداوندا کریم کا شکر اپنی گویائی کی بساط بھر تو ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کی بندہ نوازیوں اور ہزاروں لاکھوں نعمتوں کی مکافات کا حوصلہ چھوٹا منہ بڑی بات۔ پیغمبر صاحب کی مدح اپنی ارادت ناقص کی قدر تو بن ہی نہیں پڑتی۔ ان کی شفقتوں اور دل سوزیوں کی تلافی کا دعویٰ اتنی سی جان گز بھر کی زبان۔ حمد و نعت کے بعد واضح ہو کہ ہر چند اس ملک میں مستورات کو پڑھانے لکھانے کا رواج نہیں مگر پھر بھی بڑے شہروں میں بعض شریف خاندانوں کی اکثر عورتیں قرآن مجید کا ترجمہ مذہبی مسائل اور نصائح کے اردو رسائل پڑھ پڑھا لیا کرتی ہیں' میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میں بھی دہلی کے ایک ایسے ہی خاندان کا آدمی ہوں۔

خاندان کے دستور کے بموجب میری لڑکیوں نے بھی قرآن شریف اور اس کے معنے' قیامت نامہ' راہ نجات وغیرہ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے اردو رسائل گھر کی بڑی بوڑھیوں سے پڑھے' گھر میں رات دن پڑھنے لکھنے کا چرچا تو رہتا تھا' میں دیکھتا تھا کہ ہم مردوں کے دیکھا دیکھی لڑکیوں کو بھی علم کی طرف ایک خاص رغبت ہے لیکن اس کے ساتھ ہی مجھ کو یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ نرے مذہبی خیالات بچوں کے مناسب حالت نہیں اور جو مضامین ان کے پیش نظر رہتے ہیں ان سے ان کے دلوں کو افسردگی' ان کی طبیعتوں کو انقباض اور ان کے ذہنوں کو کندی ہوتی ہے' تب مجھ کو ایسی کتاب کی جستجو ہوئی جو اخلاق و نصائح سے بھری ہوئی ہو اور ان معاملات میں جو عورتوں کو اپنے زندگی میں پیش

Marfat.com

آتے ہیں اور عورتیں اپنے توہمات اور جہالت اور کج رائی کی وجہ سے ہمیشہ ان میں مبتلائے رنج و مصیبت رہا کرتی ہیں۔ ان کے خیالات کی اصلاح اور ان کی عادات کی تہذیب کرے اور کسی دلچسپ پیرائے میں ہو۔ جس سے دل نہ اکتائے' طبیعت نہ گھبرائے مگر تمام کتب خانہ چھان مارا ایسی کتاب کا پتہ نہ ملا پر نہ ملا۔ تب میں نے اس قصے کا منصوبہ باندھا۔ تین برس ہوئے میں جھانسی میں تھا کہ اکبری کا حال قلم بند کیا۔ لڑکیوں کو تو اس کا وظیفہ ہو گیا اور ہر روز ختم کتاب کا تقاضا شروع کیا' یہاں تک کہ ڈیڑھ برس کے بعد اصغری کا حال بھی لکھا گیا' ہوتے ہوتے اس کتاب کا چرچا محلہ میں ہوا اور چند عورتیں اس کو سننے آئیں جس نے سنا ریجھ گئی اونچے اونچے گھروں میں کتاب منگوائی گئی۔ نقل لینے کے ارادے ہوئے اسی اثناء میں بڑی لڑکی کا عقد کر دیا گیا اور بطور جوہر بیش بہا یہ کتاب میں نے اس کے جہیز میں دی۔ اس کے سسرال میں بھی اس کتاب کی خوب شہرت ہوئی۔ جب میں نے دیکھ لیا کہ یہ کتاب عورتوں کے لیے نہایت مفید ہے اور خوب دل لگا کر پڑھتی اور سنتی ہیں تب اس کو جناب صاحب ڈائرکٹر بہادر مدارس ممالک شمالی و مغربی کے ذریعے سے سرکار میں پیش کیا۔ سرکار کی قدردانی نے تو میری آبرو اور اس کتاب کی قیمت کو ایسا بڑھایا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میں نے خاطر خواہ اپنی مراد اور محنت کی داد پائی۔ جو کچھ وقت اس کتاب کی تصنیف میں صرف ہوا اس کے علاوہ مدتوں یہ کتاب اس غرض سے پیش نظر رہی کہ بولی با محاورہ ہو اور خیالات پاکیزہ اور کسی بات میں آورد کا دخل نہ ہو چونکہ بالکل نئے طور کی کتاب ہے۔ عجب نہیں کہ پھر بھی اس میں کسر رہ گئی ہو۔ ناظرین سے توقع ہے کہ معذور رکھیں کیونکہ اس طرز میں یہ پہلی ہی تصنیف ہے۔

عبد
ڈاکٹر مولوی نذیر احمد دہلوی

Marfat.com

# دیباچہ دوم

جو آدمی دنیا کے حالات پر غور نہیں کرتا اس سے زیادہ کوئی بے وقوف نہیں ہے اور غور کرنے کے واسطے دنیا میں ہزاروں طرح کی باتیں ہیں لیکن سب سے عمدہ اور ضروری آدمی کا حال ہے۔

غور کرنا چاہیے کہ جس روز سے آدمی پیدا ہوتا ہے زندگی میں مرنے تک اس کو کیا کیا باتیں پیش آتی ہیں اور کیوں کر اس کی حالت بدلا کرتی ہے۔ انسان کی زندگی میں سب سے اچھا وقت لڑکپن کا ہے۔ اس عمر میں آدمی کو کسی طرح کی فکر نہیں ہوتی' ماں باپ نہایت شفقت اور محبت سے اس کو پالتے ہیں اور جہاں تک بس چلتا ہے اس کو آرام دیتے ہیں۔ اولاد کے اچھا کھانے اچھا پہننے سے ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے' بلکہ ماں باپ اولاد کے آرام کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اور رنج گوارا کر لیتے ہیں۔

مرد جو باپ ہوتے ہیں کوئی مزدوری اور محنت سے کماتے ہیں' کوئی پیشہ کرتے ہیں' کوئی سوداگری' کوئی نوکری' غرض جس طرح بن پڑتا ہے اولاد کی آسائش کے واسطے روپیہ پیدا کرتے ہیں۔ عورتیں جو ماں ہوتی ہیں اگر باپ کی کمائی گھر کے خرچ کے لیے کافی نہیں ہوتی' بعض اوقات خود روپیہ پیدا کرنے کے لیے کمائی کرتی ہیں' کوئی ماں سلائی کا سیتی ہے۔ کوئی گوٹا بنتی ہے' کوئی ٹوپیاں کاڑھتی ہے' یہاں تک کہ کوئی مصیبت کی ماری ماں چرخہ کات کر' چکی پیس کر یا ماما گری کر کے اپنے بچوں کو پالتی ہے' اولاد کی محبت جو ماں باپ کی ہوتی ہے ہرگز بناوٹ اور ظاہرداری کی نہیں ہوتی بلکہ سچی اور دلی محبت ہے اور خدائے تعالیٰ نے جو بڑا دانا ہے' اولاد کی یہ ماما ماں باپ کو اس لیے لگا دی ہے کہ اولاد پرورش پائے۔

Marfat.com

ابتدائے عمر میں بچے نہایت بے بس ہوتے ہیں' نہ بولتے نہ سمجھتے' نہ چلتے نہ پھرتے' اگر ماں باپ محبت سے اولاد کو نہ پالتے تو بچے بھوکوں مر جاتے' کہاں سے ان کو روٹی ملتی' کہاں سے یہ کپڑا لاتے اور کیونکر بڑے ہوتے' آدمی پر کیا موقوف ہے۔ جانوروں میں بھی اولاد کی ماں تا بہت سخت ہے۔

مرغی بچوں کو کس طرح پالتی ہے؟ دن بھر ان کو پروں میں چھپائے بیٹھے رہتی ہے' اور ایک دانہ بھی اناج کا اس کو ملتا ہے تو آپ نہیں کھاتی' بچوں کو بلا کر چونچ سے ان کے آگے رکھ دیتی ہے اور اگر چیل یا بلی اس کے بچوں کو مارنا چاہے تو اپنی جان کا خیال نہ کر کے لڑنے اور مرنے کو موجود ہو جاتی ہے۔

غرض یہ خاص محبت ماں باپ کو صرف اسی لیے خدا نے دی ہے کہ چھوٹے سے ننھے ننھے بچوں کو جو ضرورت ہوا کی نہ رہے' بھوک کے وقت کھانا اور پیاس کے وقت پانی' سردی سے بچنے کو گرم کپڑا اور ہر طرح کے آرام کی چیز وقت مناسب پر مل جائے۔ دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ خاص محبت اُسی وقت تک رہتی ہے جب تک بچوں کو ضرورت اور احتیاج نہیں ہوتی ہے۔

جب مرغی کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں وہ ان کو پروں میں چھپانا چھوڑ دیتی ہے' اور جب بچے چل پھر کر اپنا پیٹ بھر لینے کے قابل ہو جاتے ہیں' مرغی کچھ بھی ان کی مدد نہیں کرتی بلکہ جب بہت بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کو اس طرح مارنے لگتی ہے گویا وہ ان کی ماں نہیں ہے۔

آدمی کے ماں باپ کا بھی یہی حال ہے۔ جب تک بچہ بہت چھوٹا ہوتا ہے' ماں دودھ پلاتی ہے اور اس کو گود میں اٹھائے پھرتی ہے' اپنی نیند حرام کر کے بچے کو تھپک تھپک کر سلاتی ہے' جب بچہ اتنا سیانا ہوا کہ وہ کھچڑی کھانے لگا' ماں دودھ بالکل چھڑا دیتی ہے اور وہی دودھ جس کو برسوں پیار سے پلاتی رہی سختی اور بے رحمی سے نہیں پینے دیتی' کڑوی چیزیں لگا لیتی ہے اور بچہ ضد کرتا ہے تو مارتی اور گھرکتی ہے۔ چند روز کے بعد بچوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گود میں لینا تک ناگوار ہوتا ہے۔ کیا تم نے اپنے چھوٹے

Marfat.com

بہن بھائی کو اس بات پر مار کھاتے نہیں دیکھا کہ ماں کی گود سے نہیں اترتے ہیں' ماں خفا ہو رہی ہے کہ ایسا ناہموار بچہ ہے' ایک دم کو گود سے نہیں اترتا۔ ان باتوں سے یہ مت سمجھو کہ ماں کو محبت نہیں رہی بلکہ ہر حالت کے ساتھ ایک خاص طرح کی محبت ہوتی ہے' اولاد کا حال یکساں نہیں رہتا' آج دودھ پیتے ہیں کل کھانے لگے' پھر پاؤں چلنا سیکھا' جتنا بڑا بچہ ہوتا گیا اسی قدر محبت کا رنگ بدلتا گیا' لڑکے اور لڑکیاں پڑھنے اور لکھنے کے واسطے کیسی کیسی ماریں کھاتے ہیں۔ اگرچہ بے وقوفی سے بچے نہ سمجھیں لیکن ماں باپ کے ہاتھوں سے جو تکلیف بھی تم کو پہنچے وہ ضرور تمہارے اپنے فائدے کے واسطے ہے۔ تم کو دنیا میں ماں باپ سے الگ رہ کر بہت دنوں تک جینا پڑے گا' کسی کے ماں باپ تمام عمر زندہ نہیں رہتے۔ خوش نصیب ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنہوں نے ماں باپ کے جیتے جی ایسا ہنر اور ایسا ادب دیکھا جس سے ان کی تمام زندگی خوشی اور آرام میں گزری اور نہایت بدقسمت ہے وہ اولاد جنہوں نے ماں باپ کی زندگی کی قدر نہ کی اور جو آرام ماں باپ کی بدولت ان کو میسر ہوا اس کو اکارت کیا اور ایسے اچھے فراغت اور بے فکری کے وقت کو سستی اور کھیل کود میں ضائع کیا اور عمر بھر رنج و مصیبت میں کاٹی۔ آپ عذاب میں رہے اور ماں باپ کو بھی اپنے سبب عذاب میں رکھا۔

مرنے پر کچھ موقوف نہیں' شادی بیاہ ہوئے پیچھے اولاد ماں باپ سے جیتے جی چھوٹ جاتی ہے۔ جب اولاد جوان ہوتی ہے ماں باپ بڈھے ہو جاتے ہیں اور خود اولاد کے محتاج ہو جاتے ہیں' پس جوان ہوئے پیچھے اولاد کو ماں باپ سے مدد ملنی تو درکنار خود ماں باپ کی خدمت اور مدد کرنی پڑتی ہے۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو ضرور سوچنا چاہیے کہ ماں باپ سے الگ ہوئے پیچھے ان کی زندگی کیونکر گزرے گی۔

دنیا میں بہت بھاری بوجھ مردوں کے سر پر ہے' دنیا میں کھانا کپڑا اور روزمرہ کے خرچ کی سب چیزیں روپے سے حاصل ہوتی ہیں اور سب کھڑاگ روپے کا ہے۔ عورتوں کو بڑی خوشی کی بات ہے کہ اکثر کمانے اور روپیہ پیدا کرنے کی محنت سے محفوظ رہتی ہیں۔ دیکھو مرد کیسی کیسی سخت محنت کرتے ہیں' کوئی بھاری بوجھ سر پر اٹھاتا ہے' کوئی

Marfat.com

لکڑی ڈھوتا ہے۔ سنار' لوہار' کھٹیرا' کسیرا' کندلہ گر' زرکوب' دبکیا' تارکش' ملمع سازی' جڑیا' سلمہ ستارے والا' بٹیا' بدرساز' مینا ساز' قلعی گر' سادہ کار' صیقل گر' آئینہ ساز' زردوز' منہیار' نعل بند' نگینہ ساز' کامدانی والا' سان گر' نیاریا' ڈھلیا' بڑھئی' خرادی' ناریل والا' کنگھی ساز' بنس پھوڑ' کاغذی' جلاہا' رفو گر' رنگ ریز' چھپی' دستار بند' درزی' علاقہ بند' نیچہ بند' موچی' مہرکن' سنگ تراش' حکاک' معمار' دب گر' کمہار' حلوائی' تیلی' تنبولی' رنگ ساز' گندھی وغیرہ جتنے پیشے والے ہیں سب کے کاموں کی برابر درجے کی تکلیف ہے اور یہ تمام تکلیف روپیہ کمانے کے واسطے مرد سہتے اور اٹھاتے ہیں لیکن اس بات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورتوں سے سوائے کھانے اور سو رہنے کے کوئی کام دنیا کے متعلق نہیں بلکہ خانہ داری کے تمام کام عورتیں کرتی ہیں' مرد اپنی کمائی عورتوں کے آگے لا کر رکھ دیتے ہیں اور عورتیں اپنی عقل سے اس کو ایسے بندوبست اور سلیقے کے ساتھ اٹھاتی ہیں کہ آرام کے سوائے عزت اور نام پر حرف نہیں آنے پاتا۔

پس اگر غور سے دیکھو تو دنیا کی گاڑی کا جب تک ایک پہیہ مرد کا اور دوسرا پہیہ عورت کا نہ ہو چل نہیں سکتی' مردوں کو روپیہ کمانے سے اتنا وقت نہیں بچتا کہ اس کو گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں صرف کریں۔

بے شک عورت کو خدائے مرد کی نسبت کسی قدر کمزور پیدا کیا ہے لیکن ہاتھ' پاؤں' کان' آنکھ' عقل' سمجھ' یا دسب مرد کے برابر عورت کو دیے ہیں۔ لڑکے انہیں چیزوں سے کام لے کر عالم' حافظ' حکیم' کاریگر' دست کار' ہر فن میں طاق اور ہر ہنر میں مشاق ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں اپنا وقت گڑیا کھیلنے اور کہانیاں سننے میں کھوتی ہیں' بے ہنر رہتی ہیں اور جن عورتوں نے وقت کی قدر پہچانی اور اس کو کام کی باتوں میں لگایا' وہ مردوں کی طرح دنیا میں نامور اور مشہور ہوئی ہیں جیسے نور جہاں بیگم' زیب النساء بیگم یا ان دنوں سکندر بیگم یا انگریزوں کی شاہزادی ملکہ وکٹوریہ' یہ وہ عورتیں ہیں جنہوں نے ایک چھوٹے سے گھر اور کنبے کا نہیں بلکہ ملک اور جہان کا بندوبست کیا۔

بعض نادان عورتیں خیال کرتی ہیں کہ بہت پڑھ کر کیا مردوں کی طرح مولوی ہونا

Marfat.com

ہے؟ پھر محنت کرنے سے کیا فائدہ؟ لیکن اگر کوئی عورت زیادہ پڑھ گئی ہے تو بے شک اس نے زیادہ فائدہ بھی حاصل کیا ہے' ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ زیادہ علم پڑھنا عورتوں کو ضروری نہیں ہے لیکن جس قدر ضرور ہے اس کو کتنی عورتیں حاصل کرتی ہیں' کم سے کم اردو پڑھ لینا نہایت ضروری ہے۔ اگر اتنا نہیں ہے تو بے شک حرج ہوتا ہے یا اپنے گھر کی غیروں پر ظاہر کرنا پڑتی ہے یا اس کو چھپانے سے نقصان ہوتا ہے۔ عورتوں کی باتیں اکثر حیا اور پردے کی ہوتی ہیں لیکن اپنی ماں بہن سے کبھی ان کو ظاہر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اتفاق سے ماں بہن وقت پر پاس نہیں ہوتیں' ایسی صورت میں یا تو حیا کو بالائے طاق رکھنا پڑتا ہے یا نہ کہنے کے سبب نقصان اٹھانا ہوتا ہے۔

لکھنا بہ نسبت پڑھنے کے کسی قدر مشکل ہے لیکن اگر کوئی آدمی کسی کتاب سے چار سطر روز نقل کیا کرے اور اسی قدر اپنے دل سے بنا کر لکھا کرے اور اصلاح لیا کرے تو ضرور تھوڑے مہینوں میں وہ لکھنا سیکھ جائے گا۔ خوش خطی سے مطلب نہیں' لکھنا ایک ہنر ہے جو ضرورت کے وقت بہت کام آتا ہے' اگر غلط ہو یا حرف' بدصورت اور نادرست لکھے جائیں تو بے دل ہو کر مشق کو موقوف مت کرو۔ کوئی کام ہو' ابتدا میں اچھا نہیں ہوا کرتا۔ اگر کسی بڑے عالم کو ایک ٹوپی کترنے اور سینے کو دو جس کو کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا ہو ضرور وہ ٹوپی کو خراب کرے گا۔

چلنا پھرنا' جو تم کو اب ایسا آسان ہے کہ بے تکلف دوڑتی پھرتی ہو تم کو شاید یاد نہ رہا ہو کہ تم نے کس مشکل سے سیکھا' مگر تمہارے ماں باپ اور بزرگوں کو بخوبی یاد ہے کہ پہلے تم کو بے سہارا بیٹھنا نہیں آتا تھا' جب تم کو گود سے اتار کر نیچے بٹھاتے تھے' ایک آدمی پکڑے رہتا تھا یا تکیے کا سہارا لگا دیتے تھے۔ پھر تم نے گر پڑ کر چلنا سیکھا' پھر کھڑا ہونا لیکن چارپائی کو پکڑ کر۔ جب تمہارے پاؤں زیادہ مضبوط ہو گئے رفتہ رفتہ چلنا آ گیا' مگر صدہا مرتبہ تمہارے چوٹ لگی اور ہر روز تم کو گرتے سنا۔ اب وہی تم ہو کہ خدا کے فضل سے ماشاءاللہ دوڑی دوڑی پھرتی ہو۔ اسی طرح ایک دن لکھنا بھی آ جائے گا اور فرض کرو تم کو لڑکوں کی طرح اچھا لکھنا نہ بھی آیا تاہم بقدر ضرورت تو ضرور آ جائے گا اور یہ

Marfat.com

مشکل تو نہ رہے گی کہ دھوبن کے کپڑوں اور پینے والی کی پسائیوں کے واسطے دیوار پر لکیریں کھینچتی پھرو یا کنکر پتھر جوڑ کر رکھو۔

گھر کا حساب کتاب لینا دینا زبانی یاد رکھنا بہت مشکل ہے اور بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو روپیہ پیسہ گھر میں دیا کرتے ہیں اس کا حساب پوچھا کرتے ہیں' اگر زبانی یاد نہیں ہے تو مرد کو شبہ ہوتا ہے کہ روپیہ کہاں خرچ ہوا اور آپس میں ناحق کا رنج وفساد پیدا ہوتا ہے۔ اگر عورتیں اتنا لکھنا بھی سیکھ لیا کریں کہ اپنے سمجھنے کے واسطے کافی ہو تو کیسی اچھی بات ہے۔

لکھنے پڑھنے کے علاوہ سینا پرونا' کھانا پکانا' یہ دو ہنر ہر ایک لڑکی کو سیکھنے ضرور ہیں' کسی آدمی کو یہ حال معلوم نہیں ہے کہ آئندہ اس کو کیا اتفاق پیش آئے گا' بڑے امیر اور بے دولت مند یکایک غریب اور محتاج ہو جاتے ہیں' اگر کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا ہوتا ہے' ضرورت کے وقت کام آتا ہے' یہ ایک مشہور بات ہے کہ اگلے وقتوں کے بادشاہ باوجود دولت اور ثروت کے ضرور کوئی کام سیکھ رکھا کرتے تھے کہ تاکہ مصیبت کے وقت کام آئے۔

یاد رکھو کہ دنیا کی کوئی حالت قابل اعتبار نہیں' اگر تم کو اس وقت آرام وفراغت میسر ہے' خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہمارے گھر میں برکت اور فراغت دی ہے' لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ تم اس آرام کی قدر نہ کرو یا آئندہ کے واسطے اپنا اطمینان کر لو کہ یہی آرام ہم کو ہمیشہ کے واسطے حاصل رہے گا۔ آرام کے دنوں میں عادتوں کا درست رکھنا ضروری ہے۔ اگرچہ خدا نے تم کو نوکر چاکر بھی دیے ہوں لیکن تم کو اپنی عادت نہیں بگاڑنی چاہیے' شاید خدانخواستہ یہ مقدور باقی نہ رہے تو یہ عادت بہت تکلیف دے گی۔

آپ اٹھ کر پانی نہ پینا یا چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں کو یا چھوٹے بھائی بہنوں کو تکلیف دینا اور آپ احدی بن کر بیٹھے رہنا نامناسب بات ہے اور عادت کے بگاڑ کی نشانی ہے۔ تم کو اپنا سب کام آپ کرنا چاہیے بلکہ اگر تم چست وچالاک رہو تو گھر کے بہت کام تم اٹھا سکتی ہو اور اگر تم تھوڑی سی محنت بھی اختیار کرو تو اپنی ماں کو بہت کچھ

Marfat.com

مدد اور سہارا لگا سکتی ہو' خوب غور کر کے اپنا کام کوئی ایسا مت چھوڑو جس کو ماں اپنے ہاتھوں سے کرے یا دوسروں کو اس کے واسطے بلاتی اور تکلیف دیتی پھرے۔

اے میری پیاری لڑکیو! رات کو جب سونے لگو تو اپنا بچھونا اپنے ہاتھوں سے بچھا لیا کرو اور صبح سویرے اٹھ کر آپ طے کر کے احتیاط سے مناسب جگہ رکھ دیا کرو' اپنے کپڑوں کی گٹھری اپنے اہتمام میں رکھو' جب کپڑے بدلنے منظور ہوں اپنے ہاتھ سے پھٹا ادھڑا درست کر لیا کرو' میلے کپڑوں کی احتیاط کرو۔ جب تک دھوبن کپڑے لینے آئے علیحدہ کھونٹی پر لٹکا رکھو۔ اگر کپڑے بدل کر میلے کپڑے اٹھا نہ رکھو گی شاید چوہے کاٹ ڈالیں یا پڑے پڑے زیادہ میلے ہوں اور دھوبن ان کو صاف نہ کر سکے یا شاید زمین کی نمی اور پسینے کی تری سے ان پر دیمک لگ جائے' پھر دھوبن کو اپنے میلے کپڑے آپ دیکھ کر دیا کرو اور جب دھو کر لائے خود دیکھ لیا کرو' شاید کوئی کپڑا کم نہ کر لائی ہو یا کہیں سے پھاڑ نہ دیا ہو یا کہیں کوئی داغ باقی نہ رہ گئے ہوں' اس طرح جب تم اپنے کپڑوں کی خبر رکھو گی تمہارے کپڑے خوب صاف دھلا کریں گے اور کوئی کپڑا گم نہ ہو گا۔

جو زیور تم پہنے رہتی ہو بڑے داموں کی چیز ہے' چار گھڑی دن رہے اور جب سو کر اٹھو خیال کر لیا کرو کہ سب ہے یا نہیں' اکثر بے خبر لڑکیاں کھیل کود میں زیور گرا دیتی ہیں اور کئی کئی دن بعد ان کو معلوم ہوتا ہے کہ بالی گر گئی ہے' چھلا نکل پڑا۔ جب کہ گھر میں کئی مرتبہ جھاڑو دی گئی' کیا معلوم ذرا سی چیز کہاں گئی یا کس جگہ مٹی میں دب گئی' تب وہ غافل لڑکیاں زیور کے واسطے افسوس کر کے روتی ہیں اور تمام گھر کو جستجو میں حیران کر ڈالتی ہیں اور جب ماں باپ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی زیور کو احتیاط سے نہیں رکھتی اور کھو دیتی ہے تو وہ بھی دریغ کرنے لگتے ہیں۔

تم کو ہمیشہ خیال کرنا چاہیے کہ گھر کے کاموں میں کون سا کام تمہارے کرنے کا ہے' بیشک چھوٹے بہن بھائی اگر روتے اور ضد کرتے ہیں' تم ان کو سنبھال سکتی ہو تا کہ ماں کو تکلیف نہ دیں' منہ دھلانا' ان کے کھانے اور پہننے کی خبر رکھنا کپڑے پہنانا یہ سب کام اگر تم چاہو تو کر سکتی ہو لیکن اگر تم اپنے بھائی بہنوں سے لڑو اور ضد کرو تو تم خود اپنا وقار

Marfat.com

کھوتی ہو اور ماں کو تکلیف دیتی ہو۔ وہ گھر کا کام دیکھے یا تمہارے مقدمے فیصلے کیا کرے' گھر میں جو کھانا پکتا ہے اس کو اس غرض سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ کب پک چکے گا اور کب ملے گا' گھر میں جو کتا اور بلی یا دوسرے جانور پلے ہیں وہ اگر پیٹ بھرنے کی امید سے کھانے کے منتظر ہیں تو مضایقہ نہیں لیکن تم کو ہر بات میں غور کرنا چاہیے کہ سالن کس طرح بھونا جاتا ہے' نمک کس انداز سے ڈالتے ہیں' اگر ہر ایک کھانے کو غور سے دیکھا کرو تو یقین ہے کہ چند روز میں تم پکانا سیکھ جاؤ گی۔ اگر لڑکیاں کھانا پکانا نہیں جانتی ہیں تو ماں باپ کو ناحق لوگوں سے برا کہلواتی ہیں۔ معمولی کھانوں کے علاوہ تکلف کے چند کھانوں کی ترکیب بھی سیکھ لینی چاہیے' آئے گئے کی دعوت میں ہمیشہ طرح طرح کے پرتکلف کھانون کی ضرورت ہوا کرتی ہے' کباب' پلاؤ' میٹھے چاول' زردہ' متنجن' چٹنی' مربا' فیرنی سب مزے دار کھانے ہیں' ہر ایک کی ترکیب یاد رکھنی چاہیے۔ بعض اوقات کھانے تکلف کے تو نہیں ہوتے لیکن ان کا مزیدار پکانا تعریف کی بات ہے۔ جیسے مچھلی' کریلے۔

سینا تو چنداں دشوار نہیں' قطع کرنا البتہ عقل کی بات ہے۔ دل لگا کر اس کو معلوم کر لینا بہت ضروری ہے۔ عورتوں کے سب کپڑوں کا قطع کرنا خاص کر ضرور سمجھ لینا چاہیے۔ ہم نے اکثر بے وقوف عورتوں کو دیکھا ہے کہ اپنے کپڑے دوسری عورتوں کے پاس قطع کرانے کے واسطے لیے لیے پھرا کرتی ہیں اور ان کو تھوڑی سی بات کے لیے بہت سی خوشامد کرنا پڑتی ہے۔ مردانہ کپڑوں میں انگرکھا کسی قدر مشکل ہے' تم اپنے بھائیوں کے انگرکھے قطع کیا کرو' دو چار انگرکھے قطع کرنے سے سمجھ میں آ جائے گا۔

لڑکیاں شرم کے مارے منہ سے نہ کہیں لیکن دل میں تو ضرور جانتی ہیں کہ کنوار پتے کے تھوڑے دن اور ہیں' آخر بیاہی جائیں گی' بیاہ ہے پیچھے بالکل نئی طرح کی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے۔ جیسا کہ تم ماں اور نانی اور خالہ اور کنبے کی تمام عورتوں کو دیکھتی ہو' کنوار پتے کا وقت تو بہت تھوڑا وقت ہے' اس وقت کا اکثر حصہ تو بے تمیزی میں گزر جاتا ہے' وہ پہاڑ زندگی تو آگے آ رہی ہے جو طرح طرح کے جھگڑوں اور انواع و اقسام کے بکھیڑوں سے بھری ہوئی ہے' اب تم غور کرو کہ تم کوئی انوکھی لڑکی تو ہو نہیں کہ بیاہ پیچھے

Marfat.com

تم کو اور کچھ بھاگ لگ جائیں گے جو دنیا جہاں کی بیٹیوں کو پیش آتی ہے وہ تم کو بھی پیش آئے گی۔

پس سوچنا چاہیے کہ عورتیں کس طرح زندگی بسر کرتی ہیں' بیاہے پیچھے کیسی ان کی عزت ہوتی ہے' مرد کیا ان کی توقیر اور کس طرح ان کی خاطر داری کرتے ہیں' خاص لوگوں کی حالت پر تو نظر مت کرو' بعض جگہ اتفاق سے زیادہ ملاپ ہوا' عورت مرد پر غالب آ گئی اور جہاں زیادہ ناموافقت ہوئی عورت کا وقر بالکل اٹھ گیا۔ یہ تو بات ہی الگ ہے' ملک کے دستور اور عام رواج کو دیکھو' سو عام دستور کے موافق ہم تو عورتوں کی کچھ قدر کرنے نہیں دیکھتے ناقصات العقل تو ان کا خطاب ہے' تریاہٹ' تریا چرتر' مردوں کے زباں زد' عورتوں کے مکر کی مذمت قران میں موجود ہے۔ ''اِنَّ کَیْدَ کُنَّ عَظِیْمٌ'' مرد لوگ عورتوں کی ذات کو بے وفا جانتے ہیں۔

اسپ وزن وشمشیر وفادا کہ دید

شیخ سعدی نے گلستان میں عورتوں کی وجہ تسمیہ میں بھی ان کی مذمت پیدا کی ہے۔

اگر نیک بودے سر انجام زن

زنان رامزن نام بودے نہ زن

یہ سب باتیں تو کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں' خانہ داری کے برتاؤ میں دیکھو تو گھر کی ٹہل خدمت کے علاوہ دنیا کا کوئی عمدہ کام بھی عورتوں سے لیا جاتا ہے یا کسی عمدہ کام کے صلاح و مشورے میں عورتیں شریک ہوتی ہیں' جن گھروں میں عورتوں کی بڑی خاطر داری اور عزت ہے' وہاں بھی جب عورتوں سے پوچھا جاتا ہے تو یہی' کیوں بی! آج کیا ترکاری پکے گی؟ لڑکی کے واسطے ٹاٹ بافی جوتی منگواؤ گی یا ڈیڑھ حاشے کی؟ چھالیہ مانک چندی لوگی یا جہازی؟ زردہ پوربی لینا منظور ہے یا امانت خانی' رضائی کو اودی گوٹ لگے گی یا سرمئی؟ اس کے سوائے کوئی عورت بتادے کہ مردوں نے اس سے بڑی بڑی باتوں میں صلاح لی ہے یا کوئی بڑا کام اس کے اختیار میں چھوڑ دیا ہے؟

پس اے عورتو! کیا تم کو ایسے برے حالوں جینا کبھی ناخوش نہیں آتا؟ اپنی بے اعتباری اور بے وقری پر کبھی افسوس نہیں ہوتا کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ مردوں کی نظروں

Marfat.com

میں تمہاری عزت ہو؟ تم نے اپنے ہاتھوں اپنا وقر کھو رکھا ہے' اپنے کارن نظروں سے گری ہوئی ہو' تم کو قابلیت ہو تو مردوں کو کب تک خیال نہ ہوگا۔ تم کو لیاقت ہو تو مردوں کو کب تک پاس نہ ہوگا۔ مشکل تو یہ ہے کہ تم صرف اسی روٹی دال پکا لینے اور پھٹا پرانا سی لینے کو لیاقت سمجھتی ہو' پھر جیسی لیاقت ہو ویسی ہی قدر' تمہاری اس بالفعل کی حالت پر ایک بدعقلی اور ایک مکر و بے وفائی کیا اگر دنیا بھر کے الزام تم پر لگائے جائیں تو واجب اور دنیا بھر کی برائیاں تم میں نکالی جائیں تو بجا۔

اے عورتو! تم مردوں کے دل کا بہلاؤ' ان کی زندگی سرمایہ عیش' ان کی آنکھوں کی باغ و بہار' ان کی خوشی کو زیادہ اور ان کے غم کو غلط کرنے والیاں ہو۔ اگر تم سے مردوں کو بڑے کاموں میں مدد ملے اور تم کو بے کاموں کے انتظام کا سلیقہ ہو تو پھر دو تو تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیا کریں اور تم کو اپنا سرتاج بنا کر رکھیں۔ تم سے بہتر ان کا غم گسار تم سے بہتر ان کا صلاح کار' تم سے بہتر ان کا خیر خواہ' کون ہے؟ لیکن بڑے کاموں کا سلیقہ تم کو حاصل کیوں کر ہو' گھر کی چار دیواری میں تم قید ہو۔ کسی سے ملنے کی تم نہیں' کسی سے بات کرنے کی تم نہیں' عقل ہو یا سلیقہ آدمی سے آدمی سیکھتا ہے' مرد لوگ پڑھ لکھ کر عقل و سلیقہ پیدا کرتے ہیں' اور جو پڑھے لکھے نہیں وہ بھی ہزاروں طرح کے لوگوں سے ملتے' دس سے دس طرح کی باتیں سنتے' اس پردے سے تو تم کو نجات کی امید نہیں' ہمارے ملکی دستور اور رواج نے پردہ نشینی کو عورتوں پر فرض و واجب کر دیا ہے اور اب اس رواج کی پابندی نہایت ضرور ہے۔ پس سوائے پڑھنے لکھنے کے اور کیا تدبیر ہے کہ تمہاری عقلوں کو ترقی ہو۔ بلکہ مردوں کی بہ نسبت عورتوں کو پڑھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔

مرد تو باہر کے چلنے پھرنے والے ٹھہرے' لوگوں سے مل جل کر بھی تجربہ حاصل کر لیں گے۔ تم گھر میں بیٹھے بیٹھے کیا کرو گی؟ سینے کی بغچہ سے عقل کی پڑیا نکالو گی یا اناج کی کوٹھری سے تجربے کی جھولی بھر لاؤ گی' پڑھنا سیکھو کہ پردے میں بیٹھے ہوئے تمام دنیا کی سیر کر لو۔ علم حاصل کرو کہ اپنے گھر میں تم کو زمانے بھر کی باتیں معلوم ہوا کریں۔

عورتوں کو اپنی اولاد کی تہذیب کے واسطے بھی لیاقت حاصل کرنے کی بہت ضرورت ہے' لڑکیاں تو بیاہ تک اور لڑکے بھی اکثر دس برس کی عمر تک گھروں میں تربیت

Marfat.com

پاتے ہیں اور ماؤں کی خوبواں میں اثر کرتی جاتی ہے۔

پس اے عورتو! اولاد کی اگلی زندگی تمہارے اختیار میں ہے چاہو تو شروع سے ان کے دلوں میں وہ ارادے اور وہ اونچے خیال بھر دو کہ یہ بڑے ہو کر نام ونمود پیدا کریں اور تمام عمر آسائش میں بسر کر کے تمہارے شکر گزار رہیں اور چاہو تو ان کی افتاد کو ایسا بگاڑ دو کہ جوں جوں بڑے ہوں خرابی کے لچھن سیکھتے جائیں اور انجام تک اس ابتدا کا تاسف کیا کریں' لڑکوں کو بولنا آیا اور تعلیم پانے کا مادہ حاصل ہوا' اگر ماؤں کو لیاقت ہو تو اسی وقت بچوں کو تعلیم کر چلیں' مکتب یا مدرسے بھیجنے کے انتظار میں لڑکوں کے کئی برس ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں نہ تو خود لڑکوں کو مدرسے جانے کا شوق ہوتا ہے اور نہ ماؤں کی محبت اس بات کی متقضی ہوتی ہے کہ ننھے ننھے بچے جو ابھی اپنی ضرورتوں کے ضبط پر قادر نہیں ہیں استاد کی قید میں رکھے جائیں' لیکن مائیں اگر چاہیں اسی وقت ان کو بہت کچھ سکھا پڑھا دیں۔

لڑکے مدرسے میں بیٹھنے کے بعد بھی مدتوں تک بے دلی سے پڑھا کرتے ہیں اور بہت دنوں میں ان کی استعداد کی ترقی ہوتی ہے' اس تمام وقت میں ان کو ماؤں سے بہت مدد مل سکتی ہے' اول تو ماؤں کی سی شفقت اور دل سوزی کہاں دوسرے رات دن کا برابر رہنا' جب ذرا طبیعت متوجہ دیکھی جھٹ کوئی حرف پہنچا دیا' کچھ گنتی ہی یاد کرا دی' کہیں پورب پچھم کا امتیاز بتا دیا۔

اولاد کی تہذیب تو تہذیب' ان کی پرورش کی تدبیر ان کی جان کی حفاظت ماؤں کے اختیار میں ہے' اگر خدانخواستہ کہیں اس سلیقے میں کمی ہے تو اولاد کی جان پر گزند ہے۔ ایسا کون کم بخت ہوگا جس کو ماؤں کی محبت میں کلام ہو' لیکن وہی محبت اگر نادانی کے ساتھ برتی جائے تو ممکن ہے کہ بجائے نفع کے الٹا نقصان پہنچائے' ذرا انصاف کرو کیا ہزاروں جاہل اور کم عقل مائیں ایسی نہیں ہیں جو اولاد کے ہر ایک مرض کو نظر گزر اور پر چھاواں اور جھپٹا اور آسیب سمجھ کر بجائے دوا کے جھاڑ پھونک اتارا کیا کرتی ہیں اور نامناسب علاج کے اثر تمہیں سمجھ لو کیا ہوتا ہوگا؟

اب تم کو ایک لطیف قصہ سناتے ہیں جس سے تم کو معلوم ہوگا کہ بے ہنری سے کیا تکلیف پہنچتی ہے؟

Marfat.com

باب پہلا

# تمہید کے طور پر عورتوں کے لکھنے پڑھنے کی ضرورت اور ان کی حالت کے مناسب کچھ نصیحتیں

جو آدمی دنیا کے حالات میں کبھی غور نہیں کرتا اس سے زیادہ کوئی احمق نہیں۔ غور کرنے کے واسطے دنیا میں ہزاروں طرح کی باتیں ہیں لیکن سب سے عمدہ اور ضروری آدمی کا اپنا حال ہے کہ جس روز سے آدمی پیدا ہوتا ہے زندگی میں اس کو کیا باتیں پیش آتیں اور کیوں کر اس کی حالت بدلا کرتی ہے۔

انسان کی زندگی میں سب سے اچھا وقت لڑکپن کا ہے۔ اس عمر میں آدمی کو کسی قسم کا فکر نہیں ہوتا۔ ماں باپ نہایت شفقت اور محبت سے اس کو پالتے ہیں اور جہاں تک بس چلتا' اس کو آرام دیتے ہیں۔ اولاد کے اچھا کھانے' اچھا پہننے سے ماں باپ کو خوشی ہوتی ہے بلکہ ماں باپ اولاد کے آرام کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اور رنج تک کو گوارا کر لیتے ہیں۔ مرد جو باپ ہوتے ہیں' کوئی محنت مزدوری سے کماتے ہیں' کوئی پیشہ کر کے' کوئی سوداگری' کوئی نوکری۔ غرض جس طرح بن پڑتا ہے اولاد کی آسائش کے واسطے روپے کے پیدا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ عورتیں جو ماں ہوتی ہیں' کوئی ماں سلائی کا کام سیتی ہے' کوئی گوٹا بنتی ہے' کوئی ٹوپیاں کاڑھتی ہے یہاں تک کہ کوئی مصیبت کی ماری ماں چرخہ کات کر' چکی پیس کر' ماما گیری کر کے بچوں کو پالتی ہے۔ اولاد کی محبت جو ماں کو ہوتی ہے ہرگز بناوٹ اور ظاہرداری کی نہیں ہوتی بلکہ سچی اور دلی محبت ہے اور خدائے تعالیٰ نے جو بڑا دانا ہے یہ ممتا اس لیے ماں باپ کے پیچھے لگا دی ہے کہ اولاد پرورش پائے۔ ابتدائے عمر میں بچے نہایت بے بس ہیں' نہ بولتے نہ سمجھتے' نہ چلتے نہ پھرتے۔ اگر ماں باپ محبت سے اولاد کو نہ پالتے تو بچے بھوکوں مر جاتے۔ کہاں سے ان کو روٹی ملتی' کس طرح کپڑا بہم پہنچاتے اور کیوں کر بڑے ہوتے؟ آدمی پر کیا موقوف

Marfat.com

ہے' جانوروں میں بھی اولاد کی ممتا بہت سخت ہے۔ مرغی بچوں کو دن بھر پروں میں چھپائے بیٹھی رہتی ہے اور اناج کا ایک دانہ بھی اس کو ملتا ہے تو آپ نہیں کھاتی' بچوں کو بلا کر چونچ سے ان کے آگے سرکا دیتی ہے اور اگر چیل یا بلی اس کے بچوں پر حملہ کرنا چاہے تو مطلق اپنی جان کا خیال نہ کر کے لڑنے اور مرنے کو موجود ہو جاتی ہے۔ غرض ہو نہ ہو یہ خاص محبت ماں باپ کو صرف اسی لیے خدا نے دی ہے کہ ننھے ننھے بچوں کو جو ضرورت ہو انکی نہ رہے۔ بھوک کے وقت کھانا اور پیاس کے وقت پانی۔ سردی سے بچنے کو گرم کپڑا اور ہر طرح کی آرام کی چیز وقت مناسب پر مل جائے۔ دیکھنے سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ یہ پھڑک اس وقت تک رہتی ہے جب تک بچوں کو اس کی ضرورت احتیاج ہوتی ہے۔ جب مرغی کے بچے بڑے ہو جاتے ہیں تو وہ ان کو پروں میں چھپانا چھوڑ دیتی ہے اور جب بچے چل کر پھر کر اپنا پیٹ بھرنے کے قابل ہو جاتے ہیں تو مرغی کچھ بھی ان کی مدد نہیں کرتی بلکہ جب بہت بڑے ہو جاتے ہیں تو ان کو اس طرح مارنے کو دوڑتی ہے گویا وہ ان کی ماں نہیں۔ آدمی کے ماں باپ کا بھی یہی حال ہے جب تک بچہ ہوتا ہے' ماں دودھ پلاتی ہے اور اس کو گود میں لادے لادے پھرتی ہے۔ اپنی نیند خراب کر کے بچے کو تھپک تھپک کر سلاتی ہے۔ جب بچہ اتنا سیانا ہوا کہ کھچڑی کھانے لگا' ماں دودھ بالکل چھڑا دیتی ہے اور وہی دودھ جس کو برسوں پیار سے پلاتی رہی' سختی اور بے رحمی سے نہیں پینے دیتی۔ کڑوی چیزیں لگا لیتی ہے اور بچہ ضد کرتا ہے تو مارتی اور گھرکتی ہے۔ چند روز کے بعد بچوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ گود میں لینا تک ناگوار ہوتا ہے۔ کیا تم نے اپنے چھوٹے بھائی بہن کو اس بات پر مار کھاتے نہیں دیکھا کہ ماں کی گود سے نہیں اترتے۔ ماں خفا ہو رہی ہے کہ کیسا ناہموار بچہ ہے کہ ایک دم نہیں چھوڑتا۔ ان باتوں سے یہ مت سمجھو کہ ماں کی محبت نہیں رہی۔ نہیں نہیں محبت تو ویسی ہی ہے مگر ہر حالت کے ساتھ ایک خاص طرح کی محبت ہوتی ہے' اولاد کا حال یکساں نہیں رہتا۔ آج دودھ پیتے ہیں' کل کھانے لگے پھر پاؤں چلنا سیکھا۔ بچہ جتنا بڑا ہوتا گیا' اسی قدر محبت کا رنگ بدلتا گیا اور زیادہ بڑے ہو کر لڑکے اور لڑکیاں پڑھنے اور لکھنے اور کام کرنے کے واسطے ماریں

Marfat.com

کھاتے ہیں۔ اگر چہ بے وقوفی سے بچے نہ سمجھیں مگر ماں باپ کے ہاتھوں سے جو تکلیف بھی تم کو پہنچے وہ ضرور تمہارے اپنے فائدے کے واسطے ہے۔ تم کو دنیا میں ماں باپ سے الگ رہ کر بہت دنوں جینا پڑے گا۔ کسی کے ماں باپ تمام عمر زندہ نہیں رہتے۔ خوش نصیب ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنہوں نے ماں باپ کے جیتے جی ایسا ہنر اور ایسا ادب سیکھا جس سے ان کی تمام زندگی خوشی اور آرام میں گزری' اور نہایت بدقسمت ہے وہ اولاد جنہوں نے ماں باپ کی زندگی کی قدر نہ کی اور جو آرام ماں باپ کی وجہ سے ان کو میسر ہوا اس کو اکارت اور ایسے اچھے فراغت اور بے فکری کے وقت کو سستی اور کھیل کود میں ضائع کیا۔ عمر بھر رنج و مصیبت میں کاٹی۔ آپ عذاب میں رہے اور ماں باپ کو اپنے سبب عذاب میں رکھا۔ مرنے پر کچھ موقوف نہیں' شادی بیاہ ہوئے پیچھے اولاد ماں باپ سے جیتے جی چھوٹ جاتی ہے۔ لڑکوں لڑکیوں کو ضرور سوچنا چاہیے کہ ماں باپ سے الگ ہوئے پیچھے ان کی زندگی کیوں کر گزرے گی۔

دنیا میں بہت بھاری بوجھ مردوں کے سر پر ہے۔ کھانا' کپڑا اور روزمرہ کے خرچ کی سب چیزیں روپے سے حاصل ہوتی ہیں اور سارا کھڑاگ روپے کا ہے۔ عورتوں کو بڑی خوشی کی بات ہے کہ اکثر روپیہ پیدا کرنے کی محنت سے محفوظ رہتی ہیں۔ مردوں کو دیکھو روپے کے لیے کیسی کیسی سخت محنتیں کرتے ہیں۔ کوئی بھاری بوجھ سر پر اٹھاتا ہے' کوئی لکڑیاں چیرتا' سنار' لوہار' ٹھٹھیرا' کسیرا' کندلہ گر' زرکوب' دبکیہ' تارکش' ملمع ساز' جڑیا' سلمہ ستارہ والا' بٹیہ' جلد ساز' مینا ساز' قلعی گر' سادہ گر' صیقل گر' آئینہ ساز' زردوز' منہیار' نعل بند' نگینہ ساز' کامدانی والا' سان گر' نیاریا' ڈھلیہ' بڑھئی' خرادی' ناریل والا' کنگھی ساز' بنس پھوڑ' کاغذی' جولاہا' رفوگر' رنگ ریز' چھیپی' دستار بند' درزی' علاقہ بند' نیچہ بند' موچی' مہرکن' سنگ تراش' حکاک' معمار' دبگر' کمہار' حلوائی' تیلی' تنبولی' رنگ ساز' گندھی وغیرہ جتنے پیشے والے ہیں کسی کا کام جسمانی اور دماغی تکلیف سے خالی نہیں' اور روپے کی خاطر یہ تمام تکلیف مردوں کو سہنی اور اٹھانی پڑتی ہے لیکن اس بات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورتوں کو کھانے اور سو رہنے کے سوا دنیا کا کوئی کام مطلق نہیں بلکہ خانہ داری

Marfat.com

کے تمام کام عورتیں ہی کرتی ہیں۔ مرد اپنی کمائی عورتوں کے آگے لا کر رکھ دیتے ہیں اور عورتیں اپنی عقل سے اس کو بندوبست اور سلیقے کے ساتھ اٹھاتی ہیں۔ پس اگر غور سے دیکھو تو دنیا کی گاڑی میں جب تک ایک پہیہ مرد اور دوسرا عورت کا نہ ہو چل نہیں سکتی۔ مردوں کو روپیہ کمانے سے اتنا وقت نہیں بچتا کہ اس کو گھر کے کاموں میں صرف کریں۔ اے لڑکو! وہ بات سیکھو کہ مرد ہو کر تمہارے کام آئے اور اے لڑکیو! ایسا ہنر حاصل کرو کہ عورت ہونے پر تم کو اس سے خوشی اور فائدہ ہو۔ بے شک عورت کو خدا نے مرد کی نسبت کسی قدر کمزور پیدا کیا ہے ہاتھ' پاؤں' آنکھ' یادداشت' سوچ سمجھ سب چیزیں مردوں کے برابر عورتوں کو دی گئی ہیں۔ لڑکے ان ہی چیزوں سے کام لے کر ہر فن میں طاق اور ہر ہنر میں مشاق ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں اپنا وقت گڑیاں کھیلنے اور کہانیاں سننے میں کھوتی ہیں۔ ویسی ہی بے ہنر رہتی ہے اور جن عورتوں نے وقت کی قدر پہچانی اور اس کو کام کی باتوں میں لگایا۔ ہنر سیکھا' لیاقت حاصل کی' وہ مردوں سے کسی بات میں ہیٹی نہیں رہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کو دیکھو' عورت ذات ہو کر کس دھوم اور کس شان اور کس ناموری اور کس عمدگی کے ساتھ اتنے بڑے ملک کا انتظام کر رہی ہیں کہ دنیا میں کسی بادشاہ کو آج تک یہ بات نصیب نہیں۔ جب ایک عورت نے سلطنت جیسے کٹھن کام کو اور سلطنت بھی ماشاءاللہ اس قدر وسیع اور ایسے نازک وقت کہ بات منہ سے نکلی اور اخبار والوں نے بتنگڑ بنایا' اتنی مدت دراز تک سنبھالا اور ایسا سنبھالا کہ جو سنبھالنے کا حق ہے تو اب عورت کی خداداد قابلیت میں کلام کرنا نری ہٹ دھرمی ہے۔

بعض نادان عورتیں خیال کرتی ہیں کہ کیا لکھ پڑھ کر ہم کو مردوں کی طرح نوکری کرنی ہے لیکن اگر کسی عورت نے لکھ پڑھ لیا ہے اور اس نے نوکری نہیں کی تو اس کا لکھنا پڑھانا اکارت بھی نہیں گیا۔ اس کو اور بہتیرے فائدے پہنچے جن کے مقابلے میں نوکری کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ جو لوگ علم کو صرف نوکری کا وسیلہ سمجھ کر پڑھتے ہیں ان کو علم کی قدر نہیں۔ سچ پوچھو تو علم کے آگے نوکری ایسی ہے جیسے سودے کے ساتھ روکھن۔ کہاں سے قوتِ بیان لائیں کہ تم کو علم کے فائدے سمجھائیں۔ ظاہر کی دو آنکھیں تو ہمارے

Marfat.com

تمہارے سب کے منہ پر ہیں۔ کبھی اندھے فقیروں کی دعا سنو۔ کس حسرت سے کہتے ہیں ''بابا آنکھیاں بڑی نعمت ہیں'' شاید کوئی بھی ایسا سنگ دل نہ ہوگا جس کو اندھوں کی معذوری اور بے کسی پر رحم نہ آتا ہو لیکن دل کے اندھے جن کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا ان سے کہیں زیادہ قابل رحم ہیں۔ انگریزوں کی ولایت میں تو اندھوں کی تعلیم کا ایسا عمدہ انتظام ہے کہ اندھے ٹٹول ٹٹول کر اچھی طرح اخبار اور کتابیں پڑھ لیتے ہیں۔ ہمارے یہاں کے اندھے بھی بعض ایسے بلا کے ذہین ہوتے ہیں کہ سوئی پروئیں' سئیں اکیلے سارے شہر کے گلی کوچوں میں بے دھڑک دوڑے دوڑے پھریں۔ کھوٹا کھرا روپیہ پرکھیں۔ قرآن شریف کا حفظ کر لینا تو اندھے کے لیے گویا ایک معمولی بات ہے۔ غدر سے پہلے پہلے شہر میں گنتی کے دو چار مادرزاد اندھے مولوی بھی تھے۔ غرض آنکھوں کا اندھا ہونا مصیبت ہے' مگر نہ ایسی کہ جیسے دل کا اندھا (یعنی جاہل ہونا) افسوس کوری دل کے نقصانات سے لوگ واقف نہیں اور یہی وجہ ہے کہ عالم و فاضل ہونا تو درکنار' ہزار پیچھے ایک بھی پڑھا لکھا نظر نہیں آتا۔

یہ تو مردوں کا مذکور ہے' جن کو پڑھ لکھ کر روٹی کمانی ہے۔ عورتوں میں پڑھنے لکھنے کا چرچا اس قدر رلم ہے کہ دلی جیسے غدار شہر میں اگر مشکل سے سو سوا سو عورتیں' وہ بھی شاید حرف شناس نکلیں بھی تو اس کو چرچا نہیں کہہ سکتے۔ پھر اگر چرچا نہ ہو تو خیر چنداں مضائقے کی بات نہیں۔ مصیبت تو یہ ہے کہ اکثر عورتوں کے لکھانے پڑھانے کو عیب اور گناہ خیال کرتے ہیں ان کو خدشہ یہ ہے کہ ایسا نہ ہو لکھنے پڑھنے سے عورتوں کی چار آنکھیں ہو جائیں۔ لگیں مردوں سے خط و کتابت کرنے اور خدانخواستہ کل کلاں ان کی پاک دامنی اور پردہ داری میں کسی طرح کا فتور واقع ہو۔ یہ صرف شیطانی وسوسے ہیں اور ملک کی خصوصاً عورتوں کی بدقسمتی لوگوں کو بہکا اور بھڑکا رہی ہے۔ اول تو ہم ایک ذری سی بات یہی پوچھتے ہیں کہ علم انسان کی اصلاح کرتا ہے یا الٹا اس کو بگاڑتا اور خرابی کے لچھن سکھاتا ہے؟ اگر بگاڑتا ہے تو مردوں کو بھی پڑھنے لکھنے کی مناہی ہونی چاہیے تاکہ بگڑنے نہ پائیں اور مرد بگڑیں گے تو کبھی کبھی ان کا بگاڑ عورتوں میں اثر کرے گا پر کرے گا۔

Marfat.com

دوسرے انصاف شرط ہے۔ بے شک بعض پڑھے لکھے مرد بھی آوارہ بدوضع ہوتے ہیں لیکن کیا علم نے ان کو آوارگی اور بدوضعی سکھائی؟ نہیں نہیں' آوارگی اور بدوضعی انہوں نے بری صحبت میں سیکھی یا کھجلی اور کوڑھ کی طرح ان کو اڑ کر لگی اور پڑھ لکھ کر ان کی برائی' مثلاً چھٹانک بھر ہے تو نہ پڑھنے کی صورت میں یقین جانو ضرور سیر اسوا سیر ہوتی۔ باایں ہمہ مثلاً سو پڑھے لکھوں پر نظر ڈالو تو کوئی اکا دکا شامت زدہ خراب ہو تو ہو ورنہ خدا نے چاہا تو اکثر نیک' بھلے مانس' ماں باپ کا ادب کرنے والے' بھائی بہنوں سے محبت رکھنے والے' بڑے کو بڑے اور چھوٹے کو چھوٹے کی جگہ سمجھنے والے' دنگے فساد اور بری صحبت سے دور بھاگنے والے' روزے رکھنے والے' سچ بولنے والے' غریبوں پر ترس کھانے والے' غصے کے پی جانے والے' بزرگوں کی نصیحت پر چلنے والے' لحاظ شرم والے' جیسا کھانا کپڑا میسر آیا شکر گزاری کے ساتھ کھانے والے ملیں گے۔ ہماری بھی ساری عمر ایسے ہی لوگوں میں گزری ہے۔ ہم تم سے سچ کہتے ہیں کہ جو شخص علم کو بدنام کرتا ہے' آسمان پر تھوکتا ہے اور چاند پر خاک ڈالتا ہے۔ بے شک بعض برے لوگوں نے بری کتابیں بھی دنیا میں پھیلا دی ہیں' اردو میں اس قسم کی کتابیں بہت کم ہیں اور جو ہیں سلسلہء درس سے خارج ہیں اور ان کا پڑھنا اور سننا کیا مرد کیا عورت سب ہی کے حق میں زبوں ہے' لیکن اس خیال سے کہ آنکھ بری جگہ بھی پڑ سکتی ہے یا زبان سے بعض نالائق کوستے' جھوٹ بولتے' گالیں بکتے' بلاضرورت قسم کھاتے یا لوگوں کے پیٹھ پیچھے ان کی بدیاں روتے ہیں جس کو غیبت کہتے ہیں' نہ آنکھیں پھوڑی جاتی ہیں نہ زبان کاٹی جاتی ہے۔ تو صرف علم نے کیا قصور کیا ہے کہ ایک لغو اور بے اصل احتمال کی بنیاد پر عورتوں کو اس کے بے انتہا دینی اور بنیادی فائدوں سے محروم رکھا جائے؟ کیا اتنا نہیں ہو سکتا کہ بے ہودہ کتابوں کو مستورات کی نظر سے نہ گزرنے دیں؟ علاوہ بریں آدمی کے دل کو خدا نے بنایا ہے آزاد۔ جب انسان کو کسی پر مجبور کیا جائے تو وہ چار و ناچار اس کام کو کرتا ہے مگر نہ اس عمدگی اور خوبی کے ساتھ جیسا کہ خود اپنے دل کے تقاضے سے۔ کہاں تو دوسروں کو زبردستی اور کہاں اپنا شوق۔ مثلاً لڑکے بعض تو وہ ہیں جن کو خود پڑھنے کا مطلق

Marfat.com

شوق نہیں۔ اس واسطے کہ نادان ہیں' بے سمجھ ہیں۔ اتنا نہیں جانتے کہ آج کو جی لگا کر پڑھ لکھ لیں گے تو بڑے ہوئے پیچھے ہمارے ہی کام آئے گا۔ دنیا میں ہماری عزت و آبرو ہوگی۔ دنیا اور دین دونوں میں ہمارا بھلا ہوگا۔ تو ایسے بدشوق لڑکے کبھی خوشی سے مدرسے نہیں جاتے۔ گھر والوں نے زبردستی دھکیل دیا یا مکتب کے لڑکے آئے اور ٹانک کر لے گئے۔ زبردستی گئے' بے دلی سے بیٹھے رہے' چھٹی ملی' نہ کچھ پڑھا نہ لکھا' کورے واپس آئے۔ دوسرے قسم کے لڑکے وہ ہی جن کی قسمت میں خدا نے کچھ بہتری لکھی ہے وہ آپ سے بے کہے' بے بھیجے' بے بلائے وقت سے پہلے مدرسے کو دوڑے چلے جاتے ہیں۔ جاتے ہی آموختہ پڑھا' مطالعہ کیا' سبق لیا اور آخر وقت تک اس میں لگے لپٹے رہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ ان دونوں قسم کے لڑکوں میں کس سے امید کی جا سکتی ہے کہ لکھ پڑھ کر امتحان پاس کرے گا' گھر بیٹھے اس کو نوکری کے لیے بلاوے آئیں گے۔ زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ بے شک جس کو شوق ہے اسی کو فوق ہے۔

اسی طرح ہماری عورتوں میں حیا' پاک دامنی' پردہ داری' نیکی جو کچھ سمجھو خدا کے فضل و کرم سے بہتر ہی ہے۔ مگر برا مانو یا بھلا مانو' ابھی تک ہے مجبوری کی۔ یعنی مذہب اور ملکی رواج اور مردوں کی حکومت نے عورتوں کو زبردستی نیک بنا رکھا ہے لیکن اگر خود عورتوں کے دل میں نیکی کا تقاضا ہو تو سبحان اللہ نور علیٰ نور۔ ایک تو سونا کھرا' اوپر سے ملا سہاگہ' کیا کہنا ہے۔ مگر دل سے نیکی کے تقاضے کے پیدا ہونے کے علم کے سوا اور کوئی تدبیر ہی نہیں۔ بس جو لوگ عورتوں کو علم سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ گویا ان کو سچی اور حقیقی اور پاکیزہ اور بے لوث اور کھری اور پائیدار نیک دلی سے روکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو خدا نے جاہل رہنے کے لیے نہیں بنایا۔ جس حالت میں عورتیں اب ہیں' اس کے لیے انہیں اتنی عقل کی کیا ضرورت ہے؟ بس خدا نے جو عورتوں کو اتنی ساری عقل دی ہے ضرور کسی بڑے کام کے لیے دی ہے۔ یعنی' علم حاصل کرنے کے لیے لیکن اگر عورتیں عقل سے علم حاصل کرنے کا کام نہ لیں تو ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے ہندوؤں کے جوگی جو اپنا ہاتھ سکھا کر مصلحت الٰہی کو باطل کرتے ہیں۔ کیوں صاحب' ہاتھ کا خشک

Marfat.com

اور بے کار کر دینا بہتر یا اس کو نیک کام میں لا کر دنیا کا فائدہ اور دین کا ثواب حاصل کرنا بہتر؟ مسلمانوں کی تشفی کے لیے تو اس سے بڑھ کر اور کوئی بات ہو نہیں سکتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیبیوں میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ سر برآوردہ تھیں۔ ایک دن دونوں بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم آ نکلے اور حضرت عائشہؓ کی طرف اشارہ کر کے حضرت حفصہؓ سے بیان فرمایا کہ ان کو بھی لکھنا سکھاؤ۔ ہر چند پردہ نشینی کی وجہ سے دنیا کے بہت سے کام عورتوں کو معاف ہیں لیکن پھر بھی خیال کرو تو عورتیں نری نکمی نہیں ہیں۔

خانہ داری بدون عورت کے ایک دن نہیں چل سکتی۔ مرد کتنا ہی ہوشیار کیوں نہ ہو ممکن نہیں کہ عورت کی مدد کے بدون گھر چلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ عورت کے مرنے کو خانہ ویرانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس اگر دنیا کے کسی کام میں بھی بکار آمد ہے تو بڑے تعجب کی بات ہے کہ خانہ داری کے اتنے بھاری کام میں جو مردوں کے سنبھالے نہ سنبھلے بکار آمد نہ ہو۔ پر یوں کہو کہ لوگوں کو اپنے معاملات پر غور کرنے اور سوچنے کی عادت نہیں۔ اگلے لوگ بری یا بھلی جو راہ نکال گئے ہیں' دائیں بائیں کچھ نہیں دیکھتے۔ بھیڑوں کی طرح اس پر آنکھیں بند کیے چلے جاتے ہیں۔ خانہ داری منہ سے کہنے کو تو ایک لفظ ہے' مگر اس کے معنی اور مطلب پر نظر کرو تو پندرہ بیس کے فرق سے خانہ داری اور دنیا داری ایک ہی چیز ہے۔ خانہ داری میں جو کام کرنے پڑتے ہیں ان کی فہرست منضبط نہیں ہو سکتی۔ شادی' غمی' تقریبات' مہمان داری' لین دین' نسبت نامہ' پیسنا' پکانا' سینا پرونا' خدا جانے کتنے بکھیڑے ہیں۔ جس نے گھر کیا ہو اسی کو کچھ خبر ہو گی لیکن اس خانہ داری میں اولاد کی تربیت بھی ہے اور کسی کام میں عورتوں کو علم کی ضرورت شاید نہ بھی ہو' مگر اولاد کی تربیت تو جیسی چاہیے بے علم کے ہونی ممکن نہیں۔ لڑکیاں تو بیاہ تک اور لڑکے اکثر دس برس کی عمر تک گھروں میں تربیت پاتے ہیں اور ماؤں کی خو بواں میں اتر کر جاتی ہے۔ پس اے عورتو! اولاد کی اگلی زندگی تمہارے اختیار میں ہے۔ چاہو تو شروع سے ان کے دلوں میں ایسے اونچے ارادے اور پاکیزہ خیال بھر دو کہ بڑے ہو کر نام و نمود پیدا کریں اور

Marfat.com

تمام عمر آسائش میں بھر کر کے تمہارے شکر گزار رہیں اور چاہو تو ان کے افتاد کو ایسا بگاڑ دو کہ جوں جوں بڑے ہوں خرابی کے لچھن سیکھتے جائیں اور انجام تک اس ابتدا کا تاسف کریں۔

لڑکوں کو بولنا آیا اور تعلیم پانے کا مادہ حاصل ہوا۔ اگر ماؤں کو لیاقت ہو تو اسی وقت سے بچوں کو تعلیم کر چلیں۔ مکتب یا مدرسے بھیجنے کے انتظار میں لڑکوں کے کئی برس ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہت چھوٹی عمر میں نہ تو خود لڑکوں کو مدرسے جانے کا شوق ہوتا ہے اور نہ ماؤں کی محبت اس بات کو گوارا کرتی ہے کہ ننھے ننھے بچے جو ابھی اپنی ضرورتوں کے ضبط پر قادر نہیں ہیں استاد کی قید میں رکھے جائیں لیکن اگر مائیں چاہیں اسی وقت میں ان کو بہت کچھ سکھا پڑھا دیں۔ لڑکے مدرسے میں بیٹھنے کے بعد بھی مدتوں تک بے دلی سے پڑھا کرتے ہیں اور کہیں بہت دنوں میں ان کی استعداد کو ترقی ہوتی ہے۔ اس تمام وقت میں ان کو ماؤں سے یقیناً بہت مدد مل سکتی ہے۔ اول تو ماؤں کی سی شفقت اور دل سوزی کہاں؟ دوسرے رات دن کا برابر پاس رہنا' جب ذرا طبیعت متوجہ دیکھی جھٹ کوئی حرف پچھوا دیا یا کچھ گنتی ہی یاد کرا دی۔ کہیں پورب پچھم کا امتیاز بتا دیا۔ مائیں تو باتوں باتوں میں وہ سکھا سکتی ہیں اور ماؤں کی تعلیم میں ایک یہ کتنا بڑا لطف ہے کہ لڑکوں کی طبیعت کو وحشت نہیں ہونے پاتی اور شوق کو ترقی ہو جاتی ہے۔ اولاد کی تہذیب' ان کی پرورش کی تدبیر' ان کی جان کی حفاظت ان کے اختیار میں ہے۔ اگر خدانخواستہ کہیں اس سلیقے میں کمی ہے تو اولاد کی زندگی معرضِ خطر میں ہے۔ ایسا کون کم بخت ہوگا جس کو ماؤں کی محبت میں کلام ہو لیکن وہی محبت اگر نادانی کے ساتھ برتی جائے تو ممکن ہے کہ بجائے نفع کے الٹا نقصان پہنچائے۔ ذرا انصاف کرو' کیا ہزاروں جاہل اور کم عقل مائیں ایسی نہیں ہیں جو اولاد کے ہر ایک مرض کو نظر گزار اور پر چھانواں جھپیٹا اور آسیب سمجھ کر بجائے دوا کے جھاڑ پھونک اتار کیا کرتی ہیں؟ ورنہ مناسب علاج کا اثر تم ہی سمجھ لو کیا ہوتا ہوگا۔ عرض یہ ہے کہ کل خانہ داری کی بلکہ کہو کہ دنیاداری کی دوستی موقوف ہے عقل پر عقل کی علم پر۔ اس بات کو ہر کوئی تسلیم کرے گا کہ عورت میں سب سے بڑا ہنر یہ

Marfat.com

ہونا چاہیے کہ جس کے پلے بندھی ہے' آپ اس سے راضی رہے اور اس کو اپنے راضی اور خوش رکھے۔

تم نے بہشت اور دوزخ کا نام سنا ہوگا۔ سچ مچ کی دوزخ اور بہشت تو دوسرے جہان کی چیزیں ہیں' مرے پیچھے ان کی حقیقت کھلے گی لیکن ان کی شکلیں گھر گھر دنیا میں موجود ہیں اور ان کی پہچان کیا ہے؟ میاں بی بی کے آپس کا پیار و اخلاص۔ جس گھر میں میاں بیوی محبت اور سازگاری سے زندگی بسر کرتے ہیں بس سمجھ لو کہ ان کو دنیا ہی میں بہشت ہے اور اگر آئے دن کی لڑائی ہے' جھگڑا ہے' یہ اس سے خفا' وہ اس سے ناراض تو جانو دونوں جیتے جی جہنم میں ہیں۔ سازگاری کے ساتھ ساری مصیبتیں انگیز کی جا سکتی ہیں بلکہ اس کی ایذا تک محسوس نہیں ہوتی اور سازگاری نہیں تو زندگی میں کچھ مزہ داری نہیں۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ سازگاری کے لیے عورتوں کو زیادہ اہتمام کرنا ہوگا اس لیے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا پلا بالکل ہلکا ہے۔ کچھ راہ چلتے کی صاحب سلامت نہیں کہ تم روٹھے ہم چھوٹے بلکہ مرنے بھرنے کا تعلق ہے۔ سازگاری پیدا کرنے کے لیے جو تدبیریں عورت کے اختیار کی ہیں ان سب میں بہتر سے بہتر ہمارے سمجھنے کی لیاقت ہے۔ لڑکیاں شرم کے مارے منہ سے نہ کہیں لیکن دل سے تو ضرور جانتی ہیں کہ کوار پتے کے دن تھوڑے ہیں۔ آخر بیاہی جائیں گی۔ بیاہے پیچھے بالکل نئی طرح کی زندگی بسر کرنا پڑتی ہے' جیسا کہ تم ماں اور نانی اور خالہ اور کنبے کی تمام عورتوں کو دیکھتی ہو۔ کوار پتے کا وقت تو بہت تھوڑا ہے۔ اس وقت کا اکثر حصہ تو بے تمیزی میں گزر جاتا ہے۔ وہ پہاڑ سی زندگی تو آگے آ رہی ہے جو طرح طرح کے جھگڑوں اور انواع اقسام کے بکھیڑوں سے بھری ہوئی ہے۔ اب تم غور کرو کہ تم کوئی انوکھی لڑی تو ہو نہیں کہ بیاہ ہوئے پیچھے تم کو کچھ اور بھاگ لگ جائیں گے۔ جو دنیا جہان کی بہو بیٹیوں کو پیش آتی ہے وہ تم کو بھی پیش آئے گی۔ پس سوچنا چاہیے کہ بیاہ ہوئے پیچھے عورتیں کس طرح پر زندگی بسر کرتی ہیں' کیسی ان کی عزت کی جاتی ہے' کہاں تک مردان کی خاطر داری کرتے ہیں۔ خاص طور پر لوگوں کی حالت پر غور مت کرو۔ بعض جگہ اتفاق سے زیادہ ملاپ ہوا' عورت مرد پر غالب آ گئی اور جہاں زیادہ ناموافقت ہوئی' عورت کا دفتر بالکل اٹھ گیا۔

Marfat.com

یہ تو بات ہی الگ ہے۔ ملک کے عام دستور اور عام رواج کو دیکھو۔ سو عام دستور کے موافق ہم تو عورتوں کی کچھ خاص قدر دیکھتے نہیں۔ ناقصات العقل توان کا خطاب ہے۔ تہیاہٹ' تریا چرتر مردوں کے زبان زد۔ عورتوں کے مکر کی مذمت قرآن میں موجود ان کیدکن عظیم یعنی' مرد لوگ عورتوں کی ذات کو بے وفا جانتے ہیں۔

اسپ وزن وشمشیر وفادار کہ دید

ایک شاعر نے عورتوں کی وجہ تسمیہ میں بھی ان کی مذمت پیدا کی ہے۔

اگر نیک بودے سر انجام زن

زناں رامزن نام بودے نہ زن

یہ سب باتیں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ خانہ داری کے برتاؤ میں دیکھو تو گھر کی ٹہل خدمت کے علاوہ دنیا کا کوئی عمدہ کام بھی عورتوں سے لیا جاتا ہے یا کسی عمدہ کام کے صلاح یا مشورے میں عورتیں شریک ہوتی ہیں؟ جن گھروں میں عورتوں کی بڑی عزت اور بڑی خاطر داری ہے' وہاں بھی جب عورت سے پوچھا جاتا ہے تو یہی ''کیوں جی'' آج کیا ترکاری پکے گی؟ لڑکی کے لیے ٹاٹ بافی جوتی منگواؤ گی یا ڈیڑھ حاشیہ کی؟ چھالیہ مانک چندی لوگی یا جہازی؟ زردہ پوربی لینا منظور ہے یا امانت خانی؟ رضائی کو اودی گوٹ لگے گی یا سرمئی؟ اس کے سوا کوئی عورت بتادے کہ کبھی مردوں نے اس سے بڑی باتوں میں صلاح لی ہے یا کوئی بڑا کام اس کے اختیار میں چھوڑ دیا ہے؟ پس اے عورتو! کیا تم کو ایسے برے حالوں میں جینا ناخوش نہیں آتا؟ اپنی بے اعتباری اور بے وقری پر افسوس نہیں ہوتا؟ کیا تمہارا جی نہیں چاہتا کہ مردوں کی نظر میں تمہاری عزت ہو' تمہاری عقل پر ان کو اعتماد اور بھروسا ہو؟ تم نے اپنے ہاتھوں اپنا وقار کھو رکھا ہے۔ اپنے کارن نظروں سے گری ہو۔ تم کو قابلیت ہو تو مردوں کو کب تک خیال نہ ہوگا؟ تم کو لیاقت ہو تو مردوں کو کہاں تک پاس نہ ہوگا؟ مشکل تو ہے کہ تم صرف اسی روٹی دال پکا لینے اور پھٹا پرانا سی لینے کو لیاقت سمجھتی ہو۔ پھر جیسی لیاقت ہے' ویسی قدر ہے۔ تمہاری اس بالفعل کی حالت اور جہالت پر ایک بدعقلی اور ایک مکر وفریب کیا اگر دنیا بھر کے الزام تم پر لگائے جائیں تو واجب اور سارے جہان کی برائیاں تم میں نکالی جائیں تو بجا۔

Marfat.com

اے عورتو! تم مردوں کے دل بہلاوا اور ان کی زندگی کا سرمایہ عیش' ان کی آنکھوں کی بہار و باغ' ان کی خوشی کو زیادہ اور ان کے غم غلط کرنے والیاں ہو۔ اگر تم کو مردوں سے بڑے کاموں کے انتظام کا سلیقہ ہو تو مرد تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیا کریں اور تم کو اپنا سرتاج بنا کر رکھیں۔ تم سے بہتر ان کا غم گسار' تم سے بہتر ان کا صلاح کار' تم سے بہتر ان کا خیر خواہ اور کون ہوگا لیکن بڑے کاموں کا سلیقہ تم کو حاصل ہو تو کیوں کر؟ گھر کی چار دیواری میں تو تم قید ہو۔ کسی سے ملنے کی تم نہیں۔ کسی سے بات کرنے کی تم نہیں۔ عقل ہو یا سلیقہ' آدمی سے آدمی سیکھتا ہے۔ مرد لوگ پڑھ لکھ کر عقل و سلیقہ حاصل کرتے ہیں اور جو لکھے پڑھے نہیں وہ بھی ہزاروں طرح کے لوگوں سے ملتے' دس سے دس قسم کی باتیں سنتے ہیں۔ اس پردے سے تم کو نجات کی امید نہیں۔ بہت کچھ ہمارے ملکی دستور اور رواج نے اور کسی قدر مذہب نے پردہ نشینی کو عورتوں پر فرض و واجب کر دیا ہے اور اب اس رواج کی پابندی نہایت ضروری ہے۔ پس سوائے پڑھنے لکھنے کے اور کیا تدبیر ہے کہ تمہاری عقلوں کو ترقی ہو؟ بلکہ مردوں کی نسبت عورتوں کو پڑھنے لکھنے کی زیادہ ضرورت ہے۔ مرد تو باہر کے چلنے پھرنے والے ٹھہرے۔ لوگوں سے مل جل کر بھی تجربہ حاصل کر لیں گے۔ تم گھر میں بیٹھی بیٹھی کیا کرو گی؟ سینے کی بقچی سے عقل کی پڑیا نکال لو گی یا اناج کی کوٹھڑی سے تجربے کی جھولی بھر لاؤ گی؟ پڑھنا لکھنا سیکھو کہ پردے میں بیٹھے بیٹھے ساری دنیا کی سیر کر لیا کرو۔ علم حاصل کرو کہ گھر کے گھر میں زمانے بھر کی باتیں تم کو معلوم ہوا کریں۔ پھر سمجھنے کی بات یہ ہے کہ دنیا ان ہی چند گھروں سے عبارت نہیں ہے جس میں تم رہتی ہو یا آتی جاتی ہو اور نہ دلی یا ان تھوڑے سے شہروں سے عبارت ہے جن کے نام تم نے سنے ہیں۔ خیر تمام دنیا کے حالات بیان کرنے کا تو یہ محل نہیں۔ تم کو شوق ہو تو پڑھ لکھ کر جغرافیہ اور تاریخ کی کتابوں کی سیر کرنا۔ تب جانو گی کہ دنیا کتنی بڑی ہے۔ کیسے کیسے ردوبدل اس میں ہوتے آئے ہیں۔

بہرکیف' اس وقت کا یہ رنگ ہے کہ سارے ہندوستان پر انگریز قابض ہیں۔ ان لوگوں میں مرد' عورت' امیر' غریب' نوکری پیشہ' سوداگر' اہل حرفہ' کاریگر' زمین دار' کاشت کار سب کے سب پڑھے لکھتے ہوتے ہیں اور اسی سے خدا نے ان کو ترقی دی ہے

Marfat.com

کہ کہاں ان کی ولایت اور کہاں ہندوستان۔ چھ سات ہزار میل کا فاصلہ اور بیچ میں سمندر۔ مگر علم کے زور سے اس ملک میں آئے' علم ہی کے زور سے اس کو اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ چلا رہے ہیں کہ روئے زمین کی کسی سلطنت میں ایسا امن وانصاف اور ایسا انتظام نہیں۔ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ دانش مند منصف اور خدا ترس بادشاہ کو رعیت اپنی اولاد سے بڑھ کر پیاری ہوتی ہے۔ پس انگریز جس دن اس ملک میں آئے اس دن سے اس بات کے پیچھے پڑے ہیں کہ ہندوستان کے لوگ لکھیں پڑھیں' لیاقت حاصل کریں کہ ان کا افلاس دور ہو۔ ظلم زبردستی کرنا تو انگریزوں کا دستور نہیں مگر جہاں تک سمجھانے سے' لالچ دکھانے سے ہوسکتا ہے علم کو ترقی دے رہے ہیں۔ گاؤں گاؤں مدرسے بٹھا دیے ہیں۔ پڑھنے والوں کو وظیفے اور انعام دیے جاتے ہیں۔ جو لوگ امتحان پاس کرتے ہیں ان کو نوکری ملتی ہے۔ سو خدا کے فضل سے اتنا تو ہوا ہے کہ لکھنے پڑھنے کا بہت رواج ہو گیا ہے اور ہوتا جاتا ہے۔ یہی ایک ڈھنگ ہے تو کوئی دن کو دھوبی' سقے' مزدور تک لکھنے پڑھنے لگیں گے۔ بھلا پھر ان پڑھ اور جاہل اشراف لوگوں کی' مرد ہوں یا عورت کیا عزت باقی رہ جائے گی؟

انگریزی عمل داری میں ہزاروں قسم کی نئی چیزیں چل پڑی ہیں۔ ان میں سے ایک عجیب اور بے کام کی ریل ہے جس کی وجہ سے مہینوں کے رستے گھنٹوں میں طے کیے جاتے ہیں اور وہ بھی کس سہولت اور آسائش کے ساتھ کہ سفر کا سفر اور تفریح کی تفریح۔ یہی سبب ہے کہ لوگ جیسے پردیس کے کام سے گھبراتے تھے' اب سفر کے لیے بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔ یہ ہماری یاد کی بات ہے کہ جب کوئی حج کا ارادہ کرتا تو یہ سمجھ کر گھر سے نکلتا کہ بس مجھ کو لوٹ کر آنا نہیں یا اب ریل اور دخانی جہازوں کے طفیل میں یہ حال ہو گیا ہے کہ ذیقعد میں گھر سے نکلے' محرم کے آخر ہوتے ہوتے مکے مدینے دونوں کی زیارت کر کے اصل خیر سے آ موجود ہوئے اور لوگوں میں تو خیر مگر نوکری پیشہ تو شاذ و نادر کوئی گھر کے گھر موجود ہو ورنہ جس کو سنو پردیس لیکن پردیس سے آپس کے تعلقات تو نہیں چھوٹتے۔ ایک بار بڑے دن کی تعطیل میں جانے کا اتفاق ہوا۔ ذرا گورکھپور اور دلی کے فاصلے تو دیکھو اور باوجود یہ کہ گورکھپور سے دلی تک برابر ریل نہ تھی' آٹھ دن کی چھٹی میں

Marfat.com

آنے جانے کو اور پورے پانچ دن دہلی میں ٹھہرنے' کو دیکھو بھلے کو انگریز کی عملی داری ہو گئی تھی کہ ہم نے بھی یہ آرام دیکھ لیے۔

خیر تو عرض یہ کہ چھٹی میں دلی آیا ہوا تھا کہ ایک بی بی اپنے میاں کے نام خط لکھوانے آئیں۔ بتاتی گئیں' میں لکھتا گیا۔ بہت سی باتیں ان کے منہ تک آتی تھیں مگر لحاظ کے مارے کہہ نہیں سکتی تھیں۔ آخر مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے ان کو سمجھایا کہ خدا نے تمہاری روزی تو اتاری پردیس میں اور پردیس بھی مہینے دو مہینے کا نہیں بلکہ ساری عمر کا۔ اس سے تم آپ لکھنا کیوں نہیں سیکھ لیتیں؟ تو وہ بڑی حسرت کے ساتھ کہنے لگیں' بھلا کہیں اب میری عمر لکھنا سیکھنے کی ہے؟ بال بچوں کے بکھیڑے میں پندرہ پندرہ دن گزر جاتے ہیں کہ سر دھونے کی نوبت نہیں آتی۔ بچپن میں قرآن پڑھا تھا۔ خیر شکر ہے استانی جی کی برکت سے بھولا تو نہیں مگر مشکل سے گھڑیوں میں جا کر ایک مہینہ بھی چھوڑ دوں تو سارا قرآن سپاٹ ہو جائے۔ یہ سن کر میں نے کہا کہ جب تم کو قرآن یاد ہے تو لکھنا سیکھ لینا کوئی بڑی بات نہیں۔ ہر روز ایک گھنٹے بھی توجہ کرو تو کارروائی کے قدر دو تین مہینے میں آ سکتا ہے۔ آخر اردو تو تم پڑھ لیتی ہو گی۔ وہ بولیں' ہاں کچھ یوں ہی سی اٹک اٹک کر اور اکثر لفظ رہ جاتے ہیں۔ مگر چھپا ہوا خاصی طرح سے نکال لیتی ہیں۔ میں نے کہا بس تو تم کو استاد کی ضرورت بھی نہیں۔ نقل کرتے کرتے لکھنا آ جائے گا۔ ان بی بی نے دل میں میری بات کو تسلیم تو کیا مگر کہنے لگیں' شرم سی آتی ہے۔ تب تو میں نے ان کو خوب آڑے ہاتھوں لیا کہ دوسروں کے پاس حاجت لے جاتے ہوئے' دوسروں کی خوشامد کرتے ہوئے' دوسروں پر چبا چبا کر اپنے حالات ظاہر کرتے ہوئے تم کو شرم نہیں آتی اور لکھنا سیکھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کیا لکھنا کچھ عیب ہے یا گناہ ہے؟ میں نے سنا کہ اس کے بعد سے ان بی بی نے اپنا خط کسی سے نہیں لکھوایا اور پھر تو ان کو لکھنے کا ایسا شوق ہوا کہ جن بیبیوں کے مرد پردیس میں تھے خط لکھنے کو اب ان کے سر ہوتی تھیں۔

لکھنے کو لوگوں نے ناحق بدنام کر رکھا ہے کہ مشکل ہے' مشکل۔ کچھ بھی مشکل نہیں لیکن فرض کرو کہ پڑھنے کی نسبت لکھنا کسی قدر مشکل ہے بھی تو ویسے ہی اس کے مصنفین بھی ہیں۔ جو شخص پڑھنا جانتا اور لکھنا نہیں جانتا' اس کی مثال اس گونگے کی سی ہے جو

Marfat.com

دوسروں کی سنتا اور اپنی نہیں کہہ سکتا۔ اگر کوئی شخص شروع شروع میں کسی کتاب سے زیادہ نہیں' ایک سطر' دو سطر روز نقل کر لیا کرے اور اسی قدر اپنے دل سے بنا کر لکھا کرے اور اصلاح لیا کرے اور نقل کرنے اور لکھنے میں جھینپے اور جھجکے نہیں تو ضرور چند مہینوں میں لکھنا سیکھ جائے گا۔ خوش خطی سے مطلب نہیں۔ لکھنا ایک ہنر ہے جو ضرورت کے وقت بہت کام آتا ہے۔ اگر غلط ہو یا حرف بدصورت اور نادرست لکھے جائیں تو بے دل ہو کر مشق کو موقوف مت کرو۔ کوئی کام ہو' ابتدا میں اچھا نہیں ہوا کرتا۔ اگر کسی بڑے عالم کو ایک ٹوپی کترنے اور سینے کو دو' جس کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو' وہ ضرور ٹوپی خراب کرے گا۔ چلنا پھرنا جو تم کو اب ایسا آسان ہے کہ بے تکلف دوڑی دوڑی پھرتی ہو' تم کو شاید یاد نہ رہا ہو کہ تم نے کس مشکل سے سیکھا مگر تمہارے ماں باپ اور بزرگوں کو بخوبی یاد ہے کہ پہلے تم کو بے سہارے بیٹھنا نہیں آتا تھا۔ جب تم کو گود سے اتار کر نیچے بٹھاتے' ایک آدمی پکڑے رہتا تھا یا تکیے کا سہارا لگا دیتے تھے۔ پھر تم نے گر پڑ کر گھٹنوں کے بل چلنا سیکھا' پھر کھڑا ہونا لیکن چارپائی پکڑ کر۔ پھر جب تمہارے پاؤں مضبوط ہو گئے' رفتہ رفتہ چلنا آ گیا۔ مگر صدہا مرتبہ تمہارے پاؤں میں چوٹ لگی اور ہر روز تم کو گرتے سنا۔ اب وہی تم ہو کہ خدا کے فضل سے ماشاء اللہ دوڑی دوڑی پھرتی ہو۔ اسی طرح ایک دن لکھنا بھی آ جائے گا اور فرض کرو کہ تم کو لڑکوں کی طرح اچھا لکھنا نہ بھی آیا تاہم بقدر ضرورت تو آ جائے گا اور یہ مشکل تو نہ رہے گی کہ دھوبن کے کپڑوں کی دھلائی اور پینے والی کی سیائیوں کے واسطے دیوار پر لکیریں کھینچتی پھرو یا کنکر پتھر جوڑ کر رکھو۔ گھر کا حساب کتاب' لینا دینا' زبانی یاد رکھنا بہت مشکل ہے اور بعض مردوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو روپیہ پیسہ گھر میں دیا کرتے ہیں' اس کا حساب پوچھا کرتے ہیں۔ اگر زبانی یاد نہیں ہے تو مرد کو شبہ ہوتا ہے کہ یہ روپیہ کہاں خرچ ہوا اور آپس میں ناحق کا رنج و فساد ہوتا ہے۔ اگر عورتیں اتنا لکھنا سیکھ بھی لیا کریں کہ اپنے سمجھنے کے واسطے کافی ہو تو کیسی اچھی بات ہے۔

لکھنے پڑھنے کے علاوہ سینا پرونا' کھانا پکانا یہ دونوں ہنر ہر ایک لڑکی کو سیکھنے ضرور ہیں۔ کسی آدمی کو حال معلوم نہیں ہے کہ آئندہ اس کو کیا اتفاق پیش آئے گا۔ بڑے امیر اور بڑے دولت مند یکایک غریب اور محتاج ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ہنر ہاتھ میں پڑا ہوتا

Marfat.com

ہے' ضرورت کے وقت کام آتا ہے۔ یہ ایک مشہور بات ہے کہ اگلے وقتوں کے بادشاہ باوجود دولت وثروت کے' ضرور کوئی ہنر سیکھ رکھا کرتے تھے تاکہ مصیبت کے وقت کام آئے۔ یاد رکھو! دنیا میں کوئی حالت قابل اعتبار نہیں۔ اگر تم کو اس وقت آرام وفراغت میسر ہے' خدا کا شکر کرو کہ اس نے اپنی مہربانی سے ہمارے گھر میں برکت اور فراغت دی ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم اس آرام کی قدر نہ کرو یا آئندہ کے واسطے اپنا اطمینان کرلو کہ یہی آرام ہم کو ہمیشہ کے واسطے حاصل رہے گا۔ آرام کے دنوں میں عادتوں کا درست رکھنا ضرور ہے۔ اگرچہ خدا نے تم کو نوکر چاکر بھی دیے ہیں لیکن تم کو اپنی عادت نہیں بگاڑنی چاہیے۔ شاید خدانخواستہ مقدور باقی نہ رہے تو یہ عادت بہت تکلیف دے گی۔ آپ اٹھ کر پانی نہ پینا یا چھوٹے چھوٹے کاموں میں نوکروں یا چھوٹے بھائی بہنوں کو تکلیف دینا اور آپ احدی بن کر بیٹھے رہنا نامناسب اور عادت کے بگاڑنے کی نشانی ہے۔ تم کو اپنا سب آپ کرنا چاہیے۔ بلکہ اگر تم چست وچالاک رہو تو گھر کے بہت سے کام تم اٹھا سکتی ہو اور اگر تم تھوڑی سی محنت بھی اختیار کرو تو اپنی ماں کو بہت کچھ مدد اور سہارا لگا سکتی ہو۔ خوب غور کرکے اپنا کوئی کام ایسا مت چھوڑو جس کو ماں اپنے ہاتھوں کرے یا دوسروں کو اس واسطے بلاتی اور تکلیف دیتی پھرو۔ رات کو جب سونے لگو' اپنا بچھونا اپنے ہاتھ سے بچھالیا کرو اور صبح سویرے اٹھ کر آپ تہہ کرکے احتیاط سے مناسب جگہ رکھ دیا کرو۔ اپنے کپڑوں کی گٹھڑی اپنے اہتمام میں رکھو۔ جب تک دھوبن کپڑے لینے آئے' ان کو علیحدہ کھونٹی پر لٹکا رکھو۔ اگر کپڑے بدل کر میلے کپڑے اٹھا کر نہ رکھو گی تو شاید چوہے کاٹ ڈالیں یا پڑے پڑے زیادہ میلے ہو جائیں اور دھوبن ان کو خوب صاف نہ کرسکے یا شاید زمین کی نمی اور پسینے کی تری سے ان میں دیمک لگ جائے۔ پھر دھوبن کو اپنے میلے کپڑے آپ دیکھ کر دیا کرو اور جب دھوکر لائے خود دیکھ لیا۔ شاید کوئی کپڑا کم لائی ہو یا کہیں سے پھاڑ نہ دیا ہو یا کہیں پہ داغ باقی نہ رہ گئے ہوں۔ اس طرح جب تم اپنے کپڑوں کی خبر رکھو گی تمہارے کپڑے خوب صاف دھلا کریں گے اور کوئی کپڑا گم نہ ہوگا۔ جو زیور تم پہنے رہتی ہو' بڑے داموں کی چیز ہے۔ شام کو سونے سے پہلے اور صبح کو جب سو کر اٹھو' خیال کرلیا کرو کہ سب ہیں یا نہیں۔ اکثر

Marfat.com

بے خبر لڑکیاں کھیل کود میں زیور گرا دیتی ہیں اور کئی کئی دن کے بعد ان کو معلوم ہوتا ہے کہ بالی گر گئی' چھلا نکل پڑا۔ کیا معلوم ذرا سی چیز کس کی نظر پڑ گئی اور اس نے اٹھالی یا کہیں مٹی میں دب دبا گئی۔ تب وہ غافل لڑکیاں زیور کے واسطے افسوس کر کے روتی اور تمام گھر کو جستجو میں حیران کر مارتی ہیں اور جب ماں باپ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لڑکی زیور کو احتیاط سے نہیں رکھتی اور کھو دیتی ہے تو وہ بھی دریغ کرنے لگتے ہیں۔

تم کو ہمیشہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ گھر کے کاموں میں سے کون سا کام تمہارے کرنے کا ہے' بے شک چھوٹے بھائی بہن اگر روتے اور ضد کرتے ہیں تو تم ان کو سنبھال سکتی ہو تا کہ ماں کو تکلیف نہ دیں۔ منہ دھلانا' ان کے کھانے اور پانی کی خبر رکھنا' کپڑا پہنانا' یہ سب کام اگر تم چاہو تو کر سکتی ہو لیکن اگر تم اپنے بھائی بہنوں سے لڑو اور ضد کرو تو تم خود اپنا وقار کھوتی اور ماں کو تکلیف دیتی ہو۔ وہ گھر کا کام دیکھے یا تمہارے مقدمے کا فیصلہ کیا کرے۔ گھر میں جو کھانا پکتا ہے' اس کو اس غرض سے نہیں دیکھنا چاہیے کہ کب پک چکے گا اور کب ملے گا۔ گھر میں جو کتا اور بلی یا دوسرے جانور پلے ہیں' وہ اگر پیٹ بھرنے کی امید سے کھانے کے منتظر رہیں تو مضائقہ نہیں لیکن تم کو غور کرنا چاہیے کہ سالن کس طرح بھونا جاتا ہے' نمک کس انداز میں ڈالتے ہیں۔ اگر ہر ایک کھانے کو غور سے دیکھا کرو تو یقین ہے چند روز میں تم پکانا سیکھ جاؤ گی اور تم کو وہ ہنر آ جائے گا جو دنیا کے تمام ہنروں میں سب سے زیادہ ضرورت کی چیز ہے۔ معمولی کھانوں کے علاوہ تکلف کے چند کھانوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ کباب' پلاؤ' میٹھے چاول' زردہ' متنجن' چٹنی' مربہ' فرنی سب مزیدار کھانے ہیں۔ ہر ایک کی ترکیب یاد رکھنی چاہیے۔ بعض کھانے تکلف کے تو نہیں ہوتے لیکن ان کا مزے دار پکانا تعریف کی بات ہے۔ جیسے مچھلی' کریلے' سیم تو چنداں دشوار نہیں' قطع کرنا البتہ عقل کی بات ہے۔ دل لگا کر اس کو معلوم کر لینا بہت ضرور ہے۔ عورتوں کے سب کپڑوں کو قطع کرنا خاص طور پر ضرور سمجھ لینا چاہیے۔ ہم نے اکثر بے وقوف عورتوں کو دیکھا ہے کہ اپنے کپڑے دوسری عورتوں کے پاس قطع کرانے کے لیے پھرا کرتی ہیں اور ان کو تھوڑی سی بات کے لیے بہت سی خوشامد کرنی پڑتی ہے۔ مردانے کپڑوں میں آنگرکھا کسی قدر مشکل ہے۔ تم اپنے بھائیوں کے انگرکھے قطع کیا کرو۔ دو چار انگرکھے قطع کرنے سے سمجھ میں آ جائے گا۔

Marfat.com

باب دوسرا

# قصے کا آغاز اور جن لوگوں کا اس قصے میں بیان ہے' ان کے مختصر حالات

اب تم کو ایک مزے کا قصہ سناتے ہیں جس سے معلوم ہو جائے گا کہ جہالت اور بے ہنری سے کیا کیا تکلیفیں پہنچتی ہیں۔

دلی میں اندیش خانیوں کا ایک بڑا مشہور خاندان ہے۔ مدت سے اس خاندان کے مردوں کے نام اندیش خاں پر چلے آتے ہیں جیسے دور اندیش خاں' مآل اندیش خاں' خیر اندیش خاں وغیرہ۔

اس سے یہ لوگ اندیش خانی کہلائے۔ ان لوگوں کا اتنا بڑا خاندان تھا کہ شہر میں شریفوں کا کوئی محلّہ نہ ہوگا جس میں دو چار گھر اندیش خانیوں کے نہ ہوں۔ یہ لوگ سب کے سب نوکری پیشہ اور اکثر ہندوستانی سرکاروں میں ممتاز خدمتوں پر مامور تھے۔

دور اندیش خاں جن کے خانگی حالات سے یہ کتاب ترتیب دی گئی ہے پنجاب کے پہاڑی اضلاع میں سرکار انگریزی کی طرف سے تحصیل دار تھے۔ نوکری اور تنخواہ تو کچھ ایسی بہت بڑی نہ تھی مگر آدمی لائق' دیانتدار اور کارگزار کہ اتنی صفتیں نوکروں میں کم ہوتی ہیں۔ اس سے انگریزوں میں اچھی آبرو پیدا کی تھی۔ ہم سے اور دور اندیش خاں صاحب سے جب اول اول ملاقات ہوئی کہ اس کو بھی اب چار سوا چار برس ہونے آئے ہیں ان کی عمر ایسی کوئی چوالیس پینتالیس برس کے قریب رہی ہوگی۔ بہت ہی خوش رو آدمی تھے۔ کشیدہ قامت' بدن کے اکہرے' جامہ زیب' داڑھی کھچڑی ہو چلی تھی۔ ہم تو سمجھے تھے کہ دادا اور نانا ہوں گے تو عجب نہیں مگر ایسی بہت اولاد بھی نہ تھی' صرف دو بیٹے اور دو بیٹیاں۔ دو چار بچے گنگا جمنی طور پر پیدا ہوئے یعنی سب سے بڑی پہلوٹی کی

Marfat.com

اکبری' اس کے اوپر خیر اندیش' اوپر اصغری' اصغری کے بعد سب سے چھوٹا مآل اندیش' ایک دن کچھ یوں ہی مذکور آ گیا کہ اولاد کم ہے تو بولے کہ خدا اصغری کی عمر میں برکت دے اور اس کو صاحب نصیب کرے اور ان شاء اللہ ہوگی۔ مجھے تو بیٹا بیٹی کسی کی تمنا باقی نہیں۔

دور اندیش خان بیس برس پورے ہو کر اکیسویں میں لگے تھے کہ ان کا بیاہ ہوا اور اکبری پیدا ہوئی' بیاہ کے کہیں دس ساڑھے دس برس بعد۔ ہم سمجھتے ہیں کہ زیادہ تر اس انتظار کے سبب اور کسی قدر پہلونٹی کے ہونے کی وجہ سے بھی اکبری کے ساتھ ایسے چونچلے برتے گئے کہ انہوں نے اکبری کے مزاج پر بہت ہی برا اثر کیا۔ نہ تو اس نے کچھ لکھا پڑھا' نہ کوئی ہنر سیکھا' نہ عقل حاصل کی اور نہ اپنی عادتوں کو سنوارا۔ بس اکبری میں سوائے اس کے کہ وہ ایک شریف خاندان کی بیٹی تھی' تعریف کی کوئی بات ہی نہ تھی۔ پیدا ہونے کے ساتھ اس کو نانی نے اپنی بیٹی بنایا اور اس قدر اس کی ناز برداری کی کہ اس کے رونے اور مچلنے کے ڈر سے وہ بے چاری کسی کی شادی بیاہ میں شریک نہیں ہو سکتی تھی۔ اکبری ماں کو آپا اور باپ کو بھائی کہتی تھی اور کہتی کیا تھی اس طرح پر اس کو سمجھایا اور سکھایا گیا تھا۔ وہ بات بات پر ماں باپ سے ردو کد رکھتی کہ گویا' دونوں اوپر تلے کی بہنیں ہیں۔ ماں کے ساتھ لڑتے جھگڑتے دیکھ کر ڈانٹنے اور دھمکانے کا کیا مذکور' نانی الٹی اس کی حمایت لیتیں اور بگڑ بگڑ کر بیٹی سے کہتیں۔ ''پھر بھائی' بچے کی بات کا برا کیوں مانو۔''

دور اندیش خاں جہاں نوکر ہوتے اکثر بی بی بچوں کو اپنے پاس بلا بھی لیا کرتے تھے۔ جب کبھی اتفاق ہوا نانی نے اکبری کو کسی نہ کسی بہانے سے روک لیا اور جب سے پیدا ہوئی بیاہ کی گھڑی تک' ایک لمحے کے لیے اپنے سے جدا نہ کیا اور یوں اکبری نانی کے احمقانہ لاڈ کی وجہ سے ماں اور باپ دونوں کی تنبیہ سے مطلقاً آزاد ہی رہی اور بے سری اٹھی۔ اصغری کا حال اس کے خلاف تھا۔ سارے چونچلے اور ارمان تو اکبری پر ختم ہو چکے تھے یہ اپنی خوش نصیبی سے اپنے ماں باپ کے یہاں تیسری جگہ تھی۔ اس نے پرورش پائی بڑوں کی نگرانی میں۔ بزرگوں کی روک ٹوک میں اس نے چھوٹی سی عمر میں قرآن مجید کا

Marfat.com

ترجمہ اور مسائل کی اردو کتابیں پڑھ لی تھیں۔ لکھنے میں بھی عاجز نہ تھی اگر ماں دلی میں ہوتی اور باپ باہر نوکری پر تو جب تک دلی میں رہتی گھر کا حال باپ کو ہر ہفتے کے ہفتے لکھ بھیجا کرتی۔ ہر ایک طرح کا کپڑا سی سکتی تھی اور انواع واقسام کے مزے دار کھانے پکانا جانتی تھی۔ تمام محلے میں اصغری خانم کی تعریف تھی۔ ماں کے گھر کا تمام بندوبست اصغری خانم کے ہاتھوں میں تھا۔ جب کبھی باپ رخصت لے کر گھر آتا' خانہ داری کے انتظام میں اصغری سے صلاح پوچھتا۔ روپیہ پیسہ کوٹھڑیوں اور صندوقوں کی کنجیاں سب کچھ اصغری کے اختیار میں رہا کرتا تھا۔ اصغری کی نیک بختی اور سلیقہ مندی دیکھ کر ماں باپ دونوں دل وجان سے اصغری کو چاہتے بلکہ محلے کے سب لوگ اس کو پیار کرتے تھے۔ مگر اکبری خود بخود اپنی چھوٹی بہن سے ناراض رہا کرتی تھی بلکہ اکیلا پا کر مار بھی لیا کرتی تھی لیکن اصغری ہمیشہ آپا کا ادب کرتی اور کبھی ماں سے اس کی چغلی نہ کھاتی' دونوں بہنوں کی منگنی اتفاق سے ایک ہی گھر میں ہوئی۔ محمد عاقل اور محمد کامل دو حقیقی بھائی تھے۔ اکبری کا بیاہ بڑے محمد عاقل سے ہوا تھا اور اصغری کی بات محمد کامل کے ساتھ ٹھہر چکی تھی مگر بیاہ نہیں ہوا تھا۔

Marfat.com

باب تیسرا

# اکبری کی بدمزاجی

## اور اس کا سسرال سے روٹھ کر چلا آنا

کنبے کے لوگوں میں اکبری کی بدمزاجی' بے ہنری اور شرارتوں کی اس قدر شہرت تھی کہ جہاں کہیں اس کی منگنی کا پیغام جاتا کوئی حامی نہیں بھرتا تھا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ نہ سان نہ گمان ایک دم سے مردوں ہی مردوں میں ایک ساتھ دونوں بہنوں کی بات ٹھہر گئی۔ حسن اتفاق سے دور اندیش خاں اور مولوی محمد فضل میں پرانی راہ و رسم تھی۔ دونوں نے ایک استاد سے پڑھا بھی تھا۔ ایک مرتبہ دور اندیش خاں رخصت لے کر دلی میں آ رہے تھے کہ راہ میں مل گئے مولوی محمد فاضل۔ انہوں نے بہ اصرار ان کو اپنے پاس ٹھہرایا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اندیش خاں نے اپنی دونوں بیٹیاں مولوی صاحب کو دینی منظور کر لیں۔ جب کنبے والوں کو معلوم ہوا تو کسی نے محمد عاقل کی ماں سے کہا بھی کہ سمدھیانے کا کیا پوچھنا ہے مگر بڑی لڑکی کو لوگ مزاج کی بہت تیز بتاتے ہیں۔ محمد عاقل کی ماں اس طرح کی نیک عورت تھی کہ ہر چند اکبری کے حالات سنے سنائے اس کو سب علوم تھے تاہم اس نے یہی جواب دیا کہ استخوان اچھی چاہیے۔ خدا رکھے امیر گھر کی بیٹی ہے۔ بڑی پھڑک کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ نانی کو تھا ارمان اور ارمان کی جگہ تھی۔ انہوں نے کسی بات میں بچی کے دل کو میلا ہونے نہیں دیا۔ لاڈ پیار میں آ کر کچھ ضد کرنے لگی ہوگی' سو بچے اپنی اپنی جگہ سبھی ضد کیا کرتے ہیں۔ بیاہ کی دیر ہے' آپ ہی ٹھیک ہو جائے گی۔

مگر یہ صرف بڑی بی کا خیال تھا۔ اکبری بیاہ ہونے سے درست تو کیا ہوتی' اس نے چوتھے پانچویں مہینے میاں پر تقاضا کرنا شروع کیا کہ ہم سے تمہاری ماں کے ساتھ

Marfat.com

نہیں رہا جاتا' ہم یا تو رہیں گے اپنے حیلے میں یا اگر ایسی ہی زبردستی ہے تو کسی دوسرے محلے میں چل رہو۔ ہم سے یہ دن رات کی کل کل نہیں سہی جاتی۔ محمد عاقل ہکا بکا سا ہو کر منہ دیکھنے لگا اور بولا ''آخر کچھ بات بھی ہے؟ مجھ سے تو آج تک اماں جان نے تمہاری کوئی شکایت نہیں کی۔''

**اکبری:** لو اور سنو! الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے! وہ میری کیا شکایت کرتیں؟ شکایت کرتا ہے کمزور' شکایت کرتا ہے وہ جس کا کوئی بس نہیں چلتا۔ شکایت کرتا ہے مظلوم۔

**محمد عاقل:** خدانخواستہ تم پر کسی نے کیا ظلم کیا؟ کچھ بتاؤ گی بھی؟

**اکبری:** ایک ہو تو بتاؤں سارے دن ان کو میرا پیٹنا ہے۔

**محمد عاقل:** تم نے کچھ معلوم بھی کیا کہ کیا چاہتی ہیں؟

**اکبری:** چاہتی کیا ہیں؟ میرے پاس کسی کے آنے اور بیٹھنے تک کی روادار نہیں۔ تیوری تو ان کی میں جانتی ہوں۔ خدا نے چڑھی ہوئی بنائی ہے۔ مگر آج تو انہوں نے چنیا اور زلفن اور رحمت اور سلمتی منہ در منہ سب کی فضیحتی کی۔

**محمد عاقل:** تم کو ان لڑکیوں کا کچھ حال بھی معلوم ہے؟ چنیا تو بھٹیاری ہے' زلفن شاید بخشو قلعی گر کی کوئی ہے' رحمت سقنی ہے اور اس کالی کلوٹی سلمتی کو میں نے اکثر مولن کنجڑے کی دکان پر دیکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں ضرور اس کی بیٹی ہوگی۔ مولن سے اس کا نقشہ بھی ملتا ہوا ہے۔ بھلا پھر یہ لوگ اس قابل ہیں کہ تم ان کو اپنی سہیلیاں بناؤ؟ محلے کے بھلے آدمی سنیں گے تو کیا کہیں گے؟ غریب ہونا کچھ عیب کی بات نہیں ہے مگر ایسے لوگوں کی عادتیں اچھی نہیں ہوتیں۔ اس خیال سے والدہ نے ان لڑکیوں کے آنے کی ممانعت کی ہوگی' سو یہ تو کوئی برا ماننے کی بات نہیں۔

**اکبری:** بس تم ماں بیٹوں کی مرضی تو مجھے قید میں ڈالنے کی ہے۔ سارے دن اکیلے جیب بیٹھے بیٹھے آدمی کا دم گھٹ جائے نوج!

**محمد عاقل:** اکیلی کیوں بیٹھو' گلی کی گلی میں قاضی امام علی' حکیم شفاء الدولہ' منشی ممتاز احمد مولوی روح اللہ' میر حسن رضائی' آغائی صاحب وغیرہ کوڑیوں اشراف بھرے پڑے ہیں۔ ایسے لوگوں کی بہو بیٹیوں سے ملو چشم ما روشن' دل ما شاد۔

Marfat.com

اکبری: ان سے ملے میری جوتی۔ ان سے ملے میری بلا۔ تم بھی وہی ہماری اماں جیسی ہائی لائے۔ وہ بھی بہت میرے پیچھے پڑا رہا کرتی تھیں کہ منہیاری کی بیٹی بنو سے نہ مل۔ وہ بنی ہوئی تھی میری سہیلی' بھلا اس سے کیسے نہ ملتی؟ اماں کی ضد میں' میں نے بنو کے ساتھ ایک چھوڑ دو گڑیوں کے بیاہ کیے اور اماں سے حراچرا کر اناج اور پیسے اور کپڑے اور کوڑیاں اتنی چیزیں بنو کو دیں کہ اماں بھی زچ ہو گئیں۔ نانی اماں کے ڈر کے مارے مارتیں تو کیا' بہتیرا کوستی تھیں' برا بھلا کہتی تھیں مگر ہم نے بنو سے ملنا نہ چھوڑا۔

محمد عاقل نے کہا ''تم نے بہت جھک مارا۔''

یہ سن کر وہ احمق عورت بولی ''دیکھو! خدا کی قسم! میں نے کہہ دیا کہ مجھ سے زبان سنبھال کر بولا کرو۔ نہیں تو پیٹ پیٹ کر اپنا خون کر ڈالوں گی۔''

یہ کہہ کر وہ رونے لگی اور اپنے ماں باپ کو کوسنا شروع کیا۔ الٰہی! اس اماں باوا کا برا ہو کیسی کم بختی میں مجھ کو دھکیل دیا ہے۔ مجھ کو اکیلا پا کر سب نے ستانا شروع کیا ہے۔ الٰہی! میں مر جاؤں' میرا جنازہ نکلے اور غصے کے مارے پان کھانے کی پٹاری جو چارپائی پر رکھی تھی لات مار کر گرا دی۔ تمام کتھا چونا تو شک پر گرا۔ اونی دریس کا لحاف پائنتی تہہ کیا ہوا رکھا تھا چونے کے لگتے ہی اس کا تمام رنگ کٹ گیا۔ پٹاری کے گرنے کا غل سن کر سامنے کے دالان سے ساس دوڑی آئیں۔ ماں کو آتے دیکھ کر بیٹا تو دوسرے دروازے سے چل دیا لیکن اپنے دل میں کہتا تھا' ناحق میں نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑا۔ ساس نے آ کر دیکھا تو چار پیسے کا کتھا جو کل چھان پکا کر کلھیا میں بھر دیا تھا' سب گر پڑا ہے۔ تو شک کتھے میں لت پت ہے۔ آتے ہی ساس نے بہو کو گلے سے لگا لیا اور اپنے بیٹے کو ناحق بہت کچھ برا بھلا کہا۔ اتنی دل جوئی کا سہارا اونگھتے کو ٹھیلے کا بہانہ ہوا۔ ہر چند ساس نے منت کی اور سمجھایا' اس مکار عورت پر مطلق اثر نہ ہوا۔ ہمسائے کی عورتیں رونے پیٹنے کی آواز سن کر جمع ہو گئیں۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ بخشو قلعی گر کی بیٹی زلفن سمدھیانے دوڑی گئی اور ایک ایک کی چار چار لگائیں۔ نانی کی بے تدبیریوں نے تو اکبری کو غارت ہی کیا تھا نہ اچھی طرح پوچھا نہ گچھا' سنتے کے ساتھ ڈولی پر چڑھ آ پہنچیں' بہت کچھ لڑیں جھگڑیں' آخر اکبری کو اپنے ساتھ لے گئیں۔

Marfat.com

باب چوتھا

# اکبری کی شرارتیں، پھوہڑ پن، حمق اور بدمزاجیاں

## اس کا پھر عین عید کے دن بے لطفی سے چلا جانا

## ضمناً اصغری کی مدح

اکبری گئی تو ایسی بے طوری تھی کہ شاید اس کو برسوں سسرال کا منہ دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ مگر اتفاق سے اس کی سگی خالہ محمد عاقل کے گھر کے قریب رہتی تھیں۔ اگر یہ نیک بخت تتو تھنبو نہ کرتیں تو سسرال میں اکبری کی ایک دن بھی گزر نہ ہوتی۔ اکبری کا چلا جانا سن کر خالہ نے بہت افسوس کیا کہ اگر مجھ کو وقت پر ذرا بھی لڑائی کی خبر ہوتی تو اکبری کی ایسی کیا مجال تھی کہ چلی جاتی۔ میں تو اس کو ڈولی میں گھسیٹ لیتی۔ انہوں نے یہ خیال کیا تھا کہ اکبری تو نری احمق ہے۔ رہیں نانی' ان کو خدا نے بیٹھے بٹھائے نواسی کا عشق لگا دیا ہے۔ مگر ہاں آپا (اکبری کی ماں) بیٹی کو بٹھانے والی نہیں۔ جب دیکھا کہ بہت دن ہو گئے اور جانبین سے سلام و پیام تک متروک ہے تو بھانجی کی ماما کی ماری خود گئیں اور ماں اور نانی دونوں کے سامنے اکبری کو بہت کچھ لعنت ملامت کی' سمجھایا' دھمکایا' ڈرایا اور اپنی ماں سے کہا کہ تمہاری باؤلی محبت اس کو ضرور گھر سے اجاڑ کر رہے گی۔ بارے رمضان کی تقریب سے زبردستی بھانجی کو سسرال لوا لائیں کہ سمدھن اکیلی ہیں۔ اوپر سے آ رہا ہے رمضان۔ غصے کو تھوک ڈالو اور چل کر ساس کا ہاتھ بٹاؤ۔ اب تم بچی نہیں رہیں۔ تمہاری عمر بال بچہ ہونے کی ہے۔ بھاری بھرکم بنو اور گھر کو گھر سمجھو۔ لڑ دیا جھگڑ دیا تم کو اپنی عمر اسی گھر میں بسر کرنی ہے۔

چند روز تک محمد عاقل مزاج دار بہو سے ناخوش رہا۔ آخر کو خلیا ساس نے میاں بی

Marfat.com

بی کا ملاپ کرا دیا لیکن مزاجوں میں جب ناموافقت ہوتی ہے تو ہر ایک بات میں بگاڑ کا سامان موجود ہوتا ہے۔ محمد عاقل نے ایک دن اپنی ماں سے کہا کہ آج میں نے دوست کی دعوت کی ہے۔ افطاری اور کھانے کا اہتمام زیادہ ہونا چاہیے۔ ماں نے جواب دیا ''تین دن سے افطار کے وقت مجھ کو لرزہ چڑھتا ہے۔ مجھ کو اپنی خبر نہیں رہتی۔ خدا ہمسائی کا بھلا کرے کہ وہ بے چاری آ کر پکا جاتی ہے۔ تم نے دعوت سے پہلے گھر میں پوچھ تو لیا ہوتا۔''

محمد عاقل نے بی بی کی طرف اشارہ کر کے کہا ''یہ کیا اتنے کام کی بھی نہیں ہیں؟'' بہو کو اتنا ضبط کہاں تھا کہ اتنی بات سن کر چپ رہے۔ سنتے ہی بولی ''اپنی اماں سے پوچھو کہ بیٹے کا بیاہ کیا ہے یا لونڈی مول لی ہے؟ تو صاحب' روزے میں چولہا جھونکنا''

محمد عاقل نے سوچا' اب اگر میں کچھ ردوکد کرتا ہوں تو پہلے کی طرح رسوائی ہوگی۔ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا اور افطار کے واسطے بازار سے کچھ مول لے آیا۔ غرض بات ٹل گئی۔

اب محمد عاقل کو دوسری آفت پیش آئی۔ عید سے بے چارے نے ایک ہفتہ آگے مزاج دار بہو صاحب کے جوڑے کی تیاری شروع کی۔ ہر روز طرح طرح کے کپڑے' رنگ برنگ کی چوڑیاں' ڈیڑھ خاشیہ اور سلمہ ستارے کی کامدار جوتیاں لاتا۔ مزاج دار کی خاطر تلے کچھ نہیں آتا اور پھر کم بخت اپنے منہ سے پھوٹتی بھی نہ تھی کہ ایسی چیز لا دو۔ یہاں تک کہ عید کا ایک دن باقی رہ گیا۔ مجبور ہو کر اکبری خانم کی خالہ کے پاس گیا۔ انہوں نے آواز سن کر اندر بلا لیا۔ بلائیں لیں' پیار سے بٹھایا اور پوچھا ''کہو اکبری خانم تو اچھی ہے؟''

محمد عاقل نے کہا ''صاحب آپ کی بھانجی تو عجیب مزاج کی عورت ہیں۔ میرا تو دم ناک میں آ گیا۔ جو ادا ہے سو نرالی ہے اور جو بات ہے سو ٹیڑھی ہے۔''

خلیا ساس نے کہا ''بیٹا اس کا کچھ خیال مت کرو۔ ابھی کم عمر ہے بال بچے ہوں گے' گھر کا بوجھ پڑے گا' مزاج خود بخود درست ہو جائے گا اور آخر اچھے لوگ بروں

Marfat.com

سے بھی نباہ دیتے ہیں۔ بیٹا تم کو خدا نے سب سے لائق کیا ہے' ایسی بات نہ ہو کہ لوگ ہنسیں' آخر تمہاری ناموس ہے۔''

محمد عاقل نے کہا ''جناب میں تو خود اسی خیال سے درگزر کرتا رہتا ہوں۔ اب دیکھیے کل عید ہے۔ اس وقت تک نہ چوڑیاں پہنی ہیں اور نہ کپڑے بنائے ہیں۔ ذرا آپ چل کر سمجھا دیجیے۔ میں نے بہت کچھ کہا' اماں نے بہت کچھ منتیں کیں' نہیں مانتیں۔''

خلیا ساس نے کہا ''اچھا تمہارے خالو ابا نماز پڑھنے مسجد میں گئے ہیں' آلیں تو ان سے پوچھ کر چلتی ہوں۔''

غرض خالہ اماں نے جا کر چوڑیاں پہنائیں' کپڑے قطع کیے' جلدی کے واسطے سب مل کر سینے بیٹھیں۔ خالہ نے کہا ''بیٹی پاجامے میں کلیاں تم لگاؤ' گوٹ تمہاری ساس کتریں' میں تمہارے دوپٹے میں توئی ٹانکتی ہوں۔''

جب اکبری کلیاں لگا چکی تو اس نے اترا کر خالہ سے کہا ''لو بھئی تمہارے ابھی دو پلے باقی ہیں اور میں دونوں پائچوں میں کلیاں لگا بھی چکی۔''

خالہ نے دیکھا تو سب کلیاں الٹی۔ اکبری کی ساس کے لحاظ سے منہ پر تو کچھ نہ کہا لیکن چپکے چپکے دو چار چٹکیاں ایسی لیں کہ اکبری کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اشارے سے کہا دیدوں پھوٹی' سوجھ تو الٹی کلیاں لگا کر بیٹھی ہے۔ اکبری نے اپنا سیا ہوا سب ادھیڑا اور پھر کلیاں لگانی شروع کیں۔ جب لگا چکی تو خالہ نے پھر دیکھا تو سب میں جھول۔ اب تو خالہ سے نہ رہا گیا اور اکبری کی ساس کی آنکھ بچا کر ایک سوئی اکبری کے ہاتھ میں چبھو دی اور کلیاں پھر ادھیڑ کر آپ لگائیں۔ غرض خدا خدا کر کے مزاج دار بہو کا جوڑا سل کر تیار ہوا۔ اکبری کی خالہ اپنے گھر کو رخصت ہوئیں۔

اگلے دن بچے عید کی خوشی میں سویرے سے جاگے۔ کسی نے رات کی مہندی کھولی۔ کسی نے کھلی اور بیسن کے لیے غل مچایا۔ کسی نے اٹھتے کے ساتھ ہی عیدی مانگنی شروع کی' محمد عاقل بھی نماز صبح سے فارغ ہو کر حمام میں غسل کرنے چلا گیا۔ نہا دھو کر چار گھڑی دن چڑھے واپس آیا۔ لڑکوں کو دیکھا کہ کپڑے بدل بدلا عید کے واسطے تیار بیٹھے ہیں لیکن

Marfat.com

مزاج دار بہو صاحب حسب عادت پڑی سو رہی ہیں۔ محمد عاقل نے اپنی چھوٹی بہن محمودہ سے کہا ''محمودہ اپنی بھابی کو جگا دو''

پہلے تو محمودہ نے تامل کیا' اس واسطے کہ یہ مزاج دار بہو سے بہت ڈرتی تھی۔ جب سے بیاہ ہوا مزاج دار نے ایک دن بھی اپنی چھوٹی نند کے ساتھ محبت سے بات نہیں کی تھی اور نہ کبھی اس کو اپنے پاس آنے اور بیٹھنے دیا تھا لیکن بھائی کے کہنے سے عید کی خوشی میں محمودہ دوڑی چلی گئی اور کہا ''بھابی اٹھو' بھابی نے اٹھنے کے ساتھ محمودہ کے ایک طمانچہ رسید کیا۔ محمودہ رونے لگی۔ باہر سے بھائی آواز سن کر دوڑا اس کو روتا دیکھ کر گود میں اٹھا لیا اور پوچھا ''کیا ہوا؟''

محمودہ نے روتے روتے کہا ''بھابی جان نے مارا۔''

مزاج دار نے کہا ''دیکھو' جھوٹی نامراد۔ آپ تو دوڑتے میں گری اور میرا نام لگاتی ہے۔''

محمد عاقل کو غصہ تو بہت آیا لیکن مصلحت وقت سمجھ کر ضبط کیا۔ محمودہ کو پیار چمکار کر چپ کیا اور بی بی سے کہا ''خیر اٹھو! نہاؤ' کپڑے بدلو۔ دن چڑھ گیا ہے۔ میں عیدگاہ جاتا ہوں۔''

مزاج دار نے ناک بھوں چڑھا کر کہا ''میں تو ایسے سویرے نہیں نہاتی۔ سردی کا وقت ہے تم اپنی عیدگاہ جاؤ میں نے کیا پلا پکڑ رکھا ہے۔''

محمد عاقل کو ایسی روکھی بات سن کر بہت افسوس ہوا اور مزاج دار سدا کی ایسی کم بخت تھی کہ ہمیشہ اپنے میاں کو ناخوش رکھتی تھی۔ اتنے میں محمد عاقل کی ماں نے پکارا کہ بیٹا جاؤ بازار سے دودھ لاؤ تو خیر سے عیدگاہ سدھارو۔

محمد عاقل نے کہا ''بہت خوب پیسے دیجئے' میں دودھ لائے دیتا ہوں لیکن اگر میرے واپس آنے تک انہوں نے کپڑے نہ بدلے تو سب کپڑے چولہے میں رکھ دوں گا۔''

محمد عاقل تو دودھ لینے بازار گیا' ماں کو معلوم تھا کہ لڑکے کا مزاج بہت برہم ہے اور طبیعت بھی اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اس کو غصہ نہیں آتا اور جو کبھی آتا ہے تو اس

Marfat.com

کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔ ایسا نہ ہو سچ مچ نئے کپڑے جلا دے۔ جلدی سے بہو کے پاس آئیں اور کہا۔

''بیٹی خدا کے لیے برس کے برس دن تو بدشگونی مت کرو۔ اٹھو نہاؤ کپڑے بدلو۔''

مزاج دار نے کہا ''نہیں بی میں تو اس وقت نہیں نہاتی۔ ٹھہر کر نہالوں گی۔''

بارے ساس نے منت سماجت کر کے بہو کو نہلا دھلا کر کنگھی چوٹی کر کپڑے پہنا محمد عاقل کے آنے سے پہلے دلہن بنا کر بٹھا دیا۔ محمد عاقل یہ دیکھ کر خوش ہوا۔ عیدگاہ چلتے ہوئے محمودہ سے پوچھا ''کہو بی تمہارے لیے بازار سے کون سا کھلونا لائیں؟''

محمودہ نے کہا ''اچھی خوبصورت سی رحل لا دینا۔ اس پر ہم اپنا سی پارہ رکھیں گے اور قلم دوات رکھنے کے لیے ایک ننھی سی صندوقچی۔''

مزاج دار خود بخود بولی ''اور ہمارے لیے؟''

محمد عاقل نے کہا ''جو تم فرمائش کرو لیتا آؤں۔''

مزاج دار نے کہا ''بھنے اور سنگھاڑے اور جھڑ بیری کے بیر اور مٹر کی پسلیاں اور ڈھیر ساری نارنگیاں ایک ڈفلی اور ایک خنجری۔''

یہ سن کر محمد عاقل ہنسنے لگا اور کہا ''ڈفلی اور خنجری کا کیا کرو گی؟''

مزاج دار احمق نے جواب دیا ''بجائیں گے اور کیا کریں گے؟''

محمد عاقل سمجھا کہ ابھی تک اس بے وقوف میں بے تمیز بچوں کی طرح کھانے اور کھیلنے کے پست خیالات موجود ہیں۔ کپڑے بدلنے سے جو خوشی محمد عاقل کو ہوئی تھی سب خاک میں مل گئی اور اسی افسردہ دلی کی حالت میں عیدگاہ چلا گیا۔

اس کا جانا تھا کہ مزاج دار نے ایک اور نئی بات کی۔ ساس سے کہا ''ہم کو ڈولی منگا دو ہم اپنی ماں کے گھر جائیں گے۔''

ساس نے کہا ''بھلا یہ جانے کا کیا موقع ہے؟ چار مہینے کے بعد تو تم ماں کے گھر سے اب آئی ہو۔ عین عید کے دن جانا بالکل نامناسب ہے۔''

مزاج دار نے کہا ''میرا جی بہت گھبراتا ہے۔ دل اٹا چلا آتا ہے۔ مجھ کو اپنے نیکے

Marfat.com

کی سہیلی باسومنہیار کی بیٹی بنو بہت یاد آتی ہے۔''

ساس نے کہا ''بیٹی نوج! کسی کو کسی سے ایسا عشق ہو جیسا کہ بنو کا ہے۔ اگر ایسا ہی دل چاہتا ہے تو اسی کو بلا بھیجو۔''

مزاج دار نے کہا ''واہ بڑی بے چاری بلانے والی۔ ایسا ہی بلانا تھا تو کل اس کو بلوا کر چوڑیاں پہنوائی ہوتیں۔''

ساس نے کہا ''بیٹی مجھ کو کیا معلوم تھا کہ یکا یک تم کو اس کی یاد گدگدائے گی۔''

مزاج دار نے کہا ''خیر بی بحث سے کیا فائدہ؟ ڈولی منگوانی ہے تو منگوا دو، نہیں تو میں بوا سلمتی کے ابا سے منگوا بھیجوں۔''

ساس نے کہا ''لڑکی تیری کوئی عقل ماری گئی ہے؟ میاں سے پوچھا نہیں، گچھا نہیں، آپ ہی آپ چلیں اور مجھ کو اپنا بڈھا چونڈا نہیں منڈوانا ہے جو لڑکے کے بے اجازت ڈولی منگوا دوں۔''

مزاج دار نے کہا ''کیا میاں اور کیسلے پوچھنا؟ اب کوئی اپنے ماں باپ سے عید بقر عید کو بھی نہ ملا کرے؟ اتنا کہہ کر مولن کنجڑے سے ڈولی منگوائی، یہ جا وہ جا۔

تھوڑی دیر بعد محمد عاقل عید گاہ سے لوٹا اور گھر گھستے ہی پکارا ''لو بی اپنی خنجری اور ڈفلی، او بجاؤ۔''

دیکھا تو سب چپ ہیں۔ ماں سے پوچھا ''کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟''

محمودہ نے کہا ''بھابی جان چلی گئیں۔''

محمد عاقل نے حیران ہو کر پوچھا ''ایں، کیوں کر گئیں؟ کہاں گئیں؟ کیوں جانے دیا؟''

ماں نے جواب دیا ''بیٹھے بٹھائے یکا یک کہنے لگیں، میں تو اپنی ماں کے ہاں جاؤں گی۔ میں نے ہر چند منع کیا، ایک نہ مانی۔ مولن سے ڈولی منگوا چلی گئیں۔ میں روکتی رہ گئی۔''

محمد عاقل یہ سن کر غصے کے مارے تھرا اٹھا اور چاہا کہ سسرال جا کر اس نابکار عورت کو سزا دے۔ یہ سوچ کر باہر چلا، ماں سمجھ گئی، جاتے کو پکارا، اس نے کچھ جواب نہ دیا۔

Marfat.com

ماں نے کہا ''شاباش! بیٹا شاباش! میں تم کو پکار رہی ہوں اور تم سنتے ہو' جواب نہیں دیتے۔ تیرہویں صدی میں ماؤں کا یہی وقر رہ گیا ہے؟'' یہ سنتے ہی محمد عاقل الٹے پاؤں پھرا۔ ماں نے کہا ''بیٹا یہ تو بتا' اس دھوپ میں کہاں جاتا ہے۔ ابھی عیدگاہ سے آیا ہے۔ اب پھر باہر چلا۔ ماں صدقے گئی۔ جی زندہ ہو جائے گا۔''

محمد عاقل نے کہا ''بی' میں کہیں نہیں جاتا۔ مسجد میں حافظ جی سے ملنے جاتا ہوں۔''

ماں نے کہا ''لڑکے ہوش میں آ۔ میں نے دھوپ میں اپنا چونڈا سفید نہیں کیا۔ لو صاحب' ہمیں سے باتیں بنانے چلا ہے۔ حافظ جی کے پاس جاتا ہے تو انگرکھا اور دوپٹہ اتار کر رکھ جا۔''

یہ سن کر محمد عاقل مسکرانے لگا۔ ماں نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس جانماز پر بٹھا لیا اور اس کے سر کی طرف دیکھ کے بولی ''عیدگاہ آنے جانے میں تمہارے بال تمام گرد آلود ہو گئے ہیں۔ ذرا تکیے پر سر رکھ کر لیٹ جاؤ تو میں صاف کر دوں۔''

محمد عاقل ماں کے کہنے سے ذرا کے ذرا لیٹ گیا۔ محمودہ بھائی کو لیٹا دیکھ کر پنکھا جھلنے لگی کچھ تو عیدگاہ آنے جانے کی تکان' ادھر پنکھے کی ٹھنڈی ہوا اور ماں نے جو دست شفقت سر پر پھیرا تو سب سے زیادہ اس کی راحت۔ غرض محمد عاقل سو گیا۔ جاگا تو دن ڈھل چکا تھا اور وہ غصہ بھی دھیما ہو گیا تھا۔

ماں نے کہا ''لو' ہاتھ منہ دھوؤ۔ وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھو۔ وقت تنگ ہے' پھر آؤ تو تم کو کام بتائیں۔''

نماز پڑھ کر محمد عاقل آیا تو ماں نے کہا ''لو سسرال جاؤ اور تجھے میری جان کی قسم ہے جو تو وہاں کچھ لڑایا بولا۔''

محمد عاقل نے کہا ''تو مجھ کو مت بھیجو۔''

ماں نے کہا ''لڑکے' خیر منا۔ الٰہی کیسی بری زبان ہے۔ سسرال تو تیری اور بھیجوں کسی اور کو۔ لو' یہ ایک روپیہ تو اپنی سالی اصغری کے ہاتھ میں عیدی کا دینا اور یہ ایک اٹھنی اپنی خلیا ساس کے بیٹے میاں مسلم کو اور آدھے کھلونے بھی لیتے جاؤ۔ ایک خوان میں سویاں اور دودھ اور مٹھائی کی ٹوکری بھی ماما عظمت کے ہاتھ اپنے ساتھ لے جاؤ۔ دیکھو

Marfat.com

خبردار کچھ بولنا مت۔"

محمد عاقل نے کہا "اور اماں خنجری اور ڈفلی بھی لیتا جاؤں؟"

ماں نے کہا "کہیں ایسی بات وہاں مت بول اٹھنا۔"

غرض محمد عاقل ساس کے گھر پہنچے۔ گھر میں اکبری خانم اپنی سہیلیوں کے ساتھ اودھم مچا رہی تھیں اور باہر گلی میں تمام غل کی آواز چلی آتی تھی۔ ماما عظمت اندر گئی۔ اصغری نے ماما کو دور سے دیکھ کر دبی آواز سے کہا "اے بی آپی' اے بی آپا چپ کرو۔ تمہاری سسرال سے ماما آئی ہے۔" عظمت نے اندر پہنچ کر محمد عاقل کو بلایا "صاحب زادے' آیئے" غرض محمد عاقل اندر گئے۔ ساس کو سلام کیا۔ انہوں نے کہا "جیسے رہو' عمر دراز ہو۔" اتنے میں اصغری بھی اپنی اوڑھنی سنبھال سنبھول کوٹھڑی سے نکلیں اور نہایت ادب سے جھک کر بہنوئی کو سلام کیا۔ اصغری کو بہنوئی نے ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھالیا اور روپیہ دیا۔ اصغری ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ ماں نے کہا "کیا ہوا؟ لے لو۔ عیدی کا ہے۔" اصغری نے روپیہ لے کر پھر سلام کیا اور ادب سے ذرا پرے کو سرک کر ہو بیٹھی۔ پھر اٹھ کر نہایت سلیقے کے ساتھ اجلا دسترخوان بہنوئی کے آگے لا بچھایا اور ایک رکابی میں سویاں' ایک پیالے میں دودھ' طشتری میں قند اور ایک چمچہ لا کر سامنے رکھ دیا۔

ساس نے کہا "بیٹھا کھاؤ۔"

محمد عاقل نے عذر کیا کہ مجھ کو عید گاہ میں زیادہ دیر ہو گئی' ابھی تھوڑی دیر ہوئی' میں نے کھانا کھایا ہے۔

ساس نے کہا "کیا مضائقہ ہے۔ سویاں تو پانی ہوتی ہیں۔ کھاؤ بھی۔"

جب تک محمد عاقل سویاں کھاتا رہا' اصغری الائچی ڈال ایک مزے دار پان بنا لائی۔ کھانے کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ تھوڑی دیر بعد محمد عاقل نے کہا "جناب' میں رخصت چاہتا ہوں۔"

ساس نے کہا "اب کہاں جاؤ گے؟ یہیں سو رہنا۔"

محمد عاقل: آج عید کا دن ہے۔ آئے گئے سے ملنا ہے۔ دوسرے کہیں کچھ بھیجنا بھجوانا بھی ہے اور میں اماں سے رات کے واسطے کہہ بھی نہیں آیا۔"

Marfat.com

ساس: ملنے ملانے کا تو اب وقت نہیں۔ شام ہونے کو آئی اور بھیجنے بھجوانے کو سمدھن کافی ہیں۔ (ہنس کر) تم کچھ سمدھن کا دودھ نہیں پیتے۔ آخر عظمت جائے گی' خبر کر دے گی۔

غرض محمد عاقل نے کچھ حیلے کیے' ساس نے ایک نہ مانی اور محمد عاقل کو زبردستی رہنا پڑا۔ چار گھڑی رات گئے جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے' اصغری نے برتن بھانڈا' گری پڑی چیز سب ٹھکانے سے رکھی۔ باہر کے دروازے کی زنجیر بند کی۔ کوٹھڑیوں کو قفل لگا کر کنجیاں ماں کے حوالے کیں۔ باہر کے دالان اور باورچی خانے کا چراغ گل کیا۔ ماں اور آپ اور بہنوئی سب کو پان بنا کر دیے اور اطمینان سے جا کر سو رہی۔

Marfat.com

باب پانچواں

# الگ گھر کرنے پر ساس (اکبری کی ماں)
# اور داماد (محمد عاقل) کا مباحثہ

اب ساس نے محمد عاقل سے کہا ''کیوں بیٹا' تم میاں بی بی میں کیا آئے دن کی لڑائی رہا کرتی ہے؟ اکبری کی تو ایسی بری عادت ہے کہ کبھی بھول کر بھی سسرال کی بات منہ سے نہیں کہتی۔ نہیں تو دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور ہوتا ہے کہ سسرال کی ذرا ذرا سی بات ماؤں سے لگایا کرتی ہیں۔ نہیں معلوم اس کو کیا خدا کی سنوار ہے۔ بہتیرا پوچھ پوچھ کر اپنا منہ تھکاؤ' حاشا کہ یہ کچھ بھی بتائے لیکن ٹولے محلے کی بات کانوں کان پہنچ جاتی ہے اوپری لوگوں سے میں بھی گھر بیٹھے سنا کرتی ہوں۔''

محمد عاقل نے ساس سے یہ بات سن کر تھوڑی دیر تامل کیا۔ لحاظ کے سبب جواب منہ سے نہیں نکلتا تھا مگر اس نے خیال کیا کہ مدت کے بعد ایسا اتفاق ہوا ہے اور خود انہوں نے چھیڑ کر پوچھا ہے۔ ایسے موقع پر سکوت کرنا سراسر خلافِ مصلحت ہے۔ بہتر ہے کہ عمر بھر کا زہر اگل ڈالے۔ شاید آج کی گفتگو میں آئندہ کے واسطے کوئی بات نکل آئے۔

غرض محمد عاقل نے شرماتے شرماتے کہا' ''آپ کی صاحب زادی موجود ہیں۔ ان ہی سے پوچھئے۔ ہمارے یہاں ان کو کیا تکلیف پہنچی؟ خاطرداری و مدارات میں کسی طرح کی کمی ہوئی یا ان سے کوئی لڑا یا کسی نے ان کو برا کہا؟ آپ کو معلوم ہے کہ گھر میں ہم گنتی کے آدمی ہیں۔ والدہ سے تو تمام محلّہ واقف ہے۔ ایسی نیک مزاج اور صلح کل ہیں کہ تمام عمر ان کو کسی سے لڑنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اگر کوئی ان کو دس باتیں سخت کہہ بھی جائے تو چپ رہ جاتی ہیں۔ محمد کامل دن بھر لکھنے پڑھنے میں رہتا ہے۔ صبح کا نکلا رات کو گھر آتا ہے۔ کھانا کھایا اور سو رہا۔ میں نے اس کو ان سے کبھی بات کرتے بھی نہیں دیکھا۔ محمودہ ان کی صورت سے ڈرتی ہے۔ رہا میں تو موجود بیٹھا ہوں جو شکایت ہو مجھ

Marfat.com

سے بے تکلف بیان کریں۔''

محمد عاقل کی ساس اب بیٹی کی طرف مخاطب ہو کر بولیں ''ہاں بھئی جو کچھ تمہارے دل میں ہو' تم بھی صاف صاف کہہ گزرو۔ بات کا دل میں رہنا اچھا نہیں ہوتا۔ دل میں رکھنے سے رنج بڑھتا اور فساد زیادہ ہوتا ہے۔''

اکبری اگرچہ جھوٹ بولنے پر بہت دلیر تھی لیکن اس وقت محمد عاقل کے روبرو بات کہتے بن نہ پڑی۔ جی ہی جی میں ڈر رہی تھی کہ میں نے بہت سی جھوٹ جھوٹ باتیں ماں سے آ کر لگائی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہیں اس وقت قلعی کھل جائے۔ یہ سوچ کر اس نے اس بات کو ہی ٹال دیا اور کہا کہ ہم تو الگ گھر کریں گے۔

اکبری کی ماں نے داماد سے کہا ''کیوں بھائی' تم کو الگ رہنے میں کیا عذر ہے؟ خدا کا فضل ہے' خود نوکر ہو' خود کماتے ہو' کسی بات میں ماں کے محتاج نہیں' اپنا کھانا' اپنا پہننا پھر دوسرے کا دست نگر ہو کر رہنے سے کیا فائدہ؟ بیٹا بہو کیسے ہی پیارے ہوں پھر بھی جو آرام الگ رہنے میں ہے' ماں باپ کے گھر کہاں۔ جو چاہا سو کھایا' جو چاہا سو پکایا اور غور کرنے کی بات ہے ماں باپ کے ساتھ رہ کر لاکھ کماؤ پھر بھی نام نہیں۔ لوگ کیا جانیں تم اپنا کھاتے ہو یا ماں باپ کے سر پڑے ہو۔''

محمد عاقل نے کہا ''آرام پوچھئے تو ہم کو جواب حاصل ہے' الگ ہوئے پیچھے اس کی قدر معلوم ہوگی۔ دونوں وقت کی پکی پکائی کھالی اور بے فکر ہو کر بیٹھ رہے۔ الگ ہونے پر آٹا' دال' گوشت' ترکاری' تیل' نمک' ایندھن سبھی کا فکر کرنا پڑے گا اور آپ ہی انصاف سے فرمایئے خانہ داری میں کتنے بکھیڑے ہیں۔ بے سبب ان آفتوں کو اپنے سر لینا میرے نزدیک تو عقل کی بات نہیں۔ رہا یہ کہ جو چاہا سو کھایا اور جو چاہا سو پکایا' تو اب بھی حاصل ہے۔ ان ہی سے پوچھئے کبھی کوئی فرمائش کی ہے جس کی تعمیل نہ ہوئی ہو؟ بڑے کنبوں میں البتہ اس طرح کی تکلیف ہوا کرتی ہے۔ ایک دل میٹھے چاول کو چاہتا ہے' دوسرے کو بھونی کھچڑی چاہیے' تیسرے کو پلاؤ درکار ہے' چوتھے کو قورمہ کھانا منظور ہے' پانچویں کو پرہیزی کھانا حکیم نے بتایا ہے۔ دس کے واسطے دس ہنڈیاں روز کے روز کہاں

Marfat.com

سے آئیں؟ ہمارے یہاں کنبہ کون سا بہت بڑا ہے۔ فرمائش کریں تو ہم' نہ کریں تو ہم۔ اس کو بھی جانے دیجئے۔ اگر ان کو ایسا ہی لحاظ ہے تو آپ کھانے کا اہتمام کیا کریں۔ خود والدہ کئی مرتبہ کہہ چکی ہیں۔ ان ہی سے پوچھئے کہا ہے یا نہیں؟ اور نام کو جو آپ نے فرمایا تو یہ میرے نزدیک محض خیالِ خام ہے۔ اپنے آرام سے کام ہے لوگ جو چاہیں سو سمجھیں اور فرض کیجیے لوگوں نے یہی جانا کہ ہم ماں باپ کے سر ہیں تو اس میں ہماری کیا بے عزتی ہے؟ ماں باپ ہیں' کوئی غیر تو نہیں۔ ماں باپ نے ہم کو پالا' پرورش کیا' کھلایا' پہنایا' پڑھایا' لکھایا' شادی بیاہ کیا۔ ان سب باتوں میں بے عزتی نہیں ہوئی تو اب کون سا سرخاب کا پر ہم میں لگ گیا ہے کہ ان کا دست نگر ہونا ہماری بے عزت کا موجب سمجھا جائے؟" ساس نے جواب دیا" اگر سب تمہاری طرح سمجھا کریں تو کیوں الگ ہوں؟ دنیا کا دستور ہے' ہوتی چلی آئی ہے اور ہوتی چلی جائے گی کہ بیٹے ماں باپ سے جدا ہو جاتے ہیں اور میں تو جانتی ہوں دنیا میں کوئی بہو ایسی نہ ہوگی جس کا میاں کماؤ ہو اور وہ ساس نندوں میں رہنا پسند کرے۔"

محمد عاقل نے کہا" یہ آپ کا فرمانا درست ہے۔ اگر بیٹے ماں باپ سے جدا نہ ہوا کرتے تو شہر میں اتنے گھر کہاں سے آتے لیکن ہر ایک کی حالت جدا ہے۔ الگ ہو کر رہنا میری حالت کے لیے ہرگز مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ دس روپے کا تو میں نوکر۔ اتنی آمدنی میں الگ گھر کا سنبھالنا نہایت مشکل نظر آتا ہے اور پھر اس نوکری کا بھی اعتبار نہیں۔ خدانخواستہ الگ ہوئے پیچھے نوکری جاتی رہی تو پھر باپ کے گھر آنا مجھ پر نہایت شاق ہوگا۔ اس وقت البتہ بے عزتی ہوگی کہ میاں الگ تو ہو گئے تھے پھر جھک مار کر باپ کے ٹکڑوں پر آ پڑے۔ لوگوں کی ریس اس معاملے میں ٹھیک نہیں۔ آدمی کو اپنے حال پر نظر کرنی چاہیے۔ وہ نقل آپ نے سنی ہے کہ ایک شخص نے بازار سے نمک اور روئی مول لی۔ نمک خچر پر لادا اور روئی گدھے پر۔ راہ میں ایک ندی واقع ہوئی۔ ندی تھی پایاب۔ اس شخص نے خچر اور گدھے دونوں کو لدا لدایا پانی میں اتار دیا۔ بیچ ندی میں پہنچ کر خچر نے غوطہ لگایا۔ تھوڑی دیر بعد سر ابھارا تو گدھے نے پوچھا" کیوں یار' خچر یہ تم نے کیا

Marfat.com

کیا؟'' خچر نے جواب دیا ''بھائی' تم بڑے خوش قسمت ہو۔ تم پر لدی ہے روئی' اس کا بوجھ ہے ہلکا۔ مجھ کو کم بخت پر ہے نمک۔ بوجھ کے مارے میری کمر کٹ کر لہولہان ہو گئی ہے۔ یہ ہمارا مالک ایسا بے رحم ہے کہ اس کو مطلق ہماری تکلیف کا خیال نہیں۔ اناپ شناپ جتنا چاہے لاد دیتا ہے۔ میں نے سمجھا کہ منزل تک پہنچتے پہنچتے کمر ندارد ہے۔ آؤ غوطہ لگاؤ۔ نمک پانی میں بھیگ کر کچھ تو گھل جائے گا۔ جس قدر ہلکے ہوئے' غنیمت۔ مالک بہت کرے چھ سات ڈنڈے اور مار لے گا۔ سو یوں بھی راہ بھر ڈنڈے کھاتا آیا ہوں۔ دیکھو اب میرا بوجھ آدھا رہ گیا ہے۔'' گدھے پر بیوقوف نے بھی خچر کی ریس کر کے غوطہ لگایا۔ روئی بھیگ کر اور وزنی ہو گئی۔ سر ابھارا تو ہلا نہ جاتا تھا۔ خچر ہنسا اور کہا کیوں بھائی گدھے' کیا حال ہے؟ گدھے نے کہا ''یار میں تو مرا جاتا ہوں۔'' خچر نے کہا ''اے احمق! تو نے میری ریس تو کی لیکن اتنا تو سمجھ لیتا کہ تیری پیٹھ پر روئی ہے نمک نہیں۔'' اماں جان! ایسا نہ ہو کہ لوگوں کی ریس کرنے سے میرا حال اس گدھے کا سا ہو۔'' ساس نے کہا ''بھائی تم تو کسی سے قائل ہونے والے ہو نہیں اور نہ میں تمہاری طرح منطق پڑھی ہوں۔ میں تو سیدھی بات یہ جانتی ہوں کہ دس روپے مہینہ تم کماتے ہو خدا کا فضل ہے۔ سستا ساں ہے۔ بال بچے نہیں اللہ رکھے' دو میاں بی بی۔ خاصی طرح گوشت روٹی کھاؤ' نین سکھ' تن زیب پہنو۔ آئندہ کا فکر تمہاری طرح کیا کریں تو دنیا کا کارخانہ بند ہو جائے۔ نوکری تو نوکری' زندگی کا اعتبار نہیں۔ جتنے دن جینا ہے' ہنسی خوشی سے تیر کر دینے چاہئیں۔''

محمد عاقل نے کہا ''یہی تو میں سوچتا ہوں خوشی الگ ہو کر رہنے میں ہے یا ساتھ میں؟'' ساس نے کہا ''دلیل اور حجت سے کیا مطلب؟ سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ مجھ کو ماں سے الگ ہونا منظور نہیں ہے۔ ایک بات تم سے بی بی نے کہی اس کو قبول کرنے میں تم کو اس بلا کا تامل ہے اور پھر کہتے ہو کہ ہم ان کی خاطر داری میں کمی نہیں کرتے۔ آرام اور خوشی کیا چیز ہے؟ جس میں بی بی خوش ہو اور جس کو وہ آرام سمجھے۔''

اس کے بعد باتوں میں رنجش و تراوش ہونے لگی۔ محمد عاقل نے سکوت اختیار کیا۔

Marfat.com

رات بھی زیادہ ہوگئی تھی۔ محمد عاقل نے ساس سے کہا ''اب آپ آرام کیجئے میں اس مضمون کو پھر سوچوں گا۔'' یہ لوگ تو سو رہے' محمد عاقل رات بھر اسی خیال کی ادھیڑ بن میں لگا رہا۔ صبح کو اٹھا تو دیکھا کہ اصغری جھاڑو دے رہی ہے اس کو دیکھ کر اصغری نے سلام کیا اور کہا ''بھائی صاحب! وضو کے واسطے گرم پانی موجود ہے۔''

محمد عاقل نے کہا ''نہیں بھائی' مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں گے۔''

اصغری نے کہا ''بھائی صاحب! چلے نہ جایئے گا۔ آپ کے واسطے چائے بنائی ہے لیکن سادی پیجئے گا یا دودھ کی؟''

محمد عاقل نے کہا ''جیسی مل جائے۔''

اصغری بولی ''آپ کی آواز کچھ بھاری بھاری لگتی ہے۔ شاید نزلے کی تحریک ہے۔ دودھ ضرر کرے گا۔''

محمد عاقل نے کہا ''نزلے کی تحریک تو نہیں۔ رات کو اماں جان کے ساتھ بہت دیر تک باتیں کرتا رہا۔ بدخوابی البتہ ہے۔''

محمد عاقل نماز پڑھ کر واپس آیا تو دیکھا کہ ساس نماز سے فارغ ہو کر پان کھا رہی ہیں۔ سلام کر کے بیٹھ گیا۔ اصغری نے سینی لا کر سامنے رکھ دی۔ چائے دان میں گرما گرم چائے دو پیالیاں دو چمچے اور ایک طشتری میں قند۔ محمد عاقل نے چائے پی۔ خوش ذائقہ' رنگ بو باس درست۔ پی کر جی باغ باغ ہوگیا۔ اکبری حسب عادت پڑی سوتی تھی۔ محمد عاقل نے کہا ''اماں جان! ان کو بھی نماز کی تاکید کیجئے۔''

ساس نے کہا ''بیٹا! یہ اپنی نانی کی بہت چہیتی ہیں۔ ان کی محبت نے ان کی خصلت' ان کی عادت' سب خراب کر رکھی ہے۔ جب یہ چھوٹی تھیں اور میں کسی بات پر گھرک بیٹھتی تو کئی کئی دن مجھ سے بولنا چھوڑ دیتی تھیں اور یہ تو کیا مجال تھی کہ اکبری کو کوئی ہاتھ لگا دے۔ اکبری بات بات پر ضد کرتیں' چیزوں کو توڑتی پھوڑتیں۔ ان کے ڈر کے مارے کوئی نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسی بات پر اکبری کے باپ سے روز بگاڑ رہتا تھا۔''

محمد عاقل رخصت ہونے لگا۔ چلتے چلتے ساس نے کہا ''بیٹا! رات کی بات یاد رکھنا اور ضرور اس کا کچھ بندوبست کرنا۔''

Marfat.com

باب چھٹا

# ماں سے محمد عاقل کے الگ ہونے کی صلاح

راہ میں محمد عاقل رات کی ان باتوں کو سوچتا آیا۔ گھر میں پہنچا تو ماں نے دیکھا کہ اس کے چہرے پر فکر معلوم ہوتا ہے۔ سمجھا' ضرور آج سسرال میں لڑا۔ پوچھا ''محمد عاقل! آخر میرے کہنے پر عمل نہیں کیا۔''

محمد عاقل: کچھ بھی نہیں۔ سوتا اٹھ کر آیا ہوں۔ اس سبب سے شاید آپ کو میرا چہرہ اداس معلوم ہوتا ہوگا۔

ماں: لڑکے! ہوش میں آ۔ تجھ کو سوتا اٹھ کر کبھی تھوڑا ہی دیکھا ہے۔ سچ بتا' کیا بات ہے؟

محمد عاقل نے آخر مجبور ہو کر رات کا تمام قصہ ماں کے روبرو بیان کیا۔ سنتے کے ساتھ ہی ماں کو کاٹو تو بدن میں لہو نہیں لیکن عورت تھی بڑی دانشمند۔ کہنے لگی ''ہر چند کہ میری تمنا یہ تھی کہ جب تک میرے دم میں دم ہے تم سب کو اپنے کلیجے سے لگائے رہوں اور تم دونوں بھائی اتفاق سے رہو لیکن میں دیکھتی ہوں تو سامان الٹے ہی الٹے نظر آتے ہیں۔ لو آج میں تم سے کہتی ہوں کہ بیاہ کے بعد دوسرے مہینے سے مزاج دار بہو کا ارادہ الگ گھر کرنے کا ہے۔ تم جو دس روپے مہینے کے مہینے لا کر مجھ کو دیتے ہو' ان کو نہایت ناگوار ہوتا ہے۔ آئے دن میں تمہاری بی بی کی سہیلیوں سے سنتی رہتی ہوں کہ بہو بلی ماروں کے محلے میں مکان لی گی' زلفن کو ساتھ لے جائیں گی۔ جب تک یہ سب لڑکیاں اکٹھی بیٹھی رہتی ہیں یہی مشورہ' یہی مذکورہ آپس میں رہا کرتا ہے۔ میں نے تمہاری خلیا ساس کے منہ پر ایک مرتبہ یہ بات رکھ دی تھی کہ مزاج دار بہو کو اگر ہمارے ساتھ رہنا ناگوار ہے تو اپنا کھانا کپڑا الگ کر لیں۔ مگر رہیں اسی گھر میں۔ پھر تمہاری ساس سے معلوم ہوا کہ مزاج دار بہو کو یہ بھی منظور نہیں۔ آدمی بیاہ شادی اور آسائش کے واسطے کرتا

Marfat.com

ہے۔ روز کی لڑائی' آئے دن کا جھگڑا نہایت بری بات ہے۔ اگر تمہاری بی بی کو یہی منظور ہے اور الگ رہنے سے ان کی خوشی ہے تو بسم اللہ ہم کو عذر نہیں۔ جہاں رہو' خوش رہو' آباد رہو۔ خدا نے ایک مامتا اولاد کی ہمارے پیچھے لگا دی ہے' سو کبھی تم ادھر کو آ نکلے' ایک نظر دیکھ لیا' صبر آ گیا۔ گھر کے دھندے سے چھٹکارا ملا' میں آپ چلی گئی' تم کو دیکھ آئی۔''

یہ کہنا تھا کہ محمد عاقل کا جی بھر آیا۔ بے اختیار رونا شروع کیا۔ سمجھا کہ آج ماں سے جدائی ہوتی ہے۔ ماں بھی روئی۔ تھوڑی دیر بعد عاقل نے کہا ''میں تو الگ نہیں رہوں گا۔ بی بی رہے یا جائے۔''

ماں نے کہا ''ارے بیٹا! یہ بھی کہیں ہوتی ہے؟ اشرافوں میں کہیں بیبیاں بھی چھوٹی ہیں؟ تم کو اپنی عمر ان ہی کے ساتھ کاٹنی ہے۔ ہمارا کیا ہے؟ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن۔ میری صلاح مانو جو وہ کہیں سو کرو۔ ہم نے جس دن سے تمہارا بیاہ کیا' اسی دن سے تم کو یہ لگ سمجھا۔ نہ تم انوکھے بیٹے نہ میں انوکھی ماں۔ کون بیٹا ساری عمر ماں کے ساتھ رہا؟''

محمد عاقل نے اپنے دوستوں سے بھی صلاح پوچھی۔ سب نے یہی کہا کہ رفعِ فساد بہتر ہے اور ساتھ رہنے پر کیا منحصر ہے' ماں سے الگ رہو اور ان کی خدمت و اطاعت کرو۔ جب سب لوگوں نے یہی صلاح دی۔ محمد عاقل نے بھی کہا خیر الگ رہ کر بھی دیکھ لوں۔ اگر یہ عورت سنبھل جائے اور گھر کو گھر سمجھے' بدمزاجی' نافرمانی' بدزبانی چھوڑ دے تو الگ رہنا عیب نہیں' گناہ نہیں۔ یہی نا کہ خانہ داری کی فکر کرنا پڑے گی اور تنگی سے گزرے گی۔ سو دنیا میں رہ کر فکر سے کسی حالت میں نجات نہیں۔ اب کچھ فکر نہیں تو ہر روز کا فساد بجائے خود عذاب ہے اور تنگیٔ رزق کا اندیشہ بھی بے جا ہے۔ جو مقدر میں ہے بہرحال پہنچے گا۔ آدمی کی سعی و تدبیر کو اس میں کیا دخل ہے۔ یہ سوچ کر محمد عاقل نے الگ ہونے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ اتفاق سے اسی کے مکان سے متصل ایک مکان بھی خالی تھا۔ ایک روپیہ ماہواری کرائے پر ٹھہرا لیا بلکہ سرقفلی دے کر سرخط بھی لکھ دیا۔ کنجی لے لی اور

Marfat.com

سسرال کہلا بھیجا کہ مکان قرار پا گیا ہے۔ اب آ وَ تو نئے مکان میں اٹھ چلیں اور اپنی ماں سے بھی کہہ دیا کہ یہی تارکش والا مکان لے لیا ہے۔ ماں نے جتنا اسباب مزاج دار بہو کا تھا' کپڑوں کے صندوق' برتن' فرش' مسہری' پلنگ سب علیحدہ کوٹھڑی میں رکھوایا۔ شام کو مزاج دار بہو بھی آ پہنچیں۔ صبح اٹھ' ماں نے کوٹھڑی کھول' محمد عاقل سے کہا لو بھائی' اپنی چیزیں دونوں میاں بی بی خوب دیکھ بھال لو۔''

محمد عاقل نے کہا ''اماں! تم کیا کہتی ہو؟ کوئی غیر جگہ تھی؟''

ماں نے کہا ''بیٹا! یہ بات نہیں۔ ایسا نہ ہو اٹھانے بٹھانے میں کوئی چیز ادھر ادھر ہو جائے'' اور ماما سے کہا ''عظمت! تم اور ہمسائی یہ سب اسباب تارکش والے گھر میں پہنچا دو۔''

اکبری کی سہیلیاں چنیا' رحمت' زلفن' سلمتی آ پہنچیں اور بات کی بات میں سارا اسباب اٹھا کر ادھر سے ادھر لے گئیں۔

Marfat.com

باب ساتواں

# اکبری کا الگ گھر اور اس کی بدانتظامی

مزاج دار بہو ہنسی خوشی نئے گھر میں آ کر بسیں۔ تین دن تک دونوں وقت محمد عاقل کی ماں نے کھانا بھیجا۔ چوتھے دن محمد عاقل نے بی بی سے کہا ''لو صاحب! اب کچھ کھانے کا بندوبست شروع ہو۔''

مزاج دار نے کہا ''سب اسباب بے ٹھکانے پڑا ہے۔ یہ رکھا جائے تو فراغت سے ہنڈیا چولہے کو دیکھوں۔ ابھی تو مجھ کو فرصت نہیں۔''

غرض سات روز تک تنور پر روٹی پکتی رہی۔ رات کو کباب اور دن کو ملائی اور کبھی دہی بازار سے منگواتے اور دونوں میاں بیوی روٹی کھا لیتے۔ آخر محمد عاقل نے روز کہہ کہہ کر کھانا پکوایا۔ مزاج دار نے کبھی کھانا پکایا نہ تھا۔ روٹی پکائی تو عجیب صورت کی۔ نہ گول نہ چوکھونٹی۔ ایک کان ادھر نکلا ہوا اور چار کان ادھر۔ کنارے موٹے' بیچ میں نکیاں' کہیں جلی کہیں کچی' دھوئیں میں کالی اور دال جو پکاتی تو دال الگ پانی الگ۔ غرض مزاج دار ایسا لذیذ اور لطیف کھانا پکاتی تھی کہ جس کو دیکھ کر بھوک بھاگ جائے۔ سالن بدرنگ' بدمزہ' نمک کبھی زہر اور کبھی پھیکا پانی۔ دو ایک دن تو محمد عاقل نے صبر کیا۔ آخر کار اس نے اپنی ماں کے گھر جا کر کھانا شروع کر دیا۔ مزاج دار نے بھی اپنے آرام کا ٹھکانا کر لیا۔ دونوں وقت بازار سے کچوریاں اور ملائی' کندا' کھویا' ربڑی' کباب منگوا کر کھا لیا کرتی۔ کھانا جو پکاتی' زلفن وغیرہ کھا کھا کر موٹی ہوئیں۔ ان بلیوں کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا لیکن دس روپے مہینے میں یہ چکوتیاں کیوں کر ہو سکتی تھیں' چپکے چپکے اسباب بکنے لگا۔ مگر محمد عاقل کو اصلاً اس کی خبر نہ تھی۔

ایک روز محمد عاقل تو نوکری پر گیا تھا' مزاج دار بہو دوپہر کو سو گئی۔ چنیا جو آئی' اس

Marfat.com

نے دیکھا بہو بے خبر سو رہی ہیں۔ اس نے اپنے بھائی میرن کو جا خبر کی۔ وہ بڑا شاطر بدمعاش تھا۔ مزاج دار تو سوتی کی سوتی رہیں۔ میرن آ کے دن دہاڑے تمام برتن چرا کر لے گیا۔ مزاج دار اٹھ کر جو دیکھیں تو گھر میں جھاڑو دی ہوئی ہے۔ کوٹھڑی کو قفل لگا ہوا تھا۔ اس کا اسباب تو بچا' جو چیز اوپر تھی ایک ایک کر کے سب لے گیا۔ اب پانی تک کو کٹورا نہ رہا۔ محمد عاقل نوکری پر سے آیا تو سن کر بہت مغموم ہوا لیکن اب پچھاتے کیا ہوت جب چڑیاں جگ گئیں کھیت۔ بی بی سے خوب لڑا اور خوب اپنا سر پیٹا۔ آخر رو دھو کر بیٹھ رہا۔ قرض دام کر کے ہلکی ہلکی دو پتیلیاں مول لایا۔ چھوٹے چھوٹے برتن ماں سے مانگ لیے۔ لگن' توا' رکابی ساس نے بھیج دیے۔ غرض کسی طرح کام چل نکلا۔

Marfat.com

باب آٹھواں

# ایک کٹنی کا اکبری کو ٹھگنا

اتفاق سے ان دنوں ایک کٹنی شہر میں وارد تھی اور ہر جگہ اس کا غل تھا۔ محمد عاقل نے بھی بی بی سے کہہ دیا تھا کہ کسی اجنبی عورت کو گھر میں مت آنے دینا۔ ان دنوں ایک کٹنی آئی ہوئی ہے۔ کئی گھروں کو لوٹ چکی ہے لیکن مزاج دار شدت سے بے وقوف تھی۔ اس کی عادت تھی کہ ہر ایک سے جلد گھل مل جانا۔ ایک دن وہی کٹنی جن کا بھیس بنا' اس گلی میں آئی۔ یہ مکار جن بے وقوف عورتوں کے پھسلانے کے لیے طرح طرح کے تبرکات اور صدہا قسم کی چیزیں اپنے پاس رکھا کرتی تھی۔ تسبیح' خاکِ شفا' زمزمیاں' مدینہ منورہ کی کھجوریں' کوہ طور کا سرمہ' خانہ کعبہ کے غلاف کا ٹکڑا' عقیق البحر اور مونگے کے دانے اور نادِ علی' پنج سورہ اور بہت سی دعائیں۔ گلی میں آ کر جو اس نے اپنی دکان کھولی تو بہت سی لڑکیاں جمع ہو گئیں۔ مزاج دار نے بھی سنا۔ زلفن سے کہا ''گلی سے اٹھنے لگے تو جن کو یہاں بلا لانا۔ ہم بھی تبرکات کی زیارت کریں گے۔'' زلفن جا کھڑی ہوئی اور جن کو بلا لائی۔ مزاج دار نے بہت خاطر داری سے جن کو پاس بٹھایا اور سب چیزیں دیکھیں۔ سرمہ اور نادِ علی دو چیزیں پسند کیں۔ جن نے مزاج دار کو باتوں ہی باتوں میں تاڑ لیا کہ یہ عورت جلد ڈھب چڑھ جائے گی۔ ایک پیسے کا بہت سا سرمہ تول دیا اور دو آنے کو نادِ علی حوالے کی اور فیروزے کی ایک انگوٹھی تبرک کے طور پر اپنے پاس سے مفت دی۔ مزاج دار ریجھ گئی۔ اس کے بعد جن نے سمندر کا حال' عرب کی کیفیت اور دل سے جوڑ کر دو چار باتیں ایسی کیں کہ مزاج دار نے کمال شوق سے سنا اور اس کی طرف ایک خاص التفات کیا۔ جن نے پوچھا ''کیوں بی تمہارے کوئی بال بچہ نہیں؟''

مزاج دار نے ایک آہ کھینچ کر کہا ''ہماری تقدیر ایسی کہاں تھی؟''

Marfat.com

جمن نے پوچھا ''بیاہ کو کتنے دن ہوئے؟''

مزاج دار کی بے عقلی کا اب جمن کو یقین ہوا اور دل میں کہنے لگی کہ اس نے تو اولاد کا نام سن کر ایسی آہ کھینچی جیسے برسوں کا امیدوار۔ جمن نے کہا ''ناامیدی کی بات نہیں۔ تمہارے تو اتنے بچے ہوں گے کہ تم سنبھال بھی نہ سکو گی۔ البتہ بالفعل اکیلے گھر میں جی گھبراتا ہوگا۔ میاں کا کیا حال ہے؟''

مزاج دار نے کہا ''ہمیشہ مجھ سے ناخوش رہا کرتے ہیں۔''

غرض پہلی ہی ملاقات میں مزاج دار نے جمن کے ساتھ ایسی بے تکلفی کی کہ اپنا حال جز وکل اس سے کہہ دیا اور جمن نے باتوں ہی باتوں میں تمام بھید معلوم کر لیا۔ ایک پہر کامل جمن بیٹھی رہی۔ رخصت ہونے لگی تو مزاج دار نے بہت منت کی کہ اچھی بی جمن' اب کب آؤ گی؟ جمن نے کہا ''میری بھانجی موم گروں کے چھتے میں رہتی ہے اور بہت بیمار ہے۔ اسی کے علاج کے واسطے میں آگرے سے آئی ہوں۔ اس کے دوا معالجے سے فرصت کم ہوتی ہے۔ مگر ان شاءاللہ دوسرے تیسرے دن تم کو دیکھ جایا کروں گا۔''

اگلے دن جمن پھر آ موجود ہوئی اور ایک ریشمی ازار بند لیتی آئی۔ مزاج دار دور سے جمن کو آتے دیکھ کر خوش ہوگئی اور پوچھا ''یہ ازار بند کیا ہے؟''

جمن نے کہا ''بکاؤ ہے۔''

مزاج دار نے پوچھا ''کتنے کا ہے؟''

جمن نے کہا ''چار آنے کا۔ محلے میں ایک بیگم رہتی ہیں' اب غریب ہوگئی ہیں۔ اسباب بیچ بیچ کر گزر کرتی ہیں۔ میں اکثر ان کی چیزیں بیچ دیا کرتی ہوں۔''

مزاج دار اتنا سستا ازار بند دیکھ کر لوٹ ہوگئی۔ فوراً پیسے نکال' جمن کے ہاتھ پر رکھ دیے اور بہت گڑگڑا کر کہا ''اچھی بی! جو چیز بکاؤ ہوا کرے پہلے مجھ کو دکھا دیا کرو۔''

جمن نے کہا ''بہت اچھا۔ پہلے تم' پیچھے اور''

اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوا کیں۔ چلتے ہوئے جمن نے ایک بٹوا نکالا' اس میں کپڑے اور کاغذ کی کئی تہوں میں تھوڑی سی لونگیں تھیں۔ ان میں سے دو لونگیں جمن نے مزاج دار کو دیں اور کہا کہ دنیا میں ملاقات اور محبت اس واسطے ہوا کرتی ہے کہ ایک

Marfat.com

دوسرے کا فائدہ ہو۔ یہ دولونگیں میں تم کو دیتی ہوں۔ ایک کو تم اپنی چوٹی میں باندھ لو' دوسری بہتر تھا کہ تمہارے میاں کی پگڑی میں رہتی۔ پر تمہارے میاں شاید شبہ کریں۔ خیر تکیے میں سی دو اور ان کا اثر آج ہی دیکھ لینا لیکن اتنی احتیاط کرنا کہ پاک صاف جگہ میں رہیں اور اپنے قد کے برابر ایک کلاوہ مجھ کو ناپ دو۔ میں تم کو ایک گنڈا لا دوں گی۔ میں جب حج کو گئی تھی تو اسی جہاز میں ایک بھوپال کی بیگم بھی سوار تھیں۔ شاید تم نے ان کا نام سنا ہو' بلقیس جہانی بیگم۔ سب کچھ خدا نے ان کو دے رکھا تھا۔ دولت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ نوکر' چاکر' لونڈی' غلام' پالکی نالکی سبھی کچھ تھا۔ ایک تو اولاد کی طرف سے رنجیدہ رہا کرتی تھیں' کوئی بچہ نہ تھا' دوسرے نواب صاحب کو ان کی طرف مطلق التفات نہ تھا۔ شاید اولاد نہ ہونے کے سبب محبت نہ کرتے ہوں۔ ورنہ بیگم صورت میں چندے آفتاب چندے ماہتاب اور حسن و دولت پر مزاج ایسا سادہ کہ ہم جیسے ناچیزوں کو برابر بٹھانا اور پوچھنا بیگم کو فقیروں پر پرلے درجے کا اعتقاد تھا۔ ایک دفعہ سنا کہ تین کوس پر کوئی کامل وارد ہے۔ اندھیری رات میں گھر سے پیادہ پا ان کے پاس گئیں اور پہر تک ہاتھ باندھے کھڑی رہیں۔ فقیروں کے نام کے قربان جایئے۔ ایک مرتبہ جو شاہ صاحب نے آنکھ اٹھا کر دیکھا فرمایا جا مائی' رات کو حکم ملے گا۔ بیگم کو خواب میں بشارت ہوئی کہ حج کو جا اور مراد کا موتی سمندر سے نکال لا۔ صبح کو اٹھ کر حج کی تیاریاں ہونے لگیں۔ پانسو مسکین بیگم نے آپ کرایہ دے کر جہاز پر سوار کرائے۔ ان میں سے ایک میں بھی تھی۔ ہر وقت کا پاس رہنا' بیگم صاحبہ (الٰہی دونوں جہان میں سرخ رو) مجھ پر بہت مہربانی کرنے لگیں اور سہیلی کہا کرتی تھیں۔ دس دن تک برابر جہاز پانی میں چلا۔ گیارہویں دن بیچ سمندر کے ایک پہاڑ دکھائی دیا۔ ناخدا نے کہا ''کوہ حبشہ یہی ہے۔'' ایک بڑا کامل فقیر اس پر رہتا تھا۔ جو گیا بامراد آیا۔ بیگم صاحب نے ناخدا سے کہا کہ کسی طرح مجھ کو اس پہاڑ پر پہنچا۔ ناخدا نے کہا حضور جہاز تو پہاڑ تک نہیں پہنچ سکتا۔ البتہ اگر آپ ارشاد کریں تو جہاز کو لنگر کریں اور آپ کو ایک کشتی میں بٹھا کر لے چلیں۔ بیگم نے کہا خیر یہی سہی۔ پانچ عورتیں بیگم کے ساتھ کوہ حبشہ پر گئی تھیں۔ ایک میں اور چار اور۔ پہاڑ پر پہنچے تو عجیب طرح کی خوشبو مہک رہی تھی۔ چلتے چلتے شاہ صاحب تک پہنچے۔ ہو کا مقام' نہ

Marfat.com

آدمی نہ آدم زاد' تن تنہا شاہ صاحب ایک غار میں رہتے تھے۔ کیسی نورانی شکل تھی' جیسے فرشتہ۔ ہم کو دعا دی' بیگم کو بارہ لونگیں دیں اور کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔ مجھ سے کہا' چلی جا۔ آگرے اور دلی میں لوگوں کے کام بنا۔ بیٹی! ان بارہ لونگوں میں سے دو لونگیں یہ ہیں۔ ہم سب حج کر کے لوٹے تو نواب صاحب یا تو بیگم کی بات نہ پوچھتے تھے یا یہ نوبت آئی کہ ایک مہینے آگے سے بمبئی میں آ کر بیگم کو لینے کو پڑے تھے۔ جوں ہی بیگم نے جہاز پر سے پاؤں اتارا' نواب صاحب نے اپنا سر بیگم کے قدموں مین رکھ دیا اور رو رو کر خطا معاف کرائی۔ چھ برس میں بھوپال میں حج سے واپس آ کر ٹھہری۔ فقیر کی دعا کی برکت سے لگاتار اوپر تلے اللہ رکھے چار بیٹے بیگم کے میرے رہتے ہو چکے تھے۔ پھر مجھ کو اپنا دیس یاد آیا۔ بیگم سے اجازت مانگی۔ بہت روکا' میں نے کہا کہ شاہ صاحب نے مجھ کو دلی' آگرے کی خدمت سپرد کی ہے۔ مجھ کو وہاں جانا ضرور ہے۔ یہ سن کر بیگم نے چار و ناچار مجھ کو رخصت کیا۔''

دو لونگیں' اس کے ساتھ دو ورق کی حکایت دلچسپ۔ مزاج دار دل و جان سے معتقد ہو گئیں۔ جن تو لونگیں دے کر رخصت ہوئی۔ مزاج دار بہو نے غسل کر' کپڑے بدل' خوشبو لگائی' ایک لونگ بسم اللہ کر کے اپنی چوٹی میں باندھی اور میاں کے پلنگ کی چادر اور تکیوں کے غلاف بدل' ایک لونگ کسی تکیے میں رکھ دی۔ محمد عاقل جو گھر آیا' بی بی کو دیکھا' صاف ستھری' پلنگ کی چادر بے کہے بدلی ہوئی۔ خوش ہوا اور التفات کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

مزاج دار نے کہا'' دیکھو ہم نے آج ایک چیز مول لی ہے۔'' یہ کہہ کر ازار بند دکھایا۔

محمد عاقل نے کہا'' کتنے کو لیا ہے؟''

مزاج دار نے کہا'' تم آنکو' کتنے کا ہے۔''

وہ ازار بند خاص لاہور کا بنا ہوا نہایت عمدہ تھا۔ چوڑا چکلا' کلابتوں کی لچھے دار لڑیں۔ محمد عاقل نے کہا'' دو روپے سے کسی طرح کم نہیں۔''

مزاج دار: چار آنے کو لیا ہے۔

Marfat.com

محمد عاقل: سچ کہو۔

مزاج دار: تمہارے سر کی قسم' چار ہی آنے کو لیا ہے۔

محمد عاقل: بہت سستا ہے۔ کہاں سے مل گیا؟

مزاج دار: ایک جمن بڑی نیک بخت ہے۔ بہت دنوں سے گلی میں آیا کرتی ہے۔ کسی بیگم کا ہے بیچنے کو لائی تھی۔

یہ کہہ کر سرمہ' نادعلی' فیروزے کی انگوٹھی بھی مزاج دار نے دکھائی۔ طمع ایسی چیز ہے کہ بڑا سیانا آدمی بھی دھوکا کھا جاتا ہے۔ جنگلی جانور' مینا' طوطا' لعل' بلبل آدمی کی شکل سے بھاگتے ہیں لیکن دانے کی طمع میں جال میں پھنس جاتے ہیں اور زندگی بھر قفس میں قید رہتے ہیں۔ اسی طرح محمد عاقل اپنا فائدہ دیکھ کر خوش ہوا اور جب مزاج دار نے کہا کہ وہ جمن بیگم کا تمام اسباب جو بکنے کو نکلے گا' میرے پاس لانے کا وعدہ کر گئی ہے تو محمد عاقل نے کہا ''ضرور دیکھنا چاہیے لیکن ایسا نہ ہو چوری کا مال ہو۔ پیچھے خراب پڑے۔ وہاں جمن کوئی ٹھگنی نہ ہو۔''

مزاج دار نے کہا ''خدا خدا کرو! وہ جمن ایسی نہیں۔''

غرض بات گئی گزری ہوئی۔ محمد عاقل سے جو آج ایسی باتیں ہوئیں' لوگوں پر مزاج دار کا اعتقاد جم گیا۔ اگلے دن زلفن کو بھیج جمن کو بلایا اور آج مزاج دار بیٹی بنیں اور جمن کو ماں بنایا۔ رات کے وقت محمد عاقل سے پھر جمن کا ذکر آیا۔ محمد عاقل نے کہا ''دیکھو ہوشیار رہنا۔ اس بھیس میں کٹنیاں اور ٹھگنیاں بہت ہوا کرتی ہیں۔'' لیکن طمع نے خود محمد عاقل کی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ اتنی موٹی بات وہ نہ سمجھا کہ دو روپے کا مال چار آنے میں کوئی بے وجہ بھی دیتا ہے۔ محمد عاقل کو مناسب تھا کہ قطعاً جمن کے آنے کی ممانعت کرتا اور سب چیزیں اس کو پھروا دیتا۔ مزاج دار کو اتنی عقل کہاں تھی کہ اس تہہ کو سمجھتی۔ کئی دن کے بعد مزاج دار نے جمن سے پوچھا ''کیوں بی! آج کل بیگم کا کوئی سامان نہیں لاتیں؟''

جمن نے جان لیا کہ اس کو اچھی چاٹ لگ گئی ہے۔ کہا ''تمہارے ڈھب کی کوئی چیز نکلے تو لاؤں۔'' دو چار دن کے بعد جھوٹے موتیوں کی ایک جوڑی لائی اور کہا ''لو بی!

Marfat.com

خود بیگم کی نتھ کے موتی ہیں۔نہیں معلوم ہزار کی جوڑی ہے یا پانچ سو کی۔ پنامل جوہری کی دکان پر میں نے دکھائی تھی' لٹو ہو ہو گیا۔ دو سو روپے زبردستی میرے پلو باندھے دیتا تھا۔ میں بیگم سے پچاس روپے میں لائی ہوں۔تم لے لو۔ پھر ایسا مال نہ ملے گا۔''

مزاج دار نے کہا'' پچاس روپے نقد تو میرے پاس نہیں ہیں۔''

جمن نے کہا'' کیا ہوا بیٹی! پہنچیاں بیچ کر لے لو۔نہیں تو آج یہ موتی بک جائیں گے۔''جمن نے ایسے ڈھب سے کہا کہ مزاج دار فوراً اپنا زیور کا صندوقچہ اٹھا لائی اور جمن کو پہنچیاں نکال حوالے کر دیں۔ جمن نے مزاج دار کا زیور دیکھ کر کہا'' اے ہے! کیسی بے احتیاطی سے زیور مولی گاجر کی طرح ڈال رکھا ہے۔ بیٹی! دھگدگی میں ڈورا ڈلواؤ۔ بالی پتے' گلوبند' بازو بند میلے چکٹ ہو گئے ہیں۔میل سونے کو کھائے جاتا ہے۔ان کو اجلواؤ''

مزاج دار نے کہا'' کون ڈورا ڈلوائے اور کون اجلوا کر لائے۔ان سے کہتی ہوں تو وہ کہتے ہیں مجھے فرصت نہیں۔''

جمن نے کہا'' اوئی بیٹی! یہ کون سا بڑا کام ہے۔لو موتی رہنے دو۔ میں ابھی ڈورا ڈلوا دوں اور جو زیور ملا ہے نکال دو۔ میں ابھی اجلوا دوں۔''

مزاج دار نے سب زیور حوالے کیا۔ جمن نے کہا'' زلفن کو بھی ساتھ کر دو۔ سنار کے پاس بیٹھی رہے گی۔ میں پٹوے سے ڈورے ڈلواؤں گی۔''

مزاج دار نے کہا'' اچھا'' یہ کہہ کر زلفن کو آواز دی۔آئی تو جمن نے کہا'' لڑکی ذرا میرے ساتھ چل۔ سنار کی دکان پر بیٹھی رہیو۔''

جمن نے زیور لیا۔ زلفن ساتھ ہوئی۔گلی سے باہر نکل کر جمن نے رومال کھولا اور زلفن سے کہا' لاؤ اجلوانے کا الگ کر لیں اور ڈورا ڈلوانے کا الگ۔ زیور کو الگ کرتے کرتے جمن بولی'' این! ناک کی کیل کیا ہوئی؟''

زلفن نے کہا'' اسی میں ہوگی۔ ذرا بھر کی تو چیز ہے۔اسی پوٹلی میں دیکھو۔'

پھر جمن آپ ہی آپ بولی'' اے ہے! پان دان کے ڈھکنے پر رکھی رہ گئی۔ اری زلفن' دوڑ کر جا۔جلدی سے لے آ۔''

Marfat.com

زلفن بھاگی بھاگی آئی اور دروازے سے چلائی ''بی بی ناک کی کیل پان دان کے ڈھکنے پر رہ گئی ہے۔ جمن نے مانگی ہے۔ جلدی دو۔ جمن گلی کی نکڑ پر دیا بنیے کی دکان کے آگے بیٹھی ہے۔''

یہ کہنا تھا کہ مزاج دار بہو کا ماتھا ٹھنکا۔ زلفن سے کہا ''باؤلی ہوئی ہے؟ کیسی کیل میرے پاس کہیں تھی؟ تو نے دیکھی ہے؟ اری کم بیت! دوڑ۔ دیکھ تو جمن کہیں چلی نہ جائے۔''

زلفن الٹے پاؤں دوڑی گئی۔ جمن کو ادھر ادھر دیکھا کہیں پتہ نہ تھا۔ مزاج دار سے آ کر کہا ''بی جمن کا تو کہیں پتہ نہیں۔ میں بازار تک دیکھ آئی۔ اتنی دیر میں نہیں معلوم کہاں غائب ہوگئی۔''

یہ سن کر مزاج دار سر پیٹنے لگی ''ہائے! میں لٹ گئی! ہائے میں لٹ گئی! ارے لوگو! خدا کے لیے ذرا دوڑیو۔''

موم گروں کے چھتے تک لوگ دوڑے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ کہیں کی بہتی بہائی مہینے بھر سے کرائے پر آ کر رہی تھی۔ چار دن سے مکان چھوڑ چلی گئی۔ اب کیا ہو سکتا تھا محمد عاقل نے آ کر سنا تو سر پیٹ لیا اور بیوی سے کہا ''اری! تو گھر کو خاک سیاہ کر کے چھوڑے گی۔ میں تو تجھ کو پہلے سے جانتا ہوں۔''

مزاج دار نے کہا ''چل دور ہو۔ اب باتیں بنانے کھڑا ہوا ہے۔ ازار بند دیکھ کر نہ نے مجھ سے کہا تھا کہ بیگم کا اسباب ضرور دیکھنا۔''

غرض خوب مزے کی لڑائی دونوں میاں بی بی میں ہوئی۔ تمام محلہ جمع ہوگیا۔ بات پر بات چلی تو معلوم ہوا کہ اسی جمن نے کنجنی کی گلی میں احمد بخش کی بی بی کا تمام زیور اس حیلے سے ٹھگ لیا کہ ایک فقیر سے دونا کرا دوں گی۔ روئی کے کڑے میں میاں مستیا کی بیٹی سے ایسی محبت بڑھائی کہ اس کا زیور بہانے سے اڑا لے گئی۔ غرض زیور تو گیا گزرا ہوا۔ باتیں بہت سی رہ گئیں۔ برتن چوری جا چکے تھے۔ زیوریوں غارت ہوا ہزار روپے کے موتیوں کی جوڑی جو لوگوں نے دیکھی تو تین پیسے کی تھی۔ تھانے میں اطلاع ہوئی لوگوں نے بطور خود بہت ڈھونڈا، جمن کا سراغ نہ ملا پر نہ ملا۔

Marfat.com

اکبری کو جہیز میں جو کپڑے ملے تھے ان کا حال سنیے۔ جب تک ساس کے ساتھ رہیں' ساس دسویں دن نکال کر دھوپ دے دیا کرتی تھیں۔ شروع برسات میں الگ ہو کر رہیں۔ کپڑوں کا صندوق جس کوٹھڑی میں جس طرح رکھا گیا تھا' تمام برسات گزر گئی' اس کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ وہیں اسی طرح رکھا رہا۔ جاڑے کی آمد میں دولائی کی ضرورت ہوئی تو صندوق کھولا گیا۔ بہت سے کپڑوں کو دیمک چاٹ گئی تھی۔ چوہوں نے کاٹ کاٹ کر بغارے ڈال دیے تھے۔ کوئی کپڑا سلامت نہیں بچنے پایا۔

اکبری کا جتنا حال تم نے پڑھا اس سے تم کو معلوم ہوگا کہ اکبری کی نانی کے لاڈ پیار نے زندگی بھر کیسی مصیبت میں رکھا۔ لڑکپن میں اکبری نے نہ تو کوئی ہنر سیکھا نہ کچھ اس کے مزاج کی اصلاح ہوئی۔ جب اکبری نے ساس سے جدا ہو کر الگ گھر کیا' برتن بھانڈا' کپڑا زیور سب کچھ اس کے پاس موجود تھا۔ چونکہ خانہ داری کا سلیقہ نہیں رکھتی تھی' چند روز میں تمام مال و اسباب خاک میں ملا دیا اور ایک ہی برس میں ہاتھ کان سے ننگی رہ گئی۔ اگر محمد عاقل بھی اس کی طرح احمق اور بدمزاج ہوتا تو شاید ایک دوسرے سے قطع تعلق ہو جاتا لیکن محمد عاقل نے ہمیشہ عقل و شرافت کو برتا۔ ہم کو اکبری کے اتنے حالات معلوم ہیں کہ اگر ہم سب کو لکھنا چاہیں تو ایسی تین چار کتابیں بنیں مگر اکبری کے حالات پڑھنے سے کبھی تو غصہ آتا ہے اور کبھی طبیعت کڑھتی ہے۔ اس سے اس کے زیادہ حالات لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ اس کی چھوٹی بہن اصغری کا حال کیوں نہ لکھیں کہ بات بات پر پڑھنے والوں اور سننے والوں کا سب کا جی خوش ہو جائے۔

Marfat.com

## باب نواں

# اصغری کا بیاہ اور اس کا مختصر حال

یہ لڑکی اپنی ماں کے گھر ایسی تھی جیسے گلاب کا پھول یا آدمی کے جسم میں آنکھ۔ ہر ایک طرح کا ہنر' ہر ایک طرح کا طور سلیقہ اسے حاصل تھا۔ دانائی' ہوشیاری' ادب' قاعدہ' مروت' نیک دلی' ملنساری' خدا ترسی' حیا' لحاظ سب صفتیں خدا نے اصغری کو عنایت کی تھیں۔ لڑکپن سے اس کو کھیل کود' ہنسی اور چھیڑ سے نفرت تھی۔ پڑھنا یا گھر کا کام کرنا کبھی اس کو واہیات بکتے یا کسی سے لڑتے نہیں دیکھا۔ محلے کی جتنی عورتیں تھیں' سب اس کو بیٹیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ بے شک زہے قسمت اس ماں باپ کی کہ جن کی بیٹی اصغری تھی اور خوشا نصیب اس گھر کے جس میں اصغری بہو بن کر جانے والی تھی۔ اب خدا کے فضل و کرم سے اصغری کی عمر تیرہ برس کی ہوئی۔ بات تو اس کی محمد کامل سے ٹھیری ٹھہرائی تھی' اب چرچا ہونے لگا کہ مہینا اور دن مقرر ہو جائے۔ ادھر محمد کامل کی ماں اکبری کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ مثل ہے' دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ اکبری کے تصور سے اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ در پردہ محمد کامل کی ماں کا ارادہ تھا کہ چھوٹے لڑکے کی منگنی کسی اور جگہ کروں کہ محمد عاقل کو کسی طرح معلوم ہو گیا اور اس نے ماں سے کہا ''اماں میں نے سنا ہے کہ تم محمد کامل کی منگنی چھڑانی چاہتی ہو۔''

ماں نے کہا ''کیا بتاؤں' بیٹا! بڑی سوچ میں ہوں' کیا نہ کروں۔ تم سے میری آنکھ سامنے نہیں ہوتی۔ خدا نے مجھ کو تمہارا گنہگار بنا دیا۔ دیکھئے محمد کامل کی قسمت کیسی ہے۔''

محمد عاقل نے کہا ''اماں! میں سچ کہتا ہوں' اصغری ہزار لڑکیوں میں سے ایک ہے۔ عمر بھر چراغ لے کر ڈھونڈو گی تو اصغری جیسی لڑکی نہ پاؤ گی۔ صورت سیرت دونوں میں

Marfat.com

خدا نے اس کو لائق فائق بنایا ہے۔ ہرگز اندیشہ مت کرو بسم اللہ کر کے بیاہ ڈالو اور بڑی بہن پر مت خیال کرو یہ تو آپ نے سنا ہوگا۔

نہ ہر زن زن است نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

اپنا اپنا مزاج ہے اور اپنی اپنی طبیعت

گل جو چمن میں ہیں ہزار، دیکھ ظفر ہے کیا بہار
سب کا ہے رنگ جدا جدا، سب کی ہے بو الگ الگ

تمہاری بڑی ہو کو لاحول ولا قوۃ اصغری سے کیا نسبت

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اور خدارا تم میری بات کا یقین کرو۔ مجھ کو اپنے بارے میں تم سے ذرا بھی شکایت نہیں۔ اس خیال کو طبیعت سے نکال ڈالو۔ میں خوب جانتا ہوں کہ کوئی کسی کے دل میں نہیں گھستا۔ ظاہر حال پر سب کی نظر پڑا کرتی ہے اور انجام کی خبر خدا کو ہے۔ یوں تو جس کو بٹھاؤ گی کامل کی بی بی ہوگی۔ تمہاری بھوج ہوگی اور ہماری بھاوج۔ مگر اماں پھر کہتا ہوں کہ اصغری میری جانی بوجھی ہوئی لڑکی ہے۔ وہ شاید بڑی بہو کو بھی ٹھیک کر لے گی۔ ہے تو چھوٹی مگر سارا محلہ اس کا ادب کرتا ہے اور وہ ہے بھی اسی قابل۔ دیکھو، خدا کے لیے کہیں اصغری کو نہ چھوڑنا۔''

محمد عاقل نے جو اصغری کی اس قدر تعریف کی تو بات پکی ہوگئی۔ غرض دونوں سمدھیانے کی صلاح سے یہ امر قرار پایا کہ بقرعید کے اگلے دن اصل خیر سے نکاح ہو۔ اصغری کا باپ دوراندیش خان پہاڑ پر نوکر تھا۔ اس کو خط گیا، خط پہنچتے ہی خاں صاحب کی باچھیں ہی تو کھل گئیں۔ اصغری کو سب بچوں میں بہت چاہتا تھا۔ فوراً رخصت کی درخواست کی۔ جواب صاف ملا، بہت زور مارے، ایک نہ چلی، جاڑے کی آمد تھی۔ دورہ شروع کو تھا۔ بے چارگی، کیا کرتا۔ قہر درویش بر جان درویش۔ چپ ہو کر بیٹھ رہا لیکن بڑا بیٹا خیر اندیش خان تھا۔ پانچ سو روپے نقد دے کر اس کو گھر روانہ کیا اور سب پس و

Marfat.com

پیش سمجھا دیا۔ گھر پر زیور' کپڑا' برتن سب پہلے سے موجود تھا۔ خیر اندیش خان نے مکان پر پہنچ کر چاول' گھی' گیہوں' مصالحہ' نمک سب بقدر ضرورت خرید لیا۔ اصغری کے کپڑوں میں مصالحہ ٹکنا شروع ہوا۔ ماں کا ارادہ تھا کہ اصغری کو بڑی بہن سے بڑھ چڑھ کر جہیز ملے۔ جوڑے بھی اس کے زیادہ ہوں۔ برتن بھی استعمال کے وزنی دیے جائیں۔ زیور کے عدد بھی زیادہ ہوں۔ اصغری آخر اسی گھر میں رہتی تھی۔ جو بات ہوتی اس کو ضرور معلوم ہو جاتی۔ جب اصغری نے سنا کہ مجھ کو آپا سے زیادہ جہیز ملنے والا ہے تو اس کو رنج ہوا اور اس فکر میں ہوئی کہ کسی تدبیر سے اماں کو منع کر دوں۔ آخر اپنی خالہ زاد بہن تماشا خانم سے شرماتے شرماتے کہا ''میں نے ایسا سنا ہے مجھ کو اس کا نہایت سوچ لگا ہے۔ کئی دن سے نہایت فکر میں تھی۔ الٰہی کیا کروں! اچھا ہوا تم آ نکلیں۔ بوجہ ہم عمری تم سے کہنے میں تامل نہیں۔ کوئی اماں کو اتنی بات سمجھا دے کہ مجھ کو آپا سے زیادہ ایک چیز نہ دیں۔''

تماشا خانم نے سن کر کہا ''تم بھی بوا کوئی تماشے کی عورت ہو۔ وہی کہاوت ہے' گدھے کو نون دیا' اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں۔ خدا دلواتا ہے۔ تم کیوں انکار کرو؟''

اصغری نے کہا ''تم دیوانی ہو۔ اس میں کئی قباحتیں ہیں۔ آپا کے مزاج سے تم واقف ہو۔ ان کو ضرور رنج ہوگا۔ ناحق اماں سے بدمزگی ہوگی۔ مجھ سے بھی ان کو بدگمانی پیدا ہوگی۔''

تماشا خانم نے کہا ''بوا اس میں بدمزگی کی کیا بات ہے؟ اپنی اپنی قسمت ہے اور سمجھنے کو سو طرح کی باتیں ہیں۔ ان کی بسم اللہ کی شادی ہوئی' روزہ کشائی ہوئی' چار برس تک منگنی رہی۔ تیز تیوہار ان کا کون سا نہیں ہوا؟ ان کی کسر ادھر سمجھ لیں۔''

اصغری نے کہا ''سچ ہے' مگر نام تو جہیز کا ہے۔ چھوٹی کو زیادہ ملے گا تو بڑی کو رنج ہوگا ہی۔ ایک محلے کا رہنا' روز کا ملنا ملانا۔ جس بات سے دلوں میں فرق پڑے' وہ کیوں کی جائے؟''

تماشا خانم نے کہا ''بہن ناحق تم اپنا نقصان کرتی ہو۔ اجی' مہینے دو مہینے میں سب

Marfat.com

بھول جائیں گے۔''

اصغری نے کہا'' اے بی! اللہ اللہ کرو۔ نفع نقصان کیسا؟ کہاں ماں باپ کے دینے سے پوری پڑتی ہے اور جہیز سے عمریں کٹتی ہیں؟ خدا اپنی قدرت سے دے۔ تم اس بات میں اصرار مت کرو۔ نہیں تو میں کوئی دوسری تدبیر کروں گی۔''

غرض اصغری کی ماں تک یہ بات پہنچ گئی اور وہ بھی سوچ کر اپنے ارادے سے باز رہیں۔ دل میں کہنے لگیں'' دینے کے سو ڈھب ہیں دوسری جگہ سمجھ لوں گی۔'' الغرض روزِ مقررہ کو ساعت نیک میں نکاح ہو گیا۔ مبارک سلامت ہونے لگی۔ خیر اندیش خاں ایسا منتظم آدمی تھا کہ اکیلے نے نہایت خوبی کے ساتھ بہن کا بیاہ کر دیا۔ باراتیوں کی مدارات علیٰ قدرِ مراتب خوب ہوئی۔ حق حقوق والوں کو خاصی طرح راضی کر دیا۔ جب اصغری کی رخصت کا وقت آ پہنچا' گھر میں آفت برپا تھی۔ ماں پر تو نہایت درجے کا صدمہ تھا۔ محلے کی بیبیوں کا یہ حال تھا کہ آ آ کر اصغری کو گلے سے لگا کر روتی تھیں اور ہر ایک کے دل سے دعا نکلتی تھی۔ اصغری ان دعاؤں کا بڑا بھاری جہیز لے کر سسرال میں داخل ہوئی۔ وہاں کی جو رسمیں تھیں' ادا ہوئیں۔ رونمائی کے بعد اصغری خانم کو تمیز دار بہو کا خطاب ملا۔ آگے چل کر تم کو معلوم ہو جائے گا کہ اصغری خانم نے خانہ داری کو کس طرح سنبھالا' کیا کیا مشکلیں اس کو پیش آئیں اور اس نے اپنی عقل سے کیوں کر ان کو رفع کیا۔

ذرا اصغری کی حالت کا اکبری کی حالت سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ اصغری ماں کی دوسری بیٹی اور ساس کی دوسری بہو تھی۔ دونوں طرف ارمان اور حوصلے اکبری کے بیاہ میں نکل چکے تھے۔ اکبری سولہ برس کی بیاہی گئی تھی اور اصغری بیاہ کے وقت پوری تیرہ برس کی بھی نہ تھی۔ جب اکبری کا بیاہ ہوا اس کا دولہا محمد عاقل دس روپے کا نوکر تھا اور اصغری کا دولہا محمد کامل ہنوز پڑھ رہا تھا۔ محمد عاقل کی نسبت محمد کامل کم علم اور کم عقل تھا۔ اکبری کامل دو برس تک بچوں کے بکھیڑے سے آزاد رہی اور اصغری کو خدا نے بیاہ کے دوسرے برس ہی چھوٹی سی عمر میں ماں بنا دیا۔ اکبری کو کبھی شہر سے باہر نکلنے کا اتفاق نہیں

Marfat.com

ہوا' اصغری برسوں سفر میں رہی۔ پس بہر حال' اصغری کی حالت اکبری کے مقابلے میں اچھی نہ تھی مگر اصغری کی چھٹپن سے تربیت ہوئی تھی۔ روز بروز گھر میں برکت زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ اکبری کا نام بھی کوئی نہیں جانتا اور خانم کے بازار میں تمیز دار بہو کا وہ عالی شان محل کھڑا ہے کہ آسمان سے باتیں کرتا ہے اور اصغری خانم کے نام ہی سے وہ خانم بازار مشہور ہوا۔ جوہری بازار میں وہ اونچی مسجد جس میں حوض اور کنواں ہے' تمیز دار بہو ہی کی بنوائی ہوئی ہے۔ خاص بازار سے آگے بڑھ کر لال ڈگی کی بغل میں تمیز گنج اسی کا ہے۔ مولوی محمد حیات کی مسجد میں اب تک بیس مسافروں کو اس کے لنگر خانے سے خمیری روٹی اور چنے کا قلیہ دونوں وقت پہنچا کرتا ہے۔ قطب صاحب میں اولیاء مسجد کے برابر سرائے اسی تمیز دار بہو کی بنوائی ہوئی ہے۔ رمضان کے رمضان فتح پوری میں بمبئی کے چھاپے پانچ سو قرآن اسی کی طرف سے تقسیم ہوا کرتے ہیں۔ ہزار کمل آتے جاڑے میں مسکینوں کو اس کے گھر سے ملتے ہیں۔

جب خیر اندیش خان نے اپنے باپ دور اندیش خاں کو اطلاع کی کہ خدا کے فضل و کرم سے خیر و خوبی کے ساتھ ہمشیرہ عزیزہ کا عقد ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ مہر فاطمہؓ پر ہو گیا' دور اندیش خاں نے دو رکعت نماز نفل شکرانہ ادا کی لیکن بیٹی کی مفارقت کا قلق بہت دنوں تک رہا۔

Marfat.com

## باب دسواں

# بیاہی ہوئی لڑکیوں کے لیے عمدہ نصیحت

اصغری کے نام شادی ہو جانے کے بعد دور اندیش خان نے جو خط لکھا وہ دیکھنے کے لائق ہے۔ اتفاق سے ہم کو اس کی نقل ہاتھ آ گئی تھی۔ وہ خط یہ ہے۔

آرام دل و جانم برخوردار اصغری خانم سلمہا اللہ تعالیٰ۔ دعا اور اشتیاقِ دیدہ بوسی کے بعد واضح ہو کہ تمہارے بھائی خیر اندیش کے لکھنے سے تمہاری رخصت کا حال معلوم ہوا۔ برسوں سے یہ تمنا دل میں تھی کہ اس فرض کو میں اپنے اہتمامِ خاص سے ادا کروں مگر حاکم نے رخصت نہ دی۔ مجبور رہا۔ یہ بات تم پر ظاہر ہوئی ہوگی کہ سب بچوں میں تم سے مجھ کو ایک خاص طرح کا انس تھا اور میں اس بات کو بطور اظہار احسان نہیں لکھتا بلکہ تم نے اپنی خدمت گزاری اور فرماں برداری سے خود میرے اور سب کے دل میں جگہ پیدا کی تھی۔ آٹھ برس کی عمر سے تم نے میرے گھر کا تمام بوجھ اپنے سر پر اٹھا رکھا تھا۔ مجھ کو ہمیشہ یہ بات معلوم ہوتی رہی کہ تمہارے سبب بیگم یعنی تمہاری ماں کو بڑی بے فکری حاصل ہے۔ جب کبھی اس اثناء میں مجھ کو گھر جانے کا اتفاق ہوا' تمہارا انتظام دیکھ کر ہمیشہ میرا جی خوش ہوا۔ اب تمہارے رخصت ہو جانے سے ایسا نقصان ہوا کہ اس کی تلافی شاید اس عمر میں ہونے کی مجھ کو امید نہیں ہو سکتی۔ خدا تم کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کے صلے میں میری دعاؤں کا اثر تم پر ظاہر ہو۔ خیر اندیش خان کے خط سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تم نے اکبری خانم سے زیادہ جہیز نہیں لینا چاہا۔ اس سے تمہاری بلند نظری اور عالی ہمتی ثابت ہوتی ہے۔ مگر میں اس کا نعم البدل بھیجتا ہوں۔ وہ یہ خط ہے۔ اس کو تم بطور دستور العمل کے اپنے پاس رکھو اور ان نصیحتوں پر عمل کرو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ہر ایک مشکل تم پر آسان ہوگی اور اپنی زندگی آرام و آسائش میں بسر کرو گی۔

Marfat.com

سمجھنا چاہیے کہ بیاہ کیا چیز ہے۔ بیاہ صرف یہی بات نہیں کہ رنگین کپڑے پہنے' مہمان جمع ہوئے' مال و اسباب زیور پایا۔ بلکہ بیاہ سے نئی دنیا شروع ہوتی ہے۔ نئے لوگوں سے معاملہ کرنا اور نئے گھر میں رہنا پڑتا ہے۔ جس طرح پہلے بچھڑوں پر جوار کھا جاتا ہے آدمی کے بچھڑوں کا جوا بیاہ ہے۔ بیاہ ہوا' لڑکی بی بی بنی لڑکا میاں بنا۔ اس کے یہی معنی ہیں کہ دونوں کو پکڑ کر دنیا کی گاڑی میں جوت دیا۔ اب یہ گاڑی قبر کی منزل تک ان کو کھینچنی پڑے گی۔ پس یہ بہتر ہے کہ دل کو مضبوط کر کے اس مہم کا سر انجام کیا جائے اور زندگی کے دن جس قدر ہوں' عزت' آبرو' صلح کاری' اتفاق سے کاٹ دیے جائیں۔ ورنہ لڑائی بھڑائی' جھگڑے' بکھیڑے' شور و شر' فساد اور ہائے واویلا سے دنیا کی مصیبت اور بھی زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔

اب تم کو اے میری پیاری بیٹی اصغری خانم سوچنا چاہیے کہ میاں بی بی میں خدا نے کتنا فرق رکھا ہے۔ مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام بہشت میں اکیلے گھبرایا کرتے تھے۔ ان کے بہلانے کو خدا نے حضرت حوا کو جو سب سے پہلی عورت دنیا میں ہو گزری ہیں' پیدا کیا۔ پس عورت کا پیدا کرنا صرف مرد کی خوش دلی کے واسطے تھا اور عورت کا فرض ہے مرد کو خوش رکھنا۔ افسوس کہ دنیا میں کس قدر کم عورتیں اس فرض کو ادا کرتی ہیں۔ مردوں کا درجہ خدا نے عورتوں پر زیادہ کیا' نہ صرف حکم دینے سے بلکہ مردوں کے جسم میں زیادہ قوت اور ان کی عقلوں میں روشنی دی ہے۔ دنیا کا بندوبست مردوں کی ذات سے ہوتا ہے۔ مرد کمانے والے اور عورتیں ان کی کمائی کو مناسب موقع پر خرچ کرنے والیاں اور اس کی نگہبان ہیں۔ کنبہ بطور کشتی کے ہے اور مرد اس کے ملاح ہیں۔ اگر ملاح نہ ہو تو کشتی پانی کی موجوں میں ڈوب جائے گی یا کسی کنارے پر ٹکر کھا کر پھٹ جائے گی۔ کنبے میں اگر مرد منتظم نہیں تو اس میں ہر طرح کی خرابی کا احتمال ہے۔ کبھی نہیں خیال کرنا چاہیے کہ دنیا میں خوشی صرف دولت سے حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس میں بھی شک نہیں کہ دولت اکثر خوشی کا باعث ہوتی ہے۔ بہت بڑے اور اونچے گھروں میں لڑائی اور فساد ہم زیادہ پاتے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ صرف دولت سے تو خوشی نہیں

Marfat.com

ہوتی۔ برخلاف اس کے اکثر خاندانوں میں خوشی صرف اتفاق اور صلح کاری کے سبب ہے۔ وہ دال روٹی اور گاڑھے دھوتر میں زیادہ آرام سے ہیں' بہ نسبت نوالوں اور بیگم کے جن کا تمام عیش آپس کی ناسازگاری سے تلخ رہتا ہے۔ اے میری پیاری بیٹی اصغری خانم! اتفاق پیدا کرو اور صلح کاری کو غنیمت جانو۔

اب دیکھنا چاہیے کہ اتفاق کن باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ نہ صرف اس بات سے کہ بی بی اپنے میاں سے محبت کرے بلکہ محبت کے علاوہ اس کو میاں کا ادب کرنا بھی لازم ہے۔ بڑی نادانی ہے اگر بی بی میاں کو برابر کے درجے میں سمجھے۔ بلکہ اس زمانے میں عورتوں نے ایسا خراب دستور اختیار کیا ہے جو ادب کے بالکل خلاف ہے۔ جب چند سہیلیاں آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتی ہیں تو اکثر یہ تذکرہ ہوتا ہے کہ فلانی کا میاں اس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ رکھتا ہے۔ ایک کہتی ہے ''بوا! میں نے تو یہاں تک ان کو دبایا ہے کہ کیا مجال جو میری بات کو کاٹیں یا الٹ کر جواب دیں۔'' دوسری فخر کرتی ہے ''جب تک گھڑیوں خوشامد نہ کریں میں کھانا نہیں دیتی۔'' تیسری بڑائی مارتی ہے ''میں تو دس مرتبہ پوچھتے ہیں تب ایک جواب مشکل سے دیتی ہوں۔'' چوتھی ڈینگ کی لیتی ہے ''چاہے وہ پہروں نیچے بیٹھے رہیں' بندی کو پلنگ سے اترنا قسم ہے۔'' پانچویں شیخی بگھارتی ہے ''جو میری زبان سے نکلتا ہے' پورا کرا کے رہتی ہوں۔'' شادی بیاں کے ٹونے ٹوٹکے بھی اس غرض سے نکلے ہیں کہ میاں مطیع و فرماں بردار رہے۔ کہیں تو دلہن کی جوتی پر کاجل پاڑ کر میاں کے سرمہ لگایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر بھر جوتیاں کھاتا رہے اور چوں نہ کرے۔ کہیں نہاتے وقت دلہن کے پاؤں کے نیچے بیڑا رکھا جاتا ہے اور میاں کو کھلایا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنے کہ پیروں پڑتا رہے۔ ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ عورتیں مردوں کا درجہ اور اختیار کم کرنے پر آمادہ ہیں لیکن یہ تعلیم بہت بری ہے اور ہرگز قباحت سے خالی نہیں۔ مردوں کو خدا نے شیر بنایا ہے۔ اگر دباؤ زبردستی سے کوئی ان کو زیر کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔ بہت آسان ترکیب ان کو زیر کرنے کی خوشامد اور تابع داری ہے اور جو احمق اپنا دباؤ ڈال کر مرد کو زیر کرنا چاہتی ہے وہ بڑی غلطی میں ہے۔ وہ شروع میں تخم فساد بوتی ہے اور اس کا انجام ضرور فساد ہوگا۔ اگرچہ

Marfat.com

اس کو بالفعل نہیں سمجھتی۔ اصغری خانم! میری صلاح یہ ہے کہ تم گفتگو اور نشست و برخاست میں بھی اپنے میاں کا ادب ملحوظ رکھنا۔ مذہب میں مُیاں بی بی کے متعلق بہت سے احکام ہیں اور چونکہ تم نے قرآن کا ترجمہ اور اردو کے بہت سے مذہبی رسالے پڑھے ہیں' میں امید کرتا ہوں کہ وہ احکام تھوڑے بہت ضرور تمہارے خیال میں ہوں گے۔ ان احکام کا مجموعہ خانہ داری کے لیے بڑا دستور العمل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکموں کی تعمیل میں تن دہی نہیں کرتے اور انہیں انواع واقسام کی خرابیاں پیش آتی ہیں۔ میں نے حدیث کی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر خدا کے سوائے دوسرے کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو پیغمبر صاحب فرماتے ہیں کہ بی بی کو حکم دیتا کہ اپنے میاں کو سجدہ کیا کرے۔ بس اس ایک بات سے تم خیال کر سکتی ہو کہ میاں بی بی میں کیا نسبت ہے۔ اب اس کے ساتھ ملکی رواج کو ملاؤ کہ بی بی نہ تو میاں کو چھوڑ سکتی ہے' نہ بدل سکتی ہے نہ اس سے کسی وقت کسی حال میں بے نیاز ہو سکتی ہے۔ تو سوائے اس کے کہ سچے دل سے آپ اس کی ہو رہے اور اطاعت' فرمانبرداری سے' خوشامد سے' جس طرح ممکن ہو' اس کو اپنا کر کے' عافیت کی' عزت و آبرو کی زندگی بسر کرے' دوسری تدبیر ہے اور نہ ہونی ممکن ہے۔

کیا وجہ ہے کہ شادی بیاہ ایسے چاؤ سے ہوتا ہے اور چوتھی کے بعد ہی بہو سے ساس نندوں کا بگاڑ شروع ہو جاتا ہے؟ یہ مضمون غور کے قابل ہے۔

بیاہ کے بعد پہلے تک لڑکا ماں باپ میں رہا اور صرف ان ہی کے ساتھ اس کو تعلق تھا۔ ماں باپ نے اس کو پرورش کیا اور یہ توقع کرتے رہے کہ بڑھاپے میں ہماری خدمت کرے گا۔ بیاہ کے بعد بہو ڈولی سے اترتے ہی یہ فکر کرنے لگی کہ میاں آج ماں باپ کو چھوڑ دیں۔ پس لڑائی ہمیشہ بہوؤں کی طرف سے شروع ہوتی ہے۔ اگر بہو کنبے میں مل کر رہے اور کبھی ساس کو معلوم نہ ہو کہ بیٹے کو ہم سے چھڑانا چاہتی ہے تو ہرگز فساد پیدا نہ ہو۔ یہ تو سب کوئی جانتا ہے کہ بیاہ کے بعد ماں باپ کے ساتھ تعلق چند روزہ ہے۔ آخر گھر الگ ہوگا۔ میاں بی بی جدا ہو کر رہیں گے۔ دنیا میں یہی ہوتی آئی ہے

Marfat.com

لیکن نہیں معلوم کم بخت بہوؤں میں بے صبری کہاں کی پڑ جاتی ہے کہ جو کچھ ہونا ہوا سی دم ہو جائے۔ بہوؤں میں ایک عیبِ چغلی کا ہوتا ہے جو بنیادِ فساد ہے۔ وہ یہ کہ سسرال کی ذرا سی بات آ کر ماں سے لگاتی ہیں اور مائیں خود بھی کھود کر پوچھا کرتی ہیں لیکن اس کہنے اور پوچھنے سے سوائے اس کے لڑائیاں پڑیں اور جھگڑے کھڑے ہوں' کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

بعض بہوئیں اس طرح کی مغرور ہوتی ہیں کہ سسرال میں کیسا ہی اچھا کھانا اور کیسا ہی اچھا کپڑا ان کو ملے' ہمیشہ حقارت سے دیکھتی ہیں۔ ایسی باتوں سے میاں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ اصغری اس کی تم کو بہت احتیاط چاہیے۔ سسرال کی ہر ایک چیز قابل قدر ہے اور تم کو ہمیشہ کھانا کھا کر اور کپڑے پہن کر بشاشت ظاہر کرنی چاہیے۔ جس سے معلوم ہو کہ تم نے پسند کیا۔ نئی دلہن کو اس بات کا خیال بھی ضرور رکھنا چاہیے کہ سسرال میں بے دلی نہ رہے۔ اگرچہ اوپری ہونے کے سبب اجنبی لوگوں میں جی نہیں لگتا لیکن جی کو سمجھانا چاہیے۔ نہ یہ کہ روتے ہوئے گئے' وہاں رہے تو روتے رہے۔ جاتے دیر نہیں ہوئی آنے کا تقاضا شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ انس پیدا کرنے کے واسطے چالوں کا رواج بہت پسندیدہ ہے۔ اس سے زیادہ میکے کا شوق ظاہر کرنا سسرال والوں کو ضرور ناپسند ہوتا ہے۔

گفتگو میں درجہ اوسط ملحوظ رہے یعنی نہ اتنی بہت کہ خود بخود بک بک' نہ اتنی کم کہ غرور سمجھا جائے۔ بہت بکنے کا انجام برا ہوتا ہے۔ جب رات دن کی بکواس ہوگی' ہزاروں طرح کا تذکرہ ہوگا۔ نہیں معلوم کہ کس تذکرے میں کیا بات منہ سے نکل جائے۔ نہ اتنی کم گوئی اختیار کرنا چاہیے کہ بولنے کے واسطے لوگ خوشامد اور منت کریں۔ ضد اور اصرار کسی بات پر زیبا نہیں۔ اگر کوئی بات تمہاری مرضی کے خلاف بھی ہو' اس وقت ملتوی رکھو۔ پھر کسی دوسرے وقت بطرز مناسب طے ہو سکتی ہے۔ فرمائش کسی چیز کی نہ کرنی چاہیے۔ فرمائش کرنے سے آدمی نظروں سے گھٹ جاتا ہے اور اس کی بات ہیٹی پڑ جاتی ہے۔ جو کام ساس نندیں کرتی ہیں تم کو اپنے ہاتھوں سے کرنا عار نہ سمجھنا چاہیے۔

Marfat.com

چھوٹوں پر مہربانی اور بڑوں کا ادب ہر دلعزیز ہونے کے واسطے بڑی عمدہ تدبیر ہے۔ اپنا کوئی کام دوسروں کے ذمے نہیں رکھنا چاہیے اور اپنی کسی چیز کو بے خبری سے پڑا نہ رہنے دو کہ دوسرے اس کو اٹھا لیں گے۔ جب دو آدمی چپکے چپکے باتیں کریں' ان سے علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ پھر ان کی تفتیش بھی مت کرو کہ یہ آپس میں کیا کہتے تھے اور خواہ مخواہ یہ بھی مت سمجھو کہ کچھ ہمارا ہی تذکرہ تھا۔ اپنا معاملہ شروع سے ادب لحاظ کے ساتھ رکھو۔ جن لوگوں میں بہت جلد حد درجے کا اختلاط پیدا ہو جاتا ہے اسی قدر جلد ان میں رنجش پیدا ہونے لگتی ہے۔ فقط میں چاہتا ہوں کہ تم ہر روز بلا ضرورت بھی اس خط کو کم سے کم ایک دفعہ پڑھ لیا کرو تا کہ اس کا مطلب پیش نظر رہے' والدعا۔

حررہ

خیر اندیش خان

باپ کا خط پا کر اصغری کے دل میں جوشِ محبت نے عجیب اثر پیدا کیا اور بے اختیار رونے کو جی چاہا لیکن نئی بیاہی تھی' سسرال میں رو نہ سکی۔ ضبط کو کام میں لائی اور باپ کے خط کو آنکھوں سے لگا بہت احتیاط سے وظیفے کی کتاب میں رکھ لیا۔ ہر روز بلا ناغہ اس کو پڑھتی اور اس کے مطلب پر غور کرتی تھی۔

Marfat.com

# باب گیارہواں

## بیاہ کے بعد اصغری کا برتاؤ

## اور بتدریج انتظام خانہ داری میں اس کا دخل

جب تک اصغری نئی بیاہی ہوئی رہی تو اس کا جی بہت گھبراتا۔ اس واسطے کہ دفعتاً ماں کا گھر چھوڑ کر نئے گھر اور نئے آدمیوں میں رہنا پڑا۔ یہ تو کام اور انتظام کی خوگر تھی' بے شغل ایک گھڑی چین نہ تھا' یا مہینوں بند کوٹھڑی میں چپ چاپ بیٹھنا پڑا۔ ماں باپ کے گھر میں جو آزادی حاصل تھی' باقی نہ رہی۔ یہاں سسرال میں آتے ہی اس کی ہر ایک بات کو لوگ دیکھنے اور تاکنے لگے۔ کوئی منہ دیکھتا ہے' کوئی چوٹی کی لمبان کو ناپتا ہے' کوئی قد کی اٹھان کو تاڑتا ہے' کوئی زیور ٹٹولتا ہے' کوئی کپڑے پہچانتا ہے۔ کھاتی ہے تو لقمے پر نظر ہے' نوالہ کتنا بڑا لیا' منہ کتنا بڑا کھولا' کیوں کر چبایا اور کس طرح نگلا۔ اٹھتی ہے تو دیکھتے ہیں کہ دوپٹہ کیوں کر اوڑھا۔ پائنچے کس طرح اٹھائے' سوتی ہے تو وقت پر نگاہ ہے' کس وقت سوئی' کب اٹھی۔ الغرض جملہ حرکات وسکنات اس کی زیر نظر تھیں۔ ایسی حالت میں اصغری کو سخت تکلیف ہوتی تھی لیکن از بس کہ عاقلہ اور تربیت یافتہ تھی' ایسے سخت امتحان میں کامل نکلی اور سب ادائیں اس کی سسرال والوں کو بھائیں۔ بات کی نہ تو اس قدر بہت کہ لوگ کہیں لڑکی ہے' چار دن کی بیاہی ہوئی' کس بلا کی بک بک لگا رکھی ہے۔ نہ اتنی کم کہ بدمزاج اور توزے پٹی سمجھ بیٹھیں۔ کھانا کھایا تو نہ اتنا زیادہ کہ محلے میں چرچا ہو نہ ایسا کہ ساس نندیں سر تھکا کر بیٹھ رہیں اور یہاں اثر نہ ہو۔ سوئی تو نہ اتنا سویرے کہ چراغ میں بتی پڑی' لاڈو میری تخت چڑھی اور نہ اتنی دیر کہ گویا' مردوں سے شرط باندھ کر سوئی تھی۔

Marfat.com

دستور ہوتا ہے کہ نئی دلہن کو محلے کی لڑکیاں گھیرے رہا کرتی ہیں۔ اصغری کے پاس بھی جب دیکھو دس پانچ موجود لیکن اصغری نے کسی سے خصوصیت پیدا نہ کی۔ اگر کوئی لڑکی تمام دن بیٹھی رہ گئی تو یہ نہ کہا کہ بوا اپنے گھر جاؤ۔ اگر کوئی نہ آئی تو یہ نہ پوچھا کہ بوا تم کہاں تھیں؟ اصغری کے اس طرزِ ملاقات سے رفتہ رفتہ لڑکیوں کا انبوہ کم ہوگیا۔ خصوصاً محلے کی کمینوں کی لڑکیاں تو چاٹ کی آشنا ہوتی ہیں۔ جب انہوں نے دیکھا کہ نہ تو پان پر پان ملتا ہے نہ کچھ سودے سلف کا چرچا ہے' کھسیانی ہوکر چھ سات دن میں آپ ہی آپ الگ ہوگئیں۔ اصغری نے پہلے ہی اپنی نند محمودہ سے رابطہ بڑھایا۔ محمودہ لڑکی تو تھی ہی' تھوڑے سے التفات میں رام ہوگئی۔ دن بھر اصغری کے پاس گھسی رہا کرتی۔ بلکہ ماں کسی کسی وقت کہہ بھی اٹھتی کہ اس بھاوج پر اتنی مہربان ہو۔ بڑی بھاوج کے تو سائے سے تم بھاگتی پھرتی تھیں۔ محمودہ اس کا جواب دیتی ''وہ تو ہم کو مارتی تھیں۔ ہماری چھوٹی بھابی جان تو ہم کو پیار کرتی ہیں۔''

محمودہ کی ملاقات سے اصغری نے اپنا کام خوب نکالا۔ اول تو تمام گھر بلکہ تمام کنبے اور محلے کا حال محمودہ سے پوچھ پوچھ کر معلوم کیا اور جو بات شروع شروع میں شرم ولحاظ کے سبب خود نہ کہہ سکتی تھی' محمودہ کے ذریعے سے کہا کرتی تھی۔ اصغری نے گھر کے کام میں بتدریج اس طرح دخل دینا شروع کیا کہ شام کو محمودہ سے روئی منگا کر چراغ کی بتیاں بٹ دیا کرتی۔ ترکاری بنا لیتی' محمودہ کا پھٹا اودھڑا کپڑا سی دیتی۔ ساس اور میاں کے لیے پان بنا دیا کرتی۔ شذہ شدہ باورچی خانے تک جانے اور ماما عظمت کو بھوننے بگھارنے میں صلاح دینے لگی۔ یہاں تک کہ اصغری کی رائے پر کھانا پکنے لگا۔ جب اصغری نے کھانے میں دخل دینا شروع کیا' گھر والوں نے جانا کہ کھانا بھی عجیب نعمت ہے۔ پھر تو یہ حال ہوگیا کہ جس دن اصغری کسی وجہ سے ماما عظمت کی صلاح کار نہ ہوتی' کھانا پھکا پھکا پھرتا۔

Marfat.com

باب بارہواں

# اصغری نے ماما عظمت کی چوری پکڑی
# وہ لگی اس سے دشمنی کرنے

ساس بہوؤں کی لڑائی بھی کچھ معمولی بات ہے۔ اصغری یوں لڑنے کے قابل نہ تھی تو اس کا ہنر باعث فساد ہوا۔ ماما عظمت اس گھر میں ایسی دخیل کار تھی کہ کاموں کا مدار ایک اس ماما پر تھا۔ سودا سلف' کپڑا غرض جو کچھ بازار سے آتا سب ماما عظمت کے ہاتھوں آتا۔ زیور تک عظمت بنوا کر لاتی۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی تو ماما عظمت کی معرفت لی جاتی۔ غرضیکہ ماما عظمت مردوں کی طرح اس گھر کی منتظم تھی۔ جب سے اصغری نے کھانے میں دخل دیا تو ماما عظمت کا غبن ظاہر ہونے لگا۔ ایک دن پسندوں کے کباب پک رہے تھے اور اصغری باورچی خانے میں بیٹھی ہوئی ماما عظمت کو بتاتی جاتی تھی۔ جب گوشت پس کر تیار ہوا اور دہی مصالحے ملنے کا وقت آیا' اصغری نے ماما سے کہا ''دہی مجھ کو چکھا لو' کھٹا اور باسی ہوگا تو کباب بگڑ جائیں گے۔'' ماما نے دہی کا دونا نکال کر اصغری کے ہاتھ میں دیا۔ اصغری نے چکھا تو کھٹا چوتا' کئی دن کا باسی' نیلا نیلا پانی الگ اور دہی کی پھٹکیاں پھٹکیاں الگ۔ اصغری نے کہا ''اے ہے! کیسا برا دہی ہے۔ یہ تو ہرگز کبابوں میں ڈالنے کے لائق نہیں۔ ماما! جلد جاؤ اور ٹکے کا اچھا تازہ میٹھا دہی دیکھ کر لاؤ۔''

ماما نے کہا ''اوئی بیوی! سیر بھر گوشت کے کبابوں میں ٹکے کا دہی! اونٹ کے منہ میں زیرہ کیا ہوگا؟ یہ دہی جو تم نے ناپسند کیا' ایک آنے کا ہے۔''

اصغری کو سن کر حیرت ہوئی۔ بولی کہ ہمارے گھر تو آئے دن کباب پکتے رہا کرتے ہیں۔ ہمیشہ سیر بھر گوشت میں ڈیڑھ پیسے کا دہی پڑتا تھا۔ اس حساب سے تو ٹکے کا

Marfat.com

میں نے زیادہ سمجھ کر منگوایا کہ کباب خوب نرم اور سرخ ہوں۔''

ماما نے کہا ''بیوی! تم اپنے محلے کا حساب کتاب رہنے دو۔ بھلا کہاں چاندنی چوک اور کہاں ترکمان دروازہ۔ جو چیز چاندنی چوک میں پیسے کی ہے وہ یہاں ایک آنے کی نہیں ملتی۔ یہ خاک ملا محلہ تو اجڑی نگری سونا دیس ہے۔ یہاں ہر چیز کا توڑا ہے۔ ہر شے کا قحط رہتا ہے۔''

چونکہ کھانے میں دیر ہوتی تھی' اصغری یہ سن کر چپ ہو رہی اور ماما سے کہا ''خیر' جتنے کا ملتا ہو' جلد لاؤ۔'' لیکن اصغری ایسی بھولی نہ تھی کہ ماما کی بات کو تسلیم کر لیتی۔ اپنے دل میں کہنے لگی ''دال میں ضرور کچھ کالا ہے' دمڑی چھدام فرق ہو تو مضائقہ نہیں۔ یہ غضب کہ ایک شہر کے دو محلوں میں دگنے چگنے کا فرق'' اس وقت سے اصغری بھی تاک میں ہوئی۔ اگلے دن ماما پان لائی تھی۔ اصغری نے دیکھ کر کہا ''ماما تم بالکل ہرے پتے اٹھالاتی ہو۔ ان میں نہ تو لذت ہوتی ہے نہ کچھ مزا ہوتا ہے۔ اب تو جاڑے کی آمد ہے۔ کرارے پکے پان ڈھونڈ کر لایا کرو۔''

ماما نے کہا ''پکے پکے پان تو پیسے کے دو آتے ہیں اور یہاں اللہ رکھے آدھی ڈھولی روز کا خرچ ہے۔ اس خیال سے میں نئے پان لاتی ہوں۔''

اتنے میں اصغری کے اپنے گھر سے اس کی اپنی ماما کفایت النساء خیر صلاح کی خبر کو آ نکلی۔ پانوں کا تذکرہ تو درپیش تھا ہی' اصغری نے اپنی ماما سے پوچھا ''کیوں بی کفایت النساء! تم کو آج کل کیسے پان ملتے ہیں؟''

کفایت نے کہا ''بیوی! پیسے کے بارہ''

اصغری نے صندوقچہ کھول' دو پیسے کفایت النساء کے ہاتھ میں دیے اور کہا ''اسی محلے کے پنواڑی سے پان لے آؤ۔''

کفایت النساء بڑے کرارے دلدار تیس پان لے آئی۔ اصغری نے کہا ''چاندنی چوک کی نسبت بھی پیسے پیچھے تیس پان زیادہ ملے۔''

کفایت النساء نے کہا ''بیوی! یہ محلہ شہر کا پھاٹک ہے جو چیز شہر میں آتی ہے' اسی دروازے سے آتی ہے۔ گوشت' اناج' پان' یہ چیزیں ان محلے میں سستی ملتی ہیں۔ البتہ

Marfat.com

ہری ترکاری سبزی منڈی سے سیدھے کابلی دروازے ہو کر شہر جاتی ہیں۔ وہ کسی قدر مہنگی ملتی ہوگی۔ پرانے پان تیس ملے' نئے لیتی تو چالیس ملتے۔''

اصغری نے کہا'' یہ نامراد ماما عظمت تو ہر چیز میں یوں ہی آگ لگاتی ہے۔ کفایت النساء تم دو چار دن یہاں رہو۔ میں اماں سے کہلا بھیجوں گی۔ وہاں کا کام دو چار دن میں اور کوئی دیکھ بھال لے گا۔''

کفایت النساء نے کہا'' بیوی! میں حاضر ہوں۔ خدا نہ کرے' کیا یہاں وہاں دو گھر ہیں۔''

غرض چار دن کفایت النساء کے ہاتھوں ہر طرح کا سودا بازار سے آیا اور ہر چیز میں ماما عظمت کا غبن ثابت ہوا لیکن یہ سب باتیں اس طرح ہوئیں کہ اصغری کی ساس کو خبر تک نہ ہوئی۔ اصغری نے جانا یا کفایت النساء نے یا ماما عظمت نے۔ اس واسطے کہ اصغری بہت مروت اور لحاظ کی عودت تھی۔ اس نے سمجھا کہ اس بڑھیا ماما عظمت کو بدنام اور رسوا کرنے سے کیا فائدہ۔ رات کے وقت کھانے سے فارغ ہو کر کوٹھے پر اصغری پان کھا رہی تھی۔ کفایت النساء بھی پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ اتنے میں ماما عظمت آئی۔ کفایت نے کہا'' کیوں بوا عظمت یہ کیا ماجرا ہے؟ چوری کون نوکر نہیں کرتا۔ دیکھو یہ گھر والی موجود ہیں۔ سات برس تک برابر ان کی خدمت کی۔ کئی برس سے گھر کا سب کاروبار یہ اٹھائے ہوئے تھیں۔ اللہ رکھے امیر گھر اور امیری خرچ۔ ہزاروں روپے کا سودا ان ہی ہاتھوں سے آیا۔ حق دستوری یہ کیوں کر کہیں کہ نہ لیا۔ اتنا لینا تو ہم نوکروں کا دھرم ہے۔ خدا بخشے چاہے مارے' لیکن اس سے زیادہ ہضم نہیں ہو سکتا۔ آگے بڑھ کر نمک حرامی میں داخل ہے۔''

عظمت نے کہا'' بوا! میرا حال کون نہیں جانتا۔ اب میری بلا چھپائے۔ میں تو برائی اور لوتی ہوں لیکن نہ آج سے بلکہ سدا سے میرا یہی کام ہے۔ ذرا میری حالت پر بھی نظر کرو کہ اس گھر میں کس بلا کا کام ہے۔ اندر باہر میں اکیلی آدمی۔ چار نوکروں کا کام میرے اکیلے دم پر پڑتا ہے۔ پھر بوا' بے مطلب تو کوئی اپنی ہڈیاں یونہیں

Marfat.com

پیلتا۔ بیوی کئی مرتبہ مجھ کو موقوف بھی کر چکی ہیں۔ پھر آخر مجھ ہی کو بلوایا۔ سمجھ کا پھیر ہے۔ کوئی یوں سمجھا کوئی یوں سمجھا۔ چار آدمی کے بدلے میں' میں اکیلی ہوں۔ چار کی تنخواہ بھی مجھ کو اکیلی کو ملنی چاہیے۔''

اس ماما عظمت کی حقیقت اس طرح ہے کہ یہ عورت پچیس برس سے اس گھر میں تھی اور ہمیشہ لوٹنے پر اتارو۔ ایک دن کی بات ہو تو چھپ چھپا جائے' آئے دن اس پر شبہ ہوتا رہتا تھا۔ مگر تھی چالاک' گرفت میں نہیں آتی تھی۔ کئی مرتبہ نکالی گئی۔ جب موقوف ہوئی' بنئے' بزاز' سنار' قصائی کنجڑے جن سے ان کی معرفت اچاپت قرض اٹھتی تھی' تقاضے کو آ موجود ہوئے۔ اس ڈر کے مارے پھر بلائی جاتی تھی۔ یوں چوری اور سرزوری ماما عظمت کی تقدیر میں لکھی تھی۔ جتا کر لیتی اور بتا کر چراتی۔ دکھا کر نکالتی اور لکھا کر مکر جاتی۔ گھر میں آمدنی کم اور عادتیں بگڑی ہوئیں۔ کھانے میں امتیاز' کپڑے میں تکلف' سب کارخانہ قرض پر تھا اور قرض کی آڑھت ماما عظمت کے دم سے تھی۔ کھلے خزانے کہتی تھی کہ میرا نکلنا آسان بات نہیں۔ گھر نیلام کرا کے نکلوں گی۔ اینٹ سے اینٹ بجا کر جاؤں گی۔ اصغری نے جو حساب کتاب میں روک ٹوک شروع کی تو ماما عظمت اصغری کی جانی دشمن ہوگئی اور اپنے بچاؤ کے لیے بدلہ لینے کی نظر سے تدبیریں سوچنے لگی اور اس فکر میں ہوئی کہ کامل اور اس کی ماں سے اصغری کو برا بنائے۔ اصغری کو اس کی مطلق خبر نہ تھی بلکہ اصغری نے جب دیکھا کہ ماما گھر کی مختارِ کل ہے' نہ اپنی عادت سے باز آئے گی نہ نکلے گی تو پھر اپنے جی میں کہا کہ پھر ناحق کی جھک جھک سے کیا فائدہ۔ میں مفت میں ماما سے کیوں بری بنوں۔ باورچی خانے کا جانا اور کھانے میں دخل دینا موقوف کیا۔ گھر والوں کو اصغری کے ہاتھ کی چاٹ لگ گئی تھی۔ پہلے ہی وقت سے منہ بنانے لگے۔ کوئی کہتا ہے ''اے ہے گوشت منہ میں کچر کچر ہوتا ہے۔'' کوئی کہتا ''دال میں نمک زہر ہوگیا ہے۔ زبان پر نہیں رکھی جاتی'' لیکن اصغری سے کون کہہ سکتا تھا کہ تم کھانا پکاؤ۔ مجبوراً جیسا برا بھلا ماما عظمت پکا رندھ کر رکھ دیتی' کھانا ہی پڑتا تھا۔

Marfat.com

باب تیرہواں

# اصغری پر ماما کا پہلا وار

ایک دن برسات کے موسم میں بادل گھرا ہوا تھا۔ ننھی ننھی پھوار پڑ رہی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ محمد کامل نے کہا ''آج کڑھائی کو دل چاہتا ہے لیکن بشرطیکہ تمیز دار بہو اہتمام کریں۔'' اصغری کوٹھے پر رہا کرتی تھی۔ اس کو خبر نہیں کہ محمد کامل نے کڑھائی کی فرمائش کی۔ ماما عظمت گھی، شکر، بیسن وغیرہ سامان لے آئی اور کامل سے کہا ''صاحبزادے! لیجیے سب سودا تو میں لے آئی۔ جاؤں، بہو صاحب کو بلا لاؤں۔''

کوٹھے پر گئی تو اصغری سے کڑھائی کا کچھ تذکرہ تک نہ آیا۔ اسی طرح الٹے پاؤں اتر آئی اور کہا ''بہو کہتی ہیں میرے سر میں درد ہے۔'' ماما عظمت سے معمولی کھانا تو پک نہیں سکتا تھا، کڑھائی کیا خاک تلتی۔ سب چیزوں کا ستیاناس ملا کر رکھ دیا۔ کس چاؤ سے تو محمد کامل نے فرمائش کی تھی۔ بدمزہ پکوان کھا کر بہت اداس ہوا۔ کوٹھے پر گیا تو بی بی کو دیکھا، بیٹھی ہوئی اپنا پائجامہ سی رہی ہیں۔ جی ہی جی میں بہت ناخوش ہوا کہ ایں! سینے کو سر میں درد نہیں اور ذرا کڑھائی کو کہا تو دردِ سر کا بہانہ کر دیا۔

یہ پہلی ناخوشی محمد کامل کو اصغری سے پیدا ہوئی اور دستور ہے کہ میاں بیبیوں میں بگاڑ اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے پیدا ہوتا ہے۔ ازبس کہ اکثر چھوٹی سی عمر میں بیاہ ہو جاتا ہے، خدا کے فضل سے عقل مصلحت اندیش نہ میاں میں ہوتی ہے نہ بی بی میں۔ اگر ذرا سی بات بھی خلافِ مزاج دیکھی تو میاں اپنے کو اکڑائے بیٹھے ہیں اور بی بی الگ منہ اوندھائے لیٹی ہیں اور جب ایک جگہ کا رہنا سہنا ہو تو مخالفت کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بیشتر واقع ہونا کیا تعجب ہے۔ یہ مخالفت کثرت سے ہوتے ہوتے دونوں طرف سے لحاظ اور پاس جاتا ہے اور تمام عمر جوتیوں میں دال بٹتی رہتی ہے۔ سب سے بہتر تدبیر یہ ہے

Marfat.com

کہ میاں بی بی شروع سے اپنا معاملہ دوسروں کے ساتھ صاف رکھیں اور ادنیٰ رنجش کو پیدا نہ ہونے دیں۔ ورنہ یہی چھوٹی چھوٹی رنجشیں جمع ہو کر آخر کو فسادِ عظیم ہو جائیں گی۔ رنجش کو پیدا نہ ہونے دینے کی حکمت یہ ہے کہ جب کوئی ذرا سی بات بھی خلافِ مزاج واقع ہو اس کو دل میں نہ رکھیں کہ رو در رو کہہ کر صاف کر لیا کریں۔ اگر محمد کامل بی بی سے بطور شکایت پوچھتا کہ کیوں صاحب ذرا سا کام نہ ہو سکا تم سے اور دردِ سر کا بہانہ کر دیا؟ اسی وقت دو چار باتوں میں معاملہ طے ہو جاتا اور ماما عظمت کی فطرت کھل پڑتی لیکن محمد کامل نے منہ پر تو لگائی مہر اور دل میں دفترِ شکایت لکھ چلا۔ اصغری کو محمد کامل کی کم التفاتی سے کھٹکا ہوا اور سمجھی کہ خدا خیر کرے لڑائی کا آغاز نظر آتا ہے۔ ساس کو دیکھا تو ان کو بھی کسی قدر مکدر پایا۔ حیرت میں تھی کہ الٰہی کیا ماجرا ہے!

Marfat.com

باب چودھواں

# اصغری پر ماما کا دوسرا وار

ابھی یہ بات طے نہیں ہوئی تھی کہ ماما نے ایک شرارت اور کی۔ رمضان کا قرب تھا۔ محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا ''ماہ رمضان آتا ہے ابھی سے سب تیاری کر چلو۔ برتن چھوٹے بڑے سب قلعی کرانے ہیں۔ مکان میں برس بھر ہوا سفیدی نہیں ہوئی۔ لالہ ہزاری مل سے کہو کہ جس طرح ہو سکے کہیں سے پچاس روپے دے دے۔ عید کا خرچ سر پر چلا آتا ہے۔''

ماما عظمت بولی ''تمیز دار بہو اپنی ماں کے ہاں مہمان جائیں گی اور سنا ہے تحصیل دار بھی آنے والے ہیں۔ ضرور دونوں بیٹیوں کو بلا بھیجیں گے۔ بلکہ ایک جگہ تو اس بات کا مذکور تھا کہ تمیز دار بہو کا ارادہ ہے کہ باپ کے ساتھ چلی جائیں۔ بہو جائیں گی تو چھوٹے صاحبزادے بھی جائیں گے۔ پھر بیوی تمہارا اکیلا دم ہے۔ مکان میں قلعی ہو کر کیا ہو گی اور برتن قلعی ہو کر کیا ہوں گے؟ ہزاری مل کم بخت ایسا بے مروت ہو گیا ہے کہ ہر روز تقاضے کو اس کا آدمی دروازے پر کھڑا رہتا ہے۔ وہ قرض کیوں کر دے گا۔''

محمد کامل کی ماں یہ سن کر سرد ہو گئی۔ سرد ہونے کی بات ہی تھی۔ میاں تو جس دن سے لاہور گئے پھر کر گھر کی شکل نہ دیکھی۔ چھٹے مہینے برسویں دن جی میں خیال آ گیا تو کچھ خرچ بھیج دیا ورنہ کچھ سروکار نہیں۔ محمد عاقل ماں سے الگ ہو ہی چکا تھا۔ صرف محمد کامل کا دم گھر میں تھا۔ اس کے گئے پیچھے مطلع صاف تھا۔ محمد کامل کی ماں نے ماما سے پوچھا ''اری، سچ بتا، تمیز دار بہو ضرور جائیں گی؟''

ماما بولی ''بیوی جانے نہ جانے کی تو خدا جانے۔ جو سنا تھا کہہ دیا۔''

محمد کامل کی ماں نے پوچھا ''اری کم بخت! کس سے سنا؟ کیوں کر معلوم ہوا؟''

Marfat.com

ماما بولی'' سننے کی جو پوچھو تو کفایت النساء سے میں نے دو روپے قرض مانگے تھے اس نے کہا کہ میں دے تو دیتی لیکن پہاڑ پر جانے والی ہوں۔ تب میں نے اس سے حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ سب بات ٹھیک ٹھاک ہو چکی ہے۔ بس اتنی دیر ہے کہ تحصیل دار آئیں' عید کی صبح کو یہ سب روانہ ہو جائیں گے اور سننے پر کیا منحصر ہے' خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے۔ بیوی' کیا تم کو تمیز دار بہو کے ڈھنگوں سے سمجھ نہیں پڑتا؟ دیکھو' پہلے تو بہو گھر کا کام کاج بھی دیکھتی بھالتی تھی' اب تو کوٹھے پر سے نیچے اترنا بھی قسم ہے۔ خط پر خط باپ کے نام چلے آتے ہیں۔ سوائے جانے کے ایسا کون سا معاملہ ہے؟''

محمد کامل کی ماں یہ سن کر سناٹے میں رہ گئی۔ اسی سوچ میں بیٹھی تھی کہ محمد کامل باہر سے آیا۔ محمد کامل کو پاس بلا کر پوچھا ''محمد کامل ایک بات پوچھتی ہوں۔ سچ سچ بتاؤ گے؟''

محمد کامل نے کہا ''اماں' بھلا ایسی کون سی بات ہے جو تم سے چھپاؤں گا؟''

محمد کامل کی ماں نے جو کچھ ماما سے سنا تھا' حرف بحرف محمد کامل سے کہا۔

محمد کامل نے کہا ''اماں' میں سچ کہتا ہوں' مجھ کو اس کی مطلق خبر نہیں۔ نہ مجھ سے تمیز دار بہو نے اس کا تذکرہ کیا۔''

محمد کامل کی ماں بولی ''ہمارے سامنے کا بچہ اور ہم سے ہی باتیں بناتا ہے۔ اتنی بڑی بات اور تجھ کو خبر نہیں؟''

محمد کامل نے کہا ''تم کو یقین نہیں آتا' تمہارے سر کی قسم مجھ کو معلوم نہیں۔''

اتنے میں ماما بھی آ نکلی۔ محمد کامل کی ماں نے کہا ''کیوں بی عظمت! محمد کامل تو کہتا ہے مجھ کو معلوم نہیں۔''

ماما نے کہا ''میاں! تم برا مانو یا بھلا مانو۔ تمہاری بیوی جانے کی تیاریاں تو کر رہی ہیں۔ تم سے شاید چھپاتی ہوں یہ مزاج دار بہو نہیں کہ ان کے پیٹ میں بات نہیں سماتی تھی۔ یہ تمیز دار بہو ہیں کہ کسی کو اپنا بھید نہ دیں۔''

Marfat.com

محمد کامل کی ماں نے پوچھا ''بھلا محمد کامل' یہ بات سچ ہو تو تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

محمد کامل نے کہا ''بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ تم کو اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں گا اور تمیز دار بہو کی بھی ایسی کیا زبردستی ہے کہ بے پوچھے گچھے چلی جائیں گی۔ میں آج تمیز دار بہو سے پوچھوں گا کہ کیوں جی کیا بات ہے۔''

محمد کامل کی ماں نے کہا ''اس نامراد ماما کی بات کا کیا اعتبار ہے۔ ابھی بہو سے کچھ مذکور مت کرو۔ جب بات تحقیق ہو جائے گی' اس وقت دیکھا جائے گا۔''

اس طرح کی باتوں سے ماما عظمت اصغری کو ساس اور میاں سے برا بنانے کی فکر میں تھی اور اصغری سے ہر چند کسی نے کچھ کہا سنا نہیں لیکن وہ بھی ان سب کے قیافے سے سمجھ گئی تھی کہ ضرور کچھ کشیدگی ہے۔ اصغری کے پاس محمودہ بڑی جاسوس تھی۔ ذرا ذرا سی بات اصغری سے کہتی اور ماما کی بدذاتی بھی سب اصغری پر کھل گئی تھی لیکن اصغری ایسی احمق نہ تھی کہ جلد بگڑ بیٹھتی۔ وہ اس فکر میں ہوئی کہ اس معاملے میں اپنی طرف سے کچھ کہنا سننا مناسب نہیں۔ آخر کبھی نہ کبھی بات کھلے گی۔ اصغری نے اپنے دل میں کہا کہ بھلا عظمت رہ تو سہی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تجھ کو بھی کیسا سیدھا بناتی ہوں۔ اب یہاں تک تیرے مغز چل گئے ہیں کہ گھر کے گھر میں فساد ڈلواتی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تجھ کو وہاں ماروں گی کہ پانی نہ ملے اور ایسا تجھ کو اجاڑوں گی کہ محلے میں آنا نصیب نہ ہو۔

ماما عظمت کی شامت سر پر سوار تھی تیسرا وار اصغری پر کیا اور صحیح کیا۔

Marfat.com

باب پندرہواں

# اصغری پر ماما کا تیسرا وار

ہزاری مل کو تو عادت تھی کہ جب کبھی ماما عظمت کو اپنی دکان کے سامنے آتے جاتے دیکھتا ادبدا کر چھیڑتا کہ ماما' ہمارے حساب کتاب کا بھی کچھ فکر ہے؟ اور ساتویں آٹھویں دن گھر پر تقاضا کہلا بھیجتا۔ ایک دن حسب معمول ماما عظمت سودے سلف کو باہر جاتی تھی۔ ہزاری مل نے ٹوکا۔ ماما بولی ''اے لالہ! یہ کیا تم نے مجھ سے آجے دن کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے؟ جب مجھ کو دیکھتے ہو تقاضا کرتے ہو جن کو دیتے ہو' ان سے مانگو۔ ان سے تقاضا کرو۔ میں بے چاری غریب آدمی' ٹکے کی اوقات۔ مجھ سے اور مہاجنوں سے لین دین سے واسطہ؟''

ہزاری مل نے کہا ''یہ بات تم نے کیا کہی کہ مجھ سے واسطہ نہیں؟ دکان سے تو تم لے جاتی ہو۔ ہاتھ کو ہاتھ پہچانتا ہے۔ ہم تو تم کو جانتے ہیں اور تمہاری ساکھ پر دیتے ہیں۔ ہم گھر والوں کو کیا جانیں۔''

ماما نے کہا ''اے لالہ! ہوش میں آؤ۔ ایسے گھر کے بھولے۔ میری ایسی کیا حیثیت تم نے دیکھ لی؟ میرے پاس نہ جائیداد نہ دولت' اور تم نے سینکڑوں روپے آنکھ بند کر کے مجھ کو دے دیے۔ اگر مجھ کو دیا ہے تو تم کو بھی قسم ہے' جاؤ مجھی سے لے لینا۔ میرے محل جو کھڑے ہوں گے' سرکار میں عرضی لگا کر نیلام کرا لینا۔''

ماما کی ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں سن کر ہزاری مل بہت سٹ پٹایا اور لگا ماما سے لگاوٹ کی باتیں کرنے ''آج تو تم کسی سے لڑ کر آئی معلوم ہوتی ہو۔ بتاؤ تو کیا بات ہے؟ بیوی صاحب نے کچھ کہا یا صاحب زادے کچھ خفا ہوئے؟ یہاں تو آؤ' بات سنو۔''

Marfat.com

ادھر تو ماما سے یہ کہا اور ادھر دکان پر جو لڑکا بیٹھتا تھا ایک پیسہ اس کے ہاتھ میں دیا کہ دوڑ کر دو گلوریاں تو بنوا کر لاؤ اور دیکھ ذرا سا زردہ بھی الگ ہتھیلی میں لیتے آئیو۔ جب ماما بیٹھ گئی تو پھر ہزاری مل نے ہنس کر پوچھا ''معلوم ہوتا ہے کہ آج ضرور کسی سے لڑی ہو۔''

ماما نے کہا ''خدا نہ کرے' کیوں لڑنے لگی۔ بات پر بات میں نے بھی کہہ دی۔ رتی برابر جھوٹ کہا ہو تو لو میرا کان پکڑ لو۔''

ہزاری مل: یہ تو ٹھیک ہے۔ بہوار تو مالک کے ہاتھ ہے۔ پر تمہارے ہاتھوں سے ہوتا ہے یا نہیں؟ نہ تو ہمارے نام رقعہ نہ چٹھی۔ تم نے مالک کے نام جو مانگا سو دیا۔

ماما: ہاں' یوں کہو۔ اس سے میں کب مکرتی ہوں؟ جو لے گئی ہوں' ہزاروں میں کہہ دوں'' لاکھوں میں کہہ دوں اور ہماری بیوی بھی (روئیں روئیں سے دعا نکلتی ہے) بے چاری کبھی تکرار نہیں کرتیں۔

ہزاری مل: ماما بیگم صاحب تو حقیقت میں بڑی امیر ہیں۔ واہ! کیا بات ہے۔ پھر ہزاری مل نے آہستہ سے پوچھا'' چھوٹی بہو صاحب کا کیا حال ہے؟ کیسی ہیں؟ اپنی بڑی بہن کے ڈھنگوں پر ہیں یا اور طرح کا مزاج ہے؟''

ماما: لالہ! کچھ نہ پوچھو۔ بیٹی تو امیر گھر کی ہیں پر دل کی بڑی تنگ ہیں۔ دمڑی کا سودا بھی جب تک چار مرتبہ پھیر نہ لیں پسند نہیں آتا۔ ہاں خدا رکھے ہنر سلیقہ تو دنیا کی بہو بیٹیوں سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ کھانا عمدہ سے عمدہ' سینے میں درزیوں اور مغلانیوں کو مات کیا ہے۔ لیکن لالہ امیری کی بات نہیں۔ اول اول تو مجھ پر بھی روک ٹوک شروع کی تھی۔ سو لالہ تم جانتے ہو میرا کام کیسا بے لاگ ہوتا ہے۔ آخر کو تھک کر بیٹھ رہیں۔ بیگم صاحب تو اولیاء آدمی ہیں۔ ان ہی کے دم قدم کی برکت سے گھر چلتا ہے۔ ہم غریب بھی ان ہی کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔ بہتیرا لوگوں نے بیگم صاحب کو بھڑکایا لیکن خدا سلامت رکھے' ان کے دل پر میل نہ آیا اور کسی طرح کا کلام انہوں نے منہ پر نہ رکھا۔

ہزاری مل: سنا ہے چھوٹی بہو صاحب کو بڑا بھاری جہیز ملا۔

ماما نے چھوٹتے ہی کہا'' خاک! بڑی سے بھی اترتا ہوا۔''

Marfat.com

ہزاری مل: بڑا تعجب ہے ان کے بیاہ کے وقت تو خان صاحب تحصیل دار تھے۔ بڑی بیٹی سے زیادہ دینا لازم تھا۔

ماما: اے ہے! تحصیل دار کا کچھ دوش نہیں۔ اس بے چارے نے تو بڑی بڑی تیاریاں کی تھیں۔ یہی چھوٹی کھوٹی منہ بولی تھیں۔ اماں باوا کی خیر خواہی کے مارے کہہ کہہ کے سب چیزیں کم کرائیں۔

ہزاری: اگر یہی حال ہے تو بڑی بہن کی طرح یہ بھی الگ گھر کریں گی۔

ماما: الگ کرنا کیسا' یہ تو بڑے گل کھلائیں گی۔ بڑی بہو بدمزاج تھیں لیکن دل کی صاف اور یہ زبان کی میٹھی اور دل کی کھوٹی۔ کوئی کیسا ہی جان مار کر کام کرے' ان کی خاطر تلے نہیں آتا۔ بات بھی کہیں گی تو تہہ کی۔ منہ پر کچھ' دل میں کچھ۔ نہ بابا یہ عورت ایک دن نباہ کرنے والی نہیں۔ اب تو پہاڑ پر باپ کے پاس جانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔

ہزاری مل: لاہور سے ان دنوں کوئی خط آیا؟

ماما: ہر روز انتظار رہتا ہے۔ نہیں معلوم کیا سبب ہے کوئی خط نہیں آیا۔ بیوی خرچ کی راہ دیکھ رہی ہیں۔ رمضان سر پر آ رہا ہے بلکہ پرسوں' اترسوں مجھ سے کہتی تھیں' ہزاری مل سے پچاس روپے اور قرض لانا۔

ہزاری مل قرض کا نام سن کر چونک پڑا اور کہا ''پچھلا حساب چکا دیں تو آگے کو کیا انکار ہے۔ بڑی بی' دیکھنا بیگم صاحب کو اچھی طرح سمجھا کر کہہ دینا کہ جہاں سے بن پڑے' روپے کا فکر کریں۔ اب میرے ساجھی میرے روکے نہیں رکتے۔ ایسا نہ ہو کل کلاں کو مجھے بات دینی آ جائے۔

ماما: تمہارا روپیہ خدا ہی نکلوائے گا۔ بیگم صاحب کہاں سے دیں گی۔ بال بال تو قرض دار ہو رہی ہیں۔ مودی الگ جان کھاتا ہے' براز جدا شور مچاتا ہے۔

ہزاری مل: مجھ کو دوسرے لین داروں سے کیا واسطہ؟ ہماری دکان کا حساب تو بیگم صاحب کو بے باق کرنا ہی پڑے گا۔ میں تو بیگم صاحب کی سرکار کا بڑا لحاظ کرتا ہوں لیکن میرا ساتھی چھدامی لال اب کسی طرح نہیں مانتا۔ اگر وہ یہ حال سن پائے تو آج نالش کر دے۔

Marfat.com

ماما: یہ سب حال بیگم صاحب سے کہہ تو میں دوں گی لیکن گھر کا ذرا ذرا حال مجھ کو معلوم ہے۔ نالش کرو' فریاد کرو' نہ روپیہ ہے' نہ دینے کی گنجائش۔ روپیہ ہوتا تو قرض کیوں لیا جاتا۔

اتنی باتوں کے بعد ماما عظمت ہزاری مل سے رخصت ہو کر سودا سلف لے کر' گھر میں آئی تو محمد کامل کی ماں نے پوچھا ''ماما تو بازار جاتی ہے تو ایسی بے فکر ہو جاتی ہے کہ کھانا پکانے کا کچھ خیال تجھ کو نہیں رہتا۔ دیکھ تو' کتنا دن چڑھا ہے۔ اب کس وقت گوشت چڑھے گا' کب پکے گا' کب کھانا ملے گا؟

ماما: بیوی! موئے ہزاری مل کے جھگڑے میں اتنی دیر ہو گئی۔ وہ جانہار ہر روز مجھ کو آتے جاتے ٹوکا کرتا ہے۔ آج میری جان جل گئی اور میں نے کہا کہ کیا تو نے مجھ سے روز کی چھیڑ خانی مقرر کی ہے۔ کیوں مرا جاتا ہے ذرا صبر کر۔ لاہور سے خرچ آنے دے تو تیرا اگلا پچھلا سب حساب کتاب بے باق ہو جائے گا۔ وہ موا تو میرے سر ہو گیا اور بھرے بازار میں لگا مجھ کو فضیحت کرنے۔

محمد کامل کی ماں: ہزاری مل کو کیا ہو گیا ہے؟ وہ تو ایسا نہ تھا۔ آخر برسوں سے ہمارا اس کا لین دین ہے۔ سویرے بھی دیا ہے' دیر کر کے بھی دیا ہے۔ کبھی اس نے تکرار نہیں کی۔

ماما: بیوی کوئی اور مہاجن دکان میں سا جھی ہوا ہے۔ اس موئے نے جلدی مچا رکھی ہے۔ جس جس پر لینا تھا' سب سے کھڑے کھڑے وصول کر لیا۔ جس نے نہیں دیا' نالش کر دی۔ ہزاری مل نے کہا کہ بیگم صاحب سے بہت بہت ہاتھ جوڑ کر میری طرف سے کہہ دینا کہ میرے بس کی بات نہیں۔ جس طرح ہو سکے' دو چار دن روپے کی راہ نکال دیں۔ ورنہ چھدامی لال ضرور ناش کر دے گا۔

اس خبر کے سنتے ہی محمد کامل کی ماں کو سخت تردد پیدا ہوا۔ امیر بیگم' ان کی چھوٹی بہن' خانم کے بازار میں رہتی تھیں۔ وہ ذرا خوش حال تھیں۔ محمد کامل کی ماں نے ماما عظمت سے کہا کہ لاہور سے تو خط کا جواب تک نہیں آتا۔ خرچ کی کیا امید ہے' اگر سچ مچ ہزاری مل نے نالش کر دی تو کیا ہو گا؟ میرے پاس تو اتنا اثاثہ بھی نہیں کہ بیچ کر ادا کر دوں گی اور نالش ہونے پر دنیا میں بھی بے عزتی ہے۔ نام تو سارے شہر میں بد ہو گا۔

Marfat.com

ڈولی لے آؤ میں امیر بیگم کے پاس جاتی ہوں۔ دیکھوں' وہاں کوئی صورت اگر نکل آئے۔

ماما: بیوی' نالش تو ہوئی دھری ہے۔ جس نے منہ سے کہا اس کو کرتے کیا دیر لگتی ہے اور چھوٹی بیگم بے چاری کے پاس کہاں سے روپیہ آیا؟ وہ تو ان دنوں خود حیران ہیں۔

محمد کامل کی ماں: آخر پھر کچھ کرنا تو پڑے گا۔

ماما نے پاس جا کر چپکے سے کہا ''مہینے بھر کے واسطے تمیز دار بہو اپنے کپڑے دے دیتیں تو بات رہ جاتی۔ بالفعل ان کپڑوں کو گروی رکھ کر آدھے تہائی ہزاری مل کے بھگت جاتے۔ مہینے بھر میں میاں تو خرچ بھیج دیتے یا میں کسی اور مہاجن سے لے آتی۔''

محمد کامل کی ماں: اری' تو کوئی دیوانی ہوئی ہے؟ خبردار! ایسی بات بھی منہ سے مت نکالنا۔ اگر رہنے کا مکان تک بھی بک جائے تو بلا سے۔ مجھ کو منظور ہے لیکن بہو سے کہنے کا منہ نہیں۔

ماما: بیوی! میں نے تو اس خیال سے کہا کہ بہو ہوئی' بیٹی ہوئی' کچھ غیر نہیں ہوتیں اور کیا خدانہ کرے کچھ بیچ ڈالنے کی نیت ہے۔ مہینے بھر کا واسطہ ہے۔ چیز صندوقچے میں نہ پڑی رہی' مہاجن کے پاس رکھی رہی' جس میں اس کی خاطر جمع رہے۔

محمد کامل کی ماں: پھر بھی' بہو بیٹی میں بڑا فرق ہوتا ہے اور بہو بھی نئی بیاہی ہوئی کہ اگر سچ پوچھ تو ابھی اچھی طرح اس کی گھونگھٹ بھی نہیں کھلی۔ بھلا اس سے کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے؟ دیکھو خبردار! پھر زبان سے ایسی بات مت نکالیو۔ ایسا نہ ہو محمودہ کے کان میں پڑ جائے اور بہو سے جا لگائے۔

ماما: صاحبزادی ابھی تو کھڑی ہوئی سن رہی تھیں۔ مرا بھی ان کو ان باتوں کی سمجھ نہیں۔

محمد کامل کی ماں: ڈولی لے آؤ۔ میں بہن تک جاؤں تو سہی۔ پھر جیسی صلاح ٹھہرے گی دیکھا جائے گا۔

محمد کامل کی ماں تو سوار ہو خانم کے بازار سدھاریں اور محمودہ نے سب حال تمیز دار بہو کو جا سنایا۔



Marfat.com

باب سولہواں

# خط اصغری کی طرف سے

## ماما کی شرارتوں کے دفعیے کا آغاز

اصغری کو اور کچھ تو نہ سوجھی، فوراً اپنے بڑے بھائی خیر اندیش خاں کو یہ خط لکھا:

جناب برادر صاحب! معظم مکرم سلامت

تسلیمات کے بعد مطلب ضروری عرض کرتی ہوں کہ مدت سے میں نے اپنا حال آپ کو نہیں لکھا۔ اس واسطے کہ جو عریضہ جناب والد صاحب کی خدمت میں بھیجتی ہوں، آپ کی نظر سے بھی گزرتا ہوگا۔ اب ایک خاص بات ایسی پیش آئی ہے کہ آپ ہی کی خدمت میں اس کی عرض کرنا مناسب سمجھتی ہوں۔ وہ یہ کہ جب سے میں سسرال آئی، کسی طرح کی تکلیف مجھ کو نہیں پہنچی اور بڑی آپا کو جن باتوں کی شکایت رہا کرتی تھی، آپ کی دعا سے وہ باتیں میرے ساتھ نہیں ہیں۔ سب لوگ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں خوش رہتی ہوں لیکن ایک ماما عظمت کے ہاتھوں سے وہ ایذا ہے جو کسی بدمزاج ساس اور بدزبان نند سے بھی نہ ہوتی۔ یہ عورت اس گھر کی پرانی ماما ہے اور اندر باہر کا سب کام اسی کے ہاتھوں میں ہے۔ اس عورت نے گھر کو لوٹ کر خاک سیاہ کر دیا۔ اب اتنا قرض ہو گیا ہے کہ اس کے ادا ہونے کا سامان نظر نہیں آتا۔ کسی طرح کا بندوبست گھر میں نہیں ہے۔ میں نے چند روز معمولی کاروبارِ خانہ داری میں دخل دیا تھا تو ہر چیز میں غبن، ہر بات میں فریب پایا گیا۔ میری روک ٹوک سے ماما میری دشمن ہو گئی اور اس دن سے ہر روز تازہ فساد کھڑا کیے رہتی ہے۔ اب تک ہر چند کوئی قباحت کی بات پیدا نہیں لیکن ماما کا رہنا مجھ کو سخت ناگوار ہے۔ مگر اس کا نکلنا بھی بہت دشوار ہے۔ تمام بازار قرض کا اسی کی معرفت ہے۔ موقوفی کا نام بھی سن پائے تو قرض خواہوں کو جا بھڑکائے۔ پھر قرض کا نہ حساب ہے نہ کتاب۔ زبانی تکوں پر سب کا لینا دینا ہو رہا ہے۔ میں چاہتی

Marfat.com

ہوں کہ سب لوگوں کا حساب اور قرض لینے کا دستور آئندہ کے واسطے موقوف ہو۔ ماما نکال دی جائے۔ یقین ہے کہ جناب والد صاحب کے ساتھ آپ بھی رمضان میں تشریف لائیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ مہربانی فرما کر لاہور ہو کر آیئے اور ابا جان کو جس طرح بن پڑے کم سے کم دو ہفتے کے واسطے اپنے ساتھ لوا لایئے۔ آپ سب لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ بخوبی نطے ہو جائے گا۔ میں اس خط کو سخت تشویش کی حالت میں لکھ رہی ہوں۔ مہاجن آمادۂ تالش ہے۔ ماما نے صلاح دی ہے کہ میرے کڑے گروی رکھے جائیں۔ اماں جان روپے کے بندوبست کے واسطے اسی وقت خالہ جان کے پاس گئی ہیں۔ فقط

ادھر تو اصغری نے بھائی کو خط لکھا اور ادھر اپنی خالہ سے کہلا بھیجا کہ میں اکیلی ہوں۔ بوا تماشا خانم کو دو دن کے واسطے بھیج دیجئے۔ میں نے سنا ہے کہ وہ آپ کے یہاں مہمان آئی ہوئی ہیں۔ غرض شاموں شام بی تماشا خانم آ پہنچیں۔ ڈولی سے اترتے ہی پکاری ''اللہ بی اصغری! ایسا بھی بے مروت کوئی نہ ہو۔ میں نے خالو ابا کا خط تم سے منگوا بھیجا تھا۔ تم نے نہ دیا۔''

اصغری نے کہا ''اوئی! کون مانگنے آیا؟''

تماشا خانم بولی ''دیکھو یہی ماما عظمت موجود ہیں۔ کیوں بی اس جمعے کو تم ہمارے گھر گئی تھیں۔ میں نے تم سے کہہ دیا تھا یا نہیں؟''

عظمت بولی ''ہاں بی انہوں نے تو کہا تھا' مجھ کم بخت سٹری بہتری کو بات یاد نہیں رہتی۔ یہاں آتے آتے گھر کے دھندے میں بھول گئی۔''

اصغری نے آہستہ سے کہا۔ ''ہاں تم کو تو لوٹنا اور فساد ڈلوانا یاد رہتا ہے۔'' اور تماشا خانم سے کہا ''خط موجود ہے اور ایک نئی کتاب بھی آئی ہوئی ہے۔ بڑے مزے کی باتیں اس میں ہیں۔ وہ بھی تم لیتی جانا۔''

اصغری نے ماما کا سب حال ذرا ذرا تماشا خانم سے کہا۔ تماشا خانم مزاج کی تھیں بڑی تیز۔ اسی وقت جوتی لے کر انھیں اور ماما کو مارنے چلیں۔ اصغری نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا ''خدا کے لیے آپا ایسا غضب مت کرنا۔ ابھی جلدی مت کرو۔ سب بات بگڑ

Marfat.com

جائے گی۔"

تماشا خانم نے کہا "تم یوں ہی پس و پیش لگا کر اپنا وقر کھوتی ہو۔ بوا' اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو خدا کی قسم مردار کو مارے جوتیوں کے ایسا سیدھا بناتی کہ عمر بھر یاد رکھتی۔" اصغری نے کہا "دیکھو' ان شاء اللہ اس نمک حرام پر مفت کی مار پڑے گی۔ کوئی دن کی دیر ہے۔"

اس کے بعد تماشا خانم نے پوچھا "تمہاری ساس اپنی بہن کے یہاں کس غرض سے گئی ہیں؟"

اصغری نے کہا "وہ بے چاری بھی اسی نامراد ماما کے ہاتھوں در بدر ماری ماری پھرتی ہیں۔ کوئی مہاجن ہے' اس کا کچھ دینا ہے۔ ماما نے آج آ کر کہا تھا کہ وہ نالش کرنے والا ہے۔ اسی کے روپے کی فکر میں گئی ہیں۔"

تماشا خانم نے پوچھا "کون سا مہاجن نالش کرنے والا ہے؟"

اصغری نے کہا "نام تو میں نہیں جانتی۔"

تماشا خانم نے ماما سے پوچھا "عظمت کون سا مہاجن ہے؟"

عظمت: بیوی' ہزاری مل۔

تماشا خانم: وہی ہزاری مل نا جس کی دکان جوہری بازار میں ہے؟

عظمت: ہاں' بیوی وہی۔

یہ سن کر تماشا خانم نے اصغری سے کہا "اس سے تو ہماری سسرال میں بھی لین دین ہے۔ بھلا کیا موئے کی طاقت ہے جو نالش کرے۔ میں یہاں سے جا کر تمہارے بھائی جان سے کہوں گی۔ دیکھو تو کیسا ٹھیک بناتے ہیں۔"

دو دن تماشا خانم اصغری کے پاس رہیں' تیسرے دن رخصت ہوئیں اور چلتے چلتے کہہ گئیں کہ بوا اصغری' تم کو میرے سر کی قسم۔ جب تمہارے سسر آئیں اور یہ سب معاملہ مقدمہ پیش ہو' مجھ کو ضرور بلوانا اور عظمت کو تو بس میرے حوالے کر دینا۔"

وہاں محمد کامل کی ماں کو ان کی بہن نے ٹھہرا لیا کہ اے ہے آپا! کبھی کبھار تو تم آتی ہو بھلا ایک ہفتہ تو رہو لیکن آدمی ہر روز یہاں تمیز دار کی خیر خبر کو آتا تھا۔

Marfat.com

باب سترہواں

# ماما کی چوتھی شرارت

ماما عظمت نے بیٹھے بٹھائے ایک بدذاتی اور کی۔ ان دنوں لاٹ صاحب کی آمد آمد تھی۔ شہر کی صفائی کے واسطے حاکم کی طرف سے بہت تاکید ہوئی۔ ہر محلے اور ہر کوچے میں اشتہار لگائے گئے کہ سب لوگ اپنے اپنے کوچے اور گلیاں صاف کریں۔ دروازوں پر سفیدی کروالیں۔ بدروئیں صاف رکھیں۔ اگر کسی جگہ کوڑا پڑا ملے گا تو جرمانہ کیا جائے گا۔ اسی مضمون کا ایک اشتہار اس محلے کے پھاٹک پر بھی لگایا گیا۔ ماما عظمت جا کر محلے کے پھاٹک سے وہ اشتہار اکھاڑ لائی اور چپکے سے اپنے دروازے پر لگا دیا۔ پھر اندھیرے منہ خانم کے بازار میں محمد کامل کی ماں کو خبر کرنے دوڑی گئی۔ ابھی مکان کے کواڑ بھی نہیں کھلے تھے کہ اس نے جا آواز دی۔ محمد کامل کی ماں نے آواز پہچانی اور کہا ''ارے دوڑو! کواڑ کھولو! عظمت ایسے تڑکے وقت کیوں بھاگی آئی ہے۔''

عظمت سامنے آئی تو پوچھا ''ماما خیریت ہے؟''

عظمت بولی ''بیوی' مکان پر وہ اشتہار وشتار کیا ہوتا ہے (اے ہے مجھ رنڈیا کو تو سیدھا نام بھی نہیں آتا) لگا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ہزاری مل نے نالش کر دی۔''

محمد کامل کی ماں نے اپنی بہن سے کہا ''لو بوا' میں تو جاتی ہوں۔ ہزاری مل کو بلوا کر سمجھاؤں گی۔ خدا اس کے دل میں رحم ڈالے۔''

بہن بولی ''آپا! میں شرمندہ ہوں کہ مجھ سے روپے کا بندوبست نہ ہو سکا لیکن میرے گلے کا توڑا موجود ہے۔ اس کو لیتی جاؤ۔ گروی رکھنے سے کام نکلے تو خیر' ورنہ بیچ ڈالنا۔''

محمد کامل کی ماں نے کہا ''خیر' میں توڑا لیے جاتی ہوں۔ مگر اس کا دو پیہ بہت بڑھ

Marfat.com

گیا ہے۔ایک توڑے سے کیا ہوگا؟''

بہن بولی ''آخر انہوں نے بھی تو کہا ہے کہ میں کسی دوسرے مہاجن سے قرض لا دوں گا۔تم بسم اللہ کر کے سوار ہوئے وہ آتے ہیں تو میں ان کو بھی پیچھے سے بھیجتی ہوں۔''

غرض محمد کامل کی ماں مکان پر پہنچی۔دروازے پر اتری' اشتہار لگا دیکھا۔افسوس کی حالت میں چپ آ کر بیٹھ گئیں۔ساس کی آمد کا سن کر اصغری کوٹھے پر سے اتری۔سلام کیا۔ساس کو مغموم دیکھ کر پوچھا'' آج اماں جان آپ کا چہرہ بہت اداس ہے۔''

ساس: مہاجن نے نالش کر دی ہے۔روپے کی صورت کہیں سے بن نہیں پڑتی۔امیر بیگم نے جواب دے دیا اور مکان پر اشتہار لگ چکا۔دیکھئے کیا ہوتا ہے۔

اصغری: آپ ہرگز اس کی فکر نہ کیجئے۔اگر ہزاری مل نے نالش کر دی ہے تو کچھ حرج نہیں۔تماشا خانم کے سسرال میں اس کا لین دین ہے۔تماشا خانم نے مجھ سے پکا وعدہ کیا ہے کہ ہزاری مل کو سمجھا دوں گی اور اگر نہیں مانے گا تو اس کے روپے کی کچھ سبیل ہو جائے گی۔آپ اتنا فکر کیوں کرتی ہیں؟ ہزاری مل کو جو اپنی طرف سے کرنا تھا کر چکا۔

ساس: کامل ہوتا تو اس کو ہزاری مل کے پاس بھیجتی۔

اصغری: یوں آپ کو اختیار ہے لیکن میرے نزدیک مہاجن سے ڈرنا کسی طرح مناسب نہیں' ورنہ اس کو آئندہ کے واسطے دلیری ہو جائے گی اور آئے دن نالش کا ڈراوا دکھایا کرے گا۔سب سے بہتر یہ ہے کہ ادھر کا اشارہ نہ ہو اور باہر سے کوئی دباؤ اس پر پڑ جائے کہ نالش کی پیروی سے باز رہے۔

محمد کامل کی ماں: تماشا خانم ابھی لڑکی ہیں۔کچہری دربار کی باتیں کیا جانیں۔ایسا نہ ہو کہ ان کے بھروسے کام بگڑ جائے اور موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔

اصغری: تماشا خانم بے شک لڑکی ہیں مگر میں نے بات خوب پکی کر لی ہے اور مجھ کو اطمینان ہے۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ میاں مسلم نے دروازے پر آواز دی۔اصغری نے کہا ''دیکھئے مسلم آیا ہے۔ضرور اس معاملے کی کچھ خبر لایا ہوگا۔'' اصغری نے محمودہ کو اشارہ

Marfat.com

کیا۔ محمودہ کوٹھڑی میں چلی گئی۔ مسلم کو اندر بلایا اور پوچھا ''مسلم! کیا خبر لائے ہو؟''

مسلم نے کہا ''آپا نے سلام کہا ہے اور مزاج کا حال پوچھا ہے اور کہا ہے کہ ہزاری مل کو بلوایا تھا۔ بہت کچھ ڈرایا دھمکایا ہے۔ اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ نالش نہ ہوگی۔''

یہ بات سن کر محمد کامل کی ماں کی کسی قدر تسلی ہوئی لیکن اصغری حیرت میں تھی کہ تماشا خانم نے تو یہ کہلا بھیجا ہے کہ ہزاری مل نالش کر بیٹھا۔ یہ کیا بات ہے؟ اور اشتہار کا معاملہ بھی عجب ہے۔ میں گھر میں بیٹھی رہی۔ مجھ کو خبر نہیں۔ حاکم کا اشتہار ہوتا تو کوئی چپڑاسی پیادہ پکارتا' آواز دیتا۔ مسلم رخصت ہوا تو محمودہ سے اصغری نے کہا ''جاؤ' دروازے پر جو کاغذ لگا ہوا ہے اس کو چپکے سے اکھاڑ لاؤ۔'' محمودہ کاغذ اکھاڑ لائی۔ اصغری نے پڑھا تو صفائی کا حکم تھا۔ نالش کا کچھ مذکور نہ تھا۔ سمجھ گئی کہ یہ بھی اس عظمت کی چالاکی ہے۔ ساس پر تو حال ظاہر نہیں کیا لیکن ان کو اچھی طرح اطمینان کر دیا کہ آپ دل جمعی سے بیٹھی رہیے۔ نالش کا ہرگز کھٹکا نہیں۔

Marfat.com

باب اٹھارہواں

# اصغری نے کس حکمت سے اپنے میاں کو شب برات میں انار پٹاخے چھوڑنے سے باز رکھا

ساس نے کہا ''تمہارے کہنے سے نالش کی طرف سے تو دلجمعی ہوئی لیکن شب برات اور رمضان سر پر چلا آتا ہے۔ دونوں تہواروں میں خرچ ہی خرچ ہے۔ لاہور سے خط آنا موقوف ہے۔ خرچ کا فکر تو میرا لہو خشک کیے ڈالتا ہے۔''

اصغری نے کہا ''رمضان کے تو ابھی بہت دن پڑے ہیں۔ خدا مسبب الاسباب ہے۔ اس وقت تک غیب سے کوئی سامان پیدا ہو جائے گا۔ ہاں شب برات کے تو چار ہی دن رہ گئے ہیں۔ سو شب برات کوئی ایسا تہوار نہیں جس میں بہت خرچ درکار ہو۔''

ساس نے کہا ''میرے گھر تو سال در سال شب برات میں بیس روپے اٹھتے ہیں۔ پوچھو یہی عظمت خرچ کرنے والی موجود ہے۔''

اصغری نے کہا ''خرچ کرنے کا عجب ہے لیکن ایک ضرورت کے واسطے اور ایک بے ضرورت۔ سو شب برات میں کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کے واسطے اتنا روپیہ درکار ہو۔''

ساس نے کہا ''بوا' پیر' پیغمبر' بڑے بزرگوں کی فاتحہ مقدم ہے۔ پھر لوگوں کے گھر بھیجنا بھجوانا ضرور ہے۔ لو' کہنے کو ذرا سی بات ہے۔ پانچ روپے کی ایک رقم تو اصل خیر سے تمہارے میاں اور بی بی محمودہ کے انار پٹاخوں کی ہے۔ محمد کامل کا بیاہ ہو گیا ہے تو کیا ہے' خدا رکھے اس کے مزاج میں تو ابھی بچپن کی باتیں چلی آتی ہیں۔ جب تک سو انار' بیس گڈی پٹاخے نہ لے چکے گا' میری جان کھا جائے گا اور محمودہ بھی رو رو کر برا حال کر

Marfat.com

لے گی۔"

اصغری: اماں جان مسلمانوں میں شب برات کی کچھ رسم سی پڑ گئی ہے۔ ورنہ دین میں تو اس کی کچھ اصل وصل ہی نہیں ہے۔ ہمارے ابا کو شب برات کی ایسی چڑ ہے کہ دوسروں کے یہاں کا آیا ہوا میٹھا نہ آپ کھائیں اور نہ ہم لوگوں کو کھانے دیں۔ اول تو ابا شہر میں جم ہی جم ہوتے ہیں لیکن جس برس آپا کا بیاہ ہوا' ان کو شب برات یہیں ہوئی تھی۔ اماں بہتیرا لڑیں' جھگڑیں مگر ابا نے کہا میں تو یہ بدعت اپنے گھر میں ہونے دینے کا نہیں اور یوں خرچ کو کہو تو مجھ سے دس کی جگہ بیس لو اور غریبوں کو دو' پر شب برات کے نام سے تو میں ایک پھوٹی کوڑی دینے والا نہیں۔

اصغری کی ساس: تمہارے سسر کا بھی یہی کہنا ہے۔ شب برات کا حلوا' عید کی سویاں' بیوی کا کونڈا' صحنک' منت' عرش' قبروں کی چادر' پنکھا' بسنت' پھول والوں کی سیر' سلطان جی کی ستر ہویں' سہرا' کنگنا' منڈھا' نوبت نقارہ' ڈھلک ساچق' آرائش' مولوی تو سب ہی چیزوں کو منع کرتے ہیں پر کم بخت دنیا بھی تو نہیں چھوڑی جاتی۔ اب کسی کے یہاں سے حصہ بخرہ آئے تو خواہی نہ خواہی لینا ہی پڑتا ہے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا جیسے ہمسائی کہا کرتی ہیں کہ لینا روا' دینے کے نام کو الٹا توا۔ پھر گھر کے مردوں کے نام سے یوں تو کون دیتا ہے۔ برسوں دن تیوہار کے بہانے ان کی ارواح کو دو چپاتی اور کوڑی بھر میٹھے کا ثواب پہنچ جاتا ہے تو اس سے کیا گئے گزرے ہوئے؟

اصغری: ایسا ہی شب برات کا کرنا ضرور ہے تو فاتحہ کے واسطے پانچ چھ سیر کا میٹھا بہت ہوگا۔ رہا بھیجنا بھجوانا تو ادھر سے آیا' ادھر گیا اور محمودہ اب پٹاخوں کے واسطے ضد نہیں کریں گی۔ میں ان کو سمجھا لوں گی۔ غرض شب برات تو میری طرف سے آئی گئی ہوئی۔ اس کے واسطے آپ قرض کا فکر نہ کیجئے۔ کسی معمول میں بھی کمی ہو تو مجھ کو الاہنا دیجئے۔

ساس سے تو یہ باتیں ہوئیں لیکن اصغری سوچ میں تھی کہ میاں کو انار پٹاخوں سے کس طرح باز رکھوں گی۔ آخر کار اس حکمت سے اصغری نے میاں کو سمجھایا کہ بات بھی کہہ گزری اور میاں کو ناگوار بھی نہ ہوا۔ محمد کامل کے سامنے چھیڑ کر محمودہ سے پوچھا

Marfat.com

''کیوں بوا' تم نے شب برات کے واسطے کیا تیاری کی؟''

محمودہ بولی ''بھائی انار پٹاخے لائیں گے تو ہم کو بھی دیں گے۔''

ابھی محمد کامل کچھ کہنے نہ پایا تھا کہ اصغری نے کہا ''بھائی ایسی واہیات چیز تمہارے لیے کیوں لانے لگے؟ انار پٹاخوں میں کیا مزا ہوتا ہے؟''

محمودہ: بھائی جان جب انار پٹاخے چھوٹتے ہیں تو کیسی بہار ہوتی ہے۔

اصغری: محلے میں سینکڑوں انار چھوٹیں گے۔ کوٹھے پر سے تم بھی دیکھ لینا۔

محمودہ: واہ! اور ہم نہ چھوڑیں؟

اصغری: تم کو ڈر نہیں لگتا؟

محمودہ: میں اپنے ہاتھوں سے تھوڑے ہی چھوڑتی ہوں۔

اصغری: پھر جس طرح تم نے اپنے انار چھوٹتے دیکھے' ویسے ہی محلے کے اور محمودہ سنو' یہ بہت برا کھیل ہے۔ ایک مرتبہ ہمارے محلے میں ایک لڑکے کے ہاتھ میں انار پھٹ گیا۔ دونوں آنکھیں پھٹ کر چوپٹ ہو گئیں اس کو دیکھنا بھی ہو تو دور سے اور محمودہ تم اماں جان کا حال دیکھتی ہو؟ اداس ہیں یا نہیں؟

محمودہ: اداس تو ہیں۔

اصغری: کبھی تم نے یہ بھی غور کیا کہ کیوں اداس ہیں؟

محمودہ: یہ تو معلوم نہیں۔

اصغری: واہ! اسی پر تم کہتی ہو کہ میں اماں کو بہت چاہتی ہوں۔

محمودہ: اچھی بھابی جان! اماں کیوں اداس ہیں؟

اصغری: خرچ کی تنگی ہے۔ مہاجن قرض نہیں دیتا۔ اس سوچ میں ہیں کہ محمودہ اناروں کے واسطے ضد کرے گی تو کہاں سے دوں گی۔

محمودہ: تو ہم انار نہیں منگائیں گے۔

اصغری: شاباش! شاباش! تم بہت ہی اچھی بنی ہو (اور محمودہ کو گلے لگا کر پیار کیا)

محمودہ: اگلے برس جب خدا کرے گا' اماں کا ہاتھ بافراغت ہوگا' ابا خرچ بھیجیں گے تو

Marfat.com

اب کے بدلے کے انار پٹاخے بھی ہم سب ہی چھوڑیں گے۔ کیوں نہ بھائی جان؟

اصغری: چھوڑ تو لوگی مگر محمودہ انار پٹاخوں کا چھوڑنا گناہ کی بات ہے۔ اللہ میاں بڑے ناراض ہوتے ہیں۔

محمودہ: اے ہے! پھر یہ سب لوگ جو آتش بازی چھوڑتے ہیں؟

اصغری: لوگوں کی بھلی چلائی۔ لوگ جھوٹ نہیں بولتے؟ چوری نہیں کرتے؟ پرایا حق نہیں مارتے؟

محمودہ: پھر ہم کو اماں جان نے تو کبھی منع نہیں کیا۔

اصغری: اس خیال سے کہ تمہارا جی کڑھے گا۔

محمودہ: بھلا اس میں گناہ کی کیا بات ہے؟ کسی کے لگ نہ جائے؟

اصغری: محمودہ! اللہ تعالیٰ کے یہاں چل کر رتی رتی کا حساب دینا ہوگا۔ انار پٹاخے تو بڑے داموں کی چیز ہے' اگر کوئی آدمی پانی بھی بے سبب لنڈھاتا ہے اس سے بھی اللہ میاں پوچھیں گے کہ تو نے ہمارا پانی بے وجہ لنڈھایا کیوں؟ اسی طرح پر وقت کا' روپے پیسے کا' کھانے کا' کپڑے کا' تن درستی کا' غرض خدا نے جتنی نعمتیں اپنی مہربانی سے دی ہیں' سب کا حساب کتاب دینا پڑے گا اور جب تم بتاؤ گے کہ ہم نے اتنے پیسوں کے انار پٹاخے لیے' اللہ میاں کہیں گے کہ تم نے یہی پیسے کسی غریب محتاج کو کیوں نہ دیے؟ لوگ بھوکے مریں اور کوڑی کوڑی کو ترسیں اور تم میری دی ہوئی دولت کو یوں آگ لگاؤ۔ اس وقت محمودہ تم کیا جواب دو گی؟ تم اللہ میاں سے ڈرتی نہیں؟

محمودہ: اے ہے! بھابی جان' اب کیا کروں؟

اصغری: آگے کو توبہ کرو۔

محمودہ: تو اللہ میاں میری خطا معاف کر دیں گے؟

اصغری: بے شک معاف کر دیں گے۔ وہ تم کو اماں جان سے بہت زیادہ چاہتے ہیں۔

محمودہ: اللہ میاں مجھے اتنا کیوں چاہتے ہیں؟

اصغری: اس واسطے چاہتے ہیں کہ انہوں نے تم کو بنایا ہے' پیدا کیا ہے۔ تم اپنے پالے

Marfat.com

ہوئے بلی کے بچے کو کیسا چاہتی ہو۔

محمودہ: تو کیسے توبہ کروں؟

اصغری: دل سے پکا ارادہ کرلو کہ پھر ایسا نہیں کروگی۔

محمودہ: میں انار پٹاخے منگوانے کی بھی نہیں اور کوئی مفت بھی دے گا تو نہیں لوں گی۔

اصغری نے پھر محمودو کو پیار کیا۔ محمد کامل چپ بیٹھا ہوا یہ سب باتیں سنتا رہا۔ چونکہ معقول بات تھی' اس کے دل نے قبول کر لی۔ اسی وقت نیچے اتر کر ماں کے پاس گیا اور کہا ''اماں! میں نے سنا ہے تم شب برات کی سوچ میں بیٹھی ہو۔ تم میرا فکر مت کرو۔ مجھ کو انار پٹاخے درکار نہیں اور محمودہ کہتی ہے کہ میں نہیں منگاؤں گی اور ہم دونوں نے توبہ بھی کر لی ہے۔''

غرض خرچ کی ایک رقم تو یوں کم ہوئی۔ فاتحہ کے واسطے دو روپے میں خاصا میٹھا بن گیا۔ بھیجنے کے واسطے اصغری نے خود اہتمام کیا۔ جب باہر سے حصہ آیا' گھر میں نہ ٹھہرنے دیا۔ دے کر آدمی باہر نکلا اور اس نے کہا فلانی جگہ پہنچا دو۔ جس جس کو دینا تھا سب کو نام بنام پہنچ گیا اور دو روپے میں اچھی خاصی شب برات ہو گئی۔ عظمت یہ بندوبست دیکھ کر جل ہی تو گئی۔ اس واسطے کہ اس کی بڑی رقم ماری گئی۔ جتنا باہر سے آتا وہ سب لیتی اور جو گھر سے جاتا آدھا اس میں سے نکالتی اور شب برات کا حلوا جو خشک کر رکھتی تھی' مہینوں پنجیری کی طرح پھانکتی۔

Marfat.com

# باب انیسواں

## اصغری کے باپ اور سسرے کا آنا لوگوں کا حساب کتاب ہونا اور آخر کار ماما عظمت کا رُسوا ہو کر نکالا جانا

شب برات کے بعد اصغری کے باپ کی آمد شروع ہوئی اور نو دس دن بات کی بات میں گزر گئے۔ رمضان سے چار دن پہلے دور اندیش خاں صاحب دہلی میں داخل ہوئے۔ اصغری نے پہلے سے اپنے باپ کی سن رکھی تھی اور ساس اور میاں سے ٹھہر گیا تھا کہ جس دن تحصیل دار صاحب آئیں گے اسی دن میں ان سے ملنے جاؤں گی۔ جب اصغری کو باپ کے آنے کی خبر معلو ہوئی تو فوراً ڈولی منگا جا پہنچیں۔ باپ نے گلے سے لگا لیا اور آبدیدہ ہوئے۔ دیر تک حال پوچھتے بتاتے رہے اور اصغری سے کہا آپ کے حکم کے مطابق خیر اندیش خاں لاہور گئے ہیں اور ان شاء اللہ تعالیٰ کل یا پرسوں سمدھی صاحب کو لے کر داخل ہوں گے۔ ان کا ایک خط بھی مجھ کو راہ میں ملا تھا۔ سمدھی صاحب کو رخصت مل گئی ہے۔ غرض اس رات بھر اور اگلے دن بھر اصغری ماں کے یہاں رہی اور شام کے قریب باپ کو کہاں اگر اجازت دیجیے تو آج میں چلی جاؤں۔

باپ نے کہا ''اجی ایک ہفتہ تو رہو۔ ہم سمدھن کو کہلا بھیجیں گے۔''

اصغری نے کہا ''جیسا آپ ارشاد فرمائیں تعمیل کروں لیکن ابا جان کے آنے سے پہلے گھر میں میرا موجود رہنا مصلحت معلوم ہوتا ہے۔''

باپ نے سوچ کر کہا ''ہاں بات تو ٹھیک ہے۔''

غرض اصغری باپ سے رخصت ہو مغرب سے پہلے گھر آ موجود ہوئی۔ اگلے دن کھانے کے وقت مولوی محمد فاضل صاحب (محمد کامل کے باپ) بھی آ پہنچے۔ یہ مولوی صاحب لاہور کے ایک رئیس کی سرکار میں مختار تھے۔ پچاس روپے مہینا تنخواہ مقرر تھی

Marfat.com

اور مکان اور سواری رئیس کے ذمے۔ خیر اندیش خان اصغری کی تحریر کے موافق لاہور گیا اور اصغری کا خط مولوی محمد فاضل صاحب کو دکھایا۔ مولوی صاحب بہو کا خط دیکھ کر باغ باغ ہو گئے اور یوں شاید رخصت نہ بھی لیتے' اب بہو کے دیکھنے کے اشتیاق میں رئیس سے بہت کہہ سن کر ایک مہینے کی رخصت لے کر خیر اندیش خاں کے ساتھ ہو لیے۔ چونکہ اصغری بیاہ کے بعد سسرے کے سامنے نہیں ہوئی تھی' سسرے کو آتا دیکھ کر کوٹھے پر جا بیٹھی۔ محمد کامل کی ماں حیرت میں تھی کہ یہ کیوں کر آ گئے۔ غرض کھانے کے بعد باتیں شروع ہوئیں۔ مولوی صاحب نے بیوی سے کہا ''سنو صاحب! مجھ کو تمہاری چھوٹی بہو نے کھینچ بلایا ہے۔'' پھر سب حال خط کا اور خیر اندیش خاں کے جانے کا بی بی سے بیان کیا اور کہا کہ بہو کو بلاؤ۔

ساس کوٹھے پر گئیں اور کہا ''بیٹی چلو۔ شرم کی کیا بات ہے۔ تم تو ان کی گودوں میں کھیلی ہو۔''

ساس کے کہنے سے اصغری اٹھ کر ساتھ ہو لی اور سسرے کو جھک کر سلام کیا اور ادب سے علیحدہ بیٹھ گئی۔ مولوی صاحب نے کہا ''سنو بھائی! ہم تو صرف تمہارے بلائے ہوئے آئے ہیں۔ تمہارا خط دیکھ کر ہمارا جی بہت خوش ہوا۔ خدا تمہاری عمر اور نیک بختی میں برکت دے۔ حقیقت میں ہمارے گھر کے اچھے نصیب ہیں جو تم ہمارے گھر میں آئیں اور مجھے یقین ہوا کہ اس گھر کے کچھ دن پھرے۔ ان شاء اللہ تمہاری مرضی اور تمہاری رائے کے موافق سب انتظام کیا جائے گا۔''

غرض دو چار دن تو مولوی صاحب ملنے ملانے میں رہے' پھر اول کے دو چار روز روزے کے سب گھر کے کام کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ ایک دن بہو کو بلا کر پاس بٹھایا اور ماما عظمت سے کہا ''ماما ہمارے رہتے سب حساب کتاب کر لو۔ جس جس کو دینا ہے سب لکھا دو تا کہ جس کو جتنا مناسب ہو دیا جائے اور جو باقی رہ جائے' اس کی قسط بندی کر دی جائے۔''

ماما نے کہا ''ایک کا حساب ہو تو زبانی بھی یاد رکھا جائے۔ بنیا' بزاز' قصائی' کنجڑا' حلوائی' سب ہی کا دینا ہے اور ہزاری مل کا بڑا بھاری حساب الگ ہے۔ جس کو جتنا دینا

Marfat.com

ہو' مجھ کو دیجئے' لے جا کر آپ کے نام جمع کرا دوں۔''

مولوی صاحب تو سیدھے سادے آدمی تھے' دینے کو آمادہ ہو گئے۔ اصغری نے کہا ''یوں علی الحساب دینے سے کیا فائدہ؟ پہلے ہر ایک کا قرضہ معلوم ہو' تب اس کو سوچ سمجھ کر دینا چاہیے۔''

ماما نے کہا'' کھانے سے فراغت پاؤں تو جا کر ہر ایک سے پوچھ آؤں گی۔''

اصغری: پوچھ آنے سے کیا ہوگا؟ جس کو لینا ہو یہاں آ کر حساب کر جائے۔

ماما: بیوی آپ نے تو ایک بات کہہ دی۔ اب میں کہاں کہاں بلاتی پھروں اور وہ لوگ اپنے دھندے سے کب چھٹی پاتے ہیں جو میرے ساتھ چلے آئیں گے؟

اصغری: کوئی روز روز کا بلانا نہیں ہے۔ ایک دن کی بات ہے۔ جا کر بلا لاؤ۔ شام کے کھانے کا کچھ بندوبست ہو جائے گا۔ تم آج یہی کام کرو اور لینے والے تو دینے کا نام سن کر دوڑیں گے۔ ہزاری مل نالش کرنے دو دو کوس کچہری پر تو گیا' یہاں آتے کیا اس کے پاؤں میں مہندی لگی ہے؟ اور دور کون ہے؟ کنجڑا' قصائی' بنیا' حلوائی سب اسی گلی میں ہیں۔ صرف بزاز اور ہزاری مل دور ہیں۔ ان کو کل پر رکھو۔ یہ پھٹکل حساب آج طے ہو جائے۔

ماما عظمت کی کسی طرح مرضی نہ تھی کہ حساب ہو لیکن اصغری نے باتوں میں ایسا دبایا کہ کچھ جواب نہ بن پڑا۔ سب سے پہلے حلوائی آیا۔ پوچھا'' لالہ! تمہارا کیا پانا ہے؟

حلوائی: تیس روپے۔

پوچھا گیا'' کیا کیا چیز تمہارے یہاں سے آئی؟ تیس روپے تو بہت زیادہ بتاتے ہو۔''

حلوائی: صاحب تیس روپے بھی کچھ بہت ہوتے ہیں۔ ایک رقم دس سیر شکر تو اسی شب برات کو آئی۔

محمد کامل کی ماں: ارے! کیسی شکر؟ اب کے مرتبہ ہمارے گھر میں جو کچھ پکا پکایا بازار سے نقد آیا۔ یہ سن کر ماما عظمت کا رنگ فق ہو گیا اور حلوائی سے بولی'' وہ دس سیر شکر تو نے ان کے حساب میں کیوں لکھ لی؟ وہ تو میں دوسرے کے واسطے لے گئی تھی اور تجھ کو جتا بھی

Marfat.com

دیا تھا۔"

حلوائی: مجھ سے تو تم نے کسی گھر کا نام نہیں لیا۔ اسی سرکار کے نام سے لائی ہو۔ ورنہ مجھے کیا فائدہ تھا کہ دوسرے کی چیز ان کے نام لکھ لیتا؟ اور مجھ سے تو اور کسی سرکار سے اچاپت بھی نہیں۔

غرض ماما کھسیانی باتیں کرنے لگی۔ مولوی صاحب نے کہا "بھلا شکر کی رقم تو رہنے دو اور چیزیں بتاؤ۔"

غرض اسی طرح بہت سی چیزیں اس نے بتائیں جو عمر بھر گھر میں نہیں آئی تھیں۔ چار سیر بالو شاہی مولود شریف کے واسطے اور مزہ یہ کہ یہاں کسی نے مولود کی مجلس نہیں کی۔ صرف چھ سات روپے تو سچ نکلے' باقی سب جھوٹ۔ مولوی صاحب! کا جی جل گیا اور بے طرح ان کو غصہ آیا۔ پوچھا "کیوں ری نمک حرام عظمت! ایسا ہی دنیا بھر کا قرض تو نے اس گھر پر کر رکھا ہے اور یوں تو نے اس گھر کو خاک میں ملایا ہے؟"

حلوائی ہو چکا تو کنجڑا آیا۔ اس نے کہا "میاں میرا حساب تو معمولی ہے' دو آنے روز کی ترکاری۔"

محمد کامل کی ماں: ارے! سیر بھر ترکاری میرے گھر میں آتی ہے۔ دو آنے روز کی کیسی ہوئی؟"

کنجڑا: حضرت میری دکان سے ماما تین سیر لاتی ہے۔

ماما: ہاں تین سیر لاتی ہوں۔ سیر بھر تمہارے نام سے' سیر بھر اپنی بیٹی کے واسطے اور سیر بھر دوسرے گھر کے واسطے۔ میں کیا کرتی ہوں؟ یہ مواسب تمہارے نام بتاتا ہے۔

کنجڑا: اری بڑھیا بے ایمان! ہمیشہ سے تو اسی گھر کے حساب میں تین سیر لاتی رہی اور جب روپیہ ملا اسی گھر سے ملا۔

قصائی اور بنئے کا حساب ہوا تو اس میں بھی ہزاروں فریب نکلے اور ثابت ہوا کہ ماما اسی گھر کے سودے میں اپنی بیٹی خیراتن اور اپنی دو تین ہمسائیوں کے گھر پورے کرتی تھی۔ اسی گھر کے نام سے سودا لاتی اور دوسری جگہ بیچ ڈالتی۔ غرض شام تک پھنکل حساب ہوا اور اب بزاز اور ہزاری مل باقی رہے۔ مولوی صاحب نے کہا "اب ناوقت

Marfat.com

ہو گیا ہے۔ آج ملتوی کرو کل دیکھا جائے گا۔'' لیکن مولوی صاحب نے آہستہ سے یہ بھی کہا کہ ایسا نہ ہو عظمت بھاگ جائے۔

اصغری: گھر بار' لڑکے بچے' مکان چھوڑ کر کہاں بھاگ جائے گی؟ ہاں شاید غیرت مند ہو تو کچھ کھا پی لے۔ مگر ایسی غیرت مند ہوتی تو ایسا کام کیوں کرتی؟ تاہم حفاظت ضرور ہے' لیکن فقط اسی قدر کہ باہر آتی جاتی کو کوئی دیکھتا رہے۔

مولوی صاحب کے خدمتگار جو ساتھ آئے تھے' ایک کو چپکے سے کہہ دیا کہ ماما کو آتے جاتے دیکھتے رہو۔ جب کھانے سے فارغ ہوئی' ماما چپکے سے اٹھ باہر چلی۔ خدمت گار دبے پاؤں پیچھے پیچھے ساتھ ہوا۔ ماما پہلے تو اپنے گھر گئی اور وہاں سے کچھ بغل میں مار تیر کی طرح سیدھی بزاز کے مکان پر جا کر اس کو آواز دی۔ بزاز گھبرا کر باہر نکلا کہ بڑی بی' تم اس وقت کہاں؟

عظمت: مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں۔ جس جس کا دینا ہے سب کا حساب ہوتا ہے۔ کل تم بھی بلائے جاؤ تو ایسی بات مت کرنا جس میں میری فضیحت ہو۔

بزاز: حساب میں تمہاری فضیحت کی کیا بات ہے؟

ماما: لالہ تم تو جانتے ہو یہ کم بخت لالچ بہت برا ہوتا ہے۔ سرکار کے حساب میں اپنے واسطے بھی تمہاری دکان سے کبھی کبھی لٹھا نین سکھ اور دریس لے گئی ہوں۔

بزاز: کیا معلوم تم اپنے واسطے کیا لے گئی ہو؟

ماما: مجھ کو اس وقت حساب کرنے کا تو ہوش نہیں لیکن دو چار تھان دریس اور لٹھے نین سکھ کے اور دس گز اودا قند میرے حساب میں نکلے گا تو میرے ہاتھ کی چوڑیاں سولہ روپے کی ہیں۔ گھس گھسا کر ایک روپیہ کم ہو گیا ہوگا پندرہ روپے میرے نام سے کم کر دینا اور دو چار روپے جو میرے نام نکلیں گے' میں دینے کو موجود ہوں۔

بزاز: چوڑیاں تم دیتی ہو۔ خیر' میں لیے تو لیتا ہوں لیکن رات کا وقت ہے۔

عظمت: اس وقت میری عزت تمہارے ہاتھ میں جس طرح ہو سکے بچاؤ۔

بزاز سے رخصت ہو سیدھی ہزاری مل کے گھر پہنچی۔ وہ بھی حیران ہوا اور بولا کہ تم اس وقت کہاں؟ اس کے پاؤں پڑ کر رو کر کہنے لگی کہ مجھ سے ایک خطا ہو گئی ہے۔

Marfat.com

ہزاری مل: وہ کیا؟

عظمت: تم وعدہ کرو معاف کر دو گے تو میں کہوں۔

ہزاری مل: بات تو کہو۔

عظمت: چار مہینے ہوئے لاہور سے خرچ آیا تھا اور مولوی صاحب نے سو روپے تم کو بھیجے تھے وہ میرے پاس خرچ ہو گئے اور سرکار میں ڈر کے مارے میں نے ظاہر نہیں کیا۔ اب مولوی صاحب آئے ہوئے ہیں۔تم کو حساب کے واسطے طلب کریں گے۔ میں اس روپے کا ٹھکانہ لگا دوں گی۔تم اس رقم کو ظاہر مت کرنا۔

ہزاری مل: دو چار روپے کی بات ہوتی تو میں چھپا بھی لیتا' اکٹھے سو روپے تو میرے کیے چھپ نہیں سکتے۔

ماما: کیا سو روپے کا بھی میرا اعتبار نہیں؟

ہزاری مل: صاف بات تو یہ ہے کہ تمہارا ایک کوڑی کا بھی اعتبار نہیں۔ جس گھر سے تم نے عمر بھر پرورش پائی' ان ہی کے ساتھ تم نے یہ سلوک کیا تو دوسرے کے ساتھ کب چوکنے والی ہو۔

عظمت: ہاں لالہ' جب برا وقت آتا ہے تو اپنے دشمن ہو جاتے ہیں۔ خیر اگر تم کو اعتبار نہیں تو لو یہ میری بنی کی پہنچیاں اور جوشن رکھ لو۔

ہزاری مل: یہ معاملے کی بات ہے لیکن دن ہو تو مال پرکھا جائے۔تب معلوم ہو کتنے کا ہے لیکن اٹکل سے تو سب مال پچاس ساٹھ کا ہو گا۔

ماما: اے ہے لالہ! ایسا غضب تو مت کرو۔ ابھی چار مہینے ہوئے نو عدد بنوائے تھے۔ سوا سو کی لاگت کے ہیں۔

ہزاری مل: اس میں برا ماننے کیا کیا بات ہے۔تمہاری چیز سو کی ہو یا دو سو کی۔ کوئی نکالے لیتا ہے؟ تکوانے سے جتنی ٹھہرے معلوم ہو جائے گی۔

یہ سب بندوبست کر کے ماما گھر واپس آئی۔ مولوی صاحب کے خدمت گار نے پاؤں دبانے میں یہ سب حال مولوی صاحب سے بیان کیا اور محمد کامل کی ماں کے ذریعے سے اصغری کو معلوم ہوا۔ صبح ہوئی تو بزاز اور ہزاری مل طلب ہوئے۔ حساب

Marfat.com

میں کچھ حجت ہونے لگی۔ ماما چڑھ چڑھ کر بولتی تھی۔ بزاز نے کہا ''تو بڑھیا ٹرٹر کیوں کرتی ہے؟ اٹھا اپنی چوڑیاں۔ تو پندرہ روپے کی بتاتی تھی' بازار میں نو روپے کی آنکتے ہیں۔'' ہزاری مل نے پہنچیاں اور جوشن سامنے رکھ دیے اور عظمت سے کہا ''نہیں صاحب! یہ مال ہمارے کام کا نہیں۔''

مولوی صاحب نے بزاز اور ہزاری مل دونوں سے پوچھا ''کیوں بھائی! یہ چیزیں کیسی ہیں؟'' تب دونوں نے رات کی حکایت بیان کی اور عظمت کے منہ پر گویا' لاکھوں جوتیاں پڑ رہی تھیں۔ جب حساب طے ہو گیا اور مولوی صاحب نے دینے کو روپیہ نکالا تو جتنا واجبی تھا' آدھا آدھا سب کا دے دیا اور کہا کہ میں نے لاہور سے روپیہ منگایا ہے' دس پانچ دن میں آتا ہے تو باقی بھی دے دیا جائے گا۔ سب لوگوں نے پوچھا کہ ماما کیطرف جو ہمارا نکلا وہ ہم کس سے لیں؟ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ مسلم مکتب جاتے ہوئے ادھر آ نکلا اور یہ باتیں سنتا گیا۔ وہاں جا کر تماشا خانم سے کہا کہ آج تو آپا اصغری کے دروازے پر بڑی بھیڑ جمع ہے۔ ان کے سسرے حساب کر رہے ہیں۔ تماشا خانم سنتے کے ساتھ ڈولی میں چڑھ آ پہنچی۔ اتری تو اصغری سے گلہ کیا ''کیوں جی' تم نے مجھ کو خبر نہ کی تو کیا ہوا۔''

اصغری: ابھی تو حساب درپیش ہے۔ یہ بکھیڑ ہو چکتا تو میں تم کو خبر کرتی۔

غرض مولوی صاحب نے لوگوں سے کہا کہ جو ماما سے لینا ہے وہ ماما سے لو اور عظمت کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ ''حضرت' ان کا روپیہ ادا کرو۔''

عظمت نے نیچی آنکھیں کر کے کہا ''میرے پاس بیٹی کا زیور ہے۔ اس میں یہ لوگ اپنا اپنا سمجھ بوجھ لیں۔'' بیٹی کا تمام زیور کنجڑے' قصائی' بنئے' بزاز کے حساب میں داموں لگ گیا۔ ہزاری مل کے سو روپے کے واسطے رہنے کا ٹھیکرا گروی رکھنا پڑا۔ لکھا پڑی پکے کاغذ پر ہو کر چار بھلے مانسوں کی گواہی ہو گئی۔ مولوی صاحب نے عظمت سے کہا ''بس' اب آپ خیر سے سدھاریئے۔ تم جیسے نمک حرام' دغاباز' بے ایمان آدمی کا ہمارے گھر میں کچھ کام نہیں۔''

اصغری: ان میں نمک حرامی کے علاوہ ایک صفت اور بھی تھی۔ وہ کہ گھر میں فساد

Marfat.com

ڈلوانے کی فکر میں تھیں۔ کیوں عظمت! وہ کڑھائی کی بات یاد ہے جو محمودہ کے بھائی نے فرمائش کی تھی اور تو نے میری طرف سے جھوٹ جا کر کہہ دیا تھا کہ بہو کہتی ہیں میرے سر میں درد ہے؟ بول تو سہی' کب تو نے مجھ سے کہا تھا اور کب میں نے درد کا عذر کیا تھا؟

عظمت: بیوی' تم کوٹھے پر قرآن پڑھ رہی تھیں۔ میں کہنے کو اوپر گئی۔ تم کو پڑھتے دیکھ کر الٹی پھر آئی۔

اصغری: اور دردسر کی بات دل سے بنائی۔

عظمت: میں نے سوچا کہ صبح سے اب تک تو پڑھ رہی ہو اب کہاں چولہے میں سر کھپاؤ گی۔

اصغری: بھلا پہاڑ پر جانے کی بات تو نے کس غرض سے کہی تھی؟ میں نے تجھ سے صلاح کی تھی یا تو نے مجھ کو کہتے سنا تھا؟ اس کا کچھ جواب عظمت کو نہ آیا۔ پھر اصغری نے اشتہار نکال کر مولوی صاحب کے سامنے ڈال دیا اور کہا ''دیکھئے' یہ بیوی عظمت ان گنوں کی ہیں۔ خود تو محلے کے پھاٹک سے اشتہار اکھاڑ لائی اور خود اماں جان سے کہنے کو دوڑی گئی۔''

اصغری یہ باتیں کہہ رہی تھی اور مولوی صاحب کا چہرہ سرخ ہوتا جاتا تھا۔ ادھر تماشا خانم دانت پیس رہی تھی۔ مولوی صاحب نے کہا ''تجھ کو نکالنا ہی کافی نہیں تو بڑی بدذات عورت ہے۔'' یہ کہہ کر اپنے خدمتگار کو آواز دی اور کہا ''بہادر! اس ناپاک کو کوتوالی لے جا۔ رقعے میں اس کا سب حال ہم لکھے دیتے ہیں۔''

اصغری نے مولوی صاحب سے کہا کہ بس' اب یہ اپنی سزا کو پہنچ گئی۔ کوتوالی سے اس کو معاف رکھئے اور ماما کو اشارہ کیا کہ ''چل دے'' بلکہ دروازے تک ماما کے ساتھ گئی۔ غرض ماما عظمت اپنے کوتکوں کے پیچھے یہاں سے نکالی گئی۔ گھر پہنچی تو مینی بلا کی طرح لپٹی ''میں نہ کہتی تھی اماں ایسی تو نہ مچاؤ۔ سو دن چور کے تو ایک دن شاہ کا۔ ایسا نہ ہو کسی دن پکڑی جاؤ۔ تم کسی کی مانتی نہ تھیں۔ خوب ہوا جیسا کیا ویسا پایا۔ اب سسرال میں میرا نام تو بدمت کرو۔ جہاں تمہارا خدا لے جائے چلی جاؤ۔ میرے گھر میں تمہارا کام نہیں۔ زیور کو میں نے صبر کیا۔ تقدیر میں ہوگا تو پھر ملے رہے گا۔'' اس طور پر خدا خدا کر کے اصغری نے اپنے دشمن کو نکال پایا اور گھر کو عذاب سے نجات دی۔

Marfat.com

باب بیسواں

# گھر میں دوسری ماما رکھنے کی صلاح

جب عظمت کا فیصلہ ہو گیا تو اصغری نے باپ کے پاس جانے کی پھر اجازت چاہی اور رانی خوشی رخصت ہو ماں کے گھر آئی۔ ایک ہفتہ برابر یہاں رہی اور جس جس بات میں باپ سے صلاح لینی تھی، اطمینان سے پوچھا گچھا۔

خان صاحب: عظمت نکل گئی؟

اصغری: سب آپ کے طفیل سے بخیر انجام ہوا۔ نہ بڑے بھائی لاہور جاتے، نہ ابا جان آتے، نہ برسوں کا حساب طے ہوتا، نہ عظمت نکلتی۔

خان صاحب: اب گھر کا انتظام کیونکر ہوگا؟

اصغری: ماما کے نکلتے میں تو ادھر چلی آئی۔ اب انتظام کیا مشکل ہے۔ اسی عظمت کی خرابی تھی۔ اب ان شاء اللہ میں سب دیکھ بھال لوں گی۔

خان صاحب: اور کیا کیا باتیں تم نے اس گھر میں ایجاد کیں؟

اصغری: ابھی میں نے کچھ دیکھا بھالا نہیں۔ شروع سے عظمت کا جھگڑا درپیش آ گیا۔ اب البتہ ارادہ ہے کہ ہر ایک کو سوچوں اور انتظام کروں۔ خدا نے چاہا تو آپ کو خط کے ذریعے اطلاع دیتی رہوں گی۔

خان صاحب نے نکاح کے بعد سے اصغری کا دس روپے کا مہینا مقرر کر دیا تھا۔ انہوں نے اصغری سے پوچھا ''اگر تم کو تکلیف رہتی ہو تو میں کچھ روپے تم کو اور دیتا ہوں۔''

اصغری: وہی دس روپے میری ضرورت سے زیادہ ہیں۔ بلکہ آج تک کا روپیہ سب میرے پاس جمع ہے۔ زیادہ لے کر کیا کروں گی۔ جب ضرورت ہوگی تو میں خود مانگ

Marfat.com

لوں گی۔

غرض باپ سے اصغری رخصت ہو آئی۔ سسرال میں آ کر دیکھا کہ ساس چولہا پھونک رہی ہے۔ اصغری نے حیرت سے پوچھا ''ایں! اب تک کوئی ماما نہیں رکھی گئی؟''

ساس: آنے کو تو کئی عورتیں آئیں' پر تنخواہ سن کر ہمت نہیں پڑتی کسی کو نوکر رکھنے کی۔ عظمت بری تھی مگر آٹھ آنے مہینے پر پچیس برس اس نے نوکری کی۔ اب جو ماما آتی ہے' دو روپے اور کھانے سے کم کا نام نہیں لیتی۔

اصغری: ماما تو ایک میری نظر میں بھی ہے لیکن تنخواہ وہ زیادہ مانگتی ہے۔ کفایت النساء کی چھوٹی بہن دیانت النساء۔ پکانا سینا سب جانتی ہے اور ایک دفعہ کفایت النساء نے بھی کہا تھا کہ کوئی اچھا ٹھکانہ ہو تو دیانت النساء نوکری کرنے کو موجود ہے۔

محمد کامل کی ماں: وہ کیا تنخواہ لے گی؟

اصغری: وہ تو اپنے منہ سے تین روپے اور کھانا مانگتی ہے لیکن سمجھانے سے شاید دو روپے پر راضی ہو جائے۔

محمد کامل کی ماں: دو روپے اور کھانا دینا ہو تو دروازے پر بھوندو بھٹیارے کی بی بی چنیا کی ماں منتیں کرتی ہے۔

اصغری: چنیا کی ماں کو تو میں چار آنے پر بھی نہ رکھوں۔

محمد کامل کی ماں: اے کیوں؟

اصغری: پاس کا رہنے والا آدمی برا۔ آنکھ بچی اور جو چیز چاہی گھر میں لے جا کر رکھ آئی اور جب گھر سے گھر ملا ہے تو ہر گھڑی چنیا کی ماں اپنے گھر جائے گی اور شاید رات کو بھی اپنے گھر رہے۔

محمد کامل کی ماں: بخشو کی بیوی نے اپنی بیٹی زلفن کے واسطے مجھ سے کئی مرتبہ کہا ہے۔ زلفن تو سید فیروز کے بنگلے میں رہتی ہے۔

اصغری: وہی زلفن نا! جو خوب بنی ٹھنی رہتی ہے؟

محمد کامل کی ماں: بنی ٹھنی کیا رہتی ہے' نئی بیاہی ہوئی ہے۔ نئے نئے کپڑے لتے کا ذرا

Marfat.com

شوق ہے۔

اصغری: ایسا آدمی بھی نہیں رکھنا چاہیے۔

محمد کامل کی ماں: خود زلفن کی ماں نوکری کرنے کو راضی ہے۔

اصغری: ان کے ساتھ ایک دم چھلا چھوٹی بیٹی کا لگا ہوا ہے۔ وہ ایک دم ماں کو نہیں چھوڑتی۔ پس نام تو ایک آدمی کا ہوگا اور کھائیں گے دو دو۔

محمد کامل کی ماں: اور کوئی آدمی میرے خیال میں نہیں آتا۔

اصغری: دیکھو اسی دیانت النساء کو بلاؤں گی۔

محمد کامل کی ماں: اور تنخواہ کا کیا ہوگا؟

اصغری: ایمان دار آدمی تو کم تنخواہ پر ملنا محال ہے۔ ان لوگوں کو دو کی جگہ دینے گوارا ہیں لیکن ماما عظمت جیسی کو آٹھ آنے دے کر گھر لٹوانا منظور نہیں۔ وہ کہاوت سچ ہے' گراں بہ حکمت' ارزاں بہ علت۔

اس وقت کھانا تو ساس بہو نے مل کر پکا پکوالیا۔ کھانے کے بعد اصغری محمودہ کو ساتھ لے کر کوٹھے پر چلی گئی۔ جب تک مولوی صاحب رہے' اصغری نے کوٹھے پر سے اترنا بہت کم کر دیا تھا۔ صرف صبح و شام نیچے اترتی تھی۔ بلکہ محمودہ کو بھی منع کر دیا تھا کہ بے وقت نیچے مت جایا کرو۔ محمودہ تو لڑکی تھی' اس نے پوچھا ''اچھی بھابی جان' کیوں؟''

اصغری نے کہا ''بڑوں کے سامنے ہر وقت نہیں چلتے پھرتے۔''

Marfat.com

باب اکیسواں

# گھر کے خرچ کا تعین

کھانے کے بعد گھر کے حساب کتاب میں مولوی صاحب سے اور بی بی سے لڑائی ہونے لگی۔ بی بی کو شکایت تھی کہ تم خرچ بہت تھوڑا بھیجتے ہو۔ یہاں شادی بیاہ' برادری کا لینا دینا' آنا جانا' تیز تیوہار' سب مجھ کو کرنا پڑتا ہے۔ مولوی صاحب کہتے تھے کہ بیس روپے مہینہ تھوڑا نہیں ہے۔ تم کو انتظام کا سلیقہ نہیں۔ اسی سبب گھر میں بے برکتی رہتی ہے۔ اتنے میں مولوی صاحب نے محمودہ کو آواز دی۔ محمودہ آئی تو کہا ''بھائی کو بلا کر لاؤ۔'' اصغری نے طلب کی خبر سنی تو حیران ہوئی کہ اس وقت کیوں بلایا۔ محمودہ سے پوچھا ''کیا ہو رہا ہے؟'' محمودہ نے کہا ''لڑائی ہو رہی ہے۔'' اصغری گئی تو مولوی صاحب نے کہا

''کیوں بیٹا! اب انتظام کون کرے گا؟''

اصغری نے کہا ''اماں جان کریں گی جس طرح اب تک کرتی تھیں۔''

مولوی صاحب نے کہا ''ان کے انتظام کا نتیجہ تو میں نے دیکھ لیا۔ بیس روپے مہینہ جس گھر میں آتا ہو اس کی یہی صورت ہوتی ہے کہ نہ سلیقے کا کوئی برتن ہے' نہ عزت کی کوئی چیز۔ اگر کسی وقت ایک چمچہ شربت درکار ہو تو خدا نے چاہا اس کا سامان بھی گھر میں نہ نکلے گا۔''

اصغری: اماں جان کا اس میں کیا قصور؟ عظمت نامراد نے گھر خراب کیا۔

مولوی صاحب: ان میں انتظام کی عقل ہوتی تو عظمت کی کیا طاقت تھی؟ عظمت نوکر تھی یا گھر کی مختار تھی؟

اصغری: پچیس برس پرانا آدمی جب لوٹنے پر کمر باندھے تو اس کے فریب کو کون جان سکتا ہے؟ ایسے پرانے آدمی پر تو شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

مولوی صاحب: تم کو آخر شبہ ہوا یا نہ ہوا؟

اصغری: مجھ کو کیا شبہ ہوا' اس نے نالش کا ذکر چھیڑ کر سوئی ہوئی بھڑوں کو جگایا۔

اتنے میں ساس بولیں ''پچاس میں سے تم اپنے اکیلے دم کے واسطے تو تیس روپے رکھو اور یہاں کنبے کے واسطے بیس۔''

مولوی صاحب: گھر کا خرچ اور باہر کا خرچ کہیں برابر ہو سکتا ہے؟ تم نے تو مجھ کو اکیلا سمجھ لیا اور خدمت گار' سواری' مکان' کپڑا الگ؟

بیوی: سواری اور مکان تو سرکار سے ملتا ہے۔

مولوی صاحب: گھوڑا' دانہ گھاس تو مجھ کو اپنی گرہ سے کھلانا پڑتا ہے۔ چار روپے کا سائیس اور مکان کی مرمت۔ پھر سرکار دربار کے موافق حیثیت' لینا' دینا' ہزار بکھیڑے ہیں۔ نہیں معلوم میں کس طرح گزران کرتا ہوں۔

اصغری نے ساس کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''اماں جان بیس روپے میں تکرار کرنے سے فائدہ؟ جتنا ملتا ہے' ہزار شکر ہے۔ خدا ابا جان کی کمائی میں برکت دے۔ یہ بھی ہزاروں ہیں۔''

ساس: بیٹی مجھ سے تو بیس میں گھر نہیں چلتا۔

اصغری نے اشارے سے ساس کو روکا اور مولوی صاحب سے کہا ''آپ چاہے دو روپے اور کم دیجئے لیکن جو کچھ دیجئے' ماہ بہ ماہ ملا کرے۔ جب وقت پر پیسہ پاس نہیں ہوتا تو ناچار قرض لینا پڑتا ہے اور قرض سے گھر کی رہی سہی برکت بھی اڑ جاتی ہے۔

مولوی صاحب: ہندوستانی سرکاروں میں تنخواہوں کا دستور قاعدہ بہت خراب ہے۔ کبھی چھٹے مہینے تقسیم ہوتی ہے کبھی برسویں دن ملتی ہے۔ اس سبب سے خرچ کا معمول نہیں ہو سکتا لیکن ہزاری مل سے میں کہہ جاؤں گا کہ ہر مہینے تم کو بیس روپے دے دیا کرے۔

اصغری: مہاجن دے جائے گا تو وہ آپ سے سود مانگے گا۔

مولوی صاحب: نہیں سود کیا لے گا۔ ہماری سرکار میں بھی اس کا لین دین ہے۔ وہاں سے حکم آ جائے گا۔

Marfat.com

اصغری: ہاں تو اس کا مضائقہ نہیں۔

غرض بیس روپے تنخواہ ٹھہر گئی لیکن محمد کامل کی ماں کو ناگوار ہوا اور الگ لے جا کر اصغری سے گلہ کیا۔ اصغری نے کہا ''گھر تو بیس میں ان شاء اللہ میں چلا چلوں گی۔ اس کا آپ کچھ فکر نہ کیجئے اور مولوی صاحب واقع میں تیس روپے سے کم میں اپنی حیثیت درست نہیں رکھ سکتے۔ مختار کی نوکری میں اول تو اوپر سے آمدنی کی کوئی صورت نہیں اور ہو بھی تو مولوی صاحب کیوں لینے لگے؟ پس گنی بونی نپا شوربا۔ مولوی صاحب خود تکلیف میں رہیں اور دو چار روپے گھر میں زیادہ بھی آئے تو مناسب نہیں۔''

یہ سن کر ساس چپ ہو رہیں۔

Marfat.com

باب بائیسواں

# ماما عظمت کی جگہ دیانت النساء رکھی گئی

## اصغری کا انتظام خانہ داری

اصغری نے دیانت النساء کو بلا بھیجا اور کہہ سن کر دو روپے اور کھانے پر راضی کر لیا اور جتا دیا کہ دیانت النساء خبردار! کوئی بات ایسی نہ ہو کہ تمہارے اعتبار میں فرق آئے۔ جس طرح تمہاری بڑی بہن ہمارے گھر رہتی ہے' اسی طرح تم رہنا۔

دیانت النساء نے کہا "بیوی' خدا اس گھڑی کو موت دے کہ پرائے مال پر نظر کروں۔ ضرورت ہو تو تم سے مانگ کر کھا لوں اور نہ ملے تو بھوکی بیٹھی رہوں' پر بے حکم نون تک چکھنا حرام سمجھتی ہوں۔"

عید کے اگلے دن مولوی صاحب تو لاہور سدھارے اور ضرورت کی سب چیزیں اصغری نے اکٹھی منگوا لیں اور آئندہ ہمیشہ فصل پرستی دیکھ کر اکٹھی چیزیں لے رکھتی تھی۔ مرچ' پیاز' دھنیا' اناج' دالیں' چاول' کھانڈ' گھی' لکڑی' اپلے' سکھانے کی ترکاریاں ہر چیز وقت مناسب پر خرید کی جاتی تھی' ماما ملا کر پانچ آدمی تھے۔ دونوں وقت میں سیر بھر گوشت آتا تھا۔ اس میں دیانت النساء دو طرح کا کر لیتی تھی۔ کبھی آدھے میں ترکاری اور آدھا سادہ۔ کبھی آدھے میں کباب' سالن کے علاوہ دن کو ایک وقت دال' ساتویں دن پلاؤ اور میٹھے چاولوں کا معمول تھا۔ گھر میں دو تین قسم کی چٹنی کوئی چاشنی دار' کوئی عرق کی' کوئی سرکے کی۔ دو چار قسم کا اچار مربہ بنا رکھا۔ ان کے علاوہ شربت انار' لیموں کی سکنجبین' شربت بنفشہ' شربت نیلوفر' شربت فالسہ کی ایک ایک بوتل بنا لی۔ ہر طرح کا ضروری سامان گھر میں رہا کرتا تھا۔ باوجود اس سامان کے پندرہ روپے سے زیادہ خرچ نہیں ہوتا تھا۔ پانچ روپے جو بچتے تھے' اس سے بڑے بڑے پنسیرے اور دس

Marfat.com

سیرے دو پتیلے' ایک سینی' کچھ چھوٹے چمچے' دو لوٹے' ایک عدد چائے کے لوازم' اس قسم کی چیزیں خرید ہوئیں' دو صندق بنوائے گئے۔ الماریاں ایک باورچی خانے میں' ایک اسباب کی کوٹھڑی میں۔ بیٹھنے کے تخت پرانے تھے' وہ درست ہوئے۔ دو پلنگ تیار ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ اصغری نے اسی بیس روپے میں گھر کو وہ جلا دی کہ ظاہر حال میں بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ ہر چیز میں کفایت اور انتظام کو دخل دیا۔

عظمت کے وقتوں میں ہمیشہ محمودہ کے واسطے تین چار پیسے روز کا سودا بازار سے آتا تھا۔ اس واسطے کہ کبھی دسترخوان میں ایک ٹکڑا نہیں بچا۔ اب دونوں وقت دو چار بوٹیاں دسترخوان میں رہنے لگیں۔ کبھی بھنتے میں دو بوٹیاں محمودہ کے لیے نکال رکھیں۔ کبھی ایک چٹکی کھانڈ نکال دی۔ کبھی مربے کی ایک پھانک دے دی۔ روز کا سودا موقوف ہوا۔ کسی دن کبھی کبھار جو محمودہ کا جی چاہا تو کچھ منگوا لیا۔ اس گھر سے فقیر کو عمر بھر ایک چٹکی آٹا یا آدھی روٹی نہیں ملتی۔ اب دونوں وقت دو دو روٹیاں فقیروں کو بھی دی جانے لگیں۔ گھر میں جو کچھ اسباب تھا' عجیب بدسلیقگی سے ساگ مولی کی طرح پڑا رہتا تھا۔ اب ہر ایک چیز ٹھکانے لگی۔ کپڑوں کی گٹھڑیاں ہیں تو کپڑے اچھی طرح تہہ کیے ہوئے' ترتیب سے بندھے ہوئے۔ اناج پانی کی کوٹھڑی میں ہر ایک شے احتیاط سے ڈھکی ہوئی ہے۔ برتن صاف ستھرے اپنی جگہ رکھے ہیں۔ چینی کے الگ' تانبے کے الگ۔ گویا' گھر ایک کل تھی۔ جب کوک دیا کل اپنی معمول سے چلنے لگی۔ رفتہ رفتہ دو دو چار روپے پس انداز ہونے لگے اور اصغری ان کو بطور امانت علیحدہ جمع کرتی گئی۔ جب سے اصغری نے گھر کا اہتمام اپنے ہاتھ میں لیا قرض لینا ختم ہو گیا۔ بھول کر بھی دمڑی چھدام تک کی چیز بازار سے ادھار نہ آئی۔ اصغری گھر کا سب حساب کتاب ایک کتاب میں لکھا کرتی تھی۔ جب کوئی چیز ہو چکنے پر آئی اور دیانت النساء نے اطلاع کی کہ بیوی دو دن کا اور ہے۔ اصغری نے کتاب نکال کر دیکھی کہ کس تاریخ کو کتنا گھی اور کتنے روز کے حساب سے خرچ ہوا۔ اگر بے حساب ہوا تو دیانت النساء سے باز پرس کی۔ مجال نہ تھی کہ کسی چیز میں فضول خرچی ہو اور بے حساب اٹھ جائے۔ سیائی والی کی سیائیاں اور دھوبن کی دھلائیاں تک کتاب میں لکھی جاتی تھیں۔

Marfat.com

باب تیئیسواں

# اصغری نے اپنے میاں سے کھیل کود چھڑا کر اس کو پڑھنے پر متوجہ کیا

جب ہر ایک چیز کا معمول بندھ گیا اور انتظام بیٹھ گیا' اصغری دوسرے کاموں کی طرف متوجہ ہوئی۔ محمد کامل پڑھتا لکھتا تو تھا لیکن ویسی ہی بے تدبیری اور بے شوقی سے جس طرح آزاد مختار لڑکے پڑھا کرتے ہیں۔ باپ تو باہر رہتے تھے۔ محمد عاقل گو بڑا بھائی تھا لیکن دونوں بھائیوں میں صرف ڈھائی برس کی بڑائی چھٹائی تھی۔ محمد کامل پر اس کا دباؤ کم تھا بلکہ نہیں تھا۔ پس محمد کامل صبح و شام سبق بھی پڑھتا تھا اور ہم عمر لڑکوں میں گنجفہ' شطرنج' چوسر کھیلا کرتا تھا۔ بعض مرتبہ کھیل میں مصروف ہوتا تو پہر پہر بھر رات گئے گھر آتا۔ اصغری کو حال معلوم تھا لیکن موقع ڈھونڈتی تھی کہ ایسے ڈھب سے کہنا چاہیے کہ ناگوارِ خاطر نہ ہو۔ ایک روز محمد کامل بہت رات گئے آیا اور شاید بازی جیت کر آیا تھا۔ خوش تھا' آتے کے ساتھ کھانا مانگا۔ دیانت النساء سالن گرم کرنے دوڑی۔ محمد کامل سمجھا کہ ابھی پکا رہی ہے۔ پوچھا ''ماما' ابھی تک تمہاری ہنڈیا چولہے سے نہیں اتری؟''

اصغری نے کہا ''کئی دفعہ اتر تر کر چڑھ چکی ہے۔ ایسے ناوقت تم کھانا کھاتے ہو کہ کھانا ٹھنڈا ہو کر مٹی ہو جاتا ہے یا ایسا بندوبست کرو کہ سویرے کھا جایا کرو یا باہر کھانا منگوا لیا کرو۔ ادھر تمہارے انتظار میں اماں جان کو ہر روز تکلیف رہتی ہے۔''

محمد کامل: تم لوگ میرے منتظر رہتے ہو؟ میں تو جانتا تھا کہ تم کھا لیا کرتی ہوگی۔

اصغری: خدا رکھے مردوں کے ہوتے ہوئے عورتوں کو کھانا ٹھونس بیٹھنا کیا مناسب ہے؟

محمد کامل: دو چار روز کی بات ہوتی تو گزر ہو سکتی ہے۔ آخر میری ہی نارضامندی کا

Marfat.com

خیال ہے تو میں خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ تم لوگ کھانا کھالیا کرو۔

اصغری اس وقت تو چپ ہو رہی۔ کوٹھے پر پھر محمد کامل نے خوب چھیڑ کر اسی بات کو کہا تو اصغری بولی ''تعجب کی بات ہے۔ تم اپنے معمول کے خلاف نہیں کر سکتے اور ہم لوگوں سے چاہتے ہو کہ اپنا معمول توڑ دیں۔ تم ہی سویرے چلے آیا کرو۔

محمد کامل: کھانے کے بعد باہر نکلنے کو جی نہیں چاہتا اور مجھ کو نیند دیر سے آتی ہے۔ گھر میں بے شغل پڑے پڑے جی گھبراتا ہے۔ اس واسطے قصداً دیر کر کے آتا ہوں کہ کھانے کے بعد سو رہوں۔

اصغری: شغل تو اپنے اختیار میں ہے۔ آدمی اپنے وقت کو ضبط کر لے تو ہزاروں کام ہیں۔ ایک پڑھنے کا شغل کیا کم ہے۔ میں اپنے بڑے بھائی کو دیکھا کرتی تھی کہ آدھی آدھی رات تک کتاب دیکھتے اور جس دن اتفاق سے سو جاتے تو بڑا افسوس کیا کرتے تھے۔ تم پڑھنے میں محنت کم کرتے ہو۔ اس واسطے سے شغلی سے تمہارا جی گھبراتا ہے۔

محمد کامل: اور کیا محنت کروں؟ دونوں وقت سبق پڑھ لیتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔

اصغری: نہیں معلوم تم کیسا پڑھنا پڑھتے ہو۔ جس دن عظمت کا حساب کتاب ہوا تھا' ابا جان تم سے حساب پوچھتے تھے اور تم بتا نہیں سکتے تھے۔ مجھ کو شرم آتی تھی۔

محمد کامل: حساب دوسرا فن ہے۔ میں عربی پڑھتا ہوں۔ اس سے اور حساب سے کیا واسطہ؟

اصغری: پڑھنا لکھنا اسی واسطے ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی کام اٹکا نہ رہے۔ بڑے بھائی فارسی بہت پڑھ گئے ہیں لیکن نوکری نہیں ملتی۔ ابا کہا کرتے ہیں کہ حساب کتاب اور کچہری کا کام جب تک نہ سیکھو گے نوکری کا خیال مت کرو۔ اب مآل اندیش مدرسے میں پڑھتا ہے اور حساب کتاب میں بڑے بھائی سے زیادہ ہوشیار ہے۔ ابا اس سے بہت خوش ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ دو برس مدرسے میں اور پڑھو پھر تم کو کہیں نہ کہیں نوکر کرا دوں گا۔

محمد کامل: تو میں بھی مدرسے میں داخل ہو جاؤں؟

اصغری: مدرسے میں داخل ہونے پر کیا منحصر ہے۔ یوں شہر میں کیا سکھانے والے

Marfat.com

نہیں؟ جتنا وقت تم کھیل میں ضائع کرتے ہو اسی میں صرف کیا کرو۔

محمد کامل: کھیل کیا میں دن رات کھیلتا ہوں؟ کبھی گھڑی دو گھڑی کو بیٹھ گیا۔

اصغری: کھیلنا افیون کی سی عادت ہے۔ تھوڑے سے شروع ہو کر بڑھتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ لت پڑ جاتی ہے اور پھر اس کا چھوٹنا مشکل ہوتا ہے۔ اول تو یہ کھیل گناہ ہیں۔ اس کے علاوہ آدمی کو دوسرے کمال حاصل کرنے سے روکتے ہیں۔ کام کاج کے آدمی کبھی نہیں کھیلتے۔ نکمے لوگ البتہ اسی طرح دن کاٹتے ہیں۔ ان کھیلوں میں جیسا بازی جیتنے سے جی خوش ہوتا ہے ہارنے سے رنج بھی ہوتا ہے اور جس طرح وہ خوشی بے اصل ہوتی ہے یہ رنج بھی ناحق ہوتا ہے اور اکثر کھیلتے کھیلتے آپس میں مفت کی تکرار ہو جاتی ہے۔ میری صلاح مانو تو ان کھیلوں کو بالکل موقوف کرو۔ لوگ تمہارے منہ پر تو کچھ نہیں کہتے لیکن پیچھے ہنستے ہیں۔ پرسوں اترسوں کی بات ہے کہ تم کو کوئی مردوا بلانے آیا تھا۔ ماما نے جواب دیا کہ باہر سدھار گئے ہیں۔ اس موذی نے طعنے کے طور پر اپنے ساتھ والے سے کہا۔ میاں ماسٹر حسینی کے مکان پر چلو۔ وہاں شطرنج کے جمگھٹے میں ملیں گے۔ ابا جان کا شہر میں بڑا نام ہے۔ لوگ ان کے معتقد ہیں۔ ایسی جگہ جانے سے آدمی بدنام ہوتا ہے۔ میں نے ابا جان کو افسوس کرتے سنا کہ ہماری تقدیر! دو لڑکوں میں کوئی بھی ایسا نہ ہوا کہ اس کو دیکھ کر جی خوش ہوتا۔ عاقل کو کچھ لکھایا پڑھایا تھا۔ اب وہ بھی اپنی نوکری کے پیچھے ایسا پڑا ہے لکھا پڑھا بھی بھول گیا۔ یہ چھوٹے صاحب ہیں' ان کو کھیل کود سے فرصت نہیں۔ بلکہ ہمارے ابا جان کو بھی کسی نے اس کی خبر کر دی۔ مجھ سے پوچھتے تھے۔ میں نے کسی طرح اس وقت بات کو ٹال دیا۔

اصغری کی نصیحت نے محمد کامل پر بہت عمدہ اثر کیا اور اس نے کھیلنا بالکل چھوڑ دیا' پہلے کی نسبت عربی پر زیادہ محنت کرنے لگا اور ایک مدرس سے مدرسے کے باہر حساب کتاب بھی سیکھنا شروع کر دیا۔ خدا نے وقت میں بڑی برکت دی ہے۔ اس کو انتظام کے ساتھ صرف کرنے سے چند روز میں محمد کامل کی استعداد عربی بھی درست ہو گئی اور حساب اور ریاضی کی کتابیں بھی نکل گئیں۔

Marfat.com

باب چوبیسواں

# اصغری نے لڑکیوں کا مکتب بٹھایا

محمد کامل تو ادھر مصروف رہا' اصغری نے اسی عرصے میں ایک اور کارخانہ جاری کیا۔ اس محلے میں حکیم روح اللہ خاں بڑے نامی گرامی آدمی تھے۔ حکیم صاحب خود تو سرکار مہاراجہ پٹیالہ میں دیوان تھے لیکن گھربار' لڑکے بچے سب اسی محلے میں تھے۔ مکان' محلات' نوکر چاکر' بڑا کارخانہ تھا اور یہ گھر شہر کے اونچے گھروں میں گنا جاتا تھا۔ اونچی جگہ رشتے ناتے' اونچے لوگوں سے راہ ورسم۔ حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی فتح اللہ خاں بہت مدت تک والئی اندور کی سرکار میں مختارکل رہے اور جب اس سرکار میں منشی عمو جان کو بڑا دخل ہوا' مصلحت وقت سمجھ کر کنارہ کش ہو گئے لیکن لاکھوں روپیہ گھر میں تھا۔ نوکری کی کچھ پروا نہ تھی۔ ہزاروں روپے کی املاک شہر میں خرید کر لی تھی۔ سینکڑوں روپیہ ماہواری کرائے کا چلا آتا تھا۔ بڑی شان سے رہتے تھے۔ ڈیوڑھی پر سپاہیوں کا گارد' اندر باہر تیس چالیس آدمی نوکر' گھوڑا ہاتھی' پالکی' بگھی سواری کو موجود۔

فتح اللہ خان کی دو بیٹیاں تھیں' جمال آرا اور حسن آرا۔ جمال آرا نواب اسفند یار خاں کے بیٹے سے بیاہی گئی تھیں لیکن ایسی ناموافقت ہوئی کہ آخر کار قطع تعلق ہو گیا۔ کچھ خدانخواستہ طلاق نہیں ہوئی تھی لیکن کسی طرح کا واسطہ باقی نہیں رہا تھا۔ جہیز کا اسباب تک پھر آیا تھا۔ حسن آرا کی نسبت نواب جھجر کے خاندان میں ہوئی۔ ان لڑکیوں کی خالہ شاہ زمانی بیگم اسی محلے میں رہتی تھیں جس میں اصغری کا میکہ تھا۔ اس محلے میں تو اصغری کی لیاقت کا شور تھا۔ شاہ زمانی بیگم بھی اصغری کے حال سے خوب واقف تھیں۔ شادی بیاہ میں کئی مرتبہ ان کو دیکھا تھا۔ شاہ زمانی بیگم اپنی چھوٹی بہن حسن آرا کی ماں سے ملنے کے آئیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر رنج سے خالی نہیں اور یہ امر کچھ من جانب اللہ ہے اگر ہر طرف سے خوشی ہی خوشی ہو تو انسان خدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے

Marfat.com

اور نہ اپنے تئیں بندہ سمجھے۔ شاہ زمانی کی چھوٹی بہن سلطانہ کو دنیا کے سب عیش میسر تھے لیکن لڑکیوں کی طرف سے رنجیدہ خاطر رہا کرتی تھیں۔ ادھر جمال آرا بیاہ برات ہو ہوا کر اجڑی ہوئی گھر بیٹھی تھیں۔ ادھر حسن آرا کے مزاج کی افتاد ایسی بری پڑی تھی کہ اپنے گھر ہی میں سب سے بگاڑ تھا۔ نہ ماں کا لحاظ' نہ آپا کا ادب' نہ باپ کا ڈر۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں' لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی تھی۔ شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چپ ہو کر بیٹھ جاتی' کیا ذکر! شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے دیر نہ ہوئی تھی کہ لگاتار دو تین فریادیں آئیں کہ بیگم صاحب دیکھئے چھوٹی صاحب زادی نے میری نئی اوڑھنی لیر لیر کر ڈالی۔ اب مجھے کون بنا کر دے گا؟ سوس نے فریاد مچائی کہ بیگم صاحب چھوٹی صاحبزادی نے میرے گلے میں چکتا بھر لیا۔ گلاب بلبلا اٹھی کہ ہائے! میرا کان خونا خون ہو گیا۔ دائی چلائی کہ دیکھئے' میری لڑکی کم بخت کے اس زور سے لکڑی ماری کی بازو میں بدھی پڑ گئی۔ باورچی خانے سے ماما نے دہائی دی' اچھی' خدا کے لیے کوئی ان کو سمجھاتا۔ سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھر بھر کر راکھ جھونک رہی ہیں۔

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی ''حسنا! یہاں آؤ۔''

خالہ کی آواز پہچان' بارے حسن آرا چلی تو آئی لیکن نہ سلام نہ دعا۔ ہاتھوں میں راکھ' پاؤں میں کیچڑ۔ اسی حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی۔ خالہ نے کہا ''حسنا! تم بہت شوخی کرنے لگی ہو۔''

حسن آرا نے کہا ''اس سنبل چڑیل نے فریاد کی ہوگی۔'' یہ کہہ کر خالہ کی گود سے نکل' لپک کر سنبل کا سر کھسوٹ لیا۔ بہتیرا خالہ ایں ایں کرتی رہیں' ایک نہ سنی۔

شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہو کر بولیں ''بوا سلطانہ! اس لڑکی کے لیے تو خدا کے واسطے کوئی استانی رکھو۔''

سلطانی بیگم: باجی اماں کیا کروں؟ مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں کہیں نہیں ملتی۔

شاہ زمانی بیگم: اوئی بوا! تمہاری بھی کہاوت وہی ہے۔ ڈھنڈورا شہر میں' بچہ بغل

Marfat.com

میں۔ خود تمہارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہو لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے۔

سلطانہ: مجھ کو آج تک اطلاع نہیں۔ دیکھو میں آدمی بھیجتی ہوں۔

یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا کہ مانی جی کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں۔ باجی اماں کہتی ہیں ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہیں۔ دیکھو اگر استانی گیری کی نوکری کریں تو ان کو بلا لاؤ۔ کھانا کپڑا اور دس روپیہ مہینہ پان زردے کا خرچ ہم دینے کو حاضر ہیں اور جب لڑکی پہلا سیپارہ ختم کرے گی اور ادب قاعدہ سیکھ جائے گی تو تنخواہ کے علاوہ استانی جی کو ہم یوں بھی خوش کر دیں گے۔

مانی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں۔ محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی۔

پوچھا ''اچھی بی مولوی صاحب کی بیوی تم ہی ہو؟''

دیانت النساء: ہاں یہی ہیں۔ آؤ بیٹھو کہاں سے آئیں؟

مانی جی: تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟

محمد کامل کی ماں: کوٹھے پر ہیں۔

مانی جی: میں ان کے پاس اوپر جاؤں گی۔

دیانت النساء: آپ اپنا پتہ نشان بتایئے۔ بہو صاحب یہیں آ جائیں گی۔

مانی جی: میں حکیم صاحب کے گھر سے آئی ہوں۔

محمد کامل کی ماں نے نام بنام سب چھوٹے بڑوں کی خیر و عافیت پوچھی اور مانی سے کہا ''تمیز دار بہو سے کیا کام ہے؟''

مانی جی: وہی آئیں تو کہوں۔

تمیز دار بہو کے نیچے اترنے کا وقت آ گیا تھا کیونکہ عصر کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آتی تھی اور مغرب اور عشا دونوں نمازیں پڑھا کرتی تھی۔ اصغری کو مانی جی نے دیکھا تو استانی گیری کی نوکری کے واسطے کہتے ہوئے تامل کیا۔ باتوں میں ہی باتوں میں اتنا کہا کہ بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی لڑکی کا تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ

Marfat.com

کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا۔

اصغری: دونوں بیگم صاحبوں کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا جو کچھ برا بھلا مجھ کو آتا ہے' مجھ کو کسی طرح کا عذر نہیں۔ اسی واسطے انسان پڑھتا لکھتا ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے اور بڑی بیگم صاحب کو معلوم ہوگا کہ میں اپنے محلے میں کتنی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی اور میرا جی بہت چاہتا ہے کہ بیگم صاحب کی لڑکی کو پڑھاؤں لیکن کیا کروں نہ تو بیگم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجیں گی اور نہ ان کے گھر میرا جانا ہوسکتا ہے۔

مانی جی نے تنخواہ کا تو نام نہ لیا لیکن دبی زبان سے اتنا کہا کہ بیگم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمہ داری کرنے کو موجود ہیں۔

اصغری: یہ سب ان کی مہربانی ہے۔ ان کی ریاست کو یہی بات زیبا ہے لیکن ان کے زیر سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا ننگا بھوکا نہیں رکھتا۔ بن داموں کے لونڈی بن کر خدمت کرنے کو تو میں حاضر ہوں اور اگر تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی۔

اس کے بعد مانی جی نے اصغری کا چال پوچھا اور جب سنا کہ تحصیل دار کی بیٹی ہے اور مولوی صاحب بھی پچاس روپے ماہواری کے نوکر ہیں تو مانی کو ندامت ہوئی کہ نوکری کا اشارہ ناحق کیا۔ اصغری کی گفتگو سن کر مانی لٹو ہوگئی۔ ہر چند کہ نوابی کارخانے دیکھے ہوئے تھے مگر اصغری کی شستہ تقریر سن کر دنگ ہوگئی اور معذرت کی کہ بی مجھ کو معاف کرنا۔

اصغری: کیوں تم مجھ کو کانٹوں میں گھسیٹتی ہو؟ اول تو نوکری اور نوکری بھی حکیم صاحب کے گھر کی' کچھ عیب نہیں' گناہ نہیں اور پھر ناواقفیت کے سبب اگر تم نے پوچھا تو کیا مضائقہ؟

غرض مانی جی رخصت ہوئی اور وہاں جا کر کہا "بیگم صاحب! استانی تو واقعی میں لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے جس کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے۔ پاس بیٹھنے سے انسانیت سیکھے۔ سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے۔ ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے لیکن نوکری کرنے والی نہیں۔ تحصیل دار کی بیٹی ہے۔ رئیس لاہور کے مختار کی بہو۔ گھر میں ماما نوکر ہے۔ دالان میں چاندنی بچھی ہے۔ سوزنی گاؤ تکیہ لگا ہے اچھی خوش گزران زندگی

Marfat.com

بھلا ان کو نوکری کی کیا پروا ہے۔

شاہ زمانی بولیں ''سچ ہے بوا سلطانہ' تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا لیکن مجھ کو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کریں گی۔''

مانی جی: لیکن وہ تو ایسی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں۔

سلطانہ نے پوچھا ''کیا یہاں آ کر؟''

مانی جی: بھلا بیگم صاحب جو نوکری کی پروا نہیں کرتا' وہ یہاں کیوں آنے لگا۔

سلطانہ: کیا پھر لڑکی وہاں جایا کرے گی؟

شاہ زمانی: اس میں قباحت کی کیا بات ہے؟ دو قدم پر تو گھر ہے اور مولوی صاحب کو تم نے ایسا کیا سمجھا' بھائی علی نقی خان کی سگی پھوپی زاد بہن کے بیٹے ہیں۔

سلطانہ: آہا! تو ایک حساب سے ہماری برادری ہے۔

شاہ زمانی: خدا نہ کرے' کچھ ایسے ویسے ہیں۔ پہلے ان کا کام خوب بنا ہوا تھا۔ جب سے رئیس بگڑا بے چارے غریب ہو گئے۔ پھر بھی ماما ہمیشہ رہی۔ ڈیوڑھی پر بھی ایک دو آدمی رہتے ہیں۔

سلطانہ: خیر حسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں۔ باوجودیکہ اصغری کے یہاں غریبی سامان تھا لیکن اس کے انتظام اور سلیقے کے سبب بیگموں کی وہ مدارات ہوئی کہ ہر طرح کی چیز وہیں بیٹھے بیٹھے موجود ہو گئی۔ دو چار طرح کا عطر' چوگھڑا' الائچی' چکنی ڈلی' چائے۔ بات کی بات میں سب موجود ہو گیا۔ خوب مزے کی گلوریاں تیار ہو گئیں۔ دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ مہربانی کر کے اس کو دل سے پڑھا دیجئے۔

اصغری: اول تو خود مجھ کو کیا آتا ہے مگر جو چار حرف بزرگوں کی عنایت سے آتے ہیں' ان شاءاللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھر دریغ نہ کروں گی۔

چلتے ہوئے سلطانہ بیگم اصغری کو اشرفی دینے لگیں۔

اصغری: اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں پڑھوائی آپ سے

Marfat.com

لوں۔

سلطانہ: استغفراللہ! پڑھوائی دینے کا ہمارا کیا منہ ہے۔ بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔

اصغری: ہاں شروع میں تبرک کے طور پر مٹھائی بانٹ دیا کرتے ہیں۔ سو اشرفی کیا ہوگی بچوں کا منہ میٹھا کرنے کو سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔

یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کوٹھڑی میں سے ایک قاب بھر کر نکتیاں نکال لائی۔ اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حسن آرا کو دی اور بھری قاب دیانت کو اٹھا دی کہ سب بچوں کو بانٹ دو۔

سلطانہ نے کہا ''اچھا تم نے مجھ کو شرمندہ کیا۔''

اصغری: ہم بے چارے غریب کس لائق ہیں لیکن یہاں جو کچھ ہے وہ بھی آپ ہی کا ہے۔ البتہ میرا دینا یہی ہے کہ حسن آرا بیگم کو پڑھا دوں۔ سو خدا وہ دن لائے کہ میں آپ سے سرخرو ہوں۔

غرض دنیا سازی کی باتیں ہوا کر شاہ زمانی بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں۔

Marfat.com

باب پچیسواں

# اصغری کا انتظام مکتبی

اصغری نے جس طرز پر حسن آراء کو تعلیم کیا' اس کی ایک کتاب جدا بنائی جائے گی۔ اگر یہاں وہ سب لکھا جاتا تو یہ کتاب بہت بڑھ جاتی۔ اس مقام پر اتنا ہی مطلب ہے کہ حسن آرا کے بیٹھتے ہی محلے کا محلہ ٹوٹ پڑا۔ جس کو دیکھو اپنی لڑکی کو لیے چلا آتا ہے لیکن اصغری نے شریف زادیوں کو چن لیا اور باقیوں کو حکمت عملی سے ٹال دیا کہ میں آئے دن اپنی ماں کے گھر جاتی رہتی ہوں' پڑھنا پڑھانا جب تک جم کر نہ ہو' بے فائدہ ہے۔ پھر بھی بیس لڑکیاں بیٹھی تھیں لیکن اصغری کو کسی لڑکی سے لینے لوانے کی قسم تھی۔ بلکہ ایک دو روپیہ اس کا اپنا لڑکیوں پر خرچ ہو جاتا تھا۔ صبح سے دوپہر تک پڑھنا ہوتا اور پھر کھانے کے واسطے چار گھڑی کی چھٹی۔ اس کے بعد لکھنا اور پہر دن رہے سے سینا۔ سینے کا کام گنجائش تھا۔ اس واسطے کہ نہ صرف سینا سکھایا جاتا تھا بلکہ ہر طرح کی جالی کاڑھنا' ہر ایک طرح کی سلائی' ہر ایک طرح کی قطع' مصالحہ بنانا اور ٹانکنا۔ اول اول تو اس کا سامان جمع کرنے میں اصغری کے دس روپے خرچ ہوئے لیکن پھر تو اسی کام سے بچت ہونے لگی۔ جو کام لڑکیاں کرتیں' دیانت اس کو چپکے سے بازار میں لگا آتی۔

اس طور پر رفتہ رفتہ مکتب کی ایک بڑی رقم جمع ہو گئی۔ جو لڑکی غریب آتی' اسی رقم سے اس کے کپڑے بنائے جاتے۔ کتاب مول لی دی جاتی۔ لڑکیوں کو پانی پلانے اور پنکھا جھلنے کے واسطے خاص ایک عورت نوکر تھی اور مکتب کی رقم سے اس کو تنخواہ ملتی تھی۔ لڑکیوں کا یہ حال تھا کہ اور استانیوں کے پاس جاتے ہوئے ان کا دم فنا ہوتا تھا لیکن اصغری کی شاگردیں اس پر عاشق تھیں۔ ابھی سو کر نہیں اٹھی کہ لڑکیاں خود بخود آنی شروع ہوئیں۔ پہر رات گئے تک جمع رہتی تھیں اور مشکل سے جاتی تھیں۔ اس واسطے کہ اصغری

Marfat.com

سب کے ساتھ دل سے محبت کرتی تھی اور پڑھانے کا طریقہ ایسا اچھا تھا کہ باتوں باتوں میں تعلیم ہوتی تھی۔ نہ یہ کہ صبح سے ریں ریں کا چرخہ جو چلا تو دن چھپے تک بند نہیں ہوتا۔ جس طرح اصغری کو اس کے باپ نے پڑھایا تھا۔ اسی طرح اصغری اپنی شاگردوں کو پڑھاتی تھی۔ پس یہ لڑکیاں شاگرد کی شاگرد اور سہیلی کی سہیلی تھیں۔ جب کسی لڑکی کا بیاہ ہوا' مکتب کی رقم سے اس کو تھوڑا بہت زیور چڑھایا جاتا تھا۔

اگر اصغری اپنے مکتب کو بڑھانا چاہتی تو تمام شہر کے مکتب اجڑ جاتے۔ سینکڑوں عورتیں اپنی لڑکیوں کے واسطے خوشامد کرتی تھیں اور خود لڑکیاں دوڑ دوڑ کر آتی تھیں۔ اس واسطے کہ وہ مکتبوں کی دن بھر کی قید' استانیوں کی سختی' پڑھنا کم' مار کھانا' کام کرنا بہت۔ دن بھر پڑھے تو صرف دو حرف۔ صبح و شام تو معمولی مار اور جہاں چپ کی اور استانی جی کی نظر پڑ گئی' آفت آئی اور کام پوچھو تو صبح آتے کے ساتھ گھر میں جھاڑو دی۔ استانی جی اور استاد جی اور دس بارہ خلیفہ جی بلکہ پڑوسیوں تک کے بچھونے تہہ کیے اور چار چار پانچ پانچ نے مل کر کم بخت بھاری بوجھل چارپائیاں اٹھائیں۔ اب پھر دو چار کی شامت آئی تو سی پارہ لے کر بیٹھیں۔ منہ سے آواز نکلی اور استانی جی نے بینٹی پھینکنی شروع کی اور دو چار جو کسی اچھے کا منہ دیکھ کر اٹھی تھیں' کام دھندے میں لگ گئیں۔ کسی نے استانی جی کے لڑکے کو گود میں لیا۔ بوجھ کے مارے کولہا ٹوٹ جاتا ہے لیکن مار کے ڈر سے گردن پر بلا سوار ہے اور وقت ٹالتی پھرتی ہیں۔ پٹی ہوئی لڑکیوں کی آواز برابر کان میں چلی آ رہی ہے۔ اس عذاب سے یہ مصیبت غنیمت معلوم ہوتی ہے۔ کسی نے رات کے جھوٹے برتن مانجھنے شروع کر دیے ہیں۔ گٹے پڑ گئے ہیں اور کندھے رہ رہ جاتے ہیں لیکن چھوٹی بہن پٹ رہی ہے اور چلا رہی ہے ''اچھی استانی جی' مر گئی۔ اچھی' میں تم پر واری گئی۔ اچھی خدا کے لیے اچھی رسول کے لیے' اچھی میں خلیفہ جی کی لونڈی ہو گئی۔ ہائے رے! ہائے رے! اوئی اماں'' ان کاموں سے فراغت پائی تو مصالحہ پیسنے' آٹا گوندھنے' آگ سلگانے' گوشت بگھارنے کا وقت آیا۔ پھر دوپہر کو استانی جی کی نظر پڑ گئی آفت آئی اور کام پوچھو تو صبح تم سبق یاد نہیں کرتیں۔ تمہارے سبب ہمارے

Marfat.com

مکتب کا نام بدنام ہوتا ہے۔ میں تمہاری اماں جان کو بلا کر کہہ دوں گی کہ بی تمہاری لڑکی یہاں نہیں پڑھتی۔ اس کو تم کسی دوسری استانی کے پاس بٹھا دو' اتنا کہا کہ لڑکی کا دم فنا ہوا۔ پھر سبق ہے کہ نوک زبان پر یاد ہے یا جس نے سبق یاد نہیں کیا اس سے کہا گیا کہ لڑکیاں دوپہر کو سوئیں گی اور تم پڑھنا یہ کہنا تھا کہ اس نے جلدی جلدی سبق حفظ کیا۔

مکتب میں محمودہ اور حسن آرا دو خلیفہ تھیں۔ نہ یہاں جھاڑو دینی ہے' نہ بچھونے اٹھانے ہیں' نہ چارپائیاں ڈھونی ہیں' نہ برتن مانجھنے ہیں' نہ خلیفاؤں کو لا دے لا دے پھرنا ہے بلکہ خود لڑکیوں پر ایک عورت نوکر تھی۔ محبت اور آرام' پڑھنا' لکھنا' سینا' تین کام۔ خوب شوق سے لڑکیاں تعلیم پاتی تھیں۔ اس مقام پر مکتب کی ایک حکایت لکھی جاتی ہے جس سے اصغری کا طرز تعلیم مختصر طور پر معلوم ہو جائے گا۔

Marfat.com

جالی
گڑ
فضیا
رہی
بیٹھی
نے
آتی
گ

Marfat.com

اگر تمہاری مرضی کے موافق تمہاری لڑکی کی تعلیم نہیں ہوتی تو تم کو اختیار ہے کہ اپنی لڑکی کو اٹھا لے جاؤ۔ مگر مکتب پر ناحق کا الزام مت لگاؤ۔ بھلا میں تم سے پوچھتی ہوں' فضیلت نے مائی جی کے مکتب میں کتنے دنوں پڑھا؟

سفیہن نے کہا'' میراں جی کے چڑھے چانداس کو بٹھایا تھا۔ مدار بھر پڑھا۔ خواجہ معین الدین بھر پڑھتی رہی۔ ماہ رجب سے تمہارے ہاں ہے۔''

اصغری نے پوچھا'' مائی جی کے ہاں فضیلت نے کیا پڑھا؟''

سفیہن نے کہا'' تین مہینے میں والمحصنات کا سی پارہ اور آدھا لا یحب اللہ''

اصغری نے کہا'' تین مہینے میں ڈیڑھ سی پارہ تو مہینے میں آدھا سی پارہ ہوا۔ یہاں تمہاری فضیلت ماہ رجب سے ہے اور اب خالی کا چاند چڑھا ہے۔ چار مہینے ہوئے وما ابری نفسی کا سی پارہ کل ختم ہوا' یعنی ساڑھے سات سی پارے پڑھے۔ اس حساب سے مہینے پیچھے ایک سی پارے کے قریب ہوتا ہے۔ مائی جی کے مکتب سے دونا اور جب فضیلت یہاں آئی تو کالی لکیر تو اس کو کھینچنی نہیں آتی تھی' نام لکھ لیتی ہے اور بساط کے موافق حروف بھی برے نہیں ہوتے۔ بیس تک پوری گنتی نہیں جانتی تھی اور اب پندرہ کا پہاڑا یاد کرتی ہے۔ سینے میں قینچی تک سیدھی بھرنی نہیں آتی تھی۔ اب اس کے ہاتھ کا بخیہ' دیکھو!! یہ عقیلہ ذرا بقچہ۔ فضیلت نے جو کرتی میں بخیہ کیا ہے ذرا ان کو دکھانا اور فضیلت کے ہاتھ کا کیکری' مرمرا' بوٹیاں' لہریا' چھڑیاں' خانہ توڑ' دیکھت بھولی' خاکہ' تار شمار' چنبیلی کا جال' ترپن' بیل' برا بھلا جیسا کچھ ہو تو وہ بھی اٹھاتی لاؤ۔''

فضیلت بولی'' استانی جی میں جا کر لے آؤں۔'' یہ کہہ کر دوڑی دوڑی جا اپنا کشیدہ اٹھا لائی۔ سفیہن ایک بات کے دس دس جواب سن کر ہکا بکا رہ گئی۔

اصغری نے کہا'' بوا بولو! کچھ انصاف بھی ہے؟ چار مہینے میں تمہاری لڑکی اور کیا سیکھ لیتی۔''

سفیہن تو ایسی شرمندہ ہوئی کہ گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اب استانی جی سے آنکھ سامنے نہیں کر سکتی تھی۔ سفیہن کم بخت کے آنے سے محمودہ کی مزے کی کہانی تو رہ گئی' سب

Marfat.com

کلیہا کی بدولت۔ بوا محمودہ! تم اپنے زردے کا حساب تو سناؤ۔''

محمودہ جا حساب کی کتاب اٹھا لائی اور کہا ''استانی جی چھ سیر کے چاول' سیر بھر پونے تین آنے کے اور ایک پیسے کی ڈنڈیاں اور لونگیں۔ دو سیر کا گھی ہے۔ یوں پاؤ منگوایا پاؤ بگھارتے وقت ڈالا اور چھٹانک بھر کشمش کڑکڑا کر دم دیتے وقت۔ ڈیڑھ آنے کا گھی ہوا اور چوسیری کھانڈ سیر بھر چار آنے کی' ایک پیسے کی کشمش۔ کل پونے گیارہ آنے کے پیسے خرچ ہوئے۔ دس لڑکیوں کا ساجھا تھا۔ پونے دو آنے تو میرے تھے اور فضیلت ایک' عقیلہ دو' حسن آرا تین' امتہ اللہ چار' عالیہ پانچ' سلمیٰ چھ' ام البنین سات' شکیلہ' جمیلہ' دونوں بہنیں نو۔ سب کا ایک ایک آنہ۔''

اصغری: محمودہ تم نے دھوکا کھایا۔

محمود نے سوچا تو کہا ''ہاں استانی جی' چاولوں میں کوڑیاں بچیں' وہ نامراد بنیے نے ہضم کیں۔ اے ہے! ڈنڈیاں اور لونگیں ان ہی کوڑیوں میں آ جاتیں تو ایک پیسہ بچتا۔ دیانت جاتو' بنئے سے کوڑیاں مانگ کر لا۔''

اصغری: ایں ایں کیا کرتی ہو؟ کوڑیوں کا معاملہ' پرسوں کی بات۔ اب کچھ مت کہو۔ تمہاری غلطی کی سزا ہے کہ اتنا نقصان سہو۔ اصغری حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر بولی ''زردے کی ترکیب اور لاگت تو معلوم ہوئی۔ بھلا دیگچہ بھرا سیر بھر زردہ تم نے کیا کیا؟''

حسن آرا: منجھولی دور کا بیاں چوٹی دار بھر کر تو اللہ کے نام کی مسجد میں بھیج دیں۔ باقی میں تیرہ طشتریاں بھری گئیں۔ مکتب میں ہم سب پچیس لڑکیاں ہیں۔ دو دو میں ایک طشتری آئی' تیرھویں طشتری میں' میں اکیلی تھی۔

اصغری: کیا تم نے دوہرا حصہ لیا؟

حسن آرا: نہیں تو۔ میری طشتری آدمی ہی تھی۔ سب سے پوچھ لیجیے۔

اصغری: تم برادری سے الگ کیوں رہیں؟

حسن آرا تو چپ ہوئی' امتہ اللہ نے کہا ''استانی جی ان کو سب کے ساتھ کھاتے گھن آتی ہے۔''

Marfat.com

حسن آرا: نہیں استانی جی تمھن کی بات نہیں۔ میں دسترخوان پر سب لڑکیوں سے پیچھے آئی۔ اس لیے اکیلی رہ گئی۔ آپ محمودہ بیگم سے دریافت کر لیجیے۔

امتہ اللہ: کیوں، تم ابھی تھوڑی دیر ہوئی میرا جھوٹا پانی پینے پر لڑ نہیں چکیں؟

حسن آرا: میں لڑی تھی یا صرف اتنی بات کہی تھی کہ جتنی پیاس ہوا کرے اسی قدر پانی لیا کرو۔ گلاس میں جھوٹا پانی چھوڑ دینا عیب کی بات ہے۔

پھر اصغری نے محمودہ سے پوچھا ''وہ رسالہ خوانِ نعمت جو میں نے تم کو دیا تھا، اس سے تم سب کھانے پکا کر دیکھ چکیں یا ابھی نہیں؟''

محمودہ نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا ''میں اپنی دانست میں سب پکوا چکی ہوں بلکہ کئی کئی بار نوبت آ چکی ہے۔ جتنی بڑی لڑکیاں ہیں، معمولی روزمرہ کے کھانوں کی ترکیب سب کو معلوم ہے۔ اس کے علاوہ بھی ہر قسم کے کباب، سیخ کے، پسندوں کے، شامی گولیوں کے، کوفتے، معمولی پلاؤ، قورمہ پلاؤ، کچی بریانی، نورمحلی زردہ، تنجن، سموسے میٹھے سلونے، قلمی بڑے، دہی بڑے، سہال، سیو، گھی کی تلی دال، کچوریاں، پاپڑ، بورانی، فیرنی، حلوا، سوہن، پپڑی کا، نرم اندرسے کی گولیاں، سب چیزیں بار بار پک چکی ہیں اور سب لڑکیوں نے پکتے دیکھیں بلکہ اپنے ہاتھوں پکائی ہیں اور یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے مکتب میں ہنڈکلھیا کا تو نام ہے، جو چیز پکتی ہے خاصے ایک کنبے کے لائق پکتی ہے اور حسن آرا کو تو چٹنیوں اور مربوں سے بہت شوق ہے۔ یہ چیزیں ان کے سوائے اور لڑکیاں ذرا کم جانتی ہیں۔''

اس کے بعد اصغری نے سفیہن سے کہا ''بوا، اب تم کو یہاں کی ہنڈکلھیا کا فائدہ تو معلوم ہو گیا ہوگا۔ رات زیادہ ہو گئی۔ بعض لڑکیوں کے گھر دور ہیں۔ اگر کل آؤ تو گڑیوں کی سیر تم کو دکھائیں اور شام تک رہو اور کہانیاں بھی سنوائیں۔''

سب لوگ رخصت ہوئے۔ سفیہن چلتے چلتے اصغری کے آگے ہاتھ جوڑ کر کہنے لگی کہ استانی جی للہ میرا قصور معاف کیجیے گا۔

اگلے روز جو سفیہن آئی تو لڑکیوں کے کاڑھے ہوئے کشیدے، لڑکیوں کے بنے

Marfat.com

ہوئے گوٹے' لڑکیوں کے موڑے ہوئے گوکھرو' لڑکیوں کی بنائی ہوئی تو یاں اور چنیا' لڑکیوں کے قطع کیے ہوئے اور سیے ہوئے مردانے اور زنانے کپڑے' اصغری نے سب دکھائے جن کو دیکھنے سے سفیہن کو نہایت اچنبھا ہوا۔ اس کے بعد لڑکیوں کی گڑیوں کے گھر دکھائے۔ ان گھروں میں خانہ داری کا سب لوازمہ' فرش فروش' گاؤ تکیے' اگالدان' چلمچی' آفتابہ' پٹاری' پردہ' چلمن' چھت گیری' پنکھا' مسہری' ہر طرح کے برتن' ہر طرح کا سامان آرائش اپنے اپنے ٹھکانے سے رکھا ہوا تھا اور گڑیاں ایسی سجی ہوئی تھیں کہ عین مین شادی کے گھر میں مہمان جمع ہیں۔ سب گڑیوں کے گھروں کو دیکھ چکی تو اصغری نے سفیہن سے کہا کہ لڑکیاں کھیل کھیل میں گھر کا بندوبست' ہر طرح کی تقریبات' چھٹی' دودھ چھٹائی' کھیر چٹائی' بسم اللہ' روزہ' منگنی' عیدی' سانونی' محرم کی قتلیاں اور گوٹا' تیز تیوہار' ساچق' برسات' بہواڑ' بیاہ' چالے' چوتھی کی رسم سے واقفیت حاصل کرتی ہیں۔ بوا سفیہن' تمہاری لڑکی تو ابھی تھوڑے دنوں سے آتی ہے۔ جو لڑکیاں میرے مکتب میں بہت دنوں سے ہیں جیسے یہ بیٹھی ام النبین یا میری نند محمودہ یا حسن آرا تو توبہ توبہ کر کے کہتی ہوں کہ اگر ان کو بڑے بھرے پرے گھر کا انتظام اس وقت سونپ دیا جائے تو ان شاء اللہ ایسا کریں گی جیسے کوئی مشاق اور تجربہ کار کرتی ہے۔ میں صرف پڑھنے پر تاکید نہیں کرتی' پڑھنے کے علاوہ ان کو دنیا کے کام کا بھی بتاتی ہوں جو چند روز بعد ان کے سر پڑے گا۔

یہ کہہ کر اصغری نے حسن آرا کو بلایا اور کہا کہ بوا تمہاری گڑیا کا گھر تو خوب آراستہ ہے۔ صرف ایک کسر ہے کہ تمہاری گڑیوں کے پاس رنگین جوڑے نظر نہیں آتے۔ کیا تم کو رنگنا نہیں آتا؟

حسن آرا: رنگ تو محمودہ بیگم نے مجھ کو بہت سے سکھا دیے ہیں۔ یوں ہی آلکسی کے مارے نہیں رنگے۔

اصغری: بھلا بتاؤ تو؟

حسن آرا: استانی جی برسات کے رنگ سرخی' نارنجی' گل انار' گل شفتالو' سرو ئی' دھانی' رودا' جاڑے کے گیندئی' جوگیا' عنابی' کاہی' تیلیا' کاکریزی' سیاہ' نیلا' گلابی' زعفرانی'

Marfat.com

کوکئی' کرنجوی اور گری کے پیازی' آبی' چمپئی' کپاسی' بادامی' کافوری' دودھیا' خشخاشی' فالسی' ملاگیری' سیندوریا۔ رنگ تو بہت ہیں مگر میں نے وہی بیان کیے جو اکثر پہنتے ہیں۔

اصغری: رنگوں کے نام تو تم نے بہت سے گنوا دیئے' بھلا یہ تو بتاؤ کہ سب رنگ تم کو رنگنے بھی آتے ہیں؟

حسن آرا: میں نے ان ہی رنگوں کے نام لیے ہیں جو مجھ کو خود رنگنے آتے ہیں۔

اصغری: بھلا بتاؤ تو سروئی کیوں کر رنگتے ہیں؟

حسن آرا: کاہی قند اچھے گہرے رنگ کی آدھ گز منگوائی اور پانی کو خوب جوش کر کے پھٹکری کی ڈلی اوپر' اوپر سے قند کا ٹکڑا ڈال کر ہلا دی۔ پھٹکری کی تاثیر سے قند کا رنگ کٹ جائے گا۔ بس اس میں کپڑا رنگ لیا۔

اصغری: بھلا قند نہ ملے؟

حسن آرا: تو ٹیسو کے پھولوں کو جوش کر کے پھٹکری پیس کر ملا دی۔ سروئی ہو جائے گا لیکن ہلکا کپاسی ہوگا۔ اچھا سروئی بے قند نہیں رنگا جاتا اور اگر قند کی جگہ بانات کا رنگ کا ٹا جائے تو وہ عمدہ رنگ آتا ہے کہ سبحان اللہ! لیکن ان دنوں مجنٹن ایسا چلا ہے کہ سب رنگوں کو مات کیا ہے۔ کپڑے تو کپڑے مٹھائی' کھانے کا گوٹا' مجنٹن میں نہایت خوش رنگ رنگا جاتا ہے۔ بڑی آپا جان نے مجنٹن کے رنگ کا زردہ پکا کر بھیجا تھا۔ زعفران سے بہتر رنگ تھا۔

اصغری خانم نے گھبرا کر پوچھا "حسن آرا کہیں تم نے وہ مجنٹن کے رنگے ہوئے چاول کھائے تو نہیں؟

حسن آرا: میں نے کھائے تو نہیں لیکن استانی جی' کیوں؟ کچھ بری بات ہے؟

اصغری خانم: اے ہے! مجنٹن میں سنکھیا پڑتی ہے۔ خبردار! مجنٹن کی کوئی چیز زبان پر مت رکھنا۔

حسن آرا: میں نے تو مجنٹن کا رنگا ہوا گوٹا محرم میں بہت کھایا۔

اصغری خانم: کیا ہوا' رتی برابر مجنٹن میں تو بہتیرا گوٹا رنگا جاتا ہے۔ اس سبب سے تم کو کچھ نقصان نہ ہوا لیکن یاد رکھو کہ اس میں زہر ہے۔

Marfat.com

حسن آرا: مجنٹن کی رنگی ہوئی مٹھائی لوگ منوں کھاتے ہیں۔

اصغری خانم: بہت برا کرتے ہیں۔ زہر جب اپنی مقدار پر پہنچ جائے گا ضرور اثر کرنے گا۔

شام ہوئی تو لڑکیاں اپنے اپنے کشیدے اور کتابیں رکھ' معمول کے مطابق کھیلنے اور کہانیاں اور پہیلیاں کہنے سننے کو آ بیٹھیں۔ اصغری نے سفیہن سے کہا کہ یہاں چڑے چڑیا کی کہانیاں نہیں ہوتیں۔ کہانیوں کی ایک بہت عمدہ کتاب ہے' منتخب الحکایات' جس میں بڑی اچھی اچھی کہانیاں ہیں اور ہر ایک کہانی ایک سے ایک بڑھ کر ہے۔ اب یہ لڑکیاں اسی کتاب کی کہانیوں سے جی بہلائیں گی۔ کہانیاں کہنے سے ان کی تقریر صاف ہوتی ہے۔ ادائے مطلب کی استعداد بڑھتی جاتی ہے اور جب کبھی مجھ کو فرصت ہوتی ہے تو میں کہانیوں کے بیچ بیچ میں ان سے الجھتی جاتی ہوں اور جیسی ان کی سمجھ ہے' یہ میری بات کا جواب دیتی ہیں۔ اگر نادرست ہوتا ہے' میں بتا دیتی ہوں۔ پہیلیوں کے بوجھنے سے ان کی عقل کو ترقی اور ان کے ذہنوں کو تیزی ہوتی ہے لیکن تم ان میں بیٹھ کر سیر دیکھو۔ مجھ کو آج عالیہ کی ماں نے بلا بھیجا ہے۔ ان کے بچے کا جی اچھا نہیں۔ بہت بہت منتیں کہلا بھیجی ہیں۔ نہ جاؤں گی تو برا مانیں گی اور میرا جی نہیں مانتا۔

سفیہن: ہاں میں نے بھی سنا ہے کہ ان کے لڑکے نے کئی دن سے دودھ نہیں پیا۔ بے چاری بہت ہراساں ہو رہی ہیں۔ اے ہے! خدا کرے نگوڑا جیتا رہے۔ بڑی اللہ آمین کا بچہ ہے۔ دس برس پھڑک پھڑک کر خدا نے یہ صورت دکھائی ہے۔ عالیہ کے اوپر یہی تو ایک بچہ پیدا ہوا ہے۔ استانی جی تم کو علاج کے واسطے بلایا ہوگا۔

اصغری: علاج ولاج تو مجھ کو کچھ بھی نہیں آتا۔ ایک مرتبہ پہلے اسی لڑکے کو پیاس ہوگئی تھی۔ میں نے زہر مہرہ' بنسلوچن' گلاب کا زیرا' چھوٹی الائچی' زیرے کی گری' کباب چینی' خرفہ' اسی طرح کی دو چار دوائیں بتا دی تھیں۔ خدا کا کرنا' لڑکا اچھا ہوگیا۔

سفیہن: استانی جی تم تو ماشاءاللہ اچھی خاصی حکیم بھی ہو۔

اصغری: اجی اللہ اللہ کرو۔ حکیموں کا درجہ تو بہت بڑا ہے۔ میں بے چاری کیا حکیمی کروں گی۔ پر بات یہ ہے کہ ہمارے میکے میں دوا درمن کا بہت خیال ہے۔ جب میں چھوٹی تھی'

Marfat.com

جو دوا آتی' میں ہی اس کو چھانتی بناتی اور خیال رکھتی۔ اسی طرح پرسنی سنائی دو چار دوائیں یاد ہیں۔ جس کو ضرورت ہوئی بتا دی اور بچوں کا علاج تو عورتیں ہی کرلیا کرتی ہیں۔ جب مشکل پیش آ پڑتی ہے تو حکیم کے پاس لے جاتے ہیں۔

سفیہن: استانی جی تم نے مہربانی کر کے مجھ کو اپنے مکتب کا سب انتظام تو دکھایا۔ للہ ذرا دم کے دم ٹھہر جاؤ تو میں دیکھ لوں کہ لڑکیاں کیوں کر کہانیاں کہتی ہیں اور کہانیوں میں کیون کر تم تعلیم کرتی ہو۔

اصغری: بوا' مجھ کو تو دیر ہوتی ہے پر خیر' تمہاری خاطر ہے۔ اچھا لڑکیو! آج کس کی باری ہے؟

محمودہ: باری تو امتہ اللہ کی ہے لیکن فضیلت سے کہلایئے۔

اصغری: اچھا فضیلت جس کتاب میں سے تمہارا جی چاہے' جلدی سے کوئی بہت چھوٹی سی کہانی پڑھو۔

فضیلت نے کہانی شروع کی کہ ایک تھا بادشاہ .....

اصغری. بادشاہ کس کو کہتے ہیں؟

فضیلت: جیسے دہلی میں بہادر شاہ تھے۔

اصغری: یہ تو تم نے ایسی بات کہی کہ جو دہلی اور بہادر شاہ کو جانتا ہو وہی سمجھے۔

فضیلت: بادشاہ کہتے ہیں حاکم کو۔

اصغری: تو کوتوال تھانے دار بھی بادشاہ ہیں؟

فضیلت: نہیں۔ کوتوال تھانے دار تو بادشاہ نہیں ہیں۔ یہ تو بادشاہ کے نوکر ہیں۔

اصغری: کیوں؟ کیا کوتوال حاکم نہیں ہے؟

فضیلت: حاکم تو ہے لیکن بادشاہ سب سے بڑا حاکم ہوتا ہے اور سب پر حکم چلاتا ہے۔

اصغری: ہمارا بادشاہ کون ہے؟

فضیلت: جب سے بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے' تب سے تو کوئی بادشاہ نہیں۔ یہ سن کر سب لڑکیاں ہنس پڑیں۔

اصغری: فضیلت! تم بڑی نادان ہو۔ تم نے خود کہا کہ جو سب سے بڑا حاکم ہو اور سب

Marfat.com

پر حکم چلائے وہ بادشاہ ہوتا ہے اور یہ بھی جانتی ہو کہ بہادر شاہ کو انگریز پکڑ کر کالے پانی لے گئے تو انگریز بادشاہ ہوئے یا نہ ہوئے؟

فضیلت: ہائے! ہوئے تو سہی۔

اصغری: اچھا اب بتاؤ ہمارا بادشاہ کون ہے؟

فضیلت: انگریز۔

اصغری: کیا انگریز کسی خاص شخص کا نام ہے؟

فضیلت: نہیں سینکڑوں ہزاروں انگریز ہیں۔

اصغری: کیا سب انگریز بادشاہ ہیں؟

فضیلت: اور کیا۔

یہ سن کر پھر لڑکیاں ہنس پڑیں۔

اصغری نے حسن آرا کی طرف اشارہ کیا کہ تم جواب دو۔

حسن آرا: استانی جی ہمارا بادشاہ ملکہ وکٹوریہ ہے۔

اصغری: مرد یا عورت؟

حسن آرا: عورت ہے۔

اصغری: کہاں رہتی ہیں؟

حسن آرا: لندن میں۔

اصغری: لندن کہاں ہے؟

حسن آرا: انگریزوں کی ولایت میں ایک بہت بڑا شہر ہے۔

اصغری: کتنی دور ہوگا؟

حسن آرا: میں نے ایک کتاب میں چار ہزار کوس لکھا دیکھا ہے؟

اصغری: کوس کتنا لمبا ہوتا ہے؟

حسن آرا: استانی جی! سلطان نظام کو تین کوس کہتے ہیں۔

یہ سن کر محمودہ ہنسی اور کہا کہ ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے۔

Marfat.com

اصغری نے محمودہ سے پوچھا کہ اس مرتبہ جو میں قطب صاحب گئی تھی اور تم بھی میرے ساتھ تھیں، تم نے دیکھا ہوگا کہ یہاں سے جاتیوں کو بائیں ہاتھ، فاصلے سے سڑک پر پتھر گڑے تھے اور ان پتھروں پر کچھ لکھا ہوا بھی تھا۔ بھلا وہ پتھر کیسے تھے؟

محمودہ: میں انکل سے یہی سمجھی کہ کوسوں کے پتھر ہیں لیکن گاڑی ایسی تیز تھی کہ پتھروں پر نگاہ نہیں جمتی تھی۔ میں خوب نہیں پڑھ سکی کہ ان پر کیا لکھا تھا۔

اصغری: وہ کوسوں کے پتھر نہیں تھے، میلوں کے پتھر تھے۔ آدھے کوس کا میل ہوتا ہے۔ ہر میل پر پتھر گڑا ہے۔ اس میں یہی لکھا ہوتا ہے کہ یہاں سے دہلی اس قدر میل ہے اور قطب صاحب اتنے میل۔ اس کے بعد اصغری پھر حسن آرا کی طرف مخاطب ہوئی اور پوچھا ''ہاں بوا، لندن کس طرف ہے؟''

حسن آرا: اتر میں ہے۔

اصغری: وہ ملک گرم ہے یا سرد؟

حسن آرا: یہ تو میں نہیں جانتی۔

محمودہ: بڑا سرد ہے۔ جتنا اتر کو جاؤ گرمی کم ہوتی جاتی ہے اور جتنا دکھن کو چلو گرمی زیادہ ہوتی جاتی ہے۔

سفیہن: اچھی استانی جی، عورت بادشاہ ہے؟

اصغری: اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟

سفیہن: تعجب کی بات کیوں نہیں؟ عورت ذات کیا کرتی ہوگی؟

اصغری: جو مرد بادشاہ کرتے ہیں، وہ عورت کرتی ہے۔ ملک کا بندوبست، رعیت کا پالنا۔

سفیہن: عورت تو کیا خاک کرتی ہوگی، کرتے تو سب کچھ انگریز ہوں گے۔ برائے نام کی عورت کو بادشاہ بنا رکھا ہوگا۔

اصغری: یہ سب انگریز ملکہ کے نوکر ہیں۔ ہر ایک کا کام الگ ہے ہر ایک کا اختیار جدا ہے۔ اپنے اپنے کام پر سب مستعد رہتے ہیں اور جب مرد بادشاہ ہوتے ہیں تب بھی اکیلے بادشاہ ساری دنیا کو اٹھا کر اپنے سر پر نہیں رکھ لیا کرتے۔ نوکر چاکر ہی سب کام کرتے ہیں۔

Marfat.com

سفیہن: میرا جی تو قبول نہیں کرتا کہ عورت ذات بادشاہت کر سکے۔

اصغری: تم نے بھوپال کی بیگم کا نام بھی نہیں سنا؟

سفیہن: کیوں' سنا کیوں نہیں؟ خود میرے سسرے بھوپال میں نوکر ہیں۔

اصغری: بس' اسی طرح سمجھ لو۔ بھوپال ذرا سا ملک ہے اور ملکہ وکٹوریہ کے پاس بڑی سلطنت ہے۔ جس طرح بھوپال کی بیگم اپنے چھوٹے ملک کا بندوبست کرتی ہیں' ملکہ وکٹوریہ اپنی بڑی سلطنت کا انتظام کرتی ہیں۔ بھوپال چھوٹی سرکار ہے' نوکر چاکر کم ہیں اور تھوڑی تنخواہ پاتے ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ کی سرکار بڑی عالی جاہ سرکار ہے۔ بڑے کارخانے' لاکھوں نوکر' تنخواہیں بیش قرار۔

سفیہن: اچھی' ملکہ کا کوئی میاں ہے؟

اصغری: ہاں مگر موت پر کسی کا زور نہیں چلتا۔ چاند کو بھی خدا نے داغ لگا دیا ہے۔ کئی برس ہوئے ملکہ بیوہ ہو گئیں۔

سفیہن: ملکہ کی کوئی اولاد ہے؟

اصغری: ہاں خدا رکھے بیٹے' پوتے' بیٹیاں' نواسیاں سب کچھ ہے۔

سفیہن: اچھی' ملکہ اس ملک میں کیوں نہیں آتیں؟

اصغری: وہاں بھی بڑا ملک ہے۔ وہاں کے کاموں سے فرصت نہیں ملتی اور بادشاہوں کا اپنی جگہ سے ہلنا ایسی کیا آسان بات ہے؟ لیکن ان دنوں ان کا منجھلا بیٹا آنے والا ہے۔ بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ میں نے اخبار میں دیکھا۔

سفیہن: اچھی' ملکہ کو ہزاروں کوس دور بیٹھے یہاں کی خبر ہوتی ہوگی؟

اصغری: کیوں نہیں۔ ذرا ذرا خبر ہوتی ہے۔ ڈاک برقی پر رات دن خبریں آتی جاتی ہیں۔ ہزاروں اخبار ولایت جاتے ہیں۔

سفیہن: ملکہ کو کیوں کر دیکھیں؟

اصغری: کیوں کر بتاؤں؟ لیکن ان کی تصویر البتہ دیکھ سکتی ہو۔

سفیہن: خیر تصویر ہی دیکھ لیتے۔

اصغری: بوا تم بھی تماشے کی باتیں کرتی ہو۔ کیا تم نے روپیہ دیکھا ہے۔

Marfat.com

سفیہن: کیوں نہیں دیکھا۔

اصغری: عورت کا چہرہ جو بنا ہے وہ ملکہ کی تصویر ہے۔ خطوں کی ٹکٹوں پر ملکہ کی تصویر ہے اور میرے پاس ملکہ کی بڑی عمدہ تصویر ہے۔ میرے ابا کو کسی انگریز نے دی تھی۔ وہ انہوں نے میرے پاس بھیج دی تھی۔ محمودہ ذری میرا صندوقچہ تو اٹھالاؤ۔

صندوقچے میں سے اصغری نے ملکہ کی تصویر نکال کر دکھائی اور سب لڑکیوں نے نہایت شوق سے ملکہ کی تصویر دیکھی۔

سفیہن: کیا اچھی تصویر ہے۔ عین مین ملکہ کھڑی ہیں۔ بس بولنے کی دیر ہے۔

اصغری: بے شک یہ تصویر ہو بہو ملکہ کی ہے۔ روپے کے چہرے سے ملا کر دیکھو کتنا فرق ہے۔ یہ تصویر ہاتھ کی بنائی ہوئی نہیں ہے۔ ایک آئینہ ہوتا ہے۔ اس کو مصالحہ لگا کر سامنے رکھ دیتے ہیں خود بخود جیسے کا تیسا عکس اتر آتا ہے۔

سفیہن: ملکہ کی صورت تو بہت ہی پاکیزہ ہے۔

اصغری: اب صورت کی پاکیزگی کو کیا دیکھی ہو۔ ایک تو عمر' دوسرے بیوگی کا رنج اور سب سے بڑھ کر ملک داری کی تردّدات۔ پر ہاں' میں نے ملکہ کی اس وقت کی تصویر دیکھی تھی جب ان کا نیا نیا بیاہ ہوا تھا۔ بلا مبالغہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔

سفیہن: کیوں استانی جی' ملکہ کے بیٹے ہیں تو باپ کے مرنے پر بڑا بیٹا تخت پر کیوں نہ بیٹھا؟

اصغری: یہ تخت ملکہ کے شوہر کا نہیں بلکہ ملکہ نے اپنے چچا سے پایا ہے اور ملکہ نے تخت نشین ہونے کے بہت دنوں بعد اپنا بیاہ کیا۔

سفیہن: ہاں تو یوں کہو کہ ملکہ کے شوہر بادشاہ نہ تھے۔

اصغری: نہیں نہیں۔ مگر وہ شاہی خاندان سے تھے۔

سفیہن: مجھے تو رہ رہ کر یہی خیال آتا ہے کہ عورت سے ملک کا بندوبست کیا ہوتا ہوگا۔

اصغری: تم کیسی لغو اور لایعنی باتیں کرتی ہو۔ تم نے ملکہ کو اپنی جیسی یا میری جیسی عورت سمجھ رکھا ہے۔ اس سے تم کو تعجب ہوتا ہے لیکن بیوی بنو' خدا جن کے رتبے بڑے کرتا ہے'

Marfat.com

ویسا ہی حوصلہ اور ویسی ہی عقل بھی ان کو دیتا ہے۔ نہ سب مرد یکساں اور نہ سب عورتیں یکساں۔ ہم کو اس کا کیا سوچ پڑ گیا کہ ملکہ اپنی عقل سے ملک کا بندوبست کرتی ہیں جیسا کہ واقعی ہے یا کرتے سب کچھ وزیر اور صلاح کار ہیں اور ملکہ صرف برائے نام ہیں جیسا کہ تم شبہ کرتی ہو۔ ہم کو تو بس اتنا کرنا ہے کہ ملکہ کی عمل داری میں (خدا ان کو سلامت رکھے) امن چین سے بیٹھے ہیں۔ کسی طرح کا زور نہیں، ظلم نہیں، بھینٹ نہیں، بیگار نہیں، لوٹ نہیں، کھسوٹ نہیں، مار نہیں، دھاڑ نہیں، لڑائی نہیں، جھگڑا نہیں۔ تم کو اس عمل داری کی جب قدر آئے کہ کسی دوسری عمل داری میں جا کر رہو اور گئی تو میں بھی نہیں اور خدا نہ لے جائے لیکن تاریخ کی کتابوں میں دیکھتی ہوں، اخبار پڑھتی ہوں۔ بعض ظالم بادشاہوں نے لوگوں کو ایسا ایسا ستایا ہے کہ ان کے حالات دیکھ کر کلیجہ تھر تھر کانپنے لگتا ہے اور اب بھی دنیا میں سبھی طرح کے بادشاہ ہیں لیکن خلق خدا کو جیسا آرام ہماری وکٹوریہ کی عمل داری میں ہے، روئے زمین پر کہیں نہیں۔ یہ سچ ہے کہ ملکہ یہاں ہمارے پاس رہتی ہوتیں تو ہم لوگوں کو ان کی ذات سے بہت فائدے پہنچتے۔ پھر بھی میں نے تحقیق سنا ہے کہ جب یہاں کی رعایا کی ذرا سی تکلیف بھی سن پاتی ہیں تو ان کا دل بے چین ہو جاتا ہے اور ملکہ کی رحم دلی اور خدا ترسی کی حکایتیں جو کبھی کبھی اخبار میں نظر سے گزری ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک ان کو لوگوں کی پرداخت کا بہت بڑا خیال ہے اور سمجھتی ہوں کہ ہو نہ ہو ملکہ نے اپنے بیٹے کو بھی اسی غرض سے بھیجا ہے کہ اپنی آنکھوں سے رعیت کا حال دیکھو اور مجھ سے آ کر کہو۔

سفیہن: ملکہ کے بیٹے کب تک آنے والے ہیں؟

اصغری: ابھی روانگی کی تاریخ مقرر نہیں ہوئی مگر آنا ٹھہر چکا ہے۔ میں سمجھتی ہوں اصل خیر سے شاید ڈیڑھ دو مہینے میں داخل ہو جائیں گے۔

سفیہن: یہاں دلی میں بھی آئیں گے؟

اصغری: ضرور! تمام ہندوستان میں پھریں گے۔ دلی تو بڑا مشہور شہر ہے۔ سینکڑوں برس تک مسلمان بادشاہوں کا دارالسلطنت رہا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہاں نہ آئیں۔

Marfat.com

سفیہن: ہم کو کیا' ہماری طرف سے آئے نہ آئے دونوں برابر۔ ہم ان کو دیکھ تو سکتے ہی نہیں۔

اصغری: اور دیکھ بھی سکتیں تو کیا کرتیں؟ آنے دو۔ میں ان کی تصویر بھی تم کو دکھادوں گی۔

سفیہن: استانی جی اگر ملکہ کے بیٹے کی تصویر تمہارے پاس ہے تو ابھی دکھادو نا۔

اصغری: میرے پاس ہے بھی نہیں اور میں نے دیکھی بھی نہیں۔ مگر ابا کلکتے کے دربار میں جانے والے ہیں۔ انہوں نے مجھ کو لکھا ہے کہ بن پڑا تو تمام شاہی خاندان کے لوگوں کی تصویریں تمہارے لیے لاؤں گا۔

سفیہن: حسن آرا نے لندن کو چار ہزار کوس بتایا تو کہیں برسوں میں یہاں سے وہاں تک آتے جاتے ہوں گے۔

اصغری: نہیں سمندر سمندر ایک مہینے میں بافراغت پہنچ جاتے ہیں۔

سفیہن: اے ہے! سمندر ہو کر جانا پڑتا ہے۔ نوج! انگریزوں کے بھی کیسے دل ہیں۔ ان کو سمندر سے ڈر نہیں لگتا؟ میرے تو سمندر کا نام سننے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

اصغری: سمندر سے ڈرنے کی کیا بات ہے؟ مزے میں جہاز میں بیٹھ لیے۔ اچھا خاصا خانہء رواں بن گیا۔

سفیہن: اے ہے' استانی جی۔ ڈوبنے کا کیسا کھٹکا ہے۔ لو' پار سال کی بات ہے۔ نواب قطب الدین خان کے ساتھ میری خلیا ساس حج کو گئی تھیں۔ کچھ ایسی گھڑی کی گئیں کہ پھر لوٹ کر آنا نصیب نہیں ہوا۔

اصغری خانم: ہاں' اتفاق کی بات ہے۔ جہاز کبھی کبھار ڈوب بھی جاتے ہیں اور اگر خدانخواستہ آئے دن ڈوبا کریں تو سفر دریائی کا کوئی نام نہ لے۔ اب تو دریا کا راستہ خشکی کی سڑکوں سے زیادہ آباد ہو رہا ہے۔ ہزاروں لاکھوں جہاز رات دن آتے جاتے رہتے ہیں۔ انگریز اور ان کے بیوی بچے اور کل انگریزی اسباب سب جہاز کی راہ یہاں آتا ہے۔

Marfat.com

سفیہن: انگریزوں کی عورتوں کا کیا ذکر اور ہماری ان کی کیا ریس وہ تو باہر پڑی پھرتیاں ہیں۔ سنتی ہوں ننھے بچوں کو ولایت بھیج دیتی ہیں اور ان کا دل نہیں کڑھتا۔ نہیں معلوم کس قسم کی مائیں ہیں۔ کیوں کر ان کے دل کو صبر آتا ہے۔ پھر باہر کی پھرنے والیاں اور پتھر کے کلیجے۔ ان کو ایک سمندر کیا' ہوا پر اڑنا بھی مشکل نہیں۔

اصغری خانم: باہر کے پھرنے کی جو تم نے کہی تو ان کے ملک میں پردے کا دستور نہیں۔ غدر کے دنوں میں ہم لوگ ایک گاؤں میں بھاگ کر گئے تھے۔ وہاں بھی پردے کا دستور نہ تھا۔ سب کی بہو بیٹیاں باہر نکلتی تھیں لیکن میں تو چار مہینے وہاں رہی۔ باہر کی پھرنے والیوں میں وہ لحاظ دیکھا کہ خدا ہم سب پردے والیوں کو نصیب کرے اور بچوں کو ولایت بھیج دینے سے تم کیوں کر سمجھیں کہ اولاد کی محبت نہیں؟ البتہ ان لوگوں کی محبت عقل کے ساتھ ہے۔ یہاں کی ماؤں کی طرح باؤلی محبت نہیں کہ اولاد کو پڑھنے سے روکیں' ہنر حاصل کرنے سے باز رکھیں۔ نام کو تو محبت اور حقیقت میں اولاد کے حق میں کانٹے بوتی ہیں۔ اولاد کو ناہموار اٹھاتی جاتی ہیں اور محبت کا نام بدنام کرتی ہیں۔

یہاں پہنچ کر سب نے سکوت کیا اور فضیلت نے اپنی کہانی پھر شروع کی۔ اس بادشاہ کے کوئی بیٹا نہ تھا۔ اکیلی ایک بیٹی تھی۔ بادشاہ نے یہ سمجھ کر کہ میرے بعد یہی لڑکی وارث سلطنت ہوگی' اس لڑکی کو خوب پڑھایا اور لکھوایا اور ملک داری کا قانون قاعدہ سب اچھی طرح سکھایا اور اپنے جیتے جی اسی کو ملک کا کام سونپ دیا۔ فضیلت یہاں تک پہنچی تھی کہ اصغری خانم نے کہا" بوا تم جھپ جھپ کہانی کہتی جاتی ہو اور میرے دل میں پوچھنے کی ہزاروں باتیں بھری ہیں۔ پر کیا کروں دن تو ہو چلنے پر آیا اور مجھ کو عالیہ کے گھر جانا ضرور ہے۔ شام کے وقت کسی کے گھر عیادت کو جانا بھی منع ہے۔ میں تو اب نہیں ٹھہر سکتی۔ تم لڑکیاں آپس میں کہو سنو" اور سفیہن سے کہا" او بوا! اللہ بیلی میں تو جاتی ہوں۔ تمہارا دل چاہے تو تم بیٹھی رہو یا کل پھر آ جانا۔ یہاں تو روز یہی ہوا کرتا ہے۔"

غرض اصغری خانم تو عالیہ کے گھر روانہ ہوئیں اور سفیہن ایسی رنجھیں کہ پہر رات تک لڑکیوں میں بیٹھی رہ گئیں۔ اصغری خانم کے پیچھے محمودہ اور حسن آرا نے کہانی کے بیچ

Marfat.com

بیچ میں خوب خوب مزے کی باتیں نکالیں۔

اس بیان سے اصغری کے مکتب کا انتظام اور اس کی تعلیم اور تلقین کا طریقہ بخوبی ظاہر ہے۔ اصغری بے شک حسن آرا کو بہت چاہتی تھی اور اس سے زیادہ اپنی نند محمودہ کو۔ حسن آرا کو اس خوبی سے پڑھایا کہ دو ہی برس میں اچھی خاصی طرح بے تکلف اردو لکھ پڑھ لیتی تھی۔ نہ اگلی سی بدمزاجی باقی رہی نہ پہلا سا چڑچڑا پن۔ بڑی غریب، لکھی پڑھی، ہنرمند، ہوشیار، نیک پیاری بیٹی بن گئی۔ جمال آرا کا برسوں کا اجڑا ہوا گھر اصغری کی بدولت خدا نے پھر آباد کیا لیکن یہ تمام قصہ دوسری کتاب میں لکھا جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ حکیم جی کا تمام گھر، چھوٹے بڑے، اصغری کے پاؤں دھو دھو کر پیتے تھے۔ سلطانہ بیگم نے لاکھ لاکھ جتن کیے کہ اصغری کچھ لے مگر اس خدا کی بندی نے اپنی آن نہ توڑی۔ جب حسن آرا کا بیاہ ہونے لگا تو حکیم صاحب نے مولوی محمد فاضل کا دباؤ ڈال کر اصغری کو ہزار روپے کے جڑاؤ کڑے دیے اور کہا "سنو! تم میری پوتی اور نواسیوں کے برابر ہو۔ میں تم کو استانی گیری کی رو سے نہیں دیتا بلکہ اپنا بچہ سمجھ کر دیتا ہوں اور نہ لوگی تو مجھ کو سخت ملال ہوگا۔" ادھر مولوی صاحب نے سمجھایا تو اصغری نے کڑے لے لیے۔

Marfat.com

باب ستائیسواں

# اصغری اپنے میاں کو نوکری کے رستے پر لگاتی ہے

ادھر تو اصغری اپنے مکتب میں مصروف تھی' ادھر محمد کامل بے روزگاری سے گھبراتا تھا۔ ایک دن اصغری سے کہنے لگا ''اب میرا دل بہت گھبراتا ہے۔ اگر تمہاری صلاح ہو تو میں تحصیل دار صاحب کے پاس پہاڑ پر چلا جاؤں اور ان کے ذریعے سے نوکری تلاش کروں۔''

اصغری نے تھوڑی دیر تامل کر کے کہا کہ نوکری کرنی تو بہت ضرور ہے۔ اس واسطے کہ تم دیکھتے ہو کیسی تنگی سے گھر میں گزر ہوتی ہے۔ ابا جان اب بڈھے ہوئے۔ مناسب یہ ہے کہ وہ گھر بیٹھیں اور تم کما کر ان کی خدمت کرو۔ علاوہ اس کے محمودہ بڑی ہوتی جاتی ہے۔ میں اس کی منگنی کی فکر میں ہوں اور خدا راس لائے تو ارادہ یہ ہے کہ بہت اونچی جگہ اس کا بیاہ ہو اور میں تدبیر کر رہی ہوں۔ ان شاء اللہ اسی برس اس کی بات ٹھہری جاتی ہے لیکن اس کے واسطے بڑا سامان درکار ہوگا اور اس وقت تک کسی قسم کی کوئی چیز موجود نہیں۔ بھائی جان اول تو الگ ہیں اور پھر ایسی تھوڑی نوکری میں ان کی بسر اوقات نہیں ہو سکتی دوسرے کو کہاں دے سکتے ہیں۔ بس سوائے اس کے کہ تم نوکری کرو اور کوئی صورت نہیں لیکن پہاڑ پر جانے کی میری صلاح نہیں۔ ابا تو تمہارے واسطے کوشش کریں گے اور غالب ہے کہ جلد تر تم کو اچھی نوکری مل جائے گی لیکن کسی کا سہارا پکڑ کر نوکری کرنا کچھ ٹھیک سی بات نہیں۔ بلا سے تھوڑی ہو' پر اپنے قوت بازو سے ہو۔ گو ابا کوئی غیر نہیں ہیں۔ رشتے میں بھی تم سے ان کا ہاتھ اونچا ہے۔ ان سے لینا کیا بلکہ مانگنا بھی عیب نہیں۔ پھر بھی خدا کسی کا احسان مند نہ کرے۔ سدا کو آنکھ جھک جاتی ہے۔ انہوں نے منہ پر نہ رکھا تو اللہ رکھے کنبے میں سو آدمی ہیں زور زور نہ کہیں گے تو پیٹھ پیچھے ضرور کہیں

Marfat.com

گے کہ دیکھو سرے کے سہارے نوکر ہو گئے۔

محمد کامل: پھر کیا کروں؟ لاہور چلا جاؤں؟

اصغری: لاہور میں کیا دھرا ہے؟ رئیس کی سرکار خود تباہ ہے۔ ابا جان کو بھی نہیں معلوم' پہلے کا لحاظ مان کر وہ کس طرح پچاس روپے دیتا ہے۔ نئے آدمی کی گنجائش اس کی سرکار میں کہاں؟

محمد کامل: اور بہت سرکار ہیں۔

اصغری: جب سے انگریزی عمل داری ہوئی' سب رئیس اسی طرح تباہ ہیں۔ پچھلے نام نمود کو نباہتے ہیں۔ اس سے دس پانچ صورتیں ان کے یہاں لگی لپٹی رہتی ہیں۔ سو وہ بھی کیا خاک' برسوں تنخواہ نہیں ملتی۔

محمد کامل: پھر کیا علاج ہے؟

اصغری: انگریزی نوکری تلاش کرو۔

محمد کامل: انگریزی نوکری تو بے سعی سفارش کے نہیں ملتی۔ ہزاروں لاکھوں آدمی مجھ سے بہتر بہتر مارے مارے پھرتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا۔

اصغری: ہاں سچ ہے لیکن جب آدمی کسی بات کا ارادہ کرے تو خدا پر توکل کر کے ناامیدی کا تصور ذہن میں نہ آنے دے۔ مانا کہ ہزاروں نوکری کی جستجو میں لاحاصل پھرتے ہیں لیکن جو نوکر ہیں وہ بھی تو تم ہی جیسے آدمی ہیں اور سو بات کی ایک بات تو یہ ہے کہ نوکری تقدیر سے ملتی ہے۔ بڑے بڑے لائق دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے ہیں اور خدا کو دینا منظور ہوتا ہے تو نہ وسیلہ ہے نہ لیاقت' چھپر پھاڑ کر دیتا ہے۔ گھر سے بلا کر نوکر رکھ لیتے ہیں۔

محمد کامل: تو عرض یہ ہے کہ گھر بیٹھا رہوں۔

اصغری: یہ ہرگز میرا مطلب نہیں۔ جہاں تک اپنے سے ہو سکے ضرور کوشش کرنی چاہیے۔

محمد کامل: یہی تو مشکل ہے کہ کیا کوشش کروں؟

اصغری: جو لوگ نوکری پیشہ ہیں ان سے ملاقات پیدا کرو۔ ان سے محبت بڑھاؤ۔ ان

Marfat.com

کے ذریعے سے تم کو نوکری کی خبر لگتی رہے گی اور ان ہی کے ذریعے سے تم کسی حاکم تک بھی پہنچ جاؤ گے۔

محمد کامل نے یہی کیا کہ نوکری پیشہ لوگوں سے ملاقات کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ سررشتہ دار، تحصیل دار ایسے لوگوں میں بھی آنے جانے لگا۔ روز کے آنے جانے سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی نوکری کی جستجو ہے۔ یہاں تک کہ بندہ علی بیگ نے جو کچہری میں اظہار نویس تھے، محمد کامل سے کہا کہ میاں نوکری کی تلاش ہے تو میرے ساتھ کچہری چلا کرو۔ چندے امیدواری کرو۔ سررشتے کے کام سے واقفیت بہم پہنچاؤ۔ حاکموں کو صورت دکھاؤ۔ اسی طرح کبھی ڈھب لگ جائے گا۔ محمد کامل کچہری جانے اور بندہ علی بیگ کے ساتھ کام کرنے لگا۔ یہاں تک کہ حاکم سے دستخط کرالاتا۔ حاکم لوگ اس کو جاننے پہچاننے لگے۔ کسی عملے کو رخصت کی ضرورت ہوئی وہ آدھی تہائی تنخواہ پر اس کو عوضی دے گئے۔ یہاں تک کہ اتفاق سے ایک دس روپے مہینے کا روزنامچہ نویس تین مہینے کی رخصت پر گیا تھا۔ تین مہینے بعد اس نے استعفیٰ بھیج دیا اور مولوی محمد کامل صاحب اس کی جگہ مستقل ہو گئے۔ کبھی کبھی اصغری سے نوکری کا تذکرہ ہوتا تو محمد کامل حقارت کے ساتھ کہا کرتا تھا کہ کیا واہیات نوکری ہے۔ دن بھر پیسنا اور دس روپلی۔ نہ اوپر سے کچھ پیدا ہے نہ آئندہ کو ترقی کی امید۔ میں تو اس کو چھوڑ دوں گا۔ اصغری ہمیشہ ایسے خیالات پر ملامت کرتی کہ سخت درجے کی ناشکری تم کرتے ہو۔ وہ دن بھول گئے کہ امید واری بھی نصیب نہ تھی یا اب برسرکار ہو تو قدر نہیں کرتے۔ گھر کے گھر میں دس روپے کیا کم ہیں۔ اپنے بڑے بھائی کو دیکھو کہ کئی برس تک سوداگر کے یہاں دس روپے کی نوکری کرتے رہے اور جب تم نوکری سے ایسے دلبرداشتہ ہو، تم سے کام بھی خاک ہوتا ہوگا۔ آخر کو نوکری چھوٹ جائے گی اور اسی طرح تھوڑے سے بہت بھی ہوتا ہے۔ ہمارے ابا پہلے آٹھ روپے مہینے کے نقل نویس تھے۔ اب خدا کے فضل سے تحصیلدار ہیں اور خدا نے چاہا تو اور بھی بڑھیں گے۔ اوپر کی آمدنی پر کبھی بھول کر بھی نظر مت کرنا۔ حرام کے مال میں ہرگز برکت نہیں ہوتی۔ تقدیر سے بڑھ کر مل نہیں سکتا۔ پھر آدمی کیوں نیت کو ڈانواں ڈول کرے۔ اگر اس سے زیادہ ملنے والا ہے تو خدا حلال سے بھی دے سکتا ہے۔

Marfat.com

باب اٹھائیسواں

# اصغری کے سمجھانے سے محمد کامل پردیس کو نکلا اور ترقی پائی

غرض اصغری ہمیشہ محمد کامل کو سمجھاتی رہتی تھی۔ یہاں تک کہ جس حاکم کے پاس محمد کامل نوکر تھا اس کی بدلی سیالکوٹ ہوئی۔ یہ حاکم محمد کامل پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ دن کو کچہری میں یہ حال معلوم ہوا۔ شام کو محمد کامل گھر آیا تو بہت افسردہ خاطر تھا۔ اصغری نے پوچھا ''خیریت ہے؟ آج کیوں اداس ہو؟''

محمد کامل: کیا بتاؤں؟ جیمس صاحب کی بدلی سیالکوٹ کو ہوگئی ہے۔ وہی تو ایک مہربان حال تھے۔ اب کچہری میں رہنے کا مطلق مزہ نہیں۔

اصغری نے بہت دیر سکوت کیا۔ پھر کہا ''بے شک جیمس صاحب کا بدل جانا افسوس کی بات ہے لیکن نہ اس قدر کہ جتنا تم کو ہے۔ دوسرا جوان کی جگہ آئے گا خدا اس کے دل میں رحم ڈال دے گا۔ آدمی کو آدمی پر بھروسہ نہیں رکھنا چاہیے۔'' پھر اصغری نے پوچھا ''جیمس صاحب کب جائیں گے؟''

محمد کامل: کل شام ڈاک میں سوار ہو جائیں گے۔

اصغری: تم ان کے بنگلے پر نہیں گئے؟

محمد کامل: اب کیا جانا۔

اصغری: واہ! یہی تو ملنے کا وقت ہے۔ کچھ نہ ہوگا تو کوئی چٹھی پروانہ تم کو دے جائیں گے اور پھر ذرا دل میں سوچو۔ ایسے وقت اپنے مربی اپنے محسن سے آنکھیں چرانا بڑی بے مروتی کی بات ہے۔

محمد کامل: یہ جو میں نے کہا کہ اب کیا جانا' سوچ کے مارے میرے منہ سے نکل گیا ورنہ ممکن نہیں کہ میں اور جیمس صاحب سے نہ ملوں۔ اچھا' صبح کو ضرور جاؤں گا۔

Marfat.com

بہت سویرے کپڑے پہن محمد کامل جیمس صاحب کے بنگلے پر گیا۔ جیمس صاحب نے کہا ''محمد کامل! ہم سیالکوٹ جاتا ہے اور ہم تم سے بہت راضی تھا۔ تم چاہے تو ہمارے ساتھ سیالکوٹ چلے۔ ہم تم کو وہاں نوکری دے گا۔ نہیں اپنے پاس سے پندرہ روپے دے گا۔''

محمد کامل نے سوچ کر کہا ''اس کا جواب میں حضور کو پھر حاضر ہو کر دوں گا۔ اپنی والدہ سے پوچھ لوں۔''

غرض محمد کامل گھر لوٹ آیا تو ذکر کیا کہ جیمس صاحب مجھ کو ساتھ لیے جاتے ہیں۔ محمد کامل کی ماں نے سنتے ہی غل مچایا۔ اصغری بھی سناٹے میں ہو گئی۔ آخر محمد کامل نے پوچھا ''صاحبو! بتاؤ میں جا کر کیا جواب دوں؟''

محمد کامل کی ماں بولیں ''جواب کیا دینا ہے۔ اب کیا وہ تیرے لیے بیٹھا رہے گا یا تیرے لیے سپاہی بھیج رہا ہے؟''

محمد کامل: نہیں بی' میں اس سے وعدہ کر آیا ہوں۔ اپنے جی میں کہے گا' ہندوستانی کیسے خودغرض مطلبی ہوتے ہیں۔ چلتے وقت ہم سے جھوٹ بولا۔

محمد کامل کی ماں: اچھا تو جا کر کہہ آؤ صاحب میرا جانا نہیں ہو سکتا۔

محمد کامل نے اصغری سے پوچھا ''کیوں صاحب! تمہاری کیا صلاح ہے؟''

اصغری: صلاح اور ہوتی ہے اور دل کی خواہش اور ہوتی ہے۔ دل کی خواہش تو یہ تھی کہ تم یہاں رہو۔ گھر کا انتظام صرف تمہارے دم سے ہے۔ آخر گھر میں کوئی مرد بھی چاہیے اور صلاح پوچھو تو جانا مناسب ہے۔ جب ایک حاکم خود بے کہے تم کو ساتھ لے جاتا ہے تو ضرور اپنی جگہ پہنچ کر بہت سلوک کرے گا۔

محمد کامل: پانچ روپے کے واسطے کیا دو تین سو کوس کا سفر۔ میرا دل تو جانے کو نہیں چاہتا۔ وہ مثل ہے' گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری۔

اصغری: یوں تم کو اختیار ہے لیکن ایسا موقع تقدیر سے ملا ہے۔ پھر ہاتھ نہ آئے گا اور سفر کون نہیں کرتا۔ ہمارے ابا' تمہارے ابا' دیکھو ان لوگوں نے اپنی عمریں سفر میں تیر کر دیں اور بالفعل پانچ سن لیے گئے' پیچھے دیکھو گے کتنے پانچ اور اگر نہیں جاتے تو پھر دس

Marfat.com

روپے سے بے دلی مت ظاہر کرنا۔

محمد کامل: تو یہاں کی نوکری کو استعفیٰ دے جاؤں؟ اور فرض کیا کہ وہاں کچھ صورت نہ ہوئی تو ادھر سے بھی گیا اور ادھر سے بھی گیا۔

اصغری: اول تو یہ فرض کرنا کہ وہاں کچھ صورت نہ نکلے گی' خلاف عقل ہے۔ جیمس صاحب اتنا بڑا حاکم ہے اور تم کو کام دینا چاہے اور صورت نہ نکلے؟ میری سمجھ میں تو نہیں آتا اور پھر استعفیٰ کیوں' مہینے کی رخصت لو۔

محمد کامل: ہاں' رخصت منظور ہوئی پڑی ہے۔

اصغری: منظور ہونے کو کیا ہوا؟ اسی جیمس صاحب سے کہو۔ چٹھی لکھ دے گا۔

غرض اصغری نے زبردستی جوت کر محمد کامل کو جانے پر راضی کیا۔ اپنے پاس سے پچاس روپے نقد دیے اور چھ جوڑے نئے کپڑے بنوا دیے۔ دیانت کے بیٹے رفیق کو ساتھ کر دیا۔ مولوی محمد کامل سیالکوٹ چلے گئے۔ ادھر اصغری نے مولوی محمد فاضل صاحب کو یہ تمام حال خط میں لکھا اور یہ بھی لکھ دیا کہ جیمس صاحب سیالکوٹ جاتے ہوئے ضرور لاہور ہو کر جائیں گے۔ اگر ایسا ہو سکے کہ آپ وہاں ان سے ملاقات کر کے ان کی سفارش کچھ رئیس سے کرا دیں تو بہت مفید ہوگا۔ مولوی صاحب نے جیمس صاحب کی جستجو کی۔ رئیس کے کچھ دیہات ضلع سیالکوٹ میں بھی تھے۔ مولوی صاحب نے رئیس کی طرف سے دعوت کی اور رئیس کے باغ میں ٹھہرایا۔ کھانے کے بعد صاحب اور رئیس دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ مولوی صاحب سے کہا ''دہلی کی رعایا کو آپ کی مفارقت کا بہت قلق ہے۔ اگرچہ آپ صرف دو ہی برس دہلی میں حاکم رہے ہیں لیکن آپ کے انصاف' آپ کی شرفا پروری سے وہاں کے لوگ بہت خوش تھے۔ ایک بندہ زادہ بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس کے لکھنے سے سب حال معلوم ہوتا رہتا تھا۔''

صاحب نے پوچھا ''کیا آپ کا کوئی لڑکا بھی میری کچہری میں تھا؟''

مولوی صاحب نے کہا ''محمد کامل''

صاحب نے کہا ''وہ تو ہمارے ساتھ آیا ہے۔ وہ آپ کا بیٹا ہے؟''

Marfat.com

مولوی صاحب نے کہا ''آپ کا غلام ہے''

رئیس نے اس تقریب میں صاحب سے کہا کہ مولوی صاحب ہماری ریاست کے قدیم الخدمت ہیں اور ہم کو ہر طرح سے ان کی پرداخت ملحوظ خاطر رہتی ہے لیکن آپ تو جانتے ہیں' اب گنجائش نہیں۔ پس اگر آپ ان کے بیٹے کی پرورش فرمائیں گے تو ہم آپ کے ممنون ہوں گے۔

جیمس صاحب پہلے سے محمد کامل کے حال پر ملتفت تھا۔ ایسے وقت مناسب پر تقریب ہوگئی کہ صاحب کو بہت خیال ہو گیا۔ اول تو جوان نوعمر' دوسرے شریف' تیسرے رئیس کا سفارشی' چوتھے خود صاحب کا آوردہ' پانچویں لائق۔ اتنے حقوق محمد کامل کو حاصل ہو گئے۔ صاحب نے پہلے دن کچہری کرتے ہی محمد کامل کو پچاس روپے کا نائب سررشتہ دار کیا اور مولوی محمد فاضل صاحب کو خط لکھا کہ بالفعل ہم نے آپ کے بیٹے کو پچاس روپے کی نوکری دی ہے اور ہم جلد اس کی ترقی کریں گے۔ آپ رئیس کی خدمت میں اطلاع کر دیجئے۔

مولوی صاحب نے بطرز مناسب صاحب کا شکریہ ادا کیا اور وہ محمد کامل جو کبھی امیداواری کا محتاج تھا' پھر چھوٹے چھوٹے عہدے داروں کی عوضیاں کرتا' پھر صرف دس روپے کا روزنامچہ نویس تھا' پھر پندرہ روپے کے وعدے پر' وہ بھی اصغری کے جوتے سے جیمس صاحب کے ساتھ سیالکوٹ آیا تھا' اب ایک دم سے پچاس روپے کا عہدے دار ہو گیا۔ محمد کامل کی ماں اگرچہ جاتے وقت ناخوش تھی' پچاس کا نام سن کر ان کی باچھیں کھل گئیں۔ اب تو گھر میں چوگنی برکت ہو گئی۔ اصغری کا انتظام اور بیس کی جگہ اب چالیس روپے مہینہ گھر میں آنے لگا۔ پھر کیا پوچھنا ہے!

Marfat.com

باب انتیسواں

# محمد کامل کی آوارگی' اصغری نے جا کر اس کی اصلاح کی اور جاتے وقت بہن اور بہنوئی کو گھر میں بسا گئی

محمد کامل آخر میں ایک ہی برس میں سر رشتہ دار ہو گیا لیکن سر رشتہ دار ہونے تک سنبھلا ہوا تھا۔ خرچ بھی برابر آتا تھا۔ خط بھی متواتر آتے تھے لیکن آدمی تھا جوان' خود مختار ہو کر صحبت بری مل گئی' بہک چلا۔ خطوں میں کمی ہونی شروع ہوئی۔ اصغری بڑی دانش مند تھی۔ سمجھ گئی کہ دال میں کالا ہے۔ بہت دن تک فکر میں رہی کہ اب کیا تدبیر کروں۔ آخر سوائے اس کے کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ خود جانا چاہیے۔ ہر چند اصغری نے سیالکوٹ جانے کا عزمِ مصمم کر لیا تھا لیکن تماشا خانم کو صلاح کے واسطے بلا بھیجا اور سب حال اس سے کہا۔

تماشا خانم: بوا' کوئی دیوانی ہوئی ہے؟ شہر چھوڑ کر اب کہاں سیالکوٹ جاتی پھرے گی۔

اصغری: مجھ کو شہر سے کیا مطلب؟ میں تو جس کے ساتھ وابستہ ہوں' وہیں شہر ہے۔

تماشا خانم: اے ہے! کنبے والے کیا کہیں گے؟ ہمارے کنبے میں سے آج تک کوئی باہر نہیں گیا۔

اصغری: اس میں عیب کی کیا بات ہے؟ آخر میں یہی کہیں گے کہ میاں کے پاس چلی گئی تو برا کیا کیا؟ اور کنبے کی جو پوچھو تو پچھلے دنوں نہ ڈاک تھی نہ ریل' نہ رستے آباد تھے۔ عورتوں کا سفر کرنا بہت مشکل تھا۔ اس سبب سے لوگ نہیں جاتے تھے۔ اب اگر آج ڈاک میں بیٹھوں اور خدا اصل خیر رکھے تو پرسوں سیالکوٹ داخل۔ گویا میرٹھ گئی۔

تماشا خانم: کیا طلبی کا خط آیا ہے؟

Marfat.com

اصغری: خط تو نہیں آیا۔

تماشا خانم: بن بلائے جانا تو مناسب نہیں۔

اصغری: تم مناسب نامناسب دیکھتی ہو اور میں کہتی ہوں اگر نہ جاؤں گی تو عمر بھر کو گھر غارت ہو جائے گا۔

تماشا خانم: اے آپا! تم ایسی کیوں گری پڑتی ہو؟ تم کو ان کی کیا پروا ہے۔ خدا تمہارے مکتب کو سلامت رکھے۔ تم دس کو روٹی کھلایا کرو۔

اصغری: واہ! آپ کی بھی کیا سمجھ ہے۔ یہ مکتب تو میں نے اپنا جی بہلنے کے واسطے بنا لیا ہے۔ کچھ مجھ کو اس سے کمائی کرنا منظور نہیں۔ خدا جانے تم کو یقین آئے یا نہ آئے' آج تک میں نے مکتب کی رقم میں سے ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ صرف پچاس روپے نقد اور بیس روپے کپڑے کے واسطے تمہارے بھائی جان کو سیالکوٹ جاتے ہوئے ضرور دیے تھے۔ سو وہ بھی قرض داخل اور باقی کوڑی کوڑی کا حساب موجود ہے' دیکھ لو۔ عورتوں کی کمائی بھی کوئی کمائی ہے۔ اگر عورتوں کی کمائی سے گھر چلا کریں تو مرد کیوں ہوں؟ میرا اپنا گھر بنا رہے تو میں ایسے ایسے دس مکتبوں کے اجڑنے کی بھی پروا نہیں کرتی۔

تماشا خانم: ایسی بھری برسات میں کہاں جاؤ گی؟ جاڑا آنے دو' اس وقت کھلے موسم میں دیکھ لینا۔

اصغری: اے ہے! دیر کرنا تو اور غضب ہے۔ اب جو کام سمجھانے سے نکلے گا پھر بڑے جھگڑوں سے بھی طے نہ ہوگا۔

تماشا خانم: اے ہے آپا! گھر چھوڑتے ہوئے تمہارا جی نہیں کڑھتا؟

اصغری: کیوں نہیں کڑھتا؟ کیا میں آدمی نہیں ہوں؟ لیکن یہ تھوڑی دیر کا کڑھنا بہتر ہے یا عمر بھر کا جلاپا؟

تماشا خانم: تم نے اپنی ساس سے بھی اجازت لی؟

اصغری: بھلا وہ اجازت دیں گی؟ لیکن ہماری ساس بے چاری سیدھی آدمی ہیں۔ میں سمجھاؤں گی تو یقین ہے کہ نہ روکیں گی۔

Marfat.com

غرض ایک دن اصغری نے اپنا ارادہ اور اس کی وجوہات اپنی ساس سے بیان کیں۔ بات معقول تھی۔ اس میں کون گفتگو کر سکتا تھا۔ اصغری کا جانا ٹھہر گیا۔ ایک روز جا کر اصغری سب کچا حال اپنی ماں سے بھی کہہ آئی۔ مکتب کے واسطے لڑکیوں کو سمجھا دیا کہ محمودہ تم سب کو پڑھانے کو بہت ہیں۔ میں صرف دو مہینے کو جاتی ہوں۔ سب لڑکیاں بدستور آیا کریں۔ رخصت ہونے کی تقریب سے پہلے اپنی آپا کے پاس گئی۔ محمد عاقل نے پوچھا ''کیوں بھائی تمیز دار بہو! تم جاتی ہو۔ مکتب کو کیا کر چلیں؟''

اصغری: مکتب اور گھر بار سب آپ کے حوالے کیے جاتی ہوں۔

محمد عاقل: واہ! کیا خوب! نہ مجھ کو گھر سے تعلق نہ مکتب سے واسطہ۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟

اصغری: تعلق رکھنا نہ رکھنا سب آپ کے اختیار میں ہے۔

محمد عاقل: تمیز دار بہو تم کو یہ بات کہنی زیبا نہیں۔ بھلا میرا کیا اختیار ہے؟ گھر تمہاری آپا نے چھڑوایا۔ رہا مکتب سو لڑکیوں کا ہے۔ لڑکوں کا مکتب ہوتا تو میں خوشی سے سب کو پڑھا دیا کرتا۔

اصغری: اب آپا اور آپ دونوں گھر چل کر رہیے۔ اماں جان اکیلی ہیں۔

محمد عاقل: اپنی بہن کو سمجھاؤ۔

اصغری: سمجھانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپا تو خود جانتی اور سمجھتی ہیں۔ یہاں اکیلے آپ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ نہ بچوں کو کوئی سنبھالنے والا ہے نہ گھر کا کوئی دیکھنے والا۔ دکھ سکھ آدمی کے ساتھ ہیں۔ بے ضرورت جدا رہنا مناسب نہیں اور پچھلی باتیں گئی گزری ہوئیں۔ آپس کی نا اتفاقی اور آپس کی رنجش کیسی۔

اکبری جدا گھر کرنے کا مزہ خوب چکھ چکی تھی اور بہانہ ڈھونڈتی تھی کہ پھر ساتھ رہنے کو کوئی کہے۔ فوراً راضی ہو گئی اور اصغری دونوں کو اپنے ساتھ لوا لائی۔ محمد کامل کی ماں کو اصغری کے جانے کا قلق تھا۔ اب ان کی بھی تسلی ہو گئی تھی کہ خیر ایک بہو گئی تو دوسری موجود ہے۔ محمودہ کو البتہ بڑا فکر تھا کہ دیکھئے کیا ہو لیکن اصغری نے ادھر تو محمودہ کی تسلی کی

Marfat.com

اور سمجھایا کہ اب وہ باتیں نہیں ہیں' اپنی آپا کو سمجھا دیا کہ محمودہ اب بڑی ہوگئی ہے' کوئی سخت سست اس کو نہ کہیے گا۔ مکتب کے واسطے محمد عاقل سے اتنا کہہ دیا کہ پڑھانا لکھانا وغیرہ سب محمودہ کرلیا کریں گی۔ آپ صرف بالائی انتظام کی خبر لے لیا کیجیے اور مکتب کی رقم کا حساب کتاب محمودہ کو لکھا دیا کیجئے۔

الغرض اصغری رخصت ہوئیں۔ ڈاک پر سوار ہو سیدھی سیالکوٹ پہنچیں۔ یہاں محمد کامل دفعتاً اصغری کے پہنچنے سے سخت متعجب ہوا اور پوچھا ''خیریت ہے؟'' کہیں اماں سے لڑ کر تو نہیں آئیں؟''

اصغری: توبہ کرو۔ کیا اماں جان میرے برابر کی ہیں کہ میں ان سے لڑنے جاؤں گی؟ اس چار برس میں کبھی تم نے مجھ کو ان سے یا کسی اور سے لڑتے دیکھا؟

یہاں محمد کامل نے خوب ہاتھ پاؤں نکالے تھے اور بری صحبت میں مبتلا تھا۔ خوشامدی لوگ جمع تھے اور وہ اس کو الو بنائے ہوئے تھے۔ بازارِ رشوت گرم تھا۔ ناچ رنگ کا احتراز باقی نہ رہا تھا۔ امیری ٹھاٹھ تھے۔ تنخواہ سے چار چند کا معمولی خرچ۔ اگر یہی حال چندے اور رہتا تو ضرور جیمس صاحب کو بدگمانی پیدا ہوتی اور آخر میں نوکری جاتی رہتی۔ اچھے وقت اصغری پہنچی۔ فوراً اس نے ہر طرف سے رخنہ بدیاں کیں اور سمجھایا کہ تم کو خدا نے سو روپے کا نوکر کر دیا۔ اس کا یہی شکر یہ ہے کہ تم کو اس پر قناعت نہیں؟ محمد کامل نے کہا ''جو خوشی سے دے' اس میں کیا قباحت ہے؟'' اصغری نے کہا ''سبحان اللہ! روپیہ بھی ایسی چیز ہے کہ کوئی اس کو بے وجہ خوشی سے دیتا ہے؟ ان دنوں لوگ روپے کے اس قدر حاجت مند ہیں کہ عزت تک کی پروا نہیں کرتے' مگر روپیہ مٹھی سے نہیں چھوڑتے۔ آدمی اپنے اوپر قیاس کرے کہ ہم کسی کو کیا دیا کرتے ہیں۔ ایک زکوٰۃ کی بھی کچھ اصل ہے۔ سینکڑے پیچھے برسویں دن چالیسواں حصہ ڈھائی روپے۔ وہی دیتے ہوئے جان نکلتی ہے۔ لوگوں کے پاس ایسا کون سا خزانہ قارون بھرا پڑا ہے کہ وہ تم کو بے مطلب دے جاتے ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ کام بگڑتا ہے' نہ دیں گے تو مقدمہ خراب ہوگا' عاجز آ کر قرض دام دے کر' گھر والیوں کے زیور بیچ کر رشوت دیتے ہیں۔''

Marfat.com

محمد کامل: میں خود نہیں لیتا۔ پھر اس میں کیا ڈر ہے؟

اصغری: اول تو رشوت چھپ نہیں سکتی۔ علاوہ اس کے فرض کیا آدمی پر ظاہر نہ ہوئی' خدا جو پردوں میں دیکھتا ہے' وہ تو جانتا ہے۔ بندوں کا گناہ جمع کرنا اور عاقبت کی جواب دہی سمیٹنا بڑی بے باکی کی بات ہے۔"

غرض سمجھا بجھا کر اصغری نے محمد کامل سے توبہ کرائی۔ چند روز رہ کر اصغری نے پوچھا" یہ چار آدمی جن کو باہر کھانا جاتا ہے کون لوگ ہیں؟"

محمد کامل: نوکری کے امیدوار ہیں۔ بے چارے غریب الوطن ہیں۔ میں نے کہا خیر جب تک تمہاری نوکری لگے' تب تک میرے پاس رہو۔

اصغری: پھر اب تک ان کو نوکری نہیں ملی؟

محمد کامل: نوکری تو ملتی ہے لیکن ان کی حیثیت سے کم ہے۔

اصغری: جب ان کی حالت یہ ہے کہ دوسرے کے سر پر پڑے ہوئے روٹیاں کھاتے ہیں تو حیثیت سے کیا بحث باقی رہی۔ تھوڑی بہت جو ملے کر لیں۔

محمد کامل: خدا جانے تم کیا کہتی ہو۔ عزت سے گھٹ کر کیونکر لیں۔

اصغری: کم درجے کی نوکری میں تو بے عزتی ہوتی ہے اور دوسرے کے سر ڈھئی دینے میں بے عزتی نہیں۔ جب ان لوگوں میں اتنی غیرت نہیں تو اور عادتیں بھی ان میں بری ضرور ہوں گی۔ ان سے کہو کہ یا نوکری کریں یا رخصت ہوں۔

محمد کامل: میری مروت متقضی نہیں ہوتی کہ جواب دوں۔

اصغری: جب ان میں مروت نہیں ہے تو تم کو مروت کا لحاظ کیا ضرور ہے؟ اگر ہم سے بچے تو کنبے میں بہت غریب ہیں۔ ان کا حق مقدم ہے۔ غیروں اور غیروں میں بھی ایسوں کو دینے سے کیا فائدہ؟ اور یہ ضرور نہیں کہ تم سختی سے جواب دو۔ کسی طور پر ان کو سمجھا دو۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہی لوگ محمد کامل کے شیطان تھے۔ اصغری نے حکمت عملی سے ان کو ٹالا۔ نوکروں میں جو بد وضع تھے' چھانٹ کر نکالے گئے اور ڈیڑھ برس رہ کر اندر باہر سب انتظام درست کر دیا۔

Marfat.com

اب میاں مسلم کی شادی ہونے والی تھی۔ اصغری کی طلب میں خط گیا اور تماشا بیگم نے بہت اصرار کے ساتھ لکھا۔ از بس کہ بہت دن ہو چکے تھے' اصغری نے دہلی آنے کا ارادہ کیا لیکن اپنے دل میں سوچی کہ محمد کامل کو اکیلا چھوڑنا مصلحت نہیں۔ محمد کامل سے کہا کہ مسافرت میں تنہا رہنا مناسب نہیں کوئی رشتہ دار ساتھ رہنا ضرور ہے۔ سو میرے نزدیک تم اپنے خالہ زاد بھائی صالح کو بلا لو۔ وہ تمہارے ساتھ کچہری کا کام بھی کر سکیں گے اور شاید کہیں ان کی نوکری بھی لگ جائے۔ امیر بیگم کو خط لکھا گیا اور اصغری کے رہتے محمد صالح پہنچ گیا۔

یہ لڑکا پرلے درجے کا نیک بخت تھا۔ اسم بامسمی اور محمد کامل سے عمر میں بڑا۔ اب اصغری کو اطمینان ہوا تو سیالکوٹ سے رخصت ہو لاہور پہنچی۔ یہاں مولوی محمد فاضل کے پاس ایک ہفتہ مقیم رہی۔

Marfat.com

باب تیسواں

# اصغری کی صلاح سے مولوی محمد فاضل نے پنشن لی اور بڑے بیٹے محمد عاقل کو اپنی جگہ رکھوا دیا

مولوی محمد فاضل کی عمر ساٹھ برس کے قریب تھی۔ مختاری کی نوکری میں محنت تھی بہت۔ روز بلا ناغہ سب حاکموں کی کچہری میں رئیس کے مقدمات کی خبر لینا اور صبح و شام عملوں میں جانا۔ بے چارے مولوی صاحب رات کو تو بہت تھک جاتے تھے۔ اصغری نے کہا ''ابا جان! اب آپ کی عمر اس مشقت کے قابل نہیں۔ مناسب ہے کہ آپ گھر بیٹھنے کا فکر کیجئے۔ ایک کتاب میں' میں نے پڑھا ہے کہ انسان عمر کے تین حصے کرے۔ پہلا حصہ بچپن کا' دوسرا حصہ دنیا کے کاموں کے بندوبست کا' تیسرا آرام اور یادِ الٰہی کا۔ بس اب آپ گھر چل کر آرام سے بیٹھے۔''

مولوی صاحب: اول تو رئیس نہیں چھوڑتا' دوسرے آخر میں میری جگہ کوئی کام کرنے والا بھی چاہیے۔

اصغری: رئیس سے جب آپ اپنی ضعیفی کا عذر کیجئے گا تو گمان غالب ہے کہ مان جائے اور کام کرنے کو بھائی جان کیا کم ہیں؟

مولوی صاحب: وہ کچہری دربار کا دستور قاعدہ کیا جانیں۔

اصغری: چند روز ان کو بلا کر ساتھ رکھئے۔ دیکھنے بھالنے سے سب معلوم ہو جائے گا۔ وہ تو مولوی آدمی ہیں۔ ہندو لوگ تو اوٹ پٹانگ فارسی کی دو چار کتابیں پڑھ کر کچہری کی نوکری کرنے لگتے ہیں۔

مولوی صاحب کو اصغری کی بات پسند آئی۔ اصغری تو دہلی پہنچی اور مولوی صاحب

Marfat.com

نے محمد عاقل کو بلا بھیجا۔ چند روز عاقل نے باپ کا سب کام اٹھا لیا اور رئیس کو اپنی خدمت سے بہت خوش کیا۔ تب مولوی صاحب نے کہا اب یہ لڑکا آپ کی خدمت میں حاضر ہے مجھ کو آزاد فرمایئے۔

رسم است کہ مالکان تحریر
آزاد کنند بندۂ بے پیر

رئیس صاحب کا دل بڑا سخی تھا۔ بیس روپے تاحیات مولوی صاحب کی پنشن کر دی۔ مولوی صاحب کی جگہ محمد عاقل کو پوری تنخواہ پر رکھ لیا۔

Marfat.com

باب اکتیسواں

# محمودہ کی منگنی

اصغری دہلی آئی تو اس نے محمودہ کا فکر کیا۔ حسن آرا جمجر سے میکے آئی تھی اور ان ہی دنوں جمال آرا بھی سسرال سے چھوٹی بہن سے ملنے کے لیے آ پہنچی۔ حکیم جی کا تو تمام گھر اصغری کا مرید تھا۔ دونوں بہنیں اصغری کے آنے کی خبر سن کر دوڑی ہوئی آئیں۔ ہر طرح کی باتیں رہیں۔ جمال آرا نے کہا ''استانی جی' کیسا جی تم میں پڑا تھا کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ بھلا حسن آرا تو تمہاری شاگرد ہیں لیکن میں شاگردوں میں سے بھی زیادہ ہوں۔ میرا اجڑا ہوا گھر تم نے ہی بسوایا۔

اصغری: میں کس لائق ہوں۔

جمال آرا: واہ استانی جی! میں تو جیتے جی تمہارا سلوک نہیں بھولوں گی اور کیا کروں' تم ہم لوگوں کی خدمت کسی طرح قبول نہیں کرتیں۔ نہیں تو اپنی کھال کی جوتیاں تم کو بنوا دیتی' تب بھی تمہارا حق ادا نہ ہوتا۔

اصغری: اول تو کچھ خدمت مجھ سے بن نہیں پڑی اور با قتضائے سرداری کوئی کام آپ کو پسند ہوا تو بیگم صاحب' آپ کو خدا نے سب قابل بنایا ہے۔ ہم غریبوں کا خوش کر دینا کیا بڑی بات ہے۔

حسن آرا: اے ہے' استانی جی' تم اپنے منہ سے کیسی بات کہتی ہو؟

اصغری: سنو' بوا حسن آرا! استانی گیری اور شاگردی تو اب باقی نہیں۔ وہ مکتب تک تھی۔ اب اللہ رکھے تم بیاہی گئیں۔ ادھر تم پوتڑوں کی امیر اور امیروں کی سرتاج۔ ادھر یہ سردار اور سرداروں کی بیٹی بہو۔ اب اس شہر میں تم سے بڑھ کر تو دوسرا امیر نہیں۔ تم تک پہنچ کر جو آدمی محروم رہے تو اس کی قسمت کا قصور ہے۔

Marfat.com

حسن آرا: اچھی استانی جی کیا بات ہے؟

اصغری: بوا بڑا مشکل کام ہے۔تم وعدہ کرو مجھ کو نا امید نہ کروگی تو کہوں۔

حسن آرا اور جمال آرا نے جانا کہ کسی نوکری چاکری کے واسطے کہیں گی۔دونوں نے کہا ''استانی جی' خدا کی قسم تمہارے واسطے ہم دل و جان سے حاضر ہیں۔لو ہم کو تو بڑی تمنا ہے کہ تم ہم سے کوئی فرمائش کرو۔''

اصغری: وہ کام میرے نزدیک تو بڑا ہے لیکن آپ دونوں صاحب دل سے آمادہ ہوں تو کچھ حقیقت نہیں۔

دونوں بہنوں نے کہا ''استانی جی' خدا جانتا ہے ہمارے کرنے کا کام ہو تو ہم کو دریغ نہیں۔''

جب خوب پکا کرالیا تو اصغری نے کہا ''میری آرزو ہے کہ محمودہ کو اپنی فرزندی میں قبول کرو۔''

یہ سن کر دونوں بہنوں نے سکوت کیا۔پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔جب دونوں اٹھنے کو ہوئیں تو اصغری نے ایک ہاتھ سے تو حسن آرا کا دوپٹہ پکڑا اور دوسرے ہاتھ سے جمال آرا کا اور کہا ''میں اپنا حق اب لڑ جھگڑ کر لوں گی اور جب تک میرا سوال پورا نہ ہوگا' خدا کی قسم جانے نہ دوں گی۔''

حسن آرا: استانی جی! بھلا اس میں ہمارا کیا اختیار ہے۔ابھی تو ارجمند خان لڑکا ہے۔ دوسرے ایسی باتوں میں ماں باپ کے ہوتے بہنوں کی کون سنتا ہے۔

اصغری: بڑی اور بیاہی ہوئی بہنیں بھی ماں باپ کے برابر ہوتی ہیں اور رشتے ناتے بغیر سب کی صلاح کے نہیں ہوا کرتے۔ایسا ممکن نہیں کہ تم سے مشورہ نہ ہو۔

حسن آرا: ابھی ہمارے یہاں تو کچھ تذکرہ کہیں کا نہیں ہے۔

اصغری: تم کو معلوم ہوگا۔علوی خاں کے یہاں رقعہ گیا تھا۔واپس آیا۔

جمال آرا: استانی جی' تم نے سنا ہے تو گیا ہوگا۔مگر ہم سے اس معاملے میں اس وقت تک کچھ بات چیت نہیں ہوئی۔علوی خاں میں کیا برائی تھی۔خدا جانے رقعہ پھر واپس

Marfat.com

کیوں لیا ہوگا۔ اسی بات میں بات اور ہونے لگی۔

اصغری: صاحبو! میرا مطلب رہا جاتا ہے۔ ہاں ناں کا جواب مجھ کو دیجئے۔

جمال آرا: استانی جی! بھلا ہم کیوں کر ہامی بھر سکتے ہیں؟

اصغری: دولت' سیرت' صورت تین چیزیں ہوتی ہیں۔ دولت تو ہم غریبوں کے پاس نام کو نہیں۔ رہی سیرت بوا حسن آرا تم محمودہ سے بخوبی واقف ہو۔ دو برس تمہارا اس کا ساتھ رہا۔ سچ کہنا شرم' لحاظ' ادب' قاعدہ' نیک بختی' ہر کام کا سلیقہ اور ہر طرح کا ہنر' لکھنا پڑھنا' سینا' پرونا' پکانا' یہ سب باتیں محمودہ میں ہیں یا نہیں؟ کچھ اس پر موقوف نہیں کہ محمودہ میری نند یا میری شاگرد ہے۔ نہیں' وہ لڑکی کچھ خدا نے ہمہ صفت موصوف پیدا کی ہے۔ کیوں بوا حسن آرا! میں کچھ بڑھ چڑھ کر کہتی ہوں تو تم بولو۔

حسن آرا: استانی جی! بھلا چاند پر کوئی خاک ڈال سکتا ہے۔ محمودہ بیگم ماشاءاللہ بڑے گھروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ بھلا کوئی محمودہ بیگم کا پاسنگ تو ہو۔

اصغری: اور صورت! سوناک' کان' آنکھ جیسے آدمی میں ہوتے ہیں' محمودہ میں بھی ہیں۔ وہ بھی آدمی کا بچہ ہے۔ جوان ہونے پر کچھ اس سے زیادہ صورت نکل آئے گی۔

جمال آرا: اے استانی جی! محمودہ بیگم کو آدمی کا بچہ کہتی ہو۔ خدا کی قسم حور کا بچہ۔ بڑے گھروں میں اونچی دکان پھیکا پکوان' ہم نے تو کوئی صورت دار نہ دیکھا۔ ہم ہی دو بہنیں موجود ہیں خدا کی قسم بعض لونڈیاں ہم سے اچھی ہیں اور محمودہ تو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب۔ اس صورت کے آدمی کہاں نظر آتے ہیں؟

اصغری: پھر بوا سوائے غریبی کے اور ہم میں کیا برائی ہے؟ اگرچہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن علی نقی خان مرحوم کو دو چار پشتیں نہیں گزریں۔ آخر ہم بھی ان کے نام لیوا ہیں۔

دونوں بہنوں نے کہا ''استانی جی! تم ہماری سرتاج ہو اور ہم اور تم کیا دو دو ہیں۔ ایک ذات ایک خون۔''

اصغری: پھر کیا تامل ہے؟ میری درخواست قبول فرمایئے۔

حسن آرا: اچھا استانی جی' آج ہم اس بات کا مذکور اماں سے کریں گے۔

Marfat.com

اصغری: مذکور نہیں' مذکور تو میں بھی کر سکتی ہوں۔ بلکہ دل سے اس کی مدد کرو اور اب یہ بات چھڑی ہے تو ایسا ہو کہ پوری ہو جائے۔

دونوں بہنوں نے وعدہ کیا کہ استانی جی' جیسا آپ کا ارادہ ہے' ان شاء اللہ ویسا ہی ہوگا۔ غرض کہ اس وقت دونوں بہنیں رخصت ہو گئیں۔ اگلے دن اصغری خود سلطانہ بیگم سے ملنے گئی۔ دو سو روپے کا بہت عمدہ شالی رومال جو سیالکوٹ سے لائی تھی' سلطانہ بیگم کو نذر کیا۔ سلطانہ بیگم نے کہا "استانی جی! تم تو ہم کو بہت شرمندہ کرتی ہو۔ ہم کو تمہاری خدمت کرنی چاہیے نہ کہ الٹا تم سے لیں۔"

اصغری: یہ رومال میں نے صرف آپ کے لیے فرمائش کر کے بنوایا تھا اور یہ تو آپ کو قبول کرنا ہی ہوگا۔ ڈیڑھ برس سے اسی امید میں میری گٹھڑی میں بندھا تھا کہ دہلی چل کر خود پیش کروں گی۔

سلطانہ بیگم: میں اس کو بطور تبرک لے لیتی ہوں لیکن مجھ کو خدا کی قسم شرم آتی ہے۔ کبھی آپ نے بھی تو کچھ فرمائش کی ہوتی کہ میرا دل خوش ہوتا۔

اتنا سہارا پا کر اصغری دست بستہ کھڑی ہو گئی اور اپنا مطلب بیان کیا۔

سلطانہ: اچھا استانی جی! آپ بیٹھئے تو سہی۔

اصغری: اب میں اپنی مراد لے کر ہی بیٹھوں گی۔

سلطانہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا کہ بیٹا بیٹیوں کے کام مشکل کام ہیں۔ کمہار کے ہاتھ سے دمڑی کا پیالہ لیتے ہیں تو اچھی طرح ٹھونک بجا کر لیتے ہیں اور یہ تو عمر بھر کی کمائیوں کے بیوپار ہیں۔ بڑے سوچ بچار اور صلاح مشورے سے ہونے کے ہیں۔ آپ نے ذکر کیا' اب میں ان کے باپ سے اور اپنی بڑی بہن سے' کنبے کے اور دو چار آدمیوں سے پوچھوں گچھوں۔ پھر جیسا ہوگا دیکھا جائے گا اور ابھی تو ارجمند خان لڑکا ہے۔ اس کے بیاہ کی کیا جلدی ہے۔

اصغری: حوصلے سے بڑھ کر میں نے سوال کیا ہے۔ جس طرح مصر میں کوئی بڑھیا عورت سوت کی انٹی لے جا کر حضرت یوسف علیہ السلام کی خریدار بنی تھی۔ اسی طرح

Marfat.com

میرے پاس غریبی اور عاجزی کے سوا کچھ دینے کو نہیں۔ صرف آپ کی مہربانی درکار ہے۔

ہر چند سلطانہ بیگم نے زبان سے کچھ نہ کہا لیکن انداز سے معلوم ہوا کہ بات ناگوار نہ ہوئی۔ چلتے ہوئے اصغری جمال آرا اور حسن آرا سے کہتی آئی کہ اب اس کا نباہ آپ لوگوں کے اختیار میں ہے۔ اصغری کے جانے کے بعد دونوں بہنوں نے محمودہ کی حد سے زیادہ تعریف کی۔ سلطانہ تو نیم راضی ہوگئی لیکن شاہ زمانی بیگم کی بھی ایک بیٹی تھی' دلدار جہاں اور مدت سے شاہ زمانی بیگم اپنی بیٹی کے لیے ارجمند کو تکے بیٹھی تھی۔ ابھی تک اپنی بہن سے کچھ اس کا تذکرہ نہیں کرنے پائی تھی۔ جب اصغری نے محمودہ کی نسبت گفتگو کی تو سلطانہ بیگم نے شاہ زمانی بیگم سے پچھوا بھیجا کہ آپ کے نزدیک یہ بات کیسی ہے۔ شاہ زمانی بیگم یہ حال سن کر بہت سٹپٹائی اور اس فکر میں ہوئی کہ کسی طرح محمودہ کی بات دب جائے تو دلدار جہاں کی پٹس جما دوں۔ اس وقت تو اتنا ہی کہلا بھیجا کہ میں سوچ کر جواب دوں گی۔ اگلے دن خود بدولت آموجود ہوئیں اور جب ذکر چلا تو سلطانہ سے کہا کہ کہاں تم اور کہاں مولوی صاحب! زمین آسمان کا جوڑ۔ یہ بات یہاں لایا تو کون لایا؟

سلطانہ نے کہا ''استانی جی!''

شاہ زمانی: دیکھو! میں خود استانی جی کے پاس جاتی ہوں۔

حسن آرا کو ساتھ لے کر جھٹ سے اصغری کے پاس جا دھمکیں اور کہنے لگیں کہ استانی جی تم تو ایسی عقل مند ہو اور تم نے اتنا نہ سمجھا کہ ایسے رشتے برابر کی ٹکر دیکھ کر کیے جاتے ہیں؟ علوی خاں کے گھر سے صرف اتنی بات پر رقعہ پھرا کر انہوں نے سونے کا چھپر کھٹ نہیں مانا۔ بھلا تم محمودہ کو کیا دو گی؟

اصغری: بیگم صاحب! میں نے لڑکی کے بیاہ کا ذکر چھیڑا تھا' کچھ لڑکی کے مول تول کا پیغام نہیں دیا۔ شہر میں اگرچہ اب کل رسمیں بگڑ گئی ہیں لیکن وضع دار لوگوں میں لینے دینے کا چکوتا کہیں نہیں سنا۔ جو بیٹی دے گا' وہ کیا اٹھا رکھے گا؟ باقی رہی برابری' سو ظاہر ہے کہ

Marfat.com

دولت کے اعتبار سے ہم کو کچھ نسبت نہیں۔ یہاں تو علوی خاں کا چوتھائی بھی نہیں لیکن آپ تو لڑکا بیاہتی ہیں۔ آپ کو امیری غریبی سے کیا بحث؟ لڑکی دینی ہو تو انسان یہ بھی سوچ کر کہ بھائی لڑکی کا گزر دیکھ لو یا کوئی غریب ہو اور بہو کے جہیز پر ادھار کھائے بیٹھا ہو وہ امیر گھر ڈھونڈے تو جائے سر ہے۔ آپ تو بیٹی لیتی ہیں اور سب کچھ خدا کا دیا ہوا آپ کے ہاں موجود ہے۔ آپ کو صرف لڑکی دیکھنا ہے سو محمودہ کا کوئی حال آپ سے مخفی نہیں۔ صورت' شکل' ذات جو کچھ بری بھلی ہے' وہ آپ کو معلوم ہے۔

شاہ زمانی: کیا ہوا؟ پھر بھی جوڑ دیکھ کر بات کی جاتی ہے۔

اصغری: بیگم صاحب! خطا معاف۔ اب جوڑ کہاں ہے۔ جوڑ تو ان دنوں کا تھا جب علی نقی خاں نے اس گھر میں بہن کو بیاہ دیا تھا یا یہ وہی گھر ہے کہ بیٹی لینے کے واسطے بھی جوڑ نہیں۔ اب کیا اس گھر میں کیڑے پڑ گئے ہیں؟ دولت نہیں' سو یہ بڑا بول خدا کو نہیں بھاتا۔

اصغری نے شاہ زمانی کو ایسے آڑے ہاتھوں لیا کہ بات نہ بن پڑی اور شاہ زمانی نے کہا ''استانی جی! تم تو خفا ہوتی ہو۔''

اصغری: بیگم صاحب! میری کیا مجال ہے۔ مجھ کو امید تھی کہ آپ میری مدد کیجئے گا نہ کہ خود آپ ہی کو ناگوار ہے۔

شاہ زمانی: استانی جی! برا مانو یا بھلا' جوڑ نہیں۔

اصغری: دولت میں بے شک جوڑ نہیں ہے۔ ذات میں برابری کا دعویٰ ہے۔ ہنر میں ان شاء اللہ وہ ہماری جوڑ نہ ٹھیریں گی۔ کیا مضائقہ ایک بات میں وہ کم' ایک بات میں ہم کم۔ ہماری جیسی بہو دنیا میں چراغ لے کر ڈھونڈتی پھریں گی تو نہیں پائیں گی۔

شاہ زمانی: استانی جی! اقبال مند خاں کے لڑکے کا رقعہ کیوں نہیں منگواتیں؟

اصغری: کچھ خدانخواستہ لڑکی ہم کو دو بھر نہیں۔ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ آپ کی دلدار جہاں بیگم سے تو میں جانتی ہوں دو ڈھائی برس چھوٹی ہوگی۔ جب آدمی ڈھونڈنے پر آتا ہے تو رقعوں کی کیا کمی ہے۔ لڑکیوں کو لڑکے بہت اور لڑکوں کو لڑکیاں بہت۔ میں نے سوچا تھا کہ ہنر اور دولت ساتھ ہے۔ یہ چیز امیروں کے لائق ہے اور امیر اس کو زیبا

Marfat.com

ہیں۔ بات ٹھہر جائے تو دونوں کے لیے اچھا ہے لیکن اگر منظور نہیں ہے تو آپ دلدار جہاں سے نسبت کر دیجئے۔

شاہ زمان بیگم: میرا ارادہ ہے کہ دلدار کو غیر جگہ دوں۔ رشتے میں رشتہ بے لطفی سے خالی نہیں ہوتا۔ شاہ زمانی بیگم تو یہ کہہ کر رخصت ہوئیں' حسن آرا بیٹھی رہ گئی۔ خالہ نے کہا بھی کہ بیٹا چلو۔ حسن آرا بولی: ''آپ چلیے' میں استانی جی سے کئی برس میں ملی ہوں۔ باتیں کروں گی۔'' جب شاہ زمانی چلی گئی تو حسن آرا نے کہا۔ ''استانی جی! اماں راضی ہیں۔ یہی حضرت بات کو بگاڑ رہی ہیں۔ منہ سے انکار کرتی ہیں تو کرنے دو۔ ان کا اصل مطلب یہی ہے کہ دلدار کی بات ٹھہر جائے۔''

اصغری: اب تقدیر کی بات ہے۔ بھلا ان کے ہوتے ہماری کیا اصل ہے؟ لیکن بوا حسن آرا! میں نے کچھ بے جا بات نہیں سوچی تھی۔ پیوند میں پیوند ملتا دیکھ لیا تھا۔ تمہارا اتنا بڑا گھر اور اللہ آمین کا ایک لڑکا۔ جو کچھ مال و متاع ہے' سب اسی کا ہے۔ پس اتنے بڑے کارخانے کے سنبھالنے کو بھی بڑی عقل اور بڑا سلیقہ چاہیے۔ محمودہ غریب گھر کی ہے تو کیا' اللہ رکھے حوصلہ اور سلیقہ امیروں جیسا ہے۔ تمہارے گھر میں اگر کوئی بے سلیقہ آئی اور جہیز کے چھکڑے لائی تو کس کام کی؟ اس کو اپنے جہیز کا رکھنا اٹھانا مشکل پڑ جائے گا۔ تمہارے گھر کا انتظام کیا کر سکے گی؟ محمودہ تو ماشاء اللہ ملک کا انتظام کرنے والی ہے۔ پھر بوا حسن آرا یہ بات بھی سوچنی چاہیے کہ رشتہ ناتا کس غرض سے ہوتا ہے۔ دنیا سے جہاں تک ہو سکے میل ملاپ کو بڑھانا چاہیے۔ گھر کے گھر میں نسبت ناتا کر لیا تو کیا؟ شادی بیاہ جب کرے غیر جگہ اور اپنی بات تمہارے روبرو تمہاری خالہ نے بھی کہی اور یہ رائے ان کی بہت درست ہے۔

حسن آرا: استانی جی! میں اور آپا نے خوب خوب طرح پر اماں سے کہا ہے اور اب یہ سب باتیں میں اماں سے کہوں گی۔ امید تو ہے کہ یہی بات در رہے۔

غرض اصغری نے یہ سب پٹی پڑھا کر حسن آرا کو رخصت کیا۔ وہاں شاہ زمانی نے سلطانہ سے جا کر کہا ''بوا! میں نے تو استانی جی کے منہ پر صاف صاف کہہ دیا کہ تمہارا ان کا جوڑ نہیں۔ آدمی کو سمجھ کر بات منہ سے نکالنی چاہیے۔'' لیکن بیچ یہ آ پڑا تھا کہ شاہ زمانی

Marfat.com

اپنے منہ سے اپنی لڑکی کے واسطے کہہ نہیں سکتی تھی۔ یہ بات مدتوں سے شاہ زمانی کے دل کو لگی ہوئی تھی لیکن قرابت مندی کے گھمنڈ پر اس نے تگ و دو نہ کی۔ وہ سمجھی کہ جلدی کیا ہے۔ لڑکا گھر میں ہے۔ جب موقع ہوگا' مردوں مردوں میں بات ہو جائے گی۔ اب محمودہ کی بات میں غریبی بڑا اعتراض تھا۔ آخر شاہ زمانی سے الگ ہو کر سلطانہ بیگم نے اپنی دونوں بیٹیوں سے جو صلاح کی تو حسن آرا نے کہا ''اماں! بات صاف تو یہ ہے کہ خالہ اماں دلدار کے واسطے تجویز کرتی ہیں۔

سلطانہ نے کہا ''بھلا ارجمن سے بھی تو ہنسی ہنسی میں پوچھو۔''

جمال آرا نے بھائی کو بلایا اور کہا ''کیوں بھائی! تمہاری شادی بیاہ کی تجویز ہو رہی ہے۔ تم بھی تو کچھ بولو۔ دلدار جہاں سے راضی ہو؟''

ماں کے منہ یہ لحاظ کے سبب ارجمند کچھ نہ بولا لیکن اشارے سے اپنی بہنوں سے انکار کیا۔ اس کا انکار جمال آرا اور حسن آرا کے لیے حجت ہو گیا۔ حسن آرا نے کہا ''صورت شکل' ہنر' سلیقہ' یہ باتیں تو محمودہ کے پاسنگ بھی کسی لڑکی میں نہ ملیں گی۔ اس کا ذمہ تو میں کرتی ہوں۔ ہاں' کچھ چاہو کہ سونے کا چھپر کھٹ ملے' سو یہ ان بے چارے غریبوں کے پاس کہاں؟''

سلطانہ: بوا! اصل تو لڑکی دیکھنا ہے۔ اللہ کے فضل سے ہمارے گھر میں خود کسی چیز کی کمی نہیں۔ ہم کو بھاری جہیز لے کر کیا کرنا ہے؟

جمال آرا: پھر کیا تامل ہے؟ بسم اللہ کیجئے۔

حسن آرا: گو غریبی ہے لیکن استانی جی بڑی تدبیر کی آدمی ہیں۔ منہ سے نہیں کہیں تو کیا ہے' وقت پر حیثیت سے بڑھ کر کریں گی۔

سلطانہ: اچھا تمہارے ابا آلیں تو ان سے بھی صلاح پوچھی جائے۔

چھوٹے حکیم صاحب آئے تو جمال آرا اور حسن آرا نے بھی محمودہ کے مقدمے کو اس طرح پیش کیا جیسے کچہری میں وکیل اپنے موکل کے مقدمے کو پیش کرتے ہیں۔ غرض چھوٹے حکیم صاحب نے بھی محمودہ کی بات کو پسند کیا۔ اب تو دونوں بہنیں بے تحاشا اصغری کے پاس دوڑی گئیں۔ محمد کامل کی ماں کو اصلاً ان باتوں کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے

Marfat.com

پوچھا بھی کہ کیا بیگم صاحب! اس طرح کیوں دوڑتی ہو؟ پائچے تو اٹھا کر چلو۔

حسن آرا: کچھ نہیں۔ استانی جی کے پاس جاتے ہیں۔

اصغری کے پاس جاتے ہی حسن آرا نے کہا ''لیجئے استانی جی مبارک! ہمارا انعام دلوایئے۔''

اصغری نے کہا ''خدا تم سب صاحبوں کو بھی مبارک کرے اور انعام دینے کا ہمارا کیا منہ ہے۔ میرا انعام ہے دعا۔ سو شبانہ روز میں تمہاری دعا گو ہوں اور جب تک جیوں گی دعا گو رہوں گی۔'' اور آب دیدہ ہو کر یہ بھی کہا ''الٰہی! انجام بخیر! الٰہی سازگاری! الٰہی مجھ ناچیز کی سرخروئی! الٰہی محمودہ کو دنیا اور دین کی برکت! الٰہی محمودہ دودھوں نہائے اور پوتوں پھلے! الٰہی محمودہ بوڑھ سہاگن ہو۔''

حسن آرا: نہیں استانی جی! ہم تو آج اپنا منہ ضرور میٹھا کرائیں گے۔

اصغری: بیٹھئے بیٹھئے۔ مٹھائی کھایئے۔

دیانت کو بلا' پانچ روپے نکال اس کے ہاتھ دیے اور کہا گھنٹے والے کی دکان پر سے بہت عمدہ قلاقند اور دریبے کے نکڑ سے پیٹھے کی مٹھائی اور شاہ تارا کی گلی سے موتی پاک اور چاندنی چوک سے لوزات اور نیل کے کٹڑے سے گلی کی تلی دال اور خانم کے بازار سے نمش ابھی جا کر لاؤ۔ اتنے میں دونوں کو دو گلوریاں بنا کر دیں اور مٹھائی کی ٹوکری آ موجود ہوئی۔ اصغری' اکبری' حسن آرا' جمال آرا' سب نے مل کر خوب کھائی اور جو بچی مکتب میں بھیج دی۔ اب چلتے ہوئے اصغری نے کہا ''اس وقت تک میں نے اماں جان کو خبر نہیں کی تھی' اب ان سے تذکرہ کر کے ان شاء اللہ پرسوں اچھی تاریخ اور اچھا دن ہے' معمولی رسم ادا ہو جائے۔'' یہ دونوں رخصت ہوئیں تو اصغری نے ساس سے کہا ''اماں جان! کچھ محمودہ کا بھی فکر ہے؟''

ساس: کیا فکر کروں؟ کہیں سے بات بھی آئے۔ میں ایک جگہ سوچے بیٹھی ہوں۔ محمد صالح کے ساتھ محمودہ کا بیاہ کروں گی۔

اصغری: کجا محمد صالح اور کجا محمودہ۔ بھائی محمد صالح کی عمر بھائی جان سے کچھ کم نہ ہوگی۔

Marfat.com

محمد کامل کی ماں: ہاں! عاقل سے چھ مہینے میں صالح بڑا ہے۔ دونوں ایک ہی برس پیدا ہوئے تھے۔

اصغری: بھلا پھر تھوڑا فرق ہے؟

محمد کامل کی ماں: اور تو کہیں سے سلام پیام نہیں۔

اصغری: میں نے ایک بات سوچی ہے۔ اگر آپ کو پسند ہو تو ذکر چلاؤں؟

محمد کامل کی ماں: وہ کیا ہے؟

اصغری: حکیم فتح اللہ کے لڑکے سے۔

محمد کامل کی ماں: بھلا بیٹی! جھونپڑے کا رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا۔ کجا حکیم کا گھر۔ آج ان کے یہاں ماشاء اللہ وہ دولت ہے کہ شہر میں ان کا ثانی نہیں اور کجا ہم غریب کہ رہنے تک کا جھونپڑا بھی درست نہیں۔ یہاں کی بات کیا ان کی خاطر تلے آئے گی۔ ناحق کہہ کر بھی پشیمان ہوتا ہے۔

اصغری: وہ دولت مند ہیں تو اپنے واسطے ہیں۔ ہم کیا خدانہ کرے کچھ ان کے دست نگر ہیں؟ وہ اپنے پلاؤ زردے میں مست ہیں تو ہم اپنے دلیے میں مگن ہیں۔ ذات میں ہم ان سے پلے نہیں۔ ہنر جو ماشاء اللہ ہماری محمودہ میں ہے' وہ ان کے بڑوں کو بھی نصیب نہ ہوا ہوگا۔

محمد کامل کی ماں: بوا! دولت کے آگے ہنر ہاتھ باندھے کھڑا رہتا ہے۔ سونے کا چھپر کھٹ پہلے بنوالوں تب ان سے بات کرنے جاؤں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ تم اس کا خیال مت کرو۔ اے علوی خاں میں کیا برائی تھی؟ رقعہ بھیج کر انہوں نے الٹا منگوا لیا۔ بوا! غریبوں کی کھپت غریبوں ہی میں ہوسکتی ہے۔

اصغری: ہزار دولت کی ایک دولت تو خوبصورتی ہے۔ چشمِ بد دور ہماری محمودہ سے بہتر کنبے میں تو ڈھونڈ لیں۔

محمد کامل کی ماں: بوا! تم کیسی لڑکیوں کی سی بات کرتی ہو۔ حسن بھی ہمسری کی حالت میں پوچھا جاتا ہے اور پھر یہ بات منہ سے کہنے کی ہے کہ ہماری لڑکی خوبصورت ہے؟ اور میں تو نہیں سمجھتی کہ خوبصورتی کیا بلا ہے۔ بڑی بڑی خوبصورتوں کو دیکھا' جوتیوں کے

Marfat.com

برابر قدر نہیں اور بدشکلیں ہیں کہ لالوں کی لال بنی بیٹھی ہیں۔

اصغری: خوبصورتی بھی ایسی چیز ہے کہ آدمی اس پر فریفتہ نہ ہو؟ مگر اکثر آدمی جن کی صورت اچھی ہوتی ہے' سیرت کے خراب اور مزاج کے گندے ہوتے ہیں۔ ان کو اپنی صورت پر ناز ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے ان کی دال کہیں نہیں گلنے پاتی اور ان کا مزاج ان کے حسن کی قیمت گھٹا دیتا ہے لیکن اگر صورت کے ساتھ خدا سیرت بھی اچھی دے تو سبحان اللہ! نور علیٰ نور۔ جیسی ہماری محمودہ کی صورت' ویسی سیرت۔ دونوں ماشاء اللہ ایک کا جواب ایک۔

محمد کامل کی ماں: آخر کچھ دینے کو بھی چاہیے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی تمہارے مکتب کی کوئی لڑکی خدا جانے کیا پڑھ رہی تھی اور محمودہ اس کو معنی سمجھا رہی تھی کہ میاں تو فیل بانوں سے میل جول مت کرو اور کرنا ہے تو ہاتھی کی آمد و رفت کے لائق گھر کا دروازہ بھی اونچا کرنا پڑے گا۔ ہم غریبوں کے پاس ان کی شان کے لائق دینے کو کہاں؟ ناحق بیٹھے بٹھائے اپنی ہنسی کرانی کیا ضرور ہے؟ اور فرض کیا بات ہو بھی گئی اور لڑکی وہاں نظروں میں حقیر رہی تو نقصان مایہ اور شماتت ہمسایہ۔

اصغری: عزت اور ذلت کچھ جہیز پر منحصر نہیں۔ رہی میاں بی بی کی موافقت تو یہ اور ہی چیز ہے۔ جمال آرا کیا کم جہیز لے کر گئی تھیں؟ لیکن ایک دن بھی سسرال میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔ دور کیوں جاؤ۔ ہماری آپا کو بھی ہمارے ہی برابر ملا تھا۔ پھر کیوں روزانہ لڑائی رہتی ہے؟ یہ تو اپنا اپنا مزاج اور اپنا اپنا سلیقہ ہے۔

محمد کامل کی ماں: یہ تو میں نے مانا کہ میاں بی بی کا پیار اخلاص جہیز پر موقوف نہیں لیکن کنبے کے لوگ بے کہے کب باز آتے ہیں اور لڑکے نے خیال نہ کیا تو کیا ہے' ساس نندیں ہی موقع پا کر کبھی بات میں بات کہہ گزریں۔ آخر دل کو برا لگتا ہی ہے۔ ایک تو بیٹی والے کا یوں ہی سر نیچا ہے' اس پر دان جہیز واجبی اور غضب ہے۔ نہ بوا! یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔

اصغری: کنبے والوں سے کیا مطلب؟ کنبے والے ہر روز تھوڑے ہی پاس بیٹھے رہتے ہیں۔ ہاں' ساس نندوں کے رات دن کے طعنے بے شک غضب کا سامنا ہے۔ سو حسن

Marfat.com

آرا اور جمال آرا طعن و تشنیع کا تو کیا محمودہ کے پاؤں دھو دھو کر پیا کریں گی۔ ایسا بھی کیا اندھیر ہے۔ کیا بیاہ ہوتے کے ساتھ آنکھوں پر ٹھیکریاں رکھ لیں گی؟ حسن آرا کو جیسی محبت محمودہ کے ساتھ ہے' آپ تو دیکھتی ہیں۔ رہیں جمال آرا سو دل کی خدا جانے ظاہر میں تو جب ملتی ہیں' بچھی جاتی ہیں۔ میں بھی تو آخر جیتی بیٹھی ہوں۔ محمودہ کو بری طرح رکھیں گی تو مجھ کو کیا منہ دکھائیں گی اور سو بات کی ایک بات تو یہ کہ ساس نندیں بھی ہوا دیکھا کرتی ہیں۔ لڑکے کو ریجھا ہوا دیکھیں گی تو کسی کی مجال نہیں کہ محمودہ کو آنکھ بھر کر دیکھ لے۔

محمد کامل کی ماں: آخر تمہاری مرضی کیا ہے؟ شربت کے پیالے پر نکاح پڑھا دوں؟

اصغری: یہ تو میرا مطلب نہیں اور نہوت میں شربت بھی نہیں جڑتا تو کیا بیٹا بیٹی کے کام کاج نہیں کرتے۔ دینا دلانا بھی دنیا کی رسم ہے۔ مگر جتنی چادر دیکھئے اتنے پاؤں پھیلایئے۔ مقدور کے موافق جو بن پڑا دیا' نہ بن پڑا نہ دیا۔ نام نمود کے پیچھے گھر کا دیوالہ نکال بیٹھنا بھی عقل مندی کی بات نہیں۔ میرے مکتب میں سلمٰی لڑکی پڑھتی ہے۔ اس کے ابا کو غدر کے پیچھے سرکار سے دس ہزار روپے انعام ملا تھا۔ کسی میم کی جان بچائی تھی۔ دس ہزار روپے ان کو اتنا تھا کہ عمر بھر آبرو سے رہتے۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی بیاہنے اٹھے۔ شیخی میں آ کر دس ہزار سرکار کا دیا ہوا اٹھا بیٹھے اور ہزار پان سو اوپر سے قرض لے کر لگا دیا۔ اس وقت تو خوب ہر طرف واہ واہ ہوئی' اب گھر میں اس قدر تنگی ہے کہ کھانے تک کو حیران ہیں۔ بیاہ میں مجھ کو بھی بلاوا آیا تھا۔ سامان دیکھ کر میں تو دنگ ہو گئی۔ بلکہ سلمٰی کی اماں نے برا بھی مانا ہو' تو کہہ دیا کہ بوا! بیٹا بیٹی کا دینا آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک۔ گھی کہاں گیا؟ کھچڑی میں۔ مگر اپنی ہنڈیا کی خیر منانی ضروری ہے۔ کہنے کو تو میں اتنا کہہ گزری مگر پیچھے مجھ کو پچھتاوا بھی آیا۔ سلمٰی کی بہن دل میں کہتی ہوگی کہ استانی جی! لینا ایک نہ دینا دو' ناحق بھانجی مارتی ہیں۔

محمد کامل کی ماں نے کہا ''ہاں سچ ہے۔ مگر کم بخت دنیا میں رہنا ہے۔ کیا کریں؟ کہاں جائیں؟ ہو یا نہ ہو' کرنا ہی پڑتا ہے۔ دنیا کی سی نہ کریں تو نکونان بنے انگشت نما کون ہو۔ میں نے مولوی اسحاق صاحب کے درس میں سنا تھا کہ اگلے وقتوں میں عرب

Marfat.com

کے لوگ بیٹیوں کو پیدا کرتے ہی مار ڈالتے تھے۔

اصغری: اماں جان! دور کیوں جاؤ ہمارے ملک میں راجپوت بھی تو یہی کرتے تھے۔ اب انگریزوں کی روک ٹوک سے بندی ہوئی۔ اس پر بھی کئی دفعہ بھنک پڑی ہے کہ چوری چھپے خون ہوئے۔

محمد کامل کی ماں: عقل کیا کرے، غیرت قبول نہیں کرتی۔

اصغری: غریبی میں غیرت کی کیا بات ہے؟ دنیا میں غریب لوگ زیادہ ہیں۔ غریب ہونا غیرت کی بات ہے تو دنیا میں بے غیرت بہت ہیں۔ امیری غریبی سب اپنی اپنی قسمت ہے۔ سب یکساں کیونکر ہو جائیں۔

محمد کامل کی ماں: اے ہے! بلا سے شادی بیاہ میں بہت خرچ کرنے کی تو سرکار سے مناہی ہو جاتی تو جھگڑا مٹتا۔

اصغری: اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز لوگ کچھ بندوبست کرنے والے ہیں۔ ہمارے شہر کے رئیس بھی تو بلائے گئے تھے۔ سنا ہے خرچ کی ایک حد بندھ گئی ہے۔ مہر کا اندازہ مقرر ہوا ہے مگر یہ کام ہم لوگوں کے کرنے کے ہیں۔ سب ایکا کر کے جتنے خرچ فضول ہیں موقوف کریں۔

محمد کامل کی ماں: خرچ کے فضول ہونے کی جو تم نے کہی تو جس کو خدا نے دیا ہے، اس کے نزدیک تو کچھ فضول نہیں۔ ہاں، جس کے پلے کوڑی نہیں، اس کو تو سبھی فضول ہے۔

اصغری: یہ نہ فرمائیے۔ شادی بیاہ میں تو واجبی خرچ کم ہے۔ فضول باتوں میں بہت روپیہ اٹھ جاتا ہے۔ ہمارے خاندان میں تو ناچ، تماشا، باجا، گانا، آتش بازی، نوبت نقارہ کچھ ہوتا واتا نہیں، مگر جن کے ہاں ہوتا ہے اسی میں سینکڑوں ہزاروں پر پانی پھر جاتا ہے۔

محمد کامل کی ماں: ناچ تماشا جن کے ہاں ہوتا ہو، وہ جانیں۔ بھلا ہمارے ہاں کون سا فضول خرچ ہے۔

اصغری: کیوں نہیں؟ منگنی، تیج تیوہار، ساچق، مہندی، برات، پہاڑ، چوتھی چالے، بہت ساری بھاری جوڑے، جڑاؤ گہنا، سبھی فضول ہے۔

Marfat.com

محمد کامل کی ماں: بھلا رسمیں تو رسمیں تم کپڑے اور زیور کو بھی فضول بتاتی ہو۔

اصغری؛ نرے کپڑے اور نرا زیور تو کام کی چیز ہے۔ مگر بھاری جوڑے' آپ ہی انصاف فرمایئے کس کام آتے ہیں۔ خود میرے جوڑے پڑے گلتے ہیں۔ گھر میں پہننے سے دل کڑھتا ہے۔ کبھی کبھار شادی بیاہ میں پہن گئی۔ عید بقر عید کو ذرا کی ذرا نکلے۔ باقی بارہ مہینے گٹھڑی میں بندھے رکھے ہیں۔ آئے دن دھوپ کا دینا مفت کا دردسر اور جو بیچنے اٹھو تو مال کا مول نہیں ملتا۔ مصالحے کے دام تک کھرے نہیں ہوتے اور یہی حال جڑاؤ زیور کا ہے۔ مولوی کفایت اللہ کی بیٹی کا بیاہ آپ نے سنا ہے؟ بس ایسے بیاہ مجھ کو پسند ہیں۔

محمد کامل کی ماں: کون مولوی کفایت اللہ؟

اصغری: لڑکیوں کے مدرسوں کے افسر۔

محمد کامل کی ماں: وہ تو شاید شہر کے رہنے والے نہیں ہیں۔

اصغری: نہیں۔ آگرے کی طرف کے رہنے والے ہیں۔ بیوی بچوں کو اپنے پاس بلا لیا ہے۔ بیٹی کی منگنی اسی شہر میں کی تھی۔ بیوی کی مرضی یہ تھی کہ اپنے شہر میں جا کر بیٹی کا بیاہ کریں۔ یہاں سے برات جائے۔ مولوی صاحب نے بیوی کو سمجھا بجھا کر راضی کر لیا۔ ایک دن دو چار میل ملاپ والوں کو بلا بھیجا۔ مہمان جو گھر پہنچے تو سنا کہ بیٹی کا نکاح ہے۔ تھوڑی دیر بعد سمدھی لڑکے کو ساتھ لے آ موجود ہوئے۔ شرع محمدی نکاح پڑھا دیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ دان جہیز جم ہی جم دیا۔ نکاح کے پانسو روپے نقد مولوی صاحب نے بیٹی داماد کے آگے لا کر رکھ دیے اور کہا کہ بس بھائی' میری کمائی میں تمہاری تقدیر کا اسی قدر تھا۔ اگر میں چاہتا تو اس میں مہمان داری بھی کر دیتا اور دنیا کے دستور کے موافق ایک دو بھاری جوڑے بھی بنا لیتا۔ مگر میں نے سوچا تو یہی مناسب معلوم ہوا کہ نقد روپیہ تم کو دینا بہتر ہے۔ اب تم جس طرح چاہو اس کو کام میں لاؤ۔

محمد کامل کی ماں یہ سن کر بولیں "ہاں' پردیس میں مولوی صاحب جو چاہتے سو کرتے۔ کہنے سننے والا کون تھا۔"

Marfat.com

اصغری: کیوں؟ کہنے سننے والی بیوی اور پردیس پر کیا موقوف ہے ہمت چاہیے۔ کرنے والا ہو تو شہر میں بھی کر گزرے کہنے والوں کو بکنے دیا۔ اپنے کام سے کام۔

محمد کامل کی ماں: کیا تم نے محمودہ کا اسی طرح کا اونگھتا اداس نکاح تجویز کیا ہے؟

اصغری: بے شک میں تو لوگوں کے کہنے سننے کی پروا نہیں کرتی۔ میرا بس چلے تو محمودہ کا نکاح کفایت اللہ کی بیٹی کا جواب ہو۔ انہوں نے دو چار مہمان بلائے تھے اور میرے نزدیک اس کی بھی ضرورت نہیں۔

محمد کامل کی ماں: نہ بوا' خدا کے لیے ایسا غضب تو مت کرنا۔ اس بڑھاپے میں میری تو یہی ایک بچی بیاہنے کو ہے۔ اب کیا میں قبر سے کسی کا بیاہ برات کرنے پھر آؤں گی؟

اصغری: نہیں ایسا تو میرا ارادہ نہیں ہے۔ مگر البتہ یہ بات ضرور میں نے اپنے دل میں ٹھان رکھی ہے کہ نہ تو ایک پیسہ قرض لیا جائے اور نہ کوئی جائیداد گروی رکھی جائے۔ جو کچھ اس کے نام کا رکھا رکھایا ہے اور جو کچھ اس کی تقدیر سے عین وقت پر ہو جائے' بس کافی ہے۔

محمد کامل کی ماں: سبحان اللہ! ایسا ہو تو کیا بات ہے' مگر جب دوسری طرف والے بھی ہامی بھریں۔

اصغری: اور اگر وہ راضی ہو جائیں؟

محمد کامل کی ماں: ان کا راضی ہونا کیا ہنسی ٹھٹھا ہے؟ اللہ آمین کا ایک تو بیٹا۔ نہیں معلوم کیا کیا حوصلے ان کے دلوں میں ہیں۔ وہ تو برابر کی ٹکر کا گھر دیکھ کر بات کریں گے اور سب ارمان نکالیں گے۔

اصغری: جب سے میں سیالکوٹ سے آئی ہوں' اس بات کی تدبیر کر رہی ہوں۔ ادھر سب ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے۔ ابھی جمال آرا اور حسن آرا بھاگی ہوئی آئی تھیں۔ چھوٹے حکیم صاحب کو بھی منظور ہے۔ شاہ زمانی بیگم نے اپنی بیٹی کے واسطے بہت بہت تدبیریں کیں۔ خدا کے فضل سے کوئی کارگر نہ ہوئی۔ اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔ پرسوں دن بھی اچھا ہے۔ ادھر سے مٹھائی آ جائے۔ بات پکی ہو جائے پھر بیاہ کو دیکھا جائے گا۔

Marfat.com

محمد عاقل کی ماں یہ سن کر حیران رہ گئیں اور کہا ''بات تو بہت اچھی ہے۔ ہماری لیاقت سے کہیں زیادہ ہے لیکن ان کے لائق سامان ہونا ہم سے مشکل ہے۔''

اصغری: خدا مسبب الاسباب ہے۔ جب محمودہ کی تقدیر ایسے اونچے گھر لڑی ہے تو خدا اپنی قدرت سے وقت پر کچھ سامان بھی کر دے گا۔

محمد کامل کی ماں: اپنے سسرے کو آنے دو تو مٹھائی کے واسطے ان سے پوچھ لوں۔

تھوڑی دیر بعد مولوی صاحب آئے' منگنی کا حال سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا ''بے تامل پرسوں مٹھائی آئے'' اصغری نے حسن آرا کو کہلا بھیجا۔ روز مقررہ پر پانچ من مٹھائی اور سو روپے آ گئے۔ ادھر سے سوا سو من مٹھائی اور سوا سو روپیہ گیا۔ ہر طرف سے مبارک سلامت ہو گئی۔

Marfat.com

باب بتیسواں

# محمودہ کا بیاہ

منگنی کا ہونا تھا کہ چھوٹے حکیم صاحب نے بیاہ کا تقاضا شروع کیا اور مولوی صاحب سے کہلا بھیجا کہ مدت سے میرا ارادہ حج کے جانے کا ہے اور صرف اسی وقت کا انتظار ہے۔ زندگی کا اعتبار نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ رجب کے مہینے میں عقد ہو جائے۔ مولوی صاحب نے اصغری سے پوچھا۔ اصغری نے کہا ''بالفعل یہ کہلا بھیجنا چاہیے کہ ہم فکر میں ہیں۔ جہاں تک ہو سکتا ہے تدبیر کرتے ہیں۔ سامان مختصر جو دینا منظور ہے اگر اس عرصے میں جمع ہوا جاتا ہے تو ہم کو بھی یہ فرض آخر ادا کرنا ہے۔ جس قدر جلد ہو بہتر ہے۔''

حکیم صاحب نے پھر کہلا بھیجا کہ میں نے جہیز اور سامان کی امید سے آپ کے ہاں رشتہ نہیں کیا۔ مجھ کو لڑکی چاہیے آپ سامان کا فکر نہ کیجئے۔ ادھر سے جواب گیا ''بہت خوب! ہم کو بھی رجب میں عقد کر دینا منظور ہے۔''

ستائیس تاریخ رجب کی مقرر ہوئی اور دونوں طرف سے سامان ہونے لگے۔ سامان کا شروع ہونا تھا کہ مولوی صاحب کو فکر پیدا ہوا۔ کبھی کہتے تھے۔ ہزاری مل سے قرض لوں، کبھی سوچتے گھی کا کنڑا بیچ ڈالوں یا گروی رکھ دوں۔ اصغری نے مولوی صاحب کو یوں پریشان دیکھ کر پوچھا ''آپ نے کیا تدبیر کیا ہے؟''

مولوی صاحب نے کہا ''کیا بتاؤں شادی کی تاریخ سر پر چلی آتی ہے اور روپے کی صورت کہیں سے بن نہیں پڑتی۔ ہزاری مل سے میں نے روپیہ مانگا تھا۔ وہ بھی ٹال گیا۔ گھی کے کنڑے کو جدا کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ کوئی خریدار نہیں کھڑا ہوتا۔''

اصغری نے کہا' ہرگز ہرگز آپ قرض نہ لیجئے اور نہ جائیداد فروخت کیجئے۔ قرض

Marfat.com

سے بدتر کوئی چیز نہیں اور جائیداد کا جدا ہونا کیا مشکل ہے لیکن اس کا بہم پہنچنا بہت دشوار ہوتا ہے۔"

مولوی صاحب: قرض تو لوں نہیں اور جائیداد کو جدا نہ کروں تو کیا میں کیمیا گر ہوں یا دست غیب جانتا ہوں؟ روپیہ کہاں سے آئے؟"

اصغری: پہلے گھر کا حساب دیکھ لیجیے۔ کپڑے تو کچھ پہلے سے تیار ہیں۔ صرف تھوڑا سا مصالحہ درکار ہوگا۔ سو میرے جوڑوں میں بعضے بہت بھاری ہیں۔ ان میں سے کم کر کے اتنا مصالحہ نکلے آئے گا کہ محمودہ کے جوڑوں کو کافی ہو جائے گا۔ برتن موجود ہیں۔ کوئی مول لینا نہیں۔ کاٹ' کباڑ' سامان بالائی یہ سب میں اپنا دے دوں گی۔ بے فائدہ پڑا پڑا خراب ہوتا ہے اور میرے کسی مصرف کا نہیں اور آخر آپ کے پاس بھی کچھ روپیہ نقد ہوگا۔"

مولوی صاحب: پانچ سو روپیہ ہے۔

اصغری: بس بہت ہے۔ جب میں سیالکوٹ جانے لگی' مکتب کی رقم چار سو روپے تھی۔ وہ امانت رکھی ہے۔ میرے پیچھے دو سو روپیہ اور ہوا۔ سو آدھا آپا کا حق ہے اور سو روپیہ محمودہ کا۔ یہ ملا کر مکتب کی رقم کے پانسو ہو جائیں گے۔ محمودہ کے چھوٹے بھائی کو میں نے خط لکھا ہے۔ اس طور ڈیڑھ ہزار روپیہ نقد اس وقت موجود ہے۔ ہزار کے کڑے جو حسن آرا کے بیاہ میں مجھ کو ملے تھے۔ میرے کس کام کے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ محمودہ کو چڑھا دوں لیکن پھر غور کیا تو اسی گھر کے کڑے اسی گھر میں جانے مناسب معلوم نہیں ہوتے۔ میں ان کو بیچ ڈالوں گی۔ وہ تماشا خانم کی معرفت بازار میں بھیجے تھے۔ پنامل تیرہ سو روپیہ دیتا ہے۔ محمودہ کی تقدیر سے اگر کوئی حاجت مند مل گیا تو ان شاء اللہ پندرہ سو مل جائیں گے اور ایک تدبیر یہ ذہن میں آتی ہے کہ آپ بھائی جان کو لانے لاہور جائیے اور رئیس پر رخصت کی تقریب میں یہ بات ظاہر کر دیجیے۔ رئیس بڑا سیر چشم ہے امید ہے کہ ضرور کچھ مدد کرے گا۔ ہمیشہ سے ہندوستانی سرکاروں کا دستور رہا ہے کہ ایسی تقریبات میں اپنے معتمد نوکروں کی اعانت کی ہے۔

غرض اصغری نے سر کو لاہور بھیجا مولوی صاحب رئیس کے سلام کو جو گئے تو رئیس

Marfat.com

نے پوچھا ''مولوی صاحب کیوں کر تشریف لائے؟'' مولوی صاحب نے عرض کیا کہ بندہ زادی کا عقد ہے۔ اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ محمد عاقل کو ایک مہینے کی رخصت مرحمت ہو اور یہ تو عرض نہیں کر سکتا کہ حضور کے خاندان سے کوئی شریک ہو لیکن اگر دیوان صاحب جو دہلی میں ہیں' سرکار کی طرف سے زینت دہ محفل ہوں تو ہم چشموں میں میرے لیے افزائشِ آبرو کا باعث ہوگا۔''

رئیس نے محمد عاقل کی رخصت بھی منظور لی اور مولوی صاحب کو آنے جانے کا خرچہ بھی دیا اور دیوان صاحب کو حکم بھیج دیا کہ ہماری طرف سے مولوی صاحب کی محفل میں شریک ہونا اور پان سو روپے نیوتے کا دینا۔ اصغری کی صلاح سے بیٹھے بٹھائے یہ پان سو روپے مفت کے آ گئے۔ ادھر جڑاؤ کڑے تماشا خانم کی معرفت نواب حاتم زمانی بیگم تک پہنچے۔ دیکھ کر لوٹ ہو گئی اور آنکھ بند کر کے دو توڑے حوالے کیے۔ اب تو روپے کی ہر طرف سے ریل پیل ہو گئی۔ اصغری کا اہتمام' عمدہ سے عمدہ جوڑے تیار ہوئے اور چوہرا زیور بنا۔ وہ شادی ہوئی کہ مولوی صاحب کی تو کئی پشتوں میں نہ ہوئی تھی۔ سمدھیانے والے بھی سامان دیکھ کر دنگ ہو گئے۔ جو سامان متعدد اور بیش قیمت اور جو چیز تھی نئے طور کی۔ دو جوڑے تو بیٹے والوں کی طرف سے آئے۔ ایک ریت کے واسطے کرکری تاش کا۔ دوسرا چوتھی کے واسطے کار چوبی کا اور گہنے جہیز اور چڑھاوے کے ملا کر تو بے انتہا تھے۔ ناک میں نتھ اور کیل' ماتھے کو ٹیکا' جھومر' بنیا' کانوں میں بالی' پتے' جڑاؤ اور سادے چھپکے کے بالے' کان کے جھالے' مگر' مرکیاں' بجلیاں' کرن پھول' جھمکے' گلے میں گلوبند' طوق' چمپا کلی' کنٹھی' توڑا' دھگدگی' چندن ہار' زنجیر مالا' بازو پر جوش' نورتن' بھوج بند' نونگے' ہاتھوں میں کڑے' نوگریاں' چوہے دنتیاں' لچھے' دست بند' انگلیوں میں انگوٹھی' چھلے' جوڑ' پاؤں میں پازیب' چوڑیاں' چٹکی چھلے' کار چوبی' جال دار' مصالحے دار سب ملا کر پچاس جوڑے۔ دو سو برتن اور اسی حیثیت کا بالائی سامان۔ غرض بڑی دھوم دھام سے عقد ہو گیا۔

محمودہ رخصت ہوئیں۔ قمر آستانی بیگم سسرال سے خطاب ملا۔ حکیم فتح اللہ خان بڑے متقی پرہیز گار باخدا آدمی تھے۔ مدتوں سے حج کا ارادہ کر رہے تھے لیکن صرف

Marfat.com

ارجمند خاں کے بیاہ کے منتظر تھے۔ اب بیاہ ہونے کے بعد چند روز تک بہو کا رنگ ڈھنگ دیکھتے رہے۔ یہاں دیکھنے کی کیا حاجت تھی۔ محمودہ نے تو بی اصغری کی نگرانی میں تربیت پائی تھی۔ کسی طرح کی کوئی کسر اس میں باقی نہ تھی۔ حکیم صاحب نے جس قدر آزمایا' بہو کو ہنر مند' عاقلہ' سلیقہ شعار پایا' کچھ تو خربوزہ میٹھا اور کچھ اوپر سے ملا قند۔ اول تو محمودہ اپنی ذات کی اچھی اور اس پر اصغری کی تعلیم کی صلاح۔ بھلا پھر کیا پوچھنا تھا۔ غرض حکیم صاحب کو خوب یقین ہو گیا کہ قمر آستانی بیگم اچھی خاصی طرح گھر کو سنبھال لیں گی۔ اب حکیم صاحب نے یکا یک زور شور کے ساتھ عرب جانے کی تیاریاں شروع کیں یا تو حج کی نیت تھی یا ہجرت کا ارادہ کر لیا۔ نقد کی قسم سے جو کچھ تھا اپنے ساتھ لیا۔ مکانات' دکانیں' کٹڑے' گنج' دیہات' سرائیں سب کچھ بیٹے کے نام لکھ دیا۔ رشتے ناتے کے لوگوں نے جیسا دستور ہے' سمجھایا بھی لیکن حکیم صاحب کو تو خدا کی دھن تھی۔ ایک نہ سنی۔ خدا کا نام لے چل کھڑے ہوئے اور دنیا بھر کی جائیداد بیٹے بہو کہ دے گئے۔

محمودہ اگرچہ بیاہی جا چکی تھی لیکن پھر بھی اصغری کا ادب لحاظ پہلے سے زیادہ کرتی تھی۔ ذرا ذرا بات میں اصغری سے صلاح لیتی۔ اب البتہ اصغری کو اپنی عقل آزمانے کا موقع ملا۔ بڑا کارخانہ' بڑے کام وہ وہ انتظام کیے کہ ارجمند خاں کو خدا جھوٹ نہ بلوائے وقت کا بادشاہ وزیر بنوا دیا۔ کوئی سرکار اس کے مقابلے کی دہلی کیا دور دور نہ تھی۔ ابھی تک تو اصغری مفلسی میں تھی۔ از دست بستہ چہ خیر واز پائے شکستہ چہ سیر لیکن اب خدا رکھے دولت و ثروت نصیب ہوئی۔ انتظام کا قابو' بندوبست کا موقع من مانا ملا۔ اس حالات میں جو جو کام اس عورت نے کیے' اللہ چاہے تو قیامت تک یادگار رہیں گے۔ مگر افسوس ہے کہ ان کے لکھنے کی فرصت نہیں۔ پھر بھی اگر نصیحت ماننے والا اور بات کا سننے اور سمجھنے والا ہو تو جس قدر لکھا جا چکا کم نہیں۔ ہر طرح کی صلاح' ہر قسم کی تعلیم اس میں موجود ہے۔ کہنے کو قصہ اور حکایت ہے لیکن حقیقت میں نصیحت اور ہدایت۔

Marfat.com

باب تینتیسواں

# اولاد کے تعلق پر ایک عمدہ نصیحت

اب اس کتاب کو ختم کرنے سے پہلے ایک بات اور لکھنی ضرور ہے۔ وہ یہ کہ اصغری بہت چھوٹی سی عمر میں ماں بن گئی تھی۔ ابھی تک کچھ اس کی اولاد کا تذکرہ نہیں ہوا۔ اصغری کے بچے تو بہت ہوئے لیکن خدا کی قدرت زندہ کم رہے۔ صرف ایک لڑکا محمد اکمل جو اخیر میں محمودہ کی بیٹی مسعودہ سے بیاہا گیا' زندہ رہا۔ یہ لڑکا کئی بچوں کے اوپر پیدا ہوا۔ اس سے پہلے محمد عادل ایک بیٹا اور بتول ایک لڑکی مر چکے تھے۔ بچوں کی پرورش میں احتیاط تو بہتیری ہوتی ہے۔ سردی گرمی کا بچاؤ۔ کھانے تک کا وقت بندھا۔ اندازہ اور خبرداری یہ کہ ثقیل اور بردی چیز کہیں منہ میں نہ ڈال لیں۔ دانت نکلنے شروع ہوئے اور مسوڑوں میں نشتر دیا گیا کہ ایسا نہ ہو دانتوں کی تکلیف کو بچہ سہار نہ سکے۔ چار برس کے ہوئے اور چیچک کے بچاؤ کی نظر سے ٹیکا لگوا دیا گیا۔ جہاں تک آدمی کی عقل کام کرتی ہے' سب طور کا بندوبست کیا جاتا تھا لیکن تقدیر کے آگے کسی کی حکمت نہیں چلتی۔ محمد عادل چار برس کا ہو کر مرا۔ پیچش ہوئی۔ دست بند کرنے کی دوا دی۔ بخار آنے لگا۔ سرسام ہو گیا پلا پلایا لڑکا ہاتھ سے جاتا رہا۔

ابھی اس کا داغ تازہ تھا کہ بتول سات برس کی ہو کر بیمار پڑی۔ کچھ ایسے بلا کے دست چھوٹے کہ جان لے کر بند ہوئے۔ دنیا جہان کی دوائیں کیں لیکن موت کب مانتی ہے دوا کو۔ ایک ہی ہفتے میں لڑکی تحلیل ہو کر چلی گئی۔ بتول کے مرنے کا اصغری کو بہت بڑا صدمہ ہوا۔ اول تو لڑکی' دوسرے کچھ مرنے والی تھی یا کیا ایسی ماں پر فریفتہ تھی کہ ایک دم الگ نہ ہوتی تھی۔ ماں نماز پڑھتی ہے تو جائے نماز پر بیٹھی ہے۔ ساتھ سونا' ساتھ اٹھنا۔ ماں کی دوا تک کو چکھ لینا ضرور اور اس چھوٹی سی عمر میں بس پڑھنے میں دھیان۔ قرآن کا

Marfat.com

ترجمہ شروع تھا۔ جب محمد عادل مرا تو عورتوں نے اصغری کے ایمان میں خلل ڈالنا شروع کیا تھا۔ کوئی کہتی کوکھ کا خلل ہے' قہر علی شاہ کا علاج کرو۔ کوئی کہتی دودھ پر نظر ہے' چوراہے میں اتار رکھواؤ۔ کوئی کہتی مسان کا دکھ ہے' رمضان شاہ سے گڑانت کراؤ۔ کوئی کہتی مکان اچھا نہیں' میر علیم سے کلواؤ۔ کوئی کہتی سفر میں آئی گئی ہو' کوئی چڑیل لپٹ گئی ہے۔ کچھوچھے چلو۔ گنڈے اور تعویذ' عمل ٹونے اور ٹوٹکے تو دنیا جہاں کے لوگ بتاتے تھے لیکن واہ ری اصغری! یوں اوپر تلے دو بچے مرے لیکن سدا خدا پر شاکر رہی۔ کسی نے کچھ کہا بھی تو یہی جواب دیا'' خدا کو جب منظور ہوگا تو یوں بھی فضل کر سکتا ہے۔'' بتول کے مرنے کی خبر جب دور اندیش خاں صاحب کو ہوئی تو بہت مضطرب ہوئے اور اس اضطراب میں بیٹی کے نام یہ خط لکھا۔

Marfat.com

## باب چونتیسواں

# خط

برخوردار اصغری خانم کو دعا کے بعد معلوم ہو کہ اس وقت دہلی کے خط سے مجھ کو بتول کے انتقال کا حال معلوم ہوا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ مجھ کو رنج نہیں ہوا۔ مگر میری عقل اس قدر بے جا نہیں ہوئی کہ نادان آدمیوں کی طرح بے صبری کروں۔ مجھ کو بڑا تردد تمہارا ہے۔ عجب نہیں تم پر یہ صدمہ بہت شاق ہوا ہو لیکن ہر حالت میں انسان کو عقل سے مشورہ لینا چاہیے۔ عقل ہم کو اسی واسطے بخشی گئی ہے کہ رنج ہو یا خوشی، ہم اپنی عقل سے اس میں مدد لیں۔ دنیا کے حال پر غور کرنا نہایت ضرور ہے اور یہ غور فائدے سے خالی نہیں۔ زمین، آسمان، پہاڑ، جنگل، دریا، انسان، حیوان، درخت لاکھوں طرح کی چیزیں دنیا میں ہیں اور دنیا کا ایک بہت بڑا بھاری کارخانہ ہے۔ دن میں ایک معمول کے ساتھ آفتاب کا نکلنا پھر رات کا ہونا اور چاند ستاروں کا چمکنا۔ کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی برسات اور پانی کے اثر سے انواع واقسام کے رنگ برنگ پھلوں کا پیدا ہونا اور ایک وقت خاص تک تازہ وشاداب رہ کر مرجھانا اور ناپید ہو جانا۔ ہر ایک بات غور کرنے والے کو برسوں تک سوچنے کو کافی ہے۔ خود آدمی کو اپنا حال غور کرنے کو کیا کم ہے۔ کیوں کر آدمی پیدا ہوتا اور کیوں کر پرورش پاتا اور بڑا ہوتا اور کیوں کر لڑکپن اور جوانی اور بڑھاپے کی حالتیں اس پر گزرتی ہیں اور کیوں کر آخر اس دنیا سے سفر کر جاتا ہے۔ یہ بڑا عمدہ اور دلچسپ اور مشکل مضمون ہے۔ یہ سب کارخانہ کسی مصلحت سے خدا نے جاری رکھا ہے اور جب تک وہ چاہے گا اسی طرح یہ کارخانہ جاری رہے گا۔

دنیا کی مردم شماری سے ثابت ہوا ہے کہ ایک گھنٹے میں ساڑھے تین ہزار آدمی کے دنیا میں مرتے ہیں یعنی ہر ایک پل میں ایک آدمی، اور اسی قدر پیدا بھی ہوتے ہوں گے۔ اب حساب کر لو کہ ایک مہینے میں کتنی لاکھ آدمی دنیا میں مرتے اور پیدا ہوتے

Marfat.com

ہیں اور پھر غور کرو کہ سات ہزار برس سے یہی لگا چلا آتا ہے۔ یعنی بے شمار آدمی اس دنیا میں مر چکے ہیں۔ پس موت ایک معمولی اور ضروری بات ہے۔ بڑے بڑے زبردست بادشاہ' بڑے بڑے عالم' بڑے بڑے حکیم' یہاں تک کہ بڑے بڑے پیغمبر' جنہوں نے مردوں کو زندہ کیا' خود موت سے نہ بچ سکے۔ دنیا میں جو پیدا ہوا ہے' یہ خدا کا ضروری حکم ہے کہ وہ ایک دن مرے۔ پس اگر یہ حکم کسی دن ہم پر یا ہمارے کسی عزیز یا قریبی پر جاری کیا جائے تو ہم کو شکایت اور فریاد کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ مضمون سرسری نہیں ہے۔ اس کو خوب غور کرو اور جب تم کو موت کی حقیقت معلوم ہو جائے گی تو سمجھو گی کہ کسی کے مرنے پر رنج کرنا تعلق پر موقوف ہے۔ اگر ہم سنیں کہ مثلاً ملک چین کا بادشاہ مر گیا تو ہم پر اس خبر کا مطلق اثر نہیں ہوتا۔ اس واسطے کہ ہم کو اس سے کچھ تعلق نہ تھا۔ بلکہ محلے میں اگر کوئی غیر آدمی مر جائے' جس سے کسی قسم کا واسطہ نہیں تو ہم کو بہت کم رنج ہوگا۔ بلکہ شاید نہ بھی ہو۔ غرض ہم کو رنج اسی شخص کے مرنے کا ہوتا ہے جس سے ہم کو تعلق ہے اور جتنا تعلق قوی اسی قدر رنج زیادہ۔ نانی کی' بھتیجی کی' خالہ کی' بہو کی' پھوپھی کی بھانجی اگر مرے تو کیا؟ دور کا واسطہ' دور کا رشتہ بلکہ رشتے ناتے پر کیا موقوف ہے۔ محبت ملاپ میں بھی رنج ہوتا ہے۔ اب سوچنا چاہیے کہ ہم کو کس سے زیادہ تعلق ہے۔ اس کے واسطے کوئی قاعدہ مقرر نہیں۔ قریب کا رشتہ ہو اور سدا کی لڑائیاں' ہمیشہ کے بگاڑ' تو ایسے رشتے دار غیر داخل لیکن غیر سے رشتہ نہیں' قرابت نہیں لیکن محبت ملاپ بہت کچھ تو وہ رشتے داروں سے بڑھ کر ہے۔ پس ہر ایک شخص موافق اپنے حالات کے خاص تعلق رکھتا ہے۔ یہ دنیاوی تعلقات سب فائدے اور غرض سے پیدا ہوتے ہیں۔ اگر اپنا سگا ہمارے فائدے میں خلل انداز ہو' ضرور ہے کہ ہم سے چھوٹ جائے۔ اسی طرح اگر غیر آدمی ہمارے کام آئے' ضرور ہے کہ ہم کو مثل اپنوں کے عزیز ہو لیکن فائدہ جس سے تعلق پیدا ہوتا ہے ضرور نہیں کہ صرف روپے پیسے کا ہو' اگرچہ اکثر اسی قسم کا ہوتا ہے۔ کبھی امید اور توقع سے بھی تعلق پیدا ہوتا ہے۔ بہت لوگ ہمارے دوست ہیں جو ہم کو کچھ نہیں دے دیتے لیکن یہ توقع کہ اگر کبھی ہم کو کسی طرح کی ضرورت ہو تو یہ کام آنے والے ہیں' تعلق کے پیدا ہونے کی وجہ ہوتی ہے۔ میں اس بحث کو بہت طول دے سکتا ہوں اور جس قدر

Marfat.com

اس بحث کو طول دیا جائے' مناسب ہے لیکن اصل مطلب میرا اس خط میں صرف اولاد کے تعلق سے بحث کرنا ہے اور اگر فرصت ملے گی تو ان شاء اللہ اس تعلق پر ایک کتاب لکھ کر تم کو بھیج دوں گا۔

یہ تعلق جو اولاد سے ہے' عام ہے۔ کوئی ماں باپ بلکہ کوئی جانور تک اس سے خالی نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف فائدے اور غرض پر اس کی بنا نہیں بلکہ خداوند عالم جو بڑا دانش مند ہے' اس کا انتظام چاہتا ہے کہ ضرور ماں باپ کو اپنی اولاد سے محبت ہو۔ اولاد چند سال تک محتاجِ پرورش ہوتی ہے تا کہ اس کی پرورش اچھی طرح ہو۔ ماں باپ کو اولاد کی محبت لگا دی کہ اس محبت کے تقاضے سے بچوں کو پالیں اور بڑا کریں۔ یہاں تک کہ بڑے ہو کر خود دنیا میں رہنے سہنے لگیں یعنی ماں باپ پرورشِ اولاد کے واسطے ان کے خدمت گزار ہیں۔ پس اولاد کا پال دینا صرف اتنا تعلق تو خدا کی طرف سے ماں باپ کو دیا گیا' باقی یہ بکھیڑے کہ اب اولاد کی تمنا ہے' نہیں تو دوا اور علاج ہے' تعویذ گنڈا ہے' عمل ہے اور دعا ہے یا اولاد ہوئی تو یہ فکر ہے کہ بیٹے ہوں بیٹیاں نہ ہوں یا جو ہوں زندہ رہیں۔ یہ خود انسان کی اپنی ہوس کے طمع ہیں۔ رہی یہ بات کہ اولاد کی تمنا جو خدا کی مرضی سے زیادہ اپنے دل میں پیدا کی کس وجہ سے ہوتی ہے؟ بے شک فائدے اور غرض کے واسطے ہوتی ہے لیکن فائدے کئی قسم کے ہیں۔ بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اولاد سے نام چلتا ہے۔ بعض کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ہمارا مال و دولت ہمارے بعد لیں گے۔ اب ان خیالات پر غور کرو۔ کس قدر بے ہودہ اور غلط ہیں۔ نام چلنا کیا معنی کہ لوگ جانیں کہ فلانے کے بیٹے کے پوتے ہیں۔ اول تو جب ہم خود دنیا میں نہ رہے تو اگر کسی نے ہم کو جانا تو کیا' نہ جانا تو کیا۔ علاوہ اس کے غور کرو کہ کہاں تک نام چلتا ہے۔ کسی آدمی سے اس کے باپ دادوں کے نام پوچھو۔ شاید دادا تک تو سب کوئی بتا سکے گا۔ اس سے اوپر خود کو نہیں معلوم کہ ہمارے پڑدادا اور سگودادا کون بزرگ تھے۔ دوسرے لوگوں کو ان کے مردوں کی ہڈیاں اکھاڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ پس بالفرض نام چلا بھی تو ایک یا دو پشت۔ آگے خیر صلاح اور ایک یا دو پشت نام چلنا بھی صرف خیالی بات ہے۔ دس برس سے میں پہاڑ پر ہوں۔ ہزاروں آدمی مجھ کو جانتے ہیں اور میں ہزاروں کو جانتا ہوں لیکن

Marfat.com

نہ وہ میرے باپ کو جانیں اور نہ میں ان کے باپوں سے واقف۔ نہ کچھ باپ کا نام بتانے یا پوچھنے کی کبھی ضرورت واقع ہوتی ہے۔

دوسری وجہ تمنائے اولاد کی یہ فائدہ ہے کہ بڑھاپے میں مددگار ہوں۔ سو یہ بھی خیال واہیات ہے۔ یہ کیوں کر یقین ہے کہ ان کے بڑے ہونے تک یہ زندہ رہیں گے؟ اور بالفرض زندگی کا اتفاق ہوا بھی تو اولاد کا مددگار ہونا محض خیالی بات ہے۔ ان وقتوں میں ہم ایسی اولاد بہت کم پاتے ہیں جن کو ماں باپ کا ادب ملحوظ یا جن کو والدین کی خدمت گزاری کا خیال ہوتا ہے۔ ادب اور خدمت گزاری تو درکنار اب تو اکثر اولاد سے ماں باپ کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے۔ جس اولاد کی لوگ تمنا کرتے ہیں' شروع سے آخر تک ان کے ہاتھوں سے رنج پاتے ہیں۔ جب تک چھوٹے ہیں' پالنا ایک مصیبت۔ آج آنکھیں دکھتی ہیں' کبھی پسلی کا دکھ' کبھی دانت نکلتے ہیں۔ کبھی چیچک نکلی ہے۔ خدا خدا کر کے بڑے ہوئے تو ان کے کھانے' کپڑے کا فکر۔ آدمی نہیں معلوم کن حالات میں ہے' نوکر ہے یا نہیں۔ پیسہ پاس ہے یا نہیں۔ ان کو جہاں سے ہو سکے' دینا ضرور۔ ماں باپ کو فاقہ ہو تو ان کو کچھ نہ ہو تو بھی سود سے سلف کے لیے کہیں نہ کہیں سے روز کے روز پیسہ دھیلا دینا ہی پڑتا ہے۔ عید ہو' بقرعید ہو' تیوہار ہو' لاؤ بھائی نیا جوڑا۔ سودا کھانے کو چار ٹکے پیسے۔ یہاں تک بھی غنیمت ہے۔ اب ماں باپ چاہتے ہیں کہ لڑکا کام سیکھے' پڑھے اور لڑکا ایسا پاجی ہے کہ پڑھنے کے نام سے کوسوں بھاگتا ہے۔ جب تک مکتب کے چار لڑکے ٹانگ کر نہ لے جائیں' قسم ہے اور اگر کسی طرح گیا بھی تو طفل بہ مکتب نمی رود ولے برندش۔ ذرا استاد کی آنکھ بچی کہیں چورا ہے پر جا نکلے' کہیں نہر پر کھڑے گیڑیاں کھیلتے ہیں۔ کہیں بازاروں میں خاک چھانتے ہیں اور ذرا بڑے ہوئے تو ماں باپ کو جواب دینے لگے۔ بروں کی صحبت' بدمعاشوں کا ساتھ نہ ناچ کا پرہیز نہ بری صحبت سے گریز۔ باپ دادوں کو بدنام کرتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح بعضے شاطر' بدمعاش' چور' جواری' شراب خور ہو جاتے ہیں۔

اب اولاد بیاہنے کے قابل ہوئی۔ تمام شہر چھان مارا کہیں ڈھب کی بات نہیں ملتی مشاطہ پاؤں توڑ توڑ کر دھمکی۔ میل ملاپ والے ہار کر بیٹھ رہے۔ کنبے کے لوگ ایک ایک

Marfat.com

سے کہہ چکے۔ کوئی ہامی نہیں بھرتا۔ ایک خرابی میں جان ہے۔ ماں بے چاری کہیں منتیں مانتی پھرتی ہیں' کہیں کھڑی فال گوش لے رہی ہے۔ کہیں گڑیا کا بیاہ ہو رہا ہے۔ پانچوں وقت دعا ہے۔ الٰہی غیب سے کسی کو بھیج۔ خدا خدا کر کے نسبت ناتا ٹھہرا تو ایسی جگہ کہ ماں بے چاری کے پاس چاندی کا تار تک نہیں' سمدھیانے والے جھپکے کے بالے مانگتے ہیں۔ کسی طرح اپنے تئیں بیچ' بیاہ کیا۔ چڑیا کی جان گئی' کھانے والے کو مزا نہ آیا۔ جہیز ہے کہ پھنکا پھنکا پھرتا ہے۔ سمدھن کہتی ہے ''اوئی! کیا دیا۔ ایسی نہ ہوت میں بیٹی جنی کیا ضرور تھی۔'' کوئی خاطر تلے نہیں آتی۔ بات بات میں طعنہ ہے' داماد صاحب تشریف لائے تو ان کے دماغ نہیں ملتے۔ جب تک سسرے سے جوتیاں سیدھی نہ کرالیں' ہاتھ تک نہیں دھوتے۔ کھانے کی کون کہے۔ چوتھی نہیں ہوئی کہ میاں بیوی میں جوتی پیزار ہونے لگی۔ بیٹی کی بیٹی دی' لڑائی کی لڑائی مول لی۔ پھر یہ نہیں کہ کچھ ایک دن کی ہے۔ نہیں بس عمر بھر کو مصیبت کا چرخہ چلا۔ بیٹی کے اولاد ہونی شروع ہوئی۔ ماں بے داموں کی لونڈی' بے تنخواہ کی دایہ۔ عمر بھر اپنے بچے پالنے کی مصیبت جھیلتی رہی۔ اب خدا خدا کر کے دو برس سے آرام نصیب ہوا تھا کہ بیٹی کے چینگی پوتے سنبھالنے پڑے اور اگر بہو آئی تو فساد کی گانٹھ۔ لڑائی کی پوٹ۔ ساس کو تو جوتی کے برابر نہیں سمجھتی۔ نندوں کا دم ناک میں کر رکھا ہے۔ نہ جیٹھ کا حجاب' نہ سسرے کا ادب۔ عورت ہے کہ مردوں کی پگڑی اتارے لیتی ہے۔ خدا پناہ میں رکھے! بیٹے نالائق کو دیکھئے کہ بی بی نے تو آفت برپا کر رکھی ہے اور مردود بی بی کی حمایت کرتا ہے اور الٹا ماں باپ سے لڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بے چارے ماں باپ کو گھر چھوڑ کرا الگ کرائے کے مکان میں جا رہے۔ یہ نتیجہ اس وقت کی اولاد سے ماں باپ کو ملتا ہے۔ بہت کم ہیں جو اولاد سے راحت پاتے ہیں۔ پس ہم لوگ اپنی بے وقوفی سے اولاد کی تمنا کرتے ہیں۔ گویا آفت اور مصیبت کو آرزو کر کے بلاتے ہیں۔

اب رہا یہ خیال کہ مال و دولت کا کوئی وارث ہو' اس وجہ سے اولاد کی تمنا کی جائے۔ یہ خیال جیسا مہمل اور پوچ اور لچر اور خرافات ہے' ظاہر ہے جب آدمی خود دنیا سے اٹھ گیا تو اس کی دولت اگر اس کے بیٹے نے لی تو کیا اور اگر مال لاوارث قرار پا کر سرکار میں گیا تو کیا۔ یہ دولت عاقبت میں کچھ بکار آمد نہیں' مگر اسی قدر جو خدا تعالیٰ کی

Marfat.com

راہ میں ہم خود صرف کر جائیں یا ہمارے بعد ہمارے نام سے خدا کی راہ میں صرف ہو۔ جب ہم نے دولت کو خود صرف نہ کیا اور ایسا ضروری کام اولاد کے ذمے چھوڑ گئے تو ہم سے زیادہ کوئی احمق نہیں۔ جو اولاد ماں باپ کا اندوختہ مفت میں پا جاتی ہے' ہرگز اس کو اس کے خرچ کرنے میں دریغ نہیں ہوتا۔ آدمی اسی روپے کی قدر کرتا ہے جس کو وہ خود اپنے قوتِ بازو اور عرق ریزی سے پیدا کرتا ہے اور بے محنت جو روپیہ ملتا ہے اس کا حال یہی ہوتا ہے کہ مال مفت دل بے رحم۔ البتہ اولاد ناچ رنگ' سیر تماشے میں خوب دولت کو اڑائے گی لیکن چاہیے کہ باپ کے نام باجرے کے دلیے پر فاتحہ تک بھی دلائے کا کیا مذکور۔ کیا ایسی مثالیں دنیا میں سینکڑوں ہزاروں نہیں ہیں کہ لوگ بخل اور خست سے عمر بھر جمع کرتے رہے اور اولاد نے دولت پاتے ہی وہ گل چھرے اڑائے کہ چند روز میں باپ کا اندوختہ عمری فنا کر دیا؟

اس بیان سے ظاہر ہو گیا کہ جب قدر تعلق اولاد کے ساتھ ہم نے اپنے دل سے بڑھا لیا ہے وہ ہمارے حق میں نہایت ضرر کرتا ہے۔ ہم کو اولاد کے ساتھ اسی قدر تعلق رکھنے کا حکم ہے کہ جب تک وہ ہماری مدد کے محتاج رہیں' ان کی پرورش کریں اور اس پرورش کرنے میں بھی اس امید کو دل میں جگہ نہ دیں کہ اولاد بڑی ہو کر پرورش کے عوض کبھی ہماری خدمت کرے گی۔ یہ امید پیدا کرنی سخت درجے کی نادانی ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ خدا نے جو ہمارا مالک ہے' اس کی پرورش کی خدمت ہم سے متعلق کر دی ہے۔ ہم اولاد کے پالنے میں اس کے حکم کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ باغ خدا کا ہے اور ہم اس کی طرف سے اس باغ کے مالی ہیں۔ اگر باغ کا مالک کسی درخت کو قلم کرنے یا کاٹ ڈالنے کا حکم دے تو مالی کو یہ کہنے کا کب منصب ہے کہ میں نے اس درخت کو بڑی محنت سے پالا ہے۔ یہ کیوں کاٹا اور قلم کیا جاتا ہے؟ دنیا کے تمام تعلقات صرف اس واسطے ہیں کہ آدمی ایک دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ ہم چند روز کے واسطے کسی مصلحت سے اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور یہاں ہم کو کسی کا باپ' کسی کا بیٹا' کسی کا بھائی بنا دیا گیا ہے۔ اس واسطے کہ لوگ ہماری اور ہم لوگوں کی مدد کریں اور صلح کاری اور سازگاری میں اپنی زندگی جو مقرر کر دی گئی ہے پوری کر جائیں۔ دنیا ہمارا گھر نہیں ہے۔ ہم کو کسی دوسری جگہ جا کر

Marfat.com

رہنا ہوگا۔ نہ کوئی ہمارا نہ ہم کسی کے۔ ہم اگر کسی کے باپ ہیں تو صرف چند روز کے واسطے اور اگر کسی کے بیٹے ہیں تو بھی چند روز کے واسطے۔ اگر ہم کسی کو مرتا دیکھیں تو افسوس کی کیا بات ہے؟ افسوس تو تب کریں جب ہم یہاں بیٹھے رہیں۔ ہم کو خود ہی سفر درپیش ہے۔ نہیں معلوم کس گھڑی بلاوا ہو اور چلنا ٹھہر جائے۔ پھر سب سے مشکل یہ ہے کہ مرنا صرف یہی نہیں ہے کہ بدن سے روح ایک مکان میں چلی گئی۔ نہیں' وہاں جا کر بات بات کا حساب دینا ہوگا۔ زبان جھوٹ اور غیبت اور قسم اور فحش اور بے ہودہ بکواس کے واسطے جواب دہی کرے گی۔ آنکھ نظر بد کی سزا پائے گی' کان کو کسی بدی اور راگ سننے کے عوض گوشمالی دی جائے گی۔ ہاتھ نے کسی پر زیادتی کی ہے یا پرایا مال چرایا ہے تو کاٹا جائے گا۔ پاؤں اگر بے راہ چلا ہے تو شکنجے میں کسا جائے گا۔ بڑا ٹیڑھا وقت ہوگا۔ خدا ہی اپنے فضل سے بیڑا پار کرے تو ہو سکتا ہے۔ جس کو ان باتوں سے فراغت ہو وہ کسی کے مرنے پر غم کرے یا کسی کے پیدا ہونے پر خوش ہو تو بجا ہے لیکن دنیا میں کوئی ایسا ہے جو اپنی عاقبت سے بے فکر ہو چکا ہو؟ اصغری! اپنی خبر لو اور اس دن کے واسطے سامان کرو جہاں سوائے عمل کے کچھ کام نہ آئے گا اور دعا کرو کہ خداوند عالم اپنے دوست محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہم سب کا انجام بخیر کرے۔

والد

گنہگار دور اندیش خان

Marfat.com

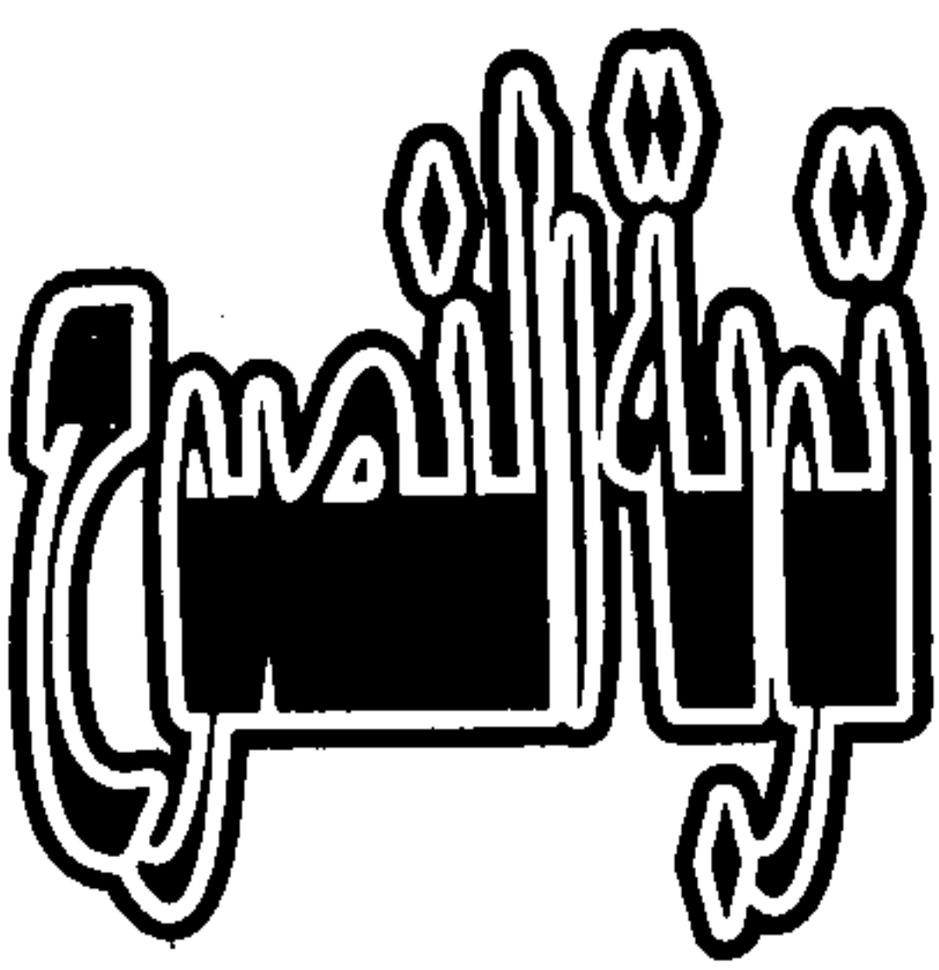

Marfat.com

Marfat.com

# دیباچہ

الٰہی' خلعت ہفت پارچہ' حواس خمسہ وعقل وروح سے سرفرازی دی ہے تو منصب ایمان داری بھی عطا کر کہ خطاب اشرف المخلوقات میری حالت کے مناسب ہو۔ خداوندا اپنے حبیب کا امتی بنانے سے امتیاز بخشا ہے تو تقرب عبادت بھی نصیب کر کہ الطاف کریمانہ شفاعت اور عواطف خسروانہ رحمت کی مجھ کو قابلیت ہو۔

آدمی اگر اپنی حالت میں تامل صحیح کرے تو اس سے زیادہ عاجز و درماندہ و مبتلا کوئی مخلوق نہیں۔

گرت چشم خدا بینی بہ بخشند
نہ بینی ہیچ کس عاجز تر از خویش

کلہم ساٹھ یا ستر برس تو بہ اعتبار اوسط اس کی میعاد حیات اور اس کی مدت قیام و ثبات ہے۔ وہ بھی شروع سے آخر تک ہر لحظہ عرصۂ خطر' ہر لمحہ ہدف آفت۔ آدھی عمر تو سونے اور کاہل اور بے کار پڑے رہنے میں ضائع کر دیتا ہے۔ باقی بچے تیس یا پینتیس برس' اسی میں اس کی طفولیت ہے اور اسی میں اس کی جوانی اور پیری' کم سے کم دس برس طفلی اور درماندگی' علالت و پیری کے بھی سمجھ لینے چاہئیں۔ غرض ساری زندگی میں بیس یا پچیس برس کام کاج کے دن ہیں۔ مگر کتنے کام' کتنی ضرورتیں' کس قدر بکھیڑے' کتنے مخمصے' خدا کی پرستش' مذہب کی تلاش' کسب کمال' فکر معاش' بزرگوں کی خدمت' اولاد کی تربیت' بیماروں کی عیادت' احباب کی زیارت' تقریبات کی شرکت' شہروں کی سیر' ملکوں کی سیاحت' مردوں کا رونا' جدائی کا ماتم' مولد کی خوشی' ملاقات کی فرحت' دفع مضرت' جلب منفعت' گذشتہ کا احتساب' آئندہ کا انتظام' مسرت بے ہودہ' ہوس نام و نمود' تاسف نقصان' حسرت زبان' تلافی مافات' پیش بینی ماھوات' دوستوں سے ارتباط'

Marfat.com

دشمنوں سے احتیاط' آبرو کا حفظ' ناموس کا پاس' مال کی نگہداشت' محاصل کا احراز۔

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

اس ضیق فرصت پر کاموں کا اتنا ہجوم' یعنی فراغ دل مفقود و اطمینان خاطر معدوم۔

فکرِ معاش' ذکر خدا' یاد رفتگاں!
دو دن کی زندگی میں بھلا کوئی کیا کرے

ایک عقل اور دنیا بھر کی ذمہ داری۔ سچ کہا ہے:

یک عشق و ہزار گونہ خواری

انا عرضنا الا مانته علی السموات و الارض و الجبال قابین ان یحملنها اشفقن منها و حملها الانس ان انه کان ظلوما مجهولا۔

اس کتاب مین انسان کے اس فرض کا مذکور ہے جو تربیت اولاد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کے تصنیف کرنے کا مقصود اصلی یہ ہے کہ اس فرض کے بارے میں جو غلط فہمی عموماً لوگوں سے واقع ہو رہی ہے اس کی اصلاح ہو' اور ان کے ذہن نشین کر دیا جائے کہ تربیت اولاد صرف اسی کا نام نہیں کہ پال پوس کر اولاد کو بڑا کر دیا' روٹی کمانے کھانے کا کوئی ہنر ان کو سکھا دیا' ان کا بیاہ برات کر دیا' بلکہ ان کے اخلاق کی تہذیب' ان کے مزاج کی اصلاح' ان کے عادات کی درستی' ان کے خیالات اور معتقدات کی تصحیح بھی ماں باپ پر فرض ہے۔ افسوس ہے کہ کتنے لوگ اس فرض سے غافل ہیں۔ کوئی شخص تربیت اولاد کے فرض کو پورا پورا ادا نہیں کر سکتا' تاوقتیکہ وہ خود اپنی شائستگی کا نمونہ ان کو نہیں دکھاتا اور اولاد کے ساتھ اپنا برتاؤ محتسبانہ طور پر نہیں رکھتا۔ پرلے درجے کی بے وقوفی ہے' اولاد کو اپنے کردار ناسزا کی بری مثالیں دکھانا اور ان سے یہ توقع رکھنا کہ یہ لوگ بڑے ہو کر زبانی پند یا کتابی نصیحت پر کاربند ہو کر صالح اور نیک وضع ہوں گے۔ بہت لوگ اولاد کے ساتھ غایت درجے کی شیفتگی پیدا کر لیتے ہیں اور بہ مصداق ''حبک الشی یعمی و یصم'' اولاد کے عیوب پر آگہی نہیں ہوتی اور ہوتی بھی

Marfat.com

ہے تو عیب کو عیب سمجھ کر نہیں' بلکہ مقتضائے عمر یا نتیجہ ذہانت یا دوسرے طور پر اس کی تاویل کر کے ان کی خرابیوں سے درگزر اور چشم پوشی کیا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں یہ خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ اس طرح کی غلطیوں پر لوگوں کو تنبیہ ہو۔ یہ کتاب لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح یقین کرا دے گی کہ تربیت اولاد ایک فرض موقت ہے' یعنی لڑکے جب تک کم سن ہیں تربیت پذیر ہیں اور بڑے ہوئے پیچھے ان کی اصلاح مشکل یا متعذر بلکہ محال ہو جاتی ہے۔

ارادہ یہی تھا کہ بلا تخصیص مذہب' متعین حسن معاشرت اور تعلیم نیک کرداری اور اخلاق کی ضرورت لوگوں پر ثابت کی جائے' لیکن نیکی کو مذہب سے جدا کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص روح کو جسد سے یا بو کو گل سے یا نور کو آفتاب سے یا عرض کو جوہر سے یا ناخن کو گوشت سے علیحدہ اور منفک کرنے کا قصد کرے۔ انتظام مذہب ایک امر ناگزیر ہے' اور ادھر اختلاف مذہب جو اس ملک میں اس کثرت سے پھیلا ہوا ہے کہ گویا ہر کوڑی آدمی ایک جدا مذہب رکھتے ہیں' ہر شخص آنکھیں دکھا رہا ہے۔ لوگوں میں بلا کا تعصب آ گیا ہے کہ کیسی ہی اچھی بات کیوں نہ کی جائے' دوسرے مذہب والے اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ **جعلو اصابعهم فی اذانهم** مضمون جس کو میں نے ایک فرضی قصے اور بات چیت کے طرز پر لکھا ہے' مذہبی پیرائے سے تو خالی نہیں اور خالی ہونا ممکن نہ تھا' لیکن تمام کتاب میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دوسرے مذہب والوں کی دل شکنی اور تنفرت کا موجب ہو۔ بلکہ جہاں جہاں ضرورت مذہبی کا تذکرہ آ گیا ہے وہ ایسے طور کا ہے کہ دوسرے مذہب والے بھی اس طرح عقیدے رکھتے ہیں۔ صرف اصطلاح و عبادت کا تفرقہ ہے۔ **ولا مشاحته فی الاصلاح**۔ مثلاً مسلمانوں کا روزہ' ہندوؤں کا برت۔ مسلمانوں کی زکوٰۃ' ہندوؤں کا دان پن وقس علیٰ ہذا۔ پس یہ قصہ اگرچہ ایک مسلمان خاندان کا ہے مگر بہ تغیر الفاظ ہندو خاندان بھی اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

خاندان جو فرض کیا گیا ہے' اس میں دو میاں بیوی ہیں' تین بیٹے اور تین بیٹیاں۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو پکی عمر کے ہیں اور بیاہے جا چکے ہیں' اور لاجرم ان کی عادتیں

Marfat.com

راسخ' ان کی خصلتیں کالطبیعۃ ہیں۔ منجھلا بیٹا' اگر چہ عمر اس کی بھی کم نہیں ہے لیکن اس نے مدرسے میں تعلیم پائی ہے اور وہ صرف' صرف توجہ کا محتاج ہے' جیسے گھوڑا کہ بے راہ چلا جارہا ہے' اس میں رفتار پیدا کرنے کی ضرورت نہیں' فقط باگ کا موڑ دینا کافی ہے۔ منجھلی لڑکی کم سن ہے۔ وہ عمر کے اس درجے میں ہے جب کہ بچوں کی قوت تفتیش وتلاش بہت تیز ہوتی ہے' اور نقل کرنے کی امنگ برسرترقی ہوتی ہے۔ وہ بھولے پن سے اس طرح کے سوالات کرتی ہے اور سادہ دلی سے ایسی ایسی باتیں پوچھتی ہے کہ ماں قائل ہو ہو جاتی ہے۔ جس طرح پر اس خاندان کے لوگ زندگی بسر کرتے ہوئے فرض کئے گئے ہیں' وہ ایک سچا بلاتصنع نمونہ ہے جو اس زمانے کے ہر ایک خاندان مدعی شرافت کے طرز ماندو بود کا فرض کیا گیا ہے۔

رئیس البیت یعنی خاندان کا سرگروہ جس کا نام نصوح ہے' ایک وبائی ہیضے میں مبتلا ہوا اور اس کی حالت اس قدر ردی ہوتی گئی کہ اس کو اپنے مرنے کا تیقن کرنا پڑا اور چونکہ اسی وباء میں چند روز پہلے اسی گھر کے تین آدمی مر چکے تھے اور شہر میں موت کی گرم بازاری تھی تو ایسی حالت میں نصوح کا اپنی نسبت تیقن ایک معمولی بلکہ ضروری بات ہے۔ نصوح کو ڈاکٹر نے جو اس کا معالج تھا' خواب آور دوا دی تھی۔ وہ سو گیا اور اس کے اگلے پچھلے خیالات ایک خواب بن کر اس کے سامنے آموجود ہوئے۔ خواب جو نصوح نے دیکھا تمام قصہ کی جان ہے۔ حشر اور اعمال نامہ اور حساب قبر کی تکلیف اور دوزخ کا عذاب یعنی قیامت کے حالات جن کا وہ مذہب اسلام کے مطابق معتقد تھا' خواب میں اس کو واقعات نفس الامری دکھائی دیئے۔ جاگا تو خائف وہراساں' بیدار ہوا تو ترساں و لرزاں۔ خوف کا نتیجہ وہراس کا اثر جو نصوح پر مترتب ہوا قصے کے پڑھنے سے ظاہر ہوگا۔ اس نے نہ صرف اپنے نفس کی اصلاح کی بلکہ سارے خاندان کی اصلاح کو اپنے ذمے فرض وواجب سمجھا۔ چونکہ خاندان کے سب چھوٹے بڑے اس طرز جدید سے ناآشنا تھے' کنفس واحدۃ نصوح کے مقابلے پر کمربستہ ہوگئے اور اس کو بڑی بڑی دقتیں پیش آئیں۔ چوں کہ نصوح کے ارادے میں استحکام تھا اور وہ حق کی جانب داری کرتا تھا' وہ

Marfat.com

غالب آیا' مگر مشکل سے' اس کو ظفر ہوا' مگر دشواری سے۔ اولاد میں جو جتنا عمر رسیدہ تھا اسی قدر عسیر الانقیاد تھا۔

تربیت اولاد' جس پر یہ کتاب لکھی گئی' ایک شعبہ ہے اس عام انسانی ہمدردی اور نفع رسانی کا جو ہر فرد بشر پر' اس کی استطاعت کی قدر واجب ہے۔ اس خصوص میں جتنی غفلت اور بے پروائی ہمارے ہم وطنوں سے ہوتی ہے' اصلی باعث اس ملک کے تنزل کا ہے۔ لوگ مضمون ہم دردی سے اس قدر ناواقف ہیں کہ اس خصوص میں ان کو بچوں کی طرح تعلیم کی حاجت ہے۔ یہ کتاب اس تعلیم کی ابجد ہے۔ اس واسطے کہ ایک انگریزی مثل کے مطابق' خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے' اگر اولاد اور خاندان کی اصلاح انسان کے ذمے واجب ہے تو ضرور ان لوگوں کی اصلاح کا بھی وہ ذمہ دار ہے جو بہ تعلق خدمت اس کی نگرانی و حکومت میں ہیں۔ پھر خدم و عبید کے بعد ''الاقرب فالاقرب'' کے لحاظ سے ہمسائے' پھر اہل محلہ' پھر اہل شہر' پھر ہم وطن اور ہم ملک' پھر مطلق ابنائے جنس۔

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش زیک جوہر اند

غرض ہمدردی کا ایک بڑا وسیع مضمون ہے۔ مگر بالفعل اس کے ابتدائی اور ضروری حصے سے آغاز کیا گیا ہے۔

**واللہ ولی للتوفیق**

Marfat.com

## فصل اوّل

ایک برس دہلی میں ہیضے کی بڑی سخت وبا آئی۔ نصوح نے ہیضہ کیا اور سمجھا کہ مرا چاہتا ہے۔ یاس کے عالم میں اس کو مواخذۂ عاقبت کا تصور بندھا۔ ڈاکٹر نے اس کو خواب آور دوا دی تھی۔ سو گیا تو وہی تصور اس کو خوابِ موحش بن کر نظر آیا۔

اب سے دور ایک سال دہلی میں ہیضے کا اتنا زور ہوا کہ ایک حلیم بقا کے کوچے سے ہر روز تیس تیس چالیس چالیس آدمی چھینجے لگے۔ ایک بازار موت تو البتہ گرم تھا' ورنہ جدھر جاؤ سناٹا اور ویرانی' جس طرف نگاہ کرو وحشت و پریشانی۔ جن بازاروں میں آدھی آدھی رات تک کھوئے سے کھوا چھلتا تھا ایسے اجڑے پڑے تھے کہ دن دوپہر کو بھی جاتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا تھا۔ کٹوروں کی جھنکار موقوف' سودے والوں کی پکار بند۔ ملنا جلنا' اختلاط و ملاقات' آمد و شد' بیمار پرسی و عیادت' بازدید و زیارت' مہمان داری و ضیافت کی کل رسمیں لوگوں نے اٹھا دیں۔ ہر شخص اپنی حالت میں مبتلا' مصیبت میں گرفتار' زندگی سے مایوس۔ کہنے کو زندہ پر مردہ سے بدتر۔ دل میں ہمت نہ ہاتھ پاؤں میں سکت۔ یا تو گھر میں اٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ رہا یا کسی بیمار کی تیمارداری کی یا کسی یار آشنا کا مرنا یاد کر کے کچھ رو پیٹ لیا۔ مرگ مفاجات حقیقت میں انہیں دنوں کی موت تھی' نہ سان نہ گمان' اچھے خاصے چلتے پھرتے' یکا یک طبیعت نے مالش کی' پہلی ہی کلی میں حواس خمسہ مختل ہو گئے۔ الا ماشاء اللہ کوئی جزئی بچ گیا تو بچ گیا' ورنہ جی متلانا اور قضائے مبرم کا آ جانا۔ پھر وصیت کرنے تک کی مہلت نہ تھی۔ ایک پاؤ گھنٹے میں تو بیماری' دوا' دعا جان کنی اور مرنا سب ہو چکتا تھا۔

Marfat.com

غرض کچھ اس طرح کی عالم گیر وبا تھی کہ گھر گھر اس کا رونا پڑا تھا۔ دو پونے دو مہینے کے قریب وہ آفت شہر میں رہی مگر اتنے ہی دنوں میں شہر کچھ ادھیا سا گیا۔ صدہا عورتیں بیوہ ہوگئیں' ہزاروں بچے یتیم بن گئے۔ جس سے پوچھو شکایت' جس سے سنو فریاد۔ مگر ایک نصوح جس کا قصہ ہم اس کتاب میں لکھنے والے ہیں کہ عالم شاکی تھا' اور وہ اکیلا شکر گزار۔ دنیا فریادی تھی اور وہ تنہا مداح۔ نہ اس سبب سے کہ اس کو اس آفت سے گزند نہیں پہنچا۔ خود اس گھر میں بھی اکٹھے تین آدمی اس وبا میں تلف ہوئے۔ اچھی خاصی طرح گھر بھر رات کو سو کر اٹھے۔ نصوح نماز صبح کی نیت باندھ چکا تھا۔ باپ بیٹے وضو کر رہے تھے۔ مسواک کرتے کرتے ابکائی آئی۔ ابھی نصوح دوگانہ فرض ادا نہیں کر چکا تھا' سلام پھیر کر کیا دیکھتا ہے کہ باپ نے قضا کی۔ ان کو مٹی دے کر آیا تو رشتے کی ایک خالہ تھی' ان کو جان بحق پایا۔ تیسرے دن گھر کی مامار خصت ہوئیں۔ مگر نصوح کی شکر گزاری کا کچھ اور ہی سبب تھا۔ اس کا مقولہ یہ تھا کہ ان دنوں لوگوں کی طبیعتیں بہت کچھ درستی پر آ گئی تھیں۔ دلوں میں رقت و انکسار کی وہ کیفیت تھی کہ عمر بھر کی ریاضت سے پیدا ہونی دشوار ہے۔ غفلت کو ایسا کاری تازیانہ لگا تھا کہ ہر شخص اپنے فرائض مذہبی کے ادا کرنے میں سرگرم تھا۔ جن لوگوں نے رمضان میں بھی نماز نہیں پڑھی تھی' وہ بھی پانچوں وقت سب سے پہلے مسجد میں آ موجود ہوتے تھے۔ جنہوں نے کبھی بھول کر بھی سجدہ نہیں کیا تھا' ان کا اشراق و تہجد تک بھی قضا نہیں ہونے پاتا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی' تعلقات زندگی کی ناپائداری' سب کے دل پر منقش تھی۔ لوگوں کے سینے صلح کاری کے نور سے معمور تھے۔ غرض ان دنوں کی زندگی اس پاکیزہ اور مقدس اور بے لوث زندگی کا نمونہ تھی' جو مذہب تعلیم کرتا ہے۔

نصوح یوں بھی دل کا کچا تھا۔ جب اس نے اول اول ننانوے کی گرم بازاری سنی تو سرد ہو گیا اور رنگت زرد پڑ گئی۔ بہ اسباب ظاہری جو جو تدبیریں انسداد کی تھیں سب کیں۔ مکان میں نئی قلعی پھروا دی۔ پاس پڑوس والوں کو صفائی کی تاکید کی۔ گھر کے کونوں میں لبان دھونی دے دی۔ طاقوں میں کافور رکھوا دیا۔ جا بجا کوئلہ رکھوا دیا۔ باورچی سے کہہ دیا کہ کھانے میں نمک ذرا تیز رہا کرے۔ پیاز اور سرکہ دونوں وقت

Marfat.com

دسترخوان پر آیا کرے۔ گلاب' نارجیل دریائی' بادیان' تمر ہندی' سنجبین وغیرہ وغیرہ جو جو دوائیں یونانی طبیب اس مرض میں استعمال کرتے ہیں' تھوڑی تھوڑی سب بہم پہنچا لیں۔ نصوح نے یہاں تک اہتمام کیا کہ انگریزی دوائیاں بھی فراہم کیں۔ کالرا پل کی گولیاں تو وہیں کوتوالی سے لے لیں۔ کالرا انجکچرالہ آباد میڈیکل ہال سے روپیہ بھیج کر منگوا کر رکھا۔ آگے سے ایک دوست کی معرفت کلورو ڈائن کی دو شیشیاں خرید لیں۔ ایک اخبار میں لکھا دیکھا کہ بنارس میں ایک بنگالی حکیم علاج کرتا ہے' اور سرکار سے جو دس ہزار روپے کا انعام موعود ہے اس کا دعوے دار ہوا ہے۔ چٹھی لکھ کر اس کی دوا بھی طلب کی۔ نصوح کو ایک وجہ تسلی یہ تھی کہ ایک طبیب حاذق اسی کے ہمسائے میں رہتا تھا۔

گور و سیاہ ہیضے کے توڑ کے واسطے اتنا سامان وافر موجود تھا' مگر آخر نصوح کا گھر بھی فرشتوں کی نظر سے نہ بچا' پر نہ بچا۔ باپ کی اجل آئی تو دوائیں رکھی ہی رہیں۔ دینے اور پلانے کی نوبت بھی نہ پہنچی کہ بڑے میاں سکیاں لینے لگے۔ وہ رشتے کی خالہ کچھ تھوڑی دیر سنبھلی تھیں۔ لیکن وہ کچھ ایسی زندگی سے سیر تھیں کہ انہوں نے خود خبر کرنے میں دیر کی۔ غرض دوا ان کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ ماما نے البتہ انگریزی یونانی سب طرح کی دوائیں ڈھکوسیں۔ مگر اس کی عمر ختم ہو چکی تھی۔ اول اول نصوح کو اپنی احتیاط پر کچھ یوں ہی سا تکیہ ہوا تھا' مگر جب وبا کا بہت زور ہوا اور اس کے گھر میں تابڑ توڑ ایک چھوڑ تین موتیں ہو گئیں' تو ناچار تن بہ تقدیر صبر و شکر کر کے بیٹھ رہا۔

غرض پورا ایک چلہ شہر پر سختی اور مصیبت کا گزرا۔ نہیں معلوم کتنے گھر غارت ہوئے' کس قدر خاندان تباہی میں آ گئے' یہاں تک کہ نواب عمدۃ الملک نے ہیضہ کیا۔ کوئی دو تین گھڑی دن چڑھتے چڑھتے شہر میں یہ خبر مشہور ہوئی اور نماز جمعہ کے بعد دیکھتے ہیں جنازہ جامع مسجد کے صحن میں رکھا ہے۔ یوں تو ہزارہا آدمی شہر میں تلف ہوئے مگر عمدۃ الملک کی موت سب پر بھاری تھی۔ اول تو ان کی ٹکر کا شہر میں کوئی رئیس نہ تھا' دوسرے ان کی ذات سے غریبوں کو بہت کچھ فائدہ پہنچتا تھا۔ گو ان کے مرنے کا گھر گھر ماتم تھا' لیکن لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ بس اب خدا نے ٹھنڈک ڈالی' کیوں کہ معتقدات عوام میں یہ بھی ہے کہ وبا بے کسی بڑے رئیس کے بھینٹ لیے نہیں جاتی۔ خیر لوگوں نے کچھ سمجھا ہو'

Marfat.com

یوں بھی شورش بہت کچھ فرو ہو چکی تھی اور امن و امان ہوتا جاتا تھا۔ لوگوں نے دکانیں بھی کھولنی شروع کر دیں اور دنیا کا کاروبار پھر جاری ہو چلا۔

انہی دنوں نصوح نے اپنی بیوی سے کہا کہ دو مہینے سے چاولوں کو ترس گئے۔ اب خدا نے اپنا فضل کیا۔ آج زردہ پکواؤ' مگر تاکید کرنا کہ چاول کھڑے نہ رہیں۔ شام کو زردہ پکا اور گھر کے چھوٹے بڑے سب نے کھایا اور حسب عادت سو رہے۔ کوئی پہر رات باقی رہی ہوگی کہ دفعتہً نصوح کی آنکھ کھل گئی۔ جاگا تو پیٹ میں آگ پھنکی ہوئی تھی۔ اٹھتے اٹھتے کئی مرتبہ طبیعت نے مالش کی۔ اس نے ننگے سر جلدی سے صحن میں نکل کر ٹہلنا شروع کیا۔ خوب کس کر دونوں بازو باندھے۔ گلے میں توے کی سیاہی تھوپی۔ عطر کا پھویا ناک میں رکھا اور طبیعت کو دوسری طرح مصروف کیا۔ مگر معلوم ہوتا تھا کہ حلق تک کوئی چیز بھری ہوئی ہے۔ بہتیرا ضبط کیا' بہتیرا ٹالا' آخر بڑے زور سے استفراغ ہوا۔ گھر والے سب جاگ اٹھے۔ نصوح کو اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھ کر سب کے کلیجے دھک سے رہ گئے۔ کوئی پانی اور بیسن لے کر دوڑا۔ کوئی الائچی ڈال پان بنا پاس آ کھڑا ہوا۔ کوئی پنکھا جھلنے لگا۔ نصوح کو تولا کر چارپائی پر لٹا دیا اور اب سب لوگ لگے اپنی اپنی تجویزیں کرنے۔ کسی نے کہا خیریت ہے غذا تھی۔ کوئی بولا زردے میں گھی برا تھا۔ کوئی کہنے لگا کھرچن کا فساد ہے۔ غرض یہ صلاح ہوئی کہ ہیضہ وبائی نہیں ہے۔ گلاب اور سونف کا عرق دیا جائے اور گھبرانے کی بات نہیں۔ صبح تک طبیعت صاف ہو جائے گی۔

خیر یہ تو تیمارداروں کا حال تھا۔ نصوح اگرچہ تکان کی وجہ سے مضمحل ہو گیا تھا' مگر ہوش و حواس سب خدا کے فضل سے بر جا تھے۔ سب کی صلاحیں اور تجویزیں سنتا تھا اور دوا جو لوگ پلاتے تھے پی لیتا تھا' لیکن استفراغ ہونے کے ساتھ ہی اس نے کہہ دیا تھا کہ لو صاحب خدا حافظ' ہم بھی رخصت ہوتے ہیں۔ استفراغ امتلائی مجھ کو بارہا ہوئے ہیں مگر کچھ میرا جی اندر سے بیٹھا جاتا ہے اور ہاتھوں میں سنسنی سی چلی آ رہی ہے۔ اتنا کہنے کے بعد تو نصوح دوسری ہی ادھیڑ بن میں لگ گیا اور سمجھا کہ بس اب دنیا سے چلا۔ صبح ہوتے ہوتے روایت کے کل آثار پیدا ہو گئے۔ برد اطراف' تشنج و ضعف' متلی' اسہال' تشنگی' ہر ایک کیفیت اشتداد پر تھی۔ منہ اندھیرے آدمی حکیم کے پاس دوڑا گیا۔

Marfat.com

حکیم صاحب خود خفقانی المزاج' ہیضے کے نام سے کوسوں بھاگتے تھے۔ مگر ہمسائیگی' مدت کی راہ و رسم' طوعاً و کرہاً آئے اور کھڑے کھڑے چھدا سا اتار کر چلے گئے۔ بیمار میں تو بولنے اور بات کرنے کی بھی طاقت نہ تھی۔ ایک پہر ہی بھر کی بیماری میں چارپائی سے لگ گیا تھا۔ عورتوں نے پردے میں سے' جہاں تک اس گھبراہٹ میں زبان نے یاری دی' کہا۔ لیکن حکیم صاحب یہی کہے چلے گئے کہ برف کے پانی میں نارنجیل دریائی گھس گھس کر پلائے جاؤ۔

تیمارداروں کو ایسی سرسری تشخیص اور رواروی کی تحقیق سے کیا خاک تسلی ہوتی۔ فوراً آدمی کو شفاخانے دوڑایا اور ڈاکٹر دوالیے صدا کی طرح آموجود ہوا۔ اوپر تلے چار پڑیاں تو اس نے اپنے سامنے پلائیں۔ چلتے ہوئے ایک عرق دیتا گیا کہ پاؤ گھنٹے میں پلا کر مریض کو علیحدہ مکان میں اکیلا لٹا دینا۔ کوئی آدمی اس کے پاس نہ رہے تاکہ اس کو نیند آجائے۔ اگر سو گیا تو جاننا کہ بچ گیا۔ فوراً ہم کو خبر دینا۔

ڈاکٹر کے حکم کے مطابق نصوح کو اکیلے دالان میں سلا کر لوگ ادھر ادھر ٹل گئے۔ مگر دبے پاؤں آکر دیکھ جاتے تھے۔ نصوح کے دل کی جو کیفیت تھی وہ البتہ عبرت انگیز تھی۔ یہ کچھ تو بیمار کا اشتداد ہوا۔ مگر ہوش و حواس سب بہ دستور تھے۔ وہ اپنے خیال میں ڈوبا ہوا تھا' لوگ جانتے تھے کہ غش میں پڑا ہے۔ ابتدا میں تو نصوح بھی اپنی نسبت مرنے کا تصور کرنے سے گریز کرتا تھا اور نہیں چاہتا تھا کہ اپنے تئیں مرنے والا سمجھے' بلکہ جو لوگ اس کی علالت کو سوءِ ہضم اور امتلا کی وجہ سے تجویز کرتے تھے' دل میں ان کی رائے کی تحسین کرتا تھا۔ لیکن افسوس یہ مسرت نصوح کو بہت ہی ذرا سی دیر تک نصیب ہوئی۔ دم بہ دم اس کی حالت ایسی ردی ہوتی جارہی تھی کہ زندگی کے تمام تر احتمالات ضعیف تھے۔ آخر چار و ناچار اس کو سمجھنا پڑا کہ اب دنیا میں چند ساعت کا مہمان اور ہوں۔ اذعان مرگ کے ساتھ پہلا قلق اس کو دنیا کی مفارقت کا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ مرنا وہ سفر ہے جس کا انقطاع نہیں' وہ جدائی ہے کہ جس کے بعد وصال نہیں' وہ گم شدگی ہے جس کی کبھی بازیافت نہیں' وہ غشی ہے جس سے افاقہ نہیں' وہ بے گانگی ہے جس کے پیچھے کچھ تعلق نہیں۔ کبھی وہ بیوی بچوں کو دیکھ کر روتا اور کبھی ساز و سامان دنیا پر نظر کر کے سر کو

Marfat.com

دھتا اور کہتا:

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

جس جس پہلو سے غور کرتا تھا' اپنا مرنا اس کو بے وقت معلوم ہوتا تھا۔ بیوی کو دیکھ دیکھ کر اپنے جی میں سوچتا تھا کہ بھلا کوئی اس کی عمر بیوہ ہونے کی ہے۔ نہ تو اس کے میکے میں کوئی اتنا ہے کہ اس کا متکفل ہو' نہ بیٹوں میں کوئی اس قابل ہے کہ گھر کو سنبھال لے۔ اندوختہ جو ہے سو واجبی سی واجبی ہے۔ کب تک اکتفا کرے گا۔ دو نا کدخدا بیٹیاں اس کے آگے ہیں۔ کچا ساتھ خالی ہاتھ' بچوں کی پرورش' کہیں سے کوڑی کی آمد کا آسرا نہیں۔ کیا ہوگا اور کیوں کر یہ پہاڑ زندگی اس کے کاٹے کٹے گی۔ بڑا لڑکا تو پہلے ہی گویا ہاتھ سے جا چکا ہے۔ رہا منجھلا امسال انٹرنس پاس کرنے کو تھا اور امید تھی کہ یہ کچھ ہوگا مگر اب وہ تمام منصوبہ بھی غلط ہوا چاہتا ہے۔ میری آنکھ بند ہوئی تو کیسا پڑھنا اور کس کا امتحان۔ یہ دو لڑکیوں کا فرض کیسا میں اپنی گردن پر لے چلا۔ بڑی کی نسبت کن کن مصیبتوں سے ٹھہری تھی اور جب میرے رہتے یہ دقت تھی تو اب ان بچیوں کا دیکھئے کیا ہو۔ پیش بینی اور مال اندیشی کر کے پارسال گاؤں لیا تھا۔ ابھی تک پٹی داروں نے اس میں اچھی طرح تسلط نہیں بیٹھنے دیا۔ اب جو چالیس پچاس بیگھہ سیر کر کے نیل بویا ہے وہ سب گیا گزرا ہوا۔ گودام پر جو روپیہ لگا دیا تھا وہ بھی ڈوبا۔ رہنے کے مکان میں کس قدر تنگی سے بسر ہوتی ہے۔ کوئی مہمان آ نکلتا ہے تو شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ شمال رویہ دالان در دالان بنوانے کا ارادہ تھا۔ ڈیرہ دون لکڑی کا روپیہ بھیج چکا ہوں' وہ نہیں آئی۔ پڑاوے والوں کو اینٹوں کی دادنی دی تھی' وہ نہیں پٹی۔ افسوس کہ موت نے مجھے مہلت نہ دی۔ لوگوں کا لینا دینا' حساب کتاب' بڑے بڑے بکھیڑے ہیں۔ آج سمجھانے بیٹھوں تو مہینوں میں جا کر طے ہوں تو ہوں۔ اجل سر پر آ پہنچی۔ تمام لینا لوانا مارا پڑا۔ اے کاش میں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا تو یہ سب انتظام اپنی خواہش کے مطابق درست کر لیتا۔ بال بچے بھی ذرا اور سیانے ہو جاتے' کھانے کمانے لگتے۔ ادھر ان کی شادی بیاہ کر چکتا۔ گاؤں کا معاملہ بھی روبراہ ہو جاتا' مکان کو اپنے طور پر بنا لیتا' لوگوں کا

Marfat.com

حساب کتاب سب صاف کر دیتا' گھر والی کے واسطے کچھ ذخیرۂ وافی فراہم کر جاتا' تب فراغت سے مرتا۔ کیا مرنے میں مجھ کو کچھ عذر یا خدانخواستہ کسی طرح کا انکار تھا' یا میں اتنی ذرا سی بات نہیں سمجھتا کہ دنیا میں آ کر مرنا ضرور ہے۔ مگر ہر چیز ایک وقت مناسب پر ٹھیک ہوتی ہے۔ یہ بھی کوئی مرنا ہے کہ۔ ہر ایک کام کو ادھورا' ہر ایک انتظام کو ناقص و ناتمام چھوڑ کر چلا جاؤں۔ ایسا بے ہنگام مرنا نہ صرف میرے لیے بلکہ میرے تمام متعلقین اور وابستگان کے لیے موجب زیان و باعث نقصان ہے۔

اگرچہ نصوح بہ نظر ظاہر ایک آزاد اور بے گانہ وار زندگی بسر کرتا تھا۔ نہ تو ہر وقت گھر میں گھسے رہنے کی اس کو خو تھی' نہ بال بچوں ہی سے کچھ بہت اختلاط کرنے کی عادت۔ انتظام خانہ داری میں بھی بی بی کے تقاضے اور اصرار سے بہ قدر ضرورت کچھ دخل دیا تو دیا' ورنہ اس کی بھی چنداں پروا نہ تھی اور یہی سبب تھا کہ جب بھی سننے کا اتفاق ہوتا کہ فلاں شخص نے بڑی حسرت کے ساتھ جان دی' تو نصوح کو تعجب ہوتا اور کہتا کہ خدا کی شان ہے' ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ دنیا سے نکلنے کو ان کا جی ہی نہیں چاہتا۔ نہیں معلوم دنیا کی کون سی ادا ان کو پسند ہوتی ہے' ورنہ استغفر اللہ' یہ دار المحن انسان کے رہنے کے لائق ہے؟ صدہا بکھیڑے' ہزارہا مخمصے' روز کے جھگڑے' آئے دن کی مصیبت۔ سچ ہے' خدا تعالیٰ کا کوئی فعل حکمت اور بندوں کی مصلحت سے خالی نہیں۔ ظاہر میں تو موت سب کو بری معلوم ہوتی ہے اور اس سے لوگ ایسا ڈرتے ہیں جیسے مجرم سزا سے' لیکن غور کر کے دیکھو تو مرنا بھی ایک نعمت ہے۔ انسان کی طبیعت تازگی پسند واقع ہوئی ہے۔ جہاں ایک حالت سال ہا سال رہی' گو وہ حالت کیسی ہی عمدہ اور پسندیدہ کیوں نہ ہو' خواہ مخواہ آدمی اس سے ملول ہو جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم راہی من وسلویٰ کھاتے کھاتے ایسے اکتائے کہ آخر کو ان کے دل لہسن و پیاز پر للچائے۔ اگر دنیا میں موت نہ ہوتی تو آدمی کنوؤں میں کود کود کر اور درختوں سے گر گر کر جان دیتے اور حیات دراز کو عذاب مقیم سمجھتے۔ میرے دل کی تو یہ کیفیت ہے کہ مجھ کو یہاں سے چلے جانے کی مطلق پروا نہیں اور کسی چیز کو میں نہیں سمجھتا کہ مجھ کو اس کی مفارقت کا قلق ہو۔

لیکن بڑا فرق ہے' فرض اور واقعات میں۔ یہ بھی نصوح کے نفس کا مکر تھا کہ وہ

Marfat.com

اپنے تئیں دنیا سے بے تعلق اور اپنی زندگی کو بے ہمہ و باہمہ سمجھتا تھا۔ جب تک وہ دوسروں کو مرتا دیکھتا تھا اپنے تئیں مرنے پر دلیر پاتا تھا۔ لیکن جب خود اپنے سر پر آن بنی تو سب سے زیادہ بودا نکلا۔ وہ اپنے تعلقات سے واقع میں اب تک بے خبر تھا۔ جب موت سامنے آ موجود ہوئی اور چلنا ٹھہر گیا تو حقیقت کھلی کہ ادھر زن و فرزند کا فریفتہ ہے ادھر مال و متاع کا دل دادہ۔ اتنا بڑا تو سفر اس کو درپیش، مگر بار علائق کی وجہ سے پہلے ہی قدم پر اس کے پاؤں ہزار ہزار من کے ہو رہے تھے۔ ریل کی سیٹی بج چکی تھی، مگر یہ ابھی اسٹیشن کے باہر اسباب سنبھالنے میں مصروف تھا۔ اگر اسی حالت میں، کہ اس کی روح تعلقات دنیوی میں ڈانواں ڈول بھٹکتی ہوئی پھر رہی تھی، کہیں خدانہ خواستہ اس کی جان نکل جاتی تو بس دونوں جہان سے گیا گزرا ہوا تھا۔ خسر الدنیا و الآخرۃ۔ ازیں سوراندہ وازیں سودرماندہ۔ مگر خدا نے بڑا ہی فضل کیا کہ ناامیدی نے اس کی ہمت بندھائی اور اپنے دل میں سوچا کہ چلنا تو اب ٹلتا نہیں، پھر قلق سے فائدہ اور اضطراب سے حاصل۔ مرتا ہوں تو مردانہ وار کیوں نہ مروں اور استقلال کے ساتھ جان کیوں نہ دوں۔ اس بات کا ذہن میں آنا تھا کہ دنیا کی تمام چیزوں پر ایک اداسی چھا گئی۔ اب جس چیز کو دیکھتا ہے ہیچ اور بے وقعت نظر آتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ ڈاکٹر نے اس کو دوا پلوا کر تنہا لٹوا دیا تھا۔ استغنا سے ایک اطمینان جو دل کو پہنچا اور ادھر علالت کے اشتداد کا تکان تھا ہی، اوپر سے پہنچی دوا جو بالخاصہ خواب آور تھی اور تیمارداروں کا ہجوم کم ہوا، لیٹا تو نیند کی ایک جھپکی سی آ گئی۔

آنکھ کا بند ہونا تھا کہ نصوح ایک دوسری دنیا میں تھا۔ جو خیالات ابھی تھوڑی دیر ہوئے اس کے پیش نظر تھے، سب اس کے دماغ میں بھرے ہوئے تھے۔ اب متخیلہ نے ان کو اگلے پچھلے تصورات کے گڈمڈ کر کے ٹھیک نئے پیرائے میں لا سامنے کھڑا کیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑی عمدہ اور عالی شان عمارت ہے اور چوں کہ نصوح خود بھی کبھی ڈپٹی مجسٹریٹ حاکم فوج داری رہ چکا تھا، تو اس کو یہ تصور بندھا کہ یہ گویا ہائی کورٹ کی کچہری ہے۔ لیکن حاکم کچہری کچھ اس طرح کا رعب دار ہے کہ باوجودے کہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کا اجتماع ہے مگر ہر شخص سکوت کے عالم میں ایسا دم بہ خود بیٹھا ہے کہ گویا کسی کے

Marfat.com

منہ میں زبان نہیں اور جو کوئی بہ ضرورت بولتا اور بات بھی کرتا تھا تو اس قدر آہستہ کہ کانوں کان خبر نہ ہو۔ اتنی بڑی تو کچہری ہے مگر مختار اور وکیل کسی طرف دیکھنے میں نہیں آتے۔ کچہری کے عملے اس طرح کے کھرے اور اپنے حاکم سے اتنا ڈرتے ہیں کہ کسی اہل معاملہ اور مقدمے والے کے اپنے پاس تک آنے کی روادار نہیں۔ غرض کیا مجال کہ کوئی اپنے بارے میں ناجائز پیروی کر کے یا روپے پیسے کا لالچ دکھا کر یا سعی سفارش بہم پہنچا کر کار برآری کر سکے۔ اگرچہ انصاف اور معاملہ فہمی اور ہمہ دانی کی وجہ سے حاکم کی ہیبت ادنیٰ اعلیٰ سب پر چھائی ہوئی ہے' مگر جتنے مجرم ہیں' کیا خفیف کیا سنگین' کوئی اس کے رحم سے ناامید نہیں۔ اختیارات اس کے اس قدر وسیع ہیں کہ نہ اس کے فیصلے کی اپیل ہے' نہ اس کے حکم کا مرافعہ۔ کام کرنے کا ایسا اچھا ڈھنگ ہے کہ کام روز کا روز صاف۔ کتنے ہی مقدمے پیشی میں کیوں نہ ہوں' ممکن نہیں کہ تاریخ مقررہ پر فیصل نہ ہو جائیں۔ پھر یہ نہیں کہ کسی مقدمے کو رواروی اور سرسری طور پر تجویز کر کے ٹال دیا جائے۔ نہیں۔ جو حکم صادر کیا جاتا ہے' ہر عذر کو رفع' ہر جہت کو قطع' خود مجرم کو قائل معقول کر کے اور گناہ گار کے منہ سے اس کی خطا تسلیم کرانے کے بعد۔ غرض جو تجویز ہے موجہ' جو فیصلہ ہے مدلل' جو رائے ہے حتمی واذعانی' جو حکم ہے دودھ کا دودھ' پانی کا پانی۔ گواہوں کے باب میں ایسی احتیاط ملحوظ ہے کہ صرف عادل' ثقہ اور راست گو کی گواہی ہی لی جاتی ہے اور وہ بھی ایسے کہ واقف الحال' چشم دید' بلکہ ملزم کے رفیق و ہم نشین' کہ اس کے رازدار اور معین اور مددگار رہوں۔ پھر کیا دیکھتا ہے کہ ہر مجرم کو فرداً فرداً فرد قرارداد جرم کی ایک نقل دی گئی ہے کہ وہ اس کو پڑھ رہا ہے' اور جتنے الزام اس پر لگائے گئے ہیں سب کو سمجھتا اور اپنی برأت کے وجوہات کو سوچتا ہے۔

کچہری کا خیال نصوح کو حوالات کی طرف لے گیا' تو دیکھا ہر شخص ایک علیحدہ جگہ میں نظر بند ہے۔ جیسا مجرم ہے اس کے مناسب حالت اس کو حوالات میں سختی یا سہولت کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ حوالات کے برابر جیل خانہ ہے' مگر بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ محنت کڑی' مشقت سخت' جو اس میں گرفتار ہیں' سولی کے متمنی اور پھانسی کے خواست گار ہیں۔ نصوح یہ مقام ہولناک دیکھتے ہی الٹے پاؤں پھرا۔ باہر آیا تو پھر حوالاتیوں اور زیر

Marfat.com

تجویزوں میں تھا۔ ان لوگوں میں ہزار ہا آدمی تو اجنبی تھے لیکن جا بجا شہر اور محلے کے آدمی بھی نظر آتے تھے' مگر وہ جو مر چکے تھے۔ نصوح کو یہ سب سامان دیکھ کر اسی خواب کی حالت میں ایک حیرت تھی کہ الٰہی یہ کون سا شہر ہے؟ کس کی کچہری ہے؟ یہ اتنے مجرم کہاں سے پکڑے ہوئے آئے ہیں؟ اور یہ میرے ہم وطنوں نے کیا جرم کیا کہ ماخوذ ہیں؟ اور یہ کیسے مرے تھے کہ میں ان کو یہاں جواب دہی میں دیکھتا ہوں؟ اسی حیرت میں لوگوں کو دیکھتا بھالتا چلا جاتا تھا کہ دور سے اس کو اپنے والد بزرگوار انہی حوالاتیوں میں بیٹھے ہوئے نظر پڑے۔ پہلے تو سمجھا کہ نظر غلطی کرتی ہے۔ مگر غور کیا تو پہچانا کہ نہیں' واقع میں وہی ہیں۔ دوڑ کر قدموں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ یا حضرت ہم سب آپ کی مفارقت میں تباہ ہیں۔ آپ یہاں کہاں؟

باپ: ''میں اپنے گناہوں کی جواب دہی میں ماخوذ ہوں۔ یہ مقام جو تم دیکھتے ہو دارالجزا ہے۔ خداوند تعالیٰ جل وعلی شانہٗ اس محکمے کا حاکم ہے۔''

بیٹا: ''یا حضرت آپ بڑے متقی' پرہیز گار' خدا پرست' نیکوکار تھے۔ آپ پر اور گناہوں کا الزام؟''

باپ: ''گناہ بھی ایک دو نہیں سینکڑوں ہزاروں۔ دیکھو یہ میرا نامہ اعمال کیسی رسوائی اور فضیحت سے بھرا ہوا ہے اور میں اس کو دیکھ دیکھ کر سخت پریشان ہوں کہ کیا جواب دوں گا اور کون سی وجہ اپنی برأت کی پیش کروں گا۔''

یہ وہ کاغذ تھا جو نصوح نے ہر شخص کے ہاتھ میں دیکھا تھا اور اس کو دنیا کے خیالات کے مطابق فرد قرارداد جرم سمجھا تھا۔ باپ کا نامۂ اعمال دیکھا تو تھرا اٹھا۔ شرک اور کفر اور نافرمانی' ناشکری اور بغاوت اور بے ایمانی' کبر ونخوت' دروغ وغیبت' طمع وحسد' مردم آزاری' نفاق وریا' حب دنیا' کوئی الزام نہ تھا کہ اس میں نہ ہو۔ چوں کہ نصوح کے دماغ میں خیالات دینوی گونج رہے تھے' لگا باپ کے نامہ اعمال میں تعزیرات ہند کا دفعہ اور ضمن ڈھونڈنے۔ سو بجائے دفعات تعزیرات ہند کے' قرآن کی سورتوں اور آیتوں کا حوالہ تھا۔ متعجب ہو کر باپ سے پوچھا کہ یا حضرت پھر کیا آپ ان تمام جرموں

Marfat.com

کے مرتکب ہوئے ہیں؟

باپ: ''سب کا۔''

بیٹا: ''کیا آپ حضور حاکم اقرار کر چکے ہیں؟''

باپ: ''انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ میری مخالفت میں گواہی اتنی وافر ہے کہ اگر میں انکار بھی کروں تو پذیرا نہیں ہو سکتا۔''

بیٹا: ''جناب وہ کون لوگ ہیں جو آپ کی مخالفت پر آمادہ ہیں؟''

باپ: ''اول تو دو شخص کرام کاتبین اس بلا کے ہیں کہ میرا کوئی فعل ان سے مخفی نہیں۔ جتنی باتیں کہتے ہیں پتے کی اور کہتے کیا ہیں' میرا روزنامچہ عمری لکھتے گئے ہیں۔ اب جو میں اس کو دیکھتا ہوں' حرف بہ حرف صحیح اور درست پاتا ہوں۔ دوسرے' میرے اعضا: ہاتھ' پاؤں' آنکھ' کان' کوئی میرے کہنے کا نہیں۔ سب کے سب مجھ سے منحرف' سب کے سب مجھ سے برگشتہ' میری مخالفت پر آمادہ' میری تذلیل پر کمربستہ ہو رہے ہیں۔''

بیٹا: ''آخر آپ کچھ اس کی وجہ بھی سمجھتے ہیں؟''

باپ: ''میں ان کو غلطی سے اعوان و انصار' بھیدی اور رازدار سمجھتا تھا' مگر واقع میں یہ سب جاسوس ایزدی تھے۔ انہوں نے وہ وہ سلوک میرے ساتھ کیے کہ تسمہ لگا نہیں رکھا۔''

بیٹا: ''پھر آپ کا کیا حال ہے؟''

باپ: ''جب سے دنیا کو چھوڑا' قبر کی حوالات میں ہوں۔ تنہائی سے جی گھبراتا ہے۔ انجام کار معلوم نہیں۔ شبانہ روز اسی اندیشے میں پڑا گھلتا ہوں۔ حوالات میں مجھ کو اس قدر ایذا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ مگر صبح و شام' ہر روز آتے جاتے جیل خانے کے پاس سے ہو کر گزرنا ہوتا ہے۔ دوزخ وہی ہے۔ وہاں کی تکلیفات دیکھ کر اور بھی ہوش اڑے جاتے ہیں، اور غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ اے کاش ہمیشہ کے واسطے اسی حوالات میں رہنے کا حکم ہو جاتا۔''

بیٹا: ''پھر ہنوز آپ کا مقدمہ پیش نہیں ہوا۔''

Marfat.com

باپ: ''خدا نہ کرے کہ پیش ہو۔ جو دن حوالات میں گزرتا ہے' غنیمت ہے۔ اول اول جب میں حوالات آیا تو اعمال نامہ مجھ کو حوالے کر دیا گیا۔ بس اسی کو دیکھا کرتا ہوں اور انجام کار سے ڈرا کرتا ہوں۔ نجات کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی۔''

بیٹا: ''بھلا کسی طرح ہم لوگ آپ کی اس مصیبت میں کام آ سکتے ہیں؟''

باپ: ''اگر میرے لیے عاجزی اور خلوص کے ساتھ دعا کرو تو کیا عجب کہ مفید ہو۔ ابھی میرے ہمسائے میں ایک شخص کی رہائی ہوئی ہے۔ اس پر بھی بہت سے الزام تھے' مگر جہاں اللہ تعالیٰ میں کامل انصاف ہے' رحم بھی پرلے ہی سرے کا ہے۔ اس شخص کے پس ماندوں نے اس کے واسطے بہت زار نالی کی' تو پرسوں یا اترسوں اس کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ تیرے افعال جیسے تھے' وہ اب تجھ پر مخفی نہیں رہے۔ مگر ہمارے کئی بندے تیری معافی کے واسطے ہمارے حضور گڑگڑاتے ہیں اور وہ تیرے ہی زن و فرزند ہیں۔ ہم کو تیری یہی ایک بات بھلی معلوم ہوتی ہے کہ تو نے اپنے خاندان میں نیکی اور دین داری کا بیج بویا۔ جا' ہم نے تیری خطا معاف کی۔ بیٹا! سچ کہنا کہ تم لوگوں نے بھی کبھی میرے حق میں دعائے خیر کی ہے؟''

بیٹا: ''جناب آپ کے انتقال کے بعد رونا پیٹنا تو بہت کچھ ہوا اور اب تک اس شد و مد کے ساتھ ہوتا ہے کہ گویا آپ نے ابھی انتقال فرمایا ہے اور یہ رونا تو ہم لوگوں کے دم کے ساتھ ہے۔ آپ کی عنایتیں' آپ کی شفقتیں' جب تک جئیں گے یاد کریں گے۔ رسم دنیا کے مطابق آپ کا کھانا بھی برادری میں تقسیم کر دیا ہے۔ لوگ شاید میرے منہ پر خوشامد سے کہتے ہوں' مگر کہتے تھے کہ اس مہنگے سمے میں باپ کا کھانا اچھا کیا۔ دعا کے بارے میں' غلط بات کیوں کر عرض کروں' اہتمام نہیں ہوا۔ آپ کے بعد و میراث کے ایسے جھگڑے پڑ گئے کہ آج تک نہیں سلجھے۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ تو صوم و صلوۃ کے بڑے پابند تھے۔ کیا اعمال و افعال کچھ بھی کام نہ آئے۔

باپ: کیوں نہیں۔ یہ انھی اعمال کی بدولت ہے کہ تم مجھ کو اس حالت میں دیکھتے ہو ورنہ بہتیرے مجھ سے زیادہ تکلیف میں ہیں۔ حوالات میں جیل خانے کی سی ایذا ہے۔ مگر

Marfat.com

یہاں ہمارے اعمال میں خلوص نیت شرط ہے۔ میں نے اعمال کو آ کر دیکھا تو اکثر جیسے جھوٹے موتی' کھوٹے روپے' نمازیں بے حضور قلب ادا کرت گئیں اور روزے چونکہ پابندی رسم کے طور پر رکھنے کا اتفاق ہوتا تھا' خالی فاقے شمار میں آئے۔

بیٹا: پھر اس دربار میں کچھ سعی وسفارش کا دخل نہیں؟

باپ: استغفراللہ! کوئی کسی کی بات تو پوچھتا ہی نہیں۔ نفسی نفسی پڑی ہے۔ ہر شخص اپنی بلا میں مبتلا اور اپنی مصیبت میں گرفتار ہے۔ دوسرے کی نجات تو کیا کرائے گا' پہلے آپ تو سرخرو ہو لے۔

بیٹا: کیوں جناب' معاذ اللہ یہ شرک وکفر کا الزام آپ پر کیسا ہے؟ ہم لوگ تو خیر' سارا شہر آپ کے اتقا کا معتقد تھا۔ کیا آپ خدا کے قائل نہ تھے؟

باپ: قائل تو تھا مگر دل سے معتقد نہ تھا۔

بیٹا: جناب' آپ کے تمام اعمال ظاہر سے مسبط ہوتا تھا کہ آپ کو خدائے کریم کے ساتھ بڑی راسخ عقیدت ہے۔

باپ: وہ تمام عقیدت معلوم ہوا کہ اوپری دل سے تھی۔ جب اول اول میرا اظہار لیا گیا تو پہلا سوال مجھ سے یہی پوچھا گیا کہ تیرا رب کون ہے؟ چونکہ مرتے وقت مجھ کو ایمان کی تلقین کی گئی تھی' میں نے جواب دیا اللہ وحدہ لاشریک لہ تب اس پر جرح کی گئی کہ بھلا جب تو دکھن کی نوکری سے برخاست ہو کر گھر آیا اور مدت تک خانہ نشین رہا اور جو کچھ تو نوکری پر سے کما کر لایا' سب صرف ہو گیا اور تو نان شبینہ کو محتاج ہو کر نوکری کی جستجو میں ادھر ادھر پھرتا تھا اور مضطر ہو ہو کر ہم سے دعائیں مانگتا تھا' مگر ہم تیرا صبر و استقلال آزمانے کے لیے تیرے مدعا کو خیر التوا میں ڈالے ہوئے تھے اور ایک انگریزی حاکم ضلع نے کہ وہ بھی مثل تیرے ہمارا بندہ تھا' ہمارے ایما سے تیری پرورش کا وعدہ کیا۔ مگر ہم نے تجھ پر اپنے ایما کو ظاہر نہیں ہونے دیا اور تو یہی سمجھا کہ وہ تیری ہی کوشش کا نتیجہ تھا۔ سچ بتا کہ تجھ کو اس انگریز کے وعدہ زبانی کا زیادہ آسرا تھا یا ہماری تحریری تمسک ''وما من دابته فی الارض الاعلی الله رزقها'' کا۔ اگر تو ہم کو

Marfat.com

صمیم قلب سے حاضر و ناظر' سمعی و بصیر و قادر جانتا تھا' تو گناہ پر تجھ کو کیوں کر جسارت ہوتی تھی۔ تو بھول کر کبھی بھاڑ میں تو نہیں کودا۔ کبھی کھولتے پانی میں تو تو نے ہاتھ نہیں ڈالا۔ کبھی جلتی ہوئی آگ کو تو نے مٹھی میں نہیں لے لیا۔ مگر تو گناہوں کا نہایت بے باکی سے مرتکب ہوتا تھا۔ ضرور ہے کہ یا تو تجھ کو ہمارے فرمانے کا یقین نہ تھا کہ گناہ کی سزا آتش دوزخ ہے یا اگر یقین تھا تو اس کو دنیا کی آگ سے کم تر سمجھا تھا۔ دنیا میں جو کچھ رفاہ' جو کچھ عیش و آرام ہم نے تجھ کو بے استحقاق صرف اپنی مہربانی سے عطا کیا تھا' کیا تو نے اس کو ہمیشہ اپنی حسن تدبیر کی طرف منسوب نہیں کیا؟ جو تکلیف تجھ کو دنیا میں پہنچی' گرچہ اپنے ہی ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارا کرتا تھا' مگر کیا تو اس کا الزام ہماری ذات مجمع الصفات پر نہیں لگاتا تھا۔

اے احسان فراموش' ہزاروں لاکھوں احسان ہم نے تجھ پر کیے اور تجھ سے اتنا نہ ہوسکا کہ بھلا منہ سے اقرار تو کرتا۔ اے ناشکر' بے شمار نعمتیں ہم نے تجھ کو عطا فرمائیں مگر تجھ پر اتنا بھی اثر نہ ہوا کہ کبھی زبان پر تو لاتا۔ جتنا ہم نے تیرے ساتھ سلوک کیا اتنا ہی تو ہماری مخالفت پر کمر بستہ رہا۔ جتنی ہم تیری رعایت کرتے رہے' اسی قدر تو گستاخ اور شریر ہوتا گیا۔ اس حیات بے ثابت پر تجھ کو اتنا گھمنڈ ہوگیا تھا کہ تو اپنے تئیں ہماری خدائی سے باہر لے چلا تھا۔ اس چند روزہ زندگی پر تو اس قدر مغرور تھا کہ دائرۂ عبودیت سے اپنے تئیں خارج کرنا چاہتا تھا۔ ہم نے تجھ کو نیست سے ہست کیا اور خلعت انسانیت سے تجھ کو سرفراز بنایا۔ جو کچھ تجھ کو درکار تھا سو تجھ کو دیا۔ جس کا تو حاجت مند تھا سب مہیا کیا۔ ہر حال میں تیرے حافظ' ہر کیفیت میں تیرے نگہبان رہے۔ کیا اسی واسطے کہ تو کبھی بھول کر بھی ہماری طرف توجہ نہ کرے اور ہمیشہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہم سے جدا رکھے۔

جب تو ایک مضغہ گوشت تھا' ضعیف ولا یعقل' نادان و جاہل۔ ضعیف تھا کہ نقل و حرکت پر قادر نہیں۔ نادان ایسا کہ خویش و بیگانے کا امتیاز نہیں۔ ہم نے تجھ کو دودھ پلوا پلوا کر توانا کیا اور اپنے بندے جو تجھ پر ہر طرح کا شرف رکھتے تھے' یعنی تیرے ماں باپ تیری خدمت گزاری کو مقرر کیے اور ان کے دلوں میں تیری محبت ڈال دی کہ انہوں نے

Marfat.com

ہمارے حکم سے تجھ کو پالا پوسا اور تو روز بہ روز چونچال اور خوش حال ہوتا گیا۔ پھر ہم نے عقل کو تیرا اصلاح کار بنایا' کہ تو اس کی مدد سے اپنی آسائش جائز کے واسطے ہر طرح کا سامان بہم پہنچائے۔ دنیا کے چرند' پرند' حیوانات' نباتات' جمادات' سب کو تیرا مطیع فرمان بنا دیا کہ تو ان پر حکمرانی کرے' اور ان میں متصرف رہے۔ کیا اس لیے کہ تو بہک کر بھی کبھی ہماری طرف رخ نہ کرے اور سدا ہم سے بھاگا بھاگا پھرے؟ تیری زندگی محض ایک ہستی بے بود تھی۔ دو لمحے تجھ کو تنفس کے لیے ہوا نہ ملتی تو تیرا دم نکل جاتا۔ ایک رات دن بے آب و دانہ تجھ کو جینا دشوار ہوتا۔ منوں ہوا تو سونگھ گیا اور کبھی نہ سوچا کہ ہمارے طفیل ہے۔ غلہ انبار کے انبار ٹھونس گیا اور کبھی نہ سمجھا کہ ہماری بدولت۔ زندگی بھر کئی کنوئیں تو نے خالی کیے ہوں گے' مگر کبھی دھیان نہ کیا کہ ہمارے صدقے میں اور ایک پانی اور ہوا اور غلہ و غذا کیا' ضرورت کی کل چیزیں تو کہاں سے لاتا اور کہاں سے بہم پہنچاتا تھا؟ ہمارے توشہ خانہ عام سے۔ مگر اس پر تیری یہ ہیکڑی تھی کہ گویا ہم تیرے قرض دار ہیں یا ہم پر کچھ ادھار آتا ہے۔ تو کھاتا تھا اور مکرتا تھا' لیتا تھا اور بھول بھول جاتا تھا۔ دنیا کی باتوں میں تو تیری عقل بڑی رساتھی مگر تو جان بوجھ کر ہمارے ہی ساتھ تجاہل کرتا تھا۔ منہ پر آنکھیں تھیں اور اندھا۔ ایک چھوڑ دو دو کان تھے اور بہرا۔ زمین' آسمان' چاند' سورج' ستارے' جنگل' دریا' میدان' انواع و اقسام کے درخت' پھل' پھول' کھانے کو الوان نعمت' پہننے کو رنگا رنگ خلعت' جواہر بیش بہا' نقرہ و طلا' دنیا بھر کا سامان ہم نے تیرے واسطے مہیا کیا اور ایک تیرے دم کے لیے اس قدر لوازمہ بہم پہنچایا۔ ہم کو یہاں تک تیری خاطر عزیز اور تو ہم سے منحرف۔ ہم کو اس قدر تیری بزرگ داشت ملحوظ اور تو ہم سے برگشتہ۔ ہم چاہتے تو ایک ادنیٰ چیونٹی تیرے ہلاک کرنے کو کافی تھی۔ ہم حفاظت نہ کرتے تو خود تیرے جسم میں فساد کا مادہ ایسا تھا کہ ایک ذرا سا روگ تیرے فنا کر دینے کو بہت تھا۔ مگر ہم تجھ سے دوستی کرتے تھے اور تو ہم سے عداوت۔ ہم عنایت کرتے تھے اور تو بغاوت۔ کیا یہی تھا بدلہ جو تو نے ہم کو دیا؟ کیا یہی تھا صلہ جو تجھ سے ہم کو ملا؟

Marfat.com

ہم نے تجھ کو دنیا میں بھیجتے وقت کیا تاکید کی تھی کہ دیکھ' روح ایک جوہر لطیف ہے اور مجھ کو بہت ہی عزیز ہے' ایسا نہ کرنا کہ اس کو دنیا میں جا کر بگاڑ لائے۔ یہ میری عمدہ امانت اور نفیس ودیعت ہے۔ دیکھ اس کی احتیاط کما ینبغی اور حفاظت کما حقہ کیجیو۔ جیسا اجلا' شفاف' براق' روشن یہاں سے لیے جاتا ہے ایسا ہی دیکھ لوں گا۔ آج تو اے روسیاہ' اس کو لایا ہے پوتھ سے بدتر اور ٹھیکری سے کم تر بنا کر' نجس' ناپاک' تیرہ' بے آب' بدرونق' خراب۔ ہم نے تو چلتے چلتے تجھ سے کہہ دیا تھا کہ تو دنیا میں دل مت لگائیو اور اس طرح رہیو جیسے سرائے میں مسافر۔ تو وہاں گیا تو بس وہیں کا ہو رہا اور ایسی لمبی تان کر سویا کہ قبر میں آ کر جاگا۔ تھا تو مسافر اور بن بیٹھا مقیم۔ تھا تو سیاح اور ہو گیا متوطن۔ کیا تو تمام عمر دنیا میں مال نہیں جمع کرتا رہا اور کیا تو نے پکی پکی عمارتیں اس خیال سے نہیں بنوائیں کہ مدتوں ان میں رہے گا؟ مسافر کا یہی کام ہے؟ سیاح کا یہی شیوہ ہے؟ تو تو جانتا تھا کہ تجھ کو یہاں لوٹ کر آنا ہے' پھر مرنے کے نام سے تجھ کو موت کیوں آتی تھی اور چلنے کی خبر سن کر تو مچلتا کیوں تھا؟

اول تو تجھ کو ہماری عبادت کا اتفاق ہی نہیں ہوا' لیکن جب کبھی تو لوگوں کی شرم حضور یا دکھاوے یا اتباع رسم کی وجہ سے مصروف عبادت ہوا بھی ہو' تو کس طرح' کہ دل کہیں تھا اور تو کہیں۔ کوئی نماز بھی تیری سجدہ سہو سے خالی تھی؟ دنیا کی بھولی بسری باتیں تجھ کو نماز میں یاد آتی تھیں' اور نماز تو کیا پڑھتا تھا' گھاس کاٹتا تھا۔ نہ تعدیل ارکان ٹھیک' نہ قومہ درست' نہ قعدہ صحیح۔ برس بھر تو دوزخ شکم کو اتاپ شتاپ بھرتا رہتا تھا۔ برسویں دن صرف ایک مہینے کے روزے رکھنے کا ہم نے تجھ کو حکم دیا تھا کہ تجھ کو ہماری نعمتوں کی قدر ہو' تجھ کو اپنے ابنائے جنس پر' جو مبتلائے مصیبت ہیں' رحم آئے اور تیری صحت بدنی کو بھی نفع پہنچے۔ تیرے مزاج میں فروتنی اور انکسار کی صفت محمود' کہ یہ ادا ہم کو بہت بھاتی ہے' پیدا ہو۔ لیکن یوں دنیا کے کام دھندے میں تو تو دن بھر بے آب و دانہ مصروف رہا' نہ شکوہ نہ گلہ تازہ دم' ہشاش بشاش' پھر کھانا تھورنے کو موجود۔ مگر روزہ چوں کہ ہمارے حکم سے تھا' دن میں سینکڑوں مرتبہ پیاس کی شکایت اور جو آیا اس سے ضعف و ناتوانی کی

Marfat.com

حکایت۔ ''العطش'' اور ''الجوع'' یہی تیرے دو وظیفے تھے۔ روزہ افطار کیا اور تو بدحواس ہوکر چارپائی پر ایسا گرا کہ گویا جان نہیں۔ باوجودیکہ تو دو دو دن کا کھانا ایک ہی رات میں کھالیتا تھا' پھر بھی اس تصور سے کہ کل پھر روزہ رکھنا ہے' تیری جوع البقر کو کسی چیز سے سیری نہیں ہوتی تھی۔ تو عید کا اس طرح منتظر رہتا تھا جیسے کوئی قیدی تاریخ رہائی کا۔ تیرا بس چلتا تو ۲۹ کیا ۱۹ کی عید کرتا۔ کیا ایسے ہی روزوں کے ثواب کا تو امیدوار اور اجر کا متوقع ہے؟

ہم نے تجھ کو انسان بنا کر بھیجا تھا تا کہ مصیبت زدوں کی ہمدردی کرے۔ مگر تو نے ایسی تن آسانی اختیار کی کہ راحت پہنچانا تو درکنار' دوسروں کو تکلیف دے کر بھی اپنی آسائش حاصل کرنے میں تجھ کو باک نہ تھا۔ تیرے ہمسائے میں ہمارے بندے رات کو فاقے سے سوتے تھے اور تجھ کو سوءہضم کے علاج سے ان کی پرداخت کی پروا نہ تھی۔ تیرے پڑوس میں ایسے لوگ بھی تھے کہ جاڑے کی لمبی راتیں آگ تاپ تاپ کر سحر کرتے اور تو دہرے دہرے لحاف اور بھاری بھاری توشکوں میں چین سے پاؤں پھیلا کر سوتا۔ نعمت مال و دولت جو ہم نے تجھ کو عطا کی تھی' تو نے تکلفات لایعنی اور نمود نمائش کی غیر ضروری چیزوں میں بہت کچھ تلف کی اور جو لوگ اس کے سخت حاجت مند تھے' ترستے کے ترستے رہ گئے۔ تیری سب خباثتیں ہم کو معلوم ہیں۔ تو نے درماندگی کا بنام خدا رکھ چھوڑا تھا۔ جب تک سعی و تدبیر سے تجھ کو کار برآری کی امید ہوتی تھی' تجھ کو ہرگز پروا نہیں ہوتی تھی کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور انتظام دنیا میں اس کو بھی کچھ دخل ہے۔ مگر جب تو عاجز اور درماندہ ہوتا تھا' تب تو خدا کو یاد کرتا تھا۔ اگر ہماری خدائی اور سلطنت تیری فرماں برداری کی محتاج ہوتی' تو تو نے اس کے اٹھا دینے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ تو نے ہمارے فرمان واجب الاذعان کی بے حرمتی اور احکام لازم الاحترام کی بے توقیری کی اور تو نے اپنا برا نمونہ دکھا کر میرے دوسرے بندوں یعنی اپنے فرزندوں کو بھی گمراہ کیا۔ ہر روز تو لوگوں کو مرتے دیکھتا اور سنتا تھا' کیا تجھ کو نہیں سمجھنا چاہئے تھا کہ ایک دن تو بھی مرے گا۔ خود تیری حالت میں کتنے کتنے انقلاب واقع ہوئے۔ لڑکے سے جوان ہوا'

Marfat.com

جوان سے بڈھا ناتوان۔ بال تیرے سفید ہوئے' دانت تیرے ٹوٹے' کمر تیری جھکی' قوتوں میں تیری فتور آیا۔ غرض ہم نے تجھ کو سوتا دیکھ کر بہتیرا جھنجھوڑا' بہتیرے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے دیے' کئی بار اٹھا اٹھا کر بٹھا بٹھا دیا' مگر تیرے نصیب کچھ ایسے سوتے تھے کہ تو نے ہی کروٹ نہ لی۔

تمامی عمر تو غفلت میں سویا
ہمارا کیا گیا اپنا ہی کھویا

سخت گیری خود ہماری عادت نہیں اور سخت گیری ہم کریں بھی تو کس پر؟ اپنے بندوں پر' جن کا مارنا اور جلانا ہر وقت ہمارے اختیار میں ہے۔ مگر جب بندہ بندہ ہو اور ہم کو اپنا مالک سمجھے' نہ خرنا مشخص کہ ہم تو دیں نون اور وہ کہے کہ میری آنکھیں پھوٹیں۔ ہم سے زیادہ بھی کوئی درگزر کرنے والا ہوگا کہ ایک معذرت پر عمر بھر کے گناہوں کو ہم نے قاطبۃً بھلا بھلا دیا ہے۔ لیکن توبہ استغفار' ندامت وحسرت کا اظہار بھی تو کوئی کرے۔ ہماری رحمت حیلہ جو' ہماری رافت بہانہ طلب' کتنی کتنی بار جوش میں آئی' مگر ہم نے اس کو صرف کرنے کا موقع نہ پایا۔ اگر بندہ ہمارے ساتھ نسبت عبودیت صحیح رکھتا تو ہم اس کی لاکھ برائیوں پر خاک ڈالتے۔ ہم کو تو بڑی شکایت یہی ہے کہ اس نے ہم کو معبود ہی نہ گردانا۔ عالم اسباب میں رہ کر اسباب پرست ہو گیا۔

پھر ہم جو دیکھتے ہیں تو ہمارے احکام بھی کچھ سخت نہ تھے۔ کھانے کو ہم نے نہیں روکا' سونے کو ہم نے منع نہیں کیا' نعمات دینوی سے باز نہیں رکھا۔ پھر جو تو نے ان کی بجا آوری نہ کی' تو سوائے تیری بدنفسی کے اور تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی اے شخص' نجات جس کا تو نہایت آرزومندی کے ساتھ خواہاں ہے' اے کاش! زندگی میں تجھ کو اس کی اتنی بھی پروا ہوتی جیسے اڑد پر سفیدی دنیا کے چھوٹے چھوٹے نقصان اور ذرا ذرا سے زیان تجھ کو مضطر اور بے چین کر دیا کرتے تھے' اگرچہ کیا دنیا اور کیا دنیا کا خسارہ' کیا پدی اور پدی کا شوربا' لیکن تباہی دین کی تجھ کو خبر بھی تو نہیں ہوئی۔ اے کاش! تجھ کو نماز کے قضا ہونے کا اتنا ہی رنج ہوتا جتنا ایک مٹی کے پرانے آب خورے کے ٹوٹ جانے کا ہوتا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ اب تجھ کو بہت ہی ندامت ہے' لیکن اس ندامت کا کچھ ماحصل

Marfat.com

نہیں' اس واسطے کے یہ دارالجزا ہے' دارالعمل نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تو ایک بات کا جواب نہیں دے سکتا' لیکن حجت تمام کرنے کی نظر سے ہم تجھ کو مہلت دیتے ہیں۔ جا' اپنے نامۂ اعمال کو دیکھ اور اچھی طرح سوچ سمجھ کر کوئی بات ہم سے بیان کر' بشرطیکہ معقول اور قابل قبول ہو۔

Marfat.com

## فصل دوم

### خواب سے بیدار ہو کر نصوح کو اپنی اور اپنے خاندان کی لایعنی زندگی پر سخت تاسف ہوا اور اس نے تلافی مافات کا عہد کر کے فہمیدہ اپنی بی بی سے ماجرائے خواب بیان کیا اور اصلاح خاندان کے لیے اس کو اپنا مددگار بنایا۔

باپ نے جو یہ اپنی رام کہانی سنائی بیٹے پر اس طرح کی ہیبت چھائی کہ چونک پڑا۔ جاگا تو پھر وہی دالان تھا اور وہی تیمارداریوں کا سامان۔ بی بی پاس بیٹھی آہستہ آہستہ پنکھا جھل رہی تھی۔ میاں کی آنکھ کھلی ہوئی دیکھ اس کی جان میں جان آئی۔ ورنہ جس گھڑی سے میاں نے جی برا کیا تھا' سہموں کے مارے کا ٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا۔ نصوح آٹھ بجے ڈاکٹر کی دوا پی کر جو پڑا تھا تو اس وقت کا سویا سویا اب کہیں دو بجے جا کر ہوشیار ہوا۔ چوں کہ ڈاکٹر کہہ گیا تھا کہ نیند اگر آ گئی تو جاننا کہ بیمار بچ گیا' اس کے سو جانے سے سب کو تسلی سی ہو گئی تھی۔ مگر جب زیادہ دیر ہوئی تو عورتیں پھر گھبرانے لگیں کہ نہیں معلوم کم بخت ڈاکٹر کیسی دوا پلا گیا ہے کہ دوپہر پڑے پڑے گزر گئے' کروٹ تک نہیں بدلی۔ خدا جانے اندر سے جی کیسا ہے اور دل پر ایسی کیا آن بنی ہے۔ کیوں کر ہوش آئے گا۔ دیکھئے کیا ہوتا ہے۔ نصوح بیدار ہوا تو بی بی نے پوچھا' ''کیسی طبیعت ہے؟ اچھے سوئے کہ گھر میں رونا پیٹنا ہوا کیا اور تم کو خبر نہیں۔ بولو' بات کرو کہ اوپر والوں کو تسلی ہو۔ کسی بچے کے منہ میں دانہ تک گیا ہو تو حرام۔ چھوٹے بڑے کل کا کھائے ہوئے ہیں۔ روتے روتے لڑکیوں کی آنکھیں سوج گئی ہیں۔ لڑکے ہیں کہ مضطر اور پریشان پھر رہے ہیں۔''

بی بی نے ہر چند دل جوئی کی باتیں کیں' مگر نصوح کو خواب کا سارا ماجرا پیش نظر

Marfat.com

تھا' مطلق جواب نہ دیا۔ بی بی سمجھی کہ بیماری کی وجہ سے بولنے کو جی نہ چاہتا ہوگا' مگر وہ خدشہ سب کے دل سے دفع ہوگیا۔ مبارک سلامت ہونے لگی اور گھر بھرنے بے رمضان کی عید منائی گو دیر ہوگئی تھی' مگر لوگ بھوکے تھے' بازار سے حلوہ پوری منگوا کر سب نے تھوڑا بہت کھایا پیا۔ کھانے ہی میں کسی نے یہ بات بھی چھیڑ دی کہ مریض کا غسل صحت ہو تو ایک رت جگا بڑی دھوم سے کیا جائے اور اچھے ہونے کی شادی کریں گے۔

یہ لوگ تو شادی اور رت جگے کے ارادے کر رہے تھے اور نصوح اپنے خواب کے تصور میں غلطاں پیچاں تھا۔ اس کا دل مان گیا تھا کہ یہ خواب میرے وہم و خیال کا بنایا ہوا تو ہرگز نہیں ہے' ہو نہ ہو یہ ایک امر من جانب اللہ ہے۔ خواب کیا ہے رویائے صادقہ اور الہام الٰہی ہے۔ باپ کا اظہار اس نے ایسی توجہ سے سنا تھا کہ حرف بہ حرف نوک زبان یاد تھا۔ جتنے الزام باپ پر لگائے گئے تھے' غور کرتا تھا تو سب اپنے میں پاتا تھا' بلکہ باپ کی حالت سے اپنی حالت کو مقابلہ کرتا تھا تو کچھ نسبت نہ تھی۔ ان مرحوم کا یہ حال تھا کہ نماز روزے کے پابند' ورد و وظائف کے مقید' معاملے کے صاف' بیوپار کے کھرے' لوگوں کے دیکھنے میں محتاط' پرہیز گار' متقی' دین دار اور یہاں نماز بھی تھی تو گنڈے دار۔ عیدین تو ضرور' اس واسطے کہ عید سے بڑھ کر مسلمانوں کا کوئی تہوار نہیں' اس سے بھاری کوئی میلہ نہیں۔ برس روز میں یہی دو دن تو ساز و سامان کی نمائش کے ہوتے ہیں۔ کوئی اپنے نئے شان دار کپڑوں میں اکڑ رہا ہے۔ کوئی گھوڑے کو چھیڑ چھیڑ کر کداتا ہوا' قصداً لوگوں کی بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا چلا جا رہا ہے۔ کوئی نوکروں کی ہٹو بڑھو سن کر پھولا ہوا ہے۔ کوئی کرائے یا مانگے کے تانگے پر سوار' گاڑی بان سے کہتا ہے: چوہدری کیسا سڑیل تانگہ بنا رکھا ہے۔ گدا ہے تو میلا' پوشش ہے تو پھٹی۔ نہ بیلوں کے گلے میں گھونگرو' نہ پہیوں میں جھانجھ۔ خیر اب عیدگاہ کا وقت قریب ہے۔ اتنا تو کر کہ وہ آگے یکہ جا رہا ہے' اس کے برابر لگائے چل۔ مرد آدمی تجھ کو انعام لینے کا بھی سلیقہ نہیں۔''

رہا جمعہ' اگر کپڑے خوب صاف ہوئے اور دھوپ بھی ایسی سخت نہ ہوئی' دن ابر و باد سے پاک ہوا' دوست آشناؤں سے ملنے کو جی چاہا تو جامع مسجد چلے گئے' ورنہ محلے ہی کی مسجد میں ٹر خالی۔ یا دل میں تاویل کر لی کہ شرائط جمعہ میں اختلاف ہے۔ پنج وقتی کو تو

Marfat.com

کبھی فرض و واجب کیا مستحب بھی نہیں سمجھا۔ صبح اور ظہر اور عشا تو عمر بھر پڑھی ہی نہیں' کیوں کہ عین سونے کے وقت تھے۔ رہی عصر سے ہوا خوری اور سیر بازار' خرید و فروخت' دوست آشناؤں کی ملاقات' دنیا بھر کی ضرورتوں کو بالائے طاق رکھتے تو ایک نماز پڑھتے۔ مغرب کے واسطے تو عذر ظاہر تھا' وقت کی تنگی۔ جب تک پھر پھرا کر آتے' حمرت شفق زائل ہو جاتی تھی۔

یہ تو اس عبادت کا حال تھا جس کو ثواب بے زحمت اور اجر بے تکان کہنا چاہیے اور جس عبادت میں ذرا سی تکلیف بھی تھی' جیسے روزہ یا زکوۃ' حتی الوسع کوئی نہ کوئی حیلہ شرعی اس سے معاف رہنے کا سوچ لیا جاتا تھا۔ رجب کا مہینہ آیا اور روزوں کے ڈر کے مارے ایک عجیب طرح کا سہم چڑھا۔ سب سے آسان نسخہ یہ کہ کسی طبیب کے یہاں آنا جانا شروع کیا۔ انہوں نے چند روزہ زندگی کے واسطے وہ وہ بکھیڑے کھڑے کر رکھے ہیں کہ روئے زمین پر ان کے نزدیک کوئی تندرست ہی نہیں۔ یوں ملنے یا ملاقات کرنے جاؤ تو پان کے عوض نسخہ حوالے کر دیتے ہیں اور جہاں ایک دفعہ دوا لی اور روگ لگا۔ رمضان آتے آتے طبیعت خاصی محتاج مسہل ہو گئی اور حکیم صاحب کی بدولت روزوں سے بچ گئے۔ زکوۃ کا ٹال دینا تو کچھ بڑی بات نہ تھی۔ نصاب پر حول کامل کیوں گزرنے دیں کہ زکوۃ دینی پڑے۔ جب دیکھا کہ برس پورا ہونے آیا بی بی کے نام زبانی ھبہ کر دیا۔ گھی کہاں گیا۔ کھچڑی میں۔ جب بی بی پر وجوب زکوۃ کا وقت آیا تو پھر اپنے نام ھبہ کرا لیا اور ٹھیرا بدلائی کر کے حکم خدا کو بالا بتایا۔ مال کو ایسے پیرائے میں رکھا کہ زکوۃ سے بری رہے۔ خاصی طرح دکانیں مول لیں' مکان بنوائے' ان میں کرائے دار بسائے کہ مال نامی آپ نامی زکوۃ ندارد۔

غرض جہاں تک نصوح احتساب کرتا تھا' اپنے تئیں دین سے بے بہرہ' ایمان سے بے نصیب' نجات سے دور' ہلاکت و تباہی سے قریب پاتا تھا۔ جس عمل نیک پر نظر کرتا' یا تو سرے سے اس کے اعمال نامے میں تھا ہی نہیں اور تھا بھی تو ایک عمل اور سینکڑوں رخنے' ہزاروں فساد۔ دو چار نمازیں بھی تو کاہلی اور بے دلی و ریا سے خالی نہیں۔ کبھی جاڑے کے دنوں میں یا افطار و سحور میں شریک ہونے کی نظر سے جو روزے رکھنے کا

Marfat.com

اتفاق ہوا تھا تو ان میں دکھاوے اور ظاہر داری کا نقص تو تھا ہی' تکلیف کی شکایت سے نیکی برباد گناہ لازم۔ کبھی کسی بھوکے ننگے کو وہ چیز جو اپنے مصرف کی نہ تھی' دی تو اس کو یوں اکارت کیا کہ ایک دفعہ دے کر سو سو بار احسان جتایا اور یہ سمجھے کہ بے چارے محتاج کو عمر بھر کے واسطے مول لے لیا۔ خلاصہ یہ کہ کوئی عمل نیک نہ تھا خاصتہ اللہ ہو اور انصافاً اس کے ثواب کی توقع' اس کے اجر کی امید کی جائے۔

ان خیالات نے نصوح کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ بے اختیار ہو کر رویا اور کہنے لگا کہ الٰہی مجھ سے زیادہ نالائق' نابکار' ناکس' ناہنجار بھی کوئی شخص ہوگا کہ میں نے اپنی ساری عمر تیری نافرمانی میں کاٹی۔ کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا' یا پیدا ہوا تھا تو معصیت پر قدرت نہ رکھتا۔ کوئی ایسی سخت مصیبت مجھ پر پڑتی کہ سر کھجانے کی فرصت نہ دیتی۔ مجھ پر بجلی نہ گری۔ آسمان نہ ٹوٹ پڑا۔ مجھ کو سانپ نہ سونگھ گیا۔ ہیضہ کر کرا کے میں بے حیا پھر اٹھ بیٹا۔ لعنت ہے مجھ پر اگر اب مدت العمر گناہ کے پاس پھٹکوں۔ تف ہے میری زندگی پر اگر پھر معصیت پر اقدام کروں۔ یہ عہد اپنے جی میں استوار کر کے اس کو پھر اپنی عمر تلف شدہ کا خیال آ گیا اور دل میں کہنے لگا کہ میں نے ساری عمر جو اس تباہ حالت میں غارت کی' اس کی تلافی کچھ بھی میرے اختیار میں نہیں اور بڑی بے انصافی ہے کہ میں جرم کروں اور سزا نہ پاؤں' گناہ کروں اور اس کا پاداش نہ بھگتوں۔ نصوح کو اپنے گناہوں پر اس وقت اتنی ندامت تھی کہ مرنے کو وہ اپنی ایک ادنیٰ سی سزا سمجھتا تھا۔ گھر بھر اس کے جانبر ہونے کی خوشی منا رہا تھا اور اس کو افسوس تھا کہ میں مر کیوں نہ گیا۔ علالت کی وجہ سے اٹھنے سے معذور تھا' مگر تکیے پر اوندھا سر کیے ہوئے پڑا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ خدایا میں تو اس قابل ہوں کہ دوزخ میں جھونک دیا جاؤں مگر جو تو نے اپنے فضل سے پھر چند روز کے واسطے مجھ کو دنیا میں رکھ لیا ہے تو ایسی توفیق عطا کر کہ نیکوکاری اور تیری اطاعت اور فرماں برداری میں رہوں اور میری زندگی دین دارانہ زندگی کا نمونہ ہو۔

اپنے نفس کے احتساب سے فارغ ہوا تو نصوح کو خاندان کا خیال آیا۔ دیکھا تو بی بی بچے سب ایک رنگ میں ہیں: دنیا میں منہمک' دین سے بے خبر۔ تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ واحسرتا! میں تو تباہ ہوا ہی تھا' میں نے ان تمام بندگان خدا کی بھی

Marfat.com

پاٹ ماری۔ اپنی شامت اعمال کیا کم تھی کہ میں نے ان سب کا وبال سمیٹا۔ مجھ کو خدا نے اس گھر کا مالک اور سردار بنایا تھا اور اتنی روحیں مجھ کو سپرد کی تھیں۔ افسوس میں نے ودیعت ایزدی کو تلف کیا اور امانت الٰہی کی نگہداشت میں مجھ سے اس قدر سخت غفلت ہوئی۔ یہ سب لوگ میرے حکم کے مطیع اور میری مرضی کے تابع تھے۔ میں نے اپنا برا نمونہ دکھا کر ان سب کو گم راہ کیا۔ اگر میں قدغن رکھتا تو یہ کیوں بگڑتے اور بگڑے تو آخر ان سے جو نسل چلے گی اور بھی بگڑے گی۔ غرض میں دنیا میں بدی کا بیج بو چلا۔ جو لوگ خدا کے اچھے بندے ہوتے ہیں' باقیات الصالحات اور یادگار نیک دنیا میں چھوڑ جاتے ہیں۔ میں ایسا بد بخت ہوا کہ مجھ سے یادگار بھی رہی تو بدی۔ جب تک میری نسل رہے گی بدی بڑھتی اور پھیلتی جائے گی۔ جب یہ لوگ خدا کے روبرو جواب دہی کے واسطے حاضر ہوں گے تو آخر کہیں گے کہ ہم کو کسی نے راہ نیک بتائی ہی نہیں۔ تو میں کیا جواب دوں گا؟ یہ خیال کر کے نصوح پھر ایک مرتبہ پکار کر رویا اور دوسرا عہد اس نے یہ کیا جتنے لوگ میرے خاندان میں ہیں سب کی اصلاح وضع کروں گا اور پھر اس نے خدا سے دعا کی کہ اے الہ العالمین! تو اس ارادے میں میری مدد کر۔ جو مشکل پیش آئے آسان ہو جائے۔ میری بات میں اثر دے اور میرے عزم میں استحکام۔

نصوح کو ایسی ٹھوکر نہیں لگی تھی کہ وہ اس کو بھول جاتا تنبہ ہوئے پیچھے اس کو اپنی اصلاح دشوار نہ تھی' مگر اصلاح خاندان ایک بڑا مشکل کام تھا۔ وہ بہ خوبی واقف تھا کہ دین داری اور خدا پرستی میرے خاندان کے لیے بالکل نئے الفاظ ہیں جن سے چھوٹے بڑے کسی کے کان آشنا نہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ گھر بھر ایک طرف ہوگا اور میں اکیلا ایک طرف۔ نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنے گا اور میں ایک سورما چنا بن کر کیوں کر معصیت کے بھاڑ کر توڑ ڈالوں گا۔ پس وہ غور کرنے لگا کہ کس کو اپنا مددگار بنائے' کس کو صلاح کار قرار دے۔ آخر یہی دل میں آیا کہ صلاح کے لیے بی بی سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں اور خدا کو کچھ اس خاندان کی فلاح ہی منظور تھی کہ نصوح نے بی بی کو پڑھا لکھا بھی لیا تھا۔ جب نصوح کا نیا نیا بیاہ ہوا انہی دنوں تعلیم نسواں کا چرچا شروع ہوا تھا۔ نئی نئی کتابیں جو عورتوں کے واسطے جاری ہوئی تھیں' نصوح نے سب کو بہت شوق

Marfat.com

سے دیکھا تھا اور اس کا دل اس بات کو مان گیا تھا کہ عورتوں کو لکھانے پڑھانے میں چند در چند فوائد دینی و دنیوی مضمر ہیں۔ چنانچہ اس نے بعض کتابوں میں سے بعض مقامات دل چسپ بی بی کو پڑھ کر سنائے۔ بھلائی کی بات سبھی کو بھلی معلوم ہوتی ہے۔ بی بی نے بھی اس کو تسلیم کیا کہ عورتوں کے لیے پڑھنا بہت مفید ہے۔ بال بچوں کا کچھ بکھیڑا نہ تھا۔ میاں سے پڑھنا شروع کیا تو چار پانچ مہینے میں اردو لکھنے پڑھنے لگی۔ تب سے اب تک تھوڑا بہت مشغلہ چلا ہی جاتا تھا۔

نصوح کو اس وقت بی بی کا پڑھا ہونا بہت ہی غنیمت معلوم ہوا اور سمجھا کہ بی بی یوں ہی خدا کے فضل سے اسم بامسمّی' فہمیدہ ہے' اس کا سمجھا لینا تو چنداں دشوار نہیں۔ رہے بچے جن کی عمر چھوٹی ہے وہ بھی اصلاح پذیر ہیں۔ بڑی دقت تو بڑی عمر والوں کی ہے۔ ایک بیٹا ایک بیٹی بیاہے جا چکے تھے۔ سمجھا کہ دونوں اپنے اپنے گھر کے ہیں' کسی پر میرا اختیار باقی نہیں اور ہو بھی تو جوان بیٹا جوان بیٹی۔ مار میں نہیں سکتا' گھڑک میں نہیں سکتا' نرا سمجھانا اور وہ بھی اس عمر میں بڈھے ٹھوطوں کو پڑھانا ہے۔ آخر وہ کہیں گے نہیں کہ برے ہیں اور بے دین ہیں تمہی نے ہم کو ایسا اٹھایا۔ اور جب ہماری عادتیں راسخ اور خصلتیں طبیعت ہو گئیں تو اب ہم کو ان کا ترک کرنا تعلیم کرتے ہو اور ہم کو ناحق ملزم بناتے ہو۔ یہ سوچنا تھا کہ نصوح کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور سمجھا کہ ان دو کی اصلاح محال ہے۔ اس کو زیادہ تر افسوس اس بات کا تھا کہ خدا کے فضل سے دونوں کے آگے اولاد ہے جس طرح میری بدی نے میری اولاد میں اثر کیا' کیا ان کی بدی ان کی اولاد میں سرایت نہ کرے گی؟ مگر پھر بھی نصوح نے مصمم ارادہ کر لیا کہ ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر تو کوشش کروں گا۔ یا تو راہ راست ہی پر آئیں گے یا جیتے جی چھوڑ دوں گا۔ جو خدا کا نہیں وہ میرا پہلے نہیں۔ منجھلے بیٹے اور منجھلی بیٹی کی طرف سے بھی نصوح کو خوب اطمینان نہ تھا اور جانتا تھا کہ ان کے ساتھ بھی دقت پڑے گی۔ لیکن اس کا ارادہ ایسا مستحکم تھا کہ کوئی مشکل اس کو روک نہیں سکتی اور وہ مضطرب اور مستعجل اس قدر تھا کہ چاہتا تھا کہ ہتھیلی پر سرسوں جمالوں۔ ابھی اچھی طرح بدن میں اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہیں آئی تھی کہ اس نے بی بی سے کہا: ''تھوڑا سا پانی گرم کرا دو تو میں نہالوں۔''

Marfat.com

بیوی: ''کیا غضب کرتے ہو' ہاتھ پاؤں میں ذرا دم تو آنے دو۔ نہانے کی ایسی کون سی ساعت ماری جاتی ہے۔ جب اصل خیر سے چلنے پھرنے لگو گے' خاصی طرح حمام میں جا کر غسل کرنا۔''

میاں: ''میں نماز پڑھنا چاہتا ہوں۔ علالت میں طرح طرح کی بے احتیاطی ہوئی ہے' جی قبول نہیں کرتا کہ اسی حالت سے نیت باندھ لوں۔''

بیوی: ''کیا اچھے ہونے کے نفل مانے تھے؟''

بیوی نے جو نماز کی سن کر ایسا تعجب ظاہر کیا تو نصوح پر گھڑوں پانی پڑ گیا اور جی میں کہنے لگا کہ اللہ اللہ مجھ میں اور نماز میں اتنی دوری ہے کہ گھر والی بی بی سن کر تعجب کرتی ہے۔

وائے بر من وائے بر انجام من
عار دارد کفر بر اسلام من

اور ایک آہ سرد کھینچ کر بی بی سے کہا کہ میں نفلیں پڑھنے والا ہوتا تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔

بیوی: ''منت نہیں نیاز نہیں تو پھر کیا جلدی ہے۔ نماز کہیں بھاگی نہیں جاتی۔ اچھی طرح تندرست ہو جاؤ گے تو بہتیری نمازیں پڑھ لینا۔''

اب نصوح وہ نصوح نہیں رہا تھا کہ بی بی کو ایسی بے وقعتی کے ساتھ نماز کا تذکرہ کرتے ہوتے سنتا اور اس کو ناگوار نہ ہوتا۔ غصہ تو آیا مگر پھر اپنے جی میں سمجھا کہ بی بی کا کچھ قصور نہیں۔ جس کا شوہر بے دین ہوا اس کے ایسے ہی خیالات ہونے چاہئیں۔ تمام تر میری ہی خطا ہے اور ایک میری بے دینی نے سارے گھر کو تباہ کر رکھا ہے۔ بی بی سے اس وقت ردوکد کرنا مناسب نہ سمجھ کر اتنا ہی کہا کہ افسوس میری ناکارہ صحبت نے تم کو کس قدر گمراہ کر دیا ہے فرض خدا کو تم نے ایک سرسری سا کام سمجھا۔

غرض بی بی کے منع کرتے کرتے نصوح نے غسل کر' کپڑے بدل نماز پڑھی۔ آج نصوح کی یہ پہلی نماز تھی کہ اس کو داخل عبادت کہہ سکتے ہیں۔ وہ اس طرح ہاتھ باندھے ہوئے مؤدب کھڑا تھا جیسے کسی بادشاہ عالی جاہ کے روبرو کوئی خونی کھڑا ہوتا ہے۔

Marfat.com

آنکھیں زمین میں سی ہوئی تھیں۔ ہیبت سلطانی اس پر ایسی چھا رہی تھی کہ نہ ہلتا تھا نہ جلتا تھا' بس ایک بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہوا تھا۔ عاجزی اور فروتنی اس کے چہرے سے ظاہر تھی۔ حکم کے مطابق کھڑا تھا لیکن جھک جھک جاتا تھا اور گر گر پڑتا تھا۔ غرض ایسی ایسی حرکتیں اس سے سرزد ہوتی تھیں کہ خواہ مخواہ دیکھنے والے کو رحم آئے۔

ہفتے عرشے تک علالت کا کسل رہا۔ پھر تو خدا کے فضل سے نصوح بہ دستور توانا و تندرست ہو گیا۔ مگر بیماری کے بعد اس کی عادتیں اکثر بدل گئی تھیں۔ ہر وقت تو وہ کچھ سوچ میں رہتا تھا۔ بے ضرورت بکنا' بدتمیزی کے ساتھ ہنسنا' لایعنی باتوں میں شریک ہونا' اس نے مطلقاً چھوڑ دیا تھا لیکن اس کے ساتھ لینت' تواضع' وسعت اخلاق' انکسار' یہ صفتیں بھی اس میں آ گئی تھیں۔ بیماری سے پہلے اس کی بدمزاجی اس درجے کی تھی کہ گھر والے اس کو ہوا سمجھتے تھے۔ دروازے کے اندر اس نے قدم رکھا اور کیا چھوٹے بڑے سب پر ایک سہم چڑھا۔ اگر بھولے سے کوئی چیز بے موقع پڑی رہ گئی اور اس نے دیکھ پائی' سب پر ایک آفت توڑ ماری۔ کھانے میں' اٹکل ہی تو ہے' ذرا نمک زیادہ ہو گیا یا مٹھلونا رہ گیا' بس اسی روز جانو کہ گھر میں فاقہ ہوا۔ کتنے تو پیالے شہید ہوئے' کتنی رکابیوں کا خون ہوا۔ سارے محلے میں خبر ہوئی کہ آج کھانا بگڑا۔ بچوں کو بات بات میں جھڑکی' بات بات میں گھرکی۔ یا اب نصوح کے سر پر ڈھول بجاؤ کچھ خبر نہیں۔ بلکہ فہمیدہ بچوں کو شوخی کرتے دیکھ خفا ہوتی اور کہتی: ''کیسے ناہموار بچے ہیں۔ باپ کا تو یہ حال ہے اور یہ انہی کے کان میں جا کر شور مچاتے ہیں۔ ذرا ڈر نہیں۔ دیکھو اکٹھی ہی کسر نکلے گی۔''

شروع میں نصوح کے یہ انداز دیکھ کر گھر والوں کو بڑا کھٹکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیماری سے اٹھے ہیں' ضرور ہے کہ پہلے سے زیادہ نازک مزاج ہو گئے ہوں گے۔ اس بلا کا غصہ چڑھا ہے کہ کسی سے بولتے ہی نہیں۔ دیکھیے یہ قہر کس پر ٹوٹتا ہے' کس کی شامت آتی ہے۔ مگر نصوح نے ایسا جلاب نہیں لیا تھا کہ اس نے خون میں ذرا سی گرمی بھی لگی رہنے دی ہو۔ لوگ بیماری سے اٹھ کر چڑچڑے اور بدمزاج ہو جاتے ہیں اور نصوح حلیم اور بردبار' نرم دل اور خاکسار ہو کر اٹھا تھا۔ معاملات روزمرہ میں اس کی یہ کیفیت ہو گئی

Marfat.com

تھی کہ جو رکھ دیا' سو چاؤ سے کھالیا' جو دے دیا سو خوشی سے پہن لیا۔ نہ حجت نہ تکرار' نہ غل نہ غپاڑا۔ نصوح کی عادت بدلی تو لوگوں کی مدارت بھی اس کے ساتھ بدل چلی۔ جو پہلے ڈرتے تھے' وہ اب اس کا ادب ملحوظ رکھتے۔ جن کو وحشت ونفرت تھی' وہ اب اس کے ساتھ انس ومحبت کرتے۔ تھوڑے ہی دنوں میں گھر شور وشغب سے پاک اور لڑائی جھگڑے سے صاف ہوگیا۔

ابتدأ نصوح کو نماز وغیرہ کا اہتمام کرتے دیکھ کر گھر والوں نے اچنبھا کیا تھا۔ لیکن پھر تو بے کہے دوسروں پر خود بخود ایک اثر سا ہونے لگا اور نصوح اسی کا منتظر تھا کہ لوگ اس طرز اجنبی سے کسی قدر مانوس اور خوگر ہولیں تو اپنا انتظام شروع کروں۔ نصوح کی جہاں اور عادتیں بدلی تھیں' وہاں ایک یہ بھی تھی کہ وہ خلوت پسند ہوگیا تھا۔ تمام تمام دن اکیلا بالے خانے پر بیٹھا رہتا۔ بے بلائے اگر کوئی جاتا تو یہ بھی نہ تھا کہ اس سے بات چیت نہ کرے' مگر حتی الوسع مجمع سے الگ تھلگ رہتا تھا۔ بعض کو یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید نیند بڑھ گئی ہے۔ کوئی یہ سمجھتا تھا کہ اترنے چڑھنے کی توانائی نہیں آئی۔ مگر فہمیدہ کو اتفاق جانے کا اتفاق ہوتا تھا' کبھی نماز پڑھتے دیکھا' کبھی چپ بیٹھے ہوئے۔ آخر ایک روز پوچھا کہ ''اکیلے چپ چاپ بیٹھے ہوئے تمہارا جی نہیں گھبراتا۔ تھوڑی دیر کو نیچے ہی اتر آیا کرو کہ بال بچوں کی باتوں میں دل بہلے۔ مجھ کو گھر کے کام دھندے سے فرصت نہیں ملتی۔''

نصوح: ''میں تم سے اس بات کی شکایت کرنے والا تھا کہ جب سے میں بیمار ہو کر اٹھا ہوں تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا' کیوں کر ہوا۔ کیا تم کو میری عادات میں فرق معلوم نہیں ہوتا؟''

فہمیدہ: ''رات دن کا تفاوت' زمین وآسمان کا فرق اور پوچھنے کو تمہارے سر کی قسم کئی بار منہ تک بات آئی مگر تمہارا ڈھنگ دیکھ کر جرأت نہ ہوئی کہ پوچھوں۔''

نصوح: ''ڈھنگ کیسا؟''

فہمیدہ: برا ماننے کی بات نہیں' مزاج تمہارا سدا کا تیز ہے۔ یوں ہی سب لوگ تم سے ڈرتے رہتے ہیں۔ جب سے بیمار ہو کر اٹھے ہو سب کو خوف تھا کہ ایک تو کریلا' دوسرے

Marfat.com

نیم چڑھا۔ پہلے ہی سے بلا کا غصہ ہے' اب بیماری کے بعد کیا ٹھکانہ ہے۔ ادھر تم کو دیکھا تو کسی کی طرف ملتفت نہ پایا۔ سمجھے کہ ضرور طبیعت برہم اور مزاج نادرست ہے۔ پھر کس کی جرأت کس کو اتنی ہمت جو پوچھے' دریافت کرے؟''

نصوح: ''کیوں صاحب! کبھی تم نے مجھ کو میرے مزاج کی خرابی پر متنبہ نہ کیا؟''

فہمیدہ: تنبیہ کرنا درکنار' بات کرنے کا تو یارانہ تھا۔

نصوح: لیکن ان دنوں تو میں کسی پر ناخوش نہیں ہوا۔

فہمیدہ: گھر بھر کو اس کا تعجب ہے۔

نصوح: آخر لوگ اس کا کیا سبب قرار دیتے ہیں؟

فہمیدہ: لوگ یہ کہتے ہیں کہ وبا میں کثرت سے لوگوں کو مرتے دیکھا۔ اپنے گھر تین موتیں ہو گئیں۔ خود بیمار پڑے اور خدا کے گھر سے پھر کر آئے۔ دل میں ڈر بیٹھ گیا ہے۔ تمہارے بڑے صاحبزادے یہ تجویز کرتے ہیں کہ ڈاکٹر نے جو اسہال بند کرنے کی دوا دی' دماغ میں گرمی چڑھ گئی ہے۔ بہرکیف سب کی یہی رائے ہے کہ علاج کرنا چاہیے۔

نصوح: ''نہ گرمی ہے' نہ خلل دماغ' خوف البتہ ہے۔

فہمیدہ: مرد ہو کر تم اتنے ڈر گئے۔ آخر ہم سب بھی تو اس آفت میں تھے۔

نصوح: تم ہرگز اس آفت میں نہ تھیں۔

فہمیدہ: یعنی یہ کہ میں نے ہیضہ نہیں کیا لیکن تمہارا ہیضہ کرنا مجھ کو اپنے مرنے سے زیادہ شاق تھا۔

نصوح: نہیں ہیضہ کرنے کی بات نہیں۔ بیماری اگرچہ ظاہر میں سخت تھی مگر میں تم سے کہتا ہوں کہ شروع سے آخر تک میرے ہوش وحواس درست تھے۔ تمہاری ساری باتیں میں سنتا اور سمجھتا تھا۔ ابتدائے علالت میں جو تم لوگوں نے ہیضہ امتلائی تجویز کیا' پھر صبح کو حکیم صاحب تشریف لائے اور میری کیفیت تم نے ان سے بیان کی' پھر ڈاکٹر آئے اور انہوں نے دوا پلائی مجھے سب خبر ہے۔ جب تم لوگوں نے ڈاکٹر کے کہنے سے مجھ کو علیحدہ دالان میں لٹایا تو مجھ کو غنودگی سی آ گئی اور میں نے اپنے تئیں دوسرے جہان میں دیکھا۔

Marfat.com

اس کے بعد نصوح نے خواب کا سارا ماجرا حرف بہ حرف بی بی سے بیان کیا۔ مردوں کی نسبت عورتوں کے دلوں میں نرمی اور رقت زیادہ ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مذہبی تعلیم عورتوں میں جلد اثر کرتی ہے۔ فہمیدہ نے جو میاں کا خواب سنا اس قدر خوف اس پر طاری ہوا کہ قریب تھا کہ غش آ جائے۔ نصوح اگرچہ تنہائی میں اپنے گناہوں پر تاسف کر کے ہر روز دو چار مرتبہ رولیا کرتا تھا اور ظاہر میں نہیں بھی روتا تھا تو اندر سے اس کا دل ہر وقت روتا رہتا تھا' اب بی بی کو ہمدردی اور ہمدمی کا سہارا پا کر تو اتنا رویا کہ گھگھی بندھ گئی۔ فہمیدہ پہلے ہی خوف زدہ ہو رہی تھی' میاں کا رونا اس کے حق میں اونگھتے ٹھیلے کا بہانہ ہوا۔ اس نے بھی بلبلا کر رونا شروع کیا۔ پھر تو میاں بی بی ایسا روئے کہ ساون بھادوں کا سماں بندھ گیا۔ وہ بھی ایک عجیب وقت تھا کہ وہ میاں بی بی اپنے گناہوں کو یاد کر کے رو رہے تھے۔

آخر نصوح نے اپنے تئیں سنبھالا اور بی بی سے کہا کہ دنیا میں اگر کوئی چیز رونے کے قابل ہے تو میرے نزدیک گناہ اور خدا کی نافرمانی ہے اور بس' کیوں کہ کوئی معصیت' کوئی آفت' گناہ سے بڑھ کر نہیں۔ دنیا کے نقصانوں پر رونا بے فائدہ دیدے کھونا ہے' مگر گناہ پر رونا گویا داغ الزام کو دھونا ہے۔ رونا کفارہ معصیت ہے۔ رونا گنہگار کے لیے بہترین معذرت ہے۔ رونا رحمت کی دلیل اور مغفرت کا کفیل ہے لیکن ہم کو اپنی آئندہ زندگی کا انتظام بھی کرنا ضرور ہے۔ ندامت وہی سند ہے کہ افعالِ مابعد میں اس کا اثر ظاہر ہو۔ توبہ وہی پکی ہے کہ آدمی جو دل سے سوچے یا منہ سے کہے ویسا ہی کر دکھائے۔''

فہمیدہ: لیکن اتنی عمر اس خرابی میں بسر کی' اب نجات اور مغفرت کی کیا امید ہے۔ میں تو جانتی ہوں کہ ہمارا مرض علاج سے درگزرا۔

نصوح: خدا کی رحمت سے مایوس ہونا بھی کفر ہے۔ وہ بڑا بے نیاز' بڑا غفور الرحیم ہے۔ کچھ اس کو ہماری عبادت کی پروا نہیں۔ اگر روئے زمین کے تمام آدمی اس کی نافرمانی کریں تو اس کی ابدی اور دائمی سلطنت میں ایک سرمو برابر بھی فرق نہیں آئے گا اور اس

Marfat.com

طرح اگر تمام زمانہ فرشتہ سیرت ہو جائے اور عبادت ہی کرانی منظور ہوتی تو وہ نافرمانی ' گنہگار' سرکش' متمرد انسان کی جگہ فرشتے پیدا کر سکتا تھا۔ پھر یہ باتیں جو ہم پر فرض و واجب کی گئی ہیں' ہماری یہ اصلاح ہماری ہی بہبود کے لیے اور اس میں بھی شک نہیں کہ اس میں پرلے سرے کا رحم اور غایت درجے کا حلم ہے۔ لاکھ گناہ کرو' جہاں عجز و الحاح کیا' منت سماجت سے پیش آئے بس پھر کچھ نہیں۔

اگر خشم گیرد بہ کردار زشت
چو باز آمدی ماجرا در نوشت

وہ معبود جابر نہیں' سخت گیر نہیں' کینہ ور نہیں۔ مگر ہے کیا' غیور بڑا ہے۔ اس کی مطلق برداشت نہیں کہ کسی کو اس کا شریک خدائی گردانا جائے۔"

فہمیدہ: کتنا ہی عفو و درگزر کیوں نہ ہو مگر اپنے گناہوں کی بھی کچھ انتہا ہے۔ ماں باپ کو جیسی اولاد کی مامتا ہوتی ہے ظاہر۔ مگر دیکھو کلیم کی حرکتوں سے میرا تمہارا دونوں کا جی آخر کھٹا ہو ہی گیا۔ کتنا برداشت' کہاں تک چشم پوشی

نصوح: خدا کی پاکیزہ اور کامل صفتوں کو آدمی کی ناقص و ناتمام عادتوں پر قیاس کرنا بڑی غلطی ہے۔ تمام دنیا کے ماں باپوں کو جو اولاد کی محبت ہے' وہ ایک شمہ ہے' اس عنایت بے غایت اور لطف و شفقت بے منت کا' جو خداوند کریم ہر حال میں اپنے بندوں پر فرماتا ہے۔ گناہ اور نافرمانی انسان کے خمیر میں ہے۔ اگر بندوں کے گناہ پر اس کی نظر ہوتی تو ہر متنفس کشتنی اور گردن زدنی تھا۔ دنیا کا ہے کو بسی لیکن اللہ رے درگزر! گناہ بھی ہو رہے ہیں اور رزق کا راتب جو سرکار سے بندھا ہے موقوف ہونا کیسا' کبھی ناغہ بھی تو نہیں ہوتا۔ سانس لینے کو ہوا تیار' پینے کو پانی موجود' آرام کرنے کو رات' کام کرنے کو دن' رہنے کو مکان۔ وہی چاند' وہی سورج' وہی آسمان' وہی زمین' وہی برسات' وہی فواکہ و نباتات۔ جملہ اعضاء ہاتھ پاؤں' آنکھ کان اپنی اپنی خدمت پر مستعد' نہ ماندگی' نہ کسل' نہ تکان۔ پس جب کہ خدا ایسے ایسے گناہ اور ایسی ایسی نافرمانیوں پر نیکی سے نہیں چوکتا تو یہ بات اس کی ذات ستودہ صفات سے بہت ہی مستعد معلوم ہوتی ہے کہ اس کی درگاہ میں

Marfat.com

معذرت کی جائے اور نہ بخشے' توبہ کی جائے اور قبول نہ کرے۔''

اسی وقت میاں بی بی دونوں نے دعا کے واسطے ہاتھ پھیلا دیے اور گڑگڑا گڑگڑا کر اپنے اور ایک دوسرے کے گناہوں کی مغفرت چاہی۔ اس کے بعد فہمیدہ مسرت و اطمینان کی سی باتیں کرنے لگی۔ مگر نصوح کی افسردہ دلی بدستور باقی تھی۔ تب فہمیدہ نے پوچھا کہ جب توبہ کرنے سے گناہوں کا معاف ہو جانا یقینی ہے اور آئندہ کے واسطے ہم عہد کرتے ہیں کہ پھر ایسا نہ کریں گے تو کیا وجہ ہے کہ تم اداس ہو؟

نصوح: ایمان خوف و رجا کا نام ہے۔ توبہ کا قبول کیا جانا کچھ ہمارا استحقاق نہیں۔ خدائے تعالیٰ قبول کرے تو اس کی عنایت ہے اور قبول نہ کرے تو ہم کو نہ مقام گلہ ہے' نہ محل شکایت۔ آئندہ کے عہد پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے۔ انسان مخلوق ضعیف البنیان ہے۔ غفلت اس کی طینت ہے اور نافرمانی اس کی طبیعت۔ خدا ہی توفیق خیر دے تو عہد کا نباہ اور وعدے کا ایفا ممکن ہے' ورنہ آدمی سے کیا ہو سکتا ہے۔''

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہوگا تیرے کرم سے ہوگا

اور میری افسردگی کی ایک وجہ اور ہے کہ اس طرح سے میرا قلب مطمئن نہیں ہوتا۔

فہمیدہ: وہ کیا؟

نصوح: وہ یہ ہے کہ میں تو بگڑا ہی تھا' میں نے ان بچوں کو کیسا غارت کیا۔ میری دیکھا دیکھی یہ بھی گئے گزرے ہوئے۔ تم دیکھتی ہو کہ چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں ہیں۔ کسی کو بھی دین داری سے مس ہے؟ کوئی بھی خدا پرستی کی طرف رغبت رکھتا ہے؟ اور رغبت ہو تو کہاں سے۔ نہ تو گھر میں دین و مذہب کا چرچا کہ خیر دوسروں کو دیکھ کر آدمی نصیحت پکڑے' نہ کوئی کہنے اور سمجھانے والا کہ نیک و بد کا امتیاز سکھائے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ میں ان کی تباہی اور خرابی میں ہر طرح کی مدد کرتا رہا۔ افسوس ہے کہ میں نے ان کے

Marfat.com

حق میں کانٹے بوئے' ان کے ساتھ دشمنی کرتا رہا اور جانا کہ میں ان کی بہتری چاہتا ہوں۔ میں جو غور کرتا ہوں تو کھیل کود کی جتنی عادتیں خراب ہیں' حقیقت میں ان کا بانی اور معلم میں ہوں۔ میں نے ان کا جی بہلانے کو کھلونے اور کنکوے لے دیے ہیں۔ میں ان کو خوش کرنے کی نظر سے بازار ساتھ لے لے گیا۔ میں نے ان کو دام دے دے کر بازاری سودوں کی چاٹ لگائی۔ مور پالنے میں نے ان کو سکھائے۔ میلے تماشے ان کو میں نے دکھائے۔ خوش وضعی' خوش لباسی کی لت ان کو میں نے ڈلوائی۔ میں خود عیب مجسم کا ایک بڑا نمونہ ان کے پیش نظر تھا۔ جو جو کچھ یہ کرتے ہیں' ماں کے پیٹ سے لے کر نہیں آئے' مجھ سے سیکھا' میری تقلید کی۔ میں ہرگز اس نعمت کے لائق نہ تھا کہ مجھ کو بچوں کا باپ بنایا جائے۔ میں کسی طرح اس عنایت کے شایاں نہ تھا کہ مجھ کو ایک بھرے کنبے کی سرداری ملے۔ یہ بھی میرے نصیبوں کی شامت اور ان کی بدقسمتی تھی کہ ان کی پرداخت مجھ کو سپرد ہوئی۔ افسوس' سن تمیز کو پہنچنے سے پہلے یہ یتیم کیوں نہ ہو گئے۔ شیر خوارگی ہی میں میرا سایہ زبوں ان کے سر پر سے کیوں نہیں اٹھا لیا گیا کہ دوسرا ان کی تربیت کا متکفل ہوتا جو اپنی خدمت کو مجھ سے بدرجہا بہتر انجام دیتا۔ غضب ہے کہ یہ اشراف کے بچے کہلائیں اور پاجیوں کی عادتیں رکھیں۔ مجھ کو اب ان کی شکل زہر معلوم ہوتی ہے۔ صورت' سیرت' ظاہر باطن ایک سے ایک خراب' ایک سے ایک بدتر۔

ایک نابکار کو دیکھو کہ وہ ماش کے آٹے کی طرح ہر وقت اینٹھا ہی رہتا ہے۔ کبھی سینے پر نظر ہے' کبھی بازوؤں پر نگاہ ہے۔ آدم زاد ہو کر لقا کبوتر کا پٹھا بنا پھرتا ہے۔ اتنا اکڑتا ہے' اتنا اکڑتا ہے کہ گردن گدی میں جا لگی ہے۔ کپڑے ایسے چست کہ گویا بدن پر سیے گئے ہیں۔ چھاتی پر انگرکھے کے بند ہیں۔ گھٹنوں تک پائجامے کی چوڑیاں پڑی ہیں۔ ایک دیولی برابر ٹوپی ہے کہ کود بہ کود گری پڑتی ہے۔ دوسرا نابکار' صبح اٹھا اور کبوتر کھول باپ دادے کا نام اچھالنے کوٹھے پر چڑھا۔ پہر سوا پہر دن چڑھے تک کوٹھے پر دھما چوکڑی مچائی۔ مارے باندھے مدرسے گیا۔ عصر کے بعد سے پھر کوٹھا ہے اور کنکوا ہے۔ شام ہوئی اور شطرنج بچھا۔ اتوار کو مدرسے سے چھٹی ملی تو بٹیریں لڑائیں۔ تیسرے

Marfat.com

نالائق' بڑے میاں سو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ' محلہ نالاں' ہمسائے عاجز۔ اس کو مار' اس کو چھیڑ' چاروں طرف ایک تراہ تراہ مچ رہی ہے۔ غرض کچھ اس طرح کے بے سرے بچے ہیں۔ ناہموار' آوارہ' بے ادب' بے تمیز' بے حیا' بے غیرت' بے ہنر' بد مزاج' بدزبان' بدوضع کہ چند روز سے دیکھ دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اترتا ہے۔ ان کی حرکات وسکنات' نشست و برخاست کوئی بھی تو بھلے مانسوں کی سی نہیں۔ گالی دینے میں ان کو باک نہیں' فحش بکنے میں ان کو تامل نہیں' قسم ان کا تکیہ کلام ہے۔ نہ زبان کو روک ہے نہ منہ کو لگام ہے۔ ان کی چال ہی کچھ عجیب طرح کی اکھڑی اکھڑی ہے کہ بے تہذیبی ان کی رفتار سے ظاہر ہے۔

رہیں لڑکیاں' میں تسلیم کرتا ہوں کہ ان میں اس طرح کے عیوب نہ ہوں گے جو لڑکوں میں ہیں لیکن ساتھ ہی مجھ کو اس کا تیقن ہے کہ دین دارانہ زندگی تو کسی کی بھی نہیں۔ ان کو بھی اکثر گڑیوں میں مصروف پاتا ہوں یا کنبے میں کوئی تقریب ہوتی ہے تو کپڑوں کا اہتمام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں۔ لڑکے گالیاں بہت بکتے ہیں لڑکیاں کوسنے کثرت سے دیا کرتی ہیں۔ قسم کھانے میں جیسے وہ بے باک ہیں' یہ بھی بے دھڑک ہیں۔ بہرکیف کیا لڑکے کیا لڑکیاں' میرے نزدیک تو دونوں ایک ہی طرح کے ہیں۔ ان سب کی یہ تباہ حالت دیکھ کر میں زہر کے سے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہوں مگر پھر دیکھتا ہوں تو ان کا کچھ بھی قصور نہیں۔ خطا اگر ہے تو میری اور تمہاری۔ ان کے عیوب پر جھڑکنا اور ملامت کرنا کیسا' ہم نے کبھی ان کو روکا تک بھی تو نہیں۔''

فہمیدہ: تم تو باہر کے اٹھنے بیٹھنے والے ٹھہرے' اس میں تو میرا سراسر قصور ہے۔ بچے ابتدا میں ماؤں ہی سے زیادہ مانوس ہوتے اور ماؤں ہی کی خو بو پکڑتے ہیں بلکہ تم جب کبھی ان کو نصیحت کرتے اور کسی بات پر گھرکتے تو میں الٹی ان کی حمایت لیتی تھی۔ ان سب کو میں نے خراب کیا اور اس کا الزام بالکل میری گردن پر ہے۔

نصوح: بے شک تم نے بھی ان کی اصلاح میں کوشش نہیں کی لیکن پھر بھی میں باپ تھا۔ تم سے ان کی پرورش متعلق تھی اور مجھ سے ان کی اصلاح وتہذیب۔

فہمیدہ: ہاں میں نے ان کے بدنوں کو پالا اور ان کی روحوں کو تباہ اور ہلاک کیا۔ میری

Marfat.com

ہی بیہودہ محبت نے ان کی عادتیں بگاڑیں۔ میرے ہی نامعقول لاڈ پیار نے ان کے مزاجوں کو گندہ' ان کی طبیعتوں کو بے قابو بنایا۔

نصوح: لیکن اگر میں اپنے کام پر آمادہ وسرگرم ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ میں کہوں اور نہ سنیں' میں چاہوں اور نہ کریں۔ آخر میں ان پر ضابطہ تھا۔ میں ان پر ہر طرح کی قدرت رکھتا تھا اور نہ صرف ان پر بلکہ تم پر اور سارے گھر پر۔

فہمیدہ: پھر بھی جس قدر برائیاں مجھ پر ظاہر ہوتی رہتی تھیں' ان کا شاید دسواں حصہ بھی تم پر منکشف نہ ہوتا ہوگا۔ جان بوجھ کر میری عقل پر پردہ پڑ گیا۔ دیکھتے بھالتے میں اندھی بنی رہی۔ اب بھی جو جو خرابیاں ان کی میں جانتی ہوں تم کو معلوم نہیں۔ دیکھو لڑکیاں ہی ہیں، کہ تم گڑیاں کھیلنے اور کپڑوں کا اہتمام کرنے کے سوائے ان کے حالات سے محض بے خبر ہو۔ میں جانتی ہوں کہ ان کے مزاجوں میں کیا کیا خرابیاں ہیں' ان کی عادتوں میں کیسے کیسے بگاڑ ہیں۔

نصوح: پھر آخر کیا کرنا ہوگا؟

فہمیدہ: میرے گمان میں ان بچوں کی اصلاح تو اب ہمارے امکان سے خارج ہے۔

نصوح: البتہ ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ہونے میں بھی کچھ شک نہیں۔

فہمیدہ: دشوار تم ہی کہو۔ آسمان میں تھگلی کا لگانا ممکن ہے اور ان کی اصلاح ممکن نہیں۔ ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے مگر یہ درست ہونے والے نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کلیم ایک بات کو سو سو جواب دینے کو موجود ہے اور ایک کلیم پر کیا الزام ہے جتے بڑے وتنے کڑے' جتنے چھوٹے وتنے کھوٹے۔''

نصوح: تو کیا ان کو اسی گمراہی میں رہنے دیں کہ اور بدتر ہوں۔ ان کو بہ اختیار خود چھوڑ دیں کہ پیٹ بھر کر خراب ہوں؟''

فہمیدہ: بڈھے طوطوں کا پڑھانا' پکی لکڑی کا لچکانا' تم سے ہو سکے تو بسم اللہ۔ کیا خدانخواستہ میں مانع و مزاحم ہوں مگر میں ایسی انہونی کا بیڑا نہیں اٹھاتی۔ ایاز قدر خود بشناس۔ میں خود جانتی ہوں کہ بیٹوں کی نظروں میں میرا کتنا وقر ہے' بیٹیاں کتنا میرا ادب لحاظ کرتی ہیں۔ رشتے میں ماں ضرور ہوں مگر افتاد سے مجبور ہوں کوئی میرے بس کا نہیں۔''

Marfat.com

نصوح: لیکن تم خود کہتی تھیں کہ بچوں کی اصلاح تم پر فرض تھی اور جب تک مادری و فرزندی تعلق باقی ہے وہ فرض تمہاری گردن پر لدا ہے۔ میں نے ایک دن بڑے سویرے نہیں معلوم کس بچے کو چاہا کہ باہر حکیم کو لے جا کر دکھا دوں۔تم اس وقت اس کا منہ دھلانے کو اٹھیں۔ میں جلدی کرتا تھا اور تم کہتی تھیں کہ ذرا صبر کرو منہ دھلا دوں' کرتا بدل دوں۔ اس حالت سے لے جاؤ گے' تو حکیم صاحب کیا کہیں گے کہ گھر والی کیسی پھوہڑ ہے کہ بچوں کو ایسا ناصاف رکھتی ہے۔ بے شک وہ بات تمہاری بہت معقول تھی لیکن جب یہ تمہارے بچے گندی روح اور ناپاک دل لے کر خدا کے حضور میں جائیں گے تو کیا تم پھوہڑ نہیں بنو گی۔ وہاں یہ معذوری' یہ مجبوری کچھ نہیں سنی جائے گی۔ علاوہ اس کے کیوں کر تمہاری محبت اقتضا کرتی ہے کہ تم اپنے فرزندوں کو مبتلائے مصیبت دیکھو اور ان کو اس مصیبت سے نکالنے کی کچھ تدبیر نہ کرو' اس واسطے کہ وہ مصیبت ان پر بہت دنوں سے ہے اور میرے اور تمہارے سبب سے ہے۔ کیا مدت کے بیمار کو دوا نہیں دیتے' پرانے ناسور کا علاج نہیں کرتے؟ اولاد کی اصلاح ماں باپ پر فرض ہے۔ اگر اس فرض کو ہم نے غفلت اور بے وقوفی سے اب تک ادا نہیں کیا تو کیا ضرور ہے کہ آئندہ بھی معصیت ترک فرض میں گرفتار رہیں۔

فہمیدہ: کچھ مجھ کو انکار نہیں' گریز نہیں۔ نہ میں یہ کہتی ہوں کہ بچوں کی اصلاح ہم پر فرض نہ تھی یا اب نہیں ہے۔ بلکہ مجھ کو ان کی اصلاح سے یاس کلی ہے اور میں جانتی ہوں کہ ان کی اصلاح و تہذیب اور تادیب و تعلیم میں کوشش فضول ہے' سعی عبث' تدبیر بے سود' محنت رائیگاں۔ بھلا کہیں ٹھنڈے لوہے بھی پیٹنے سے درست ہوئے ہیں۔

نصوح: ''آہا لیکن ہم پر اسی قدر لازم ہے کہ کوشش کریں اور نتیجے کا مرتب ہونا' اثر کا پیدا کر دینا ہمارا کام نہیں۔ یہ خدا کے اختیار میں ہے اور کون جانے کہ خدا ہمارے ارادے میں برکت' ہماری تدبیر میں تاثیر دے اور یہ درست ہو جائیں تو کیا تم کو مسرت نہ ہوگی۔ کوشش میں ناکام رہنا اور مطلقاً کوشش نہ کرنا' ان دو باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ انجام دونوں کا ایک ہو مگر کوشش کرنا ہمارے لیے ایک وجہ برأت ہے۔''

فہمیدہ: اس بات کا فیصلہ میرے اور تمہارے درمیان میں ہونا ممکن نہیں' اس واسطے کہ

Marfat.com

میری حالت اور ہے' تمہاری حالت اور۔ اول تو بچوں پر تمہارا رعب داب ہے۔ تم سے پھر بھی ڈرتے ہیں اور میرے ساتھ تو سب کے سب اس قدر گستاخ ہیں کہ بیٹیاں تو خیر مجھ کو برابر کی سہیلی سمجھتی ہیں۔ بیٹے تو اتنا بھی نہیں جانتے کہ یہ کون بلا ہے اور کیا بکتی ہے۔ دوسرے' تم کو اپنے بچوں کی یہ کیفیت بخوبی معلوم نہیں اور میں ان کے رگ وریشے سے واقف ہوں۔

نصوح: یہ سب سچ ہے لیکن تمہاری باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اب ان کی اصلاح بڑا مشکل کام ہے۔

فہمیدہ: پھر تم نے بات کو بدلا۔ میں نے اپنے منہ سے مشکل ہرگز نہیں کہا۔ میں تو شروع سے ناممکن اور محال ہی کہے جاتی ہوں۔

نصوح: بڑے افسوس کی بات ہے کہ اتنی دیر سے میں تمہارے ساتھ بک رہا ہوں اور تم نہیں سمجھتیں۔ کیوں صاحب! ناممکن اور محال کیوں ہے؟

فہمیدہ: اگر تم کہو تو میں تمہاری خاطر سے مان لوں لیکن چوں کہ تم میری رائے پوچھتے ہو تو میں بے شک ناممکن اور محال ہی سمجھتی ہوں اور وجہ یہ ہے کہ ان کی عادتیں راسخ ہوتے ہوتے طبیعت ہوگئی ہیں۔ برابر کے بیٹے' برابر کی بیٹیاں۔ مار ہم نہیں سکتے' گھرک ہم نہیں سکتے' جبر ہم نہیں کر سکتے۔ بھلا پھر ان عادتوں کو جن کے وہ مدتوں سے خوگر ہو رہے ہیں کیوں کر چھڑا دیں گے؟

نصوح: تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ کوئی تدبیر کارگر سمجھ میں نہیں آتی اور جو سمجھ میں آتی ہے وہ کارگر نہیں معلوم ہوتی۔

فہمیدہ: وہ ایک ہی بات ہے۔

نصوح: اس سے مجھ کو بھی انکار نہیں کہ معمولی تدبیریں اب محض بے سود ہیں۔ مادہ سخت ہے تو جلاب بھی کوئی بڑا ہی کڑا دینا ہوگا۔ جو کام پہلے ایک بات سے نکلتا اب جوتی لات سے بھی نکلنے کی امید نہیں۔

فہمیدہ: لیکن اگر بچوں کے ساتھ تم اس طرح کی سختی برتو گے تو تمام دنیا تھڑی تھڑی کرے گی اور سختی سے بچوں کے دلوں میں دونی ضد اور نفرت پیدا ہوگی۔

Marfat.com

نصوح: اگر میں یہ سمجھوں کہ میں اپنے ذمے ایک فرض ادا کرتا ہوں تو دنیا کے کہنے کی ان شاء اللہ مجھ کو مطلق پروانہ ہوگی۔ لوگوں کو اختیار ہے جو چاہیں سمجھیں اور جو چاہیں سو کہیں لیکن سختی میرے نزدیک ایک تدبیر نامناسب ہے اور اگر ان کے ساتھ خشونت اور درشتی سے پیش آؤں گا تو بالکل الٹا اثر ہوگا اور جب کہ میں خود ان کی خرابی کا باعث ہوا ہوں تو سختی کا میں سزاوار ہوں نہ کہ وہ ہے۔

فہمیدہ: بھلا پھر سختی کرو گے نہیں اور نرمی سے کام نکلتا نہیں۔ اسی نرمی نے تو ان کو اس ہڈرے تک پہنچایا۔ تو آخر وہی بات ہوئی کہ ہونا ہوانا کچھ نہیں' ناحق کا دردسر ہے۔

نصوح: میں تو اس شعر پر عمل کروں گا۔

درشتی و نرمی بہم در بہ ست
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ ست

نرمی کی جگہ پر نرمی اور سختی کے محل پر سختی اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ ان شاء اللہ میں اپنے ارادے میں کامیاب ہوں گا۔ آخر آدمی کے بچے ہیں' بات کو سمجھتے ہیں' عقل رکھتے ہیں۔ جب ان ہی کے فائدے کی بات میں ان سے کہوں گا تو کب تک نہ سمجھیں گے اور سختی تو بس اسی قدر میں عمل میں لاؤں گا کہ یہ بات بہ خوبی ان کے ذہن نشین کر دوں گا کہ جو میرے کہنے کا نہیں' میں اس کا اور وہ میرا شریک رنج و راحت نہیں۔ یہ کہوں گا اور ان شاء اللہ یہ کر دکھاؤں گا۔ مگر بے تمہاری مدد کے یہ ارادہ پورا نہیں ہوسکتا۔

فہمیدہ: میں دل و جان سے مدد کرنے کو موجود ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ تم ان ہی کی بہتری کے واسطے کہتے اور کرتے ہو۔ اپنی اولاد کا فائدہ ہوتے سات اگر میں کوتاہی کروں تو ماں کاہے کی ہوئی کوئی ڈائن ہوئی۔

نصوح: تم میرے شریک حال رہو تو مجھ کو ہر طرح کی تقویت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بچے بات بات میں تمہارا آسرا' تمہارا سہارا پکڑتے ہیں۔ ہو میری بیوی مگر معاملات خانہ داری میں میرے کل فیصلوں کی اپیل تمہارے یہاں ہوتی ہے۔ میں تم کو الزام نہیں دیتا' اس واسطے کہ تم سے زیادہ میں خود ملزم ہوں لیکن بچوں میں سے کس کو تم نے زیادہ پیار کیا' وہی زیادہ خوار ہوا۔ ہر چند میں نے کوشش کی' کسی امر دینی کے واسطے نہیں بلکہ

Marfat.com

معمولی پڑھنے لکھنے کے واسطے مگر جب تک تمہاری تائید نہیں ہوئی ایک نہیں چلی۔!

فہمیدہ: لیکن اب وہ کیفیت نہیں ہے۔ جب تک چھوٹے تھے مجھ کو ماں سمجھتے تھے اور میں ان کی فریاد سنتی تھی' حمایت کرتی تھی۔ اب ہر ایک اپنے دل کا بادشاہ ہے۔ لڑکوں سے تو کچھ تعلق ہی نہیں رہا۔ ہفتوں بات چیت کرنے کا اتفاق بھی نہیں ہوتا۔ پکارتی پکارتی رہ جاتی ہوں' منہ پھیر کر بھی نہیں دیکھتے۔ لڑکیاں البتہ کہاں جائیں اور کس کے پاس جائیں' گھر ہی میں بیٹھی کھیلا کرتی ہیں۔ میں گھر کے کام دھندے میں لگی رہی ہوں لیکن پھر بھی جہاں تک تمہارے نیک ارادے میں کہ خدا ان کو پورا کرے' مجھ سے مدد مل سکتی ہے تو تم دیکھ لینا ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر اٹھا نہ رکھوں گی۔

نصوح: بھلا چھوٹے چھوٹے بچوں کو سنبھال لوگی؟

فہمیدہ: ان کا درست کر لینا کیا مشکل ہے۔ یہ تو موم کی ناک ہیں' جدھر کو پھیر دو پھر گئے۔ بلکہ شاید ان کو منہ سے کہنے کی بھی ضرورت نہ ہو۔ بچوں کا قاعدہ ہے کہ جیسا بڑوں کو کرتے دیکھتے ہیں' خواہ مخواہ اس کی نقل کرنے لگتے ہیں۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی حمیدہ نے مجھ کو رلا رلا دیا ہے۔ کیا تو اس کی چھ برس کی بساط ہے مگر ماشاء اللہ میرے منہ میں خاک' مغز سے اتار کر بڑے بوڑھوں کی باتیں کرتی ہے۔

نصوح: کیا ہوا تھا؟

Marfat.com

## فصل سوم

# فہمیدہ اور منجھلی بیٹی حمیدہ کی گفتگو

فہمیدہ: تم کو جواب چند روز سے نماز پڑھتے دیکھتی ہے تو پرسوں مجھ سے پوچھنے لگی کہ اماں جان دن میں کئی مرتبہ ابا جان ہاتھ منہ دھو کر یہ کیا کیا کرتے ہیں؟ پہلے دیر تک بڑے ادب سے ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں۔ چپکے چپکے کچھ باتیں کرتے جاتے ہیں پھر جھکتے ہیں پھر منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔

میں: بیٹی نماز پڑھتے ہیں۔

حمیدہ: اماں جان نماز کیا؟

اس استعجاب کے ساتھ پوچھنا' یہ پہلی چٹلی تھی کہ اس نے میرے دل میں لی۔

میں: بیٹی' خدا کی عبادت کو نماز کہتے ہیں۔

حمیدہ: اماں جان خدا کیا چیز ہے اور عبادت اس کی کون سے؟

اس کا بھولے پن سے یہ پوچھنا تھا کہ خدا کیا چیز ہے! ور عبادت اس کی کون ہے کہ میرے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

میں: کیوں کیا تم خدا کو نہیں جانتیں؟

حمیدہ: میں سب لوگوں کو خدا کی قسم کھاتے تو سنتی ہوں اور جب کبھی اماں جان' تم خفا ہوتی ہو تو کہا کرتی ہو خدا کی مار اور تجھ سے خدا سمجھے۔ شاید خدا بیچا کو کہتے ہیں مگر بیچا ہوتی تو اس کی قسم نہ کھاتے۔

میں: حمیدہ توبہ کرو توبہ' خدا بیچا نہیں ہے۔ خدا وہ ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے۔ وہی روزی دیتا ہے' وہی مارتا ہے' وہی جلاتا ہے' وہی پالتا ہے۔

حمیدہ: کیا اماں جان تم کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے؟

میں: ہاں مجھ کو بھی۔

Marfat.com

حمیدہ: اور ابا جان کو بھی؟

میں: ہاں تمہارے ابا جان کو بھی۔

حمیدہ: اور ننھی بوا کو بھی؟

میں: ہاں ننھی بوا کو بھی

حمیدہ: اماں جان! کیا ہر روز ہمارے گھر میں کھانا نہیں پکتا؟

میں: کیوں نہیں پکتا۔

حمیدہ: پھر تم تو کہتی ہو کہ خدا سب کو کھانے کو دیتا ہے۔

میں: اللہ میاں پانی برساتے ہیں۔ اللہ میاں غلے اور میوے اور ترکاریاں ہم لوگوں کے واسطے زمین میں اگاتے ہیں۔ وہی ہم سب لوگ کھاتے ہیں۔

حمیدہ: ننھی بوا کو تو اماں جان تم دودھ پلاتی ہو۔

میں: دودھ بھی اللہ میاں ہی اتارتے ہیں۔ تمہاری ہی دفعہ اسی دودھ کے پیچھے برسوں مصیبت اٹھائی۔ چھٹی تک الغاروں دودھ تھا۔ چھٹی نہا کر اٹھی کہ یکا یک جاڑا چڑھا۔ بخار آیا تو کس شدت کا کہ الامان۔ تمام بدن سے آنچ نکلتی تھی۔ وہ پہر بھر کا بخار آنا اور دودھ کا تاؤ کھا جانا۔ پھر بہتیری ستاول پھانکی' زیرہ پیا' حکیم کا علاج کیا۔ تمہارے دادا جان خدا جنت نصیب کرے' ہر روز صبح کو طشتری لکھ دیا کرتے تھے مگر دودھ کچھ ایسی گھڑی کا سوکھا تھا کہ پھر نہ اترا پر نہ اترا۔ جب دیکھا کہ بچی بھوک کے مارے پھڑکی چلی جاتی ہے' چار و نا چار انار گھٹی اور وہ عذاب اٹھائے کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ خدا نے زندگی بخشی تھی کہ تم پل گئیں۔

حمیدہ: تو اللہ میاں بڑے اچھے ہیں۔ ہم سب کو کھانے کو دیتے ہیں۔ ہماری ننھی بوا کے واسطے دودھ اتارتے ہیں لیکن اماں جان! اللہ میاں سے ہمارا کچھ رشتہ ناتا ہے کہ اتنے سلوک کرتے ہیں؟

میں: رشتہ ناتا یہ کہ ہم ان کے بندے ہیں۔ مرد ان کے غلام ہیں' عورتیں ان کی لونڈیاں ہیں۔

حمیدہ: لونڈی غلاموں کے ساتھ اتنا سلوک کوئی اپنے بچوں کے ساتھ بھی نہیں کرتا لیکن

Marfat.com

لونڈی غلام تو اپنے مالک کی خدمت کرتے ہیں' ٹہل کرتے ہیں۔ ہم اللہ میاں کا کون سا کام کرتے ہیں؟

میں: یہی نماز جو تم نے اپنے باپ کو پڑھتے دیکھی اور جس کو عبادت کہتے ہیں۔

حمیدہ: ہاں! نماز اللہ میاں کا کام ہے تو سب ہی کو نہ پڑھنی چاہیے' کیوں کہ لونڈی غلام سب ہیں' اللہ میاں کی دی ہوئی روٹی سب کھاتے ہیں۔

میں: بے شک خدا کی عبادت سب پر فرض ہے۔

حمیدہ: اماں جان تم تو نماز نہیں پڑھتیں۔ کیا تم اللہ میاں کی لونڈی نہیں ہو اور کیا تم اس کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتیں؟ حمیدہ نے جو سادہ دلی اور بھولے پن سے یہ الزام دیا مجھ کو اس قدر شرم آئی کہ زمین پھٹ گئی ہوتی تو میں سما جاتی۔

میں: میں لونڈی بے شک ہوں اور خدا ہی کی دی ہوئی روٹی کھاتی ہوں لیکن کیا بعضی لونڈیاں نکمی' کام چور' نمک حرام اور بے غیرت نہیں ہوتیں۔ ویسی ہی اللہ میاں کی ایک لونڈی میں ہوں۔

حمیدہ: ابا جان بھی تو اب بیماری سے اٹھ کر نماز پڑھنے لگے ہیں۔ کیا اس سے پہلے وہ خدا کی دی ہوئی روٹی نہیں کھاتے تھے۔

یہ سن کر نصوح کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے۔

میں: وہ بھی برا کرتے تھے۔

حمیدہ: اچھی اماں جان! اللہ میاں خفا ہوئے ہوں گے۔

میں: خفا ہونے کی تو بات ہی ہے۔

حمیدہ: ایسا نہ ہو کہ روٹی بند کر دیں تو پھر ہم کہاں سے کھائیں گے اور اگر ننھی بوا کا دودھ سوکھ گیا تو ہماری ننھی روئے گی۔ یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی۔ میں نے اٹھا کر گلے سے لگا لیا اور پیار کیا لیکن جس قدر میں اس کو تسلی دیتی تھی وہ اور دگنا روتی تھی۔ مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکا اور مجھ کو روتے دیکھ کر اور بھی بے تاب ہو گئی۔ آخر بڑی مشکلوں سے میں نے اس کو سنبھالا اور کہا کہ حمیدہ تم ڈرو مت۔ اللہ میاں کا یہ دستور نہیں ہے کہ جو لونڈی غلام کام

Marfat.com

نہ کریں ان کا کھانا بند کر دیں۔

حمیدہ: سچ؟

میں: ہاں ہاں! تم گھبراؤ مت۔

حمیدہ: اچھی اماں جان! ننھی کو پلا کر دیکھو دودھ ہے یا نہیں۔

میں: بیٹی! ننھی کو سونے دو اور دودھ سے اطمینان رکھو۔ دودھ خدا کا دیا ہوا بہت ہے۔

حمیدہ: ہمارے گھر میں تو لونڈی غلام نہیں' نوکر چاکر ہیں مگر کام نہیں کرتے تو تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے۔ ابا جان جرمانہ کر دیتے ہیں۔ گھر سے نکال دیتے ہیں۔ اللہ میاں اپنے لونڈی غلاموں پر بھی خفا نہیں ہوتے تو ایسے مالک کا کام تو اور بھی جی لگا کر کرنا چاہیے۔ کیا کام نہ کرنا اور کھانا بے غیرتی نہیں ہے؟

میں: بڑی بے غیرتی کی بات ہے؟

حمیدہ: اماں جان! میں نے تو آج تک نماز نہیں پڑھی اور نہ مجھ کو نماز پڑھنی آتی ہے اور تم تو دن رات میں دو ہی مرتبہ کھانا کھاتی ہو' میں نہیں معلوم کتنی دفعہ کھاتی ہوں۔ مجھ پر اللہ میاں ضرور خفا ہوں گے۔'' یہ کہہ کر پھر حمیدہ روئی اور ڈر کے مارے دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئی اور پھر میں نے سمجھایا کہ حمیدہ ڈرو مت۔ اللہ میاں تم سے ناخوش نہیں ہیں۔ ابھی تم بچی ہو' تم کو نماز معاف ہے۔

حمیدہ: کھانا تو مجھ کو بھی سب کے برابر بلکہ سب سے اچھا اور زیادہ ملتا ہے۔

میں: ہاں ملتا ہے اور یہ بھی خدا کی مہربانی ہے کہ تم کو کام معاف کر رکھا ہے۔

حمیدہ: پھر اللہ میاں مجھ کو کیوں کھانا دیتے ہیں؟

میں: اس واسطے کہ جب بڑی ہو جاؤ تو اس کے بدلے کا بہت سا کام کرو۔

حمیدہ: لیکن کیا اب میں کام نہیں کر سکتی؟ دیکھو' میں تم کو پان بنا دیتی ہوں' ابا جان کو پانی پلا دیتی ہوں' ننھی بوا کو بہلا لیتی ہوں۔ کیوں اماں جان کرتی ہوں؟

میں: ہاں بوا ہاں' تم تو میرے بہت کام کرتی ہو۔ پنکھا جھل دیتی ہو' دھاگا بٹ دیتی ہو' سوئی میں دھاگا پرو دیتی ہو' جو چیز مجھ کو درکار ہوتی ہے' لے آتی ہو۔

Marfat.com

حمیدہ: تو کیا میں اللہ میاں کا کوئی چھوٹا سا کام بھی نہیں کر سکتی؟ کیا نماز پڑھنا مشکل کام ہے؟ میں تو دیکھتی ہوں' ابا جان ہاتھ منہ دھو کر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے ہیں کیا اتنا مجھ سے نہیں ہو سکتا؟

میں: اس کے سوا کچھ پڑھنا بھی ہوتا ہے' جس کو تم کہتی تھیں کہ چپکے چپکے باتیں کرتے جاتے ہیں۔

حمیدہ: وہ کیا باتیں ہیں؟

میں: خدا کی تعریف اور اس کے احسانوں کا شکریہ' اپنے گناہوں کا اقرار اور ان کی معافی کی درخواست' اس کے رحم کی تمنا' اس کے فضل کی آرزو' بس یہی نماز ہے۔

حمیدہ: یہ سب باتیں اسی طرح نہ کرتے ہوں گے' جیسے ہم لوگ آپس میں گفتگو کرتے ہیں۔

میں: اور کیا؟

حمیدہ: مگر ابا جان تو کچھ اور ہی طرح کی بولی بولنے لگتے ہیں۔

میں: وہ عربی زبان ہے۔

حمیدہ: وہ تو میری سمجھ میں نہیں آتی۔ اماں جان تم جانتی ہو؟

میں: نہیں میں بھی نہیں جانتی۔

حمیدہ: تو کیا خدا سے عربی ہی زبان میں باتیں کرنی ہوتی ہیں؟

میں: نہیں وہ سب کی بولی سمجھتا ہے بلکہ وہ دلوں کے ارادوں اور طبیعتوں کے منصوبوں سے واقف ہے۔

حمیدہ: یہ کیوں کر؟

میں: اس واسطے کہ وہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ کوئی چیز' کوئی بات اس سے مخفی نہیں۔ سب کو دیکھتا ہے' سب کو سنتا ہے' اگلے پچھلے کل حالات اس کو معلوم ہیں۔

حمیدہ: (گھبرا کر) اللہ میاں یہاں ہمارے گھر میں بھی بیٹھے ہیں؟

میں: گھر میں کیا ہمارے پاس بیٹھے ہیں مگر ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔

یہ سن کر حمیدہ نے جلدی سے اوڑھنی اوڑھ لی اور سنبھل کر مؤدب ہو بیٹھی اور مجھ

Marfat.com

سے آہستہ سے کہا "اماں جان سر ڈھک لو۔ اس کے بعد حمیدہ پر کچھ ایسی ہیبت غالب آئی کہ میری گود میں تھوڑی دیر تک چپ پڑی رہی۔ آخر آنکھ لگی' سو گئی۔ میری ٹانگیں سن ہونے لگیں تو میں نے آہستہ سے چارپائی پر لٹا کر بیدار کو پاس بٹھا دیا کہ دیکھ ہاتھ رکھے رہیو' ایسا نہ ہو لڑکی سوتے سوتے ڈر کر چونک پڑے اور میں یہاں چلی آئی۔ مجھ کو حمیدہ کی باتوں سے ایسا ڈر لگا کہ اندر سے کلیجہ تھر تھر کانپا جاتا تھا۔

نصوح: کیوں ڈر کی اس میں کیا بات تھی؟

فہمیدہ: میں کہتی تھی کہ ایسی چھوٹی سی لڑکی اور ایسی باتیں۔ کچھ اس کو ہو تو نہیں گیا۔

نصوح: مذہب میں بڑی خوبی اور عمدگی تو یہی ہے کہ وہ ایسی باتوں کی تعلیم کرتا ہے جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ مسائل دینی آدمیوں کے بنائے ہوئے معمے اور لوگوں کی گھڑی ہوئی پہیلیاں نہیں ہیں اور ان کے حل کرنے اور بوجھنے کو بڑا غور و خوض درکار ہو' بلکہ اس حکیم برحق کے باندھے ہوئے اصول اور ٹھہرائے ہوئے ضابطے ہیں اور اصول بھی کیسے سلیس اور آسان' ضابطے سہل اور بدیہی۔ نہیں معلوم انسان کی عقل پر کیا پتھر پڑے ہیں کہ اتنی موٹی بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ زمین' آسمان' چاند' سورج' ستارے' انواع و اقسام کے حیوانات' رنگ برنگ کے نباتات' ساری دنیا' تمام زمانہ' اتنا بڑا کارخانہ جس میں ایک پتا اٹھا کر دیکھو تو ہزارہا صنعتوں سے بھرا ہوا ہے۔ آخر خود بہ خود تو نہیں ہو گیا۔ ضرور کوئی اس کا بنانیوالا ہے اور پھر اس نے جو انسان کو ایک خاص صفت عقل عطا کی ہے' کچھ تو اس تخصیص کا مطلب ہے۔ مگر ہے کیا انسان اس تصور کو اپنے ذہن میں آنے ہی نہیں دیتا' ورنہ ساری خدائی خدا کی گواہی دے رہی ہے:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

حمیدہ نے کوئی بات اچنبھے کی نہیں کہی۔ اچنبھے کی بات تو یہ ہے کہ ہم میں نادان بچوں کے برابر بھی عقل نہیں۔ ڈوب مرنے کی جگہ' زمین میں گڑ جانے کا مقام ہے بلکہ حمیدہ کی باتوں کو میں ایک نیک فال اپنی کامیابی کی سمجھتا ہوں۔ افسوس ہے' تم اس کو میرے پاس نہ لے آئیں۔ اس کی ہر ہر بات لوح دل پر کندہ کرنے کے لائق ہے اور

Marfat.com

یہ باتیں اس نے کیا کہیں' خدا نے اس کے منہ سے کہلوائیں۔ بیٹی کیا ہے' سچ پوچھو تو ہمارے لیے ہدایت کا فرشتہ ہے اور بچے جو معصوم کہلاتے ہیں' اسی سبب سے کہ ان کے دل لوث دنیا سے پاک اور تیرگی' گناہ سے صاف ہوتے ہیں۔ الحمد للہ کہ ایک سے تو اطمینان ہوا۔ اب یہ بتاؤ کہ اوروں کے واسطے کیا انتظام کرنا ہوگا؟

فہمیدہ: تم ہی کوئی تجویز سوچو۔

نصوح: میں نے تو یہ سوچا ہے کہ لڑکیوں کو تو تم سنبھالو اور لڑکوں کو میں سمجھ لوں گا۔

فہمیدہ: بھلا میں بھی تو سمجھوں کیوں کر سمجھ لو گے کہ وہی تدبیر میں بھی کروں۔

نصوح: میں پہلے چھوٹوں سے شروع کروں گا۔ امید ہے کہ جلد راہ پر آ جائیں۔ بڑوں کا مجھ کو بڑا کھٹکا ہے۔ یہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ یہ نیا ڈھنگ دیکھ کر ان کے کان کھڑے ہوں گے مگر نہیں معلوم کس سے کیا معاملہ پیش آئے۔ تم اتنا کرو کہ ایک تو میرا تمہارا دونوں کا کام ایک ساتھ شروع ہو۔ جب اندر باہر دونوں جگہ ایک ہی بات کا چرچا ہوگا تو کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ دیکھو' خاص کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں۔ اولاد اولاد سب برابر' ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ تمہاری ہر ادا سے یہ بات پیدا ہو کہ اس معاملے میں ہم دونوں کو ایک اہتمام خاص ہے۔ کیوں کہ ذرا سا ضعف بھی ظاہر ہوگا تو تمام تر انتظام درہم برہم ہو جائے گا۔

فہمیدہ: ان شاء اللہ اس کے خلاف نہ ہوگا۔

Marfat.com

## فصل چہارم

# نصوح اور چھوٹے بیٹے سلیم کی گفتگو

آج تو میاں بیوی میں یہ قول و اقرار ہوا۔ اگلے دن چھوٹا بیٹا سلیم ابھی سو کر نہیں اٹھا تھا کہ بیدار نے آ جگایا کہ صاحبزادے اُٹھیے' بالا خانے پر میاں بلاتے ہیں۔ سلیم کی عمر اس وقت کچھ کم دس برس کی تھی۔ سلیم نے جو طلب کی خبر سنی' گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور جلدی سے ہاتھ منہ دھو' ماں سے آ کر پوچھنے لگا۔ ''اماں جان! تم کو معلوم ہے ابا جان نے کیوں بلایا ہے؟''

ماں: بھائی مجھ کو تو کچھ خبر نہیں۔

سلیم: کچھ خفا تو نہیں ہیں؟

ماں: ابھی تو کوٹھے پر سے نہیں اترے۔

سلیم: بیدار' تجھ کو کچھ معلوم ہے؟

بیدار: میاں میں اوپر لوٹا لینے گئی تھی۔ میاں اکیلے بیٹھے ہوئے کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں آنے لگی تو میاں نے آپ کا نام لیا اور کہا کہ ان کو بھیج دیجیو۔

سلیم: صورت سے کچھ غصہ تو نہیں معلوم ہوتا تھا؟

بیدار: نہیں تو۔

سلیم: تو اماں جان! ذرا تم بھی میرے ساتھ چلو۔

ماں: میری گود میں لڑکی سوتی ہے۔ تم اتنا ڈرتے کیوں ہو' جاتے کیوں نہیں؟

سلیم: کچھ پوچھیں گے۔

ماں: جو کچھ پوچھیں گے تم اس کا معقول طور پر جواب دینا۔

غرض سلیم ڈرتا ڈرتا اوپر گیا اور سلام کر کے الگ جا کھڑا ہوا۔ باپ نے پیار سے بلا کر پاس بٹھا لیا اور پوچھا: ''کیوں صاحب! ابھی مدرسے نہیں گئے؟''

Marfat.com

بیٹا: جی' بس جاتا ہوں۔ابھی کوئی گھنٹے بھر کی دیر اور ہے۔

باپ: تم اپنے بھائی جان کے ساتھ مدرسے جاتے ہو یا الگ؟

بیٹا: کبھی کبھار بھائی جان کے ساتھ چلا جاتا ہوں' ورنہ اکثر اکیلا جاتا ہوں۔

باپ: کیوں؟

بیٹا: اگلے مہینے امتحان ہونے والا ہے۔ چھوٹے بھائی جان اسی کے واسطے تیاری کر رہے ہیں۔ صبح سویرے اٹھ کر کسی ہم جماعت کے یہاں چلے جاتے ہیں۔ وہاں ان کو دیر ہو جاتی ہے' تو پھر گھر بھی نہیں آتے۔ میں جاتا ہوں تو ان کو مدرسے میں پاتا ہوں۔

باپ: کیا اپنے گھر میں جگہ نہیں ہے کہ دوسروں کے یہاں جاتے ہیں؟

بیٹا: جگہ تو ہے' مگر وہ کہتے تھے کہ یہاں بڑے بھائی جان کے پاس ہر وقت گنجفہ اور شطرنج ہوا کرتا ہے' اطمینان کے ساتھ پڑھنا نہیں ہو سکتا۔

باپ: تم بھی شطرنج کھیلنی جانتے ہو؟

بیٹا: مہرے پہچانتا ہوں' چالیں جانتا ہوں مگر کبھی خود کھیلنے کا اتفاق نہیں ہوا۔

باپ: مگر زیادہ دنوں تک دیکھتے دیکھتے یقین ہے کہ تم بھی کھیلنے لگو گے۔

بیٹا: شاید مجھ کو عمر بھر بھی شطرنج کھیلنی نہ آئے گی۔

باپ: کیوں کیا ایسی مشکل ہے؟

بیٹا: مشکل ہو یا نہ' میرا جی ہی نہیں لگتا۔

باپ: سبب؟

بیٹا: پسند نہیں کرتا؟

باپ: چونکہ مشکل ہے اکثر مبتدی گھبرایا کرتے ہیں۔ مجھ کو یقین ہے کہ گنجفہ میں تمہاری طبیعت خوب لگتی ہوگی۔ وہ بہ نسبت شطرنج کے بہت آسان ہے۔

بیٹا: میں شطرنج کی نسبت گنجفہ کو زیادہ تر ناپسند کرتا ہوں۔

باپ: ہاں شطرنج میں طبیعت پر زور پڑتا ہے اور گنجفہ میں حافظہ پر۔

بیٹا: میری ناپسندیدگی کا کچھ خاص کر یہی سبب نہیں ہے' بلکہ مجھ کو سارے کھیل برے

Marfat.com

معلوم ہوتے ہیں۔

باپ: تمہاری اس بات سے مجھ کو تعجب ہوتا ہے اور میں تم سے تمہاری ناپسندیدگی کا اصلی سبب جاننا چاہتا ہوں' کیوں کہ شاید اب سے پانچ یا چھ مہینے پہلے جن دنوں میں باہر کے مکان میں بیٹھا کرتا تھا میں نے خود تم کو ہر طرح کے کھیلوں میں نہایت شوق کے ساتھ شریک ہوتے دیکھا تھا۔

بیٹا: آپ درست فرماتے ہیں۔ میں ہمیشہ کھیل کے پیچھے دیوانہ بنا رہتا تھا مگر اب تو مجھ کو ایک دلی نفرت ہوگئی ہے۔

باپ: آخر اس کا کوئی سبب خاص ہوگا۔

بیٹا: آپ نے اکثر چار لڑکوں کو کتابیں بغل میں دابے گلی میں آتے جاتے دیکھا ہوگا۔

باپ: وہی جو گورے گورے چار لڑکے ایک ساتھ رہتے ہیں۔ پھڈی جوتیاں پہنے' منڈے ہوئے سر' اونچے پاجامے' نیچی چولیاں۔

بیٹا: ہاں جناب وہی چار لڑکے۔

باپ: پھر؟

بیٹا: بھلا آپ نے کبھی ان کو کسی قسم کی شرارت کرتے بھی دیکھا ہے؟

باپ: کبھی نہیں۔

بیٹا: جناب کچھ عجب عادت ان لڑکوں کی ہے۔ راہ چلتے ہیں تو گردن نیچی کیے ہوئے۔ اپنے سے بڑا مل جائے' جان پہچان ہو یا نہ ہو' ان کو سلام کر لینا ضرور' کئی برس سے اس محلے میں رہتے ہیں' مگر کانوں کان خبر نہیں۔ محلے میں کوڑیوں لڑکے بھرے پڑے ہیں لیکن ان کو کسی سے کچھ واسطہ نہیں۔ آپس میں اوپر تلے کے چاروں بھائی ہیں۔ نہ کبھی لڑتے' نہ کبھی جھگڑتے' نہ گالی بکتے' نہ قسم کھاتے' نہ جھوٹ بولتے' نہ کسی کو چھیڑتے' نہ کسی پر آوازہ کستے۔ ہمارے ہی مدرسے میں پڑھتے ہیں۔ وہاں بھی ان کا یہی حال ہے۔ کبھی کسی نے ان کی جھوٹی شکایت بھی تو نہیں کی۔ ڈیڑھ بجے ایک گھنٹے کی چھٹی ہوا کرتی ہے۔ لڑکے کھیل کود میں لگ جاتے ہیں یہ چاروں بھائی ایک پاس کی مسجد میں نماز پڑھنے چلے

Marfat.com

جاتے ہیں۔

باپ: بھلا پھر؟

بیٹا: منجھلا لڑکا میرا ہم جماعت ہے۔ ایک دن میرا آموختہ یاد نہ تھا۔ مولوی صاحب نہایت ناخوش ہوئے اور اس کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا کہ کم بخت گھر سے گھر ملا ہے۔ اسی کے پاس جا کر یاد کر لیا کر۔ میں نے جو پوچھا ''کیوں صاحب یاد کرا دیا کرو گے؟'' تو کہا ''بہ سروچشم'' غرض میں اگلے دن ان کے گھر گیا' آواز دی۔ انہوں نے مجھ کو اندر بلا لیا۔ دیکھا کہ ایک بہت بوڑھی سی عورت تخت پر جائے نماز بچھائے قبلہ رو بیٹھی ہوئی کچھ پڑھ رہی ہیں۔ وہ ان لڑکوں کی نانی ہیں۔ لوگ ان کو حضرت بی کہتے ہیں۔ میں سیدھا سامنے دالان میں اپنے ہم جماعت کے پاس جا بیٹھا۔ جب حضرت بی اپنے پڑھنے سے فارغ ہوئیں تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا' گو تم نے مجھ کو سلام نہیں کیا لیکن ضرور ہے کہ میں تم کو دعا دوں۔ جیتے رہو' عمر دراز' خدا نیک ہدایت دے۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میں غیرت کے مارے زمین میں گڑ گیا اور فوراً میں نے اٹھ کر نہایت ادب کے ساتھ سلام کیا۔ تب حضرت بی نے فرمایا کہ بیٹا! برا مت ماننا' یہ بھلے مانسوں کا دستور ہے کہ اپنے سے جو بڑا ہوتا ہے اس کو سلام کر لیا کرتے ہیں اور میں تم کو نہ ٹوکتی لیکن چوں کہ تم میرے بچوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہو' اس سبب سے مجھ کو جتا دینا ضرور تھا۔ اس کے بعد حضرت بی نے مجھ کو مٹھائی دی اور بڑا اصرار کر کے کھلائی۔ مدتوں میں ان کے گھر جاتا رہا۔ حضرت بی بھی مجھ کو اپنے نواسوں کی طرح چاہنے اور پیار کرنے لگیں اور مجھ کو ہمیشہ نصیحت کیا کرتی تھیں۔ تبھی سے میرا دل تمام کھیل کی باتوں سے کھٹا ہو گیا۔

باپ: یہ تو تم نے اچھا اختصار کیا۔ اجی' سب باتیں مجھ کو سناؤ۔ کیا کیا تم سے حضرت بی نے کہا

بیٹا: ہر روز آنے جانے سے میں ان لوگوں کے ساتھ خوب بے تکلف ہو گیا۔ مگر حضرت بی نے بس پہلے دن سلام نہ کرنے پر ٹوکا تھا پھر کوئی گرفت نہیں کی۔ باوجودے کہ میں شوخی بھی کرتا تھا لیکن وہ خفا نہیں ہوتی تھیں۔ ایک دن مجھ سے اور ایک ہمسائے کے لڑکے سے باہر گلی میں کھیلتے کھیلتے عین انہی کے دروازے پر لڑائی ہو پڑی۔ سخت کلامی

Marfat.com

کے بعد گالی گلوچ کی نوبت پہنچی۔ پھر مار کٹائی ہونے لگی۔ لڑکا مجھ سے تھا کمزور۔ ذرا اڑنگے پر چڑھا جو ایک پٹخنی دیتا ہوں چاروں شانے چت۔ پھر تو میں اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور بچا کو ایسے گھسے دیے کہ یاد ہی کیے ہوں گے اور لوگ چھڑا نہ دیتے تو میں اس کو ادھ موا کر ہی چکا تھا۔ بارے دو چار آدمیوں نے مجھ کو اس پر سے اتارا اور دو ایک نے میری پیٹھ بھی ٹھونکی کہ شاباش پٹھے شاباش لیکن وہ لڑکا ایسا چنید باز تھا کہ پھر خم ٹھوک کر سامنے آ کھڑا ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ پھر گتھ جاؤں اتنے میں اندر سے اسی میرے ہم جماعت نے پوچھا ''کیوں جی کس سے لڑ رہے تھے؟ میں نے کہا ''میاں ہی کنجڑے والا رمضانی' کمزور' مار کھانے کی نشانی لیکن خدا کی قسم میں نے بھی آج اس کو ایسا رگڑا ہے کہ یاد ہی تو کرے گا۔'' اس وقت تک غصہ اور طیش تو فرو ہوا ہی نہ تھا' نہیں معلوم کیا کیا میں نے بکا کہ سب گھر والوں نے سن کر آنکھیں نیچی کر لیں اور بڑی دیر تک سرنگوں بیٹھے رہے۔ آخر حضرت بی بولیں کہ سلیم' بڑے افسوس کی بات ہے کہ تو ایسا پیارا لڑکا اور گن تیرے ایسے خراب۔ اس منہ سے ایسی باتیں! آج کئی دن سے میں تجھ کو سمجھانے والی تھی۔ مگر اس وقت جو میں نے تیری گفتگو سنی مجھ کو یقین ہو گیا کہ تجھ کو سمجھانا بے سود ہے۔ بڑا رنج تو مجھ کو اسی بات کا ہے کہ تو ہاتھ سے گیا گزرا ہوا۔ دوسرا کھٹکا یہ ہے کہ تو میرے لڑکوں کے پاس آتا جاتا ہے۔ اگر خدانخواستہ تیری خوبو کا ایک شمہ انہوں نے اختیار کیا تو میری طرف سے یہ جیتے جی مر لیے۔ ملنا جلنا تو بڑی بڑی بات ہے' اب یہ محلہ بھی مجھ کو چھوڑنا پڑا۔ اتنی بے حیائی' ایسی بدزبانی! اول تو لڑنا اور پھر گلی کوچے میں اور اس پر ایسی موٹی موٹی گالیاں۔''

میں: جناب خدا کی قسم' ہرگز میں نے پہل نہیں کی۔ وہ سر پر چڑھ کر مجھ سے لڑا۔''

حضرت بی: بس اپنی قسموں کو بند کرو۔ میں قسم اور گالی دونوں کو برا سمجھتی ہوں۔ جس کو بے موقع بے محل خدا کا نام لینے میں باک نہیں' اس کو کسی بات کے بک دینے میں تامل نہیں۔

میں: گالی بھی پہلے اس نے دی۔

حضرت بی: تم نے کیوں گالی کھانے کی بات کی؟

میں: یہی تو میں عرض کرتا ہوں کہ میرا مطلق قصور نہ تھا۔

Marfat.com

حضرت بی: کیا ایسے بے ہودہ لڑکوں سے ملاقات رکھنا تمہارا قصور نہیں ہے؟

میں: جناب آپ کو معلوم نہیں' وہ لڑکا راہ چلتوں کے سر ہوتا ہے۔

حضرت بی: یک نہ شد دو شد۔ دروغ گویم بر روئے تو۔ میرے لڑکوں کے تو کوئی بھی سر نہیں ہوتا؟

میں: ان سے تو سرے سے جان پہچان ہی نہیں۔

حضرت بی: اور تم سے ہے۔

میں: کیوں کر کہوں کہ نہیں ہے۔

حضرت بی: ہے تو وہی تمہارا قصور ہے اور اسی کی یہ سزا ہے کہ تم نے بازار میں گالیاں کھائیں۔

میں: لیکن میں نے بھی خوب بدلا لیا۔

حضرت بی: بس یہی تو تمہاری خرابی کے لچھن ہیں کہ اس کو تم بدلا سمجھتے ہو۔ اگر ایک شخص تمہارے ساتھ برائی کرے تو اس کو لوگ برا کہیں گے؟

میں: ضرور کہیں گے۔

حضرت بی: اور جب تم اس کے ساتھ برائی کرو گے تو کیا زیادہ برے نہ کہلاؤ گے؟ گالی بکنا ایک زبوں بات ہے۔ اس نے بکیں تو جھک مارا اور تم نے زیادہ بکیں تو زیادہ جھک مارا۔ سلیم' تو اپنے میں اور اس کنجڑے کے چھوکرے میں کچھ فرق سمجھتے ہو؟

یہ سن کر مجھ کو ندامت شروع ہوئی اور میں نے کہا کہ واقع میں اس وقت تو مجھ میں اور اس میں کچھ فرق نہ تھا۔

حضرت بی: لیکن وہ ایک بازاری آدمی کا بیٹا ہے اور تم ایک بڑے عزت دار کے لڑکے ہو۔ تمہارے دادا کا شہر میں شہرہ ہے کہ ان کے نام کی لوگ تعظیم کرتے ہیں۔ انہی کے پوتے تم ہو' جھوٹ بولنے پر دلیر' قسم کھانے میں بے باک' فحش بکنے میں بے دھڑک' سلیم! کوئی شخص دین اور دنیا دونوں میں اس وجہ سے عزت نہیں پا سکتا کہ اس کے باپ دادا عزت دار تھے۔ آدمی کی عزت اس کی عادت اور مزاج سے ہے۔ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ یہ عادتیں جو تم نے سیکھی ہیں' عزت حاصل کرنے کی ہیں؟ ہرگز نہیں۔

Marfat.com

یہ سن کر مجھ کو اس قدر شرمندگی ہوئی کہ میں رونے لگا۔ حضرت بی بھی آب دیدہ ہوئیں اور مجھ کو پاس بٹھا کر پیار کیا اور کہا کہ بیٹا! میں تمہارے ہی فائدے کی لیے کہتی ہوں۔ اب بھی کچھ نہیں گیا لیکن چند روز بعد تم کو ان عادتوں کا چھوڑنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ میں نے اسی وقت توبہ کی اور کہا کہ اگر اب سے آپ مجھ کو قسم کھاتے یا فحش بکتے یا جھوٹ بولتے یا بازاری لڑکوں میں کھیلتے سنیں تو مجھ کو اپنے گھر میں نہ آنے دیجیے گا۔

باپ: کیا بس اسی دن سے تم کو کھیلنے سے نفرت ہوگئی؟

بیٹا: جناب نہیں۔ مہینوں میں حضرت بی کے یہاں جاتا رہا اور ہر روز نصیحت کی دو چار باتیں وہ مجھ کو بتایا کرتی تھیں۔ ایک روز انہوں نے مجھ سے میرے وقت کا حساب پوچھا۔ میں نے سونا اور کھانا اور کھیلنا اور تھوڑی دیر لکھنا پڑھنا بہتیرے کام گنوائے مگر انہوں نے سن کر ایک ایسی آہ کھینچی کہ آج تک اس کی چوٹ میں اپنے دل میں پاتا ہوں اور کہا۔ ''سلیم! آٹھ پہر میں خدا کا ایک کام بھی نہیں۔ خدا نے تم کو آدمی بنایا' کیا ممکن نہیں تھا کہ وہ تم کو بلی یا کتا بنا دیتا؟ پھر آدمی بھی بنایا تو ایسے خاندان کا جو عزت دار اور خوش حال ہے۔ ہوسکتا تھا کہ تم مزدور یا لکڑہار کے گھر پیدا ہوتے اور ایسی ہی چھوٹی سی عمر میں تم کو پیٹ پورا کرنے کے واسطے محنت کرنی پڑتی اور پھر بھی سوائے چنے کے اور کچھ نہ پاتے اور وہ بھی پیٹ بھر کر نہیں۔ ایک لنگوٹی تم باندھے پھرتے' نہ پاؤں میں جوتی' نہ سر پر ٹوپی' نہ گلے میں انگرکھا۔ جہاں جاتے دردر۔ جس کے پاس کھڑے ہوتے' پھٹ پھٹ۔ پھر صورت تم کو ایسی پاکیزہ دی کہ جو دیکھے پیار کرے۔ کیا تم کو کالا بھٹ' کانڑا' لنگڑا' کوڑھی بنا دینا اس کو مشکل تھا۔ جس خدا کے تم پر اتنے سلوک اور اتنے احسان ہیں' ستم ہے کہ دن رات میں ایک دفعہ بھی اس کے آگے سر نہ جھکاؤ' غضب ہے کہ ایک لمحہ بھی اس کو یاد نہ کرو۔'' تب حضرت بی نے مجھ کو نماز سکھائی' اس کے معنی سمجھائے اور اسی طرح انہوں نے مجھ کو ہزارہا نصیحتیں کیں کہ برزبان یاد نہیں رہیں۔ مگر افسوس ہے کہ کئی مہینے سے ان کے گھر میرا جانا چھوٹ گیا۔ یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

باپ: کیوں' تم نے کس لیے ان کے یہاں جانا ترک کیا؟ کیا ان کے نواسوں سے لڑائی ہوگئی؟

Marfat.com

بیٹا: جناب ان کے نواسے مجھ کو بھائیوں سے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔ اگر میں ان سے لڑتا تو دنیا میں مجھ سے زیادہ نالائق کوئی نہ تھا۔

باپ: پھر کیا حضرت بی تم سے ناخوش ہو گئیں؟

بیٹا: استغفراللہ۔ وہ تو خود اس درجے کی نیک ہیں کہ غصہ ان کو چھو ہی نہیں گیا۔

باپ: تو کیا تم آپ سے بیٹھ رہے؟

بیٹا: میں تو ہر روز وہاں جانے کے واسطے تڑپتا ہوں۔

باپ: تو کیا یہاں تم کو کسی نے منع کر دیا ہے؟

بیٹا: نہیں کسی نے منع بھی نہیں کیا۔

باپ: پھر کیا سبب ہوا؟

بیٹا: اگر آپ مجھ کو اس کا سبب بیان کرنے سے معاف رکھتے تو بہتر تھا۔

باپ: نہیں ضرور ہے کہ میں تمہارے نہ جانے کا سبب معلوم کروں۔

بیٹا: اس میں ایک شخص کی شکایت ہو گی اور حضرت بی نے مجھ کو غیبت اور چغلی کی ممانعت کی ہے۔

باپ: لیکن کیا وہاں نہ جانے سے تمہارا نقصان نہیں؟

بیٹا: اے جناب! نقصان سا نقصان۔ مگر میرے اختیار کی بات نہیں۔

باپ: تو میں تم کو اپنے منصب پدری کی رو سے حکم دیتا ہوں کہ تم سارا حال پوست کندہ بیان کرو۔

بیٹا: حضرت بی نے ایک مرتبہ مجھ کو بہ تاکید کہا تھا کہ تم اپنے سر کے بال منڈوا ڈالو۔ اگرچہ مجھ کو بال بہت عزیز تھے اور میں ان کی خدمت بھی بہت کرتا تھا لیکن چونکہ مجھ کو یقین تھا کہ حضرت بی جو بات کہتی ہیں ضرور میری منفعت کے واسطے کہتی ہیں' میں نے کہا بہت خوب۔ حضرت بی نے اور تو کچھ سبب نہیں بیان کیا مگر اتنا کہا کہ بالوں کی بزرگ داشت میں تمہارا بہت سا وقت صرف ہوتا ہے اور وقت ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کو ایسی فضول باتوں میں صرف کیا جائے اور تم کو بڑے بال رکھنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں۔ اگلے دن جو حجام بڑے بھائی جان کا خط بنانے آیا' میں نے اس سے کہا کہ خلیفہ میرے

Marfat.com

بال بھی مونڈ دینا۔ بالوں کا مونڈنا سن کر بڑے بھائی جان اس قدر خفا ہوئے کہ میں عرض نہیں کر سکتا۔ مجھ کو جو چاہتے کہہ لیتے۔ حضرت بی اور اوران کے نواسوں کو بھی بہت برا بھلا کہا۔ یہ کہہ کر سلیم کی آنکھوں میں پھر آنسو بھر آئے۔

باپ: تمہارے بڑے بھائی سے اور حضرت بی سے کیا واسطہ اوران کو تمہارے افعال میں میرے ہوتے کیا دخل؟

بیٹا: جناب! نہیں معلوم ان کو کس طرح معلوم ہو گیا تھا کہ میں ان کے گھر آتا جاتا ہوں۔ دو ایک مرتبہ مجھ سے پہلے بھی کہا تھا کہ ان مردہ شوقلاؤ ذیوں کے ساتھ اکثر رہتا ہے' کیا تو بھی ملانا اور مسجد کا ٹکڑ گدا بنے گا؟ اس دن بالوں پر کہنے لگے: ''دیکھا آخران نابکاروں کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ آپ اچھے خاصے سر کو چھلا ہوا کسیرو بنانے چلے ہیں کہ دیکھتے ہی ہتھیلی کھجلائے' چانٹا مارنے کو جی چاہے۔ ایسے اکیلے سر منڈانے سے کیا ہوتا ہے۔ گھٹنوں تک کا کرتہ پہن' ٹخنوں تک کا پائجامہ جنا' پنج آیت کے واسطے دو چار سورتیں یاد کر اور جو چاہے کہ فقط انگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل اور نرا سر منڈا کر بریانی کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں' تو بچا ہاتھ دھو رکھو' گھسنا تو ملنے ہی کا نہیں۔''

باپ: تم نے کچھ جواب نہیں دیا؟

بیٹا: جناب! اول تو بڑے بھائی کو جواب دینا خلاف شیوۂ ادب تھا اور اگر دیتا تو مجھ کو جیتا بھی نہ چھوڑتے۔ جب تک میں سامنے سے ٹل نہیں گیا انہوں نے زبان بند نہیں کی اور ناحق حضرت بی کے نواسوں کی شان میں بری بری باتیں کہیں۔ غرض ڈر کے مارے پھر میں نے بال منڈوانے کا نام نہیں لیا اور تب ہی سے مجھ کو ایک حجاب سا پیدا ہوا کہ کئی بار مجھ سے کہہ چکی ہیں' اپنے دل میں کیا کہتی ہوں گی کہ کیسا خودسر لڑکا ہے لیکن پھر انہوں نے کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ معلوم نہیں بھول گئیں یا کہنے سے کچھ فائدہ نہ دیکھ کر چپ ہو رہیں۔ ابھی تک میں نے جانا نہیں چھوڑا' اگرچہ میرا جانا داخل بے غیرتی تھی۔ جب انہوں نے مجھ کو نماز سکھائی اور نماز کی تاکید کی تو میں نے ایک دن گھر میں نماز پڑھنی چاہی۔ بڑے بھائی جان اور ان کے یار دوست برابر ہنسائے جاتے تھے اور میں نہیں ہنستا تھا تو جانماز الٹ الٹ دیتے۔ سجدے میں جاتا تو اوپر بیٹھ بیٹھ جاتے تھے۔ ایسی

Marfat.com

حالت میں ممکن نہ تھا کہ میں نماز پڑھ سکوں اور حضرت بی سچ بولنے کا مجھ سے عہد لے ہی چکی تھیں۔ میں نے سوچا کہ جاؤں گا تو نماز کو پوچھیں گی' تو کیا کہوں گا۔ بالوں کی شرمندگی اور نماز کی ندامت' غرض اعمال کی شامت کہ میں نے جانا چھوڑ دیا۔ اب وہاں گئے مجھ کو تین ساڑھے تین مہینے ہو گئے۔ میری اس نااہلی کو دیکھیے کہ تب ہی سے وہ میرے ہم جماعت بیمار پڑے ہیں' میں ان کی عیادت کو بھی نہیں جا سکا۔

باپ: لیکن تم نے اپنی مجبوری کا حال مجھ پر کیوں نہیں ظاہر کیا؟

بیٹا: اس خوف سے کہ غیبت ہو گی۔

باپ: تم نے اپنے بڑے بھائی کے رو در رو کہا ہوتا۔

بیٹا: اتنی مجال نہ مجھ میں کبھی تھی' نہ اب ہے۔ کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ میں ہر وقت آپ کے پاس رہنے سے رہا۔ جب اکیلا پائیں گے' مجھ کو ٹھیک بنائیں گے۔

باپ: تم کو خوف ہی خوف تھا یا تم کو بڑے بھائی نے کبھی مارا بھی تھا۔

بیٹا: اس کی گنتی نہ بتا سکتا ہوں اور نہ بڑے بھائی جان بتا سکتے ہیں۔

باپ: کس بات پر؟

بیٹا: میں تو ہمیشہ ان کے مارنے کو ناحق' بے سبب' بے قصور' بے خطا ہی سمجھا۔

باپ: تم نے اپنی ماں سے بھی کبھی تذکرہ نہ کیا۔

بیٹا: جو وجہ آپ کی خدمت میں عرض کرنے کی مانع تھی' وہ ہی والدہ سے بھی کہنے کو روکتی تھی۔ دوسرے میں دیکھتا تھا کہ گھر میں نماز روزے کا مطلق چرچا نہیں۔ یہ بھی خیال ہوتا تھا کہ ایسا نہ ہو' کہوں اور جس طرح بڑے بھائی جان ناخوش ہوتے ہیں اور لوگ بھی نارضامند ہوں۔

باپ: تو یہ چند مہینے تمہارے نہایت ہی بری طرح گزرے۔

بیٹا: کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ ایک حضرت بی کی خدمت سے محروم رہنے کا صدمہ' دوسرے اپنی مجبوری کا رنج۔ میں نے لوگوں سے سنا تھا کہ سگ باش برادر خورد مباش سو مجھ کو ہر روز اس کی تصدیق ہوتی ہے اور سب سے بڑھ کر تو اس بات کا قلق تھا کہ میں اپنے گھر میں سب چھوٹے بڑوں کی عادتوں کو ناپسند کرتا ہوں اور اپنے جی میں سوچا کرتا ہوں کہ

Marfat.com

جس گھر میں رہتا ہوں اس سے مجھ کو وحشت ہوتی ہے تو میں کہاں جاؤں گا اور کیا کروں گا۔

باپ: لیکن اگر اب تم کو حضرت بی کے گھر جانا ملے؟

بیٹا: سبحان اللہ! اس سے بڑھ کر کوئی خوشی کی بات نہیں لیکن جب تک کہ میں سر کے بال نہ منڈالوں اور نماز نہ پڑھوں میں ان کو منہ نہیں دکھا سکتا۔

باپ: اور اگر یہ بھی ہو؟

بیٹا: تو پھر یہ بھی ہو کہ ہمارے گھر بھر کی عادتیں وہیں کی سی ہو جائیں۔

باپ: بھلا اگر یہ دونوں ہوں؟

بیٹا: تو پھر مجھ کو اور کچھ درکار نہیں۔

باپ: اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے اس تمام گھر پر ایک بربادی اور تباہی چھا رہی ہے اور سارا خاندان گناہ اور بے دینی کی آفت میں مبتلا ہے۔ آوے کا آوا خراب' کنبے کا کنبہ گمراہ۔ تعجب ہے کہ اب تک کوئی عذاب الٰہی ہم پر نازل نہیں ہوا۔ حیرت ہے کہ قہر خدا ہم پر کیوں نہیں ٹوٹ پڑا اور خدا کا الزام اور تم سب کا اولاہنا تمام تر مجھ پر ہے۔ میں تم لوگوں کے جسموں کی پرداخت و پرورش کرتا رہا لیکن تمہاری روحوں کو میں نے ہلاک اور تمہاری جانوں کو میں نے تلف کیا۔ کتنے خون میری گردن پر ہیں اور کتنے وبال میرے سر پر۔'' بجیرتم کہ سرانجام من چہ خواہد بود

سلیم! آج تم خوش ہو جاؤ کہ تمہاری آرزو بر آئی اور تمہارا مطلب خدا نے پورا کیا۔ شوق سے اپنا سر منڈاؤ اور نماز پڑھو اور حضرت بی کی خدمت میں جاؤ۔ آج سے حضرت بی میری دینی ماں اور ان کے نواسے میرے دینی فرزند ہیں اور میں خود تمہارے ساتھ چلوں گا اور حضرت بی کا شکریہ ادا کروں گا کہ انہوں نے حسبۃً للہ تمہارے اور میرے دونوں کے ساتھ سلوک کیا۔ تمہارے ساتھ یہ کہ تم کو نیک صلاح دی اور میرے ساتھ یہ کہ جو کام میرے کرنے کا تھا وہ انہوں نے کیا۔ آج کے بعد سے ان شاء اللہ تم اس گھر کو حضرت بی کے گھر کی طرح دیکھو گے۔ کوئی تفرقہ تم میں اور ان کے نواسوں میں باقی نہ رہے گا۔ سلیم! تمہاری آج کی گفتگو سن، کر میرا جی بہت ہی خوش ہوا اور تم مجھ کو ساری اولاد میں سب سے زیادہ عزیز رہو گے۔ تم کو میں دوسروں کے لیے نمونہ اور مثال بناؤں گا اور ان کو جو تم سے بڑے ہیں' تمہاری تقلید پر مجبور کروں گا۔

Marfat.com

فصل پنجم

# فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ کی لڑائی

ادھر تو نصوح اور سلیم دونوں باپ بیٹوں میں یہ گفتگو ہو رہی تھی' ادھر اتنی ہی دیر میں فہمیدہ اور بڑی بیٹی نعیمہ میں خاصی ایک جھوڑ ہوگئی۔ نعیمہ اس وقت دو برس کی بیاہی ہوئی تھی۔ پانچ مہینے کا پہلونٹی کا لڑکا گود میں تھا۔ ناز و نعمت میں پلی' نانی کی چہیتی' ماں کی لاڈو۔ مزاج کچھ تو قدرتی تیز' ماں باپ کے لاڈ پیار سے وہی کہاوت ہوئی' ''کریلا اور نیم چڑھا'' اور بھی چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ساس نندوں میں بھلا اس مزاج کی عورت کا کیوں گزر ہونے لگا تھا۔ گھونگھٹ کے ساتھ منہ کھلا اور منہ کا کھلنا تھا کہ سسرال کا آنا جانا بند ہو گیا۔ اب چھ مہینے سے ماں کے گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ مگر رسی جلی پر بل نہ گیا۔ باوجودے کہ اجڑی ہوئی میکے میں پڑی تھی' مزاج میں وہی طنطنہ تھا۔ کنوار پنے ہی میں سواگز کی زبان تھی۔ کچھ یوں ہی سا لحاظ بڑی بوڑھیوں کا تھا' سو بیاہے سے ان کو بھی دھتکار بتائی۔ بیٹا جنے پیچھے تو اور بھی کھل کھیلی۔ مردوں تک لحاظ اٹھا دیا۔

فہمیدہ نے میاں کے روبرو بیٹیوں کا بیڑا اٹھانے کو اٹھا لیا تھا لیکن نعیمہ کے تصور سے رونگٹے بدن پر کھڑے ہو ہو جاتے تھے اور جی ہی جی میں کہتی کہ ذرا بھی میں اس بھڑوں کے چھتے کو چھیڑوں گی تو میرا سر مونڈ کر ہی بس نہیں کرے گی۔ سو سو منصوبے ذہن میں باندھتی تھی' مگر نعیمہ کی شکل نظر پڑی اور سب غلط ہو گئے۔ ماں موقع اور محل ہی سوچتی رہی' نعیمہ نے خود ہی ابتدا کی۔ بڑے سویرے سویرے بچہ حمیدہ کو دے کر خود ہاتھ منہ دھونے میں مصروف ہوئی۔ جب حمیدہ نے دیکھا کہ نماز کا وقت ہاتھ سے نکلا جاتا ہے' بچے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ بچہ کسی اکھل کھری ماں کا تھا' بٹھانا تھا کہ بلبلا اٹھا۔ آواز سن کر ماں دوڑی آئی۔ دیکھا کہ بچہ اکیلا پڑا رو رہا ہے اور حمیدہ کھڑی نماز پڑھ رہی ہے۔ دور سے

Marfat.com

دوڑ' پیچھے سے حمیدہ کے ایسی دو ہتھڑ ماری کہ حمیدہ رکوع سے پہلے سجدے میں جا گری۔
اس وقت فہمیدہ کسی ضرورت سے دوسرے قطعے میں گئی تھی۔ پھر کر آئی تو دیکھا کہ حمیدہ چبوترے پر پانی کا لوٹا لیے سر جھکائے بیٹھی ہے اور ناک سے خون کی تلتی جاری ہے۔ گھبرا کر پوچھا کہ ابھی تو میں تم کو نماز پڑھتی چھوڑ گئی تھی۔ اتنی ہی دیر میں یہ ہوا کیا؟ دیکھوں کہیں نکسیر تو نہیں پھوٹی۔

حمیدہ بے چاری نے ابھی کچھ جواب بھی نہیں دیا تھا کہ نعیمہ خود بول اٹھی۔ ''اے بی ہوا کیا۔ ذرا کی ذرا لڑکے کو دے کر میں منہ دھونے چلی گئی۔ اس نکمی سے اتنا نہ ہو سکا کہ ذرا لڑکے کو لیے رہے۔ آخر میں کہیں کنویں میں گرنے تو نہیں چلی گئی تھی۔ لڑکے کو بلکتا ہوا لٹا' نیت باندھ' نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ میں جو آئی تو ذرا ہولے سے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا کہ آپ دھڑام سے گر پڑی۔ کہیں تخت کی کیل لگ گئی ہو گی۔

ماں: اچھا تم نے ہولے سے ہاتھ رکھا تھا کہ نگوڑی لڑکی کے فصد کے برابر خون نکلا؟ کیسے دنیا میں لہو سفید ہو گئے ہیں۔''

نعیمہ: لہو سفید نہ ہو گئے ہوتے تو کیا یوں بھانجے کو روتا ہوا چھوڑ دیتی؟

ماں: لیکن اس نے بے سبب نہیں چھوڑا۔ اس کی نماز چلی جا رہی تھی۔

نعیمہ: بلا سے صدقے سے نماز کو جانے دیا ہوتا۔ نماز پیاری تھی یا بھانجا؟

ماں: لڑکی ڈر خدا کے غضب سے۔ کیا کفر بک رہی ہے۔ اس حالت کو پہنچ چکی اور پھر بھی درست نہ ہوئی۔

نعیمہ: خدا نہ کرے میری کون سی حالت تم نے بری دیکھی؟

ماں: اس سے بدتر حالت اور کیا ہو گی کہ تین برس بیاہ کو ہوئے اور ڈھنگ سے ایک دن اپنے گھر میں رہنا نصیب نہیں ہوا۔

نعیمہ: وہ جنم جلا گھر ہی ایسا دیکھ کر دیا ہو تو کوئی کیا کرے۔

ماں: ہاں بیٹی سچ ہے۔ میں تو تیری ایسی ہی دشمن تھی۔ مائیں بیٹیوں کو اسی واسطے بیاہا کرتی ہوں گی کہ بیٹیاں اجڑی ہوئی ان کے گھٹنے لگی بیٹھی رہیں۔

Marfat.com

نعیمہ: کیا جانیں۔ ہم کو تو آنکھیں میچ کر کنویں میں دھکیل دیا تھا' سو پڑے ڈبکیاں کھا رہے ہیں۔

ماں: خیر بیٹی! اللہ رکھے تمہارے آگے بھی اولاد ہے۔ اب تم سمجھ بوجھ کر ان کی شادی بیاہ کرنا۔

نعیمہ: کریں ہی گے۔ نہ کریں گے تو کیا تمہارے بھروسے بیٹھے رہیں گے۔

ماں: میں کیا کہتی ہوں کہ میرے بھروسے بیٹھی رہنا۔ بڑا بھروسا خدا کا۔

نعیمہ: کیسا خدا؟ بھروسا اپنے دم قدم کا۔

ماں یہ دوسری دفعہ ہے کہ تو خدا کی شان میں بے ادبی کر چکی ہے۔ اب کی تو نے اس طرح کی بات منہ سے نکالی اور اور بے تامل تڑ سے طمانچہ تیرے منہ پر کھینچ ماروں گی۔

نعیمہ: سچ کہنا۔ بڑی بے چاری مارنے والی۔ مارا اپنی چہیتی کو' مارا اپنی لاڈلی کو۔

ماں: کیسی چہیتی' کیسی لاڈو۔ قربان کی تھی وہ اولاد جو خدا کو نہ مانے۔

نعیمہ: یہ کب سے؟

ماں: جب سے خدا نے ہدایت دی۔

نعیمہ: چلو خیر جب ہم بھی تمہاری عمر کو پہنچیں گے تو بہتیرا خدا کا ادب کر لیں گے۔

ماں: آپ کو خیر سے غیب دانی میں دخل ہے کہ بارے میری عمر تک پہنچنے کا یقین ہے۔

نعیمہ: اب تم میرے مرنے کی فال نکالو۔

ماں: نہ کوئی کسی کی فال سے مرتا اور نہ کوئی کسی کی فال سے جیتا۔ جس کی جتنی خدا نے لکھ دی۔

نعیمہ: ورنہ تم مجھ کو کاہے کو جینے دیتیں۔

ماں: اتنا ہی اختیار رکھتی ہوتی تو تجھ کو آدمی ہی نہ بنا لیتی۔

نعیمہ: فوج تو کیا میں حیوان ہوں۔

ماں: جو خدا کو نہیں جانتا وہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔

نعیمہ: اب تو ایک حمیدہ تمہارے نزدیک انسان ہے۔ باقی سب گدھے ہیں۔

Marfat.com

ماں: حمیدہ کا تجھ کو کیا جلا پاپڑ گیا۔ تو اس کی جوتی کی برابری تو کر لے۔

نعیمہ: خدا کی شان! یہ اٹھک بیٹھک کر لینے سے حمیدہ کو ایسے بھاگ لگے گئے۔

فہمیدہ دو مرتبہ بیٹی کو منع کر ہی چکی تھی اور سمجھا دیا تھا کہ اگر پھر دین کی باتوں میں بے ادبانہ کلام کرے گی تو میں بے تامل منہ پر طمانچہ کھینچ ماروں گی۔ اس مرتبہ جو نعیمہ نے نماز کو اٹھک بیٹھک کہا تو حرارت دین داری نے فہمیدہ کو بے اختیار کیا اور اس نے واقع میں جیسا کہا تھا نعیمہ کے منہ پر ایک طمانچہ ایسے زور سے مارا کہ منہ ہی تو پھر گیا۔ طمانچے کا لگنا تھا کہ نعیمہ نے ایک آفت توڑ ماری۔ سب سے پہلے تو اس نے دے دھواں دھوں' دے دھواں دھوں اپنے بے زبان معصوم بچے کو پیٹ ڈالا۔ اگر لوگ اس کی گود سے بچے کو نہ چھین لیں تو لڑکے کا خون ہی کر چکی تھی۔ اس کے بعد تو اس نے عجب عجب فیل مچائے۔ گھنٹوں تک تو پٹخنیاں کھایا کی۔ کپڑوں کا ایک تار باقی نہ رکھا۔ نہیں معلوم اس کا سر تھا یا لوہے کا گولا تھا کہ ہزاروں دو ہتھڑیں اس پر پڑیں' آدھے سے زیادہ بال کھسوٹ ڈالے' سینکڑوں ٹکریں دیوارعوں میں ماریں۔ حیرت ہے کہ وہ سر بچا تو کیونکر بچا۔ اس کے پاکھنڈ دیکھ کر سارا گھر تھرا اٹھا اور لوگ ڈرنے لگے کہ ایسا نہ ہو تھانے والے غل سن کر اندر گھس آئیں۔ بارے بہ مشکل پکڑ دھکڑ کر کوٹھری کے اندر دھکیل اوپر سے کنڈی لگا دی۔

نیچے گھر میں اتنا غل ہوا مگر بالا خانہ کچھ ایسا الگ سا تھا کہ نصوح کو مطلق خبر نہ ہوئی۔ جب سلیم باپ سے باتیں کر کے نیچے اترا تو فہمیدہ اوپر گئی۔ اس وقت تک غیظ و غضب اور رنج و تعب کے آثار اس کے چہرے سے نمودار تھا۔ دور ہی سے نصوح نے پوچھا: خیر تو ہے؟

فہمیدہ: ''اللہ تعالیٰ خیریت ہی رکھے'' کیوں تم نے کیا سمجھ کر پوچھا؟

نصوح: تمہارے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ ہونٹ خشک ہو رہے ہیں۔ سر سے پاؤں تک کھڑی کانپ رہی ہو۔ آخر یہ سب باتیں بے سبب تو نہیں ہیں۔

فہمیدہ نے نعیمہ کی اور اپنی تمام سرگزشت بیان کی۔ نصوح یہ ماجرا سن کر دم بہ خود ہو

Marfat.com

گیا۔ آدھے گھنٹے کے قریب دونوں میاں بیوی چپ سناٹے میں بیٹھے رہ گئے۔ آخر فہمیدہ نے کہا ''پھر اب کیا صلاح؟''

نصوح: صلاح یہی ہے کہ جو ہونی ہو سو ہو' اب نرمی اور لینت نہیں کرنی چاہیے۔ معاذ اللہ ایسا برا عقیدہ! بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی اہل اسلام کے خاندان کی لڑکی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا اس کے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں۔ مجھ کو تو اس کے ساتھ کھانا حرام ہے۔ بڑی خیریت گزری کہ میں وہاں موجود نہ تھا ورنہ میرے روبرو ایسا کلمہ اس کے منہ سے نکلا ہوتا تو شاید میں تلوار کھینچ مارتا۔ ایسی اولاد کے ہونے سے نہ ہونا اچھا۔ بہتر ہوگا کہ ابھی پالکی منگا کر اس کو سسرال پہنچا دو۔''

فہمیدہ: بھلا کیسی باتیں کہتے ہو۔ بے طلب بے تقریب بھیج دیں تو ایک تو پہلے ہی سے اس نے اپنی عزت کو خاک میں ملا رکھا ہے۔ رہی سہی اور بھی غارت ہو۔ مجھ کو کیا خبری تھی ورنہ تمہاری عیادت کی تقریب سے عورت مرد سارا سمدھیانا آیا تھا اور اس کے لے جانے کے لیے منتیں کرتے تھے۔

نصوح: جو کم بخت عورت خدا کی عزت و حرمت نہ رکھے' وہ دنیا میں ہر طرح کی بے عزتی اور بے حرمتی کی سزاوار ہے۔ جب اس کو خدا کا پاس ادب نہیں' مجھ کو ہرگز ہرگز اس کا پاس محبت نہیں۔

فہمیدہ: میں کہتی ہوں شاید اب بھی یہ درست ہو جائے۔

نصوح: توبہ توبہ! اس کے دل میں مطلق نور ایمان نہیں۔ وہ تو سرے سے خدا ہی کی قائل نہیں پھر کیا درستی کی امید۔

فہمیدہ: سسرال بھیج دینا تو ٹھیک نہیں۔

نصوح: پھر مجھ سے کیا صلاح پوچھتی ہو' جو تمہارے جی میں آئے سو کرو لیکن یہ ممکن نہیں کہ اس کے ایسے خیالات ہوں اور میں اس کو اپنے گھر میں رہنے دوں اور وہ رزق جو ہم کو خدائے تعالیٰ اپنی مہربانی اور عنایت سے دیتا ہے' وہ شخص اس میں کیوں شریک ہو جو خدا کو نہیں مانتا۔

Marfat.com

فہمیدہ: لیکن خدائے تعالیٰ اپنا رزق کسی سے دریغ نہیں رکھتا۔ برے بھلے سب اس کے یہاں سے روزی پاتے ہیں۔

نصوح: میں اس کے رزق کا انسداد نہیں کرتا لیکن میں اپنے رزق میں منکر خدا کو شریک نہیں کرنا چاہتا۔

فہمیدہ: ایسی سختی سے گھر میں کوئی کاہے کو رہنے لگا۔

نصوح: میں اس گھر کی فکر میں ہوں جہاں مجھ کو ہمیشہ رہنا ہے۔ دنیا کا گھر چندروزہ گھر ہے۔ آج اجڑا تو اور کل اجڑا تو' ایک نہ ایک دن اجڑے گا ضرور۔ میرے آباد کرنے سے آباد رہ سکتا ہے؟

فہمیدہ: ہاں لیکن ایک مرے پیچھے اجڑنا اور ایک جیتے جی اجڑنا' ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

نصوح: لیکن تم دل کی ایسی کچی تھیں تو تم نے ہامی کیوں بھری اور تمہارا یہ حال ہے تو واقع میں خاندان کی اصلاح ہو نہیں سکتی۔

فہمیدہ: کیا اولاد کے واسطے جی نہیں کڑھتا۔ میں نے ان کو اسی دن کے واسطے پالا تھا کہ یہ بڑے ہو کر مجھ سے چھوٹ جائیں۔ بیشک مجھ سے تو اتنا صبر نہیں ہو سکتا۔

اتنا کہہ کر فہمیدہ کا جی بھر آیا اور وہ رونے لگی۔

نصوح: میں نہیں کہتا کہ تمہارا جی نہیں کڑھتا اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ مجھ کو تمہارے برابر ان کی محبت ہے لیکن میں نے یہ بھی تو نہیں کہا کہ تم ان کو چھوڑ دو۔

فہمیدہ: کیوں! ابھی تم نے نعیمہ کو سسرال بھیج دینے کے لیے نہیں کہا؟

نصوح: کیا نعیمہ کبھی سسرال نہیں گئی اور سسرال بھیج دینا اور چھوڑ دینا ایک ہی بات ہے؟

فہمیدہ: لیکن ایک ہنسی خوشی جانا' جس طرح دنیا جہان کی بیٹیاں میکے سے جایا کرتی ہیں اور ایک لڑ کر جانا اور لڑائی بھی ایسی لڑائی کہ عمر بھر ایسی نہیں ہوئی۔ مجھ کو یاد نہیں کہ میں نے نعیمہ کو ہاتھ بھی لگایا ہو۔ جواب اس سے زیادہ سخت سخت اس نے دیے مگر جب وہ جواب دیتی تھی' میں ہنس دیا کرتی۔ اس مرتبہ نہیں معلوم میں کچھ ایسی آپے سے باہر ہو گئی کہ تھپڑ

Marfat.com

کھینچ مارا۔ اتنا بھی مجھ کو خیال نہ رہا کہ یہ بیاہی ہوئی ہے' صاحب اولاد ہے۔

نصوح: اگر تم نے اس کو تھپڑ نہ مارا ہوتا تو میں تم سے پوچھتا کہ تم کیسی دین دار تھیں کہ ایک شخص نے جس کے دفع کرنے پر تم کو قدرت حاصل تھی' تمہارے منہ پر خدا کی شان میں بے ادبی کی اور استخفاف واستہزاء کے ساتھ میں اس کا نام پاک لیا اور مطلق تم کو برا نہ لگا۔

فہمیدہ: برا نہ لگتا تو میں مارتی ہی کیوں؟

نصوح: بے شک تم نے مارا تو بہت بجا کیا لیکن اب اس پر افسوس کرنا اپنے تئیں ملزم بنانا ہے۔

فہمیدہ: لیکن لڑکی جو ہاتھ سے جاتی ہے۔

نصوح: یہ حالت تمہارے لیے ایک امتحان کی حالت ہے۔ ایمان اور اولاد دو چیزیں ہیں اور سخت افسوس کی بات ہے کہ دونوں کا اکٹھا ہونا ممکن نہیں معلوم ہوتا' اس واسطے کہ ہماری اولاد دین کی عدو اور ایمان کی دشمن ہے۔ اگر اولاد کا منہ کریں تو دین وایمان ہاتھ سے جاتا ہے اور اگر ایمان کا حفظ کریں تو اولاد چھوٹتی ہے۔ پس تم کو اختیار ہے دونوں میں سے جس کو چاہو لو۔

فہمیدہ: میں ایمان لوں گی' میں ایمان لوں گی جو عاقبت میں میرے کام آئے گا۔

نصوح: جزاک اللہ' صد آفرین ہے تمہاری فہم پر۔ بے شک ایمان بڑی چیز ہے۔

فہمیدہ: رہی اولاد' کیا کروں چھاتی پر پتھر رکھوں گی۔ مجھ کو کیا خبر تھی کہ اس پیٹ کم بخت کو یوں آگ لگے گی اور اس ناشاد کوکھ میں ایسے کیڑے پڑیں گے۔

فہمیدہ یہ کہہ کر بڑے درد وحسرت کے ساتھ روئی کہ اس کو دیکھ کر نصوح بھی بے قرار ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد نصوح بولا: ''دل کو مضبوط رکھو اور اللہ کو یاد کرو۔ جب تمہاری نیت بخیر ہے تو سب ان شاء اللہ بہتر ہی ہوگا۔ وہ بڑا قادر ہے' چاہے تو دم کے دم میں ہماری ساری اولاد کو ولی کر دے۔ دعا کرو کہ اللہ ان کو نیک راہ دکھائے۔

فہمیدہ: رواں رواں دعا کر رہا ہے۔ اللہ ہی قبول کرے اور اسی سے لو لگی ہے۔

Marfat.com

نصوح: بھلا نعیمہ کوٹھری کے اندر کیا کر رہی تھی۔

فہمیدہ: رو رہی تھی اور کیا کر رہی تھی۔ میں چلتے ہوئے کہتی آئی تھی کہ کواڑ کھول کر اس کو پانی والی پلا دینا۔

نصوح: او۔ کیا؟

فہمیدہ: کیا خوب! نہ ابھی دو دن' نہ چار دن' ابھی سے کھانا۔

نصوح: یہ تو بڑی خرابی کی بات ہے۔

فہمیدہ: اور کیا' بڑا رونا تو کھانے ہی کا ہے۔ وہ مجھ سے چاہے مہینہ نہ بولتی مگر کھانا کھا لیتی تو کچھ اندیشے کی بات نہ تھی۔ ادھر اس کو تکلیف ہوگی ادھر بچہ دودھ کو پھڑکے گا۔

نصوح: تم اینا دودھ پلا دینا۔

فہمیدہ: میں تو اس کو سو دفعہ پلاؤں مگر اللہ رکھے سیانا بچہ ہے' ماں کی گود پہچانتا ہے۔ کہتے ہیں کہ چالیس دن کا بچہ ماں کی پرچھائیں دیکھنے لگتا ہے۔ اب تو سوتے کو ایک دفعہ میں پلا آئی ہوں' جاگتے میں پئے تو جانوں کہ پیا۔

نصوح: کھانا کھانے کی تدبیر ضرور کرنی چاہیے۔ میں جا کر کہوں؟

فہمیدہ: نہ خدا کے لیے تم اترنا ہی مت۔

نصوح: میں آہستگی سے سمجھا دوں گا۔

فہمیدہ: مردوں کی آہستگی کا کچھ اعتبار نہیں اور تمہاری آہستگی کہ ابھی باتوں ہی باتوں میں تم تلوار کھینچنے لگے تھے۔

نصوح: میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ کسی طرح کی سختی نہیں کروں گا۔

فہمیدہ: پھر بھی کیا ہوا۔ تمہارا دخل دینا مناسب نہیں۔ آخر ایک آدمی گھر میں ایسا بھی ہونا چاہیے کہ چھوٹے بڑے سب اس کا لحاظ کریں اور فرض کرو کہ تم گئے اور رنج اس کا تازہ ہے' اس نے نہ مانا تو پھر بڑی دشواری پڑے گی اور اس کو یہ شرم دامن گیر ہوگی کہ دیکھو' باپ تک مجھ کو سمجھا کر ہار گئے اور میں نے کسی کا کہنا نہ مانا' اب جو من جاؤں گی تو باپ جی میں کیا کہیں گے۔

Marfat.com

نصوح: اچھا تم ایک تدبیر کرو۔ اس کی سہیلیوں میں سے کوئی سمجھ دار ہے' تو اس کو بھلا بھیجو۔ وہ سمجھا بجھا کر راضی کر لے گی۔

فہمیدہ: ہاں یہ ایک معقول تدبیر ہے۔ میں اپنی بھانجی صالحہ کو بلاتی ہوں۔ دونوں ہم عمر ہیں اور دونوں کی ملی بھگت بھی بہت ہے۔

نصوح: بس تمہارے انتخاب پر میرا اصاد ہے۔ تمہاری بہن کے گھر نماز روزے کا خوب چرچا رہا کرتا ہے۔ جمعے کے جمعے وعظ ہوتا ہے۔ صالحہ کے خیالات ضرور دین دارانہ خیالات ہوں گے۔

فہمیدہ: اللہ اکبر! ان کے گھر کی دین داری ضرب المثل ہے۔ ہماری بہن' اللہ رکھے' اتنی بڑی نمازن ہیں کہ انہوں نے اپنے ہوش میں تو کسی وقت کی نماز قضا نہیں کی۔ اتنا تو بال بچوں کا بکھیڑا ان کے ساتھ ہے اور خدا کی مرضی گھر میں سدا تنگی رہتی ہے' سب کام کاج بے چاری کو اپنے ہی ہاتھوں سے کرنا پڑتا ہے لیکن پنج وقتی نماز اور فی بشوق کی منزل کیا امکان کہ قضا ہو۔

نصوح: سبحان اللہ! وہی لوگ بڑے خوش قسمت ہیں۔ دنیا کے فقیر دین کے امیر۔

فہمیدہ: اور لطف یہ کہ ہر وقت ہشاش بشاش۔ کبھی عسرت کی شکایت یا تنگ دستی کا گلہ کرتے ہم نے ان کو سنا نہیں اور چھوٹے بڑے سب مستغنی اور سیر چشم۔ ہم کو اتنا تو خدا نے دے رکھا ہے لیکن میں سچ کہتی ہوں' کہیں شادی بیاہ میں کسی بیوی کو اپنے سے بہتر زیور یا کپڑا پہنے دیکھتی ہوں تو ضرور میرا جی کڑھتا ہے اور بچوں کا بھی یہی حال ہے۔ کوئی چیز کسی کے پاس ذرا دیکھ پائیں' جب تک ویسی ہی موجود نہ ہو جائے میری جان کھا جائیں لیکن ہماری بہن کے دل میں کبھی ایسا خیال ہی نہیں آیا۔ اگر ان کو مجھ پر حسد ہوتا تو موقع تھا لیکن میرے اور میرے بچوں کے زیور اور کپڑے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی ہیں اور ہر چیز پر کہے جاتی ہیں۔ ماشاء اللہ' چشم بد دور' اللہ زیادہ دے' اللہ نصیب کرے۔ بچے ہیں کہ دنیا کی نعمت ان کے سامنے رکھ دو' آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

نصوح: "سچ ہے" "الغنی غنی النفس" "تونگری بہ دل است نہ بہ مال۔ دنیا کے مال و حشمت کی ان کی نظر میں وقعت ہی نہیں تو پھر حسد کیوں کریں۔

Marfat.com

فہمیدہ: اور مجھ سے اور میرے بچوں سے اس قدر محبت کرتی ہیں کہ ڈولی سے اترتی ہیں تو اوپر تلے بلائیں لیے چلی جاتی ہیں۔ بلکہ مجھ کو ان کے بچوں سے ذرا بھی انس نہیں۔

نصوح: ان کی یہ محبت و ہمدردی خدا پرستی کی وجہ سے ہے اور کچھ تمہاری تخصیص نہیں' سب کے ساتھ ان کی یہی کیفیت ہوگی۔

فہمیدہ: بچوں کو ایسا سدھار رکھا ہے کہ کبھی آپس میں لڑتے ہی نہیں۔ ایک ہمارے بچے ہیں کہ ایک دم کو ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔

نصوح: یہ ان کی تعلیم و تلقین کا نتیجہ اور ان کے اپنے عمدہ نمونے کا اثر ہے۔ مگر تم ان کو اکثر مہمان بلا کر اپنے یہاں رکھا کرو گھر پر بھی ان کا پرتو پڑے۔

فہمیدہ: ہماری بہن غیرت مند بڑی ہیں۔ میں نے کئی بار ان سے کہا تو یہی جواب دیا کہ میرے ساتھ بکھیڑا بہت ہے۔ تمہاری سسرال والے نہیں معلوم دل میں کیا سمجھیں' کیا کہیں' اس سے میرا آنا نہیں ہوسکتا۔ خدا کرے کہ تم بیٹے بیٹیوں کی شادیاں کرو' بیاہ کرو تو دیکھو بے بلائے پہنچتی ہوں یا نہیں۔

نصوح: کوئی سامان ایسا نہیں ہوسکتا کہ ان کو فکر معاش سے فارغ البالی ہو۔

فہمیدہ: وہ ہمارے بہنوئی صاحب کچھ اس کی پیروی ہی نہیں کرتے۔ ان کا یہ مقولہ ہے کہ جتنا ہم کو اب ملتا ہے بس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے کافی ہے۔

نصوح: گھر میں تکلیف رہا کرتی ہوگی۔

فہمیدہ: تکلیف ہونی ہی چاہیے۔ بیس روپے مہینے کی نوکری اور ہمارے بہنوئی کی سی احتیاط۔ اللہ رکھے' اتنا بڑا کنبہ' مگر جیسا میں نے تم کو کہا جب سنا ان کو شکر گزاری ہی کرتے سنا اور کچھ خدا نے برکت بھی ایسی دی ہے کہ کپڑا لتا' گہنا پاتا' سامان ظاہر حیثیت کے موافق کچھ برا نہیں۔ کسی کے قرض دار نہیں۔ نیوتا بیوہار کے ایسے کھرے کہ اگر کسی نے ان کے گھر ایک روپیہ دیا ہوگا تو انہوں نے دو ضرور دیے ہوں گے۔ غرض کنبے اور برادری میں بھی کسی سے شرمندہ نہیں۔

نصوح: بڑی ہی اچھی زندگی ہے۔

فہمیدہ: اس میں شک نہیں۔ کیسی ہی مصیبت ہو' میں نے ان کو مضطر اور بے قرار نہیں

Marfat.com

دیکھا۔ ہر بات میں اللہ پر توکل' خدا پر بھروسا۔

نصوح: مجھ کو حیرت ہے کہ تم دونوں سگی بہنیں اور عادتوں میں اتنا تفاوت۔

فہمیدہ: ماں کے گھر تک تو میرا بھی یہی حال تھا۔ انہوں نے ہم دونوں کو یکساں سکھایا' برابر پڑھایا۔ مگر برا مت ماننا' جب میں تمہارے پلے بندھی' تمہارے گھر میں آ کر جو دیکھا تو دین کا کچھ تذکرہ نہ کیا۔ رفتہ رفتہ نماز وغیرہ کی سب عادتیں چھوٹ گئیں۔ ہماری ماں' خدا جنت نصیب کرے بڑی دیندار تھیں۔ جب دلہن کو رخصت کرتے ہیں تو دستور ہے کہ بیٹی کی ماں' بیٹے کی ماں سے کہا کرتی ہے کہ میں تمہاری خدمت کو یہ لونڈی دیتی ہوں۔ ہماری ماں نے مجھ کو اب تک یاد ہے' رخصت کرتے وقت اماں جان سے کہا کہ دیکھو بوا! میری لڑکی نے آج تک نماز قضا نہیں کی۔ اب میں اس کو تمہارے سپرد کرتی ہوں۔ اتنا خیال رکھنا کہ اس کی نماز قضا نہ ہو' ورنہ میں بری الذمہ ہوں۔ اس کا وبال اس پر ہوگا یا تمہاری گردن پر۔ جب میں نئی نئی بیاہ کر آئی تو شرم کے مارے اٹھتی میں نہ تھی' چلتی پھرتی میں نہ تھی۔ تمام کنبے کی عورتیں ایک دم کو مجھ سے الگ نہ ہوتی تھیں کہ میں تنہائی پا کر دو رکعت نماز پڑھ لیتی اور باوجودے کہ میری ماں نے چلتے چلتے اماں جان سے کہہ دیا تھا مگر انہوں نے بھی کچھ خیال نہ کیا۔ بس اسی دن سے میری نماز جانی شروع ہوئی۔ دو چار دن تو دل کو افسوس رہا۔ ہوتے ہوتے عادت چھوٹ گئی اور ایسی شامت کی مار آئی کہ پھر مجھ کو نماز نہ پڑھنے کا رنج بھی نہیں ہوتا تھا۔ غرض دنیا کی چند روزہ شرم نے مجھ کو پکی بے دین بنا دیا اور میری وہی کہاوت ہوئی کہ جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم لیکن چونکہ نماز کی خوبی بچپن سے ذہن میں بیٹھ چکی تھی اب بھی اتنا تھا کہ جس دن سر دھویا' دو چار وقت کی نماز ضرور پڑھ لیا کرتی تھی یا کوئی بال بچہ بیمار ہوا تو نماز پڑھنے لگی۔ جب خدا نے اس تردد کو رفع کر دیا پھر چھوڑ دی۔ اب البتہ میں نے مصمم عہد کر لیا ہے کہ برابر نماز پڑھوں گی۔ خدا میرے قول کو پورا کرے۔

نصوح: ''آمین' ثم آمین۔''

اس کے بعد فہمیدہ نے نیچے اتر کر فوراً صالحہ کے واسطے ڈولی بھیجی اور لونڈیوں سے کہہ دیا کہ کہار سواری لے آئیں تو چپکے سے مجھ کو خبر کر دینا۔

Marfat.com

## فصل ششم

# نصوح اور منجھلے بیٹے علیم کی گفتگو

نصوح نے نمازِ عصر سے فارغ ہو کر منجھلے بیٹے علیم کو بچھوایا کہ دیکھو مدرسے سے آئے یا نہیں۔ معلوم ہوا کہ ابھی آئے ہیں اور کپڑے اتار رہے ہیں۔ تو کہلا بھیجا کہ اپنی ضرورتوں سے فارغ ہو کر ذرا میرے پاس ہو جائیں۔ تھوڑی دیر میں علیم مدرسے کا لباس اتار کتابیں ٹھکانے سے رکھ باپ کی خدمت میں جا حاضر ہوا۔ دیکھتے ہی باپ نے کہا ''آؤ صاحب! آج کل تو میں نے سنا ہے کہ تم کو بہت ہی محنت کرنی پڑتی ہے۔

بیٹا: ''ششماہی امتحان قریب ہے' اسی کے واسطے کچھ تیاری کر رہا ہوں۔ دن تھوڑے سے رہ گئے ہیں اور کتابیں دیکھنے کو بہت باقی ہیں۔ ہر چند ارادہ کرتا ہوں کہ رات کو گھر پر کتاب دیکھا کروں مگر بن نہیں پڑتا۔ لوگ جو بھائی جان کے پاس آ کر بیٹھتے ہیں' ایسی اودھم مچاتے ہیں کہ طبیعت اچاٹ ہوئی چلی جاتی ہے۔

باپ: پھر تم کچھ اس کا انسداد نہیں کرتے؟

بیٹا: اس کا انسداد میرے اختیار سے خارج ہے اور رات زائگاں جاتی ہے۔ دن کو البتہ میں نے مکان کا رہنا ہی چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی اور اپنے کسی ہم جماعت کے یہاں چلا گیا۔''

باپ: اور بڑے امتحان کے واسطے بھی کچھ تیاری کر رہے ہو؟

بیٹا: ابھی اس کے بہت دن پڑے ہیں۔ اس سے فارغ ہو کر دیکھا جائے گا۔

باپ: کیا اس کا کوئی وقت مقرر ہے؟

بیٹا: جناب ہاں۔ بڑے دن کی تعطیل کے قریب ہوا کرتے ہیں۔

باپ: نہیں نہیں' تم نے میری مراد کو نہیں سمجھا۔ میں حسابِ آخرت کو بڑا امتحان کہتا ہوں۔ کیا وہ بڑا امتحان نہیں ہے؟

بیٹا: کیوں نہیں۔ سچ پوچھیے تو سب سے بڑا سخت امتحان وہی ہے۔

Marfat.com

باپ: تو میں جب تمہارے ان دنیاوی چھوٹے چھوٹے امتحانوں کی خبر رکھتا ہوں تو کیا اس بڑے سخت امتحان کی نسبت میں نے تم سے پوچھا تو کچھ بے جا کیا؟''

بیٹا: جناب میں تو نہیں کہتا کہ آپ نے بے جا کیا۔ ایسا کہنا میرے نزدیک گستاخی اور گناہ دونوں ہے۔''

باپ: اچھا تو میں سننا چاہتا ہوں کہ تم اس بڑے سخت امتحان کے واسطے کیا تیاری کر رہے ہو؟

بیٹا: جناب سچ تو ہے کہ میں نے اس امتحان کے واسطے مطلق تیاری نہیں کی۔

باپ: کیا یہ غفلت نہیں ہے؟

بیٹا: جناب! غفلت بھی پرلے درجے کی غفلت ہے۔

باپ: لیکن جب تم ایسے دانشمند ہو کہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے امتحانوں کے لیے مہینوں اور برسوں پہلے سے تیاری کرتے ہو تو اس سخت امتحان سے غافل رہنا بڑے تعجب کی بات ہے۔

بیٹا: شامت نفس۔

باپ: لیکن تمہاری غفلت کا کچھ اور بھی سبب ضرور ہوگا۔

بیٹا: سبب یہی ہے' میری سہل انگاری۔

باپ: تم جواب دیتے ہو لیکن صرف لفظوں کو پھیر پھار کر۔ میں نے تم سے غفلت کا سبب پوچھا اور تم نے کہا کہ سہل انگاری اور سہل انگاری اور غفلت ایک ہی چیز ہے۔ تو گویا تم نے غفلت کو غفلت کا سبب کہا۔

بیٹا: شاید گھر میں دین داری کا چرچا نہ ہونے سے میری غفلت کو ترقی ہوئی ہو۔

باپ. بے شک' یہی سبب ہے تمہاری غفلت کا اور میں نے تم سے کھود کھود کر اسی لیے دریافت کیا کہ جہاں تک تمہاری غفلت میری بے پروائی کی وجہ سے ان کا الزام مجھ پر ہے اور ضرور ہے کہ میں تمہارے روبرو اس کا اقرار کروں اور تم چھوٹے ہو کر مجھ کو ملامت کرو۔

بیٹا: نہیں جناب! قصور سراسر میرا ہے۔ مجھ کو خدا نے اتنی موٹی بات کے سمجھنے کی عقل دی

Marfat.com

تھی کہ مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور میرے پیدا کرنے سے صرف یہی غرض نہیں ہونی چاہیے کہ میں جانوروں کی طرح کھانے اور پانی سے اپنا پیٹ بھر کر سو رہا کروں۔

باپ. تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمہاری دینی معلومات بھی کم درجے کی نہیں ہے لیکن نہ تو میں نے دین کے مسائل تم کو خود سکھائے اور نہ ان کے سیکھنے کی کبھی تاکید کی۔ مدرسے میں تاریخ و جغرافیہ اور ہندسہ و ریاضی کے سوائے کوئی دوسری چیز پڑھاتے نہیں۔ پھر دینی معلومات حاصل کی تو کہاں سے کہاں کی؟

بیٹا: اس میں شک نہیں کہ میں نے چھوٹی سی عمر میں قرآن پڑھا تھا لیکن وہ دوسرے ملک کی زبان میں ہے۔ طوطے کی طرح اول سے آخر تک پڑھ گیا' مطلق سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا لکھا ہے اور کیا اس کا مطلب ہے۔ پھر مکتب میں گیا تو وہاں بھی کوئی دین کی کتاب پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا۔ قصے کہانی' ان میں بھی اکثر بری بری باتیں۔ یہاں تک کہ جن دنوں میں بہار دانش پڑھتا تھا۔ ایک پادری صاحب چاندنی چوک میں سر بازار وعظ کہا کرتے تھے۔ مکتب سے آتے ہوئے لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر میں بھی کھڑا ہو جاتا تھا۔ پادری صاحب کے ساتھ کتابوں کا بھی ایک بڑا بھاری ذخیرہ تھا اور اکثر لوگوں کو اس میں سے کتابیں دیا کرتے تھے۔ ہمارے مکتب کے کئی لڑکے بھی کتابیں لائے تھے۔ انہوں نے کتاب کی جلد تو اکھاڑ لی اور ورقوں کو یا تو پھاڑ کر پھینک دیا یا پٹھے بنائے۔ کتابوں کی عمدہ عمدہ جلدیں دیکھ کر مجھ کو بھی لالچ آیا اور میں نے کہا' چلو ہم بھی پادری صاحب سے کتاب مانگیں۔ مکتب سے اٹھ میں سیدھا پادری صاحب کے پاس چلا گیا۔ بہت سے لوگ ان کو گھیرے ہوئے تھے۔ ان میں ہمارے مکتب کے بھی دو چار لڑکے تھے۔ لوگ ان کے ساتھ کچھ مذہبی بحث کر رہے تھے۔ اس کو میں نے خوب نہیں سمجھا مگر ایک بات تھی کہ اکیلے پادری صاحب ایک طرف تھے اور ہندو' مسلمان' سینکڑوں آدمی ایک طرف۔ لوگ ان کو بہت سخت سخت باتیں بھی کہتے تھے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو ضرور لڑ پڑتا مگر پادری صاحب کی پیشانی پر چین بھی تو نہیں آتی تھی۔ سخت بات سن کر الٹے مسکرا دیتے تھے۔ لڑکے ایک شیطان ہوتے ہیں۔ تھوڑی دیر تک تو کھڑے سنتے رہے' چلنے لگے تو ان میں سے ایک نے کہا: ''لولو ہے بے' لولو ہے۔'' اس کی یہ بات سب لوگوں کو

Marfat.com

ناگوار ہوئی اور دو چار آدمیوں نے اس کو مارنے کے لیے تھپڑ بھی اٹھائے۔ پادری صاحب نے روکا اور منع کیا کہ خبردار! اس سے کچھ مت بولو۔ لولو موتی کو بھی کہتے ہیں۔ شاید اس نے یہ سمجھ کر کہا ہو تو اس کو انعام دینا چاہیے۔ پادری صاحب کی اس بات نے مجھ پر کیا' شاید سب لوگوں کے دل پر بڑا ہی اثر کیا اور جب شام ہوئی' لوگ رخصت ہوئے تو کئی آدمی آپس میں کہتے جاتے تھے کہ بھائی اس شخص کا عقیدہ چاہے کیا ہی ہو لیکن حلم اور بردباری' یہ صفت اس میں اولیاء اللہ کی سی ہے۔

غرض پادری صاحب تو وعظ میں مصروف تھے اور میں اپنی تاک میں تھا کہ بھیڑ ذرا کم ہو یا پادری صاحب کا سلسلہ سخن منقطع ہو تو کتاب مانگوں لیکن نہیں معلوم پادری صاحب کو میرے قیافے سے یا کس طرح معلوم ہو گیا کہ میں کچھ ان سے کہنا چاہتا ہوں۔ آپ ہی پوچھا کہ صاحبزادے تم کچھ مجھ سے کہو گے؟ میں نے کہا کہ آپ سب کو کتابیں دیتے ہیں' ایک کتاب مجھ کو بھی دیجیے۔ پادری صاحب ''بہت خوب اس الماری میں سے تم ایک کتاب پسند کر لو۔'' میں نے سنہری جلد کی ایک بڑی موٹی سی کتاب چھانٹی تو پادری صاحب نے کہا کہ مجھ کو اس کے دین میں کچھ عذر نہیں لیکن تم اس کو پڑھ بھی سکو گے۔ کون سی کتاب تم پڑھتے ہو؟ میں نے کہا ''بہار دانش'' پادری صاحب ''بھلا تمہارا آج کا سبق میں بھی سنوں'' میں نے جزدان سے کتاب نکال پڑھنا شروع کیا۔ اس دن کا سبق بھی کم بخت ایسا فحش اور بے ہودہ تھا کہ لوگوں کے مجمع میں مجھ کو اس کا پڑھنا دشوار تھا۔ بہ مشکل کوئی دو تین سطریں میں نے پڑھی ہوں گی کہ پادری صاحب نے فرمایا بے شک تم نے جو کتاب پسند کی ہے اس کو بہ خوبی پڑھ سکو گے اور وہ کتاب تم کو خوشی سے دیتا ہوں لیکن میں افسوس کرتا ہوں کہ کیوں میں نے تم کو ایسی کتاب کے پڑھنے کو کہا جس کے پڑھنے سے تم اور سننے سے میں اور سب صاحب جو کھڑے ہوئے ہیں' خدا کے گنہ گار ہوئے۔ خدا ہم سب کی خطا معاف کرے اور تم چاہے میری دوسری بات مانو یا نہ مانو لیکن اس کتاب کو چھوڑ دو کہ اس کا مطلب تمہارے مذہب کے بھی بالکل خلاف ہے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ایسے پڑھنے سے نہ پڑھنا تمہارے حق میں بہت بہتر ہے۔ یہ کتاب جو تم پڑھتے ہو' تم کو گناہ اور برائی سکھاتی اور بداخلاقی اور بے حیائی

Marfat.com

کی خراب راہ دکھاتی ہے۔'' باوجودے کہ لوگ پادری صاحب کی ہر ہر بات کو کاٹتے تھے مگر اس کو سب نے تسلیم کیا۔

پادری صاحب سے جو کتاب میں مانگ کر لایا تھا اس کا نام تو مجھ کو معلوم نہیں مگر سلیس اردو میں کسی خدا پرست اور پارسا آدمی کے حالات تھے۔ اگرچہ فی الواقع' میں اس کتاب کو جلد ہی کے لالچ سے لایا تھا لیکن میں نے کہا لاؤ میں دیکھوں تو اس میں کیا لکھا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کو دیکھنا شروع کیا۔ جوں جوں میں اس کتاب کو پڑھتا جاتا تھا' میرا دل اس میں لگتا تھا اور اس کی باتیں مجھ کو بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ اس کتاب کے پڑھنے سے مجھ کو معلوم ہوا کہ میرا طرز زندگی جانوروں سے بھی بدتر ہے اور میں روئے زمین پر بدترین مخلوقات ہوں۔ اکثر اوقات مجھ کو اپنی حالت پر رونا آتا تھا اور گھر والوں کا وتیرہ دیکھ دیکھ کر مجھ کو ایک وحشت ہوتی تھی یا تو میری یہ کیفیت تھی کہ مصیبت مند لوگوں کو دیکھ کر ہنسا کرتا تھا یا اس کتاب کی برکت سے دوسروں کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھنے لگا۔

مکتب اور بہادرِ دانش دونوں کو میں نے اسی دن سلام کیا تھا جس روز کہ پادری صاحب نے مجھ کو نصیحت کی۔ گھر میں اکیلا پڑا ہوا دن بھر اسی کتاب کو دیکھا کرتا۔ مکتب کے لڑکے چند بار مجھ کو بلانے آئے مگر میں نہ گیا۔ آخر خود میاں جی صاحب تشریف لائے اور میں نے جی کو مضبوط کر ان سے صاف کہہ دیا کہ مجھ کو پڑھنا منظور نہیں۔ آپ ان دنوں دکن میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک روز نصیبوں کی شامت' میں نہیں معلوم کہاں چلا گیا۔ میری غیبت میں وہ کتاب بھائی جان کی نظر پڑ گئی اور شب برات کے کوئی چار یا پانچ دن باقی تھے۔ بھائی جان کو پٹاخوں کے واسطے ردی درکار تھی بے تامل کتاب کو چیر پھاڑ کر برابر کر دیا۔ میں نے آ کر دیکھا' بہتیرا سر پٹکا' کیا ہوتا تھا۔ دوڑا ہوا چوک گیا کہ پادری صاحب ہوں تو دوسرا نسخہ لاؤں مگر معلوم ہوا کہ صاحب آگرے چلے گئے ہیں۔ کف افسوس مل کر رہ گیا۔ بھائی صاحب کے دوستوں سے شکایت کی' تو انہوں نے کہا ''میاں شکر کرو کہ وہ کتاب پھٹ گئی' نہیں تو تم کرسٹان ہی ہو گئے ہوتے'' یہ جواب سن کر تو مجھ کو ایک نئی حیرت پیدا ہوئی کہ اگر کرسٹان ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جن کا حال میں نے اس کتاب میں پڑھا تو ان کو برا سمجھنا کیا معنی۔ خیر چندے یہ خیالات رہے۔

Marfat.com

اس کے بعد تو میں مدرسے میں داخل ہوا اور دوسری طرف متوجہ ہو گیا۔ اگر اب میرے خیالات دین و مذہب سے کچھ علاقہ رکھتے ہیں تو یہ صرف اس کتاب کا اثر ہے' ورنہ دین کا کوئی رسالہ بھی مجھ کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔''

باپ: اہل اسلام اور عیسائیوں کے معتقدات میں کچھ اختلاف ہے۔ مگر پھر بھی جس قدر کہ عیسائیوں کا مذہب اسلام سے ملتا ہوا ہے' اتنا کوئی دوسرا مذہب نہیں ملتا۔ قرآن میں کئی جگہ عیسائیوں اور ان کے بزرگان دین قسیسوں اور راہبوں کی تعریف آئی ہے۔ عیسائیوں کی نرم دلی اور خاکساری کی مدح کی ہے۔ ان کی انجیل کلام الٰہی ہے۔ عیسائیوں کے ساتھ مواکلت درست' مناکحت روا۔ غرض' مغائرت کے اہل اسلام عسائیوں کے ساتھ برتتے ہیں' ایک امر نا مشروع ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے مذہب کی عمدہ کتابیں تمہارے دل پر پادری صاحب کی کتاب سے بہتیرا اثر کرتیں۔ خصوصاً جو ضرورت کہ مجھ کو درپیش ہے مجھ کو یقین ہے کہ تمہارا اس کتاب کو دیکھ لینا اس میں بہت کام آئے گا۔ ہمدردی کی جیسی کچھ تاکید ہے' تم نے اس کتاب میں دیکھا ہوگا۔

بیٹا: اگر وہ مذہبی کتاب بھی تو میں جانتا ہوں کہ خاکساری و ہمدردی شرط عیسائیت ہے۔

باپ: شرط عیسائیت بلکہ شرط انسانیت ہے۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

لیکن میں تم سے سننا چاہتا ہوں کہ تم اس فرض کی تعمیل کہاں تک کرتے ہو۔

بیٹا: جناب شاید اگر میں اس کو ہمدردی کہہ سکوں تو مدرسے کا جو لڑکا مجھ سے کچھ پوچھنا یا پڑھنا چاہتا ہے میں اس میں مطلق دریغ نہیں کرتا' گو میرا ذاتی حرج بھی ہو۔ امتحان سالانہ میں مجھ کو نقد روپے ملتے تھے' میں نے ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کیا۔ محلے میں چند آدمی رہتے ہیں جن کو میں محتاج سمجھتا ہوں۔ وقتاً فوقتاً ان کو اس میں سے دیتا رہا بلکہ ایک مرتبہ میں ایک وقت میں بھی مبتلا ہو گیا۔

باپ: وہ کیا؟

Marfat.com

بیٹا: ایک مرتبہ عید کو ایک بڑی بھاری ٹوپی مجھ کو اماں جان نے بنا دی تھی۔ وہی ٹوپی اوڑھے ہوئے میں خالہ جان کے یہاں جاتا تھا۔ میاں مسکین کے کوچے میں پہنچا تو بہت سے چپڑاسی پیادے ایک گھر کو گھیرے ہوئے تھے اور بہت سے تماشائی بھی وہاں جمع تھے۔ یہ دیکھ کر میں بھی لوگوں میں جا گھسا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت غریب بوڑھی سی عورت ہے اور چھوٹے چھوٹے کئی بچے ہیں۔ سرکاری پیادے اس کے میاں کو پکڑے لیے جاتے تھے۔ اس واسطے کہ اس نے کسی بنیے کے یہاں سے ادھار کھایا تھا اور بنیے نے اس پر ڈگری جاری کرائی تھی۔ وہ مرد مانتا تھا کہ قرضہ واجب ہے' مگر کہتا تھا کہ میں کیا کروں' اس وقت بالکل تہی دست ہوں۔ ہر چند اس بے چارے نے بنیے کی اور سرکاری پیادوں کی بہتیری ہی خوشامد کی مگر نہ بنیا مانتا تھا نہ پیادے باز آتے تھے اور پکڑے لیے جاتے تھے۔ لوگ جو وہاں کھڑے تھے انہوں نے بھی کہا "لالہ! جہاں تم نے اتنے دنوں صبر کیا' دس پانچ روز اور صبر کر جاؤ" تو بنیا بولا "اچھی کہی میاں جی! اچھی کہی! برسوں کا نانواں اور روج کی ٹال مٹول۔ بھگوان جانے ابھی تو کھان صاحب کی اجت اتروائے لیتا ہوں۔

وہ شخص جس پر ڈگری جاری تھی' غریب تو تھا لیکن غریت مند بھی تھا۔ بنئے نے جو عزت اتروانے کا نام لیا' سرخ ہو گیا اور گھر میں گھس تلوار میان سے نکال چاہتا تھا کہ بنئے کا سر الگ کر دے کہ اس کی بیوی اس کے پیروں میں لپٹ گئی اور رو کر کہنے لگی "خدا کے لیے کیا غضب کرتے ہو۔ یہی تمہارا غصہ ہے تو پہلے مجھ پر اور بچوں پر ہاتھ صاف کرو۔ کیوں کہ تمہارے بعد تو کہیں بھی ٹھکانا نہیں۔" ماں کو روتا دیکھ بچے اس طرح دھاڑیں مار کر روئے کہ میرا دل ہل گیا اور دوڑ کر سب کے سب باپ کو لپٹ گئے۔ ان کے یہ حالت دیکھ کر خان صاحب بھی ٹھنڈے ہوئے اور تلوار کو میان کر کھونٹی سے لٹکا دیا اور بی بی سے کہا "اچھا تو نیک بخت! پھر مجھ کو اس بے عزتی سے بچنے کی کوئی تدبیر بتا۔" بی بی نے کہا "ہلا سے جو چیز گھر میں ہے' اس کو دے کر کسی طرح اپنا پنڈ چھڑاؤ۔ تم کسی طرح رہ جاؤ تو پھر جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔

Marfat.com

تو! چکی' پانی پینے کا کٹورا' نہیں معلوم کن کن وقتوں کی ہلکی ہلکی بے قلعی دو پتیلیاں' بس یہی اس گھر کی کل کائنات تھی۔ چاندی کی دو چوڑیاں لیکن ایسے جیسے تار' اس نیک بخت عورت کے ہاتھوں میں تھیں۔ یہ سب سامان خان صاحب نے باہر لا کر اس بنئے کے روبرو رکھ دیا۔ اول تو بنیا ان چیزوں کو ہاتھ ہی نہیں لگاتا تھا۔ لوگوں نے بہت کچھ کہا سنا۔ یہاں تک کہ ان سرکاری پیادوں کو بھی رحم آیا۔ انہوں نے بھی بنئے کو سمجھایا۔ بارے خدا خدا کر کے وہ اس بات پر رضامند ہوا کہ پانچ روپے اصل' دو روپے سود' ساتوں کے ساتوں دے دیں تو فارغ خطی لکھ دے لیکن خان صاحب کا کل اثاثہ چار ساڑھے چار سے زیادہ کا نہ تھا۔ تب پھر گھر میں گئے اور بی بی سے کہا کہ ڈھائی روپے کی کسر رہ گئی ہے۔ تو بی بی نے کہا ''اب تو کوئی چیز بھی میرے پاس نہیں' ہاں لڑکی کے کانوں میں چاندی کی گولیاں ہیں۔ دیکھو جوان کو ملا کر پوری پڑے۔''

وہ لڑکی کوئی چھ برس کی تھی۔ بس بعینہٖ جتنی ہماری حمیدہ۔ ماں جوگی اس کی بالیاں اتارنے تو وہ لڑکی اس حسرت کے ساتھ روئی کہ مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور میں نے دل میں کہا کہ الٰہی اس وقت مجھ سے کچھ بھی اس کی مدد نہیں ہو سکتی۔ فوراً خیال آیا کہ ایک روپیہ اور کوئی دو آنے کے پیسے تو نقد میرے پاس ہیں۔ دیکھوں ٹوپی بک جائے تو شاید خاں صاحب کا سارا قرضہ چک جائے۔ بازار تو قریب تھا ہی' فوراً میں گلی کے باہر نکل آیا۔ رومال تو سر سے لپیٹ لیا اور ٹوپی ہاتھ میں لے ایک گوٹے والے کو دکھائی۔ اس نے چھ کی آنکی۔ میں نے بھی چھوٹتے ہی کہا ''لا بلا سے چھ ہی دے۔'' غرض چھ وہ ایک میرے پاس نقد تھا' ساتوں روپے لے میں نے چپکے سے اس عورت کے ہاتھ پر رکھ دیے۔ تب تک پیادے خاں صاحب کو گرفتار کر کے لے جا چکے تھے اور گھر میں رونا پیٹنا مچ رہا تھا۔ دفعتہً پورے سات روپے ہاتھ میں دیکھ کر اس عورت پر شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی اور اس خوشی میں اس نے کچھ نہیں سوچا کہ یہ روپیہ کیسا ہے اور کس نے دیا۔ فوراً اپنے ہمسائے کو روپیہ دے کر دوڑایا اور خود بچوں سمیت دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔ بات کی بات میں خاں صاحب چھوٹ آئے تو بچوں کو کیسی خوشی کہ کودیں

Marfat.com

اور اچھلیں، کبھی باپ کے کندھے پر، کبھی ماں کی گود میں اور کبھی ایک پر ایک۔

اب اس عورت کو میرا خیال آیا اور بچوں سے بولی "کم بختو! کیا اودھم مچائی ہے (اور میری طرف اشارہ کر کے کہا) دعا دو اس اللہ کے بندے کی جان و مال کو جس نے آج باپ کی اور تم سب کی جانیں رکھ لیں، نہیں تو ٹکڑا بھی مانگا نہ ملتا۔ کوئی چچا یا ماموں بیٹھا تھا کہ اس کو تمہارا درد ہوتا اور اس مصیبت کے وقت تمہاری دست گیری کرتا۔ صرف ایک باپ کے دم کا سہارا کہ اللہ رکھے، اس کے ہاتھ پاؤں چلتے ہیں تو محنت سے مزدوری سے، خدا کا شکر ہے، روکھی سوکھی روز کے روز، دو وقت نہیں تو ایک ہی وقت ملے تو جاتی ہے۔ ہمارے حق میں تو یہ لڑکا کیا ہے رحمت کا فرشتہ ہے نہ جان نہ پہچان، نہ رشتہ نہ ناتا اور اس اللہ کے بندے نے مٹھی بھر روپے دے کر آج ہم سب کو نئے سر سے زندہ کیا۔"

وہ بچے جس شکر گزاری کی نظر سے مجھ کو دیکھتے تھے، اس کی مسرت اب تک میں اپنے دل میں پاتا ہوں۔ روپیہ خرچ کرنے کے بعد مجھ کو عمر بھر ایسی خوشی نہیں ہوئی، جیسی کہ اس دن تھی۔ مگر دونوں میاں بیوی کے ذہن میں اس وقت یہ بات نہیں آئی تھی کہ میں نے روپیہ ان کو دے دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ قرض کے طور پر دیا ہے۔ وہ عورت مجھ کو اپنے گھر میں لے گئی اور ٹوٹی سی ایک چوکی پڑی تھی، میں ہر چند منع کرتا رہا، جلدی سے اس کو اپنے ڈوپٹے سے جھاڑ مجھ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میاں سے بولی: نوج کوئی تم جیسا بے خبر ہو۔ کھڑے کیا ہو۔ جاؤ، ایک گلوری بازار سے میاں کے لیے بنوا لاؤ۔

میں: نہیں میں پان نہیں کھاتا۔ تکلیف مت کرو۔

عورت: بیٹا تمہاری خدمت میں اور ہم کو تکلیف؟ جی چاہتا ہے کہ آنکھیں تمہارے تلووں میں بچھا دوں۔ قربان اس پیاری پیاری صورت کے۔ نثار اس بھولی بھالی شکل کے۔ بیٹا! تم یہ بتاؤ کہ تم ہو کون؟

میں: میری خالہ میاں صابر بخش کی سرائے میں رہتی ہیں۔

عورت: پھر بیٹا یہ اپنا روپیہ تم ہم سے کب لو گے؟ ہم اپنا اور بچوں کا پیٹ کاٹیں گے اور تمہارا قرضہ سب سے پہلے ادا کریں گے مگر کام ان دنوں مندا ہے۔ دیں گے تو ہم جس

Marfat.com

طرح بن پڑے گا دو ہی مہینے میں مگر جہاں تم نے اتنی مہربانی کی ہے للہ اتنا سلوک اور کرو کہ دو روپے مہینہ قسط کا لے لیا کرو۔

میں: آپ روپے ادا کرنے کی فکر نہ کیجیے۔ میں نے لینے کی نیت سے نہیں دیے۔

یہ سن کر تمام خاندان کا خاندان اتنا خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کر سکتا اور میں ان میں اس وقعت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جیسے خوش دل اور شکر گزار رعایا میں کوئی بادشاہ یا حلقہ مریدانہ ارادت مند میں کوئی پیر و مرشد۔ اس عورت کے منہ سے مارے خوشی اور شکر گزاری کے بات نہیں نکلتی تھی۔ بار بار میری بلائیں لیتی تھی اور میرے ہاتھوں کو چومتی تھی اور آنکھوں کو لگاتی تھی۔ اس کی بلاؤں میں رومال سر پر سے کھسک گیا تو اس نے دیکھا کہ میرے سر پر ٹوپی نہیں۔ پوچھا تو مجھ کو کہنا پڑا کہ وہی ٹوپی بیچ کر میں نے روپیہ دیا۔ پھر تو اس کا یہ حال تھا کہ بچھی جاتی تھی۔ سات روپیہ کی بھی کچھ حقیقت تھی مگر اس نے مجھے سینکڑوں ہزاروں ہی دعائیں دی ہوں گی۔ اس نے جو اتنی احسان مندی ظاہر کی تو میں الٹا اسی کا ممنون ہوا۔ جس قدر خوشامد کرتی تھی' میں شرمندہ ہوتا تھا اور جتنا وہ عاجزی سے پیش آتی تھی' میں زمین میں پڑا جاتا تھا۔

غرض میں وہاں سے رخصت ہوا تو ٹوپی نہ ہونے کی وجہ سے سیدھا گھر لوٹ آیا۔ عین گلی میں بھائی جان سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے میری ہیئت کذائی دیکھ کر تعجب کیا اور بولے ''ایں کیا ٹوپی کے بدلے چنے لے کھائے؟'' میں نے کچھ جواب نہیں دیا اس واسطے کہ مجھ کو اس بات کا ظاہر کرنا منظور نہ تھا۔ شام کو بھائی جان سے اور اماں جان سے تکرار ہوئی۔ بھائی جان کچھ روپے مانگتے تھے اور اماں جان کہتی تھیں ''بیٹا ان فضول خرچیوں سے گھر کے دن چلے گا؟ لو پرسوں میں نے تم کو چار روپے دیے تم چاروں کے چاروں برابر کیے۔ ناخن بھر چیز تم گھر میں لائے ہو تو بتا دو۔ اتنا چٹور پن' ایسا اسراف!

بھائی جان نے کہا ''میں چٹورا نہیں ہوں' چٹورے تمہارے منجھلے صاحبزادے ہیں جن کو تم بڑا مولوی سمجھتی ہو کہ سر کی ٹوپی تک بیچ کر کھا گئے۔''

اماں جان نے مجھ کو بلا کر پوچھا: میں نے کہا ''اگر بیچ کر کھانا ثابت ہو جائے تو جو

Marfat.com

چور کی سزا وہ میری سزا۔"

اماں جان: "پھر کہیں کھودی؟"

میں: "کھوئی بھی نہیں"

اماں جان: "بھائی تو تو عجب تماشے کا لڑکا ہے۔ بیچی نہیں، کھوئی نہیں، پھر ٹوپی گئی تو کہاں گئی؟

میں: اگر آپ کو میری بات کا اعتبار ہے تو بس سمجھ لیجیے کہ میں نے کہیں اس کو بے جا طور پر صرف نہیں کیا۔

اماں جان: اگر یہی تمہارے لچھن ہیں تو تم نے پڑھ لکھ کر ڈبو دیا۔

میں اس وقت عجب مشکل میں مبتلا تھا۔ ظاہر کرنے کو جی نہ چاہتا تھا اور بے ظاہر کیے بن نہ پڑتی تھی۔

گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

مگر مجھ کو یقین تھا کہ جب میرا معاملہ پاک صاف ہے تو بالفعل بھائی جان کے کہنے اور میرے چپ رہنے سے اماں جان کو ایک بدگمانی سی ہو گئی ہے لیکن کبھی نہ کبھی ضرور ان کے دل سے خدشہ دفع ہو ہی جائے گا اور کچھ نہ ہو گا تو میرے اگلے پچھلے فعلوں کو دیکھ کر اتنا تو سمجھ لیں گی کہ بیٹا بدراہ نہیں ہے، نہیں معلوم ٹوپی کا کیا بھید ہے۔ سو خدا کی قدرت، ایک ہفتہ بھی نہیں گزرا تھا کہ صالحہ بیمار پڑی تو اماں جان اس کی عیادت کو گئیں۔ میں ان کے ساتھ تھا۔ ابھی اماں جان سواری سے نہیں اتری تھیں کہ ادھر سے وہی خان صاحب چلے آ رہے تھے۔ مجھ کو دیکھ کر دور ہی سے دعائیں دینے لگے اور ایسے تپاک اور دل سوزی کے ساتھ میری خیر و عافیت پوچھی کہ جیسے کوئی اپنا بزرگ اور عزیز دریافت حال کرتا ہے۔ خیر میں نے مناسب حالت جواب دیا۔ اماں جان آخر یہ سب باتیں پردے کے اندر بیٹھی سن رہی تھیں۔ اترتے ساتھ ہی مجھ سے پوچھا "علیم! یہ کون شخص تھا جو تم سے باتیں کرتا تھا؟"

میں: یہ ایک خان صاحب ہیں اور میاں مسکین کے کوچے میں رہتے ہیں۔ بس میں اسی

Marfat.com

قدر جانتا ہوں۔

اماں جان: لیکن باتیں تو تم سے ایسے گرویدہ ہو کر کرتے تھے کہ گویا برسوں کی پہچان ہے۔

میں: نہیں شاید ان کو میرا نام بھی معلوم نہیں۔

اماں جان: پھر تمہارے ساتھ ایسے خلوص سے کیوں پیش آئے؟

میں: بعض لوگوں کا دستور ہوتا ہے کہ ذرا سے تعارف سے بھی بڑے تپاک کے ساتھ پیش آیا کرتے ہیں۔

اگرچہ میرے جواب سے اماں جان کی تشفی نہیں ہوئی مگر ان کو اندر جانے کی جلدی تھی، چلی گئیں۔ خان صاحب نے کہیں اپنے گھر میں میرا تذکرہ کیا۔ میں تو گھر چلا آیا مگر گمان غالب ہے کہ ان کی بیوی اماں جان کے پاس گئیں اور میرے اس ٹوپی بیچنے اور روپیہ دینے کا تمام ماجرا بیان کیا۔ پھر جو اماں جان آئیں تو مجھ سے کہنے لگیں ''علیم ہم نے تمہاری چوری آخر پکڑی پر پکڑی'' میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ ''میری چوری؟''

اماں جان: ''ہاں تمہاری چوری''

میں: بھلا میں بھی تو سنوں۔

اماں جان: کیوں؟ تم پہلے ٹوپی کا حال بتاؤ تب مجھ سے اپنی چوری کی حقیقت سنو۔

اتنا کہنے سے میں سمجھ گیا اور ہنس کر چپ ہو رہا۔

باپ: بے شک! جتنی باتیں تم نے بیان کیں داخل ہمدردی ہیں۔ خصوصاً خان صاحب کا قصہ ہمدردی کی ایک اعلیٰ درجے کی مثال ہے لیکن چشمے سے وہ مقامات سیراب ہونے چاہئیں جہاں سے وہ چشمہ نکلا ہے۔ اسی طرح پہلے اپنے عزیز و اقارب، نیکی اور سلوک کے مستحق ہیں۔

بیٹا: میں خدا کا شکر کرتا ہوں کہ میرے قریب کے رشتہ دار میرے سلوک کے حاجت مند نہیں ہیں اور خدا نے ان کو مجھ سے بے نیاز اور مستغنی کیا ہے۔

باپ: کیا سلوک صرف روپے پیسے کے دینے سے ہی ہوتا ہے؟

بیٹا: میں تو ایسا ہی سمجھتا تھا۔

Marfat.com

باپ: نہیں جو جس چیز کا حاجت مند ہے اس کا رفع حاجت کرنا ہمدردی اور نفع رسانی ہے۔ ہمارا خاندان دین داری سے بے بہرہ اور خداشناسی سے بے نصیب ہے اور شیوہ خداپرستی میں ہر ہر تنفس کو تعلیم و تلقین کی حاجت اور وعظ و نصیحت کی ضرورت ہے۔ تم نے اس فرض کو ادا کرنا تو درکنار ابھی تک فرض ہی نہیں سمجھا۔

بیٹا: آپ بجا فرماتے ہیں' مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔

باپ: اور تم سے کہیں زیادہ غلطی میری ہے۔ بہرکیف' اب بھی تلافی مافات کرنی ضرور ہے اور میں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ اپنے گھر میں کسی کو لایعنی طور پر زندگی نہ بسر کرنے دوں۔ اگرچہ اس بات کو نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ اب اصلاح کا وقت باقی نہیں اور میرا عزم' عزم بے ہنگام ہے لیکن اگر تم میری مدد کرو تو میں کامیابی کی بہت کچھ امید کرسکتا ہوں۔

بیٹا: ان شاء اللہ! آپ مجھ کو نافرمان بیٹا اور ناخلف فرزند نہیں پائیں گے۔ مگر مجھ کو حیرت ہے کہ میں آپ کی کیا مدد کرسکوں گا۔

باپ: تمہارا یہی مدد کرنا ہے کہ بس تم دینداری کا نمونہ بن جاؤ اور اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تم نے بہ ضرورت امتحان' موسمی توبہ کر رکھی ہے لیکن مناسب یہ ہے کہ گنجفہ' شطرنج' کنکوا' بٹیریں' مرغ' تمام مشاغل لایعنی کے ترک کا عہد واثق کرو۔

بیٹا: یہ تو سراسر میری منفعت کی بات ہے اور میں اس میں کسی طرح کا انکار کروں تو آپ کی نافرمانی' اپنی خرابی' خدا کا گناہ' دنیا کی بدنامی' عاقبت کی رسوائی' کوئی پہلو بھی تو اچھا نہیں اور اگر بالفرض آپ کوئی ایسی بات بھی فرماتے جس میں میرا نقصان ہوتا' تاہم مجھ کو سوائے تعمیل ارشاد کیا چارہ تھا۔ بندہ اور خدا' غلام اور مالک' رعیت اور بادشاہ' نوکر اور آقا' بیوی اور شوہر' شاگرد اور استاد' بیٹا اور باپ' میں تو جانتا ہوں یہ سب کچھ ایک ہی طرح کی نسبتیں ہیں اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ ان شاء اللہ' میرا طرزِ زندگی آئندہ ایسا ہی ہوگا جیسا آپ کو منظور ہے۔

باپ: بارک اللہ و جزاک اللہ۔ بس تم نے آج مجھ کو مطمئن کردیا۔ خدا تم کو دین اور دنیا دونوں میں سرخرو رکھے۔ اچھا اب جاؤ اپنا کام کرو۔ ذرا اپنے بڑے بھائی کو میرے

Marfat.com

پاس بھیج دینا۔

بیٹا: شاید آپ یہی گفتگو ان سے کرنی چاہتے ہیں۔

باپ: ضرور

بیٹا: اگر بالمشافہ ان سے گفتگو نہ ہوتی تو میرے نزدیک بہتر تھا۔

باپ: تمہارا خوف بے جا نہیں۔ میں کئی کئی دن سے اس بات پر غور کر رہا ہوں۔ آخر کار یہی تجویز ٹھہری کہ ایک دفعہ مجھ کو رودرروا تمامِ حجت کر دینا ضرور ہے۔

Marfat.com

فصل ہفتم

# نصوح نے بڑے بیٹے کلیم کو بلایا اور ہر چند فہمیدہ اور علیم دونوں نے سمجھایا مگر وہ نہ آیا پر نہ آیا

غرض علیم رخصت ہو کر مردانے مکان میں گیا تو میاں کلیم کو پیامِ طلب جا سنایا۔

کلیم: کیا ہے۔ خیرت تو ہے؟ آج کل تو ہم لوگوں پر بڑی عنایت ہے۔

علیم: بھلا کبھی عنایت نہیں بھی تھی؟

کلیم: اس کو کوئی سلیم سے پوچھے۔

اتنے میں سلیم بھی دروازے سے نمودار ہوا۔ مگر اس سے پہلے وہ اپنا سر منڈوا چکا تھا اور اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو بڑے بھائی جان دیکھ لیں' چاہتا تھا کہ چپکے چپکے دبے پاؤں گھر میں گھس جائے لیکن جوں ہی بیچارے نے گھر کے اندر قدم رکھا کہ کلیم نے آواز دی۔ سلیم تو بھائی کی آواز سن کر کانپ اٹھا اور سمجھا کہ سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ مگر منجھلے بھائی کو بیٹھا ہوا دیکھ کر کسی قدر دم میں دم آیا اور پاس آ کر بے پوچھے کہنے لگا کہ ابا جان کے حکم سے میں نے آج بال منڈا دیے۔

بڑا بھائی (منجھلے کی طرف مخاطب ہو کر): ''دیکھیے صورت بہیں حالش مپرس''

ایک شفقت پدری تو یہ ہے کہ بے چارے کی اچھی خاصی صورت کو لے کر بگاڑ دیا اور برسوں کی کمائی خاک میں ملوا دی۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ
ایک وہ ہیں جنہیں تصویر بنا آتی ہے

کیوں سلیم' تمہارا دل تو بالوں کے واسطے بہت کڑھا ہوگا؟

چھوٹا بھائی: میں تو خود ایک مدت سے بالوں کو منڈوا دینے کی فکر میں تھا۔ بلکہ شاید آپ

Marfat.com

کو یاد ہو' ایک مرتبہ سر کھول کر حجام کے روبرو بیٹھ گیا تھا۔ آپ خفا ہونے لگے تو میں اٹھ کھڑا ہوا۔

بڑا بھائی: ''آہا! اب مجھ کو یاد آیا کہ تمہارے ان چار یاروں نے جن کو میں مکر و فریب کے عناصر اربعہ سمجھتا ہوں' تم کو بہکا دیا تھا۔ بھلا ایسے کوڑھ مغزوں کو کالج میں پڑھنے سے فائدہ؟

صحبت عیسیٰ بنائے خر کو انساں کس طرح
تربیت سے واقعی نا اہل دانا کب بنے

چھوٹا بھائی: آپ ناحق ان بے چاروں کو برا کہتے ہیں۔ وہی بات تو ابا جان نے بھی کہی۔

بڑا بھائی: ابا جان نے ابھی بیماری سے اٹھ کر کہی یا کبھی پہلے بھی کہی تھی۔

چھوٹا بھائی: نہیں پہلے تو کبھی کچھ نہیں کہا۔

بڑا بھائی: پھر سمجھ لو کہ ابا جان کو خلل دماغ ہے۔ میں نے تو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ ڈاکٹر نے جو اسہال بند کرنے کی دوا دی ہے' اس سے دماغ کو چڑھ گئی ہیں۔

منجھلا بھائی: یہ کیسی بات آپ کہتے ہیں۔ ابھی میں ابا جان کے پاس سے چلا آتا ہوں۔ دو گھنٹے تک متواتر مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔ میرے نزدیک تو ان کے خیالات پہلے سے کہیں عمدہ اور معقول ہو گئے ہیں۔

بڑا بھائی: سنتا ہوں کہ ان دنوں نماز بہت پڑھا کرتے ہیں۔

منجھلا بھائی: تو کیا اس کو آپ نے خلل دماغ قرار دیا۔

بڑا بھائی: کیا خلل دماغ کے سر میں سینگ لگے ہوتے ہیں۔ بیمار ہو کر اٹھے تھے' کوئی بڑا بھاری جلسہ کرتے کہ شہر میں نام ہوتا۔ اٹھے بھی تو اونگھتے ہوئے۔ دو چار مرتبہ میں نے ان کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ یہ نوری جولاہا تو امام بنتا ہے اور محلے کے سقے' حجام' کنجڑے' مسجد کے مسافر' اس قسم کے لوگ اس کے مقتدی ہوتے ہیں اور ان ہی میں یہ حضرت بھی جا کر شریک نماز ہوتے ہیں۔ بھائی میں تو تم سے سچ کہوں' یہ دیکھ کر مجھ کو اس قدر شرم آتی ہے کہ میں نے ادھر کا رستہ چلنا چھوڑ دیا۔ یہ ملا نے' جو خدا کی قدرت'

Marfat.com

ہمارے ابا جان کے ہم نشین بنے ہیں' اس قدر تو ذلیل اوقات ہیں کہ دعوت کے لقموں اور مسجد کی روٹیوں پر تو ان کی گزر ہے مگر مغرور بھی پرلے ہی سرے کے ہوتے ہیں۔ کبھی راہ میں مڈبھیڑ ہو جاتی ہے' تو خیر یہ تو مجال نہیں کہ سلام نہ کریں لیکن اتنے بڑے ٹرے کہ بندگی' نہ آداب' نہ تسلیم' دور ہی سے السلام علیکم کا پتھر کھینچ مارتے ہیں۔ ہاتھ یہ نہیں اٹھاتے' سر یہ نہیں جھکاتے اور اس پر طرہ یہ کہ سو قدم سے مصافحے کو ہاتھ پھیلا کر لپکتے ہیں۔

دراز دستی ایں کوتہ آستیناں بیں

سلیم! تم کو صرف سر ہی منڈانے کا حکم تھا یا نماز کی بھی ہدایت ہوئی ہے۔

چھوٹا بھائی: جناب نماز کے لیے تو سخت تاکید کی ہے کہ خبردار کسی وقت کی قضا نہ ہونے پائے اور اس کے علاوہ کنکوا اڑانا' شطرنج کھیلنا' جانوروں کی لڑائی میں شریک ہونا' جھوٹ بولنا' قسم کھانا' بے ہودہ بات بکنا' برے لڑکوں میں بیٹھنا' ان سب باتوں سے منع کیا ہے۔

بڑا بھائی: کیوں نہیں تم سے ایک ہی بات کہہ دی کہ مرد رہو۔

منجھلا بھائی: (یہ جملہ سن کر بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا) کیا آپ کے نزدیک ان شرطوں کی تعمیل کرنا اور مرنا دونوں برابر ہیں؟

بڑا بھائی: جب تمام کھیلوں کی ممانعت اور لوگوں سے ملنے اور بات کرنے کی بندی ہوئی تو تم ہی انصاف کرو کہ ایسے جینے اور مرنے میں کیا امتیاز ہو سکتا ہے۔

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

منجھلا بھائی: میں تو سمجھتا ہوں کہ ہماری بالفعل کی زندگی کی نسبت اس طرح کی زندگی جو ابا جان تعلیم کرتے ہیں' روحی مسرت زیادہ ہے۔ اگرچہ میں کھیل کود کی چیزوں میں خصوصاً ان دنوں کم مصروف ہوتا ہوں اس واسطے کہ مدرسے کے کام سے فرصت نہیں ملتی مگر جتنا مصروف ہوتا ہوں' اس سے سوائے کوفت اور کبیدگی کے میں تو کوئی نتیجہ نہیں دیکھتا۔ رہا یار دوستوں کا مشغلہ' سو میں ان میں سے کسی کو کسی کا دوست نہیں سمجھتا۔ بھلا

Marfat.com

کوئی سے دوا ایسے بتایئے جن میں ہر روز تو تو میں میں کی نوبت نہ پہنچتی ہو۔

بڑا بھائی: پھر بھی یہ لوگ ان حجاموں' کنجڑوں اور مسجد کے مسافروں سے بہتر ہیں جو نمازیں پڑھ پڑھ کر شریف بننا چاہتے ہیں۔

زنہار ازاں قوم نہ باشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بہ درودے

منجھلا بھائی: اگر شریف ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ہم اور ہمارے یار دوست ہیں تو میرے نزدیک ایسی شرافت پر کوئی معقول پسند آدمی ناز نہیں کر سکتا۔ کون سی بے ہودگی ہے جو ہم لوگ نہیں کرتے۔ خصوصاً جب کہ اکٹھے ہوں۔ کون سی بے تہذیبی ہے جس کے مرتکب ہم نہیں ہوتے' خاص کر اس وقت کہ ایک دوسرے سے ملیں۔ دھول دھپا' لام کاف' چھیڑ چھاڑ' مار کٹائی' دھینگا مشتی' ہاتھا پائی' کس خاص چیز کا نام لوں۔ ایک جلسہ اور دنیا بھر کی تفقیح' ایک مجمع اور زمانے بھر کی رسوائی۔ نام کے شریف اور پاجیوں کی سی عادت' کہنے کو بھلے مانس اور بازاریوں جیسی طبیعت۔''

بڑا بھائی: چلو خیر معلوم ہوتا ہے کہ تم تو بیعت کرنے کو تیار بیٹھے ہو۔

منجھلا بھائی: تیار کیسا ابھی تو بیعت کیے چلا آتا ہوں۔

بڑا بھائی: سلیم تم اپنی کہو۔

چھوٹا بھائی: جناب! میں ان سے پہلے منڈ چکا ہوں۔

بڑا بھائی: تمہارا منڈنا سند نہیں۔ تمہارا معاملہ

ورنہ ستانی بہ ستم می رسد

کا معاملہ ہے۔ مگر (منجھلے کی طرف اشارہ کر کے) ان کو توڑا تو انہوں نے اپنے نزدیک بڑا کفر توڑا۔ رہ گیا اکیلا میں۔

منجھلا بھائی: آپ اسی وقت تک اکیلے ہیں کہ ابا جان تک نہیں پہنچے۔ گئے اور داخل حلقہ ہوئے۔

بڑا بھائی: اجی بس اس کو دل سے دور رکھیں۔

یاں وہ نشے نہیں جنہیں ترشی اتار دے

Marfat.com

منجھلا بھائی: ابا جان سے ملنا شرط ہے۔

بڑا بھائی: آخر کریں گے کیا؟

منجھلا بھائی: سمجھائیں گے۔

بڑا بھائی:

ع میں نہ سمجھوں تو بھلا کیا کوئی سمجھائے مجھے

منجھلا بھائی: وہ باتیں ہی اس طرح کی کہتے ہیں کہ لوہے کو پگھلائیں، پتھر کو موم بنائیں۔

بڑا بھائی: تو بس میں بھی جا چکا۔

منجھلا بھائی: یہ بات تو آپ کی بالکل نامناسب ہے۔

بڑا بھائی: ہو۔

ع رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار

منجھلا بھائی: لیکن شاید ابا جان نے آپ کو کچھ اور ہی بات کے لیے بلایا ہو۔

بڑا بھائی: اجی تانت باجی راگ پایا۔ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں۔

منجھلا بھائی: اگر ابا جان نے دوبارہ بلوا بھیجا؟

بڑا بھائی: میں جانوں گا کہ ضرور ان کو خلل دماغ ہے۔

منجھلا بھائی: والد! جیسے میرے ویسے آپ کے۔ آپ کو اختیار ہے کہ ان کی شان میں جو چاہیں سو کہیں لیکن اتنا میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ اس اصرار کا انجام اچھا نہیں۔

بڑا بھائی: اتنا میں بھی سمجھتا ہوں لیکن میں اس انجام کی کچھ پروا نہیں کرتا۔

منجھلا بھائی: لیکن اس بگاڑ میں آپ فائدہ کیا سمجھتے ہیں؟

بڑا بھائی: اور میرا نقصان ہی کیا ہے؟

منجھلا بھائی: اگر اور کچھ نقصان نہ بھی ہو تو ابا جان کی ناخوشی کیا کچھ تھوڑا نقصان ہے؟

بڑا بھائی: ع رنج و آزردگی غیر سبب را چہ علاج

منجھلا بھائی: اول تو ابھی آزردگی کی نوبت نہیں آئی لیکن اگر خدانخواستہ آئے گی تو لوگ اس کو بے سبب نہیں کہیں گے اور سبب کی ابتدا آپ کی طرف سے ہوتی ہے کہ انہوں نے بلایا ہے اور آپ نہیں جاتے۔ بھلا دنیا میں کوئی باپ ایسا ہوگا کہ فرزند اس کی نافرمانی

Marfat.com

کرے اور وہ ناخوش نہ ہو۔

بڑا بھائی: ان کو میرے افعال سے بحث کیا اور میرے اعمال سے تعرض کیوں؟

منجھلا بھائی: اول تو میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ آپ سے کیا کہیں گے لیکن مانا کہ وہی کہیں جو مجھ سے اور سلیم سے کہا تو کیا ان کو نصیحت کا اختیار اور ہدایت کا منصب نہیں ہے؟

بڑا بھائی: ہے' لیکن حمیدہ پر' سلیم پر اور تم پر' کیوں کہ تم لوگ بہ طوع خاطر ان کی نصیحت سنی چاہتے ہو۔

منجھلا بھائی: کیوں؟ جیسے ہم ان کے فرزند ویسے آپ۔

بڑا بھائی: میں فرزند کبھی تھا' اب سینگ کٹا کر بچھڑوں میں ملنا میرے لیے عار ہے اور میں اپنے تئیں ان کی حکومت سے مستثنیٰ اور ان کے اختیارات سے آزاد سمجھتا ہوں۔

منجھلا بھائی: لیکن شریفوں میں یہ دستور نہیں ہے کہ اولاد بڑی ہو جائے تو ماں باپ کا ادب ولحاظ اٹھا دے۔ میں دیکھتا تھا کہ ابا جان اس قدر جد مرحوم کا پاس کرتے تھے کہ ان کے سامنے حقہ پینا کیسا' پان کھانے میں بھی ان کو تامل ہوتا تھا کیا آپ نے نہیں دیکھا؟

بڑا بھائی: لیکن میں نے بھی اس وقت تک ابا جان کو الٹ کر جواب نہیں دیا۔

منجھلا بھائی: درست ہے لیکن ''یا بہ آن شور اشوری یا بہ ایں بے نمکی؟''

بڑا بھائی: تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔ اب بھی اگر ابا جان میرے حال سے تعرض نہ کریں تو میں کسی طرح کی نافرمانی یا گستاخی کرنی نہیں چاہتا۔

منجھلا بھائی: تو اس صورت میں کچھ آپ کی اطاعت بھی محمود نہیں ہے۔

بڑا بھائی: میں مدح سے باز آیا۔ مجھ کو میرے حال پر رہنے دیں اور میرے نیک و بد سے معترض نہ ہوں۔

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

منجھلا بھائی: اس کا یہ مطلب کہ آپ ان سے قطع تعلق کر چکے۔

بڑا بھائی: کیا ضرور ہے کہ جب میں پھر لڑکوں کی طرح مکتب میں پڑھوں تب ہی بیٹا کہلاؤں' ورنہ فرزندی سے عاق کیا جاؤں۔

Marfat.com

منجھلا بھائی: کوئی آپ سے مکتب میں پڑھنے کے لیے نہیں کہتا اور یہ بھی امید نہیں ہے کہ ابا جان آپ کی بڑائی کا پاس نہ کریں۔

بڑا بھائی: جب کہ مجھ کو اپنا نیک و بد سمجھنے اور نفع و نقصان میں امتیاز کرنے کی عقل ہے تو مجھ سے یہ کہنا کہ یہ کرو اور یہ مت کرو گویا مجھ کو بے تمیز لڑکا بنانا ہے۔

منجھلا بھائی: کیا انسان کی رائے غلطی نہیں کرتی؟

بڑا بھائی: ایسا احتمال ان کی رائے پر بھی ہو سکتا ہے۔

منجھلا بھائی: تو کیوں نہیں آپ انہی سے جا کر گفتگو کرتے کہ بحث ہو ہوا کر ایک بات قرار پا جائے۔

بڑا بھائی: مجھ کو گفتگو کرنے کی کچھ ضرورت نہیں۔

ہر کسے مصلحت خویش نکوئی داند

منجھلا بھائی: انہی کی ضرورت سہی اور جب کہ آپ کو اپنی رائے پر وثوق ہے پھر آپ بالمشافہ گفتگو کرنے سے گریز کیوں کرتے ہیں؟

بڑا بھائی: دنیا میں کوئی مباحثہ طے ہوا ہے جو یہ ہوگا۔

منجھلا بھائی: ہٹ دھرمی اور تعصب اور سخن پروری نہ ہو تو پھر ہر بحث کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

بڑا بھائی: ہمارے ابا جان کو بھی ایک بات کی زرلگ جاتی ہے۔ اب نماز روزے کا خیال آ گیا ہے تو بس اسی کی دھن ہے۔ چند روز بعد دیکھ لینا' وہی ابا جان ہیں وہی ہم ہیں اور وہی کھیل تماشے ہیں۔

منجھلا بھائی: آپ چونکہ مجھ سے بڑے ہیں' بے شک زیادہ واقفیت رکھتے ہیں لیکن میں بھی ابا جان کے مزاج سے نا آشنا نہیں ہوں۔ اصلاح خاندان کا ان کہ تہہ دل سے خیال ہے اور اس خصوص میں ان کو ایک اہتمام خاص ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کا ارادہ متزلزل اور عزم ناپائیدار ہو اور آپ کے بارے میں جو کچھ ان کو منظور ہو' مگر آپ کے سوا میں تو گھر بھر میں کسی کو نہیں دیکھتا کہ وہ گھر میں رہے اور اپنا پرانا ڈھرا نہ چھوڑے۔

بڑا بھائی: ذرا اماں جان سے اوسیکھ سے دو دو باتیں ہو جائیں تو تم کو ارادے کا

Marfat.com

استحکام اور عزم کا استقلال خود بہ خود معلوم ہو جائے گا۔

چھوٹا بھائی: اماں جان تو آج بڑی خفا بیٹھی ہیں۔

بڑا بھائی: کیوں؟

چھوٹا بھائی: آپ کو نہیں معلوم' آپا جان سے اور ان سے آج بڑی لڑائی ہوئی۔

بڑا بھائی: کس بات پر؟

چھوٹا بھائی: آپا جان لڑکا حمیدہ کو دے کر ہاتھ منہ دھونے چلی گئیں۔ حمیدہ لڑکے کو بٹھا نماز پڑھنے لگی۔ آپا جان نے نماز پڑھتی کو دھکیل دیا۔ اس کی ناک میں تخت کی کیل لگ گئی۔ ڈھیر سا خون نکلا۔ اسی پر تکرار ہونے لگی۔ آپا جان نے کئی مرتبہ توبہ توبہ نماز کو برا کہا۔ اماں جان نے بار بار منع کیا' نہ مانا۔ آخر اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا۔

بڑا بھائی: سچ کہو۔

چھوٹا بھائی: آپ چل کر دیکھ لیجیے۔ آپا جان کوٹھری میں پڑی رو رہی ہیں۔ صبح سے کھانا نہیں کھایا۔

منجھلا بھائی: واقعی کچھ لڑائی ضرور ہوئی ہے۔ میں جو ابا جان کے پاس گیا تو آتے جاتے سب کو چپ دیکھا اور سمجھا کہ بے سبب نہیں ہے۔

بڑا بھائی: کہیں گھر بھرنے متوالی کو دوں تو نہیں کھالی؟ ابھی سے جہاد بھی شروع ہو گیا۔ حمیدہ کا نماز پڑھنا دیکھو اور ذرا سی بات پر بے چاری نعیمہ کے مار کھانے پر خیال کرو۔

منجھلا بھائی: میرے نزدیک تو ان میں سے کوئی بات بھی تعجب کی نہیں۔ حمیدہ نے نماز پڑھی تو کیا کمال کیا۔ باتیں تو بڑی بوڑھیوں کی سی کرتی ہے۔

بڑا بھائی: تو کیا ضرور ہے کہ باتیں بڑی بوڑھیوں کی سی کرے تو نماز بھی بوڑھیوں کی سی پڑھے۔ اس کی عمر گڑیاں کھیلنے اور ہنڈکلھیاں پکانے کی ہے' نہ زہد و مراقبے کی۔

منجھلا بھائی: کیا یہ ایسی مشکل بات ہے کہ حمیدہ اس کو نہیں سمجھ سکتی۔

بڑا بھائی: مار مار کر سمجھایا جائے تو شاید صدرہ اور سمس بازغہ کو بھی کہہ دے گی کہ ہاں میں سمجھ گئی۔

Marfat.com

منجھلا بھائی: لیکن اس کو تو مار نہیں پڑی۔

بڑا بھائی: ایک کو پڑی تو گویا سب کو پڑی۔ جب نعیمہ ہی کو اماں جان نے تھپڑ کھینچ مارا تو اب کس کی عزت رہ گئی۔ بڑی بیٹی' بیاہی ہوئی' صاحب اولاد کو مارنا' یہ شرافت دین دارانہ ہے؟

نے کعبے نے دیر کے قابل
مذہب ان کا سیر کے قابل

سلام ہے ایسے دین کو کہ انسان اپنے آپے سے باہر ہو جائے اور دنیا کے نیک و بد پر کچھ نظر نہ کرے۔ آخر یہ خبر ممکن نہیں کہ اس کی سسرال نہ پہنچے۔ سمدھیانے والے کیا کہیں گے۔ غیرت ہو تو گھر بھر چلو پانی میں ڈوب مریں' حیا ہو تو کنبے میں منہ نہ دکھائیں۔ اسی پر تم مجھ کو ابا جان کے پاس جانے کی رائے دیتے ہو۔ اگر کہیں مجھ پر بھی ایسا ہی دست شفقت پھیر دیا تو پھر۔

ایں منم کار تو میان خاک و خوں بینی سرے

اور مجھ کو نعیمہ کے جان بر ہونے کی بھی امید نہیں۔

ع سن لیجیو کہ آج اگر ہے تو کل نہیں

منجھلا بھائی: اس بات کا مجھ کو بھی تعجب ہے لیکن جب تک اماں جان کے منہ سے کیفیت نہ سن لوں' میں نہیں کہہ سکتا کہ انہوں نے بے جا کیا یا بجا کیا۔

بڑا بھائی: تمہارے ساتھ یہ معاملہ ہوا تھا اور پھر تم بے جا اور بجا میں تردد رکھتے تو میں تم کو خلف الرشید اور فرزند سعادت مند جانتا۔

جس پہ بیتی ہو یہ وہی جانے
جو کہ بے درد ہو وہ کیا جانے

منجھلا بھائی: شاید وقت پر طبیعت کا حال دگرگوں ہو جائے تو خبر نہیں' ورنہ میں تو ماں باپ کی تادیب کو موجب بے حرمتی نہیں سمجھتا۔

بڑا بھائی: شاید ایسی ہی باتوں نے ان کو دلیر کر دیا ہے۔

Marfat.com

منجھلا بھائی: جس کو خدا ماں باپ بناتا ہے تو اس کو اتنی بات کے سمجھنے کی عقل بھی دیتا ہے کہ اولاد پر اس کو کیسے کیسے اختیار حاصل ہیں۔

بڑا بھائی: غرض تمہارے نزدیک ماں باپ کو اختیار ہے کہ اولاد گو بڑی بھی ہو جائے مگر ان کو بے تمیز بچوں کی طرح ماریں پیٹیں تو کچھ الزام نہیں۔

منجھلا بھائی: مجھ سے فتویٰ طلب نہیں ہے کہ ایک عام رائے دوں۔ البتہ اپنے گھر کے اس خاص معاملے میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اماں جان نے جب بہت ہی ضرورت سمجھی ہوگی تو آپا جان پر ہاتھ اٹھایا ہوگا اور فرض کیا کہ اماں جان ہی کی زیادتی سہی تو کیا ایک طمانچے کے مارنے سے ان کی عمر بھر کی شفقتیں اکارت اور سال ہا سال کی نیکی برباد۔

آں را کہ بجائے تست ہر دم کرمے
عذرش بنہ ار کند بہ عمرے ستمے

اب بھی آپا جان کی محبت جو اماں جان کو ہوگی، مجھ کو اور آپ کو اس کا ایک شمہ تو ہو لے۔

بڑا بھائی: غرض جو کچھ ہو:

میرے وحشت خانے میں جوش جنوں کی دھوم ہے
عافیت مفقود اور آسودگی معدوم ہے

بھائی بھائی یہی باتیں کر رہے تھے کہ اتنے میں رسولن نامی لونڈی دوڑی آئی اور علیم سے کہا کہ میاں پوچھتے ہیں، میری بات کا جواب تم نے ہست نیست کچھ نہیں دیا۔

رسولن کو تو علیم نے یہ کہہ کر رخصت کیا کہ تو چل کر کہہ ابھی آتے ہیں اور بڑے بھائی سے کہا کہ ابا جان آپ کے منتظر بیٹھے ہیں، جایئے کھڑے کھڑے ہو آیئے۔

بڑا بھائی: اگر مجھ کو یہ یقین ہوتا کہ میرا جانا اور چلا آنا ایک سرسری بات ہے تو میں اب تک جا کر کبھی کا چلا آیا ہوتا۔

منجھلا بھائی: آپ نے یہ کیوں کر تجویز کر لیا کہ سرسری نہیں ہے۔

بڑا بھائی: خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا۔

منجھلا بھائی: بس شاید ابا جان کو اتنی ہی بات آپ کے منہ سے سننی منظور ہے۔

Marfat.com

بڑا بھائی: ع ہر سخن موقع و ہر نکتہ مکانے دارد

منجھلا بھائی: مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کو تردد کس بات کا ہے۔

بڑا بھائی: میں ان کے مزاج سے خائف اور اپنی عادت سے مجبور ہوں۔

منجھلا بھائی: لیکن جانے میں جس بات کا احتمال ہے نہ جانے میں اس کا تیقن ہے۔

بڑا بھائی: احتمال تم کو ہے' نہ مجھ کو۔ میں سمجھے بیٹھا ہوں کہ بالا خانے پر چڑھا اور آفت نازل ہوئی۔

منجھلا بھائی: میں زیادہ اصرار کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتا۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہے سو کیجیے لیکن اتنا پھر کہے دیتا ہوں کہ اس کا انجام بہ خیر نہیں معلوم ہوتا۔

بڑا بھائی: ع ہر چہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم

منجھلا بھائی: تو پھر میں ابا جان سے کہلائے بھیجتا ہوں۔

بڑا بھائی: یہ تم کو اختیار ہے۔ میں جب ان کے بلانے سے جانا لابد نہیں سمجھتا تو ان کے پوچھنے سے جواب دینے کو کب ضروری جانتا ہوں۔

منجھلا بھائی مایوس ہو کر اٹھا اور تھوڑی دور جا کر پھر لوٹ آیا اور کہنے لگا کہ میرا پاؤں آگے نہیں پڑتا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہوں تو کیا کہوں۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ کا نہ جانا بڑی ہی خرابی برپا کرے گا۔ نہیں معلوم اس وقت آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ جاتے اور ان کی بات نہ مانتے تاہم چنداں قباحت نہ تھی لیکن نہ جانے میں بگاڑ کی ابتدا' فساد کا آغاز' نافرمانی کا شروع آپ کی طرف سے ہوتا ہے۔ تمام دنیا آپ کو الزام دے گی اور سارا جہان آپ پر قصور عائد کرے گا اور چونکہ میں اس کا نتیجہ سرتا سر آپ کے حق میں زبوں سمجھتا ہوں' میں نہیں چاہتا کہ میری اس میں شرکت ہو۔ آپ کا جانا منظور نہیں تو بہتر ہو گا کہ آپ کسی دوسرے کے ہاتھ کہلا بھیجئے۔

بڑا بھائی: لیکن مجھ سے انہوں نے پوچھا نہیں تو میں کیوں کہلا بھیجوں۔

منجھلائی بھائی ایسا روکھا جواب سن کر پھر چلا۔ بے چارہ عجیب ضعطے میں تھا کہ ادھر باپ نے بہ تاکید پوچھ بھیجا ہے تو جواب میں کچھ ہاں یا نہیں کہنا چاہیے اور چونکہ سمجھ چکا

Marfat.com

تھا کہ نہ جانا بھائی کی ہمیشہ تباہی کا موجب ہوگا' اندر سے جی نہیں مانتا تھا کہ اس کی بربادی کی بات منہ سے نکالے۔ اسی گھبراہٹ میں دوڑا ہوا ماں کے پاس گیا اور کہا کہ اماں جان غضب ہوا چاہتا ہے۔ ماں بے چاری نعیمہ کی سوچ میں بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ کوٹھری میں فرش پر ایک حالت سے پڑے پڑے نعیمہ کو سارا دن گزرا۔ نہ تو اس نے سر اٹھایا' نہ کوئی چیز اس کے منہ میں گئی ماں نے گلوریاں خاص دان میں بھروا کر پاس رکھوا دی تھیں' وہ بھی سب اسی طرح رکھی رکھی سوکھا کیں' پانی اور کھانے کا کیا مذکور۔ لڑکا گھڑی دو گھڑی تو چپکا رہا پھر اس نے الگ رونا شروع کیا۔ سارا گھر اس کو سنبھالتا مگر اس نے تالو سے زبان نہ لگائی۔ بہتیرا نانی بہلا پھسلا کر دودھ دیتی مگر گود سے نکل نکل پڑتا تھا۔ نہ اٹھے سکھ' نہ بیٹھے چین۔ سب کو حیران کر مارا۔ دن تو خیر بری بھلی طرح گزر بھی گیا۔ اب عین رات آئی تو یہ جانا کہ قیامت آئی۔ صالحہ کو جو بلوایا تھا تو ایک یوں ہی پیام کہلا بھیجا تھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ آج شام کو گھر میں مولوی صاحب کا وعظ ہے۔ ان شاء اللہ کل بڑے تڑکے صبح نماز پڑھ کر میں پہنچوں گی۔ اسی اضطراب میں میاں علیم نے جو ایک دم سے جا کر کہا کہ غضب ہوا چاہتا ہے' ماں کا کلیجہ دھک سے ہو گیا اور سمجھی کہ نعیمہ کی خیر نہیں۔ گھبرا کر پوچھا: ''کیا؟''

بیٹا: بھائی جان کو ابا جان چار گھڑی دن رہے سے بلا رہے ہیں۔ یہ وقت ہونے آیا' نہیں جاتے ہیں۔ مردانے میں پردہ کرا دوں' آپ ذرا چل کر سمجھا دیجیے۔ شاید مان جائیں۔ میں تو کہہ کر تھک گیا۔

فہمیدہ کا یہ حال تھا کہ نعیمہ سے بدتر اس کی کیفیت تھی۔ لوگوں کے دکھانے کو دستر خوان پر بیٹھ تو گئی تھی مگر ایک دانہ حلق سے نہیں اترا۔ جیسی بیٹھی تھی ویسی ہی منہ جھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بار بار کسی نہ کسی بہانے سے کوٹھری کے پاس جاتی۔ کواڑوں کے پاس کھڑی ہو ہو کر درزوں میں جھانکتی اور نعیمہ کے رونے کی آہٹ لیتی۔ گھر والوں میں سے جو سامنے آ نکلتا اس کو بھیجتی کہ جاؤ ہو سکے تو مناؤ لیکن کسی کو اتنا جبہا نہ تھا کہ کوٹھری کے اندر قدم رکھتا۔ بیدارا جس نے نعیمہ کو پالا تھا اور ہر طرح کا دعویٰ رکھتی تھی' لڑکے کو لے کر

Marfat.com

دودھ پلوانے کے بہانے سے پاس جا کر بیٹھی۔ ابھی منہ سے بات بھی نہ کہنے پائی تھی کہ نعیمہ نے ایسی دولتی چلائی کہ بیدارا کئی لڑھکنیاں کھا کر گیند کی طرح لڑھکتی لڑھکاتی باہر آ کر گری۔ خدا نے خیر کی کہ لڑکا نہالچے سمیت گود سے نکل پڑا ورنہ اتنی دور میں نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جاتا۔ بیدارا کی مدارت دیکھ کر پھر تو جس سے فہمیدہ کوٹھری میں جانے کا نام لیتی وہ کانوں پر ہاتھ دھرتی کہ نہ بیوی' میری ہڈیوں میں تو خدا کی لاٹھی سہارنے کا بوتا نہیں ہے۔ چاہتے سب تھے کہ نعیمہ کو منائیں مگر کوٹھری میں جانے سے ایسے ڈرتے تھے کہ گویا اندر کالی ناگن بیٹھی ہے۔ پاؤں رکھا اور اس نے ڈس لیا۔

باہر اس نے ذرا سے فتنے یعنی نعیمہ کے بچے نے آفت توڑ رکھی تھی۔ اگال دان' پان دان' سینیا بجاتے' کنڈیاں کھڑکاتے' مگر اس عزیز کے کان پر جوں نہ چلتی تھی۔ گود میں لٹاؤ' جھولے میں سلاؤ' کندھے لگاؤ' لیے لیے پھرو مگر کسی طرح اس کو قرار نہ تھا۔ بے زبان بچہ منہ سے بولتا نہیں' چالتا نہیں' برابر روئے جاتا ہے۔ کوئی کیا جانے کہ اس کو کیا تکلیف ہے۔ پہلے تو خیال ہوا کہ کہیں افیم تو نہیں تھوک دی۔ مسور برابر چھوڑ خاصی مٹر جتنی گولی دی' مطلق اثر نہیں۔ جانا کہ ہنسلی جاتی رہی' وہ بھی ملوائی اور دونا چلایا۔ سمجھے کہ پیٹ میں درد ہے۔ دودھ میں سہاگہ گھس کر دیا' پھر بھی نہ چپ ہوا۔ آخر جب خوب ہلاک ہو لیا تو ہار کر' کوئی دو گھڑی دن رہے' نانی کے کندھے لگ کر سو گیا۔ بے چاری بھی دن بھر کی تھکی ماندی' نہار منہ' اس پر دل اداس' طبیعت مغموم' بت کی طرح ایک دیوار سے لگی بیٹھی اونگھ رہی تھی کہ پہلے صالحہ کا جواب آیا۔ اوپر سے میاں علیم' بھائی کا مژدہ لے کر پہنچے۔ سن کر رہی سہی عقل بھی کھوئی گئی۔ تھوڑی دیر تک تو چپ سناٹے میں بیٹھی رہی۔ اس کے بعد اپنے آپے میں آئی اور علیم سے کہا' پھر بیٹا تم نے بڑے بھائی کو کچھ نہ سمجھایا۔

بیٹا: میں نے کتنا کتنا سمجھایا۔

ماں: نعیمہ کا حال تم نے کچھ سنا۔

بیٹا: جی ہاں سنا۔

Marfat.com

ماں: بس خدا نے دونوں کو ایک سانچے میں ڈھالا ہے۔ مجھ کو تو امید نہیں کہ کلیم رو براہ ہو۔ جب اس کو خدا ہی کا خوف اور باپ ہی کا ڈر نہ ہوا تو بھلا میں کون بلا ہوں۔ یوں تو کہتے ہو' چلو میں کہہ سن بہتیرا کچھ دوں گی۔ کیوں علیم' بھلا تمہارے نزدیک میری زیادتی تھی یا نعیمہ کی؟

بیٹا: میں نے مفصل حال تو سنا نہیں لیکن جس قدر سنا اس سے سرتا سر آپا کا قصور معلوم ہوتا ہے اور مجھ کو زیادہ تحقیقات کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ میں نے سنتے کے ساتھ ہی کہہ دیا تھا کہ اماں جان نے جب ایسی ہی سخت ضرورت سمجھی ہوگی تو آپا پر ہاتھ اٹھایا ہوگا۔

ماں: علیم کیا تم سے کہوں۔ خدا کی شان میں ایک ایک بے ادبی کہ معاذ اللہ! میں تو تھرا اٹھی کہ ایسا نہ ہو کہیں چھت گر پڑے اور جان جان کر' منع کرتے کرتے۔

بیٹا: بے شک آپ نے مارا تو بہت واجب کیا۔ خیر آپا کا چنداں اندیشہ نہیں۔ آپ ہی غصہ اتر جائے گا۔ بڑے بھائی کا کھٹکا ہے۔ یہاں کل تک وارانیارا ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ماں: دونوں ایک دوسرے کے قدم برقدم ہیں۔ اس نعیمہ نے کیا وارانیارا کرنے میں کچھ اٹھا رکھا ہے۔ سارا دن گزر گیا' نہ پانی پیا' نہ کھانا کھایا' نہ بچے کو دودھ پلایا۔

بیٹا: بچے کو دودھ نہیں پلایا؟ بھلا اس بے چارے کا کیا قصور؟

ماں: بیدارا ایک دفعہ لے کر گئی تھی۔ بے چاری کے ایسی لات ماری کہ چنچی میں ہلدی تھوپے پڑی کراہ رہی ہے۔

بیٹا: میں چلوں اور سمجھاؤں؟

ماں: نہ بیٹا! اپنی عزت اپنے ہاتھ۔ تم گئے اور چھوٹے تو ہو ہی' کچھ جا بے جا کہہ بیٹھی تو۔ ناحق تم کو برا لگے' کیا فائدہ۔

بیٹا: جب وہ میری بڑی بہن ہیں تو مجھ کو ان کا کہنا برا کیوں لگنے لگا۔

ماں: تو بھی تمہارے جانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ میں نے صالحہ کو بلا بھیجا ہے وہ آئے گی تو اس کو اپنے طور پر ٹھیک ٹھاک کرے گی۔

بیٹا: واقعی یہ آپ نے خوب تجویز کی۔ مگر اب رات ہوگئی' کب آئیں گی؟

Marfat.com

ماں: ان کے یہاں اس وقت وعظ ہے۔ اس نے کہلا بھیجا ہے کہ کل بڑے سویرے پہنچوں گی۔ خیر' جوں توں رات کٹ ہی جائے گی۔

بیٹا: میں صالحہ کو جا کر لے نہ آؤں؟ اتنے میں آپ بھائی جان سے باتیں کیجیے۔

ماں: ماں بہتر تو ہوگا۔ میں نے اس کو یہ حال کہلا نہیں بھیجا ورنہ وہ تو سنتے کے ساتھ دوڑی آتی۔

غرض علیم تو صالحہ کو لینے گیا اور فہمیدہ پردہ کرا مردانے میں پہنچی۔ اتنی ہی دیر میں یہاں تاش کھیلنے شروع ہو گئے تھے۔ فہمیدہ جو گئی تو چاندنی پر تاش کے ورق بکھرے ہوئے پڑے تھے۔ فہمیدہ نے دیکھ کر کہا کہ آگ لگے اس کھیل کو۔ کھیل نہ ہوا بلائے جان ہوا کہ رات کو بھی بند نہیں ہوتا۔

بیٹا: نکما بیٹھا ہوا آدمی کچھ کرے یا نہ کرے۔ ''بے کار مباش کچھ کیا کر''

ماں: بیٹا! خدا نہ کرے کہ تم نکمے ہو۔ کرنے والا ہو تو کام بہتیرے۔ باپ نے تم کو کئی دفعہ بلایا' نکمے تو تھے' تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ جاؤں سن تو آؤں کیا کہتے ہیں۔

بیٹا: بس میں نے یہیں بیٹھے بیٹھے سن لیا۔

ماں: کچھ نہ سنا نہ سنایا۔ جاؤ ہو آؤ۔ یہ اچھی بات نہیں۔

بیٹا: اچھی بات کیا نہیں؟ میں جانتا ہوں جو کہیں گے۔

ماں: تم جانتے سہی مگر جا کر سن لینے میں بیٹا کچھ قباحت ہے؟

بیٹا: ''قباحت سی قباحت ہے' خرابی سی خرابی ہے؟

ماں: میں بھی سنوں؟

بیٹا: اب مجھی سے کہلواتی ہو۔ تم آپ سمجھ جاؤ۔

ماں: میں تو تمہاری پہیلی نہیں سمجھتی۔

بیٹا: ایسی پہیلیاں نعیمہ خوب بوجھتی ہے۔

ماں: خدا کسی کو ایسی الٹی سمجھ نہ دے جیسی نعیمہ کی ہے۔ تم اس کی زبان سنتے ہو کہ خدا تک کا لحاظ اس نے اٹھا دیا۔ نماز کو اٹھک بیٹھک' خدا کی شان میں توبہ توبہ' یہ کلمہ کہ کیسا خدا۔

Marfat.com

بے دین سے بے دین بھی ایسی بات منہ سے نہیں نکالتا۔ ابھی ایک آفت گھر پر آ چکی ہے کہ ایک چھوڑ تین تین مردے اسی گھر سے اٹھے مگر خوف مطلق نہیں' ذرا سا ڈر نہیں۔

بیٹا: وبا بھی ایک مرگ انبوہ تھا۔ اچھے برے سب ہی قسم کے لوگ مرے۔

ماں: تو کیا اچھوں کو مرتا دیکھ کر آدمی برا بن جائے۔

بیٹا: نہیں' میں تو یہ نہیں کہتا کہ برا ہونا اچھا ہے۔

ماں: اس سے بڑھ کر اور کیا برائی ہوگی کہ آدمی خدا کو خدا نہ سمجھے۔

بیٹا: اچھی کہی۔ خدا کو خدا کون سمجھتا۔ نعیمہ کے منہ سے' نہیں معلوم کیوں کر' ایک بات نکل گئی ہوگی۔

ماں: پھر تم کو باپ کے پاس جانے میں کیا تامل ہے؟

بیٹا: میں نے سنا ہے کہ نماز پڑھنے کا قول کراتے ہیں۔ کھیل کود کو منع کرتے ہیں۔

ماں: ابھی تو تم نے کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں۔ تو کیا نماز اس کا حکم نہیں ہے؟

بیٹا: میں یہ بھی نہیں کہتا کہ نماز اس کا حکم نہیں ہے لیکن مجھ سے ایسے حکم کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔

ماں: تو تم نے یہ ناحق کہا کہ میں خدا کو خدا سمجھتا ہوں۔ اگر تم خدا کو خدا سمجھتے تو ضرور اس کا حکم مانتے۔ چلو بیٹا' دنیا اور دین دونوں سے آزاد ہوئے۔ ادھر باپ بلائے اور نہ جاؤ تو گویا باپ کو باپ نہ جانا۔ ادھر خدا فرمائے اور نماز نہ پڑھو' یعنی خدا کو خدا نہ سمجھا۔

بیٹا: مجھ کو حیرت ہے کہ گھر میں کیوں یہ نئے نئے دستور اور قاعدے جاری کیے جاتے ہیں۔ وہی خدا ہے اور وہی ہم سب ہیں' تو جس طرح پہلے سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں' اب بھی رہنے دیں۔ دوسرے کے افعال سے کیا بحث اور کسی کے اعمال سے کیا سروکار؟ اگر کوئی بے دین ہے تو اپنے لیے اور کوئی زاہد اور پرہیزگار ہے تو اپنے واسطے۔

ماں: سروکار کیوں نہیں۔ اولاد کی تعلیم ماں باپ پر فرض ہے۔

بیٹا: پہلے سے فرض تھی یا اب علالت میں کوئی خاص وحی نازل ہوئی ہے۔

ماں: اگر تم ایسی حقارت سے ماں باپ کا ذکر کرتے ہو تو یہ تمہاری سعادت مندی کی

Marfat.com

دلیل ہے! تم تو کتابیں پڑھتے ہو، ماں باپ کا کیسا کچھ ادب لکھا ہے۔ لوگوں میں بھی اس کی ایک کہاوت مشہور ہے۔ با ادب با نصیب۔ بیٹے! تمہارے باپ بے چارے نے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مجھ کو الہام ہوتا ہے یا مجھ پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔

بیٹا: اگر وحی نہیں ہے تو اسی علالت کا اثر ہے۔

ماں: تم باپ تک گئے ہوتے تو کبھی ایسے احتمالات نہ کرتے۔ یہ تمہاری نئی تجویز نہیں ہے۔ تم تو ابتدائے علالت سے باپ کو جنون اور سرسام بتاتے ہو لیکن کیا مجنوں کا یہی کام ہے کہ عاقبت تک کی مال اندیشی کرے؟ دیوانے ایسے ہی ہوتے ہیں کہ آخرت تک کا انجام سوچیں؟ ایک مرتبہ ذرا کی ذرا چل کر ان کی باتیں سنو اور پھر ان کو مجنوں سمجھو تو البتہ میں قائل ہو جاؤں گی۔

بیٹا: کیا میں بھی سلیم ہوں کہ ان کی باتوں میں آ جاؤں گا؟

ماں: ہماری نظروں میں تو تم سلیم سے بھی چھوٹے ہو۔

بیٹا: بس یہ مہربانی نعیمہ کے ساتھ خاص رہے۔

ماں: اگر مہربانی ہی مہربانی ہوتی تو شاید تم کو اس کے کہنے کی نوبت بھی نہ آتی، کیوں کہ مہربانی اسی کے ساتھ کی جاتی ہے جو اس کی قدر کرے اور مہربانی کرنے والے کا احسان مانے، مجبوری تو یہی ہے کہ نری مہربانی نہیں ہے بلکہ اپنی گردن کا بوجھ اور اپنے سر کا فرض اتارنا ہے۔

بیٹا: یہ نیا مسئلہ ہے کہ بڈھے طوطوں کو مار مار کر پڑھایا جائے۔

ماں: تم اپنے تئیں بڈھا سمجھتے ہو؟

بیٹا: میں دودھ پیتا ہوا بے تمیز بچہ سہی لیکن میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے افعال سے تعرض کرے۔ میں اپنا برا بھلا آپ سمجھ سکتا ہوں۔

ماں: ماں باپ اولاد کے بدخواہ نہیں ہوتے۔ ہم لوگ بھی تمہاری ہی بہتری کے لیے کہتے ہیں۔

بیٹا: مجھ کو اپنی بہتری منظور نہیں ہے۔

ماں: میں جانتی ہوں کہ یہ بات تم اس وقت ضد سے کہہ رہے ہو۔ بھلا دنیا میں کوئی بھی

Marfat.com

ایسا ہے جو اپنی بہتری نہیں چاہتا۔

بیٹا: جب میں تمہاری مداخلت اپنے افعال میں نہیں جائز رکھتا تو تم بیٹھے بٹھائے مجھ کو چھیڑنے والی کون؟

ماں: میں تمہاری ماں' وہ تمہارے باپ۔

بیٹا: یہ بھی اچھی زبردستی ہے۔ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ مجھ کو تمہارے ماں باپ ہونے سے انکار نہیں۔ گفتگو اس بات میں ہے کہ تم کو میرے افعال میں زبردستی دخل دینے کا اختیار ہے یا نہیں' سو میں سمجھتا ہوں کہ نہیں۔ تم کہتی ہو کہ ہم بہ مجبوری دخل دیتے ہیں' اس واسطے کہ ماں باپ پر اولاد کا تعلیم کرنا فرض ہے۔ سو اول تو میں اس کو داخل تعلیم ہی نہیں سمجھتا اور مانا کہ داخل تعلیم ہو تو میرے نزدیک صرف دس بارہ برس کی عمر تک اولاد محتاج تعلیم ہے۔ اس کے بعد ماں باپ کو ان کی رائے میں کچھ دخل نہیں۔ وہ اپنا نفع ونقصان خود سمجھ سکتے ہیں۔ اگر یہی منظور تھا کہ میں بڑا ہو کر مسجد کا ملا نا یا قبرستان کا قرآن خواں یا لنگر خانہ خیراتی کا ٹکڑ گدا بنوں' تو شروع سے مجھ کو ایسی تعلیم کی ہوتی کہ اب تک بھلا کچھ نہیں تو میں دو چار حج بھی کر آیا ہوتا۔ پنج آیت میں میری قرآت کی دھوم ہوتی' تراویح میں میرے لہجہ قرآن خوانی کی شہرت۔ کہیں مردہ مرتا جائے نماز مجھ کو ملتی۔ کہیں قربانی ہوتی' کھال میرے پاس آتی۔ صدقے کا میں آڑھتیا ہوتا' زکوٰۃ کا ٹھیکے دار' دعوتوں کا مستحق' خیرات کا حق دار۔ نہ یہ کہ پڑھاؤ کچھ' پوچھو کچھ۔ سکھاؤ اور چیز اور امتحان لو دوسری چیز میں۔ دنیا میں جیسے اور شریف معزز خاندانوں کے بیٹے ہیں' اگر میں سب میں اچھا نہیں تو کسی سے برا بھی نہیں۔ مشاعرے میں میری غزل ساتھ کے مشق کرنے والوں میں سب سے بڑھی چڑھی ہوتی ہے۔ شطرنج میں مرزا شاہ رخ تو خیر پرانے کھیلنے والوں میں ہیں اور حق یہ ہے کہ اچھی شطرنج کھیلتے ہیں' دوسرا کوئی مجھ کو مات کر دے تو البتہ میں اس کی ٹانگ تلے سے نکل جاؤں۔ ہمارے محلے میں میاں وزیر شاہی پیادوں کے جمع دار' بڑے شاطروں میں مشہور ہیں۔ میں فرزیں اٹھا کر ان کے ساتھ کھیلتا ہوں۔ گنجفہ اگرچہ میں کم کھیلتا ہوں لیکن بیٹھ جاؤں تو ایسا بھی نہیں کہ کوئی صفو پر نادری چڑھائے اور قریب قریب یہی حال تاش اور چوسر کا ہے۔ کبوتر جیسے آج ہماری چھتری

Marfat.com

کے دم دار ہیں' شہر میں شاید دو چار جگہ اور ہوں گے۔ پتنگ میں ایسا اڑاتا ہوں کہ ایک دھیلچے سے دو ٹھڈے کی نکل ایک نہیں تو سینکڑوں کاٹی ہوں گی۔ لکھنے سے عار میں نہیں' پڑھنے سے عاجز میں نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ امیروں اور امیرزاروں کا وہ کون سا ہنر ہے جو مجھ کو نہیں آتا۔

قسمت سے تو ناچار ہوں اے ذوق وگرنہ
سب فن میں ہوں میں طاق مجھے کیا نہیں آتا

کل کی بات ہے کہ میری مدح ہوتی تھی اور مجھ کو ہر بات پر شاباش ملتی تھی۔ اب دفعتہ میں ایسے بے ہنر ہو گیا کہ مجھ کو سیکھنے اور تعلیم پانے کی ضرورت ہے۔

ہائے ہم کیا کہیں گے کیا ہو گئے کیا کیا ہو کر

میرا کون سا فعل ہے جو تم کو ابا جان کو معلوم نہیں؟ کیا ابا جان نے میری غزلیں نہیں سنیں؟ میں ان کے ہاتھ کے صاد کیے ہوئے شعر دکھا سکتا ہوں۔ ابھی پورا ایک مہینہ بھی نہیں گزرا کہ شطرنج کا ایک بڑا مشکل نقشہ ابا جان نے کسی اخبار میں دیکھا تھا' اس کو میں نے حل کیا۔ کبوتر اڑاتے تم نے نہیں دیکھے' یا پتنگوں کی لڑائی انہوں نے نہیں سنی؟ کبھی تم نے روکا یا انہوں نے ٹوکا؟ اب یہ نئی بات البتہ سننے میں آئی ہے کہ نماز پڑھو۔ مسجد میں معتکف بن کر بیٹھو۔ کھیلو مت' کسی یار آشنا سے ملو مت۔ بازار مت جاؤ۔ میلے تماشے میں مت شریک ہو۔ بھلا کوئی مجھ سے یہ باتیں ہونے والی ہیں۔

جو دل قمار خانے میں بت سے لگا چکے
وہ کعبتین چھوڑ کر کعبے کو جا چکے

ماں: میں کہتی ہوں کہ جتنی باتیں تم نے کہیں' تمہارے باپ' جن کو تم مجنوں اور مختل الحواس تجویز کرتے ہو' سب پہلے سے سمجھے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کو معلوم ہے کہ تم سے ان عادتوں کا ترک ہونا دشوار ہے اور ابتدا میں تم کو تعلیم نہ کرنے کا تذکرہ کر کے اس حسرت کے ساتھ روتے ہیں کہ دیکھنے والا تاب نہیں لا سکتا۔ غضب تو یہی ہے کہ تم ان تک چلتے نہیں' ورنہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ باپ کے دل کی کیا کیفیت ہے۔ وہ خود قائل ہیں کہ اولاد کا کچھ قصور نہیں۔ ان کے بگاڑ کا وبال' ان کی خرابی کا الزام سب میری گردن

Marfat.com

پر ہے۔ اپنے تئیں کوستے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ان کا باپ تھا یا عدو تھا کہ میں نے جان بوجھ کر ان کا ستیاناس کیا' دیدہ و دانستہ ان کو غارت کیا۔ اب کس منہ سے ان کو سمجھاؤں اور کیوں کر ان سے آنکھیں ملاؤں۔ مگر پھر آپ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر میں نے اپنے فرض کے ادا کرنے میں اب تک کوتاہی کی تو کیا تلافی مافات سے غافل رہنا ترک فرض سے کچھ کم ہے۔ ناچار' اپنے مقدور بھر کوشش کروں گا' مجبور حتی الوسع زحمت اٹھاؤں گا۔

بیٹا: خیر' ایسا ہی فرض کا خیال ہے تو دوسرے بچوں کو اپنی رائے کے مطابق تعلیم کریں' مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دیں۔

ماں: کیا خدانہ خواستہ تم اولاد نہیں ہو؟

بیٹا: ہوں لیکن مجھ سے بھی آخر کہہ نہ چکے۔ بس ان کے ذمے سے فرض ساقط ہو گیا۔

ماں: یہی حجت دوسرے بھی پیش کر سکتے ہیں۔

بیٹا: جھک مارنے کی بات ہے۔ چھوٹوں کو ماننا چاہیے۔

ماں: کیا چھوٹے سدا چھوٹے ہی رہیں گے۔

بیٹا: بڑے ہوئے پیچھے بے شک ان کو بھی آزادی ہونی چاہیے۔

ماں: گھر میں اگر کوئی انتظام کرنا منظور ہو تو جب تک چھوٹے بڑے سب اس کی تعمیل نہ کریں وہ انتظام چل نہیں سکتا۔

بیٹا: چلے یا نہ چلے' بی میں تم سے صاف کہوں' مجھ سے تو یہ نماز روزے کا کھڑاک سنبھلنے والا نہیں۔ یہ سر حاضر ہے' نعیمہ کی طرح چاہو مجھ کو بھی دو چار جوتیاں مار لو۔

ماں: الٰہی! نماز کچھ ایسی مشکل ہے کہ جوتیاں کھانی قبول پر نماز پڑھنی منظور نہیں۔

بیٹا: مجھ کو تو ایسی ہی مشکل معلوم ہوتی ہے۔

ماں: خیر' تم میری اور باپ کی خاطر پڑھ لیا کرنا۔

بیٹا: مجھ سے ہو ہی نہیں سکتی۔

ماں: تو یوں کہو' تم کو باپ کے کہنے کی ضد ہے۔

بیٹا: جو کچھ سمجھو۔

ماں: بھلا پھر اس کا انجام کیا ہوگا؟

Marfat.com

بیٹا: ہوگا کیا۔ بہت کریں گے خفا ہوں گے۔ دو چار دن میں سامنے نہ جاؤں گا۔ آخر تم کہہ سن کر بات کو رفت وگزشت کرا ہی دو گی۔ کیوں بی اماں کرادو گی نا؟

ماں: اگر یہی انجام ہوتا تو میں تم سے اتنا اصرار ہرگز نہ کرتی۔

بیٹا: پھر کیا مجھے پھانسی دلوا دیں گے' مار ڈالیں گے' کیا کریں گے؟

ماں: بھلا بیٹا کوئی کسی کو مار سکتا ہے؟ ایک ذرا ہاتھ لگانے پر تو نعیمہ نے یہ آفت توڑ رکھی ہے کہ اللہ پناہ دے۔ جان سے مارنا تو خدا کا گناہ اور حاکم کا جرم۔

بیٹا: شاید یہ کریں کہ گھر سے نکال دیں۔

ماں: شاید' تم تو بیٹے ہو' ان کو اس بلا کا اہتمام ہے کہ اگر میں بھی ان کی رائے کے خلاف کروں تو تیس برس کا گھر خاک میں ملانے کو تیار ہیں۔

بیٹا: شاید اس ڈر کے مارے تم سب کے سب انہی کی سی کہنے لگے۔

ماں: اس وقت تک تو کسی کے ساتھ کبھی طرح کی سختی کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ باتیں ہی وہ اس غضب کی کرتے ہیں کہ گنجائش انکار باقی نہیں رہتی لیکن ہاں جو تمہاری طرح کوئی کٹ حجتی کرتا تو ضرور بگڑتے۔

بیٹا: میں ان کی خفگی سے تو خیر کسی قدر ڈرتا بھی تھا لیکن گھر سے نکلنے کی بندۂ درگاہ ذرا بھی پروا نہیں کرتے اور گھر کی طمع سے جو نماز پڑھتے ہیں ان کو ہی کچھ کہتا ہوں۔ اپنے کھانے کپڑے پر گھمنڈ کرتے ہوں گے۔ میں ان جیسے دس کو کھانا کپڑا دے سکتا ہوں۔

ماں: باپ بے چارے نے تو یہ بات بھی منہ سے نہیں نکالی۔ تم اپنے دل سے جو چاہو سو کہو۔

بیٹا: نہیں ان کے اصرار سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کپڑے کا ڈراوا دکھا کر وہ چاہتے ہیں کہ دین کا ٹھوگ زبردستی ہم لوگوں کے سر پر لا دیں' سو یہ دل سے دور رکھیں۔ میں خود گھر سے دل برداشتہ ہو رہا ہوں۔ نہیں معلوم کیا سب تھا کہ میں اب تک رہ گیا۔ اگر پہلے ذرا بھی مجھ کو معلوم ہوا ہوتا تو خدا کی قسم' کب کا گھر سے ایسا گیا ہوتا جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور اب دیکھ لینا' دیوانہ را ہوئے بس است۔

ماں: بیٹا تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ باپ تک تم گئے نہیں۔ نہ اپنی کہی نہ ان کی سنی۔ آپ

Marfat.com

ہی آپ تم نے ایک بات فرض کر لی اور اس پر غصہ کرنے لگے۔

بیٹا: درست' چھیڑ چھاڑ میری طرف سے شروع ہوئی یا ان کی طرف سے؟

ماں: اپنی بہتری کی بات کو تم نے چھیڑ چھاڑ سمجھا اور مانا کہ انہی کی طرف سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی سہی تو تم کو گھر سے ناراض ہونے کا سبب؟ گھر میں تو میں بھی ہوں' اللہ رکھے تمہارے بھائی ہیں' بہنیں ہیں' ہم سب نے تمہارا کیا قصور کیا؟

بیٹا: تم سب تو انہی سے ملے ہوئے ہو۔ اچھا اگر تم کو میرا پاس ہے تو میرا ساتھ دو۔

ماں: اگر تمہارے باپ کی زیادتی ہوتی تو بے شک میں تمہاری طرف داری کرتی۔ انسان وہ کام کرے کہ دس بھلے آدمیوں میں بات آ پڑے تو لوگ اس کو الزام نہ دیں۔ فرض کیا کہ تم اتنی ہی بات پر گھر سے خفا ہو کر چلے گئے تو تم ہی کو قصوروار ٹھہرائیں گے۔

بیٹا: لوگ میرے قاضی نہیں' مفتی نہیں۔ میں کسی کی رعیت نہیں۔ جب میں اپنے سگے باپ کے کہنے کی پروا نہیں کرتا تو لگ پڑے بھونکا کریں۔

ماں: بیٹا' دنیا میں رہ کر تو ایسی آزادی نبھ نہیں سکتی۔

بیٹا: اجی ایسی نبھے کہ جیسے کہتے ہیں۔

کیسا اس کو نباہتا ہوں
ان شاء اللہ دیکھئے گا

ماں: کیا تم گھر سے چلے جاؤ گے؟

بیٹا: تو کوئی مجھ کو روک بھی سکتا ہے؟

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں
ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

ں: کیوں' روکنے والی میں بیٹھی ہوں۔ کیا تم پر اتنا بھی حق نہیں ہے؟

یہ کہہ کر فہمیدہ کا دل بھر آیا اور اس پر رقت طاری ہو گئی۔ میں نے تم کو نو مہینے اسی ن کے واسطے پیٹ میں رکھا تھا اور اسی لیے تمہارے پالنے کی مصیبتیں اٹھائی تھیں کہ ب بہار دیکھنے کے دن آئیں تو تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ کلیم! سچ کہتی ہوں' ذرا جا دیکھ' مت تک تو دودھ بخشنے ہی کی نہیں۔

Marfat.com

بیٹا: ع ایں ہم اندر عاشقی بالائے غم ہائے دگر

ماں: بھلا ایسے جانے میں کیا فلاح و برکت ہوگی کہ باپ کو ناراضمند کر کے جاؤ اور ماں کو ناخوش اور بے وجہ بے سبب۔

بیٹا: خیر اب تو یہ دل پر ٹھنی ہے۔ ع سر جائے پہ دردِ سر نہ جائے

اور کچھ خاص کر یہی سبب نہیں۔ مدتوں سے گھر میں بیٹھے بیٹھے میرا دل اکتا گیا تھا اور ہمیشہ خیال آیا کرتا تھا کہ چلو ذرا باہر کی بھی ہوا کھاؤں۔ ع

چل درِ مے کدہ تک ہے حرکت میں برکت

ماں: گھر سے ناراض ہو کر جاؤ گے تو اچھا باپ دادے کا نام تمام شہر میں اچھلے گا۔

بیٹا: جب باپ نے میرا پاس آبرو نہ کیا تو خاندان کی عزت رہے تو بلا سے اور جائے تو بلا سے۔

ماں: باپ دادوں کی عزت تو رہے یا جائے' تم نے گھر سے باہر قدم رکھا اور تمہاری بات دو کوڑی کی ہوئی۔ یہی تمہارے دوست آشنا جو رات دن تمہاری للو پتو میں لگے رہتے ہیں' سلام تک کے روادار تو ہونے ہی کے نہیں' ہمدردی اور غم گساری کا تو کیا مذکور ہے۔

بیٹا: گھر سے نکل کر کیا میں نے دہلی میں رہنے کی قسم کھائی ہے۔ ملک خدا تنگ نیست' پائے مرا لنگ نیست۔ جدھر کو منہ اٹھ گیا۔ چل کھڑے ہوئے۔

ماں: بھلا میں بھی تو سنوں کہ تم نے کون سا ٹھکانا سوچا ہے۔

بیٹا:

جب مے کدہ چھٹا تو پھر اب کیا جگہ کی قید
مسجد ہو' مدرسہ ہو کوئی خانقاہ ہو

ماں: بھلا پھر اس میں خوبی کیا نکلی کہ تم نے عیش چھوڑا' آرام چھوڑا' گھر چھوڑا' عزیز و اقارب چھوڑے اور ان سب کے بدلے ملا تو کیا ملا۔ بدنامی کا خلعت' رسوائی کا خطاب' مفلسی اور محتاجی کا انعام' تکلیف و مصیبت کا پروانہ' تردد و پریشانی کا فرمان۔ موٹی سی موٹی سمجھ اور چھوٹی سے چھوٹی عقل بھی اس کو جائز نہیں رکھتی۔

Marfat.com

بیٹا: ''عقل چہ کتی است کہ پیش مرداں بیاید''۔

ماں: تم تو باپ کو باؤلا اور مجنوں بتاتے تھے مگر باؤلوں کی سی باتیں' دیوانوں کی سی باتیں' دیوانوں کی سی حرکتیں تم خود کرتے ہو' دیکھو کہے دیتی ہوں' بہت پچھتاؤ گے' بہت افسوس کرو گے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم میری بات مانو لیکن جس کو تم اپنے نزدیک معقول پسند اور دانش مند سمجھتے ہو اسے پوچھو' صلاح لو' مشورہ کرو' دیکھو تو کیا کہتا ہے۔

بیٹا: ع رائے اپنی صلاح ہے اپنی۔

ماں: بھلا اتنا تو تم سمجھو کہ میں جو تم سے اتنا اصرار کر رہی ہوں اور اتنی دیر سے تمہارے پیچھے سر کھپا رہی ہوں۔ اس میں کچھ میرا نفع یا تمہارے باپ کا فائدہ ہے؟ اگر تم نیک بنو گے تو کچھ ہم کو بخش دو گے یا کراہ چلو گے تو کچھ ہم سے چھین لو گے؟ مگر خدا نے یہ اولاد کی ممتا کم بخت ایسی ہمارے پیچھے لگا دی ہے کہ جی نہیں مانتا اور دل صبر نہیں کرتا کہ تم کو بگڑے دیکھیں اور نہ روکیں' تم خرابی کے لچھن اختیار کرو اور ہم منع نہ کریں۔

ماں اور بیٹے میں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ بیدارا اندر سے ایک خط لیے ہوئی نکلی اور خط اس نے لا کر کلیم کے ہاتھ میں دے دیا۔ رات کا وقت اور بیدارا کا اندر سے خط لے کر آنا۔ فہمیدہ سمجھ گئی کہ ضرور کلیم کے باپ کا خط ہے۔ جب تک کلیم خط پڑھتا' فہمیدہ چپ بیٹھی دیکھا کی۔ خط پڑھ چکنے کے بعد کلیم چاہتا تھا کہ پھر وہی بات شروع کرے۔ اتنے میں فہمیدہ نے پوچھا ''باپ نے کیا لکھا ہے؟''

بیٹا: ان کو تو جانتی ہو' جس بات کے پیچھے پڑتے ہیں' پہروں کی خبر لاتے ہیں۔ پھر بلایا ہے۔

ماں: صرف بلاوے کا اتنا بڑا بھاری خط۔ ذرا میں بھی دیکھوں۔

فہمیدہ نے خط لے کر پڑھا۔ اس میں لکھا تھا۔

اے جان پدر ارشدک اللہ تعالیٰ۔ میں نے پہلے تم کو علیم اور پھر رسولن کے ہاتھ بلوایا اور تم نہ تو آئے اور نہ معذوری و معذرت کہلا بھیجی' جس سے ظاہر ہے کہ تم نے مجھ کو ہیچ اور میرے حکم کو بے وقعت محض سمجھا۔ اگرچہ میرے نزدیک دنیا کا ضروری سے

Marfat.com

ضروری کام بھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ باپ بلائے اور بیٹا اس کام کے حیلے سے باپ کے پاس حاضر ہونے میں ملک کرے' لیکن اگر کوئی ایسی صورت درپیش تھی کہ تم اس کو میری طلب پر مقدم رکھنا چاہتے تھے تو اس کو مجھ پر ظاہر اور اپنی مجبوری سے مجھ کو مطمئن کرنا بھی تم پر لازم تھا۔

نہ صرف اس نظر سے کہ میں تمہارا باپ ہوں اور تم میرے بیٹے ہو بلکہ آداب تمدن اور اخلاق معاشرت اسی طرح کے برتاؤ کے مقتضی ہیں۔ دنیا کا انتظام جس قاعدے اور دستور سے چلتا ہے' تم اپنے تئیں اس سے بے خبر اور ناواقف نہیں کہہ سکتے۔ ہر گھر میں ایک مالک' ہر محلے میں ایک رئیس' ہر بازار میں ایک چودھری' ہر شہر میں ایک حاکم' ہر ملک میں ایک بادشاہ' ہر فوج میں ایک سپہ سالار' ہر ایک کام کا ایک افسر' ہر فرقے کا ایک سرکردہ ہوتا ہے۔ الغرض ہر گھر ایک چھوٹی سی سلطنت ہے اور جو شخص اس گھر میں بڑا بوڑھا ہے' وہ اس میں بہ منزلہ بادشاہ کے ہے اور گھر کے دوسرے لوگ بطور رعایا اس کے محکوم ہیں۔ اگر ملک کی بدنظمی حاکم ملک کی غفلت اور بے عنوانی سے ہوتی ہے تو ضرور اس گھر میں جو خرابی ہے اس کا الزام مجھ پر ہے اور میں نہایت ندامت اور حسرت کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ اب تک میں بہت ہی غافل بادشاہ اور بڑا ہی بے خبر حاکم رہا ہوں۔ میری غفلت نے میرے ملک کو غارت اور میری سلطنت کو تباہ کر دیا۔ میری بے خبری نے نہ صرف مجھ کو ضعیف الاختیار بنایا بلکہ رعیت کو بھی ایسا سقیم الحال کر دیا کہ اب ان کے پنپنے کی امید نہیں۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے نواب اور رجواڑے سلطان وقت کے حضور میں اپنے ملکوں کی بدنظمی کے واسطے جواب دہی کیا کرتے ہیں اور ان کی غفلت اور بے عنوانی کی سزا ملتی ہے۔ واجد علی شاہ سے سلطنت منتزع ہوئی۔ والی ٹونک مسندِ حکومت سے اتار دیے گئے۔ میں بھی بادشاہ دو جہاں کے حضور میں اپنے گھر کی خرابی کا جواب دہ ہوں اور دوسروں کو سزایاب ہوتے دیکھ کر اب مجھ کو سچا اور پورا تنبہ ہوا ہے اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا ہے کہ آئندہ سے میری خانہ داری کے ملک میں جتنے رخنے ہیں بند اور جتنے خلل ہیں مسدود' جتنے نقص ہیں پورے' جتنے سقم ہیں دفع کیے جائیں۔ بڑی خطرناک

Marfat.com

قباحت ہے جو میں اپنے ملک خانہ داری میں پاتا ہوں' یہ ہے کہ میں اور میری رعایا یعنی تم لوگ شہنشاہ دو جہاں سے سرکشی و بغاوت پر آمادہ و کمر بستہ ہو اور خراج عبادت جو ہم کو وقت مقرر پر ادا کرنا چاہیے بالکل باقی پڑا ہے۔ خراج جو ہم پر عائد کیا گیا ہے' میں دیکھتا ہوں تو نہایت ہی ہلکا اور نرم اور رعایتی ہے۔ اگر ہم چاہتے تو کوئی قسط بھی باقی نہ رہتی اور جو مطالبہ شاہی تھا' بے زحمت' اپنے وقت پر خزانہ عامرہ سرکاری میں داخل ہو جایا کرتا۔ باایں ہمہ جو کوتاہی ہماری طرف سے ہوئی ظاہر ہے اس نادہندی کی کوئی نامعقول تاویل بھی تو ہم نہیں کر سکتے۔

اب معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا تو پچھلا خراج تمام و کمال بے باق کریں اور اپنا قصور معاف کرائیں اور آئندہ کو عہد کریں کہ کبھی باقی نہ رکھیں گے یا بادشاہ کے ساتھ لڑیں اور مقابلہ کریں اور ہو سکے تو اپنے تئیں اس کے ربقہ اطاعت سے آزاد کر لیں۔ شاہی قوت اور ہمارا ضعف تو ظاہر ہے۔ بھلا ہماری تو کیا ہستی' فرعون اور نمرود اور شداد اور ہامان اور قارون جیسے کیسے جابر اور مقتدر ہو کر رہے ہیں باقی ہوئے تو کس کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ پس سوائے اطاعت و انقیاد دوسرا چارہ نہیں۔ رعایائے ملک میں تم کو سربرآوردہ اور ممتاز سمجھ کر صلاح و مشورے کے لیے بلایا تھا۔ تمہارے نہ آنے سے ثابت ہوا کہ تم کو سرکار کا ذرا سا بھی خوف نہیں۔

اب تک میں نے تشبیہ و تمثیل میں تم سے گفتگو کی اور اس سے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس مجبوری سے میں تمہارے معاملات میں دخل دیتا اور تمہارے افعال سمیت عرض کرتا ہوں۔ میرا دخل تعرض بے شک تم کو دخل بے جا اور تعرض ناروا معلوم ہوتا ہوگا لیکن ذرا اپنی اور میری ذمہ داری کو انصاف کے ساتھ موازنہ کرو گے' تو سمجھ لو گے کہ اس کو بے جا اور ناروا سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ جن شرطوں کا میں تم کو پابند کرنا چاہتا ہوں میں اپنے تئیں اور کسی کے تئیں ان سے مستثنیٰ نہیں کرتا۔ پھر شکایت کیا اور گلہ کیوں؟

تم جیسے نوجوان آدمیوں کو مذہب کے بارے میں کبھی کبھی خدشات بھی واقع ہوا کرتے ہیں اور یہ کچھ عیب کی بات نہیں۔ خدشے کا واقع ہونا دلیل جستجو ہے اور جستجو کا

Marfat.com

انجام ہے حصول۔ جوئندہ یابندہ۔ اگر تم میں سے کوئی ایسا خدشہ پیش کرنا چاہے تو میں اس کا جواب دینے کو موجود ہوں۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں' مذہب کے اصول ایسے سچے اور یقینی اور بدیہی اصول ہیں کہ ان میں تردد و انکار کا دخل ہو ہی نہیں سکتا۔ چوں کہ ابتدائے شعور سے اب تک ہم لوگ غفلت اور سستی اور بے پروائی اور خداوند جل و علاشانہ کی مخالفت اور عدول حکمی اور نافرمانی میں زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ البتہ میں جانتا اور مانتا ہوں کہ ایک مدت میں زنگ معصیت ہمارے سینوں سے دور ہو کر یہ آئینے ایمان کی جلا سے منور ہوں گے لیکن بالفعل میرا مطلب اسی قدر تھا کہ ہر شخص مناسب حالت اپنا اپنا فکر کر چلے۔

جب میں اپنی اور تم سب کی پچھلی زندگی پر نظر کرتا ہوں تو اپنی بوٹیاں تو ڑتو ڑ کر کھاتا ہوں' کیوں کہ اس ساری خرابی کا بانی اور اس تمام تر بدی کا موجب میں ہوں۔ اے کاش! میرا اتنا ہی قصور ہوتا کہ میں اپنی ذات سے گنہگار قرار دیا جاتا۔ نہیں' تم سب کے گناہوں میں میرا ساجھا اور تم سب کی خطاؤں میں میری شرکت ہے۔ میں خدا کا گنہگار الگ ہوں اور تمہارا قصوروار الگ' لیکن افسوس ہے کہ اس گناہ کا کفارہ اور اس قصور کی تلافی میرے اختیار سے خارج ہے۔ ہاں مگر یہ کہ تم مجھ پر رحم کر کے اپنی اصلاح وضع کرو۔ کیا تمہاری سعادت مندی اس بات کو جائز رکھتی ہے کہ تمہارے سبب قیامت میں میری رسوائی ہو؟ کیا تمہاری حمیت اس بات کو پسند کرتی ہے کہ تمہاری وجہ سے حشر کے دن میں خدا کے غضب میں پکڑا جاؤں؟ چوں کہ تم میرے بڑے بیٹے ہو' مجھ کو سب سے زیادہ تمہارا بھروسا تھا کہ تم اس مشکل میں میرا ساتھ دو گے' میری مدد کرو گے' نہ کہ تم نے ملنے سے بھی کنارہ کیا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میری آس ٹوٹ گئی اور میرے ذہنی منصوبے تمام بگڑ گئے۔ اتنی بڑی مہم اور میں اکیلا! اتنا مشکل کام اور میں تنہا!

تم جانتے ہو کہ تمہارا انحراف میرے انتظام میں کتنا خلل ڈالے گا۔ چھوٹے بڑے سب تم کو سند گردانیں گے اور بات بات میں تمہارا حوالہ دیں گے۔ اگر تم اسی مصلحت سے میری شرائط کو قبول کر لیتے تو تمہارا کیا بگڑ جاتا؟ تم نے ابتدا ہی سے وہ سختی اختیار کی

Marfat.com

جس کی مجھ کو انجام میں بھی تم سے توقع نہ تھی۔ جتنی مشکلیں مجھ کو پیش آنے والی ہیں میں ان سے بے خبر نہیں ہوں اور اگر اس ارادے کا ترک کر دینا میرے اختیار میں ہوتا تو میں تم کو سچ کہتا ہوں' میں اس بات کو منہ ہی سے نہ نکالتا لیکن میں خوب جانتا ہوں کہ میں کوئی انوکھا آدمی نہیں ہوں۔ آخر مجھ کو ایک نہ ایک دن مرنا ہے۔ ابھی جب میں نے ہیضہ کیا تو کیا مرنے میں کچھ باقی رہ گیا تھا؟ خدا کی قدرت تھی کہ اس نے مجھ کو از سرِ نو پھر جلا دیا لیکن بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر آخر کو مرنا ہے حضرت سلامت

اور جس طرح مرنا یقینی ہے یہ بھی یقینی ہے کہ مجھ کو اپنے اعمال و افعال کے واسطے خدا کے حضور میں جواب دہی کرنی پڑے گی اور نہ صرف اپنے اعمال و افعال کے واسطے بلکہ تم سب کے اعمال و افعال کے واسطے بھی۔ پس سوائے اس کے کہ میں اپنا اور تم سب کا طرزِ زندگی بدل دوں اور کچھ چارہ نہیں۔ اگر تم میرے پاس آتے جاتے اور مجھ سے اور تم سے بات چیت ہوئی ہوتی تو میں تمہاری رائے دریافت کے ایک خاص طور پر تم سے گفتگو کرتا۔ اب مجھ کو معلوم نہیں کہ جتنی باتیں میں نے کہیں ان میں سے کون سی تم کو تسلیم ہیں اور کس کس سے تم کو انکار ہے؟

اب زیادہ لکھنا فضول و عبث سمجھتا ہوں لیکن جو میرے ذہن میں تھا لکھ چکا۔ میں تم سے اس کے جواب کا متقاضی نہیں اور اس کے دو سبب ہیں۔ اول یہ کہ میں اپنے تقاضے کا لاحاصل اور بے اثر ہونا دیکھ نہیں سکتا۔ دوسرے' صرف ایک ہی جواب ہے کہ میں اس کو میں بطیبِ خاطر سن سکتا ہوں' وہ یہ کہ تم میری شرطوں کو منظور کرو۔ ورنہ میں اپنے تئیں مواخذہ عاقبت سے بچانے کے لیے البتہ ان چند روزہ رشتوں کا پاس اور ان عارضی قرابتوں کی پروا نہیں کر سکتا اور یہ میری ہارے درجے کی تدبیر ہے اور میں خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگتا ہوں کہ مجھ کو اس کے اختیار کرنے کی ضرورت واقع نہ ہو۔

والدعا''

Marfat.com

خط پڑھ کر فہمیدہ بیٹے سے کہنے لگی ''دیکھا؟''

بیٹا: ع جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

ماں: کیا اب بھی تم کو باپ کی نسبت جنون کا احتمال ہے؟

بیٹا: احتمال کیسا؟ اب تو یقین کامل ہے۔ بقول شخصے

ع دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

اپنے تئیں بادشاہ سمجھنا جنون نہیں تو کیا ہے؟

ماں: ان للہ وانا الیہ راجعون۔

بیٹا: کیوں آپ نے انا للہ کس بات پر کہا؟

ماں: تمہاری الٹی سمجھ اور تمہاری بدقسمتی پر۔

بیٹا: ع بہتر ہے وہی جو کچھ بدی ہے

ماں: تو کیا سچ مچ تم باپ کے پاس نہیں جاؤ گے؟

بیٹا: اب تو میرا نہ جانا ان پر بھی ظاہر ہو گیا پھر کیا ضرورت ہے۔ کل جیسی ہو گی دیکھی جائے گی۔

ماں: دیکھو پھر میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ رات کو اطمینان سے تم اس خط کے مطلب پر غور کرو۔ تمہارے باپ نے کوئی بات بے جا نہیں لکھی جو شخص اس خط کو دیکھے گا تم کو قائل معقول کرے گا۔

Marfat.com

## فصل ہشتم

# نعیمہ کی خالہ زاد بہن صالحہ نے اس کو آ کر منایا' کھانا کھلایا اور اسی کے ساتھ نعیمہ خالہ کے یہاں چلی گئی

ابھی فہمیدہ یہ بات پوری بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ صالحہ کی ڈولی آ پہنچی۔ اترتے کے ساتھ خالہ سے پہلے یہی پوچھا ''کہو آپا نے کچھ کھایا پیا یا نہیں؟''

خالہ: کچھ بھی نہیں۔

صالحہ: ہیں کہاں؟

خالہ: درے کے اندر کوٹھری میں۔

صالحہ: آخر بات کیا ہوئی تھی؟

خالہ: کیا علیم نے تم سے کچھ نہیں کہا؟

صالحہ: اتنا ہی کہا کہ لڑائی ہوئی ہے' صبح سے کھانا نہیں کھایا۔ میں ہر چند پوچھتی رہی' کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ بھائی وہاں چل کر پوچھ گچھ لینا۔

تب خالہ نے شروع سے آخر تک سب ماجرا کہہ سنایا۔

صالحہ بڑی دانش مند لڑکی تھی اور اگرچہ نعیمہ سے عمر میں کچھ چھوٹی تھی' دونوں میں بڑا میل ملاپ تھا۔ صالحہ کو جو دقت پیش آنے والی تھی اس کو سوچ کر اس نے خالہ سے کہا:

''ان شاء اللہ آپا کو میں راضی کرلوں گی' مگر میرے سوائے اس مکان میں دوسرا آدمی کوئی نہ رہے۔ کیوں کہ گھر میں جتنے آدمی ہیں' آخر سب اس حال سے واقف ہیں۔ ان میں سے کوئی سامنے جائے گا تو آپا کو ضرور حجاب ہوگا۔

بات صالحہ نے معقول سوچی تھی' کیوں کہ جب ایک مجمع میں کسی آدمی کی بے عزتی ہوتی ہے تو جو لوگ اس کی تفضیح دیکھ چکے ہیں' وہ سب کو اپنا دشمن ٹھہرا لیتا ہے۔ شاید اس

Marfat.com

خیال نہ سے کہ یہ سب کھڑے دیکھتے رہے اور انہوں نے میری کچھ مدد نہ کی اور ان میں سے جب کوئی شخص سامنے آتا ہے تو اس ستم رسیدہ کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسی نے مجھ کو فضیحت کرایا تھا۔ پس ضرور اس کے غصے کو ترقی اور اس کے غضب کو زیادتی ہوتی ہے اور بے چاری بیدارا نے ناحق ایک دولتی کھائی تو اسی وجہ سے ورنہ اس کا کیا قصور تھا۔ وہ ماں بیٹیوں کے بیچ میں کچھ بولی نہیں چالی نہیں' نہ کسی طرح کا دخل دیا' نہ کسی کی طرف داری کی اور دخل دینے کی فرصت کس کو ملی۔ ماں بیٹیوں میں ایک بات پر ردوکد ہونی شروع ہوئی' جیسے ہمیشہ ہوا کرتی ہے۔ ماں نے دفعتہً بیٹی کو طمانچہ کھینچ مارا۔ غرض بات کی بات میں تو تیاری' سامان' ارادے' چڑھائی' مار کٹائی' ہار جیت' سب کچھ ہو گیا۔ گھر والے دیکھتے کے دیکھتے ہی رہے۔

صالحہ نے جو اپنا انتظام خالہ کو سنایا۔ انہوں نے بھی پسند کیا اور سب لوگوں سے کہہ دیا کہ اس قطعے میں کوئی نہ جائے۔ ہر ایک کو سونے بیٹھنے کا ٹھکانا بتا دیا اور اپنے واسطے یہ تجویز کی کہ ہم گھر والے سب مردانے میں پردہ کرا کر سو رہیں گے۔ بلکہ صالحہ نے کہا بھی کہ آپ کوٹھے پر سوئیں' خالہ نے جواب دیا کہ ابھی مجھ کو ان بڑے حضرت' میاں کلیم کے ساتھ سر مارنا ہے۔

صالحہ: کیا ان سے بھی لڑائی ہوئی ہے؟

خالہ: لڑائی کیسی ان سے تو چھٹم چھٹا ہو رہی ہے۔

صالحہ: کس بات پر؟

خالہ: بات تو اتنی سی ہے کہ باپ نے ان کو نماز روزے کے واسطے نصیحت کرنے کو اپنے پاس بلوایا' یہ نہیں گئے۔

صالحہ: خالو جان نے بلوایا اور یہ نہیں گئے؟

خالہ: تم کو نہ جانے پر تعجب ہوتا ہے' باتیں سنو تو حیران ہو جاؤ۔ باپ کو دیوانہ اور مجنوں' نماز کو کھڑاک' دین کے پیشواؤں کو ملانے' قلاوذنے' مردہ شو' ٹکڑ گدے' بھک منگے بتاتے ہیں۔

Marfat.com

صالحہ: کسی نے آپ سے غلط کہہ دیا ہوگا۔

خالہ: میرے رودررو۔

صالحہ: پھر کسی نے ان کو سمجھایا ہوتا۔

خالہ: ایک سمجھانا۔ علیم نے بہتیرا سر مارا۔ میں شام سے اب تک، کہتے کہتے تھک گئی۔ جن مصیبتوں سے آج کا دن کٹا ہے' خدا ہی جانتا ہے۔ دانہ تک میرے یا حمیدہ کے منہ میں گیا ہو تو جس طرح کی چاہو قسم لے لو۔ اس پر نعیمہ کا فکر' کلیم کا تردد اور سب سے بڑھ کر نعیمہ کے بچے کا سنبھالنا کہ آج اس کو دن بھر روتے گزرا ہے۔

صالحہ: آپ کھانا کھایئے۔ دوسرا وقت بھی ناوقت ہو گیا۔ یقین ہے کہ آپ کے کھاتے کھاتے میں آپا کے واسطے کھانا منگواتی ہوں۔

خالہ: میری کیا جلدی ہے میں کھا ہی لوں گی۔ حمیدہ بے چاری کے صبر کو دیکھو کہ اس نے کھانے کا نام بھی تو نہیں لیا۔ کل اسی وقت کا کھائے ہوئے ہے۔ خالی پیٹ میں دن بھر پانی انڈیلتی رہی ہے۔ میں نے ہر چند کہا نہ مانا۔ آخر بھوکی سو رہی۔

صالحہ: کیا آپ حمیدہ پر بھی کچھ خفا ہوئی تھیں؟

خالہ: مطلق نہیں۔ اس نے بہن کے افسوس میں کھانا نہیں کھایا۔ بہن کا وہ حال کہ بس چلے تو جان سے مار ڈالنے میں تامل نہیں اور اس کی یہ کیفیت کہ بہن پر اپنا دم دیتی ہے۔ بھانجے کو اس قدر چاہتی ہے کہ رات کو بھی ساتھ لے کر سوتی ہے۔

صالحہ: حمیدہ کو آپ جگایئے اور اطمینان سے آپ بھی کھانا کھایئے اور اس کو بھی کھلایئے۔ آپا کی اب کچھ فکر نہ کیجیے۔

یہ کہہ کر صالحہ اندر مکان میں گھستے ہی پکاری ''کیوں بی' میری آپا کہاں ہیں؟''

گھر میں کوئی ہو تو جواب دے۔ سب سے پہلے باورچی خانے میں گئی' وہاں نہ دیکھا۔ دالان میں آئی' وہاں بھی نہ پایا تو سہ درے میں ڈھونڈتی پھری۔ غرض ٹال مٹول کرتے کرتے آخر کار درے والی کوٹھری کے پاس آ کر جھانکنے لگی' جہاں نعیمہ تھی۔ نعیمہ دن بھر تو فرش پر پڑی رہی مگر صالحہ کی آواز سنتے کے ساتھ جلدی سے اٹھ منہ لپیٹ پلنگ پر جا لیٹی اور دروازے کی طرف پیٹھ کر لی۔ صالحہ نے پہلے تو انجان بن کر پوچھا: ''یہ پلنگ

Marfat.com

پر کون لیٹا ہے؟'' پھر آپ ہی آپ کہنے لگی ''آہا آپا ہیں۔ ایں' اکیلی کوٹھری میں اور ایسے سویرے!'' اتنا کہا اور دوڑ کر نعیمہ کو لپٹ گئی۔

نعیمہ نے جب سے صالحہ کی آواز سنی' اس کو ایک طرح کی حیرت تھی کہ سان نہ گمان دفعتہً یہ کہاں سے آ موجود ہوئیں۔ مگر یہ بات اس کے ذہن میں بھی نہیں گزری کہ بلوائی ہوئی آئی ہے۔ نعیمہ نے اس وقت اپنے تئیں ایسا بنا لیا کہ گویا دیر سے پڑی سوتی ہے اور بھاری سی آواز بنا کر بولی ''اے ہے' بھائی ہم کو دق نہ کرو' ہم کو سونے دو''

صالحہ: ''ہائے بی آپا! میں ہوں صالحہ۔ اٹھو منہ کھولو' ابھی سے کیوں سو رہیں' جی کیسا ہے؟

اگرچہ نعیمہ نے چاہا کہ صالحہ پر اپنی کیفیت ظاہر نہ کرے مگر اس نے ایسی ہمدردی سے پوچھا کہ نعیمہ ضبط نہ کر سکی اور رونے لگی۔ اس کو روتا دیکھ کر صالحہ نے اصرار سے پوچھنا شروع کیا: ''کیا سر دکھتا ہے؟ پیٹ میں درد ہے؟ بچے کا جی کیسا ہے؟ سسرال والوں نے کچھ کہلا بھیجا ہے؟ گھر میں کسی سے لڑائی ہوئی ہے؟ صالحہ بہتیرا پوچھتی تھی مگر نعیمہ ہاتھوں سے پرے دھکیلتی جاتی تھی اور کچھ جواب نہیں دیتی تھی۔ آخر صالحہ نے کہا: ''نہ بتاؤ تو مجھ کو کھاؤ'' تب نعیمہ خفا ہو کر بولی ''چل مکارہ' مجھی سے باتیں بنانے آئی ہے۔ کیا تجھ کو خبر نہیں؟''

صالحہ: ابھی مولوی ہدایت اللہ صاحب کے وعظ سے اٹھی چلی آتی ہوں۔ یہاں آئی تو خالہ اماں اور گھر والے سب مردانے مکان میں ہیں۔ اتنا سنا کہ بڑے بھائی خفا ہو کر گھر سے جا رہے ہیں۔ مجھ کو تم سے ملنے کی جلدی تھی' اماں کو سلام کر سیدھی اندر چلی آئی۔ یہاں آ کر دیکھا تو نہ آدم نہ آدم زاد۔ تم کو سارے گھر میں ڈھونڈتی پھری۔''

نعیمہ: کیوں' بڑے بھائی کس بات پر گھر سے نکل رہے ہیں؟''

صالحہ: لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ خالو ابا نے کہلا بھیجا ہے نماز پڑھیں تو میرے گھر میں رہیں ورنہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

نعیمہ: آگ لگے اس نماز کو۔ یہ کیا اب گھر میں کسی کو تھوڑا ہی رہنے دے گی۔ یہ تو حمیدہ کے سوائے سبھی کو نکلوائے گی۔''

صالحہ: تو کیا آپا تم بڑے بھائی ہی کے واسطے پڑی رو رہی تھیں؟

Marfat.com

نعیمہ: مجھ کو تو بے چارے بڑے بھائی کی خبر بھی نہیں۔ ان سے پہلے میں خود آپ نکلنے کو بیٹھی ہوں۔

صالحہ: توبہ آپا توبہ۔ کیسی بدفال منہ سے نکالتی ہو کہ خدا پناہ میں رکھے۔ اللہ نہ کرے کہ کسی بھلے مانس اشراف کی بہو بیٹی گھر سے نکلے۔

نعیمہ: جب سے اس نماز روزے کا چرچا ہمارے گھر میں ہوا ہے' بھلمنساہت اور شرافت سب گئی گزری ہوئی۔ اب آئی ہو تو دو چار دن رہ کر ہر ایک کا رنگ ڈھنگ دیکھنا۔ نہ وہ زمین رہی نہ آسمان' گھر کا باوا آدم ہی کچھ بدل سا گیا ہے۔ نہ وہ ہنسی ہے' نہ وہ دل لگی ہے' نہ وہ چرچے ہیں' نہ وہ مذاق ہے' نہ وہ چہچہے ہیں۔ گھر میں ایک اداسی چھائی رہتی ہے۔ ورنہ ابھی ایک مہینے کا مذکور ہے کہ محلے کی عورتیں تمام تمام دن بھریں رہا کرتی تھیں۔ کوئی گیت گا رہی ہے' کوئی کہانی کہہ رہی ہے۔ یہ ہمسائی عجوبہ' کچھ اس طرح کی زندہ دل ہیں کہ ہر روز نئی نئی نقلیں کر کے سب کو ہنساتے ہنساتے لٹا لٹا دیتی تھیں۔ اب کوئی گھر میں آ کر تھوکتا بھی نہیں۔ گھر ہے کہ کم بخت اکیلا پڑا بھائیں بھائیں کیا کرتا ہے۔

صالحہ: آخر اس کا سبب کیا؟

نعیمہ: سبب تمہاری خالہ جان اور حمیدہ کے ابا جان کی بدمزاجی۔ کسی کو کیا غرض' کیا مطلب کہ اپنے کام کاج کا ہرج کرے اور پرائے گھر آ کر بیٹھے۔ کیا لوگوں کے گھروں میں بیٹھنے کی جگہ نہیں؟ لوگوں کی خاطر داری ہوتی تھی' محبت سے ان کے ساتھ پیش آتی تھیں' لوگ دوڑے آتے تھے۔ اب یہ حال ہے کہ ہر وقت منہ کپے کی طرح پھولا رہتا ہے۔ غیر آدمی کیوں برداشت کرنے لگے۔ سب کے سب چلتے پھرتے نظر آئے۔ ابا جان کے اچھے ہونے پر ڈومنیوں نے سینکڑوں ہی پھیرے کیے۔ سب ہی نے کہا ہمسائی عجوبہ نے منتیں کیں' ہاتھ جوڑے' ایک نہ مانی۔ آخر وہ رت جگا تو خاک بھی نہ ہوا' نگوڑے مسجد کے ملانوں کو بلا کر کھلا دیا۔ اب تو بوا' دن رات نماز کا وظیفہ ہے۔ وہ دیکھو تخت پر نماز کا چیتھڑا بچھا رہتا ہے۔ وضو کا کلہڑا کیا مجال کہ کسی وقت پاس سے الگ ہو جائے۔ کام کاج سے فارغ ہوئیں تو یا نماز پڑھنے کھڑی ہو گئیں یا کتاب پڑھنے بیٹھ

Marfat.com

گئیں۔ اب حمیدہ کٹنی ان کو ایسی مل گئی ہے کہ اور ان کو اکسایا کرتی ہے۔ میرا بس چلے تو کتیا کو ایسا ماروں ایسا ماروں کہ یاد کرے۔

صالحہ: اے ہے' حمیدہ تو نگوڑی ایسی غریب اور بھولی لڑکی ہے کہ میں نے تو آج تک کوئی اس کی شرارت کی بات دیکھی کیا سنی بھی نہیں اور تم کو تو اتنا چاہتی ہے کہ کاہے کو کوئی بہن کسی بہن کو چاہے گی۔ رمضان کی بات مجھ کو اب تک نہیں بھولی۔ تم کو تو یاد ہوگا کہ اخیر عشرے میں میں نے اس کو بلوا بھیجا تھا۔ گھر میں سبھی کو افطاری تقسیم ہوتی تھی' اس کو بھی حصہ ملتا تھا۔ بچہ سمجھ کر ہر چیز میں سے کچھ کچھ زیادہ دے دیتے تھے مگر اس کو منہ پر رکھنا قسم تھا۔ لوگ کھاتے اور یہ منہ دیکھتی۔ بہتیرا سمجھاتے کہ بھائی یہ کیا بری عادت ہے۔ چیز ہوتے سات تم نہیں کھاتیں۔ مگر یہ اللہ کی بندی چکھتی تک بھی تو نہیں تھی۔ پہلے مجھ کو خیال ہوا کہ شاید خست کی وجہ سے نہیں کھاتی۔ مگر میں نے پوچھا تو کہنے لگی ''آپا بغیر کوئی چیز میرے حلق سے نہیں اترتی۔'' دیکھو دن بھر تمہارے لڑکے کو لیے رہتی ہے اور لڑکے کو بھی کچھ ایسا آرام ملتا ہے کہ کیسا ہی پھڑکتا ہو' اس کی گود میں گیا اور چپ اور تمہاری کیا خصوصیت ہے' ہر ایک سے وہ اسی طرح محبت سے ملتی ہے۔ میں تو تم سے سچ کہوں' مجھ کو تو بہت ہی پیار آتا ہے۔ جب آتی خوب بھینچ بھینچ کر کئی دفعہ گلے لگاتی ہوں۔

نعیمہ: جس کو دیکھتی ہوں' حمیدہ ہی کا کلمہ بھرتا ہے اور میری یہ کیفیت ہے کہ اس کو دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اترتا ہے۔

صالحہ: اچھی' کیوں؟

نعیمہ: مجھ کو اماں جان سے اسی نے برا بنوایا۔ ورنہ آج تک اماں نے کبھی ہوں بھی نہیں کہا تھا یا آج چھوٹتے کے ساتھ نہ بات نہ چیت' مجھ کو تھپڑ کھینچ مارا۔ خیر الٰہی' حمیدہ بندی' تجھ کو انہی ہاتھوں سے اماں جوتیاں ماریں تب میرے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے اور جیسی تو آج کل سر چڑھی ہے' ویسی ہی نظروں سے گرے تب میرے دل کی مراد بر آئے۔

صالحہ: خالہ اماں نے تم کو تھپڑ مارا؟ یہ کب اور کیوں؟''

نعیمہ: آج صبح ذرا کا ذرا لڑکا حمیدہ کو دے کر میں ہاتھ منہ دھونے چلی گئی۔ تم کہتی ہو کہ بھانجے پر فدا ہے۔ لڑکے کو روتا ہوا زمین پر پٹک دیا۔ اس کو اتنا بھی ترس نہ آیا کہ ابھی

Marfat.com

پسلی کے دکھ سے مر مر کر بچا ہے' یوں جو زمین میں بٹھائے دیتی ہوں' ایسا نہ ہو کہ اس کو صبح کی ٹھنڈی ہوا لگ جائے اور پھر بیمار پڑے۔ پس اتنا قصور میرا ضرور ہے کہ میں نے ہولے سے حمیدہ کو ہاتھ لگایا۔ ہاتھ کا لگانا تھا کہ وہ فلیہائی دھڑام سے تخت پر گر پڑی۔ کہیں ذرا سی خراش آ گئی۔

صالحہ: کیا کہوں' مجھ کو تو یقین نہیں آتا کہ حمیدہ اور بھانجے کو بے سبب روتا ہوا زمین پر بٹھا دے اور خالہ جان حمیدہ کی طرف ہو کر تم کو ماریں۔ بھلا جاؤں خالہ جان سے پوچھوں؟

نعیمہ: حمیدہ کے بٹھا دینے کا سبب میں بتاؤں۔ ان کی نماز قضا ہوتی تھی اور ان کی اماں جان اس بات پر بگڑیں کہ میں نے نماز کو کیوں برا کہا۔

صالحہ: پھر تم نے نماز کو برا کہا تھا؟

نعیمہ: کہا تھا اور اب بھی کہتی ہوں۔ اماں کو تو کچھ نہیں کہا۔ نماز کو برا کہنا ان کو برا کیوں لگا؟

صالحہ: بھلا کوئی آدمی تمہارے ماں باپ کو برا کہے تو تم کو برا لگے یا نہ لگے؟

نعیمہ: اماں جان کو کوئی شوق سے برا کہے' مجھ کو ذرا برا لگنے ہی کا نہیں۔

صالحہ: آج یا سدا سے؟

نعیمہ: (مسکرانے لگی اور بولی) کم بخت بے حیا ہنسی تو دیکھو کہ خود بہ خود چلی آتی ہے۔ نہ بوا' ایسی باتیں ہم سے نہ کرو۔

صالحہ: کیا خوب! میں تمہارے ایسے غصے سے نہیں ڈرتی۔ بہت کرو گی خالہ جان نے تم کو ایک طمانچہ مارا ہے' تم مجھ کو دو طمانچے مار لینا لیکن اماں باوا کا اتنا پاس نہیں تھا تو سسرال والوں سے لڑیں کیوں؟

نعیمہ: بات بات میں ناحق کوئی برا کہا کرے تو جی نہ جلے؟

صالحہ: میں یہ کب کہتی ہوں کہ نہ جلے لیکن خالہ جان نے نماز کا پاس کیا اور ان کو تمہاری بات بری لگی تو بے جا کیا ہوا؟

نعیمہ: تو کیا نماز ان کی اماں ہے یا نانی ہے؟

Marfat.com

صالحہ: جن کو ایمان ہے ان کو ماں سے بڑھ کر پیاری اور نانی سے زیادہ عزیز ہے۔

نعیمہ: تو کیا میں تمہارے نزدیک بے ایمان ہوں؟

صالحہ: آدمی ہی بے ایمان ہوتے ہیں۔ جو بے ایمانوں کا کام کرے وہ بے ایمان۔ میں ہوئی تو میں اور تم ہوئیں تو تم۔

نعیمہ: دیکھو صالحہ! خدا کی قسم ایسی باتوں پہ لڑائی ہو جائے گی۔ بے ایمان تم ہوگی تمہارے رہتے سہتے بے ایمان ہوں گے۔

صالحہ: خدا کے فضل سے تو میں بے ایمان نہیں ہوں مگر رہتے سہتے کون ہوئے.....تم؟

نعیمہ: بھلا ایمان سے کہنا' تم نے میری کون سی بات بے ایمانوں کی سی دیکھی؟

صالحہ: ایمان سے مت کہلواؤ۔

نعیمہ: نہیں' تمہیں خدا کی قسم' بھلا کوئی بات تو بتاؤ۔

صالحہ: پھر برا تو نہیں مانو گی؟

نعیمہ: سچی بات میں برا ماننے کی کیا وجہ؟

صالحہ: سچ اور ایمان کی بات تو یہ ہے کہ تمہارے قول و فعل کوئی بھی ایمان داروں کے سے نہیں اور مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت تم خود ہی بتا دو کہ میں فلانا کام ایمان والوں کا سا کرتی ہوں۔ کھانا' پینا' سونا' گھر کا کام دھندا' بچوں کا پالنا' یہ تو دنیا میں برے بھلے سب ہی کیا کرتے ہیں۔ بھلا ایک کام تو ایسا بتاؤ جس سے تمہارا ایمان دار ہونا پہچانا جائے۔

نعیمہ: بھلا دنیا میں تمہارے نزدیک کوئی بھی ایماندار ہے یا نہیں؟

صالحہ: کیوں نہیں۔ اللہ کے بندے سینکڑوں ہزاروں۔

نعیمہ: بھلا میں بھی کسی کا نام سنوں۔

صالحہ: دور کیوں جاؤ' یہ تمہاری ہی گلی میں ایک حضرت بی رہتی ہیں جن کے نواسے بھائی علیم کے ساتھ مدرسے میں پڑھنے جاتے ہیں۔ بس ایمان داران کو کہتے ہیں۔ دیکھو تو' کیا نیک زندگی ہے۔

نعیمہ: میں تو ان کو دن بھر سیتے ہی دیکھتی ہوں۔

صالحہ: سچ ہے' مگر خدا کے واسطے غریب غربا کے کپڑے مفت اور امیروں کے مزدوری

Marfat.com

پر لیکن جتنی سلائی ہوتی ہے سب اللہ کے نام دے دیتی ہیں' ایک پیسہ اپنے اوپر خرچ نہیں کرتیں۔ یہ عمر اور کڑاکے کے جاڑوں میں پہر رات رہے سے اٹھ کر خدا کی عبادت۔ گھر میں نوکر نہیں چاکر نہیں' اپنے ہاتھوں سارے گھر کا کام کاج اور اس پر نماز کی یہ پابندی کہ نماز تہجد تک قضا نہیں ہونے پاتی۔ محلے میں کتنی لڑکیوں کو انہوں نے پڑھنا سکھایا' کتنوں کو حیوان سے آدمی بنایا اور حسبۃ للہ' بے غرض' بے مطلب۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ مسجد کے کوئی پندرہ بیس مسافر دونوں وقت روٹی پکوانے کو آٹا بھیج دیتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے سب کا آٹا گوندھنا' پکانا' گھر سے دال سالن جو کچھ وقت پر موجود ہو دینا۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ سالن نہیں بچا آپ روکھی ہی روٹی کھا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بے چارے مسافر اکثر جوار باجرے کا آٹا لے آتے ہیں' وہ تو آپ رکھ لیتی اور اپنے گھر سے ان کو گیہوں کی روٹی بھیج دیتی ہیں۔ ایک دن باجرے کی روٹی' وہ بھی روکھی' بیٹھی کھا رہی تھیں۔ نوالہ حلق سے نہیں اترتا تھا۔ ہر ہر لقمے کے بعد پانی پینے کی ضرورت ہوتی تھی۔ میں جو جا نکلی تو مجھ کو دیکھ کر کہنے لگیں "بیٹا مجھ کو باجرے کی روٹی بہت بھاتی ہے۔ کچھ ایسی سوندھی میٹھی اور رخستہ ہوتی ہے کہ سبحان اللہ۔"

ایک طالب علم نے ان سے گاڑھے کی مرزائی سلوائی اور شاید وہ پہلا ہی کپڑا تھا کہ اس بے چارے کو سلوانے کا اتفاق ہوا۔ اس واسطے کہ جب وہ شخص کپڑے لے کر دروازے پر آیا تو حضرت بی صاحب نے اس سے کہا کہ بیٹا اپنی پرانی مرزائی بھیج دو کہ اس کو دیکھ کر قطر کرلوں' تو اس نے نہایت حسرت کے ساتھ کہا کہ مائی صاحب' میرے پاس مرزائی نہیں ہے۔

حضرت بی صاحب: بیٹا' مرزائی نہیں ہو تو انگرکھا ہی سہی۔ خیر' کچھ اٹکل تو مل جائے گی۔

طالب علم: انگرکھا بھی نہیں۔"

مجبوراً اندر پردے میں حضرت بی صاحب نے اس سے پوچھ لیا کہ کمر کتنی ہے' چولی کتنی نیچی رہے گی' آستین کس قدر لمبی ہوگی۔ طالب علم نے بتایا لیکن دیکھا تو کپڑا اکہری کرتا تھا۔ تب طالب علم نے کہا کہ مائی صاحب جس طرح ہو سکے کھینچ تان کر اسی میں بنا دو اور آج نماز جمعہ سے پہلے ہی سی دو کہ الوداع کا دن ہے' میں جامع مسجد میں پہن کر جاؤں۔

Marfat.com

غرض مرزائی سی گئی تو اس کے بدن پر ٹھیک نہ آئی۔ وہ بے چارہ مایوس ہو کر رو دیا اور اس ناامیدی میں حضرت بی پر اتنا خفا ہوا کہ شاید گھر کی کوئی لونڈی پر بھی نہیں ہوتا۔ اندھی' بے وقوف' بے تمیز' پھوہڑ' بدسلیقہ' بے رحم جو جو کچھ اس کے منہ میں آیا' بے دریغ کہہ ڈالا۔ باوجودے کہ گھر میں سب کو برا معلوم ہوا لیکن حضرت بی صاحب روتی جاتی تھیں اور الٹی اس کی استمالت کرتی تھیں۔ بڑے نواسے کا نیا تہ دوز چکن کا کرتہ اس کو دیا لیکن اس نے دور اٹھا کر پھینک دیا اور کہا مجھ کو بدن ڈھکنے کے واسطے کپڑے کی ضرورت ہے' یہ واہیات کپڑا میرے کس کام کا ہے' جس کو پہن کر آدمی ننگے کا ننگا۔ حضرت بی نے اپنے نواسوں کی تمام گٹھڑیاں کھول ڈالیں۔ خاصہ' تن زیب' ململ ڈھاکہ' پاٹن' ڈوریہ' رینگ' شبنم' نینوں' سینوں' سوزن کار' طرح طرح کے خوش وضع اور طرح دار کپڑے اس کو دکھائے اور ایک اس کو پسند نہ ہوا۔ کسی کو تو اس نے کہا ''مردوں کے استعمال کے قابل نہیں'' کسی کی نسبت تجویز کیا کہ یہ متکبروں کی پوشاک ہے۔ آخر حضرت بی نے بازار سے کورا لٹھا منگوا' نماز جمعہ سے پہلے اس کی مرزائی تیار کی' تب وہ طالب علم ٹلا۔ حضرت بی کی طرح کوئی اپنا پتا مارے تب ایمان کا دعویٰ کرے۔ اب تم خود غور کر لو کہ دن رات میں تم ایمان داروں کے سے کتنے کام کرتی ہو۔

نعیمہ: ایک حضرت بی ایسی ہوئیں۔ بھلا کوئی دوسری عورت بھی اس مزاج کی شہر میں ہے؟

صالحہ: چوں کہ تم اس طرح کے لوگوں سے نفرت رکھتی ہو' اس واسطے تم کو معلوم نہیں ورنہ شہر میں بہتیرے خدا کے نیک بندے پڑے ہیں۔ کہاں تک ان کے نام گنواؤں۔ ہے کیا' کوئی کم کوئی زیادہ۔ ایک میری ہی اماں ہیں' وہ بھی اپنے محلے کی حضرت بی ہیں۔

نعیمہ: دو چار آدمی اس طرح کے ہوئے سہی۔ میں تو اپنی ہی جیسی عورتیں اکثر دیکھتی ہوں۔

صالحہ: بے شک' دنیا میں نیک کم ہیں اور برے بہت۔

نعیمہ: میں جانتی ہوں عورتوں کے واسطے بہت نماز روزے کی کچھ ضرورت نہیں۔ بس ان کی یہی عبادت ہے کہ گھر کے کام کاج دیکھیں' بچوں کی خبر گیری کریں۔ ان کو خانہ داری کے بکھیڑوں سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہے کہ نمازیں پڑھا کریں۔ مرد البتہ نہ

Marfat.com

کھانے پکانے کا فکر' نہ بچوں کا جھگڑا' جتنی چاہیں عبادت کریں۔

صالحہ: مردوں کو کمانے کا تھوڑا کام ہے کہ بے چارے دن دن بھر اسی میں لگے رہتے ہیں۔ محلے کی ڈبکیوں کو دیکھو کہ منہ اندھیرے سے جو کھٹا کھٹ شروع کرتے ہیں تو آدھی آدھی رات تک کان پڑی آواز نہیں سنائی پڑتی۔ پھر بھی جتنا خدا کا خیال مرد رکھتے ہیں' عورتیں کم بخت اس کا آدھا' پاؤ بھی نہیں رکھتیں۔

نعیمہ: چاہے تم کچھ ہی کہو' عورت مرد کی برابری تو ہرگز نہ ہوگی۔ ضرور اللہ میاں نے عورتوں کے حق میں کچھ نہ کچھ آسانی رکھی ہوگی۔

صالحہ: سبب؟

نعیمہ: بھلا کہیں نگوڑی عورتوں سے محنت ہو سکتی ہے؟

صالحہ: عبادت میں نہ چھپر اٹھانا ہے نہ لکڑیاں ڈھونی ہیں کہ عورتیں کمزوری کا عذر اور نزاکت کا حیلہ پیش کریں۔ بلکہ ایک حساب سے عورتوں کو زیادہ عبادت کرنی چاہیے کیونکہ اول تو عورتوں کو عبادت کی فرصت زیادہ ملتی ہے' دوسرے خدا کی نعمتوں سے عورتیں زیادہ حصہ پاتی ہیں۔ کھانے پینے میں مرد عورت سب برابر۔ کپڑے میں مرد بے چارے ایک حصہ تو عورتیں ویسے ویسے دس۔ نہ عورتوں کا ایک پائجامہ نہ مردوں کا ایک برس کا سارا لباس اور یوں بھی عورتوں کی پوشاک عموماً عمدہ اور بیش قیمت ہوتی ہے۔ بہ نسب مردوں کے۔ بڑی رقم ہے زیور۔ عورتوں کو سونے کی کان میں قبر کھود کر گاڑ دو' تب بھی بس نہیں۔ مرد بے چارے جو ثقہ اور وضع دار ہیں' چاندی کا چھلا تک بھی نہیں پہنتے۔ اس پر بھی عورتیں عبادت میں کمی کریں تو ان کی وہی کہاوت ہے' کھانے کو چچا اور کام کو ننھا بچہ۔

نعیمہ: تم تو اچھی میری قسمت کی سچ مچ مولوی صاحب بن کر آئیں۔

صالحہ: مولویوں کے درجے مولویوں کے ساتھ ہیں۔ میں بے چاری کس لائق ہوں۔ مولویوں کی جوتیوں کی برابری بھی نہیں کر سکتی۔

نعیمہ: افسوس ہے کہ تم ہماری اماں کے یہاں پیدا نہ ہوئیں۔

Marfat.com

صالحہ: افسوس کی کیا بات ہے؟ بلکہ میں تو سمجھتی ہوں شکر کا مقام ہے۔

نعیمہ: کیوں؟

صالحہ: تم بتاؤ کہ تم نے کیا سمجھ کر افسوس کیا۔

نعیمہ: میں نے تو یہ سمجھ کر افسوس کیا کہ تم ہماری اماں کے یہاں ہوئی ہوتیں تو دونوں کو اچھا تھا۔ ہماری اماں تمہی جیسی بیٹی ڈھونڈتی ہیں اور تم بھی امیر گھر پاتیں تو کھانا' کپڑا' زیور' نوکر سبھی طرح کی خوشی تھی۔

صالحہ: اگر اس خوشی کا یہی نتیجہ ہے کہ آدمی خدا کو بھول جائے تو میرے نزدیک یہ تمام فراغت' دنیا کا جنجال اور آخرت کا وبال ہے۔ کون چار دن کی خوشی کے واسطے ہمیشہ ہمیشہ کی مصیبت مول لے۔ مجھ کو خدا کے فضل سے پیٹ بھر روٹی اور تن بدن ڈھانک لینے کو کپڑا' رہنے کو مکان' لیٹنے کو چارپائی' پینے کو پانی' دم لینے کو ہوا' سب کچھ میسر ہے۔ میں نہیں جانتی کہ مجھ کو دنیا میں کوئی اور چیز بھی درکار ہے۔ سوائے اس کے کہ تم نے پتھر یعنی سونا چاندی مجھ سے زیادہ اپنے اوپر لاد لیے ہیں اور بوجھ کے صدمے سے کان تمہارے کٹے پڑتے ہیں' ناک تمہاری چھد گئی ہے اور تو کوئی فرق میں تم میں اور اپنے میں نہیں پاتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ خدانخواستہ تم کو کھانے کی تکلیف ہے' مگر صورت تمہاری یہ ہے کہ بدن پر بوٹی نہیں' ہاتھ پاؤں میں جان نہیں' ہر سال جلاب' ہر مہینے فصد' آئے دن دوا۔ مجھ کو دیکھو کہ خدا کے فضل سے تم سے دونی نہیں تو ڈیوڑھی میں شک بھی نہیں۔ ایک ہاتھ سے تمہارے دونوں ہاتھ پکڑ لوں تو بیوی صاحب سے ہلا بھی نہ جائے۔

نعیمہ: بیماری بھی امیری کا تمغہ ہے۔ نگوڑے بھوکے' جن کے پیٹ کو روٹی میسر نہیں وہ کیا بیمار پڑیں گے۔

صالحہ: یہاں تمغے اور خلعت کا مذکور نہیں ہے' تکلیف اور آرام میں گفتگو ہے۔

نعیمہ: جی تو خوش کر لو۔ لومڑی کو جب انگور نہیں ملتے تو وہ ان کو کھٹا کہا کرتی ہے۔

صالحہ: اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے۔ تم میرے تئیں جانتی ہو کہ یہ تکلیف میں ہے اور میں کہتی ہوں کہ تم ایسے عذاب میں مبتلا ہو کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ کھانے پینے کے

Marfat.com

عیش آرام جو تم کو میسر ہیں' ان کا نتیجہ تو یہ ہے کہ تم سدا کی دکھیا اور ہمیشہ کی روگی بن رہی ہو۔ رہا کپڑا' کچھ تم ہی اس کو پہن کر اپنے جی میں خوش ہوتی ہوگی۔ ابھی خالو جان یا بڑے بھائی آ جائیں تو سوائے اس کے کہ تم ان کے سامنے سے ہٹ بیٹھو اور کیا تدبیر ہے۔ رہا زیور جس کی زکوٰۃ نہ خیرات' اس سے بیڑیاں بہتر' طوق اور ہتکڑی اچھی۔ بڑی خوشی محبت اور میل ملاپ کی ہوتی ہے۔ اس کا یہ حال ہے کہ ماں سے بری' حمیدہ کی دشمن' ساس سسروں سے بگاڑ' میاں سے ناموافقت' نوکر شاہی' لونڈیاں نالاں۔ اسی پر تم اپنے تئیں سمجھتی ہو کہ میں خوش ہوں۔ ابھی تم پڑی رو رہی تھیں یا ہنس رہی تھیں؟

نعیمہ: سبحان اللہ! آپ کیا آدمی ہیں۔ کیا گھروں میں کبھی لڑائی نہیں ہوا کرتی؟ چار برتن پاس رکھ دیتے ہیں تو وہ بھی کبھی نہ کبھی لڑ کھڑا اٹھتے ہیں۔

صالحہ: اگر ایسا ہی سمجھتیں تو اتنی بات کا بتنگڑ نہ بناتیں۔

نعیمہ: میں نے کیا بات کا بتنگڑ بنایا؟

صالحہ: تمہی اپنے دل میں سوچو۔ ماں کے ہاتھ لگانے پر یہ آفت۔ صبح سے اب تک آپ بھوکی مریں' سارے گھر کو بھوکا مارا۔ شاباش بوا' شاباش! لڑو ماں سے' روٹھو خدا سے۔

نعیمہ: ہر پھر کر تم کو خدا کا تذکرہ کرنا ضرور۔ بھلا میں کب خدا سے روٹھی؟

صالحہ: رزق خدا کا یا ماں باپ کا؟

نعیمہ: اللہ ری علامہ! دیکھو تو' کیسی اچ پچ کی باتیں کرنی آتی ہیں۔

صالحہ: تم کو پچ وتاب کی باتیں آتی ہیں تو مجھ کو اچ پچ کی۔

نعیمہ: غصہ ہی تو ہے۔

صالحہ: اچھا غصہ ہے' باؤلا غیظ' دیوانہ غضب' ادھر بے جان پر اور ادھر بے زبان پر۔

نعیمہ: بے جان اور بے زبان کیا؟

صالحہ: کھانا بے جان اور بے زبان تمہارا بچہ نادان۔ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو بھی خوب کچلا کیا۔

Marfat.com

نعیمہ: کیا تو کسی کو کیا؟ اپنا بچہ شوق سے مارا' خوشی سے کچلا کیا۔
صالحہ: تم اپنے بچے کو شوق سے مارو اور خوشی سے کچلا کرو پھر خالہ جان نے تم کو ایک تھپڑ ہولے سے مارا تو کیا غضب ہوا؟ جیسی تم اپنے بچے کی ماں' وہ تمہاری ماں۔
نعیمہ: ماں ماں برابر لیکن بچہ بچہ برابر نہیں۔
صالحہ: لیکن تم دونوں میں زیادہ تر واجب الرعایت کون ہے؟
نعیمہ: میں
صالحہ: میں کے گلے پر چھری۔ کیا واجب الرعایت نکلی' میں۔ ذرا منہ تو دھو رکھو۔
نعیمہ: دیکھو بڑوں کے ساتھ بے ادبی۔
صالحہ: بڑوں نے کی تو چھوٹوں نے سیکھیں۔
نعیمہ: اجی وہ کچھ بھی رعایت میرے ساتھ نہ کریں۔ اللہ مالک ہے۔
صالحہ: کیوں جھوٹ بولتی ہو۔
نعیمہ: بس سب کچھ کہنا' جھوٹی نہ کہنا۔ اس کی مجھ کو بڑی چڑ ہے۔ جو کوئی مجھ کو جھوٹی کہتا ہے تو میرے تن بدن میں آگ ہی تو پھک جاتی ہے۔
صالحہ: بھلا پھر تم اللہ کو مالک سمجھتی ہو جو کہتی ہو؟
نعیمہ: کوئی ایسا بھی بندہ بشر ہے جو اللہ کو مالک نہیں سمجھتا؟
صالحہ: اللہ کو مالک سمجھتیں تو ایسی بے جا بات بول اٹھتیں جس پر خالہ جان خفا ہوئیں اور بجا خفا ہوئیں۔
نعیمہ: کیا میں نے جان بوجھ کر تھوڑی ہی کہی تھی۔ منہ سے نکل گئی۔
صالحہ: لیکن کبھی خالو جان کی شان میں تو ایسی بات تمہارے منہ سے نہیں نکلتی۔ بلکہ خالو جان تو خیر' شاید بڑے بھائی جان کو بھی ایسا سخت کلمہ کہو تو ان کو کتنا برا لگے گا۔ کیا خدا کو برا نہ لگا ہوگا؟

یہ سن کر نعیمہ کسی قدر ڈری اور اس نے ہولے ہولے اپنے کلوں پر طمانچے مارے اور منہ سے بھی توبہ توبہ کہا۔

Marfat.com

صالحہ: بس سمجھ لو کہ ایسا ہی ایک طمانچہ خالہ جان نے مارا سہی۔

نعیمہ: تو میں کیا کچھ کہتی ہوں یا میں نے کچھ کہا؟

صالحہ: اے کاش تم سب کچھ کہہ لیتیں اور یہ ستم نہ کرتیں۔

نعیمہ: کیا؟

صالحہ: سارے دن گھر بھر کو بھوکا مارا۔ بچہ تمام دن دودھ کو پھڑکا۔ بیدارا بے چاری' وہ سہ درے میں پڑی پڑی ہائے ہائے کر رہی ہے۔ نہیں معلوم کہاں اس کے بے موقع لات لگی ہے کہ اب تک اس کا سانس پیٹ میں نہیں سمایا اور پھر کہتی ہو کیا کیا۔

نعیمہ: خیر اب تو جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔

صالحہ: ہو تو نہیں چکا' ہو رہا ہے۔ لوگ بھوکے بیٹھے ہیں۔ بچہ پھڑکے چلا جاتا ہے۔

نعیمہ: اچھی کچھ یہ بھی زبردستی ہے۔ ماروں اور رونے نہ دوں۔

صالحہ: تم کو اتنی بڑی ہو کر رونے کا نام لیتے ہوئے شرم نہیں آتی؟

نعیمہ: جب مار کھانے کی غیرت نہ ہوئی تو رونے میں کیا شرم تھی۔

صالحہ: ماں ہوئی' استانی ہوئی' اگر ان کی مار کھانا بے عزتی ہے تو دنیا بے عزت ہے۔

نعیمہ: تم کو مار پڑی ہوتی تو جانتیں کہ عزت کی بات ہے یا بے عزتی کی۔

صالحہ: استانی جی کی مار کی تو کوئی گنتی ہی نہیں۔ اماں جان نے بھی مجھ کو کوئی بیسیوں ہی دفعہ مارا ہوگا۔

نعیمہ: اب بڑے ہوئے پر؟

صالحہ: اب میں کوئی بات ہی ایسی نہیں کرتی کہ ان کے خلاف مزاج ہو۔

نعیمہ: میں نے بھی تو یہ سمجھ کر نہیں کہا تھا کہ اماں جان کو اتنا برا لگے گا اور نہ کبھی پہلے اماں جان کو نماز روزے کا ایسا خیال ہوا جیسا کہ اب ہے۔

صالحہ: لیکن جب تم کو خالہ جان کئی مرتبہ روک چکی تھیں تو تم کو ان کی ممانعت کے خلاف پھر وہی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔

نعیمہ: کیوں جی' خدا کو میری بات بری لگتی تو جو کچھ ہونا تھا اسی وقت ہو نہ چکتا؟

Marfat.com

صالحہ: پہلے یہ تو بتاؤ کہ بات بے جا اور بری تھی یا نہیں؟

نعیمہ: خیر بری ہی سہی۔

صالحہ: سہی کیا معنیٰ' شدت سے بری اور بے جا تھی کہ تم اپنے بھائی تک کو ایسا کلمہ نہیں کہہ سکتیں۔ ایسی ہی باتوں کا نام کفر اور شرک ہے۔ مگر اس سے کہ تم کو فوراً سزا نہیں ملی' خوش نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ عجب کیا ہے کہ ایسی ہی باتوں کا وبال تم کو گھر میں بسنے نہیں دیتا۔

نعیمہ: اماں مجھ کو تنہائی میں مار لیتیں تو مجھ کو اتنا رنج نہ ہوتا۔

صالحہ: سبحان اللہ! خطا بہ بازار و سزا در پس دیوار۔

نعیمہ: اچھا پھر اب تمہاری مرضی کیا ہے؟

صالحہ: مرضی یہ ہے کہ چل کر خالہ جان کے روبرو ہاتھ جوڑو۔ ان کے پاؤں پڑو۔ اپنا قصور معاف کراؤ۔ کھانا آپ کھاؤ' دوسروں کو کھانے دو۔ بچے کو دودھ پلاؤ۔ حمیدہ کو بلا کر گلے لگاؤ' بیدار اکی دل دہی اور تشفی کرو۔

نعیمہ: لو اور سنو۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ میں ہی پٹوں اور میں ہی ہاتھ بھی جوڑوں اور اگر میرا قصور ہوتا بھی تاہم ہاتھ تو بندی نے آج تک کسی کے آگے جوڑے اور نہ اب مجھ سے جوڑے جائیں۔ رہی حمیدہ' تم کہتی ہو گلے لگاؤ اور میرا بس چلے تو اس کو جیتا نہ چھوڑوں اور کھانے کی جو تم نے کہی تو مجھ کو اب اس گھر کا نمک تک چکھنا حرام ہے۔ غرض جتنی باتیں تم نے کہیں' سوچ کر ایسی ہی کہیں کہ ایک بھی مجھ سے شدنی نہیں۔ خیر' تمہاری خاطر سے ننھے کو دودھ پلاؤں گی۔ جاؤ کہیں سے لے آؤ۔ ورنہ ارادہ تو یہی تھا کہ اس کا اور اپنا دونوں کا خون کر دوں۔

صالحہ: اللہ اکبر بی آپی! میں نہیں جانتی تھی کہ تمہارا غصہ اس قدر غضب کا بجھا ہوا ہے۔

نعیمہ: میرا مزاج تو سدا سے اسی طرح کا ہے۔ مجھ سے کسی کی بات کی برداشت نہیں ہوتی۔

صالحہ: اب تم سے زیادہ کہنا لاحاصل ہے۔ بس معلوم ہو یا کہ تم اپنی خوشی کی ہو۔

Marfat.com

نعیمہ: جو بات کرنے کی تھی وہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دی کہ ننھے کو دودھ پلا دوں گی۔
صالحہ: تمام دن تو تم کو بے آب و دانہ گزر گیا اور عمر بھر کے بدلے کا تم نے ایسا لمبا روزہ رکھا ہے کہ پہر رات گزری مگر افطار ہونے نہیں آیا اور نہ ابھی کچھ اس کے افطار ہونے کی امید ہے۔ تو وہ دودھ رہا کہاں ہوگا کہ ننھے کو پلاؤ گی۔
نعیمہ: رہے نہ رہے مگر میں اس گھر کا کھانا کھاؤں تو حرام کھاؤں مردار کھاؤں۔
صالحہ: پھر آخر کرو گی کیا؟ یہ تو ممکن نہیں کہ بے کھائے گزر ہو۔ ایک ہی وقت میں دیکھو تمہارا کیا حال ہو گیا ہے۔ اب رات کو خالی پیٹ نیند بھی نہیں آئے گی۔
نعیمہ: میں تو جانے کو تیار بیٹھی ہوں۔ تم نہ آ جاتیں تو اب تک کبھی کی چلی بھی گئی ہوتی۔
صالحہ: کہاں سسرال؟
نعیمہ: اگر میں سسرال جاؤں تو گڑھے سے نکلوں اور کنوئیں میں گروں۔
صالحہ: پھر کہاں؟
نعیمہ: جہاں سینگ سمائیں۔
صالحہ: باؤلی ہوئی ہو۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔ اگر خالو جان یہ بات سن پائیں، نہیں معلوم کیا آفت برپا کریں اور گھر سے باہر قدم نکالنا تو بڑی بات ہے۔
نعیمہ: تم کیا سمجھیں؟ میں اس ہمسائی کے یہاں جانے کو کہہ رہی ہوں۔ کیا یوں ہر روز میں ہمسائی کے گھر نہیں جاتی ہوں؟
صالحہ: وہ جانا اور ہے اور گھر سے لڑ کر بے حکم پاؤں باہر نکالنا دوسری بات ہے۔ خبردار، ایسا بھول کر بھی منہ سے مت نکالنا، نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے گا اور خود ہمسائی جن کے برتے پر بھولی ہو، تم کو اپنے دروازے کے اندر قدم تو رکھنے دینے ہی کی نہیں، چاہو جا دیکھو اور فرض کیا کہ تم یہاں سے نکلنے پائیں اور ہمسائی کی بھی ایسی ہی شامت آئی اور انہوں نے تم کو گھر میں آنے دیا تو ان کو خود دو دو وقت کھانا میسر نہیں آتا، تم کو کہاں سے کھلائیں گی؟
نعیمہ: نوج میں ان کے یہاں کیوں کھانے لگی۔ کیا میرے پاس زیور نہیں؟ ابھی تو

Marfat.com

پٹاری میں کچھ نہ ہوگا تو نقد چالیس پچاس روپے پڑے ہوں گے۔

صالحہ: گڑ کھاؤں گلگلوں سے پرہیز۔ جن کا کھانا انہیں کا بنوایا ہوا زیور' انہیں کے دیے ہوئے روپے۔ آن تو جب مانیں کہ ان کی چیز بھی صرف نہ کرو اور ہمسائی' اول تو میں حیران ہوں' تم کو بٹھاتیں تو کہاں بٹھاتیں۔ کلہیا جتنا گھر' اس میں بھی ایک آپ' ایک میاں' تین بیٹے بہوئیں' ان کے بچے' دو بیٹیاں مہمان آئی ہوئی ہیں وہ ان کے گھر میں تل رکھنے کی جگہ تو ہے ہی نہیں۔ بے چاری آپ تو ڈیوڑھی میں چارپائی بچھا کر سوتی ہیں' تم کو رات کے وقت کہاں لٹاتیں اور کہاں سلاتیں؟ اور تم کو غیر مردوں میں جاتے ہوئے شرم نہ آتی؟ اور پھر ہمسائی تم کو پناہ دیتیں بھی تو خالہ جان ہی کا پاس کر کے۔ غرض قربان جائیں تمہاری عقل کے' تدبیر بھی سوچی تو اوندھی' علاج بھی تجویز کیا تو الٹا۔ اس سے بہتر تھا کہ تم سسرال چلی جاتیں۔

نعیمہ: نہ سسرال جاؤں' نہ یہاں کھاؤں۔''

صالحہ: تم کو اختیار ہے' جو چاہو سو کرو لیکن کیا لڑائی تمہارے کھانے پر ہوئی ہے؟

نعیمہ: کھانے پر تو لڑائی نہیں ہوئی لیکن میں ان کے گھر پر یوں نہ پڑی ہوتی تو مجال تھی کہ کوئی مجھ کو ہاتھ لگا لیتا۔

صالحہ: کرتیں کیا؟

نعیمہ: برابر سے میں بھی مارتی۔

صالحہ: برابر مت ماننا' یہی نیت ہے تو تم گھر میں بس چکیں۔ ماں کا یہ وقر' یہ ادب! مجھ کو تو اگر میری اماں جان بے خطا' بے قصور' جوتیوں پر جوتیاں مار لیں تو ان شاء اللہ آنکھ بھی ان کے سامنے نہ کروں اور دنیا جہان کی بیٹیوں کا یہی قاعدہ' یہی دستور ہے۔ تم ان کی بیٹی' وہ تمہاری ماں' کسی کو تمہارے معاملے میں کیا دخل۔ مگر آپا جان' دین تو گیا ہی گزرا ہوا' یہ پھن دنیا میں بھی خوش اور آباد رہنے کے نہیں اور خدا تم کو اتنی سمجھ دے کہ تم انہی باتوں کو اپنی خانہ ویرانی کا سبب سمجھو۔ مجھ کو حیرت ہے کہ کیوں کر یہ بات تمہارے دل نے تسلیم کی کہ خالہ جان کو تمہارا رہنا ناگوار ہے اور انہوں نے اس وجہ سے تمہارے ساتھ

Marfat.com

سختی کی کہ وہ تم کو اپنے پاس دیکھ نہیں سکتیں۔ بھلا دنیا میں کوئی ماں بھی اس طرح کی ہوگی؟ تمہاری خانہ ویرانی کا رنج تم سے زیادہ ان کو ہے۔ ذرا اس کا مذکور آ جاتا ہے تو ان کے آنسو نکل پڑتے ہیں اور حاضر غائب دعا کیا کرتی ہیں کہ الٰہی میری نعیمہ کو اس کے گھر آباد کر۔ بھلا تم ہی انصاف کرو کہ سوائے اس بات کے' تم نے ان کی کسی بات سے بھی ان کا رخ بدلا ہوا پایا۔ کھانے میں ان کو یہ اہتمام دیتا ہے کہ پہلے تم اور پیچھے وہ اور میں نے ہفتوں رہ کر دیکھا ہے' خالو جان اور بڑے بھائی تک کو سادی چپاتیاں ملتی ہیں اور تمہارے دو پراٹھے انہوں نے ناغہ نہیں ہونے دیے۔ چار پیسے روز کا سودا جو تمہارا سدا کا معمول ہے' تمہی بتاؤ' کبھی نہیں بھی دیا؟ ایک دن حمیدہ نے ضد کی تھی اور کہا تھا کہ میں بھی چار پیسے لوں گی' تو جھڑک دیا کہ ہاں اب تو بڑی بہن کی برابری کرے گی۔ آٹھویں دن کی مہندی' مہینے کے مہینے چوڑیاں' تم ہی بولو' یہ دستور کبھی قضا ہوا ہے؟ کپڑے لوگ ایسے جہیز میں بھی نہیں دیتے جو تم کو گھر میں پہناتی ہیں۔ بھلا بے گوٹے کا دوپٹہ بے پیمک کا پائجامہ' کبھی تم کو پہننا یاد ہے؟ تیل' عطر' پان' پھول' مہندی' سرمہ' مسی' لاکھا' مجنٹن اور ابٹنا یہی عورتوں کی ضرورت کی چیزیں ہیں۔ سچ کہنا تم کو کبھی ان میں سے کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت ہوتی ہے؟ خدمت کو لونڈی جدا' لڑکے کی کھلائی الگ۔ بلکہ سچ پوچھو تو کنوار پنے سے کہیں زیادہ قدر ہوتی ہے۔ خالہ جان ایک دن تمہارے دوپٹے میں بیٹھی توئی ٹانک رہی تھیں۔ خالو جان کی قبا میں بند ٹانکنے تھے۔ کچہری جانے کو دیر ہوتی تھی۔ اس پر خالو جان نے کہا بھی کہ لڑکی کا دوپٹہ رہنے دو پھر ہو رہے گا' پہلے میری قبا میں بند ٹانک دو۔

خالہ جان: واہ' لڑکی سر کھولے بیٹھی ہے' تم کو ایسی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو دھوپ بھی چبوترے سے نہیں اتری۔

خالو جان: کیا سادہ دوپٹہ اوڑھنا منع ہے؟

خالہ جان: وہ بے چاری کیا کچھ کہتی ہے۔'

خالو جان: تو تم اپنی ہی طرف سے خیر خواہی کے اہتمام میں لگی رہتی ہو۔

خالہ جان: میں ہوں کس قابل مگر خیر جو کچھ ہو سکتا ہے کیے جاتی ہوں۔ مجھ کو ہر وقت اس

Marfat.com

بات کا خیال لگا رہتا ہے کہ اس کا دل ہے غمزدہ' ایسا نہ ہو کہ کسی چیز کو اس کی طبیعت چاہے اور یہ لحاظ کے مارے منہ سے نہ کہہ سکے اور ارمان جی کا جی ہی میں رہ جائے۔

اگر خالہ جان کو تمہارے ساتھ عداوت تھی تو خود کھانا کھا لیتیں۔ دشمن کا یہی کام ہے کہ فاقے میں ساتھ دے اور شریک مصیبت ہو؟ لوہ جمیدہ' جس کو تم کہتی ہو کہ پاؤں تو مار مار کر پرزے اڑاؤں' آج دن بھر اس کو تمہارے واسطے روتے گزرا۔ یہ عمر اور اتنا صبر کہ صبح سے اب تک دانہ اس کے منہ میں نہیں گیا۔ نگوڑی ایسی بے سدھ پڑی ہے کہ گویا جان نہیں۔ ان لوگوں کا وہ حال اور تمہاری یہ کیفیت۔ ایک ذرا سی بات میں تمہارا دل اس قدر بھر گیا کہ ساری نیکی برباد' کل سلوک اکارت' تمام احسان غارت۔ پھر بھلا تم سے کوئی کیا توقع رکھے اور کس امید پر تم سے ملے؟

نعیمہ: بھائی یہ بات تو تمہاری واجبی ہے کہ ہمیشہ سے اماں جان مجھ کو بہت چاہتی ہیں لیکن خدا جانے کہ ان کو کیا ہو گیا تھا کہ بے تحاشا مار بیٹھیں۔

صالحہ: اچھا پھر یوں ہی سمجھو کہ آدمی ہی تو ہیں' انہی سے زیادتی ہو گئی سہی لیکن کیا انصاف ہے کہ اس ایک زیادتی کی وجہ سے ان کی عمر بھر کی مہربانی اور شفقت اور عنایت اور رعایت اور دل سوزی اور ہمدردی اور خیر خواہی اور پرورش اور نفع رسانی' ایک دم سے سب پر پانی پھیر دیا جائے۔

نعیمہ: مجھ کو رہ رہ کر ان کا تھپڑ کم بخت یاد آتا ہے۔

صالحہ: اس واسطے کہ تم نے ان کے حقوق بھلا رکھے ہیں۔

نعیمہ: کیا اماں جان نے تم سے کہا ہے کہ سمجھا بجھا کر نعیمہ کو خطا معاف کرانے کے لیے بلوا لاؤ۔

صالحہ: ہرگز نہیں۔ ان کو تمہاری خطا معاف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نقصان تمہارا ہے یا ان کا؟ اور شاید ان کے دل میں یہ بات آئی بھی ہو تو تمہارے مزاج کو دیکھ کر بھلا ان کو یہ توقع ہو سکتی ہے کہ تم خطا کا اقرار اور معافی کی درخواست کرو گی؟

نعیمہ: بھلا اور جو میں گئی اور اماں جان منہ سے نہ بولیں تو مجھ کو اور شرمندگی ہو گی۔

صالحہ: ممکن ہے نہ بولیں' کیوں کہ تمہاری خطا معمولی طور کی خطا نہیں ہے۔ مگر پھر وہ ماں

Marfat.com

ہیں اور ماں بھی کیسی ماں' بچوں اور خصوصاً تم پر دل سے فدا' جان سے قربان۔ شاید تم کو کوٹھری سے نکلتا ہوا دیکھ عجب نہیں کہ دوڑ کر خود لپٹ جائیں اور تم کو منہ سے کہنے کی بھی نوبت نہ آئے۔

نعیمہ: جی تو چاہتا ہے کہ جاؤں' چلی بھی جاؤں مگر شرم آتی ہے۔ بھلا کل پر رکھتیں تو کیسا؟

صالحہ: تم کو خدا کا ترس نہیں آتا کہ سارا گھر فاقے سے ہے۔ رات بھر میں تمہارا اور ان سب کا کیا حال ہوگا۔

نعیمہ: بھائی ہاتھ جوڑنے کو تو رہنے دو' کھانا اپنے نام سے منگوا بھیجو۔

صالحہ: اجی مجھ سے کہو تو میں کھانے کو بھی رہنے دوں۔ بھوکی مرو گی تم یا تمہاری ماں بہنیں۔ مگر بے صفائی کھانے کا لطف نہیں۔ ادھر تم افسردہ' ادھر وہ آزردہ' کھانا کیا خاک کھایا جائے گا۔ بس اتنی دیر کی بات ہے کہ تم کوٹھری کے باہر تک چلو۔

نعیمہ: بھائی بس' زیادہ ہم کو دق مت کرو۔ کھانا منگواؤ' میں کھالوں گی۔

صالحہ: ہو تم اپنی ضد کی۔ کھانا کھاؤ گی تو کس پر احسان کرو گی۔ کوٹھری کے باہر تک چلو تو البتہ میں جانوں کہ تم کو میری خاطر عزیز تھی۔

نعیمہ: چلو بس' مجھ کو بچوں کی طرح مت پھسلاؤ۔ یہ بھی تمہاری خاطر ہے کہ میں من گئی۔ ورنہ نعیمہ بندی' ادھر کی دنیا ادھر ہو جاتی' ایک کی تو سنتی ہی نہیں۔

صالحہ: خاک من گئیں' تو پتھر من گئیں۔ میں اس کو منا منانا نہیں سمجھتی۔ کیا کروں' رات زیادہ گزر گئی اور لوگ بھوک سے بدحواس ہیں ورنہ تم کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کسی کی نہیں سنتی اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ بات واجبی ہو تو کیا معنی کہ سننے والا اس کو تسلیم نہ کرے اور دیکھو میری اس وقت کی بات یاد رکھنا کہ تم کو خالہ جان کے آگے ہاتھ جوڑنے پڑیں گے۔

نعیمہ: خیر جب پڑیں گے تب جوڑ بھی لیں گے۔

اس کے بعد صالحہ کوٹھری سے نکل دوسرے قطعے میں خالہ کے پاس گئی۔ بہت سے لوگ سو گئے تھے' کچھ اونگھ رہے تھے۔ فہمیدہ اکیلی بیٹھی ہوئی دل ہی دل میں نہیں معلوم کیا کیا باتیں کر رہی تھی کہ صالحہ جاتے کے ساتھ ہی بولی ''خالہ جان' مبارک میرا اور آپا جان کا کھانا [illegible]

Marfat.com

فہمیدہ سنتے کے ساتھ چونک سی پڑی اور کہنے لگی سچ کہو!

بھانجی: آپ خود ان کو کھاتے ہوئے دیکھ لیں تب تو سہی۔

خالہ: بھائی' تم نے تو کمال ہی کیا۔ کیوں کر منایا' کس طرح سمجھایا؟ مجھ کو تو امید نہ تھی کہ وہ کسی ڈھب سے سیدھی ہوگی۔ اس کا غصہ ہے' خدا کی پناہ' جیسے کسی کو جن چڑھتا ہے۔ نہیں معلوم تم نے کیا سحر کیا' کہاں ایسے بھوت کو اتارا۔ ہم سب لوگ تو دن بھر ہلاک ہوئے' کوئی حکمت نہ چلی' کوئی تدبیر پیش رفت نہ ہوئی۔

صالحہ: میں تو ان کو یہاں آپ کے پاس لاتی اور آپ کے پاؤں پر ان کا سر رکھوا دیتی لیکن کیا کروں رات زیادہ گئی اور لوگ بھوک سے بے تاب ہیں۔ خیر' ان شاء اللہ بشرط خیریت پھر دیکھا جائے گا۔ لائیے کھانا نکالیے اور جاؤں حمیدہ کو بھی جگا دوں' ہشیار کروں کہ اس کا تو اور بھی برا حال ہوا ہوگا۔

خالہ نے کھانا نکالا اور صالحہ نے جا حمیدہ کو اٹھا بٹھایا۔ حمیدہ سوتی کیا تھی' ضعف و ناتوانی کی غفلت میں پڑی ہاتھ پاؤں توڑ رہی تھی۔ صالحہ کی آواز سنتے ہی آنکھ کھولنے سے پہلے کھڑی ہوگئی اور بڑی بہن کو سلام کیا۔ صالحہ نے پیار سے گلے لگا گودی میں لے لیا اور کہا "حمیدہ اس قدر سویرے تم سو رہا کرتی ہو؟"

حمیدہ: اماں جان سے پوچھ لیتی ہوں اور جب وہ کہہ دیتی ہیں کہ ہاں وقت آ گیا تو نماز عشاء پڑھ کر سو رہتی ہوں۔

صالحہ: تم نے کچھ کھانے کو بھی کھایا؟

حمیدہ شرمندہ ہو کر چپ ہو رہی۔

صالحہ: بھوک لگی ہے؟

حمیدہ نے اس کا بھی کچھ جواب نہ دیا۔

صالحہ: چلو ہم تم کھانا کھائیں۔

حمیدہ: ہماری اماں جان نے کھانا کھایا؟

صالحہ: اماں جان بھی تمہارے ساتھ کھائیں گی۔

حمیدہ: اور ہماری آپا جان؟

Marfat.com

صالحہ: تم کو دنیا جہان سے کیا مطلب۔ جس کو بھوک لگی ہوگی آپ کھائے گا۔

حمیدہ: ہے ہے آپا جان نہ کھائیں اور میں کھالوں؟ اچھی! خدا کے لیے تم کسی طرح آپا جان کو سمجھاؤ۔ آج انہوں نے تمام دن کچھ نہیں کھایا۔ ننھا دودھ کے لیے پھڑک پھڑک کر آخر سو گیا۔'' یہ کہہ کر حمیدہ رونے لگی تو صالحہ نے اس کو تشفی کی کہ حمیدہ روؤ مت' آپا بھی کھائیں گی۔

غرض کوئی ڈیڑھ پہر رات گئے سب نے کھانا کھایا' صالحہ اور نعیمہ نے ایک ساتھ کوٹھری میں اور باقی سب لوگوں نے اپنے اپنے دستور کے مطابق۔ کھانا کھانے کے بعد سو سلا رہے۔ مگر صالحہ اور نعیمہ میں کچھ گفتگو کھانے کے بعد بھی ہوئی۔ خود ہی نعیمہ بولی: کیوں صاحب! اب تو آپ خوش ہوئیں۔ جو کچھ تم نے کہا' میں نے کیا۔

صالحہ: خوش تو میں تب ہوتی کہ جب صفائی ہوگئی ہوتی۔

نعیمہ: اچھی' اب بھی صفائی میں کچھ باقی رہ گیا۔ رفتہ رفتہ دس پانچ دن میں بول چال بھی ہونے لگے گی۔

صالحہ: دس پانچ دن؟

نعیمہ: اور کیا کل؟

صالحہ: ابھی تھوڑی دیر ہوئی کہ تم نے خود کہا تھا کہ کل پر رکھو۔

نعیمہ: میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ میں کل بولنے بھی لگوں گی۔

صالحہ: تو خاک بھی صفائی نہیں ہوئی۔

نعیمہ: کھانا میں نے کھایا' اماں جان نے کھایا' حمیدہ نے کھایا۔ ننھا دیکھو دودھ پی رہا ہے۔ اس سے بڑھ کر صفائی کیا ہوگی؟

صالحہ: خیر' میری زبردستی سے تم سب نے ایک دو دو نوالے کھا لیے۔ میں اس کو کھانا نہیں سمجھتی۔ دودھ پلانے والی عورت' بھلا کچھ نہ کھائے تب بھی چار چپاتیاں تو کھائے۔ تم نے پاؤ ٹکڑا بھی نہیں کھایا' چاولوں کو ہاتھ نہ لگایا۔ تمہارے سبب میں بھی بھوکی اٹھ کھڑی ہوئی۔ سمجھتی تھی کہ خیر صبح کو اس کی کسر نکل جائے گی' سو تم نے ابھی سے امید توڑ دی۔

Marfat.com

نعیمہ: سچ تو یہ ہے کہ اب اس گھر میں مجھ کو اپنا گزارا ہوتا ہوا معلوم نہیں ہوتا اور اب میرا جی لگنا بھی مشکل ہے۔

صالحہ: کیوں؟

نعیمہ: میں نے تم سے کہا نہیں کہ یہاں تو ایک مہینے پہلے سے ابا کا مزاج' اماں کے تیور' گھر کا رنگ ڈھنگ' سب کچھ بدلا ہوا ہے۔ گو مجھ سے ابھی تک نماز روزے کا تذکرہ نہیں کیا لیکن بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ جب بڑے بھائی تک نوبت پہنچ گئی تو بھلا میں بے چاری کس گنتی میں ہوں۔ وہ اللہ رکھے' اول تو مرد' دوسرے سب میں بڑے' تیسرے خدا کے فضل سے چنداں ان کے محتاج و دست نگر بھی نہیں۔ آج الگ ہو جائیں تو ان کے پلاؤ کی رکابی کہیں نہیں گئی۔ جس رجواڑے میں جا کھڑے ہوں گے' اپنی شاعری کے ہنر سے مصاحب یا ناظم یا چکلہ دار ہو جائیں گے۔ میں بدنصیب ایک تو پردے میں بیٹھنے والی' دوسرے ایسا کوئی ہنر نہیں آتا کہ چار پیسے کا سہارا ہو۔ اس روز بد کی کیا خبر تھی ورنہ آنکھوں دیکھتے دیکھتے ساتھ والی لڑکیاں کیسے کیسے کام سیکھ گئیں کہ ہنر کی بدولت گھر بیٹھے بادشاہت کر رہی ہیں۔ مجھ کو کہیں اپنا ٹھکانا نظر نہیں آتا۔ ماں باپ کے گھر ایسی پڑی ہوں جیسے گلی میں کتا۔ خدا واسطے کو کسی نے ٹکڑا ڈال دیا تو کھا لیا ورنہ میرا کیا زور اور کون دعویٰ۔ ابا جان تو پہلے ہی سے کچھ واسطہ و سروکار نہیں رکھتے۔ لڑکیوں سے بولنے اور بات کرنے کی ان کی عادت نہیں۔ اماں جان ایک سہارا تھا' سو انہوں نے ایسی دست درازی شروع کی کہ اب خدا ہی ان کے ہاتھ کو روکے گا تو رکے گا' ورنہ چھوٹا تو ہے ہی۔

صالحہ: آپا' تم اس قدر بے دل کیوں ہوتی ہو۔ کیا نماز کچھ ایسا بڑا مشکل کام ہے کہ اس کی وجہ سے یہ تمام دقتیں تم کو پیش آتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں؟

نعیمہ: بوا! میں تو ہنسی دل لگی کی آدمی ہوں' بھلا مجھ سے یہ اوکھتی' اداس زندگی کاہے کو نبھے گی۔ لڑائی تو خیر آج ہوئی ہے' میرا تو کئی دن سے جی گھبرا رہا تھا۔

صالحہ: پھر آخر تم نے تدبیر کیا سوچی ہے؟

نعیمہ: ایک بات میری سمجھ میں آتی ہے۔ وہ یہ کہ میں تمہارے یہاں چلی جاؤں۔

Marfat.com

صالحہ یہ سن کر چپکی ہوئی اور دیر تک چپ رہی تو نعیمہ بولی: تم تو سن کر ایسا دم بہ خود ہوئیں کہ گویا میں سچ مچ تمہارے گھر جا رہی ہوں۔ ڈرومت۔ میں نے تو تمہاری محبت آزمانے کے لیے ایک بات کہی' ورنہ میں کہیں آؤں نہ جاؤں۔ یہ تو کیا اس سے بھی زیادہ مصیبت ہو تو میں دوسروں کا احسان نہ اٹھاؤں۔

صالحہ: یہ تو تم نے کوئی نرالی ادا سیکھی ہے۔ چھیڑ چھاڑ کر لڑنا۔ گھر جیسے میرا' ویسے تمہارا۔ جن کا گھر ہے میں ان کی بیٹی اور تم بیٹیوں سے بڑھ کر۔ جاؤ گی تو اپنی خالہ کے گھر جاؤ گی اور احسان اٹھاؤ گی تو اپنی خالہ کا اٹھاؤ گی۔ میں تم کو لے جانے والی کون اور منع کرنے والی کون؟

نعیمہ: اچھا تو میں پوچھتی ہوں' اگر میں چلی جاؤں تو خالہ جان کیا کہیں گی؟

صالحہ: جو میں کہتی ہوں' جو تمہاری اماں کہتی ہیں' وہی تمہاری خالہ جان کہیں گی' وہی ہر شخص کہے گا جو سنے گا۔ کیا خالہ جان دنیا جہان سے باہر یا انوکھی ہیں؟

نعیمہ: اجی گھر سے تو نہ نکال دیں گی؟

صالحہ: یہاں تم کو گھر سے کوئی نکال رہا ہے۔ جو وہاں سے خدانخواستہ نکال دے گا۔ آپا' نہیں معلوم تم اب کیسی باتیں کرنے لگی ہو۔ ایک اماں سے کیا لڑیں' سارے کنبے کو دشمن ٹھہرالیا۔

نعیمہ: لیکن خالہ جان بے چاری غریب آدمی ہیں' کہاں سے میرا خرچ اٹھائیں گی؟

صالحہ: اب ایسی بھی گئی گزری ہوئی نہیں ہیں کہ مہینے بیس دن تم کو نہیں رکھ سکتیں۔

نعیمہ: مہینہ بیس دن کیسا' میں تو ساری عمر کے لیے جاتی ہوں۔

صالحہ: خدا نہ کرے کہ ساری عمر خالہ کے یہاں پڑی رہو۔ اللہ تم کو اپنے گھر آباد کرے اور تمہاری ماں کا کلیجہ تم سے ٹھنڈا ہو۔

نعیمہ: میں بھی یہ سوچ کر جاتی ہوں کہ چند روز وہاں رہوں گی تو اماں جان کو بھی لڑائی جھگڑے کی باتیں بھول بسر جائیں گی۔ پھر بلوا بھیجیں گی تو چلی آؤں گی۔

صالحہ: میرے نزدیک بھی جانے میں کچھ قباحت کی بات نہیں مگر اپنی اماں جان سے اجازت لے لو۔

Marfat.com

نعیمہ: کیوں کر پوچھوں؟

صالحہ: یہ بھی کوئی بڑا کام ہے۔ ابھی ان کے پاس چلی جاؤ اور جا کر کہو کہ میں خالہ جان کے یہاں جاتی ہوں۔ وہ کہہ دیں گی ''اچھا''

نعیمہ: سچ کہنا' کہیں چلی نہ جاؤں۔ اتنا کام تم نہیں کر دیتیں؟

صالحہ: نہیں میں نہیں کرتی۔

نعیمہ: ہماری بہن نہیں؟

صالحہ: نہیں میں بہن نہیں بنتی۔ بیوی صاحب کو اتنا سمجھایا' خاک بھی اثر نہ ہوا۔

نعیمہ: نوج کوئی ایسا بے مروت ہو۔

صالحہ: تم سے بھی بڑھ کر۔

نعیمہ: اچھی میری بہن۔

صالحہ: خیر میں پوچھ دوں گی لیکن کیا تم خالہ جان سے رخصت ہو کر نہ چلو گی اور چلتے وقت ان سے نہ ملو گی؟

نعیمہ: اس وقت جیسی ہو گی' دیکھی جائے گی۔

صالحہ: سنو بوا' اگر تمہارے دل میں دغا ہو تو پہلے سے کہہ دو۔ ایسا نہ ہو' میں پوچھنے جاؤں اور تم بے ملے چل دو تو ناحق مجھ کو شرمندگی ہو۔

نعیمہ: نہیں' میں نے تمہارے چھیڑنے کو کہا تھا۔ بھلا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ چلتے وقت میں اماں جان سے نہ ملوں۔ تو جاؤ پوچھ آؤ۔

صالحہ: اس وقت رات زیادہ ہو گئی ہے۔ آخر صبح کی نماز میں خالہ جان کے ساتھ پڑھوں گی' اسی وقت پوچھ دوں گی۔

نعیمہ: اچھا پھر ڈولیوں کو تو اڈے پر اسی وقت کہلا بھیجو ورنہ شاید وقت پر نہ ملیں۔

صالحہ: نہ ملیں گی تو ہمارے محلے سے آ جائیں گی۔

نعیمہ: اس میں دیر ہو گی۔

صالحہ: کیا شادی میں جا رہے ہیں کہ دیر ہو گی تو دلہن رخصت ہو جائے گی؟

نعیمہ: نہیں چلنا ہے تو اس منہ اندھیرے چل دیں۔ ننھا ڈولی میں ڈرتا ہے۔

Marfat.com

صالحہ: خیر اسی وقت کہلا دیا جائے گا۔

اس کے بعد نعیمہ اور صالحہ دونوں سو رہیں۔ ابھی تارے چھٹکے ہوئے تھے کہ صالحہ
پنے معمول پر نماز صبح کے واسطے اٹھی اور نعیمہ اس وقت غفلت کی نیند میں پڑی سو رہی
تھی۔ نماز سے فارغ ہو کر صالحہ خالہ کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور کہا: ''بس خالہ جان'
ب میں جاؤں گی۔''

الحہ: ایں! ایسی جلدی؟ ''تم آگ لینے آئی تھیں؟ کیا آئیں کیا چلیں۔''

صالحہ: دس پندرہ دن بعد پھر آ جاؤں گی۔

الحہ: ذرا نعیمہ کے مزاج کو ٹھکانے لگنے دیا ہوتا۔

الحہ: وہ بھی تو میرے ساتھ جانے کو کہتی ہیں۔

الحہ: سچ کہو۔

الحہ: مجھ سے کہہ بھی دیا ہے کہ تم پوچھ لو۔

الحہ: اس کی مرضی ہے یا تم نے صلاح دی ہے؟

صالحہ: خود انہی کی مرضی ہے۔

لحہ: بھلا کچھ یہ بھی کہتی تھیں' کتنے دن کے واسطے؟

صالحہ: دونوں کی تعیین تو مجھ سے نہیں بیان ی۔

لحہ: خیر اس نے دنوں کی تعیین نہیں کی تو میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ آٹھ دن سے
یادہ مت رکھنا۔ ہماری بہن بے چاری غریب آدمی ہیں' ان کو تکلیف ہوگی۔

لحہ: اب تو جب تک ان کا جی چاہے۔

ہ: تم لیے تو جاتی ہو مگر اتنا تو کرنا کہ اس کو بھی نیک ہدایت دینا۔

لحہ: جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا سمجھاؤں گی اور ان کو مولویوں کے وعظ سنواؤں گی۔
کی ذات سے امید تو ہے کہ ضرور اثر ہوگا۔

اس کے بعد صالحہ نے گھر کے نوکر سے پوچھا کہ ڈولیوں کے واسطے رات کو جو کہلا
ا تھا' آئیں یا نہیں؟ معلوم ہوا کہ ڈولیاں توپ سے پہلے کی دروازے پر لگی ہوئی

Marfat.com

ہیں۔ تب صالحہ کوٹھری کی طرف چلی' اس غرض سے کہ نعیمہ کو جگائے اور اجازت کی خوشخبری سنائے۔ دیکھا تو نعیمہ پلنگ پر نہیں۔ سمجھی کہ دوسرے قطعے میں بچے کو ہاتھ منہ دھلاتی ہوں گی۔ مگر وہاں بھی نعیمہ کو نہ پایا۔ معلوم ہوا کہ جب صالحہ خالہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی' نعیمہ چپکے سے اٹھ بچے کو لے کھڑکی کی راہ ہو کر ڈیوڑھی میں جا سوار ہو' بے رخصت ہوئے چل دیں۔ اب یہ کیا موقع تھا کہ ڈولی واپس منگائی جائے۔ ناچار صالحہ اکیلی' خالہ کو سلام رخصت کرنے گئی تو خالہ نے کہا: ''اے لڑکی' ایسی کیا بھاگڑ مچی ہے۔ نعیمہ کو اٹھے دو' ناشتہ کھا پی لو' تب جانا۔

صالحہ: آپا تو گئیں بھی۔

خالہ: یہ کب؟

صالحہ: جس وقت میں بعد نماز آپ سے باتیں کر رہی تھی' اس وقت وہ سوار ہو گئیں۔

خالہ: کیسی چپکے سے نکل گئی کہ میں نے اسے جاتے کو بھی نہ دیکھا۔

صالحہ: کھڑکی کی راہ سے گئیں۔

خالہ: تبھی۔ مگر صالحہ تم نے دیکھا اس کا غصہ! کتنا تم نے اس کے ساتھ سر مارا۔ میں باہر کھڑی ہوئی تمہاری ساری باتیں سنتی تھی لیکن اس کا یہ اثر ہوا کہ بے ملے چل دیں۔ بھلا کہیں ایسا بھی غضب ہوا ہے کہ بیٹی ماں کے گھر سے یوں چلی جائے۔ اگر میں اس کی باتوں پر جاؤں تو جیتے جی صورت نہ دیکھوں لیکن کیا کروں' یہ دل کم بخت مانتا نہیں۔ اس مزاج کی بدولت ان حالوں کو تو یہ پہنچ گئی مگر ذرا اس کو خیال نہیں' مطلق اس کو پروا نہیں۔ دیکھیے کیا اس کی تقدیر میں لکھا ہے۔ کیا اس کو نصیب میں بدا ہے۔ اس کے غم نے مجھ کو تو کھا لیا اور میں اس کے سوچ میں تمام ہو گئی۔

صالحہ: آپ رنج نہ کیجیے اور دل کو سنبھالیے۔ اب آپ نے ان باتوں کا خیال کیا ہے تو ان شاءاللہ رفتہ رفتہ سب درست ہو جائیں گے۔ یہی ہے کہ کوئی اور کوئی سویر۔

اب ہم نعیمہ کو اسی جگہ چھوڑتے ہیں جو اس کو پیش آیا اور جیسا اس کا انجام ہوا' پھر بیان کریں گے۔

Marfat.com

فصل نہم

# کلیم باپ سے ناخوش ہو کر گھر سے نکل گیا

# نصوح نے کلیم کا تکلف خانہ اور بیہودہ کتاب خانہ جلا دیا

نعیمہ تو صبح ہوتے گئی مگر کلیم رات ہی کو گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ جب صالحہ ڈولی سے اتری' لوگ تو اس سے ملنے ملانے میں مصروف ہوئے' کلیم آنکھ بچی تو دروازہ کھول باہر۔ اتنا بھی تو نہ کیا کہ رات کا وقت ہے' لاؤ کسی سے دروازے کے واسطے کہتا جاؤں۔ جب نعیمہ کو کھانا جالیا' سب گھر والے کھا پی کے فارغ ہو گئے اور فہمیدہ سونے کے ارادے سے مکان میں آئی تو دیکھا کہ باہر کا دروازہ چوپٹ کھلا پڑا ہے۔ کلیم کو ادھر دیکھا ادھر دیکھا' کہیں پتا نہیں۔ سمجھی کہ موقع پا کر چل دیا لیکن اس وقت نہ تو کلیم اس ارادے سے گیا تھا کہ پھر نہ آئے اور نہ فہمیدہ کو ایسا گمان ہوا۔ رات گئی تھی زیادہ' بات کا چرچا کرنا مناسب نہ جان کر سب لوگ سو سلا رہے۔ نصوح نماز صبح پڑھ کر مسجد سے واپس آ رہا تھا کہ اس کو گلی کی نکڑ پر نعیمہ کی اور ڈیوڑھی سے نکلتی ہوئی صالحہ کی ڈولی ملی۔ کلیم کی نافرمانیوں پر غصہ تو اسے رات ہی بہتیرا کچھ آیا اور بار بار اس کے دل نے سوچا کہ اس وقت ادھر یا ادھر جو کچھ ہو فیصلہ کر دے لیکن چند در چند باتوں کے لحاظ سے وہ زہر کا سا گھونٹ پی کر چپ ہو رہا اور مشکل سے اپنی طبیعت کو اس بات پر رضامند کیا کہ پیام زبانی کا اثر اور تحریری کا نتیجہ تو معلوم ہوا ایک مرتبہ اور رو در رو کہہ کر بھی دیکھ لو۔ اس پر بھی نہ سمجھے تو اپنا سر کھائے۔ اس ارادے سے وہ پہلے مردانے مکان میں آ کر ٹھہرا اور جب کلیم اس کو نظر نہ آیا اس نے نوکروں سے پوچھا مگر کسی نے صاف جواب نہ دیا۔ تب وہ نوکروں پر خفا ہوا کہ تم لوگ کیسے نالائق ہو کہ مجھ کو اس بدبخت کا ٹھیک پتا نہیں دیتے۔ تم اپنے پندار میں اس کے حق میں خیر خواہی کر رہے ہو' مگر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تمہاری

Marfat.com

رازداری نہ صرف اس کم نصیب کے حق میں زبوں ہے بلکہ تمہارے حق میں بھی اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ اس کی عادت اس قدر سویرے اٹھنے کی نہیں ہے۔ ضرور ہے کہ تم نے اس کو جگا کر کہیں ٹال دیا ہے۔ میں نے تم کو اپنی آسائش کے لیے خاص خاص خدمتوں پر مامور کر رکھا ہے۔ اگر تمہاری وجہ سے میری انتظام خانہ داری میں خلل واقع ہو تو تم میرے نوکر نہیں ہو بلکہ دشمن ہو' ملازم نہیں ہو بلکہ بدخواہ ہو۔ اگر میں اس ناشدنی کو فرزندی سے عاق کروں گا تو تم سب کو بھی اس کے ساتھ نوکری سے برطرف۔

نصوح کا یہ کلام سن کر اعلیٰ ادنیٰ سب نوکر تھرا اٹھے اور جوان میں سب سے زیادہ سلیقہ مند تھا' دست بستہ ہو کر بولا کہ حضور کا عتاب غلاموں کے سر و چشم پر۔ مگر شب کو مکان زنانہ رہا اور خانہ زادوں کو اجازت ہوئی کہ اپنے اپنے گھر جا کر سوئیں۔ اس وقت صاحب زادے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ نمک خواروں نے صبح کو آ کر ان کا جمال نہیں دیکھا۔ جناب بیگم صاحب سے حضور اس کا حال دریافت فرمائیں۔ خانہ زادوں سے ایسی کور نمکی نہ ہوگی کہ حضور سے کوئی بات مخفی رکھیں۔

یہ سن کر نصوح اندر گیا اور حسب عادت سب لوگ سلام صبح کرنے کے واسطے جمع ہو گئے۔ فہمیدہ اس وقت تک تلاوت میں مصروف تھی۔ مگر تھوڑی دیر میں فارغ ہو گئی تو نصوح نے کہا: ''کیوں صاحب! بی صالحہ گئیں؟''

فہمیدہ: کبھی کی گئیں۔ اب تک تو وہ گھر بھی پہنچ گئی ہوں گی۔

نصوح: اور دوسری ڈولی کس کی تھی؟

فہمیدہ: تمہاری بڑی صاحبزادی کی۔

نصوح: مان کر گئیں یا بگڑ کر۔

فہمیدہ: کچھ مان کر کچھ بگڑ کر۔

نصوح: یہ کیا؟

فہمیدہ: صالحہ نے' خدا اس کو جزائے خیر دے' بہت کچھ سمجھایا اور آدھی رات تک اپنا سر خالی کیا۔ بارے اس کے کہنے سے انہوں نے اپنا قہری روزہ تو افطار کیا' لڑکے کو بھی

Marfat.com

دودھ پلایا' یہ تو ان کا منا تھا۔ بگڑنا یہ کہ صبح کو بے ملے' بے رخصت ہوئے' ڈولی میں بیٹھ چل دیں۔ میں صالحہ سے باتیں کرتی رہی۔ میں نے اس کو جاتے کو بھی نہ دیکھا۔

نصوح: خیران سے تو خدا نے سبک دوش کیا۔ اب صاحبزادے صاحب کی کہو' وہ کہاں ہیں؟

سب چھوٹے بڑوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے کہ ہم کو مطلق خبر نہیں۔

نصوح: کب سے غائب ہیں؟

فہمیدہ: مغرب کے بعد سے برابر میرے پاس بیٹھا تھا' میں اس کو سمجھاتی رہی۔ تمہارا خط آیا' اس کو پڑھا۔ اتنے میں صالحہ کی ڈولی آ پہنچی' میں اس سے باتیں کرنے لگی۔ پھر لوگوں کو کھانا دیا دلایا۔ اس میں کوئی پہر ڈیڑھ پہر رات چلی گئی۔ سونے کو جو گئی تو دیکھا کہ مکان خالی پڑا ہے۔

نصوح: الحمدللہ خس کم جہاں پاک لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اس میں کس کی خطا ہے میری یا اس کی؟

فہمیدہ: خطا صریح اسی کی ہے۔ میں خواہ مخواہ بھی تمہاری خطا بتا دوں۔ تم نے اس کو ایک دفعہ چھوڑ دو دفعہ بلایا' خط لکھا' بس حد ہو گئی۔ علیم نے بہتیرا سمجھایا' میں نے بہت کچھ کہا سنا۔ وہ اپنی شاعری کے آگے کس کی سنتا ہے؟ تم تک جانے ہی کی اس نے ہامی نہ بھری۔ میں نے کہا تھا کہ کھانے پینے سے فراغت پا کر پھر اس کے ساتھ سر ماروں گی۔ اسی غرض سے مردانے مکان میں پردہ کرایا' مگر وہ پہلے ہی سے نکل گیا۔ کوئی کیا کرے' اپنی اپنی قسمت' اپنی اپنی تقدیر۔

نصوح: جس طرح یہ نالائق میرے ساتھ پیش آیا' نعیمہ نے تمہارے ساتھ اس کا دسواں حصہ بھی نہیں کیا۔

اس کے بعد نصوح نے منجھلے بیٹے علیم سے کہا'' بھلا تو نے اس کے بچھونے یا کتابوں میں تو دیکھا ہوتا' شاید وہ کچھ لکھ کر رکھ گیا ہو۔ افسوس ہے کہ اس کے نفس سرکش نے اس کو مجھ تک نہ آنے دیا' ورنہ میں تو ہر طرح اس کے عذرات کو سننے اور اس کے وجوہات پر

Marfat.com

لحاظ کرنے اور معقولیت کے ساتھ اس کو سمجھانے کے لیے موجود تھا۔

علیم: یہ بات میرے ذہن میں نہیں گزری' مگر میں اب ان کی چیزوں میں دیکھے لیتا ہوں۔ اگرچہ مجھ کو اب بھی ایسی امید نہیں ہے کہ وہ کچھ لکھ کر گئے ہوں۔ کیوں کہ اگر لکھنا بھی منظور ہوتا تو وہ آپ کے خط کا جواب نہ ہی دیتے۔ دوسرے' ان کو اتنی فرصت کہاں ملی۔ کل شام کو اس بات کا چرچا شروع ہوا اور میں جانتا ہوں کہ صالحہ کے آتے ہی وہ تشریف لے گئے۔ اسی اثنا میں برابر میں ان کے پاس تھا اور میرے چلے جانے کے بعد اماں جان۔

نصوح: پھر بھی میں اس کو داخل اتمام حجت سمجھ کر چاہتا ہوں کہ احتیاطاً اس کی چیزوں میں دیکھ لیا جائے۔ چلو میں بھی تمہارا شریک رہوں گا۔

ہر چند علیم کو منظور نہ تھا کہ بھائی کی چیزوں پر باپ کی نظر پڑے مگر باپ کو منع بھی نہ کر سکتا تھا۔ آخر باہر مردانے میں آ کر نصوح نے نوکروں سے پوچھا کہ کلیم کا اسباب کس جگہ ہوتا ہے؟

نوکر: حضور صاحب زادے نے دو کمرے لے رکھے ہیں۔ اس دکھن والے کمرے کا نام انہوں نے (بچے ہی تو ہیں) ''عشرت منزل'' رکھ چھوڑا ہے۔ جب ان کے ہم جولی آتے ہیں تو سب اسی کمرے میں بیٹھ کر کھیلا اور باتیں کیا کرتے ہیں۔ اتر والے کمرے کو ''خلوت خانہ'' فرمایا کرتے ہیں۔ اس میں ان کے پڑھنے لکھنے کی کتابیں وغیرہ ہیں۔

نصوح عشرت منزل اور خلوت خانہ کا نام سن کر چوکنا ہوا اور اس نے نوکروں سے کہا کہ اچھا پہلے اس عشرت منزل کو کھولو۔ چنانچہ عشرت منزل کھولا گیا تو ایک تکلف خانہ تھا۔ کمرے بیچ میں چوکیوں کا فرش' اس پر دری' اس پر سفید چاندنی اس خوش سلیقگی کے ساتھ تنی ہوئی کہ کہیں دھبے یا سلوٹ کا نام نہیں۔ صدر کی جانب گجرات کا نفیس قالین بچھا ہوا' گاؤ تکیہ لگا ہوا۔ سامنے اگال دان' لب قالین پیچوان۔ چوکیوں کے گرداگرد کرسیاں' تھیں تو لکڑی کی لیکن آئینے کی طرح صاف اور چمکتی ہوئی۔ چھت میں پٹاپٹی کی گوٹ کا پنکھا لٹکا ہوا' ہلانے کے واسطے نہیں بلکہ دکھانے کے لیے۔ اس کے پہلوؤں میں

Marfat.com

جھاڑ۔ جھاڑوں کے بیچ بیچ میں رنگ بہ رنگ کی ہانڈیاں۔ چھت کیا تھی بلا مبالغہ آسمان کا نمونہ تھا جس میں پنکھا بجائے کہکشاں کے تھا' جھاڑ بہ منزلہ آفتاب اور ماہتاب اور ہانڈیاں ہو بہو جیسے ستارے۔ چھت کے مناسب حالت' دیواریں' تصویریں اور قطعات اور دیوار گیریوں سے آراستہ تھیں۔

نصوح اس ساز و سامان کو تھوڑی دیر ایک سکتے کے عالم میں کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ایک آہ کھینچ کر بولا افسوس کتنی دولت خدا داد اس بیہودہ نمائش اور تکلف اور آرائش میں ضائع کی گئی ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ یہ روپیہ محتاجوں کی امداد اور غریبوں کی کار برآری میں صرف کیا جاتا۔

اس کے بعد اس کی نگاہ مقابل صدر جا پڑی۔ کیا دیکھتا ہے کہ آمنے سامنے دو میزیں لگی ہیں۔ ایک پر گنجفہ' شطرنج' چوسر' تاش' کھیل کی چیزیں اور ارگن باجے رکھے تھے۔ دوسری پر گلدان اور عطردان وغیرہ کے علاوہ ایک نہایت عمدہ طلائی جلد کی موٹی سی کتاب۔ نصوح نے نہایت شوق سے اس کتاب کو کھولا تو وہ تصویروں کا البم تھا۔ مگر تصویریں کسی عالم' حافظ اور درویش خدا پرست کی نہیں' مکھوا پکھاوجی' تان سین خاں گویا' میر ناصر احمد بین و ناز' صمد خان پہلوان' کھلونا بھانڈ' حیدر علی قوال' نتھو بیجڑا' قاری علی محمد پھکڑ' عدو جواری اس قسم کے لوگوں کی۔ شیشہ آلات کی وجہ سے نصوح نے دیوار والی تصویروں کو بہ غور نہیں دیکھا تھا۔ اب البم کو دیکھ کر اسے خیال آیا۔ آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہے تو وہ تصویریں اور بھی بے ہودہ تھیں۔ قطعے اور طغرے' اگرچہ ان کا سواد خط پاکیزہ تھا مگر مضمون و مطلب دین کے خلاف' مذہب کے برعکس۔ نصوح نے وہیں سے ایک میز فرش اٹھا کر ان سب کی خبر لینی شروع کی اور بات کی بات میں کل چیزوں کو توڑ پھوڑ برابر کیا اور جو کچھ باقی رہا اس کو صحن میں رکھ آگ لگا دی اور نوکروں کو حکم دیا کہ اچھا اب خلوت خانہ کھولو۔

اس میں تکلف کے معمولی ساز و سامان کے علاوہ کتابوں کی الماری تھی۔ دیکھنے میں تو اتنی جلدیں تھیں کہ انسان ان کی فہرست لکھنی چاہیے تو سارے دن میں بھی تمام نہ

Marfat.com

ہو لیکن کیا اردو کیا فارسی سب کی سب کچھ ایک ہی طرح کی تھیں۔ جھوٹے قصے' بے ہودہ باتیں' فحش مطلب' لچے مضمون' اخلاق سے بعید' حیا سے دور۔ نصوح ان کتابوں کی جلد کی عمدگی' خط کی پاکیزگی' کاغذ کی صفائی' عبارت کی خوبی' طرز ادا کی برجستگی پر نظر کرتا تھا تو کلیم کا کتاب خانہ اس کو ذخیرہ بے بہا معلوم ہوتا تھا۔ مگر معنی و مطلب کے اعتبار سے ہر ایک جلد سوختنی اور دریدنی تھی۔ اسی تردد میں اس کو دو پہر ہو گئی۔ کئی مرتبہ کھانے کے لیے گھر سے اس کو طلب ہوئی مگر اس کو فرصت نہ تھی۔ بار بار کتابوں کو الٹ الٹ کر دیکھتا تھا اور رکھ رکھ دیتا تھا۔ آخر کار یہی رائے قرار پائی کہ ان کو جلا دینا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ بھری الماری کتابیں' لکڑی کنڈے کی طرح اوپر تلے رکھ آگ لگا دی۔

نصوح کا یہ برتاؤ دیکھ اندر سے باہر تک تہلکہ اور زلزلہ پڑ گیا۔ علیم دوڑا دوڑا جا' اپنا کلیاتِ آتش اور دیوانِ شرر اٹھا لایا اور باپ سے کہا کہ جناب میرے پاس بھی یہ دو کتابیں اسی طرح کی ہیں۔ نصوح نے ان کتابوں کو بھی دو چار نگہ سے کھول کر دیکھا اور کہا کہ واقع میں ان کے مضامین بھی جہاں تک میں دیکھتا ہوں برے اور بے ہودہ ہیں لیکن تمہاری نسبت مجھ کو خدا کے فضل سے اطمینان ہے۔ چاہو تو اپنی کتابوں کو رہنے دو۔ اگرچہ ان کا مطالعہ میرے نزدیک خالی از معصیت نہیں ہے۔

علیم: کتاب جب تک دیکھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں تو اس کا رکھنا بے سود بلکہ خطرناک ہے۔ بہتر ہوگا کہ ان کو بھی جلا دیا جائے۔

نصوح: شاید تم میری خاطر سے کہہ رہے ہو اور تم کو پیچھے تاسف ہو۔

علیم: مجھ کو ہرگز تاسف نہ ہوگا بلکہ خوشی ہوگی۔ جلائی جائے وہ عمدہ نصیحت کی کتاب جو مجھ کو پادری صاحب نے دی تھی اور رہیں یہ خرافات! میں جانتا ہوں کہ بھائی جان کی کتابوں پر یہ اسی پادری صاحب والی کتاب کا وبال پڑا۔ ڈرنے کا مقام اور عبرت کی جگہ۔

نصوح: لیکن کیا ضرور ہے کہ تمہاری کتابیں بھی اس وبال میں داخل ہوں؟

علیم: ان کے نام بھی جلنا جلنا پکارتے ہیں۔ ارشاد ہو تو جھونک دوں۔

Marfat.com

نصوح: تمہاری یہی مرضی ہے تو بسم اللہ۔

علیم نے ''آتش'' کو دھکتی آگ اور ''شرر'' کو جلتے انگاروں پر پھینک دیا۔ علیم کی دیکھا دیکھی میاں سلیم نے بھی ''واسوخت امانت'' لا باپ کے حوالے کی اور کہا کہ ایک دن کوئی کتاب فروش کتابیں بیچنے لایا تھا۔ بڑے بھائی صاحب نے فسانہء عجائب' قصہ گل بکاؤلی' آرائش محفل' مثنوی میر حسن' مضحکات نعمت خان عالی' منتخب غزلیات چرکین' ہزلیات جعفر زٹلی' قصائد ہجویہ مرزا رفیع السودا' دیوان جان صاحب' بہارِ دانش با تصویر' اندر سبھا' دریائے لطافت میر انشاء اللہ خاں' کلیاتِ رند وغیرہ بہت سی کتابیں اس سے لی تھیں۔ میں بھی بیٹھا تھا۔ مجھ کو دیکھ کر بولے: ''کیوں سلیم' تم بھی کوئی کتاب لو گے؟''

میں: جو آپ تجویز فرمائیں۔

بھائی جان: کون سی کتاب تم کو لے دوں؟ یہ کتابیں جو میں نے لی ہیں' اول تو میرے شوق کی ہیں' دوسرے تم کو ان کا مزا نہیں ملے گا۔

کتاب والے کی ساری گٹھری میں سے یہ ''واسوخت'' اور دیوانِ نظیر اکبر آبادی' دو کتابیں انہوں نے میرے لیے نکالیں اور کہا کہ ''واسوخت'' تو خیر مگر یہ دیوان بڑی عمدہ کتاب ہے۔ میاں ہدہد کے اشعار آج تک کسی نے جمع نہیں کیے تھے' اس کے حاشیے پر وہ بھی ہیں۔

چوں کہ بھائی جان نے دیوان کی بہت تعریف کی تھی' میں نے اس کو نہایت شوق سے کھولا تو پہلے ہی چوہوں کا اچار نکلا۔ اس کے مضمون سے میری طبیعت کچھ ایسی کھٹی ہوئی کہ میں نے دونوں کتابیں پھیر دی۔ مگر بھائی جان نے یہ ''واسوخت'' زبردستی میرے سر مڑھی۔ ایک دن اتفاق سے حضرت بی کے بڑے نواسے نے اس کو میرے جزدان میں دیکھ کر پوچھا آہا میاں سلیم' تم تو بڑے چھپے رستم نکلے۔

میں: کیوں؟

حضرت بی صاحب کا نواسہ: تم کو ایسی کتابوں کا بھی شوق ہے؟

میں: مجھ کو بھائی جان نے لے دی ہے۔ کیوں کیا' یہ کتاب اچھی نہیں؟

حضرت بی صاحب کا نواسہ: اچھی بری تو میں نہیں جانتا لیکن اگر نانی اماں دیکھ پائیں گی

Marfat.com

تو شاید ہم لوگوں کو تمہارے پاس اٹھنے بیٹھنے کی ممانعت کریں۔ بھلا کوئی ایسی گندی باتوں کی کتاب بھی پڑھتا ہے۔

تب سے میں نے اس کتاب کو لا کر ردی میں ڈال دیا تھا۔ آج مجھ کو یاد آ گئی تو میں نے کہا یہ بھی اپنی مراد کو پہنچ جائے۔

جب کلیم کا خرمن عیش و عشرت جل بھن کر خاک سیاہ ہو گیا تو نصوح گھر میں گیا اور بیوی نے اس سے پوچھا ''کیوں' جس پرچے کی جستجو تھی ملا؟

نصوح: نہیں پرچہ تو نہیں ملا لیکن میرا مطلب حاصل ہو گیا۔

فہمیدہ: وہ کیا؟

نصوح: مجھ کو اس بات کی تلاش تھی کہ کلیم کے دلی خیالات معلوم کر لوں کہ آخر اس کو جو اس قدر گریز ہے کہ میرے پاس آنے تک سے بھی اس نے انکار کیا تو اس کی وجہ کیا ہے؟

فہمیدہ: پھر تم نے کیا وجہ دریافت کی؟

نصوح: وجہ کیا دریافت کی' اس کی ساری حقیقت معلوم ہو گئی۔ بلکہ شاید رو در رو گفتگو کرنے سے بھی یہ بات پیدا نہ ہوتی جو مجھ کو اب حاصل ہے۔

فہمیدہ: آخر کچھ میں بھی تو سنوں۔

نصوح: میں نے اس کے ''عشرت منزل'' اور ''خلوت خانے'' کو دیکھا اور اس کے کتاب خانے کی سیر کی۔

فہمیدہ: ''عشرت منزل اور خلوت خانہ کیسا؟''

نصوح: تم تو کچھ مجھ سے بھی زیادہ بے خبر ہو۔ آج تک تم کو یہ بھی معلوم نہیں کہ صاحبزادہ بلند اقبال نے دو کمرے اپنے واسطے خاص کر رکھے ہیں۔ ایک کا نام ''عشرت منزل'' رکھ چھوڑا ہے اور دوسرے کا ''خلوت خانہ'' جس کمرے میں ان کے شیاطین الانس جمع ہوتے ہیں وہ ''عشرت منزل'' ہے اور جہاں استراحت فرماتے ہیں وہ ''خلوت خانہ' اور اسی خلوت خانہ میں کتاب خانہ بھی ہے۔

فہمیدہ: اتنی بات تو میں بھی جانتی ہوں کہ کلیم نے دو کمرے لے رکھے ہیں مگر ''عشرت منزل'' اور ''خلوت خانہ'' میں نے آج ہی سنا ہے۔

Marfat.com

نصوح: تم نے ان کمروں کو اندر سے بھی دیکھا؟
فہمیدہ: نہیں مردانے میں کبھی کا ہے کو جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔کل رات البتہ علیم کے اصرار سے پردہ کروا کے گئی تھی۔
نصوح: خوب ہوا کہ تم نے ان کمروں کو نہ دیکھا۔
فہمیدہ: کیوں؟
نصوح: اب میں ان کمروں کی تمام تو تنقیح تم سے کیا بیان کروں۔بس مولانا روم قدس اللہ سرہ العزیز کا شعر:

از بروں چوں گور کافر پر حلل
اندروں قہر خدائے عز و جل

گویا انہیں کمروں کی شان میں ہے۔ظاہر آباد باطن خراب۔
فہمیدہ: کوئی کہتا تھا کہ تم نے غصے میں آ کر دیوانے خانے میں آگ لگا دی۔
نصوح: اگر چہ وہ مکان جس میں وحشیوں کے سے کام ہوتے ہیں اسی قابل ہے مگر میں نے مکان میں تو آگ نہیں لگائی۔
فہمیدہ: کچھ دھواں سا تو مردانے میں ضرور اٹھ رہا تھا۔
نصوح: وہ تو چند کتابیں تھیں جن کو میں نے بے ہودہ سمجھ کر جلا دیا۔
فہمیدہ: ایسے غصے سے بھی خدا پناہ میں رکھے۔
نصوح: غصے کی تو اس میں کوئی بات نہ تھی۔
فہمیدہ: کتاب کا جلانا غصے کی بات نہیں تو عقل کی بات ہے؟ میں نے سنا ہے کہ کاغذ کا جلانا بڑا گناہ ہے نہ کہ کتاب۔لوگ کہیں ذرا سا پرزہ پڑا پاتے ہیں تو اٹھا کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔کتاب کو بھولے سے ٹھوکر لگ جاتی ہے تو توبہ توبہ کر کے چومتے اور ماتھے چڑھاتے ہیں۔
نصوح: تم سچ کہتی ہو مگر یہ لوگوں کی زیادتی ہے۔کاغذ بھی کپڑے کی طرح ایک بے جان چیز ہے۔کتاب کے عمدہ مضامین' جن میں دین داری اور خدا پرستی اور نیکوکاری کا بیان ہوتا ہے' وہ البتہ قابل ادب ہیں۔

Marfat.com

فہمیدہ: خیر کچھ ہی سہی مگر کتاب ہے تو ادب کی چیز۔ پھر تم نے جلائی کیوں؟

نصوح: جن کتابوں کو میں نے جلایا' ان کے مضامین کفر اور شرک اور بے دینی اور بے حیائی اور فحش اور بدگوئی اور جھوٹ سے بھرے ہوئے تھے۔

فہمیدہ: کتابوں میں ایسی بری بری باتیں بھی ہوتی ہیں؟

نصوح: کتابیں بھی آدمی بناتے ہیں اور آدمی ایسا مخلوق سرکش ہے کہ اس نے تمام دنیا میں بدی اور نافرمانی پھیلا رکھی ہے۔ کیا تم شعر اور شاعری کے نام سے واقف نہیں؟

فہمیدہ: واقف کیوں نہیں۔ کتابوں میں اکثر شعر ہوتے ہیں مگر ان میں تو کوئی بری بات دیکھنے میں آئی۔ سنتی ہوں کہ کلیم کو شعر بنانے کا بڑا شوق ہے اور مردوں میں یہ بڑی تعریف کی بات گنی جاتی ہے۔

نصوح: شاعر اپنی ذات سے بری نہیں بلکہ اس اعتبار سے کہ زبان دانی کی عمدہ لیاقت کا نام شاعری ہے' ضرور تعریف کی بات ہے لیکن لوگوں نے ایک عام دستور قرار دے رکھا ہے کہ اس لیاقت کو ہمیشہ برے اور بیہودہ خیالات میں صرف کرتے ہیں۔ اس وجہ سے دین داروں کی نظر میں شاعری عیب و گناہ ہے۔ اب شاعری اسی کا نام ہے کہ کسی کی ہجو کہے کہ وہ داخل غیبت ہے یا مدحِ بے جا لکھے کہ وہ کذب و بطالت ہے یا عشق و عیاشی کے ناپاک خیالات میں کوئی مضمون سوچے کہ وہ خلافِ شریعت ہے یا مسائل دین اور اہل دین کے ساتھ تمسخر و استہزاء کیجیے کہ وہ کفر و معصیت ہے۔

فہمیدہ: یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ پڑھنے لکھنے کی چیزوں میں بھی لوگوں نے خرابیاں پیدا کی ہیں۔

نصوح: کیا تم کو اپنا ''گلستاں'' پڑھنا یاد نہیں؟

فہمیدہ: یاد کیوں نہیں۔ جس دن حمیدہ کا دودھ چھڑایا ہے' اس کے اگلے دن میں نے ''گلستاں'' شروع کی تھی۔

نصوح: بھلا تم کو یہ بھی یاد ہے کہ میں تمہارے سبق سے آگے آگے جا بجا سطروں کی سطروں پر سیاہی پھیر دیا کرتا تھا؟ بلکہ بعض دفعہ صفحے کے صفحے ایسے آ پڑے ہیں کہ مجھ کو اوپر سے سادہ کاغذ لگا کر ان کو چھپانے کی ضرورت ہوئی۔

Marfat.com

فہمیدہ: خوب اچھی طرح یاد ہے۔ چوتھائی کتاب سے کم نہ کٹی ہوگی۔

نصوح: تم پڑھتی تھیں تب چوتھائی بھی کٹی' اگر کوئی دوسری عورت یا لڑکی پڑھتی ہوتی تو میں آدھی کی خبر لیتا۔ وہ تمام بے ہودہ باتیں تھیں جن کو میں کاٹتا اور چھپاتا پھرتا تھا۔

فہمیدہ: سچ کہو لو میں تو سمجھی مشکل جان کر چھڑوا دیتے ہیں۔

نصوح: بڑی مشکل یہ تھی کہ میں ان واہیات اور فحش باتوں کو تمہارے روبہ رو بیان نہیں کرسکتا تھا۔ پھر یہ اس کتاب کا حال ہے جو پند و اخلاق میں ہے اور تصنیف بھی ایسے بزرگ کی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا کمتر نکلے گا کہ ان کا نام لے اور شروع میں حضرت اور آخر میں رحمۃ اللہ علیہ یا قدس اللہ سرہ العزیز نہ کہے' یعنی ان کا اعتداد اولیاء اللہ میں ہے اور جو کتابیں میں نے جلائیں' کتابیں کاہے کو تھیں' بھکڑ' گالی' ہزلیات' بڑ' بکواس' ہذیان' خرافات' میں نہیں جانتا کہ ان میں سے کون سا نام ان کے لیے زیادہ زیبا ہے۔

فہمیدہ: جلانا کیا ضرور تھا۔ پڑی رہنے دی ہوتیں یا بک بکا جاتیں۔ آخر داموں کی چیز تھی۔

نصوح: شاید اگلی گرمیوں کا ذکر ہے کہ بدرو میں سانپ نکلا تھا اور اس کو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب ایسے خوف زدہ ہو گئے تھے کہ صحن میں نکلنا بیٹھنا چھوڑ دیا تھا اور کیسا کچھ تقاضا تھا کہ جس طرح ہو سکے سانپ کو پکڑوا کر مار ڈالنا چاہیے۔ سانپ کی نسبت تم نے ہرگز نہیں کہا کہ پڑا بھی رہنے دو' شاید کوئی سپیرا دو چار ٹکے پیسے دے کر مول لے جائے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ کتابیں اس سانپ سے زیادہ موزی اور اس سے کہیں زیادہ خطرناک تھیں اور ان کی قیمت چوری اور ٹھگی کے مال سے بڑھ کر حرام۔ کلیم کو اور پھٹکار کیا ہے؟ اسی سانپ کا زہر اس کو چڑھا ہوا ہے اور شیطان نے یہی منتر اس پر پڑھ کر پھونک دیا ہے۔

فہمیدہ: پھر آخر اس زہر کا تریاق اور اس منتر کا توڑ بھی کچھ ہے یا نہیں؟

نصوح: کیوں نہیں' دین و اخلاق کی کتابیں۔ مگر کوئی ان کو دیکھنے والا بھی تو ہو۔ نہ یہ کہ ہر روز نئے سانپ سے کٹواتے جاؤ اور تریاق سے بھاگو اور نفرت رکھو تو انجام کیا ہوگا' ہلاکت۔''

Marfat.com

## فصل دہم

# کلیم کا پہلے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ اور پھر اپنے ایک قرابت دار فطرت کے یہاں جا کر رہنا اور دونوں مرتبہ زک اٹھانا اور قید ہونا اور آخر کار باپ ہی کی سفارش پر رہائی پانا

اب ہم کو کلیم اور نعیمہ دونوں بھائی بہنوں کا حال بیان کرنا چاہیے کہ باپ کے گھر سے نکل کر ان پر کیا بیتی۔ سو چونکہ کلیم پہلے نکلا پہلے اسی کا حال بیان کرتے ہیں۔

کئی بار اس کو باپ نے بلوایا یہاں تک کہ ہار کر رقعہ لکھا۔ ماں نے بہتیرا سمجھایا بھائی نے بہت کچھ کہا سنا لیکن وہ رو بہ راہ نہ ہوا اور جب دیکھا کہ فہمیدہ صالحہ کے اتروانے میں مصروف ہے آنکھ بچا بے پوچھے بے کہے گھر سے اس طرح نکل کھڑا ہوا کہ گویا اس کو کچھ تعلق ہی نہ تھا۔ شاید اس کے ذہن میں بھی یہ بات اس وقت نہ گزری ہوگی کہ وہ عمر بھر کے واسطے گھر سے جا رہا ہے اور عزیز و اقارب جن سے وہ ایسے سرسری طور پر جدا ہوتا ہے جیتے جی ان کو نہ دیکھ سکے گا۔ یہ نکلنا اس کا کچھ نیا نکلنا نہ تھا بلکہ معمولی عادت اور ہمیشہ کی خصلت تھی۔ گھر سے نکل جانے کی اس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ ذرا ذرا سی اذعائی ناخوشی پر وہ آئے دن بھاگا کرتا تھا۔ مگر ادھر اس کا نکلنا معلوم ہوا اور ادھر نوکروں کے جاسوس اس کی جستجو میں دوڑنے شروع ہوئے۔ شروع شروع میں تو نوکروں ہی کے بلانے سے چلا آتا تھا۔ پھر چندے یہ معمول رہا کہ خود میاں نصوح جاتے تو صاحب زادۂ بلند اقبال کو منا لاتے۔ اب تھوڑے دنوں سے نصوح کے عمل میں بھی ناشیر گھٹ گئی تھی بی فہمیدہ کی ڈولی دربدر پھرا کرتی تھی۔

اس دفعہ بھی وہ ضرور یہ توقع جی میں لے کر نکلا کہ گلی سے نکلتے نکلتے نوکر اس کے پیچھے دوڑیں گے اور اس امید میں اس نے اپنے دوست مرزا ظاہر دار بیگ کے گھر پہنچتے پہنچتے کوئی سینکڑوں ہی مرتبہ پیچھے پھر پھر کر دیکھا۔ مگر واقع میں یہ اس کی غلط فہمی تھی۔ اب

Marfat.com

کلیم کے سوا' بہ قول نعیمہ کے گھر کا باوا آدم بدلا ہوا تھا۔ نہ پہلی سی ماں' نہ اگلا سا باپ' نوکر ڈھونڈھیں تو کیوں اور دوڑیں تو کس لیے؟ پھر بھی کلیم اس سے بے خبر نہ تھا کہ اس مرتبہ ایک خاص طرح کا بگاڑ ہے۔ وہ جانتا تھا کہ دین داری کا چرچا گھر میں ہو رہا ہے۔ خلاف توقع نعیمہ ایک تھپڑ کھا چلی ہے۔ سلیم اور حمیدہ جو گھر میں چھوٹے ہونے کی وجہ سے کلیم اور نعیمہ کے تختۂ مشق تھے' اب سب سے زیادہ باپ اور ماں دونوں کے چہیتے ہو رہے ہیں یعنی جن کی لمبی چوڑی عزت تھی وہ ذلیل ہیں اور جو بے وقعت تھے ان کا طوطی بول رہا ہے۔ پہلے جب کبھی کلیم گھر سے ناخوش ہو کر نکلا تو کھانے کپڑے' روپے پیسے کے لین دین پر' ماں یا بھائی بہنوں سے لڑائی جھگڑے کے سبب لیکن اس دفعہ دین کی بحث تھی' نہ لین دین کی' باپ سے لڑائی تھی' نہ بھائی بہنوں سے۔ ذرا سی عقل معاملہ فہم بھی کلیم کو ہوتی تو وہ ایسی حالت میں گھر سے نکلنے پر دلیری نہ کرتا لیکن جیسا کہ نصوح نے تجویز کیا تھا اس پر شاعری کی پھٹکار تھی اور سر پر شامت اعمال سوار اور واقع میں جب انسان شبانہ روز داد و تحسین کی فکر میں منہمک رہے گا تو ضرور ہے کہ خود پسندی' خود بینی' خودستائی کے عیوب اس کی طبیعت میں راسخ ہوں۔

شروع سخن کے اعتبار سے ہم بھی کلیم کو شاباش دیتے ہیں' کیوں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ معاملہ اچھا باندھتا ہے' تضمین میں گرہ خوب لگاتا ہے' بندش بھی خاصی ہوتی ہے' قصیدہ بھی برا نہیں' طبیعت مضمون آفرینی پر بھی مائل ہے۔ مثنوی تو خیر' مگر رباعی اس کی لاجواب ہوتی ہے۔ مقطع میں تخلص کا نباہ یا تو متاخرین میں مومن مرحوم میں دیکھا یا اب ماشاءاللہ میاں کلیم میں۔ صنائع لفظی کے اتنے التزام پر بے ساختگی کی ادا قابل آفریں ہے۔ اب قصیدے کی تشبیب بعد چندے سودا کے لگ بھگ ہونے والی ہے۔ چشم بددور' چھ برس کی مشق میں دو دیوانوں کا مرتب ہو جانا کچھ تھوڑی بات نہیں۔ شہر میں بھلا کچھ نہیں تو سو دو سو غزلیں لوگوں کے زبان زد ہوں گی۔ سچ ہے' قبولِ سخن خداداد بات ہے۔

الغرض شاعری میں کلیم کی لن ترانیاں چنداں بے جا نہ تھیں لیکن دنیا کے معاملات میں از بس کہ اس کو غور اور خوض کرنے کی عادت نہ تھی اسی وجہ سے اکثر اس کی رائے غلطی پر ہوتی تھی۔

Marfat.com

وہ گھر سے نکل کر ایسا بے تکلف مرزا ظاہر دار بیگ کی طرف کو مڑا جیسے مطلق العنان گھوڑا تھان کی طرف رخ کرتا ہے۔ مرزا کی ظاہری داری نے اس کو اس قدر دھوکا دے رکھا تھا کہ وہ ان کو ماں' باپ' بھائی' بہن' خویش و اقارب' سب سے بڑھ کر اپنا خیر خواہ' سب سے زیادہ اپنا دوست سمجھتا تھا اور بے امتحان' بے آزمائش' اس کو مرزا پر ایسا تکیہ و اعتماد تھا کہ شاید دانش مند آدمی کو متواتر تجربوں کے بعد بھی' کسی دوست پر نہیں ہو سکتا۔ بات اصل یہ ہے کہ مردم شناسی کی جو ایک صفت ہے' کلیم میں مطلق نہ تھی۔ مرزا سے زیادہ اس کو اپنی نسبت مغالطہ تھا اور اس نے اپنے تئیں ایسا عزیز الوجود فرض کر رکھا تھا کہ ایک سے ایک لائق نوکری کی جستجو میں مارے مارے پھرتے ہیں اور نہیں ملتی اور کلیم کے ذہن میں از خود یہ خناس سمایا ہوا تھا کہ گویا تمام ہندوستانی سرکاریں اس کے قدوم میمنت لزوم کی متمنی اور منتظر ہیں اور جس طرف کو چل کھڑا ہوگا وہاں کا والی ملک اس کی تشریف آوری کو بس غنیمت سمجھے گا۔ گھر سے نکلا تو محض تہی دست لیکن اس خیال میں مگن کہ اب کوئی دم جاتا ہے کہ مالک خزائن الارض بننے والا ہوں۔ چلا جوتیاں چٹخاتا ہوا مگر اس تصور میں مست کہ فیل کوہ پیکر مع ہودج زراس کی سواری کے لیے آ رہا ہے۔ باوجودے کہ شب خوابی کے کپڑوں کے سوا بدن پر کچھ نہ تھا' تاہم خلعت ہفت پارچہ کی امید میں۔

نظر اس کی نخوت کے زینے پہ تھی
کہ شانوں سے اتری تو سینے پہ تھی

قصہ کوتاہ' کلیم شیخ چلی کے سے منصوبے سوچتا ہوا اپنے دوست مرزا کے مکان پر پہنچا۔ ہر چند ابھی کچھ ایسی بہت رات نہیں گئی تھی لیکن مرزا جیسے نکمے' بے فکرے کبھی کی نیند تان کر سو چکے تھے۔ کلیم نے دروازے پر دستک دی تو جواب ندارد۔ اس مقام پر مرزا کا تھوڑا سا حال لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس شخص کی کیفیت یہ تھی کہ شاید اس کا نانا' وہ بھی حقیقی نہیں' ابتدائے عمل داری سرکار میں صاحب ریذیڈنٹ کی اردلی کا جمعدار تھا۔ اول تو ایسی عالی جاہ سرکار' دوسرے باعتبارِ منصب اردلی کا جمعدار' تیسرے ان دنوں کی بے عنوانی' اس پر خود اس کی رشوت ستانی بہت کچھ کمایا۔ یہاں تک کہ اس کا اعتداد دلی کی

Marfat.com

رودراوں میں ہو گیا۔ مرزا کی ماں اوائل عمر میں بیوہ ہو گئی۔ جمعدار نے باوجودے کہ دور کی قرابت تھی' حسبۃً للہ اس کا تکفل اپنے ذمے لیا۔ جمعدار اپنی حیات میں تو اتنا سلوک کرتا رہا کہ مرزا کو یتیمی اور اس کی ماں کو بیوگی بھول کر بھی یاد نہ آئی ہو گی لیکن جمعدار کے مرنے پر اس کے بیٹے' پوتے' نواسے کثرت سے تھے۔ انہوں نے بے اعتنائی کی اور اگرچہ جمعدار بہت کچھ وصیت کر مرے تھے مگر ان کے ورثا نے بہ ہزار دقت' محل سرا کے پہلو میں ایک بہت چھوٹا سا قطعہ ان کے رہنے کو دیا اور سات روپے مہینے کے کرائے کی دکانیں مرزا کے نام کرا دیں۔ یہ تو حال تھا کہ مرزا' مرزا کی ماں' مرزا کی بیوی' تین تین آدمی اور سات روپے کی کل کائنات' اس پر مرزا کی شیخی اور نمود۔ یہ مسخرہ اس ہستی پر چاہتا تھا کہ جمعدار کے بیٹوں کی برابری کرے جن کو صدہا روپے ماہوار کی مستقل آمدنی تھی۔ اگرچہ جمعدار والے اس کو منہ نہیں لگاتے تھے مگر یہ بے غیرت زبردستی ان میں گھستا تھا۔ کسی کو ماموں جان' کسی کو بھائی جان' کسی کو خالو جان بناتا اور وہ لوگ اس کے ادعائی رشتوں ناتوں سے جلتے اور دق ہوتے۔ اونچی حیثیت کے لوگوں میں بیٹھنا اس کے حق میں اور بھی زبوں تھا۔ ان کی دیکھا دیکھی اس نے تمام عادتیں امیرزادوں کی سی اختیار کر رکھی تھیں۔ مگر امیرزادگی نہ تھی تو کیسے نبھے۔ دکانیں گروی ہوتی جاتی تھیں۔ ماں بے چاری بہتیرا بکتی مگر کون سنتا تھا۔

مرزا کو جب دیکھو پاؤں میں ڈیڑھ حاشیے کی جوتی' سر پر دہری بیل کی بھاری کام دار ٹوپی' بدن میں ایک چھوڑ دو دو انگرکھے' اوپر شبنم یا ہلکی سی تن زیب' نیچے کوئی طرح دار ساڈھا کے کا نینو۔ جاڑا ہوا تو بانات مگر سات روپے گز سے کم کی نہیں۔ خیر یہ تو صبح و شام اور تیسرے پہر کا شانی مخمل کی آصف خانی جس میں حریر کی سنجاف کے علاوہ گنگا جمنی کم خواب کی عمدہ بیل ٹنکی ہوئی۔ سرخ نیفہ' پائجامہ اگر ڈھیلے پائچوں کا ہوا تو کلی دار اور اس قدر نیچا کہ ٹھوکر کے اشارے سے دو دو قدم آگے اور اگر تنگ مہری کا ہوا تو نصف ساق تک چوڑیاں اور اوپر جلد بدن کی طرح مڑھا ہوا۔ ریشمی ازار بند' گھٹنوں میں لٹکتا ہوا۔ اس میں بے قفل کی کنجیوں کا گچھا۔ غرض دیکھا تو مرزا صاحب اس ہیئت کذائی سے چھیلا

Marfat.com

بنے' سر بازار' چھم چھم کرتے چلے جارہے ہیں۔

کلیم سے اور مرزا سے محفل مشاعرہ میں تعارف پیدا ہوا۔ شدہ شدہ مرزا صاحب کلیم کے مکان پر تشریف لانے لگے۔ یہاں تک کہ اب چند روز سے تو دونوں میں ایسی گاڑھی چھننے لگی تھی کہ گویا یک جان دو قالب تھے۔ کلیم کو تو مرزا کے مکان پر جانے کا کبھی بھی اتفاق نہیں ہوا مگر مرزا شام کو تو کبھی کبھی لیکن صبح کو بلا ناغہ آتے اور تمام تمام دن کلیم کے پاس رہتے۔ مرزا نے اپنا حال اصلی کلیم پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ کلیم یہی جانتا تھا کہ جمعدار کا تمام ترکہ مرزا کو ملا اور وہ جمعدار کی محل سرا کو مرزا کی محل سرا اور جمعدار کے دیوان خانے کو مرزا کا دیوان خانہ اور جمعدار کے بیٹے پوتوں کے نوکروں کو مرزا کے نوکر سمجھتا اور اسی غلط فہمی میں وہ گھر سے نکلا تو سیدھا جمعدار کے محل سرا کی ڈیوڑھی پر جا موجود ہوا۔ بار بار کے پکارنے اور کنڈی کھڑکھڑانے سے دو لونڈیاں چراغ لیے ہوئے اندر سے نکلیں اور ان میں سے ایک نے پوچھا "کون صاحب ہیں اور اتنی رات گئے کیا کام ہے؟

کلیم: جاؤ مرزا کو بھیج دو۔

لونڈی: کون مرزا؟

کلیم: مرزا ظاہر دار بیگ جن کا مکان ہے اور کون مرزا۔

لونڈی: یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں ہے۔

اتنا کہہ کر قریب تھا کہ لونڈی پھر کواڑ بند کر لے کلیم نے کہا "کیوں جی کیا یہ جمعدار صاحب کی محفل سرا نہیں ہے؟

لونڈی: ہے کیوں نہیں۔

کلیم: پھر تم نے یہ کیا کہا کہ یہاں کوئی ظاہر دار بیگ نہیں۔ کیا ظاہر دار بیگ جمعدار کے وارث اور جانشین نہیں ہیں؟

لونڈی: جمعدار کے وارثوں کو خدا سلامت رکھے موا ظاہر دار بیگ جمعدار کا وارث بننے والا کون ہوتا ہے۔

Marfat.com

دوسری لونڈی: اری کم بخت! یہ کہیں مرزا بانکے کے بیٹے کو نہ پوچھتے ہوں۔ وہ ہر جگہ اپنے تئیں جمعدار کا بیٹا بتایا کرتا ہے۔'' (کلیم سے مخاطب ہو کر) ''کیوں میاں! وہی ظاہر دار بیگ نا' جن کی رنگت زرد زرد ہے' آنکھیں کرنجی' چھوٹا قد' دبلا ڈیل' اپنے تئیں بہت بنائے سنوارے رہا کرتے ہیں۔

کلیم: ہاں ہاں' وہی ظاہر دار بیگ۔

لونڈی: تو میاں' اس مکان کے پچھواڑے' اپلوں کی ٹال کے برابر ایک چھوٹا سا کچا مکان ہے' وہ اس میں رہتے ہیں۔

کلیم نے وہاں جا آواز دی تو کچھ دیر بعد مرزا صاحب ننگ دھڑنگ' جانگیہ پہنے ہوئے باہر تشریف لائے اور کلیم کو دیکھ کر شرمائے اور بولے ''آہا! آپ ہیں۔ معاف کیجیے گا' میں نے سمجھا کوئی اور صاحب ہیں۔ بندے کو کپڑا پہن کر سونے کی عادت نہیں۔ میں ذرا کپڑے پہن آؤں تو آپ کے ہم رکاب چلوں۔

کلیم: چلیے گا کہاں؟ میں آپ ہی کے پاس تک آیا تھا۔

مرزا: پھر اگر کچھ دیر تشریف رکھنا منظور ہو تو میں اندر پردہ کرا دوں۔

کلیم: میں آج شب کو آپ ہی کے یہاں رہنے کی نیت سے آیا ہوں۔

مرزا: بسم اللہ تو چلیے اسی مسجد میں تشریف رکھیے' بڑی فضا کی جگہ ہے۔ میں ابھی آیا۔

کلیم نے جو مسجد میں آ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نہایت پرانی چھوٹی سی مسجد ہے وہ بھی مسجد ضرار کی طرح ویران' وحشت ناک' نہ کوئی حافظ ہے نہ ملا' نہ طالب علم نہ مسافر۔ ہزارہا چمگادڑیں اس میں رہتی ہیں کہ ان کی تسبیح بے ہنگام سے کان کے پردے پھٹے جاتے ہیں۔ فرش پر اس قدر بیٹ پڑی ہے کہ بجائے خود کھرنجے کا فرش بن گیا ہے۔

مرزا کے انتظام میں کلیم کو چار و ناچار اسی مسجد میں ٹھہرنا پڑا۔ مرزا آئے بھی تو اتنی دیر کے بعد کہ کلیم مایوس ہو چکا تھا۔ قبل اس کے کہ کلیم شکایت کرے مرزا صاحب بطور دفع دخل مقدر فرمانے لگے کہ بندے کے گھر میں کئی دن سے طبیعت علیل ہے' خفقان کا

Marfat.com

عارضہ اختلاج قلب کا روگ ہے۔ اب جو میں آپ کے پاس سے گیا تو ان کو غشی میں پایا اس وجہ سے دیر ہوئی۔ پہلے یہ تو فرمایئے کہ اس وقت بندہ نوازی فرمانے کی کیا وجہ ہے؟

کلیم نے باپ کی طلب' اپنا انکار' بھائی کی التجا' ماں کا اصرار تمام ماجرا کہہ سنایا۔

مرزا: پھر اب کیا ارادہ ہے؟

کلیم: سوائے اس کے کہ اب گھر لوٹ کر جانے کا ارادہ تو نہیں ہے اور جو آپ کی صلاح ہو۔

مرزا: خیر نیت شب حرام صبح تو ہو۔ آپ بے تکلف استراحت فرمایئے۔ میں جا کر بچھونا وغیرہ بھیجے دیتا ہوں اور مجھ کو مریضہ کی تیمارداری کے لیے اجازت دیجیے کہ آج اس کی علالت میں اشتداد ہے۔

کلیم: یہ کیا ماجرا ہے؟ تم تو کہا کرتے تھے کہ ہمارے یہاں دوہری محل سرائیں' متعدد دیوان خانے' کئی پائیں باغ ہیں۔ حوض اور حمام اور کٹڑے اور گنج اور دکانیں اور سرائیں' میں تو جانتا ہوں کہ عمارت کی قسم سے کوئی چیز ایسی نہ ہوگی جس کو تم نے اپنی ملک نہ بتایا ہو یا یہ حال ہے کہ ایک متنفس کے واسطے ایک شب کے لیے تم کو جگہ میسر نہیں۔ جو جو حالات تم نے اپنی زبان سے بیان کیے ان سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ جمعدار کے تمام ترکے پر تم قابض اور متصرف ہو لیکن میں اس تمام جاہ و حشمت کا ایک شمہ بھی نہیں دیکھتا۔

مرزا: آپ کو میری نسبت سخن سازی کا احتمال ہونا سخت تعجب کی بات ہے۔ اتنی مدت مجھ سے آپ سے صحبت رہی مگر افسوس ہے آپ نے میری طبیعت اور میری عادت کو نہ پہچانا۔ یہ اختلافِ حالت جو آپ دیکھتے ہیں اس کی ایک وجہ ہے۔ بندے کو جمعدار صاحب مرحوم و مغفور نے متبنیٰ کیا تھا اور اپنا جانشیں کر مرے تھے۔ شہر کے کل رؤسا اس سے واقف اور آگاہ ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد لوگوں نے اس میں رخنہ اندازیاں کیں۔ بندے کو آپ جانتے ہیں کہ بکھیڑے سے کوسوں دور بھاگتا ہے۔ صحبت ناملائم دیکھ کر کنارا کش ہو گیا لیکن کسی کو انتظام کا سلیقہ' بندوبست کا حوصلہ نہیں۔ اسی روز سے اندر

Marfat.com

باہر واویلا مچی ہوئی ہے اور اس بات کے مشورے ہو رہے ہیں کہ بندے کو منا لے جائیں۔

کلیم: لیکن آپ نے اس کا تذکرہ کبھی نہیں کیا۔

مرزا: اگر میں آپ سے یا کسی سے تذکرہ کرتا تو استقلالِ مزاج سے بے بہرہ اور غیرت وحمیت سے بے نصیب ٹھہرتا۔ اب آپ کو کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی ہے اجازت دیجیے کہ میں جا کر بچھونا بچھوادوں اور مریضہ کی تیمارداری کروں۔

کلیم: خیر مقامِ مجبوری ہے لیکن پہلے ایک چراغ تو بھیج دیجیے تاریکی کی وجہ سے طبیعت اور بھی گھبراتی ہے۔

مرزا: چراغ کیا میں نے تو لمپ روشن کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن گرمی کے دن ہیں' پروانے بہت جمع ہو جائیں گے اور آپ زیادہ پریشان ہو جیے گا اور اس مکان میں ابابیلوں کی کثرت ہے' روشنی دیکھ کر گرنے شروع ہوں گے اور آپ کا بیٹھنا دشوار کر دیں گے۔ تھوڑی دیر صبر کیجیے کہ ماہتاب نکلا آتا ہے۔

کلیم جب گھر سے نکلا تو کھانا تیار تھا لیکن وہ اس قدر طیش میں تھا کہ اس نے کھانے کی مطلق پروانہ کی اور بے کھائے نکل کھڑا ہوا۔ مرزا سے ملنے کے بعد وہ منتظر تھا کہ آخر مرزا خود پوچھیں ہی گے تو کہہ دوں گا۔ مرزا کو ہر چند کھانے کی نسبت پوچھنا ضرور تھا کیوں کہ اول تو کچھ ایسی رات زیادہ نہیں گئی تھی' دوسرے یہ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ کلیم گھر سے لڑ کر نکلا ہے' تیسرے دونوں میں بے تکلفی غایت درجے کی تھی لیکن مرزا قصداً اس بات سے معترض نہ ہوا اور کلیم بے چارے کا بھوک کے مارے یہ حال کہ مسجد میں آنے سے پہلے اس کی انتڑیوں نے قل ہو اللہ پڑھنی شروع کر دی تھی۔ جب اس نے دیکھا کہ مرزا کسی طرح اس پہلو پر نہیں آتا اور عن قریب تمام شب کے واسطے رخصت ہوا چاہتا ہے تو بے چارے نے بے غیرت بن کر خود کہا کہ سنو یار' میں نے کھانا بھی نہیں کھایا۔

مرزا: سچ کہو! نہیں جھوٹ' بہکاتے ہو۔

Marfat.com

کلیم: تمہارے سر کی قسم' میں بھوکا ہوں۔

مرزا: تو مرد خدا آتے ہی کیوں نہیں کہا؟ اب اتنی رات گئے کیا ہو سکتا ہے۔ دکانیں سب بند ہو گئیں اور جو دو ایک کھلی بھی ہیں تو باسی چیزیں رہ گئی ہوں گی جس کے کھانے سے فاقہ بہتر ہے۔ گھر میں آج آگ تک نہیں سلگی۔ مگر ظاہراً تم سے بھوک کی سہار ہونی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیوا اشتہا کو زیر کرنا بڑی ہمت والوں کا کام ہے۔ ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ جاؤں چھدامی بھڑ بھونجے کے یہاں سے گرم گرم خستہ چنے کی دال بنوا لاؤں۔ بس ایک دھیلے کی مجھ کو تم دونوں کو کافی ہو گی' رات کا وقت ہے۔

ابھی کلیم کچھ کہنے بھی نہیں پایا تھا کہ مرزا جلدی سے اُٹھ باہر گئے اور چشم زدن میں چنے بھنوا لائے۔ مگر دھیلے کے کہہ کر گئے تھے یا تو کم کے لائے یا راہ میں دو چار پھنکے لگا لیے' اس واسطے کہ کلیم کے روبرو دو تین مٹھی چنے سے زیادہ نہ تھے۔

مرزا: یار ہو تم بڑے خوش قسمت کہ اس وقت بھاڑ مل گیا۔ ذرا' واللہ ہاتھ تو لگاؤ دیکھو تو کیسے بھلس رہے ہیں اور سوندھی سوندھی خوش بو بھی عجب ہے دلفریب ہے کہ بس بیان نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ لوگوں نے خس اور مٹی کا عطر نکالا مگر بھنے ہوئے چنوں کی طرف کسی کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔ کوئی فن ہو' کمال بھی کیا چیز ہے۔ دیکھئے اتنی تو رات گئی ہے مگر چھدامی کی دکان پر بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ بندے نے تحقیق سنا ہے کہ حضور والا کے خاصے میں چھدامی کی دکان کا چنا بلا ناغہ لگ کر جاتا ہے؟ اور واقع میں آپ ذرا غور سے دیکھیے کیا کمال کرتا ہے کہ بھوننے میں چنوں کو سڈول بنا دیتا ہے۔ بھئی تمہیں میرے سر کی قسم سچ کہنا ایسے خوبصورت' خوش قطع سڈول چنے تم نے پہلے بھی کبھی دیکھے تھے؟ دال بنانے میں اس کو یہ کمال حاصل ہے کہ کسی دانے پر خراش تک نہیں' ٹوٹے پھوٹنے کا کیا مذکور اور دانوں کی رنگت دیکھئے۔ کوئی بسنتی ہے' کوئی پستئی' غرض دونوں رنگ خوشنما۔ یوں تو صدہا قسم کے غلے اور پھل زمین سے اگتے ہیں لیکن چنے کی لذت کو کوئی نہیں پاتا۔ آپ نے وہ ایک ظریف کی حکایت سنی ہے؟

کلیم: فرمایئے۔

Marfat.com

مرزا: حضرت ایک مرتبہ حضرت میکائیل کی خدمت میں جن کو ارزاقِ عبادت کا اہتمام سپرد ہے فریاد لے کر گیا کہ یا حضرت میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ جوں میں نے سرزمین سے نکالا تیر ستم چلنے لگا۔ ماکولات اور بھی ہیں مگر جیسے جیسے ظلم مجھ پر ہوتے ہیں کسی اور پر نہیں ہوتے۔ نشوونما کے ساتھ تو میری قطع و برید ہونے لگتی ہے۔ میری کونپلوں کو توڑ کر آدمی ساگ بناتے اور مجھے کچے کو کھا جاتے ہیں۔ جب ذرا بارور ہوا تو خدا جھوٹ نہ بلوائے' آدمی بکری بن کر لاکھوں من بونٹ چر جاتے ہیں۔ اس سے نجات ملی تو ہولے کرنے شروع کیے۔ پکا تو شاخ و برگ' بھس بن کر بیلوں اور بھینسوں کے دوزخ شکم کا ایندھن ہوا۔ رہا دانہ' اس کو چکی میں دلیں' گھوڑوں کو کھلائیں بھاڑ میں بھونیں' بیسن بنائیں' کھولتے ہوئے پانی میں ابالیں' گھنگھنیاں پسائیں۔ غرض شروع سے آخر تک مجھ پر طرح طرح کی آفتیں نازل رہتی ہیں۔ چنے کا حضرت میکائیل کے دربار میں اس طرح پر بے باکانہ چڑ پٹر بولنا سن کر حاضرین دربار اس قدر ناخوش ہوئے کہ ہر شخص اسے کھانے کو دوڑا۔ چنانچہ یہ ماجرا دیکھ کر بے انتظار حکم اخیر رخصت ہوا۔ سو حضرت یہ چنے ایک لذت کے بنے ہیں کہ فرشتوں کے دانداِنِ آز بھی ان پر تیز ہیں۔ افسوس ہے کہ اس وقت نمک مرچ بہم نہیں پہنچ سکتا ورنہ میر مدو کے کبابوں میں یہ خستگی اور یہ سوندھا پن کہاں؟

غرض مرزا نے اپنی چرب زبانی سے چنوں کو گھی کی تلی دال بنا کر اپنے دوست کلیم کو کھلایا۔ کلیم بھوکا تو تھا ہی' اس کو بھی ہمیشہ سے کچھ زیادہ مزے دار معلوم ہوئے۔ مرزا نے گھر جا کر ایک میلی دری ایک کثیف سا تکیہ بھیج دیا۔ دو ہی گھڑی میں کلیم کی حالت کا اس قدر متغیر ہونا عبرت کا مقام ہے یا تو خلوت خانہ اور عشرت منزل میں تھا یا اب ایک مسجد میں آ کر پڑا اور مسجد بھی ایسی جس کا تھوڑا سا حال ہم نے اوپر بیان کیا۔ گھر کے الوانِ نعمت کو لات مار کر نکلا تھا تو پہلے ہی وقت چنے چبانے پڑے۔ نہ چراغ نہ چارپائی' نہ بہن نہ بھائی' نہ مونس نہ غم خوار' نہ نوکر نہ خدمتگار۔ مسجد میں اکیلا ایسا بیٹھا تھا جیسے قید خانے میں حاکم کا گنہگار یا قفس میں مرغ نوگرفتار اور کوئی ہوتا تو اس حالت پر نظر کر کے

Marfat.com

تنبیہ پکڑتا' اپنی حرکت سے توبہ اور اپنے افعال سے استغفار کرتا اور اسی وقت نہیں تو سویرے گجردم باپ کے ساتھ نمازِ صبح میں جا شریک ہوتا لیکن کلیم کو اور بہت سے مضمون سوچنے کو تھے۔ اس نے رات بھر میں ایک قصیدہ تو مسجد کی ہجو میں تیار کیا اور ایک مثنوی مرزا کی شان میں۔

صبح ہوتے آنکھ لگ گئی' تو نہیں معلوم مرزا یا محلے کا کوئی اور عیار' ٹوپی' جوتی' رومال' چھڑی' تکیہ' دری یعنی جو چیز کلیم کے بدن سے منفک اور اس کے جسم سے جدا تھی لے کر چمپت ہوا۔ یوں بھی کلیم بہت دیر کو سو کے اٹھتا تھا اور آج تو ایک وجہ خاص تھی۔ کوئی پہر سوا پہر دن چڑھے جاگا تو دیکھتا کیا ہے کہ فرش مسجد پر پڑا ہے اور نیند کی حالت میں جو کروٹیں لی ہیں تو سیروں گرد کا بھبھوت اور چمگادڑوں کی بیٹ کا ضماد بدن پر تھپا ہوا ہے۔ حیران ہوا کہ قلب ماہیت ہو کر میں کہیں بھتنا تو نہیں بن گیا۔ مرزا کو ادھر دیکھا ادھر دیکھا' کہیں پتا نہیں۔ مسجد تھی ویران' اس میں پانی کہاں۔ صبر کر کے بیٹھ رہا کہ کوئی اللہ کا بندہ ادھر کو آ نکلے تو اس کے ہاتھ عزا کو بلواؤں اور یا منہ ہاتھ دھو کر خود مرزا تک جاؤں۔ اس میں دوپہر ہونے آئی۔ بارے ایک لڑکا کھیلتا ہوا آیا۔ جونہی زینے پر چڑھا کہ کلیم اس سے عرض مطلب کرنے کے لیے لپکا۔ وہ لڑکا اس کی ہیئت کذائی دیکھ ڈر کر بھاگا۔ خدا جانے اس نے اس کو بھوت سمجھا یا سڑی خیال کیا۔ کلیم نے بہتیرا پکارا اس لڑکے نے پیٹھ پھیر کر نہ دیکھا۔

ناچار کلیم نے بہ ہزار مصیبت دوسرے فاقے سے شام پکڑی اور جب اندھیرا ہوا تو الو کی طرح اپنے نشیمن سے نکلا۔ سیدھا مرزا کے مکان پر گیا اور آواز دی تو یہ جواب ملا کہ وہ تو بڑے سویرے کے قطب صاحب سدھارے ہیں۔ کلیم نے چاہا کہ اپنا تعارف ظاہر کر کے ممکن ہو تو منہ ہاتھ دھونے کو پانی مانگے اور مرزا کی پھٹی پرانی جوتی اور ٹوپی' تا کہ کسی طرح گلی کوچے میں چلنے کے قابل ہو جائے۔ یہ سوچ کر اس نے کہا ''کیوں حضرت آپ مجھ سے بھی واقف ہیں؟'

اندر سے آواز آئی ''ہم تمہاری آواز تو نہیں پہچانتے' اپنا نام و نشان بتاؤ تو معلوم

Marfat.com

ہو۔"

کلیم: میرا نام کلیم ہے اور مجھ سے اور مرزا ظاہر دار بیگ سے بڑی دوستی ہے۔ بلکہ شب کو میں مرزا صاحب ہی کی وجہ سے مسجد میں تھا۔

گھر والے: وہ دری اور تکیہ کہاں ہے جو رات تمہارے سونے کے لیے بھیجا گیا تھا؟

تکیہ اور دری کا نام سن کر تو کلیم بہت چکرایا اور ابھی جواب دینے میں متامل تھا کہ اندر سے آوائی آئی۔ "مرزا زبردست بیگ دیکھنا یہ مردوا کہیں چل نہ دے۔ دوڑ کر تکیہ دری تو اس سے لو۔

کلیم یہ سن کر بھاگا۔ ابھی گلی کے نکڑ تک نہیں پہنچا تھا کہ زبردست نے "چور چور" کر کے جالیا۔ ہر چند کلیم نے مرزا ظاہر دار بیگ کے ساتھ اپنے حقوق معرفت ثابت کیے مگر زبردست کا ٹھینگا سر پر' اس نے ایک نہ مانی اور پکڑ کر کوتوالی لے گیا۔ کوتوال نے سرسری طور پر دونوں کا بیان سنا اور کلیم سے اس کا حسب نسب پوچھا۔ ہر چند کلیم اپنا پتا بتانے میں جھینپتا تھا مگر چار و ناچار اس کو بتانا پڑا لیکن اس کی حالت ظاہری ایسی ابتر ہو رہی تھی کہ اس کا سچ بھی جھوٹ معلوم ہوتا تھا۔ کوتوال نے سن کر یہی کہا کہ میاں نصوح جن کو تم اپنا والد بتاتے ہو میں ان کو خوب جانتا ہوں اور یہ بھی مجھ کو معلوم ہے کہ ان کے بڑے بیٹے کا یہی نام ہے جو تم نے اپنا بیان کیا ہے۔ محلے کا پتا گھر کا نشان بھی جو تم نے کہا سب ٹھیک ہے۔ مگر کلیم تو ایک مشہور و معروف آدمی ہے۔ آج شہر میں اس کی شاعری کی دھوم ہے۔ تمہاری یہ حیثیت کہ ننگے سر' ننگے پاؤں' بدن پر کیچڑ تھپی ہوئی۔ مجھ کو باور نہیں ہوتا۔ ان کو حوالات میں رکھو' صبح ہو میں ان کے والد کو بلواؤں تو ان کے بیان کی تصدیق ہو۔

کلیم یہ سن کر رو دیا اور کہا کہ میں وہی بدنصیب ہوں جس کی شعر گوئی کا شہرہ آپ نے سنا ہے۔ آپ کو یقین نہ ہو تو میں اپنے افکار تازہ آپ کو سناؤں۔ چنانچہ کل شب کو جو کچھ مسجد و مرزا کی شان میں کہا تھا' سنایا۔ اس پر کوتوال نے اتنی رعایت کی کہ دو سپاہی کلیم کے ساتھ کیے اور ان کو حکم دیا کہ ان کو میاں نصوح کے پاس لے جاؤ۔ اگر وہ ان کو اپنا فرزند بتائیں تو چھوڑ دینا ورنہ واپس لا کر حوالات میں رکھنا۔

کلیم پر اس کیفیت سے باپ کے روبرو آنا جیسا کچھ شاق گزرا ہوگا۔ ظاہر ہے مگر

Marfat.com

کیا کرسکتا تھا۔ سپاہی اس کو کشاں کشاں لے ہی گئے۔ محلے کی مسجد' جس میں نصوح نماز پڑھا کرتا تھا' اس کے گھر سے بہت ہی قریب تھی۔ صحن مسجد میں ایک شاداب چمن تھا اور چمن کے بیچوں بیچ' ایک پکا' مرتفع چبوترا۔ عجب تفریح کا مقام تھا۔ نصوح' بیش تر نماز عشاء کے بعد خصوصاً چاندنی راتوں میں اس چبوترے پر بیٹھ کر پھول بوٹوں میں خداوند تعالیٰ کی صنعت کا ملاحظہ کیا کرتا تھا۔ اس کو بیٹھا دیکھ کر دوسرے نمازی بھی جمع ہو جاتے تھے اور نصوح کو وعظ پند کے طور پر ان کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملتا تھا۔

نصوح اور اس کے مستمعین' مسجد کے چبوترے پر جمع ہوتے جاتے تھے کہ کوتوالی کے سپاہی کلیم کو لیے آ پہنچے۔ یہ اتفاق من جانب اللہ شاید اس وجہ سے پیش آیا کہ جو لوگ کلیم کی نظر میں صرف اس وجہ سے ذلیل تھے کہ وہ اپنے خالق کی پرستش کرتے تھے یا اپنے اور بال بچوں کے پیٹ بھرنے کے لیے محنت مزدوری کر کے بہ وجہ حلال روزی پیدا کرتے تھے' ان کے سامنے اس کی گردن نخوت نیچی ہو۔ اب وہ انہیں قلاوذیوں اور مردہ شویوں اور بھک منگوں اور ٹکڑ گداؤں کے روبرو اس حیثیت سے کھڑا تھا کہ منکر نکیر کی طرح دو سپاہی اس کی گردن پر سوار تھے۔ نہ سر پر ٹوپی' نہ پاؤں میں جوتی۔ دو وقت کے فاقے سے منہ سوکھ کر زری سا نکل آیا تھا' آنکھوں میں حلقے پڑ گئے تھے' ہونٹوں پر پپڑیاں جم رہی تھیں۔ کپڑوں کا وہ حال تھا کہ ایسے لباس سے ننگا ہونا تو بہتر تھا۔

جوں نصوح کی نظر بیٹے پر پڑی گویا ایک تیر سا کلیجے میں لگ گیا۔ اگر پہلا سا نصوح ہوتا تو نہیں معلوم عوزتوں کی طرح ڈاڑھیں مار کر روتا' یا سر پیٹنے لگتا یا دوڑ کر بیٹے کو لپٹ جاتا یا سپاہیوں سے بے پوچھے گچھے دست و گریبان ہو پڑتا یا خدا جانے اضطراب جاہلانہ میں کیا کرتا۔ مگر اب اس کی جملہ حرکات و سکنات معلم دین داری کی مطیع اور مودب خدا پرستی کی تابع تھیں۔ اس نے ایک دم آہ سرد بھر کر ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' تو کہا اور اف بھی نہ کی۔ سپاہیوں نے اس سے کلیم کی نسبت پوچھا تو اس نے آنکھیں نیچی کر کے کہا کہ جب حضرت نوح اپنے بیٹے کو ڈوبتے دم تک ''بیٹا بیٹا'' پکارتے گئے تو میں اس کے فرزند ہونے سے کیوں کر انکار کر سکتا ہوں۔ سپاہی تو اتنا سن کر رخصت ہوئے اور کلیم کو رفقائے نصوح میں سے کسی نے ہاتھ پکڑ کر اپنے پہلو میں بٹھایا۔ نصوح بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر

Marfat.com

بولا'' کیوں کلیم! میں نے ایسا کون سا قصور کیا تھا کہ تم کو میری طلعت متموس تک دیکھنی گوارا نہ ہوئی؟ تم اس بات سے انکار نہیں کر سکتے کہ شفقت اولاد' ماں باپ کی طینت میں مخمر اور ان کی جبلت میں داخل ہے۔ وہ شفقت جو اس وقت مجھ کو اس بات کی محرک ہوئی کہ میں سپاہیوں کے پنجے سے تمہاری نجات کا باعث ہوا' وہی شفقت مجھ کو اس بات پر بھی مجبور کرتی ہے اور کرے گی کہ میں تم کو ایسی راہ نہ چلنے دوں جو تمہاری ابدی ہلاکت کا باعث اور دائمی تباہی کا موجب ہو۔ میں نے تم سے نہیں کہا کہ میرے لیے کمائی کرو' میری آسائش کے واسطے اپنے اوپر تکلیف اٹھاؤ اور اگر میں ایسا کہتا بھی تو مجھ کو اس کا منصب اور حق تھا۔ میں نے جس کمائی کو کہا وہ تمہارے ہی کام آئے گی اور جس محنت کی تم کو تکلیف دی وہ تمہی کو آرام دے گی۔ اگر کسی بیمار کا طبیب مہربان سے پرہیز کرنا' کسی سیاح کا بدرقہ خیرخواہ سے گریز کرنا' روا ہے تو بے شک تم بھی مجھ سے نفرت رکھ سکتے ہو۔ کیوں کلیم' کیا ہمیشہ تمہاری خوشی مجھ کو منظور' تمہاری رضاجوئی مجھ کو ملحوظ نہیں رہی؟ اب جو تم نے مجھ کو اپنا دشمن قرار دیا اپنا عدو ٹھہرایا' تو دشمنی کا سبب' عداوت کا موجب؟

میں نے سنا ہے کہ تم مجھ کو دیوانہ' مجنون اور مختل الحواس تجویز کرتے ہو۔ سو میں تمہاری اس تشخیص صحیح اور تجویز درست اور اس فراست صائب پر جرح نہیں کرتا۔ میں باؤلا اور سڑی اور پاگل سہی لیکن اگر کوئی باؤلا تمہاری راہ میں کانٹے پڑے دیکھ کر تم کو آگاہ کرے تو کیا اس کی بات کو نہ سننا' اس کی فریاد کی طرف ملتفت نہ ہونا' شیوۂ دانش مندی ہے؟ پھر تم کو یہ بھی سوچنا چاہیے تھا اور چاہیے کہ آیا میں اکیلا اس جنون میں مبتلا ہوں یا اور بزرگان خدا بھی میری ہی سی رائے' میرے ہی سے خیالات رکھتے ہیں؟ کلیم! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جتنے بزرگان دین ہو گزرے ہیں (خدا ان کی پاکیزہ اور مطہر روحوں پر رحمت کاملہ نازل کرے) اور جتنے نیک بندے اب موجود ہیں (خدا ان کی حیات میں برکت دے کوئی اس جنون سے خالی نہیں بلکہ جس کو جتنا یہ جنون زیادہ اسی قدر وہ برگزیدہ اور خدا رسیدہ زیادہ۔

کیا اس بات کا اقرار کرنا جنون ہے کہ ہم بندے ہیں اور اس کا بھی ہم پر کچھ حق ہے جس نے ہم کو پیدا کیا جو ہم کو روزی دیتا ہے جو ہم کو جلاتا ہے اور مارتا ہے' جو پانی

Marfat.com

برساتا اور زمین سے ہمارے لیے سرمایہ حیات اگاتا ہے۔ جس نے ہماری جانوں کی شادابی اور تازگی کے لیے آب شیریں وخوش گوار کے سوتے زمین میں جاری کر رکھے ہیں اور ہماری روحوں کے انبساط کے لیے ہوا کا ذخیرہ کافی مہیا فرما دیا ہے (جس کے حکم سے چاند سورج اپنے معمول سے نکلتے اور غروب ہوتے ہیں تاکہ کام کرنے کے لیے دن ہو اور آرام لینے کے لیے رات' جس نے دنیا کے قوی ہیکل اور زبردست جانوروں کو ہمارا مطیع ومنقاد بنا دیا ہے کہ ان سے ہم سواری لیتے' ان پر اپنا بوجھ لادتے اور ان کے گوشت پوست اور دودھ سے مستفید ہوتے ہیں' جس نے انسان کو گویائی وبیان کی قوت عطا کی ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنا مافی الضمیر ابنائے جنس پر ظاہر کر سکتا ہے' جس نے انسان ضعیف البنیان کو عقل کی قوت اور دانش کی طاقت دے کر روئے زمین کا بادشاہ اور مخلوق کا حاکم بنایا ہے' جس نے کائنات میں سے ہر موجود کو اس کی مناسب حالت پر خلق کیا ہے۔ اگر دنیا کے سارے درخت قلموں پر صرف کر دیے جائیں اور ساتوں سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ کام میں لایا جائے اور پڑھے لکھے لوگ جتنے ابتدائے آفرینش سے اب تک ہو چکے اور اب موجود ہیں اور آئندہ پیدا ہونے والے ہیں' سب کے سب مل کر اس کی تعریف' اس کے احسانات' اس کے انعامات' روز قیامت تک بیٹھے لکھا کریں' تو گھستے گھستے درخت ہو چکیں' سمندر سوکھ جائیں' لکھنے والے تھک کر بیٹھ رہیں مگر اس کے حق واجب کا ایک عشر عشیر بھی ادا نہ ہو۔

کلیم! فنا ایک ایسی بدیہی بات ہے کہ دنیا میں کوئی اس کا منکر نہیں اور نہ اس سے انکار ممکن ہے۔ ہیضے کی وبا کو دفع ہوئے برس نہیں گزرے' تمہارے دیکھتے کیسے کیسے لوگ ہٹے کٹے' توانا' اچھے بھلے' چلتے پھرتے' امیر غریب' عالم جاہل' بھلے اور برے' سبھی طرح کے صدہا ہزارہا' ہدف تیر قضا ہو گئے۔ سدا رہے نام اللہ کا۔ وبا پر کیا منحصر ہے' وعدے سے زیادہ نہ کم' مرنا برحق۔ اچھا' مرے پیچھے کیا ہوگا؟ وہی عقیل ہے' وہی فہیم' وہی زیرک' وہی دانش مند جو اس سوال کا جواب معقول دے' جو اس معمے کو حل کرے' جو یہ پہیلی بوجھے۔

کلیم! انسان کی خاص طرح کی خلقت یعنی اس کا وجود عاقل ہونا اس بات کا مقتضی ہے کہ ضرور اس سے کوئی بڑی خدمت متعلق اور اس کے ذمے زیادہ جواب دہی ہے۔

Marfat.com

اگر اس کا صرف کام ہوتا کہ پیٹ بھر لے اور سو رہے' اور گرمی سردی سے اپنے تئیں بچائے' تو اس کے لیے زیادہ عقل کی ضرورت نہ تھی۔ جانور اپنے بڑے بڑے جثوں کی پرداخت پر بخوبی قادر ہیں' حالاں کہ عقل سے بے بہرہ اور دانش سے بے نصیب ہیں۔ پس اس خدمت اور ذمہ داری کو دریافت کرنا شرطِ انسانیت ہے۔

نصوح کا وعظ سن کر اس کے ہم راہیوں کے دلوں میں دین داری کے ولولے اور خداپرستی کے جوش تازہ ہو گئے۔ حاضرین میں کلیم کے سوا کوئی متنفس نہ تھا جس پر تھوڑی یا بہت رقت طاری نہ ہوئی ہو۔ لیکن کلیم' بہ قول سعدی شیرازی

باسیہ دل چہ سود گفتن وعظ
نہ رود میخ آہنی در سنگ

سکوت کی حالت میں سرنگوں تھا۔ اس کا سکوت یا تو اس وجہ سے تھا کہ نصوح کا سلسلہ سخن بلافصل تھا اور اس کو بیچ میں بات کہنے کا موقع نہیں ملا تھا یا دوسرے دوسرے منصوبے سوچ رہا تھا۔ اس کا سرنگوں ہونا بھی کچھ گناہ کی ندامت سے نہ تھا' بلکہ حالت کی شناعت سے۔ جب نصوح نے دیکھا کہ وہ ہاں یا نہیں کچھ بھی نہیں کہتا تو اس نے ذرا گرم ہو کر اتنی بات کہی کہ بڑی دقت تمہارے معاملے میں مجھ کو یہ درپیش ہے کہ تمہارا مافی الضمیر مجھ پر منکشف نہیں ہوتا۔ شروع میں تم نے میرے سامنے آنے سے گریز کیا اور اب مواجہ بھی ہوا تو بے سود۔

ابھی تک کلیم نے کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالا تھا کہ نصوح کے ہمراہی جو کلیم کے حالات سے واقف تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ وہ دین داری کی تاکید پر گھر سے نکل گیا ہے' بول اٹھے کہ اے حضرت! میاں کلیم ماشاءاللہ بڑے ذہین اور زیرک اور عاقل ہیں جو آپ نے فرمایا انہوں نے گرہ باندھا۔ اگرچہ باقتضائے سن' اب تک لہو ولعب کی طرف متوجہ تھے مگر اب آپ دیکھیے گا کہ ان شاءاللہ ایسے جوانِ صالح اور متشرع اور متقی بنیں گے کہ اپنے ہم عمروں کے لیے نمونہ ہوں گے۔ آپ گھر میں تشریف لے جائیں۔ یہ بھی آپ کے ساتھ جائیں' کپڑے بدلیں اور آپ کی نصیحت پر عمل کریں' جس میں دنیا اور دین دونوں کا فائدہ ہے۔

Marfat.com

نصوح نے پھر کلیم کی طرف مخاطب ہو کر کہا ''کیوں صاحب! کچھ تم بھی تو اپنے دل کا ارادہ بیان کرو۔

کلیم: مجھ کو آپ اتنی اجازت دیجیے کہ گھر سے اپنی ضرورت کی چند چیزیں منگوالوں۔

نصوح: سخت افسوس کہ تم دنیا کی چند روزہ اور عارضی ضرورتوں کا اہتمام کرتے ہو اور دین کی بڑی ضرورت سے غافل ہو۔

غم دیں خور کہ غم غم دین ست
ہمہ غم ہا فرو تر از ایں ست

ضرورت کی چیزیں منگوالینا کیا معنی' تم شوق سے گھر میں چلو۔ غالباً میری نسبت کر تم کو اس گھر میں زیادہ دنوں رہنا ہے' بس وہ گھر میرا کیوں فرض کر لیا گیا ہے۔ تمہاری ماں بہت بے تاب ہے۔ چھوٹے بڑے سب فکر مند ہیں۔ میرے جرم کی سزا دوسروں کو دینا شیوۂ انصاف سے بعید ہے۔

کلیم: مجھ کو معلوم ہے کہ آپ چند روز سے دین داری اور خدا پرستی کے نام سے نئے نئے دستور' نئے نئے طریقے' نئے نئے قاعدے گھر میں جاری کرنا چاہتے ہیں اور اس جدید انتظام میں جیسا کچھ اہتمام آپ کو منظور ہے میں کیا گھر میں کوئی متنفس اس سے بے خبر نہیں۔ ہر شخص اس بات کو اچھی طرح سے جان چکا ہے کہ وہ اس انتظامِ جدید کی مخالفت کے ساتھ گھر میں رہ نہیں سکتا۔ پس میں نے اپنی طرف بہتیری کوشش کی کہ مجھ کو اپنی مخالفت آپ کے رو در رو ظاہر کرنے کی ضرورت نہ ہو مگر آپ کے اصرار نے مجھ کو مجبور کر دیا اور اب ناچار مجھ کو کہنا پڑا کہ میں شروع سے اس انتظام کا مخالف ہوں اور میرا گریز میری رائے ظاہر کر دینے کے لیے کافی تھا۔ میں ایک بال کے برابر اپنی طرز زندگی کو نہیں بدل سکتا اور اگر جبراً اور سخت گیری کے خوف سے میں اپنی رائے کی آزادی نہ رکھ سکوں تو تف ہے میری ہمت پر اور نفرین ہے میری غیرت پر اور میں اس میں کلام نہیں کرتا کہ آپ کو اپنے گھر میں ہر طرح کے انتظام کا اختیار حاصل ہے مگر اس جبری انتظام کے وہی لوگ پابند ہو سکتے ہیں جن کو اس کی واجبیت تسلیم ہو یا جو اس کی مخالفت پر قدرت نہ رکھتے ہوں اور چونکہ میں دونوں شقوں سے خارج ہوں' میں نے اپنی عافیت اسی میں

Marfat.com

سمجھی کہ گھر سے الگ ہو جاؤں اور اگر چہ میری اس وقت کی حالت یہ کہنا زیب نہیں دیتا لیکن ذرا مجھ کو دہلی سے نکلنے دیجیے تو پھر آپ اور سب لوگ دیکھ لیں گے کہ میں کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ قاعدہ ہے کہ وطن میں آدمی بے قدر ہوتا ہے' چنانچہ آپ کے نزدیک بھی یہ بات ثابت ہے کہ مجھ کو گھر سے نکلنے پر بھیک مانگی نہیں ملے گی لیکن میں کہتا ہوں کہ یہی آپ کا فرزند نالائق و ناخلف ہوگا اور کسی امیر کی مصاحبت ہوگی یا کسی ریاست کا مسند وزارت۔ میں ایسا بھی احمق نہیں ہوں کہ آپ پر نامہربانی کی تہمت لگاؤں۔ آپ وہی بات فرماتے ہیں جو آپ میرے حق میں بہتر سمجھتے ہیں لیکن میری بے ادبی اور گستاخی معاف' میں اپنے تئیں محتاج تعلیم و ہدایت نہیں سمجھتا۔ رہا گھر سو اس میں صاف اس شرط سے چل سکتا ہوں کہ آپ میرے نیک و بد سے بحث' میرے بھلے برے سے تعرض نہ کرنے کا قول واثق اور وعدہ حتمی کریں۔

نصوح: اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے مجھ کو منصب پدری سے معزول کیا۔

کلیم: نہیں۔ آپ نے مجھ کو فرزندی سے عاق فرمایا۔

اس کے بعد نصوح گھر میں آنے کی نیت سے اٹھا اور اس کا ارادہ تھا کہ طوعاً و کرہاً جس طرح ممکن ہو' کلیم کو ساتھ لوا جائے مگر کلیم نہیں معلوم کیوں کر نصوح کے بطون کو تاڑ گیا کہ اس کو اٹھتا دیکھ چبوترے سے جست کی تو صحن میں تھا اور صحن سے تڑپا تو احاطے کے باہر۔ لوگوں نے دوڑ کر دیکھا تو وہ بازار کے پرلے سرے جا چکا تھا۔ یہ دیکھ کر نصوح ہکا بکا سا ہو کر رہ گیا اور جس طرح اس نے بیٹے کو سپاہیوں کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھ کر انا للہ کہا تھا اب بیٹے سے جدا ہوتے وقت بھی وہ انا للہ کہہ کر چپ ہو رہا۔

غرض کلیم نہ گھر گیا اور نہ گھر سے اس کو کوئی چیز لینی نصیب ہوئی۔ اسی طرح الٹے پاؤں پھر کر چلا گیا۔ نصوح کے پہنچتے پہنچتے یہ تمام ماجرا کسی نے گھر میں جا کہا اور مستورات میں بیٹھے بٹھائے ایک کہرام مچ گیا۔ فہمیدہ بے تاب ہو کر بادلوں کی طرح دروازے میں آ کھڑی ہوئی اور قریب تھا کہ پردے سے باہر نکل آئے کہ نصوح جا پہنچا۔ بی بی کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر حیران ہو کر پوچھا کہ خیر تو ہے' کہاں کھڑی ہو؟ فہمیدہ میاں کو دیکھ کر بلک گئی اور گھبرا کر پوچھا کہ میرا کلیم کہاں ہے؟

Marfat.com

نصوح: میرا کلیم؟ اگر تمہارا کلیم ہوتا تو تمہارے گھر میں ہوتا اور تمہارے اور باپ اور بھائی کے اتنے اصرار اور اتنے سمجھانے اور اتنی منت اور اتنی خوشامد پر' بے پوچھے' بے کہے' گھر سے نہ چلا جاتا۔

فہمیدہ: اچھے خدا کے لیے مجھ کو اس کی صورت دکھا دو۔ میں نے سنا ہے کہ سر سے ننگا ہے' پاؤں میں جوتی نہیں۔ اس نے کاہے کو کبھی زمین پر پاؤں رکھا تھا' کنکر تلووں میں چبھتے ہوں گے۔ کون سے وہ موئے سپاہی تھے میرے بچے کے پکڑنے والے۔ گھورا ہو تو الٰہی دیدے پھوٹیں۔ ہاتھ لگایا ہو تو خدا کرے پور پور سے کوڑھ ٹپکے۔ وارے تھے وہ سپاہی اور قربان کیا تھا وہ کوتوال۔ میرا بچہ اور چوری کرنے کے قابل؟

نصوح: کیسی بدعقلی کی باتیں کرتی ہو۔ چلو گھر میں چل کر بیٹھو۔ باہر گلی میں تمہاری آواز جاتی ہے۔ تمہاری اس بے تابی کی محبت نے اولاد کو دنیا و دین دونوں سے تو کھو دیا' اب دیکھیے کیا کرے گی۔

فہمیدہ: اچھا تو پھر کلیم گیا تو کہاں گیا؟

نصوح: جانے میری جوتی کہاں گیا۔ مجھ سے پوچھ کر گیا ہو تو بتاؤں۔ نہیں معلوم خدائی خوار کہاں تھا اور کیسے لوگوں میں تھا کہ جو رسوائی ہفتاد پشت سے نہ ہوئی تھی وہ اس مردک کی وجہ سے ہوئی۔ اب مجھ کو شہر میں منہ دکھانا مشکل ہے یا تو خدا اس کو نیک ہدایت دے یا میں اس کو تو کیا بددعا دوں مجھ کو ایمان سے اٹھا لے کہ ان تکلیفوں سے مجھ کو نجات ہو۔

فہمیدہ: کیوں کر تمہارے دل نے صبر کیا اور کن آنکھوں سے تم نے بیٹے کو اس حالت میں دیکھا؟

نصوح: جس طرح اس کی گستاخی پر صبر کیا تھا کہ میں نے بار بار بلایا اور وہ نہ آیا' اسی طرح میں نے اس کی وہ حالت دیکھ کر صبر کیا اور جن آنکھوں سے اس کے خلوت خانے' عشرت منزل اور کتب خانے کی رسوائی اور خرابی اور تفضیح کو دیکھا تھا' انہی آنکھوں سے اس کو کھلے سر' ننگے پاؤں' چور بنا ہوا' سپاہیوں کی حراست میں دیکھا۔

ع جو کچھ خدا دکھائے سو ناچار دیکھنا

فہمیدہ: تم سے اتنا نہ ہو سکا کہ اس کو مجھ تک لے آتے۔

Marfat.com

نصوح: اگر میں اس کو تم تک نہ لا سکا تو مجھ سے پہلے تم اس کو مجھ تک نہیں لا سکیں اور نہ تم اس کو جانے سے روک سکیں۔

فہمیدہ: کہاں تم مرد' کہاں میں عورت۔

نصوح: تو کیا تمہاری مرضی تھی کہ میں اس سے کشتی لڑتا؟ بس ایسے اخلاص سے مجھے معاف رکھیے۔

غرض نصوح سمجھا بجھا کر بی بی کو گھر میں لے گیا اور یہ بات اس کے ذہن نشین کر دی کہ رونے سے مطلق فائدہ نہیں۔ البتہ خدا سے اس کے حق میں زار نالی کے ساتھ دعا کرنی چاہیے کہ بامراد اس کو واپس لائے۔

ادھر کلیم نے خالہ کے گھر جانے کا ارادہ کیا مگر اس وقت تک اس کو نعیمہ کا حال معلوم نہ تھا۔ اگر کہیں خالہ کے یہاں چلا گیا ہوتا تو سب سے بہتر تھا۔ سردست اس کی ہمدردی کرنے کو نعیمہ وہاں موجود تھی اور چوں کہ اس کی خالہ کا سارا خاندان نیک اور دیندار تھا' کلیم کو نصوح کے خیالات سے مانوس کرنے کے لیے وہاں ہر طرح کا موقع تھا لیکن عصیانِ خدا کا وبال اور حقوق والدین کی شامت' ابھی بہت سی گردشیں اس کی تقدیر میں تھیں۔ جوں گلی کے باہر نکلا کہ میاں فطرت اس کو مل گئے۔ یہ حضرت' نصوح کے چچا زاد بھائیوں میں تھے اور ان سے اور نصوح سے موروثی عداوت تھی' جیسی کہ دنیا دار خاندانوں میں اکثر ہوا کرتی ہے۔ رشتہ داری کی وجہ سے ایک کے حالات دوسرے سے مخفی نہ تھے۔ فطرت سن چکا تھا کہ نصوح کو دین داری کا نیا خبط اچھلا ہے' جس کی وجہ سے اس کے تمام خاندان میں کھلبلی مچ رہی ہے۔ جو دقتیں بیچارے نصوح کو اصلاح خاندان میں پیش آتی تھیں' فطرت کو سب کی خبر لگتی تھی اور یہاں کے تذکروں کا ایک مضحکہ ہوتا تھا۔ کلیم کی عادت سے تو واقف تھا ہی' فطرت اپنے یہاں خود کہا کرتا تھا کہ میاں نصوح لاکھ دینداری جتائیں مگر جب جانیں کہ بڑے بیٹے کو اپنی راہ پر لائیں۔ کلیم کو جو ننگے سر ننگے پاؤں سر بازار جاتے ہوئے دیکھا تو فطرت نے چھیڑ کر پوچھا کہ میاں کلیم تم نے ابھی سے احرام حج باندھ لیا؟

Marfat.com

کلیم: احرام حج نہیں احرام ہجرت۔

فطرت: وہی تو کہوں' مجھ کو تمہاری وضع داری اور دانش مندی سے شیخ کی تقلید نہایت' مستبعد معلوم ہوتی تھی۔

کلیم: جی نہیں' شیخ کی خدمت میں جیسی ارادت شاعروں کو ہے' معلوم۔

فطرت: بس یہی دیکھ لو کہ بھائی نصوح کا اپنی اولاد کے ساتھ اور اولاد میں بھی تمہارے ساتھ کہ آج ماشاء اللہ فخر خاندان ہو' یہ طرز مدارات ہے۔ ہم لوگ تو خیر کہنے کو اجنبی اور غیر ہیں۔ ایسی ہی بدمزاجیوں نے کنبہ والوں سے میل ملاپ چھڑایا' ورنہ انصاف شرط ہے' ہمارا ان کا کیا بانٹیے؟ اپنا کھانا' اپنا پہننا' لڑائی کس لیے اور جھگڑا کیوں؟ اور طرہ یہ ہے کہ جس قدر حضرت سن رسیدہ ہوتے جاتے ہیں مزاج جوان ہوتا جاتا ہے۔ بھائی صد آفرین ہے تمہاری والدہ کو۔ نہیں معلوم ایسے آتش مزاج' بے مروّت آدمی کے ساتھ اس نیک بخت نے کیوں کر نباہ کیا۔ مگر عورت ذات' موزی کے پنجہ غضب میں گرفتار ہے' کرے تو کیا کرے۔ میاں کلیم' تم اس کو نیچ جاننا' تم لوگوں کی مصیبت کا خیال کر کر کے' بھائی ہمارا تو گھر بھر بے چین رہتا ہے۔ یہ خون کا جوش ہے ورنہ ملنا ملانا ترک' آنا جانا موقوف' سلام پیام مسدود۔ کیا کریں' کچھ بس نہیں چلتا۔ بھلا پھر اس حالت میں تم جاتے کہاں ہو؟

کلیم: خالہ جان کے یہاں جانے کا ارادہ ہے۔

فطرت: تمہارے باپ کے ڈر سے' دیکھا ہی چاہیے کہ گھر میں گھسنے دیں۔

کلیم: نہیں ان سے تو ایسی توقع نہیں ہے۔

فطرت: اگر ذات شریف خود نہ تشریف لے جائیں' اس کی کیا روک ہے؟

کلیم: اس کا خدشہ تو ضرور ہے۔

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا
جب دھم سے آ کہوں گا حضرت سلام میرا

فطرت: میں کہہ تو نہیں سکتا لیکن سمجھو تو ہم بھی' خدانخواستہ' کوئی تمہارے یا بھائی نصوح

Marfat.com

کے دشمن نہیں ہیں۔ ارے میاں' رشتہ داروں ہی میں کھٹ پٹ بھی ہوا کرتی ہے۔ شکوہ غیر کا نہیں کرتے۔ گلہ اوپری سے نہیں ہوتا۔ جو ہم کو تمہارا اور تم کو ہمارا درد ہوگا' وہ خالہ خالو کو نہیں ہوسکتا۔ بھائی نصوح ابھی جب وبا میں بیمار پڑے' خدا شاہد ہے دونوں وقت میں خود محلے میں آ کر خبر لے جاتا تھا۔ ہماری اماں جان ہمیشہ حلال خوری سے تمہارے یہاں کے حالات پوچھا کرتی ہیں۔ مجھ سے تو یہ رسوائی گوارا نہیں ہوسکتی کہ تم اس حالت سے' ایسے بے وقت خالہ کے یہاں جاؤ۔ چلو شب کو ہمارے یہاں آرام کرو۔ ایسا ہی ہوگا تو صبح کو خالہ کے یہاں بھی ہو آنا۔ لو یہ میرا دوپٹہ تو سر کو لپیٹ لو' لوگ آتے جاتے ہیں اور چلو پاس کے پاس اسی چھتے سے ہو کر نکل چلیں۔

غرض میاں فطرت للو پتو کر کے کلیم کو اپنے گھر لے گئے اور نصوح کے جلن سے اس کی ایسی بزرگداشت کی کہ کسی کے گھر والے بھی نہ کرتے ہوں گے۔ کلیم نے جب سے دینداری اور اصلاح وضع کی چھیڑ چھاڑ سنی تھی' کیا ماں' کیا باپ' کیا بھائی سب کو اپنی رائے سے برخلاف پایا۔ اب جو فطرت نے بغرض اس کی دلجوئی اور خاطر داری کی اور اس کی ہاں میں ہاں ملائی اور نصوح کو مجنون اور بدمزاج اور سخت گیر ٹھہرایا' یہ احمق سمجھا کہ بس فطرت اور اس کے گھر والوں سے بڑھ کر کوئی اس کا خیر خواہ نہیں۔ اب تک وہ باپ سے صرف اختلاف رائے رکھتا تھا' اب اس کے باپ سے ایک نفرت و عداوت پیدا ہوئی۔ فطرت نے جلی کٹی باتیں لگا کر یہ خیال اس کے دل سے بالکل دور کر دیا کہ نصوح کو اس کے تدین نے اولاد کے ساتھ روک ٹوک کرنے پر مجبور کیا ہے اور چونکہ کلیم اپنی پندار میں یہی سمجھتا تھا کہ اس وقت تک میں ہی اکیلا گھر سے نکلا ہوں' فطرت کے بہکا دینے سے اس کو یقین ہوگیا کہ دینداری اور خدا پرستی کا حیلہ تھا' ورنہ فی الاصل باپ کو اس کا گھر سے نکال دینا مرکوزِ خاطر تھا۔

کلیم اس وقت دو مخالفوں کی کشمکش میں تھا۔ باپ اس کو صراطِ مستقیم کی طرف کھینچتا تھا' فطرت گمراہی اور ضلالت کی طرف۔ لیکن فطرت حریف غالب تھا' اس واسطے کہ اوّل تو خود کلیم کا میلانِ طبع اس کی جانب تھا دوسرے نصوح ایک نئی اور نامانوس اور دشوار

Marfat.com

گزار راہ پر اس کو لے جانا چاہتا تھا جس میں زہد و ریاضت اور اتقاء اور نفس کشی اور انکسار اور فروتنی اور خوفِ عاقبت کی چند در چند تکلیفیں اور مصیبتیں درپیش تھیں۔ اس راہ میں کلیم کو بدرقہ وراہ نماز تو خیر' رفیق و ہم سفر کا ملنا بھی مشکل تھا۔ برخلاف اس کے فطرت اس کو ایک شارع عام دکھاتا تھا' ایسا آباد کہ گویا اس سرے سے اس سرے تک بازار لگا ہے اور نہ صرف منزل بہ منزل بلکہ قدم بہ قدم' تن آسانی اور عیاشی اور خود پسندی اور کبر اور بے فکری اور مطلق العنانی' طرح طرح کی آسائشیں اور انواع و اقسام کی راحتیں موجود مہیا تھیں۔ اس راہ میں کلیم کو میلے کا حظ یعنی سفر میں حضر کا لطف حاصل تھا۔

غرض کلیم میاں فطرت سے شیر و شکر کی طرح ملا۔ نصوح نے جب یہ خبر سنی تو سخت افسوس کیا نہ اس وجہ سے کہ وہ فطرت سے عداوت رکھتا تھا کیوں کہ عداوت تو دینداری کے اعتبار سے بڑا گناہ ہے اور نصوح سے اس کے ارتکاب کی امید نہیں کی جا سکتی تھی لیکن اس کا یہ خدشہ کچھ بے جا نہ تھا کہ فطرت اصلاح میں کوشش نہیں کرے گا۔ فطرت کے یہاں کلیم کو اور تو کسی طرح کی تکلیف نہ تھی مگر اس کی مرضی کی کتابیں یہاں نہیں ملتی تھیں۔ تب اس نے فطرت سے بیان کیا کہ دن بھر خالی بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبرایا کرتی ہے۔ اگرچہ میں نے اپنے حالات میں ایک مثنوی کہنی شروع کر دی ہے اور سو' سوا سو شعر بھی ہو گئے ہیں مگر فکرِ سخن بے اطمینان خاطر بن نہیں پڑتا۔ اگر آپ صلاح دیں تو میں اپنی چند کتابیں گھر سے منگوا بھیجوں۔

فطرت: مجھ کو بھائی نصوح سے توقع نہیں کہ وہ اتنی رعایت بھی تمہارے حق میں جائز رکھیں' خصوصاً اس حال میں کہ تم میرے گھر ہو۔ میرے نزدیک تمہارا یہ جرم ان کے مذہب میں تکفیر کے لیے کافی ہے۔ مگر ہاں' اپنی والدہ سے کہلا بھیجو۔ ان کا قابو چلے گا تو البتہ دریغ نہ کریں گی۔"

کلیم تو متردد تھا کہ کسی سبیل سے کتابیں منگوائے مگر فطرت' از بس کہ عیاری اور چالاکی کے موکل اس کے مطیع تھے' خود بول اٹھا کہ اجی یہ کون سی بری بات ہے؟ مجھ سے کہیے تو بھائی نصوح کی چارپائی اٹھوا منگواؤں اور ان کے فرشتوں کو خبر نہ ہو۔

Marfat.com

غرض فطرت نصوح کے گھر گیا اور کسی ڈھب سے اس نے سارا حال معلوم کیا' اور وہ آگ جو نصوح نے کلیم کی کتابوں میں لگائی تھی' فطرت نے کلیم سے جا لگائی۔ ایک تو خانہ ویرانی اس پر فطرت کی آتش بیانی۔ کلیم پر اس آتش زنی کی خبر نے وہ اثر کیا کہ جو حضرت موسیٰؑ پر آتشِ طور نے کیا تھا۔ سنتے کے ساتھ ایسا بے خود ہو گیا کہ گویا بجلی گری۔ آپے میں آیا تو مزاج ایسا برافروختہ تھا کہ شاید نصوح اس وقت موجود ہوتا تو یہ مردک دست و گریباں ہو کر لپٹ جاتا۔ کوئی ناگفتنی' جلی کٹی بات اس نے اٹھا نہیں رکھی۔ مگر لال پیلا ہو کر خاموش ہو رہا اور اس بات کے درپے ہوا کہ باپ سے انتقام لے۔ کلیم نے جو طریقے انتقام کے سوچے تھے وہ سخت بے ہودہ تھے۔ جب اس نے اپنی تدبیروں کو فطرت پر عرض کیا تو اس نے سب کی تحقیق کی اور کہا کہ ابھی تم نرے صاحبزادے ہو۔ میں تم کو ایسی تدبیر بتاؤں کہ ''ہم کینہ و ہم خزینہ۔''

کلیم: وہ کیا؟

فطرت: گاؤں پر آخر تمہارا نام چڑھا ہوا ہے' اس پر دخل کرو۔

کلیم: ایں خیال است و محال است و جنون۔

ان کے متعدد کارندے اور نوکر چاکر اس پر مسلط ہیں۔

فطرت: گاؤں تمہارا تو نوکر اور کارندے تمہارے یا ان کے؟

کلیم: لیکن میں صرف اسم فرضی ہوں۔

فطرت: اس کا ثبوت؟

کلیم: ثبوت ان کا قبض و دخل اور ان کے روپے سے گاؤں کا خریدنا۔

فطرت: ان کا قبض و دخل عین تمہارا قبض و دخل اور ان کا روپیہ عین تمہارا روپیہ ہے۔ بائع نے تمہارے نام سے رسید دی۔ گاؤں میں پٹہ قبولیت تمہارے نام سے ہوتا ہے۔ خزانہ سرکاری میں مال گزاری تمہارے نام سے سیاہہ ہوتی ہے۔

کلیم: جب میں سرے سے اسم فرضی ہوں تو نام کا ہونا میرے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

فطرت: لیکن اگر اسم فرضی ہونے سے انکار کیا جائے تو اس کی تردید کچھ آسان نہیں ہے۔

کلیم: میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کیوں کر ایک امر واقعی کی تکذیب ہو سکتی ہے۔

فطرت: ہاں یہ شاعری نہیں ہے' دینداری ہے۔ اس کو ایک خاص سلیقہ درکار ہے۔

کلیم: غرض اس تدبیر کا پیش رفت ہونا تو ممکن نہیں معلوم ہوتا' کوئی اور بات سوچیے۔

فطرت: جب تم سے ایسے سہل کام کا سرانجام نہیں ہو سکتا تو گھر سے نکلنے کا حوصلہ تم نے ناحق کیا۔ یہی اسم فرضی کا حق مجھ کو حاصل ہوتا تو سیر دکھاتا۔

کلیم: فرض کر لیجیے کہ آپ کو حاصل ہے۔

فطرت: کیوں کر فرض کر لوں؟ جیسے تم اسم فرضی مالک ہو ویسا ہی ایک فرضی بیع نامہ میرے نام کر دو تو البتہ فرض کر سکتا ہوں۔

کلیم: اگر ملکیت فرضی کا بیع نامہ کچھ بکار آمد ہو سکتا ہے تو گاؤں کی کیا حقیقت ہے میں تو سلطنت روم کا بیع نامہ آپ کے نام لکھوا دوں۔

بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

فطرت: بھلا گاؤں کتنے پر بیع کرو گے؟

کلیم: کسی فرضی قیمت پر۔

فطرت: بھلا اس کا اندازہ بھی؟

کلیم: فرض کیجیے کہ سو روپے۔

فطرت: مجھ سے ہزار نقد لیجیے۔

کلیم: سچ؟

فطرت: سچ

کلیم: واللہ بیچا۔

فطرت: واللہ لیا۔

کلیم کو فطرت کی قسم پر بھی اعتبار نہ ہوتا تھا۔ فطرت نے گھر میں جا' ہزار روپے کا توڑا لا کر سامنے رکھ دیا۔ ادھر روپے گنے گئے اور ادھر بیع نامہ لکھ پڑھ کر تیار ہو گیا۔

Marfat.com

کلیم نے سوچا کہ میں نے یہ سودا لیا کیا' ایک غنیمت باردہ مفت ہاتھ آئی۔ اس وقت تو بات کی پچ کر کے فطرت نے روپیہ دے دیا' ایسا نہ ہو پھر چنید کرے۔ بہتر ہے کہ چل دیجیے۔ یہ سوچ' روپیہ کا توڑا بغل میں داب' کلیم رخصت ہوا تو سیدھا چاندنی چوک میں آیا۔ محل دارخاں کا کمرہ اسی روز خالی ہوا تھا کہ اس نے سر قفلی جادی۔

دہلی جیسا شہر اور کلیم جیسا ناعاقبت اندیش اور مسرف اور اس طرح کا مال مفت' بات کی بات میں' فرش وفروش' جھاڑ فانوس' ساز وسامان' نوکر چاکر' سب کچھ موجود ہو گیا۔ یہاں تک کہ اگلے ہی دن' پہلے مشاعرے کی محفل' اس کے بعد ناچ کا جلسہ ٹھہر ٹھہرا' جتنے یار آشنا تھے سب کے نام رقعے تقسیم ہوئے اور کلیم کے سارے شیاطین الانس پھر بہ دستور جمع ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ مرزا ظاہر دار بیگ بھی اتنے بے غیرت کہ خبر سن کر دوڑے آئے اور کلیم اتنا بڑا احمق کہ ایسا دھوکا کھا کر پھر ان سے صاف ہو گیا۔

جس کیفیت سے کلیم نے دو مہینے گزارے' ناگفتہ بہ ہے۔ وہ بدکرداری کا تپ کہنہ رکھتا تھا' اب یہ دن گویا بحران کے تھے۔ ہزار روپے کی کل جمع پونجی اور ایسا بے دریغ خرچ۔ تیسرا مہینہ شروع نہیں ہوا تھا کہ ہزار تمام ہوئے۔ پہلے سے ہی بزاز' درزی' حلوائی' کبابی' نانوائی' میوہ فروش' گندھی' بساطی وغیرہ کا حساب باقی تھا' نوکروں کا دو ماہہ چڑھ چکا تھا' اب آٹا دال تک ادھار آنے لگا۔ شدہ شدہ ہر طرف سے طلب وتقاضا شروع ہوا۔ استعمال سے پہلے اسباب خانہ داری کے بکنے کی نوبت پہنچی تو کلیم خواب غفلت سے بیدار ہوا لیکن اس کا تنبہ کچھ چنداں سودمند نہ تھا۔ اس کے یار دوست' دستور کے موافق اس کے پاس آنا جانا قاطبۃً ترک کر چکے تھے۔ نوکر چاکر بھی گھر بیٹھ رہے تھے اور جو تھے وہ تنخواہ کے نہ ملنے سے گستاخ ہو گئے تھے کہ کار خدمت تو درکنار' رو در رو جواب دیتے تھے۔ جو چیز جس کی تحویل میں تھی' وہ ہیکڑی سے اس کو اپنا مال سمجھتا تھا۔ کوئی وقت ایسا نہ تھا کہ دو چار قرض خواہ اس کے در دولت پر نہ ہوں۔ کلیم نے چاہا کہ چپکے سے چل دے' مگر اس کے بغلی دشمنوں یعنی نوکروں کی وجہ سے اس کا منصوبہ فاش ہو گیا اور جوں پہر رات گئے وہ نوکروں کا لباس بدل کر باہر نکلا تھا کہ سرہنگاں دیوانی کے پنجہ

Marfat.com

غضب میں گرفتار ہو گیا۔ اس غفلت شعار کو اب معلوم ہوا کہ کئی ڈگریاں یک طرفہ اس پر جاری ہیں۔

ان پیادوں کی حراست میں جس کیفیت سے کلیم نے رات گزاری وہ ایسی سخت و ناگوار تھی کہ اس کو بار بار ظاہر دار بیگ کی مسجد کا اعتکاف شبینہ حسرت کے ساتھ یاد آتا تھا۔ اگلے دن کچہری کے پیادوں نے کلیم کو لے جا کر حاکم عدالت کے روبرو حاضر کیا۔ احاطہ کچہری میں پہنچتے ہی پہلے نصوح سے مڈبھیڑ ہوئی۔ کلیم باپ کو دیکھ بے اختیار رو دیا۔ مگر پیادوں کے خوف اور اپنی ندامت کے سبب کچھ نہ کہہ سکا۔ نصوح کا کچہری میں آنا بھی انہی حضرت کی وجہ سے تھا۔ فطرت نے اس بیع نامہ فرضی کا ایک طومار بنا کھڑا کیا اور دو چار نمک حرام کارندوں کو گانٹھا اور چند کاشت کاروں کو بیگھ پیچھے دو دو چار چار آنے کی کر کے استمراری پٹے کر دیے۔ دلی شہر کے چند آبرو باختہ غنڈے ساتھ لے گاؤں پر زبردستی دخل کر لیا۔ نوبت بہ عدالت پہنچی مقدمے میں کچھ ایسے پیچ پڑتے گئے کہ دروغ کو فروغ ہو گیا۔ کلیم نے تو اپنے نزدیک ایک کھیل کیا تھا' نصوح بے چارے کو مفت میں پانچ چھ ہزار کا گاؤں ہارنا پڑا۔

اسی تقریب سے نصوح حاضر کچہری تھا کہ کلیم اس کو دوسری مرتبہ سرکاری پیادوں کے ہاتھ میں گرفتار نظر آیا۔ گو باپ بیٹے میں بالمشافہ بات چیت تو درکنار دعا سلام کا بھی اتفاق نہیں ہوا لیکن ایک دوسرے کی کیفیت معلوم ہو گئی۔ باپ نے ابھی کچہری کے احاطے سے پاؤں باہر نہیں رکھا تھا کہ بیٹا جیل خانے جا داخل ہوا۔ کلیم نے ہر چند شاعری اور امیرزادگی کے چند در چند استحقاق ثابت کیے مگر مالکان محبس نے ایک نہ مانی اور اس کو ایسا ایسا رگیدا کہ دوسرے ہی دن چیں بول گیا۔ اس بے کسی میں کلیم کو باپ یاد آ گیا اور اگرچہ اپنی حرکات پر نظر کرنے سے بالکل ناامیدی تھی مگر الفریق یتشبث بالحشیش مرتا کیا نہ کرتا۔ بے غیرتی کا ٹھیکرا آنکھوں پر رکھ کر باپ کو ایک خط لکھا۔ وہ یہ تھا:

''مجھ کو حیرت ہے کہ میں کون ہوں اور کس کو یہ خط لکھتا ہوں اور یقین ہے کہ اس خط کے پہنچنے پر مجھ سے زیادہ حیرت آپ کو ہو گی۔ اتنی گستاخی' اتنی نافرمانی' اتنی بے

Marfat.com

حیائی' اتنی مخالفت پر جو مجھ نالائق' نابکار' ناہنجار' کشتنی' گردن زدنی' ننگ خاندان

ع بدنام کنندہ نکونامے چند

سے سرزد ہوئی' میں کیا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو آپ کے ساتھ نسبتِ فرزندی باقی رہی۔ پس نہ تو یہ خط خط ہے اور نہ بیٹے کی طرف سے ہے اور نہ باپ کے نام ہے۔ بلکہ یہ معذرت نامہ ہے' عرضی اعتراف ہے' توبہ کا وثیقہ اور استغفار کی دستاویز' ندامت کا اقرار اور حاجت مندی کا اظہار ہے۔ گنہگار' روسیاہ و شرمسار' ظالم' جفا کار' تہ روزگار کلیم کی طرف سے' صاحب کرم عمیم و خلق عظیم' بردبار و حلیم' رؤف و رحیم' محسن و ولی نعمت' مہربان سراپا شفقت' نیکوکار' کم آزار خیر خواہ بلا اشتباہ کے نام۔ ہر چند میری رسوائی یہاں تک پہنچی کہ جب سے مردود و مطرود ہوا طرح طرح کی خرابیوں میں مبتلا اور انواع و اقسام کی ذلتوں میں گرفتار ہوں لیکن یہ سمجھنا کہ میں نے جیسا کیسا ویسا پایا بے جا اور غلط ہے کہ کیا ہزار تو پایا ایک' کیا من تو بھگتا چھٹانک۔ بلکہ ایک اور چھٹانک بھی نہیں' حاشا نہیں' زینہار نہیں۔ ہر چند میں معذرت کرتا ہوں اور جو کچھ میرے دل میں ہے وہ کہیں زیادہ ہے اس سے جو عبارت میں ہے لیکن خود مجھ کو اپنی توبہ سے تشفی اور ندامت سے تسلی نہیں' اس واسطے کہ میری توبہ درماندگی کی توبہ اور ندامت حالت ابتلا کی ندامت ہے۔ تو طیہ برطرف' تمہید یک سو۔ نہ مجھ کو توبہ پر تکیہ' نہ ندامت پر ناز۔ خدا کو' جس کا میں آپ سے بڑھ کر گنہگار ہوں' اپنا شفیع قرار دیتا ہوں

ع اور دیکھتا ہوں تا کرم اور چہا کند

**والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس والله یحب المحسنین**

قطعہ

شاہاز کرم برمن درویش نگر ہر چند نیم لائق بخشائش تو
بر حال من خستہ و دلریش نگر برمن منگر بر کرم خویش نگر

علیم کسی پادری سے ایک مذہبی کتاب لے آیا تھا۔ اس میں اتفاق سے ایک جملہ مجھ کو نظر پڑا اور پسند آیا۔ وہ یہ تھا کہ توبہ ربڑ ہے اور گناہ پنسل کی تحریر۔ پس جب کہ توبہ و ندامت نے مجھ کو آلودگی گناہ سے پاک کر دیا تو پھر میں آپ کا برخوردار ہوں اور آپ

Marfat.com

میرے والد بزرگوار' مجھ کو آپ سے ہر طرح کا دعویٰ اور آپ کو مجھ سے ہر قسم کی توقع ہے۔ سات سو کے عوض میں اس وقت میری جان پر بنی ہے۔ آپ مجھ کو اگر للہ' صدقہ' زکوٰۃ' خیرات جان کر نہ دیں تو قرض حسنہ دیں۔ قیدی کے چھڑانے' غلام کے آزاد کرنے کا ثواب آپ پر مخفی نہیں ہے۔ اگر روپیہ کل تک نہیں آیا تو میری زندگی دشوار ہے۔

کلیم شاعر تو تھا ہی باتوں کا جادو بنانے کی اس نے یہاں تک مشق بہم پہنچائی تھی کہ اس کے جھوٹے ڈھکوسلوں پر تمام مجلس کو وجد ہوتا تھا۔ باپ کے لیے اس نے توبہ ریائی کا ایسا مضمون سوچا کہ اس کا خط گویا سات سو روپیہ کی درشنی ہنڈی تھی۔ جانے کی دیر تھی اور روپیہ ملنے کی دیر نہ تھی لیکن مشکل یہ درپیش تھی کہ قاصد نہیں' نامہ بر نہیں' خط جائے تو کیسے جائے۔ ہانسی حصار کی طرف کا ایک سپاہی کچھ حرف آشنا سا تھا اور جب اس کو پہرے وغیرہ سے فراغت ہوتی تو وہ قصہ شہام روم و سپاہی زادہ' بنجارہ نامہ' کنز المصلی منظوم' اس قسم کے اردو رسالے' نثر کو پریشان' نظم کو ناموزوں کر کے اپنی کرخت سنگلاخ بولی میں پڑھا کرتا تھا۔ کلیم کو شاعری کے ذریعے سے اس سپاہی کے ساتھ تعارف پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ منت سماجت سے کلیم نے اس کو خط پہنچا دینے پر آمادہ کیا اور اجرت یہ ٹھہری کہ کلیم' اس کے اور اس کے دو بیٹوں کے نام کے سجع بنا دے۔ نام ان کم بختوں کے' اتفاق سے ایسے ٹیڑھے تھے کہ بے چارہ کلیم بہتیرا غور کرتا تھا' کسی ڈھب سے نہیں کھپتے تھے اور واقع میں تھے خاں' جمن خاں' بدھو خاں کے ناموں کے سجع کوئی کہے تو کیا کہے۔ اس پر خرابی یہ تھی کہ نتھے خان' جاہل کندہ ناتراش' پسند کرنے والا سخن فہم۔ کلیم بہتر سے بہتر سجع کہہ کر لے جاتا' وہ سن کر ہنس دیتا اور کہتا کہ بھائی جی' یہ تو ٹھیک نہیں بیٹھا۔ بڑی بڑی خرابیوں سے کوئی چھ سات دن میں کلیم نے نتھے خاں کی فرمائش پوری کی۔

غرض کلیم کا خط باپ تک پہنچا۔ وہ اس طرح کی طلب نہ تھی کہ اس میں امروز و فردا کی گنجائش ہو۔ نصوح نے خط پڑھتے کے ساتھ' ساتوں کے ساتوں سو روپے بے عذر گن دیے۔ کلیم اس مرتبہ بھی باپ سے نہ چوکا۔ ضرورت تھی پان سو کی اور منگوائے سات سو۔ پانچ سو دے کر تو رہائی پائی۔ بچے دو سو' اس میں کھڑے کھڑے سامان سفر درست کرا کے اسی وقت دولت آباد کا راستہ لیا۔

Marfat.com

## فصل یازدہم

# کلیم نوکری کی جستجو میں دولت آباد گیا اور فوج میں بھرتی ہو گیا' لڑائی میں زخمی ہوا اور مردوں کی طرح چار کہاروں پر لد کر دہلی آیا

یہ ایک چھوٹی سی ہندوستانی ریاست ہے۔ البتہ کوئی پانچ چھ لاکھ روپیہ سال کا محاصل اس میں ہو سکتا تھا لیکن ایک نوجوان ناتجربہ کار مسند نشین ہوا۔ خوشامدی صلاح کار' لچے مصاحب' موقع پا کر آ جمع ہوئے اور دولت آباد کو چھوٹا لکھنؤ بنا دیا۔ جہاں جہاں اس مذاق کے لوگ تھے سب کو فری میسن کی طرح ریاست دولت آباد کے حالات معلوم تھے۔ کلیم بھی سن سن کر دولت آباد کا ایسا مشتاق تھا' جیسے زاہد مرتاض جنت کا۔

غرض کلیم دو منزلہ طے کرتا ہوا دولت آباد پہنچا اور قبل اس کے کہ کسی سے تعارف پیدا کرے' اس نے اپنا سامان ظاہر درست کر پھر ایک مرتبہ سرائے میں امیری ٹھاٹھ لگا دیے۔ مدح رئیس میں قصیدہ تو اس نے سفر ہی میں کہنا شروع کر دیا تھا۔ صرف عرض حال اور قطعہ دعائیہ باقی تھا۔ جلدی جلدی تمام کر' اسی قصیدے کو ذریعہ تقریب قرار دے' درِ دولت پر جا کر حاضر ہوا۔ مگر شامت اعمال اور باپ کی ناخوشی کا وبال' اس کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس کے دولت پور پہنچنے سے چند روز پہلے یہاں بساط الٹ چکی تھی۔ بدنظمی ریاست کی خبریں صاحب ریذیڈنٹ کو پہنچیں اور انہیں بہ ذات خاص دولت آباد پہنچ کر رئیس سے کل اختیارات منتزع کر' امور ریاست کا اہتمام ایک کمیٹی کو تفویض کیا' جس میں ریاست کے چند قدیم نمک خوار تھے' کہ وہ رئیس کی بے اعتدالیاں دیکھ کر ترکِ خدمت کر کے گھر بیٹھ رہے تھے اور اس کمیٹی کے میر مجلس انتظام الدولہ مدبر الملک نواب بیدار دل خاں بہادر' والی عافیت نگر' قرار دیے گئے کہ وہ رشتے میں رئیس دولت آباد کے ماموں بھی تھے اور ان کا حسن انتظام ان اطراف میں ضرب المثل تھا اور خود صاحب ریذیڈنٹ بہادر بھی بلاناغہ ماہ بہ ماہ اپنی شرکت سے کمیٹی کی آبرو افزائی کیا کرتے تھے۔ رئیس کو مصارف ضروری کے لیے کمیٹی سے دست برداشتہ کچھ روپیہ ملتا تھا۔

Marfat.com

نابکار مصاحب ایک ایک کر کے نکالے جا چکے تھے۔ غرض جس چاٹ پر کلیم دوڑا آیا تھا وہ بات اب باقی نہ تھی۔

ناواقفیت کی وجہ سے کلیم نے اطلاع کرائی تو فوراً قاصد کی طرح طلبی آئی۔ یہ تو اس توقع سے خوشی خوشی اندر گیا کہ بانکے ٹیڑھے، رنگیلے سجیلے، وضع دار لوگ دیکھنے میں آئیں گے مگر جا کر دیکھتا ہے تو بڑے بڑے ریشائیل مولوی، پگڑ اور عمامے باندھے بیٹھے ہیں۔ کوئی درس دے رہا ہے، کوئی کتاب دیکھ رہا ہے کوئی اوراد میں مصروف ہے۔ اندر قدم رکھتے ہی کلیم نے یہ برجستہ مطلع پڑھا۔

جاتے تھے جستجوئے بت خانہ و صنم میں
بہکے تو جا کے نکلے ہم بھی کہاں حرم میں

مولوی کی شکل دیکھ کر قریب تھا کہ کلیم اس طرح بھاگ کھڑا ہو جیسے لاحول سے شیطان مگر اس کو خیال ہوا کہ امیروں کے کارخانے ہیں، عجب کیا ہے کہ یہ کوئی خانقاہ ہو۔

مسجد کے زیرِ سایہ خرابات چاہیے

چلو ذرا حال تو دریافت کریں۔ بارے قریب جا کر اس نے ایک پیر مرد کو "مجرا عرض کرتا ہوں" کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا۔

لفظ "مجرا" سن کر ان حضرت کے کان کھڑے ہوئے اور فوراً آنکھ سے عینک اتار سیدھے ہو کر کلیم کو دیکھنے لگا۔ تب اس نے زائد از رکوع جھک کر ان کو سلام کیا یعنی اپنا مجرا دکھایا۔ اس بزرگ نے فرمایا:

"وعلیکم السلام ورحمة الله وبرکاته. من ابن انت فی ارفالک احسن الله بحالک"

کلیم: حضرت قبلہ، میں فہم عربی سے قاصر ہوں۔

مولوی صاحب: کہاں سے اتفاقِ مجی ہوا؟

کلیم: دہلی سے۔

مولوی صاحب: تقریب؟

کلیم: امتحان بحث اور آزمائش نصیب۔

Marfat.com

مولوی صاحب: علم وعمل؟

کلیم: مدحت طرازی اربابِ دول۔

مولوی صاحب: غرض وغایت؟

کلیم: تحصیل جاہ وثروت

تب اس بزرگ نے مختصر طور پر کلیم کو وہاں کے حالات سے مطلع کر دیا اور کہا کہ رئیس لاشے محض ہے' وہ بھی لابشرط شی نے بلکہ بشرط لاشے اور بے اجازت خاص حضرت مولانا صدر اعظم کے کسی کو اس تک پہنچنے کا امکان نہیں۔

کلیم: صدر اعظم صاحب کہاں تشریف رکھتے ہیں؟

مولوی صاحب: دیکھو یہیں کہیں ہوں گے۔

کلیم: ان کی شناخت؟

مولوی صاحب. سیما ہم فی وجوھھم من اثر السجود

کلیم: میں نہیں سمجھتا۔

مولوی صاحب: ایک بڈھے منحنی سے آدمی ہیں۔ نیلی لنگی اوڑھے ہوئے حجرۂ شمالی کے صحن میں طلبہ کو درس دے رہے ہوں گے یا فصلِ خصومات میں مصروف ہوں گے۔

کلیم: ان کو کیا خدمت سپرد ہے؟

مولوی صاحب: جیسے حرفِ ندا' اللفظ ادعوا کا قائم مقام ہوتا ہے اسی طرح مولانا صاحب ادام اللہ فیوضہم نائب الرئیس ہیں۔

کلیم: میں ان کی خدمت میں جا سکتا ہوں؟

مولوی صاحب: لاباس بہ۔

غرض کلیم صدر اعظم کی خدمت میں گیا تو وہ اس کی نظر میں کچھ بھی نہ جچے۔ یہ سمجھا تھا کہ وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں تو بڑے کروفر کے ساتھ ہوں گے۔ وہاں جا کر دیکھا کہ ولایتی نما ایک بڈھے سے مولوی ہیں' وراثت کا ایک جھگڑا ان کے روبرو درپیش ہے اور بیٹھے اپنے ہاتھ سے حساب منا سخہ لگا رہے ہیں۔ کلیم کو ایک اجنبی صورت دیکھ کر انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا کہ ان لوگوں سے فارغ ہوں تو آپ سے بات

Marfat.com

کروں۔ جب تک مقدمہ پیش رہا' کلیم غور سے دیکھتا اور سنتا رہا۔ مولوی صاحب بلا کی موشگافیاں کر رہے تھے۔ تب تو کلیم نے سمجھا کہ واقع میں یہ شخص بڑی پائے گاہ کا آدمی ہے اور منصب وزارت کے قابل ہے۔ بارے جب مقدمہ طے ہو چکا تو صدر اعظم صاحب کلیم کی طرف مخاطب ہوئے کہ ہاں حضرت فرمایئے۔

کلیم: بندہ ایک غریب الوطن ہے۔ رئیس کی جود وسخا کا شہرہ سن کر مدت سے مشتاق تھا۔ یہ حال ہے' باقی میری صورت سوال ہے۔

صدر اعظم: آپ کی سماعت صحیح لیکن اگر چہ جود صفت محمود ہے مگر اعتدال شرط ہے۔ شامت اسراف سے غنی باقی نہ رہا۔ فرنگیوں نے حفظ ریاست کی نظر سے رئیس کو ممنوع التصرفات' مسلوب الاختیارات کر رکھا ہے۔

کلیم: میں طالب گنجینہ نہیں' سائل خزینہ۔

صدف کو چاہیے کیا ایک قطرہ چشمہء یم سے
بجھا لیتا ہے اپنی پیاس کام غنچہء شبنم سے

کلیم نے اس طرح کڑک کر بے دھڑک شعر پڑھا کہ تمام حاضرین اس کی یہ حرکت خارج از سیاق ادب دیکھ کر متعجب ہوئے۔ صدر اعظم صاحب کا منصب' ان کا علم وفضل اور ان کی پیری اور وہ ہیبت جو ان کی تہذیب کو لازم تھی یعنی صدر اعظم کی حالت مجموعی اور اس سے قطع نظر خود کلیم کی حالت' اس کی مقتضی تھی کہ وہ پاسِ ادب ملحوظ رکھتا۔ مگر وہ ایسی ہی بے باکی کو ہنر لسانی اور صفت حاضر جوابی سمجھتا تھا۔ شعر اس کا تکیہ کلام تھا۔ بات کہتا تو مقتضیٰ کلام کرتا تو موزوں۔ گفتگوئے روزمرہ میں بھی اس کی یہی کیفیت تھی اور جو کوئی کبھی اس کو ٹوکتا تو وہ جواب دیتا کہ ''شاعری تو شعار ہے اپنا''

کلیم کو صدر اعظم کے حضور بے باکانہ شعر پڑھتے ہوئے دیکھ کر لوگوں کو حیرت ہوئی لیکن جو امر ان کی حیرت کا موجب تھا' وہی ان کو کلیم کے روکنے اور باز رکھنے سے بھی مانع تھا' یعنی صدر اعظم کی ہیبت۔ لوگوں سے زیادہ صدر اعظم کو حیرت ہوئی ہوگی مگر ان کی تہذیب اس درجے کی تھی کہ انہوں نے کلیم کو نظر بھر کر بھی تو نہیں دیکھا' اظہار ناخوشی و ناپسندیدگی تو بڑی بات ہے۔

Marfat.com

صدر اعظم: رئیس سے تو توقع عبث ہے۔ مگر انتظامِ جدید درپیش ہے۔ اگر میں سمجھوں کہ کوئی خدمت آپ انجام دے سکیں گے تو ان شاء اللہ مجلسِ شوریٰ میں جس کو لوگ کمیٹی منتظم ریاست کہتے ہیں' آپ کے استحقاق پیش کر دیے جائیں گے اور غالب ہے کہ کوئی خدمت آپ کو مفوض ہو جائے۔ متعدد مناصب خالی ہیں' خصوصاً انتظام فوج داری حدودِ ریاست میں۔

کلیم: چندے حضور مجھ کو اپنی خدمت خاص میں رکھیں اور اس نالائق کی ہنرمندی اور بے ہنری حضور پر منکشف ہو جائے تو پھر جس خدمت کے لیے ارشاد ہوگا بسر و چشم اس کو بجالائے گا اگرچہ خدمت فوج داری ہی کیوں نہ ہو۔

طالب ہوں علم کا کہ علم سے ہے ہم رقم
نیزہ سمجھ کے لیتا ہوں میں ہاتھ میں قلم

صدرِ اعظم: فرنگیوں نے جو انتظام کیا ہے وہ ایسی تگ و رزی کے ساتھ کیا ہے کہ اس میں بہت تھوڑی گنجائش ہے۔ پس قبل اس کے کہ میں آپ کو اپنے پاس کی کوئی خدمت دوں مجھ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کس کام کی انجام دہی پر قدرت رکھتے ہیں۔

کلیم: بقول غالب:

آج مجھ سا نہیں زمانے میں
شاعر نغز گو و خوش گفتار

صدر اعظم: لیکن انتظامِ جدید کے مطابق ریاست میں کوئی خدمت شاعری باقی نہیں۔

کلیم:

گر سخن گو نہیں تو خاک نہیں
سلطنت ہے عروسِ بے زینت

صدر اعظم: جو کچھ آپ سمجھیں۔

کلیم: لیکن ریاست پر کیا منحصر ہے' حضور بھی تو وزیر اعظم اور نائب الرئیس ہیں۔ آپ کی سرکار میں کیا کمی ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

Marfat.com

صدر اعظم: نعوذ باللہ المنان من فات اللسان۔

میں بے چارہ نام کا نائب الرئیس اور وزیر ہوں' ورنہ فی الحقیقت ایک ذرہ حقیر ہوں۔

کلیم: یہ حضور کا کسر نفس ہے۔ بقول ظہوری:

سر خدمت بر آستاں دارد
پائے رفعت بر آسماں دارد

میں بھی اس بلاد دور دست اور دیار اجنبی میں اتفاق سے آنکلا ہوں اور میں دیکھتا ہوں تو آپ کی سرکار با اقتدار میں ایک شاعر کی ضرورت بھی ہے جو آپ کے مہامد اوصاف کو مشتہر کر کے خیر خواہان دولت کو راسخ العقیدت اور دشمنان روسیاہ کو مبتلائے ہیبت کرتا رہے۔

صدر اعظم: یہ آپ کی کریم النفسی ہے ورنہ ''من آنم کہ من دانم۔'' مجھ کو اگر ضرورت ہے تو ایسے شخص کی ہے جو مجھ کو میرے عیوب پر مطلع کیا کرے۔

کلیم: اگر مدح و ستائش پسند نہیں ہے تو بندہ وصل و ہجر و شوق و انتظار و ناز و نیاز و واسوخت و رباعی و تاریخ و سجع و چیستان و معاملہ بندی و تضمین و محاکمہ و رزم و بزم و تشبیہ و استعارات و تجنیس و تمثیلات و سراپا' ہر طرح کے مضامین پر قادر ہے۔ جو طرز مرغوب طبع ہو اسی میں طبع آزمائی کرے گا۔

رکھتا ہوں اگرچہ عیب تعلّی سے عار ہوں
بس مغتنم ہوں منتخب روزگار ہوں

صدر اعظم: آپ کے ہنرمند بے نظیر بے مانند ہونے میں شک نہیں لیکن افسوس ہے کہ مجھ کو اس فن کی طرف رغبت نہیں۔

کلیم: حضور جیسے عالم باکمال کا ایسے فن شریف سے (ع) کہ ہم خط نفس ست و ہم قوت روح' رغبت نہ رکھنا (ع) میری قسمت کی نارسائی ہے۔

صدر اعظم: اگرچہ میں اپنے نفس میں انواع و اقسام کی خباثتیں پاتا ہوں لیکن خداوند کریم کا شکر گزار ہوں کہ اب تو خیر ایسی باتوں سے محترز رہنے کی میری عمر ہی ہے' عنفوانِ

Marfat.com

شباب میں بھی خدا کے فضل سے میں ایسی باتوں کو نہایت ناپسند کرتا تھا۔

کلیم: سبب کیا وجہ کیا موجب جہت کیا؟

صدر اعظم: جہاں تک میں سمجھتا ہوں ایسے مضامین میں اشتغال و انہماک رکھنے سے ذہول وغفلت' استخفاف معصیت' استحسان لہو ولہب' اختیار مالا یعنی کے سوائے کچھ اور بھی حاصل ہے؟

کلیم: اب اس خصوص میں کچھ عرض کرنا سوء ادب ہے۔ وہی خدمت فوج داری مجھ کو تفویض فرمائی جائے۔

صدر اعظم: مجھ کو کچھ عذر نہیں۔ مگر آپ مجھ سے استشارہ کریں تو بہ حکم المستشار مؤتمن' میں صلاح نہیں دے سکتا۔ اس واسطے کہ رئیس کے ضعف حکومت نے ان ٹھاکروں کو جو مستقر الریاست سے دور رہتے ہیں ایسا عسیر الانقیاد کر دیا ہے کہ کوئی قسط بے جنگ و جدال وصول نہیں ہوتی اور ملازمان فوج داری کو ہمیشہ ان کے ساتھ معرکہ آرائی کرنی پڑتی ہے۔ آپ کے ذمے ریاست کے حقوق سوابق نعمت ثابت نہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ ابتداً ایسی خطرناک خدمت اختیار کی جائے۔

کلیم: حالت اضطرار کو کیا کیا جائے۔

صدر اعظم: اگر اضطرار ہے تو بیس روپیہ ماہانہ کا جمع خرچ نویس مداخل' ایک منصب جدید ہونے والا ہے' چندے آپ اس پر قناعت کریں۔ میرے نزدیک کنج عافیت کے یہ بیس' فوج داری کے پچاس پر ترجیح رکھتے ہیں۔

کلیم: یہ حضور کی مسافر نوازی ہے لیکن بندہ اس خدمت سے معاف رکھا جائے۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند

یہ کچھ لالہ بھائیوں ہی کو زیبا ہے۔

صدر اعظم: میں اتماماً للحجت پھر آپ سے کہتا ہوں کہ جس خدمت کے آپ خواستگار ہیں فی نفسہ خصوصاً اس وقت میں محل خطر ہے۔

کلیم: ع از خطر نیندیشد ہر کہ ہمتش عالی ست

Marfat.com

صدر اعظم: اچھا تو آپ مال کار کی نسبت تامل صحیح کر لیجیے' پھر دیکھا جائے گا۔

غرض کلیم' صدر اعظم سے رخصت ہو کر اپنی جگہ واپس آیا مگر حصولِ مطلب سے مایوس' صدر اعظم سے بدعقیدت۔ یہاں سرائے میں بعض لوگوں نے اس سے صدر اعظم کی ملاقات کی کیفیت پوچھی تو اس نے نہایت حقارت سے کہا ''اجی بس' شعر فہمی عالم بالا معلوم شد۔ آواز دہل از دور۔ چوں دم برداشتم مادہ خر برآمد۔ کوڑ مغز' جسد بے روح' جماد بے حس' افسردہ دل مردہ۔ ع ''سگ نشیند بجائے گیپائی''

زمانہ نا ہنجار کے انقلاب دیکھئے' ایوان ریاست کیا ہے فتح پوری کی مسجد ہے۔

اگرچہ کلیم کو ایسی دل برداشتگی بہم پہنچی تھی کہ وہ کسی طرح ایسی ریاست کی نوکری پسند نہیں کرتا تھا مگر مجبوری یہ تھی کہ اس کے پاس اتنا خرچ نہیں تھا کہ کسی دوسری جگہ کا قصد کرے۔ حاجت اس کو صدر اعظم کے پاس جانے پر مجبور کرتی تھی۔ مگر مخالفت رائے اس کو مانع ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ہی حیص بیص میں پورے دس دن گزر گئے اور کمیٹی منتظم ریاست کے انعقاد کا وقت آ پہنچا لیکن اس بندہ خدا نے صدر اعظم کی طرف رخ نہ کیا۔ بارے یکا یک نہیں معلوم کیا خیال اس کے دل میں آیا کہ سپاہیانہ لباس پہن' ہتھیار لگا' مونچھوں پر تاؤ دے' خدمت فوج داری میں امیدوار بن کر کمیٹی کے روبرو جا کھڑا ہوا۔ آدمی تھا ماشاء اللہ وجیہہ اور اس پر لسان' ایک دم سے فوج میں کپتان مقرر ہو گیا۔

شاعروں کو ایک پھٹکار یہ ہوتی ہے کہ اکثر خود پسند ہوتے ہیں' کیوں کہ ہمیشہ تعریف و آفرین اور داد و تحسین کے امیدوار رہتے ہیں۔ کلیم بھی اس مرض میں مبتلا تھا۔ اب جو اس کو دفعتاً منصب کپتانی مل گیا تو اس کی نخوت کو تائید مزید پہنچی۔

بقول میر ع سمند ناز پہ اک تازیانہ ہوا

جب دیکھو اردلی میں دس پندرہ سوار شہر میں گھوڑے کداتے پھر رہے ہیں۔

چار پانچ مہینے کلیم نے بڑے چین سے گزارے اور چونکہ باپ کو چھیڑنا منظور تھا' دہلی میں دوست آشناؤں کے پاس کپتان صاحب کے خط پر خط چلے آتے تھے۔ یہاں

Marfat.com

تک کہ زور آور سنگھ ایک ٹھاکر نے اپنے علاقے کی قسط وقت پر ادا نہ کی۔ تنگ طلبی ہوئی تو وہ پھر بیٹھا۔ اس کی سرکوبی کے واسطے دولت آباد سے فوج روانہ ہوئی۔ اس میں کلیم بھی تھا۔ جوانی کی عمر' نئی نئی نوکری' مزاج میں بے باکی و تہور۔ پہلے ہی حملے میں میاں زخمی ہوئے تو کیسے سخت کہ دست بخیر' گھٹنے کی چپنی پر گولی بیٹھی تو اندر ہی اندر بن ران تک تیر گئی۔ معلوم نہیں نسوں میں کس طرح کا تعلق خدا تعالیٰ نے رکھا ہے کہ ایک پاؤں کے مجروح ہونے سے سارے کا سارا دھڑ بے کار ہو گیا۔

قاعدہ فوج کے مطابق میدان جنگ سے لوتھ کو اٹھا کر دار الشفا میں پہنچایا۔ جراحوں نے زخم کو دیکھا تو ایسا کاری پایا کہ فوراً پاؤں کا ٹنا لازم آیا۔ اگر چہ اس وقت تک جراحوں نے پاؤں کو جان کا فدیہ تجویز کیا لیکن کلیم بے چارہ' ناز و نعمت کا پلا ہوا تھا' اس صدمہ کا متحمل نہ ہو سکا اور روز بہ روز اس کی حالت ردی ہوتی گئی۔ تپ آنے لگی' زخم بگڑا' ناسور پڑے۔ اتنا بڑا ڈھو جوان' ایک ہی مہینے میں گھل گھل کر پلنگ سے لگ گیا۔ جب پاؤں کی طرح اس کی زیست کی امید منقطع ہو گئی تو ناچار لوگوں نے اس کو دہلی میں پہنچانے کی صلاح کی اور یہ بھی خیال ہوا کہ گھر کے جانے کی مسرت اور تبدیلی آب و ہوا کی فرحت سے عجب نہیں کہ اس کے دل کو تقویت پہنچے۔ صدر اعظم صاحب حسبۃ للہ مصارف ہوئے اور دولت آباد سے دہلی تک برابر کہاروں کی ڈاک بیٹھ گئی۔

کلیم دہلی میں پہنچا تو راہ میں انیس بیس کا فرق اس کی حالت میں ہو گیا تھا مگر ناتوانی اس درجے کی تھی کہ دن رات میں سات پہر بے ہوشی میں گزرتے تھے۔ جب کہاروں نے اس کی ڈولی نصوح کے دروازے پر جا اتاری تو اس پر غشی طاری تھی۔ نصوح بالا خانے پر مصروف عبادت تھا۔ پہلے زنان خانے میں خبر ہوئی۔ فہمیدہ بے تاب ہو کر بے حجاب باہر نکل آئی۔ جو پالکی کے پٹ کھول کر دیکھا تو بیٹے پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ اس طرح بلک کر روئی کہ سننے والوں کے کلیجے ہل گئے۔ فہمیدہ نے اس بے قراری میں جو بین کیے' ان کے لکھنے سے پہلے قلم کا سینہ شق ہے اور چشم دولت سے اشک جاری ہیں۔ خلاصہ یہ کہ فہمیدہ کے قلق و اضطراب نے محلے میں حشر برپا کر دیا۔

Marfat.com

اگرچہ نصوح گریہ و بکا کی آواز سن کر کھٹکا تھا مگر اس طرح کا مستقل مزاج' ضابطہ آدمی تھا کہ اسی ترتیل کے ساتھ معمولی تلاوت کو پورا کیا اور اس کے بعد نیچے اتر کر پالکی کے پاس آیا۔ فہمیدہ کا رونا سن کر اور بیٹے کی ردی حالت دیکھ کر بے اختیار اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو چلے آتے تھے اور بار بار ٹھنڈی سانسیں بھرتا تھا' مگر کچھ بولتا تھا نہ چالتا تھا۔ آدھ گھنٹے کامل اس کی یہی کیفیت رہی۔ اس کے بعد اس نے اپنے آنسو پونچھے اور کہا:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّۃَ اِلاَّ باللّٰہِ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم. انما اشکوا بثی وحزنی الی اللہ. اللھم افرغ علینا صبرا وثبت اقدامنا. اللھم بون علیہ سکراتہ وکفر عنہ سیاتہ.

اس کے بعد بی بی کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میں تم کو رنج کرنے سے منع نہیں کرتا۔ تمہارا رنج ایک اقتضائے طبیعت ہے کہ انسان اس میں مجبور ہے لیکن مجھ کو تمہارا اضطرار دیکھ کر اس بات کا خوف ہوتا ہے کہ مبادا تمہارے خیالات منجر بہ کفران ہو جائیں۔ اگر مصیبت کے وقت انسان کے دل میں نعوذ باللہ بوئے نارضامندی بھی خداوند بے نیاز کی طرف سے پیدا ہو تو پھر کہیں اس کا ٹھکانا نہیں۔ خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْآخِرَۃ۔ ذَالِکَ ھُوَ الْخُسْرَانِ الْمُبِیْن۔ کیا ہم نئے آدمی اور یہ انوکھی مصیبت ہے؟ بزرگانِ دین پر اس سے کہیں زیادہ مصیبتیں نازل ہوئیں۔ زندہ دہکتی ہوئی آگ میں جھونک دیے گئے' سر پر آرے چلے' سولی چڑھے' قتل ہوئے' قید رہے' ماریں پڑیں' کوڑے سہے' گالیاں کھائیں' بیگاریں بھگتیں' ذلتیں اٹھائیں' رسوائیاں جھیلیں۔ مگر خدا ان کو جزائے خیر دے' کیسے سچے بندے تھے کہ رضا و تسلیم کے حبل متین کو ہاتھ سے نہ دیا۔ یہ کچھ مصیبت اور دل بہ رضا جوئی حضرت ربوبیت۔ یہ کچھ ایذا اور زبان سپاس گزار منت۔ شکر کا مقام ہے کہ خداوند کریم نے ہمارے ضعف پر رحم فرما کر امتحان سخت میں مبتلا نہیں کیا۔ اگر بندہ صرف یسر و رفاہ کی حالت میں خدا سے راضی ہے اور تکلیف و اذیت میں شاکی تو وہ بندہ بندہ خدا نہیں بلکہ بندہ غرض اور مطلب پرست ہے۔ اے بی بی رنج

Marfat.com

کرو لیکن صبر کے ساتھ اور مصیبت پر روؤ مگر شانِ عبودیت لیے ہوئے۔ دنیا میں جتنی ایذا اور جتنی مصیبت ہے' پاداشِ گناہ و وبالِ معصیت ہے۔ اسی واسطے توبہ و استغفار کو لکھا ہے کہ اس سے مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ سب سے بہتر ہمدردی جو ہم اس شخص کی اس تباہ حالت میں کر سکتے ہیں' یہ ہے کہ ہم اس کے گناہوں کی معافی کے لیے خداوند کریم کے حضور میں بہ منت وسماجت دعا کریں۔ یہ شخص' تم بھی اس بات کو تسلیم کرو گی' اپنے ہاتھوں اس نوبت کو پہنچا کہ جو اس کو دیکھے گا' بہ اقتضائے انسانیت تاسف کرے گا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں' تمام دنیا کا رحم' خدا کی رحمت کاملہ کے آگے ہزارواں لاکھواں حصہ بھی نہیں ہے۔ اگرچہ ہم لوگوں کے دیکھنے میں اس کی حالت ہی زبوں ہے لیکن کوئی شخص اس سے بڑھ کر خوش قسمت نہیں اگر اس کی یہ تکلیفیں' عنداللہ اس کے گناہوں کا کفارہ سمجھی جائیں۔

نصوح کے وعظ کا سحر حلال ایسا نہ تھا کہ کوئی اس کو سنے اور متاثر نہ ہو۔ فہمیدہ فوراً منہ پوچھ سیدھی ہو بیٹھی اور اب میاں بی بی لگے آپس میں صلاح کرنے کہ کیا کیا جائے۔

نصوح: اس کو محلے کہ شفا خانے میں پہنچا دینا چاہیے۔ ہر وقت ڈاکٹر کے پیش نظر رہے گا۔ مکان بہت پرفضا ہے' اس کی طبیعت کو بھی تفریح ہوگی۔

فہمیدہ: ہے ہے! اور میرا دل کیوں کر صبر کرے گا؟

نصوح: تمہارا یہ کہنا بھی واجب مگر بیمار کی حالت ایسی ردی ہے کہ کسی وقت اس سے طبیب کا مفارقت کرنا مناسب نہیں۔

فہمیدہ: حکیم جی شوق سے آئیں جائیں مگر سہ دری میں پردہ کیے بیٹھی رہوں گی۔

نصوح: زخموں کا علاج کچھ ڈاکٹروں ہی سے خوب بن پڑتا ہے۔ یونانی طبیب تو اس کوچے سے محض نابلد ہیں۔ رہے جراح' ان کو دو چار مرہم ضرور معلوم ہیں مگر تشریح سے جیسے یونانی طبیب بے خبر' ویسے ہی جراح ناواقف۔ بہتر ہوگا کہ اس کو نعیمہ کے گھر لے چلیں۔ سرکاری شفاخانہ بھی قریب ہے اور میاں عیسیٰ کہ اس وقت ہندوستانی جراحوں

Marfat.com

میں اپنا ثانی نہیں رکھتے' دیوار بیچ ان کا گھر ہے۔

فہمیدہ نے بھی اس صلاح کو پسند کیا اور کیسا سامان' کس کی تیاری' گھر کا گھر کلیم کی پالکی کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں سے کوئی چھ سات پیسے ڈولی نعیمہ کی سسرال تھی۔ کہاروں نے پالکی اٹھائی تو کہیں کاندھا تک نہیں بدلا' دھر نعیمہ کے گھر جا اتاری۔

یاد ہوگا کہ نعیمہ ماں سے لڑ کر' بے ملے صالحہ کے ساتھ خالہ کے یہاں چلی گئی تھی۔ پھر چار مہینے وہاں رہی۔ نیک لوگوں کے ساتھ رہنے کی برکت' خدا نے اس کو ہدایت دی اور وہ بھی نیک بن گئی۔

سب اصحاب کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت و مردم شد

نیک بنے پیچھے ممکن نہ تھا کہ ماں باپ کی نارضامندی گوارا کرتی۔ اس نے ماں باپ کو شاد اور خدا نے اس کو اپنے گھر میں آباد کیا۔ اس کو سسرال گئے دوسرا مہینہ تھا کہ کلیم کو چار کہاروں کے کندھے پر لاد کر اس کے گھر لے گئے۔ چوں کہ نعیمہ کے گھر آباد ہونے کا تذکرہ آ گیا' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نعیمہ کا حال لکھا جائے اور کلیم کو جو دنیا میں اب مہمان چند روزہ ہے پیچھے دیکھ لیا جائے گا۔

Marfat.com

## فصل دوازدہم

## نعیمہ خالہ کے یہاں رہ کر خود بہ خود درست ہوگئی۔ اس نے ماں باپ سے اپنی خطا معاف کرائی اور خدا نے اس کا مدتوں کا اجڑا ہوا گھر پھر آباد کیا۔ کلیم نے بہن کے گھر وفات پائی قصے کا خاتمہ

نعیمہ اور کلیم' اس اعتبار سے دونوں کی کچھ ایک ہی سی کیفیت تھی کہ زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے عادتیں دونوں کی راسخ ہو چکی تھیں۔ بیاہے ہوئے اور صاحب اولاد دونوں تھے۔ کلیم کو بی بی سے کچھ انس نہ تھا تو نعیمہ کا شوہر سے بگاڑ تھا۔ نعیمہ اگرچہ کلیم کی طرح سب میں بڑی نہ تھی مگر بڑی بیٹی تھی لیکن پھر بھی کلیم فولاد تھا تو نعیمہ اس کے مقابلے میں سیسا' بلکہ رانگا سمجھنا چاہیے۔ کلیم مرد تھا' قسی القلب نعیمہ' عورت نرم دل۔ کلیم باہر کا چلنے پھرنے والا سیکڑوں آدمیوں سے تعارف' ہزاروں سے جان پہچان۔ نعیمہ بے چاری پردے کی رہنے والی۔ میل ملاپ سمجھو تو اور پیار اخلاص سمجھو تو' ماں بہن خالہ' نانی' کنبے کی عورتوں سے' وہ بھی گنتی کی۔ کلیم اور نعیمہ' دل دونوں کے بیمار تھے لیکن کلیم کے دل کو ذاتی مروگ کے علاوہ صدہا بیماریاں اس قسم کی تھیں جو متعدی کہلاتی ہیں یعنی ایک سے اڑ کر دوسرے کو لگ جاتی ہیں۔ اس کلیم کے مزاج میں چند در چند خرابیاں تھیں جو اس نے بری صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے پیچھے لگا لی تھیں۔ نعیمہ میں جو کچھ برائی تھی' وہ ماں باپ کے لاڈ پیار' علم کی ناداری اور عقل کی کوتاہی کی وجہ سے تھی۔ کلیم دلیر و بے باک اور عیار و چالاک تھا۔ نعیمہ بے وقوف' بھولی اور ڈرپوک' دل کی بودی۔ کلیم کے سر پر ایک سخت بلا مسلط تھی یعنی اس کے جلیس و ہم نشیں اور نعیمہ اس سے بالکل محفوظ تھی۔ کلیم میں اس قسم کے بے ہودہ عیوب تھے جن میں آج کل کے کم بخت نوجوان شریف زادے کثرت سے

Marfat.com

مبتلا پائے جاتے ہیں یعنی عورتوں کی طرح درپے تزئین رہنا اور بناؤ سنگھار رکھنا۔ پہر دن چڑھے سو کر اٹھے۔ ضرورتوں سے فارغ ہو کر آئینے کی تلاوت شروع ہوئی تو دوپہر کر دیا۔ اگرچہ رات کو مانگ اور پٹیوں کے لحاظ سے رومال باندھ کر اور سر کو الگ تھلک رکھ کر سوئے تھے' مگر آئینے میں منہ دیکھا تو زلف کی پریشانی پر اس قدر تاسف کیا کہ سر اسحاق نیوٹن صاحب نے بھی اپنے اوراق کی ابتری پر اتنا افسوس نہ کیا ہوگا۔ بارے اگر اصلاح کا دن نہ ہوا تو گھنٹوں کی محنت میں' وہ بھی اپنے اکیلے کی نہیں' بال ٹھکانے لگے اور مانگ درست ہوئی اور اگر کہیں اصلاح کا زور منحوس ہوا تو سارا دن گزر گیا۔ ایک وضع خاص پر سر جھکائے جھکائے گردن شل ہوگئی۔ داڑھی اور مونچھوں کے ترشوانے میں منہ کو لقوہ مار گیا۔ حجام کی آنکھوں کے تلے اندھیرا آنے لگا مگر پھر بھی ان کا خط خاطر خواہ نہ بنا۔ کپڑے بدلنے کی نوبت پہنچی ٹوپی قالب سے اتر کر آئی تو سر پیٹ لیا' مگر ایسی احتیاط سے کہ بال نہ بگڑیں۔ اس کے بعد انگرکھے کی چنٹ پر چیں بہ جبیں ہوئے۔ پھر تو ادھر انگرکھے کی آستینوں اور ادھر پائجامہ کی تنگ مہریوں کے ساتھ ہاتھا پائی شروع ہوئی۔ مشکل یہ آ کر پڑی کہ کپڑا اکشاکش کا متحمل نہیں۔ ذرا زور پڑا اور مسکا اور ہاتھ پاؤں کہتے ہیں کہ ہم ان چیونٹی کے بلوں میں گھسنے کے نہیں۔ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ بارے کاغذ کے سہارے سے ہولے ہولے پھسلاتے پھسلاتے کہیں پہروں میں جا کر مشکل آسان ہوئی۔ اب ملبوس خاص زیب تن تو ہوا مگر کس کیفیت سے کہ تنگی اور چستی کے مارے مشکیں الگ کسی ہوئی ہیں' پاؤں علیحدہ جکڑے ہوئے ہیں اور سارا بدن گویا شکنجے میں ہے۔ کھانسنا' چھینکنا' جمائی' انگڑائی تو درکنار' گھنڈی نکمے کے لحاظ اور بندوں کے پاسِ خاطر سے اچھی طرح سانس بھی نہیں لے سکتے۔ غور کرنے کی بات ہے کہ لباس سے غرض اصلی بدن ڈھانکنا اور آسائش پہنچانا ہے۔ اس میں کبر و نخوت کو دخل دے کر کیا ناس مارا ہے کہ غرض اصلی گئی گزری ہوئی اور تکلیف و ایذا الٹی گلے مڑھی گئی۔ مقصود تھی پردہ پوشی' ان بزرگ ذات نے اس میں تراش خراش اور وضع داری کو ایسا شامل کیا کہ کپڑوں نے اندرون دل تک کا لفافہ ادھیڑ کر رکھ دیا۔ اب ان کے حالات

Marfat.com

لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صورت بہیں حالش مپرس۔

کلیم بھی ایک اس طرح کا چھیلا تھا' بدوضع آوارہ جس کے اطوار و عادات جا بہ جا لکھے جا چکے ہیں۔ اس خصوص میں نعیمہ شرفا کی بہو بیٹیوں کی طرح کالدر المکنون' محفوظ و مصئون تھی۔ اس میں اور کلیم میں بے مبالغہ فرشتہ اور شیطان کی نسبت سمجھنی چاہیے۔ غرض نعیمہ کا رو براہ ہونا دشوار ضرور تھا مگر نہ کلیم کی طرح محال' مشکل البتہ تھا لیکن نہ کلیم کی مانند معتذر۔ خالہ کے یہاں ڈولی سے اتری تو جوں خالہ کی شکل دور سے نظر پڑی کہ بھوں بھوں رونا شروع کیا۔ دیہات کی مستورات کا تو یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی مہمان یا مسافر بہت دنوں کے بعد آتا ہے تو اس سے مل کر رونے لگتی ہیں' اس واسطے کہ اس وقت ان کو مفارقت کی سختیاں اور تکلیفیں اور یادگاری و انتظار کی زحمتیں یاد آتی ہیں۔ مگر دہلی کا یہ دستور نہیں ہے۔ یہاں کی عورتیں اسی حالت میں روتی ہیں جب کہ طرفین میں سے کسی کا کوئی عزیز و قریب زمان جدائی میں مر گیا ہو۔ ورنہ یوں مہمان و مسافر کے آنے پر رونا دلی والیاں منحوس سمجھتی ہیں۔ گو خالہ کو دیکھ کر نعیمہ کے دل میں جوش پیدا ہوا تھا مگر اس کو ضبط کرنا چاہیے تھا لیکن نہ تو نعیمہ کو اتنی عقل تھی کہ اتنی بات سمجھتی اور شاید سمجھتی بھی ہوتا ہم وہ دل پر اس قدر ضابط نہ تھی۔ خالہ نے جو اس کو روتے دیکھا سخت تعجب کیا۔ بھانجی کی عادت سے واقف تھیں۔ سمجھ تو گئیں کہ ماں سے روٹھ کر آئی ہے' اسی کا یہ رونا ہے لیکن جلدی سے دوڑ کر بھانجی کو گلے سے لگا لیا اور پیار چمکار کر بہت کچھ تسلی دی اور سمجھایا کہ اللہ رکھے بیٹے کی ماں ہوئیں' اب تمہاری عمر بچوں کی طرح رونے کی نہیں ہے۔ ہمسایے کی عورتیں سنیں گی تو کیا کہیں گی؟ جانے دو بس کرو' طبیعت کو سنبھالو' جی کو مضبوط رکھو۔

نعیمہ: اماں جان نے مجھے مارا' اوں اوں۔

خالہ: مارا تو کیا ہوا؟ ماں باپ ہزار بار لاڈ کرتے ہیں تو نصیحت کے واسطے مار بھی بیٹھتے ہیں۔ ماں باپ کی مار' مار نہیں سنوار ہے۔ تمہاری نانی' خدا جنت نصیب کرے' بڑی ہتھ چھٹ تھیں۔ تم اس بات کو سچ مانتا کہ اب ہم ان کی مار کو ترستے ہیں۔ ماں باپ کی مار کیا ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ جنہیں خدا کو بہتر کرنا منظور ہوتا ہے' وہ ماں باپ کی مار کھاتے

Marfat.com

ہیں۔ بھلا تم نے اس بات کا خیال کیا۔ ہوش میں آؤ تو دیکھو کہ تمہارا بیٹا بھی تمہارے رونے پر ہنستا ہے۔ (ننھے بچے کی طرف مخاطب ہوکر) کیوں جی بڑے میاں! تم کچھ اپنی اماں جان کو نہیں سمجھاتے؟

بچہ: آغوں!

خالہ: آغوں غوٹے' دودھ پی پی کر میاں ہوئے موٹے۔

غرض خالہ نے نعیمہ کے رونے کو باتوں میں ٹال دیا۔ نعیمہ چندے جھینپتی سی رہی مگر پھر تو ہنسی خوشی رہنے لگی۔ اگرچہ خالہ نے بھانجی سے رونے کا سبب مصلحتاً دریافت نہیں کیا مگر موقع سے صالحہ کو الگ لے جا کر ساری حقیقت پوچھی اور جب اس کو بہن کے گھر بہن داری کی چھیڑ چھاڑ کا ہونا معلوم ہوا تو اس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان نہیں آ سکتی اور اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ جب تک نعیمہ کو پکی دین دار نہ بنا دے' گھر سے رخصت نہ کرے۔ خالہ کے گھر رہ کر نعیمہ کی عادتوں کا خود بہ خود درست ہو جانا' عمدہ مثال ہے اس کی کہ صحبت سے بڑھ کر تعلیم کا کوئی اچھا طریقہ نہیں' ماں کے گھر چند خاص باتیں نعیمہ کی اصلاح میں خلل انداز تھیں۔ اول تو اس نے ماں اور تمام خاندان کو بے دینی کی حالت میں مدتوں زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھا' بس بالضرور ان کی نصیحت کو وہ وقعت نہیں ہو سکتی تھی جو یہاں خالہ کی باتوں کو تھی۔ دوسرے' ماں کے گھر بھائی بہن نوکر چاکر پاس پڑوس والے' کتنے لوگ تھے جو نعیمہ کو ابتدائے عمر سے ایک طرزِ خاص پر دیکھ چکے تھے۔ نعیمہ کو ان کے روبرو طرزِ جدید اور جدید بھی کیسا کہ طرزِ سابق سے مخالف' اختیار کرتے ہوئے عار آتی تھی۔ تیسرے' ماں کے یہاں اتفاق سے اس کو ایک سختی بھی پیش آ گئی تھی اور وہ سختی اس کی حالت کو کسی طرح مناسب نہ تھی۔ چوتھے' اس کو ماں پر بڑا ناز تھا یعنی ان کی خدمت میں شدت سے گستاخ تھی اور ان کے کہنے کی مطلق پروا نہ کرتی تھی۔ خالہ کے یہاں آ کر رہی تو کسی نے بھول کر بھی اس سے تذکرہ نہ کیا کہ دین داری بھی کوئی چیز ہے' یا خدا کی پرستش بھی انسان کا ایک فرض ہے۔ مگر تھا کیا کہ چھوٹے بڑے سب ایک رنگ میں رنگے تھے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور ان کی تمام حرکات و سکنات شان دین داری لیے ہوئے تھیں۔ ان کی نشست و برخاست' ان کی

Marfat.com

رفتار و گفتار' ان کا قول و فعل' ان کی بات چیت' ان کا میل جول' ان کا لڑائی جھگڑا' ان کا کھانا پینا' ان کی خوشی' ان کا رنج' کوئی ادا ہو' وہ ایک نرالی دین دارانہ ادا تھی۔ نعیمہ کو خالہ کا گھر ایک نئی دنیا معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ ابتدا وہ یہاں کے اوضاع کو حقارت سے دیکھتی تھی' لیکن جوں جوں وہ ان دستورات سے مانوس ہوتی گئی' ان کی عمدگی اور بہتری اس کے ذہن میں بیٹھتی گئی اور آخر اس کو ثابت ہوا کہ بے دین زندگی' محض ایک بے اطمینان' بے سہارا زندگی ہے۔ اگر رنج و ایذا ہے' تو کوئی وجہ تسلی' کوئی ذریعہ تشفی نہیں اور اگر آرام و خوشی ہے تو اس کو ثبات پائیداری و قرار نہیں۔ فاقہ ہے تو صبر نہیں' کھانا ہے تو سیری نہیں۔ بدی کی سزا نہیں' نیکی کی جزا نہیں۔ بے دین آدمی ایسا ہے جیسے بے نکیل کا اونٹ' بے ناتھ کا بیل' بے لگام کا گھوڑا' بے ملاح کی ناؤ' بے ریگولیٹر کی گھڑی' بے شوہر کی عورت' بے باپ کا بچہ' بے تھیوے کی انگوٹھی' بے لالی کی مہندی' بے خوشبو کا عطر' بے باس کا پھول' بے طبیب کا بیمار' بے آئینے کا سنگھار' یعنی دین نہیں تو دنیا و مافیہا سب ہیچ اور عبث اور فضول اور پوچ اور لچر ہے۔

نعیمہ نے رفتہ رفتہ خود بہ خود خالہ کی تقلید شروع کی۔ وہ ہمیشہ پہر سوا پہر دن چڑھے سو کر اٹھتی تھی اور یہاں گھر بھر چھوٹے بڑے' منہ اندھیرے اُٹھ' ضرورتوں سے فارغ ہو' عبادت الٰہی میں مصروف ہوتے تھے۔ گھر بھر کا اٹھنا اور وہ بھی نرا اٹھنا اور چارپائیوں پر لدے بیٹھے رہنا نہیں بلکہ چلنا پھرنا' کام کاج کرنا ہر چند نعیمہ کی وجہ سے احتیاط کی جاتی تھی مگر کہاں تک' کچھ نہ کچھ آہٹ آواز ہوتی ہی تھی۔ بعد چندے نعیمہ کی آنکھ بھی سب کے ساتھ کھلنے لگی اور جاگی تو ممکن نہ تھا کہ اس کو اپنی حالت پر تنبہ نہ ہو۔ اس واسطے کہ وہ اپنے تئیں دیکھتی تھی کہ بچے کی نجاست میں لتھڑی ہوئی پڑی انگڑائیاں لے رہی ہے مست' اداس' مضمحل' نیند کے خمار سے کسل مند اور دوسرے ہیں کہ چاق و چوبند' چست و چالاک' تازہ دم' پاک صاف' خدا کی درگاہ میں شکر کے سجدے کر رہے ہیں کہ رات امن چین سے کٹی اور دعائیں مانگ رہے ہیں کہ بارِالٰہا! ہم کو روزی دے' اتنی کہ فراغت سے کھائیں اور رزق دے ایسا کہ دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں حاجت نہ لے جائیں۔ بارِخدایا! بیماروں کو شفا' گم راہوں کو ہدایت' قیدیوں کو رہائی' مسافروں کو امن'

Marfat.com

بھوکوں کو روزی' قحط زدوں کو ارزانی رزق' تشنہ کاموں کو پانی' مایوسیوں کو امید' ناکاموں کو کامیابی کی نوید' مفلسوں کو قناعت' تونگروں امیر کو سخاوت' بے اولادوں کو اولاد' نامرادوں کو مراد' جاہلوں کو علم' عالموں کو عمل' زاہدوں نیک کو اخلاص حاکم وقت کو توفیق عدل وداد' رعیت شاد' ملک آباد' کیا اپنے کیا غیر' کل جہان کی خیر۔

متنبہ ہوئے پیچھے نعیمہ کی اصلاح ہوئی ہوائی تھی۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ دین دار خدا پرست بن گئی۔ نماز روزے کی پابند' واعظ ونصیحت کی دل دادہ' منکسر' متواضع' ملن سار' صلح جو' نیک خوشائستہ باوجودے کہ نعیمہ ایک آسودہ حال گھر کی بیٹھی تھی اور اس نے ناز ونعمت میں پرورش پائی تھی اور ماں باپ کو اس کی دل جوئی اور خاطر داری ہمیشہ ملحوظ رہتی تھی' بایں ہمہ وہ اپنے مزاج' اپنی عادات' اپنے خیالات کے پیچھے سدا ناخوش رہا کرتی تھی اور چونکہ طبیعت میں برداشت مطلق نہ تھی' ذرا سی تکلیف کو وہ مصیبت کا پہاڑ بنا لیتی۔ اگر کسی نوکر نے مرضی کے مطابق کوئی چھوٹا سا کام نہ کیا' یا مثلاً کھانے میں نمک پھیکا یا تیز ہو گیا یا روٹی کو چتی لگ گئی یا کپڑے کی سلائی اس کی خاطر خواہ نہ ہوئی یا بچہ کسی وقت رونے لگا ان میں سے ایک ایک بات کا سارے سارے دن اس کو جھگڑا لگ جاتا تھا اور جو کہیں خدانخواستہ خود اس کی طبیعت یونہی سی علیل ہو گئی یا اس کو اپنی خانہ ویرانی کا کبھی خیال آ گیا تو ہفتوں گھر کا عیش منغض ہوا۔ اب خیالات دین داری کے ساتھ اس کو عافیت اور اطمینان کا مزہ ملا۔ دنیوی کوئی تکلیف نہ تھی جو اس کو ایذا دیتی ہو مگر ہاں ماں باپ کی نارضامندی اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی اور ایک ایک لمحہ اس پر شاق تھا۔

اسی اثنا میں خدا نے اپنے فضل سے نعیمہ کی خانہ آبادی کی صورت بھی نکال دی۔ نعیمہ کا شوہر بڑا دیندار تھا اور اس کو بی بی ملی نعیمہ جوان دنوں دین سے مطلق بے بہرہ اور خداپرستی سے کلیتہ بے نصیب تھی۔ ہر چند وہ نعیمہ کے حسن صورت پر فریفتہ تھا مگر اختلافِ عادات' اختلافِ عقائد ایک ایسا پردہ تھا کہ وہ دونوں میں اتحاد کے پیدا ہونے کا مانع تھا۔ ساس نندیں' میاں بی بی کی اتنی ناموافقت کا سہارا پا کر ایسی بے رخ ہوئیں کہ نعیمہ کا رہنا دشوار کر دیا۔ اب نعیمہ کی تبدیل حالت کے تھوڑے ہی دن بعد صالحہ کے چچا کے گھر

Marfat.com

شادی کی تقریب پیش آئی۔ نعیمہ کو دہرا بلاوا آیا ایک تو صالحہ کے رشتے سے' دوسرا سسرال کی طرف سے۔ صالحہ کی چچازاد بہن اور نعیمہ دیورانی جٹھانی بھی تھیں۔ شادی کے مجمع میں اور عورتوں نے تو اپنی راحت گیت گانے اور لایعنی باتیں بنانے میں ضائع کی اور نعیمہ نے نماز عشاء سے فارغ ہو کر صلواۃ التسبیح کی نیت باندھی تو آدھی رات ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر سو کر تہجد پڑھنے کھڑی ہوئی تو صبح کر دی۔ نعیمہ کی شب بیداری اور تہجد گزاری کی خبر جب اس کے شوہر نے سنی تو غایت درجہ محظوظ ہوا اور اگرچہ وہ کبھی کبھی سسرال آتا جاتا تھا اور اپنی ذات سے بی بی کا بڑا خیال رکھا تھا لیکن بی بی کے بے دین ہونے کی وجہ سے اس کو اپنی ماں بہنوں کے مقابلے میں' اس کی طرف داری کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ اب جو اس نے بی بی کا دین دار ہونا سنا تو ڈولی لے کر دوڑا ہوا سسرال آیا۔

نعیمہ ماں کے رضامند کرنے کے لیے بے تاب تو تھی ہی شادی میں جو دونوں ایک جگہ جمع ہوئیں تو نعیمہ دور سے ماں کو دیکھ دوڑ کر قدموں پر گر پڑی۔ ادھر فہمیدہ' باقتضائے مہر مادری من جانے کے لیے بہانہ ڈھونڈتی تھی۔ بیٹی کو جھکتے دیکھ' جلدی سے اٹھ' گلے لگا لیا اور جب بہن اور بھانجی سے نعیمہ کا حال اور رات کے وقت اس کو خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الٰہی کرتے دیکھا تو اس نے نہ صرف بیٹی کی خطا سے درگزر کی بلکہ پہلے سے زیادہ ریجھ ریجھ کر اس کو پیار کیا اور جب شادی کے مہمان رخصت ہوئے تو بہن بھانجی کا بہت بہت شکریہ ادا کر کے بیٹی کو اپنے ساتھ گھر لوا لائی اور محلے کی بیبیوں کو جمع کر کے ایک ایک سے اس کو ملوایا۔ ادھر نعیمہ ساری بیبیوں میں کشادہ پیشانی سے اپنے قصور کا اظہار کر کے کبھی تو ماں کے پاؤں سر رکھ رکھ دیتی تھی اور کبھی حمیدہ کو گود میں لے لے کر پیار کرتی تھی اور اس کی پیشانی پر جہاں کیل کا داغ تھا بوسے دیتی تھی۔ کبھی بیدارا کو بلا بلا کر پاس بٹھاتی اور دولتی کے بدلے دونوں ہاتھ اس کے سامنے جوڑتی تھی۔ آج شام کو تو نعیمہ ماں کے گھر آئی اگلے دن بڑے سویرے اس کا میاں ڈولی لے آ موجود ہوا۔ نعیمہ چندے سسرال جا کر رہی تو نہ صرف میاں بلکہ ساس' نندیں سارے کا سارا کنبہ اس کی نیکی کا مرید و معتقد تھا۔

Marfat.com

نعیمہ کو اپنے گھر آئے دوسرا مہینہ تھا کہ کلیم' اس حالت سے کہ اوپر بیان کی گئی بہن کے یہاں پہنچا۔ بھائی کی اسی ردی حالت دیکھ کر بہن پر اور بہن بھی کیسی خدا ترس جو صدمہ ہوا قابل بیان نہیں۔ کلیم اسی کیفیت سے بہن کے گھر رہا۔ ایک چھوڑ دو دو ڈاکٹر شہر کے نامی جراح مل کر اس کا علاج کرتے تھے مگر اس کے زخموں کا بگاڑ کم نہ ہوتا تھا۔ صبح وشام تھوڑی دیر کے لیے کبھی کبھی اس کو ہوش آ جاتا تھا اور ضرور اس نے سمجھا ہوگا کہ کہاں ہے اور کون لوگ اس کی تیمارداری کر رہے ہیں لیکن اس کی ناتوانی اور نقاہت دیکھ کر کوئی اس سے کسی قسم کا تذکرہ نہیں کرتا تھا۔ باتیں کرتے بھی تھے تو تسلی وتشفی کی۔ یہاں تک کہ زخموں کا فساد انتہا کو پہنچ گیا اور اس کی مدت حیات پوری ہو چکی۔ مرنے سے پہلے یکا یک ایسی اس کی حالت بہتر ہوگئی کہ وہ اچھی خاصی طرح آپ سے آپ اٹھ کر بیٹھ گیا اور خلافِ عادت اس نے فرمائش کر کے دو گوشتہ پلاؤ پکوایا اور تندرستوں کی طرح وہ گھر والوں کے ساتھ بہت دیر تک پکار پکار کر باتیں کرتا رہا۔ اس نے اپنے تمام حالات جب سے کہ وہ گھر سے نکلا اور جب تک کہ وہ مجروح ہو کر پھر دہلی آیا ذرا ذرا بیان کیے اور بھائی بہن ایک ایک کر کے سب کا حال پوچھا۔ اس وقت وہ اپنے افعال پر تاسف کر کے اتنا رویا اتنا رویا کہ اس کو غش آ گیا۔

بڑی دیر کے بعد ہوش میں آیا تو اس نے ماں سے کہا کہ آج کی غیر معمولی توانائی جو تم مجھ میں دیکھتی ہو' میں خوب سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری توانائی ہے۔ خون جو مدارِ حیات مطلق میرے بدن میں باقی نہیں رہا بلکہ میں جانتا ہوں کہ شاید میری ہڈیوں کے اندر کا گودا بھی پگھل پگھل کر فنا ہو چکا ہے۔ گو تم لوگ میری تقویت کی نظر سے تسلی وتشفی کی باتیں کرتے ہو مگر میں سمجھ چکا ہوں کہ میں اس مرض سے جاں بر ہونے والا نہیں۔ میں اپنے مرنے کو ترجیح دیتا ہوں اس نالائق زندگی پر جو میں نے بسر کی۔ اگرچہ میں نے اپنی زندگی' خرابی اور رسوائی اور فضیحت اور والدین کی نارضامندی اور خدا کی نافرمانی میں کاٹی اور ایسی ایسی ہزاروں لاکھوں زندگیاں ہوں تو بھی اس نقصان کی تلافی کی امید نہیں جو اس چند روز زندگی میں مجھ کو اپنی بدکرداری سے پہنچا مگر مجھ کو تین طرح کی تسلی ہے۔ اول یہ کہ میں مرتا ہوں نادم پشیمان منفعل متاسف۔ دوسرے یہ کہ سفر عاقبت شروع

Marfat.com

کرتے وقت ایسے لوگوں میں ہوں جو اس راہ کے منزل شناس اور میرے دل سوز اور ہم درد اور شفیق اور مہربان حال ہیں۔ تیسرے یہ کہ غالباً میری زندگی دوسروں کے لیے نمونہء عبرت ہوگی کہ اس صورت میں گو اپنی زندگی سے میں خود مستفید نہیں ہوا لیکن اگر دوسروں کو کچھ نفع پہنچے تو میں ایسی زندگی کو رائگاں اور عبث نہیں کہہ سکتا

من نہ کردم شما حذر بہ کنید

اب مجھ کو دنیا میں سوائے اس کے اور کوئی آرزو باقی نہیں کہ میں ابا جان سے اپنا قصور معاف کرالوں۔

یہ کہہ کر اس پر بڑے زور کی رقت طاری ہوئی۔ بے چارے کی طاقت تو مدتوں میں سلب ہو ہی چکی تھی' رونا تھا کہ بے ہوش ہو گیا اور اسی بے ہوشی میں اس کا سانس اکھڑ گیا اور لگا ہاتھ پاؤں توڑنے۔ نبضیں چھوٹ گئیں' ہچکیاں لینے لگا' ناک کا بانسہ پھر گیا۔ عورتیں تو یہ حالت دیکھ کر رونے پیٹنے لیں۔ باہر مردانے سے نصوح دوڑا آیا اور عورتوں کو علیحدہ کر کے جزع وفزع نامشروع سے منع کیا اور صبر جمیل کی تلقین کی اور بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر یاسین پڑھنی شروع کی۔ منہ میں شربت ٹپکایا اور اس کو قبلہ رولٹایا۔ کلمہ پڑھ کر سنایا۔ شربت کا حلق سے اترنا تھا کہ کلیم نے آنکھیں کھول دیں اور باپ کو نگاہِ حسرت آلود سے دیکھ کر اس نے ہاتھ جوڑے اور اسی حالت میں اس نے جاں بہ حق تسلیم کی:

ع حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

اس میں شک نہیں کہ اگر کلیم بچ جاتا تو وہ نیکی اور دین داری میں اپنے سب بھائی بہنوں پر سبقت لے جاتا۔ اس نے مصیبتیں اٹھا کر اپنی رائے کو بدلا تھا اور آفتیں جھیل کر تنبہ حاصل کیا تھا۔ پس وہ مجتہد تھا اور دوسرے مقلد و محقق تھا اور دوسرے ناقل۔ اس کا سا انجام خدا سب کو نصیب کرے۔

کلیم کا جوان مرنا ایک ایسی بھاری موت تھی کہ ماں باپ تو دونوں گویا اس کے ساتھ زندہ درگور ہو گئے۔ بھائیوں کا بازو ٹوٹ گیا۔ بہنوں کے سر سے ایک بڑا سرپرست اٹھ گیا لیکن بہ تقاضائے دینداری سب نے صبر جمیل کیا اور ہر شخص نے بجائے خود عبرت پکڑی۔ کلیم کے ساتھ نصوح کی وہ تمام کوششیں بھی تمام ہوئیں جو اس کو اصلاح

Marfat.com

خاندان کے لیے کرنی پڑتی تھیں۔ کیوں کہ کلیم مرحوم کے سوا سب چھوٹے بڑے اس کی رائے میں آ چکے تھے یا تو ابتداء علیم کے انٹرنس پاس کرنے کے لالے پڑے تھے یا اس نے بی اے پاس کیا۔ ایک سے ایک عمدہ نوکری گھر میں بیٹھے اس کے لیے چلی آتی تھی مگر اس نے نیک نہادی کی وجہ سے سررشتہ تعلیم کو یہ سمجھ کر پسند کیا کہ ہم وطنوں کو نفع پہنچانے کا قابو ملے۔ سلیم بڑا ہو کر طبیب ہوا تو کیسا کہ آج جو دلی کے بڑے نامی طبیب ہیں وہ اسی کی بیاض کے نسخوں سے مطب کرتے ہیں۔ ولیہ، مادرزاد حمیدہ' قرآن اس نے حفظ کیا' حدیث اس نے پڑھی اور اگر سچ پوچھیے تو شہر کی مستورات میں جو کہیں کہیں لکھنے پڑھنے کا چرچا ہے یا عورتیں خدا اور رسول کے نام سے واقف ہیں یہ سب بی حمیدہ کی بدولت۔

جزا ها الله عنا خير الجزا



Marfat.com

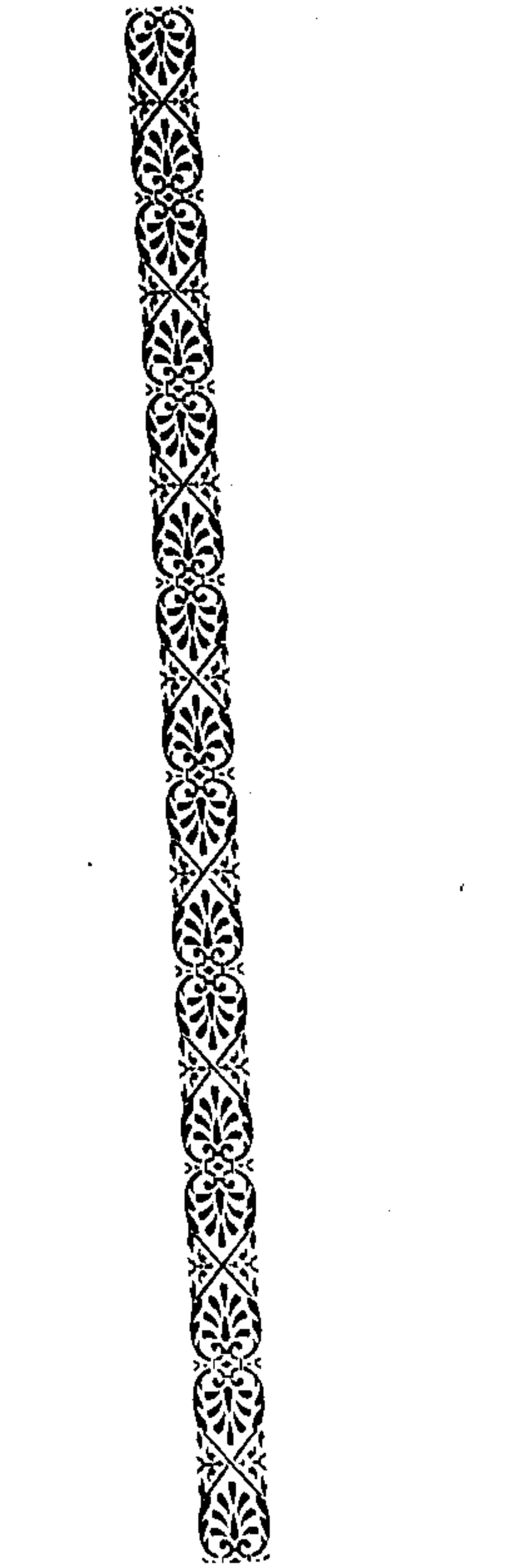

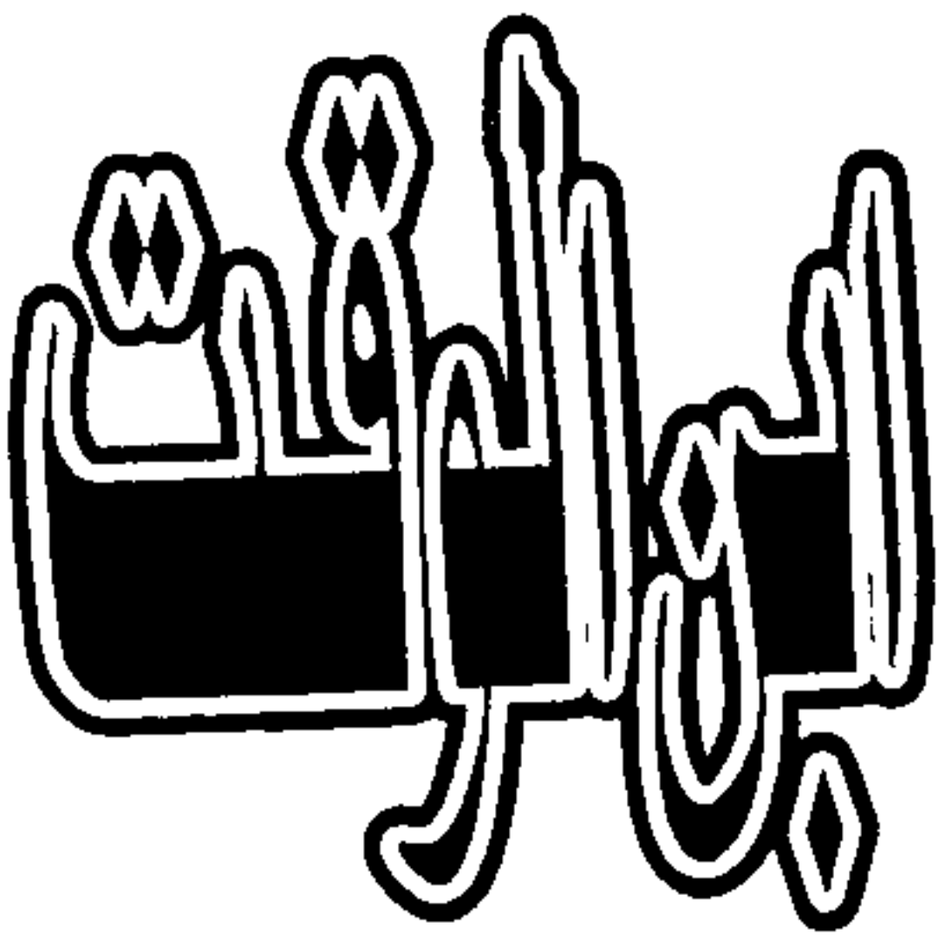

Marfat.com

Marfat.com

# مقدمہ

# ڈپٹی نذیر احمد کے حالات زندگی

نذیر احمد 1830ء میں ضلع بجنور کے ایک گاؤں ریہڑ میں پیدا ہوئے۔ جہاں انکے والد مولوی سعادت علی شادی کے بعد مکین ہوئے کیونکہ نذیر احمد کے نانا قاضی غلام علی شاہ نے انہیں یعنی مولوی سعادت علی شاہ کو گھر داماد بنا لیا تھا۔ یہ ایک خوش حال گھرانہ تھا۔ چنانچہ نذیر احمد چار برس تک ننھیال ہی میں والدین کے ہمراہ پرورش پاتے رہے۔ جیسے ہی قاضی غلام علی شاہ کا انتقال ہوا تو ان کی جائیداد متنازع بن گئی۔ مولوی سعادت علی اس تنازعہ میں الجھنا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا وہ ریہڑ کی سکونت ترک کر کے بجنور چلے آئے جہاں ان کا آبائی مکان تھا۔ منتقل ہونے کے بعد انہیں روزگار کی تلاش ہوئی۔ انہوں نے چھوٹے پیمانے پر شکر کا کاروبار شروع کیا جو سازگار ثابت نہ ہوا۔ آخر معلمی کا پیشہ اختیار کیا اور رئیسوں کے گھر جا کر ان کے بچوں کو تعلیم دینے لگے۔ یوں ان کی گذر اوقات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

نذیر احمد کو ان کے والد مولوی سعادت علی نے گھر پر عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم دی۔ انہوں نے کم سنی ہی میں فارسی کی بنیادی اور اہم کتابیں پڑھ لیں۔ جس سے انہوں نے خاصی فارسی استعداد بہم پہنچائی۔ انہی دنوں میں مولوی نصر اللہ خاں خورجوی بھی بجنور میں موجود تھے۔ وہ وہاں ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ پر متمکن تھے۔ وہ ایک ممتاز عالم اور شاعر بھی تھے۔ انہوں نے اپنے علمی ذوق کی بنا پر گھر پر مکتب قائم کر رکھا تھا۔ جس

Marfat.com

Marfat.com

''ان (مولوی عبدالحق) کے ہاں میرا قدم رکھنا مشکل تھا۔ ادھر میں نے دروازے میں قدم رکھا ادھر اس لڑکی (پوتی مولوی عبدالحق) نے ٹانگ لی۔ جب تک سیر دو سیر مصالحہ مجھ سے نہ پسوا لیتی نہ گھر سے نکلنے دیتی نہ روٹی کا ٹکڑا دیتی۔ خدا جانے کہاں سے محلے بھر کا مصالحہ اٹھا لاتی تھی۔ پیتے پیتے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے۔ جہاں میں نے ہاتھ روکا اور اس نے بٹہ انگلیوں پر مارا۔ بخدا جان سی نکل جاتی تھی''۔

قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ یہی لڑکی بعد میں نذیر احمد کی بیوی بن گئی۔

عہد ساز شخصیات کی زندگیوں میں قسمت کی یاوری اور حسن اتفاق کا بہت عمل دخل رہا ہے۔ نذیر احمد کی زندگی میں دلی کالج میں داخلہ محض حسن اتفاق کا نتیجہ ہے۔ انہیں ایک دن مسجد کے مدرسہ سے کچھ وقت کی رخصت ملی۔ وہ سیر و تفریح کرتے دلی کالج کے سامنے جا پہنچے۔ جہاں ایک مجمع لگا تھا۔ کالج کے انگریز پرنسپل اور مفتی صدرالدین آزردہ زبانی امتحان لے رہے تھے۔ انگریز پرنسپل کسی کام سے اٹھ کر باہر نکلے تو بھیڑ میں راستہ بنانے کے لئے دھکم پیل ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں نذیر احمد گر پڑے۔ پرنسپل نے انہیں اٹھایا اور ان کے اشغال کے بارے میں استفسار کیا۔ نذیر احمد کے بتانے پر کہ وہ عربی کی مشہور کتاب معلقات پڑھ رہے ہیں۔ پرنسپل نے مفتی صاحب سے نذیر احمد کا امتحان کرنے کے لئے کہا۔ انہوں نے مفتی صاحب کے مختلف سوالات کے جواب بڑی کامیابی اور اعتماد کے ساتھ دیئے۔ جس پر انہیں کالج میں پڑھنے کی پیشکش کی گئی۔ جو انہوں نے بخوشی قبول کر لی۔ ان کے لئے چار روپے مہینہ وظیفہ مقرر ہوا۔ نذیر احمد جنوری 1846ء کو دلی کالج کی عربی کلاس میں داخل ہوئے۔'' دلی کالج میں نذیر احمد کو جن طلبہ کی رفاقت نصیب ہوئی ان میں کئی طالب علم اعلیٰ ذہنی اور تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ ذکا اللہ محمد حسین آزاد' شیخ ضیاء الدین مولوی شہامت علی' منشی پیارے لال آشوب' پنڈت موتی لال بسمل اور کنھیا لال وغیرہ سب نے آگے چل کر ہندوستان میں

Marfat.com

صاحب بہ ہزار دقت دہلی پہنچے"۔

اگر چہ نذیر احمد 1857ء کی بغاوت اور ہنگامہ دار و گیر کے زمانے میں دہلی میں رہے۔ چونکہ شہر قتل و غارت گری اور لوٹ مار کی لپیٹ میں تھا' اس لئے نذیر احمد اور ان کی سسرال کو بھی مختلف مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ 1857ء میں قتل و غارت گری کے واقعات کے دوران نذیر احمد نے اپنی سسرال کی مدد سے ایک انگریز عورت مسز یسن کی جان بچائی تھی۔ اسے لاشوں کے انبار میں سے زندہ نکالا تھا اور گھر لے جا کر اس کا دوا دارو اور مرہم پٹی کی تھی جس سے وہ صحت یاب ہوگئی۔ پھر اسے فتح دہلی سے پہلے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال کر بحفاظت انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا۔ جب انگریز فوجیں فاتحانہ شان کے ساتھ دہلی میں داخل ہوئیں تو نذیر احمد اور ان کی سسرال کے ساتھ رعایت برتی گئی۔ ورنہ ان کا زندہ رہنا مشکل تھا۔ علاوہ ازیں صلہ خیر خواہی کے طور پر نذیر احمد کی ملازمت بحال کر دی گئی اور انہیں الہٰ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس مقرر کیا گیا۔

مولوی نذیر احمد کو انگریز نہ جاننے کا بہت احساس تھا۔ دلی کالج میں ان کے والد نے انگریزی پڑھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ وہ بیٹے کو انگریزی پڑھا کر گناہگاروں کی صف میں شامل نہ کرنا چاہتے تھے۔ وہ انگریزی کے اتنے شدید مخالف تھے کہ انہوں نے کہہ دیا تھا:

"مجھے اس کا مر جانا منظور' اس کا بھیک مانگنا قبول' مگر انگریزی پڑھنا گوارا نہیں۔"

بہر حال نذیر احمد نے الہٰ آباد میں انگریزی سیکھنے کا آغاز کیا۔ شوق اور محنت کے بل بوتے پر بہت جلد انگریزی میں اچھی خاصی استعداد بہم پہنچائی۔

نذیر احمد الہٰ آباد ہی میں قیام پذیر تھے کہ حکومت نے انکم ٹیکس ایکٹ جاری کیا تو اس کے اردو ترجمہ کی ضرورت محسوس کی جانے لگی۔ اس زمانے میں سر ولیم میور سینئر ممبر ریونیو بورڈ تھے۔ جنہوں نے الہٰ آباد کے ڈپٹی کلکٹر میر ناصر علی خاں سے اس ضرورت کا

Marfat.com

ذکر کیا۔ میر صاحب نذیر احمد کے کرم فرما تھے۔ انہوں نے اس کام کے لئے نذیر احمد کا نام تجویز کیا۔ انہوں نے بادل نخواستہ ترجمہ کی یہ ذمہ داری قبول کر لی۔ اور ترجمہ کا محنت اور مشقت طلب کام رائل ڈکشنری کی مدد سے شروع کر دیا۔ جسے سر ولیم میور نے نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

مولوی صاحب نے ترجمہ کی تکمیل میں خون پسینہ ایک کر دیا۔ انہی دنوں انڈین پینل کوڈ کے اردو ترجمے کا ڈول ڈالا گیا۔ اس اہم اور مشکل کام کے لئے ترجمہ نگاروں کی ایک جماعت جمع کی گئی۔ ڈائریکٹر تعلیمات ہنری اسٹورٹ ریڈ ترجمہ کے اس منصوبہ کے نگران مقرر ہوئے۔ ان کے سپرد ترجمے کی درستی اور اصلاح کا کام تھا۔ انہوں نے نذیر احمد کو اپنا شریک کار بناتے ہوئے ان کو یہ ذمہ داری سونپی کہ وہ مترجمین کے تراجم ڈائریکٹر صاحب کو پڑھ کر سنایا کریں۔ نذیر احمد کو نفس مضمون کے ترجمہ کی صحت اور زبان و بیان پر اطمینان نہ تھا۔ چنانچہ ایک دن چند دفعات کا ترجمہ رائل ڈکشنری کی مدد سے خود کر لائے اور یہ ترجمہ ڈائریکٹر صاحب کو سنایا تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور اظہار تحسین کرتے ہوئے نذیر احمد کو مترجمین کی جماعت میں شامل کر لیا۔ نذیر احمد نے فرض شناسی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کتاب کا بیشتر ترجمہ کر دیا۔ چونکہ انڈین پینل کوڈ کا ترجمہ ''تعزیرات ہند'' مجموعی طور پر نذیر احمد کا کارنامہ ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ ان ہی سے منسوب ہے۔

اس ترجمے کی قدر دانی اور استحسان کے طور پر انہیں تحصیل داری کا عہدہ دیا گیا۔ تقریباً چار مہینے کے اندر ہی انہوں نے تحصیلداری کا امتحان دیا۔ جس میں وہ اول رہے۔ اس ملازمت کے زمانے میں انہوں نے ضابطہ فوجداری کے ترجمہ پر نظر ثانی کی۔ کوئی دو سال بعد 1863ء میں وہ ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ انہوں نے اس منصب پر گورکھپور اور اعظم گڑھ میں خدمات سرانجام دیں۔ اسی زمانے میں انہوں نے مقدمہ قانون شہادت اور علم ہیئت کی کتاب (HEAVENS) کا ''سماوات'' کے نام سے ترجمہ کیا۔ اسی دوران انہوں نے اصلاحی ناول بھی لکھنا شروع کر دیے۔ ان کا پہلا

Marfat.com

ناول ''مراۃ العروس'' 1869ء میں شائع ہوا۔ جسے عوام اور حکومت نے بیک وقت سراہا۔

1877ء میں سر سالار جنگ نے نذیر احمد کی اہلیت' قابلیت' ذہانت اور شہرت سے متاثر ہو کر ریاست حیدر آباد میں ملازمت کی پیشکش کی۔ وہ اس کیلئے فوراً آمادہ ہو گئے۔ان کی تنخواہ بارہ سو چالیس روپے مقرر ہوئی۔اور یہ ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی کہ مختلف مقامات کا دورہ کریں اور وہاں کے دفاتر کی کارکردگی کی تفصیلی رپورٹ پیش کریں۔مولوی صاحب نے یہ کام بڑی جان کاہی سے انجام دیا۔جس کے صلے میں بہت جلد ترقی پا کر ناظم بندوبست منصرم صدر تعلقہ دار ہو گئے۔اب مولوی صاحب نے مناسب خیال کیا کہ وہ برطانوی گورنمنٹ کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیں۔وہ جلد ہی حیدر آباد ریونیو بورڈ کے ممبر ہوئے اور ان کی تنخواہ سترہ سو روپے مقرر ہوئی۔1883ء میں سر سالار جنگ کی وفات کے بعد ریاست حیدر آباد سازشوں کا گہوارہ بن گئی تھی۔ ارباب اختیار کی باہمی چپقلش نے حالات بہت خراب کر دیئے تھے۔محسن الملک اور نذیر احمد کے خوشگوار تعلقات بھی رنجش اور کشیدگی کا شکار ہو گئے۔نذیر احمد اس صورت حال سے بہت دل برداشتہ ہوئے۔اور حیدر آباد کے اعلیٰ عہدے سے مستعفی ہو کر دہلی لوٹ آئے۔حیدر آباد میں ان کی کارکردگی کو مدنظر رکھتے ہوئے چھ سو روپے ماہوار پنشن مقرر ہوئی۔جو انہیں آخری وقت تک فراہم ہوتی رہی۔

نذیر احمد کی علمی خدمات کو سراہتے ہوئے حکومت برطانیہ نے انہیں 1897ء میں شمس العلما کے خطاب سے نوازا۔1902ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی نے انہیں ایل ایل ڈی کی اعزازی ڈگری عطا کی۔

نذیر احمد کی ابتدائی زندگی بہت مالی مشکلات میں گذری تھی۔اس لئے انہیں تمام عمر روپیہ کمانے اور جمع کرنے کا بہت شوق رہا۔جب وہ حیدر آباد سے مستعفی ہو کر دلی آ رہے تو ان کے پاس دس لاکھ سے زیادہ نقد رقم تھی۔ جسے اس زمانے کے لحاظ سے زر کثیر کہنا چاہئے۔لیکن ان کی اس رقم کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔اس میں سے کچھ رقوم تو قرض خواہ لے ڈوبے اور کچھ تجارت میں نقصان کی نذر ہو گئی۔

Marfat.com

قومی مقاصد سے ہمدردی' قومی ترقی اور اصلاح کے کاموں سے نذیر احمد کو بہت دلچسپی تھی۔ ان کی تصنیف و تالیف اور تحریر و تقریر کا یہی محرک جذبہ تھا۔ انہیں سرسید کے قومی اصلاحی کاموں سے مکمل اتفاق تھا۔ اس لئے انہوں نے سرسید کے ایک رفیق کی حیثیت سے علی گڑھ تحریک کے مقاصد کی ترویج و ترقی میں پورے جوش و جذبے سے حصہ لیا۔

نذیر احمد نے بھرپور جدوجہد' تگ و دو اور محنت و مشقت کے ساتھ نہ صرف اپنی ذاتی زندگی کو کامیاب بنایا بلکہ قومی سطح پر ایک مصلح' مقرر' خطیب اور ادیب کی حیثیت میں قابل قدر خدمات انجام دیں۔

تقریباً اسی (80) سال ایک بھرپور زندگی گذارنے کے بعد 27 اپریل 1912ء کو ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ ان کے اس مرض میں افاقہ کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی اور آخر 3 مئی کو انہوں نے اس جہان تگ و دو کو خیر باد کہا۔

Marfat.com

# ابن الوقت کا فنی مطالعہ

نذیر احمد کا ناول ابن الوقت ٹائپ میں تین سو پچاس صفحات پر مشتمل ہے۔ اصولی طور پر اس ضخامت کے ناول کا قصہ پیچیدہ اور پھیلا ہوا ہونا چاہیے تھا۔ مگر اس کا قصہ بہت سیدھا اور مختصر ہے۔ انیسویں صدی کے نصف اول کا زمانہ ہے۔ اور ابن الوقت دلی کے ایک ممتاز اور خوش حال گھرانے کا فرزند ہے۔ اس کا خاندان قلعہ کا متوسل ہے۔ ابن الوقت دلی کالج کا طالب علم ہے۔ وہاں عربی' فارسی' تاریخ' جغرافیہ' سیاست مدن اور اخلاق کی تعلیم پاتا ہے۔ تاریخ کے مضمون سے اسے خاص رغبت ہے۔ تاریخ کی روشنی میں وہ قوموں کے عروج وزوال کے اسباب پر غور کرتا ہے۔

والد کی وفات کے بعد بہادر شاہ ظفر کی بیوی نواب معشوق محل بیگم کی سرکاری موروثی مختاری ابن الوقت کے سپرد ہوئی۔ وہ نواب بیگم کا ساز وسامان محل میں منتقل کرنے کا اہتمام کر رہا ہے۔ دلی میں بھی 1857ء کے غدر کے ہنگامے بپا ہیں۔ ایک شام ابن الوقت دو ملازموں کے ساتھ محل سے واپس آ رہا ہے۔ سڑک پر انگریزوں کی کچھ لاشیں دیکھتا ہے۔ اس پر وہ رنج اور افسوس کا اظہار کرتا ہے قریب ہی چھپا جاں نثار نامی ایک اردلی اپنے انگریز صاحب' نوبل صاحب کی لاش کی نشاندہی کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ زخمی ہیں مگر ابھی زندہ ہیں۔

ابن الوقت فرض انسانیت کے خیال سے' اپنے نوکروں کی مدد سے نوبل صاحب کو اٹھوا کر اپنی پھوپھی کے زیر تعمیر مکان میں لے آتا ہے۔ نوبل صاحب مرہم پٹی اور دوا دارو سے صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ مگر غدر کے غیر یقینی حالات کی بنا پر انہیں تین مہینے وہیں پناہ میں رہنا پڑتا ہے۔ اس عرصہ میں دونوں کے درمیان ہندوستان اور انگلستان کی تہذیب ومعاشرت پر خوب گفتگو رہتی ہے۔ جب دلی پر انگریزی فوج کا قبضہ ہو گیا تو نوبل صاحب انگریزی کیمپ میں پہنچ جاتے ہیں۔

Marfat.com

غدر کا ہنگامہ ختم ہوا تو ملکہ وکٹوریا نے ہندوستان کی سلطنت کمپنی سے اپنے اختیار میں لے لی۔ اس کی خوشی میں شاہی دربار منعقد ہوا۔ اس میں ابن الوقت نے شرکت کی۔ اسے صلہ خیر خواہی اور وفاداری کے طور پر موضع کھیر کا پور میں جاگیر عطا ہوئی۔ نوبل صاحب اور ابن الوقت میں از سرِ نو ملاقاتوں کا سلسلہ قائم ہوا۔ نوبل صاحب کا خیال تھا کہ ہندوستانی طبعاً بودے اور محکوم ہیں۔ ان کی طبیعتوں سے یہ کمزوری دور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہندوستانیوں اور انگریزوں میں ربط پیدا ہو اور میل ملاپ بڑھے۔ نوبل صاحب نے ابن الوقت کو قائل کیا چونکہ ملک وقوم کی اصلاح کے لئے فضا ہموار ہے اس لئے اسے چاہیے کہ وہ ملک وقوم کی اصلاح کے لئے کمر بستہ ہو اور قوم کو علوم جدیدہ کے حصول کی طرف راغب کیا جائے۔ انگریزی خیالات' لباس' تہذیب وتمدن اور زبان اختیار کرنے کی اہمیت بتائی جائے۔

ابن الوقت نوبل صاحب کے تہذیبی' تمدنی اور سیاسی خیالات کا قائل ہو گیا۔ اتنے میں ابن الوقت کے لئے ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ کی منظوری بھی آ گئی۔ انگریزوں سے برابری کی سطح پر ملنے اور قوم کی اصلاح کی خاطر انگریزی وضع اختیار کرتا ہے۔ اپنا آبائی مکان چھوڑ کر چھاؤنی میں جہاں انگریز آبادی ہے ایک کوٹھی کرایہ پر لے کر انگریزی طرز پر آراستہ کرواتا ہے اور وہاں اکیلا ہی رہنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کے اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں سے تقریباً تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ نوبل صاحب نے ابن الوقت کے اعزاز میں ایک ڈنر دیا۔ ابن الوقت نے اس موقع پر ایک زبردست تقریر کی۔ جس میں انگریزوں اور ہندوستانیوں میں حقارت اور اجنبیت کے اسباب بیان کئے۔ اس نے انگریزوں اور مسلمانوں میں مفاہمت پیدا کرنے کے لئے کوشش کا وعدہ کیا۔

مسلمانوں نے ابن الوقت کی انگریزی معاشرت اختیار کرنے' لباس تبدیل کرنے اور انگریزوں کے ساتھ طعام کرنے کی یہ توجیہ کی کہ وہ کرسٹان ہو گیا ہے۔ ابن الوقت نماز کا پابند شروع سے تھا۔ اب نئی وضع خصوصاً انگریزی لباس نماز ادا کرنے میں رکاوٹ کا باعث بننے لگا۔ 1859ء میں نوبل صاحب سر درد کی پرانی تکلیف کی بنا پر

Marfat.com

انگلستان جانے پر مجبور ہو گئے۔ اسکے ساتھ ہی ابن الوقت کی پریشانیوں کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ دلی میں وبا پھوٹنے کی بنا پر ابن الوقت سمیت سب ہندوستانیوں کو چھاؤنی سے اخراج کا حکم ہوتا ہے۔ اب انگریزوں میں ابن الوقت کا کوئی پشت پناہ نہ رہا۔

ابن الوقت کو بالجبر چھاؤنی کی سکونت ترک کرنی پڑی۔ اس سے اسکی بہت سبکی ہوئی۔ انگریزوں کو ابن الوقت کا برابری کی سطح پر ملنا گوارا نہ تھا۔ ان میں کلکٹر صاحب بھی شامل تھا۔ کچھ ہندوسر رشتہ دار نے اس کے کان بھرے۔ ابن الوقت کلکٹر کی بدسلوکی سے زچ ہو جاتا ہے۔ ابن الوقت کی نوکری بھی معرض خطر میں پڑ جاتی ہے۔ اس کی پھوپھی اپنے داماد حجتہ الاسلام ڈپٹی کلکٹر کو مدد کے لئے بلواتی ہے وہ ایک سفارش کے ذریعہ ابن الوقت اور کلکٹر میں صفائی کرواتا ہے۔ اور ابن الوقت کو مناظرے اور مباحثے کے ذریعے انگریزی معاشرت ترک کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ اس مقام پر ناول ابن الوقت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اجمالی طور پر یہ ابن الوقت کا قصہ ہے۔

.....☆.....

''ناول کیا ہے؟'' کے مؤلفین لکھتے ہیں کہ ''عام طور پر پلاٹ اور قصہ میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا''۔ اس مشکل یا الجھن کی وجہ یہ ہے کہ قصہ اور پلاٹ دونوں کا تعلق کہانی کے آغاز و انجام کے درمیان واقعات کے بالترتیب بیان سے ہوتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ قصہ میں واقعات براہ راست اور سپاٹ انداز میں بیان ہوتے ہیں۔ جبکہ پلاٹ کے واقعات منطقی انداز میں پیش کئے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں پلاٹ واقعات کے حسن ترتیب کا نام ہے۔ اس میں واقعات کے سبب اور مسبب' علت اور معلول کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ قصہ اور پلاٹ کے فرق کو واضح کرتے ہوئے سید عابد علی عابد نے لغت کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''مربوط واقعات کا وہ سلسلہ جو کسی داستان یا ناول میں پایا جاتا ہے۔ پلاٹ ہے' کہانی اور پلاٹ میں بڑا فرق ہے۔ کہانی دراصل قصے کے ان اجزا کا نام ہے جو بنیادی ہیں اور جن سے پلاٹ تعمیر کیا

Marfat.com

گیا ہے۔"

پلاٹ کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کہانی کے واقعات کو یوں ترتیب دینا کہ وہ ایک سمجھی ہوئی سازش کا نتیجہ معلوم ہوں۔ اصطلاحی معانی میں پلاٹ ہے۔ پلاٹ کے ذریعے ناول نگار اپنے واقعات اور مربوط افکار و تصورات کو پیش کرنے کا مؤثر ترین ذریعہ تلاش کرتا ہے۔"

دراصل پلاٹ واقعات کے تسلسل اور روانی کا نام ہے۔ جسے دریا کی مسلسل موجوں کی روانی اور ان کے اتار چڑھاؤ سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ ناول کے کردار ان رواں موجوں میں ڈوبتے ابھرتے رہتے ہیں۔ اگر ناول کے واقعات میں کسی جگہ ٹھہراؤ آ جائے' بے شک وہ کتنا ہی عارضی کیوں نہ ہو تو وہ پلاٹ کے خام ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ ایسے پلاٹ کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ پلاٹ کاریگری اور ہنرمندی سے تعمیر نہیں کیا گیا۔ اور نہ اس کی بنت پر گہری سوچ بچار سے کام لیا گیا ہے۔ ایسے ناول جس میں پلاٹ خام اور سقیم ہوں' کامیاب ناول نہیں بن پاتے اور ایسے ناولوں میں اکثر دلچسپی بھی مفقود ہوتی ہے۔ اگر کہیں دلچسپی کے جزوی مقامات آتے بھی ہیں تو وہ انفرادی واقعات' کردار کی کسی خصوصیت یا مصنف کی زبان و بیان کا حاصل ہوتے ہیں۔ ان میں وحدت تاثر کے اس احساس کی کمی رہتی ہے جو ناول کے فن کے ترکیبی و تنظیمی عناصر کے اتحاد سے وجود میں آیا کرتا ہے۔

اس مختصر فنی پس منظر میں ابن الوقت کے پلاٹ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نذیر احمد کی توجہ فن سے زیادہ موضوع پر مرکوز رہی ہے۔ اس نے بحیثیت فن کار ناول کے پلاٹ کی تدبیر کاری کو ضروری اہمیت نہیں دی۔ اس لئے ناول کا ڈھانچہ ڈھیلا ڈھیلا دکھائی دیتا ہے اور اس کی بیشتر چولیں باہم پیوست نہیں ہو پائی ہیں۔ اس کے باوجود ناول کا ڈھانچہ کھڑا ضرور رہتا ہے۔ اگر زمین بوس نہیں ہوتا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ واقعات کے بعض سلسلے بہت مضبوط واقع ہوئے ہیں۔ جنہوں نے نذیر احمد کا بحیثیت فنکار ایسا بھرم قائم کر دیا ہے کہ بسا اوقات تو قاری پلاٹ کی کوتاہیوں سے درگذر پر تیار

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔

پلاٹ کے نقطہ نظر سے ناول کی ابتدائی سطور بے حد موثر ہیں۔ اور اس کے معمار کی حیثیت سے ناول کے آغاز میں نذیر احمد ایک اعلیٰ فن کار نظر آتا ہے۔ ناول کے افتتاحی فقرے بے حد موَثر ہیں۔ انکی مدد سے ناول کی مضبوط بنیاد فراہم ہوتی ہے۔ ایک تو ان چند جملوں سے قاری چوکنا ہو جاتا ہے اور یکا یک اس کی دلچسپی آئندہ واقعات کی منتظر بن جاتی ہے۔ دوسرے فنی اعتبار سے یہ آغاز یوں بھی موزوں ہے کہ یہاں ناول کے مرکزی کردار ابن الوقت سے تعارف کی تقریب نکل آئی ہے۔ اور تعارف کا انداز کچھ ایسا بے تکلف ہے کہ قاری محسوس کرتا ہے کہ اسکے ابن الوقت سے قدیم تعلقات ہیں زیر نظر ناول کا افتتاحیہ ملاحظہ کیجئے۔

''آجکل کا سا زمانہ ہوتا تو کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوتی۔ ابن الوقت کی تشہیر کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے ایسے وقت میں انگریزی وضع اختیار کی کہ انگریزی پڑھنا کفر اور انگریزی چیزوں کا استعمال ارتداد سمجھا جاتا تھا۔''

ناول کے پہلے پانچ صفحات ابن الوقت کے تعارف پر پھیلے ہوئے ہیں۔ جس میں اس کی خاندانی وجاہت' تعلیم' ذہنی افتاد اور نفسیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور جیسے ہی ابن الوقت کے انگریزی زبان سیکھنے کی کوشش کا ذکر آتا ہے مصنف درمیان میں آ جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ:

''اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ آدمی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبان کا زبان داں' جیسا کہ زبان دانی کا حق ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا صاحب قاموس کی حکایت نہیں سنی؟۔۔''

یہاں مصنف حکایت سنانے کے بعد بنگالی بابوؤں کی غلط انگریزی اور انگریزوں کی غلط اردو کا ذکر کرتے ہوئے ماتم کرتا ہے کہ کئی ہندوستانی انگریزوں کی تقلید میں غلط اور غیر مربوط اردو بولنے لگے ہیں۔ اور یہاں پر فصل اول نہ صرف ختم ہو جاتی ہے بلکہ نذیر احمد کے فن اور مقصدیت میں آویزش کا آئینہ بن جاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ

Marfat.com

صورت حال سارے ناول میں جاری رہتی ہے۔ابن الوقت میں پلاٹ واقعات کو اپنے جلو میں لئے فطری انداز میں آگے بڑھ رہا ہوتا ہے کہ نذیر احمد کی مقصدیت پلاٹ پر جھپٹ کر اسے مجروح کر دیتی ہے۔ ناول میں اس طرح کے متعدد مواقع دیکھنے میں آتے ہیں۔اس کی بڑی مثالیں یہ ہیں۔

''ذرا مشکل سے اس بات کا پتہ لگے گا کہ کون سی چیز ابن الوقت کو انگریزی وضع اختیار کرنے کا محرک ہوئی۔'' اس کے بعد ابن الوقت کے ذہنی محرکات کا بیان ہے اسی طرح فصل دوم کے ابتدائی فقرے توجہ طلب ہیں!

''ابن الوقت کے وقائع عمری میں ایک واقعہ ایسا ہے جس کو اس کی تبدیلی وضع میں بہت کچھ دخل ہوسکتا ہے اور وہ ذرا قصہ طلب سی بات ہے۔۔۔''

اس کے بعد ایک انگریز نوبل صاحب کو اپنے گھر پناہ دینے' اس سے ربط ضبط بڑھنے اور باہمی گفتگو کی تفصیل ہے۔ خیر ایسے مواقع پر جہاں پلاٹ میں جھول پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے۔مندرجہ بالا جملے پلاٹ کی ممکنہ کوتاہی کو سہارا دیتے ہیں۔

پلاٹ کے باب میں ابن الوقت میں ایک بڑی خامی یہ ہے کہ نذیر احمد قصہ کو آگے بڑھانے یا کھولنے میں واقعات کا سہارا نہیں لیتا بلکہ طویل مکالمات کو واقعات کا قائم مقام سمجھ لیتا ہے جو پلاٹ کے بہاؤ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔اس سے پلاٹ جکڑا بندھا ہوا اور قصہ رکا رکا سا اور ٹھہرا ٹھہرا سا محسوس ہوتا ہے۔ پلاٹ کے ساتھ نذیر احمد کے اس رویے نے کہانی کا عمل بہت سست کر دیا ہے۔قصہ اور پلاٹ کے نقطہ نظر سے اس طرح کی گھمبیر فنی خرابی وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں ابن الوقت ڈنر کے بعد تقریر کرتا ہے۔ یہ تقریر تقریباً اڑتالیس (48) صفحات پر مشتمل ہے۔اس طویل تقریر کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ مصنف قصہ اور پلاٹ تو کیا سرے سے یہی بھول جاتا ہے کہ وہ ایک ناول لکھ رہا ہے۔اس طرح ناول میں حجتہ الاسلام کی آمد کے بعد جو مکالمات اور بحثیں ہیں ان کا اہتمام بھی نذیر احمد نے پلاٹ اور واقعہ نگاری کی قیمت پر کیا ہے۔مگر اس کے باوجود

Marfat.com

نذیر احمد کے اس ناول میں ایسے حصے اور ٹکڑے ہیں جو کامیاب ناولوں کی یاد دلاتے ہیں۔ ناول کی اس کوتاہی اور کامیابی کو تضاد کی مثال قرار دینا درست نہ ہوگا۔ اگر یہ تضاد ہے تو نذیر احمد کے نظریہ فن کا نتیجہ ہے جس کے مطابق وہ اپنے فن کو مقصدیت کے تابع رکھ کر خوش ہوتا ہے کہ اس نے قوم کی اصلاح اور ترقی کی کوششوں میں اپنا فرض اور حق ادا کر دیا ہے۔

.....☆.....

یوں تو ایک بلند پایہ ناول اپنے تمام عناصر ترکیبی کے کامل اتحاد اور امتزاج سے وجود میں آتا ہے مگر ان میں دو عناصر زیادہ اہمیت رکھتے ہیں یعنی پلاٹ اور کردار' یہ دونوں آپس میں لازم وملزوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ پلاٹ میں رونما ہونے والے واقعات کردار کے بغیر ظہور میں نہیں آسکتے اور کردار پلاٹ کے بغیر اپنی شخصیت کا اظہار نہیں کرسکتا۔ اس لئے ناول کے مطالعہ میں یہ امر قابل توجہ ہوتا ہے کہ پلاٹ اور کردار کس حد تک ایک رشتہ میں پروئے ہوئے ہیں۔ بہرحال پلاٹ اور کردار کے بغیر ناول کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن ایک اچھا اور زندگی سے لبریز ناول وہ ثابت ہوتا رہا ہے جس میں جاندار' توانا اور زندہ کردار ہوتے ہیں۔ مؤلفین ناول کیا ہے؟ نے لکھا ہے:

''ناول کی ادبی اہمیت اس کی کردار نگاری پر منحصر ہے۔ اگر کوئی ناول نگار کردار نگاری کی قوت نہیں رکھتا تو وہ صحیح معنی میں ناول نگار کہلائے جانے کے لائق نہیں ہے' بلکہ ڈبلیو ایچ ہڈسن تو یہاں تک کہتا ہے کہ:

''ایسے ناول جن میں اصل زور کردار پر ہوتا ہے وہ ان ناولوں سے زیادہ بلند پایہ شمار ہوتے ہیں جو زیادہ تر واقعہ نگاری پر انحصار کرتے ہیں۔''

اس کا ثبوت یہ ہے کہ تقریباً ہر زبان میں کامیاب ناول کرداری ناول ہی ہیں اور کامیاب ناولوں کے نام بھی اکثر مرکزی کردار کے نام پر یا اس کی شخصیت کی ایسی خوبی

Marfat.com

کی بنا پر رکھے گئے ہیں مثلاً ڈیوڈ کاپر فیلڈ' اینا کرینا' ٹیس' مادام بوواری' اسی طرح اردو میں ابن الوقت' فسانہ آزاد' امراؤ جان ادا اور شبنم وغیرہ۔۔۔ اس اعتبار سے ابن الوقت یقیناً اردو کا ایک بڑا ناول ہے۔ کیونکہ ایک تو ابن الوقت نمو پذیر' زندہ اور جیتا جاگتا کردار ہے اور دوسرے اس ناول کا پلاٹ ابن الوقت کی ذات کے گرد گھومتا ہے اور واقعات بھی اسی کردار کے حوالے سے جنم لیتے ہیں۔

ای ایم فورسٹر نے کردار کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ایک Flat اور دوسرے Round۔ پہلی قسم کے کردار کو اردو میں جامد یا ٹائپ کردار بھی کہا گیا ہے اور دوسری قسم کے کردار کو مکمل' ڈرامائی' نمو پذیر یا ارتقائی کردار کہا گیا ہے۔ سید عابد علی عابد کے الفاظ میں:

''جو کردار ٹائپ (یا Flat) ہوتے ہیں وہ کسی طبقے کی' گروہ کی یا کسی معاشرتی جماعت کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کی سیرت ماہ و سال کے سانچوں میں ڈھل کر پختہ ہو چکتی ہے۔ اور ان کا کردار اس اعتبار سے جامد ہو جاتا ہے کہ وہ زندگی کے بدلتے ہوئے تغیرات کا ساتھ نہیں دیتے۔ دنیا کے بڑے بڑے المیے اس خصوصیت سے پیدا ہوئے ہیں کہ جامد کردار جان جائے پر آن نہ جائے' پر عمل کرتے ہیں وہ زندگی کا ایک تصور اپنے ذہن میں قائم کر لیتے ہیں اور جہاں یہ تصور حقیقت سے ٹکراتا ہے وہ خود حقیقت سے ٹکرا جاتے ہیں۔ وہ تغیر کو قبول نہیں کرتے۔ تبدیلیوں کے دشمن ہوتے ہیں ان کی زندگی کی سب سے بڑی قدر وہ وضع داری ہوتی ہے جو ان کے خیال میں انسان کو حیوان سے متمیز کرتی ہے''

''دوسری قسم کے کردار جنہیں ڈرامائی (Round) کہا جاتا ہے بہ امتداد زماں واقعات کے فشار سے متاثر ہو کر بدلتے رہتے ہیں۔۔۔ ان کے کردار زندگی کی طرح نشو و نما پاتے ہیں اور

Marfat.com

واقعات و حالات کے سانچوں میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ آج کل کے ناول نگار اکثر ڈرامائی کرداروں کو اپنے افکار و تصورات کے ابلاغ کے لئے استعمال کرتے ہیں کہ کردار نمو پاتی ہوئی قوت کی علامت بن جاتا ہے۔۔۔"

کردار کسی خاص زمان و مکاں سے وابستہ ہوتے ہیں' عابد علی عابد کے الفاظ میں:

"کرداروں کا تعلق زمان و مکاں سے اتنا گہرا ہے کہ ہم ان کا تصور بھی ان پیمانوں کے بغیر نہیں کر سکتے' ظاہر ہے کہ کردار ہوا میں معلق نہیں ہوتے وہ ایک عہد سے' ایک معاشرت سے' ایک زمانے سے مربوط ہوتے ہیں۔ صرف یہی نہیں ان کی ذہنی استعداد' ان کے کوائف کم و بیش ان کے مکان سے متاثر ہوتے ہیں۔ یعنی وہ مقامات جن سے قصہ مربوط ہے۔ زمان و مکان وہ آئینہ ہیں جن میں کردار چلتے پھرتے' ہنستے بولتے' جیتے مرتے دکھائی دیتے ہیں۔ زمان و مکاں ہی کرداروں کو حقیقت اور واقعیت کا رنگ بخشتے ہیں..... کرداروں کا ارتقا نہ صرف زمان و مکاں سے مربوط ہوتا ہے بلکہ زمان و مکاں کے کوائف سے وابستہ اور ان پر منحصر ہوتا ہے..... زمان مکان کے تعین ہی سے ان اخلاقی اقدار کا سراغ بھی ملتا ہے جو کرداروں کے اقوال و اعمال سے متبادر ہوتی ہیں"

نذیر احمد کا ناول ابن الوقت 1888ء میں لکھا گیا اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پلاٹ اور واقعات میں واقعیت اور حالات و مسائل میں حقیقت کا رنگ نمایاں ہے کیونکہ اس ناول کا زمانہ 1857ء سے چند سال پہلے دلی کالج کے حوالے سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کے ٹھوس واقعات دلی میں ہنگامہ غدر کے ساتھ ہی رونما ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس ناول میں واقعیت اور حقیقت کا رنگ پیدا

Marfat.com

ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ناول کے واقعات و حالات اور مرکزی کردار کے علاوہ دوسرے کرداروں کے تجربات و مشاہدات کچھ مصنف کے مشاہدہ میں آنے والی جگ بیتی کا حاصل ہیں اور کچھ براہ راست آپ بیتی کا نتیجہ۔۔۔ گویا اس ناول کا سارا مواد مصنف کے سچے مشاہدے اور ذاتی تجربے سے حاصل ہوا ہے جسے ایک خداداد صلاحیت رکھنے والے فنکار نے قلم بند کیا ہے۔

.....☆.....

ناول میں ابن الوقت کے احوال اور سوانح سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک ڈرامائی یا نمو پذیر کردار ہے جو سانس لیتا ہوا' زندہ' چلتا پھرتا اور جیتا جاگتا کردار ہے۔ اس کے تعارف میں بتایا گیا ہے کہ وہ دلی کے ایک معزز' ذی علم' معزز و مقتدر خانوادے کا ایک ذہین نوجوان ہے جو دلی کالج کا باقاعدہ طالب علم رہا ہے۔ اب باپ کے وفات پا جانے سے اسے نواب معشوق محل بیگم کی سرکار کا مختار بننا پڑا لہٰذا اسے کالج سے نام کٹوانا پڑ گیا۔ مگر اس نے پرائیویٹ مطالعہ جاری رکھا۔ وہ تاریخ کے مضمون سے دلچسپی رکھتا ہے۔ دلی کے کھنڈروں میں تعطیل کا دن صرف کرتا ہے۔ غیر ملکی تاجروں اور سیاحوں سے اگر ملاقات ہوتی تو ان سے ان کے ملکوں کے حالات واقعات کی بابت استفسار کرتا۔ جن کتابوں کا مطالعہ کرتا ان کے مصنفین کی بابت اس کا نقطہ نظر اور رویہ عمرانی نقاد کا ہوا کرتا تھا۔ اس کے مزاج میں تعزز اور ترفع کا دخل اس قدر تھا کہ کبر و نخوت کے درجے پر پہنچا ہوا تھا۔ کسی دوسرے کا احسان اٹھانا اسے گوارا نہ تھا وہ بہت سوچ سمجھ کے بعد کوئی رائے قائم کرتا پھر اسے شاید ہی بدلتا۔ اس کی یہ سوچی سمجھی رائے تھی کہ ''سلطنت ایک ضروری اور لازمی نتیجہ ہے قوم کی برتری کا۔ انگریزی نوکری کی نہ اس کو ضرورت تھی اور نہ طلب۔ پس وہ اپنی ایسی رائے کی بنیاد پر بے غرضانہ ہر انگریز کو..... بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتا''۔ چونکہ اس کو مجبوراً قبل از وقت کالج چھوڑنا پڑا اس لئے انگریزی نہیں سیکھ سکا مگر انگریزی کی ضرورت کے احساس سے اس نے مناسب حد تک اپنی کوشش سے انگریزی سیکھ لی تھی۔

Marfat.com

نذیر احمد فصل اول میں ابن الوقت کی فطرت اور افتادِ طبع سے متعلق متذکرہ بالا ضروری معلومات فراہم کر دیتا ہے اس کے بعد فصل دوم میں ناول کا عمل شروع ہو جاتا ہے اور کردار اپنی اپنی جگہ فعال نظر آنے لگتے ہیں۔

ابن الوقت ''فرض انسانیت'' کی رو سے انگریزوں کی لاشوں کے ڈھیر میں سے زخمی نوبل صاحب کو نکال کر اپنے گھر لاتا ہے اور باغیوں کو خبر ہونے کا خطرہ مول لیتا ہے۔ تقریباً ڈیڑھ مہینے کی خبر گیری سے نوبل صاحب صحت یاب ہو گئے اور مجبوراً سوا تین مہینے ابن الوقت کی حفاظت میں رہے۔ اس دوران دونوں میں ارتباط بڑھا۔ دونوں میں طویل گفتگوؤں اور ہم نشینی نے نہ صرف ایک دوسرے کو جاننے کا موقع دیا بلکہ ایک دوسرے کی قوموں اور ملکوں کے حالات اور خصوصیات سے واقفیت بھی دلائی۔ نوبل صاحب کو ذاتی رنج اور تکلیف کی شکایت نہ تھی بس'' یہ ان کا تکیہ کلام تھا کہ افسوس میں ایسی حالت میں ہوں کہ کسی طرح اپنی قوم کی مدد اور اپنے ملک کی خدمت نہیں کر سکتا.....'' اس قوم پرستی اور وطن دوستی نے ابن الوقت کو بھی متاثر کیا ہوگا۔ کیونکہ وہ انگریزوں کی برتری کا زمانہ طالب علمی سے قائل چلا آ رہا تھا۔ ایک موقعہ پر انگریزی اور ہندوستانی لباس کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ (نوبل) کہتا ہے:

''ہندوستانیوں کا لباس ان کی کاہلی اور آسائش طلبی کی دلیل ہے
میں دیکھتا ہوں اس لباس میں چستی اور چالاکی باقی رہ نہیں سکتی''۔

ملکہ وکٹوریہ نے سلطنت ہند کی باگ ڈور سنبھالی تو اس خوشی میں دلی دربار منعقد ہوا۔ جس میں ابن الوقت کو صلہ خیر خواہی کے طور پر جاگیر عطا ہوئی۔

فصل ششم میں ''غدر کے بعد ابن الوقت اور نوبل صاحب کی پہلی تفصیلی ملاقات ہوتی ہے۔ اس میں ابن الوقت نے نوبل صاحب کے ساتھ منبر پر چھری کانٹے سے کھانا کھایا''۔

یہ فصل ابن الوقت کے کردار اور ناول کے نقطہ نظر سے بہت اہم ہے۔ انگریزی طریقے کے مطابق کھانا کھانے کا مطلب یہ ہے کہ ابن الوقت انگریزی معاشرت کو عملی

Marfat.com

طور پر اور بطور کل قبول کر لیتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے ناول نگار نے یہ فصل بہت شعوری طور پر قائم کی ہے۔ مصنف نے یہ تقریب یوں پیدا کی ہے کہ غدر کے بعد پہلی ملاقات میں ابن الوقت کو انتظار کرنا پڑا۔ اس میں نوبل صاحب معذرت کے بعد کہتے ہیں!

''مجھ کو آپ سے بہت دیر تک باتیں کرنی ہیں اور کھانا بھی میز پر رکھا جا چکا ہے' چلئے کھاتے بھی جائیں اور باتیں بھی کرتے جائیں''۔

اس پر ابن الوقت انکار کرتا ہے مگر نوبل صاحب کے اصرار پر:

''.....مقابل کی ایک کرسی پر ڈٹ ہی تو گیا اور یہ عیسائیت کا نہیں بلکہ اس کی انگریزیت کا گویا اصطباغ تھا.....''

ابن الوقت کا انگریزی آداب طعام کے مطابق کھانے کا منظر بہت دلچسپ مزاحیہ صورت حال رکھتا ہے۔ یہ منظر نذیر احمد کی پلاٹ سازی کا ایک بہت اچھا نمونہ ہے۔ گزشتہ فصلوں اور زیر نظر فصل کی سنجیدہ گفتگوؤں کے باعث سنجیدہ اور بوجھل فضا کا اثر زائل کرنے کے لئے یہ منظر گویا Relief کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس فصل میں ابن الوقت نوبل صاحب کو صاف صاف بتا دیتا ہے:

''یہ سچ ہے کہ میں نے سرکار انگریزی کی خیر خواہی کی نظر سے آپ کو ہرگز پناہ نہیں دی۔ سوائے اس کے کہ میں نے چند سال تک سرکاری کالج میں پڑھا تھا اور کسی طرح کا تعلق مجھ کو بلکہ ہمارے خاندان میں سے کسی کو کبھی سرکار انگریزی سے نہیں رہا''۔

فصل ہشتم میں نوبل صاحب ابن الوقت کو مسلمانوں میں ایک ریفارمر کی ضرورت کا احساس دلاتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ قوم ایک ریفارمر کی پہلے سے محتاج تھی اور اب تو ریفارمر کے ہونے نہ ہونے پر انہیں کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہے۔ میں کہتا ہوں وہ ریفارمر تمہیں کیوں نہ ہو۔ شخصی عزتیں فروغ ہیں قومی

Marfat.com

عزت کی۔ کوئی شخص دولت یا ہنر یا کسی اور وجہ سے کیسا ہی قابل عزت کیوں نہ ہو' جب تک وہ ایک ذلیل قوم کا آدمی ہے' اس کو پوری پوری عزت کی توقع ہرگز نہیں کرنی چاہئے..... دنیا میں نیکی کے بہت سے کام ہیں لیکن قوم کی ریفارم سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ یہی وہ نیکی ہے جس کا فائدہ عام اور اثر نسلاً بعد نسل باقی رہ سکتا ہے....."

علاوہ ازیں نوبل صاحب یورپ کی عظمت کا راز جدید علوم کو بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

"..... ہندوستانیوں کے پنپنے کی اگر کوئی تدبیر ہے تو یہی کہ ان میں علوم جدید کو پھیلایا جائے..... اور از بس کہ تمام علوم جدیدہ جن پر ملکی ترقی کا انحصار ہے انگریزی میں ہیں' سب سے پہلے زبان انگریزی کو رواج دینا ہوگا"۔

اور اس کے لئے ہندوستانیوں اور انگریزوں خصوصاً مسلمانوں اور انگریزوں میں جو مغائرت اور اجنبیت ہے اسے دور کرنا ہوگا اور انہیں ایک دوسرے کے قریب لانا ہوگا۔ اس قسم کے دلائل سے متاثر ہو کر ابن الوقت ریفارمر بننے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور نوبل صاحب کے کہنے پر انگریزی طریق رہن سہن اور انگریزی وضع اختیار کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ انگریزی لباس اور وضع اختیار کرنے کے بعد ابن الوقت کو انگریزوں سے متعارف کروانے کے لئے نوبل صاحب ایک ڈنر کا اہتمام کرتے ہیں۔ کھانے کے بعد انگریزی رواج کے مطابق ابن الوقت ایک طویل تقریر کرتا ہے جو ناول کے فن کے حوالے سے کتنی ہی قابل اعتراض سہی مگر ابن الوقت کی ہمہ گیر شخصیت پر روشنی ڈالتی ہے۔ اس سے ابن الوقت کے تمدنی و تعلیمی احساس' قومی شعور اور سیاسی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے تاریخی حالات' قومی مسائل اور ضروریات سے آگاہی اور غدر کے اسباب سے اسے گہری واقفیت ہے۔ ان باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن الوقت ایک قد آور شخصیت ہے اور ریفارم کی کوششیں اس کی

Marfat.com

شایان شان ہیں مگر آئندہ صفحات سے اس بات کا کہیں ثبوت نہیں ملتا کہ وہ ریفارم کی کوئی کوشش کرتا ہے۔ ایکسٹرا اسسٹنٹ کا منصب ملنے پر اس کی تمام ترقوت انگریزی معاشرت اور انگریزیت کی تکمیل پر صرف ہوتی ہے۔ وہ ایک نئے Convert کے سے جوش و جذبے کے ساتھ انگریزیت یعنی انگریزی تہذیب و معاشرت کو اپنا روزمرہ بناتا ہے۔ جس پر اس کی برادری اور قوم کے اکثر افراد بہت افروختہ ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ کرسٹان ہوگیا ہے۔ دوسری طرف انگریز یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ روزمرہ زندگی میں عام حدود سے آگے نکل کر انہیں نیچا دکھانا چاہتا ہے۔ نومل صاحب کے عازم ولایت ہوتے ہی انگریزوں میں کوئی اس کا پشت پناہ نہیں رہتا۔ ہندوسر رشتہ دار کی کدورت اور بغض کلکٹر مسٹر شارپ کے حسد اور احساس برتری کو بھڑکاتا ہے اور وہ ابن الوقت کے درپے آزار ہو جاتا ہے' اس کے انتقامی ہتھکنڈوں سے ابن الوقت کی خاص کرکری ہوتی ہے۔ آخر اس کا ایک رشتہ دار حجتہ الاسلام مسٹر شارپ اور ابن الوقت میں صفائی کروا دیتا ہے۔ ساری تذلیل کے باوجود بقول نذیر احمد ''.....انگریزیت کے ولولے ابن الوقت کے دل سے سلب تو نہیں ہوئے تھے پر ٹھنڈے ضرور پڑ گئے تھے.....'' آخر ایک دن''.....کوئی چار یا چھ گھڑی رات گئے'' ہندوستانی کپڑے بدل کر حجتہ الاسلام سے ملنے اپنی پھوپھی کے گھر جاتا ہے جہاں وہ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اس تبدیلی وضع کو بعض نقاد ابن الوقت کی اپنی معاشرت کی طرف مراجعت قرار دیتے ہیں۔ مگر ہماری دانست میں یہ ابن الوقت کی آخری شکست ہے۔ اس کی سطحی مصالحت کوشی اسے ہیرو کے درجے سے گرا دیتی ہے اور ہمیں اس کے زوال اور شکست پر بہت رنج ہوتا ہے۔ مگر یہ نذیر احمد کی مقصدی ناول نگار کی حیثیت سے فتح ضرور ہے۔

ابن الوقت کا دوسرا اہم کردار حجتہ الاسلام ہے۔ یہ کردار ناول کے آخر میں نمودار ہوتا ہے۔ اٹھائیس ابواب پر مشتمل ناول کے اکیسویں باب میں ہم حجتہ الاسلام سے متعارف ہوتے ہیں۔ ازاں بعد وہ آخری باب تک ناول میں برسرعمل رہتے ہیں۔ حجتہ الاسلام اس وقت ناول میں ظاہر ہوتے ہیں جب ابن الوقت مالی مشکلات میں پھنس

Marfat.com

جاتا ہے اور اس کی انگریزی ملازمت کو بھی خطرہ لاحق ہے۔ وہ ابن الوقت کی پھوپھی زاد بہن کا شوہر ہے۔ حجتہ الاسلام بھی ڈپٹی کے عہدہ پر فائز ہے مگر وہ نہ تو وضع تبدیل کرتا ہے اور نہ ہی انگریزی معاشرت اختیار کرتا ہے۔ ابن الوقت مخمصے اور الجھن کا شکار ہوا تو حجتہ الاسلام کو مدد کے لئے بلایا گیا۔ وہ کلکٹر مسٹر شارپ سے مل کر ابن الوقت کے بارے میں شارپ کی بدظنی دور کرتا ہے۔ بعد ازاں ابن الوقت کے ساتھ بحثوں میں حاوی دکھایا گیا ہے۔ وہ ابن الوقت کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہیں اور اپنے دلائل سے قائل کر کے ابن الوقت کو دوبارہ مشرقی وضع اختیار کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

حجتہ الاسلام میں مذہب پرستی نے ایک برتری کا احساس پیدا کر دیا ہے انہیں اپنے اصولوں اور مشرقی روایات پر بڑا فخر ہے۔ بقول ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی ''حجتہ الاسلام اور نذیر احمد میں مشابہت تام موجود ہے''۔ پروفیسر علی عباس حسینی کا بھی یہی خیال ہے وہ لکھتے ہیں:

''یہ پورا کردار خود نذیر احمد کی اپنی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ حجتہ الاسلام انہیں کی طرح ڈپٹی ہیں اور انہیں کی طرح مولوی۔۔ وہ ابن الوقت سے خفا بھی ہیں لیکن اس کے معاملات سلجھانے بھی آئے ہیں۔ اس کے ہاں کھانے پینے اور قیام سے پرہیز کرتے ہیں لیکن اس کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ مجموعی حیثیت سے اس کردار میں نصوح سے کہیں زیادہ جذب ہے''

حجتہ الاسلام ایک ٹائپ کردار ہے جو شروع ہی سے مکمل ہو کر آتا ہے۔ وہ اس عہد کے ایک خاص طبقے کا نمائندہ کردار ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق وہ ''دراصل اس دور کے اس طبقے کے نمائندہ ہیں جس نے انگریزوں سے تعاون کی ایک صورت یہ نکال لی تھی کہ ریاست میں اس کی طرف داری کر لی۔ مذہب اور معاشرت میں اپنی وضع پر قائم رہے یہ گروہ درحقیقت کرسٹان ہندوستانیوں اور شدید شرع پسند اور انگریز دشمن عالموں کے درمیان ظہور میں آ گیا تھا جو سیاسی حس سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے انگریزی سلطنت کی بنیادیں مستحکم کرنے میں پیش پیش تھا مگر دین و مذہب کے ظواہر کے معاملے

Marfat.com

میں شرعی رنگ اختیار کئے ہوئے تھا"

حجتہ الاسلام کا کردار ابن الوقت کا برعکس (Contrast) کردار ہے۔ ابن الوقت انگریز پسند اور انگریزیت کا دلدادہ تھا جبکہ حجتہ الاسلام مشرقی معاشرت کو عزیز اور محترم جانتا ہے اور انگریزی سلطنت کو ایک حقیقت تسلیم کرتا ہے' وہ ایک معتدل اور متوازن شخصیت کا مالک ہے۔

ابن الوقت کا ایک اہم کردار نوبل صاحب کا ہے۔ یہ کردار ناول کے آدھے سے زیادہ حصے میں ابن الوقت کے متوازی چلتا ہے۔ ناول میں اس کا تعارف اور ناول سے اس کی رخصتی دونوں ڈرامائی انداز میں ہوتے ہیں۔ اس ڈرامائی انداز سے نذیر احمد کی کرداروں کی پیشکش میں فنی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ابن الوقت غدر کے ابتدائی ایام میں ایک سڑک پر اپنے دو ملازموں کے ساتھ جا رہا تھا تو اسے نوبل کے اردلی جانثار کی زبانی معلوم ہوتا ہے کہ نوبل صاحب انگریزوں کی لاشوں کے ڈھیر میں زخمی حالت میں پڑے ہیں۔ ابن الوقت انسانی ہمدردی کے تحت انہیں اٹھوا کر اپنے گھر لاتا ہے۔ اس کا علاج کرتا ہے اور اسے غدر کے دوران تین مہینے تک چھپائے رکھتا ہے۔ دونوں کو اس زمانے میں ذہنی طور پر قریب آنے کا موقع ملتا ہے۔ دونوں ہندوستان اور ہندوستانیوں کے مسائل اور مصائب پر خوب گفتگو کرتے ہیں۔ ابن الوقت نوبل صاحب کے دلائل سے متاثر ہو کر انگریزی وضع اختیار کرتا ہے اور ریفارمر کا منصب قومی مفادات میں ادا کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ نوبل صاحب بہت احسان شناس آدمی ہیں۔ وہ غدر کے دوران اپنی جان بچانے کے بدلے میں ابن الوقت کو نقد اور جاگیر بطور انعام کے علاوہ سرکاری ملازمت بھی دلاتے ہیں۔

بقول ڈاکٹر افتخار صدیقی:

"مسٹر نوبل انگریزی شرفاء کے انسان دوست' وسیع النظر (لبرل) طبقے کے نمائندے ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان میں مغربی علوم اور جدید تہذیب کی روشنی پھیلانا چاہتے تھے' بعض مشرق آشنا انگریز' مسلمانوں کی تاریخی عظمت سے آگاہ اور ان کے خیر خواہ بھی تھے

Marfat.com

لیکن انگریز حکام کی اکثریت اس رجعت پسند طبقے سے تعلق رکھتی تھی' جو سامراجی استحصال اور انگریزی اقتدار کے استحکام کے سوا تہذیب وترقی کے مقاصد اور جمہوری اقدار سے بے نیاز تھا' مسٹر شارپ اسی ذہنیت کے ترجمان ہیں اور غلام قوم کے افراد کو حاکموں کی برابری کرتے دیکھ کر بھڑک اٹھتے ہیں''۔

بہرحال نوبل اور شارپ دونوں ٹائپ کردار ہیں وہ انگریز افسروں کے دو گروہوں کی ترجمانی اور نمائندگی کرتے ہیں۔

ابن الوقت کے بہت ضمنی (Minor) کردار تین ہیں۔ ایک نوبل صاحب کا اردلی جانثار ہے۔ وہ واقعی خدمت گزاری' جانثاری اور وفاداری کی زندہ تمثیل ہے۔ نذیر احمد کو ڈرامائی صورت حال میں اپنے کردار کو متعارف کرانے کا ملکہ حاصل ہے۔ فصل دوم کے ابتدائی دو تین صفحات میں نذیر احمد نے جانثار کا جس ماحول میں تعارف کرایا ہے وہ یادگار ثابت ہوتا ہے اور قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتا ہے۔ دوسرا ضمنی کردار ابن الوقت کی پھوپھی کا ہے جو ایک بوڑھی عورت ہے۔ وہ سیاسی حالات سے بے بہرہ ایک معصوم ہندوستانی عورت ہے۔ تیسرا ضمنی کردار مولوی موتا کا ہے جو فتوے جاری کرنے میں اپنی مثال نہیں رکھتے۔ بقول بشیر محمود اختر اکثر اختلافی مسائل میں دونوں طرف والے مہر کرا لے جاتے''..... یہ بھی ایک ٹائپ کردار ہے۔

.....☆.....

ناول نگاری کے فن میں پلاٹ اور کردار کے بعد مکالمہ ایک اہم ترکیبی عنصر ہے۔ ناول میں مکالمہ کئی طریقوں سے اپنا منصب ادا کرتا ہے۔ مکالمہ کا پلاٹ کی تعمیر وترقی میں بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اس سے واقعات پر روشنی پڑتی ہے اور کردار کے بھی کئی رخ سامنے آتے ہیں۔ اس سے کردار کے مزاج اور شخصیت کے خدوخال واضح ہوتے ہیں۔ مکالمہ سے کردار کا لب ولہجہ متعین ہوتا ہے۔ کردار کی مزاجی کیفیتوں اور نفسیات کو سمجھنے میں مکالمہ ایک بڑا معاون ہے۔ علاوہ ازیں مکالمہ کردار کے معاشرتی اور طبقاتی مرتبہ کے

Marfat.com

تعین میں بھی مددگار ثابت ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ مکالمہ جس قدر اپنی فطری حدود کے اندر رہے گا اسی قدر ناول میں حقیقت نگاری کا رنگ پیدا ہوگا۔ ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب نذیر احمد کے مکالموں کا مجموعی جائزہ لیا جاتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ نذیر احمد کے مکالمے دلچسپ' عمدہ اور کردار کی شخصیت کے مطابق ہوتے ہیں۔ مگر عام طور پر ان کے مکالموں میں ایک خامی بہت واضح ہے۔ یہ بھی ان کے اصلاحی مقصد کی پیدا کردہ ہے۔ ان کے کردار نذیر احمد کے اصلاحی مشن کے تحت مذہبی اور اخلاقی امور پر بحث یا تقریر کرنے لگتے ہیں۔ ابن الوقت میں مناسب مکالمہ کی صورت بہت کم پیدا ہوسکی ہے۔ اس ناول کے کرداروں کو مکالمہ ادا کرنے کا ناول نگار نے بہت کم موقع دیا ہے۔ یہ کردار بحثیں یا تقریریں کرتے ہیں۔ مکالمے عموماً بہت طویل ہوتے ہیں بعض مقامات پر تو مکالمے مقالوں کی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔

.....☆.....

کسی ادب پارے کا تنقیدی مطالعہ اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک اس کے فنی محاسن و معائب کے ساتھ اس کے معنوی پہلوؤں کا جائزہ نہیں لیا جاتا گویا کسی ادب پارے کی مکمل تفہیم اور تحسین کے لئے اس کے فن اور موضوع کا مختلف پہلوؤں اور زاویوں سے مطالعہ ضروری ہے۔ اس مقدمہ کے دوسرے حصہ میں ابن الوقت کے نمایاں فنی پہلوؤں کا مجائزہ لیا گیا ہے۔ اب اس کے موضوع کا مطالعہ مقصود ہے۔

ناول میں موضوع سے کیا مراد ہے؟ اس سوال کے جواب میں یہ امر تو واضح ہے کہ مضمون یا مقالہ کی طرح مشینی انداز میں ناول کا موضوع واشگاف الفاظ میں بیان نہیں ہوتا بلکہ ناول نگار کے زاویہ نظر سے مرتب ہوتا ہے جو واقعات' کرداروں کے عمل' ردعمل اور ان کے مکالمات میں بکھرا ہوتا ہے۔ ناول نگار کو اپنے گرد و پیش کی زندگی کا کوئی اخلاقی' معاشرتی' سماجی' سیاسی' تعلیمی یا نفسیاتی مسئلہ متاثر کرتا ہے تو اس کو بیان کرنے کے لئے وہ کہانی کا تانا بانا تیار کرتا ہے۔ اور وہ اس کہانی کے واقعات ایسی ترتیب سے سامنے لاتا ہے کہ قاری اس کے مطلوبہ نتیجہ اور تاثر سے شعوری سطح پر واقف ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ اگر ناول نگار کسی متعین اور مقرر موضوع کو اختیار کرے تو یہ لازم نہیں کہ اس موضوع کے دائیں بائیں سے دوسرے مسائل یعنی موضوع نہ پھوٹ نکلیں۔ ہم اپنے موقف کی وضاحت کے لئے ابن الوقت کی مثال سامنے رکھتے ہیں۔

بقول سید سبط حسن:

> ''مولوی نذیر احمد نے یہ کتاب قصے کے پیرائے میں اس غرض سے لکھی تھی کہ ''وضع ظاہر'' لباس اور طرز تمدن میں انگریزوں کی تقلید کے نقصان دکھا کر مسلمانوں کو اس سے باز رکھا جائے''
>
> (''ابن الوقت'' کے پہلے ایڈیشن کے سرورق کی عبارت)

ناول نگار کے متذکرہ ظاہری اور واضح مقصد کے علاوہ ناول کی داخلی شہادت بھی یہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ ناول نگار نے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے ناول کے فطری واقعاتی بہاؤ کو روکا ہے۔ ناول کے واقعات کا فطری بہاؤ ابن الوقت کے ریفارمر بننے کا رخ اختیار کر چکا تھا۔ اگر بحیثیت ریفارمر ابن الوقت کی کوششوں' ناکامیوں اور کامیابیوں کو واقعاتی رنگ دیا جاتا تو یقیناً نذیر احمد کا یہ ناول اس عہد کے ہندوستانی مسلمانوں کا رزمیہ ہوتا مگر ناول نگار نے ''لباس اور طرز تمدن میں انگریزوں کی تقلید'' کے نقصانات دکھانے کو ترجیح دی ہے۔ یقیناً یہ تقلید اسراف اور فضول خرچی کا باعث تھی۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا مگر یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ نذیر احمد نے ناول کے واقعاتی بہاؤ کو زبردستی روک کر' ناول کے Scope اور تناظر کو محدود کر دیا ہے۔ غالباً نذیر احمد کے اس اسراف اور فضول خرچی کے موقف میں ان کی اپنی نفسیات بھی کار فرما ہے انہیں اپنی زندگی میں کفایت اور جز رسی کا کچھ زیادہ ہی احساس رہا تھا۔

بہر حال اگر اس ناول کا توجہ سے مطالعہ کیا جائے تو مصنف کے مطلوب و مقصود موضوع کے علاوہ بعض دوسرے موضوع سامنے آتے ہیں۔ مثلاً ابن الوقت سرسید کا مجہ ہے یا نذیر احمد کا خاکہ۔ ابن الوقت عہد تداخل کے انگریزی معاشرت سے متاثر ایک نوجوان کی کہانی ہے۔ یہ ناول پرانے عقائد اور نئے خیالات کے درمیان کشمکش کی' گویا انیسویں صدی کے ربع اول میں ہندوستان نے ہمارے کی ''آئین نو

Marfat.com

ڈرنے اور طرز کہن پہ اڑنے'' کی داستان ہے۔ یہ ناول انیسویں صدی کے ہندوستان میں مختلف سیاسی' مذہبی' معاشرتی اور اقتصادی رجحانات کی پرورش کی کہانی ہے۔ زیرِ نظر ناول کے بالاستعیاب مطالعہ سے مزید ضمنی نوعیت کے موضوع سوجھ سکتے ہیں۔ مثلاً ابن الوقت مغرب اور مشرق کی آویزش اور آمیزش کی حکایت ہے۔ مگر بنیادی موضوع ابن الوقت کی تبدیلی وضع اور انگریزی معاشرت کی تقلید کے نقصانات ظاہر کرنا ہی ہے۔ ناول کا آغاز مندرجہ ذیل سطور سے ہوتا ہے:

''آج کل کا سا زمانہ ہوتو تو کانوں کان کسی کو خبر بھی نہ ہوتی' ابن الوقت کی تشہیر کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے ایسے وقت میں انگریزی وضع اختیار کی جب کہ انگریزی پڑھنا کفر اور انگریزی چیزوں کا استعمال ارتداد سمجھا جاتا تھا''۔

ناول میں مختلف واقعات کے زیرِ اثر دکھایا گیا ہے کہ ابن الوقت کس طرح انگریزی معاشرت اختیار کرنے کی وجہ سے مشکلات میں گرفتار ہوتا ہے۔ اس کی مشکلات کی تو کسی کو خبر نہ تھی مگر اس کی دیکھا دیکھی اس زمانے کے مسلمان نوجوان انگریزی وضع اختیار کرنے لگے تھے۔۔ناول کے تقریباً وسط میں نذیر احمد لکھتے ہیں:

''.....ابن الوقت کو انگریزی بننے کی زد تھی۔ شروع شروع میں تو اس کی مسلمانوں کے حال پر بھی ایک طرح کی نظر تھی۔ لیکن چند روز کے بعد اس کی ساری ریفارم اسی میں منحصر ہوگئی تھی کہ انگریزی اوضاع اور اطوار میں سے کوئی وضع اور کوئی طور چھوٹنے نہ پائے۔ کم بخت آپ بھی برباد ہو رہا تھا اور اس کی دیکھا دیکھی کچھ ایسی ہوا چلی کہ مسلمانوں کے نوجوان لڑکے خصوصاً جنہوں نے ذرا سی انگریزی پڑھ لی تھی یا جو گھر سے کسی قدر آسودہ تھے' تباہی کے لچھن سیکھتے چلے جاتے تھے۔۔اس (ابن الوقت) کے اندرونی حالات کی تو کسی کو خبر نہ تھی' ظاہر میں دیکھتے تھے کہ انگریزوں میں ملتا جلتا ہے' جو بات کسی ہندوستانی عہدہ دار کو نصیب نہیں اس کو حاصل ہے

Marfat.com

اور لوگوں کی نظر میں انگریزی وضع کی ہیئت بھی ہے۔ پس احمقوں کو اتنے موجبات ترغیب کافی تھے مگر ہے یہ کہ انگریزی وضع خدا کے فضل سے جو کسی ایک کو پھلی ہو' سبھی نے تو اپنی اپنی جگہ تھوڑا بہت نقصان اٹھایا اور شاید نقصان نہ بھی اٹھایا ہو تو کسی کو کسی قسم کا فائدہ تو نہیں ہوا''۔

ناول میں کئی جگہ نذیر احمد نے بتایا ہے کہ ابن الوقت نے انگریزی تمدن کی فوقیت کا قائل ہونے کے بعد انگریزی وضع اور معاشرت اختیار کی تھی' مگر ابن الوقت کا المیہ یہ تھا کہ ایک طرف اس کے عزیز و اقارب اور دوسرے ہندوستانیوں نے یہ مطلب نکالا کہ وہ اپنے مذہب سے بیگانہ ہو کر پورا پورا کرسٹان بن گیا ہے تو دوسری طرف انگریزی کلکٹر نے ابن الوقت کی انگریزی روش اور انگریزی معاشرت اختیار کرنے کو برابری اور ہمسری پر محمول کیا' لہٰذا وہ ابن الوقت کے درپے آزار ہو گیا۔ چنانچہ ابن الوقت کے لئے نیا اسلوب حیات بہت مہنگا اور پریشان کن ثابت ہوا' وہ قرض کے بوجھ میں دب گیا۔ علاوہ ازیں انگریزوں نے اس کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا۔ آخر حجتہ الاسلام کے بیچ پڑنے سے صفائی اور مفاہمت کی صورت پیدا ہوئی۔۔۔۔ آخر حجتہ الاسلام کے قیام کے''..... تیسرے دن کوئی چار چھ گھڑی رات گئے کبھی کے پڑے ہوئے ہندوستانی کپڑے یاد آئے جلدی سے بدل' سوار ہو' جا موجود ہوا.....'' یہ ناول کا اور خود ابن الوقت کا نذیر احمد کے مقصد کے پیش نظر فطری انجام ہے جو اپنی اصل کے اعتبار سے المیہ انجام ہے۔ ابن الوقت انا پرست شخص ہے مگر اس کو اپنوں کی مخالفت اور انگریزوں کی مخاصمت نے سوچ سمجھ کر اختیار کیا ہوا راستہ ترک کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ دوبارہ ہندوستانی لباس پہن لیتا ہے۔ جو اس بات کا اشارہ ہے کہ نذیر احمد نے قدامت پسندی کو استحسان کی نظر سے دیکھا ہے اور اسے کامیاب و کامران دکھایا ہے۔ البتہ اس کے برعکس وہ انگریزی علوم و فنون کی برکات کا بھی زبردست قائل ہے اور اسے وقت کا تقاضا قرار دیتا ہے۔ اسے نذیر احمد کا فکری تضاد ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا یہ تضاد نذیر احمد کی

Marfat.com

اپنی فکر کا نتیجہ ہے؟ یا اس عہد کی پیداوار ہے۔ کیا نذیر احمد کا یہ فکری تضاد اس عہد تک محدود تھا۔ کیا موجود عہد میں یہ تضاد باقی نہیں رہا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن پر ایک طویل بحث کی ضرورت ہے مگر اس مقدمہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

Marfat.com

فصل اول

# ابن الوقت کی تقریب

آج کل کا سا زمانہ ہوتا تو کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوتی۔ ابن الوقت کی تشہیر کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے ایسے وقت میں انگریزی وضع اختیار کی جب کہ انگریزی پڑھنا کفر اور انگریزی چیزوں کا استعمال ارتداد سمجھا جاتا تھا۔ یہ تو ہماری آنکھوں دیکھی باتیں ہیں کہ زیل میں بہ ضرورت کوئی بھلا مانس چرٹ پیتا تو جان پہچان والوں سے چراتا چھپاتا۔ ایک دوست کہیں باہر بندوبست میں نوکر تھے اور جانچ پڑتال کے لئے ان کو کھیت کھیت پھرنا پڑتا تھا' ہندوستانی جوتی اس رپڑ میں کیا ٹھہرتی' ناچار انگریزی بوٹ پہننے لگے تھے مگر دو چار دن کے لئے دہلی آتے تو گھر میں کبھی کے پڑے ہوئے پھٹے پرانے لیترے ڈھونڈ کر پاؤں میں ہلگا لیتے' تب کہیں گھر سے باہر نکلتے۔

دہلی کالج ان دنوں بڑے زوروں پر تھا۔ ملکی لاٹ آئے اور تمام درسگاہوں کو دیکھتے بھالتے پھرے۔ قدردانی ہو تو ایسی ہو کہ جس جماعت میں جاتے' مدرس سے ہاتھ ملاتے۔ بڑے مولوی صاحب نے طوعاً کرہاً بادل ناخواستہ آدھا مصافحہ کیا تو سہی مگر اس ہاتھ کو عضو نجس کی طرح الگ تھلگ لیے رہے۔ لاٹ صاحب کا منہ موڑنا تھا کہ بہت مبالغے کے ساتھ (انگریزی صابون سے نہیں بلکہ مٹی سے) رگڑ رگڑ کر اس ہاتھ کو دھو ڈالا۔ ابن الوقت جیسے ملامتی نہیں تو اس کے ہم خیال خال خال اور بھی چند مسلمان تھے ان کے لڑکے اکا دکا انگریزی کالج میں انگریزی پڑھتے تھے۔ ان لڑکوں میں سے اگر کوئی عربی فارسی جماعتوں میں آنکلتا اور آنکھ بچا کر پانی پی لیتا تو مولوی لوگ مٹکے تڑوا ڈالتے۔

ہر چند تعصبات لغو کی کوئی حد نہ تھی' باایں ہمہ انگریزی حکومت جیسے ان دنوں کی

Marfat.com

مطمئن تھی' آئندہ تا بقائے سلطنت انگریزوں کو خواب میں بھی نصیب ہونے والی نہیں۔ لوگوں کو مفید و مضر کے تفرقے کا' برے بھلے کے امتیاز کا سلیقہ نہ تھا۔ سرکار بہ منزلہ مہربان باپ کے تھی اور بھولی بھالی رعیت بجائے معصوم بچوں کے۔ انگریزی کا پڑھنا ہمارے بھائی بندوں کے لئے کچھ ایسے ناسزاوار ہوا جیسے آمد اور اس کی نسل کے حق میں گیہوں کا کھا لینا۔ گئے تھے نماز معاف کرانے' الٹے روزے اور گلے پڑے۔ انگریزی زبان' انگریزی وضع کو اوڑھنا بچھونا بنایا تھا اس عوض رکاوٹ ہے اور اختلاط کی جگہ نفرت۔ حاکم و محکوم میں کشیدگی ہے کہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ ''دریا میں رہنا مگر مچھ سے بیر''۔ دیکھیں آخر کار یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔

ذرا مشکل سے اب بات کا پتا لگے گا کہ کون سی چیز ابن الوقت کو انگریزی وضع اختیار کرنے کی محرک ہوئی۔ وہ ایک ایسے خوشحال اور شریف خاندان کا آدمی تھا جس کے لوگ پاس وضع کو شرط شرافت سمجھتے تھے۔ شرف علم ان میں متوارث تھا۔ اس خاندان کے لوگ بعض طبیب تھے' بعض مدرس (سرکاری نہیں) بعض مفتی' بعض واعظ' بعض حافظ' بعض صاحب سجادہ طریقت۔ الغرض' ابن خانہ تمام آفتاب است' لوگ سب نہیں تو اکثر وللا کثر حکم الکل' ہر طرح کے ہنروں سے متصف اور ہر طرح کے کمالات سے متجلی تھے۔ شاہی قلعہ ان سب کے معاش کا متکفل تھا۔ انگریزوں کے ساتھ ان لوگوں کو اگر تعلق تھا تو اسی قدر کہ انگریزی عمل داری میں رہتے تھے' وہ بھی اپنے زعم میں نہیں۔

ابن الوقت کے کالج میں داخل ہونے کا بھی یہ سبب ہوا کہ شہر کے مشاہیر جو عربی فارسی میں مستند تھے سرکار نے چن چن کر سب کو پابند مدرسہ کر لیا تھا۔ پس ابن الوقت مدرسے میں داخل کیا گیا نہ اس غرض سے کہ مدرسے کی طالب العلمی کو ذریعہ معاش قرار دے بلکہ صرف اس لیے کہ اس کی عربی فارسی ٹکسالی ہو۔ ابن الوقت اپنے وقت کے منتخب نہیں بھی تو اچھے طلبا میں شمار کیا جاتا تھا۔ مناسب طبیعت کی وجہ سے اس کے بعض ہم جماعت اس سے خاص خاص چیزوں میں اچھے بھی تھے مگر اس کے مجموعی نمبر کبھی کسی سے ہیٹے نہیں رہے۔ وجہ کیا تھی کہ جس قدر وہ ریاضی میں کچا تھا' تاریخ' جغرافیہ' سیاست مدن

Marfat.com

اخلاق وغیرہ سے جن کا اس کو شوق تھا' اس خامی کی تلافی بخوبی ہوتی رہتی تھی۔ مدرسے کی ساری پڑھائی میں اس کی پسند کی چیز تاریخ تھی' کسی ملک اور کسی وقت کی کیوں نہ ہو۔ اس کی طبیعت عام باتوں میں خوب لگتی تھی۔ جواب مضمون پر ہر سال ایک نقرئی تمغہ ملا کرتا تھا۔ چھ سال ابن الوقت مدرسے میں رہا' کسی برس کسی وقت اس نے وہ تمغہ انگریزی' عربی' فارسی' سنسکرت میں کسی کو لینے ہی نہیں دیا۔ جب موقع ملتا ابن الوقت پرانی دلی کے کھنڈروں میں تعطیل کے دنوں کو ضرور صرف کرتا۔ غیر ممالک کے لوگ تجارت' سیاحت یا کسی دوسری ضرورت سے شہر میں آ نکلتے تو ابن الوقت ادبدا ان سے ملتا اور ان کے ملک کے حالات و عادات کی تفتیش کرتا۔ اس کا حافظہ معلومات تاریخی کے ذخیرے سے اس قدر معمور تھا کہ وہ معمولی بات چیت میں واقعات زمانہ گزشتہ سے اکثر استشہاد کیا کرتا۔ ایک بار اس نے باتوں ہی باتوں میں سلیٹ پر اپنی یاداشت سے ایشیاء کا نقشہ کھینچا اور مشہور شہروں اور پہاڑوں اور دریاؤں کے مواقع اس میں ثبت کئے۔ پھر جو ملا کر دیکھا تو بہ تفاوت یسیرا کثر صحیح۔ وہ دنیا کی قوموں اور ذاتوں اور رسموں کی ٹوہ میں لگا رہتا۔ مذہب کے بارے میں اس کی معلومات کتاب الملل والنحل سے کہیں زیادہ تھی۔ جب کوئی نئی کتاب جماعت میں شروع ہوتی' اس کا پہلا سوال یہ ہوتا کہ اس کا مصنف کون تھا' کہاں کا رہنے والا تھا' کس زمانے میں تھا' کس سے اس نے پڑھا' اس کے معاصر کون کون تھے' اس کی وقاع عمری میں کون کون سی بات قابل یادگار ہے۔

تعزز اور ترفع ابن الوقت کے مزاج میں اس درجے کا تھا کہ لوگ اس کی خودداری کو منجر بہ کبر خیال کرتے۔ دوسرے کا احسان اٹھانے کی اس کو سخت عار تھی یہاں تک کہ وہ استاد کی بجائے کسی ہم جماعت سے پوچھنے تک میں مضائقہ کرتا۔ وہ ہمیشہ ایسے مدرس کی جماعت میں رہنا چاہتا جس کی پرنسپل زیادہ عزت کرتا ہو اور اسی سبب سے وہ کئی بار عربی سے فارسی اور فارسی سے عربی میں بدلتا پھرا۔

ابن الوقت اپنی رائے بہ دیر قائم کرتا تھا مگر جب ایک بار قائم کر لیتا اس کو بدلنے کی گویا اس کو قسم تھی۔ اس کی یہ رائے کسی سے مخفی نہیں تھی کہ کسی قوم میں سلطنت کا ہونا اس

Marfat.com

بات کی کافی دلیل ہے کہ اس قوم کے مراسم' عادات' خیالات' افعال' اقوال' حرکات' سکنات یعنی کل حالات فرداً فرداً نہیں تو مجتمعاً ضرور بہتر ہیں۔ وہ نہایت وثوق کے ساتھ کھلم کھلا کہا کرتا کہ سلطنت ایک ضروری اور لازمی نتیجہ ہے قوم کی برتری کا۔ انگریزی نوکری کی نہ اس کو ضرورت تھی اور نہ طلب۔ پس وہ اپنی اسی رائے کی بنیاد پر بے غرضانہ ہر انگریز کو' اگرچہ گھٹیا' بے حیثیت' یوریشین ہی کیوں نہ ہو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اس خیال کے آدمی کو خصوصاً جب کہ وہ کالج میں داخل بھی تھا' انگریزی خوان ہونا چاہیے تھا اور اس کے دل میں انگریزی پڑھنے کا تقاضا بھی ضرور پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر باپ کی وفات پا جانے سے نواب معشوق محل بیگم کی سرکار کی موروثی مختاری اس کے سر پڑی۔ ہر چند اس کے بڑے بھائی ایک اور بھی تھے اور چاہتے تو مختاری کو وہ سنبھال لیتے مگر ان کو اپنے اوراد و وظائف سے مطلق فرصت نہ تھی اور وہ آدمی تھے بھی وحشت زدہ سے ناچار ابن الوقت کو اس سرکار کا بڑا بھاری کارخانہ سنبھالنا پڑا۔ چند روز تک ابن الوقت نے یوں بھی کر کے دیکھا کہ خارج از اوقات مدرسہ قلعے کا کام دیکھتا بھالتا۔ بیگم کی طرف سے تو خدانخواستہ کسی طرح کی سختی نہ تھی مگر خود ابن الوقت دیکھتا تھا کہ اس کا وقت دونوں کاموں کے لیے مساعدت نہیں کرتا۔ پس اس نے مجبور ہو کر مدرسے سے اپنا نام کٹوا لیا۔ پھر بھی وہ تاریخ وغیرہ اپنے ڈھب کی کتابوں کے لیے شاہی کتب خانے اور اخباروں کے واسطے مطبع سلطانی کے بلا ناغہ حاضر باشوں میں تھا۔ تاریخ اور اخبار کی اس کو ایسی دہت تھی کہ وہ کبھی ان چیزوں سے ملول ہوتا ہی نہ تھا۔

ابن الوقت نے مدرسہ چھوڑا تو گو وہ عربی فارسی جماعتوں کا طالب علم تھا تاہم اس کو مشق کے لیے ریاضی کی انگریزی کتابوں سے مدد لینے کی ہمیشہ ضرورت واقع ہوا کرتی تھی۔ ناچار اس کو انگریزی کے حروف پہچاننے پڑے۔ طبیعت تھی اخاذ' حرفوں کا پہچاننا تھا کہ چند روز میں انکل سے سوالات کا طریقہ حل سمجھنے لگا اور یوں ریاضی کے رکن میں اس کی انگریزی کی استعداد ترقی کرتی گئی۔ جب وہ انگریزی وضع اختیار کر کے اپنے پندار

Marfat.com

میں پورا صاحب لوگ بن گیا' اس زمانے میں بھی وہ انگریزی سمجھ تو خاصی طرح لیتا تھا مگر زبان انگریزی میں بے تکلف بات چیت کرنے کی اس کو ساری عمر قدرت حاصل نہ ہوئی۔ ہم نے اس کو زمانہ طالب العلمی میں یا اس کے بعد سبقاً سبقاً انگریزی پڑھتے تو نہیں دیکھا اور اس کی خودداری مدرسے کے بعد اس کو سینگ کٹوا کر بچھڑوں میں کیوں ملنے دینے لگی تھی' مگر اتنا تحقیقی معلوم ہے کہ وہ اپنی حالت کے مناسب انگریزی جاننے کے لیے بہتیری ہی کوشش کرتا تھا۔ سنے سنائے سے جو اس نے اس قدر ترقی کی' سچ پوچھو تو یہ بھی اسی کا کام تھا ورنہ اپنا تو یہ مقولہ ہے کہ آدمی مادری زبان کے علاوہ دوسری زبان کا زبان دان' جیسا کہ زبان دانی کا حق ہے' ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا صاحب قاموس کی حکایت نہیں سنی؟ بھلا خیر' اتنا تو سنا ہوگا کہ زبان عربی کی لغت کی بہت سی کتابیں ہیں' سب میں زیادہ مبسوط اور مستند قاموس ہے۔ صاحب قاموس ذات کا تھا عجمی' اس کو بچپن سے زبان عربی کی تکمیل کا شوق ہوا۔ جہاں تک عجم میں ممکن تھا سیکھ پڑھ لیا' نجد اور تہامہ اور یمن اور شام اور حضارہ اور بداوہ میں برسوں زبان کے پیچھے خاک چھانتا پھرا۔ آخر کار ساری عمر کی تفتیش اور تلاش کے بعد قاموس بنائی تو پھر کیسی بنائی کہ ساری دنیا اس کی سند پکڑتی ہے۔ زبان دانی کا پردہ خدا کو فاش کرنا تھا' عرب کی ایک بی بی سے نکاح کیا۔ رات کے وقت گھر کی لونڈی سے کہتے تھے کہ چراغ گل کر دے۔ طوطے کی ٹیں ٹیں کہاں جائے' ''اطفئ السراج'' کی جگہ فارسی محاورے کے مطابق بے ساختہ ''اقتلی السراج'' بول اٹھے۔ بی بی تاڑ گئی۔ صبح اٹھ کر دارالقضا میں جا نالش کی۔ خدا جانے بی بی رہی یا گئی مگر میاں کی عربیت کی تو خوب کرکری ہوئی۔

انگریزی اخباروں میں جن کے ایڈیٹر انگریز ہیں بابوانہ انگریزی کی ہمیشہ خاک اڑائی جاتی ہے۔ اگرچہ نام تو بنگالیوں کا ہوتا ہے مگر حقیقت میں وہ ملاحی گالیاں سبھی انگریزی دانوں پر پڑتی ہیں بلکہ دوسروں پر بدرجہ اولیٰ کیوں کہ بنگالیوں نے تو یہاں تک انگریزی میں ترقی کی ہے کہ انگریزی گویا ان کی مادری زبان ہوتی جاتی ہے اور بعض بنگالی تو انگریزی میں اس درجے کے گویا اور فصیح اور بلیغ ہو گزرے ہیں اور ہیں کہ

Marfat.com

انگریز بھی ان کا لوہا مانتے ہیں مگر ایسی مثالیں شاذ ہیں۔ ایک دوست ناقل تھے کہ ایک بار ان کو ایک انگریز سے ملنے کی ضرورت تھی۔ کوٹھی پر معلوم ہوا کہ یہ وقت ان کے کلب میں رہنے کا ہے۔ ناچار ان کو کلب جانا پڑا۔ چپڑاسی اطلاع کا موقع دیکھ رہا تھا کہ انہوں نے اپنے کانوں سنا کہ اندر بہت سے انگریز جمع ہیں اور ہندوستانیوں کی انگریزی کی نقلیں کر کر کے قہقہے لگا رہے ہیں۔ وہ دوست یہ بھی کہنے لگے کہ جس انگریزی کی ہنسی ہو رہی تھی بے شک وہ ہنسی کے قابل بھی تھی اور اہل زبان کو ہمیشہ دوسرے ملک والوں پر ہنسنے کا حق ہے۔ مگر ہندوستانیوں کی انگریزی اگر ہنسنے کے قابل ہے تو اس کے مقابل میں انگریزوں کی اردو رونے کے لائق ہے۔ ہندوستانی صرف کتاب کی مدد سے انگریزی سیکھتے ہیں' برخلاف انگریزوں کے کہ کتاب کے علاوہ ساری ساری عمر ہندوستانی سوسائٹی میں رہتے ہیں اور پھر وہی ''ول ٹم کیا مانگھا''۔

یہ مصیبت کس کے آگے روئیں کہ انگریزی عمل داری نے ہماری دولت' ثروت' رسم ورواج' لباس' وضع' طور طریقہ' تجارت' مذہب' علم' ہنر' عزت' شرافت سب چیزوں پر تو پانی پھیرا ہی تھا' ایک زبان تھی اب اس کا بھی یہ حال ہے کہ ادھر انگریزوں نے عجز و ناواقفیت کی وجہ سے اکھڑی اکھڑی' غلط' نامربوط اردو بولنی شروع کی' ادھر ہر عیب کی سلطاں بہ پسند و ہنر است' ہمارے ہی بھائی بند لگے اس کی تقلید کرنے۔ ایک صاحب کا ذکر ہے کہ اچھی خاصی ریش و بروت' آغاز جوانی میں ولایت گئے۔ چار پانچ برس ولایت رہ کر آئے تو ایسی سٹی بھولے کہ انگریزی اردو میں بہ ضرورت کبھی بات کرتے تو رک رک اور ٹھہر ٹھہر کر اور آنکھیں میچ میچ کر جیسے کوئی سوچ سوچ کر مغز سے بات اتارتا ہے۔

Marfat.com

## فصل دوم

# ابن الوقت نے ۱۸۵۷ء کے غدر میں مسٹر نوبل ایک انگریز کو پناہ دی اور اس کے ساتھ ارتباط کا ہونا اس امر کی طرف منجر ہوا کہ ابن الوقت نے آخر کار انگریزی وضع اختیار کر لی

ابن الوقت کے وقائع عمری میں ایک واقعہ ایسا ہے جس کو اس کی تبدیل وضع میں بہت کچھ دخل ہو سکتا ہے اور وہ ذرا قصہ طلب سی بات ہے۔ بہادر شاہ کے آخری عہد میں منصب ولی عہدی متنازع فیہ تھا' مرزا فخر الملک اور مرزا جواں بخت میں۔ مرزا فخر الملک کے اکبر اولاد اور لائق اور روادار ہونے کی وجہ سے ان کی طرف دار بہت تھے حتّٰی کہ انگریز' اور اسی گروہ میں نواب معشوق محل بیگم بھی تھیں جو مرزا کھونٹے پر کودتے تھے جن کو بادشاہ کے مزاج میں بڑا دخل تھا۔ بادشاہ کا زور چلتا تو جواں بخت کو اپنے حین حیات تخت نشین کر دیتے مگر انگریزوں کی پچ بڑی زبردست تھی۔ مرزا جواں بخت کے ساتھ سارے برتاؤ ولی عہدی کے برتے جاتے تھے۔ صرف دو باتوں کی کسر تھی' ایک تو ولی عہدی کی تنخواہ خزانہ شاہی کی تحویل میں رہتی تھی' دوسرے انگریزوں نے ولی عہدی کا ادب قاعدہ ان کے ساتھ نہیں رکھا۔

اس کشمکش میں طرف داران مرزا فخر الملک کو بڑے بڑے نقصان پہنچے۔ نواب معشوق محل نے جو بادشاہ کی نظر کسی قدر پھری ہوئی دیکھی' قلعے کے باہر شہر میں کشمیری دروازے کے قریب راحت گاہ' جوان کا بڑا نامی محل تھا' درست کرا کے تبدیل آب و ہوا کے حیلے سے شہر میں رہنے لگیں۔ قلعے کی آمد و رفت بھی بند نہیں کی مگر مال و متاع اور ساز و سامان سب کچھ راحت گاہ میں اٹھوا منگوایا تھا۔ ہر چند دو ایک برس بعد وہ جواں بختی شورش فرو بھی ہو گئی تھی مگر راحت گاہ میں نواب معشوق محل کا کچھ ایسا جی لگ گیا تھا کہ

Marfat.com

انہوں نے اپنا وہی قاعدہ رکھا۔ صبح کا ناشتہ کر کے قلعے چلی جاتیں اور عصر کی نماز راحت گاہ میں پڑھتیں اور یہیں شب کے وقت آرام بھی فرماتیں' یہاں تک کہ دہلی کے حصے کی قیامت آئی یعنی سن ۵۷ء کا غدر۔ غدر کے بعد سے نواب معشوق محل بیگم صاحب نے قلعے کے باہر پاؤں نہیں رکھا۔ غدر سے کوئی ڈھائی پونے تین مہینے بعد وہ چار گھڑی رات گئے جو پہلا گولا دیوان عام میں گر کر پھٹا جس کے دھماکے سے سارا قلعہ ہل گیا' بس گولے کا پھٹنا تھا کہ نواب معشوق محل بیگم صاحب کے دل میں کچھ ایسا ہول سمایا کہ اختلاج قلب کے صدمے سے تیسرے دن انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بڑی نیک نیت اور خدا پرست اور سیر چشم بی بی تھیں۔ خدا نے ان کو ان رسوائیوں اور فضیحتوں سے جو خاندان تیمور کی تقدیر میں لکھی تھیں' بچا لیا۔

ہاں تو غدر کے اگلے ہی دن نواب معشوق محل نے ابن الوقت کو حکم دیا کہ راحت گاہ کا تمام اسباب رتی رتی قلعے میں اٹھوا لاؤ اور راحت گاہ کے مکانوں میں تالے چڑھوا دو۔ اسباب سا اسباب تھا! بیس چھکڑے دن میں چار چار پھیرے کرتے تھے تب وہ الغاروں اسباب کہیں مہینے سوا مہینے میں جا کر ٹھکانے لگا۔

غدر کے چوتھے دن کا ذکر ہے کہ ابن الوقت کوئی دو گھڑی دن رہے آخری کھیپ روانہ کرنے کے بعد قلعے کی طرف کو چلا آ رہا تھا' ایک آپ تھا اور دو نوکر' تینوں مسلح' اور ان دنوں جب دو آدمی آپس میں بات کرتے تھے تو بس غدر کا مذکور ہوتا تھا' یہ لوگ بھی اسی طرح کا تذکرہ کرتے چلے جاتے تھے۔ جوں محسن خاں کے کٹڑے سے آگے بڑھ کر اس کھلے میدان میں پہنچے جو میگزین اور کالج کے درمیان میں واقع تھا' دیکھتے کیا ہیں' سڑک کے بائیں طرف انگریزوں کی کچھ لاشیں پڑی ہیں۔ یہ دیکھ کر ابن الوقت کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ اس وقت وہ موقع ایسا خوفناک تھا کہ اکیلا کیسا ہی کوئی سورما کیوں نہ ہوتا' ڈر کے مارے گھگی بندھ جاتی مگر یہ تین آدمی تھے۔ ابن الوقت لاشوں کے مقابل ذرا ٹھٹکا اور نہایت غصے اور افسوس کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا: ''دیکھو تو ظالموں نے کیا بے جا حرکت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شہر پر بڑا سخت عذاب آنے والا ہے۔

Marfat.com

خون ناحق کبھی خالی جاتے نہیں سنا۔ خدا جانے شاہ جہان نے کیسی منحوس تاریخ میں اس کم بخت شہر کی بنیاد ڈالی تھی کہ امن کی کوئی پوری صدی اس بستی پر نہ گزری مگر اس بار تو کچھ ایسا سامان نظر آتا ہے کہ لوگ نادر شاہ کے واقعے کو بھی بھول جائیں گے۔''

ابن الوقت کے ساتھی بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ ابھی نماز مغرب میں کوئی آدھ گھنٹے کی دیر تھی۔ ادھر آفتاب کا جنازہ کفن خون آلود شفق پہنا کر تیار کر چکے تھے کہ قبر مغرب میں اتار دیں' ادھر بے کفن کی لاشیں دیواروں کے سائے کا ماتمی کفن پہن چکی تھیں۔ دہلی جیسا شہر اور شام کا وقت اور روزوں کے دن اور ایسا موقع اور دن ہوتے تو اس مقام پر کھوئے سے کھوا چھلتا ہوتا مگر ابن الوقت چورا ہے پر کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا کہ جہاں تک نظر کام کرتی ہے آدم زاد کا پتا نہیں۔ شہر کے بدمعاشوں کے ڈر سے لوگ کچھ دن رہے سے کواڑوں میں پتھر اڑا اڑا کر گھروں میں بند ہو بیٹھے تھے۔ ابن الوقت ہکا بکا سناٹے میں کھڑا تھا کہ ایک ساتھی بولا: ''حضرت! افطار کا وقت قریب ہے اور قلعہ دور' جو ہونا تھا سو ہوا اور جو تقدیر کا لکھا ہے سو ہو کر رہے گا۔ بس معلوم ہوا کہ نابکار تلنگوں کے گیہوں کے ساتھ بہتیروں کا گھن پسنا ہے' چلئے تشریف لے چلئے۔''

پن چکیوں سے ذرا ادھر تھے کہ پیچھے سے پیروں کی آہٹ آئی کہ کوئی شخص لپکا ہوا چلا آرہا ہے۔ لاشوں کے دیکھنے سے یہ لوگ کچھ ایسے ہول زدہ ہو گئے تھے کہ آواز کے ساتھ سب کے دل دھڑکنے شروع ہوئے اور بے اختیار لگے پیچھے مڑ مڑ کر دیکھنے۔ بارے شکر ہے کہ وہ شخص نہتا تھا۔ وہ تو جھپٹا ہوا چلا آ ہی رہا تھا' ان کے قدم جو پڑے ڈھیلے' پن چکیوں سے اترتے اترتے اس نے آ ہی لیا۔ اس شخص نے دور سے ان شخصوں کی پیٹھیں ہی دیکھ کر پہچان لیا تھا کہ ان میں آقا کون ہے۔ برابر آ کر اس نے ابن الوقت کو مؤدب اور باسلیقہ نوکروں کی طرح سلام کیا۔ ابن الوقت نے آنکھ بھر کر دیکھا تو کوئی اٹھائیس تیس برس کی عمر کا جوان آدمی ہے اور انگریزی خدمت گاروں یا اردلیوں کی سی وضع رکھتا ہے۔ دوپٹہ سر سے باندھا ہے اور پٹکا کمر سے' گویا نوکری سے چلا آرہا ہے۔ خوف اور رنج اور اضطراب ہے کہ چہرے سے ٹپکا پڑتا ہے' ہونٹوں پر پپڑیاں بندھ گئی ہیں' سانس پیٹ میں نہیں سماتا۔ ابن الوقت سے بات کرنی چاہتا ہے مگر بار بار

Marfat.com

پھر پھر کر لاشوں کی طرف کوتا کتا جاتا ہے۔ ہر چند چھوٹا میگزین بیچ میں حائل ہے مگر پھر بھی جی نہیں مانتا اور بے دیکھے رہا نہیں جاتا۔

وہ ابن الوقت کے پوچھنے کا ہی منتظر نہ رہا اور چھوٹتے ہی بولا کہ میرا نام جان نثار ہے اور میں بہادر پور کے پٹھانوں میں سے ہوں۔ چار برس سے رہتک کے جنٹ مجسٹریٹ نوبل صاحب کی اردلی میں ہوں۔ ہمارے صاحب کئی مہینے سے بیمار ہیں۔ رخصت لے کر ولایت جا رہے تھے اور بمبئی تک مجھے بھی اپنے ساتھ لیے جاتے تھے۔ آج چوتھا دن ہے' ہم لوگ ڈاک بنگلے میں آ کر ٹھہرے۔ دوپہر کو غدر ہو گیا۔ صاحب کا مزاج نادرست تھا' بھاگ کر کہیں جا نہ سکے۔ تلنگوں نے ان کو لے جا کر کشمیری دروازے کے گارد میں قید کیا' وہاں اور بھی چند انگریزی پکڑے ہوئے تھے۔ آج سب قیدیوں کو کھڑا کر کے ناحق ناروا باڑ ماردی۔ ہمارے صاحب بھی زخمی ہو کر گرے مگر اس وقت تک ان میں جان ہے۔ میں ڈر کے مارے ان کو اچھی طرح دیکھ نہیں سکا مگر آنکھ بچا کر مسجد سے پانی کی بدھنی ان کے پاس رکھ آیا ہوں۔ یہ خدا واسطے کا کام ہے' اگر آپ سے ہو سکے تو ہمارے صاحب کی جان بچایئے۔ آپ کو بڑا درجہ ہو گا۔ صاحب ہیں تو انگریز مگر رحم دل۔ رہتک والوں سے آپ پوچھئے' بیسیوں یتیموں اور بیواؤں کی تنخواہیں مقرر کر رکھی ہیں۔ فوجداری کے مقدموں میں مجبور ہو کر جرمانہ کرتے ہیں تو اپنے پاس سے سرکار میں بھر دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر جان نثار ابن الوقت کے پیروں میں گر پڑا اور کہنے لگا کہ آپ لاشوں کے پاس کھڑے ہوئے جو باتیں کر رہے تھے' میں دروازے کی آڑ میں چھپا ہوا سن رہا تھا۔ اس سے مجھ کو آپ سے کہنے کی ہمت بھی پڑی اور میرا دل اندر سے گواہی دیتا ہے کہ خدا نے آپ کو ایسے وقت صرف ہمارے صاحب کی جان بچانے کو بھیجا ہے۔

ابن الوقت نے جان نثار کو زمین پر سے اٹھایا اور کہا کہ جو کچھ یہ بدذات' پاجی' نمک حرام' باغی تلنگے کر رہے ہیں' کچھ شک نہیں کہ ظلم صریح ہے اور کسی مذہب و ملت میں روا نہیں اور اگر میں تمہارے صاحب کی حفاظت کر سکوں تو میں اس کو فرض انسانیت سمجھتا ہوں مگر ان لوگوں کو کس وقت باڑ ماری؟

Marfat.com

جان نثار: ''دو بجے۔''

ابن الوقت: ''اوہو' دو بجے! (ایک نوکر کی طرف مخاطب ہو کر) وہ جو اس وقت فیرسن پڑی تھی وہ یہی باڑ ہوگی۔ (جان نثار سے) اچھا پھر تم نے کیوں کر جانا کہ تمہارے صاحب ہنوز زندہ ہیں؟''

جان نثار: ''حضور کے تشریف لانے سے تھوڑی دیر پہلے تک لاشوں پر دھوپ تھی اور لاشیں تو بالکل سفید پڑ گئی تھیں مگر ہمارے صاحب کے چہرے پر سرخی جھلکتی تھی اور میں نے اپنی آنکھ سے صاحب کے جسم میں حرکت بھی دیکھی ہے۔ پانی رکھنے گیا تو سانس چلتا ہوا سا دکھائی دیا۔ خدا جانے کہاں چوٹ لگی ہے کہ بے ہوش ہیں۔ جس وقت سے صاحب ڈاک بنگلے میں پکڑے گئے اس وقت سے میں دائیں بائیں برابر صاحب کے پاس لگا رہا ہوں' ایک دم کو جدا نہیں ہوا۔ زخموں کی نسبت تو میں کچھ عرض نہیں کر سکتا مگر اس وقت تک ان میں جان تو ضرور ہے۔ آپ للہ ذرا چل کر دیکھ لیجئے' اگر کچھ جان باقی ہے تو ان کو اپنی حفاظت میں لیجئے' شاید خدا کرے بچ جائیں اور اگر ہو چکے ہیں تو وہ کیا مرے' ہم جیسے پچاسوں غریب ان کے ساتھ مر لیے۔ ہوں تو چار کوڑی کا پیادہ اور آپ کے روبرو عرض کرنا بھی گستاخی ہے مگر جناب یہ عمل داری تو اٹھنے والی نہیں۔ یہ بھی کوئی دن کا غل غپاڑا ہے۔ اگر صاحب آپ کے طفیل سے بچ گئے تو پھر دیکھیے گا کیسے کیسے سلوک آپ کے ساتھ کرتے ہیں۔''

ابن الوقت نے جس وقت سے سنا تھا کہ ایک صاحب مجروح ہوئے پڑے ہیں اور زندہ ہیں' اسی وقت سے وہ اپنے ذہن میں صاحب کی حفاظت کی تدبیریں سوچنے لگا تھا۔ جان نثار کی طرف ظاہر میں متوجہ رہا مگر اس کی بہت سی باتیں اس نے مطلق دھیان سے نہیں سنیں۔ آخر ابن الوقت نے اپنے دونوں نوکروں سے کہا: ''کیوں بھئی تمہاری کیا صلاح ہے؟'' ایک نے کہا: ''ہم خانہ زاد جان و مال سے حاضر ہیں۔ جیسا حکم ہو تعمیل کریں۔'' ابن الوقت نے کہا: ''بس تم سے اتنی مدد درکار ہے کہ اول تو ہم سب روزے سے ہیں' رازداری کا حلف کریں دوسرے' صاحب اگر زندہ ہوں تو جس طرح بن پڑے' اٹھا کر گھر تک لے چلیں۔'' ابن الوقت کے دونوں نوکروں نے قبلے کی طرف

Marfat.com

کو ہاتھ اٹھا کر قسم کھائی اور چاروں شخص لوٹ کر پھر لاشوں کے پاس گئے۔ جان نثار نے سب کو نوبل صاحب کے سر پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ جھٹپٹا ہو چلا تھا۔ جان نثار نے ہاتھ لگا کر دیکھا تو بدن گرم تھا۔ خون میں لتھڑے ہونے کی وجہ سے اس وقت معلوم نہ ہو سکا کہ کہاں کہاں زخم لگے ہیں اور کس قسم کے ہیں۔ ہر چند کوئی آدمی کہیں چلتا پھرتا دکھائی نہیں دیتا تھا مگر خوف کے مارے ذرا کہیں پتا کھڑکتا تو یہ لوگ سہم جاتے۔ بارے جان نثار نے ابن الوقت اور اس کے نوکروں کی مدد سے صاحب کو چڈی چڑھایا۔ صاحب اس قدر بے ہوش تھے کہ ان کو سنبھلنا دشوار تھا۔ سارے رستے ابن الوقت اور اس کے نوکر سہارا لگاتے آئے۔ ان لوگوں کو اس سے بڑی تسلی اور تقویت تھی کہ جدھر نظر اٹھا کر دیکھتے تھے کسی طرف کوئی آتا جاتا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

ابن الوقت مجروح کو اٹھوانے کو تو اٹھوا لایا مگر اس وقت تک اس نے ذرا بھی نہیں سوچا تھا کہ گھر پہنچ کر کیا کرنا ہوگا۔ حقیقت میں اس کو اس بات کے سوچنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ جان نثار کی دردناک حکایت سنتے ہی وہ مجروح کو اٹھانے دوڑا گیا اور مجروح کے اٹھائے پیچھے سارے رستے اس کی روک تھام میں لگا رہا۔ گھر کی نکڑ پر پہنچ گیا تھا کہ اس کو تنبہ ہوا کہ میں نے یہ کیا کیا اور اس کے نباہ کی کیا صورت ہوگی۔ ابن الوقت کی بیوہ پھوپھی شروع بیوگی سے بال بچوں سمیت اسی کے گھر میں رہتی تھیں اور شوہری ترکے کی وجہ سے ان کو بڑی مقدرت تھی۔ اب ان کے بچے سیانے ہوئے تو انہوں نے اپنا مکان علیحدہ بنوانا چاہا۔ پدری ترکے سے ان کو ابن الوقت کے مکان کے پہلو میں زمین ملی تھی اور وہ زمین مدتوں سے یوں ہی پڑی تھی۔ اب کوئی چار مہینے سے کھلے موسم کے آتے ہی اس میں مدد لگی تو اس وقت تک مکان ہر طرح سے بن بنا کر تیار ہو چکا تھا۔ صرف استرکاری باقی تھی کہ غدر ہوا۔ مدد بند کر دی گئی۔ سامان تعمیر کی حفاظت کے لیے اور اس غرض سے بھی کہ مکان میں رات کو چراغ جلنا ضرور ہے' ابن الوقت کے انہی دو نوکروں میں سے جو نوبل صاحب کے لانے میں شریک تھے' باری باری سے ایک شخص رات کو آ پڑتا۔ ابن الوقت نے نوبل صاحب کو اسی خالی مکان میں اتروایا اور اپنے آدمیوں میں سے جس کی باری مکان میں سونے کی تھی' جان نثار کے ساتھ متعین کر دیا کہ اندر سے کواڑ بند رکھو اور میرے آنے تک صاحب کے زخموں کی شت وشو کرو مگر خبردار جو

Marfat.com

کسی نے آہٹ پائی۔

ابن الوقت نے گھبراہٹ اور جلدی میں اتنا خیال البتہ کرلیا تھا کہ باغیوں اور شہر کے بدمعاشوں نے تو اس قدر سر اٹھا رکھا ہے کہ ناحق انگریزوں کے لگاؤ کا چھدا رکھ رکھ کر لوگوں کی جان اور آبرو کے خواہاں ہیں' بے کسی زبردست کے آسرے کے اتنی بڑی جوکھم اپنے سر لینا ٹھیک نہیں۔ کل کلاں کو'' دیوار ہم گوش دارد'' خدا بری گھڑی نہ لائے' بات کھل پڑی تو میں اکیلا چنا بھاڑ کا کیا کرلوں گا۔ پاس تھی شاہ حقانی صاحب کی خانقاہ اور ایک اعتبار سے سارا شہر ان کا معتقد تھا اور ہزار ہا ولایتیوں کو اس خانقاہ سے بیعت تھی اور چالیس پچاس بلکہ بعض اوقات سو سو ولایتی فیضان تلقین حاصل کرنے کے لئے خانقاہ میں ٹھہرے رہتے تھے۔ ابن الوقت کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر شاہ حقانی صاحب اس ارادے میں میرے سر پر ہاتھ رکھیں تو بس پھر کسی طرح کا خدشہ نہیں۔ ابن الوقت کو اس بات کا بھی پورا بھروسا تھا کہ اگر شاہ صاحب راضی بھی نہ ہوئے تاہم ان کی شان اس سے ارفع ہے کہ کسی پر اس راز کو ظاہر کریں۔

پس ابن الوقت نے مکان کے اندر پاؤں بھی نہ رکھا اور سیدھا خانقاہ کو ہولیا۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ ساری خانقاہ میں کھچا کھچ آدمی بھرے پڑے ہیں کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ سرغنہ باغیاں علمائے خانقاہ سے جہاد کے فتوے پر مہریں کرانے لایا ہے۔ ظہر کے وقت سے حجت ہو رہی ہے' شاہ حقانی صاحب ہیں کہ کسی طرح نہیں مانتے اور انگریزوں سے لڑنے کو غدر اور ''فساد فی الارض'' کہے چلے جاتے ہیں۔ اس وقت ایسے ہجوم میں شاہ صاحب تک پہنچنا اور تخلیہ کرانا کسی طرح ممکن نہ تھا۔ ناچار ابن الوقت کسی قدر ناامید ہو کر لوٹا مگر دل میں علمائے خانقاہ کے فتوے کی تصویب کرتا تھا اور اس خیال سے خوش تھا کہ ایک سرغنہ نہیں اگر ساری دنیا ایک طرف ہو تو خانقاہ والے مذہبی معاملے میں ڈرنے دھمکنے والے نہیں اور باغی خانقاہ والوں کا کر بھی کیا سکتے ہیں۔ اگر خانقاہ میں سے کسی کا بال بھی بیکا ہوا تو کشتوں سے پشتے لگ جائیں گے۔

Marfat.com

بارے ابن الوقت پھر گھر کو لوٹ آیا۔ جوں دروازے میں قدم رکھتا تھا کہ جان نثار نے یہ خوش خبری سنائی کہ دھونے صاف کرنے سے معلوم ہوا کہ کہیں کاری زخم نہیں لگا اور صاحب نے آنکھ بھی کھولی ہے مگر ضعف کے سبب بول نہیں سکتے۔ مرہم پٹی تو کیا ہوسکتی تھی' خدا کی قدرت' صرف ٹھنڈا پانی ٹپکانے سے کوئی سوا ڈیڑھ مہینے میں سب زخم بھر آئے اور باوجودیکہ صبح وشام کی مشی بند ہوگئی تھی اور گو ابن الوقت جان نثار کی مدد سے ہر طرح کا اہتمام کرتا تھا مگر غذا میں بھی بہت بڑا فرق واقع ہوگیا تھا' باایں ہمہ صاحب کا اصل مرض بھی جس کے علاج کے لیے ولایت جانے والے تھے' قدرے قلیل ہی باقی رہ گیا تھا۔ ان کو غالباً کثرت کتاب بینی کی وجہ سے ہلکا ہلکا دردسر ہر وقت رہتا تھا' اب کتاب بینی ہوئی یک قلم موقوف اور دماغ کو زحمت مطالعہ سے ملی راحت اور سودوا کی ایک دوا تو یہ بھی تھی کہ طبیعت ہوئی دوسری طرف مشغول' وہ دردسر بھی تھوڑی دیر کے لئے کبھی کبھار ہوتا تھا اور صاحب خود اس کو اختلاف غذا کی طرف منسوب کرتے تھے۔

تین مہینے نو دن نوبل صاحب ابن الوقت کے گھر رہے۔ اس عرصے میں دونوں میں اس درجے کا ارتباط بڑھا کہ آج تک کسی ہندوستانی کو کسی انگریز کے ساتھ ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ ابن الوقت نامجانست اور صاحب کی علو منزلت کے خیال سے ابتداء کسی قدر رکا رہا مگر صاحب کی کتاب اور اخبار اور کچہری اور ہوا خوری اور ملاقات سب کچھ جا کر ایک ابن الوقت کی صحبت رہ گئی تھی' وہ کسی طرح ایک لمحے کو ابن الوقت کا اپنے پاس سے ہٹنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انسان کے اصلی خیالات کے لئے نعمت اور مصیبت کی حالتیں دو کسوٹیاں ہیں۔ نوبل صاحب کا یہ تو حال تھا کہ زخمی' معذور محتاج' بے کس' غریب الوطن اور زندگی ہے کہ ہر وقت عرضۂ خطر بلکہ نجات موہوم ہے' ہلاکت متیقن۔ مگر اللہ اللہ کس بلا کا استقلال مزاج تھا کہ ضعف واضطراب کی کوئی حرکت تمام مدت قیام میں ان سے سرزد نہ ہوئی' وہ گویا دعوے دار مہمان تھے اور ہیکڑ مستامن۔ جانثار بے چارہ تو بھلا کس گنتی میں تھا' ابن الوقت کو اتنی خصوصیتیں اور اس قدر حقوق ہوتے سا تے ان کے پاس۔ محابا چلے جانے میں تامل ہوتا تھا۔

ابن الوقت کو تاریخ اور جغرافیہ اور اخبار کی معلومات نے پہلے سے انگریز پسند بنا

Marfat.com

رکھا تھا۔ پس نوبل صاحب اور ابن الوقت دونوں کی باتوں کا سلسلہ' سلسلہ نا متناہی تھا۔ دونوں کو کبھی آدھی آدھی رات باتوں میں گزر جاتی اور ایک بھی اٹھنے کا نام نہ لیتا مگر ان کی گفتگو غالباً تین طرح کی ہوتی تھی۔ اکثر تو غدر کا تذکرہ کہ واقعات ہر روزہ سے جہاں تک ابن الوقت کو قلعے کے ذریعے سے دریافت ہوتے تھے' شروع ہو کر آخر کو امور عامہ میں بات جا پڑتی مثلاً یہ کہ یہ غدر ہوا تو کیوں ہوا؟ کہاں تک اس آفت کے پھیلنے کا احتمال ہے؟ آیا یہ ایسا موقع ہے کہ ہندوستان کی مختلف قومیں ہندو' مسلمان' سکھ' مرہٹے' بنگالی' مدراسی' راجپوت' جاٹ' گوجر' اس میں مل کر کوشش کریں گے؟ ہندوستان کے باشندوں میں فوجی قوت کس درجے کی ہے؟ راجواڑوں میں کس کس کے بگڑ بیٹھنے کا خوف ہے؟ شاہ وظیفہ خوار کی دہلی کے لوگوں کی نظر میں کیا وقعت ہے؟ سرحدی قومیں جیسے گورکھے اور افغانستان کے لوگ شریک بغاوت ہوں گے یا نہیں؟ کوئی ہم عصر سلطنت ایسی بھی ہے جو ایسے وقت میں سلطنت ہندوستان کی طمع کرے؟ یہ غدر فوج کی شورش فوری ہے یا اس کی ہنڈیا مدت سے پک رہی تھی اور رعایا بھی فوج کی شریک حال ہے؟ حکومت انگریزی سے لوگ رضامند ہیں یا ناراض اور ناراض ہیں تو کیوں؟ کہاں تک مذہبی خیال غدر کا محرک ہوا؟ مسلمانوں کے معتقدات میں یہ غدر داخل جہاد ہے یا نہیں؟ اسی طرح بات میں سے بات نکلتی چلی آتی تھی۔ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ نوبل صاحب ابن الوقت سے ہندوستانیوں کے رسم و رواج اور طرز تمدن اور معاشرت کے حالات دریافت کرتے اور ابن الوقت ہندی کی چندی کر کے ان کو بتاتا اور سمجھاتا رہا۔

ابن الوقت' اس کی تو سدا کی عادت تھی کہ غیر ملک کے حالات کو ہر ایک سے کرید کرید کر اور کھود کھود کر پوچھا کرتا تھا' نوبل صاحب سے اس نے خوب ہی دل کھول کر جو جو کچھ جی میں آیا پوچھا اور نوبل صاحب نے بھی جہاں تک زبان نے یاری دی بھلی یا بری کوئی بات اپنے وطن اور اپنی قوم کی اٹھا نہ رکھی۔ ابن الوقت نے نوبل صاحب کی ہم نشینی میں انگریزوں کے تفصیلی حالات سے اس قدر واقفیت حاصل کی کہ بس آنکھوں سے دیکھنے کی کسر رہ گئی تھی۔ ہم ایسا سمجھتے ہیں کہ ابن الوقت کو انگریزوں کے ساتھ ایک طرح کی عقیدت تو پہلے سے تھی ہی' تین سوا تین مہینے نوبل صاحب کے ساتھ رہ کر اس

Marfat.com

کے خیالات اور بھی راسخ ہو گئے اور عجب نہیں اسی اثنا میں اس نے تبدیل وضع کا ارادہ کیا ہو۔

ہم کو نوبل صاحب یا ابن الوقت کے حالات غدر لکھنے منظور نہیں، تسلسل سخن کے لیے اتنا لکھنا ضرور ہے کہ نوبل صاحب کو جس وقت سے ابن الوقت کے گھر ہوش ہوا' آخر تک انہوں نے اپنی ذاتی تکلیف اور مصیبت کی کبھی شکایت کی ہی نہیں۔ ہاں یہ ان کا تکیہ کلام تھا کہ افسوس میں ایسی حالت میں ہوں کہ کسی طرح اپنی قوم کی مدد اور اپنے ملک کی خدمت نہیں کر سکتا۔ وہ کاہل اور بیکار زندگی سے مرنے کو بہ مدارج بہتر سمجھتے تھے اور خبروں کے نہ ملنے سے ان کا وقت سخت پریشانی میں گزرتا تھا۔ جتنی دیر ابن الوقت ان کے پاس رہتا' باتیں کرتے ورنہ دالان میں ٹہلتے رہتے۔ ابھی ان کے زخم اچھی طرح بھرے بھی نہ تھے کہ انہوں نے ابن الوقت پر تقاضا شروع کیا کہ کسی مذہب سے مجھے انگریزی کیمپ میں پہنچاؤ۔ ابن الوقت ان کے بے موقع اور بے جا اصرار سے دل میں سخت آزردہ ہوتا' مگر جانتا تھا کہ ''اہل الغرض مجنون'' باہر چلتے پھرتے ہوتے تو دیکھتے کہ چاروں طرف کیسی آگ لگی ہوئی ہے' ہمارے ملک کی عورتوں کی طرح گھر کی چار دیواری میں مقید ہیں' دنیا و مافیہا سے خاک خبر نہیں' شاید دل میں خیال کرتے ہیں کہ میں عمداً پہلو تہی کرتا ہوں۔ زخموں کے اچھا ہوتے ہی نوبل صاحب اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ کئی بار بگڑ بگڑ کر ابن الوقت کو دھمکایا کہ اگر مجھ کو زیادہ زور کو گے تو میں نکل بھاگوں گا۔ ابن الوقت ان کی ایسی ایسی باتیں سن کر ہنستا اور کبھی جھنجلاتا کہ ایسی ہی جان دو بھر ہے اور خودکشی کرنی ہے تو مجھی کو ثواب غذا حاصل کرنے کی اجازت دیجیے۔

Marfat.com

فصل سوم

## ابھی غدر فرو نہیں ہوا تھا کہ
## نوبل صاحب انگریزی کیمپ میں جا داخل ہوئے

ہر چند' ہر بار ابن الوقت بات کو کسی نہ کسی تدبیر سے ہنسی میں اڑا دیا کرتا تھا مگر دل میں یہ بھی سوچتا تھا کہ ایسا نہ ہو گھٹ گھٹ کر بیمار پڑ جائیں تو وہی مثل ہو کہ کھلائے پلائے کا نام نہیں رلائے کا الٹا الزام۔ آخر یہ صلاح ٹھہری کہ نوبل صاحب حاکم فوج انگریزی کو چٹھی لکھیں اور جان نثار اس کو چھپا کر گوڑگانوہ' رہتک' کرنال' تین ضلعوں کے دیہات میں چکر کاٹتا ہوا کسی جگہ پنجاب کے راستے میں جا ملے اور وہاں سے انگریزی کیمپ میں داخل ہو۔ جان نثار نے اس کا بیڑا اٹھایا اور چٹھی لے کر روانہ ہوا۔ اس کا پیٹھ موڑنا تھا کہ یہاں نوبل صاحب اور ابن الوقت لگے اس کی واپسی کا حساب کرنے۔ ہر چند دونوں چپے چپے زمین کے جغرافیے سے آگاہ تھے مگر باوجودے کہ کئی دن تک برابر ردوکد ہوتی رہی' جان نثار کی واپسی کی تاریخ پر متفق نہ ہو سکے۔ وجہ کیا تھی کہ جان نثار کو آمد و شد میں جن اتفاقات کے پیش آنے کا احتمال تھا اگرچہ کوئی شخص حتیٰ جان نثار بھی ان کو نہیں جان سکتا تھا مگر ابن الوقت پھر بھی ان کا کسی قدر ناقص' ناتمام' ادھورا اندازہ کرتا تھا اور نوبل صاحب چونکہ خود مستعجل تھے' کسی احتمال مخالف کو اپنے ذہن میں آنے ہی نہیں دیتے تھے۔ تاہم انہوں نے آپ ہی اپنے نزدیک یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ جان نثار کو آج کے پندرھویں دن ضرور ضرور واپس آنا چاہیے۔

ہر چند نوبل صاحب بڑے ہی مستقل مزاج آدمی تھے مگر سچ کہتے ہیں "الانتظار اشد من الموت" جان نثار کی واپسی کے انتظار میں تو ان سے بھی ضبط نہ ہو سکا۔ جان نثار کو گئے ہوئے ایک ہی ہفتہ گزرا تھا کہ انہوں نے بار بار مڑ مڑ کر دروازے کی طرف

Marfat.com

دیکھنا شروع کیا اور دسویں دن سے تو یہ حال ہوا کہ سارے سارے دن دروازے میں کھڑے رہنے لگے۔ ہر چند ابن الوقت گھسیٹ گھسیٹ کر اندر لے لے جاتا تھا مگر قابو ملا اور دروازے میں۔ جب پندرہ دن بھی گذر گئے اور جان نثار کا کہیں پتا نہیں تو نوبل صاحب کی اس دن کی یاس دیکھ کر ابن الوقت بھی بدحواس ہوگیا۔ زخمی ہونے کی حالت میں پھر بھی ان کے چہرے پر ایک طرح کی رونق تھی یا دفعتہً ان کی حالت اس قدر جلد جلد متغیر ہونے لگی کہ جان نثار کے سامنے سے آدھے بھی نہیں رہے تھے۔ بھوک بالکل بند ہوگئی' نیند ایسی اچاٹ ہوئی کہ ساری ساری رات کروٹیں بدل بدل کر صبح کر دیتے تھے۔ آخر جان نثار کی روانگی سے انیسویں دن ابن الوقت نے کہا کہ جان نثار کو جو اس قدر دیر لگی' آپ اس کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں؟

نوبل صاحب: ''کیا بتاؤں' جان نثار کی وفاداری پر شبہ کرنے کی تو میں کوئی وجہ نہیں پاتا۔ اس نے اس مصیبت میں جس قدر میری رفاقت کی' آپ کو معلوم ہے۔ شاید ایسا ہو کہ وہ لوگ جواب کے عوض میرے نکال لے جانے کی فکر میں ہوں اور جان نثار کو میری نشان دہی کے لیے ٹھہرالیا ہو۔''

ابن الوقت: ''میں آپ کی دل شکنی کے ڈر سے عرض نہیں کر سکتا مگر میرا خیال تو یہ ہے کہ جان نثار کو ابھی تک انگریزی کیمپ میں پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا ہو تو عجب نہیں۔''

نوبل صاحب: ''کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میری چٹھی پکڑی گئی۔ نہیں نہیں' ایسا ہو نہیں سکتا۔ جانثار نہایت ہوشیار آدمی ہے اور اس نے چٹھی کو ضرور ایسی طرح چھپایا ہوگا کہ کوئی گمان نہ کر سکے اور خود جانثار کی صورت اور وضع ایسی ہے کہ اس پر جاسوسی یا مخبری کا گمان نہیں ہوسکتا۔ نہیں نہیں' مجھ کو پورا اطمینان ہے کہ وہ چٹھی سمیت صحیح سلامت کیمپ میں پہنچا۔''

ابن الوقت: ''آپ کو کچھ مفصلات کی بھی خبر ہے؟ تمام دیہات میں لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہے' راستے بند پڑے ہیں' اکے دکے کی مجال نہیں کہ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں کا قصد کرے اور ایسی بے تمیزی میں ناحق ناروا کوئی کسی کو مار دے تو کیا لگتا

Marfat.com

ہے۔''

نوبل صاحب: ''اگر آپ نے یہ حال مجھ سے پہلے کہا ہوتا تو میں ہرگز جانثار کے بھیجنے کا ارادہ نہ کرتا۔ افسوس ہے کہ میں نے اپنے فائدے کے لئے اس کی جان کو خطرے میں ڈالا۔''

ابن الوقت: ''میں نے احتمال عقلی کے طور پر عرض کیا ورنہ جانثار ان گنواروں کے بس میں آنے والی اسامی نہیں۔ اس کی جان کی تو ان شاء اللہ سب طرح سے خیر ہے' ہاں رستے میں کہیں اٹک گیا ہو تو خبر نہیں۔ مگر خدا نے چاہا تو صبح شام پہنچنے ہی والا ہے۔

نوبل صاحب: ''آپ صرف دیر کی وجہ سے ایسا قیاس کرتے ہیں یا؟''

ابن الوقت: ''(ہنس کر) نہیں' ایک کوا چھجے پر بیٹھا ہوا کاؤں کاؤں کر رہا تھا' میں نے اپنے ملک کی رسم کے مطابق شگون لیا اور کوے سے کہا جانثار آتا ہو تو اڑ جا۔ یہ کہنا تھا کہ کوا اڑ گیا۔)

ابن الوقت اور نوبل صاحب یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ باہر کے کواڑوں میں سے کھٹکھٹانے کی آواز آئی۔ سنتے ہی ابن الوقت بول اٹھا: لیجئے' الحمد للہ وہ جانثار آ پہنچا''۔ ابن الوقت نے دوڑ کر کواڑ کھولے تو سچ مچ جانثار تھا۔ دور سے نوبل صاحب نے پوچھا ''کہو خیر ہے؟''

جان نثار: (قاعدے کے مطابق سلام کر کے) خداوند حضور کے اقبال سے جواب لایا۔''

نوبل صاحب نے ایسی جلدی کی کہ جوتی کے تلے سے چٹھی کا نکالنا دشوار کر دیا۔ بارے خدا خدا کر کے چٹھی نکلی تو نوبل صاحب اس کو بغور پڑھ رہے تھے اور ان کے منہ کی طرف ابن الوقت کی ٹکٹکی بندھی ہوئی تھی۔ نوبل صاحب کے چہرے سے فکر کے سوائے اور کوئی بات ظاہر نہیں ہوتی تھی' چاہتے تھے کہ چٹھی کو دوبارہ پڑھیں' ابن الوقت نے چٹھی پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا: ''آپ کو ہمارے انتظار کی قدر کرنی بھی ضروری ہے۔ چٹھی کہیں بھاگی نہیں جاتی۔ پہلے خلاصہ فرما دیجئے' تب دوبارہ' سہ بارہ جب تک جی چاہے پڑھا

Marfat.com

کیجئے گا۔"

نوبل صاحب: کوئی خاطر خواہ جواب نہیں آیا۔ لکھتے ہیں کہ ابھی تک ہم لوگ دشمن کے حملوں کو ہٹا رہے ہیں۔ قلعہ شکن توپیں منگوائی گئی ہیں' وہ پہنچ جائیں تب ہمارے دھاوے شروع ہوں۔ اس وقت تک جہاں ہو چپ چاپ بیٹھے رہو۔ جس وقت ہماری طرف کے گولے جامع مسجد کے پار جانے لگیں یا قلعے میں گرنا شروع ہوں تو جاننا کہ توپیں پہنچ گئیں اور پھر وہ امید کرتے ہیں کہ باغیوں کے پاؤں جلد اکھڑ جائیں گے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ تمہارا آدمی سولہویں دن کیمپ میں پہنچا اور اس کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس کو راہ میں بڑی مشکلیں پیش آئیں۔ پس تم دوبارہ اس کو بھیجنے کا قصد مت کرنا۔ شہر میں صدہا آدمی ہندوستان سرکار کے خیر خواہ موجود ہیں اور شہر کی خبریں برابر چلی آتی ہیں۔ جب موقع ہوگا تو کسی خیر خواہ کے ذریعے سے تم کو ایما کر دیا جائے گا اور تم نکل آنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا اور جن صاحب کے گھر میں تم نے پناہ لی ہے ان کے تفصیل حالات اور ان کے مکان کا پتا سب تمہارے آدمی سے دریافت کر لیا گیا ہے۔ ان پر سرکار اور تمام سرکاری عہدہ داران ملکی و فوجی کی احسان مندی کما حقہ طور پر ظاہر کر دینا اور یقین ہے کہ وہ ان تمام وعدوں سے جن کا اس وقت کر لینا بہت آسان ہے' اس کی بہت زیادہ قدر کریں گے۔

ابن الوقت: اس سے بہتر اور کیا جواب ہو سکتا تھا۔ اس جواب کی نسبت کافی اور شافی اور معقول اور مناسب جو کچھ کہا جائے سب بجا ہے۔

نوبل صاحب: مگر میں یوں بے کار پڑے پڑے ضرور مر جاؤں گا۔

ابن الوقت: "آپ مرنے والے ہوتے تو مرنے کے بہت سے مواقع تھے' اب آپ کی زندگی کا میں بیمہ لیتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کی طبیعت بے کاری سے اکتاتی ہے مگر جہاں اتنی مصیبتیں جھیلی ہیں' چندے اور صبر کیجئے۔ میں سمجھتا ہوں مہینے سوا مہینے کے آپ ہمارے مہمان اور ہیں۔"

نوبل صاحب: افوہ! مہینے سوا مہینے۔

Marfat.com

ابن الوقت: اس مدت کے لئے کیا اچھا مشغلہ اس وقت خیال میں آیا ہے۔"

نوبل صاحب: وہ کیا؟

ابن الوقت: حالات غدر کی یاداشت۔

نوبل صاحب: واہ واہ' بہت اچھی صلاح ہے۔ مگر بہت سی باتیں اب مجھ کو اچھی طرح یاد بھی نہیں رہیں۔

ابن الوقت: جہاں تک آپ کو یاد ہے اپنی یاداشت سے لکھیے اور زیادہ درکار ہو تو میرے پاس ہر روز کے واقعات کی تفصیلی کیفیت لکھی ہوئی تیار ہے' آپ چاہیں تو اسے لے سکتے ہیں۔ میرے اور آپ کے درمیان یہ قول رہا کہ اس یادداشت سے کسی کو ضرر نہ پہنچے۔

نوبل صاحب: میں نہیں جانتا کہ غدر کے بارے میں گورنمنٹ کی کیا رائے ہوگی مگر باوجودیکہ غدر سے مجھ کو بڑی تکلیفیں پہنچیں' میں ولایت جانے سے رہا۔ میرے اعزہ و احباب نے مجھے مرا ہوا فرض کر کے خدا جانے اپنا کیا حال کیا ہوگا۔ میں زخمی ہوا' میری زندگی معرض تلف میں رہی' میری گیارہ برس کی کمائی سب برباد ہوئی۔ تین مہینے ہونے کو آئے کہ میں بیکار محض پڑا سڑتا ہوں اور ابھی نہیں معلوم کہ کب تک یوں ہی پڑا سڑوں گا' مجھ کو اپنے یگانوں اور دوستوں کے مرنے جینے کی مطلق خبر نہیں اور یہ بھی خبر نہیں کہ اس ہنگامے کے فرو ہونے تک کیا کیا ایذائیں اور مصیبتیں پیش آنے والی ہیں۔ باوجود ان تمام صدمات کے میں اس ملک کے لوگوں کو' سب کو نہیں تو اکثر کو کسی قدر معذور بھی سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک غدر ایک شورش جاہلانہ ہے۔ ہندوستانی فوج نے سرکاری قوت کا اندازہ کرنے میں غلطی کی۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ ملک کمپنی بہادر نے ہماری مدد سے سر کیا ہے اور ہماری ہی مدد سے اس ملک پر قابض ہے۔ لوگوں کو' کیا رعایا کیا فوج' سرکاری ضوابط اور قواعد سے بھی کسی قدر نارضامندی ضرور تھی اور سرکاری عہدہ داروں نے اس نارضامندی کی مطلق پروا نہیں کی' اور ہزار باتوں کی ایک بات تو یہ ہے کہ سرکار نے صرف بہ زور شمشیر اپنی حکومت قاہرہ کو بٹھانا چاہا اور سلطنت مطمئنہ کی شرط ضروری'

Marfat.com

خوشنودی رعایا' افسوس ہے کہ تمام تر نہیں تو اس کا بڑا حصہ فوت ہوا اور گورنمنٹ کا منشا پا کر عہدہ داران سرکار نے بھی استمالت قلوب خلائق کی طرف ذرا توجہ نہ کی۔ اس صورت میں کمپنی بے شک ہندوستان کی بادشاہ ہے مگر اسی طرح کی بادشاہ جیسے جنگل میں شیر۔ میری ہرگز یہ رائے نہیں ہے کہ غدر کی کھچڑی مدت سے پک رہی تھی یا سوچ بچار کر صلاح ومشورے سے یہ فساد ہوا۔ پس اگر میری رائے پر عمل ہوا اور وہ رائے اس حیثیت سے کہ میری رائے ہے' ہرگز قابل وقعت نہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ گورنر جنرل جیسا مدبر اور منتظم اور صاحب الرائے ضرور تمام اطراف وجوانب پر نظر کر کے حلم اور درگذر کے اصول پر عمل کرے گا اور تب ہی یہ آگ بجھے گی بھی۔ انتقام کا لینا تو ابقائے رعب اور سیاست کے لیے ضرور ہوگا مگر متہم کے ساتھ نہیں۔ جن لوگوں نے کھلم کھلا بغاوت کی اور بغاوت کو پھیلایا اور مسلح ہو کر سرکار کے مقابلے میں معرکہ آرا ہوئے اور جنہوں نے انگریزوں یا ان کے بی بی بچوں کو صرف اس وجہ سے کہ انگریز ہیں' ناحق' ناروا قتل کیا' ایسے اور صرف ایسے ہی لوگوں کو سخت سزا دینی چاہئے۔

ابن الوقت: اب مجھ کو پورا اطمینان ہے کہ میرا روزنامچہ مجھ سے بہتر محفوظ ہاتھ میں رہے گا۔ لیجئے' کتاب حاضر ہے۔

نوبل صاحب کئی ہفتے اس روزنامچے کی بدولت آسانی سے کٹ گئے اور یوں ان کی حالت منتظرہ جو تھی سو تھی ہی مگر روزنامچے کا مشغلہ نہ مل گیا ہوتا تو نوبل صاحب شاید اکتا کر اور بولا کر باہر نکل کھڑے ہوتے۔ نوبل صاحب کا روزنامچہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ غدر کے کوئی دو مہینے اور بیس یا بائیس دن بعد' عشا کی اذانیں ہو رہی تھیں کہ پہلا گولہ قلعے کے دیوان عام میں گر کر پھٹا۔ سارے شہر میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ اس وقت نوبل صاحب اور ابن الوقت دونوں ایک ہی جگہ تھے۔ جوں گولے کا دھماکا ہوا' ابن الوقت چونک پڑا اور یہ کہہ کر اٹھا کہ لیجئے جناب' دہلی کی فتح اور آپ کا ان شاء اللہ مع الخیر و العافیت کیمپ انگریزی میں داخل ہونا مبارک' مبارک' مبارک۔ یہ ضرور قلعے کی آواز ہے۔ جاؤں ذرا اپنی سرکار کی خبر لوں۔ بیگم صاحب تو شہر کی توپوں کی آواز سن کر

Marfat.com

کانپ کانپ اٹھتی تھیں۔ خدا جانے یہ گولہ کس مقام پر گرا۔ الٰہی خیر ہو۔

**نوبل صاحب:** شاید قلعے سے توپ چلی ہو۔

**ابن الوقت:** نہیں جناب' جب قلعے پر توپیں چڑھائی گئیں تو بہت سی بیگمات بلکہ مرشد زادے حضور والا میں فریاد لے کر آئے تھے کہ ہم کو ڈر لگتا ہے' ایسا نہ ہو کہیں ان توپوں کے چھوڑنے کا حکم ہو تو خانہ زاد آواز کے سنتے ہی دہل کر مر جائیں۔ جہاں پناہ نے اسی وقت حکم دے دیا کہ قلعے کی توپوں کے گولہ انداز شہر کی فصیل کے مورچوں پر رہیں۔

اس وقت کا گیا گیا ابن الوقت پانچویں دن نواب معشوق محل بیگم صاحب کے پھول کر کے آیا تو نوبل صاحب کو دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ نوبل صاحب کو معلوم تو ہو ہی گیا تھا' فرمانے لگے کہ بیگم صاحب کے انتقال کا مجھ کو سخت ملال ہے اور آپ سے جس قدر میں نے ان کی مداح سنی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی نیک دل ملکہ تھیں مگر ایسے وقت کا مرنا میں ان کی خوش نصیبی کی دلیل سمجھتا ہوں کیوں کہ آپ کے جہاں پناہ نے اپنے ساتھ نسل تیمور اور تمام خاندان شاہی بلکہ شہر کے برباد اور تباہ کر دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ انہوں نے ملک گیری کی ہوس کی' جب کہ ان کو اور ان کے اعوان و انصار کو ملک داری تو کجا خانہ داری کی بھی لیاقت نہ تھی۔ انہوں نے گورنمنٹ انگریزی کے نزدیک اپنے تئیں محسن کش' ناشکر گزار' غدار ثابت کر دیا۔ انہوں نے ہزارہا خون جو غدر کی وجہ سے ہوئے اور ہو رہے ہیں اور ابھی خدا جانے کتنے اور ہوں گے' اپنی گردن پر لیے۔

**ابن الوقت:** ہر چند میں سمجھتا ہوں کہ بیگم صاحب کا ایسے وقت میں انتقال فرمانا ان کے حق میں بہت ہی بہتر ہوا مگر وہ ہماری آج کی نہیں قدیم کی سرکار تھیں۔ ہمارے سارے خاندان پر ان کے اور ان کے بزرگوں کے احسانات کے انبار ہیں۔

**نوبل صاحب:** بے شک' اپنے محسن اور مربی اور سرپرست اور آقا کی یاد کا تازہ رکھنا شرط مروت اور شیوہ وفاداری ہے مگر میں امید کرتا ہوں کہ ہماری سرکار بھی آپ پر اتنا تو

Marfat.com

ضرور ثابت کردے گی کہ وہ بھی قدر دانی اور حق شناسی میں قلعے کی کسی سرکار سے کم نہیں۔

جس دن قلعہ شاہی پر گولے برسنا شروع ہوئے' فوج باغی کا ضعف اور اہل شہر کا ہر اس کھل پڑا۔ لوگ لگے مال ومتاع چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے اور گولوں نے بھی یہ غضب ڈھانا شروع کیا کہ کلکتے دروازے سے لے کر لاہور دروازے تک شہر کے شمالی حصے میں شاذ و نادر کوئی مکان ان کے صدمے سے بچا ہو تو بچا ہو ورنہ تو سارے دن اور ساری رات ہر طرف سے یہی آواز چلی آتی تھی: ''پھٹ پھٹ اڑا اڑا اڑا دھوں''۔

رفتہ رفتہ ابن الوقت کے محلے میں سے بھی لوگ کھسکنے شروع ہوئے' تب تو ابن الوقت کو سخت تردد پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری عورتوں کے کانوں میں بھی بھنک پڑ جائے اور شہر سے چلے جانے کا ارادہ کریں۔ چنانچہ ابن الوقت نے ایک دن اس خدشے کو نوبل صاحب سے بھی بیان کیا تو انہوں نے فرمایا' جو لوگ شہروں کے جنوبی حصوں میں رہتے ہیں ان کو گولوں کے ڈر سے بھاگنے کی کوئی وجہ نہیں۔ یہ گولہ باری صرف فوج باغی کے ڈرانے کی وجہ سے ہو رہی ہے اور وہ حاصل ہو چکی ہے' کیونکہ سب کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں۔ اب سرکار کو جانوں اور عمارتوں کا نقصان کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ نہیں نہیں! آپ بخوبی اطمینان رکھئے' ہم لوگ گولوں کی گزند سے محفوظ ہیں۔ لیکن ہاں اگر ایسا ہوا کہ شہر کے فتح ہو جانے سے پہلے میرا جانا ٹھہر گیا تو اتنی احتیاط ضرور کرنا کہ مکان میں ہفتے عشرے کا سامان رکھ کے مضبوطی کے ساتھ اندر ہو بیٹھنا۔ فتح مند فوج کے دشمن کا شہر میں داخل ہونا گویا ایک عذاب کا نازل ہونا ہے۔ سامنے پڑا ہوا آدمی بچ نہیں سکتا۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ شہر کے فتح ہونے سے پہلے میں آپ کی حفاظت کا بندوبست کر سکوں گا۔

اگلے دن جو ابن الوقت قلعہ گیا تو دیکھا کہ خود جہاں پناہ بھی بھاگنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ سمجھا کہ اب صبح شام انگریز داخل ہونے والے ہیں۔ وہاں کے کام کاج سے فراغت پا کر گھر کو واپس آ رہا تھا کہ بادشاہ کے خاص الخاص خدمت گار یاقوت نے پیچھے سے آواز دی اور برابر آ کر کہنے گا ''بھلا ہوا کہ میں نے آپ کو جاتے دیکھ لیا ورنہ آپ کے گھر میں جانا پڑتا۔ جو انگریز آپ کے گھر چھپا ہوا ہے یہ چٹھی اس کے نام کی ہے'

Marfat.com

اس کو دے دیجئے گا''۔ یہ کہہ کر یاقوت الٹے پاؤں لوٹ گیا۔ ابن الوقت اپنے دل میں کہتا چلا آتا تھا کہ کس برتے پر تاپانی مردانگی کا وہ حال دیکھ کر ایک دن بھول کر قلعے سے باہر قدم نہ رکھا' بیدار مغزی اس درجہ کی کہ' اپنے خاص الخاص خدمت گار انگریزوں سے ملے ہوئے ہیں' تو بغاوت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ گھر آ کر نوبل صاحب کو چٹھی دی۔ لکھا تھا کہ کل کا دن بیچ پرسوں دو بجے رات سے شہر پر دھاوا ہے۔ آج رات کے آٹھ بجے سے آدھی رات تک ایک لفٹنٹ کچھ گورے لے کر کابل دروازے کے باہر بوعلی شاہ کے تکیہ میں تمہارا منتظر رہے گا۔ دیکھو' موقع ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

غدر سے بہت دنوں بعد تک شہر کے دروازوں پر پہرے چوکی کا ایسا سخت انتظام رہا کہ بے تلاشی کوئی گزرنے نہیں پاتا تھا۔ لوگوں میں تو یہ مشہور تھا کہ اس سے مخبری کا انسداد منظور ہے مگر فی الواقع مردم آزاری کے سوائے کوئی بات نہیں تھی یا اب یہ حال ہوگیا تھا کہ کلکتے دروازے سے لے کر کابلی دروازے تک شہر کے پانچ دروازے تو بالکل بند تھے' لاہوری کھلا ہوا تھا۔ مگر برائے نام' کیونکہ گولے کے ڈر کے مارے کسی کو اس دروازے کے باہر بھی قدم رکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آمد و شد کی بڑی بھرمار پہلے سے بھی دلی دروازے اور ترکمان دروازے پر تھی' جب سے بھاگڑ شروع ہوئی یہ حال ہوگیا تھا کہ سارا شہر انہیں دو دروازوں کی راہ امڈا ہوا نکلا چلا جاتا تھا۔ صلاح یہ ٹھہری کہ اچھی طرح جھٹپٹا ہو لے تو ترکمان دروازے سے نکل چلیں اور باہر باہر گھوم کر تکیہ میں جا داخل ہوں۔

نوبل صاحب جب تک ابن الوقت کے گھر رہے ہندوستانی لباس پہنا کیے اور وہ ایسے جامہ زیب آدمی تھے کہ ہندوستانی کپڑوں میں بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے۔ کپڑے پہنے بیٹھے تھے اسی طرح ابن الوقت اور اس کے دو راز دار ملازموں اور جانثار کو ساتھ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ نوبل صاحب نے صرف اتنی ہی احتیاط کی کہ چادر سے اپنا منہ چھپا لیا' جیسے کسی کی آنکھیں دکھتی ہوں۔ ابن الوقت ان کا ہاتھ پکڑے ہوئے آگے آگے تھا۔ وہ ایسا نفسانفسی کا وقت تھا کہ کوئی کسی کے حال سے معترض نہ ہوتا تھا۔ نہ کسی نے روکا نہ ٹوکا' اچھی خاصی طرح دندناتے ہوئے دروازے کے باہر جا موجود

Marfat.com

ہوئے۔ پھر آگے اجمیری دروازے کے برابر بھی گنتی کے چند آدمی نظر آئے جن کو اپنی دھن میں کسی کی کچھ سدھ نہ تھی۔ وہاں سے آگے بڑھے تو مطلع صاف تھا۔

جنگل سے زیادہ ویران' بیابان سے بڑھ کر وحشت ناک ٹکیہ ابھی صاف طور پر نظر بھی نہیں آیا کہ دور سے ''ہوکنز دیر'' کو آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ نوبل صاحب کو لینے لوگ پہنچ گئے ہیں۔ نوبل صاحب نے پکار کر ''فرینڈز'' کہا تو لیفٹننٹ بریو آگے بڑھے۔ ادھر سے نوبل صاحب جھٹک کر الگ ہوئے۔ دونوں نے ہاتھ ملائے۔ ساتھ کے گوروں نے ''ہرا'' کے ساتھ نوبل صاحب کو نجات کی مبارک دی۔ پھر نوبل صاحب نے وہیں کھڑے کھڑے بریو صاحب سے ابن الوقت کی تقریب کی۔ وہ بیچارے مطلق اردو نہیں بول سکتے تھے' مگر نوبل صاحب ان کی طرف سے ترجمان ہوئے کہ لفٹنٹ صاحب آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ بھی کیمپ کو چلیں۔ ابن الوقت نے اہل و عیال کی تنہائی کا عذر کیا تو لفٹنٹ بریو نے کہا خدا نے چاہا تو کل نہیں پرسوں اس سے بہت پہلے ہم آپ سے مل چکیں گے اور سب سے پہلا سپاہی جو آپ کی حفاظت کے لئے آپ کے گھر پر حاضر ہوگا وہ شاید میں ہوں گا۔ یہ کہہ کر لیفٹننٹ بریو نے جیب سے دو چٹ نکالے۔ ایک تو نوبل صاحب کو دیا اور دوسرا ابن الوقت کو' اور دیا سلائی بھی سلگا کر ابن الوقت کے آگے کر دی۔ ابن الوقت نے لیفٹننٹ صاحب کا بہت شکریہ ادا کیا اور یہ کہہ کر اپنا چٹ نوبل صاحب کو دے دیا کہ آپ جانتے ہیں مجھے اس کی عادت نہیں۔ ابن الوقت نے یہ کہا تو سہی مگر اس کو معلوم نہ تھا کہ انگریزوں کی صحبت میں خدا جانے کیا کیا پینا کھانا اس کی قسمت میں لکھا ہے۔ نوبل صاحب نے بھی ابن الوقت کو نہایت درجے کی احسان مندی کے ساتھ رخصت کیا۔ جان نثار تو نوبل صاحب کے ساتھ ہولیا اور ابن الوقت اپنے دونوں نوکروں کے ساتھ پاس کے پاس فراش خانے کی کھڑکی سے داخل ہو کر شہر کے اندر اندر خوش و خرم گھر پہنچا۔

Marfat.com

## فصل چہارم

# غدر کے بعد ابن الوقت کو کیا کیا مصیبتیں پیش آئیں

ان دنوں دلی کے رہنے والوں میں سے بہت ہی تھوڑے دل مطمئن تھے اور جو قدرے قلیل معدودے چند مطمئن تھے' ان میں ایک ابن الوقت بھی تھا۔ نوبل صاحب اور لیفٹنٹ بریو نے تھوڑی دیر پہلے اس کے ساتھ اس قسم کی مدارات کی کہ سینکڑوں ہزاروں امیدیں اس کے دل میں اُمڈنے لگیں۔ پس اگلا دن غدر کے دوسرے دنوں کی طرح خیریت سے گزرا۔ آدھی رات کا ڈھلنا تھا کہ دلی کے حصے کی قیامت آ گئی' یعنی انگریزوں نے دو طرف سے شہر پر حملہ کیا۔ تھوڑی دیر تو توپیں چلیں اس تسلسل کے ساتھ کہ جیسے کبھی زور کی مہاوٹ میں بجلی ہے کہ برابر کوند رہی ہے اور گرج ہے کہ ایک لمحے کو نہیں تھمتی اور پھر بندوقیں چلنا شروع ہوئیں۔ ابن الوقت کو دور سے بس ایسا سن پڑتا تھا کہ بھاڑ میں گویا چنوں کے گھان بھن رہے ہیں۔ پہر سوا پہر دن چڑھتے چڑھتے بارے وہ شدت تو کم ہوئی مگر بندوقوں کی آواز پھٹ پھٹ ادھر سے' ادھر سے چلی ہی آتی تھی۔ پھر ایسا سن پڑا کہ انگریز جا بجا مکانوں میں گھس بیٹھے ہیں اور باغی ہیں کہ بولائے بولائے پڑے پھرتے ہیں۔ اصل حال نہیں کھلتا کہ جیت کس کی رہی۔ غرض جوں توں شام ہوئی اور سچ پوچھو تو شہر کے تمام جنوبی حصے میں دن بھی رات ہی کی طرح اداس تھا۔ بوڑھے سے بوڑھے آدمیوں کی ساری عمر امن میں گزری ایسی لڑائیاں کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھیں۔ مار کٹائی میں اگر کسی کے خون نکل آیا تو سارے شہر میں کئی کئی دن اس کا چرچا رہتا تھا۔ اب ہر شخص اپنی جگہ ایک رائے لگاتا تھا جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا تھا کہ بس جو کچھ ہونا تھا ہو چکا' رات کو رہے سہے باغی بھی اپنا منہ کالا کر جائیں گے۔ شکر ہے مدتوں میں نیند بھر کر سونا تو نصیب ہوگا۔ دوسرا پیشین گوئی کرتا ہے کہ لڑائی کا پیچھا ہی بھاری ہوتا ہے انگریز اس قدر غضب ناک ہو رہے ہیں کہ شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں تو سہی۔ تیسرا بول پڑتا ہے کہ نہیں جی ایسا نہیں ہو سکتا شہر کو مسمار کر دیں گے تو

Marfat.com

حکومت کا ہے پر کریں گے' ڈلوں پر' پتھروں پر؟ چوتھا یہ صلاح دیتا ہے کہ دو چار دن گھر سے باہر نکلنا ٹھیک نہیں' آدمی سامنے پڑا اور ٹھائیں سے اڑا دیا۔

یہ اور ان سے بہت زیادہ باتیں خود ابن الوقت کے گھر میں ہو رہی تھیں کہ کوئی پہر ڈیڑھ پہر رات گئے سڑک کی طرف بڑے زور سے گھوڑے کی ٹاپ سنائی دی اور پھر معلوم ہوا کہ سوار مکان کے برابر آ ٹھہرا۔ چند لمحے کے بعد کسی نے ابن الوقت کا نام لے کر پکارا۔ سب کو حیرت ہوئی کہ ایسے اندھیرے میں کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا' کون آیا ہوگا۔ ابن الوقت نے دروازے کے پاس جا کر آہٹ لی تو معلوم ہوا کہ جان نثار ہے۔ گھبرا کر پوچھا: ''کیا صاحب بھی ہیں؟''

جان نثار: ''ہوں تو میں اکیلا مگر صاحب کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ ان کی نوکری کوڑیا پل کے مورچے پر ہے' مورچہ چھوڑ کر نہیں آ سکتے۔ مجھ کو دوڑایا ہے کہ ہم سب لوگ سمجھتے تھے کہ شہر ایک دن میں فتح ہو جائے گا مگر ابھی تک باغی موجود ہیں۔ نہیں معلوم کتنی لڑائیاں شہر پناہ کے اندر ہوں۔ عین لڑائی میں دوست دشمن کا امتیاز نہیں ہو سکتا۔ آپ مال متاع کا ہرگز لالچ نہ کیجئے' فقط جانیں لے کر راتوں رات شہر سے باہر نکل جایئے۔ جب اچھی طرح تسلط بیٹھ جائے گا تو آپ ہم مل لیں گے۔ صبح ہوتے ہوتے خود تمہارے ہی محلے پر دھاوا ہے۔

جلدی جلدی اتنا کہہ کر جان نثار تو چلتا ہوا' ابن الوقت یہ پیام سن کر کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ پھر تھوڑی سی دیر بعد ہوش آیا تو سارے گھر کو سر پر اٹھا لیا کو چلو چلو نکلو۔ اس وقت تک نوبل صاحب کا حال ابن الوقت نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا تھا۔ اب اس کے غل مچانے پر جو لوگوں نے حجت شروع کی اور الکسائے تو اس کو بے مجبوری ساری حقیقت بتانا پڑی۔ رات کا وقت' بال بچوں کا ساتھ اور دفعتہً گھر سے نکلنا اور وہ بھی محض بے سروسامانی سے خیر وہ تو جان ہی کچھ ایسی پیاری تھی کہ ہچکچا کر' کچل کر' نکلے پر نکلے۔

ابھی کوئی سو قدم بھی گھر سے دور نہیں جانے پائے تھے کہ جیسا جان نثار نے کہا تھا محلے پر اولوں کی طرح گولوں کی بارش ہونے لگی۔ دو ہفتے کامل شہر کے باہر خدائی خوار خاک چھانتے پڑے پھرے۔ دن کو کوٹلے میں ہیں تو رات کو عزب سرائے میں' آج پہاڑ

Marfat.com

گنج ہیں' تو کل قدم شریف۔ جہاں جاتے کوئی کھڑے ہونے تک کا روادار نہیں ہوتا۔ بارے سنا کہ پٹیالے والے کے حکیم خواجہ باقی باللہ میں ہیں اور ان کی وجہ سے وہاں سرکاری پہرہ بیٹھا ہے اور امن ہے۔ رشتہ نہیں' قرابت نہیں مگر' الغریق یتشبث بالحشیش' آنکھوں پر ٹھیکری رکھ کر چلے کہ شاید ہم وطنی کا پاس کریں۔ گرتے پڑتے ہوئے سڑک کو بچائے چلے جاتے تھے' اور کچھ راہ گیر شہر کے جلال وطنوں میں سے سڑک پر بھی تھے' یکا یک کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ سوار ہیں اور سڑک پر پکڑ دھکڑ ہو رہی ہے۔ ان لوگوں نے چاہا کہ دبے پاؤں آڑ میں ہو لیں۔ سوار گھوڑا دوڑا کر سر پر آ موجود ہوا اور مضبوط مضبوط آدمیوں کو چن چن کر کشاں کشاں سڑک پر لے گیا۔ معلوم ہوا کہ لوٹ کے مال کے کچھ گٹھر ہیں' ان کو اٹھوا کر رسالے میں لے جانا چاہتے ہیں اور رسالہ وزیر آباد میں ہے' یہاں سے کچھ نہیں تو چار کوس اور دلی کے مرزا منشوں کے حق میں ہزار کوس۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر' قریب تھا کہ ایک گٹھرا ابن الوقت کو بھی سر پر لادنا پڑے' اتنے میں رجال الغیب کی طرح چند انگریز گھوڑوں پر سوار آ پہنچے۔ ان کو دیکھ کر لوگ لگے فریاد کرنے کہ دیکھئے خداوند ہم کو بیکار پکڑتے ہیں۔ اتفاق سے انگریزوں میں نوبل صاحب تھے اور بیگاروں میں ابن الوقت۔ دونوں کی آنکھیں دو چار ہوئیں' آنکھوں کا چار ہونا تھا کہ نوبل صاحب گھوڑے سے کود' دوڑ کر ابن الوقت کو لپٹ گئے اور اپنے ساتھیوں سے کہا:

''یہ وہی صاحب ہیں جنہوں نے مجھ کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی''۔ ان انگریزوں نے بھی اتر کر ابن الوقت کے ساتھ بڑے تپاک سے ہاتھ ملائے۔

اور انگریز تو چلے گئے' نوبل صاحب وہیں ٹھہرے رہے اور سوار جو بیگار [illegible] تھے' انھی میں سے ایک کو کوتوال کے پاس دوڑایا کہ جلد' گاڑی' بہلی' رتھ جو کچھ ملے آؤ۔ سواریوں کے آنے اور لوگوں کے سوار کرنے اور گھر تک پہنچانے میں کل تین ساڑھے تین گھنٹے لگے مگر واہ رے نوبل صاحب ٹلنے کا ہی نام نہیں لیا۔ ابن الوقت نے مکان پر پہنچ کر دیکھا کہ جنگی سپاہی باہر دروازے پر کھڑا پہرہ دے رہا ہے اور بڑے بڑے موٹے موٹے حرفوں کا اشتہار لگا ہوا کہ یہ مکان خیر خواہ سرکار کا ہے' کوئی اس کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھے۔

Marfat.com

ہوا یوں کہ جس وقت نوبل صاحب نے جان نثار کی زبانی ابن الوقت کو شہر سے باہر نکل جانے کے لئے کہلا بھیجا تھا اسی وقت سے تاک میں تھے' قابو پاتے ہی پہرہ بیٹھا دیا۔ باغیوں اور شہر والوں میں سے تو بھاگنے میں سے کسی کو لوٹ کھسوٹ کی سوجھتی نہ تھی لوگوں کی اپنی ہی جان دوبھر تھی۔ رہ گئے سرکاری سپاہی اور فوج کے سقے' دھوبی' گراس کٹ وغیرہ' انہوں نے سارے شہر کو دھڑی دھڑی کر کے لوٹا۔ اوپر کا رکھا دھرا اسباب تو کسی کا ایک تنکا نہ بچا' گڑا و بالمال بھی کھود کھود کر نکال کر لے گئے۔ ابن الوقت کے مکان پر بھی سارا دن اور پہر رات گئے تک یہی تانتا لگا رہتا تھا کہ ایک گیا ایک آیا مگر پہرہ اور اشتہار دیکھا اور کان دبا کر چلتے بنے۔ غرض خدا کے فضل سے ابن الوقت کے گھر میں سے ایک سوئی تک نہیں گئی جیسا چھوڑ کر گئے تھے ویسا ہی آ دیکھا۔

Marfat.com

## فصل پنجم

# کوئین وکٹوریہ نے زمام سلطنت ھند اپنے ہاتھ میں لی

# دربار.....ابن الوقت کو صلہ خیر خواہی ملا

اب نوبل صاحب ابن الوقت کو گھر میں بسا کر چلنے لگے تو اس کو سمجھا گئے کہ ہر چند شہر کامل طور پر فتح ہوگیا ہے مگر مفصلات میں بدستور بدانتظامی ہے' اکثر جگہ سرکاری تھانے تک نہیں بیٹھے۔ صاحب لوگوں میں سے کسی کو دم مارنے کی فرصت نہیں اور شاید آج رات کو جھجر پر دوڑ جانے والی ہے' عجب نہیں مجھ کو بھی جانا پڑے۔ آپ اطمینان سے گھر بیٹھے رہیے' جب موقع ہوگا میں خود آپ کو بلوا بھیجوں گا۔ شاموں شام جاں نثار ہزار روپے کا توڑا لے کر دے گیا کہ صاحب نے مدد خرچ کے لئے دیا ہے اور پھر نوبل صاحب ایسے غائب ہوئے کہ ابن الوقت کو مدت تک ان کا کچھ حال ہی معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہیں اور کیا کرتے ہیں۔

اس اثناء میں شہر کے بسنے کی بندی بھی کسی قدر کھل گئی تھی۔ لوگ یوں ڈر کے مارے اپنی اپنی جگہ ٹھٹکے ہوئے تھے' تاہم شہر میں اکثر محلے اور محلوں میں اکثر آدمی آباد ہوگئے تھے۔ یہاں تک کہ امن عام کی منادی گلی گلی کوچے کوچے پھرنے لگی اور معلوم ہوا کہ ملکہ معظمہ نے کمپنی سے ملک نکال کر اپنے اہتمام میں لیا اور بڑی دھوم کا جشن ہونے والا ہے۔ کل جشن ہوگا اور نوبل صاحب کی کچھ خبر نہیں۔ کوئی چار گھڑی دن رہتے رہتے کمشنری کا چپراسی ابن الوقت کے نام کا ایک لفافہ لایا' شرکت جشن کے بلاوے کا خط تھا۔ ابن الوقت جی ہی جی میں بہت زچ ہوا کہ مجھ کو انگریزی دربار میں جانے کا کبھی اتفاق نہیں ہوا' حکام میں کسی سے معرفت نہیں' کیا نوبل صاحب کو ایسے ہی وقت میں مجھے چھوڑ کر چلے جانا تھا۔ بارے کشاں کشاں گیا تو نوبل صاحب کو موجود پایا۔ آج پہلا دن تھا کہ ابن الوقت نے نوبل صاحب کو ان کی اصلی شان میں دیکھا۔ بیسوں انگریز اور

Marfat.com

ہندوستانی رئیس (اگر چہ اب رئیس کہاں تھے) ان کو گھیرے ہوئے اور نوبل صاحب دربار کے اہتمام میں ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر دوڑے دوڑے پھر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک تو ابن الوقت کو انہوں نے دیکھا تک نہیں مگر جب ان کی نظر پڑی' فوراً اس کے پاس آ کر ہاتھ ملا کر کہنے لگے: ''میں رات کے دس بجے آیا۔ اس وقت مجھے آپ سے بات کرنے کی مطلق فرصت نہیں۔ وہ فلاں نمبر کی کرسی آپ کی ہے' وہاں بیٹھئے۔ آج (ذرا سوچ کر) بلکہ کل بھی میں آپ سے نہیں مل سکوں گا۔ پرسوں نو بجے سے گیارہ بجے تک جس وقت آپ کا جی چاہے آپ مجھ سے ٹامس صاحب کی کوٹھی پر مل سکتے ہیں''۔

ابن الوقت نے شاہی دربار بہتیرے دیکھے تھے۔ ان میں ان گئے گزرے وقتوں میں رونق کہو' شان کہو' صرف درباریوں کے زرق برق کی تھی' وہ بھی پرانی جامہ داریں' دقیانوسی پشمینے۔ اس دربار میں سارے دربار شاہی کے مول کا تو ایک قالین ہوگا اور شامیانے اور خیمے اور میز اور کرسی اور جھاڑ فانوس اور تصاویر اور اسباب آرائش کا تو کون اندازہ کر سکتا تھا۔ ابن الوقت نے آج جانا کہ ساری رونق سادگی اور صفائی میں ہے۔ غرض شاہی اشتہار پہلے انگریزی میں اور پھر اردو میں پڑھا گیا' میدان دربار اور چھاؤنی اور قلعے سے تیہری شاہی سلامی سر ہوئی' انگریزی باجے بجنے لگے' نذریں گزرنی شروع ہوئیں۔ اب خیر خواہان سرکار کا نمبر آیا۔ ابن الوقت دل میں اپنی خیر خواہی پر بڑا نازاں تھا۔ اب معلوم ہوا کی خاص شہر کے خیر خواہوں کی فہرست میں اس کا نمبر 125 ہے۔ بہر کیف جب ابن الوقت کی نوبت آئی اور اس کا نام پکارا گیا تو صاحب کمشنر نے اس کو سامنے کھڑا کر کے اپنے ہاتھ سے نادان سنگھ جاٹ' باغی زمیندار ضلع گڑگانوہ' کے علاقہ منضبط میں سے موضع کھیر کا پور (خیر خواہ پور) جمعی تین ہزار روپے سالانہ کی سند زمینداری نسلاً بعد نسل' دستخطی مہری لاٹ صاحب' حوالے کی اور نوبل صاحب نے کمشنر صاحب کے پیچھے سے گردن نکال کر اشارہ سے وہیں مبارکباد دی۔

ابن الوقت کی خیر خواہی کا چرچا تو اسی دن سے لوگوں میں ہونے لگا تھا جس دن کہ دلی فتح ہوئی۔ آج کے دربار نے اس کو اور بھی مشتہر کر دیا اور معرفت قرابت کے لوگ جو

Marfat.com

ہنوز شہر کے باہر خانہ بدوش پڑے پھرتے تھے' آسراپا کر کچھ سنتے کے ساتھ لوٹ آئے اور کچھ لوٹنے کے سامان کرنے لگے۔ مگر ابن الوقت عجیب کھرے' روکھے' کھردرے اکھڑ انگریز مزاج آدمی تھا کہ یوں بے غرض اس سے ملو جلو' ملاقات کرو' خوش گپ' خوش مزاج' خوش صحبت' اور حرف مطلب زبان پر آیا نہیں اور اس نے دوٹوک ٹکا سا جواب پتھر کی طرح منہ پر کھینچ مارا نہیں۔ اگر سیدھی طرح لوگوں سے کہہ دیا کرتا کہ انگریزوں کو معاملے' مقدمے میں سفارش کی چڑ ہوتی ہے یا میں صاف طور پر سفارش کرتے ہوئے ڈرتا ہوں یا موقع پاؤں گا تو کلمتہ الخیر سے دریغ نہیں کروں گا' تو شاید لوگ اس سے اس قدر بے دل نہ ہوتے مگر اس کا تو یہ حال تھا کہ کسی نے پیٹھے پر ہاتھ رکھا اور اس نے دولتیاں جھاڑنا شروع کی۔

اگر چہ ابن الوقت کی کج مدارتی سے لوگوں کے دلوں میں اس کی طرف سے نفرت پیدا ہوگئی تھی مگر اپنی عرض کو ''مرا بے خبر تو امید نیست بد مرساں'' اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ اور کچھ نہیں تو اتنی ہی بات کے بہانے سے گھڑی دو گھڑی کو آ بیٹھتے کہ آپ نے تو غضب ہی جرأت کی' ایسی شورش میں انگریز کو میگزین سے اٹھا کر لائے اور گھر میں پناہ دی۔ منہ پر کہنا تو خوشامد ہے مگر سچ تو یہ ہے کہ رستم کو بھی مات کیا۔

دوسرا: خیر بہادری تو بہادری' کمال تو یہ تھا کہ نافِ شہر میں مجمع مجاہدین یعنی خانقاہ کے زیرِ سایہ انگریز چھپا رہا اور کسی کے فرشتوں کو خبر نہ ہوئی۔

تیسرا: بھلا انگریزوں کی قدردانی کو تو ذرا ملاحظہ کیجئے کہ اس جان جوکھم کے صلے میں دیا تو کیا دیا' تین ہزار کی زمینداری۔ اے جناب! یہ ملک بخش دینے کے کام ہیں۔ ہائے' آج کو شاہجہان ہونا تھا۔

چوتھا: اجی ابھی کیا خبر ہے۔ انگریزوں کے یہاں زمین کے دینے کا دستور نہیں' مگر ڈپٹی کر دیں' صدر اعلیٰ کر دیں' کابل میں سفیر یا کسی ریاست میں وزیر بنا کر بھیج دیں' جو چاہیں سو کر سکتے ہیں اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ کریں گے' پر کریں گے میں آپ کو دکھا دوں گا۔

Marfat.com

کھلی خوشامد ہوتی تو ابن الوقت بھی ایسا نرا احمق نہ تھا کہ سن کر اظہار بشاشت کرتا مگر عیار لوگ دوشالوں میں لپیٹ لپیٹ کر جوتیاں مارتے تھے اور یہ جھانسے میں آ کر فخر کے طور پر ایک ایک کے آگے غدر کی حکایتیں بیان کر کے داد چاہتا تھا۔ جب لوگ اس کو بھرے پر چڑھا لیتے تو باتوں ہی باتوں میں یہ بھی پوچھتے ''کیوں صاحب' پھر وہ انگریز کپڑے کیسے پہنتا تھا''۔

**ابن الوقت:** جب صاحب کو ہم لاشوں میں سے اٹھا کر لائے تو ان کے کپڑے تمام خون میں لت پت تھے۔ صاحب کو اپنے تن بدن کی مطلق خبر نہیں اور اس وقت تک ہم میں سے بھی کسی کو معلوم نہیں کہ کہاں کہاں زخم لگے ہیں۔ جو کپڑے پہنے ہوئے تھے' بہتیرا چاہا کہ چیر کر الگ کر دیں مگر کپڑے اس بلا کے ڈھٹ تھے کہ پھاڑے نہیں پھٹتے تھے۔ ہار کر قینچی سے کترے۔ جب تک صاحب ہمارے گھر رہے' یہی ہم طرح کے لوگوں کے ہندوستانی کپڑے پہنے رہے مگر طنزاً نہیں نصیحتاً اکثر کہا کرتے افسوس' ہندوستان کے لوگ مطلق عقل سے کام نہیں لیتے۔ ایک کپڑے ہم لوگ پہنتے ہیں کہ برسوں پھٹنے کا نام نہیں لیتے اور ایک کپڑے یہ ہیں کہ پہنے اور کھسکے۔ ایسے نازک اور مہین کپڑے عورتوں کی زیب و زینت کے لئے زیادہ مناسب ہیں۔ مردوں کو خدا نے اسی غرض سے زیادہ توانائی دی ہے کہ ان کو محنت اور مشقت کرنی ہے۔ ہندوستانیوں کا لباس ان کی کاہل اور آسائش طلبی کی دلیل ہے۔ میں دیکھتا ہوں تو اس لباس میں چستی اور چالاکی باقی نہیں رہ سکتی۔

**ہم نشین:** بھائی صاحب' ان کے کھانے کا آپ نے کیا انتظام کیا تھا؟

**ابن الوقت:** انتظام کیا کرنا تھا' جو کچھ گھر میں پکتا تھا' صاحب بھی کھا لیا کرتے تھے۔ البتہ اتنا اہتمام کرنا پڑتا تھا کہ ان کے کھانے میں نمک مرچ نہیں ڈالی جاتی تھی۔ ایک نمک دان میں پسا ہوا نمک' دوسرے میں کالی مرچیں ان کے لئے الگ لگا رکھتے تھے۔ ہندوستانی کھانوں میں پلاؤ' کباب' سموسے' فیرینی' ہلکی ہلکی مٹھائیاں' زیادہ رغبت سے کھاتے تھے۔

Marfat.com

ہم نشین: آپ نے ان کے برتن الگ کر دئے ہوں گے؟

ابن الوقت: بھائی سچی بات تو یہ ہے کہ ہم نے تو برتن بھانڈ کچھ الگ ولگ نہیں کیا۔ کھانا ہمارا' برتن ہمارے' پکانے والے ہم' پھر الگ کرنے کی وجہ؟

ہم نشین: آخر وہ تھا تو انگریز۔

ابن الوقت: انگریز تھا تو ہونے دو۔ کھانے میں تو کوئی حرام چیز نہیں ہوتی تھی۔

ابن الوقت نے اس بات کو ذرا زور سے کہا تو ہم نشین سمجھ گیا کہ میرا کہنا ناگوار طبع ہوا۔ بے چارہ تھا ابن الغرض' دم بخود ہو کر رہ گیا۔ مگر اس کے بعد سے لوگ ابن الوقت کے حقے پان سے ذرا سا احتراز کرنے لگے تھے۔

Marfat.com

## فصل ششم

### غدر کے بعد ابن الوقت اور نوبل صاحب کی پہلی تفصیلی ملاقات۔ ابن الوقت نے نوبل صاحب کے ساتھ میز پر چھری کانٹے سے کھانا کھایا

دربار کے مجمع میں نوبل صاحب نے اپنی ملاقات کا وقت بتا ہی دیا تھا' دربار کے تیسرے دن ابن الوقت ٹامس صاحب کی کوٹھی پر جا موجود ہوا۔ کوٹھی بجائے خود ایک چھاؤنی تھی۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ زرد بنگلے میں ہیں۔ بنگلے کا احاطہ الگ تھا۔ دیکھتا کیا ہے کہ احاطے کے بیرونی دروازے پر ملاقاتیوں کی سواریاں کھڑی ہیں۔ دروازے کے اندر چھوٹا سا مگر وسعت پیش صحن کے مناسب چمن ہے' خوب صورت' آراستہ و پیراستہ' اور اتنے ہی سے چمن میں چار مالی کام کر رہے ہیں۔ درختوں کی شادابی' سڑکوں کی صفائی' روشوں کی درستی کہے دیتی ہے کہ مالی صرف نوکری کے ڈر سے نہیں بلکہ اپنے شوق سے بھی کام میں لگے لپٹے رہتے ہیں۔ پر ہاں' کیاریوں کی قطع اور درختوں کے انتخاب سے ایک خاص سلیقہ اور مذاق ظاہر ہوتا ہے جو کسی مالی کے بس کا نہیں۔

ابن الوقت اس چمن میں جا بجا رکتا' ٹھٹکتا برآمدے تک پہنچا تو ملاقاتیوں کا ہجوم تھا! بعض کرسیوں پر تھے' بعض فرش پر اور بعض (شاید امیدوار ہوں) برآمدے کے دونوں طرف نیچے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ نوبل صاحب کے آدمی ابن الوقت کو جان پہچان تو چکے ہی تھے' آتا ہوا دیکھ سب نے اسے کھڑا ہو کر سلام کیا اور اتنی اس کے ساتھ خصوصیت برتی کہ ایک الگ کمرے میں لے جا کر بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک چپراسی نے آ کر خبر دی کہ صاحب کو آپ کی اطلاع ہو گئی ہے۔

ابن الوقت: پھر صاحب نے کیا فرمایا؟

Marfat.com

چپراسی: آپ نے دیکھا کتنے آدمی آپ سے پہلے کے آئے ہوئے بیٹھے ہیں۔

ابن الوقت: کیا یہ سب ہولیں گے' تب میرا نمبر آئے گا؟

چپراسی: ان لوگوں کی ملاقات چار چار پانچ پانچ منٹ بلکہ صاحب نے آپ کا آنا تو سن ہی لیا ہے' لوگوں کو جلد جلد رخصت کریں گے۔ کیا کہیں صاحب' ہمارے صاحب کا مزاج ہی اس طرح کا ہے کہ کوئی آ کھڑا ہو تو اس کو جواب نہیں دیتے۔ ملنے کے تو بڑے دھنی ہیں اور اسی وجہ سے ہمیں چھٹی نہیں ملتی' نہیں تو اب تک کبھی کے آپ کے سلام کو حاضر ہوئے ہوتے۔ اتوار کو ضرور سارے شاگرد پیشہ پیش ہوں گے' سب لوگ بڑی آس لگا رہے ہیں۔

ادھر نوبل صاحب اپنی جگہ ابن الوقت کے خیال سے واقع میں دو ہی دو باتیں کر کے لوگوں کو اوپر تلے ٹال رہے تھے' پھر بھی ابن الوقت کو آدھ گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا۔ اس کی ملاقات نوبل صاحب کے ساتھ ایسی حالت میں شروع ہوئی کہ نوبل صاحب کی اس وقت کچھ ہستی ہی نہ تھی۔ اس کے بعد سے جب جب نوبل صاحب سے ملے' منصبی اور قومی تعزز ہر حال میں ان کے ساتھ تھا۔ خواجہ باقی باللہ کی سڑک پر جب کہ ابن الوقت بیگار میں پکڑا ہوا ایک گٹھڑا اٹھانے کو تھا' نوبل صاحب کو اس نے دیکھا کئی انگریزوں کے ساتھ عربی گھوڑے پر سوار۔ پھر دربار میں دیکھا تو دربار کا اہتمام کرتے ہوئے انگریزوں میں پیش پیش۔ پھر آج اپنے اپنے بنگلے پر کہ ملاقاتیوں کی سواریاں دروازوں پر کھڑی ہیں اور شہر کے بیسیوں رئیس سلام کے منتظر حاضر۔ شاگرد پیشہ لوگوں کی یہ کثرت کہ احاطہ بجائے خود ایک چھوٹا سا محلّہ معلوم ہوتا ہے۔ ہر قسم کی متعدد سواریاں احاطے کے اس سرے سے اس سرے تک بھری پڑی ہیں۔ بنگلے کے تمام کمرے' فرش' پردہ چلمن' میز کرسی' شیشہ آلات آرائش اور آسائش کے سامان سے سجے ہوئے ہیں۔ ابھی چند دن ہوئے کہ غدر کے دنوں میں اس کوٹھی کے کسی کمرے کی چھت تک باقی نہ تھی یا اب دو ہی مہینے میں ''الحکومت نصف الکرامت'' نئے سرے سے مکان بھی بن گیا' رنگ بھی پھر گیا' ہر طرح کا سامان بھی مہیا ہو گیا' باغ بھی لگ گیا یعنی جہاں کچھ نہ تھا وہاں

Marfat.com

سب کچھ ہوگیا۔ چار چپراسی اور پانچواں جمعدار' اتنے آدمی صاحب کے کمرے سے ایک کمرہ چھوڑ کر دروازے سے لگے بیٹھے ہیں' اندر سے آواز آئی اور دوڑے۔

نوبل صاحب کی شان اگرچہ ابن الوقت کو پہلے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا مگر اس بات کا اس کو حق الیقین تھا کہ ایک غدر نہیں ایسے ایسے ہزاروں غدر کیوں نہ ہوں' انگریزی عمل داری جانے والی نہیں بلکہ غدر کے بعد جو تسلسل بیٹھے گا' پہلے سے زیادہ مستحکم اور پائیدار ہوگا۔ وہ خوب سمجھے ہوئے تھا کہ اگر اس وقت اتفاق سے کوئی انگریز بلکہ کوئی کرانی بھی نوبل صاحب کی طرح کہیں بھیگی بلی بنا بیٹھا ہے' وہ حقیقت میں شیر ببر ہے' فی الحال گرد و غبار ہے اور بہ اعتبار مآل سوار ہوا۔ مگر ابن الوقت کی خودداری ایسی بڑھی ہوئی تھی کہ نہ تو اس نے اس بات کا خیال کیا کہ جو لوگ عزت میں' مقدرت میں اور شاید سرکاری خیر خواہی میں بھی اس پر ہر طرح کی ترجیح رکھتے ہیں' برآمدے میں بٹھائے گئے ہیں اور یہ کمرے میں' اور نہ اس پر نظر کی کہ جو لوگ آنے میں اس سے اقدم ہیں' از روئے انصاف ان کو ملاقات میں بھی اقدم ہونا چاہئے۔ آدھ ہی گھنٹے کے انتظار میں یہ ایسا اکتایا کہ بار بار چپراسیوں سے ترش روئی سے پوچھتا تھا کہ اب کتنے آدمی اور ہیں؟ کہیں تم نے میری اطلاع میں یا صاحب نے سمجھنے میں تو غلطی نہیں کی؟ اس کو اپنے زعم میں منتظر بٹھائے جانے سے خجالت تھی اور وہ اس خجالت کے ٹالنے کو کمرے میں ٹہلتا اور کتابوں اور تصویروں اور دوسری چیزوں کو جگہ سے ہٹا کر دیکھتا۔ اگرچہ اس نے کسی چیز کو بے ٹھکانے نہیں کیا مگر چپراسی اس کی یہ آزادی دیکھ کر دل میں بہت ناخوش تھے اور دور ہٹ کر چپکے چپکے آپس میں کہتے تھے: ''یہ بھی عجب آدمی ہے کہ ایک دم اس سے نچلا نہیں بیٹھا جاتا اس کو کمرے میں بٹھانا ہی نہیں تھا۔''

جمعدار: میاں ہوش کی بنواؤ' تمہیں خبر بھی ہے کہ یہ کون ہیں۔ غدر میں صاحب انہیں کے گھر میں تھے۔ ان کو برآمدے میں بٹھا دیتا اور صاحب کی نظر پڑ جاتی تو سب کی شامت آجاتی۔

چپراسی: اجی جمعدار' خیر خواہی کی تو ہماری سر آنکھوں پر' پر سرکار دربار کہ کچھ ادب بھی

Marfat.com

ہے یا نہیں؟ حاکم کی ڈیوڑھی پر امیر' رئیس' راجا' بابو' نواب' زمیندار کا بھی آتے ہیں اندر جا کر چاہے صاحب کی گود میں بیٹھتے ہوں' پر باہر تو ہم نے سب کا ایک ہی قاعدہ دیکھا' ہاتھ باندھے سر جھکائے' چپ چاپ۔ کل تم نے لوہارو والے نواب کی طرف خیال نہ کیا ہوگا۔ صاحب کو غسل خانے میں دیر ہوئی تو اس کمرے میں تھے۔ کھانسی اٹھی تو آواز کی گونج کے ڈر کے مارے کھڑکی کے باہر منہ نکال کر اور رومال رکھ کر کھانسے اور میں نے اگال دان لانے کو پوچھا تو اشارے سے منع کر دیا۔

جمعدار: کیا مضائقہ ہے ان کو صاحب لوگوں سے ملنے جلنے کا اتفاق نہ پڑا ہوگا۔

چپراسی: میں تو انعام لینے جاؤں گا تو ضرور اتنی بات ان کے منہ میں ڈال دوں گا۔

جمعدار: نہیں جی تمہیں کیا پڑی۔

چپراسی: مجھے پڑی یہ کہ اب ان سے صاحب سے ٹھہری خصوصیات' ان کا روز کا نہیں تو تیسرے چوتھے دن کا پھیرا ضرور ہوا کرے گا اور ہمارے صاحب کے پاس باہر کے ایک دو صاحب لوگ ہمیشہ ٹھہرے ہی رہتے ہیں۔ بعضا انگریز ایسا بدمزاج ہوتا ہے کہ کالے آدمی کی صورت سے جلتا ہے' وہ اگر ایسی بدتمیزی دیکھ پائے تو ڈک سے یا بوٹ کی ٹھکر سے خبر لے' انھی کی نہیں بلکہ ہم لوگوں کی بھی۔

اتنے میں نوبل صاحب کی باہر نکلنے کی آہٹ سی معلوم ہوئی' سارے چپراسی اور جس قدر لوگ ملاقات سے رہ گئے تھے' سب کے سب ایک دم سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جو شخص صاحب کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اندر سے آئے تھے وہ دروازے سے سلام کر کے رخصت ہوئے۔ باقیوں کو صاحب سلامت کے بعد صاحب نے رخصت کر دیا کہ آج دیر بہت ہوگئی اور خود ابن الوقت کے کمرے میں چلے گئے۔

پہلی بات جو صاحب نے ابن الوقت سے کہی تھی وہ یہ تھی کہ میں افسوس کرتا ہوں کہ آپ کو اتنی دیر انتظار کرنا پڑا۔ آپ کے شہر میں مخبری کا بازار اس قدر گرم ہو رہا ہے کہ جس نے کچھ نہیں کیا وہ خوف کے مارے پریشان ہے کہ دیکھئے کوئی کیا جا کر لگا دے اور حکام کی نظر ہے سخت' اس سے لوگ اور بھی ہراساں ہیں۔ ابن الوقت کچھ کہنا چاہتا تھا کہ

Marfat.com

صاحب بول اٹھے: ''مجھ کو آپ سے بہت دیر تک باتیں کرنی ہیں اور کھانا بھی میز پر رکھا جا چکا ہے' چلئے کھاتے بھی جائیں اور باتیں بھی کرتے جائیں''۔

ابن الوقت: میں کچھ وقت کا ایسا پابند نہیں ہوں۔ آپ کھایئے' میں گھر جا کر کھالوں گا اور ابھی کچھ ایسا ناوقت بھی نہیں ہوا۔

نوبل صاحب: مسکرا کر ابن الوقت کے ساتھ کھانے کے کمرے کی طرف کو چلتے ہوئے) کیوں' کیا آپ کو میرے ساتھ کھانے میں کچھ احتراز ہے؟ میں وہی نوبل ہوں کہ میں نے اور آپ نے مہینوں ایک جگہ کھانا کھایا ہے اور آپ کو بخوبی علم ہے کہ میں اس وقت بھی ایسا ہی عیسائی تھا جیسا قدرے پہلے اور اب ہوں اور خدا نے چاہا' اس کی مدد سے مرتے دم تک رہوں گا۔''

ابن الوقت: نہیں' مجھ کو اپنی ذات سے تو اعتراض یا احتراز کچھ بھی نہیں مگر لوگ اس کو برا سمجھتے ہیں۔

نوبل صاحب: مگر آپ بھی اس میں کچھ برائی پاتے ہیں یا نہیں؟

ابن الوقت: نہیں' میں تو ہرگز کسی طرح کی کوئی برائی نہیں پاتا۔

نوبل صاحب: ''ہندوستان کو جس کمزوری نے تباہ کیا' اصل میں وہ یہی کمزوری ہے۔ خدا نے جیسے ان کی طبیعتیں بودی اور محکوم بنائی تھیں' ویسے ہی یہ لوگ صدا سے بودے اور محکوم رہتے چلے آئے اور جب تک یہ کمزوری ان کی طبیعتوں میں ہے' آگے کو بھی ضرور بودے اور محکوم رہیں گے۔

ابن الوقت کو پہلے سے انگریزوں کی طرف رجحان تھا' اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ' نوبل صاحب کا اشارہ پاتے ہی مقابلہ کی ایک کرسی پر ڈٹ گیا اور یہ عیسائیت کا نہیں بلکہ اس کی انگریزیت کا گویا اصطباغ تھا۔ حسن اتفاق سے اس وقت میز پر کوئی انگریز نہ تھا۔ یوں تو کئی صاحب ان کی کوٹھی میں ٹھہر رہے تھے مگر سب کے سب مل کر شکار کھیلنے چلے گئے تھے اور بہتر ہوا کہ نوبل صاحب اکیلے تھے ورنہ آج ابن الوقت کی خوب ہی ہنسی اڑی ہوتی۔ اس نے ناواقفیت کی وجہ سے کھانے میں ایسی بے تمیزیاں کیں کہ وہ تو نوبل

Marfat.com

صاحب ہی جیسا متین آدمی تھا کہ نہ تو اس کو ہنسی آئی اور نہ اس نے کچھ برا مانا۔ ہنسنے کو کھانے کھلانے والے خدمت گار کیا کم تھے مگر نوبل صاحب کے ڈر کے مارے کسی کی کیا مجال تھی کہ مسکرا بھی لیتا' ہنسنا تو بڑی بات ہے۔ ابن الوقت کی بے جا حرکتیں دیکھتے اور دوسرے کی طرف کن انکھیوں سے نظر کر کے رہ جاتے' ہر اپنی جگہ جا کر تو مارے ہنسی کے خوب لوٹ لوٹ ہوئے ہوں گے۔ اس نے بے تمیزی سی بے تمیزی کی' دائیں ہاتھ میں کانٹا لیا تو بائیں ہاتھ میں چھری۔ پھر نوبل صاحب کے بتانے سے کانٹا بائیں میں لیا تو چھری کو اس زور سے کانٹے پر ریت دیا کہ ساری چھری کی ساری باڑھ جھڑ پڑی۔ خدمت گار نے میز پر سے دوسری چھری اٹھا کر دی۔ شاید آلو ہی تھا کہ اس کو کاٹنے لگے تو اچھل کر' بڑی خیر ہوگئی کہ ٹیبل کلاتھ (دسترخوان) پر گرا۔ پھر جب کسی چیز کو کاٹنے میں پرو کر منہ میں لے جانا چاہتا' ہمیشہ نشانہ خطا کرتا اور جب تک باری باری سے ناک اور تھوڑی اور کلے یعنی تمام چہرے کو داغ دار نہیں کر لیتا' کوئی لقمہ منہ میں نہیں لئے جا سکتا۔ اس دن کھانے کے بعد کوئی اس کا منہ دیکھتا تو ضرور یہی پھبتی کہتا کہ چہرہ ہے یا دیوالی کی کلھیا ہے۔ اس نے کہا تو نہیں مگر اس کی سسکی سے کئی دفعہ شبہ ہوا کہ ہونٹوں میں یا مسوڑھوں میں یا زبان میں کہیں نہ کہیں کانٹا چبھا ضرور۔ پھر اول مرتبہ خدمت گار چھوٹی رکابی سامنے سے ہٹانے لگا تو اس نے سمجھا کہ وہ دسترخوان بڑھانا چاہتا ہے کچھ کہنے ہی کو تھا' خدمت گار تھا سلیقہ مند' سمجھ گیا اور یہ کہہ کر رکابی آگے سے کھینچ کر چلتا ہوا کہ دوسری صاف پلیٹ لاتا ہوں۔ تمام کھانے میں کوئی چھ یا سات رکابیاں بدلی گئیں مگر اس بندہ خدا نے چھری کانٹا ہاتھ سے نہ چھوڑا' جب تک خدمت گار نے منہ پھوڑ پھوڑ کر نہیں مانگا۔ جب خدمت گار پہلی قعب اس کے برابر لایا تو اس نے دونوں کنارے پکڑ' ساری قعب اس کے ہاتھ سے لے' چمچے سمیت اپنے آگے رکھ لی۔ خدمت گار نے کان میں جھک کر کہا کہ اس میں سے جتنا آپ کو درکار ہو چمچے سے اپنے سامنے کی رکابی میں لے لیجئے۔ پڈنگ' کانٹے سے کھانے کی تھی اس کو جو لگی مزے کی' چمچے سے ہڑپ اور اس پر مزہ یہ کہ ذرا سی اور دینا۔ اخیر میں سب سے زیادہ بے تمیزی کی تھی وہ یہ تھی کہ فنگر گلاس کا پانی اٹھا' پی لیا۔

Marfat.com

ابن الوقت کی بعض حرکتیں حقیقت میں سخت بے جا تھیں مگر واہ رے شرافت' نوبل صاحب شروع سے آخر تک گردن جھکائے بیٹھے رہے' گویا کچھ خبر ہی نہیں۔ مگر نیچی نگاہوں سے سب کچھ دیکھ رہے تھے اور دل میں ضرور پشیمان ہوئے ہوں گے کہ میں نے ناحق اس کو کھانے میں شریک کیا۔ ان کی پشیمانی اس خیال سے ان کو ضرور ایذا دہ ہوئی ہوگی کہ ایسی خصوصیت پر کیوں کر ہوسکتا تھا کہ عین وقت پر کھانے کی تواضع نہ کرتا۔ تواضع کا کرنا تو مناسب بلکہ واجب تھا اور اب تواضع کی تو آگے کو ایک راستہ کھلا اور بھلے کو آج کوئی انگریز کھانے میں شریک نہ تھا اور ہوتا تو ساری عمر ان کی بدتمیزیوں کی نقلیں کر کے مجھ کو چھیڑا کرتا۔ ضرور نوبل صاحب جب تک میز پر رہے اسی فکر میں تھے کہ انہوں نے ابن الوقت کے ساتھ مطلق کسی قسم کی بات نہ کی' ورنہ نوبل صاحب کے میز کے چپچپے تمام چھاؤنی میں مشہور تھے۔

خیر کھانے کے بعد نوبل صاحب نے ایک خدمتگار کو اشارہ کیا کہ آپ غسل خانہ میں جا کر ہاتھ دھلواؤ۔ وہاں سامنے سنگھار میز پر قد آدم آئینہ لگا تھا' ابن الوقت نے جاتے ہی اپنا عکس دیکھا تو بے ساختہ ان شاء اللہ خان کا وہ مقولہ یاد آ گیا ''جو داڑھی کو لگا شیخ کی اب بزر قطوتا اور بجنے لگی گتی۔''

بارے ہاتھ منہ دھو' آدمیوں کی جون میں آ کر پھر نوبل صاحب پاس آئے۔ نہ جاننا بھی عجب مزے کی بات ہے۔ ابن الوقت کو اتنا بھی تنبہ نہ ہوا کہ معذرت کرتا۔ نوبل صاحب نے تو اپنے لئے پائپ روشن کر لیا تھا۔ ابن الوقت کی طرف کو سگریٹ کا بکس سرکا دیا کہ اس میں جو تمباکو ہے روم کے علاقے میں پیدا ہوتا ہے اور چرٹ کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے آپ بے تامل پیجئے اور جب چند روز اس کی عادت کیجئے گا تو میں یقین کرتا ہوں کہ اس کے سامنے آپ حقے کو منہ بھی نہ لگائیں گے۔ میں صبح و شام اور کھانے کے بعد تو پائپ پیتا ہوں اور باقی اوقات یہی سگریٹ۔ ابن الوقت گڑ کھا چکا تھا تو گلگلوں سے کاہے کا پرہیز۔ دیا سلائی سلگا' لگا انجن کی طرح بھک بھک منہ سے دھواں نکالنے۔ اب نوبل صاحب نے اپنی باتوں کا سلسلہ شروع کیا کہ ''جس روز آپ سے خواجہ باقی باللہ میں ملاقات ہوئی' اس کے بعد سے میں برابر دہلی کے باہر باہر رہا۔

Marfat.com

اسی اثناء میں ایک بار صاحب چیف کمشنر بہادر نے کرنال میں مجھے بلوا بھیجا۔ تا بہ دیر غدر کے حالات استفسار فرماتے رہے اور اسی کے ضمن میں آپ کا بھی ذکر آیا۔ مجھ کو اس بات کے جاننے سے سخت حیرت ہوئی کہ چیف صاحب کو آپ کے ذاتی اور خانگی حالات مجھ سے بھی زیادہ معلوم ہیں۔ وہ آپ کے دور و نزدیک ایک ایک رشتے دار سے واقف ہیں اور جو جو حرکتیں ان لوگوں سے غدر میں سرزد ہوئی ہیں ان کے پاس تاریخ وار نام وار سب کی تحریری یادداشت موجود ہے۔ مجاہدوں کا گھروں میں ٹھہرانا' ان کے لئے چندہ جمع کرنا' روپے سے' ہتھیاروں سے' کھانے کپڑے سے ان کی مدد کرنا' مجاہدین کے ساتھ جا جا کر دمدے بنوانا اور دھاووں میں ان کا ساتھ دینا' سرکاری میگزین کے ہتھیاروں اور سرکاری کالج کی کتابوں کا لوٹنا' انگریزی عمارتوں کا ڈھانا' انگریزوں کے مارے جانے کا تماشہ دیکھنا' لوگوں کو بغاوت کی ترغیب دینا' نمازیں پڑھ پڑھ کر علی الاعلان انگریزی عمل داری کے غارت ہونے کی دعائیں مانگنا اور اس کے لئے وظیفے اور ختم پڑھنا اور کیا کرنا اور کیا کرنا' سارے پتے کی خبریں (خدا جانے کس بھیدی نے ان کو بتائی ہیں) ان پر منکشف ہیں۔ جہاد کے اصل مہری فتوے' لوگوں کے خانگی خطوط اور تمام شاہی دفتر ان کے پاس ہے۔ غرض سب کے ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ مجھ کو تو ایسا نظر آتا ہے کہ دلی کے مسلمانوں میں سے شاذ و نادر کوئی کوئی معدودے اکرام بغاوت سے بچ جائے تو بچ جائے ورنہ روداد بہت ٹیڑھی ہے''۔

**ابن الوقت:** آپ نے کہیں میرے روزنامچے کا تو کچھ تذکرہ تو نہیں کر دیا؟

**نوبل صاحب:** آپ نے ان سب تحریرات کو دیکھا ہوتا جو میں نے دیکھی ہیں تو آپ خود سمجھ لیتے کہ آپ کے روزنامچے کا نام لینا نہ صرف فضول و لاحاصل تھا بلکہ دلیل حماقت۔ اجی حضرت' نہیں معلوم ایسے ایسے کتنے روزنامچے سرکار میں پیش ہیں اور نہیں معلوم کتنے آدمی روزنامچہ نویسی کے کام پر مامور تھے۔

**ابن الوقت:** تو یہ دربار اور اشتہار اور قول و قرار سب لغو۔

**نوبل صاحب:** نہیں نہیں۔ غدر و بغاوت کچھ لڑکوں کا کھیل تو تھا نہیں' اس کا ضروری اور لازمی نتیجہ ہندوستان کے حق میں نہایت ہی زبون تھا۔ ملکہ معظمہ اور گورنر جنرل نے

Marfat.com

حقیقت میں بڑا ہی تحمل کیا ورنہ عام انگریز تو اس قدر غیض وغضب میں بھرے ہوئے ہیں کہ اگر انگریز کے ایک قطرۂ خون کے عوض ہندوستانیوں کے خون کی ندیاں بہا دی جائیں تو بھی ان کی پیاس نہ بجھے' مگر کیا کریں کچھ بس نہیں چلتا۔ شاہی حکام سے لاچار ہیں' نہیں تو سارے شہر کو ڈھا کر مسمار کر دیتے کہ چند روز کے بعد کوئی اتنا بھی نہ پہچان سکتا کہ دلی کہاں بستی تھی۔ یہ اسی اشتہار کا اثر ہے کہ جب تک شہر پناہ کے اندر لڑائی ہوتی رہی یا لڑائی کے دو تین دن بعد جو ہونا تھا سو ہولیا' اب جان اور مال دونوں محفوظ ہیں۔ ہے کیا کہ دلی کے مسلمان سرکار کی نظر میں عموماً مشتبہ ٹھہر چکے' اب براءت کا بار ثبوت انہیں پر ہے۔ براءت ثابت کریں اور مزے سے اپنے گھروں میں آباد ہوں۔

ابن الوقت: مجھ کو دوسروں کا حال تو معلوم نہیں مگر ہمارے خاندان پر بیٹھے بٹھائے تباہی آئی۔ کم بخت اچھی خاصی طرح شہر سے اپنا منہ کالا کر گئے تھے۔ میری خیر خواہی سن کر بے بلائے پھر آ موجود ہوئے۔ دلی اور اس کے اطراف میں بڑی سختی ہے اور جو لوگ دور نکل گئے ہیں پھر بھی آ موجود ہوئے۔ بلا سے' میں تو ان لوگوں سے کہہ دوں گا کہ پھر کہیں نکل جائیں۔ سرکار کو اتنا خیال نہیں کہ متوسلان شاہی اور عام رعایائے انگریزی کی حالت میں بڑا فرق ہے۔ متوسلان شاہی پر سرکار انگریزی کے ایسے کیا حقوق تھے کہ ان سے وفاداری اور خیر خواہی کی توقع کی جائے۔ پھر قلعہ کیا برباد ہوا قلعہ کے ساتھ سارے شاہی نمک خوار بے موت مر گئے۔ یہ سزا کیا کم ہے کہ ان سے دوسرے مواخذہ کئے جائیں۔

نوبل صاحب: میں آپ سے سچ کہتا ہوں کہ میں نے آپ کے عزیزوں کی طرف سے یہی حجت پیش کی تھی اور بڑے شکر کی جگہ ہے کہ بڑے بڑے عہدہ دار کی سب ٹھنڈے ہیں۔ چیف صاحب نے میری باتیں سن کر بالکل میری رائے سے اتفاق کیا اور فرمانے لگے گورنمنٹ ہند کے حکم سے تحقیقات بغاوت کا ایک جداگانہ محکمہ قائم کرنا منظور ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ قسمت دلی کے لئے تم کو اس محکمے کا کمشنر مقرر کروں' کیونکہ تمہاری رائے بالکل گورنمنٹ کی منشاء کے مطابق ہے۔ میں کیا عذر کر سکتا تھا۔ چیف صاحب کا حکم میں نے سر آنکھوں پر رکھا اور اگلے مہینے کی پہلی تاریخ سے اپنا کام شروع کر دوں گا۔

Marfat.com

**ابن الوقت:** بس آپ نے یہ خوشی کی خبر سنائی اور دلی کے مسلمان اگر میری طرح آپ سے واقف ہوں تو ان کے گھروں میں گھی کے چراغ جلانے چاہئیں ورنہ گورنمنٹ کے حکم احکام دھرے ہی رہتے اور حکام اضلاع اپنے ذاتی غیض وغضب سے آفت توڑ مارتے۔

**نوبل صاحب:** عام انگریزوں کے غصے کا یہ حال ہے کہ ایک مجمع میں آپ کی خیر خواہی کا ذکر تھا تو جتنے تھے سب کے سب مخاصمانہ اشتباہات کرنے لگے کہ ایک شخص جس کو تم سے بلکہ سرکار انگریز سے کسی طرح کا تعلق نہیں اور جس کے خاندان میں مذہبی تعصب اس شدومد کے ساتھ ظاہر ہو' کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس نے تم کو کیوں کر پناہ دی۔ ایسے خاندان کا آدمی سچا خیر خواہ نہیں ہوسکتا۔ پھر ہم دیکھتے ہیں تو اس نے تمہاری پناہ دہی پر بھی سرکار انگریزی سے کسی طرح کا تعلق پیدا کرنا نہیں چاہا۔ آپ تو کیمپ میں کیا جاتا اس نے بھی تو کوئی عرضی بھیجی' نہ کوئی اپنا آدمی روانہ کیا اور تمہاری پناہ دہی کے سوائے اس نے اور کوئی کام خیر خواہی کا کیا نہیں' پس ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ ہم تو ایسا سمجھتے ہیں کہ اس نے تم کو شاید اس غرض سے زندہ رکھا کہ اس کو سرکار انگریزی پر زیادہ دباؤ ڈالنے کا موقع ملے اور اگر دلی فتح نہ ہوتی تو ضرور تمہیں بے رخی کے ساتھ مار ڈالتا۔ پس جن لوگوں کی نظر میں خیر خواہی کی یہ وقعت ہو ان کی سختی کا کیا ٹھکانہ ہے اور رعایا کو ایسے احکام سے کیا فلاح کی امید ہوسکتی ہے۔

**ابن الوقت:** یہ سچ ہے کہ میں نے سرکار انگریزی کی خیر خواہی کی نظر سے آپ کو ہرگز پناہ نہیں دی۔ سوائے اس کے کہ میں چند سال تک سرکاری کالج میں پڑھا اور کسی طرح کا تعلق مجھ کو بلکہ ہمارے خاندان میں سے کسی کو کبھی سرکار انگریزی سے نہیں رہا۔ ہم لوگ پشت ہا پشت سے شاہ دہلی کے نمک خوار رہے ہیں۔ میں نے اپنے پندار میں آپ کی پناہ دہی سے فرض انسانیت ادا کیا ہے اور بس۔ میں نے اس خدمت کے عوض میں سرکار سے کسی صلے یا انعام کی درخواست نہیں کی اور نہ مجھ کو اس کا استحقاق یا دعویٰ ہے۔ میں نے اگر کچھ سلوک کیا (اگرچہ سلوک کا نام لیتے ہوئے مجھ کو شرم آتی ہے' تو آپ کی ذات سے کیا اور آپ نے اضعافاً مضاعفۃً مجھ کو اس کا عوض دیا۔ میرا پچاس روپیہ بھی آپ پر خرچ نہ ہوا ہوگا' آپ نے مجھ کو ہزار کا بندھا ہوا توڑا پکڑا دیا۔ میں نے آپ

Marfat.com

کے میگزین کے لانے اور رکھنے اور بوعلی شاہ کے تکیہ تک پہنچا دینے میں ہرگز وہ بلکہ اس کی آدھی تہائی زحمت بھی نہیں اٹھائی جو آپ نے مجھ کو اور میرے خاندان کے لوگوں کو خواجہ باقی اللہ سے لانے میں۔ آپ نے ہم لوگوں کو بیگار کی بے حرمتی سے بچا لینے میں احسان کیا میں اپنی تمام خدمات کی اس ایک احسان کے مقابلے میں کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ غرض آپ نے اپنے ذاتی احسانات اس قدر مجھ پر لاد دیے ہیں کہ اگر شریف ہوں تو ساری عمر کو میری گردن آپ کے سامنے خم رہے گی اور یہ زمینداری جو بے استحقاق محض مجھ کو سرکار نے دی ہے یہ بھی آپ ہی کا طفیل ہے۔

نوبل صاحب: آپ میں اور مجھ میں بہت بڑا فرق ہے۔ آپ نے بے غرضانہ جوکھوں اٹھا کر مجھ کو پناہ دی مگر خیر ''حساب دوستاں در دل''۔ آیئے کچھ ضروری باتیں کریں۔ کھیر کا پور جو آپ کو انعام میں ملا ہے' میں نے دیکھا ہوا ہے۔ میں گوڑگانوہ کے صاحب کلکٹر کے ساتھ کئی بار وہاں شکار کو گیا ہوں۔ گاؤں میں تھوڑا سا رمنہ اور ایک بہت بڑا تالاب ہے۔ گیہوں' چاول' نیشکر' روئی' نیل سب طرح کی عمدہ پیداوار وہاں بہ کثرت ہوتی ہے۔ جب وہاں میرے جانے کا اتفاق ہوا' نادان سنگھ جس کا یہ گاؤں ہے' مجھ سے ملا۔ اچھی شان سے رہتا تھا۔ اس کی رہنے کی گڑھی بجائے خود چھوٹا سا قلعہ ہے۔ نادان سنگھ کو گھوڑیوں اور بھینسوں کا بہت شوق تھا۔ ہزار ہزار روپے کی گھوڑی اس کی سواری میں رہتی تھی۔ غرض نادان سنگھ گوڑگانوہ کے بڑے خوشحال زمینداروں میں تھا۔ یوں تو اس کے پاس اور بھی گاؤں تھے مگر اس کا مقولہ تھا کہ بھگوان نے کھیر کا پور کی دھرتی بڑی اپجاؤ کی ہے اور اس نے کھیر کا پور کی آبادی میں اپنی پونجی اور عمر اور آسائش کو بے دریغ خرچ کیا ہے اور وہ اسی ایک گاؤں کی آمدنی سے چھوٹا سا ایک راجہ بنا ہوا تھا۔ خیر فرض کیا جائے کہ جس قدر محاصل لوگ بیان کرتے تھے اس میں مبالغہ ہو اور لوگوں کا دستور بھی ہے کہ دوسرے کی آمدنی جانچنے میں سخی بن جاتے ہیں اور خرچ کے اندازہ کرنے میں بخیل' مگر عموماً ضلع گوڑگانوہ کے بندوست سے وہاں کے زمیندار اس قدر رضامند ہیں کہ جس گاؤں کی جمع سنگین ہے اس میں بھی بعد وضع مصارف' بقدر جمع سرکاری منافع ہے تو اس حساب سے بھی آپ کی اکسٹرا اسسٹنٹ کی تنخواہ کہیں نہیں گئی۔

Marfat.com

میں نے اس گاؤں کے انتخاب میں دو باتوں کا لحاظ کیا- اول تو قرب دہلی- دوم اس گاؤں کے رقبے میں سے ہوکر ریل نکلنے والی ہے اور ریل کی وجہ سے گاڑی کی حیثیت میں خوب ترقی ہوگی- میں نے آپ کے لئے نوکری کے حاصل کرنے کے میں جان بوجھ کر خود کوشش نہیں کی' اس لئے کہ میں نے عزت طلب ہندوستانیوں کو اکثر انگریزوں کی مدارات کا شاکی پایا اور اگر آپ نوکری کی خواہش کریں گے تو میں ہر وقت کوشش کرنے کو موجود ہوں-

ابن الوقت: میں آپ سے بار بار عرض کر چکا ہوں کہ ہم لوگ پشت ہا پشت سے شاہی سرکاروں کے متوسل ہیں- ان سرکاروں کی مدارات کا یہ رنگ تھا کہ چھوٹی بڑی کل خدمتیں موروثی- یہ کتنے بڑے اطمینان کی بات تھی کہ سارے ملازم نہ صرف اپنی بلکہ اولاد کی معاش سے بھی بے فکر تھے- میں واقعات کے طور پر ان سرکاروں کے دستور اور قاعدے آپ سے بیان کرتا ہوں' آپ ان کو درست نہ درست- واجب نہ واجب جو چاہیں سمجھیں- جرمانے' معطلی' موقوفی کا نام بھی سارے قلعے میں کبھی کسی نہ نہیں سنا- داد دہش انعام واکرام کی کوئی حد نہ تھی- تیمور کی نسل نے کبھی روپے کو روپیہ سمجھا ہی نہیں- شاہی تنخواہیں اولاد اور اولاد کی اولاد پر تقسیم ہوتے ہوتے بعض کے حصے میں صرف پیسے رہ گئے تھے اور وہ بھی دو دو ڈھائی ڈھائی برس میں ملی تو ملی' ورنہ اکثر تنخواہیں محض برائے نام تبرک کی طرح- صرف سرکار کی داد دہش پر نوکروں کا گزر تھا- مگر وہ پیسے لوگوں کو ایسے عزیز تھے کہ مفتی صدرالدین خان صدر الصدور دہلی کی نقل مشہور ہے کہ قلعے سے ڈھائی یا تین روپے ان کی تنخواہ کے بھی تھے- خواجہ محبوب علی خان نے تخفیف کا قلم جاری کیا تو مفتی صاحب کا نام بھی زمرہ ملازمان شاہی سے کاٹ دیا- مفتی صاحب تو مفتی صاحب' ایسے تین تین روپلی کی ان کے خدمتگاروں کو بھی پروانہ تھی مگر مفتی صاحب نے جب سنا تو دہائی دیتے ہوئے حضور تک پہنچے اور آخر اپنی تنخواہ بحال کر کے ٹلے-

غرض قلعے کی سرکاروں کا برتاؤ نوکروں کے ساتھ ایسا تھا جیسا ماں باپ کا اپنے بال بچوں کے ساتھ- تو صاحب میں تو ایسی سرکاروں میں رہا ہوں اور میں خود اپنے تئیں انگریزی نوکری کے قابل نہیں سمجھتا- میرے نسبتی بھائی ڈپٹی ہیں- برس دن ہوا رخصت لے کر

Marfat.com

انہی دنوں حج کو گئے اب آج کل میں آنے والے ہیں- مزاج کے ہیں تیز' کسی حاکم سے ان کی نہیں بنتی اور برس میں دو دو بار نہیں تو بے چارے ہر برس ضرور بدلتے رہتے ہیں- وہ کبھی آ نکلتے ہیں اور اپنے حالات بیان کیا کرتے ہیں' ان سے میں قیاس کرتا ہوں کہ واقع میں ایک دن بھی مجھ جیسے آدمی کا انگریزی دربار میں گزر ہونا مشکل ہے-

Marfat.com

فصل ہفتم

# ایک ڈپٹی کلکٹر انگریزوں کی مدارات کا شاکی

میں نے اپنے ان بھائی صاحب سے ایک دن پوچھا تھا کہ کہیے کچھ آپ نے سرمایہ بھی جمع کیا تو کہنے لگے ''اجی اللہ اللہ کرو'' کیسا سرمایہ' خدا جان کیسے کیسے کتر بیونت کرتا ہوں کہ قرض نہ لینا پڑے۔ مجھ کو تو آئے دن کی بدلی ادھیڑے ڈالتی ہے' ورنہ خدا کا فضل ہے میری تنخواہ خرچ کو کافی ہے بلکہ کچھ پس انداز ہو رہتا ہے۔''

میں: حقیقت میں آپ کو برس دن بھی کہیں جم کر رہنا نصیب نہیں ہوتا' آخر اس کا سبب کیا ہے؟ اور بھی تو ڈپٹی ہیں ''قطب از جا نہ جنبد'' برسوں سے ایک جگہ جمے بیٹھے ہیں۔

بھائی صاحب: خدا جانے صاحب لوگ کیا کمال کرتے ہیں۔ میں ہر چند کوشش کرتا ہوں کہ حکام کو راضی رکھوں مگر کچھ ایسی تقدیر کی گردش ہے کہ خواہی نخواہی ناچاقی ہو ہی جاتی ہے اور بار بار کی بدلی نے مجھے اور بھی بدنام کر رکھا ہے۔ لوگ میرا نام سن کر پکار اٹھتے ہیں: ''اجی وہ لڑاکو ڈپٹی کلکٹر۔

میں: آپ نے اصلی سبب اب بھی نہ بتایا کہ حکام آپ سے کیوں ناراض رہتے ہیں۔ اگر آپ کو میں سرمایہ دار دیکھتا تو شبہ کر سکتا کہ شاید آپ رشوت لیتے ہوں گے۔

بھائی صاحب: بات صاف صاف تو یہ ہے کہ میں رشوت نہیں لیتا اور مجھ جیسا تنگ مزاج آدمی رشوت لے بھی نہیں سکتا۔

میں: میں تو سنتا تھا کہ انگریز رشوت سے بہت چڑتے ہیں اور آپ کے فرمانے سے بالکل الٹی بات معلوم ہوتی ہے۔

بھائی صاحب: سچ تو یہ ہے کہ مجھ کو کسی مرتشی انگریز سے معاملہ نہیں پڑا۔ نہ میں نے کبھی کسی انگریز کو رشوت دی۔ انگریزوں کی بڑی رشوت کیا ہے' ڈالی یا دورے میں گئے

Marfat.com

تو رسد' یا ڈاک بٹھانے کی ضرورت ہوئی تو گھوڑا گاڑی یا شکار کو نکلے تو مانگنے کے ہاتھی وغیرہ یا خاص خاص لوگوں سے شاذ و نادر تحائف یا سو میں ان چیزوں پر رشوت کا اطلاق نہیں کر سکتا۔ رسد میں تو اکثر نوکروں کی شرارت ہوتی ہے کہ صاحب سے بھی ایک ایک کے دو دو لیتے ہیں اور بیچ میں آپ چٹ کر جاتے ہیں اور صاحب کو خبر نہیں ہونے دیتے اور شاید کوئی میم والا صاحب ہوا اور میم ہوئی کفایت شعار' جز رس اور اس نے دھیلے انڈا اور آنے مرغی کے دام کاٹ دیے اور لکڑی گھاس مفت کہ یہ چیزیں تحصیل دار' تھانے دار دیہات سے ضرور بے قیمت لیتے ہیں اور ہم کتنے ہی دام کیوں نہ دیں' اصل مالکوں کو کوڑی ملنے والی نہیں' تو ہاں اس کا بھی عجب نہیں۔ مگر پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ انگریزوں میں رشوت نہیں چلتی مگر ان کے حصے کی بلکہ اس سے بہت زیادہ ان کے اردلی' خدمت گار' شاگرد پیشہ' پیشی کے عملے لے مرتے ہیں اور صاحب کی آنکھ' کان' زبان' بلکہ ہم زاد' جو کچھ کہو یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اگر کوئی شخص میری طرح ان ہم زادوں یا حرام زادوں کو راضی نہیں رکھ سکتا تو کتنا بھی بڑا عہدہ دار کیوں نہ ہو' اختیارات' حکومت' تنخواہ سب کچھ ہے مگر عزت نہیں۔ اور میں چاہوں تو انگریزوں کے شاگرد پیشوں کو کچھ خرچ کر کرا کے راضی کر لے سکتا ہوں مگر مجھ کو ان کے نام کی کچھ ایک چڑ سی آ پڑی ہے کہ دوہری دوہری سواریاں رکھتا ہوں' خدا کے فضل سے نوکر بھی متعدد ہیں مکان کا کرایہ' اخبار' کھانا' کپڑا میرا سارا خرچ میرے پندار میں اجلا ہے' سال میں سینکڑوں روپے تو ہسپتال مدرسہ اور متفرق چندوں میں نکل جاتے ہوں گے' یہ تمام مصارف میں خوش دلی سے کرتا ہوں لیکن ڈالیوں اور شاگرد پیشوں کے انعام میں مجھ سے ایک روپیہ خرچ نہیں کیا جاتا۔

اتنی مدت مجھے نوکری کرتے ہوئے ہوئی اور چھوٹے بڑے صدہا انگریزوں سے میری معرفت ہے' مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں خوشی سے کبھی کسی انگریز سے ملنے گیا ہوں یا کسی انگریز سے مل کر میری طبیعت خوش ہوئی ہو۔ میں انگریزوں سے ملتا ضرور ہوں مگر بہ مجبوری' دفع مضرت کے لیے کہ ایسا نہ ہو مغرور سمجھا جاؤں یا عملوں اور اردلیوں کو جو

Marfat.com

ہمیشہ مجھ سے ناراض رہتے ہیں' چغلی کھانے کا موقع ملے- مجھ کو بعض ایسے کریم النفس انگریزوں سے بھی واسطہ پڑا ہے جنھوں نے صرف بہ تقاضائے انصاف کارگزاری دیکھ کر مجھ کو فائدے پہنچائے ہیں اور میں ان کا دل سے ممنون ہوں مگر انگریزوں کے عام برتاؤ سے میرا دل کچھ ایسا کھٹا ہوگیا ہے کہ جنھوں نے مجھ پر احسان کیے ہیں ان کے ساتھ بھی میں نے اس سے زیادہ راہ و رسم نہیں رکھی کہ جب تک افسری ماتحتی کا تعلق رہا' رہا جب وہ بدل گئے یا میں بدل گیا تو بھول کر بھی میں کسی کو عرضی نہیں بھیجتا-

میں انگریزوں کی ملاقات کا ایسا چور ہوں کہ جب دیکھتا ہوں کہ اب بہت دن ہو گئے ہیں تو ہفتوں پہلے سے ارادہ کرتا ہوں اور آخر زبردستی ٹھیل کر' دھکیل کر اپنے تئیں لے جاتا ہوں تو کوٹھی پر جا کر ہمیشہ وہی بے لطفی' وہی بے عزتی' جاڑا ہو' پانی برستا ہو' کڑاکے کی دھوپ ہو' لوئیں چلتی ہوں' ہندوستانی ڈپٹی نہیں' ڈپٹی کا باوا کیوں نہ ہو اور چاہے وہ اپنے مکان سے چار گھوڑے کی بگھی پر سوار ہو کر کیوں نہ آیا ہو' کلکٹر' جنٹ' اسسٹنٹ کی تو بڑی بارگاہیں ہیں اگر یوریشین ڈپٹی کلکٹر سے بھی ملنے گیا ہے (اور نہ ملے تو رہے کہاں) تو احاطے کے باہر اتنا ضرور اور احاطے بھی شیطان کی انتڑی کہ ہم جیسے پرانی فیشن کے لوگ کوٹھی تک پہنچتے پہنچتے ہانپنے لگتے ہیں اور اگر صاحب کہیں اس حال میں دیکھ پائیں تو سمجھ کہ ملاقات کو گئے' نوکری نذر کر آئے' اسی دن رپورٹ ہوئی دھری ہے کہ یہ شخص دس قدم پیدل نہیں چل سکتا' گویا ڈپٹی کلکٹری کو ضرور ہے کہ کم سے کم ڈاکٹ کے ہرکارے کی چوکی تک' پوئی نہیں تو دلکی' پیشی کا بستہ لے کر بھاگ سکے۔ پس اس ڈر کے مارے کسی درخت کی آر میں یا کوئی ایسا ہی گانٹھ کا پورا ہے اور اس نے شاگرد پیشوں کو پہلے سے چکھوتیاں کرا دی ہے تو باورچی خانے یا اصطبل میں پاؤ گھنٹے' آدھ گھنٹے کھڑے کھڑے دم لیا اور جب سانس اچھی طرح پیٹ میں سمانے لگا تو رومال سے منہ ہاتھ پونچھا' ہاتھ سے داڑھی مونچھ کو سنوار' آہستہ سے عمامے کو ذرا اور جما لیا' چغے کے دامن سمیٹے اور بڑے مؤدب اور مقطع بن کر ہاتھ باندھے' نیچی نظریں کیے' ڈرتے ڈرتے' دبے پاؤں کوٹھی کی طرف کو بڑھے- خدمت گار اور اردلی کے چپراسیوں نے تو

Marfat.com

احاطے کے باہر ہی سے تاڑ لیا تھا' کوٹھی کے پاس آتے دیکھ کر' قصداً ادھر ادھر کو ٹل گئے۔ تھوڑی دیر زینے کے نیچے ٹھٹکے کہ کوئی آدمی نظر آئے تو اوپر چڑھنے کا قصد کریں۔ چلنے کی' باتوں کی اور چیزوں کے رکھنے اٹھانے کی آوازیں ہیں کہ چلی آتی ہیں مگر کوئی آدمی نظر نہیں آتا۔ آخر ناچار ستون کی آڑ میں جوتیاں اتار کر ہمت کر کے بے بلائے اوپر پہنچے۔ کرسی نہیں' مونڈھا نہیں' فرش نہیں' کھڑے سوچ رہے ہیں کہ کیا کریں' لوٹ چلیں۔ آئینوں میں سے دیکھ لیں۔ شرمندگی کے ٹالنے کو وہیں تھوڑی سی جگہ میں ٹہلنا شروع کیا۔ اتنے میں باورچی خانے کی طرف سے ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا۔ جی خوش ہوا کہ اس سے صاحب کا اور اردلی کے لوگوں کا حال معلوم ہوگا۔ وہ لپک کر ایک دوسرے دروازے سے اندر گھس گیا اور ادھر کو رخ بھی نہ کیا۔ غرض کوئی آدھے گھنٹے (اور اس انتظار میں تو ایسا معلوم ہوا کہ دو گھنٹے) اسی طرح کھڑے سوکھا کیے۔ بارے خدا خدا کر کے ایک چپراسی اندر سے چٹھی لیے ہوئے نمودار ہوا۔ کیا کریں اپنی غرض کے لیے گدھے کو باپ بنانا پڑتا ہے' حیا اور غیرت بالائے طاق' آپ منہ پھوڑ کر اس کو متوجہ کیا: ''کیوں جمعدار کچھ ملاقات کا بھی ڈھنگ نظر آتا ہے؟'' بس اس کو ڈپٹی کلکٹری کا ادب سمجھو یا شکایت کا ڈر' مگر میں جانتا ہوں کہ ادب اور ڈر تو خاک بھی نہیں صرف اتنی بات کا لحاظ کہ شہر کی فوج داری سپرد ہے' خدا جانے کب آ پڑے' چارو ناچار اچٹتا ہوا سا سلام کر کے جیسے کوئی مکھی اڑاتا ہے' اس کو کہنا پڑا کہ آج ولایت کی ڈاک کا دن ہے' ملاقات تو شاید ہی ہو مگر آپ بیٹھئے' ابھی تو صاحب غسل خانہ میں ہیں۔ یہ کہہ کر وہ پھر اندر کو جانے لگا تو آخر نہ رہا گیا اور زبان سے نکلا کہ کہاں بیٹھوں اپنے سر پر۔ تب اس نے ایک ٹوٹی ہوئی کرسی' تکیہ اور ایک بازو ندارد گویا بید کی تپائی لا کر ڈال دی۔ جس کے بعد جب کوئی چپراسی یا خدمت گار باہر آتا' یہی معلوم ہوتا کہ صاحب ابھی غسل خانے سے نہیں نکلے (الٰہی کیا غسل میت ہے)' اب کپڑے بدل رہے ہیں' اب میم صاحب کے کمرے میں ہیں' اب چھٹی لکھ رہے ہیں یہاں تک کہ آخر کو معلوم ہوا کہ کھانے کی میز پر ہیں۔ یہ سن کر جی ہی تو بیٹھ گیا کہ اب کیا خاک ملاقات ہوگی۔ ارادہ ہوا

Marfat.com

کہ گھر کی راہ لیں- پھر خیال ہوا کہ کون وقتوں سے انتظار کر رہے ہیں' آنا تو پڑے ہی گا' دوسرے دن کا لیا بھروسہ' اتنی محنت کیوں ضائع کی' گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اور صبر کرو- بڑی دیر بعد چپراسی یہ حکم لے کر نکلا کہ سررشتہ دار کو رپورٹ خوانی کے لئے بلایا ہے- اب رہی سہی امید اور بھی گئی گزری ہوئی- تب تو اپنا سامنہ لیتے ہوئے چپراسی سے یہ کہتے ہوئے اٹھے کہ خیر میں تو اب جاتا ہوں' صاحب سے میرے آنے کی اطلاع کر دینا- تب خدا جانے چپراسی کے دل میں کیا آئی کہ کہنے لگا: ''میں دو بار آپ کی اطلاع کر چکا ہوں' کچھ بولے نہیں اب پھر کہے دیتا ہوں' خفا ہوں گے تو آپ میری آدھ سیر آٹے کی فکر رکھنا''- غرض بلائے گئے- صاحب کو دیکھا تو پیپ منہ میں لئے ٹہل رہے ہیں- بس معلوم ہو گیا کہ مطمئن ملاقات نہیں ہو سکتی- سر جھکائے کوئی کاغذ یا کتاب دیکھ رہے ہیں- اب کوئی تدبیر سمجھ میں نہیں آتی کہ کیوں کر ان کو خبر کروں کہ میں آیا ہوا کھڑا ہوں اور کیا معلوم ہے کہ شاید جان بوجھ کر کھڑا رکھا ہو بلکہ مجھ کو تو اس بات کا بھی شبہ ہے کہ میرے آنے کی بہت دیر پہلے سے ان کو خبر تھی- چپراسی نے شاید نہ بھی کہا ہو مگر چاروں طرف آئینے کی کواڑ ہیں' عین سامنے کے دروازے سے آیا' درختوں کے نیچے ٹہلتا رہا پھر بڑی دیر تک برآمدے میں بیٹھا رہا: کیا اتنے عرصے میں ایک بار بھی ان کی نظر نہ پڑی ہو گی؟ ضرور پڑی ہو گی- خیر آخر آپ ہی سر اٹھایا ''اوڈپٹی صاحب!'' حاکم بالا دست ہو کر جو اتنی آؤ بھگت کرے تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے- صاحب نے بندہ نوازی میں کچھ کمی نہیں کی' آنکھیں چار ہوتے ہی اپنے مقابل میز کی دوسری طرف کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا- اپنے گھر یا آپس میں ایک دوسرے کے گھر کرسیوں پر بیٹھنا کون نہیں جانتا لیکن میں تو اپنے سے زیادہ تنخواہ کے ہندوستانی صدر الصدوروں اور ڈپٹیوں کا انگریزوں کے روبرو کرسی پر بیٹھنا دیکھے ہوئے تھا- کہنے کو کرسی پر بیٹھنا مگر حقیقت میں بید پر چوتڑ ٹیکے نہ ہوں تو جیسے چاہو قسم لو- تم خدا کے بندے ہو' یقین مانا' بس ڈنڈے پر الگ تھلگ جیسے اڈے پر گلدم' کرسی پر بیٹھنا ہی تھا کہ کمبخت چپراسی نے پیچھے سے ہاتھ جوڑ کر کہا ''خداوند' سررشتہ دار حاضر ہیں''- صاحب ہیں کہ میری طرف دیکھتے جاتے ہیں اور چپراسی سے فرما رہے

Marfat.com

ہیں: ''اچا آنے بولو۔'' یعنی اچھا' سررشتہ دار سے کہو چلے آئیں۔ سبحان اللہ! سات برس اسسٹنٹ رہے' نو برس کے قریب جنٹ اور اس سولہ برس میں صرف ایک بار ڈیڑھ برس کے لئے فرلو پر ولایت گئے تھے۔ بارہ برس دلی میں رہے اور بھاڑ جھونکا۔ چودہ برس میں حضرت نے اردو میں کیا کمال حاصل کیا ہے ''اچا آنے بولو'' اب میں منتظر ہوں کہ صاحب آگے کچھ تو پوچھیں تو جواب دوں اور سررشتہ دار مردود' آگے آگے آپ' پیچھے بستہ قلم دان لیے ہوئے' چپراسی' آہی گھسا۔ سررشتہ دار کے روبرو مجھ سے پوچھتے ہیں تو کیا پوچھتے ہیں: ''دل صاحب'' ''گرمی بوٹ''۔

میں: (گردن جھکا کر) ہاں خداوند' گرمی کے تو دن ہیں۔ میرے علاقے میں تو پولیس کی رپورٹ سے ایسا معلوم ہوا کہ لو سے بھی کئی آدمی مرے۔

صاحب کو تو یہ جواب دے رہا ہوں اور دل میں کہہ رہا ہوں کہ گرمی کا تو حال معلوم تھا' ارے ظالم تجھ کو یہ بھی خدا کا ترس آیا کہ ایک بندہ خدا جس کو کچہری میں سرکار سے ایک ٹٹی ملتی ہے (ناظر اپنی بدذاتی ہے تین برس کے پرانے خس کی بندھوا دیتا ہے تو وہ جانے اور اس کا ایمان) اور جس کو گھر پر بھی ٹٹی لگانے کا مقدور ہے اور جو واقع میں گرمی بھر اپنے گھر ٹٹی میں رہتا ہے' کتنی دیر سے برآمدے میں بیٹھا بھن رہا ہے' لاؤ سلام لے کر اس کو آزاد کروں۔ میں تو سمجھا تھا کہ آدمیوں کا لو سے مرنا سن کر چونک پڑے گا اور ضرور پوچھے گا کہ کس تھانے سے رپورٹ آئی' کتنے آدمی مرے' کب مرے' لو کا ہندوستانی کیا علاج کرتے ہیں اور کوئی لاش ڈاکٹر صاحب کے ملاحظے کو بھی آئی یا نہیں؟ غرض آدمی کا دل بولنے اور بات کرنے کو چاہے تو بہتیرے حیلے ہیں' پر صاحب تو کچھ پی سے گئے۔ نہیں معلوم دھیان سے نہیں سنا یا سمجھتے نہیں یا کالے آدمیوں کے مرنے کی پروا نہیں کی۔ اب سررشتہ دار ہے کہ بستہ کھول' کاغذ پھیلا رہا ہے اور میری اور صاحب کی یہ تپاک کی ملاقات ہو رہی ہے کہ دونوں چپ۔ جب سررشتہ دار کاغذ پھیلا' لگا صاحب کا منہ دیکھنے تو صاحب مجھ سے فرماتے ہیں' آپ کچ کچ ..... ''یعنی آپ کو کچھ اور کہنا ہے۔ یہ سنتے ہی میں تو یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا کہ نہیں میں تو صرف سلام کے لئے حاضر ہوا تھا' بہت

Marfat.com

دن ہو گئے تھے' جی ملنے کو چاہتا تھا' پھر حاضر ہوں گا۔

میری اس اخیر بات میں..... اور باتیں ہیں ایسی کون سی بہت ہوئی تھیں کہ اس کو اخیر کہوں..... بلکہ دوسری بات میں ''جی ملنے کو چاہتا تھا'' بالکل جھوٹ تھا۔ کس مسخرے کا جی ملنے کو چاہتا تھا اور کس مسخرے کا جی اب ملنے کو چاہتا ہے۔ ملاقات کے بامزہ اور بے مزہ ہونے کا معیار وقت ہے' دیر تک ملاقات رہی تو جانو کہ خوب دل کھول کر باتیں ہوئیں۔ ہماری ملاقات کیا خاک بامزہ سمجھی جائے کہ جانا اور اٹھاؤ چولہے کی طرح بیٹھنا اور گفتگو اور رخصت سب کچھ دو ہی منٹ میں ہو ہوا چکا۔ اپنے حساب سے کون ایسا تیسا ملاقات کے ارادے سے گیا تھا۔ خدا گواہ ہے صرف متھا پھٹول' وہ بھی اپنے سر کا چھدا اتارنے کے لیے۔ صاحب مجھ سے چاہتے ایک بات بھی نہ کرتے مگر سر رشتہ دار اور چپراسیوں کو میرا الٹے پاؤں لوٹ آنا معلوم نہ ہوتا تو مجھ کو کچھ بھی شکایت نہ تھی مگر میری تفضیح ان لوگوں کی نظروں میں ہوئی جو منصبی عزت میں میرے پاسنگ بھی نہ تھے۔

باہر نکلا تو چپراسیوں اور خدمت گاروں کا غول کا غول برآمدے میں موجود تھا۔ مجھ کو دیکھتے ہی سب نے فراشی سلام کیا۔ الٰہی یہ کاہے کی ایسی لمبی چوڑی تعظیم ہو رہی ہے۔ گھنٹوں میں برآمدے میں بیٹھا سوکھا کیا' ان میں سے کسی کی صورت بھی نظر نہیں پڑی' اب یہ حشرات الارض کہاں سے نکل پڑے؟ آہا! میں اتنی جاں فشانی کے بعد صاحب کو ایک سلام کر لینے کا گنہ گار ہوں یہ سرکاری پیادے اس کا جرمانہ وصول کرنے کے لیے مجھ پر تعینات ہیں ہر چند کہتا ہوں' مکان پر آنا' تنخواہ پر دیکھا جائے گا' عید قریب ہے اس میں سمجھ لینا' بے حیا پیچھا نہیں چھوڑتے آخر میں نے ذرا ترش رو ہو کر کہا کہ اس وقت میرے پاس نہیں ہے ہوتا تو دینے کا نام دینا کبھی کا دے چکا ہوتا۔ ایسی ہی بے اعتباری ہے تو ایک آدمی میرے ساتھ چلو ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ایک آدمی تیار سا ہوا کہ مجھ سے پہلے آگے کوچ بکس پر بیٹھ لے۔ اتنے میں جمعدار نے پنسل اور ایک کاغذ نکال میرے ہاتھ دیا کہ حضور ناظر کو رقعہ لکھ دیں۔ جب جب میں قلم اٹھاتا تھا' بے ادب ہاتھ

Marfat.com

پکڑ لیتے تھے: ''پہلے فرما دیجئے کہ آپ کیا لکھتے ہیں'' اسی کشمکش میں بڑھتے بڑھتے میں تو اپنی بگھی تک جا پہنچا۔ سائیس پٹ کھولے کھڑا ہی تھا لپک کر پائیدان پر پاؤں رکھ' غڑپ بگھی کے اندر۔ سائیس نے کھٹ سے پٹ بھیڑ دیا اور گھوڑا تھا کہ آہٹ پاتے ہی چل نکلا۔ میں نے کوچبان سے لے کر کاغذ کے پرزے میں ایک روپیہ رکھ' پڑیا بنا' اردلیوں کو دکھا کر نیچے پھینک دیا پھر میں نے کھڑکی سے منہ نکال کر دیکھا تو ایک چپراسی نے پڑیا اٹھائی بھی ایک روپیہ دیکھ کر یقیناً بہت ہی بگڑے ہوں گے مگر میں ان کی گالیوں کی زد سے باہر نکل جا چکا تھا۔

بگھی کے اندر بیٹھ کر میں نے ایک ایسا لمبا سا سانس لیا جیسے کوئی مزدور سر پر سے بھاری بوجھ اتار کر۔ تمام راستہ اسی ملاقات کی ادھیڑ بن میں طے ہوا۔ بار بار خیال آتا تھا کہ سر رشتہ دار اور چپراسیوں کی نظر میں میری کیا عزت رہی' اب یہ لوگ تمام شہر میں اس کا ڈھنڈورا پیٹیں گے۔ ایسی بے حرمتی سے روٹی کمانے پر لعنت ہے۔ پھر دل کو سمجھاتا کہ عزت ایک امر اضافی ہے' مجھے اپنے اقران و امثال پر نظر کرنی چاہیے' ان کے ساتھ بھی تو انیس بیس کے فرق سے ایسی ہی مدارات کی جاتی ہے تو جس مجلس میں سب ننگے ہیں وہاں لنگوٹی کی کیا شرم۔

اسی بیس بیس میں گھر پہنچا۔ چند آدمی منتظر ملاقات بیٹھے ہوئے تھے مگر نہ وہ ڈپٹی تھے اور نہ میں کلکٹر کہ برآمدے میں محتاج اطلاع بیٹھے ہوں۔ آئے تو میں موجود نہ تھا' مزے میں گاؤ تکیوں کے سہارے سے پھیل پھیل کر بیٹھے۔ گھر میں سے پان آ گئے' آدمیوں نے حقے بھر دیے۔ جوں مجھ کو دیکھا' ایک صاحب بولے ''اللہ اکبر ڈپٹی صاحب' آج تو کلکٹر صاحب سے خوب گاڑھی چھنی۔ کون وقتوں سے میں آپ کا منتظر بیٹھا ہوں۔''

دوسرے صاحب: آج بندے کا ارادہ بھی کلکٹر صاحب کے سلام کو جانے کا تھا'

Marfat.com

معلوم ہوا کہ ڈپٹی صاحب تشریف لے گئے ہیں- میں نے کہا بس آج کسی کی دال نہیں گلتی-

تیسرے صاحب: مدت سے جدید تحصیل داری قائم ہونے کی خبر تھی' یہاں تک کہ بورڈ سے منظوری بھی آ چکی ہے- ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج اسی انتظام کے صلاح مشورے میں اتنی دیر لگی-

لوگ آپس میں یہ باتیں کر رہے ہیں اور میں کپڑے اتارتا جاتا ہوں اور اندر ہی اندر دل میں خوش ہوں کہ بھلا ہے' خدا کرے لوگ ایسی ہی غلط فہمی میں مبتلا رہیں-

Marfat.com

فصل ہشتم

# نوبل صاحب ابن الوقت کو رفارمر بناتے ہیں

نوبل صاحب نے اس قصے کو بہت ہی غور اور توجہ سے سنا- بیچ بیچ میں کبھی مسکرانے لگتے تھے اور کبھی استکراہ ان کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا مگر انہوں نے ابن الوقت کی بات کو نہیں کاٹا- جب ابن الوقت نے بات پوری کی تو فرمانے لگے کہ ہمیشہ سے میری یہ رائے ہے کہ انگریزی عملداری میں یہی بڑا خطرناک نقص ہے کہ حاکم و محکوم میں ارتباط نہیں- یہ اجنبیت اگر سبب غدر نہیں ہوئی تو غدر کی ترقی کا موجب تو ضرور ہوئی اور جب تک ہندوستان کے لوگ انگریزوں کے ساتھ مانوس نہیں ہوں گے' سلطنت ایک منٹ کے لیے بھی قابل اطمینان نہیں- مگر اس میں دونوں کا قصور ہے- انگریزی بہ غرور حکومت ہندوستانیوں کی طرف ملتفت نہیں ہوتے اور ہندوستانی بوجہ نادانی انگریزوں سے پرہیز اور گریز کرتے ہیں- کیوں کر ایسے دو آدمیوں میں اتحاد ہو سکتا ہے جن کی نہ زبان ایک' نہ مذہب ایک' نہ رسم و عادت ایک' نہ مزاج ایک؟ پھر' اس اجنبیت کے نقصان بھی دونوں کی طرف عائد ہیں- ہندوستانیوں کا تو صریح نقصان یہ ہے کہ خدا نے انگریزوں کو سلطنت کے ذریعے سے عزت اور دولت کا منبع بنا دیا ہے اور اب اس غدر نے بخوبی ثابت کر دیا کہ جس سلطنت کو انگریزوں نے بہ زور شمشیر حاصل کیا ہے' اس کو بہ زور شمشیر قائم رکھنے پر قادر بھی ہیں- ہندوستانی جس قدر انگریزوں سے بھاگتے ہیں' اسی قدر عزت سے محروم اور دولت سے بے نصیب ہیں- اس کے مقابلے میں انگریز کب نقصان سے محفوظ ہیں' ضعف سلطنت سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوگا؟ آج کو اگر رعایا دوست دار ہوتی تو تلنگوں کو اول تو بغاوت کرنے کی جرأت ہی نہ ہوتی اور خیر نادانی کر بھی بیٹھے تھے تو بغاوت اس قدر جلد کبھی نہ پھیلتی کہ گویا چنگی بجانے میں اس سرے سے اس سرے تک آگ سی لگ گئی' تلنگوں نے سلگائی اور رعایا نے بھڑکائی-

Marfat.com

ابن الوقت: پھر کسی طرح یہ آپس کا نفاق دفع بھی ہو۔''

نوبل صاحب: ''دونوں ایک دوسرے کی طرف کو جھکیں' سو میں سمجھتا ہوں خدا کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔ شاید یہ غدر اسی غرض سے ہوا تھا کہ دونوں کو اپنی اپنی غلطیوں پر تنبہ ہو۔ ابھی تو غدر کی یادداشت تازہ ہے' چند سال بعد غدر اور اس کی خوفناک حکایتیں سب قصے اور افسانے معلوم ہونے لگیں گے۔ ایک بار اچھی طرح پھٹ کر اس زخم کا انگور بندھے گا اور جس طرح آپ آج کے بعد کل اور کل کے بعد پرسوں کو دیکھ رہے ہیں' مجھ کو وہ دن نظر آ رہا ہے اور خدا نے چاہا تو میں اس کو اپنی زندگی میں ان آنکھوں سے دیکھوں گا۔ ہندوؤں کا کفر تو شاید مدتوں میں جا کر ٹوٹے گا کیوں کہ ان بے چاروں کے پاس رسم ورواج کے سوائے مذہب کوئی چیز نہیں مگر ہاں مسلمانوں کو اپنے مذہب پر بڑا ناز ہے اور جہاں تک مجھ کو معلوم ہے ان کے مذہبی اصول اکثر اچھے بلکہ بہت اچھے ہیں۔ ان میں اور انگریزوں میں ارتباط اور اختلاط کا ہو جانا چنداں دشوار نہیں معلوم ہوتا۔''

ابن الوقت: ''بے شک ہونا تو یوں ہی چاہیے مگر میں سمجھتا ہوں کہ یہاں کے مسلمان اس خصوص میں ہندوؤں سے بہت زیادہ شدید ہیں۔''

نوبل صاحب: ''شدید ہیں یا دونوں کی اجنبیت کی وجہ سے ارتباط واختلاط کا موقع نہیں ملا اور اس بارے میں کسی نے کوشش نہیں کی؟''

ابن الوقت: ''دونوں ہی باتیں ہیں۔''

نوبل صاحب: ''آپ اپنی فرمایئے' میرے جتنے دوست ہیں سب ہی تو آپ کی ملاقات کے مشتاق ہیں بلکہ بعض تو متقاضی ہیں۔ اس بات کو تو میرا جی نہیں چاہتا کہ انگریزی سوسائٹی میں اس طرح پر آپ کی تقریب کروں کہ گویا آپ اہل غرض ہیں یا امیدوار خدمت۔ اس وقت ساری انگریزی سوسائٹی خیر خواہی کی وجہ سے آپ کو نظر وقعت سے دیکھتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اسی وقعت کے ساتھ آپ کو انٹروڈیوس کروں یعنی صاحب لوگوں کے ساتھ آپ کی دوستانہ اور برابری کی ملاقات کرا دوں مگر میں آپ سے اس بات کے کہنے کی معافی مانگتا ہوں کہ اس کے لیے آپ کو اپنی حالت کچھ بدلنی پڑے گی اور اگر آپ کو اس میں تعذر ہو تو شاید نہیں ملنا بہتر ہوگا' اگرچہ اس صورت

Marfat.com

میں مجھ کو بڑی مشکل پیش آئے گی اور میں اپنے دوستوں کو شاید کوئی معقول وجہ نہیں بتا سکوں گا۔''

ابن الوقت: میں آپ سے ذرا تفصیل کے ساتھ سننا چاہتا ہوں کہ آپ کس طرح کی تبدیلی کی مجھ سے توقع رکھتے ہیں؟''

نوبل صاحب: ''کم سے کم اس قدر کہ انگریزی مذاق کے مطابق ایک مکان درست ہو۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ہم لوگ ہمیشہ بیرون شہر' کھلے ہوئے مکانوں میں رہنا پسند کرتے ہیں اور ہم لوگوں کا طریقہ نشست و برخاست اور طرز ماند و بود بھی مختلف ہے۔ میرے دوست آپ سے ملنے کے لئے کہتے ہی رہتے ہیں۔ کئی بار دل میں آیا کہ آپ کے پاس لے چلوں' پھر سوچا کہ آپ ان لوگوں سے ملنے کے لیے تیار نہیں ہیں' ناحق شرمندگی ہوگی۔ اول تو آپ کا مکان ایسی گلیوں میں واقع ہے کہ وہاں تک بگھی جا نہیں سکتی' پھر گلیاں تنگ اور ناصاف کہ کوئی صاحب لوگ ایسی پیچ در پیچ جگہ جانا پسند نہیں کرسکتا۔ آپ کا مکان اگرچہ چنداں برا نہیں مگر صاحب لوگ کی آسائش کے لیے میز کرسی وغیرہ کوئی سامان نہیں۔ ان وجوہ سے میں نے کسی دوست کو آپ کے پاس لے جانے کی جرأت نہیں کی۔ تو اس بارے میں جیسا کہ آپ کو منظور ہو بیان کیجئے کہ آپ کو انگریزوں کے ساتھ جس طرح پر کہ میں چاہتا ہوں ملنا پسند ہے یا نہیں۔''

ابن الوقت: ''یہ معاملہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ ہمارے مسلمان بھائیوں کا تعصب (یہ ایک دوسری بات ہے کہ بجا ہے یا بیجا) اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ آپ ہرگز اس کا صحیح اندازہ نہیں کرسکتے۔ جن لوگوں نے غدر میں آپ کا ہمارے یہاں رہنا سنا ہے' مجھ کو ان کے تیور بھی بدلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور آج میں نے آپ کے ساتھ کھانا کھانے کو تو کھا لیا اور میں نے اپنے اذعان میں ہرگز خلاف مذہب اسلام نہیں کیا کیوں کہ آپ لوگ اہل کتاب ہیں اور ہمارے قرآن مجید میں اہل کتاب کے ساتھ کھانے کی صریح اجازت موجود ہے مگر شہر کے مسلمان اگر سن پائیں گے (اور کیوں نہ سنیں گے) کم بخت اس طرح کے جاہل ہیں کہ شہر میں میرا رہنا دشوار کردیں گے اور میں ٹھہرا کنبے اور جتھے کا آدمی' عجب نہیں سب مل کر مجھ کو برادری سے خارج کردیں۔''

Marfat.com

نوبل صاحب: ''مگر آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ بے اصل تعصب جس کو عقل کی تائید اور مذہب کی سند محض شورش جاہلانہ بے ثبات ہے- بے شک شروع میں چند روز تک شاید لوگ آپ کو قارت سے دیکھیں گے اور اس سے آپ کو ضرور کسی قدر ایذا بھی ہوگی مگر تا بہ کے اگر آپ استقلال کے ساتھ ایک طرز کو اختیار کریں گے اور کچھ شک نہیں کہ لوگوں پر اس نمونے کا مفید ہونا اور سویر ثابت ہوگا پر ہوگا' تو مجھ کو پورا یقین ہے کہ رفتہ رفتہ لوگ اپنی غلطی پر متنبہ ہوتے جائیں گے اور نفرت کے عوض خود اسی طریقے کی تقلید کرنے لگیں گے- پس جس بات سے آپ ڈرتے ہیں' ایذا ہے عارضی اور تکلیف ہے چند روزہ- آپ نے سرکاری خیر خواہی کے لیے کیسی جان جوکھوں اٹھائی تو کیا اپنی قوم' اپنے بھائی بندوں کے مفاد کے لیے تھوڑی سی خیالی ایذا کا تحمل کرنا کچھ بڑی بات ہے؟

یہ بات اچھی طرح سمجھ رکھنے کی ہے کہ پہلے ہی سے مسلمان ہندوستان کے باشندوں میں سب سے زیادہ خستہ حال تھے' اب اس غدر نے ان کو رہا سہا اور تباہ کر دیا- معدوے چند' شاید سارے ہندوستان میں پورے ایک درجن بھی نہیں' برائے نام کچھ رئیس تھے' میں سمجھتا ہوں اس غدر کی آفت سے شاذ و نادر کوئی بچا ہو تو بچا ہو- کارتوس کے کاٹنے پر بگڑے ہندو اور اس اعتبار سے بغاوت کی ابتدا ہندوؤں نے کی مگر آخر کار تھپ گئی مسلمان پر- اب بغاوت کا سارا نچوڑ مسلمانوں پر ہے اور ان احمقوں نے ہم وطنی کے لحاظ سے ہندوؤں کا ساتھ دے کر اپنا ایسا نقصان کر لیا ہے کہ سالہائے دراز تک ان کے پنپنے کی کچھ توقع نہیں- اب ان کے فلاح کی صرف یہی ایک تدبیر ہے کہ تلافی مافات کریں اور جس قدر انگریزوں سے الگ تھلگ رہے ہیں اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ ان سے ٹوٹ کر ملیں اور ہمارے نزدیک کوئی وجہ نہیں کہ کوئی آدمی کیوں ایسی تدبیریں عمل میں نہ لائے جو اس کے حق میں مفید ہیں-

مسلمان کتنے ہی گئے گزرے کیوں نہ ہوں' اب بھی ان کے سروں میں تعزز کے خیالات بھرے ہوئے ہیں- جہاں تک میں نے آزمایا ہے' مسلمانوں کے مزاج کار فرمائی کے لیے نہایت مناسب ہیں- میں نے ان کو کبھی ذلیل خوشامد کرتے ہوئے نہیں دیکھا- یہ لوگ سختی اور مصیبت کو بڑے استقلال کے ساتھ برداشت کرتے ہیں- اور

Marfat.com

کے ذہنوں میں جودت' ان کی عقلوں میں رسائی دوسری قوموں سے بہت زیادہ ہے- راست بازی' راست گوئی' دیانت' حمیت اور غیرت میں یہ لوگ اپنے ہم وطنوں سے ضرور سربرآوردہ ہیں- میں نے مختلف اضلاع میں بہ تعلق خدمت سرکاری ہندوستانیوں کی اکثر قوموں کا تجربہ کیا ہے- خدمت گار' چپراسی' عملہ کچہری' حکام' پیشہ ور تاجر' کوئی حیثیت کیوں نہ ہو' میں نے ہمیشہ مسلمانوں کو بہت بہتر پایا ہے یہ مقابلہ دوری قوم کے میں ان کے مذہب کو (آپ معاف کیجئے گا) سپاہیانہ مذہب خیال کرتا ہوں اور میرے نزدیک ہر مسلمان مذہباً سپاہی ہے-

ایک مسلمان تحصیل دار صاحب میرے دوست ہیں- نہیں معلوم غدر میں ان کو کیا پیش آئی مگر آدمی تیز مزاج شدید الحکومت تھے' ضرور مبتلائے بغاوت ہوں گے- ایک روز ہندوؤں اور مسلمانوں کے تذکرے میں کہنے لگے کہ میں بدون دیکھے ہندو فقیر کی آواز پہچان لیتا ہوں- ہندو فقیر جب بھیک مانگے گا گڑگڑا کر اور مری ہوئی آواز سے ''بھگوان بھلا کریں'' برخلاف مسلمان فقیر کے کہ فقیری میں بھی طنطنے کو نہیں جانے دیتا ''یا علی'' کہہ کر جو ایک ڈانٹ بتاتا ہے تو سارا محلہ چونک پڑتا ہے-

میں ایسا سمجھتا ہوں کہ مدتوں اس قوم میں سلطنت رہی- یہ تمام صفات اسی کے آثار ہیں لیکن سو برس بھی مسلمانوں پر افلاس کے اور گزرے تو ضرور ان کی نسلیں ایسی بگڑ جائیں گی کہ پھر ان کی اصلاح شاید ناممکن ہو- یہ قوم ایک رفارمر کی پہلے سے محتاج تھی اور اب تو رفارمر کے ہونے نہ ہونے پر انہی کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ ہے- میں کہتا ہوں وہ رفارمر تمہیں کیوں نہ ہو- شخصی عزتیں فروع ہیں قومی عزت کی- کوئی شخص دولت یا ہنر یا کسی اور وجہ سے کیسا ہی قابل عزت کیوں نہ ہو' جب تک وہ ایک ذلیل قدم کا آدمی ہے' اس کو پوری پوری عزت کی توقع ہرگز نہیں کرنی چاہیے- ہزاروں مثالیں موجود ہیں کہ ذلیل قوموں کے لوگ دولت پیدا کر کے بڑے مال دار ہو جاتے ہیں مگر ناصیہ امارت سے قومی ذلت کے داغ کو نہیں چھڑا سکتے اور سوسائٹی کبھی ان کی ایسی وقعت نہیں کرتی جس کے وہ امیری کی وجہ سے مستحق ہیں- میں نے اب نہیں' غدر سے پہلے اسی ہندوستان کے بڑے شہر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بازار میں کوئی چار گھڑی دن

Marfat.com

رہے لوگوں کی آمد و شد اس کثرت سے تھی کہ اس سرے سے اس سرے تک گویا ایک میلہ لگا ہوا ہے۔ جو لوگ سواریوں پر تھے وہ اور ان کے نوکر بھی تو چلاتے تھے' ہٹو' بڑھو' بچو! کون سنتا ہے۔ اتنے میں سامنے سے ایک گورا نظر پڑا' کہ اکیلا پیپ پیتا ہوا سیدھا چلا آ رہا ہے اور لوگ ہیں کہ آپ سے آپ کائی کی طرح اس کے آگے پھٹتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے اس وقت خیال کیا تھا کہ یہ قومی تعزز کا اثر ہے۔ شخصی تعزز پر اگر قومی تعزز مستزاد ہو تو نور علیٰ نور' ورنہ بدون قومی تعزز کے شخصی تعزز اصلی عزت نہیں بلکہ عزت کا ملمع ہے۔

دنیا میں نیکی کے بہت سے کام ہیں لیکن قوم کی رفارم سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ یہی وہ نیکی ہے جس کا فائدہ عام اور اثر نسلاً بعد نسل باقی رہ سکتا ہے۔ جن کو آپ پیغمبر کہتے ہیں وہ بھی میرے نزدیک اپنے وقت کے رفارمر تھے۔

**ابن الوقت:** ''مسلمانوں میں رفارمر کی ضرورت کو میں تسلیم کرتا ہوں مگر یہ کام میرے بوتے کا نہیں۔ ایک آدمی بگڑا ہوا ہوتا ہے تو کوئی اس کی اصلاح کا بیڑا نہیں اٹھا سکتا نہ کہ قوم۔ یہ کام مقدور بشر نہیں' قوم کے دلوں کو پھیر دینا میرے نزدیک تصرف الٰہی ہے۔''

**نوبل صاحب:** ''تصرف الٰہی ہی سہی اور سہی کا لفظ میں نے غلط کہا' مجھ کو کہنا چاہئے تھا تصرف الٰہی ہے لیکن دنیا میں تصرفات الٰہی ہمیشہ اسباب ظاہری کے ذریعے سے ہوتے ہیں۔ آئندہ کا حال کسی کو معلوم نہیں' کون کہہ سکتا ہے' شاید مسلمانوں کی تباہی حد کو پہنچ چکی ہو اور اب خدا کو ان کی حالت کا بہتر کرنا منظور ہو اور عجب نہیں اس بہتری کا یہی سامان ہو یا یہی نہ ہو تو من جملہ بہت سے اسباب کے یہ بھی ہو کہ ہم آپ اس قسم کا تذکرہ کر رہے ہیں اور خدا آپ کے دل میں ڈال دے اور آپ استقلال کے ساتھ اس کام کو شروع کر دیں اور آپ کی سعی مشکور ہو۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ دنیا کے بڑے واقعات اکثر محض خفیف اور ضعیف اسباب سے پیدا ہوئے ہیں جیسے بڑے عظیم الشان درخت چھوٹے چھوٹے بیجوں سے۔ دنیا کے حالات پر نظر کرنے سے ایسی امید کی جا سکتی ہے کہ شاید تمام روئے زمین پر ترقی کا دورہ شروع ہو گیا ہے۔ لوگ جو اس زمانے میں پیدا ہوتے ہیں خلقۃً ضعف تن سے زیادہ

Marfat.com

ذہین اور روشن دماغ اور آزاد مزاج اور وسیع خیال ہوتے ہیں- پس اس زمانے میں رفارم کوئی ایسا بڑا مشکل کام نہیں کیوں کہ طبیعتیں خود رفارم کی طرف متوجہ ہیں' جیسے بادبانی جہاز کا بادشرط کے رخ پر لے چلنا یا ایک بوجھ کا اوپر سے نیچے کو اتارنا- پھر اگلے زمانوں میں رفارمر کے اپنے خیالات کا دوسروں تک پہنچانا سخت مشکل ہوتا تھا' وہ انہی لوگوں کو اپنے خیالات سے آگاہ کرسکتا تھا جن کے ساتھ اس کو بالمشافہ گفتگو کرنے کا موقع ملتا اور اس زمانے میں چھاپے اور ڈاک اور ریل نے ایسی سہولتیں بہم پہنچادی ہیں کہ ایک بات کو مشتہر کرنا چاہو تو ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹنے کے لیے شاید ایک مہینہ کافی ہے- پس ایک رفارمر کا صلہ یعنی شہرت اور شہرت بھی نیک نامی کے ساتھ اور خوشنودی سرکار انگریزی اور جو منفعتیں اس پر مترتب ہوں اور ثواب عاقبت' سب کچھ مفت ہے' اگر کسی کو خواہش ہو اور میں آپ کے لیے اس سے بہتر کوئی مشغلہ نہیں پاتا-

**ابن الوقت:** ہمارے ملک میں تو یہ بالکل ایک انوکھا اور کٹھن کام ہے- آپ کے فرمانے سے جی تو میرا بھی چاہتا ہے مگر بوجوہ چند در چند ہمت قصور کرتی ہے-

**نوبل صاحب:** سنیئے صاحب! ملک کی آب و ہوا رفارم' رفارم پکار رہی ہے اور مجھے تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ عن قریب پردہ غیب سے رفارمر خروج کرنے والے ہیں- میرا جی چاہتا تھا کہ یہ نیک نامی آپ کے حصے میں آتی اور فرض کیجئے کہ آپ کو اس کوشش میں ناکامیابی ہو' جو کبھی ہونے والی نہیں اور میں اس کا ذمہ لے سکتا ہوں- تاہم آپ کا نقصان ہی کیا ہے' یہ کیا کم ہے کہ اول آپ فلاح قوم کے محترک ہوئے!

**ابن الوقت:** ''تنہائی سے طبیعت الجھتی ہے- ساری قوم کنفس واحدۃ میری مخالفت کرے گی- میں اکیلا چنا بھاڑ کر کیا کرلوں گا- ایسے بڑے کام کے انجام کو چاہئیں اعوان وانصار اور میں اپنے متعارفین میں کسی کو اس خیال کا نہیں پاتا-''

**نوبل صاحب:** ''میں ہندوستانی تو نہیں ہوں مگر جتنا میں ہندوستانیوں سے ملتا ہوں شاید کوئی انگریز نہ ملتا ہوگا- یہاں تک مجھ کو معلوم ہے جتنے انگریزی خواہاں ہیں' سب انہی خیالات کے ہیں اور ان کے دوست' آشنا' رشتہ دار ملا کر کم سے کم اتنے ہی اور سمجھ لیجئے- پھر جو لوگ انگریزوں کے ساتھ میل جول رکھتے ہیں' کسی وجہ سے کیوں نہ ہو' اکثر

Marfat.com

ان میں کے بھی اور پھر اس قسم کے لوگوں کا شمار روز افزوں ہے- خلاصہ یہ کہ یہ خیالات اگر نہیں ہیں تو مسلمانوں میں اور مسلمانوں میں بھی ممالک مغربی شمالی اور اودھ اور پنجاب کے مسلمانوں میں' سو اودھ عیاش اور پنجاب سپاہی' دونوں کو ہندوستانی عملداریوں کے امن واطمینان نے اس بات کا موقع دیا کہ اپنے علوم کی یادگار کو جو فی زمانہ بالکل بے سود ہیں' تازہ رکھیں-

آپ لو یورپ جانے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن اگر آپ گئے ہوتے تو آپ پر ثابت ہو جاتا کہ اہل یورپ کی عظمت سلطنت میں نہیں ہے بلکہ ان کی تمام عظمت ان علوم میں ہے جو جدید ایجاد ہوئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں اور جن علوم کے ذریعے سے انہوں نے ریل اور تار برقی اور سٹیمر اور ہزار ہا قسم کی بکار آمد کلیں بنا ڈالی ہیں اور بناتے چلے جاتے ہیں اور ہر طرح کی کاری گری میں دوسرے ملکوں کے لوگوں پر سبقت لے جا کر روئے زمین کی دولت اپنے ملک میں گھسیٹ لے گئے اور گھسیٹے لیے چلے جا رہے ہیں- جس جس طرح کے ہنر اور کمال اہل یورپ میں ہیں' ان کے ہوتے ممکن نہ تھا کہ ان کو سلطنت نہ ہو- سلطنت ان کے کمالات کی قیمت نہیں ہے بلکہ روکھن میں ہے اور ان کا حق لازمی ہے- سلطنت سے انگریزوں کو اگر کچھ مفاد ہے تو یہی کہ ان کے ملک کے چند آدمی یہاں آ کر نوکری کرتے اور تنخواہ پاتے ہیں-

اس سے بھی ہم کو انکار نہیں کہ ہندوستانیوں کے مقابلے میں انگریزوں کو بڑی تنخواہ ملتی ہے اور کیوں نہ ملے؟ ان کے سفر دور و دراز کو دیکھو' اختلاف آب و ہوا کی وجہ سے انکی جان جوکھم پر نظر کرو' ان کی اجلی شاندار کثیر المصارف طرز زندگی اور ساتھ ہی ان کی دیانتداری کا بھی خیال کرو تو معلوم ہو کہ انگریزوں کی تنخواہیں بہ ۱۰ اجب بڑی ہیں یا نہ ناواجب- یہ بھی انگریزوں ہی کے جگر ہیں کہ ان تنخواہوں پر کیسے کیسے سخت امتحان دیتے ہیں اور اپنا دیس اور اپنے عزیز یگانے چھوڑ کر کالے کوسوں نوکری کو نکل آتے ہیں کیوں کہ یہ بات ان کے اصول زندگی میں داخل ہے کہ ہر انسان کو اپنی قوت بازو سے کمائی کرنی چاہیے- جب کہ خاندان شاہی میں کوئی متنفس اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں اور خود ملکہ

Marfat.com

معظمہ کے بیٹے پوتے قاعدے کے مطابق چھوٹے چھوٹے عہدوں سے نوکری شروع کرتے ہیں تو دوسرے کس گنتی میں ہیں- یہ تنخواہیں اور یہی امتحان اور یہی پردیس اور یہی اختلاف آب وہوا اور یہی تمام حالات ہندوستانیوں کے ہوں تو شاید گھر سے نکلنے کا نام نہ لیں- ولایت تو ولایت آج کسی کو برما جانے کا حکم دیا جاتا ہے تو سارے گھر میں رونا پیٹنا مچ جاتا ہے- اپنی ہمت کا تو یہ حال اور انگریزوں کی تنخواہوں پر حسد-

بہرکیف یہی سہی کہ جتنے انگریز ہندوستان میں نوکر ہیں حتیٰ گورے سب کے سب یہاں کی تنخواہیں پاپا کر آسودہ حال ہو جاتے ہیں لیکن ان معدودے چند کے تمول سے اس ملک کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جس میں سے ان سے دو چند سہ چند ہر سال جزائر دور دست میں جا کر سکونت اختیار کر لیتے ہیں- صرف اس وجہ سے کہ علم طب اور صفائی میں جو بہت ترقی ہوئی ہے تو عمروں کا اوسط بڑھ گیا ہے' بیماری اور موت میں بہت کمی ہوگئی ہے' تو الدتناسل کثرت سے ہوتا ہے' ملک کی وسعت اس قدر کثیر التعداد باشندوں کو کافی نہیں اور اہل یورپ کے تمول کا اندازہ کسی قدر آپ اس بات سے کر سکیں گے کہ وہاں دو روپے روز کی آمدنی کا آدمی سوسائٹی میں اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا جیسے یہاں ڈیڑھ دو آنے روز کا مزدور اور دس ہزار روپیہ سالانہ کہ یہ سولین کی پنشن کی مقدار غایت ہے' سواری اور اپنے ذاتی ملازم رکھنے کے لیے مشکل سے کفایت کر سکتا ہے تو موٹی سے موٹی سمجھ کا آدمی بھی یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ سلطنت کی وجہ سے یورپ میں یہ کچھ دولت پھٹ پڑی ہے-

اصلی بات یہ ہے کہ خدا کو اہل یورپ کی ترقی' ان کی فلاح منظور تھی کہ ملک کے ملک کو واقعات نفس الامری اور موجودات خارجی میں غور کرنے کی دھن لگا دی- اس غور سے سینکڑوں' ہزاروں نئے نئے اصول دریافت ہوئے جن پر عمل کرنے سے انسان کی قدرت اس قدر بڑھ گئی کہ کچھ انتہا نہیں- غرض یورپ کی دولت مندی کے اصل لٹکے سٹیم اور الکٹریسٹی وغیرہ یعنی ان کے علوم جدید ہیں- بالوے کا تو نام آپ نے سنا ہوگا' اس شخص کے یہاں مرہم اور گولیوں کا کارخانہ ہے مگر اس کی آمدنی کو آپ اس پر قیاس

Marfat.com

کر سکتے ہیں کہ چار لاکھ روپیہ سالانہ تو صرف اجرت اشتہار کا خرچ ہے اور پھر کچھ بڑے کارخانوں میں اس کا شمار نہیں- ولایت جا کر دیکھیے تو معلوم ہو کہ تجارت کے مقابلے میں سلطنت ایک محض بے حقیقت چیز ہے- اگر تاجروں کے تمول کا حال میں آپ سے بیان کروں تو آپ مبالغہ سمجھیں- پھر ہماری ولایت کوئی سیر حاصل ملک نہیں- پیداوار اور معدنیات کے اعتبار سے یورپ کسی طرح ہندوستان سے لگا نہیں کھا سکتا مگر چونکہ ہندوستان لوگ نئے علوم سے ناواقف ہیں' خداداد سرمائے سے فائدے اٹھانے کا سلیقہ نہیں رکھتے- ہندوستانیوں کی بدقسمتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ مثلاً روئی ہندوستان سے ولایت جاتی اور وہ لوگ اپنی ہنرمندی سے اسی روئی کے انواع واقسام کے کپڑے بنا کر پھر ہندوستانیوں کے ہاتھ چند در چند نفع پر فروخت کرتے- پس ہندوستانیوں کے پنپنے کی اگر کوئی تدبیر ہے تو یہی کہ ان میں علوم جدید کو پھیلایا جائے اور ان کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جائے کہ اپنی تمام قوت عقلی واقعات میں صرف کریں-

یہاں کے لوگ بالطبع ذہین ہوتے ہیں- ادھر طبیعتیں لڑانی شروع کریں ادھر ان کا ان کو چسکا پڑ جائے تو بس ساری شکایتیں رفع ہیں اور از بس کہ تمام علوم جدید جن پر ملکی ترقی کا انحصار ہے انگریزی میں ہیں' سب سے پہلے زبان انگریزی کو رواج دینا ہوگا-

بعض لوگوں نے یہ بھی خیال کیا ہے کہ علوم جدید کی کتابیں اردو میں ترجمہ کرائی جائیں مگر میں اس رائے سے متفق نہیں ہوں- اول تو زبان اردو میں اتنی وسعت نہیں کہ علوم جدیدہ کی تمام مصطلحات کا اردو ترجمہ ہو سکے' ناچار اکثر مصطلحات انگریزی کو اختیار کرنا پڑے گا اور ان کے تلفظ میں ضرور غلطیاں ہوں گی- میں نے اس طرح کی بعض طبی اور بعض کیمیا اور بوٹنی وغیرہ علوم کی کتابیں دیکھی ہیں' کوئی سطر انگریزی الفاظ سے خالی نہیں- یہ ترجمے اردو و انگریزی مخلوط' آدھا تیتر آدھا بٹیر' مجھ کو تو سخت بدمزہ معلوم ہوتے ہیں اور پھر کسی زبان کے ایک لفظ کی دوسری زبان میں کیسی ہی ہندی کی چندی کیوں نہ کرو اس کا ٹھیک مفہوم دوسری زبان میں ادا ہونا مشکل ہے-

اس کے علاوہ انگریزی زبان کے رواج دینے سے ایک غرض تو علوم جدیدہ کا

Marfat.com

پھیلاتا ہے اور دوسری غرض اور بھی ہے یعنی عموماً انگریزی خیالات کا پھیلانا۔ اکیلے علوم جدیدہ سے کام چلنے والا نہیں جب تک خیالات میں آزادی' ارادے میں استقلال' حوصلے میں وسعت' ہمت میں علو' دل میں فیاضی اور ہمدردی' بات میں سچائی' معاملات میں راست بازی یعنی انسان پورا پورا جنٹلمین نہ ہو اور وہ بدون انگریزی جاننے کے ہو نہیں سکتا۔ انگریزی داں آدمی کو اخباروں اور کتابوں کے ذریعے سے انگریزی خیالات پر آگہی بہم پہنچانے کی بڑی آسانی ہو سکتی ہے۔ رفارم جس کی ضرورت ہندوستان کو ترقی کے لیے ہے' اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہندوستانیوں کو انگریز بنایا جائے خوراک میں' پوشاک میں' زبان میں' عادات میں' طرز تمدن میں' خیالات میں' ہر ایک چیز میں اور وقت اس کے لیے چپکے چپکے کوشش کر رہا ہے مگر اس کی کوشش دھیمی ہے اور اس پر نتیجے کا مترتب ہونا دیر طلب۔ لوگوں کے دلوں میں خود بخود اس طرح کے خیالات بہ تقاضائے وقت پیدا ہو چکے ہیں' کوئی رفارمر کھڑا ہو کہ اس سلگتی ہوئی آگ کو جلدی سے بھڑکا دے۔

**ابن الوقت:** آپ کے سمجھانے سے دل میں آتا ہے کہ اس کام کو کرنا چاہیے۔ اس کے ضروری اور مفید ہونے میں تو کچھ شک نہیں مگر یہ تو فرمایئے کہ اس کی ابتدا کس طرح پر کی جائے؟

**نوبل صاحب:** رفارمر بننے کی بسم اللہ یہ ہے کہ رفارمر جو کیفیت لوگوں میں پیدا کرنی چاہتا ہے پہلے خود اس سے متکیف ہو لے اور اپنا نمونہ دکھا کر لوگوں کو تقلید کی ترغیب دے۔

**ابن الوقت:** ''اگر عرض کرنا سوء ادب نہ ہو تو میں کہتا ہوں کہ آپ ہی رفارمر کیوں نہیں بنتے۔ یورپ ٹھہرا آپ کا وطن' وہاں کے حالات سے تو آپ بالتفصیل واقف ہیں' رہا ہندوستان' آپ نے ذاتی شوق ہر طرف کی سیر و سیاحت کی ہے' ہر قوم و ملت کے ہندوستانیوں کے ساتھ آپ کو اختلاط بھی بہت رہا ہے اور بلا تخصیص قوم و مذہب و ملک عام انسانی ہمدردی بھی آپ کے دل میں کچھ کم نہیں تو اس صورت میں منصب رفارم کے

Marfat.com

لیے آپ سے بہتر کون ہوگا؟''

نوبل صاحب: ''میں آپ کے ان خیالات کا شکر گزار ہوں مگر میرا یورپین ہونا منصب رفارمر کے منافی ہے۔ ہم ملکی انگریزوں میں شاذ نادر کوئی ایسا ہوگا جس کے دل میں اس طرح کے خیالات نہ گزرتے ہوں۔ ہم ہی میں کا ایک گروہ مشنری لوگوں کا ہے جن کی تمام ہمت اسی کام میں مصروف ہے مگر چونکہ ان کے اغراض میں مذہب کا شمول ہے' ان کی تمام کوششیں رائیگاں ہیں۔ شروع شروع میں تو پادریوں نے اکثر ہنود کے چند نوجوان لڑکوں کو اور بعض مسلمانوں کو بھی عیسائیت کی طرف راغب کر لیا تھا اور کبھی کبھی سننے میں آتا تھا کہ فلاں ہندو یا مسلمان نے اصطباغ لیا مگر مذہب کا عجیب معاملہ ہے' دل کی تسلی کا نام مذہب ہے۔ پھر تو لوگ چوکنے ہو گئے۔ پادریوں کی بڑی چوٹ ہنود پر تھی' سو انھوں نے بھی کاٹ چھانٹ کر اپنے مذہب کو ایسا کر لیا کہ کوئی ہندو انگریزی لکھ پڑھ کر بگڑنا چاہتا ہے تو کوئی نہ کوئی سماج اس کو اپنے میں ملا لیتا ہے۔ غرض مدتوں سے غیر مذہب کے لوگ عیسائی ہوتے ہوا تے نہیں' الا شاذ۔ اب پادریوں کی بڑی کامیابی اس پر آ کر ٹھہری ہے کہ قحط کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ کال پڑے اور صاحب ضلع سے لاوارث بچوں کو پرورش کے لیے لیں' ان کو اپنے طور پر لکھائیں پڑھائیں' تربیت کریں' یہ بچے بڑے ہو کر عیسائی ہوں؟ اللہ اللہ خیر صلاح! پس فرض یہ کیجئے کہ مشنری نہیں کوئی انگریز رفارمر بننا چاہے تو مذہبی بدگمانی کا کیا انسداد انگریز کی تو صورت دیکھ کر لوگ ہتے سے اکھڑ جائیں' سنتے بھی تو نہ سنیں' مانتے بھی تو نہ مانیں' رفارمر چاہئے اپنی قوم کا کہ وہ تردید کے عوض تائید کا اور اعتراض کی جگہ سند کا کام دے۔''

ابن الوقت: ''بہت خوب' خدا نے چاہا تو میں اس کام کو شروع کروں گا۔ ع ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم' لیکن آپ سے توقع کرتا ہوں کہ آپ میرے مددگار رہیں گے''

نوبل صاحب: ''نہ صرف میں بلکہ تمام انگلش کمیونٹی' اور سرکار اور خود آپ ہی کی قوم کے بہت سے اشخاص معقول پسند جن کے سروں میں یہ خیالات بھرے ہوئے ہیں اور

Marfat.com

ضعف ہمت کی وجہ سے سہارا ڈھونڈ رہے ہیں کہ کوئی مقدمتہ الجیش بنے تو ہم پیچھے ہولیں- اور سنیے مجھ کو کامل یقین ہے کہ بہت جلد آپ کو اس ارادے میں کامیابی ہوگی- لوگوں کے مادے تیار ہیں' تھوڑے ہی دنوں میں میں آپ کو دیکھوں گا کہ ایک بڑا گروہ آپ کی رائے کی تحسین کرتا ہے' گویا وہ آپ کی امت ہیں اور آپ ان کے امام-"

اللہ اکبر! نوبل صاحب اور ابن الوقت کون وقتوں کے باتوں میں لگے ہیں- گیارہ بجے کے بیٹھے بیٹھے چار بجا دیے اور باتوں کا سلسلہ ہے کہ منقطع نہیں ہونے پاتا- چپراسی' خدمت گار ہیں کہ آئینوں میں سے جھانک جھانک کر چلے جاتے ہیں- جمع دار چپکے چپکے ایک چپراسی سے کہہ رہا ہے: "تمھی کہتے تھے نا کہ ان کو ملاقات سے پہلے کمرے میں کیوں بٹھایا' اب دیکھا اس لیے بٹھایا تھا- صاحب کی نظروں میں آج جو یہ ہیں دوسرا نہیں ہونے گا-" اتنے میں نوبل صاحب اور ابن الوقت دونوں باتیں کرتے ہوئے باہر نکلے- ابن الوقت کہتے ہوئے چلے آ رہے تھے کہ بیچ میں آپ کو ضرورت ہو تو بلوا بھیجیے گا ورنہ جس دن مجھ کو حاضر ہونا ہوگا ایک دن پہلے آپ کو اطلاع دوں گا اور ہاں جاں نثار خاں کو اتنی اجازت دیجئے کہ یہاں کے کام سے فارغ ہو کر آج رات کو میرے پاس رہیں' علی الصباح توپ سے پہلے پھر اپنی نوکری پر آ موجود ہوں گے-

بری بات بھی کتنی جلد شہرت پکڑتی ہے- گیارہ بجے کے قریب ابن الوقت نے نوبل صاحب کے ساتھ کھانا کھایا اور ظہر کی اول جماعت کے بعد محلے کی مسجد کے نمازی آپس میں تذکرہ کر رہے تھے کہ کیوں جی' میاں ابن الوقت کی نسبت بازار میں یہ کیا چرچا ہو رہا ہے کہ کرسٹان ہو گئے؟

ایک نمازی: "کرسٹان ہونے کی تو نہیں سنی' اتنا البتہ سنا ہے کہ وہی انگریز جوان کے یہاں غدر میں چھپا تھا' اس کو شہر میں کوئی بڑا بھاری کام ملا ہے: یہ اس کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں' آج اس کے ساتھ کھانا کھا لیا-"

دوسرا: "میاں تم بھی عجیب آدمی ہو..... چھی چھی' انگریز کے ساتھ کھانا کھایا تو وہ کرسٹان' اس کی ہفتاد پشت کرسٹان- کیا کرسٹان کے سر میں سینگ لگے ہوئے ہیں؟"

Marfat.com

تیسرا: ''اس انگریز کے ساتھ انھوں نے آج کچھ نیا کھانا نہیں کھایا: سارے غدر وہ انگریزان کے گھر رہا اور برابران کے ساتھ کھاتا رہا۔''

دوسرا: ''دیکھو تو اس ظالم نے کیا غضب کیا ہے! خیر' انگریز کو تو چھپایا تھا تو وہ جانے اس کا ایمان جانے مگر انگریز کے ساتھ کھا کر اس کو ہم لوگوں کے ساتھ کھانا پینا نہیں رکھنا چاہئے تھا۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ شاید روزے اور نماز سب کی قضا لازم آئے گی۔ دیکھو مولوی صاحب (امام مسجد) سلام پھیر لیں تو مسئلہ پوچھا جائے۔''

پہلا: ''شہر پر یہ کچھ تو آفتیں ٹوٹ رہی ہیں کہ کام والے کام سے گئے' نوکر نوکری سے' گھر والے گھر سے بے گھر ہوئے اور ہنوز کسی کی جان کا بھروسا نہیں' تحقیقات بغاوت درپیش ہے۔ وہی کہاوت ہے کہ کرتو ڈر اور نہ کرتو خدا کے غضب سے ڈر۔ تم کو اگر اپنی جان دوبھر ہے تو مرنے کے سو حیلے' ہزار بہانے ہم غریبوں کو زبردستی اپنی آنچ میں کیوں دھکیلتے ہو؟' دیوار ہم گوش دارد' یہی بات اگر کوئی میاں بن الوقت سے جا لگائے تو دم کے دم میں ساری مشیخت کرکری ہو جائے۔ نا بابا' ہمارا تو اس وقت سے جماعت کی نماز کو سلام ہے۔ کس کی شامت آئی ہے کہ بیٹھے بٹھائے کھنچا کھنچا پھرے۔''

اتنے میں مولوی صاحب دعا سے فارغ ہو کر منہ پر ہاتھ پھیر رہے تھے کہ اس کٹے نمازی نے مسئلہ پوچھ ہی پوچھا۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ انگریز کے ساتھ کھانے سے آدمی عیسائی نہیں ہو جاتا مگر **وعید' من تشبہ بقوم فھو منھم**'' اس پر متوجہ ہوتا ہے' مسلمان کو اس سے محترز رہنا چاہئے لیکن' **الخبر یمحتمل الصدق والکذب**' افواہ کا کیا اعتبار اور **لو فر ضنا** سچ بھی ہو تو' **لاتزر وازرۃ وزر اخری** ایک شخص کا فعل اس کے اسلاف کی طرف کیوں متعدی ہونے لگا۔

غرض اس وقت تو نمازی متفرق ہو گئے مگر اتنوں کے کان پڑی ہوئی بات سارے محلے میں ایک غل سا پڑ گیا۔

ابن الوقت لوٹ کر گھر آیا تو ہر طرف سے انگلیاں اٹھتی تھیں اور جن لوگوں کا معمول صاحب سلامت میں تقدیم کرنے کا تھا' وہ بھی آنکھیں چراتے اور منہ چھپاتے

Marfat.com

تھے- جوں ابن الوقت نے مردانے میں پاؤں رکھا ہے کہ زنان خانے سے عورتوں نے ڈیوڑھی میں آ آ کر جھانکنا شروع کیا- ابن الوقت لوگوں کی یہ مدارات دیکھ کر جی ہی جی میں کھٹکا تو سہی مگر نہ کسی نے منہ پھوڑ کر اس سے کچھ پوچھا اور نہ اس نے اپنی طرف سے ابتدا کا کرنا مناسب سمجھا- ابھی درباری لباس کے بوجھ سے بھی سبکدوش نہیں ہوا تھا کہ اندر سے پھوپھی صاحب کی طلب آئی- ابن الوقت کے ساتھ چار آنکھیں ہوتے ہی وہ نیک بخت بی بی آپ ہی بولیں: ''میں تو کچھ نہیں کہتی' بس جھوٹوں سے خدا ہی سمجھے- سدا سے لوگوں کو اسی گھر کی جلن رہی' پر ان شاءاللہ لوگ جلیں گے اور ہم پھلیں گے- تیسرے پہر سے سنتے سنتے کان بہرے ہو گئے کہ دشمنوں کو انگریزوں نے اپنے مذہب میں ملا لیا' برا چاہنے والوں کو اپنا جھوٹا کھانا کھلا دیا- کہنے والوں کو اب گھر میں آنا ہی نہیں ملنے کا اور میں ایک ایک سے کہتی تھی کہ نوج! میرا بھتیجا اس قابل ہی نہیں' وہ تو انگریزوں کو عقل سکھانے والا ہے- لاکھ جتن کریں گے ایک نہ ایک بات مغز سے ایسی اتار کر کہے گا کہ سب کے سب اس کا منہ دیکھنے لگیں گے- قربان جاؤں اس غفور رحیم کے کہ تم بھلے چنگے لوٹ کر آئے بیٹا- اگر سچ مچ انگریزوں کی نیت بدلی ہوئی دیکھو جیسا کہ لوگ پکارا کر رہے ہیں تو پھوپھی صدقے گئی' ایسی خیر خواہی پر لعنت بھیجو- قلعہ غارت ہوا تو خیر خدا کی مرضی: جس نے جان دی ہے وہ کہیں نہ کہیں سے ان بزرگوں کے طفیل میں جن کے ہم نام لیوا ہیں' تان بھی ضرور دے گا-''

ابن الوقت: ''یہ کیا بیہودہ بات آپ سے کسی نے آ کر کہہ دی ہے- حقیقت تو اسی قدر ہے کہ میں نوبل صاحب کے پاس گیا تھا- کھانے کا تھا وقت' انھوں نے اصرار کر کے مجھ کو بھی میز پر بٹھا لیا-''

پھوپھی: ''پھر تم نے کھایا تو نہیں-''

ابن الوقت: ''کھایا تو کیا ہوا' وہی نوبل صاحب ہیں نا جو کامل تین مہینے ہمارے گھر مہمان تھے-''

پھوپھی: ''خیر وہ الگ بات تھی-''

Marfat.com

ابن الوقت: ''آپ تو قرآن کا ترجمہ پڑھی ہوئی ہیں- سورہ مائدہ کے پہلے ہی رکوع میں دیکھ لیجئے و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم' کے کیا معنے لکھے ہیں- پھر ایک انگریز کے ساتھ کھانا کھا لینے کے علاوہ آپ بے دینی کی کوئی اور بات بھی مجھ میں دیکھی ہے- میں بدستور نماز پڑھتا ہوں- آپ کو یاد ہوگا عین رمضان کا مہینہ تھا کہ نوبل صاحب ہمارے یہاں آئے' میں دن بھر روزہ رکھتا تھا- خدا کے فضل سے ایک روزہ قضا نہیں کیا اور رات کو صاحب کے ساتھ کھانا بھی کھاتا تھا- صبح کی تلاوت جو میرا معمول تھا' میں نے اس کو ناغہ نہیں ہونے دیا- میں نہیں جانتا کہ مسلمان میں اور کیا سرخاب کا پر لگا ہوتا ہے- مذہب کیا چیز ہے' بندے کا معاملہ خدا کے ساتھ: پس کسی شخص کو دوسرے کے مذہبی معاملے میں دخل دینے کی ضرورت نہیں اور فرض کیجئے کہ نعوذ باللہ من ذالک' اگر میں کرسٹان ہونا چاہوں تو کون مجھ کو روک سکتا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ دنیا کے اعتبار سے کنگالوں کے زمرے سے نکل کر امیروں کے گروہ میں جاملوں گا' محکوموں سے حاکمیوں میں' احمقوں سے عقلمندوں میں' بے عزتوں سے عزت والوں میں' مگر وہ بھی کچھ مذہب ہے جس پر دنیا کا لالچ یا خوف اثر کر سکے!''

Marfat.com

فصل نہم

# ابن الوقت تبدیل وضع کے بارے میں جاں نثار سے صلاح اور استمداد کرتے ہیں

ابن الوقت یہ کہہ کر پھر مردانے میں چلا آیا۔ نماز مغرب کے تھوڑی دیر بعد جاں نثار آ پہنچا۔ بیٹھتے کے ساتھ ہی پہلی بات اس نے یہی کی کہ ''آج صاحب ہوا خوری کو بھی نہیں گئے۔ آپ کے چلے جانے کے بعد سے جو چٹھیاں لکھنے بیٹھے تو میرے شیر نے چراغ ہی جلا دیے۔ پھر مجھ کو بلا کر آپ کے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا کہ ابھی چلے جاؤ۔ صاحب آپ سے اس قدر خوش ہیں کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ جو ملاقاتی آتا ہے آپ کا تذکرہ اس سے ضرور کرتے ہیں اور میز پر تو صاحب لوگوں میں برابر آپ ہی کا مذکور رہتا ہے۔ وہ تو آپ شہر میں رہتے ہیں اور آپ کا مکان بھی بیچ در بیچ گلیوں میں ہے اور گلیاں بھی صاحب ستھری نہیں: اگر کہیں آپ انھی لوگوں کے میل میں شہر کے باہر کسی بنگلے میں رہتے ہوتے تو دیکھتے کہ سارے سارے دن اور آدھی آدھی رات تک انگریز آپ کا پیچھا نہ چھوڑتے۔ صاحب' ہیں تو یہ لوگ کہنے کو کافر مگر مروت اور خدا ترسی اور اخلاق' غرض نیکی کی کل باتیں جیسی میں نے ان لوگوں میں دیکھیں ہم لوگوں میں تو کہیں پاسنگ بھی نہیں۔ یہ نہ ملنے تک ہوا ہیں اور ملے پیچھے ایسے ملتے ہیں کہ کیا کوئی اتنا ملے گا۔ میم صاحب کی چٹھی ولایت سے آتی ہے تو سائیسوں تک کو سلام لکھتی ہیں اور نام بہ نام ایک ایک کے بی بی بچوں کی خیر و عافیت پوچھتی رہتی ہیں۔ سامنے والی نیلی کوٹھی میں فوج کے ایک صاحب رہتے ہیں؟ ان کی میم صاحب اور بابا لوگ بھی ہیں۔ کل نہیں پرسوں کوئی رات کے دو بجے ایک آیا کے سینے میں درد اٹھا' اسی وقت صاحب آپ جا کر ڈاکٹر کو لائے اور دونوں میاں بی بی صبح کے پانچ بجے تک اس آیا کے پاس سے ٹلے نہیں۔ بھلا آج کوئی ہندوستانی سردار ہے جو ادنیٰ نوکروں کے ساتھ اس قسم کا برتاؤ کرے

Marfat.com

معاملے کے ایسے سچے کہ کسی نوکر کو کیسے ہی ناراض ہو کر موقوف کریں' کیا مجال کہ کسی کی تنخواہ کی کوڑی لگا رکھیں- ہم لوگوں کی طرح نہیں کہ پہلے چوری کی تہمت کا منصوبہ سوچ لیں' تب نوکر کے نکالنے کا نام لیں اور تنخواہ تو تنخواہ اگر نوکر تن بدن کے کپڑے سلامت لے کر عزت آبرو سے رخصت ہو جائے تو بڑا خوش نصیب- ہم لوگوں میں سے جو کوئی تھوڑے دنوں کے لیے بھی انگریز کو چھو گیا ہے' پھر کسی ہندوستانی کی نوکری اس سے ہو ہی نہیں سکتی- اگر مذہب کا فرق نہ ہوتا تو چاہے آپ اس کو نمک کی تاثیر سمجھیں' انگریز میرے نزدیک پوجنے کے قابل تھے- بال بچوں کی طرح نوکروں کی پرداخت کرتے ہیں-''

ابن الوقت: ''سب انگریز ایک مزاج کے نہ ہوں گے- اتفاق سے تم کو جن لوگوں کے ساتھ معاملہ پڑا' اچھے ہی اچھے ملے-''

جاں نثار: ''ہاتھ کی پانچ انگلیاں تو کیوں کر برابر ہو سکتی ہیں- اچھے برے سبھی جگہ ہیں مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ انگریزوں میں اکثر اچھے اور ہم میں اکثر برے ہیں-''

ابن الوقت: ''میں سمجھتا ہوں شاید فوجی انگریز زیادہ اکھڑ اور بدمزاج ہوں گے-''

جاں نثار: ''ہرگز نہیں! ایسے بھلے مانس' دل کے سخی اور بے تکلف کہ ملکی انگریز کی دوستی نہ فوجی کی صاحب سلامت- ہاں دوغلے جن میں ہندوستانیوں کا تخم ملا ہوا ہے' ان کی جس قدر برائی کی جائے تھوڑی- ''خدا گنجے کو ناخن نہ دے''- ان کا بس چلے تو ہندوستانیوں کے ہاتھ سے طرح طرح کی ایذائیں ان لوگوں کو پہنچی ہیں- اس سے دلوں میں غصہ بھرا ہوا ہے' اور سری کا ہوتا تو ملک میں گدھوں کا ہل پھروا کر بھی بس نہ کرتا- پھر بھی میں یہی کہوں گا کہ یہ انھی لوگوں کے حوصلے ہیں کہ رعیت نے اتنا ظلم کیا اور ان کو رعیت کا اجاڑنا منظور نہیں- صاحب تو ایسا فرماتے تھے کہ یہ پکڑ دھکڑ بھی تھوڑے دن کی اور ہے- ہمارے یہاں تو صاحب لوگوں کا بڑا جمگھٹا رہتا ہے- یہ لوگ آپس میں اکثر غدر ہی کی باتیں کیا کرتے ہیں- میں انگریزی خوب تو نہیں سمجھتا مگر اتنا معلوم ہے کہ اب رحم کی نظر زیادہ ہے- یہ غدر بھی ایک کسوٹی تھی- جس طرح کھوٹے کھرے ہندوستانی الگ پہچانے گئے' اسی طرح برے بھلے انگریز- جو لوگ ان میں شریف

Marfat.com

خاندانوں کے ہیں وہ درگذر ہی کی رائے دیتے ہیں- ایک روز ہمارے صاحب تذکرہ کرتے تھے کہ ولایت میں پہلے یہ قاعدہ تھا کہ سرکار شریف خاندانوں کے لڑکوں کو اپنے خرچ سے پڑھا لکھا کر ہندوستان کی نوکریوں کے واسطے تیار کرتی تھی- ان دنوں جو انگریز آتے تھے سب خاندانی ہوتے تھے- اب چند سال سے سرکار نے اس دستور کو موقوف کر کے امتحان کا طریقہ جاری کیا ہے- لوگ اپنے طور پر ہندوستان کی نوکری کے لیے لیاقت بہم پہنچا کر امتحان دیتے ہیں' جو امتحان پاس کرتا ہے اس کو نوکری مل جاتی ہے- شریف اور رذیل کا امتیاز نہیں ہوتا- اکثر عوام کے بلکہ دھوبی' حجام' موچی' بھٹیارے وغیرہ پیشہ وروں کے لڑکے جن کی ولایت میں کچھ بھی عزت نہیں' محنت کر کے امتحان پاس کر لیتے ہیں- اگرچہ ان کے تعلیم یافتہ ہونے میں کچھ شک نہیں مگر تاہم: ع اصل بداز خطا خطا نہ کند' ان کی ذات سے رعایا کو کم تر فیض پہنچتا ہے- مگر میں تو یہی کہوں گا کہ ان کے برے بھی ہمارے اچھوں سے اچھے اور بہت اچھے ہیں- آپ ان سے ملیں تو میرے کہے کی آپ کو تصدیق ہو-''

ابن الوقت: ''نوبل صاحب بھی مجھ کو یہی صلاح دیتے ہیں مگر وہ چاہتے ہیں کہ مجھ کو برابری کے دعوے سے انگریزوں میں ملائیں-''

جاں نثار: ''ملنے کا مزہ بھی برابر ہی میں ہے- یہ کیا کہ امیدوارانہ گئے' اردلیوں کے دھکے کھائے' سارے دن کی محنت میں دور سے سلام ہوا' نہ بات نہ چیت اور خدانخواستہ آپ کو اس طرح ملنے کی ضرورت بھی کیا ہے- چلئے ادھر ہی ایک کوٹھی کرائے لے کر رہے تو بڑا مزہ ہو-

ابن الوقت: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ انگریز مجھ کو اپنی سوسائٹی میں لینا پسند کریں گے؟''

جاں نثار: ''آپ کو اور آپ کے غلاموں کو! آپ کی صورت شکل اور شان میں ماشاء اللہ کسی طرح کی کمی نہیں- خدا نے آپ کو امیر کیا ہے' کچھ یہ بات نہیں کہ آپ اونچی حیثیت سے رہ نہیں سکتے- انگریزی میں کسی قدر کمی ہے' سو آپ باتیں سمجھ تو سب لیتے ہیں' بولنے میں جھجک ہے' دو چار مہینے میں ملنے جلنے سے خود بخود نکل جائے گی اور سب سے بڑھ کر تو صاحب کا زبردست پایہ ہے- خدا ان کو سلامت رکھے' آج سٹیشن میں ان

Marfat.com

کی وہ بات بن رہی ہے کہ واہ واہ اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی دن جاتا ہے آپ کو کچھ کام بھی ضرور ہونے والا ہے۔''

**ابن الوقت:** ''مگر ہندوستانی لوگ اس کی نسبت کیا خیال کریں گے؟''

**جاں نثار:** ''ہندوستانی تو یہی سمجھیں گے کہ آپ کرسٹان ہو گئے اور میں تو جانتا ہوں اب بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔کوئی بیسیوں آدمیوں نے تو آج ہی مجھ سے پوچھا ہے۔''

**ابن الوقت:** ''تم انگریز کے ساتھ کھانا کھانے کو کیسا خیال کرتے ہو؟''

**جاں نثار:** ''صاحب کے منہ سے سنا ہے کہ روم اور مصر اور ایران اور عرب کہیں کے مسلمان پرہیز نہیں کرتے' بے تکلف انگریزوں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں۔مگر ہمارے ملک کے لوگ تو بڑی چھوت مانتے ہیں۔''

**ابن الوقت:** ''خیر جیسی پیش آئے گی' دیکھی جائے گی۔میں نے نوبل صاحب سے وعدہ کر لیا ہے مگر انگریزوں کی شان کے مطابق سامان کا بہم پہنچنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔''

**جاں نثار:** ''جناب' ذرا بھی مشکل نہیں۔اس کا تو آپ خیال بھی نہ کیجئے۔کلکتے میں جنرل سپلائیر' ایک کمپنی ہے' اس کا ایجنٹ یہاں آیا ہوا ہے۔ایک بنگلہ تجویز کر کے اس کو دکھا دیا جائے گا کہ اس طور پر اس کو سجا دو۔ہمارے صاحب نے بھی تو یہی کیا تھا۔اس کوٹھی کی تو چھت تک بھی اکھاڑ کر لے گئے تھے۔صاحب جھجر جاتے ہوئے اس ایجنٹ سے کہتے گئے۔اس نے ایک ہی مہینے میں مکان بھی بنوا دیا اور جتنا ساز و سامان آپ دیکھتے ہیں' سب مہیا کر دیا۔ہماری کوٹھی کے مقابل سڑک پار ۴۲ نمبر کا بنگلہ خالی ہے۔صاحب سے بھی قریب ہے' موقع بھی اچھا ہے' شاید چالیس' پینتالیس' ایسا ہی کچھ کرایہ ہے۔اگر حکم ہو' اس کو روک دیا جائے۔جس مہاجن کا بنگلہ ہے' اس نے حال ہی میں اس کو درست کرایا ہے' غدر میں یہ بھی بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا۔جنرل سپلائیر کا ایجنٹ دو ہفتے کے قریب میں جیسا فرمایئے گا' سجا دے گا۔ان لوگوں میں ٹھہرانے چکانے کا دستور نہیں۔بل بنا کر بھیج دے گا' آپ اس کی رقم چکا دینا۔نہ ہڑ ہڑ نہ کھڑ کھڑ۔بلکہ فرمایئے تو میں صاحب سے عرض کر دوں' وہ خوشی خوشی اس کا انتظام کر دیں گے مگر کہیں گے وہ بھی

Marfat.com

ایجنٹ ہی سے۔"

ابن الوقت: "نہیں' صاحب کو کیوں تکلیف دو' تمھی جس طرح مناسب سمجھو کر دھرلو۔ اور ہاں بھائی کپڑے کے بارے میں کیا کہتے ہو؟"

جاں نثار: "ہر چیز میل سے بھلی معلوم ہوتی ہے۔ پیروں میں انگریزی ہاف بوٹ' ٹانگوں میں ڈھیلے پائچوں کا پاجامہ' آدھی پنڈلیاں کھلی ہوئی یا کوٹ پتلون کے ساتھ سر پر عمامہ یا اسی طرح کی دوسری بے جوڑ چیزیں مجھ کو تو بری معلوم ہوتی ہیں۔ نقل کیجئے تو پوری پوری کیجئے ورنہ دونوں جگہ ہنسی ہوگی۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔"

ابن الوقت: "خیر' تو ایک سال کے کپڑوں کے لیے بھی اسی ایجنٹ سے فرمائش کر دینا اور چونکہ تم انگریزی سوسائٹی کے دستور سے بہ خوبی واقف ہو' اس بات کا خیال رکھنا کہ انگریزوں کی نظر میں سبکی نہ ہو۔"

جاں نثار: "کیا مجال' خدا نے چاہا تو آپ کی کوٹھی سرتاپا ایسی آراستہ ہو کہ لیڈیاں دیکھنے کو آئیں اور ساری چھاؤنی میں آپ کے کھانوں کا غل ہو۔ اصل چیز ہے روپیہ اور سلیقہ' سو روپے کی خدا کی فضل سے آپ کے پاس کمی نہیں اور سلیقہ تو خاک چاٹ کر کہتا ہوں' برسوں میم صاحب کی جھڑکیاں سہیں' گھرکیاں سنیں' صاحب نے لاٹ گورنر کو کھانا دیا' شاہزادہ بلجیم کی دعوت کی۔ خیر اپنے منہ سے اپنی بڑائی کرنی مناسب نہیں' دیکھ لیجئے گا۔ اس بات کو آپ دریافت کر لیجئے کہ چھاؤنی میں جب کبھی کوئی بڑا کھانا دیا جاتا ہے' آپ کے خانہ زاد ہی کو بلاتے ہیں۔ فرنیچر کا سجانا بڑا مشکل کام ہے' اچھے اچھے چوک جاتے ہیں مگر میم صاحب نے میرے پیچھے بڑی جان ماری ہے' تب کہیں برسوں میں جا کر یہ بات حاصل ہوئی۔ ہے۔ خیر اور سب باتوں کو تو میں دیکھ بھال لوں گا' مگر آپ کو خود بھی انگریزی قاعدہ سیکھنا چاہئے کیونکہ آپ ہوں گے صاحب خانہ۔ آؤ بھگت' استقبال' رخصت' مزاج پرسی' تواضع وغیرہ وغیرہ بہت سے کام آپ کو اپنی ذات سے کرنے پڑیں گے۔ ایک ذرا سی بے تمیزی سے سارا کیا دھرا اکارت ہو جاتا ہے۔ لیڈیوں کے ساتھ ملنے میں خاص کر بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ میم صاحب کی دی ہوئی اے ٹی کٹ' کی میرے پاس ایک کتاب ہے' میں آپ کے پاس بھیج دوں گا۔ ایک دفعہ

Marfat.com

وہ کتاب نظر سے گزر جائے گی تو سارے کام سدھ ہو جائیں گے اور آخر ان لوگوں کو ایک دوسرے سے ملتے ہوئے بھی تو آپ دیکھیں گے۔ شروع شروع میں ذرا اس کا خیال رکھئے گا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ کیونکر برتاؤ کرتے ہیں۔"

نوبل صاحب بیچارے کا کچھ دوس نہیں۔ انہوں نے اپنے انگریزی خیالات کے مطابق نیک نیتی سے اپنے دوست ابن الوقت اور اس کی قوم کے حق میں مفید سمجھ کر اس کو ایک صلاح دی۔ ابن الوقت دودھ پیتا بچہ نہ تھا کہ نوبل صاحب کے جھانسے میں آ گیا۔ اس کو اپنی قابلیت' قوم کی حالت' اطراف و جوانب' نتائج و عواقب پر نظر کر کے کام کرنا تھا۔ بات یہ ہے' خود اسی کی طبیعت شروع سے اس طرف راغب تھی۔ نوبل صاحب کا کہنا اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا۔ اپنی قوم اور قوم کی ہر چیز کی حقارت اور انگریز اور ان کی ہر بات کی وقعت پہلے سے اس کے ذہن میں مرتکز تھی مگر وہ ایک شخصی رائے تھی نہ کسی کے حق میں مفید' نہ کسی کے لیے بہ کار آمد۔ اتنی بات ابن الوقت کو نوبل صاحب نے سمجھائی کہ اس خیال سے کس طرح پر اس کو اور اس کی قوم کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔

ابن الوقت کی ظاہری حالت کے بدلنے میں ابھی دیر ہے مگر جاں نثار کے چلے جانے کے بعد بھی وہ اسی خیال میں مستغرق ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے اس کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا نوبل صاحب کی سی کوٹھی ہے اور خانہ باغ میں کرسی بچھائے صاحب لوگوں کی شکل بنائے بیٹھا ہوا' شب ماہ کی مزے لے رہا ہوں۔ پھر وہ آپ ہی آپ چونک پڑا کہ اس حالت میں کسی نے مجھ کو دیکھا تو نہیں۔ تب وہ اس خیال کو دفع کرتا ہے کہ اوکھلی میں سر دیا تو دھماکوں کا کیا ڈر۔ رہ رہ کر اس کو خیال آتا ہے کہ اپنے عزیز رشتہ دار' دوست آشنا' جان پہچان' اہل محلہ' اہل شہر' اہل ملک میرے ساتھ کیا معاملہ کریں گے۔ یہ تصور ہے کہ رفارم پر طبیعت کو مطلقاً نہیں جمنے دینا کہ اس کا کچھ منصوبہ سوچے۔ نوبل صاحب کو زبان دیے پیچھے اس ارادے سے دست کش ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ کبھی جی ہی جی میں اپنے تئیں ملامت کرتا ہے کہ جلدی ناحق کی' پھر کہتا ہے اس سے بہتر اور کون سا موقع ہو گا کہ نوبل صاحب بیچ پر ہیں۔

غرض ابن الوقت ہر وقت سوچ میں رہتا تھا اور زیادہ دیر تک سوچتے سوچتے گھبرا

Marfat.com

اٹھتا تھا اور چاہتا تھا کہ جو کچھ ہونا ہے پرسوں کا ہوتا کل اور کل کا ہوتا آج ہو جائے۔ صرف ایک آدمی نوبل صاحب تھے جن کے ساتھ وہ اس بارے میں صلاح یا مشورہ یا گفتگو یا بحث جو کچھ کہو کر سکتا تھا۔ وہ بھی ان دنوں کسی سرکاری ضرورت سے باہر چلے گئے تھے۔ پس ابن الوقت کا ایک مہینہ کیوں' خاصے دس دن اوپر ایک مہینہ بہت ہی پریشانی میں گزرا مگر اس کو انگریزی اے ٹی کٹ سیکھنے کی خوب مہلت ملی۔ اسی اثناء میں جاں نثار نے ضروری ادب آداب اس کو سب تعلیم کر دیے گویا انگریزی سوسائٹی کی یونیورسٹی کا انٹرنس پاس کرا دیا۔

بارے مئی ۱۸۵۸ء کی تیرھویں تاریخ تھی کہ جاں نثار نے آ کر خبر دی کہ ''لیجئے حضرت' آج دن کے چار بجے سب سامان آپ کو مہیا ملے گا۔ دیر تو ہوئی مگر کوٹھی کو بھی ایجنٹ نے ایسا سجایا ہے کہ پڑی جگمگا رہی ہے۔ دیکھئے گا تو پسند کیجئے گا اور آج رات کو نو بجتے بجتے صاحب بھی خدا نے چاہا تو آ پہنچیں گے' آپ چاہیں آج رات کو وہیں چل کر آرام کریں' دن بھی اچھا ہے' مہورت بھی اچھی ہے' خدا مبارک کرے!''

ابن الوقت: ''بہتر ہے صاحب کو آ لینے دو خود دھیان کر لو' کسی چیز کی کسر تو نہیں رہ گئی۔''

جاں نثار: ''میں نے اچھی طرح خیال کر لیا ہے اور دو ایک اور شخصوں کو بھی دکھا لیا ہے۔ بس اگر کسر ہے تو آپ ہی کی ہے۔ ان شاء اللہ ہر چیز آپ تیار پائیں گے۔''

آفتاب نکلا ہی تھا کہ اگلے دن نوبل صاحب کا بلاوا آ موجود ہوا۔ نوبل صاحب' جیسا ان کا دستور تھا' بہت تپاک سے ملے اور کچہری کے بکس سے ایک چٹھی نکال' ابن الوقت کے حوالے کی کہ ''لیجئے مبارک' ڈھائی سو کی اکسٹرا اسٹنٹی کی منظوری آئی ہوئی چار دن سے میرے پاس رکھی ہے۔ چونکہ میں آنے کو تھا' میں نے چاہا کہ اپنے ہاتھ سے چٹھی اور اپنی زبان سے مبارک باد دوں۔ ایک بات میں نے آپ کے بے پوچھے کی کہ مقدمات تحقیقات بغاوت میں مجھ کو آپ سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی' اس کام کے ختم ہونے تک میں نے آپ کو اپنے محکمے میں لے لیا ہے۔''

ابن الوقت: ''آپ نے تو احسانات سے اس قدر مجھ کو لاد دیا کہ شکر گزاری کا نام

Marfat.com

منہ سے نکالنا بھی مشکل ہوگیا ہے۔ بھلا خیر زمیں داری تک تو مضائقہ نہ تھا' یہ اکسٹرا اسٹنٹی کیوں کر میرے سنبھالے سنبھلے گی؟''

**نوبل صاحب:** ''ایسی سنبھلے گی کہ دوسروں کے چھکے چھوٹ جائیں گے۔ ضوابط کچہری سے آپ کو ایک طرح کی ناآشنائی بے شک ہے' سو کچھ بڑی بات نہیں اور اسی غرض سے میں نے آپ کو اپنے محکمے میں لیا ہے۔ ایک ہوشیار سا منشی آپ کے اجلاس میں تعینات کر دیا جائے گا اور وہ تھوڑے دنوں میں آپ کو ضوابط سے آگاہ کر دے گا۔ آپ کے لیے زمین داری کے ساتھ اس خدمت کی تجویز ہو چکی تھی مگر ایک دم سے اتنی بڑی نوکری دیتے ہوئے لوگ ہچکچاتے تھے' آخر لاٹ صاحب کے یہاں سے منظوری منگوائی گئی۔ حسن اتفاق سے آج غدر کو بھی پورا برس ہوا' بس کل سے ضلع کچہری میں میرے اجلاس کے پہلو میں اجلاس شروع کیجئے۔ میں جاں نثار سے یہ بات سن کر بہت ہی خوش ہوا کہ آپ نے ۴۴ نمبر کا بنگلہ اپنے رہنے کے لیے تجویز کیا ہے اور وہ بہ ہمہ وجوہ مرتب بھی ہوگیا ہے۔''

**ابن الوقت:** ''شاید آپ کو یہ بھی معلوم ہوا ہوگا کہ میں مکان کے ساتھ لباس اور تمام ہندوستانی طرز کو بھی بدلنے والا ہوں۔''

**نوبل صاحب:** ''آہا! تو آپ کو پورا پورا رفارمڈ اور رفارمر جنٹلمین دیکھ کر میں بہت ہی خوش ہوں گا۔''

کھانے کا وقت تھا قریب' نوبل صاحب نے چاہا کہ ابن الوقت بھی شریک ہو مگر اس نے عذر کیا کہ بس آج اس وقت اور معاف کیجئے۔ اس وقت کے بدلے اگر آپ چاہیں تو میں رات کو کھانے میں وضع جدید کے ساتھ شریک ہو سکتا ہوں' مجھ کو اس حالت سے آپ کے پاس بیٹھنا' باتیں کرنا اور آپ کے ساتھ کھانا کھانا بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ نوبل صاحب نے اس بات کو بہت پسند کیا اور فرمایا کہ آج ڈنر پر میں اپنے احباب کو بھی جمع کروں گا اور کھانے کے بعد سب سے آپ کی تقریب بھی کر دوں گا تا کہ ایک جلسے میں سب صاحب لوگوں سے معرفت ہو جائے۔



Marfat.com

## فصل دھم

# ابن الوقت نے انگریزی وضع اختیار کر لی
# نوبل صاحب نے اس کی دعوت کی

نوبل صاحب کے پاس سے اٹھا تو جاں نثار ابن الوقت کو سیدھا اس کے بنگلے پر لے گیا اور جاتے کے ساتھ حجامت کروا' اصطباغ دے' یعنی نہلا دھلا' موسم اور وقت اور موقع کے لحاظ سے فیشن کے مطابق انگریزی سوٹ پہنا' نکتہ' دیجی' پوزی' یعنی بریسز' ٹائی' کالر سب کس کسا کر اس کو اچھا خاصا عین مین یورپین جنٹلمین بنا دیا۔ ابن الوقت نے آئینے میں دیکھا تو اپنے تئیں انگریزوں کے ساتھ اشبہ پایا۔ بے اختیار تن کر لگا کپڑے بدلنے کے کمرے میں پینترے بدلنے۔ کھانے کے بعد اس کے کئی گھنٹے کوٹھی کی دیکھ بھال میں گزرے۔ گرمی کے دن' چاروں طرف خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی' تھرمین ٹے ڈوٹ سے ٹھنڈی ہوا کے جھکولے آ رہے ہیں۔ کوچ پر دراز ہوتا تھا کہ آنکھ لگ گئی۔ جاگا تو ہوا خوری کے کپڑے بدل' باہر نکل گیا۔ کوئی دو گھڑی رات جاتے جاتے لوٹ کر آیا تو نوبل صاحب کے یہاں جانے کا وقت قریب تھا۔

ڈنر کے لیے تیاری شروع ہوئی۔ کچہری نہیں' دربار نہیں' کوئی پارٹی نہیں' اس پر بھی دن کے گیارہ بجے سے لے کر اب یہ تیسری دفعہ ہے کہ انگریزی تہذیب کپڑے بدلنے کی متقاضی ہے۔ سڑک بیچ تو نوبل صاحب کی کوٹھی تھی۔ جب معلوم ہوا کہ اور مہمان آنے شروع ہوئے' یہ بھی اپنے بنگلے سے اٹھ جا موجود ہوا۔ کھانے پہلے اور کھانے میں صاحب لوگ اس کو اجنبی سمجھ کر بار بار دیکھتے تھے' لیکن چونکہ کسی نے اس کو انٹروڈیوس نہیں کیا تھا' کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا تھا کہ تم کون ہو اور نہ یہ کسی سے بات کر سکتا تھا۔ نوبل صاحب مہمانوں کی آؤ بھگت میں لگے تھے' ان سے لمحے دو لمحے کا

Marfat.com

چھٹکارا پاتے تو ابن الوقت سے ایک دو بات کر جاتے۔ ڈر تھا کہ اچھا خاصا پہر ڈیڑھ پہر کا جھمیلا تھا۔ جہان کے قصے اور دنیا بھر کی بکواس۔ خیر خدا خدا کر کے ڈر سے چھٹی پائی۔ ابھی سب لوگ اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے ہیں کہ نوبل صاحب نے کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:

''صاحبو! یوں تو آپ صاحبوں سے اکیلے وکیلے یا مجمع میں ملنا ہمیشہ خوشی کا موجب ہوتا ہے مگر آج رات کی ملاقات ایک خاص وجہ سے بڑی' بہت بڑی خوشی کی بات ہے۔ آپ کو دعوت کے رقعوں سے معلوم ہوا ہوگا کہ آج کی دعوت سے ایک نئے دوست کو آپ کی سوسائٹی میں انٹروڈیوس کرنا منظور تھا۔ (چیئرز)۔ اگرچہ میرے اکثر حالات غدر بھی آپ سب صاحبوں نے بار بار میری زبان سے سنے ہیں مگر میرے حق میں وہ ایسے دلچسپ ہیں کہ ہر بار کے بیان کرنے میں مجھ کو ایک نیا مزہ ملتا ہے اور اس سے میں قیاس اور امید بھی کرتا ہوں کہ اس محل پر ان کا بالتفصیل اعادہ کرنا نہیں بلکہ مختصر طور پر ان کی طرف اشارہ کر دینا کسی صاحب کی طبیعت پر ناگوار نہیں گزرے گا۔ (ہرگز نہیں' ہرگز نہیں)۔ یہ ہرگز میرے خیال میں نہیں آیا کہ غدر میں مجھی پر سب سے زیادہ مصیبت پڑی مگر اتنا تو میں ضرور سمجھتا ہوں کہ میرے حصے کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی۔ مجھ کو غدر نے اچانک آدبایا جب کہ میں بہ عزم ولایت' بمبئی جاتے ہوئے علالت مزاج کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے مسافرانہ دہلی کے ڈاک بنگلے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ میرا جان پہچان یا دوست یا ہمدرد جو کچھ سمجھو' میرا ایک ذاتی ملازم تھا جو اب بھی میرے پاس ہے اور وہ بمبئی تک میرے ساتھ جانے والا تھا۔ مجھ کو اس شدت کا دردِ سر تھا کہ تکیے پر سے سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔''

دفعتہً دین دین' اور علی علی' کا غل سن پڑا اور ایک منٹ بھی ہمیں گزرنے پایا تھا کہ شہر کی بازاری خلقت بنگلے میں ٹوٹ پڑی۔ میرا آدمی' مجھ کو پیچھے معلوم ہوا' اس وقت میری دوا کے لیے شفاخانے گیا ہوا تھا۔ انھی لٹیروں میں سے پانچ چار خنگے مجھ کو کشاں کشاں کشمیری دروازے باغیوں کے گارد میں لے گئے۔ وہاں میں نے دیکھا کہ اور چند انگریز مرد اور عورتیں اور بچے قیدیوں کی طرح زمین پر بیٹھے ہیں۔ مجھ کو بھی انھی میں بٹھا دیا مگر

Marfat.com

ہم اک دوسرے سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ دردسر جو ایک لمحے کے لیے مفارقت نہیں کرتا تھا اور جس نے مجھ کو ولایت جانے پر مجبور کیا تھا' اس وقت بالکل زائل ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اپنے آدمی کو دیکھا کہ تماشائیوں میں ملا ہوا مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ اس کا چہرہ اداس تھا اس کی صورت پریشان' مگر وہ ٹکٹکی باندھ کر میری طرف کو دیکھ بھی نہیں سکتا تھا اور دیکھ بھی سکتا تو وہ مجھے کیا فائدہ پہنچا سکتا تھا۔ لیکن جب جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کبھی نہ کسی طرف اس کو کھڑا ہوا پایا۔ اس سے میں سمجھا کہ وہ میری مصیبت پر متاسف ہے۔ حوالات کی مصیبت کا بیان کرنا دیر طلب بات ہے اور میں اس کے تذکرے سے سکوت کرتا ہوں کیوں کہ مجھ کو کچھ اور بھی کہنا ہے۔ تیسرے دن ہم سب کو گھیر کر میگزین کے میدان میں لے گئے اور جب تک قلعے کے حوالاتی آئے ہم کو کھڑا رکھا' پھر سب کو بٹھا کر باڑ ماردی۔ اس وقت تک بھی میں نے اپنے آدمی کو کالج کے دروازے کے پاس دیکھا۔ شاید میرا دماغ مدتوں کے دردسر سے ضعیف ہو رہا تھا کہ باڑ کے صدمے سے یا زخموں کی وجہ سے مجھ کو غش آ گیا۔ اس وقت تک جو کچھ میں نے بیان کیا وہ میری ذاتی معلومات ہے' اس کے بعد جو میں نے آدمی رات کے بعد آنکھ کھولی اور مجھ کو ہوش آیا تو میں نے اپنے تئیں (ابن الوقت کی طرف اشارہ کر کے) ان کے مکان میں پایا' جن سے ملنے کو میں نے آپ صاحبوں کو بلایا ہے (چیرز)۔

میں یہ بات کچھ اس نظر سے نہیں کہتا کہ اپنے وفادار نوکر کی خیر خواہی کو میں اعلیٰ درجے پر نہیں خیال کرتا' مگر اس پر میرے احسانات اور نمک کے حقوق ثابت تھے۔ مگر ان صاحب کو بلکہ ان کے معزز خاندان میں سے کسی کو کبھی کسی انگریز سے کسی طرح کا تعلق نہیں رہا۔ انہوں نے چند سال تک دہلی کالج میں مشرقی علوم کی تعلیم پائی اور کالج چھوڑنے کے بعد اپنی موروثی خدمت پر شاہی ملازموں میں جا ملے۔ پس عام ہمدردی اور نیک دلی کے سوائے اور کوئی خیال ان کو میری پناہ دہی کا محرک نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ میری شکل وصورت کو دیکھتے ہیں کہ اگر میں بھیس بدل کر ہندوستانیوں میں ملنا چاہتا تو

Marfat.com

رنگ اور بال اور آنکھیں' ہر چیز میرا پردہ فاش کرنے کو موجود تھی۔ اس کے علاوہ ان کا گھر خانقاہ سے جس کو مجاہدین کا اکھاڑہ کہنا چاہیے' بہت ہی قریب ہے۔ پس میرا پناہ دینا بڑی خطرناک بات تھی' خصوصاً ملازم شاہی کے حق میں۔ پھر مدارات جو انہوں نے کی' شروع سے آخر تک یکساں تھی اور یہ بھی اس بات کی ایک دلیل ہے کہ میری پناہ دہی میں کسی غرض دنیاوی کو دخل نہ تھا۔

میں ان باتوں کو چنداں اپنی احسان مندی ظاہر کرنے کے ارادے سے ذکر نہیں کرتا بلکہ آپ صاحبوں کے ذہن سے اس غلط اور بے اصل خیال کو نکالنا چاہتا ہوں کہ حکومت انگریزی کا سب سے بڑا دشمن مذہب اسلام ہے۔ بانی اسلام نے بالتخصیص عیسائیوں کی نسبت قرآن میں اپنی رضا مندی اور خوشنودی صاف طور پر ظاہر کی ہے۔ انہوں نے اپنے معتقدین کے لیے ہمارے ساتھ کھانا اور رشتہ و پیوند کرنا جائز قرار دیا ہے اور میں نے قسطنطنیہ اور دوسری اسلامی سلطنتوں میں مسلمانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ انگریزوں کے ساتھ بے تامل کھاتے پیتے ہیں اور ان کا لباس بالکل ہم لوگوں کا سا ہے' صرف فز' ان کا شعار قومی مابہ الامتیاز ہے جس سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ ساتھ کھانا اور رشتہ و پیوند کرنا دو بڑے ذریعے اتحاد پیدا کرنے کے ہیں اور ان دونوں باتوں کی اجازت سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کے پیغمبرؐ صاحب کو منظور تھا کہ ان کے گروہ کے آدمی ہم لوگوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ رکھیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کے سوائے اور ملکوں کے مسلمان اس حکم کی پوری پوری تعمیل کرتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوؤں کی صحبت نے بڑے نقصان پہنچائے ہیں اور من جملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ یہاں کے مسلمان انہی کی طرح شکی اور وہمی ہو گئے ہیں' پس جو نفرت ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں سے ہے' ہرگز مذہبی نہیں ہے۔ بلکہ ایک رسم ہے جو انہوں نے ہندوؤں سے اخذ کی ہے اور جتنے مسلمان اپنے مذہب سے بخوبی آگاہ ہیں' ہرگز اس نفرت میں شریک نہیں۔ مجھ کو معلوم ہے کہ دہلی کے مسلمانوں میں جو مستند عالم تھے' باغیوں نے ہر چند ان پر سختی کی مگر انہوں نے جہاد کا فتوی دینے سے انکار کیا اور انہی انکار کرنے والوں میں میرے دوست بھی تھے۔ اس سے

Marfat.com

انکار نہیں ہوسکتا کہ باغیوں میں بہت سے مسلمان بھی ہیں مگر کون مسلمان؟ اکثر عوام الناس' پاجی' کمینے' رذیل جن کے پاس رسم ورواج کے سوائے مذہب کوئی چیز نہیں یا اگر کسی رودار مسلمان نے بغاوت کی ہے تو مذہب کو اس نے صرف آڑ بنایا ہے اور اصل میں غصہ یا لالچ یا کوئی اور سبب محرک ہوا ہے۔

جس طرح ہماری قوم ہمیشہ سے بہادری میں نامور رہی ہے اسی طرح ہمارا سچا مذہب بردباری اور درگزر میں اور خدا کی مقدس مرضی نے ہم کو ان دو صفتوں میں آزمانا چاہا۔ ہم بہادری کی آزمائش میں خدا کے فضل سے پورے اترے' اب ہم کو دوسری آزمائش میں پورے اترنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ جب تک ہم مغلوب تھے ہم نے بہادری سے کام لیا' اب ہم کو خدا نے غلبہ دیا ہے تو چاہیے کہ بردباری اور درگزر سے کام لیں۔ قدرت پاکر معاف کر دینے سے ایشیائی قومیں ہم کو ضعیف سمجھنے کے عوض بہت زیادہ طاقتور خیال کریں گی۔ سلطنت کی عمارت میں بہادری نے اگر گارے کا کام دیا ہے تو بردباری چونے گچ کا کام دے گی۔ (ابن الوقت کی طرف اشارہ کرکے) انہوں نے مجھ پر اپنا یہ ارادہ بھی ظاہر کیا ہے کہ آئندہ ہندوستانیوں یعنی کم سے کم اپنی ہم قوم مسلمانوں اور انگریزوں میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا اور مجھ کو پورا بھروسا ہے کہ ضرور کریں گے تو گورنمنٹ کو چاہیے کہ میری پناہ دہی سے بڑھ کر ان کی اس کوشش کی قدر کرے۔ میری پناہ دہی کے صلے میں گورنمنٹ نے ان کو ڈھائی سو روپے ماہوار منافع کی زمیں داری عطا فرمائی ہے اور اکسٹرا اسسٹنٹی کی خدمت جو ہندوستانی کے لیے اعلیٰ درجے کی نوکری ہے۔ تمام زمانہ غدر میں ان کے پاس رہنے سے مجھ کو ان کے تفصیلی حالات معلوم ہیں۔ علوم مشرقی کے یہ بڑے عمدہ سکالر ہیں' انہوں نے دہلی کالج میں جغرافیہ اور تاریخ اور پولیٹیکل اکانمی اور ریاضی وغیرہ علوم بہ خوبی پڑھے ہیں۔ ان کی عام معلومات اونچے درجے کی اور قابل قدر ہیں۔ ان کو اخبار بینی کا بڑا شوق ہے' ان کے خیالات وسیع اور شگفتہ ہیں۔

اب شاید آپ صاحبوں کو زیادہ دیر تک باتوں میں لگائے رکھنا موجب تصدیع ہوگا۔ اس واسطے شکر قدوم پر تقریر کو ختم کرتا ہوں۔"

Marfat.com

## فصل یازدھم

# انگریزی دستور کے مطابق ابن الوقت نے نوبل صاحب کی دعوت میں کھانے کے بعد تقریر کی

نوبل صاحب بیٹھنے کو تھے کہ ابن الوقت اٹھے۔ مہمانوں میں سے کسی کو بلکہ خود نوبل صاحب کو بھی توقع نہ تھی کہ یہ بھی کچھ کہیں گے مگر کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہنا شروع کیا کہ ''صاحبو! مجھ کو اس طرح کے معزز جلسے میں پہلے پہل حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے اور مجھ کو آپ صاحبوں کے روبرو بات کرنے کی عادت اور صلاحیت دونوں نہیں مگر نوبل صاحب نے ایسی مہربانی کے ساتھ میری تقریب آپ صاحبوں سے کی ہے کہ ان کی شکرگزاری کو میں اپنا فرض موقت خیال کرتا ہوں۔ میں نے اپنے پندار میں کوئی کام ایسا نہیں کیا جس کے واسطے نوبل صاحب یا گورنمنٹ میری احسان مند ہے۔ میں نے نوبل صاحب کو مردوں کے انبار میں سے اٹھایا اور اپنے گھر لے جا کر رکھا لیکن اگر ایسا نہ کرتا تو میں مسلمان بلکہ انسان نہ تھا۔ پس میں نے اپنا فرض مذہبی بلکہ فرض انسانیت ادا کیا اور میں نہیں سمجھتا کہ مجھ کو کسی طرح کی خاص مدح کا استحقاق حاصل ہے۔ یہ نوبل صاحب کی ذاتی شرافت اور گورنمنٹ کی فیاضی ہے کہ نوبل صاحب میرا احسان مانتے ہیں اور گورنمنٹ نے کثیر المنفعت زمیں داری اور باوقعت بیش قرار ماہانے کی نوکری مجھ کو عطا فرمائی۔

ابھی تک غدر سے پوری پوری نجات حاصل نہیں ہوئی لیکن اس کی جڑ کٹ گئی ہے اور شاخ و برگ اگر کوشش نہ بھی کی جائے' آپ سے آپ خشک ہو کر اور گل سڑ کر خاک میں مل جائیں گے۔ دنیا کا قاعدہ ہے کہ نتیجے کے واقع ہونے کے بعد اس کے اسباب کی جستجو کی جاتی ہے لیکن مبارک ہیں وہ لوگ جو وقوع نتیجہ سے پہلے اسباب پر نظر کرتے

Marfat.com

ہیں۔ ع: مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست۔ خیر' اگر وہ موقع ہم سے فوت ہو گیا تاہم بعد الوقوع اسباب غدر کا خیال کرنا اس وقت دلچسپ اور آئندہ مفید ہوگا۔ اخبار والوں نے اس کی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے اور ہر شخص جو کچھ اس کے منہ میں آتا ہے کہتا ہے لیکن اگر گورنمنٹ جس کو واقعی اسباب غدر کا جاننا سب سے زیادہ ضروری ہے' اخبار والوں کی رائے پر عمل کرے گی اور اخبار والے تو آخر اسی غرض سے خامہ فرسائی کر ہی رہے ہیں' تو میں گورنمنٹ سے اور آپ سب صاحبوں سے معافی مانگ کر یہ بات کہتا ہوں کہ گورنمنٹ بڑا دھوکا کھائے گی اور گورنمنٹ کی خیر خواہی مجھ کو اس بات کے کہنے پر مجبور کرتی ہے کہ شاید وہ ویسی ہی ناواقف اور بے خبر گورنمنٹ رہے گی جیسی غدر سے پہلے تھی۔

سلطنت میں رعایا اور گورنمنٹ دونوں کی اغراض وابستہ یک دگر ہیں۔ اگر ہندوستانیوں کو انگریزی سلطنت سے امن اور آزادی کے گوناگوں فائدے پہنچے ہیں جو فی الواقع ان کو کسی زمانے میں نصیب نہیں ہوئے تو اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ انگلستان اسی سلطنت کی بدولت مالا مال ہو گیا ہے اور اسی سلطنت کے برتے پر اس نے تمام یورپ کی سلطنتوں کی کنی دبائی ہے۔ ممکن ہے بعض احمق ہندوستانی اسی کو انگلستان کا بڑا مفاد سمجھتے ہوں کہ انگریز بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں' یہ تو ان فائدوں کا پاسنگ بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ انگلستان ہنرمندی اور صناعی کا گھر ہے اور اس کے تمول کا بڑا ذریعہ بلکہ میں کہہ سکتا ہوں تنہا ذریعہ تجارت ہے۔ سو ہندوستان کی سلطنت نے انگلستان کی تجارت کو ہزارہا گونہ تو اب بڑھا رکھا ہے اور کوئی کہہ نہیں سکتا آئندہ اس میں کہاں تک افزائش ہوگی۔ پس اگر اغراض کا موازنہ کریں تو میرے نزدیک انگلستان کی اغراض کا پلہ جھکتا رہے گا۔ یہ سبب ہے کہ انگریزوں کو غدر کا زیادہ فکر ہونا چاہئے۔

میں اس کو انگریزوں کی اقبال مندی سمجھتا ہوں کہ حسن اتفاق سے اس وقت کوئی معاصر سلطنت ہندوستان کی دعویٰ دار نہیں ہوئی اور اہل ہند میں اس سرے سے اس سرے تک کسی فرد بشر میں سلطنت کی صلاحیت نہ تھی اور ہندوستان کی مختلف اقوام میں

Marfat.com

اتفاق کا رنگ پیدا ہونے نہیں پایا تھا۔ انگریزوں نے اس ملک کو بہ زور شمشیر فتح کیا اور بہ زور شمشیر اس پر قابض رہے اور بہ زور شمشیر غدر کو بھی فرو کر دیا مگر زور شمشیر رعایا کے جسموں کو مسخر کر سکتا ہے نہ دلوں کو۔ یہ ملک صدہا بلکہ ہزار ہا برس سے شخصی سلطنتوں کا محکوم رہا ہے اور یہاں کی رعایا نے ابھی تک انگریزی سلطنت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اور یہ لوگ حکام ضلع کو بادشاہ کا اوتار خیال کرتے ہیں۔ پس اس ملک کے عہدہ داران انگریزی کے ذمے دوسرے فرائض خدمت کے علاوہ ایک بڑا ضروری فرض مزید ہے کہ ہر وقت اپنے تئیں ملکہ کا قائم مقام سمجھ کر لوگوں کے ساتھ اسی طرح کا برتاؤں کریں جو ملکہ کے لیے زیبا ہے۔ اب آپ صاحبوں میں سے ہر شخص اپنے دل میں خیال کر سکتا ہے کہ اس نے اس فرض کو کہاں تک ادا کیا ہے۔ انگریز الا ماشاء اللہ اس ملک میں ایسا روکھا مزاج بنائے رکھتے ہیں اور ہندوستانیوں کو ایسی حقارت اور نفرت سے دیکھتے ہیں کہ کوئی ان کے پاس نہیں پھٹکتا' تاوقتیکہ اس کو ضرورت مجبور نہ کرے۔ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں محبت اور اخلاص کا ہونا ایسا شاذ ہے جیسے شیر اور بکری میں۔ میں ہندوستانیوں کے ڈفنس میں ایک لفظ نہیں کہنا چاہتا اور اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ کوئی انگریز جنٹلمین ان کی ملاقات سے کبھی محظوظ ہو نہیں سکتا لیکن اگر بروں سے پالا پڑ جائے تو تھوڑا بہت اپنی طبیعت پر بھی جبر کرنا چاہیے۔ ع: چہ تواں کرد مرد ماں ایستد۔ اور جو شخص اس تکلیف کا متحمل نہیں ہونا چاہتا تو اس کو ان بروں سے بھلائی کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہیے۔ غدر کے بعد سے ہر انگریز کو یہ شکایت پیدا ہوئی کہ ہندوستانیوں نے اس کی مدد نہیں کی لیکن ذرا گریبان میں منہ ڈال کر دیکھے کہ وہ کس احسان' کس سلوک' کس مہربانی کے عوض میں اس مدد کا مستحق تھا۔ وہ شاید اپنا ایک حق بھی کسی ہندوستانی پر ثابت نہیں کر سکے گا۔ اس اصول منصفانہ کو پیش نظر رکھیں تو بغاوت کی لمبی فہرست صرف ایک فرد مختصر رہ جائے گی۔

اب رہ گئی بغاوت بہ مقابلہ سرکار' سو میں آپ صاحبوں کی خدمت میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ہندوستانیوں کے نزدیک سرکار کوئی چیز نہیں۔ احسان فراموشی انسان کا نیچر یعنی تقاضائے طبیعت ہے۔ غدر جس کا لوگوں نے اتنا بڑا اتنگڑ بنا رکھا ہے' میرے نزدیک

Marfat.com

انسانی نیچر کے ظہور سے کچھ زیادہ نہ تھا۔ ہر چند انگریزی عمل داری سے ہندوستانیوں کو بہت سے فائدے پہنچے تھے مگر ان کو واقعی یا ادعائی واجب یا غیر واجب چند در چند شکائتیں بھی تھیں۔ پس اگر انہوں نے شکایتوں کے جوش میں فائدوں پر نظر نہ کی تو اس ضعف بشریت اور انسان کے نیچر کے نقصان کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ انگریزی اور ایشیائی حکومتوں کا طرز ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہے کہ ایک کو دوسرے سے کچھ مناسبت نہیں۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس سے ہندوستانی خوگر تھے اپنے ہم وطنوں کی حکومت کے، جن کے درباروں میں ان کی رسائی بہ آسانی ہو سکتی تھی۔ ملک کی تمام آمدنی بادشاہ کی خاص ملکیت ہوتی تھی اور وہ اس کو بلا مزاحمت جس طور پر چاہتا تھا خرچ کرتا تھا مگر اس بدنصیب ملک کی ساری دولت ایشیائی حکومتوں میں سدا بیہودہ نمود و نمائش اور ممنوع عیاشی میں برباد ہوا کی اور اس سے متمتع ہوتے رہے خوشامدی، خود غرض۔

بہر کیف دولت کا دریا ایک رخ کو بہتا ہے اور ان لوگوں کو سیراب کرتا رہا جن کی قسمتوں میں اس سے فائدہ اٹھانا تھا۔ ہندوستانی عمل داری جا کر انگریزی عمل داری کا آنا اس سے تو کسی طرح کم نہیں کہ وہ دریائے زخار ایک سمت کو بہتے بہتے یکا یک لگا بالکل سمت مخالف میں دوسری جگہ بہنے، یعنی ایک ایسی سلطنت شروع ہوئی جس کی مثال اس ملک میں نہ دید ہے نہ شنید ہے۔ خلق خدا کی، ملک وکٹوریہ بادشاہ زادی کا اور حکم کمپنی بہادر کا، خلقت ایک اور اکٹھے تین تین فرماں روا اور تینوں نظر سے پوشیدہ۔ آپ صاحب یہاں کے لوگوں کی حیرت پر تعجب کریں گے مگر اس میں رتی برابر مبالغہ نہیں۔ انگریزی سلطنت رعایائے ہندوستانی کے حق میں ایک پہیلی ہے جس کو اس وقت تک اکثر عوام الناس نہیں بوجھ سکے۔ تبدل سلطنت یوں بھی کچھ آسان بات نہیں اور پھر ایسا تبدل کہ حاکم و محکوم دونوں میں کسی طرح کی مناسبت نہیں، نہ وطن ایک، نہ زبان ایک، نہ مذہب ایک۔ پس ہندوستانیوں کے حق میں سلطنت کیا بدلی گویا ساری خدائی بدل گئی۔ اگلے تمام ذریعے معطل، ساری لیاقتیں بے کار، کل تدبیریں بے اثر۔ پس شاہی متوسل اور متوسلوں کے متوسل اور متوسلوں کے متوسلوں کے متوسل کہ ان کا مجموعہ بجائے خود

Marfat.com

ایک جم غفیر ہوگا' محض بے آسرے اور بے سہارے ہو کر بیٹھ رہے۔ اب ہر ایک منصف مزاج آدمی خیال کر سکتا ہے۔ اس گروہ کو انگریزی عمل داری سے ناخوش ہونے اور رہنے کی وجہ معقول تھی یا نہیں۔ پھر انگریزی عمل داری اتنی پرانی ہوگئی تھی کہ جن لوگوں نے بادشاہی وقت دیکھے تھے' اکثر مرکھپ چکے تھے اور چاہیے تھا کہ اس زمانے کی باتیں بھی بھول بسر جاتیں مگر ہم دیکھتے ہیں تو ان کی یادگار ہر دم تازہ ہے' اس وجہ سے کہ اب بھی چھوٹی بڑی محکوم اور مختار بہتیری ہندوستانی ریاستیں جگہ جگہ موجود ہیں اور ان میں بلا کم وکاست ایشیائی حکومت کے نمونے باقی ہیں۔

اگر سرکار انگریزی کو اپنی رعایا کا خوش دل رکھنا منظور ہے تو چار دانگ ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک ایک طرح کا انتظام ہونا چاہیے۔ مجھ کو بیرون شہر کسی ہندوستانی ریاست میں رہنے یا نوکری کرنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر لوگوں کے کہے سنے سے' اخبار سے بعض ریاستوں کے عام حالات معلوم ہیں اور دہلی کا قلعہ بھی بجائے خود چھوٹی سی ریاست تھی اور میں پشت ہا پشت سے اسی شہر کا رہنے والا اور سرکار شاہی کا متوسل ہوں اور شہر اور قلعہ دونوں کا کوئی حال مجھ سے مخفی نہیں۔ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اہل شہر اور اہل قلعہ کی زندگی ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھی کہ قلعہ ایک دوسری دنیا معلوم ہوتا تھا۔ جب سلطنت میں غدر کی وجہ سے اتنا بڑا انقلاب ہوا ہے کہ ملکہ معظمہ نے زمام حکومت اپنے دست خاص میں لی اور کمپنی کا کچھ تعلق نہ رہا تو اس ملک کے حق میں فال نیک سمجھتا ہوں اور مجھ کو پورا بھروسا ہے کہ گورنمنٹ کے انتظامات میں یقیناً بڑی بڑی تبدیلیاں ہونے والی ہیں۔

پس اگر کوئی مجھ سے صلاح پوچھے تو میں پہلے اسی بات کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کروں کہ گورنمنٹ اپنے تعلقات اندرونی ایشیائی گورنمنٹوں کے ساتھ درست کرے۔ یہ ہندوستانی ریاستیں جن کا مجموعہ کیا رقبہ' کیا مردم شماری' کیا محاصل' کسی اعتبار سے انگریزی سلطنت سے کم نہیں' بہ استثنائے معدودے چند اس قدر پیٹ بھر کر خراب ہو رہی ہیں کہ ان کی حالت نہ صرف انہی کے حق میں خطرناک ہے بلکہ انگریزی طرز انتظام' انگریزی رعایا' سبھی کے حق میں اور جب تک ان ریاستوں کی پوری پوری اصلاح نہ ہو'

Marfat.com

انگریزی گورنمنٹ کو کبھی اپنے انتظام کی طرف سے مطمئن نہیں ہونا چاہیے۔ ان میں سے ایک ایک ریاست' اگر اس کے انتظام میں فساد ہے' انگریزی گورنمنٹ کے حق میں بغلی گھونسا ہے۔ فساد انتظام سے میری مراد یہ نہیں کہ رئیس اپنے تئیں سرکار انگریزی کا مدمقابل سمجھتا ہو یا نافرمانی یا عدول حکم سے گورنمنٹ کا استخفاف کرتا ہو۔ میں اس بات کو پکارے کہتا ہوں کہ ہندوستانی رئیس ہندو ہو یا مسلمان آرام طلب ہوگا' کاہل ہوگا' احمق ہوگا' عیاش ہوگا' غافل ہوگا' مسرف ہوگا' خرچ آمد سے فاضل ہوگا' غرض اس میں سب طرح کے جنون ہون گے مگر نہیں ہوگا تو ایک جنون بغاوت۔

سرکار نے اپنی فوجی طاقت کو ہندوستان میں خصوصاً بعد غدر ایسے زور سے ثابت کر دیا ہے جیسے آگ نے جلانے کی خاصیت کو۔ پس ہندوستانی رئیسوں کی طرف ایسا خیال بالکل لغو اور محض بے اصل ہے لیکن جس چیز سے گورنمنٹ انگریزی کو ہندوستانی ریاستوں کی طرف سے میں ڈرانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ اکثر ہندوستانی رئیس اپنی چند در چند نالائقیوں اور گوناگوں بدکرداریوں کی وجہ سے ایسی خرابیاں کر رہے ہیں کہ اول تو خود انہی کی رعایائے نامہذب و ناشائستہ سے انگریزی گورنمنٹ کو ہمیشہ خائف رہنا چاہیے' دوسرے ان ریاستوں کے برے نمونے دیکھ کر رعایائے انگریزی کی طبیعتیں بگڑی چلی جاتی ہیں۔ جسد سلطنت میں یہ ریاستیں گویا برص کے چٹھے ہیں' کیوں کر اطمینان ہوسکتا ہے کہ ان چٹھوں کا فساد دوسرے اعضائے صحیح تک متعدی نہیں ہوگا۔

اگر میری تقریر سے ایسا مستنبط ہوا ہو کہ میں ان ریاستوں کے ضبط کرنے کی رائے رکھتا ہوں تو مجھ سے بڑھ کر قوم و ملک کا کوئی دشمن نہیں لیکن یہ میری رائے ضرور ہے کہ ان ریاستوں کا نامنتظم حالتوں میں رہنے دینا ویسا ہی ظلم ہے جیسا ان کا ضبط کرنا۔ جب تک انگریزی گورنمنٹ اپنے تئیں ان شکمی گورنمنٹوں کا مربی اور حامی اور محافظ سمجھتی ہے اور واقع میں وہ ہے بھی تو ان کی اصلاح اس کا فرض لازمی ہے لیکن انگریزی گورنمنٹ نے اس غرض کے ادا کرنے میں کماحقہ اہتمام نہیں کیا۔ بے شبہ سرکار کی طرف سے ایجنٹ یا ریزیڈنٹ کے نام سے ایک عہدہ دار ہر ایک ہندوستانی ریاست پر مسلط ہے مگر اس کو ریاست کے اندرونی انتظام میں حکماً کچھ مداخلت نہیں۔ وہ اتنی ہی بات کی نگرانی

Marfat.com

رکھتا ہے کہ ریاست میں سرکار انگریزی کا رعب و داب اچھی طرح قائم رہے اور کوئی عام بدنظمی نہ ہو۔ گر ایک باپ اولاد کے ساتھ وہ کرے جو انگریزی گورنمنٹ نے ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ اب تک کیا ہے تو ہم ایسے بات کی مدح نہیں کر سکتے۔ جتنا اس نے کیا' اچھا کیا مگر اس کو اس سے بہت زیادہ کرنا چاہیے تھا۔ مہذب دنیا کی نظر میں انگریزی گورنمنٹ کبھی من حیث المجموع منتظم گورنمنٹ نہیں سمجھی جائے گی تا وقتیکہ اس کی تمام شکمی گورنمنٹیں اسی طرح منتظم نہ ہوں جیسے اس کا اپنا علاقہ۔ انگریزی گورنمنٹ کبھی بیرونی دشمنوں کے خدشے سے خالی نہیں رہتی اور اس کو خالی رہنا چاہیے بھی نہیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ میں اس کو شکمی ہندوستانی ریاستوں کی طرف سے کبھی خدشہ کرتے ہوئے نہیں پاتا حالانکہ اگر یہ ریاستیں نا منتظم رہیں جیسی کہ اب ہیں تو یہ اندرونی دشمن بیرونی دشمن سے بہت زیادہ خطرناک ہیں۔

اب میں آپ صاحبوں کو ایک دوسرے مطلب کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ دنیا کی قوموں میں نفرت اور عداوت کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں مگر سب سے زیادہ شدید اختلاف مذہب ہے۔ خصوصاً ہندوستانیوں کے نزدیک ہندو اپنے مذہب کے ایسے سخت متعصب ہیں کہ کسی طرح دوسرے مذہب کے لوگوں سے ملنا نہیں چاہتے۔ جو لوگ دوسری قوم کا چھوا پانی نہ پی سکیں ان سے دوستی اور اتحاد کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ ہندوستان کے باشندوں میں انگریزی کے ساتھ ارتباط اور اختلاط کرنے والے اگر کچھ لوگ ہیں تو مسلمان ہیں کیوں کہ سچا مذہب اسلام ایسے تعصبات سے بالکل بری ہے۔ صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کی مقدس آسمانی کتاب یعنی قرآن اس سے ساکت ہے بلکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ مواکلت اور مناکحت دونوں کی صاف و صریح اجازت موجود ہے اور میں نہیں سمجھتا کہ مواکلت اور مناکحت سے بڑھ کر دوستی پیدا کرنے کا کوئی اور ذریعہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہندوستان کی حالت میں ہم اس بات کا کافی ثبوت رکھتے ہیں کہ مذہب کہاں تک رسم و رواج سے متاثر ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں ایک مدت سے ہندو مسلمان ملے جلے رہتے آئے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں قوموں نے ایک دوسرے سے بہت باتیں اخذ کی ہیں اور بڑی خوشی

Marfat.com

کی بات ہے کہ دونوں میں اختلاف مذہب اور خاص کر مذہب ہنود کے روکھے پن کی وجہ سے جو منافرت ہونی چاہیے تھی' مدتوں کی یک جائی نے اس کو بہت کم کر دیا ہے۔ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی ہندو دھوتیاں اور کھڑاویں چھوڑ کر پاجامے اور جوتیاں پہننے' اپنی عورتوں کو پردے میں بٹھانے اور مسلمانوں کے علوم پڑھنے لگے۔ ہزارہا ہنود محرم میں جو مسلمانوں کا مشہور مذہبی تیوہار ہے' تعزیہ داری کرتے ہیں' مسلمانوں کی طرح مسلمان بزرگوں کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں' ان سے منتیں مانتے ہیں کہ ایک قسم کی پرستش ہے۔ اسی طرح مسلمان ہندوؤں کی تقلید سے کھانے پینے کا پرہیز کرنے لگے ہیں' اپنی بیوہ عورتوں کا نکاح نہیں کرتے' اکثر نجوم کے معتقد ہیں' شادی بیاہ میں بہت سی رسمیں ہیں جن کی مذہب میں کچھ اصل نہیں' ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ غرض ہندوؤں اور مسلمانوں کے اختلاط کا یہ نتیجہ ضرور ہوا ہے کہ ایک دوسرے سے وحشت باقی نہیں رہی' لیکن یہ کیفیت کہیں صدہا سال میں جا کر پیدا ہوئی ہے اور پھر بھی اس میں اس کو اتحاد کے درجے میں نہیں سمجھتا۔ دونوں کے دل بہ دستور ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں۔ آج کوئی بھڑکانے والا کھڑا ہو تو مسلمانوں کے نزدیک ہندو ویسے ہی کافر اور مشرک ہیں اور ہندوؤں کی نظر میں مسلمان ویسے ہی ہتیارے بھرشٹ اور یہ نااتفاقی انگریزی گورنمنٹ کے حق میں ایک فال مبارک اور شگون نیک ہے مگر وہیں تک کہ باہم رعایا میں ہو۔

اب دیکھنا چاہیے کہ سرکار نے کہاں تک مذہبی نارضامندی کو اپنے مقابلے میں پیدا نہیں ہونے دیا۔ سو لوگوں میں تو یہی بات مشہور ہے کہ یہ تمام فساد چربی کے کارتوسوں کا تھا مگر میرے نزدیک یہ ایک نہایت سخیف رائے ہے۔ عوام کو ایسا مغالطہ واقع ہو سکتا ہے کیوں کہ ان کے نزدیک ہر انگریز سرکار ہے' اگرچہ وہ امریکہ کے کسی مشن کا پادری یا سوداگر یا سیاح یا بھکاری ہی کیوں نہ ہو۔ مگر جو لوگ انگریزی گورنمنٹ کے حالات سے کسی قدر بھی واقف ہیں' بہ خوبی جانتے ہیں کہ سرکار کسی مذہب سے سروکار نہیں رکھتی اور سرکار نے ابتدائے عمل داری سے اپنے تئیں مذہبی بکھیڑوں سے ایسا الگ تھلگ رکھا ہے کہ سرکار پر مذہبی طرف داری کا الزام' بہتان اور افترا ہے۔ لیکن رعایا کے خیالات نہ جاننے یا جان کر ان کی پروا نہ کرنے سے سرکاری عہدہ دار یعنی حکام

Marfat.com

انگریزی سے اس طرح کی غلطی کا ہونا ممکن ہے جس سے لوگوں کو مذہبی ناخوشی پیدا ہو اور میں خیال کرتا ہوں کہ چربی کا کارتوس بھی اسی قسم کی غلطی تھی۔ مگر میں نہیں سمجھتا کہ صرف کارتوس غدر کا سبب ہوا بلکہ میری رائے یہ ہے کہ غدر کا مادہ دلوں میں مدتوں سے جمع ہو رہا تھا' کارتوس اس کا محرک ہو گیا۔ غدر کا اصلی سبب ہے رعایا کی نارضامندی اور اس کی بہت سی وجوہ ہیں' من جملہ ان کے کارتوس بھی ہے۔

اب دیکھنا چاہیے کہ لوگوں کو صرف اسی ایک کارتوس سے شبہ ہوا کہ سرکار مذہب میں مداخلت کرنا چاہتی ہے یا سرکار کی کسی کارروائی سے لوگوں کو پہلے سے بھی بدگمانی کا موقع تھا۔ اگر سرکار انگریزی اس معنے میں مذہب سے الگ تھلگ رہی کہ اس نے ہندو اور مسلمانوں میں سے کسی کو اس کے فرائض مذہبی ادا کرنے سے نہیں روکا یا کسی کو زبردستی کسی طرح کا لالچ دکھا کر عیسائی نہیں کرنا چاہا تو یہ بالکل صحیح ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن مذہب کا اور خاص کر ہندوؤں کے مذہب کا بڑا ٹیڑھا معاملہ ہے۔ ان کا مذہب ہی فی نفسہ تارِ عنکبوت سے زیادہ بودا اور چھوئی موئی سے بڑھ کر نازک ہے۔ اس کا مدار نہ صرف دل کے خیالات پر ہے کہ ان پر کسی کا دسترس ہو نہیں سکتا بلکہ ایک ہندو بے قصد و ارادہ کھانے سے' پینے سے' چھونے سے' بے دین ہو جا سکتا ہے اور ان کے مذہب کا یہی ضعف دیکھ کر بعض مسلمان بادشاہوں کو موقع ملا کہ ہزارہا ہندوؤں کو زبردستی مسلمان کر ڈالا۔ غرض مسلمانوں کی مدارات دیکھ کر ہندو پہلے سے سہمے ہوئے تھے' اب جو آئے انگریز تو انہوں نے دیکھا کہ یہ مسلمانوں سے بھی چند قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں یعنی جن چیزوں سے مسلمانوں کو پرہیز ہے یہ ان کو بھی نہیں چھوڑتے۔ مذہب کے پھیلانے میں سرگرمی اس درجے کی ہے کہ گلی گلی پادری وعظ کہتے' مذہبی کتابیں مفت بانٹتے پڑے پھرتے ہیں۔ چمار ہو' بھنگی ہو' ان کو اپنی ذات میں ملا لینے سے انکار نہیں۔ یوں ہندوؤں کے دلوں میں از خود سرکار انگریزی کی طرف سے مذہبی بدگمانی پیدا ہوئی۔ بدگمانی کی مثال اس درخت کی سی ہے کہ کائی کی طرح ذرا سا آسرا پا کر جم کھڑا ہوتا ہے اور کانس کی مانند جلانے سے لہلہاتا اور کاٹنے سے بڑھتا ہے۔

بدگمان آدمی کے ساتھ کتنا ہی سلوک' کیسی ہی بھلائی کرو' وہ ہمیشہ اس کا برا ہی پہلو

Marfat.com

سوچا کرتا ہے۔ سرکاری تعلیم سے شکر گزاری اور احسان مندی کے عوض الٹی مذہبی بدگمانی کو ترقی ہوئی۔ لوگوں نے سمجھا کہ انگریز احمق اور عقل سے خارج تو ہیں نہیں کہ کھلم کھلا زور ظلم کر کے اپنے کو بدنام اور رسوا کر لیں۔ یہ ہیں میٹھی چھری زہر کی بجھی' سر سہلائیں بھیجا کھائیں۔ دیکھو تو لوگوں کو کرسٹان بنانے کی کیا تدبیر نکالی ہے۔

گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

پھر اس بدگمانی پر طرہ ہوا یہ کہ انگریزی خوانوں کو جو دیکھا تو عقیدے کے متزلزل' مذہب سے برگشتہ۔ اب وہ بدگمانی بدگمانی نہ رہی بلکہ مرتبہ یقین کو جا پہنچی۔

یہ باتیں جو میں آپ صاحبوں کے روبرو بیان کر رہا ہوں' اگرچہ فرداً فرداً بعض ان میں کی آپ صاحبوں کی نظر میں بے وقعت بھی ہوں مگر جب آپ سب کو جمع کر کے دیکھیں گے تو آپ خود تسلیم کریں گے کہ مجموعی اسباب غدر و بغاوت کے لیے کافی تھے۔

ہندوستانیوں کے معاہد کی تعظیم میں بھی انگریز ضرور کمی کرتے رہے ہیں۔ دہلی کی مسجد جامع ایک مشہور عمارت ہے۔ ایسا کون سا مردہ دل انگریز ہوگا کہ اس شہر میں کسی تقریب سے اس کو آنا ہوا اور وہ اس مسجد کو دیکھنا نہ چاہے! یہاں تک کوئی حرج کی بات نہیں مگر جب مسلمان جوتیاں پہن کر مسجد میں جانا اپنے مذہب کی توہین کا موجب خیال کرتے ہیں تو اگرچہ انگریزوں کے یہاں جوتی کا اتارنا خلاف تہذیب ہو مگر اس میں کیا حرج ہے کہ یا تو دروازے میں سے دوربین لگا کر دیکھ لیا کریں یا جوتی اتار کر اندر چلیں پھریں۔ پھر یہ تو مسلمانوں کا حال ہے' ہندو تو خوشی سے کسی حالت میں دوسرے مذہب والے کا اپنے معابد میں جانا جائز نہیں رکھتے۔ مانا کہ عمدہ اور مشہور عمارتوں کا دیکھنا ایک طبعی شوق ہے مگر شوق کے لیے دوسروں کی دل آزاری کیا ضرور ہے۔ میں نے ایک مسلمان کے روبرو ایک بار یہ عذر پیش کیا تھا تو اس نے کیسا معقول جواب دیا کہ "کیوں صاحب آج کو تو عمارت کے دیکھنے کا شوق ہے' کل کو اگر کسی کو شوق ابھرا کہ دیکھیں ان کی عورتیں گھروں میں کیوں کر اٹھتی بیٹھتی ہیں تو کیا یہ لوگ ہمارے زنان خانوں میں گھسیں گے؟"

بات یہ ہے کہ معاملہ پڑا ہے نادانوں کے ساتھ۔ اگر ان کی دل جوئی مدنظر ہو تو

Marfat.com

ہزار تدبیریں ہیں اور اگر سرے س ان کی کچھ حقیقت ہی نہ سمجھو اور ان کی رضا مندی نارضا مندی کا خیال ہی نہ کرو' جیسا کہ ہوا' تو پھر غدر کی شکایت کیا؟ ہندوستانیوں کو حقیر سمجھنا اور ان کی خوشی ناخوشی کی مطلق پروانہ کرنا' یہ رنگ نہ صرف عہدہ داران انگریزی کی مدارات بلکہ خود گورنمنٹ کے تمام کاموں میں بھی جھلکتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گورنمنٹ کی نیت بہ خیر ہے اور رعایا کو ہر طرح سے آسودہ اور خوش حال رکھنا چاہتی ہے مگر وہ دیکھتی ہے اپنے عہدہ داروں کی آنکھوں سے اور سنتی ہے انھی عہدہ داروں کے کانوں سے جن کو رعایا کے ساتھ ارتباط و اختلاط نہیں۔ بس رعایا کا دکھ درد' اس کی حاجتیں اور ضرورتیں یعنی رعایا کا حال گورنمنٹ پر منکشف نہیں ہونے پاتا۔

میں اس بات کو مانتا ہوں کہ سارے ہندوستان میں اس سرے سے اس سرے تک کوئی شخص ایسی معلومات اور لیاقت اور دیانت کا نظر نہیں آتا کہ گورنمنٹ اس کو رعیت کا وکیل سمجھ کر اس سے مشورہ لے اور اس کی بات پر اعتماد کرے۔ جن لوگوں پر وجاہت اور تمول کے اعتبار سے نظر پڑتی ہے مثلاً ہندوستانی رئیس' اکثر مٹی کے تھوے' جن کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ دو اور دو کے ہوتے ہیں۔ پس ان کا عدم اور وجود دونوں برابر۔ اگر یہ لوگ گورنمنٹ انگریزی کو صلاح دینے کی قابلیت رکھتے ہوتے تو اپنی ہی ریاستوں کو نہ درست کرتے۔ زیادہ نہیں گنتی کے چند رئیس کچھ سمجھ دار بھی سنے جاتے ہیں۔ تو شاید کم فرصتی کا حیلہ کریں اور اصل بات یہ ہے کہ ان کو گورنمنٹ انگریزی کی مدد کا شوق کیوں ہونے لگا اور مانا کہ شوق ہو بھی تو کونسل کے خرانٹ تجربہ کار ممبروں کے ساتھ بحث کرنے کو بڑی لیاقت چاہئے۔ پس اگر گورنمنٹ' وہی مثل ہے کہ ''طفل بہ مکتب نمی رود و لے برندش'' کسی ہندوستانی رئیس کو زبردستی لے جا کر کونسل میں بٹھا دے تو وہ بے چارہ سوائے اس کے کہ ٹکر ٹکر بیٹھا دیکھا کرے اور بے فائدہ لوگوں کی نظر میں خفیف ہو' کیا کر سکے گا۔ کونسل کے ممبر ہیں کہ باہم ردوقدح کر رہے ہیں اور یہ سمجھتا بوجھتا خاک نہیں' اسی سوچ میں ہے کہ لاٹ صاحب کس کے بلے پر ہیں۔ آخر جب ادائے رسم کے طور پر اس سے پوچھنے کی نوبت آئی تو لاٹ صاحب کی ہاں میں ہاں ملا کر اپنا پیچھا چھڑا الگ

Marfat.com

ہو گیا۔ اب رہ گئے وہ لوگ جنھوں نے انگریزی کالجوں میں تعلیم پائی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستانیوں میں سے اگر کسی میں مشیر گورنمنٹ ہونے کی صلاحیت ہے تو ان میں ہے۔ انگریزی جانتے ہیں' اپنے ملک کے حالات سے بھی واقف ہیں' خیالات بھی روشن اور وسیع ہیں' آزادی اور قومی ہم دردی کے بھی لمبے چوڑے دعوے ہیں اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ کی ماہیت اور اس کے منشاء کو خوب پہنچے ہوئے ہیں مگر نقص سے یہ گروہ بھی خالی نہیں۔ اول تو یہ لوگ' چھوٹا منہ بڑی بات' انگریزوں کے ساتھ مساوات کا دم بھرتے ہیں اور اسی وجہ سے انگریزوں کی نظر میں کھٹکتے ہیں۔ دوسرے چونکہ خود انگریزوں کی قوم کے نہیں' ان کے حقوق پر بالکل نظر نہیں کرتے اور ان سے منصفانہ صلاح کی توقع نہیں۔ لیکن باایں ہمہ غایت مافی الباب یہ کہ اس راہ میں چند مشکلات ہیں تو کیا مشکلات پر نظر کر کے وہ راستہ چھوڑ دیا جائے گا جس میں چلنا ضرور ہے؟

اگر شروع سے گورنمنٹ نے اس کا خیال کیا ہوتا تو آج کو یہی ہندوستانی رئیس جن کو میں ننگ ہندوستان کہتا ہوں' یہاں کی کونسل تو خیر' ولایت کی پارلیمنٹ کے قابل ہوتے۔ لیکن گورنمنٹ نے ان ہندوستانی ریاستوں کے بارے میں بڑی غلطی کی: ان کو شتر بے مہار کی طرح مطلق العنان رہنے دیا کہ پیٹ بھر کر بگڑیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان ریاستوں کی خرابی کو گورنمنٹ انگریزی اپنے استحکام کا موجب سمجھتی ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ہم ان رئیسوں کو کونسل میں بٹھانے لگیں تو شروع شروع میں ان کی کارروائی ضرور ویسی ہی ہوگی جیسی تھوڑی دیر ہوئی میں نے بیان کی' لیکن اگر ہم چندے صبر کریں تو آخر ان رئیسوں کو کبھی تو غیرت آئے گی' کبھی تو شرمائیں گے۔ میں تو کہتا ہوں کہاں کے کالج اور کیسے مدرسے' رئیسوں کے حق میں تو یہی کونسل کافی ہے۔ علیٰ سبیل البدلیت سب کو کونسل میں بٹھایا جائے اور پھر ایک ایسا چکر بندھے کہ مثلاً ہر پانچویں برس کونسل میں حاضر ہونے پر مجبور کیے جائیں۔ پھر دوسری ہی نوبت میں دیکھئے کہ ان کی حالت میں کس قدر ترقی ہوئی ہے۔

Marfat.com

غرض گورنمنٹ کا یہ رنگ کہ وہ ملک کا انتظام رعایا کی رائے پر کرنا چاہتی ہے' ہندوستان کی گورنمنٹ میں تو ہے نہیں۔ ہندوستانیوں کی قسمت کی جوڈ سپاٹک' گورنمنٹ سدا سے تھی' اب بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے اپنی گورنمنٹ تھی' اب اس پر اجنبی مسلط ہیں۔

ہمیشہ سے ہندوستان سارے جہان میں بدنام رہا ہے کہ اس میں چاندی سونے کی ندیاں پڑی بہتی ہیں اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ یہ ملک زرخیز اور سیر حاصل ہونے میں روئے زمین پر اپنا نظیر نہیں رکھتا لیکن ایک ایشیائی شاعر نے ہندوستانیوں کے حسب حال کیا اچھا کہا ہے:

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اگر آپ صبر اور توجہ سے سننا چاہیں تو قبل اس کے کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھوں' میں آپ صاحبوں کو اس کا یقین کرا دوں گا کہ ہندوستان کی رعایا پہلے کی بہ نسبت بہت سقیم الحال ہوگئی ہے اور یوماً فیوماً سقیم الحال ہوتی چلی جاتی ہے۔ ذرائع معاش کے اعتبار سے ہندوستان کے لوگ چار طرح کے ہیں: اول کسان' دوم اہل حرفہ' سوم نوکری پیشہ' چہارم تجارت پیشہ۔ کسان کی قسم میں تعلقہ دار سے لے کر بلوا ہے تک زمیندار' کاشتکار بہ اقسامہم' سب داخل ہیں جو زمین سے معاش پیدا کرتے ہیں۔ انگریزی عمل داری سے پہلے نہ کوئی رقبے کی پیمائش کرتا تھا اور نہ اقسام زمین دیکھتا تھا۔ پچھلی جمع پر نظر کر کے یا بہت سیان پت کی تو سرسری طور پر صورت حال دیکھ کر گاؤں پیچھے اٹکل جو ایک جمع ٹھہرا دی' چھٹی پائی۔ اس کے ہزاروں لاکھوں تحریری ثبوت موجود ہیں کہ ہندوستانی گورنمنٹوں میں طرح طرح کے ظلم ہوتے تھے مگر سرکاری مال گزاری کے بارے میں ہمیشہ الٹی سرکار ہی مظلوم تھی۔ زمیندار لوگ کارپردازان سرکاری کے ساتھ سازش کر کے جمع کم کراتے چلے جاتے تھے اور پھر جمع کے وصول کا یہ حال تھا کہ شاذ نادر کوئی بھلا مانس زمیندار وقت پر دیتا ہوگا۔ دو دو چار چار برس کی باقی داری تو ایک بات تھی۔ جب باقی

Marfat.com

بہت بڑھ جاتی تو آخر کو آدمی تہائی پر فیصلہ ہوتا تھا۔ رہے کاشتکار' ان کو تو یوں سمجھو کہ گویا سرکار کی رعیت ہی نہ تھے۔ ان کا نیک و بد' نفع و نقصان سب بہ اختیار زمیندار۔ مگر چونکہ زمینداروں کا اپنا مفاد تھا' ہر زمیندار کاشت کاروں کو اپنی دولت سمجھتا تھا' ضرورت پڑے پر تخم و تقاوی سے اس کی مدد کرتا' خرید مویشی اور شادی بیاہ تک کے لیے اس کو قرض دیتا۔ پھر نقدی لگان کا دستور نہ تھا۔ فصل پک کر تیار ہوئی' زمیندار کاشتکار دونوں نے غلہ بانٹ لیا' کم ہوا تو کم' زیادہ ہوا تو زیادہ۔ نہ حجت نہ تکرار' اللہ اللہ خیر صلاح۔ یہ ہے خلاصہ ہندوستانی سرکاروں کا انتظام مالگزاری کا۔

اب گورنمنٹ انگریزی کے انتظام کو دیکھنا چاہئے کہ اول تو مزروعہ' افتادہ' بنجر' چپے چپے زمین کی پیائش کرائی' پھر مٹی کی ذات اور کھاد اور آب پاشی کے لحاظ سے کھیت کھیت کی حیثیت دریافت کی اور پھر کاغذات دیہی اور لوگوں کی گواہی اور ذاتی تجربے سے یہاں تک تحقیق کیا کہ اس کھیت میں اس قدر پیداوار کی قابلیت ہے۔ اس طرح پر جزرسی کے ساتھ گاؤں کی نکاسی نکال کر' کہنے کو آدھا اور واقع میں اچھا خاصا کسا ہوا دو تہائی۔ حق سرکار ٹھہرا دیا۔ اور اتنی کاوش پر بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ غایت درجے صرف تیس برس کے لیے کہ اتنے میں زمیندار پھر کچھ پنپیں گے تو پھر نچوڑیں گے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ سرکار اپنا حق واجب نہ لے۔ اس نے پیائش سے' اقسام زمین وغیرہ کی تحقیقات سے' اپنے مطالبے کے ٹھہرانے میں اگر احتیاط کی تو ٹھیک کیا' درست کیا مگر میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ رعایا اور سرکار کا تعلق من وجہ بندے اور خدا کا تعلق ہے۔ یہاں انصاف سے کام نہیں چلتا' بلکہ رحم و رعایت سے۔ سرکار کو قرار داد اجمع میں ایک سود خوار بنئے کی طرح دمڑی دمڑی اور ادھی ادھی کا حساب نہیں کرنا چاہئے تھا خصوصاً ایسی رعایا کے ساتھ جو پچھلی سلطنتوں میں کارپردازان سلطنت کی نمک حرامی یا بددیانتی یا اپنی خودسری اور چالاکی سے چنگی کی طرح سرکاری مالگزاری ادا کرنے کی خوگر رہی ہے۔ پھر بندوبست کا میعاد ہونا گروہ زمینداران کی سخت بے دلی کا موجب ہے اور اگر سچ پوچھئے تو ملکی ترقی کا مانع۔ کوئی رعایا کیسی ہی سرکار کی خیرخواہ اور اطاعت گزار

Marfat.com

کیوں نہ ہو' کیوں پسند کرے گی کہ محنت کرے وہ' لاگت لگائے وہ اور جب زمین کی حیثیت درستی پر آئے تو سرکار محاصل میں سے آدھا تقسیم کرانے کو آ موجود ہو۔

پچھلی سلطنتوں میں ہر گاؤں بجا۔ خود ایک چھوٹی سی ریاست تھا۔ اب سرکار انگریزی کے انتظام مالگزاری نے زمینداروں کو ایسا مجبور اور بے دست و پا کر دیا ہے کہ اکثر صورتوں میں زمینداری ایک مصیبت ہو گئی ہے۔

سرکار نے کاشتکاروں کے ایسے حقوق تسلیم کر لیے ہیں کہ زمیندار کا کاشتکاروں پر ذرا بھی دباؤ باقی نہیں رہا۔ زمیندار کسی کاشتکار کو کھیت سے بے دخل کرنا چاہے کیا مقدور' کھیت کی پیداوار کو اٹکانا چاہے کیا طاقت' سختی اور تنگ طلبی کے ساتھ لگان وصول کرنا چاہے کیا مجال۔ سرکار اپنا لینا عین وقت پر زمیندار سے لیتی ہے اور جو زمیندار کو کاشتکار سے پانا ہے' اس کے لیے حکم ہے کہ نالش کرو' ڈگری جاری کراؤ۔ خلاصہ یہ ہے کہ سرکار کے انتظام مالگزاری نے زمینداروں اور کاشتکاروں میں ہم دردی اور معاونت کی جگہ عداوت اور کشمکش پیدا کر دی ہے۔ اب وہ اگلے دیہی جتھے ٹوٹ پھوٹ کر گھر گھر چودھری اور کھیت کھیت زمیندار ہو گئے۔

میں نہیں جانتا کہ آپ لوگوں میں اس طرح کی کوئی کہاوت ہے یا نہیں مگر میں یقین کرتا ہوں' ضرور ہو گی۔ عربی میں تو ایک مشہور مثل ہے۔ ''الاتفاق قوۃ''۔ پس ہر ہر گاؤں اگر اگلی سی زمینداری ہو' اپنی اپنی بساط کے مطابق ایک قوت ہے اور ان کا مجموعہ ایک بلا کا زور ہے' ناممکن المقاومت۔ یہ زور اگر گورنمنٹ کا مساعد ہو سکے تو میں نہیں خیال کر سکتا کہ گورنمنٹ کو روپے کی' سپاہ کی' آلات حرب کی' اعوان و انصار کی' کسی قسم کی دوسری قوت درکار ہو۔ لیکن گورنمنٹ نے بجائے اس کے کہ اس قدرتی' خداداد زور سے فائدے اٹھائے' اس کو ضائع اور معدوم کر دینا آسان سمجھا اور ضائع اور معدوم کر دیا۔ اس بارے میں گورنمنٹ کی عقل' اس جوگی کی عقل سے کچھ زیادہ تعریف کی مستحق نہیں جو اپنے ہاتھ کو خشک کر ڈالتا ہے' اس خیال سے کہ شاید وہ اس ہاتھ سے کسی گناہ کا مرتکب ہو۔

Marfat.com

زمیندار تو اس وجہ سے گرے کہ ان کو گورنمنٹ نے قصداً گرایا۔ رہ گئے عام کاشت کار' وہ سدا سے اس بات کے خوگر تھے کہ زمیندار ان کو انگلی پکڑا کر لے چلے تو آگے کو پاؤں اٹھائیں۔ اب زمیندار تو ہوا دست کش' ان میں کھڑے رہنے کا بوتا نہیں! یہ بھی گرے اور ایسی بری طرح گرے کہ سرکار نے ان کو اپنے پندار میں گڑھے میں پڑا ہوا دیکھ کر باہر نکالا۔ یہ جولڑ کھڑائے' دھڑام سے کوئیں میں۔ زمیندار ان کو دباتے بھی تھے' ستاتے بھی تھے مگر یہ بھی نہیں دیکھ سکتے تھے کہ بگڑ جائیں' اجڑ جائیں۔ اب ان کو پالا پڑا بنیوں سے' ساہوکاروں سے' مہاجنوں سے' جن کا دھرم یہ ہے کہ ان تلوں کو پیلیے جہاں تک پیلا جائے اور پھر ان کی کھلی کو سانی والوں کے ہاتھ بیچ کر کوڑے سیدھے کیجئے۔ اب کاشتکاروں کا حال کیا ہے کہ ہزار میں شاید دو چار بچے ہوں تو خیر نہیں' ورنہ سب کے سب گویا مہاجنوں کے مزدور ہیں۔ اتنا نہیں کہ کسی کے گھر سے وقت پر بیج نکل آئے۔ کھیت میں ہزار نعمتیں کیوں نہ پیدا ہوں' ان کی اور ان کی بال بچوں کی تقدیر کا سانوان' کودوں' جو بنی اسرائیل کے من وسلویٰ کی طرح ستو باندھ کر پیچھے پڑا ہے' کیا مجال کہ کبھی ناغہ ہو لے۔ ایک دفعہ ساجن کو چھو جانا شرط ہے۔ غرض جتنے کسان پیشہ ہیں۔ کیا زمیندار' کیا کاشت کار' سب تباہ اور خستہ حال ہیں۔ چونکہ سرکاری مال گزاری وقت مقرر پر وصول ہو جاتی ہے' سرکار سمجھتی ہے کہ انتظام مال گزاری اچھا ہے' زمیندار و کاشت کار مقدور والے ہیں۔

رعایا کا اصلی حال سرکار پر منکشف ہو بھی تو کیوں کر ہو۔ جو شخص ایسی فریاد کو سرکار کے کان تک پہنچا سکتا ہے' ہو نہ ہو یورپین ہی حاکم ضلع ہو۔ ہندوستانی حاکموں میں سے نہ تو کسی کی ایسی وقعت اور نہ کسی میں اتنی جرأت رہا حاکم ضلع' وہ حتی الوسع سوتی بھڑوں کو کیوں جگانے لگا؟ اگر وہی مجوز جمع بھی ہے تو پہلے اس کو اپنی غلطی کا اعتراف کرنا ضرور ہوگا اور معمولی حالتوں میں انسان سے ایسی توقع فضول ہے اور وہ مجوز جمع نہ بھی ہوتا ہم محصل تو چار و ناچار ضرور ہوگا۔ وہ جوش اظہار کارگزاری میں وصول جمع کو ملتوی یا موقوف کر نہیں سکتا اور پھر تخفیف جمع کی تحریک کرنا بیٹھے بٹھائے ایک جواب دہی کا مول

Marfat.com

لیتا ہے۔ گورنمنٹ ایسے مین میکھ نکالتی ہے (اور اس کا حق بھی ہے) کہ اس کا رضامندی کرنا ایک مصیبت ہے۔ یہ ہے خلاصہ ہمارے انتظام مالگزاری کا جو کم سے کم دو ثلث رعایا پر موثر ہے۔

اہل حرفہ کی کیفیت کسانوں سے کہیں بدتر ہے۔ یہ سچ ہے کہ گورنمنٹ اس کے حال سے کم تر تعرض کرتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ نہیں کرتی مگر یورپ کی کلوں نے ان کو مار پٹڑا کر دیا۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے بہت سے عمدہ اور یافت کے پیشے معدوم ہو گئے اور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اب کہاں ہیں وہ ڈھاکے کے ململ' بنارس کے مشروع' اورنگ آباد کے کمخواب' بیدر کے برتن' کاپی کے کاغذ' کشمیر کی شالیں' لاہور کے ریشمی ڈورے۔ اہل یورپ کیا اس پر بند ہیں کہ جس چیز کی مانگ ہندوستان سے ہوئی' بنائی بھیج دی؟ نہیں وہ لوگ رات دن اس ٹوہ میں لگے ہیں کہ ہندوستان میں کیا کیا چیز پیدا ہوتی ہے اور وہ انسان کے کس مصرف کی ہے اور اس ملک کے لوگوں کو کیا درکار ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان سے ہر طرح کی پیداوار ولایت ڈھلی چلی جاتی ہے۔ کچھ تو یورپ میں کھپی اور کچھ ہندوستانیوں کے مصرف کی بن کر الٹی آ گئی۔ ہندوستانی اہل حرفہ تھکے تو یوں تھکے کہ یہ جو کچھ کریں اپنے ہاتھ پاؤں سے اور انسان کی قوت کا اندازہ معلوم ہے' آٹھ پہر میں آخر وہ دم بھی لے گا' آسائش بھی کرے گا اور وہاں یورپ میں کلیں ہیں کہ سارے سارے دن' ساری ساری رات' برابر' بے تکان پڑی چل رہی ہیں۔ ہندوستانیوں میں کلوں کا ایجاد کرنا تو کجا ابھی تو کلوں سے کام لینے کے سلیقے کو بھی عمریں چاہئیں۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہندوستان کے اہل حرفہ کی تباہی خود انہی کی نادانی کی وجہ سے ہے مگر ہندوستانی اس درجے کے جاہل اور کاہل ہیں کہ ان میں اپنی حالت کے درست کرنے کی گدگدی خدا نے پیدا ہی نہیں کی۔ یہ تو گورنمنٹ سے چاہتے ہیں لا دو' لدا دو' لادنے والا ساتھ دو' یورپ کی تمام تر ترقی کا اصلی اور حقیقی سبب علوم جدید ہیں اور اس زمانے میں تعلیم وہی مفید ہو سکتی ہے جس سے یہاں کے لوگ ان علوم سے آگہی بہم پہنچائیں اور ان کی طبیعتوں میں اس بات کا شوق پیدا ہو کہ واقعات کو سوچیں اور

Marfat.com

موجودات پر غور کریں۔ سو سررشتۂ تعلیم کا اتنا اثر تو ضرور دیکھنے میں آتا ہے کہ لکھنے پڑھنے کا چرچا پہلے سے بہت زیادہ ہو گیا ہے۔ جن لوگوں میں پڑھنے لکھنے کا دستور نہ تھا' وہ بھی اپنے بچوں کو پڑھانے لگے ہیں بلکہ اس قسم کے لوگ بہ کثرت ہیں۔ انگریزی کا شوق بھی برسرترقی ہے اور شکر ہے کہ اگلی سی وحشت اور نفرت کا کہیں پتا نہیں۔ صرف مسلمانوں کو احمقانہ تعصب کی وجہ سے رکاوٹ ہے' وہ بھی عارضی' چند روزہ۔ مگر اس تعلیم سے ملک کو فائدے کے عوض الٹا نقصان پہنچ رہا ہے کیونکہ صرف نوکری کی طمع سے لوگ پڑھتے ہیں' نوکری ہی ان کے نزدیک پڑھنے کی غرض و غایت ہے' نوکری ہی کے لیے ان کو تیار بھی کیا جاتا ہے اور ان کا مبلغ علم بھی وہیں تک ہے۔ مجھ کو حقیقت میں سخت حیرت ہے کہ اتنی نوکریاں کہاں سے آئیں گی۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ انگریزی عملداری میں لکھنے پڑھنے کی اس قدر کثرت کچھ اس وجہ سے بھی ہے کہ سرکاری نوکری بلا امتیاز شریف و رذیل ہر ایک کو حاصل ہو سکتی ہے اور یہی سبب ہے کہ کمینوں میں علم کا رواج زیادہ ہوتا جاتا ہے' شریفوں کو تنزل ہے' رذیلوں کو بحالی ہے۔ عموماً شریف اقوام کے لوگ غریب ہیں' اخراجات تعلیم کے برداشت نہیں کر سکتے اور کچھ ایسے بھی شریف ہیں جن کو خدا نے دیا ہوا ہے' وہ بڑی سے بڑی تعلیم پر خرچ کر سکتے ہیں۔ ان کی اولاد کو ایسی شیطان نے انگلی دکھائی ہے کہ خود پڑھنا بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

پس اگر سچ پوچھئے تو سررشتہ تعلیم سے جیسا کہ اب ہے' ملک کا الٹا علاج ہو رہا ہے۔ ہم کو درکار تھے وہ علوم جو صنعت اور حرفت کو ترقی دیں اور اب لوگوں کو ایسی پٹی پڑھائی جاتی ہے کہ موروثی اور آبائی پیشوں اور حرفوں سے گریز اور نفرت کرتے ہیں بلکہ انھوں نے اسی عار سے بچنے کے لیے پڑھنا اختیار کیا تھا۔

اب مجھ کو صرف تجارت پیشہ لوگوں کی نسبت کچھ کہنا چاہئے' سو میں اس کو مانتا ہوں کہ انگریزی عملداری میں اس پیشے کے لوگوں کو کسی طرح کی شکایت نہیں ہونی چاہئے۔ امن میں کسی طرح کا تزلزل نہیں' مال کی آمد و شد میں یوماً فیوماً سہولت زیادہ ہوتی چلی جا رہی ہے' عدالت کی کارروائی لائق اطمینان ہے' تاجر کو اور چاہئے کیا؟ مگر تجارت کو

Marfat.com

چاہئے سرمایہ اور سرمائے ہی کا تو بڑا رونا ہے۔ بس یہ پیشہ ایک محدود پیشہ ہے جس کو ہندوستان میں صرف معدودے چند اختیار کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے' حرفے اور صنعت کا کساد عین تجارت کا کساد ہے اور یہ میں ابھی تھوڑی دیر ہوئی ثابت کر چکا ہوں کہ ہمارے ملک کی صنعت پر اوس پڑتی چلی جاتی ہے' پس اسی نسبت سے تجارت میں بھی کمی ہے۔ سچ پوچھئے تو ساری تجارت اہل یورپ کی مٹھی میں ہے اور میں ہندوستانیوں کو تاجر نہیں بلکہ تاجروں کا دلال سمجھتا ہوں۔ ولایت سے مال منگواتے ہیں' اس کے طفیل میں روپے پیچھے دھیلا دمڑی آپ بھی جھاڑ کھاتے ہیں۔

اس وقت تک میں نے رعایائے ہندوستان کو چار بڑے پیشوں میں تقسیم کر کے ہر ایک کی خستہ حالی کو اپنے پندار میں دلائل عقلی سے ثابت کیا۔ اب میں' بہت نہیں' گنتی کی چند عام باتیں بیان کروں گا جو بلا تخصیص کسی پیشے کے عام ہندوستانیوں پر موثر ہیں اور ان کو کم و بیش ہندوستانیوں کے افلاس میں دخل ہے۔

ہندوستان کے لوگ عادتاً سادگی اور کفایت شعاری سے زندگی بسر کرنے والے ہیں اور ان لوگوں نے اپنی ضرورتوں کو اس قدر محدود کر رکھا ہے کہ ان کو بہت سا ساز و سامان درکار نہیں۔ ان کے پاس اگر روپیہ ہو تو کھانے پینے کے ضروری مصارف کے بعد اس کا زیور اپنی عورتوں کو گھڑوا دیتے ہیں یا یوں کہو کہ اس کو اس پیرائے میں جمع رکھتے ہیں۔ تو جس قوم میں عموماً سادگی اور کفایت شعاری کا دستور متوارث ہو' اس کے اکثر افراد کو علیٰ قدر مراتب سرمایہ دار ہونا چاہئے اور انگریزی عملداری سے پہلے ہم میں اکثر لوگ خوش حال تھے بھی۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ ادنیٰ اور اعلیٰ سب کے خرچ بڑھتے چلے جاتے ہیں اور اس کے چند در چند اسباب ہیں۔ اول یہ کہ تکلف اور آرائش اور نمود و نمائش کی نئی نئی چیزیں ولایت سے آ کر رواج پاتی ہیں اور زندگی کے لیے جدید ضرورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ خرچ کے لیے اس کثرت سے موجبات ترغیب جمع ہو گئے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں کہ انسان کیسا ہی جزرس کیوں نہ ہو ہاتھ کو نہیں روک سکتا۔ مثلاً جہاں کہیں ریل جاری ہے' آمد و شد میں ریل کی وجہ سے اس قدر سہولت ہو گئی ہے کہ جو لوگ کبھی گھر سے باہر نکلنے کا

Marfat.com

نام نہیں لیتے تھے' اب ذرا ذرا سی ضرورتوں پر چل کھڑے ہوتے ہیں۔ پھر ریل میں چلنا ٹھہرا تو کپڑوں کی گٹھڑی کو کون سنبھالتا پھرے۔ سب سے بھلا بیگ میں کپڑے اور ضرورت کی چھوٹی موٹی چیزیں بھر' اوپر سے قفل لگا' مزے سے ہاتھ میں لٹکا لیا۔ پھر سفر کا نام سفر' دور جانا ہو یا نزدیک' آخر روپیہ پیسہ بھی تھوڑا بہت ساتھ رکھنا ہی پڑتا ہے۔ نیفے میں رکھو تو مشکل' ازار بند میں باندھو تو بدنما' جیب کا بھروسہ نہیں' بار بار بیگ کا کھولنا بند کرنا' کوئی چیز گر پڑے' کیا ضرور' ہر مرتبہ خریدنا نہیں۔ لاؤ بھئی گلے میں لٹکانے کا چمڑے کا تھیلا خرید لیں۔ مدتوں کے لیے چھٹی ہوئی۔ لیکن کم بخت حقے کی کیا تدبیر کرنی ہوگی؟ سنا ہے کہ ریل میں تو پینا نہیں ملتا' چلتی گاڑی میں لوگ چوری چھپے کوئلے سلگا کر اپنا کام کر لیتے ہیں۔ پر ایسے حقے میں مزہ کیا خاک ملتا ہوگا۔ سوکھا ہوا نیچہ' خالی حقہ' اس پر گھبراہٹ کہ ایسا نہ ہو سٹیشن آ جائے۔ چرٹ سب سے اچھا کہ خاصی طرح دندناتے ہوئے پیتے چلے جا رہے ہیں' کسی کی مجال نہیں کہ ہوں تو کہے اور ساتھ کے بیٹھنے والے بھی دیکھ کر جی میں ضرور کہتے ہوں گے کہ ہاں بھئی یہ بھی کوئی ہیں۔ پر چرٹ میں کڑک جانے کا بڑا عیب ہے اور پھر کم بخت دھواں نہیں دیتا' سارا بکس لیں تو حفاظت سے رہے۔ بنچ کے نیچے کہیں بھی ڈال دو' کچھ پروا نہیں۔ چھوٹے سے چھوٹا دیسی چرٹوں کا بکس آٹھ آنے' دس آنے کو آئے گا۔ کیا بڑی بات ہے' راستہ تو آرام سے کٹے گا۔ ریل میں نکمے بیٹھے ہوئے اس سے بہتر دوسرا مشغلہ نہیں۔ حقے میں بڑا کھڑاگ ہے نیچہ' حقہ' چلم' توا' کوئلے' خدا کی پناہ' ایک آدمی کا بوجھ تو یہی ہو گیا۔ آدمی اپنے تئیں سنبھالے یا اتنے بکھیڑے کو لادے لادے پھرے۔ چرٹ کے لیے صرف ایک ڈبیا دیا سلائی کی چاہئے ہوگی' سو حقے کی صورت میں بھی رکھنی پڑتی۔ سڑک کے کنارے لڑکے بیٹھے ہوئے پکار رہے ہیں ''دمڑی ٹکے کے تین بکس''۔ دمڑی تو اپنے منہ سے کہتا ہے ٹکے کے تین دے گا' ایک پیسے کا ڈیڑھ۔ یہ حساب تو ٹھیک نہیں بیٹھتا' ایک بکس لیں تو کوڑیاں باندھنی پڑیں گی۔ کام کی چیز ہے' سیل بھی جائے تو جہاں دھوپ دکھائی باروت کی طرح چھٹنے لگی۔ آؤ اکٹھے تین بکس لے لو۔ پڑے رہیں گے' پھر کام آئیں گے۔ یوں ضرورتوں کا سلسلہ ہے کہ چپکے چپکے یکے بعد دیگرے بڑھتا چلا جاتا ہے۔

Marfat.com

اس طرح ڈاک کے انتظام نے باہمی خط و کتابت کو اس قدر بڑھا دیا ہے کہ کاتب اور مکتوب الیہ چاہے دونوں میں ایک بھی پڑھا ہوا نہ ہوا اور کتنے ہی غریب کیوں نہ ہوں' زیادہ نہیں تو خیر مہینے کے مہینے ایک دوسرے کی خیر صلاح کی خیر لینی تو ضرور ہے۔ یہ میرے ہوش کی بات ہے کہ ہمارے ملک میں چھتری کو لازمہ امیری سمجھا جاتا تھا۔ اب یہاں تک نوبت پہنچی ہے کہ کسی بڑے بازار میں دھوپ کے وقت کھڑے ہو کر دیکھئے تو اس سرے سے اس سرے تک چھتریوں کا ایک سایہ بان تنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کیا اب ہمارے ملک میں موم کے آدمی پیدا ہوتے ہیں کہ دھوپ لگی اور پگھلے۔ یا مثلاً ایک کپڑے پر نظر کیجئے کہ اس کے ضروری ہونے میں کچھ کلام نہیں۔ ولایت سے قسم قسم کے وضع دار کپڑے بن بن کر چلے آتے ہیں کہ خواہ مخواہ آدمی کا دل ان کے پہننے کو چاہتا ہے اور چونکہ کلوں کی وجہ سے سستا بہت ہے۔ اکثر آدمی اس کی وضع داری پر فریفتہ ہو کر بلا ضرورت بھی بنا لیتے ہیں اور پھر اس کے استعمال میں بھی چنداں احتیاط نہیں کرتے۔

میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ سولزیشن (شائستگی) اور اسراف لازم و ملزوم ہیں۔ پس جس قدر ہندوستانیوں میں سولزیشن کی ترقی ہوگی' ضرور ہے کہ ان کا خرچ بڑھے۔ اگر اسی نسبت سے ہندوستانی اپنی آمدنی بھی بڑھا سکتے تو کچھ پروا کی بات نہ تھی مگر آمدنی الٹی گھٹ رہی ہے تو خرچ کی زیادتی ان کو اکھرا ہی چاہے۔ عام لوگ جن کی معلومات کا دائرہ تنگ ہے اور جن کو سوچنے اور غور کرنے کی عقل نہیں' سب کے سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ انگریزوں کی عملداری میں امن ہے' انصاف ہے' زور نہیں' ظلم نہیں مگر خدا جانے کیا بات ہے اگلے وقتوں کی سی خیر و برکت نہیں۔ روپیہ ہے کہ ٹھیکری کی طرح اٹھا چلا جاتا ہے اور اس پر پیٹ کو روٹی ہے تو تن کو کپڑا نہیں اور کپڑا ہے تو روٹی نہیں اور ہو تو کہاں سے ہو۔ وہ اگلے سے سے ہی گئے گزرے ہوئے۔ بزرگوں کے عیش تو بزرگوں کے ساتھ گئے' یہ تو ہمارے ہوش کی بات ہے کہ ایک روپے کا غلہ ایک آدمی کے اٹھائے نہیں اٹھتا تھا۔ بھلا سے کا کچھ ٹھکانا ہے' روپے کے چھ دھڑی گیہوں داؤدی صاف ستھرے' ساڑھے تین سیر چار سیر کا دانہ دار خالص گھی' پانچ سیر کی سفید براق کھانڈ' بیس سیر کا گڑ تو دس من کے اپلے اور علیٰ ھذا القیاس۔ اب جس چیز کو دیکھو آگ لگ رہی

Marfat.com

ہے۔ روپیہ ادھر بھنا ادھر ندارد۔

سبب کے ٹھہرانے میں غلطی ہو مگر مے کی شکایت بھی بے اصل نہیں۔ یہ بالکل سچ ہے کہ اگلی سی برساتیں نہیں ہوتیں۔ زمین ہے کہ جنگل اور باغات کٹ کٹ کر برابر مزروعہ ہوتی چلی جاتی ہے اور علم طبعی میں یہ مسئلہ حد تیقن کو پہنچ گیا ہے کہ درخت بالخاصہ افراط بارش کے سبب ہوتے ہیں اور جنگلی علاقوں میں بارش کا بہ کثرت ہونا اس کا شاہد ہے۔ پھر زمینداروں کو تشخیص جمع میں ایسا دھر کر کسا ہے کہ گاؤں کا سارا رقبہ ہر سال جوتا بویا نہ جائے تو سرکاری جمع گھر سے بھرنی پڑے۔ پس زمیندار بہ مجبوری زمین کو مطلق دم نہیں لینے دیتے۔ ان کا بس چلے تو ایک فصلی زمین سے دو اور دو فصلی سے چار فصلیں پیدا کریں۔ یوں زمین بے دم اور کمزور اور اس کی قوت پیداوار گھٹتی چلی جاتی ہے جس کو عوام بے برکتی سے تعبیر کرتے ہیں۔

لوگ انگریز عملداری کی نسبت ایسا بھی خیال کرتے ہیں کہ اس عملداری میں بے ایمانی بہت پھیلتی جاتی ہے۔ لوگوں میں اگلی سی راست معاملگی نہیں رہی۔ نیتوں میں فساد' دلوں میں دغا' باتوں میں جھوٹ' جس کا ضروری نتیجہ یہ ہے کہ بات بات میں لوگ ایک دوسرے سے لڑ پڑتے ہیں۔ جس عدالت میں جا کر دیکھو مقدمات کی یہ کثرت ہے کہ حاکم کو سر کھجانے تک کی فرصت نہیں اور جہاں ایک دفعہ عدالت جھانکی اور جھگڑا سریش کی طرح چمٹا۔ اول تو ایک کے اوپر ایک عدالتیں ہی اتنی ساری ہیں کہ ان شیرے کے کھیتوں میں سے نکلنا مشکل۔ دوسرے' وکیل مختار ایسے جھانسے دیتے ہیں کہ کیسا ہی سیانا آدمی کیوں نہ ہو' ان کے دھوکے میں آ ہی جاتا ہے۔ پھر عدالت کے انصاف کی نسبت لوگوں کی عام رائے ہے کہ جو جیتا' وہ ہارا اور جو ہارا سو مرا۔ اور فی الواقع عدالتوں کی کارروائیاں اس قدر الجھی ہوئی ہوتی ہیں کہ سٹامپ اور طلبانوں اور محنتانوں اور شکرانوں کے خرچوں کے مارے فریقین ادھڑ جاتے ہیں۔ یہی عدالت میں مقدمہ جیتنے کے معنے یہ ہیں کہ جائداد متنازعہ فیہ نذر خرچۂ عدالت۔ حقیقت میں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب قاعدے قانون انسداد فساد کی غرض سے جاری کیے جاتے ہیں اور بتانے سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے گویا قانون باعث فساد ہے۔

Marfat.com

میرے ایک دوست ایک ہندوستانی ریاست میں نوکر ہیں۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ کیوں صاحب آپ کے یہاں عدالتوں کا چنداں اہتمام معلوم نہیں ہوتا اور قانون بھی آپ فرماتے ہیں کچھ ہمارے یہاں منضبط نہیں' پھر لوگ کیا کرتے ہوں گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اول تو ہماری رعایا اس قدر جھگڑالو نہیں۔ کسی بات میں اختلاف ہوا بھی تو اکثر آپس میں رفع دفع کر لیتے ہیں اور جو شاذ نادر ہم تک فریاد لائے تو ذرا سی کوشش میں ایک دوسرے کے حلف پر حصر کر دیتے ہیں یا پنچایت پر راضی ہو جاتے ہیں۔ وہ اس بات کی تصدیق کرتے تھے کہ وہاں کے لوگ جھوٹ کم بولتے ہیں اور بڑے شدومد کے ساتھ کہتے تھے کہ میں پندرہ برس سے ایک بڑے علاقے کا عامل ہوں اور صدہا مقدمے میرے ہاتھ تلے آئے' آج تک میرے کان میں یہ بھنک نہیں پڑی کہ کسی نے جھوٹا حلف اٹھایا۔

اگر عدالت کو لوگوں کے اخلاف کی کسوٹی نہ سمجھا جائے تو میں ایک دوسری دلیل پیش کرتا ہوں' شراب خوری کی کثرت۔ جو شخص اس چیز کو مذہباً ممنوع نہ سمجھے اور وہ اعتدال کے ساتھ اس کا استعمال کرے تو مجھ کو اس پر طعن کرنے کا کوئی حق نہیں اور مجھ کو اس پر طعن کرنا منظور بھی نہیں۔ میں اس موقع پر اتنا ہی ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ آیا تمول کے اعتبار سے ہندوستانیوں کی ایسی حالت ہے کہ ان کو شراب خور بننے دیا جائے' جس سے آخر کار جواری' فضول خرچ' کاہل' عیاش' چور' ڈاکو اور انواع و اقسام کے امراض خبیث میں مبتلا ہو کر ایسی مصیبت مندانہ زندگی بسر کریں کہ عذاب ہوں اپنے حق میں اور سوسائٹی کے حق میں۔ یہ ہرگز اصول نہیں ہونا چاہئے کسی عاقل گورنمنٹ کا جو عقل کے علاوہ ایک پاکیزہ مذہب کا فخر بھی رکھتی ہے۔ اگر گورنمنٹ ایسی بری چیز کی جس کو ہمارے سچے پیغمبرؐ نے اور آپ کے نزدیک عرب کے بڑے رفارمر نے بواجب ام الخبائث کیا ہے اور ہر ایک زمانے کے عقلاء نے اس کی برائی اور ڈاکٹروں نے اس کے نقصانات پر اجماع کیا ہے' بندی نہیں بلکہ روک کر سکتی ہے تو گورنمنٹ بہ تقاضائے مصلحت ملکی کیوں اپنا سارا زور سختی کے ساتھ اس کے روکنے میں صرف نہ کرے۔

اب مجھ کو آپ صاحبوں کی سامعہ خراشی کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی اور میں ڈرتا

Marfat.com

ہوں کہ کہیں میں نے نوبل صاحب کی لذیذ ضیافت کو تو بے مزہ نہیں کر دیا۔ بات جا پڑی اسباب غدر میں اور یہ مضمون اس قدر وسیع ہے کہ اگر ہر روز اسی طرح کہا کروں تو کہیں ہفتوں میں جا کر ختم ہو تو ہو۔ تاہم میں نے اجمالی طور پر جس قدر بیان کیا اس سے اتنی بات تو غالب ہے' آپ صاحبوں پر ثابت ہو گئی ہو گی کہ انگریزی گورنمنٹ غدر سے پہلے تک ممدوح خلائق نہیں رہی۔ مجھ کو میرے ایمان نے اور گورنمنٹ اور رعایا دونوں کی سچی خیر خواہی نے اس کے ظاہر کرنے پر مجبور کیا۔ غدر سے پہلے تک مجھ کو انگریزی گورنمنٹ سے کسی طرح کا تعلق نہیں رہا اور سوائے اس کے کہ میں شہر میں رہتا تھا' گورنمنٹ کا کوئی حق مجھ پر نہ تھا مگر خدا کو یوں منظور تھا کہ مجھ سے اور نوبل صاحب سے ایک عجیب اور غیر متوقع طور پر معرفت ہو۔ میں نے صاحب کو اس افسوس ناک بیہوشی کی حالت میں اگر لے جا کر اپنے گھر رکھا تو سوائے فرض انسانیت کے اور کوئی خیال باعث نہیں ہوا۔ اس وقت کوئی دور اندیش سے دور اندیش بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ غدر کا انجام کیا ہو گا۔ اور یہ اونٹ کب اور کس کروٹ بیٹھے گا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جس وقت میں نے صاحب کو مردوں میں پڑا دیکھا' میرا دل بالکل بے قابو ہو گیا تھا۔ میں نے اس وقت اتنا بھی تو نہیں سوچا کہ ان کو لے جا کر کہاں چھپاؤں گا اور کیا انتظام کروں گا کہ کسی پر ان کا میرے گھر میں ہونا ظاہر نہ ہو مگر نوبل صاحب کے بارے میں شروع سے آخر تک خدا کی قدرت کاملہ کے ایسے ایسے کرشمے دیکھے کہ بالکل عقل کام نہیں کرتی۔ پس اگر آپ سچ پوچھتے ہیں تو ان کو صرف خدا نے بچایا ہے اور میری یا کسی کی تدبیر کو اس میں کچھ دخل نہیں اور اگر ان کا بچنا خدا کی اور خدا کی قدرت کی دلیل نہیں ہے تو میرے نزدیک پھر دنیا میں کوئی چیز کسی چیز کی دلیل نہیں۔ مجھ کو جہاں تک نوبل صاحب کے بچانے سے تعلق ہے وہ میری نظر میں اس قدر بے حقیقت ہے کہ مجھ کو اس کا تذکرہ کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ یہ صرف نوبل صاحب کی کریم النفسی تھی کہ انہوں نے ایک ذرا سی بات کو اس قدر رونق دی اور اگر نوبل صاحب کی خاطر سے میں اس کا قابل قدر ہونا تسلیم بھی کروں تو نوبل صاحب اپنی ذات سے اس کا دو چند' چار چند اور اس سے بھی زیادہ معاوضہ کر چکے ہیں۔ پس گورنمنٹ نے جو مجھ کو جاگیر دی' نوکری دی' صرف احسان ہے بلا سابقہ استحقاق اور

Marfat.com

اگر اتنے بڑے احسان کو خالی شکر گزاری کے ساتھ قبول کرلوں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بے استحقاقی کے علاوہ نااہلی کا الزام بھی اپنے اوپر لوں۔

جوں ہی مجھ کو نوبل صاحب سے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ میرے ساتھ سلوک کرنے والی ہے' مجھ کو سوچ پیدا ہوا کہ میں اس کے معاوضے میں گورنمنٹ کی کون سی خدمت کرسکوں گا۔ نہ تو میرے پاس مال ہے کہ گورنمنٹ کی نذر کروں' نہ میرا پیشہ سپہ گری ہے کہ میں اپنا سر گورنمنٹ کے لیے کٹوا دوں۔ تب میں نے خیال کیا کہ میرے پاس دل ہے۔ پس میں آپ سب صاحبوں کے روبرو اس بات کو ظاہر کرتا ہوں کہ میں اپنا دل گورنمنٹ کی نذر کر چکا۔ خدا نے چاہا تو میری تمام عمر اسی میں بسر ہوگی کہ جہاں تک مجھ سے ہوسکے گا گورنمنٹ کی فلاح میں' گورنمنٹ کے قیام و ثبات میں' گورنمنٹ کے عام پسند ہونے میں کوشش کرتا رہوں گا۔ اے خدا! تو میرا مددگار رہ' میں نے اپنی کارروائی کا منصوبہ ذہن میں ٹھہرالیا ہے اور میں آپ صاحبوں کی اجازت سے مجملاً اس کو بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مجھ کو ابتدائے شعور سے تاریخ اور اخبار کا بہت شوق رہا ہے اگرچہ اس سے تھوڑی دیر پہلے میں نے گورنمنٹ کے انتظام پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی ہے' با ایں ہمہ میں اقرار کرتا ہوں کہ انصاف میں' انسانی ہمدردی میں' ملک کی ترقی میں' دنیا کی کوئی گورنمنٹ انگریزی گورنمنٹ کو نہیں پاتی۔ انگریزی گورنمنٹ میں جو نقصان ہیں عملی قسم کے ہیں ورنہ اس گورنمنٹ کے اصول ایسے عمدہ ہیں کہ ان سے بہتر نہ کبھی ہوئے اور نہ اب روئے زمین کے کسی حصے میں ہیں' پس میں انگریزی گورنمنٹ کو ہندوستان کے حق میں خدا کی بڑی رحمت اور برکت سمجھتا ہوں۔ پس میری تمام ہمت اس میں مصروف ہوگی کہ رعایائے ہندوستان اس رحمت اور برکت سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔

انگریزی گورنمنٹ میں جتنے نقصان ہیں آخر کو سب کا یہی ایک سبب جا کر ٹھہرتا ہے کہ حاکم و محکوم میں اختلاط نہیں اور ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف نہیں۔ میں نے اس پیرائے میں گورنمنٹ کی خیر خواہی کا بیڑا اٹھایا ہے کہ حاکم و محکوم میں سے اجنبیت کو دور کردوں۔ رعایائے ہندوستان میں سے صرف مسلمانوں کو میں اس قابل سمجھتا ہوں کہ گورنمنٹ کو ان کی تالیف و استمالت کی سردست بہت ضرورت ہے۔ کچھ تو

Marfat.com

اس سبب سے اور کچھ اس وجہ سے کہ میں خود مسلمان ہوں میری کوشش مسلمانوں میں محصور رہے گی۔ میں مسلمانوں کے رگ و ریشے سے واقف ہوں اور مجھ کو ہونا چاہئے کیوں کہ مجھ کو خود مسلمان ہونے کا فخر حاصل ہے۔ میں بہت وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مذہب اسلام میں کوئی بات ایسی نہیں جس کی وجہ سے گورنمنٹ مسلمانوں کی طرف سے نامطمئن ہو۔

ہمارے پیغمبرؐ صاحب کی زندگی کی عمر میں سے آدھی سے زیادہ مغلوبی کی حالت میں گذری جب کہ قریش مکہ صرف مذہبی مخالفت کی وجہ سے ان کو اور ان کے رفقاء کو جو ان پر ایمان لائے تھے' طرح طرح کی ایذائیں دیتے تھے اور فقط اس وجہ سے کہ یہ لوگ ایک خدا کو مانتے اور بت پرستی کی مذمت کرتے تھے' ان کو کعبے کے معبدگاہ عالم میں آنے سے روکتے' ان کو اپنے طور پر خدا کی عبادت نہ کرنے دیتے' ان کے ساتھ لین دین تک موقوف کر دیا تھا اور موقع پاتے تو ان پر دست درازیاں کرتے۔ اس حالت میں جو مسلسل گیارہ برس رہی' پیغمبرؐ صاحبؐ کی اپنے معتقدین کو برابر یہی تاکید تھی کہ خدا کی راہ میں دنیوی تکلیفات کو بہ امید فلاح عاقبت صبر کے ساتھ برداشت کرو اور مذہب اسلام تھا کہ ان مزاحمتوں اور مصیبتوں میں اپنی صداقت کی وجہ سے چپکے چپکے ترقی کر رہا تھا۔ مسلمانوں نے ان تکلیفات سے عاجز آ کر دو بار ترک وطن بھی کیا جس کو ہجرت کہتے ہیں' پھر بھی لوگوں نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اس اثنا میں مسلمانوں کا گروہ اتنا بڑھ گیا تھا کہ اپنی حفاظت کر سکتے تھے۔ دوسری ہجرت کے دوسرے برس بدر کی مشہور لڑائی ہوئی جس سے اسلام کے غلبے کی ابتدا ہے۔ جزیرہ عرب میں مسلمانوں کی بہت سی فتوحات ہوئیں جن میں سب سے مشہور اور حقیقت میں جس نے تمام جزیرہ عرب کو جس بت پرستی سے پاک کر دیا' فتح مکہ تھی۔ میں نے تاریخ میں صدہا فتح مند بادشاہوں اور جنرلوں کا بلاد مفتوح میں داخل ہونا پڑھا ہے۔ آگے آگے قتل اور پیچھے پیچھے لوٹ۔ اور ایک فتح مند پیغمبر کا مکے میں داخل ہونا تھا جہاں کے لوگوں نے ان کے ساتھ ایذا دہی اور بے حرمتی کا کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا تھا کہ آپؐ کعبے میں تشریف رکھتے تھے اور شہر مکہ میں امن عام کی منادی ہو رہی تھی۔

غرض یہ ہے کہ اسلام فی نفسہ ایسا عمدہ مذہب ہے کہ بارے درجے کی مغلوبیت

Marfat.com

اعلیٰ مرتبے کا غلبہ دونوں حالتوں میں اس کے پیرو صلح کاری کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ مانا کہ انگریزی عملداری میں اسلام کو غلبہ نہیں مگر وہ اس قدر مغلوب بھی نہیں جیسا ہجرت سے پہلے مکے میں تھے' بدون سلطنت کے جس قدر مذہبی آزادی ممکن ہے' مسلمانوں کو انگریزی عملداری میں پوری پوری حاصل ہے بلکہ خود مسلمانوں کی عملداری میں بھی آزادی کا یہ رنگ نہیں۔ پس من حیث المذہب کوئی مسلمان کسی فرقے اور عقیدے کا کیوں نہ ہو' انگریزی عملداری کا شاکی ہو نہیں سکتا۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ہندوؤں کی دیکھا دیکھی کھانے میں' پینے میں' پہننے میں' نشست برخاست میں چھوت بہت ماننے لگے ہیں۔ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے تنزل کا جو کچھ سبب ہو' ہندوستان کے مسلمانوں پر تو ہندوؤں کے اختلاط نے بہت ہی برا اثر کیا ہے۔ ہندوؤں میں رہ کر یہ بھی انھیں کی طرح شکی' ڈرپوک' پست حوصلہ' گھر گھنے' آرام طلب ہو گئے۔ مسلمانوں کا یہ عیب کہ انگریزوں سے پرہیز کرتے ہیں اور اس وجہ سے انگریزی عملداری کے بہت سے فائدوں سے محروم ہیں اور یوماً فیوماً مفلس اور بے وقعت ہوتے جاتے ہیں اور گورنمنٹ کو اپنی طرف سے بدظن رکھتے ہیں یعنی مسلمانوں کی اتنی ہندویت تو ان شاء اللہ میں دفع کر دوں گا۔ مسلمانوں کا مذہب جدید العہد ہے اور ابھی اس کی اصلیت دوسرے مذہبوں کی طرح معدوم نہیں ہوئی' پس مجھ کو اپنی کوشش میں ہر طرح کی کامیابی کی امید ہے۔

میں جانتا ہوں نصیحت کا بڑا موثر پیرایہ نمونے کا دکھا دینا ہے' سو میں نے یہ باتیں منہ سے نہیں نکالیں جب تک کہ میں نے خود اس وضع کو اختیار نہیں کر لیا جس کو میں چاہتا ہوں کہ سب مسلمان اختیار کریں۔ میں نے آپ سب صاحبوں کے ساتھ ایک میز پر کھانا کھایا اور آپ کے روبرو میں انگریزی لباس پہنے کھڑا ہوں اور میں یقیناً ویسا ہی مسلمان ہوں جیسا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ خود مسلمان جن کے مفاد کے لیے میں نے یہ وضع اختیار کی ہے' چھیڑ چھیڑ کر اور ہنس ہنس کر میری زندگی بہ تنگ کر دیں گے مگر ان کی چھیڑ جیسی ناچیز ہوگی ویسی ہی بے ثبات بھی ہوگی۔ تقاضائے وقت اور تعلیم دو میرے بڑے مددگار ہیں اور ان کی تائید سے مجھ کو پورا بھروسا ہے کہ بہت جلد ایک گروہ میری وضع کی تقلید کرے گا۔ اب میں اپنی تقریر کو طوالت کی معذرت پر ختم کرتا ہوں۔

Marfat.com

## فصل دوازدھم

# ابن الوقت کا منصوبہ اور لوگوں کی مخالفت

دنیا میں شاید قوم کی رفارم (اصلاح) سے زیادہ مشکل کوئی اور کام نہیں ہوسکتا' سو بھی یہاں پوری پوری رفارم کا کیا مذکور ہے' پوری رفارم تو وہ تھی جس کا بیڑا ہمارے پیغمبرؐ صاحب نے اٹھایا تھا' مبعوث ہوئے عرب میں جن سے بدتر اس وقت روئے زمین پر کوئی قوم نہ تھی۔ اس رفارم کے مقابلے میں کیا بے چارہ ابن الوقت اور کیا اس کی رفارم' وہی مثل ہے ''کیا پدی اور کیا اس کا شوربا''۔ اس کی اتنی ہی بساط تھی کہ اس کو آپ سوجھی اور نوبل صاحب نے بھی بجھائی کہ انگریزی عملداری میں مسلمان بگڑتے چلے جاتے ہیں' یہ تھا ایک واقعہ بدیہی۔ سبب کی تفتیش کی تو معلوم ہوا انگریزی عملداری میں مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر' رعیت ہوکر بادشاہ سے نفرت' محکوم رہ کر حکام سے گریز۔

یہاں تک ابن الوقت کی رائے نہایت درست تھی۔ اب اس نے قومی ہمدردی اور سرکاری خیرخواہی کے تقاضے سے چاہا کہ مسلمانوں کی وحشت اور اجنبیت کو دور کرکے حاکم ومحکوم میں ارتباط واختلاط پیدا کردوں' بس یہ ہے خلاصہ ابن الوقت کی رفارم کا۔ اس نے سوچا کہ معاملہ ہے قوی اور ضعیف اور غالب ومغلوب میں' قومی غالب پر تو اثر کیا ڈال سکوں گا'' ''نزلہ بر عضو ضعیف'' مسلمانوں کو ترغیب دو کہ مماثلت سے' مشابہت سے' انگریزی سیکھنے سے' انگریزی تمدن اختیار کرنے سے' غرض جس جس ڈھب سے ممکن ہو' انگریزوں کی طرف کو جھکیں۔ ابن الوقت کے حالات مابعد سے ظاہر ہوجائے گا کہ تدبیر جو اس نے اختیار کی غلط تھی یا صحیح اور کہاں تک اس کو اپنے ارادے میں کامیابی ہوئی؟

ہم اس کو ابن الوقت کی کامیابی کی تمہید سمجھتے ہیں کہ سب سے پہلے اس نے آپ وہ

Marfat.com

طرز اختیار کر لی جس کو وہ رواج دینا چاہتا تھا۔ اس نے غدر کے دنوں میں نوبل صاحب کی جان بچانے سے سرکار انگریزی کی خیر خواہی کی اور سرکار نے بھی اس خیر خواہی کا بدلہ دینے میں ایسی جلدی کی کہ برس کے اندر ہی اندر ابن الوقت جاگیردار بھی ہو گیا' ایک دم سے اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بھی ہو گیا۔ اب اس نے قوم کی خیر خواہی کا دم بھرا اور رفارمر بنا تو رفارمروں کو جو انعام ہمیشہ سے ملتا آیا ہے اس کے لیے بھی تیار یعنی اگلے ہی دن سارے شہر میں غل تھا کہ ابن الوقت کرسٹان ہو گیا' انگریزوں کے ساتھ کھانا کھایا' انہیں کی طرح کپڑے پہنے۔ افواہ کا قاعدہ ہے کہ لوگوں کے منہ بات پڑی اور ایک ایک کی چار چار ہوئیں' کوئی یہ بھی کہہ دیتا تھا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے ان کو انگریزوں کے ساتھ گرجا میں دیکھا' آخر نماز ہی کو گئے ہوں گے۔

دوسرا: ارے میاں تم مسلمان ہو کر کہتے ہو "گئے ہوں گے" توبہ کرو توبہ!

تیسرا: کیوں جی! پہلے سے تو ہم نے کوئی بات دیکھی کیا سنی بھی نہ تھی' یہ ایک دم سے ہوا تو کیا ہوا۔

دوسرا: کیا خوب! یک نہ شد دو شد' تم شہر میں رہتے ہو اور اتنا معلوم نہیں (آگے کو جھک کر دبی زبان سے) کہ اس نے غدر میں ایک انگریز کو چھپایا تھا۔

تیسرا: چھپایا تھا تو چھپانے دو اور بھی بہتیروں نے خیر خواہیاں کیں' مخبر بنے' لوگوں کے گڑے دبے مال نکلوائے' آپ کھڑے ہو کر گواہیاں دیں' پھانسیاں تک دلوائیں' خیر خواہی ہے اور کرسٹان ہونے سے کیا تعلق؟

دوسرا: میاں بات یہ ہے کہ دنیا کا لالچ بہت برا ہوتا ہے اور دنیا بھی ایسی کہ بس غدر تو اس شخص کو پھلا ہے' کسی بچے کی تونکسیر تک نہیں پھوٹی' ایک پیسے کے مال کا نقصان نہیں ہوا۔ گوڑگانوے کے ضلع میں کسی بیچارے زمیندار کا کئی ہزار کا علاقہ اسی غدر کی علت میں ضبط ہوا تھا' وہ ملا' ڈپٹی کی نوکری پائی! ایک خیر خواہی میں تو اتنی ساری کرامت نہ تھی۔

چوتھا: مگر ہوا بڑا غضب! ایسا خاندانی آدمی کرسٹان ہو جائے' عالم فاضل۔ اسلام کی بڑی بے عزتی ہوئی۔

Marfat.com

دوسرا: اسلام کو خدا نے عزت دی ہے اور ان شاء اللہ تا قیامت معزز رہے گا اور علم فضل کی کچھ نہ پوچھو شیطان معلم الملکوت تھا یعنی تمام فرشتوں کا استاذ پھر وہ علم اس کے کیا کام آیا؟

ہفتوں نہیں بلکہ مہینوں جہاں دیکھو ابن الوقت ہی کا چرچا تھا۔ عوام نے تو ایک بات پکڑ پائی تھی: ''کرسٹان ہو گیا کرسٹان ہو گیا''۔ ان کے نزدیک انگریزوں کے ساتھ کھانا بلکہ انگریزوں کی طرح میز کرسی پر چھری کانٹے سے کھانا انگریزی لباس پہننا' سب کرسٹان ہونے ہی میں داخل تھا۔ ہندوستانی اخبار والوں کو مضمون کہاں نصیب' ان کو ایک اچھا مشغلہ ہاتھ لگا۔ ابن الوقت نے اگر شہر کا رہنا چھوڑ نہ دیا ہوتا تو لڑکوں کا اس کے پیچھے ہرو پیٹ دینا بھی کچھ تعجب نہ تھا مگر شہر کے باہر چھاؤنی میں اتنی دور جاتا ہی کون تھا اور پھر انگریزوں کے ڈر کے مارے کسی کی ایسی جرأت تھی مگر ہاں کچہری میں ہر روز سو پچاس آدمی اس کو انگریزی لباس پہنے' انگریزوں کے ساتھ ٹفن کھاتے' چرٹ پیتے دیکھتے ہی تھے۔

شامت تو اگر سچ پوچھو ابن الوقت کے گھر والوں کی تھی کہ ناحق لوگ ان کو آ آ کر چھیڑتے تھے اور یہ بیچارے ابن الوقت کے کارن مفت میں نکو بن رہے تھے۔

قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم پر ادبار آتا ہے تو اس کے حرکات' سکنات' معاملات' خیالات' معتقدات سبھی میں روایت آ جاتی ہے' کیا خوب کہا ہے ع: ہر چہ گیرد علتی علت شود۔ مسلمانوں کو خدا نے کیسا تو عمدہ مذہب دیا تھا کہ اسی کی بدولت عرب کے وحشی' اونٹوں کے چرانے والے' اس قدر تھوڑے عرصے میں جس کی نظیر ساری دنیا کی تاریخ میں مفقود ہے' گویا تمام روئے زمین کے بادشاہ ہو گئے۔ پھر وہ مذہب سہل و سلیس ہونے کے علاوہ نظر غور سے دیکھو تو اختیاری نہیں بلکہ فطری یعنی بہ عبارت دیگر اضطراری لازمۂ انسانیت کہ کسی حال میں انسان سے منفک ہو ہی نہیں سکتا۔ پیغمبرؐ اسلام کا خاتم النبین اور مرسل الی کافۃ الناس ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ دائرہ اسلام بہت وسیع ہے اور پیغمبرؐ صاحب کو کثیر الاتباع ہونے پر ناز بھی تھا۔ غرض ایک مسلمان تو قرون اولیٰ کے

Marfat.com

مسلمان تھے جن کی تمام ہمت تکثیر گروہ مسلمانان میں مصروف تھی یا ایک مسلمان ہمارے زمانے کے مولوی ہیں کہ بات بات پر لوگوں کو کافر یعنی اسلام سے خارج ٹھہرا دیتے ہیں۔

ابن الوقت تو ان کے نزدیک نرا کافر بھی نہیں بلکہ مجموعہ کفار تھا۔ حنفی' شافعی' سنی' شیعہ' وہابی' بدعتی' مسلمانوں کے جتنے فرقے ہندوستان میں ہیں سب کے علماء نے قران کی آیتوں سے' حدیثوں سے سند پکڑ پکڑ کر بالا جماع ابن الوقت کے کفر کے فتوے لکھ دیے۔ ایک فتوی تو خود ہماری نظر سے بھی گزرا' فتوی کا ہے کو تھا' اچھا خاصا اقلیدس کا پہلا مقالہ معلوم ہوتا تھا' کیوں کہ مربع' مستطیل' بیضوی سب شکلوں کی تو مہریں اس میں تھیں اور پھر بعضے کف دست کے برابر چوڑے چکلے طغرے' کیسے کیسے پیچیدہ کہ ہمایوں کی بھول بھلیاں کی کیا اصل ہے۔ دلی کا فتوی اور دلی ہی کے علماء کی مہریں اور پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ کون کس کی مہر ہے۔ آخر نہ رہا گیا' پوچھنا ہی پڑا' کیوں صاحب یہ خادم الشریعت الغراء و الملته البیضاء المحمدیه الحافظ الحاج الشیخ ابوالفضائل محمد الشهیر بمعین الدین الحنفی القادری الاویسی المازندرانی ثم البخاری کون بزرگ ہیں؟

صاحب فتوی: آپ نے نہیں پہچانا! مولوی مونا جو موچیوں کی مسجد میں جمعے کے جمعے وعظ کہا کرتے ہیں۔

ہم: بارے مولوی مونا صاحب کی مہر بھی فتووں پر ہونے لگی۔

صاحب فتوی: اجی حضرت! اگر ان کی مہر نہ کراؤ تو وعظ میں نام لے لے کر ایسی بے نقط سناتے ہیں کہ معاذ اللہ مگر بیچارے ہیں صلح کل' اختلافی مسائل میں دونوں طرف والے مہر کرا لے جاتے ہیں' انکار نہیں۔

ہندوستانیوں کی یہ چھیڑ چھاڑ جو اکثر گالیوں کے قریب قریب ہوتی تھی' ابن الوقت کو بری تو کیوں لگتی نہ ہوگی مگر ظاہر میں تو اس نے کبھی اس کا اعتنا کیا نہیں' ہمیشہ استکراہ کے ساتھ دوسرے کان سے نکال دیا۔ اگر ابن الوقت ایک دم سے کرسٹان ہو گیا ہوتا تو

Marfat.com

لوگ ایسے اس کے پیچھے نہ پڑتے۔ اس کے عزیز و قریب رو دھو کر اور ماوشما بک جھک کر کبھی چپ کرتے پر کرتے' مگر مشکل یہ تھی کہ ابن الوقت کا ظاہر حال بالکل انگریزی کا سا تھا اور پھر وہ کہتا تھا کہ میں مسلمان ہوں' اس کی اسی بات سے مسلمان چڑتے تھے۔

نوبل صاحب کے ڈنر میں ملکی فوجی جتنے انگریز اس وقت دہلی میں تھے' سبھی تو موجود تھے۔ سب نے ابن الوقت کو دیکھا' حرف بہ حرف اس کی تقریر کو سنا۔ چند روز بعد ابن الوقت نے ساری چھاؤنی کو بڑا کھانا دیا۔ اس میں سب تو نہیں مگر جس جس سے نوبل صاحب کو زیادہ ربط تھا' چار و ناچار آیا اور دو چار صاحب لوگ اور بھی آئے۔ بے تکلفی ہوتے ہی ہوتے ہوتی ہے' ایسا کہیں دیکھنے میں نہیں آیا کہ صاحب سلامت کے بعد ہی تپاک شروع ہو جائے اور یہاں تو رکاوٹ کی بہت سی وجوہ تھیں' اول تو بالکل ایک نئی بات تھی' شروع عملداری سے آج تک ان اطراف میں کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ کسی ہندوستانی نے انگریزی وضع اختیار کر کے برابری کے دعوے سے انگریزی سوسائٹی میں گھسنے کا ارادہ کیا ہو۔ راجہ' بابو' نواب' بڑے بڑے عہدہ دار انگریزوں سے ملنے کی سبھی کو ضرورت واقع ہوتی رہتی تھی مگر اپنے ہندوستانی قاعدے سے ملتے تھے: سر پر پگڑی' شملہ' عمامہ' گلے میں قبا' چغہ۔ جاڑا ہوا تو اوپر سے شالی رومال' اندر کمر بندھی ہوئی' اتوار اور کچہری کا وقت بچا کر سویرے سے جا موجود ہوئے' سواری کو احاطے کے باہر چھوڑا' چپڑاسی سے اطلاع کرائی' منتظر طلب برآمدے میں بیٹھے' بلا لیے گئے' جوتیاں دروازے کے باہر اتاریں' سامنا ہوا' دور سے جھک کر سلام کیا' آہستہ سے مختصر طور پر مطلب کی دو باتیں کیں' رخصت چاہی' صاحب کا سامنا کتراتے ہوئے باہر نکلے' اردلیوں' شاگرد پیشوں کا معمول دیا اور گھر کا رستہ لیا۔

ابن الوقت نے ملاقات کا ایک نرالا ڈھنگ نکالا کہ جب تک کوئی دوست معرفت نہ کرا دے وہ کسی انگریز سے ملتا ہی نہ تھا اور ملتا بھی تو کس طرح کہ گھوڑا ہے تو گھوڑا اور بگھی ہے تو بگھی دھر برآمدے میں اردلی دور سے گھوڑے کی ٹاپ سن کارڈ کے لیے منتظر کھڑا ہے' چند قدم استقبال کر' کارڈ لے بھاگا ہوا اندر گیا۔ آگے آگے اردلی' پیچھے

Marfat.com

پیچھے ابن الوقت' بیں بسوے تو صاحب خانہ سے برآمدے میں مٹھ بھیڑ ہوئی ورنہ خیر عین کمرے کے دروازے میں' اور اگر صاحب خانہ اس میں مضایقہ کریں تو ابن الوقت سوار ہو یہ جا وہ جا۔ پھر ادب قاعدے کی تو خبر نہیں' آنکھیں چار ہوتے ہی ایک ساتھ دونوں کے منہ سے نکلا ''گڈ مارننگ' ہو ڈو یو ڈو'' ایک ساتھ ہاتھ بڑھائے' مصافحہ ہوا' دونوں اندر داخل۔ معلوم نہیں کیا باتیں ہوئیں' مگر زور سے ہنسنے کی آواز تو برابر چلی آتی تھی۔

غرض ابن الوقت نے انگریزوں کے ساتھ برتاؤ ہی اس طرح کا شروع کیا کہ اکثر انگریز اس کے ملنے سے پہلوتہی سی کرتے تھے۔ پھر ابن الوقت میں زبان انگریزی کی بھی کوتاہی تھی' علاوہ بریں اس کا تعلق انگریزوں کے ساتھ بالکل جدید تھا' ان وجوہ سے اس کو انگریزوں نے اپنی سوسائٹی میں لیا تو سہی مگر کشادہ دلی کے ساتھ نہیں۔ تاہم اس کا تعارف انگریزوں کے ساتھ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جاتا تھا اور ہندوستانی بھائیوں کے حسد کے مشتعل کرنے کو اتنا کافی تھا۔ یہی وہ مخالفت تھی جو تمام عمر ابن الوقت کو طرح طرح کی ایذائیں دیتی اور اس کے اصل مطلب میں کھنڈت کرتی رہی۔ انگریزوں کو رشک وحسد کی کوئی وجہ نہ تھی مگر ان میں بھی اکثر بہ زعم حکومت ابن الوقت کے سخت مخالف تھے۔ اس میں شک نہیں نوبل صاحب اس کے پورے طرف دار تھے' وہ شریف تھے' معزز عہدہ دار تھے' انگریزوں میں ان کی بڑی وقعت تھی' ان کی کارگزاری اور لیاقت گورنمنٹ کے نزدیک مسلم تھی اور سب سمجھتے تھے کہ ایک نہ ایک دن ان کو کوئی بڑا کام ہونے والا ہے مگر آخر تھے تو ایک متنفس' ان کی مدد سے سردست اتنا بھی کیا کم تھا کہ تمول اور تعزز کے اعتبار سے ابن الوقت کو حکام وقت سے ملنے کا حوصلہ ہوا اور انگریزوں کے ساتھ جو کچھ معرفت ہوئی وہ بھی انہیں کی وجہ سے ہوئی۔ اگر نوبل صاحب کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو منہ سے رفارم کا نام نکالنا بھی مشکل تھا۔

غرض بہ نظر ظاہر جتنے اتفاقات مساعد کا جمع ہونا ممکن تھا' سب مہیا تھے: نوبل صاحب جیسا عالی رتبہ انگریز مربی اور سرپرست' خود ابن الوقت خیر خواہ سرکار' جاگیردار'

Marfat.com

اکسٹرا اسسٹنٹ' اپنے ہی شہر میں حاکم اور کام بھی بغاوت کی تحقیقات کہ ان دنوں کوئی حکومت اس کو لگا نہیں کھاتی تھی۔ زمینداری اور نوکری ملا کر آمدنی ایسی معقول کہ جس کی ایک ٹانگ انگریزوں کی طرح ولایت میں پھنسی ہوئی نہ ہو' جس شان سے چاہے رہے' پھر جیسی وضع سے رہنا چاہتا تھا باعتبار شکل وصورت اس کے قابل اور مناسب۔ باایں ہمہ ابتدا سے جو مزاحمتیں پیش آنی شروع ہوئیں تو آخر تک بیچارے ابن الوقت کو دم نہ لینے دیا اور کوئی ہوتا تو ہجوم مخالفت سے گھبرا کر اس کام کو کبھی کا چھوڑ بیٹھا ہوتا مگر ابن الوقت پر لے درجے کا مستقل مزاج آدمی تھا' مشکلات کو دیکھ کر اور دلیر ہوتا' وہ رنجیدہ ہوتا' افسوس کرتا' اس کو غصہ بھی آتا مگر کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اس کو یہ خیال نہیں ہوا کہ جو وضع اختیار کی ہے اس کو چھوڑ دوں یا جس رفارم کا بیڑا اٹھا چکا ہوں اس کے رواج دینے میں کوتاہی کروں۔

شروع میں مذہبی بحث ابن الوقت کے پروگرام سے بالکل خارج تھی مگر مسلمانوں نے چھوٹتے ہی اس سے مذہبی چھیڑ نکالی جس سے ابن الوقت کو یہ خیال ہوا کہ مذہب ہی نے مسلمانوں کو بنایا اور مذہب ہی ان کو بگاڑ رہا ہے' بے مذہب کے یہ ٹکڑا تو توڑتے ہی نہیں' تاوقتیکہ ان کے دین کی اصلاح نہ دنیاوی فلاح ہرگز نہیں ہوسکتی۔ یہ سمجھ کر اس نے بہ مجبوری مسائل دین میں دست اندازی شروع کی۔ یہ بحث اگر اسی حد تک رہتی جہاں تک ابن الوقت کو اپنی رفارم میں ان کی ضرورت تھی تو چنداں حرج نہ تھا مگر بحث کا نام آیا اور طرفین سے کٹ حجتی شروع ہوئی۔ ہمارے ہندوستان ہی میں کوڑیوں مذہب ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کا رد کرتے رہتے ہیں۔ ہم نے تو دیکھا کیسا' سنا بھی نہیں کہ کوئی مذہب مناظرے میں مغلوب ہو کر معدوم ہوگیا ہو بلکہ اختلاف مذاہب ہے کہ یوماً فیوماً بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یوں تو سنتے تھے' کہ مسلمانوں میں ستر دو بہتر فرقے ہوں گے مگر ہندوستان میں سنی' شیعہ' حنفی' شافعی' صوفی گنتی کے چند فرقے دکھائی دیتے تھے۔ اب ہمارے دیکھتے دیکھتے ایک سنیوں میں وہابی' بدعتی' مقلد' غیر مقلد' دوالین' زوالین کتنے سارے نئے نکل کھڑے ہوئے اور یہ آفت اختلاف نہ صرف ہندوستان میں ہے اور نہ

Marfat.com

فقط مذہب میں بلکہ ہر ملک میں اور ہر بات میں۔

الغرض مذہب کے اعتبار سے ابن الوقت نے ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد بنا کر کھڑی کی۔ انگریزی تعلیم آزادی کے خیالات دلوں میں پیدا کر چکی تھی اور مطلق العنانی کی دھن نے ہزار ہا آدمیوں کو بے چین کر رکھا تھا اور دلوں کی بھڑاس نکالنے کے لیے موقع تاک رہے تھے۔ ایسے لوگوں نے ابن الوقت کی آڑ کو بس غنیمت سمجھا اور نئے طور کے مسلمانوں کا گروہ بہت جلد کثیر الانفار ہو گیا جیسے حشرات الارض کہ برسات کا چھینٹا پڑا اور لگے رینگنے۔ اگر تبدیل وضع اور ترمیم عقائد کے ساتھ موجبات ترغیب بھی ہوں تو ہم لوگوں میں کچھ ایسی بھیڑیا (کذا) چال ہے کہ آدھے سے زیادہ مسلمان نیا طریق اختیار کر لیتے مگر ادھر تو بھائی بندوں نے لتاڑا ادھر انگریزوں نے بے رخی کی اور تبدیل حالت کسی کو سزاوار نہ ہوئی تو ان لوگوں کی وہی مثل ہو گئی "ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ" یعنی پیدا ہوتے ہی کچھ ایسی پڑی کہ ٹھڑ کر رہ گئے۔

Marfat.com

فصل سیزدھم

# انگریزی وضع کے ساتھ اسلام کا نبھنا مشکل ہے

مذہب نام ہے انسان کے خاص طرح کے دلی خیالات کا اور اس لفافے کو خدا نے ایسی مضبوطی کے ساتھ بند کیا ہے کہ ایک کے ضمائر پر دوسرا شخص کسی ڈھب سے مطلع ہو ہی نہیں سکتا۔ علاوہ بریں مذہب ایک معاملہ ہے بندے میں اور خدا میں اور کسی شخص کو یہ حق نہیں اور ضرورت بھی نہیں کہ دوسروں کے مذہبی معاملات میں دخل دے۔ ان اصول کی بنا پر ہم کو ابن الوقت کے مذہب سے متعرض ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر از بس کہ وہ مسلمان کی دنیا و دین دونوں کی اصلاح کا مدعی تھا ہم کو چار و ناچار دیکھنا پڑا کہ اس کے مذہبی خیالات کیا تھے۔ ہم ان لوگوں سے سنی ہوئی کہتے ہیں جن کو ابن الوقت کے ساتھ رات دن کی نشست برخواست، ہمسائگی اور قرابت قریبہ کے تعلقات تھے کہ اٹھارہ بیس برس کی عمر تک ابن الوقت کا یہ رنگ رہا کہ جیسے بڑے عابد متشرع مسلمان ہوتے ہیں: وہ نوافل اور مستحبات کا اس قدر اہتمام رکھتا تھا کہ ایسا اہتمام فرض واجب کا خدا ہم کو نصیب کرے، پانچوں وقت جامع مسجد کی اول با جماعت کی تکبیر تحریمہ ناغہ نہیں ہونے پاتی تھی اور تہجد اور اشراق کے علاوہ تحیۃ المسجد، صلوٰۃ التسبیح منزل فیل، دلائل الخیرات، حزب البحر اور خدا جانے اور کتنے اوراد و وظائف، جمعے کے دن کبھی اس کے گھر جانے کا اتفاق ہوا ہے تو پہر دن چڑھے سے نماز جمعہ کی تیاری ہو رہی ہے، ایام بیض کے روزے داخل معمولات تھے، پھر مدت تک ترک حیوانات اور چلہ کشی وغیرہ مذہبی ریاضتوں کی زحمت اٹھاتا رہا۔ انہیں دنوں لوگ خیال کرتے تھے کہ شاید وہ شاہ حقانی صاحب سے بیعت کرنے والا ہے۔

پھر ایک زمانے میں اس کو ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کی طرف میلان رہا، پھر جو سنبھلا تو اہل حدیث میں جا شامل ہوا جن کو لوگ تعنتاً وہابی کہتے ہیں۔ غدر سے چند روز

Marfat.com

پہلے وہ پادریوں کا ایسا گرویدہ تھا کہ بس کچھ پوچھو ہی نہیں۔ نوبل صاحب کی صحبت میں اس کے مذہبی خیالات نے دوسرا رنگ پکڑا' یہاں تک کہ انگریزوں میں جا ملا۔

اس سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا کہ اس کے مذہبی خیالات میں ایک طرح کا تزلزل ضرور تھا مگر تبدیل وضع تک ضروریات دین میں اس سے کمی سرزد نہیں ہوئی بلکہ تبدیل وضع کے بعد بھی لوگوں نے اس کو مسجد میں جماعت سے نہیں' بارہا اکیلے نماز پڑھتے دیکھا' یہاں تک کہ شروع شروع میں جن دنوں اس کو نماز روزے کی بہت پرچول تھی' کچہری کے عملے' ہندو مسلمان' سب قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ کیسے کام میں مصروف ہوں' اور سویرے کی تو کہی نہیں جاتی مگر نماز ابھی تک تو چھوڑی نہیں' ہم تو ہر روز پرائیوٹ روم میں ظہر کی بلکہ جس دن دیر تک کچہری رہتی ہے' عصر کی بھی نماز پڑھتے دیکھتے ہیں۔

لیکن انگریزی وضع کے ساتھ نماز روزے کا نبھنا ذرا تھا مشکل' کوٹ تو خیر اتار الگ کھونٹی پر لٹکا دیا' کم بخت پتلون کی بری مصیبت تھی کہ کسی طرح بیٹھنے کا حکم ہی نہیں' اتارنا اور پھر پہننا بھی وقت سے خالی نہ تھا' اس سے کہیں زیادہ وقت طہارت کی تھی جو نماز کی شرط ضروری ہے۔ پھر اکثر اتفاق پیش آ جاتا تھا کہ ابن الوقت اپنے پرائیویٹ روم میں نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی صاحب اس کی کچہری میں آ نکلے اور اجلاس خالی دیکھ کر واپس چلے گئے یا نماز کا وقت ہے اور انگریزوں نے آ گھیرا ہے' ان کو چھوڑ کر جا نہیں سکتے یا کوئی صاحب کچہری برخاست کر کے جانے لگا تو ابن الوقت کے پاس سے ہو کر نکلا ''کیوں مسٹر ابن الوقت! ہوا خوری کو چلتے ہو یا چلو ذرا انٹا کھیلیں۔'' یہ اور اس طرح کے دوسرے اتفاقات ہر روز پیش آتے تھے اور نماز کا التزام ممکن نہ تھا کہ باقی رہ سکے۔ ایک بڑی قباحت یہ تھی کہ اکثر انگریز مطلق پابندی مذہب کو حمق اور سخافت سمجھتے تھے۔ غرض نماز پر تو انگریزی سوسائٹی کا اثر یہ دیکھا کہ پہلے' وقت سے بے وقت ہوئی' پھر نوافل' پھر سنن جا کر نرے فرض رہے' وہ بھی پانچوں وقت پہلی رکعت میں سورہ عصر تو دوسری میں سورہ کوثر' پھر جمع العصرین والمغربین شروع ہوا' پھر قضائے فائتہ پھر بالکل چٹ۔

کھانے پینے میں احتیاط کے باقی رہنے کا کوئی محل ہی نہ تھا۔ ابن الوقت کو

Marfat.com

انگریزوں کے پرچانے کی پڑی تھی اور وہ بے شراب کے پرچ نہیں سکتے تھے۔ ابن الوقت نے کون سی بات اٹھا رکھی تھی کہ وہ شراب خوری کے الزام سے ڈرتا مگر ہم کو تحقیق معلوم ہے کہ وہ شراب سے نہ بہ پاس مذہب اسلام محترز تھا بلکہ اس وجہ سے کہ ڈاکٹر نے اس کو ڈرایا تھا کہ اگر تم شراب پیو گئے تو کوڑھی ہو جاؤ گے۔ اس پر بھی بہت سے انگریزی کھانے ہیں کہ شراب ان کے مسالے میں داخل ہے' بہتیری دوائیں ہیں کہ بدون شراب کے نہیں بن سکتیں بلکہ ان لوگوں کی طب میں شراب خود دوا ہے کثیر الاستعمال۔ انگریزی تمدن اختیار کرنا اور شراب سے پرہیز رکھنا ایسا ہے کہ کوئی شخص کوئلوں کی دوکان میں رہے اور منہ کالا نہ کرے۔ رہے انگریزی سوسائٹی کے بڑے معزز ممبر کتے' کیوں کر ممکن تھا۔ کہ جاں نثار جو ابن الوقت کی تبدیل وضع میں مشاطہ کا کام دے رہا تھا' انگریزیت کی شرط ضروری کو بھول جاتا۔ اس نے پہلے ہی سے ابن الوقت کے لئے کتنی قسم کے کتے بہم پہنچا رکھے تھے' ان میں بعض ایسے بھی تھے کہ ہر وقت ہم زاد کی طرح ابن الوقت کے ساتھ لگے رہتے تھے۔

غرض تبدیل وضع سے ایک ہی مہینے کے اندر اندر ظاہرا اسلام کا کوئی اثر ابن الوقت اور اس کے متعلقات میں باقی نہ تھا۔ اگر کوئی انجان آدمی ابن الوقت کی کوٹھی میں جا کھڑا ہوتا' ہرگز نہ پہچان سکتا تھا کہ اس میں کوئی انگریز رہتا ہے یا ہندوستانی' بھلا آدمی جس کو انگریزی کے خبط نے گھر سے خاندان سے' ابنائے جنس سے' شہر سے' چھڑا کر تن تنہا جنگل میں لا کر ڈال دیا ہے۔ کسی انسان سے کسی طرح کی غلطی ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں مگر یہ کہ خدا نے اس کو معصوم پیدا کیا ہو۔ ابن الوقت سے بھی ایک غلطی ہوئی کہ اس تبدیل وضع کو مفید سمجھا یہاں تک اس کی غلطی اس کے یا کسی دوسرے کے حق میں کوئی بڑی قباحت پیدا نہیں ہو سکتی تھی مگر آدمی تھا ذہین' کم بخت لگا اپنے افعال کے جواز و استحسان کی تاویلیں گھڑنے۔ اول تو اصرار خلقتاً اس کے مزاج میں داخل تھا' دوسرے مسلمانوں نے جو اس کی تمام حرکات و سکنات کو ارتداد کہنا شروع کیا اس سے اس کی اور بھی بڑھتی گئی اور مسلمانوں کو تو خیر اس سے کوئی فائدہ پہنچا ہو یا نہ مگر باب تاویل مفتوح کر کے اس نے مذہب اسلام میں تو بڑا بھاری رخنہ ڈال دیا۔ انگریزی تعلیم کی گھوس عمارت مذہب

Marfat.com

کے پیچھے ایسی پنجے جھاڑ کر پڑی ہے کہ کھود کھود کر سارے مذہبوں کی جڑیں کھوکھلی کر دیں' حتیٰ کہ عیسائیت کی بھی۔ اسلام کے حصے کی یہ دیمک اور نکل پڑی' قید مذہب سے طبیعتیں تھیں ملول اونگتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ملا۔ کیا کریں دل تو ہمارا بھی للچاتا ہے کہ چلیں ابن الوقت کے ہاتھ پر بیعت کر لیں' اوامر دنواہی کی کشمش سے نجات ملے مگر کانشنس بھی چین لینے دے۔

ابن الوقت اور اس کے سارے اتباع یا یوں کہو کہ جو اس کے ہم خیال تھے۔ عقل کے کھونٹے کے بل پر کودتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ انگریزی خوان جو نری ٹوٹی پھوٹی انگریزی پڑھ لینے سے اپنے تئیں بڑا داشمند سمجھنے لگے تھے جلد اس کے مغالطے میں آجاتے تھے۔

Marfat.com

فصل چہاردھم

# مذہب اور عقل

ہم کو تو اس کتاب میں ان لوگوں کے ساتھ مناظرہ کرنا منظور نہیں مگر تاہم اتنا تو خواہی نہ خواہی کہنا ہی پڑتا ہے کہ بلاشبہ مبدا فیاض نے انسان کو ظاہری باطنی جتنی قوتیں دی ہیں سب میں عقل بڑی زبردست ہے اور وہی مدار تکلیف شرع بھی ہے لیکن بیش بریں نیست کہ عقل بھی ایک قوت ہے اور جس طرح انسان کی دوسری قوتیں محدود اور ناقص ہیں مثلاً آنکھ کہ ایک خاص فاصلے پر دیکھ سکتی ہے اس سے باہر نہیں۔ پھر بے روشنی کے کام نہیں دیتی' اجسام کثیف میں نفوذ نہیں کرتی' اگر دیکھنے والا خود متحرک ہو مثلاً فرض کرو کہ کشتی یا ریل میں ہو تو وہ الٹا ٹھہری ہوئی چیزوں کو متحرک دیکھتا ہے اور اپنے تئیں ٹھہرا ہوا' تیز حرکت متشکل معلوم ہوتی ہے جیسے لڑکے لٹو سے کھیلتے ہیں' پیالے میں تھوڑا سا پانی بھر کر لکڑی کھڑی کریں تو لچکی ہوئی دکھائی دے گی' شفاف پانی کی تہ کی چیزیں اوپر کو ابھری ہوئی نظر آتی ہیں اور اس طرح کی اور بہت سی غلطیاں نظر سے ہوتی ہیں جن کی تفصیل علم مناظر میں موجود ہے۔ غرض جس طرح مثلاً ہماری قوت باصرہ محدود اور ناقص ہے اسی طرح عقل کی رسائی کی بھی ایک حد ہے' وہ بھی نقصان سے بری نہیں اور اس سے بھی غلطیاں ہوتی ہیں۔ غلطی کے لیے تو اختلاف رائے کی دلیل کافی ہے۔ ہندسے کے علاوہ جس کے اصول بدیہیات پر مبنی ہیں اور اسی وجہ سے اس میں اختلاف ہو نہیں سکتا۔ ڈاکٹر' فلسفی' جج' ایسڑانومرز (ہیئت دان) پالیٹیشنز (مدبران ملک) اہل مذاہب وغیرہ وغیرہ سبھی کو دیکھتے ہیں کہ ایک دوسرے سے لڑتے مرتے ہیں۔ منطق کے قاعدے منضبط ہوئے' مناظرے کے اصول ٹھہرائے گئے مگر اختلاف نہ کم ہوا اور نہ تاقیامت کم ہو۔

''ولا یزالون مختلفین الا من رحم ربک و لذالک خلقھم۔''

جب ہست ونیست کا اختلاف ہو تو ضرور ایک برسر غلط ہے۔ اگرچہ عقل انسانی کا

Marfat.com

نقصان اختلاف رائے سے بھی مستنبط ہوسکتا ہے مگر ہم ذرا اس کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ دو ڈھائی سو برس کے عرصے میں اہل یورپ کو سینکڑوں باتیں ایسی دریافت ہوئیں کہ کسی کو کیمیا کا حکمی نسخہ مل گیا ہوتا اور وہ اس کو عام بھی کر دیتا تو اتنا فائدہ نہ پہنچتا جتنا کہ ان ماڈرن ڈسکوریز یعنی زمانہ حال کی دریافتوں سے ہوا اور جن اقبال مندوں کو خدا نے واقعات اور موجودات نفس الامری میں غور و خوض کرنے کی دھن لگا دی ہے خدا ان کی کوششوں کو مشکور و کامیاب کرتا ہے' بحر بے پایاں موجودات میں غوطے لگا رہے ہیں اور معلومات جدید کے بے بہا موتی ہیں کہ برابر نکلے چلے آتے ہیں' ''وان من شئی الاعندنا خزائنه و ماننزله الابقدر معلوم۔'' ان ماڈرن ڈسکوریز میں سے زیادہ نہیں صرف ایک چیز عام فہم لو جس سے انگریزوں کے طفیل میں ہم بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں' ریل۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ دنیا میں گھر گھر آگ تھی' گھر گھر ہنڈیاں پکتی تھیں' ہر ہر متنفس بھاپ سے بخوبی واقف تھا۔ سینکڑوں ہزاروں برس پہلے سٹیم (بھاپ) کی طاقت کیوں معلوم نہیں ہوئی اور یہی سوال ہر ڈسکوری کی بابت ہوسکتا ہے جواب تک ہوئی یا آئندہ کسی وقت میں ہو۔ سر اسحاق نیوٹن جس کو سب سے پہلے مسئلہ کشش کا الہام ہوا' کہتا تھا کہ خدا کی بے انتہا قدرت کے سمندر میں بے شمار موتی جمع کر رہا ہوں۔ یہ مقولہ تھا اس شخص کا جس نے زمین اور آسمان کے قلابے ملا کر نظام بطلیموس کی جگہ اپنا نظام قائم کیا' آج سارا یورپ اس کے نام پر فخر کرتا ہے۔

جن کو خدا نے عقل دی ہے وہ تو یوں اپنی نارسائی کا اعتراف کرتے ہیں اور ایک ہمارے زمانے کے انگریزی خواں ہیں کہ سیدھی سی اوقلیدس کی نئی شکل پوچھو تو بغلیں جھانکنے لگیں اور لن ترانیاں یہ کہ ''ہمچو ما دیگرے نیست''۔ پس جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے عقل انسانی کا قصور ہے کہ کھلتا چلا جاتا ہے۔ اب سے زیادہ نہیں صرف ڈیڑھ سو برس پہلے کسی کی عقل میں یہ بات آسکتی تھی کہ مہینوں کی مسافت ہم گھنٹوں میں طے کرسکیں گے؟ یا ہزار ہا کوس کا حال چند لمحے میں معلوم کرلیا کریں گے یا آگ سے برف جمائیں گے یا کپڑے کی کل میں کپاس بھر کر اچھے خاصے دھلے دھلائے تہ کیے ہوئے تھان نکال لیا کریں گے اور ابھی کیا معلوم کہ ہم کیا کیا کرسکیں گے مگر پھر بھی رہیں گے

Marfat.com

آدمی' عاجز' ناچیز' بے حقیقت۔

بھلا آدمی کیا عقل پر ناز کرے گا جب کہ اس کو پاس کے پاس اتنا تو معلوم ہی نہیں کہ روح کیا چیز ہے اور اس کو جسم کے ساتھ کس طرح کا تعلق ہے۔ وقت کے ازلی ابدی ہونے پر خیال کرتے ہیں تو انسان کی ہستی ایسی بے ثبات دکھاتی دیتی ہے جیسے دن رات میں ایک ''طرفۃ العین'' بلکہ اس سے بھی کم اور اس ہستی پر انسان کے یہ ارادے اور یہ حوصلے کہ گویا زمین اور آسمان میں سمانا نہیں چاہتا۔ پھر کیسے کیسے لوگ ہو گزرے ہیں کہ اس سرے سے اس سرے تک ساری زمین کو ہلا مارا اور مر گئے تو کچھ بھی نہیں' ایک تودہ خاک! آخر وہ کیا چیز تھی جو ان میں سے نکل گئی۔ حیوانات' نباتات' لاکھوں قسم کی مخلوقات کا ایک چکر سا بندھا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے پیدا ہوتے اور اسی میں فنا ہو جاتے ہیں۔ کسی کی عقل کام کرتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کس غرض سے ہو رہا ہے؟

جان تو ایک قسم کی نباتات میں بھی ہے مگر جانوروں کے بہت سے افعال انسان سے ملتے ہوئے ہیں بلکہ بعض حیوانات بعض باتوں میں انسان پر بھی شرف رکھتے ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں تو ان کے تمام کمالات وہبی اور فطری ہیں' پھر وہ کون سی تکمیل ہے جس کے لیے ان کو یہ ہستی دی گئی ہے۔ انگریزوں نے تحقیقات کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا مگر شروع سے اب تک کسی ایک جگہ یا کسی ایک چیز یا کسی ایک بات کا مسلسل پتہ نہ چل سکا۔ زمانہ حال سے جس قدر پیچھے کو دور ہوتے جاتے ہیں منظر تاریخ دھندلا ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اب سے چار پانچ ہزار برس پہلے کا کسی کو کچھ حال ہی معلوم نہیں کہ دنیا کا کیا رنگ تھا۔

عقل انسانی کی نارسائی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ آج تک کسی پر کسی چیز کی ماہیت ہی منکشف نہیں ہوئی' جانا تو کیا جانا ''اعراض'' وہ بھی شاید فی صد دو مثلاً پانی کہ ہم اس کا اتنا ہی حال جانتے ہیں کہ سیال ہے سہل الانقیاد ہے یعنی جو شکل چاہو آسانی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے' آمیزش سے پاک ہو تو شفاف ہے' نشیب کی طرف بہتا ہے' وزن مخصوص کے قاعدے سے ۳۳ فٹ سے زیادہ ہوا میں بلند نہیں ہو سکتا' حرارت کے اثر سے ہوا بن جاتا ہے یا اگر علم طبعی کے کسی ماہر سے پوچھو تو شاید دو چار خواص اور بیان کر سکے گا مگر یہ سب آثار ہیں نہ ماہیت' ماہیت کا نام آیا اور عقل گم ہوئی اگرچہ ابن

Marfat.com

الوقت یا ہمارے زمانے کے بڑے سے بڑے انگریزی خواں ہی کیوں نہ ہوں۔

بات کیا ہے کہ دنیا ہے عالم اسباب' یہاں واقعات کا ایک سلسلہ ہے' ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا واقع ہوتا رہتا ہے۔ ہم واقعہ متقدم کو سبب اور علت کہتے ہیں اور واقعہ متاخر کو مسبب' معلول' نتیجہ۔ اگرچہ سبب کے قرار دینے میں اکثر چند غلطیاں ہوتی ہیں مگر فرض کرو کہ ہم سبب کے قرار دینے میں غلطی نہ بھی کریں تاہم سبب اور مسبب میں جو علاقہ ہے آج تک اس کا راز کسی پر نہیں کھلا مثلاً جلانا آگ کا خاصہ ہے' مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے' مگر کوئی نہیں بتا سکتا کیوں؟ ذرا آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھو تو روئے زمین کے سارے ریگستانوں میں اتنے ذرے نہ ہوں گے جتنے ستارے آسمان میں بھرے پڑے ہیں' پھر یہ ستارے دیکھنے میں چھوٹے چھوٹے نقطے سے نظر آتے ہیں اور درحقیقت ایک ایک بجائے خود ایک جہان ہے کہ ہماری زمین کی اس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں۔ غرض سوچنے سمجھنے والے کو دنیا سرتاسر طلسم حیرت ہے۔

جب دنیاوی امور میں عقل انسانی کی نارسائی کا یہ حال ہو کہ کسی بات کی کنہ کو نہیں پہنچ سکتی تو دین میں وہ کیا ہماری راہبری کرے گی۔

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

یہ دنیا تو پھر بھی عالم شہود ہے کہ ہم اس میں موجود ہیں اور اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور تھوڑا یا بہت اس میں تصرف بھی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں اور دین خبر دیتا ہے کہ اس دنیا کے سوائے ایک جہان اور ہے' یہ ظاہر ہے وہ غائب' یہ فانی ہے وہ باقی' یہ مجاز ہے وہ حقیقت' یہ تمہید ہے وہ نفس مطلب' یہ امتحان ہے وہ نتیجہ' یہ سفر ہے وہ منزل مقصود' یہ خواب ہے وہ تعبیر' یہ افسانہ ہے وہ حق الامر۔ ظاہر ہے کہ عقل انسانی اس کو جہان کے متعلق کچھ بھی نہیں جاننا چاہیے کیونکہ وہ اس کو منتہائے رسائی سے بھی بہت دور پرے ہے لیکن خدا کی بے انتہا مہربانی سے بعید تھا کہ انسان جو اس کی مخلوقات میں سب سے افضل ہے اس جہاں سے بالکل بے خبر رہے اور جس طرح اس نے اور چیزوں کو

Marfat.com

دوسرے خواص بخشے ہیں عقل انسانی کو نیک و بد کی تمیز عطا فرمائی کہ جاہل سے جاہل اور وحشی سے وحشی بھی بھلائی کی طرف راغب ہے نہ کسی دنیاوی مفاد کی طمع سے اور برائی سے ہارب ہے نہ کسی دنیاوی نقصان کے خوف سے بلکہ گویا انسان کا دل مقناطیسی سوئی اور نیکی شمال کی سمت۔ بس اس جہان کے متعلق رسائی' معلومات' واقفیت جو کچھ سمجھو یہ انسانی فطرت ہے کہ آدمی بالطبع نیکی کو پسند اور بدی کو ناپسند کرتا ہے۔ پھر انسان کی عقل اپنی طرف سے کچھ کمی نہیں کرتی' بہتیرا زور مارتی ہے کہ وہاں کی حقیقت دریافت کروں مگر کچھ پتہ نہیں چلتا۔

حال عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہے رفتگاں پہ کیا
کوئی حقیقت ان کی کہتا نہیں بری بھلی

نیکی بدی کی امتیاز کے ساتھ اس کو اتنی بات اور بھی سوجھتی ہے کہ انسان کے ہر ایک فعل کو ایک نتیجہ لازم ہے' اگرچہ بسا اوقات بعض افعال کے نتائج اسی دنیا میں واقع ہو جاتے ہیں مگر بعض کے نہیں بھی ہوتے اور ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاوی نتائج کے علاوہ طبیعتیں کسی اور نتیجے کی بھی منتظر رہتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک جہان اور ہونا چاہیے اور اس کی ضرورت ہے۔ نہیں معلوم کیا سبب ہے کہ دل خود بخود اندر سے گواہی دیتا ہے کہ مرنے سے تو ہمارا پیچھا چھوٹتا ہوا نظر نہیں آتا' مرے پیچھے ہم کسی حالت میں رہیں مگر رہیں گے ضرور۔ بس یہاں تک عقل کی پرواز تمام ہوئی۔

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزو پرم

مگر اس سے تو کچھ بھی کشود کار نہ ہوا۔ دل جو اس جہان کے تفصیلی حالات کے مشتاق تھے بدستور جویا کے جویا رہے۔ اب دین کی سرحد میں آگے بڑھنا چاہتے ہو تو چراغ عقل گل کرو اور آفتاب جہاں تاب وحی کو اپنا ہادی اور راہنما قرار دو۔

اس بیان سے اگرچہ مختصر ہے' معلوم ہو جائے گا کہ امور دین میں عقل انسانی کو کہاں تک مدخل ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

ابن الوقت نے کچھ یہ تھوڑی غلطی نہیں کی کہ مذہب کو محکوم عقل بنانا چاہا بس اس کے مذہبی رفارم کی بسم اللہ ہی غلط تھی اور اس کو نہ صرف اسلام سے اختلاف تھا بلکہ دنیا کے تمام مذاہب سے۔ یہ سچ ہے کہ انسان اپنی تمام قوتوں کے استعمال میں مجبور ہے اور نہیں ہوسکتا کہ وہ عقل رکھتا ہو اور اس سے کام نہ لے مگر ہمارا مطلب یہ ہے کہ جسمانی یا عقلی جتنی قوتیں ہیں سب کے استعمال میں اعتدال شرط ہے اور علم اخلاق کا ماحصل بھی یہی ہے۔ اگر کوئی شخص عقل کو مذہب کی کسوٹی بنانا چاہے تو اس کو ارادے میں ویسی ہی کامیابی کی توقع رکھنی چاہیے جیسے کہ وہ شخص رکھ سکتا ہے جو باصرہ سے سامعہ کا یا شامہ سے ذائقہ کا کام لینے کا قصد کرے۔ دین کی دولت طبیعت کی چالاکی، عقل کی تیزی اور ذہن کی رسائی سے ہاتھ آنے والی چیز نہیں، اس کے مستحق ہیں بھولے بھالے سیدھے سادے (اہل الجنتہ بلہ)، منکسر، منقاد، افسردہ، متواضع، خاکسار۔ ایک بڑا خطرہ یہ ہے کہ جو شخص دین کی باتوں میں عقل کو بہت دخل دیا کرتا ہے، شروع کرتا ہے جزئیات سے، فروغ سے، متشابہات سے اور آخر کو جا پہنچتا ہے کلیات میں، اصول میں، محکمات میں جیسا کہ ابن الوقت کو پیش آیا۔ پس جس شخص کی افتادِ مزاج اس طرح ہو اس کو شروع سے احتیاط کرنی ضرور ہے، چاہیے کہ ایسے خدشات کو دور کر کے خدائے تعالیٰ جل شانہ کی عظمت، اس کی قدرت، اس کے جلال دنیا کے انتظام، اس کے انقلابات اور کون وفساد میں فکر کیا کرے، امید ہے کہ اس کی طبیعت سنبھل جائے گی۔

Marfat.com

## فصل یازدھم

# ابن الوقت سے لوگوں کی عام نارضامندی

پھر ہم یہی کہیں گے کہ اگرچہ لوگوں نے ابتدا کی تھی مگر ابن الوقت کو مذہبی چھیڑ چھاڑ کرنی مناسب نہ تھی۔ اس چھیڑ چھاڑ نے اس کی رفارم میں بڑی ہی کھنڈت کی۔ اختلاف معتقدات کی وجہ سے یوماً فیوماً مسلمان اس سے متنفر ہوتے گئے اور سچ پوچھو ابن الوقت نہ رفارمر رہا نہ مجدد بلکہ مسلمانوں میں ایک نئے عقیدے کا موجد سمجھا جانے لگا اور ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ مسلمانوں کو زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا تھا' کیونکہ وہ کہتا تھا صبح' تو مسلمان کہتے تھے شام اور اس کی طرف سے مسلمانوں کے دل میں کچھ ایسی بدگمانی بیٹھ گئی تھی کہ اس کی ساری تدبیریں خود غرضی پر محمول کی جاتی تھیں۔ کچھ رفارم پر موقوف نہیں' ہر نئی بات کا قاعدہ ہے کہ شروع شروع میں اگر چل نکلی تو چل نکلی' ورنہ اکھڑے پیچھے ہوا کا بندھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

ابن الوقت کو شروع سے آخر تک موافق و ناموافق دونوں رخ اتفاقات پیش آتے رہے بلکہ ناموافق زیادہ۔ تاہم اس کے شروع کے دو برس بڑی کامیابی کے برس تھے کیونکہ نوبل صاحب اس کے حامی و سرپرست اس کے پاس موجود تھے۔ ان کی مہربانی اس کے حال پر یوماً فیوماً زیادہ ہوتی جاتی تھی اور ان کی مربیانہ مدارات دیکھ کر کیا انگریز' کیا ہندوستانی' کسی کو ابن الوقت کے ساتھ پرخاش کرنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ غدر کے بارے میں ابن الوقت اور نوبل صاحب دونوں کے خیالات پہلے ہی سے منصفانہ تھے اور اس وقت انصاف ہی کو لوگ بڑا رحم سمجھتے تھے۔ غرض بغاوت کی تحقیقات میں بھی ابن الوقت کی اچھی نیک نامی ہوئی اور چونکہ نوبل صاحب کو پرداخت منظور تھی' ابن الوقت کی لیاقت اور کارگذاری نے خاصی نمود پکڑی اور حکام بالا دست اس کو صائب

Marfat.com

الرائے' کثیر المعلومات' بے تعصب' منصف مزاج سمجھنے لگے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ نوبل صاحب سے کسی بارے میں رائے طلب ہوتی تو اس میں ایما کیا جاتا کہ اپنے اسسٹنٹ ابن الوقت سے بھی پوچھو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ یہاں نوبل صاحب کا یہ حال تھا کہ بات بات میں ابن الوقت کی رائے سے استشہاد کرتے تھے۔ ان کی ہر چٹھی میں یہ فقرہ ضرور ہوتا تھا کہ میرے اسسٹنٹ ابن الوقت بھی اس رائے سے متفق ہیں یا ان کو اختلاف ہے اور ان کی تحریر کو لحاظ مناسب کے لیے منسلک کرتا ہوں۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن حسد کی آگ بھی دلوں میں بھڑک رہی تھی اور لوگ وقت کے منتظر تھے۔ یوں اپنی جگہ تو ہر شخص جو جس کے منہ میں آیا بک جھک لیتا تھا' ابن الوقت نے کبھی کسی کے کہنے کی پروا نہیں کی مگر حاکموں کے روبرو جو لوگ جا کر الٹی سیدھی باتیں بنا آتے تھے ان سے ابن الوقت کو اور اس کے منصوبوں کو بہت نقصان پہنچتا تھا۔

غدر کے مدتوں بعد تک سرکاری کچہریوں میں کام کی یہ کثرت رہی کہ باوجودیکہ تحقیقات بغاوت کا محکمہ علیحدہ تھا' اس پر بھی' مسلمانوں کا تو اس وقت کہاں پتہ کیونکہ یہ تھے معتوب' ہندو بنگالی بابو اور یوریشین ملا کر ایک دم سے پانچ ڈپٹی کلکٹر تھے۔ اول تو ان دنوں کی قہرمانی حکومت' بغاوت کی تحقیقات درپیش' ہتیاروں کی تنگ طلبی' مخبری کا بازار گرم' دوسرے جتنے ہندوستانی حکام پہلے کے تھے کوئی روپوش' کوئی ماخوذ غرض سب کے سب یک قلم موقوف' نہ لیاقت دیکھی نہ وجاہت' سفارشی ٹٹوؤں کو آنکھیں بند کر کے بھرتی کر لیا گیا تھا' ان میں ہمت کہاں' جرأت کا کیا مذکور۔ ابن الوقت بہتیرا ٹھیل ٹھیل کر ان کو اپنی راہ پر لے چلنا چاہتا تھا مگر یہ پینڈی کے بل بیٹھے چلے جاتے تھے۔ ان کو اگر کوئی مجبور کرتا کہ جیتے ہوئے سانپ کو پکڑ لو تو شاید کر بھی گزرتے مگر کسی طرح ممکن نہ تھا کہ انگریز کے ساتھ ہاتھ ملا سکیں۔ ابن الوقت کے بہت سمجھانے پر ایک بابو ڈپٹی صاحب نے یہ جواب دیا تھا' ''ہم شب شجا پر شاب لوگ کا شامنا ہم باش میں رہنا نہیں شکتا''۔ کچھ ضعف طبیعت' کچھ خوشامد اور کچھ ابن الوقت کے ..... ساتھ خدا واسطے کا حسد' بعض تو اس طرح کے موذی تھے کہ حکام کو ابن الوقت کی طرف سے بدظن کرنے کے لئے

Marfat.com

معمول اور ضرورت دونوں سے زیادہ حاکموں کے آگے جھکنے لگے تھے۔ ناچار ابن الوقت کو اپنے تئیں اپنے ہی گروہ سے الگ رکھنا پڑتا تھا مگر کہاں تک' انگریزوں کے ساتھ اختلاط پیدا کرنے کے لیے تو یہ ساری مصیبت مول لی تھی' ان سے ملنا اور کثرت سے ملنا تو ابن الوقت کے سب کاموں پر مقدم تھا۔ پس یہ تدبیر کیا کرتا تھا کہ انگریزوں سے ملتا تھا مگر ہندوستانیوں کا اور خاص کر اپنے اقران و امثال کا وقت بچا کر۔ اس کو انگریزوں سے ملنے کے بہتیرے مواقع تھے' بعض کو یہ کھانے پر بلاتا تھا اور سارے سٹیشن میں ملکی فوجی ملا کر گنتی کے چار پانچ ایسے بھی تھے جو اس کو کبھی کبھی کھانے پر بلا بھیجتے تھے۔ نوبل صاحب نے بڑی سینہ زوری سے اس کو کلب میں داخل کرا دیا تھا' بہتوں کے ساتھ وہیں ملاقات ہو جاتی تھی۔ پھر ہوا خوری' کرکٹ' انٹا شکار' کون سی پارٹی تھی جس میں ابن الوقت کسی نہ کسی طرح اپنے تئیں لے نہیں گھستا تھا۔ بات یہ ہے کہ سارے کھیل روپے کے ہیں اور ابن الوقت انگریزوں کے مقابلے میں خرچ کی پروا مطلق کرتا نہ تھا۔

سب سے بڑے دشمن ہندو مسلمان سب کے اور خاص کر ابن الوقت کے یوریشین تھے اور یہی لوگ شراب اور سوڈا واٹر اور لمنڈ اور چرٹ وغیرہ کی چاٹ کے مارے اس کو ہر وقت گھیرے بھی رہتے تھے۔ تبدیل وضع کی نسبت تو خیر جو چاہو سو کہہ لو' یوں ابن الوقت بڑا متین آدمی تھا۔ وہ کہیں بدتوں میں جا کر کھلتا تھا' سو بھی ہر ایک سے نہیں۔ اس کے سینکڑوں ملاقاتیوں میں گنتی کے چند آدمی تھے جن کے ساتھ ہمہ وقت نہیں بلکہ خاص خاص اوقات میں وہ کسی قدر بے تکلفی کرتا تھا۔ ایسے مزاج کے آدمی کا قاعدہ ہوتا ہے کہ کوئی چاہے نہ چاہے مگر وہ مخالف اور موافق سب سے اپنا ادب کرا ہی لیتا ہے۔ پس ابن الوقت کے منہ پر تو کوئی نہیں رکھتا تھا اور نہ رکھ سکتا تھا مگر لوگوں کے بطون اس کی طرف سے صاف نہ تھے۔ چنانچہ ایک موقع پر بھی نے تو اپنا اپنا زہر اگلا۔

امریکا کے مشن کی طرف سے ایک سکول جاری تھا۔ اس میں پڑھنے لکھنے کے علاوہ لڑکوں کو دستکاری بھی سکھائی جاتی تھی اور چونکہ ایسے مدرسے کی بہت ضرورت تھی' لڑکے ایسے گرتے تھے کہ جیسے شہد پر مکھیاں۔ پادری صاحب بڑے ہی ملنسار آدمی تھے' سکول

Marfat.com

میں برس کے برس جلسہ کرتے اور اس میں شہر کے سارے رودار آدمیوں کو دکھاتے۔ جلسے کے دن قریب تھے تو انہوں نے پہلے سے ابن الوقت سے کہہ رکھا تھا کہ آپ کو ضرور آنا ہوگا اور مہربانی فرما کر لکچر بھی دینا ہوگا۔ انہیں دنوں ابن الوقت کے چند دوست (انگریز) متقاضی ہوئے کہ ہم کو اپنے علاقے کھیرکا پور میں لے کر جا شکر کھلاؤ۔ ابن الوقت کو پادری صاحب کا جلسہ یاد تھا مگر ان دوستوں کو بھی ٹال نہیں سکتا تھا' ناچار گیا مگر ایسے انتظام کے ساتھ کہ جلسہ ناغہ نہ ہو۔ وہاں شکار میں اتفاق سے کوئی انگریز گھوڑے پر سے گرا اور اس کی تیمارداری نے ابن الوقت کو فرصت نہ دی۔ ناچار اس نے پادری صاحب کو عین وقت پر معذرت لکھ بھیجی۔ پادری صاحب نے بڑا ہی افسوس کیا اور ہر چند چاہا کہ کوئی اور ہندوستانی لکچر دے' کسی نے حامی نہ بھری۔ غرض اور سب ہوا مگر پادری صاحب کو لکچر کی بڑی خوشی تھی' وہ نہ ہو سکا۔ خیر جب تماشے وغیرہ ہو چکے تو سب لوگ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ پادری صاحب بولے افسوس ہے کہ مسٹر ابن الوقت کے نہ ہونے سے آج ہماری خوشی ادھوری رہ گئی۔ وہ ہوتے تو مجھ کو یقین ہے بڑا عمدہ لکچر دیتے اور اس سے سامعین خوش اور طالب العلم مستفید ہوتے۔

ایک انگریز جج: بے شک مسٹر ابن الوقت بڑے گویا اور روشن خیال آدمی ہیں اور میں نے ایسا بے تکان بولنے والا ہندوستانی نہیں دیکھا۔ مسٹر نوبل کے ڈنر میں جو انہوں نے پہلی سپیچ دی تھی آج تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے اور ہر چند آپ کے کرتب بڑے دلچسپ ہیں اور ان کے دیکھنے سے علمی مفاد بھی بہت کچھ حاصل ہوتا ہے مگر مسٹر ابن الوقت اپنی سپیچ سے ان کرتبوں کو زیادہ شاندار اور بارونق کر سکتے تھے۔"

ایک یوریشین ڈپٹی کلکٹر: (ایک کانتھ ڈپٹی کلکٹر سے ذرا پیچھے کو جھک کر) آپ کو معلوم ابن الوقت صاحب کیوں غیر حاضر ہے؟

کانتھ ڈپٹی کلکٹر: میں نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی یہیں آ کر سنا کہ ایک ہفتہ ہوا صاحب لوگوں کے ساتھ شکار کو گئے ہیں۔

یوریشین: ابن الوقت صاحب کو شکار کا بہت شوق ہے۔ ہم اکثر اس کو شکار میں گیا ہوا

Marfat.com

سنتا ہے۔

کائستھ: ہاں صاحب ان کو سب شوق زیبا ہیں۔ ع مربی بیار و مربی بہ خور۔ ایک قسمت کے پیسے' اسی تنخواہ اور انہی اقتدارات کے ڈپٹی ہم ہیں' لالہ جی بیکنٹھ باشی ہوئے' موسی مری' خاوندوں کا رخ نہ پایا' رخصت کو منہ سے نہ نکال سکے۔ بندگی و بے چارگی۔

یوریشین: کلکٹر صاحب کبھی چھٹی دینا نہیں مانگتا۔ میم صاحب اور مسی بابا پہاڑ جانے لگا' ہم صاحب سے بولا' صاحب صاف کہا تو ہم سنتا نو بل صاحب بہت جلد ولایت جانا چاہتا۔

جنٹ مجسٹریٹ: نہیں نہیں' انہوں نے درخواست کی تھی' صاحب کمشنر نے روک دیا کہ تا اختتام تحقیقات بغاوت درخواست کوئی مناسب نہیں۔

یوریشین: اگر نو بل صاحب گیا تو ابن الوقت کیا کرے گا۔ شاید وہ بھی صاحب کے ساتھ ولایت جائے گا۔

جنٹ: عجب نہیں! دیکھیں اس وقت کلکٹری کا چارج کس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

کائستھ: بھگوان کی دیا سے حضور والا کے دست مبارک میں ہوگا۔ مدت سے ہم سب نمک خوار دعائیں مانگ رہے ہیں۔

یوریشین: میں آپ کو کلکٹر دیکھ کر بہت خوش ہوں گا۔

جنٹ: کیا ابن الوقت صاحب میری کوٹھی میں بھی جوتی پہن کر' ٹوپی اوڑھے ہوئے جانے کا ارادہ کریں گے؟ وہ ہندوستانی ہیں اور میں ان کو سکھاؤں گا کہ ہندوستانی کو اپنے افسروں کا ادب کس طرح سے کرنا چاہیے۔ مجھ کو نو بل صاحب کے ساتھ ابن الوقت کے بارے میں ہرگز اتفاق نہیں۔ میں ابن الوقت صاحب کو نوکری اور جاگیر دونوں کا مستحق سمجھتا ہوں لیکن صاحب لوگوں کو بے عزت کرنے کا ان کو کوئی حق نہیں۔

یوریشین: میں آپ کی دانشمندانہ پالیسی کو نہایت پسند کرتا ہوں۔ آخر یہ (کائستھ کی طرف اشارہ کرکے) بھی تو ڈپٹی ہیں' ایسے گستاخانہ خیالات ان کے دماغ میں کیوں

Marfat.com

نہیں آتے؟

کاتھ: ہم جتنے ہندو ہیں ہمارا دھرم یہی ہے کہ حاکم اور بھگوان برابر۔

جنٹ: ہم نہیں سمجھتا کہ اس خیال اور مزاج کا آدمی غدر میں باغی کیوں نہ ہوا؟

یوریشین: اس کا دل باغی ہے اور میں کبھی یقین نہیں کرتا کہ اس نے نوبل صاحب کو سچے دل سے بچایا ہوگا۔

جنٹ: مجھ کو مسٹر.....تمہاری اس رائے سے اتفاق نہیں' اس کے بہتر جج نوبل صاحب ہیں جو غدر میں اس کے ساتھ رہے ہیں۔ صاحب کو پورا بھروسا ہے کہ وہ دل سے سرکار کا خیر خواہ ہے۔

یوریشین: میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ حقیقت میں یہ بات سمجھ آنی مشکل ہے کہ ایسے خیالات اور خیر خواہی دو چیزیں ایک سر میں کیوں کر جمع ہو سکتی ہیں؟ ان میں ایک اصلی ہوگی اور دوسری بناوٹ۔

ایک مسلمان رئیس: جس طرح آپ لوگوں کو ابن الوقت صاحب کی خیر خواہی میں حیرت ہے اس سے زیادہ سارے مسلمانوں کو ان کے اسلام میں ہے۔"

پادری صاحب: آخر مسلمان ابن الوقت کے مذہب کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں؟

مسلمان: عموماً عیسائی سمجھتے ہیں۔

پادری صاحب: (قہقہہ لگا کر) وہ ہرگز عیسائی نہیں اور انہوں نے ہر موقع پر اس بات کو ظاہر کیا ہے اور مجھ سے ان کی اکثر ملاقات ہوتی ہے۔ مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ خداوند عیسیٰ مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا نہیں مانتے بلکہ عام مسلمانوں کی طرح ایک پیغمبر لیکن ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر ابن الوقت دل سے عیسائی ہوتے بلاشبہ علانیہ اقرار کرتے۔ وہ اپنی رائے کو چھپانے والے آدمی نہیں مگر ہمارا سارا کانگریگیشن خاص کر ان کے حق میں ہمیشہ دعا کرتا ہے خداوند عیسیٰ مسیح قبول کرے۔

مسلمان: اگر ابن الوقت عیسائی نہیں ہیں جیسا کہ آپ فرماتے ہیں تو آپ ان کو اپنے ساتھ کھانا کیوں کھلاتے ہیں؟ (اس پر جنٹ یوریشین ڈپٹی کلکٹر اور دوسرے سب انگریز ہنس پڑے)۔

Marfat.com

پادری صاحب: ہمارے مذہب میں جسمانی پاکی اور ناپاکی محض بے حقیقت چیز ہے۔ اگر ایک آدمی اپنے تئیں صاف ستھرا رکھتا ہے' وہ اپنی سوسائٹی کی تندرستی کے لیے مناسب تدبیر کرتا ہے۔ لیکن اس سے اس کی روح (ہندوؤں کی طرف مخاطب ہو کر' آتما) مقدس خدا کی نظر میں پاک نہیں ہو سکتی۔ آدمی کا جسم چند روزہ اور ناپائدار ہے۔ وہ ایک قاعدے کے مطابق پرورش پاتا اور آخر کو فنا ہو جائے گا۔ غرض روح اور جسم کا تعلق عارضی تعلق ہے۔ جس طرح جسم نجاست اور غلاظت سے ناپاک ہوتا ہے اسی طرح روح غصے اور لالچ اور حسد اور جھوٹ اور تکبر اور ظلم اور کتنی اور خراب باتوں سے ناپاک ہوتی ہے۔ جسمانی ناپاکی بہت آسانی سے دور ہو سکتی ہے مگر روحی ناپاکی' بدون اس کے کہ آدمی خداوند عیسیٰ مسیح کے نام سے اصطباغ لے' زائل نہیں ہو سکتی۔ سب آدمی خدا کے نزدیک یکساں اور ناپاک ہیں اور جو شخص اپنے تئیں پاکیزہ گردانتا ہے وہ دل کی ناپاکی کو ظاہر کرتا ہے۔ ہم نے ابن الوقت صاحب کو اپنے ساتھ کھانا کھلایا کیونکہ وہ ہماری طرح کے آدمی ہیں اور ہم ہر شخص کو اپنے ساتھ کھلانے کو تیار ہیں اور سب سے پہلے آپ کو اگر آپ پسند کریں (اس جملے پر سب ہنسے)۔

مسلمان: اگر ہم کو یقین ہو کہ آپ ان چیزوں سے جو مذہب اسلام میں بہ تقاضائے مصالح چند در چند حرام کی گئی ہیں' محترز ہیں تو ہم کو آپ کے ساتھ کھانے میں ہرگز انکار نہیں۔ ہاں اگر ابن الوقت صاحب عیسائی نہیں اور مسلمان تو یقیناً نہیں' پھر کیا ہیں؟

پادری صاحب: وہ اپنے تئیں صاف صاف مسلمان کہتے ہیں اور بے شک مسلمان ہیں

مسلمان: اگر ابن الوقت صاحب مسلمان ہیں تو پھر دنیا میں کوئی کافر نہیں۔ اس طرح ہمارے ان ڈپٹی صاحب (کا۔تھ کے طرف اشارہ کر کے) کو بھی اختیار ہے کہ بت پرستی کرتے جائیں اور عیسائی یا مسلمان ہونے کا دعویٰ کریں۔

کا۔تھ: بھگوان نہ کرے میں عیسائی کیوں ہونے لگا۔ سب میں اتم اور پراچین ہمارا ہی دھرم ہے جو ہزار ہا برس سے چلا آتا ہے اور ہر چند مسلمانوں نے بڑے بڑے جتن کیے کہ ہندو دھرم مٹ جائے' بھگوان کا ایسا کرنا ہوا کہ آپ ہی مٹ گئے۔

جنٹ: اچھا اگر کوئی ابن الوقت صاحب کو اپنے مذہب میں لینا نہیں چاہتا تو ان کو بھی

Marfat.com

کسی مذہب کی پروا نہیں۔ وہ صرف ایک بلند نظر آدمی ہے اور دنیا میں اس قسم کے اور بہت آدمی ہوئے ہیں۔ وہ فقط اپنی نمود چاہتا ہے۔ اس کی مسلمان اور کا۔تھ اور یوریشین سب نے تصدیق کی۔

پادری صاحب: میں سمجھتا ہوں کہ ان کو مسلمانوں کی رفارم کا بھی بہت خیال ہے۔

مسلمان: پس جناب یہ ان کے دکھانے کے دانت ہیں۔

پادری صاحب: انہوں نے ہمیشہ انگلش سوسائٹی میں مسلمانوں کی حالت پر افسوس ظاہر کیا ہے۔ وہ دل سے مسلمانوں کا خیر خواہ ہے اور اس کے دل میں اپنی قوم کی بڑی محبت ہے اور جب جب اس کو موقع ملتا ہے مسلمانوں کے فائدے میں کوشش کرتا ہے۔

مسلمان: خدا جانے اس میں کیا مصلحت ہوگی ورنہ میرے دیکھنے میں تو اس شخص نے اسلام کی تضحیک میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ مسلمانوں کے ساتھ مدارات کا حال یہ ہے کہ آپ لوگ غیر مذہب حاکم وقت ہو کر تو سیدھی طرح بات بھی کر لیتے ہیں اور ان کو مسلمانوں کی شکل سے نفرت ہے۔ غیر تو درکنار وہ شخص اپنے رشتہ داروں سے ملنے تک کا روادار نہیں۔ سبحان اللہ' کیا حب قومی ہے!

جنٹ صاحب یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے! ''مائی فرنڈز! مسٹر ابن الوقت کی تھاہ میرے سوائے کسی نے نہیں پائی جلسہ برخاست۔''

Marfat.com

فصل شانزدھم

# ابن الوقت کا انگریزی طرز سے متاذی ہونا

الغرض ابن الوقت کی نسبت لوگوں کے اس قسم کے خیالات تھے۔ ہندوستانی سوسائٹی میں بہ استثناء محدودے چند جنہوں نے اس کی وضع کی تقلید کر لی تھی' کوئی اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ انگریزوں میں اعلیٰ درجے کے انگریز وہ بھی سب نہیں' البتہ اس کے خیالات کی قدر و وقعت کرتے تھے۔ بہرکیف اس کے مخالف بہت تھے اور یہ بات خود ابن الوقت کو بھی معلوم تھی اور یہ خیال اس کو اکثر رنجیدہ رکھتا تھا۔ اس کے اپنے بی بی بچے تو سب غدر سے پہلے کے مرکھپ چکے تھے اور یہ بے تعلقی اگر باعث نہیں ہوئی تو اس کی آزادی میں موید تو ضرور ہوئی۔ تاہم وہ بھائی' بھتیجوں اور دوسرے رشتہ داروں کی مفارقت کے خیال سے بھی متاذی ہوتا تھا۔ رشتہ دار تو رشتہ دار اس کو ہندوستانی سوسائٹی کے چھوٹ جانے کا بھی افسوس تھا اور ہم نے تحقیق سنا ہے کہ اس نے بارہا اپنے رازداروں سے کہا کہ میرے یہاں کے کھانے کی ساری چھاؤنی میں تعریف ہے مگر میرا یہ حال ہے کہ انگریزی کھانا کھاتے ہوئے اتنی مدت ہوئی' سچ تو یہ ہے کہ ایک دن مجھے سیری نہیں ہوئی میں اکثر خواب میں اپنے تئیں ہندوستانی کھانا کھاتے ہوئے دیکھتا ہوں۔

ابن الوقت کے خاص خدمت گار کی زبانی معتبر روایت ہے کہ ایک بار اس کو سخت تپ لاحق ہوئی اور عادت کے موافق لگا بہکنے تو وہ ہندوستانی کھانوں کے نام لے لے کر روتا تھا اور کھانے بھی پلاؤ' زردہ' متنجن' بریانی نہیں بلکہ مونگ کی دال کا بھرتا' دھوئی ماش کی پھر ہری دال' قلمی بڑے کباب' امرودوں کے کچالو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ چٹپٹی چیزوں کو ترس گیا۔

معلوم ہے کہ ابن الوقت ابتدائے تبدیل وضع سے گھربار چھوڑ کر باہر چھاؤنی میں

Marfat.com

جارہا تھا۔ اس کے پاس اتنے نوکر چاکر تھے کہ اس کی کوٹھی کا احاطہ بجائے خود ایک چھوٹا سا محلّہ تھا لیکن اس کی زندگی ویسی ہی اداس زندگی تھی جیسی ایک بیچلر کی ہوتی ہے اور ہونی چاہیے۔ وہ نوکروں کے حق میں بڑا سیر چشم آقا تھا۔ اس کے یہاں نوکروں کی ایسی بھاری تنخواہیں تھیں کہ دلی کی اتنی بڑی چھاؤنی میں بس دو چار ہی جگہ اور ہوں گی' اس لیے کہ اس کے تمام نوکر سلیقہ منداور مستعد تھے اور حقیقت بات ہے کہ انہیں نوکروں نے انگریزی سوسائٹی میں اس کی اتنی بات بھی بنا رکھی تھی۔ مگر نوکر کیسے ہی ہوشیار کیوں نہ ہوں پھر بھی مالک کی تائید کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ انگریزی زندگی ایسے بکھیڑے کی زندگی تھی کہ ابن الوقت کو جتنا وقت کچہری اور ملاقات سے بچتا تھا' صفائی کی نگرانی اور ہر چیز کی خبر گیری کے لیے بمشکل وفا کرتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس کے نوکر انگریزی مذاق سے خوب واقف تھے مگر ابن الوقت سے خود صبر نہیں ہوسکتا تھا اور وہ اپنی طرف سے ایسی خراش تراش ایجاد کرنے لگا تھا کہ خواہی نہ خواہی اس کو دیکھنا پڑتا تھا۔

دعوت ایسے مزے کی چیز ہے کہ کھلانے والا اور کھانے والا دونوں ہی خوش ہوتے ہیں مگر ابن الوقت کے یہاں کی دعوت اس کے حق میں ایک مصیبت ہوتی تھی۔ کھانا تو کہیں جا کر رات کو نو دس بجے نصیب ہوتا اور اہتمام کی آندھی صبح سویرے سے چلنی شروع ہو جاتی تھی۔ ہم کو تو کوئی دعوت ایسی یاد نہیں کہ ابن الوقت تکان کی وجہ سے اس کے بعد علیل نہ ہوا ہو۔ پھر چھٹے چھ ماہے دعوت ہو تو خیر' یہاں ہر مہینے کچھ نہ ہو تو بڑے کھانے دو تین۔ بلکہ بعض اوقات تو ابن الوقت گھبرا کر بولا بھی اٹھا تھا کہ یہ میں نے کہاں کا کھڑاگ اپنے پیچھے لگا لیا ہے۔

یہ تو میزبانی کی لذتیں تھیں' مہمانی کے ذائقے ان سے بھی زیادہ تلخ۔ اگر اسٹیشن میں کسی انگریز کے یہاں کھانا ہے اور اس نے ابن الوقت کو دعوت نہیں کی اور ایسا اکثر ہوتا رہتا تھا' تو اس کے دل پر ایک صدمہ گزر جاتا تھا اور وہ اس کو اپنی تذلیل سمجھتا تھا۔ نہ صرف انگریزی سوسائٹی میں بلکہ جی ہی جی میں اپنے نوکروں تک سے کئی کئی دن شرمندہ رہتا تھا۔ اگر اس کا بھی بلاوا ہوا تو صاحب خانہ کے گھر میں قدم رکھتے ہی اس کو ان فکروں نے آگھیرا کہ کس کی کیسی آؤ بھگت ہوئی' کون لیڈی کس صاحب کے پاس بیٹھی

Marfat.com

اور اگر یہ پھٹیل رہ گیا یا کوئی چیز اپنے یہاں بہتر نظر پڑ گئی تو وہ دعوت اس کے لیے عداوت ہو جاتی تھی۔

الغرض انگریزی سوسائٹی کے داخل ہونے کے خبط نے اس کو ایسا بے چین کر رکھا تھا کہ دن رات میں دو چار منٹ کے لیے وہ بھی شاید اس کو خوشی ہوتی ہو تو ہوتی ہو ورنہ جب دیکھو منقبض، جب سنو آزردہ۔ ذرا سوچنے اور خیال کرنے کی بات ہے کہ جو شخص دنیا میں اس قدر منہمک ہو اس کو دین داری سے کیا سروکار۔ سچی دین داری کی بڑی شناخت ہے زہد جتنا جس سے ہو سکے اور کجا زہد اور کجا یہ فضول ولایعنی بکھیڑے۔ سو بھی ہم نے ابھی تک سب نہیں بلکہ نمونے کے طور پر بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ابن الوقت بیچارے مصیبت کے مارے کو ایک سے ایک سخت مشکل درپیش تھی۔ وہ تو وہی ہٹ کا پورا تھا کہ ان آفتوں کو بری طرح یا بھلی طرح جھیلتا رہا، دوسرا تو کبھی کا بھاگ کھڑا ہوا ہوتا اور پھر ساری عمر انگریزی سوسائٹی کا نام نہ لیتا۔ ہاتھیوں کے ساتھ گنے کھانا ایسا کیا کچھ لڑکوں کا کھیل ہے۔

ابن الوقت غدر سے پہلے بھی اچھا خاصا خوش حال تھا۔ قلعے کی تنخواہیں تو تھوڑی تھیں مگر اوپر سے انعام اکرام وغیرہ ملا کر بہت کچھ پڑ رہتا تھا۔ ہمارے اندازے میں ابن الوقت کی آمدنی پچاس روپے ماہوار سے ہرگز کم نہ تھی اور غدر کے بعد سے تو کچھ پوچھنا ہی نہیں، نہ سونہ سوا سو ماشاء اللہ ایک دم سے پانسو۔ اس آمدنی پر اچھے سے اچھا کھانا، اچھے سے اچھا پہننا، غرض امیرانہ خرچ رکھتا مگر ہندوستانیوں کا سا ہوتا تو چند سال کے عرصے میں اس کے پاس معتد بہ سرمایہ ہو جاتا لیکن اس نے کرنی چاہی انگریزوں کی ریس۔ پورا برس بھی خیریت سے گزرنے نہیں پایا تھا کہ لگا ادھار کھانے۔ جس وقت اس کو جاں نثار نے نہلا دھلا کر پہلے پہل انگریزی کپڑے پہنائے تو کوٹھی کا ساز و سامان اور اپنی شان دیکھ کر اس کو اس قدر خوشی ہوئی تھی کہ اپنے آپے میں نہیں سماتا تھا اور ابھی اس خوشی کا اثر طبیعت پر باقی تھا کہ ایک چپڑاسی بڑا سا بڑا چوڑا لفافہ لیے ہوئے برآمدے تک آیا۔ قاعدے کے مطابق بیرے نے لفافہ کشتی میں رکھ نئے صاحب کے حضور میں پیش کیا۔ کھولا تو جنرل سپلایر کا بل تھا۔ کتنے کا؟ کچھ اوپر پانچ ہزار کا۔ پانچ ہزار کی رقم

Marfat.com

دیکھ کر قریب تھا کہ حواس خمسہ مختل ہو جائیں مگر ''سنگ آمد و سخت آمد'' چوں و چراں کرنے کا موقع نہیں ''قہر درویش بر جان درویش''۔ دینا ہی پڑا مگر کیوں کر' ہزار کا توڑا نوبل صاحب کا دیا ہوا سر بند رکھا ہوا تھا' وہ لیا اور بہ ہزار مشکل دو ہزار گھر میں سے فراہم کیے۔ پھر بھی سو دو ہزار اور ہوں تو پنڈ چھوٹے۔ بارے غدر سے پہلے نواب معشوق محل بیگم صاحب کی سرکار میں ابن الوقت کی معرفت گڑ والوں کا لین دین تھا' ڈرتے ڈرتے ان کو رقعہ لکھا۔ اسامی تھی کھری اور جان دار' انہوں نے بے تامل روپیہ حوالے کیا۔ یوں جنرل سپلایر کا پوت پورا ہوا۔ ''رسیدہ بود بلائے ولے بہ خیر گذشت''۔

لیکن ابن الوقت نے تو خرچ کا دڑبا کھول دیا تھا۔ جس نسبت سے اس کی آمد بڑھی تھی اگر اسی نسبت سے خرچ بھی بڑھتا تو چنداں حرج کی بات نہ تھی' پر اس نے لیٹتے کے ساتھ چادر کے باہر پاؤں پھیلا دیے۔ اول سرے گھر کے قہرے' چوہرے مکان ہوتے سات چالیس روپے مہینے کا بنگلہ پھر فٹن' ٹمٹم (ٹینڈم) بروم' پالکی گاڑی' چار قسم کی بگھیاں اور چار کے چار گھوڑے اور ایک زین سواری کا پانچ' دھوبی' سقا' چوکیدار' فراش' مشعلچی' باورچی' میٹ' سائیس' گراس کٹ' مالی' بیرا' دو ڈھائی درجن کے قریب شاگرد پیشہ' ان کی تنخواہیں اور تنخواہوں کے علاوہ وردی' اسی کے مناسب سے دوسرے مصارف باستثناء میز کہ اس کا کچھ اندازہ ہو ہی نہیں سکتا' مہینے میں اچھے جید دو کھانے بھی ہو گئے تو ساری تنخواہ پر پانی کا پھر جانا کچھ بات نہیں۔

ابن الوقت نے شروع شروع میں شاید تین یا چار تنخواہیں وقت پر لی ہوں گی' اس کے بعد سے تو خزانچی کے ساتھ معاملہ ہو گیا۔ ایک چھوڑ دو مہاجن دینے والے' جب ضرورت ہوئی جس سے جتنا چاہا منگوا لیا۔ تنخواہ تو اوپر سے اوپر خزانچی لے لیا کرتا تھا اور زمینداری کا محاصل گڑ والوں کی کوٹھی میں چلا جاتا تھا۔ ان بچہ کو انگریز بننے کی دھن میں اتنی بھی خبر نہ تھی کہ سر پر کتنا قرضہ لدتا چلا جا رہا ہے۔ یہ تو اپنے ان خیالات میں مست کہ صاحب کمشنر مجھ کو مائی ڈیر (My dear) ابن الوقت اور اپنے تئیں یور سنسیرلی (Your sincerely) لکھتے ہیں۔ چیف کمشنر نے سالانہ رپورٹ میں میری کار گزاری کا شکرہ ادا کیا ہے۔ جوڈیشل کمشنر نے ایک فیصلے میں میری نسبت یہ لکھا ہے کہ

Marfat.com

اس کی طبیعت کو قانون سے فطری مناسبت ہے- فنانشل کمشنر نے فلاح سرکار کا مسودہ مجھ سے طلب کیا تھا- ان کی چٹھی موجود ہے' اب جو چھپ کر آیا تو میں دیکھتا ہوں ایک لفظ کا ردوبدل نہیں کیا- قانون شہادت کی فلانی دفعہ میرے اصرار سے بڑھائی گئی- لیجسلیٹیو کونسل کے لیگل ممبر نے مجھ کو چٹھی میں اطلاع دی مگر نہیں معلوم اپنی اسپیچ میں میرا تذکرہ کیوں نہیں کیا- یا تو رپورٹر کی فروگذاشت ہے یا ممبر صاحب کو اس وقت خیال نہ رہا ہوگا- فلاں صاحب نے ولایت سے میرا فوٹوگراف منگوایا ہے اور لکھتے ہیں کہ میم صاحب متقاضی ہیں- اوہو! مس جوزفا جو ہمارے ڈائننگ روم کی تصویروں کو بہت پسند کرتی تھی اور گھنٹوں ہمارے کتوں سے کھیلا کرتی تھی- ابھی ابھی ولایت کی ڈاک میں اس کی ماں کی چٹھی آئی ہے' ایک بڑے سوداگر کے ساتھ اس کی شادی ہونے والی ہے- میجر صاحب نے آئیس کریم (ملائی کی برف) جمانے کے لئے ہمارے آدمی کو بلا بھیجا ہے' یہاں برف ہی جموا کر نہ بھیج دی جائے- کرنیل صاحب کا اسباب نیلام ہوگا تو دو گھوڑے ہم ضرور لیں گے کیونکہ ہم نے خوب خیال کر کے دیکھا تو ہمارے دو گھوڑے ہمیشہ صاحب لوگوں کی سواری میں رہتے ہیں اور چڑیوں اور پھولوں کے گملوں کو تو ہم ان سے زبانی کہہ چکے ہیں- پرسوں کیا اتفاق ہوا کہ میں ٹھنڈی سڑک پر جا رہا تھا' کپتان صاحب اور ان کی میم آتے ہوئے ملے' بڑے تپاک سے صاحب سلامتی ہوئی- میم صاحب کے ہاتھ میں ایک پھول تھا' انہوں نے میری طرف پھینک دیا- کپتان صاحب بولے ''مسٹر ابن الوقت میرے پاس کوئی پھول نہیں کہ میں تم کو دیتا'' تو میں نے کہا: ''آپ کے پاس تو نہایت خوب صورت گلدستہ ہے-'' میم صاحب نے اس کا بڑا شکریہ ادا کیا اور دونوں میاں بی بی ہنستے ہوئے برابر سے نکل گئے- فرنڈ آف انڈیا نے ایک آرٹیکل میں مجھ کو مسلمانوں کا مشہور رفارمر لکھا ہے-

غرض جس طرح آدمی کو کسی بات کی زد نہیں لگ جاتی' بس ابن الوقت کو انگریز بننے کی زد تھی- شروع شروع میں تو اس کو مسلمانوں کے حال پر بھی ایک طرح کی نظر تھی لیکن چند روز کے بعد اس کی ساری رفارم اسی میں منحصر ہوگئی تھی کہ انگریزی اوضاع و اطوار میں سے کوئی وضع اور کوئی طور چھوٹنے نہ پائے- کم بخت آپ بھی برباد ہو رہا تھا

Marfat.com

اور اس کی دیکھا دیکھی کچھ ایسی ہوا چلی کہ مسلمانوں کے نوجوان لڑکے خصوصاً جنہوں نے ذری سی انگریزی پڑھ لی تھی یا جو گھر سے کسی قدر آسودہ تھے تباہی کے لچھن سیکھتے چلے جاتے تھے۔ اس کے اندرونی حالات کی تو کسی کو خبر نہ تھی' ظاہر میں دیکھتے تھے کہ انگریزوں میں ملتا جلتا ہے' جو بات کسی ہندوستانی عہدہ دار کو نصیب نہیں اس کو حاصل ہے اور لوگوں کی نظر میں انگریزی وضع کی ہیبت بھی ہے۔ پس احمقوں کو اتنے موجبات ترغیب کافی تھے۔ مگر ہے یہ کہ انگریزی وضع خدا کے فضل سے جو کسی ایک کو بھلی ہو۔ سبھی نے تو اپنی اپنی جگہ تھوڑا بہت نقصان اٹھایا اور شاید نقصان نہ بھی اٹھایا ہو تو کسی کو کسی قسم کا فائدہ تو نہیں ہوا۔

کسی جگہ شروع کتاب میں لکھا جا چکا ہے کہ نوبل صاحب کو ایک طرح کا ہلکا ہلکا درد سر ہر وقت رہتا تھا اور اسی کے علاج کے لیے رخصت لے کر ولایت جا رہے تھے کہ غدر کی وجہ سے دلی میں گھر گئے۔ کیا خدا کی شان ہے نہ دوا نہ درمن' سارے غدر اور غدر کے بعد بھی مدتوں تک آپ ہی آپ اس درد کا کہیں پتا نہ تھا۔ ہر چند اپنے عزیزوں سے ملنے کے لیے ان کا جی ولایت جانے کو چاہتا تھا مگر دیکھتے تھے کہ سلطنت متزلزل ہو رہی ہے' کام کی ہر جگہ کثرت ہے' ایسے وقت میں تو اگر صاحب ولایت بھی ہوتے تو ان سے ایک دن وہاں نہ ٹھہرا جاتا۔ کیسے ہو سکتا تھا کہ اس حالت میں چلے جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے گھر لکھ بھیجا تھا کہ جب تک تمام ملک میں انتظام سابق دستور نہ ہو جائے میں قصد نہیں کر سکتا۔ جوں جوں بغاوت فرو ہوتی گئی اس درد کی کسک ابھرتی چلی۔ ایک بار انہوں نے ولایت جانے کا ارادہ ظاہر کیا تو چیف کمشنر صاحب نے فرمایا کہ تم جا تو سکتے ہو مگر میں چاہتا تھا کہ تحقیقات بغاوت کا کام تمہارے ہاتھ سے اختتام پاتا۔ خیر' یہ پھر چپ ہو رہے۔

Marfat.com

فصل سیزدھم

# نوبل صاحب کا دفعتہً ولایت جانا ہوا

# ابن الوقت کو بنگلہ چھوڑنا پڑا

لیکن دردسر روز روز زور پکڑتا جاتا تھا' یہاں تک کہ ۱۸۵۹ء کی گرمیوں میں تو یہ ہوگیا کہ جس روز گرمی کا اشتداد ہوتا سارے سارے دن ان سے اٹھا نہیں جاتا تھا اور ڈاکٹر تو مدتوں سے کہہ رہا تھا' اب اس نے بھی سختی کی کہ اگر تم برسات میں ٹھہرو گے تو یقیناً ہلاک ہو جاؤ گے' میں نے تمہارے دردسر کی نسبت بہ خوبی تشخیص کر لی ہے کہ سمندر کی ہوا کے سوائے اس کی اور کوئی دوا نہیں۔ مگر صاحب کا ارادہ تھا کہ آخری رپورٹ روانہ کر دوں تب جاؤں۔ کام بھی بہت سمٹ آیا تھا لیکن قاعدہ ہے کہ کام کا پیچھا ہی بھاری ہوتا ہے۔ برسات چلی آ رہی تھی اور ابھی رپورٹ کا لکھنا بھی شروع نہیں ہوا تھا مگر کیا استقلال ہے اور کس قدر کام کا درد ہے کہ ڈاکٹر بھی متقاضی تھا اور دردسر بھی برسرترقی تھا' نوبل صاحب کا یہ حال تھا کہ دردسر نے بہت ستایا' پڑ رہے' پھر ذرا طبیعت سنبھلی' اٹھ بیٹھے' کام کرنے لگے۔ غرض اس بندۂ خدا نے رخصت کا نام ہی لینا چھوڑ دیا۔ صاحب کمشنر نے اپنے طور پر اس کی اطلاع چیف صاحب کو دی۔ وہاں سے حکم آیا کہ باقی ماندہ کام صاحب کلکٹر کو دے دو اور تم رپورٹ کا مواد لے کر فوراً ولایت کو روانہ ہو جاؤ' چیف صاحب یقین کرتے ہیں کہ جہاز میں تمہاری طبیعت درست ہو جائے گی اور تم ولایت جا کر رپورٹ تیار کرنا اور تمہارے سفر اور قیام ولایت کا زمانہ سروس میں شمار کیا جائے گا اور تم کو پوری تنخواہ دی جائے گی۔

اس حکم کے آتے ہی صاحب کمشنر نے کھڑے کھڑے صاحب کلکٹر کو جائزہ دلوا' نوبل صاحب کو تیسرے دن ولایت چلتا کیا۔ صاحب کے روانہ ہونے سے ہفتہ عشرہ

Marfat.com

پہلے ڈاکٹر نے ملاقات کی ممانعت کر دی تھی- پس اس اثنا میں ابن الوقت کے ساتھ بھی صاحب کی کوئی تفصیلی ملاقات نہ ہونے پائی- غرض صاحب روانہ ہوئے تو ابن الوت ہکا بکا سارہ گیا- نہ اپنی کہی نہ ان کی سنی- اس کو صاحب کے جانے کا سب سے زیادہ ملال تھا مگر ذاتی محبت کی وجہ سے- ایک لمحے کے لیے بھی اس کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ صاحب کے جانے سے اس کو تبدیل وضع کے برے نتیجے اس قدر دق کریں گے-

نوبل صاحب کے جاتے جاتے برسات کی آمد اور گرمی کی اشتداد کی وجہ سے ہوا میں ردایت کے آثار پیدا ہو چلے تھے- شہر میں تو بیماری کا زور تھا' چھاؤنی میں بھی کہیں کہیں شکایت سنی جاتی تھی- نوبل صاحب کو روانہ ہوئے چوتھا یا پانچواں دن تھا' کمانڈنگ افسر نے حکم عام جاری کیا کہ انگریزوں کے شاگرد پیشہ کے سوائے کوئی نیٹو (Native) چھاؤنی کی حدود میں نہ رہے' شہر کا کوئی آدمی چھاؤنی میں نہ آنے پائے اور انگریزوں کے شاگرد پیشوں میں سے بھی بنگلے پیچھے ایک آدمی ضرورت کی چیزیں لینے کو ایک بار شہر میں جائے اور دن کے سات بجے کے اندر اندر واپس آ جائے اور تاریخ حکم سے ایک ہفتے بعد اس کی پوری پوری تعمیل ہو- سال گذشتہ میں بھی ایسا ہی اتفاق پیش آیا تھا تو نوبل صاحب نے سمجھایا تھا کہ مسٹر ابن الوقت نیٹو تو ہیں مگر ان کا طرز ماند و بود بالکل ہم لوگوں کا سا ہے اور ان کے احاطے میں صفائی کے قواعد کی تعمیل پوری پوری ہوتی ہے- چنانچہ فوجی عہدہ داروں نے ابن الوقت کے حالات سے کچھ تعرض نہیں کیا- اب کی بار دو مشکلیں جمع ہو گئیں' نوبل صاحب تو تشریف لے گئے اور کمانڈنگ افسر صاحب نئے آئے ہوئے تھے- ابن الوقت سے صاحب سلامت تو تھی مگر پان کی نوبت نہیں آئی تھی-

جنرل آرڈر دیکھ کر ابن الوقت کو بڑا تردد پیدا ہوا اور حقیقت میں بڑے تردد کا مقام تھا کیونکہ اس نے صد ہا روپے خرچ کر کے احاطے کو مدتوں کی محنت سے اپنی مرضی کے مطابق درست کیا تھا' بڑی تلاش سے کمروں کی وسعت اور ان کے مواقع کے لحاظ سے فرنیچر جمع کیا تھا' خانہ باغ کی درستی میں بہت کچھ محنت کرنی پڑی تھی- ابن الوقت

Marfat.com

تمام اسٹیشن کے بنگلوں اور کوٹھیوں کے چپے چپے سے واقف تھا- ہر طرف نظر دوڑائی کوئی بنگلہ ڈھب کا سمجھ میں نہ آیا اور جو دو چار تھے سو مشغول اور اگر مشغول نہ بھی ہوتے تاہم یہاں کا اکثر فرنیچر وہاں کے لیے بے جوڑ اور پھر خانہ باغ تو کسی طرح اٹھا لے جانے کی چیز نہیں-

سمجھنے والے کو ابن الوقت کی یہ حالت تازیانہ عبرت تھی- اسی طرح انسان ساری عمر بہ کمال اطمینان دنیا کی درستی میں لگا رہتا ہے اور اس کو دنیا کے ساتھ دل بستگی ہو جاتی ہے- دفعتہً اس کو دنیا چھوڑنی پڑتی ہے اور چونکہ وہ دنیا سے مانوس تھا' اس کو دنیا کی ابدی مفارقت کا سخت صدمہ ہوتا ہے- وہ ساز و سامان دنیا میں سے کوئی چیز ساتھ نہیں لے جا سکتا اور جو ساتھ لے جا سکتا ہے یعنی اعمال وہ عاقبت میں شاید اس مجھ زیادہ بہ کار آمد نہ ہوں جیسے ایک گھر کا فرنیچر دوسرے گھر میں- وہ عاقبت میں اپنے لیے آسائش کی جگہ نہیں پاتا اور جگہ پاتا بھی ہے تو وہاں کے مناسب فرنیچر نہیں رکھتا- خدا اپنے فضل سے ہم کو توفیق دے کہ گرویدہ دنیائے چند روزہ نہ ہوں اور عاقبت کے لیے جہاں ہم کو سدا رہنا ہے سامان کرتے رہیں- آمین!

ابن الوقت اگر چاہتا تو منت سے' خوشامد سے' شاید کار براری کر لیتا مگر وہ تھا مغرور' برخود غلط' نہ کسی سے پوچھا نہ گچھا جھٹ ایک چٹھی دھر کمانڈنگ افسر کے نام دھر گھسیٹی کہ ہم بالکل انگریزی طور پر رہتے ہیں اور اس وجہ سے پارسال بھی ہم کو مستثنیٰ کر دیا گیا تھا- امسال بھی ہمارے ساتھ اسی قاعدے کا برتاؤ ہونا چاہئے- کمانڈنگ افسر نے فوراً اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ چھاؤنی میں لوگوں کا بہت اژدہام ہو گیا ہے اور سپاہیوں کی تندرستی کے لیے بھیڑ کا کم کرنا ضرور ہے- یہ پہلا انتظام ہے کہ جو لوگ فوج سے علاقہ نہیں رکھتے چھاؤنی کے اندر نہ رہیں- اس جواب کے بعد تدبیر کے سب راستے بند ہو گئے اور چار و ناچار بنگلہ خالی کر دینا پڑا- ایک ذری سی بات میں بے چارہ ابن الوقت بیٹھے بٹھائے ہزار بارہ سو کے پھیر میں آ گیا اور کرکری ہوئی سو الگ- وقت پر موقع کا بنگلہ نہ ملا اور خیر یوں ہی سا ملا بھی تو اپنی غرض کو ڈیوڑھا دونا کرایہ دینا پڑا- نقل و حرکت میں اسباب کا اسباب خراب ہوا اور زیر باری کا تو کچھ پوچھنا ہی نہیں-

Marfat.com

فصل شانزدھم

# سر رشتہ دار کے بہکانے سے

# صاحب کلکٹر ابن الوقت سے بدگمان ہوئے

ابن الوقت کو حقیقت میں محسوس نہیں ہوتا تھا کہ اس کو نوبل صاحب سے کس قدر تائید پہنچ رہی ہے- ان کا پیٹھ موڑنا تھا کہ ہر طرف سے مصیبتوں نے آ گھیرا- یوں بھی نوبل صاحب تنخواہ میں' عزت میں' کسی طرح کلکٹر صاحب سے کم نہ تھے اور پھر کیا انگریز کیا ہندوستانی' سب کو اس بات کا کامل اذعان تھا کہ بغاوت کا محکمہ عارضی ہے' یہ کام ختم ہوا اور نوبل صاحب ضرور کہیں نہ کہیں کے اور بیس برسوں تو قسمت دہلی' کے کمشنر ہوں گے یا چیف کمشنر کے سیکرٹری ہو جائیں تو عجب نہیں' کیونکہ چیف صاحب ان کی طرف بہت ملتفت معلوم ہوتے ہیں- اس خیال سے لوگوں کے دلوں میں نوبل صاحب کی بڑی ہیبت تھی اور انھی کی وجہ سے سارا عملہ ابن الوقت کے نام سے تھراتا تھا- اب جو میدان پایا خالی' ایک دم سے سب کے سب پھیر بیٹھے- سپرد کی چارج کا روبکار جاری ہونا تھا کہ عملے لگے آپس میں اشارے کنائے کرنے- سب سے پہلے کلکٹری کے چپراسی جمع ہو کر سلام کو آئے- ابن الوقت اپنے کام میں مصروف تھا' جمعدار نے چند قدم آگے بڑھ کر کہا کہ کلکٹری کے چپراسی سلام کو حاضر ہیں-

**ابن الوقت:** (سر اٹھا کر) یہ کیسا سلام ہے؟

**جمعدار:** حضور مال کے حاکم ہوئے- خدا حضور کو لاٹ کرے-

اتنے میں ایک محرر روبکار اطلاع یابی لکھوانے کیے لئے دوڑا ہوا آیا گویا بڑی خوشخبری لایا- عملے کے تیور تو بدلے ہوئے تھے سو تھے' یوں کہ ابن الوقت میں پانی مرتا

Marfat.com

تھا' اس کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ان کی بات بات کو چھیڑ خانی سمجھتا تھا- عجب مشکل آ پڑی تھی' اگر کوئی اس کا ادب نہ کرتا تو گستاخ اور کرتا تو وہ سمجھتا کہ ہم کو بناتا ہے- جائزے کے کوئی شاید چوتھے یا پانچویں دن سررشتہ دار نج پر رپورٹ خوانی کو گیا تو صاحب کلکٹر نے فرمایا کہ چیف کمشنر صاحب محکمہ بغاوت کی تخفیف کے لئے بہت مستعجل ہیں اور نوبل صاحب بھی ہم سے چلتے چلتے کہہ گئے ہیں کہ دیکھو اس کام پر خاص نگرانی رکھنا-

سررشتہ دار: جہاں تک فدوی کو معلوم ہے' ڈیڑھ دو برس کا کام باقی ہے-

صاحب کلکٹر: ڈیڑھ دو برس! ہم سے نوبل صاحب نے کہا کہ اگر وہ ولایت جانے پر مجبور نہ ہوتے تو آخر سال تک یہ ہمہ وجوہ طے کر دیتے-

سررشتہ دار: بے شک' نوبل صاحب بہادر رہتے تو ایسا ہی ہوتا-

صاحب کلکٹر: نوبل صاحب نے ہم سے کہا تھا بہت تھوڑے مقدمے فیصلے کرنے کو ہیں اور ابن الوقت صاحب ان میں کارروائی کر رہے ہیں اور ان کے تصفیے میں زیادہ دیر نہیں ہوگی- بڑا کام مثلوں کو مرتب کر کے داخل دفتر کرتا ہے- اسی خیال سے ہم نے ایک محرر کی تخفیف کا بھی حکم نہیں دیا- اگر عملے یہ سمجھ کر کہ نوبل صاحب نہیں ہیں' کام میں غفلت یا کاہلی کریں گے تو ہم ان کو سخت سزا کرنے کو موجود ہیں مگر کام ضرور آخر سال تک مکمل کرنا ہوگا-

سررشتہ دار: عملوں میں تو کسی کی مجال نہیں کہ سرمو حکم کے خلاف کر سکے بلکہ اگر حضور کا ارشاد ہوگا تو صبح سے شام تک ان سے محنت لی جائے گی-

صاحب کلکٹر: بس تو مثلوں کی ترتیب عملے کا کام ہے-

سررشتہ دار: بغاوت کا عملہ فدوی ہی کا رکھوایا ہوا ہے- جب یہ عملہ قائم ہونے لگا تو عملہ ڈھونڈنے نہیں ملتا تھا- جناب نوبل صاحب بہادر نے فدوی کو حکم دیا تو فدوی نے چن چن کر اچھے ہوشیار عملے جمع کر دئے اور فدوی کو بہ خوبی معلوم ہے کہ عملوں میں سے کسی کا کام پس ماندہ نہیں- مثلوں میں بڑی فروگزاشت دستخط کی ہے- حضور خیال فرمائیں کہ تاوقتیکہ حاکم متوجہ نہ ہو' دستخط کی تعمیل نہیں ہو سکتی-

Marfat.com

صاحب کلکٹر: عملوں نے وقتاً فوقتاً احکام پر دستخط کیوں نہیں کرائے' یہ ان کا قصور ہے- اچھا! ان سے جواب لے کر پیش کرو ہم تمام عملہ بغاوت کی سزا کریں گے-

سررشتہ دار: حضور مالک اور خداوند ہیں- فدوی کو جب اس کا علم ہوا تو فدوی نے عملے کو بہت دھمکایا تھا- حقیقت حال کا عرض نہ کرنا بھی نمک حرامی ہے- کہنے لگے کہ جان کیا غضب میں ہے: کہیں تو ماں ماری جائے' نہیں باپ کتا کھائے- سررشتہ دار صاحب! ہمارے ڈپٹی صاحب (ابن الوقت) سے کام پڑے تو معلوم ہو' نہ ان کے آنے کا ٹھکانا' نہ بیٹھنے کا ٹھکانا نہ کچہری برخاست کرنے کا ٹھکانا- دستخط کرانا تو بڑی بات ہے' سلام کے لیے سامنے جانے کے لیے بھی بڑا حوصلہ چاہیے-

صاحب کلکٹر: کیا بات ہے؟ آخر ہندوستانی عملے صاحب لوگوں کی پیشی میں بھی کام کرتے ہیں یا نہیں؟

سررشتہ دار: صاحب لوگ اگر اس طرح قہر کی نظر رکھیں تو ایک دن کام نہ چلے- کام کے لئے کسی وقت نہ خوش بھی ہوتے ہیں اور پھر دیا بھی کرتے ہیں-

صاحب کلکٹر: تم بھی کبھی ابن الوقت صاحب کی ملاقات کو گئے ہو؟

سررشتہ دار: دو چار بار دل میں آیا پر سنا کہ اول تو اپنی وضع کے لوگوں کے سوائے کسی ہندوستانی سے نہیں ملتے اور ملتے بھی ہیں تو گھنٹوں انتظار کراتے ہیں- کچہری کے دنوں میں تو کہیں آنا جانا ہو ہی نہیں سکتا' رہا اتوار ایک دن اور اسی میں اپنا اور گھر کا سارا کام کاج-

صاحب کلکٹر: اوہو ابن الوقت صاحب نے اس قدر اپنی شان بڑھا رکھی ہے-

سررشتہ دار: ان کے شاہانہ خرچ ہیں' ہندوستانیوں کا تو کیا مقدور ہے' صاحب لوگ بھی اس طرح بے دریغ نہیں خرچ کر سکتے- ایک ہمارے جنٹ صاحب ہیں' ڈپٹی صاحب سے چوگنی تنخواہ پاتے ہیں' دو گھوڑوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتے- ایک گھوڑا میم صاحب کی سواری میں رہتا ہے- ان کی اپنی سواری کا گھوڑا کچھ بیمار ہو گیا تھا تو اس گرمی میں پیدل کچہری آتے تھے-

Marfat.com

صاحب کلکٹر: کیا ابن الوقت صاحب گھر کے بڑے امیر ہیں؟

سررشتہ دار: ان کا خاندان تو مسلمانوں کے پادریوں کا خاندان ہے یہ اپنی ذات سے ایک بیگم کے مختار تھے۔ بیگم صاحب قلعے کے باہر کشمیری دروازے رہتی تھی' غدر ہوا تو حکم دیا کہ تمام مال و اسباب قلعے پہنچوا دو۔ اہتمام کرنے والے ہمارے ڈپٹی صاحب۔ سنا ہے کہ کچھ کاٹھ کباڑ تو قلعہ پہنچا' باقی انہوں نے سب یہاں اپنے ہاں ڈھلوا منگوایا۔ اتنے میں بیگم صاحب مرگئی' سارا اثاثہ جہاں کا تہاں رہ گیا۔

صاحب کلکٹر: اگر ایسا ہوا تو بڑی نمک حرامی کی بات ہے اور میں کبھی خیال نہیں کر سکتا کہ ایسے شخص نے سچے دل سے نوبل صاحب کی جان بچائی ہوگی۔

سررشتہ دار: صاحب بہادری کی قسمت اچھی تھی کہ سرکار کی طرف کی کوئی لڑائی نہیں بگڑی ورنہ مسلمان کسی دوسرے مذہب کے آدمی کو دیکھ نہیں سکتے۔ انگریز تو خیر بھلائے آئے ہوئے ہیں' ہم ہندوؤں کو ان کے ساتھ رہتے ہوئے سینکڑوں برس ہو گئے اور اب ان کا بس چلے تو ایک ہندو کو زندہ نہ چھوڑیں۔

صاحب کلکٹر: اگر واقع میں نوبل صاحب کی جان کو نیک ارادے سے بچایا تو اس کا یہ صلہ کچھ کم نہیں تھا کہ سرکار نے ان کی اور ان کے خاندان کی جان بخشی کی اور ان کے گھر کو لٹنے نہیں دیا یا خیر! زمینداری تک کا بھی مضائقہ نہیں لیکن ایسے شخص کو حکومت کا ایک عہدہ دینا میرے نزدیک شاید بالکل خلاف مصلحت ہو۔ کیوں سررشتہ! لوگ کیا خیال کرتے ہیں؟

سررشتہ دار: ڈپٹی کلکٹری تو ان سے ایک دن نہ چلتی مگر نوبل صاحب بہادر کی پرورش سے سارے کام سدھ گئے اب ذرا مشکل پڑے گی' عملہ ناراض' اہل معاملہ شاکی۔

صاحب کلکٹر: لوگوں کی ناراضمندی کا اصل سبب کیا ہے؟

سررشتہ دار: ''عملے تو سخت گیری اور بدزبانی سے ناراض ہیں اور کام بھی وقت پر نہیں نکلتا۔ اہل معاملہ دیر کی وجہ سے نالاں ہیں مہینوں لوگ پڑے جھولتے ہیں' تب بہ مشکل چھٹکارا ملتا ہے۔

Marfat.com

صاحب کلکٹر: معلوم ہوتا ہے کہ ابن الوقت صاحب کھیل تماشے میں بہت لگے رہتے ہیں۔

سررشتہ دار: یہ بھی ہے اور لوگ کچھ اور بھی کہتے ہیں۔ یہاں سے جو کوئی کبھی کاغذ طلب کیا گیا تو اکثر یہی جواب آیا کہ ڈپٹی صاحب کے نج پر ہے' ابھی حکم اخیر شامل مثل نہیں ہوا

صاحب کلکٹر: اب ڈپٹی صاحب کے شاہانہ خرچ کے لئے کسی آمدنی کا تلاش کرنا ضروری نہیں' انہوں نے بہت کچھ کما لیا ہوگا۔

سررشتہ دار: اگر کمایا ہے تو پھر اتنا کمایا ہے کہ اس سے چہار چند خرچ بھی رکھیں تو ان کو کسی طرح کی کمی نہیں۔

صاحب کلکٹر: تعجب ہے کہ کوئی نالش کیوں نہیں دائر ہوئی!

سررشتہ دار: نوبل صاحب کے ڈر سے کسی نے دم نہیں مارا۔ اب دیکھا چاہیے' ڈپٹی صاحب بھی متردد تو معلوم ہوتے ہیں۔

صاحب کلکٹر: خیر' اب کام کا کیسا انتظام کرنا ہوگا۔

سررشتہ دار: فدوی کے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ ڈپٹی صاحب کو تو صرف مثلوں کی تکمیل پر چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ بھی بڑا بھاری کام ہے اور باقی ماندہ مقدمات کو حضور اپنے اجلاس میں منتقل فرمالیں یا کسی حاکم ماتحت کو دے دیں۔ منشی رام سیوک صاحب کی اجلاس میں بھی کام کی کمی ہے۔ حضور کو معلوم ہے کہ منشی صاحب کیسے زبردست کام کرنے والے ہیں۔ ان کا اہلمد کہتا تھا کہ ہمارے منشی جی مقدمے فیصلہ نہیں کرتے' پھانکتے ہیں۔ بغاوت کے مقدمات بہت ہوں گے ہزار ہوں گے' منشی صاحب کی تو تین حد چار مہینہ کی چٹنی ہے۔

صاحب کلکٹر: اچھا ایک روبکار لکھ دو۔

سررشتہ دار نے وہیں کھڑے کھڑے دو سطری روبکار لکھا' دستخط کرا چپراسی کے ہاتھ سررشتے میں بھیج دیا۔ صاحب کلکٹر نے روبکار پر دستخط کرتے وقت پھر فرمایا کہ تم محکمہ بغاوت کی خوب نگرانی رکھنا۔

Marfat.com

سررشتہ دار: فدوی بہ خوبی نگرانی رکھے گا اور کارگذاری کا ہفت روزہ حضور کے ملاحظے میں گزران دیا کرے گا لیکن حضور عندالملاقات ڈپٹی صاحب کو ذرا سا ایما فرمادیں گے تو ان کو بھی خیال ہو جائے گا۔''

صاحب کلکٹر: سرکاری کام کے لیے ہم کو زبانی کہنا کیا ضروری ہے' تحریری حکم دینا چاہیے۔

صاحب کلکٹر تو کہیں ایک بجے ڈیڑھ بجے کچہری آتے تھے۔ سررشتہ دار رپورٹ خوانی کر کے کوئی گیارہ بجتے بجتے کچہری پہنچا۔ یا تو ایک دن لکھنؤ کے بیلی گارڈ میں جنرل اوٹرم کا استقبال ہوا تھا یا آج سررشتہ دار کی بہلی دور سے آتی دیکھ کر کلکٹری فوج داری کا سارا عملہ باہر نکل پڑا۔ سررشتہ دار جو اپنی لٹو دار پگڑی سنبھالتے ہوئے اترے' دیکھا کہ ساری ذریات موجود ہے' بہت بگڑے کہ آجکل کے لونڈوں کو جو ذرا بدھ چھو گئی ہو' کیا بندر بندریا کا ناچ ہے' نام بنام کیفیت پیش کر کے ایک ایک پر جرمانہ کراؤں تو سہی۔

ابن الوقت کی ہوا تو روبکار جائزہ ہی سے اکھڑ گئی تھی' آج مقدمات متدائرہ کے چھن جانے سے لوگوں کی نظر میں اس کی بلت اور بھی دوکوڑی کی ہوگئی۔ روبکار میں لکھا تھا کہ مقدمات متدائرہ بلا کارروائی مزید سپرد اجلاس ہذا کیے جائیں۔ ابن الوقت نے اس پر اتنا تو لکھوا دیا کہ صاحب کلکٹر بہادر کے حکم کی تعمیل کی جائے اور پھر اس سے اجلاس پر بیٹھا نہ گیا' اپنے پرائیویٹ روم میں جا کر چاہا کہ اخبار سے جی بہلائے مگر طبیعت کو حاضر نہ پایا۔ نوبل صاحب کے وقت میں گھر کی حکومت تھی اس نے جانا ہی نہیں کہ نوکری کیا چیز ہے اور ماتحتی کس کو کہتے ہیں۔ اب جو خلاف مزاج باتیں آنی شروع ہوئیں تو اس کو حیرت تھی کہ کلکٹر صاحب برسر پرخاش ہیں یا عجلت کی غرض سے یا محکمہ بغاوت میں اپنی کارگزاری ثابت کرنے کے لئے مقدمات کو اپنے اجلاس میں منتقل کرا لیا ہے۔ جہاں تک خیال کرتا تھا' صاحب کلکٹر کی خصومت کی کوئی وجہ اس کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اور کیوں کر آتی! اس معاملے میں اس کی سمجھ بھی اوندھی تھی۔ ہر چند اس کا عہدہ ڈپٹی کلکٹری کا تھا مگر اس نے ابتدائے تقرر سے محکمہ بغاوت میں نوبل صاحب کے نیچے کام کیا' اس کو من حیث الخدمت حکام مال سے کسی طرح کا سروکار نہ تھا ان کا کام الگ' اس کا الگ۔ غرض کچھ تو بے تعلقی اور کچھ پاس وضع وہ ان سب سے رہتا تھا بیگانہ وار اور یہ خبر نہ تھی کہ

Marfat.com

تقدیر یوں دفعتہً پلٹا کھا جائے گی- خلاصہ یہ کہ اس نے کلکٹر یا جنٹ یا اسسٹنٹ کسی سے رسم وراہ پیدا کرنے یا بڑھانے کا مطلق اہتمام نہیں کیا کبھی اس کے ذہن میں گزرا کہ حکام وقت سے کسی صیغے کے کیوں نہ ہوں' معرفت رکھنا معنی داخل فرائض منصبی ہے-

ہندوستانی کے لئے ڈپٹی کلکٹری اور صدر الصدوری دو ہی جلیل خدمتیں ہیں- ہم نے تو جتنے سربرآوردہ ڈپٹی کلکٹر یا صدر الصدور دیکھے' سب کا یہی دستور دیکھا کہ کلکٹر تو کلکٹر پادری اور ڈاکٹر سپرنٹنڈنٹ پولیس اور انسپکٹر مدارس اور پوسٹ ماسٹر اور مہتمم خزانہ غرض کوئی انگریز ہو' بڑا یا چھوٹا متعہد یا غیر متعہد اور ملاقات ہو یا نہ ہو بالالتزام مہینے میں دوبار' چار بار' اس کے بنگلے پر حاضری کے لئے آنا ضروری ہے- ابن الوقت کو صاحب کلکٹر کی خصومت کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی- سوا ایک بڑی وجہ تو اس کی بیگانگی ہی تھی' نہ صرف کلکٹر صاحب سے' بلکہ نوبل صاحب کے سوائے گویا تمام حکام ضلع سے' یہاں تک کہ اس وقت حکام مال میں کوئی متنفس اس کا اتنا بھی رفیق نہ تھا کہ صاحب کلکٹر سے ذکر آ جائے تو اس کے حق میں کلمتہ الخیر کہہ گزرے- جو شخص انگریزوں سے دل میں اکڑ رکھتا ہو' ہندوستانیوں کو وہ کیا مال موجود سمجھ سکتا ہے- ابن الوقت نے ان کی استمالت کی ذرا بھی تو پروانہ کی ساری کلکٹری' فوجداری ایک طرف تھی اور اکیلا ابن الوقت ایک طرف- کسی سے کچھ چھینا نہیں' کسی کا کچھ بگاڑا نہیں' تبدیل وضع کی وجہ سے سب کے ساتھ خدا واسطے کا بیر-

غرض ابن الوقت نے جوں توں پرائیویٹ روم میں اکیلے پڑے پڑے وہ دن تو تیر کیا- اس نے کئی بار عملے سے پوچھوایا بھی کہ اگر ہمارے کرنے کا کچھ کام ہو تو ہم اجلاس پر آئیں- عملے نے یہی جواب دیا کہ سررشتہ دار صاحب مقدمات متدائرہ کے لیے بہت جلدی مچا رہے ہیں' ہم سب کے سب انہیں مثلوں کے چھانٹنے میں مصروف ہیں اور سرکار کے کرنے کا کام اب رہ بھی کیا گیا ہے' یہ مثلیں کلکٹر صاحب کے اجلاس میں جالیں گی تب دفتر کے داخلے کے لیے مثلوں کی ترغیب شروع ہوگی- اس وقت اگر احکام ترتیبی پر کہیں دستخط رہ گئے ہوں گے' ایسے کاغذ علیحدہ رکھتے جائیں گے' بہت سے کاغذ جمع ہو گئے' دستخط کرا لیے-

Marfat.com

ابن الوقت کی خودداری نے اس کے حق میں ایک خرابی یہ اور کر رکھی تھی کہ وہ ہندوستانیوں کے ساتھ ملنے میں مضائقہ تو کرتا ہی تھا' اس سے ہر شخص اس کے پاس جاتا ہوا جھجکتا تھا اور آج کل جو کارروائیاں در پردہ اس کے خلاف ہو رہی تھیں وہ ان سے مطلقاً بے خبر تھا- نوبل صاحب کے چلے جانے کا ایک اثر یہ تو ضرور اس پر بھی منکشف ہوا کہ جو لوگ اس سے ملتے جلتے رہتے تھے (اور وہ تھے ہی کتنے) پہلے ہی دن سے ملاقات میں کمی سی کرنے لگے اور اب جو یہ خبر منتشر ہوئی کہ تمام مقدمات متدائرہ صاحب کلکٹر نے اٹھوا منگوائے' لوگوں نے اس خیال سے کہ مبادا صاحب کلکٹر دیکھ پائیں یا ان تک خبر پہنچ جائے- اس کی کچہری کا آنا جانا تک بالکل ترک کر دیا- ابن الوقت کے جی میں آیا بھی کہ چلوں صاحب کلکٹر سے زبانی کہوں یا چٹھی لکھوں' پھر سوچا اور ٹھیک سوچا کہ ابھی تک مجھ کو شکایت کرنے کی کوئی وجہ نہیں' مقدمات منگوا لیے' دردسر کم تر بہ! کچھ میری تنخواہ تو نہیں گھٹا دی' جاگیر تو نہیں ضبط کر لی- رہا لوگوں کا خیال سو انہوں نے تبدیل وضع پر مجھ کو کیا کچھ نہیں کہا اور اب تک کیا کچھ نہیں کہتے- میرا ذاتی تعزز جو ہے سو ہے-

Marfat.com

فصل نوزدھم

# صاحب کلکٹر اور ابن الوقت کا بگاڑ

ہندی کی ایک مثل ہے ''دکھتے چوٹ کنوئڈے بھینٹ'' - رپورٹ خوانی میں سر رشتہ دار ابن الوقت کی طرف سے صاحب کلکٹر کے کان بھر ہی چکا تھا سوء اتفاق سے آج ہی شام کو نا گہانی گویا اسی مثل کے سچ کرنے کو' ابن الوقت کی صاحب کلکٹر سے مٹھ بھیڑ بھی ہوگئی - ابن الوقت کی عادت دونوں وقت ہوا خوری کی تو تھی ہی' کوئی ساڑھے پانچ بجتے بجتے کچہری سے سوار ہوا تو سیدھا میرٹھ کی سڑک کو ہولیا - آفتاب تھا پس پشت اور ٹھنڈی پوروا ہوا سامنے سے آرہی تھی - شاہ درے سے بھی کوئی کوس ڈیڑھ کوس آگے نکل گیا تھا کہ آفتاب نیچے لٹک آیا - چاندنی رات کے خیال سے دل تو ابھی لوٹنے کو نہیں چاہتا تھا مگر جمنا پر کشتیوں کا پل تھا یہ تصور ہوا ایسا نہ ہو تاریکی میں گھوڑے کا پاؤں کہیں کسی گھڑے میں جا رہے - ناچار لوٹا تو جس وقت زینہ المساجد کے برابر آیا' نمازی مغرب کی نمازیں پڑھ پڑھ کر مسجد سے نکل رہے تھے - دریا گنج کے نکڑ پر دور سے اس کو ایسا دکھائی دیا کہ بیچ سڑک میں کوئی انگریز اکیلا پن چکیوں کی طرف کو چلا جا رہا ہے - پچیس تیس قدم کا فاصلہ ہوگا کہ وہ انگریز پیچھے سے ٹاپ کی آواز سن کر کنارے ہوگیا - ابن الوقت برابر سے نکلا تو پہچانا کہ صاحب کلکٹر ہیں - باگ روک کر اس نے خود کہا: ''آہا مسٹر شارپ! گڈ ایوننگ ٹو یو - مجھے خیال نہیں تھا کہ اس وقت آپ اس سڑک پر ملیں گے - اگر آپ منظور کریں تو میرا گھوڑا حاضر ہے۔

صاحب کلکٹر: میں پیادہ پا چلنا زیادہ پسند کرتا ہوں -

ابن الوقت: آپ میری اس گستاخی کو معاف فرمادیں کہ آپ پیادہ پا ہیں اور میں سوار ہوں - یہ جانور اس قدر تیز ہے کہ اگر میں اتر لوں تو یہ ضرور قابو سے باہر ہو جائے گا - آپ نے شاید اس کا نام سنا ہو - ایرو یہی ہے جس نے میرٹھ کی گھڑ دوڑ میں بڑا نام

Marfat.com

پایا تھا- میں نے اس کو سوگنی دے کر مول لیا ہے-

صاحب کلکٹر: میں جانتا ہوں- ایسا قیمتی گھوڑا اسٹیشن میں شاید کسی کے پاس نہ ہوگا-

ابن الوقت: میں بھی ایسا ہی خیال کرتا ہوں- میں دریا پار کچھ دور تک چلا گیا تھا- شام کی ہواخواری کے لئے اس سمت کو زیادہ پسند کرتا ہوں- قرب دریا کی وجہ سے خوب خنکی ہوتی ہے اور سبزہ بھی اس طرف بہ کثرت ہے- میں یقین کرتا ہوں کہ آپ نے بھی دریا کے پار دور دور سیر کی ہوگی-

صاحب کلکٹر: چلنے پھرنے کے لئے مجھ کو جس قدر وقت ملتا ہے اور بہت تھوڑا ہے' میں اس کو اپنے ہی ضلع میں صرف کرنا چاہتا ہوں- اس سے میری آگہی اپنے علاقے سے بڑھتی ہے-

ابن الوقت: اگر بے موقع نہ ہو تو میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ اب میرے پاس کچھ کام نہیں ہے-

ابن الوقت جواب کا منتظر رہا مگر صاحب کلکٹر نے کچھ جواب نہ دیا اور پھر اس نے کہا کہ تمام مقدمات متدائرہ قریب تکمیل ہیں- میں سب کی کارروائی کر چکا ہوں اگر.....

صاحب کلکٹر: آپ کیوں سوکھے پتوں اور کانٹوں کو یاد کرتے ہیں' جب کہ باغ کی ساری ہی بہار آپ ہی کے حصے میں تھی-

ابن الوقت نے اپنی طرف سے بہتیری کوشش کی مگر صاحب کلکٹر کسی طرح نہ کھلے- تاہم دل کی کدورت بلکہ بدگمانی بھی ان کی باتوں سے مترشح تھی- ابن الوقت تو اس مزاج کا آدمی نہ تھا کہ بات کو لٹکا رکھے مگر موقع ہی بونگا آپڑا تھا کہ صاحب کلکٹر پیدل اور یہ سوار- اتر نہیں سکتا' معذوری ہے- برابر نہیں چل سکتا بے ادبی ہے- آگے نہیں بڑھ سکتا بے تمیزی ہے- پیچھے نہیں ہو سکتا بے عزتی ہے- ''نہ پائے رفتن نہ روئے ماندن''- آخر وہ یہ کہہ کر الگ ہو گیا، کہ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں' قلعے میں ایک دوست اس وقت میرے منتظر ہوں گے-

رات میں اور پھر صبح سے کچہری کے وقت تک ابن الوقت کو کئی دفعہ صاحب کلکٹر کی

Marfat.com

باتوں کا خیال آیا- آخر یہی رائے قرار پائی کہ جب تک صاحب کلکٹر کی طرف سے ضابطے کی چھیڑ چھاڑ نہ ہو' ان کی بدگمانی یا رنجش کو منہ سے بھی کیوں نکالو- ناحق کہنے کی گنجائش ہو جائے گی کہ چور کی داڑھی میں تنکا- ادھر صاحب کلکٹر کے یہاں بھی مادہ تیار تھا- اگلے دن جوں ہی کچہری پہنچا' میز پر صاحب کلکٹر کا روبکار رکھا ہوا تھا کہ شام کے وقت این جانب دریا گنج کی سڑک پر پیادہ پا چلے آتے تھے' ڈپٹی ابن الوقت صاحب گھوڑے پر سوار پیچھے سے ایں جانب کے برابر آ کر باتیں کرنے لگے' ڈپٹی صاحب سے اس گستاخی کا جواب طلب ہو-

دفعہ۲: ڈپٹی صاحب بلا اجازت و اطلاع این جانب دریا پار ضلع میرٹھ میں گئے اور ان کے بیان سے معلوم ہوا کہ اکثر جاتے رہتے ہیں- اس فعل کے جواز کی سند ان سے پوچھی جائے-

دفعہ۳: جتنی بار ڈپٹی صاحب کا عبور پل دریائے جمن پر سے ہوا ہے حساب کر کے محصول بھیج دیں کیوں کہ ایں جانب یقین نہیں کرتے کہ ڈپٹی صاحب نے کبھی محصول دیا ہو-

آج عملوں میں بڑی کھچڑی پک رہی تھی کہ دیکھیں ڈپٹی صاحب اس روبکار پر کیا کرتے ہیں- بعض کہتے تھے کہ بس اب نہیں ٹھہرتے' استعفا تو کیا دیں گے مگر رخصت لے کر گھر بیٹھ رہیں' نوبل صاحب کے پاس ولایت چلے جائیں یا شاید دوڑ دھوپ کر کے کہیں بدلی کرا لیں- کوئی یہ سمجھتا تھا کہ بہت انگریزوں سے ملاقات ہے- کسی کو بیچ میں ڈال کر صفائی کر لیں گے- کوئی یہ رائے بھی دیتا تھا کہ بھلے سے ہوں تو اب بھول کر بھی انگریزی وضع کا نام نہ لیں- وہ کوٹ پتلون کم بخت کس کام آ رہا ہے- دین بھی گیا اور دنیا بھی برباد ہوئی- غرض جتنے منہ اتنی باتیں-

ابن الوقت کو ایک امر کی طرف سے تو اطمینان ہوا کہ صاحب مدعا کا مافی الضمیر جلد منکشف ہو گیا- اب مقدمات کے اٹھوا منگوانے کی وجہ بھی سمجھ میں آئی اور دریا گنج کی سڑک پر جو اکھڑی اکھڑی باتیں انہوں نے کی تھیں ان کی بھی بدھ مل گئی- ابن الوقت نے فوراً ایک چٹھی صاحب کلکٹر کو لکھی: ''قبل اس کے کہ میں ضابطے کے مطابق آپ کے

Marfat.com

روبکار کا جواب دوں' اور میں امید کرتا ہوں کہ آپ براہ مہربانی مجھ کو ضابطے کا جواب دینے پر مجبور نہیں کریں گے' میں بہ منت آپ سے التماس کرتا ہوں کہ مجھ کو اپنی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دیجئے تاکہ میں بالمشافہ آپ کے تمام شبہات کو رفع کردوں- آپ کو میرے معاملے میں کسی وجہ سے غلطی واقع ہوئی ہے اور اجنبیت کی حالت میں غلطی کا ہونا کچھ تعجب کی بات نہیں اور مجھ کو کامل یقین ہے کہ جب پوست کندہ حقیقت آپ پر ظاہر کی جائے گی' آپ کا دل میری طرف سے ضرور صاف ہو جائے گا-
میری بدقسمتی ہے کہ صرف انگریزی وضع کے سبب لوگ مجھ سے ناحق دشمنی رکھتے ہیں اور میرے حاسد بھی کم نہیں- پس بہت تھوڑی توقع ہے کہ لوگ بھلائی کے ساتھ میرا تذکرہ کریں- میں آپ سے رعایت کی درخواست نہیں رکھتا بلکہ انصاف چاہتا ہوں اور اگر از روئے انصاف میں آپ کی مہربانی کا مستحق نہ ثابت ہوں تو اس بے عزتی سے جو حاکم بالادست کی ناخوشی کا ضروری نتیجہ ہے' بہت بہتر ہوگا کہ میں خود کام سے علیحدگی اختیار کروں- آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ قطع نظر روحی تکلیف کے جو مجھ پر گزر رہی ہے' اس حالت سے میرا رہنا کار سرکار کے حق میں کسی طرح بھی مفید نہیں-"

صاحب کلکٹر کا مزاج ابن الوقت کی طرف سے اس قدر برہم تھا کہ انہوں نے بہ استکراہ تمام اسی کی چٹھی کے لفافے پر پنسل سے لکھ دیا کہ میں کسی نیٹو کو اپنی کوٹھی پر انگریزی وضع سے دیکھنا نہیں چاہتا- اس پر بھی ابن الوقت نے دو دن تک روبکار کو بلا جواب ڈال رکھا- تیسرے دن تقاضائے کار روبکار آدھمکا' بہ ایں شدت کہ کچہری برخاست کرنے سے پہلے جواب نہیں دیں گے تو ضابطے کی کارروائی کی جائے گی- اب چار و ناچار جواب دینا ہی پڑا-

صاحب کلکٹر کے اعتراض ان کی یا ان کے سررشتہ دار کی نظر میں کچھ وقعت رکھتے ہوں گے' ابن الوقت نے ایسے دندان شکن جواب دیے کہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے- اس نے لکھا کہ صاحب کلکٹر بہادر بہ حیثیت منصبی مستحق ادب ہیں' جس کے یہ معنے ہیں کہ احکام ماتحت ان کے احکام جائز کی تعمیل کریں اور جس ملاقات کے صاحب کلکٹر بہادر شاکی ہیں' حیثیت منصبی سے کچھ علاقہ نہیں رکھتی- مجھ کو صاحب بہادر غروب آفتاب کے

Marfat.com

بعد یکا یک دریا گنج کے نکڑ پر ملے اور میں نے جب تک برابر نہیں آ گیا' صاحب بہادر کو ہرگز نہیں پہچانا- پہچاننے کے بعد میں خلاف شیوۂ اہلیت سمجھا کہ بدون صاحب سلامت کیے چلا جاؤں اور صاحب سلامت کے بعد دفع منطنہ اجنبیت کے لیے ایک دو بات کا کرنا بھی ضرور تھا- میں اس قصور کا معترف' اس پر نادم اور اس کی معافی کا خواستگار ہوں-

دفعہ۲: میرٹھ کا ضلع شہر دہلی کی فصیل سے ملحق ہے- میں ہوا خوری کے لیے اکثر دریا پار گیا ہوں- کوئی حکم ممانعت میری نظر سے نہیں گزرا اور نہ سرکار کا اس میں کوئی مفاد ہے کہ عہدہ داروں کو نظر بند رکھے- اگر فی الواقع کسی حکم میں اس طرح کی قید ہے تو وہ ناممکن التعمیل اور بے فائدہ ہونے کی وجہ سے قابل منسوخ ہے-

دفعہ۳: شاید صاحب کلکٹر بہادر کو خیال نہیں رہا کہ فری فنڈ فوجداری سے متعلق ہے ورنہ اجلاس کلکٹری سے کارروائی نہ فرماتے- علاوہ بریں چوں کہ گھاٹ مستاجری ہے' مطالبہ محصول حق مستاجر ہے-''

قاعدہ ہے کہ غصے میں انسان کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی- اس جواب کو سن صاحب کلکٹر رپورٹ کرنے کو تیار ہوئے- بارے سررشتہ دار نے سمجھایا: ''حضور کیوں رپورٹ کریں' حضور کی اتنی نارضامندی کافی ہے- اب ڈپٹی صاحب کا حال کیا ہے کہ کچہری کا کوئی مذکوری تک تو ان کو سلام نہیں کرتا- ان کی کچہری کی طرف کوئی جا کر نہیں پھٹکتا- جس شخص نے اس زلزلے کی حکومت کی ہو اس کے حق میں یہ بے عزتی کچھ کم نہیں- صبح شام خود ڈپٹی صاحب کی طرف سے استعفی یا رخصت کی درخواست آنے والی ہے- حضور ذرا تامل فرمائیں اور اگر رپورٹ ہی کرنی منظور ہے تو ایسی زبردست رپورٹ ہو کہ وار خالی نہ جائے- ڈپٹی صاحب کی جڑ بہت مضبوط ہے- نوبل صاحب بہادر نے تعریفیں لکھ کر ان کی لیاقت اور دیانت حکام صدر کے ذہن نشین کر دی ہے- مثلیں داخل دفتر ہو رہی ہیں' فدوی عملوں کو اشارہ کر دے گا' ساتھ کے ساتھ بے ضابطگیاں چھانٹتے جائیں گے اور اس اثناء میں عجب نہیں ڈپٹی صاحب پر کچھ مقدمات بھی دائر ہو جائیں-''

Marfat.com

بارے سر رشتہ دار کے سمجھانے سے صاحب کلکٹر کا طیش فرو ہوا اور رپورٹ ملتوی رہی مگر لوگوں میں یہی مشہور تھا کہ روانہ ہوگئی۔ سر رشتہ دار موذی اپنی طرف سے مقدمات دائر کرا دینے کی بہتیری کوشش کرتا تھا لیکن سچ کہا ہے:

تو پاک باش برادر مدار از کس باک
زنند جامۂ ناپاک گازراں برسنگ

اس کچہری کا در و دیوار تک ابن الوقت کا دشمن ہو رہا تھا مگر چونکہ اس کا معاملہ صاف تھا کسی کو اس کے سامنے پڑنے کی جرائت نہ ہوتی تھی اور یہ میرا شیر بدستور اسی شان سے کچہری جاتا تھا۔ لوگ اس سے بہ خوف کلکٹر کنیاتے تھے اور یہ بہ حقارت کسی کی طرف متوجہ نہ ہوتا تھا۔ غرض صاحب کلکٹر کی نارضامندی کا اس کو افسوس تھا نہ ہراس' ملال تھا نہ خوف۔ کام تو اس سے بالکل چھین لیا گیا تھا' یہ اپنے ساتھ اخبار کا بنڈل لاتا اور فراغت سے بیٹھا پڑھتا۔ بایں ہمہ صاحب کلکٹر کی طرف سے چھیڑ چھاڑ برابر چلی جاتی تھی۔ اپنا ہی عملہ وقت کی ہوا دیکھ کر ایسا خودسر ہو گیا تھا کہ حکم کی تعمیل اور کام کو جانفشانی کے ساتھ کرنا تو درکنار' پابندی وقت تک کا لحاظ اٹھا دیا تھا۔ شاذ و نادر کوئی دن خالی جاتا ہوگا کہ صاحب کلکٹر کے یہاں سے تاکیدی روبکار نہ آتا ہو اور تاکید بھی معمولی طور کی نہیں بلکہ اس قدر سختی اور بے تہذیبی کے ساتھ کہ کوئی جابر کوتوال کسی چوکیدار کو بھی ایسے الفاظ نہیں کہتا۔ ادھر ابن الوقت اپنے عملے پر دباؤ ڈالتا تو کچھ موثر نہیں ہوتا تھا اور ہو تو کیوں کر ہو؟ دو چار بار عملوں پر جرمانہ کر کے دیکھا' سیدھے صاحب کلکٹر کے اجلاس پر گئے اور منسوخ کرا لائے۔ چونکہ ہر طرح دق کرنا منظور تھا یہاں تک نوبت پہنچی کہ اجلاس کا کمرہ تک خالی کرا لیا۔ وہ جگہ شان دار اور آسائش کی تھی' اس کے عوض میں کمرہ دیا گیا جس میں نہ دھوپ کی آڑ اور نہ بوچھاڑ کا بچاؤ اور عملہ ہے کہ سارے دن پتھر کی طرح چھاتی پر دھرا ہے۔

اسی اثناء میں گمنام عرضیاں بھی گزرنی شروع ہو گئیں جن میں سخت گیری اور بے انصافی کی صراحتاً اور رشوت ستانی کی کنایتاً شکایتیں درج تھیں۔ ان عرضیوں کا گزرنا

Marfat.com

صاحب کلکٹر کے لئے حجت ہوگیا- سارے شہر میں ڈونڈی پٹی' جگہ جگہ اشتہار آویزاں ہوئے کہ جس کو ڈپٹی ابن الوقت پر فریاد کرنی ہو بے تامل صاحب کلکٹر بہادر کی اجلاس میں حاضر ہو- ادھر عملوں نے مثلوں کی خوب روئی دھنکی- غرض ابن الوقت پر دو سوا دو مہینے ہر چہار طرف سے ایسا زور رہا کہ ہر روز اس کی موقوفی اور بدلی اور معطلی اور سپردگی فوجداری کی گرم خبر اڑتی تھی اور پھر آپ ہی آپ ٹھنڈی پڑ جاتی تھی-

جب زیادہ دن گزر گئے تو خود بخود لوگوں کے خیالات سے بدلنے لگے اور سمجھ گئے کہ بس کلکٹر سے اتنا ہی ہوسکتا تھا کہ کام نکال لیا' کمرہ چھین لیا اور دو چار اینڈے بینڈے روبکار لکھوا دیئے' مگر واہ رے ڈپٹی صاحب ذرا جو آنکھ پر میل آیا ہو- کیوں نہ ہو' مزاج میں اتنا طنطنہ رکھ لے تو حکومت کا نام لے- کوٹ پتلون کی خوب شرم رکھی- پہلے تو اکثر ایک گھوڑے کی بگھی میں بھی آیا کرتے تھے جس دن سے کلکٹر کے ساتھ مورچہ لیا' وہ دن اور آج کا دن جوڑی کے معمول کو ناغہ نہیں ہونے دیا- انگریزوں کے سارے کام تڑپڑ کے ہوتے ہیں' کلکٹر نے رپورٹ تو ضرور کی ہوگی' مگر اب تک جو اس کا کچھ ظہور نہیں ہوا معلوم ہوتا ہے کہ صدر والوں نے مطلق لحاظ نہیں کیا- ہاں نوبل صاحب کا بھی بڑا زبردست کھونٹا ہے اور چاہے مفصلات کے حاکم قدر نہ کریں مگر غدر کی خیر خواہیاں سرکار کے دفتر میں چڑھ چکی ہیں' ان کو کون میٹ سکتا ہے- صاحب کلکٹر بہت بے جا الجھے- یہ بھی انہوں نے لالہ بھائی ڈپٹی کلکٹر سمجھے ہوں گے کہ ذرا گھورا اور مارے ڈر کے لگے گڑگڑانے بلکہ الٹا صاحب کلکٹر سے جواب طلب ہو تو تعجب نہیں اور ہوا ہو تو کس کو خبر ہے؟

Marfat.com

فصل بستم

# ابن الوقت کی مالی مشکلات

شروع سے سارا وبال ابن الوقت کے مال پر تھا- کلکٹر صاحب کے بگاڑ میں بھی وہ کئی ہزار کے پھیر میں آ گیا- ان کی نارضامندی کی ہوا کا پھوٹنا تھا کہ اگلے دن بلکہ شاید اسی دن خزانچی نے کہلا بھیجا کہ ایسا نہ ہو کہیں صاحب کلکٹر کے کان تک جا پہنچے- ڈپٹی صاحب تو ٹھہرے برابر کی ٹکر کے حاکم' میری شامت آ جائے گی' جواب چکا دیں تو بڑی مہربانی کریں- اگر صرف خزانچی کا دینا ہوتا تو کوئی تردد کی بات نہ تھی- ابن الوقت نے معمولی یہ رکھا تھا کہ عین تقسیم تنخواہ کے وقت کچھ زیادہ درکار ہوا تو خزانچی سے منگوا لیا- بس ابن الوقت خیال کرتا تھا کہ خزانچی کے بہت اڑ کر نکلیں گے تو مسا کر کے ہزار بارہ سو' اس سے زیادہ نہیں مگر خزانچی کے تقاضے کے ساتھ اس کے دل میں یہ خدشہ پیدا ہوا کہ اگر گڑ والے اپنا لینا مانگ بیٹھے تو بڑی مشکل ہوگی- ان کا حساب کتاب کچھ نہ ہوگا تو بھی دس کے پیٹے میں دو چار سو ادھر یا ادھر- اتنے کی سبیل سر دست کہاں سے کی جائے گی؟ نوکری کا تو اب اتنا بھروسہ نہیں کہ دیکھیے مہینہ بھی پورا ہو یا نہ ہو اور مانا کہ رہی بھی تو ایسی متزلزل حالت میں تنخواہ پر مجھے کون قرض پکڑائے دیتا ہے- اب رہا ساز و سامان' اس میں شک نہیں کہ عمدہ ہے' نفیس ہے' قیمتی ہے' مگر خریدنے میں اور بیچنے میں بڑا بل پڑ جاتا ہے اور پھر بیچنا بھی میرا بیچنا' خوش خرید کا تو کیا مذکور ہے نیلام کرنا چاہوں تو کلکٹر کے ڈر کے مارے کوئی پاس آ کر کھڑا نہ ہو- زمینداری کی گنجائش میں کچھ کلام نہیں' جنگل' باغات' درختان متفرق' سائر سوائے بہت سے رقمیں ہیں- میں سمجھتا ہوں کہ دس ہزار تو جنگل اور سر درختی سے جھاڑ لوں گا- مگر- ہا! انعام خیر خواہی' عطائے سرکار جس کی سند گورنمنٹ کی مہر سے مجھ کو ملی ہے' اس کے تو ایک تنکے کا ضائع کرنا بھی

Marfat.com

بے جا اور بدنما اور نامناسب اور موجب بدنامی ہوگا- سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ بن پڑے تو شہر کے مکانات کو الگ کرو کیوں کہ یہ مکانات اگرچہ فی نفسہ بہت اچھے ہیں شاہ جہانی وقتوں کے بنے ہوئے' لداؤ کی چھتیں' چوڑے چوڑے آنتار' اونچی کرسی' وسیع شان دار' مستحکم' پائدار کوئی غرض مند لینے والا ہو تو ایک خاص بازار والی بارہ دری سے گڑ والوں کا سارا قرضہ اتر جائے' جب یہ مکان بنا ہوگا تو دس ہزار کا تو چونا اور پانی لگ گیا ہوگا' تہ خانوں کے روشن دانوں کی جالیاں ٹوٹ گئی تھیں اور تیس تیس روپے فی جالی لاگت آئی مگر مشکل یہ ہے کہ وہ مکان ہے مسلمان کے ڈھب کا اور مسلمانوں میں کوئی ایسا صاحب مقدور نظر نہیں آتا- بھائی حجتہ الاسلام عن قریب پنشن لے کر خانہ نشین ہونے والے ہیں اور حج کے جانے سے پہلے ذکر آیا تھا تو کہتے بھی تھے کہ موروثی مکان میں میرا گذر ہونا دشوار ہے' کوئی موقع کا مکان معرض بیع میں ہو تو خیال رکھنا- وہ اس کو لے لیں تو سب بہتر بات ہے مگر ان کے پلے بھی دس ہزار کہاں سے آیا اور ہو بھی تو دس ہزار ایک مکان پر لگا دینا ایسا کیا آسان ہے اور پھر ان کے ساتھ بات چیت کروں تو خدا جانے کتنے دن میں جا کر بات طے ہو' قیمت یک مشت دیں یا قسطیں ٹھہرائیں-

آخر سوچ سمجھ کر ابن الوقت نے مولوی حجتہ الاسلام کو لکھا مگر اس طور پر کہ مجھ کو شاید فوراً روپیہ درکار ہوا تو میں انتظار نہیں کر سکوں گا- ادھر اس نے کہا' آؤ گڑ والوں کو ٹٹولو تو سہی- ایک آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ڈپٹی صاحب نے اپنے حساب کی فرد مانگی ہے- آدمی کو پیغام پہنچانا تھا کہ گڑ والے تاڑ گئے- آدمی سے اتنا ہی کہا' بہت خوب کل ہمارا مختار فرد لے کر حاضر ہوگا- اگلے دن خود لالہ تکوڑی مل جا موجود ہوئے اور صاحب سلامت کے بعد پہلی بات انہوں نے یہی کی: ''کیوں جناب! ہم سے ایسا کون سا قصور سرزد ہوا کہ آپ نے فرد منگوا بھیجی؟ ہم کو آپ سے ایسی توقع نہیں تھی- آپ نے ہم کو غیر بھی نہیں بلکہ دشمن سمجھا- دنیا میں اونچ نیچ سبھی کے ساتھ لگی ہے' ایسا لوبھ رکھیں تو ہماری بات دو کوڑی کی ہو جائے- ڈپٹی صاحب! لوبھ سے دولت نہیں جمع ہوتی- ہم کو جو کچھ بھگوان نے دے رکھا ہے' بزرگوں کی نیت کا پھل ہے- فرد کے عوض فارغ خطی حاضر

Marfat.com

ہے' جب بھگوان آپ کو اطمینان دے گا آپ آہستہ آہستہ ادا کر دینا لیکن اس وقت تو ہم آپ سے نہیں لے سکتے - بیاج بٹے کی آپ ذرا چنتا نہ کریں - ہم نے آپ کی بدولت قلعے سے بہت کچھ کمایا - ہم سے آنکھوں پر ٹھیکری نہیں دھری جاتی -''

**ابن الوقت:** خزانچی.....

**تکوڑی مل:** مجھ کو معلوم ہے کہ آپ کو خزانچی کا بھی کچھ دینا ہے اور مجھ کو بھی یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنا لینا طلب کیا ہے یا طلب کرنے والے ہیں' سو آپ کو تو بھگوان نے حاکم کیا ہے' اپنا اپنا کرنا اپنا بھرنا - اول تو وہ ٹھہرے نوکر دوسرے ان کا جتنا بنج ہے سب سرکاری روپے سے - ان سے اتنی سہار نہیں ہو سکی - آپ حکم دیں تو خزانچی کا حساب بھی چکتا کر دیا جائے -

**ابن الوقت:** نہیں' ان کا حساب کچھ ایسا بہت نہیں ہے' ان کی سبیل یہیں سے کر دی جائے گی اور آپ سے فرد کے منگوانے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ سرکاری ملازم کو اپنے علاقے میں قرض لینے کی ممانعت ہے - شروع شروع میں تو مجھ کو اس ممانعت کا علم نہ تھا' علم ہوا تو میں نے کچھ پروانہ کی -

**تکوڑی مل:** آپ نے بھی بھلا اس کا خیال کیا! ممانعت اگر ہے بھی تو کوئی اس پر عمل تو کرتا کراتا نہیں - صاحب کلکٹر اور جو چاہیں سو کریں' اس بارے میں کان ہلائیں تو میں کہتا نہیں' ملکی انگریز تو ایسا کوئی برلا ہی نکلے گا کہ دلی میں اس کو کام ملا ہو اور اس کا نام آپ کی کوٹھی کے بہی کھاتے میں نہ ہو' اور نوکری تو آپ نے غدر کے پیچھے کی ہے' ہمارا آپ کا لین دین بزرگوں کے وقت سے چلا آتا ہے - پھر آپ کی نوکری دوسروں کے سری کی نہیں ہے - آپ ہی فرمائیں' آپ کے سوائے کوئی اور اپنے وطن میں حاکم ہے - آپ کے ساتھ سرکار کی خاص رعایت ہے - صاحب کلکٹر اگر اس کی چھیڑ نکالیں گے بھی تو کچھ ہوتا ہوتا نہیں - اس بات کا تو میں بیمہ لیتا ہوں -

Marfat.com

فصل بست و یکم

# ابن الوقت کی پھوپھی زاد بہن کے شوہر حجتہ الاسلام کی آمد آمد

۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے حجتہ الاسلام حج کو گئے ہوئے تھے- غدر کی اڑتی سی خبریں انہون نے عرب میں سنیں- دلی کو فتح ہوئے ایسے کوئی بیس بائیس دن ہوئے ہوں گے کہ یہ بمبئی واپس پہنچے- یہاں غدر کے تفصیلی حالات معلوم ہوئے- رخصت میں اتنی گنجائش تھی کہ چاہتے تو دلی ہوکر بلکہ فراغت سے مہینے سوا مہینے رہ کر اپنے کام پر جاتے مگر معلوم ہوا کہ ابھی جا بہ جا شورش ہے اور خاص کر دلی کے مسلمانوں پر ایک طرح کا تشدد ہو رہا ہے- یہ صلاح ٹھہری کہ سمندر سمندر مدراس ہوتے ہوئے کلکتے جائیں اور وہاں سے اپنے ضلع میں جا داخل ہوں-

غرض ابن الوقت کے حالات میں جو تبدل واقع ہوا' حجتہ الاسلام کی غیبت میں ہوا- دونوں میں رسم مراسلت بھی بس ایسی ہی تھی کہ کبھی اوپر تلے کئی کئی خط آتے جاتے اور کبھی مہینوں ندارد- یوں تو ابن الوقت نے بڑے تپاک کے ساتھ حج سے مع الخیر واپس آنے کی مبارک باد کا خط لکھا' ادھر سے انعام خیر خواہی اور نوکری کی لمبی چوڑی تہنیت آئی مگر تبدیل وضع کے بارے میں ابن الوقت کی طرف سے تو کیا ابتدا ہوتی' حجتہ الاسلام نے بھی ایسی خاموشی اختیار کی کہ گویا خبر ہی نہیں- ابن الوقت کی پھوپھی نے کئی بار داماد کو لکھوا لکھوا بھیجا کہ لوگوں کے طعنوں مینوں نے زندگی دشوار کر دی ہے' اب محلے میں رہنے کا ذرا بھر رک نہیں- تم جس طرح ہو سکے تھوڑے ہی دن کے لیے آؤ اور ہم لوگوں کا کہیں ٹھکانا کرو- مگر حجتہ الاسلام لطائف الحیل سے ٹالتا رہا-

اپنوں میں اور غیروں میں اتنا ہی تو فرق ہوتا ہے کہ ابن الوقت کی تبدیل وضع سے

Marfat.com

جس کو لوگ اپنے پندار میں تبدیل مذہب سمجھتے تھے' خویش و بیگانے سبھی ناراض تھے لیکن اب جو مشہور ہوا کہ صاحب کلکٹر پیچھے پڑے ہیں تو غیر اکثر لگے شماتت کرنے اور اپنوں نے سنا تو سب کے سب گھبرا کر ابن الوقت کی پھوپھی کے پاس دوڑے آئے کیوں کہ گھر میں سب سے بڑی بوڑھی وہی تھیں۔ رشتے ناتے کے علاوہ ابن الوقت کی خیر خواہی سے تھوڑے بہت فائدے بھی ان سب کو پہنچے تھے۔ غدر کے بعد کا وقت مسلمانوں پر ایسی سختی کا گزر گیا کہ کر تو ڈر اور نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر۔ ہزار ہا نا کردہ گناہ بغاوت کی لپیٹ میں آ گئے' الا ابن الوقت کے رشتہ دار کہ اگر کسی نے جھوٹوں بھی ابن الوقت کا نام لے دیا تو کم سے کم اتنا تو ہوتا تھا کہ کوئی مخبر اس کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ابن الوقت ذات سے روکھا تھا' کھرا تھا' پھر بھی لوگوں کو اس سے بڑی تقویت تھی۔ وہ کسی کا مقولہ بہت درست ہے ''عند المصائب تذهل الاحقاد۔'' اب کسی کو اس کا مطلق خیال نہ تھا کہ ابن الوقت نے ترک اسلام کیا ہے یا وہ انگریزوں کے ساتھ کھاتا پیتا ہے یا قوم اور برادری اور گھر کو چھوڑ کر انگریزوں میں جا ملا ہے یا اس نے بزرگوں کے نام کو بٹا لگایا ہے یا اس نے خاندان کی آبرو کو ملیا میٹ کر دیا ہے۔ سارے رنج و شکوے بھول بسر کر سب کو اسی کی پڑی تھی کہ کسی طرح ابن الوقت کو اس بلا سے نجات ہو۔ اس کی پھوپھی تو اس طرح بین کر کر کے روتی تھیں جیسے کوئی مردے کو روتا ہے مگر ملا کی دوڑ مسجد' سب نے مل کر منتوں اور نیازوں اور چلوں اور عملوں اور دعاؤں کی بھرمار کر دی اور ختم خواجگاں اور ''لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین'' اور ''امن یجیب المضطر انا دعاء و یکشف السوء'' اور ''فلم تقتلوهم ولکن الله قتلهم و حارمیت اذ رمیت ولکن الله رمی'' اور ''اللهم انا نجملک فی نحورهم و نعوذ بک من شرورهم'' حزب البحر اور دلائل الخیرات اور یاسین اور صلوۃ الحاجتہ اور اعمال حصر اللسان کے حربے صاحب کلکٹر پر چلنے شروع ہوئے۔

دنیاوی تدبیروں میں سے تو اور کوئی تدبیر بن نہ پڑی مگر اس دفعہ ابن الوقت کی

Marfat.com

پھوپھی نے داماد کو نہیں بلکہ بیٹی کو لکھوا دیا کہ دو مہینے پورے ہو کے یہ تیسرا لگا کہ دلی کا سب سے بڑا انگریز ناحق' تار وار تمہارے بھائی ابن الوقت کے پیچھے پڑا ہے۔ تم کو معلوم ہے کہ کنبہ میں کوئی اس جوگا نہیں کہ اس مصیبت میں ان کا ساتھ دے۔ میں تمہارے میاں کو لکھتے لکھتے تھک گئی' آنے کی حامی نہیں بھرتے۔ خدا کے لئے تم ان کو سمجھا کر ساتھ لاؤ۔ کھانا وہاں کھاؤ تو پانی یہاں آ کر پیو' وقت نکل جائے گا اور بات رہ جائے گی۔ بھلا اگر رشتے ناطے کا پاس نہ کرو تو اتنا ہی سمجھو' اگر خدانخواستہ اس کی دشمنوں پر ایسی ویسی بن گئی تو ہم کو دلی میں کون چین سے بیٹھنے دے گا؟ ہم کو تو اسی کے دم کا سہارا ہے۔ خدا اس کو جیتا رکھے اور نیک ہدایات دے اور الٰہی سدا کو اس کا بول بالا رہے! سارے کنبے کے لوگ عذر خواہی کو آئے اور تمہارے اور تمہارے میاں کے نہ آنے پر سبھی نے تو اچنبھا کیا۔ میں نے ہر ایک سے یہ کہہ کہہ دیا کہ نوکری کا معاملہ ہے' صبح شام آنے ہی والے ہیں۔ غرض جس طرح بن پڑے اپنے سو کام حرج کر و اور بہت جلد آؤ۔ تھوڑے لکھے پر بہت سا عمل کرو۔

خط پر خط تو پہلے ہی سے چلے جا رہے تھے' اب تو ایک ادھر سے یہ تقاضا پہنچا اور ادھر ابن الوقت نے بارہ دری بیچنے کی فوری ضرورت ظاہر کی۔ حجتہ الاسلام نے سمجھایا کہ ابن الوقت کے سنبھالے کچھ سنبھلتی ہوئی نظر نہیں آتی' اب دیر کرنی کچھ ٹھیک سی بات نہیں۔ ابن الوقت کو لکھا کہ اپنی کوٹھی میں میرے ٹھہرنے کا ٹھکانہ کرو اور مجھ کو پہنچا ہوا سمجھو۔

بس اسی اثناء میں جان نثار بھی نوبل صاحب کو بمبئی پہنچا کر آ گیا بلکہ وہ صاحب سے پوچھ کر دس دن اپنے گھر میں بھی رہ آیا۔ اس نے یہاں آ کر سنا کہ اتنے ہی دن میں کیا سے کیا ہو گیا۔ چھوٹتے ہی ابن الوقت سے جا شکایت کی: ''آپ نے کیا غضب کیا! اگر صاحب کو ذرا بھی معلوم ہو تو جہاز پر سوار ہونے کا نام نہ لیں''۔

**ابن الوقت:** یہ کیا مناسبت تھی کہ میں اس طرح کی علالت میں اور اس پر سفر کی پریشانی' صاحب کو تکلیف دیتا اور ہر چند سر تا سر کلکٹر کی زیادتی ہے مگر جو لوگ حقیقت حال سے واقف نہیں' مجھی کو قصوروار ٹھہرائیں گے۔ اس ڈر کے مارے کسی سے اس کا

Marfat.com

مذکور بھی نہیں کرتا۔

جان نثار: جناب وہ تو کچھ صاحب کا دانہ پانی ہی زور کر رہا تھا' بمبئی پہنچتے پہنچتے صاحب اچھے خاصے تندرست تھے۔ پھر بنگلے کے چھوٹنے اور صاحب کے کلکٹر کے ساتھ بگاڑ بڑھنے اور نام بنام صاحب لوگوں کے کھینچنے کی مفصل کیفیت سن کر کہنے لگا کہ جناب میں تو شروع سے لوگوں کے تیور بدلے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ خدا جانے صاحب کی ایسی کیا مروت تھی' اور نری مروت بھی نہیں بلکہ دباؤ کہ کسی نے کان تک نہیں ہلایا۔ میری بھی ساری عمر انگریزوں ہی میں گزری ہے' ایک ہمارے صاحب تو اپنی ذات سے فرشتہ آدمی ہیں' ایسا بشر بھی ہونا مشکل ہے اور دلی کا اتنا بڑا کمپو ہے' پس دو چار ہی اس طرح کے نیک مزاج لوگ اور ہوں گے' زیادہ نہیں ورنہ جناب بھلا کہیں یہ لوگ ہندوستانی کو پتیاتے ہیں۔ میں نے خود صاحب کے منہ سے سنا ہے کہ اب اشراف انگریز ولایت سے بہت کم اترتے ہیں کوئی ذات کا بھٹیارا ہوتا ہے' کوئی موچی' کوئی درزی' کوئی بوچڑ' کوئی نائی' تو وہ ذاتی اصلات کہاں جائے۔ بڑا رنج کا مقام ہے کہ آپ نے ہزارہا روپیہ ہمارے ہی ہاتھوں ان لوگوں کو چٹا دیا اور وقت پر یہ لوگ طوطے کی طرح آنکھیں پھیر بیٹھے' ''گدھے کا کھایا پاپ نہ پن'' ۔ صاحب کلکٹر کو تو ساری خلقت پکارے کہتی ہے کہ کانوں کے کچے ہیں۔ وہ آپ کو بری نظروں سے تو پہلے ہی دیکھتے تھے' ایسا ہوا ہے کہ ہمارے ہی بھائی بندوں میں سے کسی نے موقع پا کر کچھ پھونک دیا ہے اور اب میں آیا ہوں تو اس کی ٹوہ لگاتا ہوں مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ نے اس توڑ کی کیا تدبیر کی۔

ابن الوقت: میں نے تو کچھ بھی تدبیر نہیں کی اور کر بھی کیا سکتا تھا۔ شروع شروع میں صاحب کلکٹر سے ملنا چاہا' انھوں نے انکار کیا' چپ ہو رہا۔

جان نثار: آپ نے کسی کو بیچ میں ڈالا ہوتا۔

ابن الوقت: (ذرا تیز ہو کر) کیا تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں کسی کی خوشامد کروں کہ صاحب کلکٹر سے میری خطا معاف کروا دو۔ یہ تو مجھ سے ہوتی نہیں۔ زیادتی صاحب کلکٹر کی ہے اور ان کو معذرت کرنی چاہئے' نہ الٹی مجھ کو۔

جان نثار: پھر تو اس سے بہتر تھا کہ آپ رخصت لے کر بیٹھے رہے ہوتے۔

Marfat.com

ابن الوقت: تم کیسی نادانوں کی سی باتیں کرتے ہو- ایسے وقت اگر رخصت کی درخواست کرتا تو لوگ یہ سمجھتے کہ ضرور دال میں کچھ کالا تھا- دشمنوں کو موقع ملتا' صاحب کلکٹر کو حجت ہاتھ آتی اور یقیناً بھانجی مارتے اور رخصت کو منظور نہ ہونے دیتے- خیر اب یہ بتاؤ کہ بھائی حجتہ الاسلام تشریف لا رہے ہیں اور ہمارے ہی پاس ٹھہریں گے' ان کے لئے کیا انتظام کیا جائے؟ بنگلے میں بالکل گنجائش نہیں-

جان نثار: یہ تو آپ نے بڑی خوشخبری سنائی- اب خدا نے چاہا سب کام سدھ ہو جائیں گے' اور گنجائش کی نسبت جو آپ نے فرمایا ہے تو وہ مولوی آدمی ہیں' ان کو ایک کمرہ بھی ہو تو بس ہے- ایک کمرے کا خالی کر دینا ایسا کیا مشکل ہے- میں اسباب کو ٹھکانے لگا دوں گا-

ابن الوقت: میں نہیں سمجھتا کہ میں ایک کمرہ بھی ان کو دے سکوں گا- اس وقت اس بنگلے میں آٹھ کمرے ہیں' مگر اصل میں چھ تھے- دو کمروں میں پارٹیشن وال (پردے کی دیوار) کھڑی کر کے دو کمرے اور پیدا کئے گئے- ڈریسنگ روم (کپڑے پہننے کا کمرہ) بالکل نہ تھا' باتھ روم (غسل خانے) میں سے نکالنا پڑا مگر ایک کمرے کے جو دو کئے گئے دونوں تنگ- نہیں معلوم اس بنگلے کا ایسا ڈیزائن (منصوبے کا نقشہ) کیا گیا تھا کہ ایک متنفس کی بھی تو اس میں بافراغت گزر نہیں ہو سکتی- لکھنے پڑھنے کے لئے کوئی جگہ ہی سمجھ میں نہیں آتی' ناچار تر والے لمبے کمرے کو لائبریری (کتاب خانہ) بنا کر اس کے ایک حصے کو ریڈنگ روم کر لیا- غرض اب تک ایک باتھ روم ہے' اس کی بغل میں ایک ڈریسنگ روم' اس کے پہلو میں ایک بیڈ روم' سر پر ریڈنگ روم' اس کے برابر لائبریری' لائبریری سے ملا ہوا بلیرڈ روم' دکھن کے سرے والے کمرے میں پیانو اگرچہ بے موقع ہے مگر کیا کیا جائے! اس پر بھی سموکنگ کا کہیں ٹھکانہ نہیں- اسباب ہے کہ برآمدے میں اور کچھ شاگرد پیشے کے مکانات میں بھرا پڑا ہے- سجانے کا تو کیا مذکور ہے' رکھنے تک کی جگہ نہیں- ہندوستانیوں میں کیا برا دستور ہے' نہ مجھ سے پوچھا' نہ گچھا' ایک دم سے پتھر سے کھینچ مارا کہ ہم تمہارے پاس ٹھہریں گے- جس وقت سے خط آیا ہے میں حیران ہوں'

جان نثار: آپ کیوں اتنا تردد فرماتے ہیں- ان کو آنے دیجئے اور انھی کی رائے پر رکھئے- یوں تو صاحب کا بنگلہ خالی ہے مگر یہاں سے ذرا دور ہے-

Marfat.com

فصل بست و دوم

# حجتہ الاسلام آئے اور ابن الوقت کی کوٹھی میں انھوں نے اپنا گزر نہ دیکھا

مہینہ اور تاریخ تو یاد نہیں' پر اتنی بات کا خیال بے شک ہے کہ پانی کے برسنے میں دیر ہوئی' مسلمانوں نے صلاح کی کہ جمعہ کے دن عیدگاہ میں پہلے نماز استسقاء پڑھیں اور وہیں جمعے کی نماز ہو۔ جمعرات کو عیدگاہ میں صفائی ہوئی' شامیانے تنے' جانمازیں بچھیں۔ یکا یک رات کو اچھا زور کا پانی برسا' وہ سارا منصوبہ ملتوی رہا اور بدستور جمعے کی نماز جامع مسجد میں ہوئی۔ نماز کے بعد لوگ حجتہ الاسلام سے ملے اور پوچھا آپ کب تشریف لائے۔

حجتہ الاسلام: ''کل بین العصر و المغرب''۔ یہ سن کر سب نے کہا: ''آہا! یہ آپ ہی کے قدموں کی برکت ہے کہ خدا نے اپنے بندوں پر رحم فرمایا''۔

ڈاک گاڑی ابن الوقت کے احاطے میں داخل ہوئی تو یہ ہوا خواری کو سوار ہو گئے تھے مگر نوکروں کو معلوم تھا' گاڑی آتی ہوئی دیکھ سب نے نکل کر سلام کیا۔ داروغہ نے قریب جا کر اطلاع دی کہ سرکار سوار ہو گئے ہیں' کئی دن سے دریا کی طرف تشریف لے جاتے تھے' آج کسی اور طرف کو نکل گئے ہوں گے۔ حجتہ الاسلام نے پہلے اتر کر بالتفصیل اندر باہر' کوٹھی کو دیکھا۔ خدمت گار وضو کا آفتابہ لئے ساتھ ساتھ تھا۔ آخر حجتہ الاسلام نے خدمت گار سے کہا: ''بھائی یہاں تو کہیں وضو کا ٹھکانہ نظر نہیں آتا' برآمدے میں لوٹا رکھ دو' اور داروغہ سے پوچھا'' یہاں آس پاس کہیں مسجد بھی ہے''؟

داروغہ: (چاروں طرف دیکھ کر) کہیں نظر تو نہیں آتی۔

حجتہ الاسلام: تم کتنے مسلمان ڈپٹی صاحب کے ساتھ ہو؟

داروغہ: (آہستہ آہستہ انگلیوں پر گن کر) درزی ایک' سقا دو' چوکیدار تین' باورچی

Marfat.com

کے ہاتھ تلی کے دومیٹ' کے ہوئے پانچ' دو سائیس' دو چپراسی نو' ایک میں دس' (پکار کر) دس۔

حجۃ الاسلام: ماشاءاللہ' پھر تم اور تمہارے سرکار نمازیں کہاں پڑھتے ہو؟

داروغہ نے شرما کر گردن نیچے کر لی۔ وضو کے بعد حجۃ الاسلام نے اپنے خدمت گار سے پوچھا کہ تم کو وضو ہے؟

خدمت گار: جی ہاں' مجھ کو تو وضو ہے۔

حجۃ الاسلام: اچھا تو نیک مرد (دوسرے خدمت گار کا نام ہے) کو بھی اسی طرف کو بلا لو اور کہہ دینا دونوں جانمازیں گاڑی میں سے لیتے آئیں۔ یہاں نماز وغیرہ کا کچھ اہتمام معلوم نہیں ہوتا۔ تمام کمروں میں جدھر دیکھو تصویریں ہی تصویریں دکھائی دیتی ہیں۔ بس یہی برآمدہ ٹھیک ہے۔

یہ کہہ کر حجۃ الاسلام نے خود اذان کہی۔ اذان کی آواز سے کسی کے کان آشنا نہ تھے۔ اصطبل میں گھوڑوں نے کنوتیں کھڑی کیں اور کتے لگے رونے اور بھونکنے۔ بارے حجۃ الاسلام نے اپنے دونوں نوکروں کے ساتھ جماعت کی نماز تو پڑھی مگر بہ استکراہ۔ نماز کے بعد داروغہ سے پوچھا "تمہارے سرکار کس وقت واپس آیا کرتے ہیں؟

داروغہ: ان دنوں تو اکثر دن چھپے سے ذرا پہلے چلے آتے ہیں۔

حجۃ الاسلام: پھر کیا کرتے ہیں؟ ان کے سارے معمول بیان کرو۔

داروغہ: پہلے تو کوئی نہ کوئی صاحب لوگ ضرور ان کے ساتھ آتا تھا اور کوٹھی پر ایک دو صاحب آ موجود ہوتے تھے۔ آج کل لوگوں کا آنا جانا بہت کم ہو گیا ہے اور سرکار بھی کہیں نہیں جاتے۔ دس بجے کھانا کھاتے ہیں' اس وقت تک اخبار یا کتاب پڑھتے رہتے ہیں۔ کھانے کے بعد آدھ گھنٹے تک انٹا کھیلتے ہیں' پھر چائے پی کے سونے کے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ صبح کے آٹھ بجے بیدار ہوتے ہیں' غسل کیا' کپڑے بدلے' کھانا کھایا' کچہری چلے گئے۔

حجۃ الاسلام: اوہو! صبح کے آٹھ بجے اٹھتے ہیں۔

داروغہ: پھر جناب رات کے بارہ بجے سے ادھر تو سوتے بھی نہیں ہوں گے۔ ان

Marfat.com

دنوں کا ٹھیک حال معلوم نہیں' صاحب لوگوں کی آمد و رفت کثرت سے تھی' رات کے دو دو بجے تک جمگھٹا رہتا تھا۔

حجتہ الاسلام: کھانا کس قسم کا پکتا ہے اور کون پکاتا ہے؟

داروغہ: انگریزی کھانا ہوتا ہے اور مدار اس کی طرف کا کشٹیا نامی ایک باورچی ہے' وہی پکاتا ہے۔''

حجتہ الاسلام: کون ذات ہے؟

داروغہ: ہندو مسلمان انگریز سب کا جھوٹا کھا لیتا ہے۔ اس سے پوچھو تو اپنے تئیں یراوڑ و بتاتا ہے۔ نہیں معلوم یراوڑ کون ہوتے ہیں مگر اس کے کھانے کی تعریف ہے۔ صاحب کمشنر کے یہاں جب کوئی بڑا کھانا ہوتا ہے' اسی کو بلوا بھیجتے ہیں۔

غرض اچھے سوا ڈیڑھ گھنٹا حجتہ الاسلام نے داروغہ سے باتیں کیں۔ اسی اثناء میں اس کے خدمت گار نے گاڑی سے اسباب اتارنے کا پوچھا بھی مگر اس نے کہا ابھی ٹھہرو۔ تھوڑی دیر بعد کہوں گا''۔ اب نماز مغرب کا وقت قریب آیا تو خدمت گار نے کہا: ''حضور کوچوان بہت جلدی مچا رہا ہے''۔

حجتہ الاسلام: ''اس کو سمجھا دو کہ صبر کرو' مغرب کی نماز پڑھ لیں' ڈپٹی صاحب بھی آنے ہی والے ہیں' ان سے ملنے کے بعد چلیں گے۔ گھوڑے کو کھول دو' گھاس ڈال دو اور تقاضا مت کرو۔ عصر کے وقت تو کتے صرف اذان پر کھورزولائے تھے' اب اذان کے علاوہ نماز بھی جہری تھی' ایک' دوسرے کتے مغرب سے ذرا پہلے دستور کے مطابق کھول بھی دئے گئے تھے بہتیرا داروغہ اور کتوں پر جو بھنگی تھا' وہ اور دوسرے لوگ سبھی تو ڈانٹتے اور دھمکاتے تھے' مگر کتے سرکار کے منہ لگے ہوئے' ایک نہ مانی اور سب کے سب نرغہ کر کے چڑھ آئے۔ ہر چند حجتہ الاسلام کو ہر حالت کے مناسب نماز کا قاعدہ معلوم تھا مگر یہ حالت ہی انوکھی تھی۔ اللہ اکبر تو وہ کہہ گزرا' اگر کہیں ایک لفظ بھی اس کے منہ سے اور نکلے تو کتے ضرور اس کا ٹینٹوا لیں۔ بارے اتنے میں ابن الوقت آ پہنچا۔ گھوڑے کی ٹاپ کی آہٹ پا کر کتے اس کی طرف لپکے اور ادھر حجتہ الاسلام نے کڑک کر اپنی اذان اور نماز تمام کی۔ نماز کے بعد دونوں بھائی ملے تو ابن الوقت نے کہا: ''بنگلے کو تو آپ دیکھ

Marfat.com

چکے ہیں' اب اپنی آسائش کے موافق اسباب کے جہاں تہاں رکھنے کا حکم دیجئے اور تمام بنگلے اور تصرف کیجئے - افسوس ہے کہ کمرے کم ہیں اور چھوٹے ہیں لیکن میں نوبل صاحب کی کوٹھی میں بھی چلا جا سکتا ہوں''-

Marfat.com

فصل بست وسوم

# حجتہ الاسلام اور ابن الوقت کی ملاقات

## اور مذہبی گفتگو کی ابتدا' بحث اسباب

حجتہ الاسلام: میں نے جس وقت دہلی آنے کا ارادہ کیا اسی وقت یہ بات بھی دل میں ٹھہرالی تھی کہ تمہارے ہی پاس ٹھہروں گا' چنانچہ تم کو لکھ بھی بھیجا تھا- اب اگر تم دوسری کوٹھی میں چلے گئے تو میرا یہاں ٹھہرنا بھی بے لطف ہے-

ابن الوقت: لیکن تنگی کے ساتھ رہنے میں اس سے زیادہ بے لطفی ہوگی- میں بھی بہ مجبوری اس بنگلے میں پڑا ہوں- اس کی ساخت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنگلہ رہنے کے لئے نہیں بنایا گیا بلکہ شاید کسی خاص طرح کا آفس یا گودام رہا ہوگا- میں شروع سے چھاؤنی میں رہتا تھا- وہ بنگلہ اس قدر وسیع تھا کہ کبھی کبھی چار چار صاحب لوگ بھی میرے یہاں مہمان رہے ہیں' اتنا بھی تو معلوم نہیں ہوا کہ کدھر پڑے ہیں' مدت کے قیام میں اس کو میں نے اپنی مرضی کے مطابق درست کر لیا تھا- کمروں کی وسعت کے مناسب فرنیچر بہم پہنچایا تھا' بڑی محنت سے خانہ باغ آراستہ کیا تھا- گرمی کی وجہ سے کچھ یوں ہی سی روائت ہوا میں ہوئی' کمانڈنگ آفیسر نے ڈر کے مارے فوجی عہدہ داروں کے علاوہ جتنے لوگ چھاؤنی میں تھے' دفعتہً سب کو اٹھا دیا- ہر چند تلاش کیا' کوئی بنگلہ ڈھب کا نہ ملا- ہار کر یہ بنگلہ لیا تو اس میں بھی دو کمرے میں نے اپنی تجویز سے زیادہ کیے ہیں- اس پر بھی مطلق گنجائش نہیں- اسباب برآمدے میں پڑا پڑا خراب ہو رہا ہے- لوکیلٹی چنداں بری نہیں مگر خوف ہے کہ کہیں تنگی کی وجہ سے تن درستی میں خلل نہ آ جائے-

حجتہ الاسلام: سچ ہے انسان بھی عجیب قسم کا مخلوق ہے' پھیلنا چاہے تو یہاں تک کہ ''دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند' اور سکڑنے پر آئے تو اتنا کہ ''دو درویش در گلیمے بخسپند''- مجھے تو

Marfat.com

صرف ایک کمرہ کافی ہے اور میں اپنے گھر بھی اسی طرح مختصر طور پر رہتا ہوں- یوں تو مکان بہتیرا وسیع ہے مگر میرے ذاتی استعمال میں صرف ایک دالان اور ایک حجرہ ہے جن دونوں کا مجموعہ تمہارے اس بڑے کمرے کے شاید برابر ہو مگر میں تو سمجھتا ہوں کہ چھوٹا ہی ہوگا- سو دالان اور حجرہ بھی میرے استعمال میں اس طرح پر ہے کہ جاڑے کے دنوں میں میں تو کبھی دالان میں پاؤں بھی نہیں رکھتا' حجرے میں میری چارپائی بچھی رہتی ہے' چارپائی کے آگے اتنی جگہ ہے کہ فراغت سے پانچ چھ اور ذرا تنگی سے سات آٹھ آدمی بیٹھ سکتے ہیں- لوگوں سے ملنا جلنا' لکھنا پڑھنا' کھانا کھانا' نماز پڑھنا' غرض میں اکثر ضرورتوں کے لئے وہی ایک حجرہ کفایت کرتا ہوں- اور جب یہ خیال کرتا ہوں کہ اتنی بڑی زمین میں سے آخرکار مجھے چند روز کے لئے ایک قبر کی جگہ ملے گی' نہیں معلوم کہاں اور اس کا بھی پورا یقین نہیں تو بے اختیار حضرت لقمان کا مقولہ یاد آتا ہے:

**ان هذا لمن يموت كثيراً-**

**ابن الوقت:** مجھ کو حیرت ہے کہ اس طرح کی زندگی میں آپ کی تن درستی کیونکر باقی رہتی ہے-

**حجتہ الاسلام:** اسی طرح باقی رہتی ہے جس طرح اور لاکھوں کروڑوں بندگان خدا کی باقی رہتی ہے اور جس طرح اب سے ڈھائی تین برس پہلے خود تمہاری باقی رہتی تھی-

**ابن الوقت:** کیا خاک باقی رہتی ہے- ابھی پورے دو مہینے بھی نہیں ہوئے کہ صدہا آدمی شہر میں ہیضہ کر کے مر چکے ہیں- لگا تو ہمارے یہاں بھی لگ چلا تھا شروع شروع میں کچھ آدمی بازار میں مرے' پھر بعض صاحب لوگوں کے شاگرد پیشوں میں ہیضہ تو کئی نے کیا مگر شاید صرف دو آدمی ہلاک ہوئے- خیر' ان لوگوں میں اگر ہیضہ پھیلا تو کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ کتنی ہی تاکید کی جائے' یہ لوگ صفائی کا اہتمام جیسا چاہیے نہیں رکھتے مگر بارک ماسٹر کے بنگلے میں تین صاحب لوگ اور ٹھہرے ہوئے تھے' چار گھنٹے میں آگے پیچھے سب نے ہیضہ کیا' ایک انجینئر تو مرا' باقی بچ گئے- چھاؤنی میں اس کا بڑا غل ہوا اور کمانڈنگ آفیسر نے ڈاکٹر سے کیفیت طلب کی- ڈاکٹر صاحب نے بہتیری ہی

Marfat.com

تحقیقات کی' کچھ پتا نہیں چلتا تھا کہ بارک ماسٹر کے بنگلے میں ہیضہ کہاں سے آ کودا۔ بنگلہ بڑے اونچے ٹیلے پر واقع' اطراف و جوانب میں بنگلے کے شاگرد پیشوں میں کہیں بیماری کا نام نہیں۔ بنگلے کے آس پاس کیا سو سوڈیڑھ ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے تک تالاب نہیں' نالی نہیں' خندق نہیں' کھیتی نہیں' جھاڑ جھنکاڑ نہیں' قبرستان نہیں' چاروں طرف کف دست میدان پڑا ہے' صاف ستھرا۔ آخر سراغ لگاتے لگاتے کیا معلوم ہوا کہ چائے کے لئے جس گھوسی کے یہاں سے دودھ آتا ہے بھینسوں کو موضع دکھیاری کے تالاب میں لے جا کر پانی پلاتا ہے اور دکھیاری میں اس بیماری کا بڑا ہی زور تھا۔

حجتہ الاسلام یہ سن کر بے اختیار ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ واقع میں ڈاکٹر صاحب نے سبب تو خوب گھڑا۔ ہیضہ گاؤں سے تالاب میں آیا' تالاب سے بھینسوں میں' بھینس سے دودھ میں' دودھ سے چائے میں' چائے سے صاحب لوگوں میں۔ مگر انہی ڈاکٹر سے یہ بھی پوچھنا چاہئے تھا کہ دکھیاری میں کہاں سے آیا؟

ابن الوقت: عموماً ہندوستانیوں کا اور خصوصاً دیہاتیوں کا اور غرباء کا طرز تمدن اس طرح واقع ہوا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں ہر جگہ ہیضے کا بیج موجود ہے' گرمی پڑی اور بیج پھوٹا۔ دکھیاری میرا دیکھا ہوا ہے' ہوا خواری کی تقریب سے میں کئی بار اس گاؤں میں ہو کر نکلا ہوں۔ کوئی دو پونے دو سو گھر کی بستی ہے اور ابھی حال میں دس برس کے اندر اندر آباد ہوا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس کسی کو گھر بنانا منظور ہوتا ہے' ایک جگہ مقرر کر کے وہیں سے مٹی کھود کھود' دیواریں کھڑی کر لیتا ہے اور یہی سبب ہے کہ کوئی گھر نہیں جس کے پاس گڑھا نہیں۔ گھر کا کوڑا کرکٹ' گوبر' الا بلا' انھی گڑھوں میں ڈالتے رہتے ہیں۔ ہر گھڑا کھاد کا کھتا ہے۔ برسات کے دنوں میں پانی بھر کر سارے برس پڑا سڑتا ہے۔ یہ تو بستی کی کیفیت ہے۔ گاؤں کے قریب ایک تالاب ہے' اسی میں عورت مرد نہاتے اور مویشی پانی پیتے ہیں' بیچ میں سنگھاڑے بوئے ہیں۔ ایک طرف کو بہت دور تک سن کے انبار پڑے ہیں اور وہیں دھوبی کپڑے دھو رہے ہیں۔

حجتہ الاسلام: کیا اسی تالاب نے انجینئر صاحب کو مارا ہے؟

Marfat.com

**ابن الوقت:** نہیں جناب! وہ تو سوانے پرکا دوسرا تالاب ہے اور گاؤں کے تالاب سے کسی قدر صاف بھی ہے۔

**حجتہ الاسلام:** جو کیفیت تم نے دکھیاری کی بیان کی' حقیقتِ نفس الامری ہے اور دکھیاری پر کیا موقوف ہے' تمام دیہات کا یہی بلکہ صفائی کے اعتبار سے اس سے بدتر حال ہے۔ مگر یہ تو کہو اسی حالت میں بعض جو مبتلائے ہیضہ ہوئے ان میں سے بھی بعض مرے اور بعض جیتے رہے بلکہ یوں کہو کہ کم مبتلائے ہیضہ ہوئے اور ان میں سے بھی کم مرے' تو اگر بارک ماسٹر اور کون چار انگریزوں کے ہیضہ کرنے کا اور اگر ان میں سے ایک انجینئر کے مرنے کا' موضع دکھیاری بہ وسائط چند در چند' باعث ہوا ہے تو جو لوگ بالکل ہیضے سے محفوظ رہے ان کے محفوظ رہنے کا اور جو مبتلائے ہیضہ ہو کر جان بر ہوئے ان کے جان بر ہونے کا بھی کچھ نہ کچھ سبب تو ضرور ہوگا۔ یعنی اگر مرض اور موت کے لیے سبب درکار ہے تو تن درستی اور زندگی کے لیے بدرجہ اولیٰ کیونکہ مرض اور موت کے واقعات کم ہیں اور تندرستی اور زندگی کے کہیں زیادہ۔

**ابن الوقت:** میں ایسا سمجھتا ہوں کہ لوگوں کے مزاج ہیں متفاوت' بعض طبائع میں متاثر اور مغلوب مرض ہونے کی استعداد قوی ہوتی ہوگی' بعض میں ضعیف۔

**حجتہ الاسلام:** تفاوت امزجہ سے تمہاری مراد صفراوی' بلغمی' دموی' سوداوی کا اختلاف ہے کیا؟

**ابن الوقت:** نہیں نہیں' ان تمام مزاجوں کے آدمیوں کو یکساں طور پر مبتلا ہوتے بھی دیکھا اور مرتے بھی دیکھا بلکہ وہ کسی خاص قسم کی کیفیت ہوتی ہوگی جو طبیعت کو قبول مرض کے لیے پہلے سے آمادہ کر رکھتی ہوگی۔

**حجتہ الاسلام:** تو جس کو تم سبب سمجھتے تھے سبب نہ رہا کیوں کہ بدون استعداد کے اس کا عمل معطل ہے۔ اس کے علاوہ بعض اوقات یورپ کے ایسے مقامات بھی مبتلائے ہیضہ ہوئے ہیں جن میں صفائی کے بڑے اہتمام ہیں۔ پس تمہارے قول کے مطابق ان مقامات میں ہیضے کے پیدا ہونے کا کوئی محل ہو نہیں سکتا۔ مدتوں تک ڈاکٹر اس مرض کو

Marfat.com

متعدی مانتے رہے' بہ این شدت کہ جو شخص بدقسمتی سے اس مرض کی لپیٹ میں آ جاتا' کوئی اس کی تیمارداری تک کو کھڑا نہ ہوتا' مرے پیچھے اس کے کپڑے لتے سب جلا ڈالتے' مکان میں دھونیاں سلگاتے' قلعی پھرواتے' مٹی تک کھود کر پھکوا دیتے اور ابھی تک اکثر بندرگاہوں میں کوارنٹائن (قرنطینہ) کے قواعد کی پابندی بڑی سختی کے ساتھ مرعی ہے۔ بہرکیف مرض کے متعدی ہونے کی صورت میں ممکن ہے کہ ہیضے کا وطن اصلی اور اس کی پیدائش کی جگہ ہمارا ہی ملک ہو اور لوگوں کے اختلاط کی وجہ سے یورپ میں جا نکلتا ہو مگر اب تو بڑے بڑے ڈاکٹروں کا اجماع اس پر ہے کہ تعدیہ کی کچھ اصل نہیں۔ بات یہ ہے کہ ہر چند فی زمانہ ہذا جہاں بہت سے جدید علوم ایجاد ہوئے ہیں فن طبابت میں بھی بڑی نمایاں ترقی ہوئی ہے مگر تاہم ظنی ہے۔ جب لوگ ہیضے کے متعدی ہونے کے معتقد تھے وہ بھی ایک امر فطنون تھا' اب اگر عدم تعدیہ کے قائل ہیں تو یہ بھی امر مظنون ہے۔ ڈاکٹر اپنی طرف سے بہتیرے ٹامک ٹوئیے مارتے پھرتے ہیں مگر اس وقت تک کہیں سے کچھ پتا نہیں چلا کہ ہیضہ ہے کیا چیز' کیوں کر پیدا ہوتا اور ترقی کرتا اور کیوں کر معدوم ہو جاتا ہے؟ اور جس طرح سانپ کے کاٹے کا کوئی تریاق محقق نہیں' اسی طرح ہیضے کا کوئی حکمی علاج معلوم نہیں۔ پس بھائی! ہم تو اپنے ایمان کو ڈانواڈول نہیں ہونے دیتے۔ دل میں یہ بات ٹھن گئی ہے کہ اپنی خوشی دنیا میں آ نہیں گئے' خدا نے پیدا کیا ہے' اسی نے ہر فرد بشر کی حیات کی ایک بدت مقرر کر دی ہے اور اس کی مدت کی خبر بھی اپنے ہی تک رکھی ہے' کسی کو اس سے آگہی نہیں۔ وقت سے پہلے کوئی مر نہیں سکتا' پھر کیوں گھبرائیں اور وعدہ پورا ہوئے پیچھے کوئی رک نہیں سکتا تو کس برتے پر اترائیں؟ اذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعته ولا یستقدمون۔

ابن الوقت: آہا! معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیا کو عالم اسباب نہیں جانتے بلکہ شاید عقل و تدبیر کو بھی نہیں مانتے۔

حجتہ الاسلام: بس ایسا ہی عالم اسباب مانتا ہوں کہ متصرف فی الامور وہ خود ہے اور کسی مصلحت سے اس نے اسباب کا جال پھیلا رکھا ہے۔ اسباب اور نتائج میں جو تعلق

Marfat.com

ہے اس کو میں اسرار الٰہی میں سے سمجھتا ہوں' فہم بشر سے خارج - اسباب کو ایجاد اور تکوین مین اتنا بھی تو مدخل نہیں جتنا ایک کاریگر کے اوزار کو اس کے عمل میں ہوتا ہے- کاریگر اوزار کا محتاج ہے اور خدا جل وعلا شانہ کو کوئی سبب درکار نہیں -مگر ہاں عادل الٰہی یوں ہی جاری ہے' الا ماشاء اللہ' کہ ہر واقعے کے لیے کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے- اسباب نامتناہی ہیں اور ان پر بتمامہا احاطہ کرنا مقدور بشر نہیں' مگر خدا نے جب جب جتنا مناسب سمجھا انسان پر منکشف کیا-''وما اوتیتم من العلم الاقلیلا''-اگر چہ عقل انسانی کسی حالت میں خطا سے محفوظ نہیں مگر اسباب کے بارے میں تو لوگ ایسی ایسی مکروہ غلطیاں کرتے ہیں کہ معاذ اللہ- عالم اسباب میں پیدا ہوئے' عالم اسباب میں رہے' کوئی واقعہ نہیں جس کے لیے ان کو سبب کی تفتیش نہ ہو اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصلی سبب کی طرف ذہن منتقل نہیں ہوتا تو ادعائی اسباب ٹھہرا لیتے ہیں- نجوم اور جفر اور اکثر رمل اور قیافہ وغیرہ بہت سے لغویات ہیں جن کا ماخذ سوائے اسباب ادعائی کے اور کچھ نہیں اور کبھی سبب تو ہوتا ہے ٹھیک مگر اس کے شرائط کا خیال نہیں رہتا' مثلاً فرض کرو کہ سیسے کی ایک گولی ہو اور اسی قد وقامت کی دوسری کوئی روئی کی ہو ہلکی پھلکی اور قطب صاحب کی لاٹ پر جا کر دونوں گولیوں کو ایک ساتھ چھوڑ دیں' تو ضرور سیسے کی گولی پہلے گرے گی- اب یہ ایک واقع ہے اور اس کا سبب ہے ثقل مگر اس کے ساتھ ایک شرط بھی ہے کہ لاٹ کی چوٹی سے زمین تک گولیوں کے رستے میں خلا نہ ہو کیوں کہ خلا ہوگی تو گرنے میں ہلکی بھاری دونوں برابر- پھر انسان سبب بھی اپنی مرضی کا ڈھونڈتا ہے یعنی جس قسم کے اسباب سے خوگر ہے مثلاً اگر کوئی مریض کیسی ہی ردی حالت اس کی کیوں نہ ہو اگر کسی دوا سے دفعتاً اچھا ہو جائے اگر چہ وہ دوا چولھے کی راکھ ہی کیوں نہ ہو تو کسی کو بھی استعجاب نہ ہو کیونکہ دوا در سن ہے اچھا ہونا ایک معمولی بات ہے- لیکن فرض کرو کہ بجائے دوا کے کوئی شخص دم کر دینے سے یا نظر بھر لینے سے سلب مرض کر دے تو سننے والوں میں سے تو شاید سو میں ایک کو بھی یقین نہ آئے اور دیکھنے والے بھی اکثر جادو اور نظر بندی اور مغالطہ دہی پر محمول کریں اور اس بنا پر فلاسفہ اور دہری معجزات انبیا پر (علی

Marfat.com

نبینا وعلیہم السلام ) بڑے شد و مد کے ساتھ اعتراضات کرتے چلے آئے ہیں- میں نے کسی دہری کی تحریر دیکھی ہے جس میں اس نے لکھا تھا کہ قانون فطرت یا عادت اللہ شہادت کے لیے کسوٹی ہے- شہادت وہیں تک معتبر ہوسکتی ہے کہ قانون فطرت کے مطابق ہو- یعنی اس کا مقولہ یہ تھا کہ قانون فطرت کے خلاف ہم کسی شہادت کو نہیں مان سکتے یا بہ عبارت دیگر مخالفت قانون فطرت شہادت متہم بالکذب بلکہ مردود کرنے کو کافی ہے- یہ صاف مصادرہ علی المطلوب ہے- جب ایک شخص کہتا کہ فلاں واقعہ خلاف معمول مستمر واقع ہوا مثلاً یہ کہ ایک شخص نے ایک ڈول پانی سے ایک لشکر کو سیراب کر دیا' تو اب صرف اس وجہ سے کہ یہ واقعہ عجیب وغریب ہے وقوع واقعہ سے انکار کرنا ہیکڑی اور ہٹ دھرمی اور کٹ حجتی نہیں تو کیا ہے؟ **بل کذبوا بمالم یحیطوا بعلمه و لما یانیهم تاویله کذلک کذب الذین من قبلهم فالنظر کیف کان عاقبته الظالمین** -'' اسباب کے بارے مین ایک کثیر الوقوع اور خطرناک غلطی یہ ہے کہ نتائج کو اسباب کی طرف اس طرح منسوب کیا جاتا ہے گویا اسباب ہی فاعل اور مکون اور متصرف ہیں' پانی غلہ اگاتا ہے' کونین دافع تپ ہے' سنکھیا سم قاتل ہے اور یہی ہے فطنہ شرک خفی' اعاذنا اللہ منہ اور میرے پندار میں'' **وما یومن اکثرهم باللہ الا وهم مشرکون** '' میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے- غرض اسباب کا مسئلہ بڑا نازک اور مشکل اور مزلتہ الاقدام ہے-

**ابن الوقت:** یہ تو کوئی بھی نہیں کہتا کہ طب کے احکام مسائل ہندسی کی طرح یقینی ہیں مگر اس فن میں اس قدر ترقی ضرور ہوئی ہے کہ یورپ میں عمروں کا اوسط بڑھا ہوا ہے- مردم شماری کی افزائش کا پرتا زیادہ ہے' خاص خاص امراض کے ایسے حکمی علاج دریافت ہوئے ہیں کہ سارے ملک میں کہیں ان بیماریوں کا نام نہیں- بہت سے روگ جو درمان پذیر نہ تھے' اب ڈاکٹر دعوے کے ساتھ ان کا علاج کرتے ہیں- حفظان صحت کے قواعد اگرچہ ظنی ہیں مگر یقینیات کے لگ بھگ- غرض واقعات سے' نتائج سے یہ بات بخوبی ثابت ہوچکی ہے کہ انسان کی تدبیر کو اس کی تندرستی اور زندگی میں بڑا دخل ہے اور اس

Marfat.com

سے انکار کرنا گویا بداہت سے انکار کرنا ہے۔

**حجتہ الاسلام:** کیوں! کیا ہمارے ملک میں لوگوں کی بڑی عمریں نہیں ہوتیں؟ ہمارے یہاں بھی لوگ کثیر الاولاد ہوتے ہیں اور ایسے لوگ بہت نکلیں گے جو ہمیشہ یا اکثر تندرست رہتے ہیں اور ان کو علاج کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ بلکہ میرا تو یہ خیال ہے کہ جو زیادہ احتیاط کرتے ہیں وہی زیادہ بیمار ہوتے ہیں۔

**ابن الوقت:** میں خلاف قاعدہ کو داخل اتفاقیات سمجھتا ہوں۔

**حجتہ الاسلام:** تم نے اچھی طرح غور نہیں کیا۔ اول تو سرے سے علم طب ہی فی حد ذاتہٖ مکمل نہیں پھر ناقص و ناتمام و فطنون جیسا کچھ ہے' اگر ساری دنیا کی مردم شماری پر نظر کی جائے تو سو میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ٹھہرے گا جو احکام طب کی پوری پوری پابندی رکھتا ہو۔ بات یہ ہے خداوند کریم نے ہر انسان کا طبیب اسی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ کیا ہے؟ اس کی طبیعت۔ انسان کی تندرستی پر داخلی اور خارجی بے شمار خطرات ہیں اور ان میں سے خدا جانے کتنے ہیں جو اس وقت تک مخفی ہیں اور کتنے ہیں جو معلوم ہیں مگر انسان کے بس کے نہیں تو ان کا جاننا نہ جاننا برابر۔ الغرض کسی کو خبر نہیں کہ کل بلکہ اب سے چند لمحے بعد' کون سی آفت اس کی تندرستی پر آنے والی ہے کہ اس کی روک تھام کر لے۔ نزول آفت پر فوراً اس کی طبیعت مرض کی مقاومت پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ طبیعت صرف مدبر و معالج نہیں بلکہ اسی طبیعت میں سب طرح کے امراض کی دوا بھی ہے۔ اگر حیات باقی ہوتی ہے' طبیعت مرض پر غالب آ جاتی ہے ورنہ مغلوب مرض ہو کر آدمی ہلاک ہو جاتا ہے۔ رہ گئی دوا' وہ صرف طبیعت کی تقویت ہے' بلکہ مجھ سے پوچھو تو صرف طبیعت ہی کی نہیں بلکہ بیشتر اوپر والوں کی۔ بڑے بڑے حاذق طبیبوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھوں سے مریض مرتے بھی ہیں اور شفا بھی پاتے ہیں' مرے تو کہتے ہیں خدا نے اتنی ہی حیات لکھی تھی' حکیم جی نے اپنی سی بہتیری کی' زندگی ہی نہ ہو تو کیا کریں اور اچھے ہوئے تو نہ خدا ہے' نہ تقدیر ہے حکیم صاحب ہیں اور ان کی تشخیص و تدبیر ہے۔

**ابن الوقت:** آپ تو کچھ جبریوں کی سی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کی تقریر کا ماحصل یہی

Marfat.com

معلوم ہوتا ہے کہ تدبیر لا حاصل ہے اور انسان کی تندرستی اور زندگی محض ایک امر تقدیری ہے' من جانب اللہ' ہر انسان کو اس میں کسی طرح کا مدخل نہیں۔ مگر یہ آپ ہی کی منفرد رائے ہے۔ ایک عالم طب کا معتقد ہے۔ طب سے میری مراد ہومیوپیتھی یا ایلوپیتھی یا یونانی یا ویدکی' کسی خاص طرح کی طبابت نہیں بلکہ میری غرض اسی قدر ہے کہ ساری دنیا سدا سے اس امر کی معتقد چلی آئی ہے کہ حفظ صحت' دفع مرض یا ابقائے حیات جن لفظوں سے چاہیے تعبیر کر لیجئے' تدبیر پذیر ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ تدبیر فی نفسہ صحیح ہو یا غلط۔ جادو اور منتر اور ٹونے ٹوٹکے اور تعویذ اور گنڈے اور ہر طرح کی دوا درمن' سب داخل تدبیر ہیں۔ الغرض ہر زمانے میں اس بات پر تمام عالم کا اجماع ہو رہا ہے کہ زندگی اور تندرستی میں انسان کی تدبیر کو دخل ہے اور یہ میرا پہلا دعوی ہے اور ہر زمانے کے عقلاء اور جہلاء اور حضری اور بدوی سب کا اجماع اس دعوے کا ایسا قوی ثبوت ہے کہ اس سے زیادہ قوی کوئی ثبوت ہو نہیں سکتا۔ آپ پیچ دار باتیں کر کے اصل مطلب کو کہاں گم کیے دیتے ہیں۔ میرا دوسرا دعویٰ جو پہلے دعوے پر متفرع ہے' یہ ہے کہ جتنی تدبیریں حفظان صحت کی لوگ عمل میں لاتے ہیں سب میں رو بہ صواب طب انگریزی اور اس کی متعلقات ہیں۔ اس دعوے کے ثبوت کے لیے میں واقعات پیش کرتا ہوں جن کو مردم شماری کے کاغذات سے استنباط کیا گیا ہے۔''

حجتہ الاسلام: ہاں جی ہاں! میں تمہارے مطلب کو خوب سمجھتا ہوں تم کو اگر میرے مدعا کے سمجھنے میں کچھ تزلزل واقع ہوا ہے تو لو اب پھر سنو! صرف اتنی بات ہے کہ ہر زمانے میں لوگ حفظان صحت کی تدبیریں عمل میں لاتے رہے ہیں' لازم نہیں آتا کہ انسان کو اپنی تندرستی میں مدخل ہے۔ تم نے اتنی ہی بات ثابت کی کہ لوگوں کو حفظ صحت کی حاجت ہے اور ہر شخص فی زعمہ اس کی کچھ تدبیر کرتا ہے' صحیح یا غلط' درست یا نادرست۔ اسی طرح ہر شخص کو علم مستقبلات کی حاجت ہے اور ہر زمانے میں لوگ اس کے بھی درپے رہے ہیں۔ نجوم اور رمل اور جفر اور فال اور شگون اور تعبیر خواب اور قیافہ اور سعد و نحس اور ہاتھ کی لکیریں اور سانس اور کیا اور کیا سارے پاکھنڈ اسی غرض سے ہیں اور یہ نہ سمجھنا کہ

Marfat.com

صرف ایشیا کی وحشی قومیں اس خبط میں گرفتار ہیں' جہاں تک مجھ کو معلوم ہے اہل یورپ بھی اس الزام سے بری نہیں۔ غرض فکر مستقبل سے کوئی فرد بشر فارغ نہیں' تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ انسان کو علم غیب میں دخل ہے پھر دخل ایک مشتبہ لفظ ہے۔ اگر اس سے ملابست مراد ہے' اگرچہ ادنیٰ درجے ہی کی کیوں نہ ہو' یعنی تعلق تو دنیا کا سارا کارخانہ انسان کے لیے ہے اور اس کو کل موجودات عالم سے کسی نہ کسی طرح کا تعلق ہے یا ہوسکتا ہے۔ موجودات عالم میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں اس کو تصرف کا اختیار ہے۔ اگرچہ اس کا اختیار محدود ہے مگر اسی اختیار کی وجہ سے اس کو ''خلیفة الله فی الارض'' کہا جاتا ہے۔ جسمانی توانائی کے اعتبار سے وہ چنداں زبردست مخلوق نہیں مگر عقل کے بل پر وہ آسمان تک اچک جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ کسی شاعر نے کیا عمدہ طور پر انسان کا حال بیان کیا ہے۔

خاک کے پتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہے شور
فرش سے لے عرش تک کر رہا ہے اپنا زور
سینے میں قلزم کو لیے قطرے کا قطرہ رہا
بل بے سمائی تری اف رے سمندر کے چور

وہ زمین پر بیٹھا بیٹھا اجرام فلکی پر اور زیادہ دست رس نہیں تو ان کی رفتار سے اپنے اوقات کو منضبط کرتا ہے۔ ''هو الذی جعل الشمس ضیاءً و القمر نوراً و قدره منازل لتعلموا عدد السنین و الحساب۔'' روئے زمین پر اس نے اپنا ایسا تسلط بٹھا رکھا ہے کہ نہ صرف جمادات اور نباتات میں تصرفات اور عناصر پر حکمرانی کرتا ہے بلکہ بڑے سے بڑے قوی اور خون خوار جانور اس ڈرتے اور اس کی خدمت کرتے ہیں۔ باایں ہمہ انسان کسی کام کا فاعل مستقبل اور کسی چیز میں حقیقی موثر نہیں۔ اس مطلب کو سورہ واقعہ میں بڑی ہی عمدگی سے بیان کیا ہے:

''افرء یتم ماتمنون ٥ انتم تخلقونه ام نحن الخالقون ٥ نحن قدرنا بینکم الموت و مانحن بمسبوقین علی ان نبدل امثالکم و ننشئکم فی ما لاتعلمون ٥ ولقد علمتم النشاة الاولی فلولا تذکرون ٥ افرء

Marfat.com

ایتم ماتحرثون ○ ء انتم تزرعونه ام نحن الزارعون ○ لو نشاء لجعلناء حطاماً فظلتم تفکھون ○ انا لمغرمون ○ بل نحن محرومن ○ افرئیتم الماء الذی تشربون ○ ء انتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون ○ لونشا جعلنا اجا جا فلو لاتسکرون افرئیتم النار التی تورون ○ ء انتم انشا تم شجر تھا ام نحن المنشون ○ نحن جعلنا ھا تذکرۃ و متاعاً للمقوین ○ فسبع باسم ربک العظیم ○

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے چار چیزوں کو بیان فرمایا ہے' اولاد اور کھیتی اور پانی اور آگ اور ان چاروں میں سے ہر ایک میں جہاں تک انسان کو دخل ہے اس کو بھی صراحت کی اور پھر تبکیت کے لیے پوچھا کہ بھلا پھر اولاد کو تم نے پیدا کیا یا ہم نے اور کھیتی کو تم نے اگایا یا ہم نے اور پانی بادل سے تم نے برسایا یا ہم نے اور آگ کا ایندھن تم نے بنایا یا ہم نے؟ ہم نے تمہارے لیے موت کا ٹھہراؤ کر دیا ہے اور کسی کو مجال نہیں کہ ہماری پکڑ سے نکل بھاگے۔ ہم چاہیں تو کھیتی کو ڈانٹ بنا دیں کہ اس میں پھل کا کہیں نام نہ ہو' ہم چاہیں تو پانی کو کھاری کر دیں۔ غرض انسان کا اختیار اور اس کی بے اختیاری دونوں حالتیں دکھادی گئی ہیں جس کا خلاصہ ہے۔ ''امر بین الجبر و الاختیار''۔

ابن الوقت: ''ہمارے آپ کے درمیان لفظی اختلاف ہے۔ انسان کا اختیار آپ بھی مانتے ہیں مگر محدود اور ہم بھی۔ کہتے ہیں کہ انسان کا اختیار ابھی تک محدود رہا ہے مگر اس کا اختیار اس کی جہالت کی وجہ سے محدود ہے۔ اب جو نئی نئی چیزیں ایجاد ہوتی چلی جاتی ہیں تو انسان سمجھتا جاتا ہے کہ اس کو بڑی قدرت ہے۔ کتنی مدت کے بعد اب اس نے جانا کہ مثلاً اسٹیم اور الکٹریسٹی کیا چیز ہے اور میں اس پر کیا اختیار رکھتا ہوں۔ اسی طرح اس نے اپنی تندرستی اور زندگی پر بھی اپنا اختیار معلوم کرنا شروع کیا ہے۔ بہت سے امراض کو اس نے اپنے بس میں کر لیا ہے کہ چاہے تو ان کو پیدا ہی نہ ہونے دے یا اگر پیدا ہوں بھی تو ان کو جس وقت چاہے معدوم کر دے اور اگر علوم طب اور کیمیا اور طبیعات وغیرہ اسی نسبت سے ترقی کرتے رہے جیسے کہ پچھلے سو برس میں تو وہ دن کچھ دور نہیں کہ انسان اپنی تندرستی پر آپ حاکم ہوگا اور کیا عجب ہے کہ رفتہ رفتہ اپنی زندگی پر

Marfat.com

بھی۔

**حجتہ الاسلام:** نعوذ باللہ من ذلک - کیا تمہارے برے عقائد ہیں! تو تم حقیقت میں اس بات کے منتظر ہو کہ انسان کچھ دنوں میں معاذ اللہ خدا ہونے والا ہے۔

**ابن الوقت:** دہریے تو کہتے ہیں خدا کو کس نے دیکھا ہے؟ یہ بھی لوگوں کا ایک خیال ہے۔

**حجتہ الاسلام:** لاحول ولا قوۃ الا باللہ - خدا کو دیکھا نہیں تو اس سے لازم آ گیا کہ خدا ہی نہیں۔ ہم نے روح کو بھی نہیں دیکھا اور نہیں دیکھ سکتے تو روح کے ہونے سے بھی انکار کرو

**ابن الوقت:** واہ واہ تعریف المجہول بالمجہول! وہ روح کو کب مانتے ہیں۔

**حجتہ الاسلام:** تمام فلاسفہ کا اجماع ہے کہ آدمی کو اپنی ذات کا علم حضوری اور بدیہیات اولین میں سے ہے۔ ہر شخص اپنے تئیں لفظ ''میں'' سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے میرا دل، میرا دماغ، میرا جسم یعنی ہر شخص کو جسم کے علاوہ اپنی ہستی کا اذعان ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی اور ثبوت کی بھی ضرورت ہے اور اگر تمہارے نزدیک ہے تو تم کو خبط ہے اور تم قابل خطاب نہیں مگر مسلمان ہونے کا دعوی کر کے اسلام کو کیوں بدنام کرتے ہو اور لوگوں کو کیوں دھوکے میں ڈالتے ہو؟ یہ سچ ہے کہ مجامع میں، تحریرات میں تم اسلام کے نام سے فخر اور اس کی مدح وحمایت کرتے ہو مگر وہ اسلام ادعائی اسلام ہے جس کو صرف امتیاز قومی کہنا چاہیے۔ تم جیسے ڈھل مل یقین چند مسلمان میں نے اور بھی دیکھے ہیں۔ ان کو بھی اسی طرح کے شکوک عارض ہوئے۔ لامذہبوں اور دہریوں اور عیسائیوں، غرض اسلام کے مخالفوں سے کچھ اعتراض سن پائے، جواب سوجھے نہیں یا سوجھے اور تسکین نہیں ہوئی، اہون سمجھ کر یہ شیوہ اختیار کر لیا کہ لگے اسلام ہی کے اصول میں تاویلات کرنے۔ وہ اپنے پندار میں اسلام کی تائید کرتے ہیں مگر حقیقت میں اسلام کو کسی مخالف سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا ان کی تاویلات سے۔ انہوں نے حدیث کو تو یہ کہہ کر الگ کیا کہ پیغمبر صاحبؐ کے ڈیڑھ سو برس بعد اس کی تدوین شروع ہوئی۔ رہ گیا قرآن اس کو مارے تاویلات کے مسخ کر دیا۔

اتنے میں اطلاع ہوئی ''حاضری میز پر''۔

Marfat.com

فصل بست و چہارم

# حجتہ الاسلام شہر میں جا رہے ہیں

حجتہ الاسلام: لو صاحب مجھ کو اجازت دو، مجھے شہر جانا ہے۔

ابن الوقت: کیا آپ میرے ساتھ کھانا کھانا یا میرے بنگلے میں رہنا خلاف اسلام سمجھتے ہیں؟

حجتہ الاسلام: بس مذہبی چھیڑ چھاڑ رہنے دو۔ مذہب ایسی چیز نہیں ہے کہ مباحثے اور مناظرے سے کسی کے دل میں اتار دیا جائے بلکہ ''ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔ ''خداوند تعالیٰ خاص طبیعتیں پیدا کرتا ہے جو مذہبی باتوں سے متاثر اور اس کو قبول کر لیتی ہیں۔

ابن الوقت: پھر آپ جبریوں کی سی باتیں لائے۔ اگر خدا خاص طبائع مناسب مذہب پیدا کرتا ہے تو پھر مواخذہ کیوں ہے؟

حجتہ الاسلام: مواخذہ بقدر مناسب ''لایکلف اللہ نفسا الاما آتھا۔'' یہ کہہ کر حجتہ الاسلام اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ابن الوقت بھی اٹھا اور کہنے لگا: ''کیا واقع میں آپ میرے پاس نہیں رہنا چاہتے؟

حجتہ الاسلام: نہیں بھائی نہیں۔

ابن الوقت: آخر کچھ سبب تو بتایئے۔

حجتہ الاسلام: بات یہ ہے کہ میرے یہاں ٹھہرنے سے تم کو بھی تکلیف ہوگی اور مجھ کو آسائش نہیں ملے گی۔

ابن الوقت: آپ میری تکلیف کا خیال کیجئے نہیں اور آپ اپنی آسائش کے لیے بے تکلف جس طرح کہیئے انتظام کر دیا جائے۔

حجتہ الاسلام: تم کس کس بات کا انتظام کرو گے۔ اول تو میری نماز ہی کا ٹھکانا نہیں۔

Marfat.com

جس کمرے میں جاؤ تصویر' بنگلہ کیا ہے خاص بت خانہ ہے- پھر تم نے کتے اس کثرت سے پال رکھے ہیں کہ اذان تک دینے کا حکم نہیں اور جب تک مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز نہ پڑھوں' میرا جی نہیں خوش ہوتا- میں نے اترتے کے ساتھ ہی پہلے تمام بنگلے کو اندر باہر سے بالتفصیل دیکھ لیا ہے-تم سمجھو تو میں ایک دن بھی ایسے مکان میں گزر نہیں کرسکتا- مجھے کسی طرح کا سبیتا دکھائی نہیں دیتا-

**ابن الوقت:** اچھا تو کھانا کھا کر جایئے-

**حجتہ الاسلام:** بس کھانے سے بھی معاف ہی رکھو- میں آپ کے باورچی اور کھانے کا سب حال سن چکا ہوں-

**ابن الوقت:** کیا ہمارا باورچی میلے کچیلے' غجلے' بھٹیاروں سے بھی گیا گزرا ہوا؟ آپ کھانے کی میز کو ایک نظر دیکھیے تو سہی-

**حجتہ الاسلام:** بھائی جان! ظاہری صفائی تو بلاشبہ تمہارے کھانے میں بہت ہوگی- میں نے تم کو نہیں دیکھا تو بارہا انگریزوں کو کھاتے ہوئے دیکھا ہے مگر مجھ کو تمہارے باورچی کی نسبت شبہ ہے-

**ابن الوقت:** بے شک مجھ کو معلوم ہے کہ وہ سب کچھ کھاتا پیتا ہے مگر ہمارے کھانے میں کوئی چیز ایسی نہیں ہوتی کہ آپ اس سے احتراز کریں-

**حجتہ الاسلام:** ارے میاں کیا کہتے ہو- میں نے خود تمہارے یہاں ایک الماری میں شراب رکھی ہوئی دیکھی ہے-

**ابن الوقت:** وہ صاحب لوگوں کے واسطے ہے- میں کبھی شراب نہیں پیتا اور اگر پیوں تو ہلاک ہو جاؤں- میرا پیچھڑا اس قابل نہیں-

**حجتہ الاسلام:** جب خود تمہارے پاس شراب کا ذخیرہ ہے اور صاحب لوگوں کو پلاتے ہو اور تمہارا باورچی بھی کسی چیز سے احتراز نہیں رکھتا تو مجھ کو تمہارے کھانے کی طرف سے اطمینان نہیں-

**ابن الوقت:** ہوائے!

**ملازم:** یس سر-

Marfat.com

ابن الوقت: کک کو بلاؤ۔

کک حاضر ہوا تو ابن الوقت نے پوچھا ''آج کھانے میں کیا کیا ہے؟

باورچی: سوپ، مٹن چاپ، کٹ لس، آسٹن (آکس ٹنگ)، بیل ریس (بوائل ریس)، پڈنگ۔

ابن الوقت: ان چیزوں میں کس میں شراب پڑتی ہے؟

باورچی: کسی میں نہیں مگر پڈنگ میں خمیر کے لئے شراب کا بھپارا دینا ہوتا ہے۔

ابن الوقت: پڈنگ نشہ لاتا ہے؟

باورچی: ذرہ نہیں۔ باورچی رخصت۔

حجتہ الاسلام: آپ نے دیکھا۔

ابن الوقت: کیا دیکھا؟ آپ کے سامنے باورچی کہہ نہیں گیا کہ پڈنگ نشہ نہیں لاتا۔ اسلام میں شراب کے حرام ہونے کی اصل وجہ نشہ ہے۔ جب نشہ نہیں تو پھر کیا حرج ہے اور اگر آپ کے نزدیک حرج ہے تو آپ پڈنگ نہ کھایئے۔

حجتہ الاسلام: مجھ پر خدانخواستہ ایسی کیا مصیبت پڑی ہے کہ اپنے گھر کا رزق طیب، لذیذ چھوڑ کا تمہارا پھیکا، مشتبہ بساہند اکھانا کھاؤں۔

ابن الوقت: یہ بلا کی تو گرمی پڑ رہی ہے، آپ شہر میں جا کر بے فائدہ اپنی تندرستی کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔

حجتہ الاسلام: میری زندگی ایسی کونسی انوکھی زندگی ہے۔ آخر اتنا بڑا غدار شہر بستا ہے، اور جو سب کا حال وہ میرا حال۔

ابن الوقت: آخر پھر ملاقات کی کیا صورت ہوگی؟

حجتہ الاسلام: تم تو میرے پاس آنے کا قصد مت کرنا۔ کیونکہ تمہارے دل میں آب و ہوا والے شہر کا پہلے ہی سے ڈر بیٹھا ہوا ہے۔ کل ہے جمعہ، مجھ کو فرصت ہونے کی نہیں۔ پرسوں لوگوں سے ملنا ملانا ہوگا۔ ان شاء اللہ اتوار کو دس بجے ساڑھے دس بجے میں خود آؤں گا۔ اگر کوئی وجہ مانع نہ ہو، ذری اپنے داروغہ کو کل بعد مغرب میرے پاس بھیجنا۔ میں اس سے یہاں کے انگریزوں کے کچھ حالات دریافت کروں گا اور تمہارے بھی۔

Marfat.com

فصل بست و پنجم

# حجتہ الاسلام ساس سے

## ابن الوقت کے پاس ٹھہرنے کا عذر کرتے ہیں

حجتہ الاسلام کے بے وقت گھر پہنچنے سے سب کو حیرت ہوئی - لوگ اس خیال سے کہ ابن الوقت کے پاس ٹھہریں گے کھا پی کر سو سلا رہے تھے - جوں اس نے گھر میں قدم رکھا ساس کو کہتے سنا کہ اے ہے - اگر کھانا بھی کھا کر نہیں آئے تو اتنی رات گئے اب کیا ہوگا؟ خاگینہ بن سکتا ہے لیکن اس بلا کی گرمی پڑ رہی ہے اور راستے کی حرارت الگ' انڈے گرم آگ' نوج کوئی کھائے' سویاں بنی ہوئی تیار ہیں رومالی میں اور بھننے میں بھی کسر نہیں رہی مگر آخر ہے تو میدا' حاشا اللہ میں تو نہیں دوں گی' کھچڑی پیاس بہت لگائے گی - اتنے میں تو داماد نے سامنے آ کر سلام کے بعد چھوٹتے کے ساتھ ہی کہا کہ اماں جان بڑی زور کی بھوک لگ رہی ہے - بارے کچھ شامی کباب فیرنی کے خونچے بچوں کے لئے لگا رکھے تھے' ٹوکری میں کچھ نان خطائیاں بچ گئی تھیں - سیب کا مربہ' اچار' گھر میں تھا - جلدی سے ماما نے توا رکھ پتلے پتلے دو تین پراٹھے پکا دیے - غرض ایسے ناوقت بھی بات کی بات میں جو کھانا مہیا ہو گیا' ابن الوقت کے یہاں اہتمام سے بھی میسر نہیں ہوتا - جتنی دیر داماد کھانا کھاتا رہا ساس پاس بیٹھی باتیں کیا کیں: ''کیوں بیٹا راستے میں ایسی کہاں دیر لگی کہ تم کو یہ وقت ہو گیا؟ میں تو سمجھی تھی کہ تم کچھ دن رہے سے بھائی کے پاس پہنچ گئے ہو گے -''

داماد: واقع میں' میں نے عصر کی نماز بھائی کی کوٹھی پر پڑھی اور میرا ارادہ ان ہی کے پاس ٹھہرنے کا تھا -

ساس: ''پھر ایسی کیا بات ہوئی کہ تم اتنی رات گئے چل کھڑے ہوئے؟

داماد: اگر مجھ کو بھائی کے پاس ذری سی بھی آسائش کی توقع ہوتی تو میں ہرگز نہ آتا اور

Marfat.com

یوں سمجھتا کہ سرائے میں نہ ٹھہرا ان ہی کے یہاں ٹھہرا سہی مگر وہاں تو مسلمان کے کھڑے ہونے تک کا ٹھکانا نہیں' ٹھہرنا اور رہنا تو درکنار۔ عصر اور مغرب دو وقت کی نماز میں نے وہاں پڑھی' میرے دل کو تسلی نہیں کہ نماز ہوئی ہے۔ اب عشاء کے ساتھ دونوں کا اعادہ کروں گا۔ آدھ کوس کے گردے میں تو وہاں کہیں مسجد کا پتا نہیں۔ جماعت تو یوں گئی گزری ہوئی۔ بنگلے میں مارے تصویروں کے اتنی جگہ نہیں ایک کونے میں کوئی ایک شخص کھڑا ہو کر دو رکعت پڑھ لے۔ ناچار برآمدے میں نماز پڑھی تو کس مصیبت سے کہ کتے اوپر چلے آتے ہیں۔ دو تین کتے تو ایسے خونخوار اور ہیبت ناک تھے کہ اگر بھائی عین وقت پر نہ آن پہنچیں تو ضرور لپک کر میرا ٹینٹوا لیں۔

ساس: دور پار' تمہارے دشمنوں کا۔ پھر یہ لوگ مجھ سے کیا آ آ کر کہتے تھے کہ دشمنوں نے مارے جان کے بدنام کر رکھا ہے' جوان کو بے دین کہے وہ خود بے دین۔

داماد: شروع میں نام لے کر تو کسی کے بھی کافر کہنے کا حکم نہیں اور بھائی ابن الوقت تو اپنے تئیں چوری چھپے بھی نہیں کھلے خزانے پکار پکار کر مسلمان کہتے ہیں اور مسلمان ہیں بھی مگران کا رہنا سہنا' کھانا پینا' سب کچھ انگریزوں کا سا ہے' سرمو فرق نہیں۔

ساس: اے ہے غدر کے دنوں میں کچھ ایسی گھڑی کا پیرا اس موئے فرنگی کا آیا تھا کہ بچے کی مت پھیر دی۔ ہم سے تو ایسا چھپایا ایسا چھپایا کہ دن کو گورے شہر میں گھسے اور رات کو ہم نے جانا کہ سارے غدر ہمارے گھر میں فرنگی چھپا رہا۔ جس وقت فرنگی کو لائے تھے اگر ذرا بھی مجھ کو معلوم ہو تو میں اس کو کھڑا پانی نہ پینے دوں۔ خدا جانے کمبخت کہاں سے ہمارے گھر آ مرا تھا۔ نہ آتا تو بچہ ہاتھ سے جاتا۔ آخر میرا صبر پڑا ہی پڑا۔ کسی کی آہ کا لینا اچھا نہیں ہوتا۔ خدا نے اس کے پیچھے ایسا روگ لگایا کہ سارے سارے دن اٹوانٹی کھٹوانٹی لئے پڑا رہتا تھا' آخر کو جاتے ہی بن پڑی۔ کالا منہ' خدا کرے پھر آنا نصیب نہ ہو۔

داماد: آپ اس انگریز کو ناحق کوستی ہیں۔ اس نے تو اتنا بڑا بھاری سلوک اس خاندان کے ساتھ کیا ہے کہ جس کی انتہاء نہیں۔ وہ اگر اس گھر میں آ کر نہ رہا ہوتا تو آج ساری عورتیں رانڈ ہوتیں' تمام بچے یتیم' محلے میں گدھوں کا ہل پھر گیا ہوتا' مال و اسباب کے

Marfat.com

نام کسی کو ایک پھوٹی کوڑی نہ ملتی- بھائی ابن الوقت کوئی دودھ پیتے بچے تھے کہ بہکائے میں آ گئے- پڑھے لکھے' لائق' ہوشیار' ایک دم سے ڈپٹی کلکٹر کر دئے گئے اور ڈپٹی کلکٹری کو ایسا سنبھالا کہ آج ڈپٹی کلکٹروں میں کوئی ان کا مدمقابل نہیں- ایسے شخص کو کون بہکا سکتا ہے اور وہ کیوں کسی کے بہکائے میں آنے لگا- وہ چاہے تو آپ ہزاروں کو بہکا کر چھوڑ دے اور پھر کیا بہکائے میں آ گئے؟ کرسٹان ہو گئے؟ انگریزوں کے مذہب کو تو اب ایسا لتاڑتے اور لتھیڑتے ہیں کہ ان کا جی جانتا ہوگا- انگریز ان کو کیا بہکاتے وہ تو الٹے ان کی اس وضع سے جلتے اور خار کھاتے ہیں اور سارا جھگڑا تو اسی بات کا ہے- آج وہ ہندوستانی بن کر رہیں' صاحب کلکٹر سے صفائی کرا دینے کا میرا ذمہ-

ساس: پھر بیٹا تم ہی بھائی کو کچھ سمجھاؤ-

داماد: میں تو ہزار دفعہ سمجھاؤں مگر کوئی سمجھنے والا بھی ہے؟ یہ جو صورت پیش آئی اس کا تو کسی کو خیال بھی نہ تھا مگر ہاں' بھائی ابن الوقت کی غیر معمولی ذہانت اور بلند نظری دیکھ کر مجھے اچھی طرح سے یاد ہے بڑے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ اس لڑکے کی حالت خطرناک ہے' یہ بڑا ہو کر نہیں معلوم کیا کرے گا!

ساس: ''ابن صاحب مجھ سے کہہ گئے ہیں کہ وہ فرنگی ان کی ہوشیاری دیکھ کر لٹو ہو گیا تھا اور وہی ان کو اکسا کر لے گیا- اگر یہ ساتھ نہ دیں تو فرنگیوں کے لیے دلی کبھی نہ لی جائے- پھر میں یہی کہوں گی اس فرنگی نے میرے بچے کو کچھ کر دیا- خدا اس کو کھووے-

داماد: کر کیا دیا؟ ایک دم سے ڈپٹی کلکٹر کر دیا' جاگیردار کر دیا-

ساس: نہیں بیٹا' کچھ جادو کر دیا-

یہ سن کر حجتہ الاسلام ہنسنے لگا- آپ کو یہ بھی معلوم ہے انگریز بالکل جادو کے قائل نہیں-

ساس: کیا جانیں بھائی' سنتے ہیں کہ فرنگی بڑے جادوگیرے ہوتے ہیں- جادو کے زور سے سارے ملک لیتے چلے جاتے ہیں اور ان کو ایسا جادو آتا ہے کہ پل میں ہزاروں کوس کی خبر منگوا لیں-

داماد: وہ عقل کا جادو ہے-

Marfat.com

ساس: اچھا تم ان کی بادشاہ زادی کو لکھو۔

داماد: کیا؟

ساس: یہی کہ تمہارے فرنگیوں نے ایسا ظلم کر رکھا ہے کہ ہمارے آدمی کو بہکا کر فرنگی بنا لیا ہے۔ اگر وہ سچ مچ کی بادشاہ زادی ہے تو ضرور ہماری فریاد لے گی لیکن بعضے آدمی کہتے ہیں بادشاہ زادی کو مت لکھواؤ' کمپنی کو لکھواؤ۔ کمپنی اس کی بیٹی ہے اور بادشاہ زادی نے یہ ملک بیٹی کے جہیز میں دے ڈالا ہے' کمپنی کا حکم چلتا ہے۔ سو تم کو تو اصل حال معلوم ہوگا۔ کسی ایسے کو لکھو کہ بس دیکھتے کے ساتھ ہی حکم کر دے۔ بھلا کہیں خدا کی خدائی میں ایسا بھی اندھیرا ہوا ہے کہ آپ ہی تو فرنگیوں نے بلایا اپنے میں ملایا اور دوسرا فرنگی ایسا ظالم آیا کہ آتے کے ساتھ لگا دشمنی کرنے۔ دیکھنا' تم بادشاہ زادی کو مجھ ساری باتیں لکھوانا' بھولنا مت۔ ذرا یہاں کے فرنگیوں کی بھی تو حقیقت کھلے کہ کسی بھلے آدمی کو دھوکا دینا ایسا ہوتا ہے۔ بادشاہی کیا گئی سارے فرنگی بے سرے ہو گئے۔

داماد: جو تدبیر کرنے کی ہوگی' بھائی ابن الوقت کب اس سے غافل ہوں گے اور ان سے بہتر سوجھے گی بھی کس کو۔ آپ تو صرف خدا کی بارگاہ میں دعا کرتے رہیے' ہزار تدبیروں کی ایک تدبیر تو یہ ہے۔ بھائی کے ذمے کوئی الزام نہیں۔ رشوت وہ نہیں لیتے' کام چور وہ نہیں' نالائق نہیں۔ کلکٹر نہیں' کلکٹر کا باوا بھی ہو تو ان کا کچھ نہیں کر سکتا۔ سارا فساد صرف انگریزی وضع کا ہے۔ خدا مقلب القلوب' وہی ان کے دل کو پھیرے تو پھیرے۔

Marfat.com

فصل بست و ششم

# حجتہ الاسلام نے صاحب کلکٹر مسٹر شارپ سے ابن الوقت کی صفائی کرادی

حجتہ الاسلام جب اپنے ضلع سے چلنے لگا تو اس کو اس بات کا خیال آیا تھا کہ ایسے وقت میرے جانے سے خواہی نہ خواہی لوگ سمجھیں گے کہ بھائی کی مدد کو آئے ہیں' مگر میں کس قابل ہوں اور ان کی کیا مدد کر سکوں گا - بارہ دری کے لئے انہوں نے لکھا ہے سو نہ تو اس کو خریدنے کا مجھ کو مقدور ہے اور نہ میں اتنے بڑے مکان میں رہ سکتا ہوں - اس مکان میں رہنے کو چاہئے امیری ٹھاٹھ - ساری عمر رہا پردیس' ادھر کے حکام میں کسی سے معرفت نہیں' ملاقات نہیں - جاتا ہوں تو میرے جانے سے ان کا کچھ مطلب نہیں نکلتا اور نہیں جاتا تو مروت تقاضا نہیں کرتی - خیر خدا ہی آبرو رکھنے والا ہے - وہ بڑا مسبب الاسباب ہے - عجب نہیں غیب سے کوئی سامان ہو اور خدا مجھ کو بھائی ابن الوقت کی کار برداری کا ذریعہ ٹھہرائے - اپنے صاحب کلکٹر سے رخصت ہونے گیا تو انہوں نے پوچھا: آپ ساری رخصت دلی میں صرف کریں گے یا کہیں اور بھی جانے کا ارادہ ہے؟

**حجتہ الاسلام:** آپ کو معلوم ہے کہ میں حج کے بعد بمبئی سے کلکتے ہو کر یہاں چلا آیا تھا اس وقت دلی جانا نہیں ہوا - اب تو سیدھا دلی جاؤں گا اور غالب ہے کہ رخصت بھر وہیں رہنا ہوگا - ان شاء اللہ تعالیٰ دسویں پندرھویں عریضہ خدمت میں بھیجتا رہوں گا -

**صاحب کلکٹر:** نہیں معلوم ان دنوں دلی میں حاکم ضلع کون ہے؟

**حجتہ الاسلام:** شارپ صاحب نامی کوئی صاحب ہیں -

**صاحب کلکٹر:** ولیم تھیاڈور شارپ؟

**حجتہ الاسلام:** ڈبلیو - ٹی - تو ان کے نام کے ساتھ لکھا جاتا ہے' وہی ہوں گے -

Marfat.com

صاحب کلکٹر: وہ تو ڈیرہ اسماعیل خاں کی طرف تھے؟

حجتہ الاسلام: کہیں اسی طرف سے بدل کر آئے بھی ہیں۔

صاحب کلکٹر: اگر ولیم تھیاڈور صاحب ہیں تو میرے رشتے دار ہیں۔ میری خالہ زاد بہن ان کو بیاہی ہوئی ہے مگر میم صاحب ان دنوں ولایت میں ہیں۔ اگر آپ صاحب سے ملنا چاہیں تو میں ان کے نام خط لکھ دوں؟

حجتہ الاسلام: میں صاحب کی خدمت میں ضرور حاضر ہوں گا۔ اول تو ہمارے شہر کے حاکم، دوسرے آپ کے رشتے دار۔

صاحب کلکٹر نے شارپ صاحب کے نام چٹھی اور اپنی تصویر حجتہ الاسلام کو دی کہ چٹھی کیساتھ یہ تصویر بھی صاحب کو دیجئے گا۔ چٹھی میں حجتہ الاسلام کے متعلق یہ مضمون تھا کہ میں اس علاقے کے تمام ڈپٹی کلکٹروں میں ان کو دل سے پسند کرتا ہوں۔ اس طرف تمام سرکاری محکموں میں چھڑا بنگالی بابو ہیں، گویا سرکاری خدمتوں کے ٹھیکہ دار ہیں۔ مجھ کو اس قوم سے دلی نفرت ہے۔ انگریزی پڑھ کر یہ لوگ ایسے زبان دراز اور گستاخ اور بے ادب اور شوخ ہو گئے ہیں کہ سرکاری انتظام پر بڑی سختی کے ساتھ نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ اگر کہیں ان لوگوں میں ہندوستان کے بلند حصے کے باشندوں کی طرح دلی جرأت اور دلیری بھی ہوتی تو انہوں نے انگریزی حکومت کا جوا اپنی گردنوں پر سے کبھی کا اتار کر پھینک دیا ہوتا مگر شکر ہے کہ ان کی ساری بہادری زبانی ہے۔ تاہم ان کا بڑبڑانا سخت ناگوار ہوتا ہے اور میں ہمیشہ افسوس کیا کرتا ہوں کہ میں نے ایسے خودسر، نااحسان مند اور بددل علاقے کو کیوں اختیار کیا تھا۔

حجتہ الاسلام کی وضع کے آدمی یہاں بہت کم دکھائی دیتے ہیں۔ یہ اپنی پرانی وضع کو بہت مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے ہیں اور اس کو دل سے پسند کرتے ہیں اور بندر کی طرح نقل کرنے کو ذلیل کام جانتے ہیں اور میں ان کو اس رائے کی وجہ سے بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ غدر کے دنوں میں یہ عرب میں تھے نہایت بے باکی کے ساتھ جو ہر ایک سچے مسلمان میں ہوتی ہے، غدر کی نسبت اپنی یہ رائے ظاہر کیا کرتے ہیں کہ

Marfat.com

گورنمنٹ انگریزی نے مسلمانوں کی بڑی دل شکنی کی- اس نے ہندو مسلمانوں کو ایک نگاہ سے دیکھا اور دونوں قوموں کی حالتوں کے اختلاف پر نظر نہ کی- وہ کیا عمدہ ایک مثال دیتے ہیں کہ حکومت یعنی سلطنت بمنزلہ ماں کے دودھ کے ہے' مسلمان بجائے اس بچے کے ہیں جس کا دودھ حال میں چھڑایا گیا- اس کو دودھ کا مزہ بہ خوبی یاد ہے اور وہ اس کے لیے پھڑکتا ہے- مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو ایسے ہیں جیسے دو ڈھائی برس کے بچے کے آگے سو برس کا بڈھا- اس نے بھی کبھی قرن گزرے ماں کا دودھ پیا تھا مگر اب کی مدت ہائے دراز سے اس کو یہ خبر نہیں کہ پھیکا تھا یا میٹھا- کیا اگر ایک دودھ چھٹا ہوا بچہ کھچڑی کھاتے میں منہ بناتا ہے تو اس پر سختی کی جائے گی کہ تو بڑے آدمیوں کی طرح چاؤ سے کیوں نہیں کھاتا؟

سینکڑوں برس سے ہندوؤں کے پاس نہ لٹریچر ہے اور نہ علم ان کو انگریزی کا اختیار کر لینا کیا مشکل تھا' جیسے ایک برہنہ آدمی ایک لنگوٹی کی بھی بڑی قدر کرتا ہے لیکن مسلمان اپنی کلاسیکل لینگوئج (ام الالسنہ) عربی پر واجب فخر کرتے ہیں جس کے بدون اردو اور فارسی زبانیں بالکل پھیکی معلوم ہوتی ہیں- لاکھوں مسلمان قرآن کی بلاغت پر سر دھنتے اور اس کو زبانی یاد رکھتے ہیں- مسلمانوں کا لٹریچر زندہ لٹریچر ہے' نہ سنسکرت اور لیٹن کی طرح کتابوں میں مدفون- ان کے علوم زمانے کے انقلاب کی وجہ سے مرجھا گئے ہیں مگر مرے نہیں- پس اگر مسلمان انگریزی سے کنارہ کشی کرتے رہے تو ان کے پاس کنارہ کشی کرنے کی وجہ تھی-

حجتہ الاسلام اس بات پر بڑا زور دیتے ہیں کہ ظاہر میں انصاف اسی کا متقاضی ہے کہ ہندو مسلمانوں کے جملہ حقوق برابر سمجھے جائیں لیکن نظر غور سے دیکھا جاتا ہے تو یہ انصاف اس راجا کے انصاف سے زیادہ تعریف کا مستحق نہیں جس نے اپنے علاقے میں تمام دھان پانچ پنسیری کے حساب سے بکوائے تھے- مسلمان اس ملک کے اصلی باشندے نہیں- وہ ملک کو فتح کرنے آئے اور رہ پڑے- انہوں نے زمینداریوں پر قبضہ کرنے کا ایک لمحے کے لیے بھی خیال نہیں کیا اور نہ ان خیال کرنے کی ضرورت تھی-

Marfat.com

ذرائع معاش میں سے ان دنوں نوکری زیادہ معزز سمجھی جاتی تھی اور وہ ان کی مٹھی میں تھی- زوال سلطنت سے معاش کا یہ ایک ذریعہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتا رہا' جب کہ ہندو دوسرے تمام ذرائع پر بدستور قابض ہیں اور پھر نوکری میں آدھے کو دعوے دار' وہ بھی کہنے کو' کیونکہ نفس الامر میں ہندو تین چوتھائی سے زیادہ نوکریوں پر مسلط ہیں-

یہ جو کچھ میں نے لکھا' اگر میں نے سمجھنے میں غلطی نہ کی ہو' حجتہ الاسلام صاحب کی شخصی رائے ہے- مجھ کو ان سے کسی کسی بات میں اختلاف بھی ہے لیکن اگر آپ ان کو بات کرنے کا موقع دیں گے تو آپ کوئی مضمون ایسا نہ پائیں گے کہ اس پر وہ معقول رائے نہ دے سکیں- وہ بڑے خوش تقریر آدمی ہیں' سننے والوں کو بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں-

ایک بات حجتہ الاسلام صاحب نے اسی قسم کی مجھ سے اور بھی کہی تھی' اور وہ بھی دل کو لگتی ہوئی سی ہے- وہ ہندوؤں پر اپنی قوم کو اس وجہ سے بھی ترجیح دیتے ہیں کہ مذہب اسلام سلف رسپکٹ (Self respect) سکھاتا ہے یعنی انسان کو اس کی نظر میں معزز کرتا ہے- مسلمان اس میں انسانیت کی توہین سمجھتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے ایک کلے پر طمانچہ مارے تو عیسائی کی طرح وہ دوسرا کلہ بھی اس کے سامنے کر دے کہ لے اور مار- اسلام نے خدا کی توحید کو بالکل نتھار دیا ہے اور کسی طرح کا شائبہ اس میں باقی نہیں رکھا- مسلمان سوائے ایک خدا کے جس کو کوئی انسان دیکھ نہیں سکتا' موجودات عالم میں سے ارضی ہوں یا سماوی' کسی چیز کی عبادت یعنی اعلیٰ درجے کی تعظیم نہیں کرتا- حجتہ الاسلام صاحب کے بیان کے مطابق اسلام خودداری اور بے تکلفی اور سادگی اور توکل اور صبر کا مجموعہ ہے- لیکن ہندو بندر اور سانپ اور گائے اور پیپل اور تلسی اور آگ اور پانی اور پتھر اور چاند اور سورج ہر چیز کے آگے ماتھا ٹیکنے کو موجود ہے' جس کے معنی دوسرے لفظوں میں یہ ہیں کہ آدمی سب میں ادنی درجے کا مخلوق ہے اور اس کو دنیا میں ادنیٰ بن کر رہنا چاہیے- حجتہ الاسلام صاحب اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مسلمان کار فرمائی اور حکومت کے لیے بنایا گیا ہے' جس طرح ہندو کارکنی اور اطاعت کے لیے- وہ

Marfat.com

کہتے ہیں خوشامد اور ابتذال اور دنائت کی باتیں مسلمان سے ہو نہیں سکتیں اور اگر کوئی مسلمان کرتا ہو تو جان لینا کہ مذہب میں پکا نہیں اور سرکاری خدمتوں میں مسلمانوں کی کمی کا ان کے نزدیک ایک سبب یہ بھی ہے- میں تو ان کو ایسی باتوں میں اکثر چھیڑا کرتا ہوں' اس غرض سے کہ کچھ کہیں' تو ایک دن گرم ہو کر بولے کہ مسلمان چاہیں مٹ ہی کیوں نہ جائیں مگر ان کے دل پر سے یہ بات تو نہیں مٹے گی کہ انہوں نے چھ سو برس اس ملک میں حکمرانی کی ہے-

با ایں ہمہ حجتہ الاسلام صاحب کے خیالات گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ نہایت درجے کے خیر خواہانہ ہیں اور مجھ کو کامل تیقن ہے کہ اگر وہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں ان اضلاع کی طرف ہوتے تو اپنے بھائی ابن الوقت کے برابر یا ان سے بھی بڑھ کر سرکار کی خیر خواہی کا کوئی کارنمایاں کرتے- انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے عرب میں اسلامی سلطنت کا نمونہ دیکھا ہے- ملک نہایت تباہی کی حالت میں ہے اور افسوس ہے کہ جس جگہ مسلمانوں کی قوم پیدا ہوئی اور جہاں ان کی سلطنت کی بنیاد پڑی اس کا یہ حال ہو کہ باوجودیکہ ہر سال بلا ناغہ لاکھوں مسلمان جاتے ہیں مگر نہ امن ہے اور نہ آسائش- صرف دوسرے ملکوں کے صدقات پر وہاں کے لوگوں کی گزران ہے- وہ لوگ تنزل کے ایسے درجے میں پہنچ گئے ہیں کہ نہ صرف بدترین نمونے مسلمانوں کے ہیں بلکہ بدترین نمونے انسانوں کے-

یہ چٹھی مسٹر شارپ کے پاس جمعے کی شام کو پہنچی- انہوں نے سمجھا کہ خود حجتہ الاسلام لے کر آئے ہیں اور اسی خیال سے پڑھتے کے ساتھ باہر نکل آئے مگر معلوم ہوا کہ ملاقات کے لیے وقت فرصت دریافت کیا ہے- جواب میں کہلا بھیجا کہ اوقات کچہری کے علاوہ جس وقت جی چاہے- اگلے دن ایسے کوئی پونے سات بجے ہوں گے' حجتہ الاسلام پالکی میں سے اترتے ہی تھے کہ شارپ صاحب ہوا خوری سے واپس آئے- دونوں نے ایک دوسرے کو اٹکل سے جان لیا- یوں تو شارپ صاحب کا معمول تھا کہ ہوا خوری سے آئے پیچھے اچھے کامل ایک گھنٹے بعد ملاقاتیوں کی نوبت پہنچتی تھی یا گھوڑے

Marfat.com

سے اترتے کے ساتھ ہی اردلی کو حکم دیا کہ جو صاحب پالکی میں آئے ہیں ان کو اندر بھیج دو- صاحب سلامت ہوئی- غور سے دیکھا مہربانی سے بٹھایا اور کہا وکٹر صاحب نے چٹھی میں آپ کے ایسے تفصیلی حالات لکھے ہیں کہ میں آپ سے اجنبی محض ہو کر نہیں ملتا- صاحب کی رائے آپ کی نسبت بڑی عمدہ ہے اور آپ اس کے مستحق ہیں-

حجتہ الاسلام: ان کی قدردانی اور آپ کی بندہ نوازی ہے- وکٹر صاحب جتنی میری قدر کرتے ہیں' میں ان کی خوشنودی کی اس سے بہت زیادہ قدر کرتا ہوں-

شارپ: ڈپٹی ابن الوقت آپ کے کیسے بھائی ہیں؟

حجتہ الاسلام: میرے تو وہ کسی طرح کے بھی بھائی نہیں مگر ہاں میری بی بی ان کی پھوپھی زاد بہن ہے- اس رشتے سے چاہے مجھ کو بھی ان کا بھائی سمجھ لیجئے-

شارپ: وہی تو کہوں' نہ تو آپ کی ان کی صورت ملتی ہے اور ان کی وضع تو بالکل صاحب لوگوں کی سی ہے- آپ ٹھہرے تو ابن الوقت صاحب ہی کے پاس ہوں گے؟

حجتہ الاسلام: نہیں میں تو شہر میں ٹھہرا ہوں-

شارپ: کیوں صاحب آپ کو تو سب خبر ہوگی' ابن الوقت صاحب نے اس وضع کے اختیار کرنے میں کیا مفاد سمجھا؟

حجتہ الاسلام: بات یہ ہے کہ جن دنوں ابن الوقت کالج میں پڑھتے تھے تبھی سے ان کو انگریزیت کی طرف میلان سا تھا بلکہ ہم لوگ ان کو چھیڑا بھی کرتے تھے- مگر ان کی یہ کیفیت تھی کہ ہر بات میں ادبدا کر انگریزی کی جانب داری کیا کرتے- ان دنوں مجھ کو خوب یاد ہے نیچرل فلاسفی' ایسٹرانمی (Astronomy) کی کتابیں انگریزی سے ترجمہ ہو کر اور مڈل کلاسوں میں نئی نئی جاری ہوئی تھیں تو زمین کی کرویت' اس کی گردش' کشش ثقل' نظام شمسی وغیرہ مسائل سے ہم سب کو شروع شروع میں اچنبھا سا ہوتا تھا اور اکثر ابن الوقت کو ہم لڑکے باتوں باتوں میں بند کر کر دیتے- مگر یہ شخص قائل نہ ہوتا اور ہار کر کہتا تو یہ کہتا کہ اگرچہ میں تم کو سمجھا نہیں سکتا لیکن انگریزی اصول غلط ہو ہی نہیں سکتے- الغرض طفولیت سے اس شخص کے مزاج کی افتاد اسی طرح کی واقع ہوئی ہے-

Marfat.com

اب غدر میں اور اس کے بعد نوبل صاحب سے اختلاط ہوا زیادہ' میرے نزدیک تو اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا- مفاد و مطلب پر نہ پہلے نظر تھی نہ اب ہے-

شارپ: آپ کی رائے بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے اور بدھ بھی ملتی ہے- بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑائی کے مارے اس وضع کو اختیار کیا ہے-

حجتہ الاسلام: بڑائی تو خدا کی ہے مگر خدا نے آپ لوگوں کو دنیاوی بڑائی دی ہے تو آپ کی سبھی چیزوں میں بڑائی کی شان ہے' یہاں تک کہ لباس میں تو بلاشبہ- جو اس لباس کو پہنے گا لوگوں کی نظروں میں بڑا دکھائی دے گا- مگر میں نہایت وثوق کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ شیخی' غرور و تکبر' خود پسندی' یہ باتیں تو بھائی ابن الوقت کو چھو نہیں گئیں- جس نے کہا جھک مارا- میں ان کے ساتھ بچپن سے کھیلا ہوں' پڑھا ہوں' رہا ہوں' مجھ سے بہتر کوئی ان کی خصلت اور عادت کو جان نہیں سکتا- غدر سے ان کے مزاج میں کچھ شیخی سما گئی ہو تو خبر نہیں' ورنہ غدر سے پہلے تک تو ان میں شیخی کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا- اگر یہ خیال کیا جائے کہ نوکری اور زمینداری کے برتے پر شیخی میں آ گئے تو غدر سے پہلے بھی گرے پڑے نہ تھے- نواب معشوق محل بیگم کی سرکار میں تمام سیاہ سفید کے مختار کل تھے اور خاندانی تعزز اور مقدرت دونوں کے لحاظ سے اس وقت بھی عمائد شہر میں سمجھے جاتے تھے- کیا ان کے پاس متعدد نوکر نہ تھے' متعدد سواریاں نہ تھیں' متعدد حویلیاں نہ تھیں؟ چار پانچ بنگلوں کا مول تو ان کی ایک بارہ دری کھڑی ہے- ہاں یہ سچ ہے کہ تنخواہ بھاری نہ تھی' سو بادشاہی سرکاروں میں ان کی کیا تخصیص ہے؟ سبھی کی تنخواہیں تھوڑی ہوتی تھیں- مگر انعام کرام ملا کر دس دس روپے کا نوکر ایسی اچھی شان سے رہتا تھا کہ ہمارے یہاں سو کے تنخواہ دار کو بھی وہ بات نصیب نہیں- غرض شیخی کا الزام تو نراڈھکوسلا ہے' خودداری کہئے تو ایک بات بھی ہے لیکن خودداری میرے نزدیک لازمہ شرافت طبیعت ہے- آدمی آدمی سب برابر' تاہم انتظام الٰہی اس کا مقتضی ہے کہ ان میں مراتب کا تفرقہ ہو' کوئی باپ ہے کوئی بیٹا' کوئی حاکم ہے کوئی محکوم' کوئی آقا ہے کوئی نوکر' کوئی امیر ہے کوئی غریب- اگر خودداری نہ ہو تو دنیا کا انتظام درہم برہم ہو جائے- خودداری کے معنی یہ ہیں کہ آدمی جس درجے کا ہو اپنے تئیں اسی درجے کے

Marfat.com

مناسب رکھے۔ کسی کو خدا نے سواری کا مقدور دیا ہے تو ضرور ہے کہ وہ ضرورت کے وقت سواری سے کام لے۔ پھر ایک بات اور ہے کہ انگریز اور ہندوستانی دونوں قسم کے حاکم ہیں مگر آپ لوگوں کی اور ہماری حکومت میں بڑا فرق ہے۔ آپ لوگ ساری عمر ہندوستان میں رہیں پھر بھی اجنبی کے اجنبی' برخلاف ہم لوگوں کے کہ ہم ٹھہرے اس ملک کے باشندے۔ رشتہ داری' قرابت داری' دوستی' قوم' مذہب' راہ و رسم' طرح طرح کے تعلقات ہمارے رعایا کے ساتھ ہیں۔ پس کام میں جو آزادی آپ لوگوں کو حاصل ہے' ہم کو خواب میں بھی میسر نہیں۔ ہم لوگوں کی حالت بڑی نازک ہے اور بھائی ابن الوقت پر تو ایک سختی اور ہے کہ اپنے ہی شہر میں ان کو کام کرنا پڑا اور کام بھی تحقیقات بغاوت کا کہ بہ حسابے کوئی متنفس اس سے بری نہیں۔ انھوں نے اپنی صفائی کی حفاظت کے لئے یا خود داری کے طور پر ملنے جلنے میں کمی سی کی ہوگی' اس کو لوگوں نے شیخی سے تعبیر کر لیا مگر یہ تو فرمایئے' آپ نے بھی ان کی کوئی شیخی کی بات دیکھی؟

شارپ صاحب نے وہ دریا گنج کا قصہ بیان کیا۔

حجتہ الاسلام: ہر چند وکٹر صاحب میرے حال پر حد سے زیادہ مہربانی فرماتے ہیں مگر میں ان کا ادب بھی کرتا ہوں اور نہ صرف ان کا بلکہ کل حکام انگریزی کا' کیونکہ میں نے سمجھ لیا ہے کہ یہ برتری ان کو خدا نے دی ہے اور خدا کے کلام پاک میں حاکم وقت کی اطاعت کا حکم صریح موجود ہے۔ لیکن گستاخی معاف' اگر دریا گنج کے نکڑ پر بھائی ابن الوقت کی جگہ آپ یا وکٹر صاحب مجھ کو اچانک مل گئے ہوتے تو میں بھی وہی کرتا جو بھائی ابن الوقت نے کیا اور میں یقین کرتا ہوں کہ وکٹر صاحب کے ذہن میں ایک لمحے کے لئے بھی شبہ نہ گزرتا کہ میں نے گستاخی کی۔

شارپ: ہم بھی آپ کی نسبت ایسا شبہ نہیں کرتے کیونکہ آپ ہندوستانی وضع رکھتے ہیں۔ لیکن آپ کے بھائی ہندوستانی ہو کر صاحب لوگ بننا چاہتے ہیں اور چاہے گستاخی کے ارادے سے نہ ہو مگر ہم لوگوں کو ان کی تمام باتوں پر گستاخی کا احتمال ہوتا ہے۔ ان کی وجہ سے ہم کو دوسرے ہندوستانیوں سے ملنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔ یہ لباس ہمارا قومی شعار ہے اور اگر کوئی ہندوستانی ہمارے جیسے کپڑے پہنے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری

Marfat.com

نقل کرتا ہے یا ہم کو چھیڑتا یا چڑاتا ہے- کوئی ہندوستانی ہمارے لباس کو جس میں اس کو کسی طرح کی آسائش نہیں' بے وجہ نہیں اختیار کرے گا اور سوائے اس کے کہ اس کے دل میں ہمارے ساتھ برابری کا داعیہ ہو اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ یہ ساری تدبیر انگریزوں کو ذلیل اور ان کی حکومت کو ضعیف اور ان کے رعب کو بے قدر کرنے کی ہے- آپ لوگ بھی اپنے سے کم درجے والے کو برابری کی حالت میں نہیں دیکھنا چاہتے تو ہم اپنی رعیت کو جیسے ہم نے بہ زور شمشیر زیر کیا ہے' کیوں اپنی برابری کرنے دیں گے؟ آج کو تو ابن الوقت صاحب ہیں' کل کو ایک محرر' پھر ایک چپراسی' پھر ایک قلی' سب ہماری نقل کریں گے- اس کے یہ معنی ہیں کہ ہم سلطنت سے دست بردار ہو کر ولایت کا راستہ لیں- نہیں نہیں! ایسا نہ ہوا ہے' نہ ہوگا اور چونکہ میں حاکم ضلع ہوں میرا فرض ہے کہ حکومت انگریزی کے مقابلے میں کسی کو سر نہ اٹھانے دوں- صدر والے اندھے ہیں' ان کو لوگوں سے واسطہ نہیں پڑتا لیکن ان کو سمجھایا جائے گا- صرف نوبل صاحب کے خیال سے میں نے اب تک درگزر کی لیکن اب میں دیکھتا ہوں تو سخت رپورٹ کرنے کی ضرورت ہے- آپ اگر اپنے بھائی کو سمجھا سکیں تو شاید ان کے حق میں بہتر ہوگا-

حجتہ الاسلام: میں آپ سے سچ عرض کرتا ہوں کہ اس گھڑی تک مجھ سے اور بھائی ابن الوقت سے تبدیل وضع کے بارے میں تحریراً یا تقریراً کوئی بات نہیں ہوئی- جب اول اول انہوں نے اپنی وضع بدلی' میرے پاس دلی سے خط پر خط جانے شروع ہوئے مگر مجھ کو ابن الوقت کی طبیعت کا ابتداء سے حال معلوم تھا اور میں خوب جانتا تھا کہ یہ شخص کسی کے سمجھائے سے سمجھنے والا نہیں- میں نے ایک کان تو کیا بہرا اور دوسرا کیا گونگا اور خبر نہ ہوا کہ کس کو بلاتے ہیں- تبدیل وضع کے پیچھے ساری دنیا نے تو اس شخص کو ملامت کی' کرسٹان کہا' بے دین کہا اور اب تک کہے جاتے ہیں' برادری سے نکال دیا' کوئی اس کے ہاتھ کا چھوا پانی تھوڑا ہی پیتا ہے' کنبہ چھوٹا' رشتہ دار چھوٹے' دوست آشنا چھوٹے' غرض رسوائی اور فضیحت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہا لیکن یہ عزیز نہ سمجھا پر نہ سمجھا- اب فرمایئے کہ کہنے کا کیا محل اور سمجھانے کا کونسا موقع ہے؟ وہ تو وہ' لوگ تو ہم لوگوں کے ساتھ ملنے میں بھی مضائقہ کرتے ہیں- میرے لڑکے کی نسبت ایک جگہ پیام تھا- بہت

Marfat.com

دنوں بات لگی رہی۔ طرف ثانی کو بھی دل سے منظور تھا۔ مگر آخر جواب دیا کہ ہمارے یہاں چار لڑکیاں بیاہنے کو بیٹھی ہیں' چاروں کی تمہارے یہاں کھپت ہو سکتی تو مضائقہ نہ تھا' ایک کی ہم تمہارے یہاں کر کے ہم کو سارے شہر میں تکو بنا پڑے گا۔ اسی سے آپ قیاس کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی سوسائٹی میں ہم لوگوں کی کس قدر بے عزتی ہو رہی ہے مگر کیا کریں کچھ اپنے اختیار کی بات نہیں۔ میں تو اسے غصے کے مارے دلی آتا نہ تھا لیکن بھائی ابن الوقت کی طرح وطن اور رشتہ داروں کو چھوڑا نہیں جاتا۔ بھائی ابن الوقت کی والدہ تو ان کو چھوٹے سے چھوڑ کر مر گئی تھیں' ان کو پھوپھی نے یعنی میری ساس نے پالا۔ ان کے تبدیل وضع سے پھوپھی کے دل پر جو صدمہ ہوا ہے' بس عرض کرنے کے قابل نہیں۔ دو برس سے وہ مجھ کو بلا رہی تھی' پر میں نے ہی آنے کی حامی نہ بھری۔ اب جو سنا کہ بھائی ابن الوقت پر قرض خواہوں کا نرغہ ہے اور بارہ دری بیچنے کو ہیں تو میں نے زیادہ بے رخی کرنا خلاف شیوۂ انسانیت سمجھا' چلا آیا۔

شارپ: ابن الوقت صاحب اور قرض دار!

حجتہ الاسلام: قرض دار بھی ہزار دو ہزار کے نہیں' دس ہزار سے کچھ زیادہ ہی تو گڑ والوں کا ہے۔

شارپ: ہم تو سنتے تھے کہ ابن الوقت صاحب کے پاس بڑا سرمایہ ہے۔ ساری دولت تو بیگم صاحب کی انہوں نے سمیٹی اور تحقیقات بغاوت میں بھی بہت کچھ پیدا کیا۔

حجتہ الاسلام: بھلا آپ کی عقل قبول کرتی ہے کہ انسان کے پاس سرمایہ ہو اور وہ مہاجن کے بھیاج بھرے اور ایسے مکان کو بیچنا چاہے جو اس کے بزرگوں کی حشمت اور ثروت کی یادگار ہے۔ اور نوکری میں کچھ پیدا کیا ہوتا تو آپ کی ناخوشی اعلیٰ ادنیٰ سب کو معلوم ہے' دینے والے کبھی کے امنڈ پڑتے۔ غرض بھائی ابن الوقت کے بارے میں آپ کو جتنی خبریں پہنچی ہیں ان میں رتی برابر بھی تو سچ نہیں۔ شیخی باز کہہ دیا' بالکل بے جوڑ' مال دار بنا دیا' سر تا سر غلط' مرتشی بنا دیا' تمام تر بہتان۔ بھلا اور زیادہ نہیں تو گڑ والوں کا ہی یہی کھاتہ منگوا کر ایک نظر دیکھیے' جھوٹ سچ سب آپ پر منکشف ہو جائے گا۔

شارپ: بھلا پھر ابن الوقت صاحب اس قدر بدنام کیوں ہیں؟ ہم نے تو کسی کے منہ

Marfat.com

سے ان کی بھلائی نہیں سنی۔

حجتہ الاسلام: آپ کو ہندوستانیوں کے خصائص مزاجی سے بہ خوبی آگاہی نہیں۔ ہم لوگوں میں اس طرح کا حسد ہے کہ ایک کو ایک کھائے جاتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم میں ادبار آتا ہے تو حالت کے بگڑنے سے پہلے قوم کی طبائع بگڑ جاتی ہیں۔ بھائی ابن الوقت کی حالت مسخ ہونے کی ہے۔ غدر لوگوں کے حق میں عذاب تھا اور ان کے حق میں رحمت اوروں کے لیے مصیبت تھا ان کے لیے موجب فلاح و برکت۔ ہندوستانیوں کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کیا قصور ہوگا کہ ان میں کا ایک شخص غدر کی تمام آفتوں سے محفوظ رہا' سرکار نے اس کی خیر خواہی کی قدر کی' بڑی سے بڑی خدمت دی' جاگیر دی اور حکام لگے اس کی خاطر و مدارات کرنے۔

شارپ: خیر کچھ ہی ہو' میں تو اس کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ کوئی ہندوستانی انگریزوں کی نقل کرے۔

حجتہ الاسلام: مجھ کو بھی بہت ہی زبون معلوم ہوتا ہے۔ بھلا ہوا کہ آپ ادھر بنگالے میں کی طرف نہ ہوئے۔ وہاں کے لوگ تو نقل کے علاوہ چھیڑتے بلکہ چڑاتے بھی ہیں۔

شارپ: وکٹر صاحب بھی وہاں سے بہت ناراض ہیں اور وہاں کے لوگوں کی بہت شکایت لکھتے ہیں۔

حجتہ الاسلام: انگریزی پڑھ پڑھ کر وہ لوگ ایسے بے باک ہو گئے ہیں کہ کسی حاکم کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے کتنا ہی پھونک پھونک کر پاؤں رکھیے مگر وہ بدون گرفت کیے نہیں رہتے۔ قانون کی تو پوری پوری اطاعت کرتے ہیں لیکن کوئی حاکم چاہے کہ بے ضابطہ کوئی کارروائی کرے کیا مجال۔ ولایت تک اس کے دھوئیں بکھیر کر بھی بس نہ کریں۔ ان اضلاع میں دیسی اخبار ایسے پھیل پڑے ہیں جن کا شمار نہیں۔ جس اخبار کو کھول کر دیکھیے شروع سے آخر تک گورنمنٹ کی مذمت' حکام کی ہجو اور اس پر بھی بند نہیں' ناولوں کے ذریعے سے فضیحت کریں' تھیٹروں میں نقلیں نکالیں' سوانگ بنا بنا کر سر بازار پھرائیں۔ یہاں تو کل ہی میں جامع مسجد سے نماز پڑھ کر آ رہا تھا' دیکھتا کیا ہوں کہ ایک انگریز گھوڑے پر سوار چلا جا رہا ہے اور لوگ ہیں کہ دو طرفہ اس کو کھڑے ہو ہو کر سلام کرتے

Marfat.com

جاتے ہیں- میرے ساتھ اسی طرف کا ایک خدمت گار ہے' وہ میرے پیچھے پیچھے تھا- یہ کیفیت دیکھ کر اس کو سخت حیرت ہوئی اور کسی سے پوچھا' کیوں جی' یہ کون صاحب ہیں جن کو لوگ اس طرح پر سلام کر رہے ہیں؟ اور جب اس نے سنا کہ یہ کوئی سڑک کا ٹھیکہ دار ہے تو اس کو اور بھی تعجب ہوا مگر پھر لوگوں نے اس کو سمجھا دیا کہ اس طرف انگریزوں کی حکومت کا یہی رنگ ہے- کوئی انگریز ہو اس کو سلام کرنا چاہیے اور نہ کرو تو بعضے تو ٹوک دیتے ہیں اور بعضے ٹھوک بھی دیتے ہیں-

شارپ: پھر ان اضلاع میں حکومت کس چیز کا نام ہے؟

حجتہ الاسلام: ہمارے یہاں صرف قانونی اختیارات کے عمل میں لانے کا نام حکومت ہے- اس میں بھی اس قدر پتے کو مارنا پڑتا ہے کہ بس جو کرتا ہے اسی کا جی جانتا ہے- آپ گھبرائیے نہیں' اب انگریزی کا چرچا ان اطراف میں بھی بہت ہو چلا ہے' کوئی دن کو یہ بھی بنگالہ ہوا جاتا ہے-

شارپ: کچھ پروا کی بات نہیں- اس وقت تک ہماری سروس کی میعاد تو ہو چکے گی مگر یہ تو کہیے' آپ کو اس کا انجام کیا معلوم ہوتا ہے-

حجتہ الاسلام: انجام کی خبر تو خدا ہی کو ہے- یہ باتیں بڑے لوگوں کے سوچنے کی ہیں' کیا میں اور کیا میری رائے-

شارپ: بھلا پھر بھی کیا ہوا' ہر ایک انسان رائے تو رکھتا ہے' صحیح ہو یا غلط-

حجتہ الاسلام: خیر' آپ پوچھتے ہیں عرض کرتا ہوں کہ میرے نزدیک انگریزی تعلیم کا یہ نتیجہ تو ایک نہ ایک دن ضرور ہونا ہے کہ گورنمنٹ کا گنگا جمنی رنگ کہ کسی قدر انگریزی ہے اور کسی قدر ایشیائی اور جس کے لیے یوریشین کا لفظ نہایت مناسب ہے اور ہم اپنی زبان میں ایسا لفظ بنانا چاہیں تو مغلئی اور انگریزی کو ملا کر ''مغریزی'' کہہ سکتے ہیں' غرض گورنمنٹ کا یہ دوغلا پن تو باقی رہتا نظر نہیں آتا- ہندوستان اور ولایت میں جو پرلے درجے کی مغایرت اور اجنبیت تھی' یوماً فیوماً کم ہوتی چلی جاتی ہے اور اس کے چند در چند اسباب ہیں' انگریزی تعلیم' انگریزی اور دیسی اخباروں کی کثرت' ڈاک' ریل' تار' سفر ولایت کی سہولت' ہندوستانیوں اور انگریزوں دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے

Marfat.com

جاننے پہچاننے کا شوق۔ غرض جس قدر ہندوستانیوں کی آنکھیں کھلتی جاتی ہیں اسی قدر ان کے حوصلے بڑھتے جاتے ہیں۔ انجام کار ہندوستانی ضرور خواہش کریں گے کہ ہوم گورنمنٹ اور انڈین گورنمنٹ دونوں کا ایک رنگ ہو اور ولایت میں جو حقوق رعایائے سلطانی ہونے کی بحیثیت سے آپ لوگوں کے تسلیم کیے گئے ہیں اور جو اختیار آپ لوگوں کو دیے گئے ہیں' وہی حقوق اس ملک میں ہندوستانیوں کے تسلیم کیے جائیں اور وہی اختیار ان کو ملیں۔

شارپ: درخواست تو معقول ہے کیونکہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے ہندوستانیوں نے اپنی وفاداری کا بڑا عمدہ ثبوت دیا ہے!

حجتہ الاسلام: غدر میں رعیت کو آپ ناحق سانتے ہیں۔ غدر سے اور رعیت سے کیا تعلق؟ غدر کیا آپ کی فوج نے۔ رعیت کیوں فوج کی ذمہ دار ہونے لگی۔ رعیت عبارت ہے رئیسان با اقتدار سے' یہ حیثیت مجموعی' زمینداروں سے' بہ حیثیت مجموعی' تجارت پیشوں سے' بہ حیثیت مجموعی' اہل حرفہ سے' بحیثیت مجموعی' تمام رعایا کو تو بھلا کون باغی ٹھہرا سکتا ہے' آپ کسی ایک گروہ کا نام لیجئے کہ اس نے بہ حیثیت مجموعی تمام ملک میں بغاوت کی ہے۔ جناب' بحیثیت مجموعی تو آپ کی فوج نے بھی بغاوت نہیں کی۔ بغاوت ایک جاہلانہ شورش تھی خاص خاص لوگوں کی' خاص خاص وجوہ سے' خاص خاص مقامات میں اور ایسی شورشیں ولایت میں بھی اکثر ہوتی رہتی ہیں۔ اگر خدانخواستہ رعایا نے بحیثیت مجموعی بغاوت کی ہوتی تو معاذ اللہ وہ طوفان کسی کے روکے رکتا بھی؟

شارپ: خیر جی' وہ غدر تو گیا گزرا ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کا ہونا انگریزی گورنمنٹ کے حق میں مفید ہوا کیونکہ ہندوستانیوں کے دل میں یہ بھی ایک ارمان تھا سو نکل گیا۔ ہم لوگ ہمیشہ بلوے اور ہنگامے کے نام سے ڈرتے تھے۔ اب معلوم ہوا کہ اس ملک میں بلوا اور ہنگامہ بچوں کی بیچا ہے۔ سارے ملک سے ہتھیار رکھوا لیے گئے ہیں اور گورنمنٹ پہلے سے بہت زیادہ قوی اور مطمئن ہے۔ مگر آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بغاوت کا مادہ دلوں میں موجود ہے اور یہ ضرور پھر ایک نہ ایک دن اپنا رنگ لائے گا۔ کس طرح کے لوگ ہیں کہ غدر کی وجہ سے اتنی آفتیں نازل ہوئیں اور پھر باز نہ آئے۔ ان کے لیے

Marfat.com

تو حقیقت میں خالص ایشیائی حکومت چاہیے۔ اسی کے یہ ہمیشہ سے خوگر ہیں اور اسی سے یہ ٹھیک بھی رہتے ہیں۔

حجتہ الاسلام: محال عقل ہے کہ برٹش گورنمنٹ ایسی اجلی اور مہذب اور شائستہ گورنمنٹ ہو کر وحشی اور بیہودہ اور نالائق گورنمنٹوں کا طریقہ اختیار کرے۔

شارپ: پھر آپ لوگ برٹش گورنمنٹ کی جیسی چاہیے قدر کیوں نہیں کرتے؟

حجتہ الاسلام: تمام ہندوستان میں کسی مذہب کسی قوم کا ایک متنفس بھی ایسا نہیں جو برٹش گورنمنٹ کو تہ دل سے عزیز نہ رکھتا ہو۔ ہم لوگ نیم وحشی' جاہل' نامہذب جو کچھ ہیں' سو ہیں مگر باولے نہیں کہ اپنے نفع و نقصان میں امتیاز نہ کر سکیں۔ امن اور آسائش اور آزادی اور انصاف اور جان اور مال اور مذہب یعنی تمام حقوق کی حفاظت اور فلاح اور بہبود جو انگریزی عملداری میں ہے' ہم سب سمجھتے اور سب کے لیے' پہلے خدا کے اور خدا کے بعد گورنمنٹ کے بہت بہت شکر گزار ہیں۔ ہم نے ایشیائی گورنمنٹ کی مصیبت نہیں جھیلی تو بھی ہم اس کی حقیقت سے واقف ہیں۔ ہم نے بزرگوں سے بہت سے دردناک افسانے سنے ہیں اور ایشیائی گورنمنٹ کے نمونے اگرچہ برٹش گورنمنٹ کے طفیل سے پورے پورے نہیں مگر ناقص اور ادھورے جا بجا دیسی ریاستوں میں اب بھی موجود ہیں اور ہم میں کے بہت لوگوں کو دوسرے ملکوں میں جانے اور رہنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ غرض' پردے کی بیٹھنی والی عورتیں تک جانتیاں ہیں کہ انگریزی عملداری کے برابر روئے زمین پر کہیں آرام نہیں۔

شارپ: آپ ہی یہ بھی کہتے ہیں اور آپ ہی کے بیان سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ لوگ انگریزی عملداری سے خوش نہیں۔

حجتہ الاسلام: میری زبان سے ایسے الفاظ شاید نکلے ہوں مگر خیر مطلب ایک ہی ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے ملک میں گنتی کے چند آدمی پولیٹیکل باتوں کے سوچنے سمجھنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور وہ چند آدمی بھی اکثر بلکہ سب سرکار کے بنائے' تیار کیے ہوئے ہیں جنہوں نے سرکاری کالجوں میں تعلیم پائی اور ان کی دو سے چار آنکھیں ہوئیں۔ غرض پولیٹیکل خیالات اس زمانے کی جدید تعلیم کے نتیجے ہیں۔ جوں جوں تعلیم کا رواج ہوتا

Marfat.com

جاتا ہے' پولیٹیکل خیالات کی کثرت ہوتی جاتی ہے-قومی اتفاق جس کو آپ نیشنیلٹی کہتے ہیں نہ ہندوستان میں اب ہے اور نہ آئندہ اس کے قائم ہونے کی امید' نہ سارے ہندوستان کا کبھی ایک مذہب ہوگا اور نہ یہاں کے باشندے کبھی ایک نیشن بنیں گے- پس ناراض' ناخوش جو کچھ سمجھئے نئے تعلیم یافتہ کہ یہی لوگ اخباروں میں' لکچروں میں' اکثر جلی کٹی کہتے رہتے ہیں' سو ان کی نارضامندی اور ناخوشی بھی ہرگز مخالفانہ اور باغیانہ نہیں ہے بلکہ اسی قسم کی جیسے آپ کے عملوں میں سے کوئی شخص اپنے تئیں ترقی کا مستحق سمجھتا ہے اور اس کو اس کی خواہش کے مطابق ترقی نہیں ملتی- آپ فرماتے ہیں کہ غدر کے بعد بھی لوگ باز نہ آئے' سو جناب من! غدر کے بعد سے تو ہندوستانی اور بھی شیخی میں آ گئے- ان کی توقعات کی کچھ حد نہ رہی- کہتے ہیں کہ غدر میں لٹے کھسٹے' برباد ہوئے مگر خدا نے کمپنی سے پیچھا چھڑایا- سوداگر لکھ پتی' کروڑ پتی سہی مگر آخر ہے تو سوداگر جس نے ہر پیسے میں سے کچھ کوڑیاں بچا بچا کر دولت جمع کی ہے' اس میں بادشاہ کی سی سیر چشمی اور فیاضی کہاں اور پھر سوداگر کے علاوہ ملک کے ٹھیکیدار اور ٹھیکہ بھی میعادی' ان کو بادشاہ کی طرح رعیت کی پرداخت کا خیال کیوں ہونے لگا تھا- غرض کچھ ملے یا نہ ملے (اور نہ کیوں ملے ہی گا) لوگ تو بڑی بڑی امیدیں لگا رہے ہیں- ملکہ کو دیکھا نہیں' بھالا نہیں اور دیکھنے کی امید بھی نہیں مگر خدا جانے کیا بات ہے' کوئی دل نہیں جس میں ملکہ کے نام کے ساتھ جوش نہ پیدا ہوتا ہو-

شارپ: اوصاحب! اگر یہ صرف بنگالی بابوؤں کا غل ہے تو کچھ ہونا جانا نہیں- ان کے دماغ میں یہ خبط سمایا ہے کہ صرف ٹوٹی پھوٹی انگریزی پڑھ لینے سے ہم بھی یورپینز کی طرح کے آدمی ہیں اور ہمارے ساتھ بھی یورپینز کی سی مدارات ہونی چاہیے- سو سرے سے یہ یورپینز کی طرح کے آدمی ہی نہیں' یورپینز کی طرح کی ان میں نیشنیلٹی نہیں' پبلک نہیں' پبلک اوپینین نہیں' آزادی نہیں' روشن ضمیری نہیں' جفاکشی نہیں' استقلال نہیں' جرأت نہیں' سچائی نہیں' سچ کی تلاش نہیں' یک دلی نہیں' اتفاق نہیں-

حجتہ الاسلام: یہ آپ کا فرمانا بالکل درست ہے مگر لوگوں میں انگریزیت چلی آتی ہے

Marfat.com

اور گورنمنٹ بھی آہستہ آہستہ ہندوستانیوں کو اختیارات دیتی جاتی ہے۔ ابھی غدر کو کے دن ہوئے' گورنمنٹ کی شان ہی دوسری ہوگئی ہے۔

اس کے بعد شارپ صاحب نے سامنے میز پر ٹائم پیس کو دیکھا تو حجتہ الاسلام نے کہا میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ آج میں نے آپ کا بہت سا قیمتی وقت صرف کرا دیا۔

شارپ: مجھ کو آپ کی ملاقات سے بڑی خوشی ہوئی اور جیسا کہ وکٹر صاحب نے لکھا ہے آپ بڑی معلومات اور بڑی عمدہ رائے کے آدمی ہیں اور مجھ کو ہمیشہ آپ کی ملاقات سے خوشی ہوگی۔ میں وکٹر صاحب کو بڑی شکر گزاری لکھوں گا اور میں آپ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اپنے بھائی ابن الوقت کے بارے میں بالکل سچی سچی خبر دی ورنہ مجھ کو لوگوں نے ان سے بہت ہی بدظن کر دیا تھا۔

حجتہ الاسلام: آپ کی اس قدر عنایت دیکھ کر اب تو مجھ سے بھی صبر نہیں ہو سکتا اور میں بہ منت آپ سے التماس کرتا ہوں کہ آپ بھائی ابن الوقت کی طرف سے صاف ہو جایئے۔

شارپ: میں نے تمام غلط خیالات کو دل سے نکال ڈالا اور میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھ سے ان کے بارے میں غلطی ہوئی۔ جو باتیں لوگوں نے مجھ سے کہیں' ان کے ظاہر حال سے ان کی تصدیق ہوتی تھی۔ میں نے ان سے سب کام نکال لیا تھا اور ہر چند صاحب کمشنر نے لکھا ہے کہ بغاوت کا محکمہ راز داری کا محکمہ ہے اور اس کے فیصلے عام قوانین کے تابع نہیں' محکمہ بغاوت کی مثلیں دوسرے عملوں کو مت دیکھنے دو اور جن مقدمات میں ابن الوقت کارروائی کر چکے ہوں' ان ہی سے فیصلہ کراؤ' مگر میرا ارادہ ابن الوقت صاحب کو کام دینے کا نہ تھا اور امروز فردا میں میں رپورٹ کرتا مگر آپ نے جو حالات بیان کیے ان سے میری رائے بالکل بدل گئی۔ آج ہی ڈپٹی صاحب کو ان کے کام پر مسلط کر دوں گا۔

حجتہ الاسلام: کام نکال لیے جانے کی تو ان کو مطلق شکایت نہیں۔ ان کو اگر شکایت

Marfat.com

ہے تو اس بات کی ہے کہ آپ نے ان کو اپنی صفائی کے ثابت کرنے کا موقع نہیں دیا ورنہ یہاں تک نوبت ہی نہ پہنچتی۔

شارپ: شکر ہے کہ میرے ہاتھ سے ان کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچا۔

حجتہ الاسلام: یہ تو نہ فرمایئے' سوسائٹی میں ان کی بڑی بے وقعتی ہوئی۔

شارپ: (ذرا تامل کر کے) میں سوچ کر اس کی تلافی کر دوں گا مگر انہوں نے وضع ایسی اختیار کی ہے کہ کوئی انگریز ان کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کر نہیں سکتا۔

حجتہ الاسلام: آپ کو ان سے خانگی طور پر ملنے نہ ملنے کا اختیار ہے مگر میں ان کے تعزز منصبی کی حفاظت کے لیے عرض کرتا ہوں۔

شارپ: میں ضرور اس کا خیال کروں گا۔

چنانچہ اسی دن شارپ صاحب نے تحقیقات بغاوت کے تمام مقدمات کامل و ناکامل سب ابن الوقت کے محکمے میں واپس کر دیے۔ روبکار میں استمالت کے الفاظ' جن سے ایک طرح کی معذرت بھی مترشح ہوتی تھی' لکھوا دیے اور ابن الوقت کے نام ایک چٹھی الگ لکھی کہ آپ کے بھائی حجتہ الاسلام سے جو میں نے آپ کے حالات سنے' میرے سارے شکوک رفع ہو گئے اور میں آپ سے اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہوں اور اگر آپ اپنے بھائی حجتہ الاسلام کی سی وضع اختیار کریں جو آپ کی قومی وضع ہے اور جس میں آپ نے بھی اپنی عمر کا بڑا حصہ بسر کیا ہے اور جو ہر ایک ہندوستانی شریف کے لیے زیبا اور راحت بخش ہے تو مجھ میں اور آپ میں ایسی دوستی قائم ہو گی جس کو میں ساری عمر نبا سکوں گا۔

Marfat.com

# حجتہ الاسلام اور ابن الوقت کی

## دوسری ملاقات اور پھر مذہبی بحث

اگلے دن ابن الوقت کو تو صبح ہی سے حجتہ الاسلام کا انتظار تھا مگر یہ گھر سے کھانا وانا کھا پی کر چلے تو پہنچتے پہنچتے ساڑھے دس بج گئے تھے۔ دور سے دیکھتے ہی ابن الوقت نے کہا: ''آپ حقیقت میں بڑے خوش تقدیر ہیں کہ شہر میں جاتے ہی اسی رات پانی برسا اور خوب برسا۔ لو تو اب بالکل گئی' ٹٹیاں دو چار دن کی مہمان اور ہیں۔''

حجتہ الاسلام: الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

ابن الوقت: ثم الحمد للہ کیسا؟

حجتہ الاسلام: تم ایک ہی ثم لیے پھرتے ہو' خداوند کریم کے تمام بندوں پر ہمہ وقت اتنے وافر احسانات ہیں کہ ایسے ایسے لاکھوں کروڑوں ثم بھی ان کی تلافی نہیں کر سکتے مگر میں نے پہلا الحمد للہ اپنی خوش تقدیری پر کہا اور دوسرا اس بات پر کہ بھلا تم نے تقدیر کو تو مانا۔

ابن الوقت: یہ لفظ تو بے خیالی میں عادت کے مطابق میرے منہ سے نکل گیا ورنہ میں تقدیر کا بالکل قائل نہیں اور میرے نزدیک اسی طرح کے لغو معتقدات نے مسلمانوں کو کاہل اور نالائق بنا کر اس درجے کو پہنچایا ہے کہ روئے زمین پر ان سے زیادہ مفلس اور تباہ حال کوئی قوم نہیں۔

حجتہ الاسلام: تم کیوں اس قدر مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہو؟ کیا ریفارمر بننے کے لیے اس کی بھی ضرورت ہے کہ زبردستی کوئی نہ کوئی الزام کسی کے پلے باندھ کر اپنے تئیں سرخ رو اور دوسرے کو انگشت نما کیجئے۔ مسلمانوں کی کیا تخصیص ہے۔ جو شخص خدا کو مانتا

Marfat.com

ہے' کسی مذہب کا ہو' وہ ضرور تقدیر کا بھی قائل ہوگا - پہلے سمجھو تو سہی کہ تقدیر ہے کیا چیز؟ تقدیر کے لغوی معنی ہیں اندازہ ٹھہرانا - دنیا میں کوئی چیز نہیں جس کا اندازہ نہ ہو: ''انا کل شئی خلقناہ بقدر - پس اگر دنیا ہے تو اس کے ساتھ تقدیر بھی ہے' یا دوسرے طور پر سمجھو مثلاً تم جانور یا درخت نہیں بنائے گئے بلکہ آدمی' یہ تقدیر ہے - مرد بنائے گئے عورت نہیں' یہ تقدیر ہے - ہندوستان میں اور ہندوستان میں سے خاص دلی میں پیدا ہوئے' یورپ یا افریقہ یا امریکہ یا کسی دوسری جگہ نہیں' یہ تقدیر ہے - تیرھویں صدی کے خاص حصے میں تمہاری ہستی ہوئی' اس سے پہلے یا پیچھے نہیں' یہ تقدیر ہے - ایک خاص مسلمان کے گھر پیدا ہوئے' ہندو یا عیسائی یا کسی دوسری قوم یا کسی دوسرے شخص کے یہاں نہیں' یہ تقدیر ہے - ایک خاص حالت میں پرورش پائی' بڑے ہوئے' پڑھے' لیاقت پیدا کی' نواب معشوق محل بیگم کی سرکار کے مختار کل ہوئے' یہ تقدیر ہے - غدر کے وقت اسی شہر میں موجود تھے' عین اسی زمانے میں نوبل صاحب ولایت جاتے ہوئے دلی میں ٹھہرے' باغیوں نے ان کو پکڑا اور اپنے پندار میں مار ڈالا' تم جا پہنچے اور نیم جان کو اٹھا کر گھر لے گئے' مرہم پٹی کی' اچھے ہوئے' تمہارے گھر ان کا رہنا کسی طرح پر ظاہر نہ ہوا' آخر کار صحیح سلامت انگریزوں میں جا ملے' یہ سب تقدیر ہے - تم کو دفعتہً بھرا بھتولا گھر چھوڑ کر شہر سے نکل جانا پڑا' بے سروسامان باہر پڑے پھرتے تھے اور قریب تھا کہ فوج فتح مند کے سوار بیگار میں پکڑ کر تم سے مزدور کا کام لیں کہ اتنے میں نوبل صاحب رجال الغیب کی طرح آموجود ہوئے اور تم کو عزت اور آبرو سے لے جا کر گھر میں بسایا' جاگیر اور نوکری دلوائی' یہ سب تقدیر ہے - اس اثنا میں تم کو انگریز بننے کے خبط نے آگھیرا' خوب خوب ڈنر دیے اور بڑی بڑی پارٹیاں بلائیں - ہندوستانیوں کے روٹھنے چھوٹنے کی تو تمہیں کیوں پروا ہونے لگی تھی' انگریز بھی بجائے خود چڑے' بگڑے - لیکن گھٹیا چائے اور کافی' سوڈا واٹر اور برف اور سگرٹ کے لالچ سے اور بڑھیا کچھ تو نوبل صاحب کی مروت سے اور کچھ تمہاری خیر خواہی اور تعزز منصبی کے لحاظ سے' طوعاً کرھاً تم سے ملنے لگے - تم نے سمجھا انگریزوں نے مجھ کو اپنی سوسائٹی میں لے لیا' یہ سب تقدیر ہے - خدا نے ایک

Marfat.com

دم پانسو روپے ماہوار کی آمدنی کردی تھی- ہندوستانی بھلے آدمی بن کر رہتے تو آج کو امیر ہوئے اور کچھ نہیں تو دس بارہ ہزار روپیہ تمہارے پلے ہوتا- سو تم نے ایک خبط کے پیچھے ساری آمدنی پر پانی پھیرا' دس بارہ ہزار الٹا قرض کیا' اب بزرگوں کی پیدا کی ہوئی جائداد کے بیچنے کی نوبت پہنچی' یہ سب تقدیر ہے- اچانک نوبل صاحب کو ولایت جانا پڑا- ان کا منہ موڑنا تھا کہ تمہارے خواب پریشان کی تعبیر سامنے آنے لگی' یہ سب تقدیر ہے- تم اپنی عادت کے مطابق ہوا خوری کو گئے- دریا گنج کے نکڑ پر صاحب کلکٹر مل گئے' وہ پیادہ اور تم سوار' تم نے اپنے نزدیک اچھا کیا اور ہو گیا برا- انہوں نے تم سے گستاخی کا جواب طلب کیا' تمام کام چھین کر کہہ دیا کہ کچہری میں بیٹھے مکھیاں مارا کرو' یہ سب تقدیر ہے- دو برس سے اماں جان مجھ کو بلا رہی تھیں اور میرا آنا نہیں ہوتا تھا' اب جو صاحب کلکٹر کی خفگی اور بارہ دری کی فروخت کا حال معلوم ہوا' ضبط نہ ہو سکا' رخصت لی' وکٹر صاحب سے ملنے گیا' تمہارے شارپ صاحب نکلے ان کے رشتے کے بہنوئی' انہوں نے از خود چٹھی دی' شارپ صاحب سے ملاقات ہوئی' تمہارا تذکرہ آیا' خدا نے کیا' صفائی ہو گئی' یہ سب تقدیر ہے' کیوں ہے یا نہیں؟

**ابن الوقت:** توبہ! تقدیر کیا ہے' شیطان کی انتڑی ہے- کہیں پھر آپ میری زبان نہ پکڑیے گا- شیطان طوفان کو بھی میں مانتا وانتا خاک نہیں-

**حجتہ الاسلام:** تمہارے ماننے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے- جو واقعات حقہ' اور نفس الامری ہیں اگر سارا جہان ان سے انکار کرے تو بھی واقعات کا بطلان نہیں ہو سکتا-

**ابن الوقت:** تو کیا آپ کے نزدیک شیطان بھی کوئی شے ہے موجود فی الخارج؟

**حجتہ الاسلام:** جی ہاں! شے ہے موجود فی الخارج-

**ابن الوقت:** پھر دوسری اشیائے موجود فی الخارج کی طرح ہم کو نظر کیوں نہیں آتا؟

**حجتہ الاسلام:** ہوا اور پانی میں جو بے شمار بھنگے ہیں اور جن کو بے مدد خردبیں نہیں دیکھ سکتے یا مکھی کی لاکھ آنکھیں ہیں یا چاند میں سمندر اور پہاڑ ہیں اور بڑے پلے کی دوربین سے صاف دکھائی دیتے ہیں' آخر یہ چیزیں تو خارج میں موجود ہیں اور ہم کو نظر نہیں

Marfat.com

آتیں۔

**ابن الوقت:** آنکھ سے دیکھا تو دیکھا اور خردبین کی مدد سے دیکھا تو دیکھا' غرض کسی نہ کسی طرح دیکھا تو سہی۔

**حجتہ الاسلام:** لیکن جس زمانے میں دوربین' خردبین ایجاد نہیں ہوئی تھی' لوگ ان چیزوں کو موجود فی الخارج مانتے یا نہ مانتے یا اب لاکھوں کروڑوں بندگان خدا ہیں جو خردبین' دوربین کے نام سے بھی آگاہ نہیں' وہ ان چیزوں کو موجود فی الخارج مانیں گے؟ یا نہیں مانیں گے۔

**ابن الوقت:** نہ مانتے اور نہیں مانیں گے۔

**حجتہ الاسلام:** ہاں مگر ان کے نہ ماننے سے یہ لازم آجائے گا کہ مکھی کی لاکھ آنکھیں نہیں؟ اسی طرح اگر کوئی شخص مثل تمہارے وجود شیطان سے انکار کرے' صرف اس وجہ سے کہ وہ شیطان کو دیکھ نہیں سکتا تو اس کا انکار کیوں مستند ہونے لگا؟

**ابن الوقت:** ہم نے تو خردبین سے مکھی کی آنکھیں اور دوربین سے چاند کے پہاڑوں کے ہونے کا یقین کیا۔ اسی طرح آپ کوئی ذریعہ بیان کیجئے جس سے شیطان کے ہونے کا یقین کیا جائے۔

**حجتہ الاسلام:** وہ ذریعہ ہے خدا اور خدا کے رسول کا ارشاد۔

**ابن الوقت:** بدیہیات میں سے تو نہ ہوا۔

**حجتہ الاسلام:** جن کی چشم بصیرت نور ایمان سے منور ہے ان کے نزدیک بدیہی بھی نہیں بلکہ اجلی البدیہیات۔ ''**فانها لاتعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور**۔''

**ابن الوقت:** اگر شیطان کو موجود منفرد مانا جائے تو خدا کو ظالم اور انسان کو مجبور مطلق ماننا پڑے گا۔ کیا انصاف ہے کہ آدمی پر ایک دشمن پنہاں مسلط ہو۔

**حجتہ الاسلام:** تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ سرے سے انسان کا پیدا کرنا ہی خلاف انصاف ہے کیوں کہ شیطان موجود منفرد ہو تو اور انسانی قوت ہو تو دونوں کا مال واحد ہے۔

Marfat.com

ابن الوقت: خیر' آپ کی عقل ایسے ڈھکوسلوں کو قبول کرتی ہوگی- کہیے تو آپ کی خاطر سے جھوٹ بول دوں ورنہ میں تو نہیں سمجھتا کہ جب تک مسلمان تقدیر اور شیطان اور اسی طرح کی دوسری لغویات کے معتقد رہیں گے' ان کو کبھی فلاح ہو-

حجتہ الاسلام: ملاحی گالیوں کی سہی نہیں- خلط مبحث مت کرو- مقرر کر کے ایک ایک بات کہو تو جواب دیا جائے-

ابن الوقت: آپ ہی انصاف سے کہیے کہ تقدیر کے عقیدے نے مسلمانوں کو کاہل اور قاصر الہمت نہیں کیا؟ سب سے بڑے دین دار' ورثہ الانبیاء' دین کے حافظ' دین کے حامی' دین کے رواج دینے والے مولوی مشائخ اور یہ تو ہمارے گھر کا کام ہے' ساری حقیقت آپ کو بھی معلوم ہے' مجھ کو بھی معلوم ہے' مرد وزن ملا کر ڈیڑھ سو پونے دو سو آدمیوں کی گزر کس چیز پر تھی؟ خیر خیرات پر- جس کو دیکھو تن بہ تقدیر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے-

حجتہ الاسلام: شخصیات سے بحث کرنے میں تو غیبت ہوتی ہے اور کسی کی نیت کا حال کیا معلوم؟ مگر تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ تقدیر کے عقیدے نے مسلمانوں کو کاہل اور قاصر الہمت کر دیا- دنیا میں مسلمانوں نے کیا نہیں کیا؟ ملک گیریاں کیں' ملک داریاں کیں' خشکی اور تری کے سفر کیے' تجارتیں کیں' صناعیاں کیں' دست کاریاں کیں' علم تحصیل کیے' ایجادیں کیں' غرض دنیا کے سبھی کام کیے اور ایسے کیے کہ ان کے زمانے میں دوسروں سے نہیں ہو سکتے تھے اور اب بھی زمینداری' کاشتکاری' دست کاری' تھوڑی بہت تجارت' برا بھلا پڑھنا لکھنا' نوکری چاکری' سبھی کچھ کرتے ہیں' اور کرتے نہیں تو کھاتے پیتے کہاں سے ہیں- یہ بات دوسری ہے کہ جو چاہیے نہیں کرتے یا کرنے میں کمی کرتے ہیں مگر اس کے اسباب دوسرے ہیں' نہ یہ کہ عقیدہ تقدیر نے ان کو کاہل کر دیا ہے- ہندو' عیسائی' یہودی کون ہے جو تقدیر کا قائل نہیں؟ تو اگر مجرد تقدیر پر عقیدہ رکھنا کاہلی کا باعث ہوتا' یہ سب بھی کاہل ہوتے' حالانکہ تم بالتخصیص مسلمانوں ہی کو ملزم ٹھہراتے ہو اور چونکہ تقدیر کا حال کسی کو معلوم نہیں' تقدیر پر عقیدہ رکھنا کاہلی کا سبب کیوں

Marfat.com

ہونے لگا' بلکہ وافر مثالیں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر پر بھروسا رکھنے کی وجہ سے لوگوں نے ثابت قدمی اور استقلال مزاجی کے ساتھ کوشش کی اور آخر کو کامیاب ہوئے۔ اس کی ایک مثال تو جالوت طالوت کا قصہ ہے کہ جب فوج طالوت لشکر جالوت کے مقابل ہوئی تو طالوت کی فوج بہت تھوڑی تھی' لوگ کہنے لگے: ''ہم میں جالوت اور اس کے لشکر کی مقاومت کی طاقت نہیں۔'' یہ سن کر وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ مرے پیچھے ہم کو خدا پاس جانا ہے' کہنے لگے ''اکثر ایسا ہوا ہے کہ تھوڑے لوگوں نے بہتوں کو ہرایا ہے اور خدا صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔'' اس کے بعد جو طالوت والوں نے کچکچا کر دھاوا کیا تو جالوت والوں کو مار ہٹایا اور جالوت مارا گیا۔ یہ قصہ قرآن میں مذکور ہے' اگر تم کو خیال ہو۔ اس کو پرانی کہانی مت سمجھنا۔ ایسی باتیں اکثر اب بھی واقع ہوتی ہیں کہ صرف تقدیر کے بھروسے پر لوگ ہمت کر بیٹھتے اور مشکلات پر غالب آتے ہیں۔

مرد باید کہ ہراساں نشود
مشکلے نیست کہ آساں نشود

**ابن الوقت.** آپ تو فرماتے تھے کہ تقدیر کا حال کسی کو معلوم نہیں' پھر جو لوگ تقدیر پر بھروسا کر کے کسی کام کی ہمت کر بیٹھتے ہیں ان کو کہاں سے خبر ہو جاتی ہے کہ تقدیر موافق و مساعد ہے۔

**حجتہ الاسلام:** یہ بھروسا کرنے والوں کے دل سے پوچھنا چاہیے' مثلاً طرف داران طالوت نے ''واللہ مع الصابرین'' سے مساعدت تقدیر کا اذعان کر لیا اور ان کا اذعان سچ نکلا۔ ایک زمیندار کا حال مجھ کو معلوم ہے۔ وہ کچھ بسوے ہار گیا تھا۔ سنا کہ بارہ برس سے اسی دھن میں پھرتا ہے' کہیں شنوائی نہیں ہوئی۔ آدمی تھا نمازی' ایک دن مسجد میں ملا' میں نے اس کو سمجھایا: ''کیوں پریشان ہوتے ہو' صبر کرو۔'' کہنے لگا: ''تا خدا ترس وکیلوں نے میرے مقدمے کو خراب کیا مگر ''الحق یعلو' میرا حق کبھی نہ کبھی ضرور مجھ کو ملے گا۔'' پھر سنا کہ ڈسٹرکٹ جج کو جنگل میں اس نے اکیلا پا کر اپنا سارا حال بیان کیا اور ان کو اپنی صداقت سے مطمئن کر دیا۔ جج نے کوئی تدبیر کر کے اس کے بسوے نکلوا دیے۔ یہ تو میں نے تم کو مسئلہ تقدیر کا ایک پہلو دکھایا ہے' یعنی انجام کار فوز اور کامیابی

Marfat.com

ہوتو اذعان تقدیر سے انسان کو کس قدر تقویت پہنچتی ہے- وہ تقدیر کے بھروسے پر جان توڑ کر محنت اور محنت کو خوش دلی سے برداشت کرتا ہے- رہی ناکامی اس کی جراحت کا تو اذعان تقدیر سے بہتر کوئی مرہم نہیں- معتقد تقدیر حرمان کو من جانب اللہ سمجھ کو اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہے کہ اسی میں کوئی مصلحت مضمر ہوگی- غرض تعجب ہے کہ تقدیر کا ایسا عمدہ مسئلہ اور تم اس پر معترض' ایسا صحیح خیال اور تم اس سے منکر!

ابن الوقت: اگر دنیا میں اونچ نیچ' خوشی اور رنج یعنی اختلاف حالات' امر تقدیری ہے تو خدا کو دانش مند اور منصف اور رحیم ماننا مشکل-

حجتہ الاسلام: تم کو سرے سے خدا ہی کا ماننا مشکل ہو رہا ہے- اس مشکل کو خدا آسان کرے تو پھر دین کی ساری باتیں تم کو سہل اور سلیس معلوم ہوں اور آسانی سے سمجھ میں آئیں- بھائی جان! دینیات میں غور کرنے کا یہ طریقہ نہیں جو تم نے اختیار کیا ہے- مولانائے روم فرماتے ہیں:

بگر بہ استدلال کار دیں بدے
فخر رازی رازدار دیں بدے

تمہاری باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو حاجت مندانہ دین کی طلب اور تلاش نہیں بلکہ تم دین کی باتوں سے اس طرح مخاصمانہ پیش آتے ہو جیسے کوئی عیار دکیل فریق مقابل کے گواہ سے- یوں تو دین کی نعمت نہ ملی ہے نہ ملے گی- ایک تدبیر تم کو میں بتاتا ہوں کہ جس وقت تمہاری طبیعت افکار دین سے بالکل فارغ اور مطمئن ہوا کرے' تنہائی میں خصوصاً رات کے وقت کبھی کبھی سوچا کرو کہ دنیا ہے کیا چیز؟ دنیا کا ایک بڑا بھاری عظیم الشان کارخانہ ہے- کہنے کو محدود ہے مگر کسی نے اس کی انتہا نہیں پائی- اس کارخانے کے مقابلے میں زمین کی' باایں وسعت' اتنی بھی تو حقیقت نہیں جیسے بڑے سے بڑے پہاڑ کے آگے ایک ذرے کی- کیا علم ہیئت کی باتیں خیال سے اتر گئیں؟ تم تو سب سے زیادہ ان کی طرف داری کیا کرتے تھے- اگر وہ سب باتیں سچی ہیں اور جب مشاہدات اور اصول ہندسہ پر مبنی ہیں تو ان کو غلط ہی کون کہہ سکتا ہے' تو چار و ناچار انسان کو اپنی

Marfat.com

درماندگی کا' نارسائی اور بے حقیقی کا اقرار کرنا پڑتا ہے- ہزار دس ہزار' بیس ہزار' پچاس ہزار' لاکھ کوس تک کا بھی خیر ہم یوں ہی سا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں' مہاسنکھ در مہاسنکھ کوسوں کے سمجھنے کو کس کی اٹکل لائیں؟ بھلا کچھ ٹھکانا ہے ان دریوں کا کہ زمین پر سے گولہ چھوٹے اور شبانہ روز متصل ایک رفتار سے سیدھا چلا جائے تو انیس برس میں جا کر آفتاب تک پہنچے- اللہ اکبر جل شانہ!

بڑے سے بڑے پلے کی دوربینیں ایجاد ہوئیں مگر ہم نے اجرام فلکی کیا دیکھا؟ ایک جھلک' وہ بھی ان معدودے چند کی جو زمین سے بہ نسبت دوسرے بے شمار اجرام کے قریب ہیں- کبھی آسمان خوب صاف ہوتا ہے تو اندھیری رات میں کس کثرت سے ستارے دکھائی دیتے ہیں! گویا گہری افشاں چھڑکی ہوئی ہے اور اگر کسی طرح اونچے سے اونچے ستارے پر پہنچنا ممکن ہوتا تو وہاں سے بھی جہاں تک اور آگے کو نظر کام کرتی' یہی کیفیت دکھائی دیتی ''وھلم جرا'' پھر خدا جانے کتنے کالے کوسوں کی مسافت ہے کہ ستارے ہم کو ننھے ننھے نقطے دکھائی دیتے ہیں ورنہ جس طرح اس کا یقین ہے کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں اسی طرح جاننے والوں کو اور خاص کر تم کو اس کا اذعان ہونا چاہیے کہ ایک ایک نقطہ بجائے خود جہان ہے' اور جہان بھی کیسا کہ اگر اس کو بڑا مٹکا فرض کرو تو زمین اس کے سامنے خشخاش کا نہ سہی تو رائی کا دانہ- جو تارے زمین سے زیادہ پاس ہیں یعنی ان کی دوری لاکھوں کوس کے پیٹے کے اندر ہی اندر ہے' دوربین کی مدد سے ان کے حالات کسی قدر زیادہ دریافت ہوئے ہیں اور پاس پڑوس کی آخر تھوڑی بہت خبر ہونی ہی چاہیے- سمندر' جھیلیں' پہاڑ' دھوپ چھاؤں' ہوا' بادل' یہ سب چیزیں ان تاروں میں صاف دیکھ پڑتی ہیں- اس سے اور دوسرے بہت سے قرائن سے علمائے ہیئت قیاس کرتے ہیں اور بجا قیاس کرتے ہیں کہ زمین کی طرح ان جہانوں میں بھی جان دار آباد ہیں- یہاں عقل انسانی کے اوسان اور بھی گم ہیں! بھلا اتنے بے شمار جہانوں کی کل مخلوقات کا تو ہم کیا اندازہ کر سکتے ہیں جب کہ ایک زمین کی مخلوقات کی گنتی تو درکنار تمام اقسام تک منضبط نہیں ''وما من دابتہ فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم-''

Marfat.com

کسی کتاب میں نظر سے گزرا کہ زمانہ حال کا کوئی فلسفی خردبین میں پانی کی ایک بوند کو دیکھ رہا تھا' سو سے زیادہ طرح کے جان دار تو وہ اس ایک بوند میں بہ مشکل شمار کر سکا- آخر تھک کر بیٹھ رہا- ایک بوند میں اتنی مخلوقات ہو تو تمام کرۂ آب میں جو تین چوتھائی زمین کو ڈھانکے ہوئے ہے' کتنی مخلوقات ہوگی؟ خدا ہی کو خبر ہے- ''وما یعلم جنود ربک الاھو'' پھر زمین کے گرداگرد ۴۵ میل کے دل کا ہوا کا کرہ ہے اور اس میں بھی جان داروں کی ایسی ہی یا اس سے زیادہ کثرت ہے- ہر چند کارخانہ قدرت الٰہی کی عظمت اور شان فہم بشر سے خارج ہے مگر جس طریق پر میں نے اجمالاً بیان کیا اگر کوئی آدمی متواتر اور متصل مدتوں تک غور کرتا رہے تو ضرور اس کے دل میں اپنی بے حقیقی اور درماندگی اور بے وقعتی کا تیقن پیدا ہوگا' جس کو میں دین داری کی بنیاد یا تمہید سمجھتا ہوں- اس کے بعد ذہن کو اس طرف متوجہ کرنا چاہیے کہ اتنا بڑا کارخانہ با ایں عظمت کیسی عمدگی اور کیسے انضباط کے ساتھ چل رہا ہے کہ عقل دنگ ہوتی ہے! اجرام فلکی کے اتنے بڑے بے شمار گولے کہ خدا کی پناہ اور خود زمین بھی سب چکر میں ہیں' خدا جانے کب سے اور کیوں اور کب تک؟ اور نہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور نہ بال برابر اپنی رفتار بدلتے ہیں- اب جو آدمیوں کو قاعدہ معلوم ہو گیا ہے تو سینکڑوں ہزاروں برس پہلے سے پیشین گوئی ہو سکتی ہے کہ فلاں ستارہ فلاں وقت فلاں مقام پر ہوگا اور وہیں ہوتا ہے- حساب میں اگر غلطی نہ ہو تو منٹ اور سیکنڈ کیسا' سیکنڈ کے ہزارویں حصے کی قدر بھی آگا پیچھا نہیں ہو سکتا- ''والشمس تجری لمستقر لھا ذالک تقدیر العزیز العلیم- والقمر قدرناہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم- لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر و لاالیل سابق النھار و کل فی فلک یسبحون-''

یہاں روئے زمین پر ایک بھنگے' ایک دانے' ایک پھل' ایک پنکھڑی' گھاس کے ایک ڈنٹھل' چھوٹی سے چھوٹی اور ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کو بھی نظر غور سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی کچھ نہ کچھ غرض و غایت ہے جس کی تکمیل کا پورا پورا سامان اس چیز میں موجود ہے- مثلاً ریگستانی علاقوں میں اونٹ پیدا کیا گیا ہے تو اس کے پاؤں کے تلوے چوڑے اور اسفنج کی طرح پولے ہیں کہ ریت میں نہ دھنسیں- اس کی گردن بہل لمبی ہے تا کہ

Marfat.com

اونچے درختوں کے پتے چر سکے- اس کو ایک خاص طرح کا خانہ دار معدہ دیا گیا ہے جس میں کئی کئی ہفتوں کے لیے کھانا پانی بھر لیتا ہے کیوں کہ جیسے ملک میں وہ پیدا کیا گیا ہے وہاں کئی کئی دن متواتر تک پانی بچارے کا نہ ملنا کچھ تعجب نہیں- اس کے علاوہ اس کے پاس کوہان کا گودام ہے کہ اگر اس کو ایک عرصہ خاص تک کھانا پینا کچھ بھی نہ ملے تو کوہان کی چربی ''بدل ما یتحلل'' کا کام دے- ہرن وغیرہ جنگلی جانوروں کی ٹانگیں پتلی پتلی ہیں تا کہ شکاری جانوروں سے بچنے کے لیے پھرتی کے ساتھ بھاگ سکیں- ہاتھی کے ایک سونڈ لٹک رہی ہے جس سے وہ ہاتھ کا کام لیتا ہے- پرندوں کے شے سبک ہیں تا کہ ہوا میں اڑ سکیں- دریائی جانوروں کے پنجے کھال سے جڑے ہوئے ہیں' گویا کہ ہر ایک کے پاس قدرتی چپو ہیں- گوشت خوار جانوروں کے پنجے اور دانت ان کی غذا کے مناسب ہیں- نباتات میں پھل پھول کی حفاظت کے واسطے کانٹے ہیں' پوست ہیں' خول ہیں- سرد ملک کے جانوروں کی اون بڑی بڑی اور گھنی ہے کہ جاڑا نہ کھائیں- جتنے جان دار معرضِ تلف میں ہیں ان میں توالد تناسل کی کثرت ہے تا کہ نسل معدوم نہ ہو' مثلاً ایک ایک مچھلی لاکھ لاکھ سے زیادہ انڈے دیتی ہے- آدمی چوں کہ ابقائے حیات کا سامان عقل کی مدد سے بہم پہنچا سکتا ہے' سینگ اور پنجے اور اون' اس قسم کے قدرتی سامان اس کو نہیں دیے گئے- جس ملک میں نباتات کی کثرت ہے وہیں برسات بھی زیادہ ہوتی ہے کیوں کہ وہ ملک پانی کا محتاج ہے-

انسان اگر اپنی ہی بناوٹ میں غور کرے تو اس کا ایک ایک رواں صانع قدرت کی کمال دانش مندی اور عنایت پر گواہی دے رہا ہے:

ہر ہر بن مو کہ می نہم گوش
فوارہ فیض اوست در جوش

اس کے جسم میں ایک چھوٹا اور آسان سا پرزہ ہاتھ ہے کہ دنیا میں جس قدر انسان کے تصرفات ہیں اور انسان کی بساط پر خیال کرو تو ان تصرفات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے' سب اسی پرزے کے ہیں- اہل یورپ نے عقل کے زور سے بڑی بڑی عمدہ کلیں بنائی ہیں- اس میں شک نہیں کہ ان کلوں سے عقل انسانی کی قوت بڑی شد و مد کے ساتھ ظاہر

Marfat.com

ہوتی ہے مگر مجھ کو بھی دو چار کلوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے' ایک بکھیڑا ہے کہ بیگھوں زمین پر پھیلا ہے' سینکڑوں پرزے' ہزار ہا پیچ' بیلن' پہیے' چرخیاں' کمانیاں' خدا جانے دنیا بھر کے کیا کیا سامان جمع کیے ہیں تب جا کر وہ ایک مطلب حاصل ہوتا ہے جس کے لئے کل بنائی گئی ہے- یہ آدمی کی بنائی ہوئی کلوں کا حال ہے اور ایک ادنیٰ سی کل خدا کی بنائی ہوئی ہے' یہی آدمی کا ہاتھ کہ ہزار ہا قسم کے کام اس سے نکلتے ہیں' اور ترکیب دیکھو تو ایسی سلیس اور مختصر کہ ایک کف دست ہے اور تین تین جوڑ کی پانچ انگلیاں' اللہ اللہ خیر صلاح-

انسان کے بدن میں ایک اور ذرے بھر کی چیز آنکھ ہے- اس کی ساخت میں جو اندرونی حکمتیں ہیں' ان سے بالاستیعاب ایک کتاب بن سکتی ہے- مگر خارج کی احتیاطوں کو دیکھو کہ پہلے گویا ہڈیوں کا کاواک ہے جس میں نگینے کی طرح آنکھ تعبیہ کی ہوئی ہے' اوپر بھوؤں کا چھجے دار سایہ بان' سامنے پپوٹوں کا پردہ' پردے میں پلکوں کا جھالر' پھر پپوٹوں کے اندر منافذ ہیں جن میں سے آئینہ چشم کے صاف رکھنے کو ہمیشہ ایک خاص طرح کی رطوبت رستی رہتی ہے- یہ وہی رطوبت ہے جو زیادہ ہو کر آنسو بن جاتی ہے- جتنی دفعہ انسان پلک جھپکتا ہے گویا اتنی ہی دفعہ آئینے پر پچارا پھرتا ہے- گرد اور دھوئیں اور کنک کی صورت میں بے اختیار آنسو بہنے لگتے ہیں' جس کے یہ معنی ہیں کہ پچارا کافی نہیں بلکہ آئینے کو دھونے کی ضرورت ہے- ''فتبارک اللہ احسن الخالقین''- میرا تو کیا منہ کہ موجودات عالم میں جو اسرار حکمت مضمر ہیں' ان کا ایک شمہ بھی بیان کر سکوں: ''ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر مانفدت کلمات اللہ ان اللہ عزیز حکیم! مگر میری غرض اس قدر ہے کہ دنیا کے کارخانے کو اس نظر سے دیکھنا چاہئے-

کل میں نے آیۃ اللہ (ابن الوقت کے چھوٹے بھتیجے کا نام ہے) کا سبق سنا- وہ ''عجائب قدرت'' پڑھتا ہے- کسی شخص نے نیچرل فلاسفی میں سے بعض بعض مضامین چھانٹ چھانٹ کر اردو میں ترجمہ کر دیے ہیں- اسی میں لکھا تھا کہ مچھر کے منہ کے آگے جو ایک پتلی سونڈ سی ہوتی ہے' وہ حقیقت میں ایک نلوا ہے- اس نلوے میں تین اوزار' ایک

Marfat.com

تو سوئی' جس کو مچھر مسام میں داخل کرتا ہے' ایک آری کہ مسام کو چوڑا کرنے کی ضرورت ہوتو اس سے کام لے اور ایک سینگی جس کی راہ خون چوستا ہے- اس میں اتنی بات اور بھی تھی کہ اس کے اس شکل خاص میں مچھر کی حیات کی مدت صرف تین دن کی ہے- ایک مقام پر تھا کہ تیتری کے ایک پر میں کھپروں کی طرح تیس ہزار دیولیاں ہیں- اس طرح کی باتوں کو اگر کوئی انسان سرسری طور پر نہ سنے' جیسی کہ اس کی عادت ہے' تو ہر ہر ذرہ اس بات کی گواہی دے گا کہ اس کو کسی بڑی قدرت والے' دانش مند' ہم دان' حاضر' ناظر' سمیع و بصیر نے کسی مصلحت سے جان بوجھ آ بنایا ہے- ممکن نہیں کہ انسانی صمیم قلب سے موجودات عالم میں غور و غوض کرے اور اس کا دل اندر سے نہ بولنے لگے کہ یہ اتنا بڑا کارخانہ بہ ایں عمدگی و انضباط خود بخود یا اتفاقیہ طور پر تو نہیں ہوگیا' کیوں کہ واقعات اتفاقی کی شان ہی دوسری ہوتی ہے' ان میں قاعدے کا کہاں پتا اور انضباط کا کیا مذکور- اور قاعدہ اور انضباط بھی کیسا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر آج کی گھڑی تک تو ان میں رتی برابر فرق پڑا نہیں ''فلن تجد لسنته الله تبديلا ولن لسنته الله تحويلا''-

جس غور کی طرف میں تم کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ وقت کیا چیز ہے' جس کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا- اگرچہ وقت کی وسعت کا اندازہ بھی فہم بشر سے خارج ہے مگر خیر' جہاں تک تم سے اجرام فلکی کے فاصلوں کی طرح اندازہ کرتے بن پڑے' لاکھ دو لاکھ' چار لاکھ برس کا ایک محدود وسعت لے کر اسی وسعت کو سوچو اور تمثیلاً یوں تصور کرو کہ وقت ایک بڑا لمبا خط ہے' اس میں سے تمہاری ہستی اگرچہ تمہارے معتقدات کے مطابق طب انگریزی پر پورا عمل کرنے سے حد طبعی سے بھی کتنی متجاوز کیوں نہ ہو جائے' تاہم اس کو وقت مفروض کے ساتھ کیا نسبت ہوگی؟ شاید جیسی محیط زمین کے مقابلے میں ایک انچ کو یا اس سے بھی کم- یہ تو انسان کی ہستی ہے اور اس پر خدا سے انکار اور اپنی عقل پر ناز بے جا انسان سے دنیا میں ہزار ہا طرح کی بیہودگیوں پر فوق لے گئی ہے کہ خدا ہی کا منکر ہو- بڑے افسوس کی بات ہے اور پرلے درجے کی بدقسمتی کہ عقل جو انسان کو اس غرض سے دی گئی ہے کہ مخلوقات سے خالق کو پہچانے' ورنہ دنیا کی

Marfat.com

چندروزہ زندگی تو جانور بھی بسر کر لیتے ہیں جن کو بہت سا کھانا اور پانی درکار ہوتا ہے' اور مزہ یہ ہے کہ حاجتیں کثیر اور عقل کم اور پھر انسان سے کہیں زیادہ خوشحال حال' "تعدو خماعاً و تروح بطاناً" غرض بڑے افسوس کی بات ہے کہ وہی عقل انسان کو ایسا گمراہ کرے کہ خدا کا قائل نہ ہونے دے۔ حقیقت میں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی آدمی کس منہ سے کہہ سکتا ہے کہ خدا نہیں۔ تم مجھ کو اتنا تو سمجھاؤ کہ تم نے اپنے تئیں سمجھا ہے کیا؟ چندیں ہزار کے مقابلے میں تمہاری کیا حقیقت ہے اور چندیں ہزار عالم بھی نہ سہی' ان کی مخلوقات بھی نہ سہی' ایک روئے زمین پر ابتدا سے اب تک تم جیسے اور تم سے بہتر اور کروڑہا آدمی پیدا ہوئے اور اپنی زندگی میں انھوں نے کیا کچھ نہیں کیا۔ خدا کے ایسے ایسے بھی بہت سے بے شمار بندے ہوئے ہیں جنھوں نے حکومتیں کیں' سلطنتیں کیں' اپنے زمانے میں نامی نامور ہوئے اور پھر ایسے مٹے کہ گویا پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ نہ ان کا نام ہے نہ نشان ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تم کوئی انوکھے آدمی ہو؟ تم بھی اپنے ارادے سے پیدا نہیں ہوئے' اور قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں میری اور تمہاری دونوں کی اور سب جانداروں کی جان ہے' اپنے ارادے سے زندہ بھی نہیں ہو اور اپنے ارادے سے مرو گے بھی نہیں' اور مرے بعد مہینے دو مہینے پیچھے نہ سہی پچاس سو دو سو ہزار برس بعد روئے زمین پر اتنا جاننے والا بھی تو نہیں ہوگا کہ ابن الوقت بھی کوئی تھے۔ بندے خدا ذرا تو سوچ کر کہو' خدا بھی ہے یا تم ہی تم ہو؟

ابن الوقت: آپ نے تو ناحق ڈپٹی کلکٹری کی' آپ کو تو سلطان الواعظین ہونا چاہیے تھا۔ لیکن گستاخی معاف' جتنی باتیں آپ نے کہیں اساطیر الاولین ہیں' مجھ کو بھی معلوم ہیں۔ آپ کی تمام تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے لاعلمی کا نام خدا رکھ چھوڑا ہے' دریافت سبب سے عاجز ہوئے خدا ماننے لگے۔ لوگ دیکھتے ہیں کہ مثلاً آدمی پانی نہیں برسا سکتا تو کہتے ہیں خدا برساتا ہے۔ لیکن فرض کیجئے کہ کسی وقت پانی کو ہم اپنے بس میں کرلیں اور جب چاہیں برسالیا کریں اور جب ہم کو یہاں تک پتہ لگ گیا ہے کہ ہوا بسیط نہیں' جیسا کہ متقدمین فلاسفہ خیال کرتے تھے' بلکہ آکسیجن' ہیڈروجن' نیٹروجن' تین قسم کی ہواؤں سے مرکب ہے اور ہوا میں اس درجے تک ہیڈروجن غالب ہو تو ہوا پانی بن

Marfat.com

جاتی ہے' کیا تعجب ہے کہ کسی نہ کسی دن ہم پانی کے برسانے پر قادر ہو جائیں- جب سے یورپ میں علوم جدید شائع ہونے شروع ہوئے' ثابت ہوتا گیا کہ انسان کی طاقت محدود نہیں- کون کہہ سکتا ہے کہ انسان' جس نے ریل چلائی' تار دوڑایا اور ہزار ہا نئی نئی چیزیں دریافت کیں' آئندہ کیا کچھ نہیں کرے گا؟

حجتہ الاسلام: میں واقعات پیش کرتا ہوں تم مفروضات کا حوالہ دیتے ہو- یہ سچ ہے کہ اس زمانے میں انسان نے اپنی قوت کو بہت بڑھالیا ہے مگر ''تا نت باجی راگ پایا'' معلوم ہے کہ انسان کہاں تک ترقی کرسکتا ہے- اس کی ساری پیری اتنی بات پر ختم ہے کہ وہ چیزوں میں' سو بھی سب میں نہیں' کسی قدر تصرف کرسکتا ہے اور بس- مثلاً ریل میں سوائے اس کے اور کیا دھرا ہے کہ خدا نے کسی کے ذہن کو اس طرف منتقل کر دیا کہ بھاپ میں بڑی طاقت ہے' پھر لوگ لگے اس طاقت سے کام لینے کی تدبیریں کرنے- رفتہ رفتہ ریل چل کھڑی ہوئی- مگر یہ تو فرماؤ ریل کی ایجاد میں انسان نے سب کچھ تو کیا لیکن پانی' آگ' بھاپ' لوہا' لکڑی جو جو چیزیں ریل میں کام آتی ہیں' ان میں سے کوئی چیز یا کسی چیز کی کوئی خاصیت خلق بھی کی؟ یا در کھو دریافت کرنے اور خلق کرنے میں بہت بڑا فرق ہے- مجھ کو بھی یاد ہے میں نے مدرسے میں ٹریشم صاحب کو یہ تماشا کرتے ہوئے دیکھا تھا کہ ایک شفاف بوتل میں ہوا بھر لی' تھوڑی دیر میں بوتل کے اندر پانی کی بوندیں بن جاتیں- اسی پر تم کو خیال ہوا ہوگا کہ آدمی پانی برسانے پر قادر ہو جائے تو تعجب نہیں- تم کو تو شروع سے انگریزوں کے ساتھ عقیدہ ہے' اس تماشے کی تم ہی نے کچھ عظمت کی ہوگی' میں تو کئی بار بولنے کو ہوا تھا کہ اس میں آپ نے کمال ہی کیا کیا؟ ہم تو اپنے گھروں میں ہر روز دیگچی کی چپنی سے بوندیں جھڑتے ہوئے دیکھتے ہیں... لیکن صرف اتنی بات سے کہ آدمی نے تھوڑی سے جگہ میں کسی تدبیر سے اس قدر ہیڈروجن جمع کر دی جتنی ہوا کے پانی بن جانے کے لیے ضرور ہے' نہ خدا سے انکار کرسکتا اور نہ خدا سے مستغنی ہوسکتا ہے اور نہ خود دعویٰ خدائی کرسکتا- اور جب آدمی ہی بہ ایں عقل و دانش' خدا نہ ہوسکا تو چاند' سورج' عناصر وغیرہ کسی میں بھی خدا ہونے کی لیاقت نہیں' کیوں کہ

Marfat.com

ان میں تو عقل و ارادہ کی بھی کمی ہے اور مجبور محض اور لایعقل محض معلوم ہوتے ہیں' کالجماد اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ نے جو چاند' سورج اور تاروں کو دیکھ کر فرمایا تھا ''لا احب الافلین'' کہ میں چھپ جانے والوں کو نہیں چاہتا' ان کا بھی یہی مطلب تھا۔

ابن الوقت: بات یہ ہے کہ دنیا کی پہیلی کا کسی نے اتا پتا تو پایا نہیں' جو جس کی سمجھ میں آتا ہے' کہتا ہے۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ ناحق کیوں سر دکھایا: جس طرح دنیا چلی آئی' اس کو چلنے دیا جائے۔ میں تو حافظ کے اس شعر کو بہت پسند کرتا ہوں:

سخن از مطرب و می گوز راز دہر کمتر جو
کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بہ حکمت ایں معمارا

حجتہ الاسلام: اول تو شاعروں کے مقولات' معاملات مذہبی میں قابل استشہار نہیں اور پھر آپ اس کو اپنے مطلب پر بھی خوب ڈھال لے گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس راز کی جستجو کو حافظ منع کرتا ہے' وہ وہ اسرار ہیں جن کو خدا نے آدمی سے مخفی رکھنا چاہا ہے مثلاً **ان اللہ عندہ علم الساعتہ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ماذا تکسب غدا و ما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔**'' یا مثلاً وہی بات جس میں تم کو شک واقع ہوا اور ابھی تھوڑی دیر ہوئی اس کی نسبت تم نے کہا کہ اگر دنیا میں اونچ نیچ' خوشی اور رنج یعنی اختلاف حالات' امر تقدیری ہے تو خدا کو دانش منداور منصف اور رحیم ماننا مشکل یا جیسے کوئی انسان خلق عالم کی غرض و غایت کی تفتیش کرنا چاہے اور ہر واقعہ اور ہر موجود کے بارے میں پوچھنے لگے کہ یوں کیوں ہوا یا مثلاً معلوم کرنا چاہے کہ روح کیا چیز ہے اور جسم سے کس طرح کا تعلق رکھتی ہے یا علت و معلول میں کیا علاقہ ہے؟ اس قسم کی ہزاروں باتیں ہیں کہ اس ہستی میں انسان پر منکشف ہونے والی نہیں۔ ان چیزوں کی جستجو انسان کو کرنی ضرور نہیں بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے نظر استحسان سے دیکھ خاموش ہو رہے اور کسی بات کو نہ سمجھ سکے تو اعتراض نہ کرے بلکہ قصور فہم کا معترف ہو۔ علاوہ بریں تم کو البتہ اختیار ہے کہ اس قسم کے خیالات

Marfat.com

کو دل میں جگہ نہ دو لیکن اس کی ایسی مثال ہوگی کہ نصف النہار کے وقت آفتاب بڑی آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہے اور چمگادڑ اس کو نہیں دیکھنا چاہتی' نہ دیکھے مگر آفتاب کا اس میں کیا زیان ہے؟

گر نہ بیند بہ روز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

چمگادڑ کا یہیں تک بس چل سکتا ہے کہ نہ دیکھے' نہ یہ کہ دوسروں کو نہ دیکھنے دے یا آفتاب کو تیرہ وتار کر دے یا اس کو اس کے معمول کے مطابق نہ نکلنے دے- لیکن ایک دن پرسش ہونی ہے کہ آنکھیں تھیں' کیوں نہیں دیکھا؟ کان تھے کس لیے نہیں سنا؟ عقل تھی کس واسطے نہیں سمجھا؟

**ابن الوقت:** ابھی ایک بحث طے نہیں ہوئی کہ آپ نے قیامت اور اس کی باز خواست کی دوسری بات نکال کھڑی کی-

**حجتہ الاسلام:** بحث مت کہو- میں تو مذہب کے بارے میں مناظرے اور مباحثے کا سخت مخالف ہوں اور میں نے شروع ہی میں تم سے کہہ دیا تھا کہ دین حجت اور تکرار سے حاصل ہونے والی چیز نہیں- دین دوا ہے بیمار کی' تسلی ہے بے قرار کی' متاع ہے خریدار کی' بشارت ہے امیدوار کی' نجات ہے گنہگار کی' یعنی عنایت ہے پروردگار کی- جو کچھ میں نے تم سے کہا' ہرگز از راہ بحث نہیں کہا بلکہ بہ تقاضائے محبت تم کو اپنی سمجھ کے مطابق ایک تدبیر بتائی کہ اگر اپنے دل میں صدق نیت کے ساتھ غور کرو تو عجب نہیں خلجان باقی نہ رہے اور قیامت اور باخواست قیامت کی بات کے نکالنے کی جو تم نے کہی تو یہ تمام زحمتیں اسی دن کے لیے ہیں- اگر قیامت اور قیامت کی باز خواست نہ ہوتی تو کیوں دین ڈھونڈتے اور کس لیے مذہب کی تلاش کرتے؟ بڑی مشکل تو یہی ہے کہ مرنے سے بھی آدمی کا پنڈ نہیں چھوٹتا- یہ زندگی دنیا تو چند روزہ ہے' بھلی طرح بھی گزر جائے گی اور بری طرح بھی گزر جائے گی- پہاڑ زندگی تو وہ ہے جو مرنے سے شروع ہوگی گویا از سر نو پیدا ہوئے اور جس کی اصلاح' دین کا مقصود اصلی ہے-

Marfat.com

**ابن الوقت:** خدا کے ہونے پر تو بھلا آپ نے ایک دلیل قائم کی بھی- ہر چند میرے دل کو اس سے تسلی نہیں ہوئی اور میں اس وقت تک یہی سمجھتا ہوں کہ لوگ ہو رہے ہیں اسباب کے خوگر' جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں سبب ہی سبب نظر آ رہے ہیں- اس وجہ سے انہوں نے ذہن میں تعمیم کر لی ہے کہ ہر واقعے کے لیے سبب کا ہونا ضرور ہے اور سبب نہیں پاتے کہ ہر واقعے کے لیے سب کا ہونا ضرور ہے اور سبب نہیں پاتے تو جھٹ سے خدا کے قائل ہو جاتے ہیں- مگر میں سننا چاہتا ہوں کہ قیامت اور بازخواست قیامت کا آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟

**حجتہ الاسلام:** میں نہیں جانتا کہ خدا کے لیے تم کس طرح کا ثبوت چاہتے ہو- اگر یہ مطلب ہے کہ آنکھ سے دیکھوں یا ہاتھ سے ٹٹولوں تو میں کیا کوئی بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ تم کو خدا کا دیدار دکھا دے گا- مگر یہ تو فرماؤ کہ ثبوت' حجت' دلیل' سارے اذعان حاصل کرنے کے ذریعے ہیں' اذعان مرئیات اور ملموسات ہی میں منحصر ہے؟ ہرگز نہیں- ہر شخص اپنے وجدانیات کا اذعان کرتا ہے حالانکہ امور وجدانی نہ مرئی' ہیں نہ ملموس اور تعمیم پر جو تم نے اعتراض کیا' کیوں کر میں سمجھوں کہ حقیقت میں تم کو شک ہے' جب کہ میں دیکھتا ہوں کہ تم کہتے کچھ ہو اور کرتے کچھ ہو-

**ابن الوقت:** یہ آپ نے کیا بات فرمائی؟

**حجتہ الاسلام:** میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ تم لوگوں پر تو اعتراض کرتے ہو کہ کثرت سے اسباب دیکھتے دیکھتے انہوں نے تعمیم کر لی ہے کہ ہر واقعے کے لیے سبب کا ہونا ضرور ہے' یعنی تعمیم تمہارے نزدیک لوگوں کی غلطی ہے مگر میں پوچھتا ہوں کہ اگر تمہاری میز پر کی ایک پنسل' جگہ سے بے جگہ ہو جائے تو ضرور تم کو یقین ہوگا کہ کسی نے میری میز کو چھیڑا اور بے شک تم نوکروں پر خفا ہو گے کہ کیوں میری چیزوں کو ہٹاتے' سرکاتے ہو- اس سے معلوم ہوا کہ جو اور لوگ کرتے ہیں وہی تم بھی دن میں ہزاروں بار کرتے ہو- تمہارا نوکروں پر خفا ہونا نتیجہ ہے اس تعمیم کا جو پہلے سے تمہارے ذہن میں مرتکز ہے کہ کوئی شے از قسم جماد اپنے ارادے سے حرکت نہیں کر سکتی تاوقتیکہ کوئی محرک اس کو نہ ہلائے- یا مثلاً

Marfat.com

تم کو اس کا تو اذعان ہے کہ جس نے بشریت کا جامہ پہنا ہے ایک نہ ایک دن ضرور مرے گا لیکن تم نے کتنے آدمیوں کو مرتے دیکھا اور سنا؟ اور تم کو محدود معلومات پر' گو وہ فی حد ذاتہا کتنی ہی وافر اور وسیع کیوں نہ ہو' کلیہ قرار دے لینے کا کیا منصب ہے؟ بلکہ تمہارے اعتراض کا ماحصل تو حقیقت میں یہ ہے کہ کلیہ ٹھہرانا ہی غلطی ہے' حالانکہ ساری دنیا کا اس پر اجماع ہے کہ قوائے عقلی میں سے ایک قوت تعمیم ہے اور دنیا کے کاروبار کا مدار اسی پر ہے اور قیامت اور بازخواست قیامت کا ثبوت پوچھو تو میں اس کے لیے نہیں بلکہ کل دینیات کے لیے وہی ایک ہدایت کرتا ہوں کہ پہلے دنیا کے حالات میں غور کرنے کی عادت ڈالو اور خدا کو منظور ہے تو (میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ کتنے دن میں مگر مخاصمانہ طور پر نہ ہو تو امید ہے کہ جلد) سب سے پہلے دل میں انکسار کی سی کیفیت پیدا ہوگی' یعنی تم پر یہ ثابت ہو جائے گا کہ میں اس عظیم الشان کارخانے میں محض ایک ذرہ ناچیز ہوں اور میری ہستی خواب خیال سے بھی زیادہ بے ثبات ہے- تب میں یقین کرتا ہوں کہ تمہارے شکوک خود بہ خود دفع ہو جائیں گے اور بے دلیل اور بلا ثبوت تمہارا دل اندر سے گواہی دینے لگے گا کہ لاریب دنیا اور مافیہا سب کا خالق خدا ہے- اس کی قدرت کی حد و پایاں نہیں- کسی بشر کا مقدور نہیں کہ اس کی صفات کما لیہ پر احاطہ کر سکے- وہ ہمارا مالک ہے اور اس کو ہر طرح کا استحقاق ہے اور ہم پر جس طرح چاہے حکمرانی کرے- اس وقت تم کو قیامت اور بازخواست قیامت اور دین کی سبھی باتیں مستعد معلوم ہوتی ہوں گی لیکن اسی غور سے تمہارا سارا استبعاد جاتا رہے گا' کیوں کہ دین بے جوڑ باتوں کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اصول و فروع سب ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ہیں- ممکن نہیں کہ آدمی خدا کا اذعان کرنے ''کما ھو حق اذعانہ'' اور پھر دین کی کسی بات میں ذرا بھی چون و چرا کر سکے ''کلا لو تعلمون علم الیقین'' ہم تو بھائی سیدھے مسلمان ہیں' خدا کو مانتے ہیں اور اس کو شرط انسانیت سمجھتے ہیں- دنیا کے حالات پر نظر کرتے ہیں تو عاقبت کا ہونا ایک امر ضروری معلوم ہوتا ہے- دل ہی کچھ اس طرح کا بنایا گیا ہے کہ نیکی بدی میں امتیاز کرتا ہے اور خدا جانے کیوں کر بیٹھ گئی ہے' کسی طرح یہ

Marfat.com

بات ذہن سے نہیں نکلتی کہ اس دنیا میں تو نہیں' ہو نہ ہو میرے بعد اس کا نتیجہ ضرور نکلے گا پر نکلے گا۔

ابن الوقت: ہمارے دل میں تو ایک لمحے کو بھی ایسے خیالات نہیں آتے۔

حجتہ الاسلام: آتے نہیں یا تم آنے نہیں دیتے اور آتے تو کیوں نہ ہوں گے مگر یوں کہو کہ تم ایسے خیالات کو دل میں ٹھہرنے نہیں دیتے اور سچ ہے دنیا ہے بھی ایسی ہی جگہ اس میں کثرت سے وجوہ صارف موجود ہیں۔ اسی کا فضل دست گیری کرے تو انسان مشاغل دینوی پر غالب آ سکتا ہے۔ اس جہان میں اور اس جہان میں نقد و نسیہ' موجود و موعود عاجل و آجل' شاہد و غائب' ظاہر و باطن' مجاز و حقیقت کا فرق ہے۔ واقع میں ادھر سے ٹوٹنا' چھوٹنا' آسان کام نہیں مگر تاہم ''مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔'' آدمی اپنی طرف سے کوشش کرے اور اس کی عنایت کا امیدوار رہے۔

میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ دین و مذہب کا اصل اصول طبیعت میں انکسار پیدا کرنا ہے' جس ڈھب سے ہو۔ یوں سمجھوں کہ آدمی بیمار ہے اور دین اعتدال مزاج۔ ہم کو دین کی ویسی ہی قدر ہونی چاہیے جیسی ایک شخص کو جو مرض مہلک میں مبتلا ہے' تندرستی کی ہوتی ہے۔ جو شخص بیماری سے آگاہ ہے' کبھی اپنا علاج آپ کرتا ہے مگر ''رای العلیل علیل'' اکثر طبیعت ہی کی طرف رجوع لاتے ہیں۔ وہ نبض سے قارورے سے' مریض کے بیان سے مرض اور اسباب مرض کو تشخیص کر کے دوا اور پرہیز دونوں بتاتا ہے اور خدا کو منظور ہوتا ہے تو مریض اس تدبیر ظاہر پر عمل کرنے سے آخر کار جاں بر ہو جاتا ہے۔

دین کے اعتبار سے ہم تم دونوں بیمار ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ تم اپنے تئیں بیمار نہیں جانتے۔ تمہاری بیماری درجہ ردائت کو پہنچ گئی ہے اور تم کو خبر نہیں۔ تم نے علاج کی طرف بالکل توجہ نہیں کی۔ میں بیماری کو سمجھتا ہوں مگر افسوس ہے کہ طبیب نہیں لیکن جس طرح دائم المرض اپنا علاج کرتے کرتے بعض دواؤں کی خاصیتیں جاننے پہچاننے لگتا ہے' اتنا کہہ سکتا ہوں کہ تم کو طبیعت میں انکسار پیدا کرنے کی ضرورت ہے' اور یہ ساز و سامان اور تزک و احتشام اور امارت اور حکومت یعنی لوازم رعونت سب سخت درجے کی بد پرہیزیں

Marfat.com

ہیں جن کے رہتے طبیعت میں انکسار پیدا ہونا محال نہیں تو مشکل ہونے میں کچھ شک بھی نہیں- وہ غور جو میں نے بتایا ہے' عمدہ دوا ہے اور مجھ کو اس نے بہت فائدہ دیا ہے- مرض گیا تو نہیں لیکن کمی ضرور ہے- طبیب سے میری کیا مراد ہے؟ پیر طریقت- طبیعت میں انکسار پیدا کرنے کے لیے یہ لوگ بہت تدبیریں کرتے ہیں' بعض ریاضات اور مجاہدات سے' بعض اسفار و سیاحات سے اور کوئی صرف غور و فکر یعنی مراقبات سے- یہ طبیعتوں کے اختلاف حالات پر موقوف ہے کہ کون سی تدبیر سودمند واقع ہوگی اور اس کی تعیین قابل اطمینان طبیب دین یعنی پیر طریقت ہی کر سکتا ہے- نزول مصائب کو طبائع کے رام کرنے میں اکثر سریع الاثر دیکھا ہے: ''هو الذی یسیر کم فی البر و البحر حتی اذا کنتم فی الفلک و جران بهم بریح طیبته و فربوا بها جاءتها ریح عاصف و جائهم الموج من کل مکان و ظنوا انهم احیط بهم دعو الله مخلصین له الدین لئن انجیتنا من هذه لنکونن من الشاکرین- فلما انجاهم اذاهم یبغون فی الارض بغیر الحق یا ایها الناس انما بغیکم علی انفسکم متاع الحیواة الذنیا ثم الینا مرجعکم فننبئکم بما کنتم تعلمون- انما مثل الحیوة الدنیا کماء انزلناه من السماء فاختلط به نبات الارض مما یا کل الناس و الانعام حتی اذا اخذت الارض زخرفها و ازینت وظن اهلها انهم قادرون علیها انها امرنا لیلاً اونهاراً فجعلنا ها حصیداً کان لم تعن بالا مس کذالک نفصل الایات لقوم یتفکرون '' اللہ اللہ کیا بیان ہے- آدمی اگر آنکھوں پر ٹھیکریاں نہ رکھے کانوں میں روڑ نہ ٹھونس لے' جان بوجھ کر مگرانہ بنے تو اس کو دین دار کرنے کے لیے اتنا ہی کافی ہے؟ مگر

نسیم غفلت کی چل رہی ہے امنڈ رہی ہیں بلا کی نیندیں
کچھ ایسا سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنا حشر تک قسم ہے

غرض مصیبت بھی دین دار کے حق میں بڑی نعمت ہے اور یہی وجہ ہے کہ بزرگان

Marfat.com

دین مصیبت کو عزیز رکھتے تھے۔ بعض قلوب خلقۃ رقیق ہوتے ہیں اور دوسرے کو مبتلائے مصیبت دیکھ کر پگھل جاتے ہیں۔ پیغمبر صاحب "علیہ من الصلوۃ اکملھا" نے شروع شروع میں انسداد بت پرستی کے لئے زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔ پھر ارشاد ہوا "کنت انھیتکم عن زیارت اقبور الافزورو مافانھا الین للقلوب" خشک سالی اور وبا اور آفات ارضی وسماوی' مثلاً شدید زلزلہ یا سخت آندھی یا بارش مفرط یا زالہ زدگی وغیرہ ایسے مواقع پر بھی لوگوں کو انابت الی اللہ ہوتی ہے اور بعض نافوس قدسی ایسے بھی ہیں کہ رہٹ چلتے دیکھا اور انقلاب دنیا کے خیال سے ان کی حالت متغیر ہوئی۔ ع:

برآواز دولاب مستی کنند۔ اپنے نفس کا اندازہ تم ہی خود کر سکتے ہو۔ جس تدبیر کو موثر پاؤ کرو' مگر کر و ضرور:

کیا وہ دنیا جس میں ہو کوشش نہ دیں کے واسطے
واسطے واں کے بھی کچھ یا سب یہیں کے واسطے

**ابن الوقت:** آپ تو مجھ کو راہب بنانا چاہتے ہیں' آپ کی یہ تعلیم خاص کر آپ کے مذہب اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ مرنا مسلم ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اسی مختصر زندگی میں ہم خوش بھی رہ سکتے ہیں۔ خوشی کے بہت سے سامان ہیں اور ہم کو خوشی اور رنج دونوں کا احساس بھی ہے۔ ہمارے احساس اور سامان خوشی دونوں کے جمع ہونے سے اس کے سوائے اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہم کو یہ زندگی خوشی میں بسر کرنی چاہئے اور اگر ہم موت کے خوف سے جوگیوں کی طرح بھوکے اور ننگے رہ کر مر جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا لغو ولا حاصل ہے۔ کیا حال ہو دنیا کا اگر سب لوگ اسی خیال کے ہو جائیں؟

**حجتہ الاسلام:** میں تم کو دیکھتا ہوں دنیا میں اس درجے منہمک کہ تم کو دین سے کچھ لگاؤ ہی نہیں۔ اگر اسلام کی بہت سی سہولتوں میں سے توبہ نہ ہوتی تو میں تم کو حضرت موسیٰ علیہ سلام کی طرح کفارہ خودکشی کی صلاح دیتا۔ تمہیں تو کیا یاد ہوگا مگر سورۂ بقر میں ہے: "و اذ قال موسی لقومہ یا قوم انکم ظلمتم انفسکم باتخاذ کم العجل

Marfat.com

فتوبوا الی بارئکم یا قوم انکم ظلمتم انفسکم ذلکم خیر لکم عندبارئکم "! تاہم فرماؤ میری کس بات سے تم نے سمجھا کہ میں رہبانیت کی تعلیم کرتا ہوں؟ اس سے کہ دنیا کے حالات میں غور کرو یا اس سے کہ خدا کی عظمت کو اپنے ذہن میں بٹھاؤ یا اس سے کہ طبیعت میں انکسار پیدا کرو؟

**ابن الوقت:** کیا ایسے خیالات رکھ کر آدمی دنیا میں خوش بھی رہ سکتا ہے- پھر وہ رہبانیت ہوئی یا کیا ہوئی؟

**حجتہ الاسلام:** اگر مذاق عقل صحیح ہو تو دین سے بڑھ کر کسی چیز میں خوشی ہو ہی نہیں سکتی- دنیا کی فانی' عارضی' چندہ روز' بے ثبات خوشیوں کو خوشی سمجھنا غلطی ہے' جیسے ایک لڑکا کھیل میں اپنا وقت ضائع کرنے سے یا ایک جواری جوا کھیلنے سے یا ایک افیونی افیون کے عمل سے یا ایک نادان بیمار بد پرہیزی سے خوش ہوتا ہے- اصلی اور پاکیزہ اور ابدی خوشی وہ تھی جس کے لئے پیغمبر صاحب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر اس قدر زحمت اٹھاتے کہ راتوں کو نماز میں کھڑے رہنے سے پاؤں سوج سوج جاتے- ساری عمر بے چھنے جو کی روکھی روٹی کبھی پیٹ بھر کر کھائی ہی نہیں- گرسنگی کی ایذا کو دبانے کے لئے ہمیشہ بطن مبارک پر پتھر باندھے رہتے تھے- اکثر راتیں اہل بیت نبوی پر گزر جاتیں کہ چراغ تک نہیں جلتا تھا- کھجور کے کھرے بوریے پر لیٹنے سے پہلوؤں میں اور پیٹھ میں بدھیاں پڑ پڑ جاتی تھیں اور حدیث "وقرتہ عینی فی الصلوۃ "میں تو آپؐ نے فرما بھی دیا کہ میرا جی تو نماز ہی میں خوش ہوتا ہے-

**ابن الوقت:** یہ تو وہی آپ عاقبت کی خوشیوں کو پھر لے دوڑے- میرا اعتراض تو یہ ہے کہ دین کے خیالات دنیا کی خوشی کو منغض کر دیتے ہیں-

**حجتہ الاسلام:** تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے- دنیا کی خوشی اور دنیا کا رنج دونوں کا مدار اکثر انسان کا اپنا خیال ہے- جس قدر دنیا اور دنیا کے تعلقات کی تم قدر و وقعت کرتے ہو' اسی قدر تم دنیاوی خوشی اور رنج سے متاثر ہو سکتے ہو- دین جس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا اور دنیا کے تعلقات سب ہیچ ہیں' دنیاوی خوشیوں کو منغض نہیں بلکہ دنیاوی رنج اور خوشی دونوں کو انسان کی نظر میں حقیر اور ناچیز کر دیتا ہے- جو شخص غصے کو پی جائے' انتقام نہ

Marfat.com

لے' جھوٹ نہ بولے' غیبت نہ کرے' حریص وطماع نہ ہو' جابر وسخت گیر نہ ہو' ممسک و بخیل نہ ہو' مغرور ومتکبر نہ ہو' نہ کسی سے لڑے نہ جھگڑے' نہ کسی کا حسد کرے' نہ کسی کو دیکھ کر جلے' عافیت میں شاکر' مصیبت میں صابر' ہنس خلق' بردبار' متحمل' متواضع' منکسر' مستغنی' نفس پر ضابط' قانع' سیر چشم' متوکل' ثواب عاقبت کا امیدوار' یعنی خلاصہ یہ ہے کہ دین دار ہو' میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں ان سے بڑھ کر کسی اور کو بھی خوشی ہو سکتی ہے اگر چہ وہ ہفت کلیم کا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایسا شخص آپ سے بھی خوش اور اس سے عزیز قریب دوست آشنا بھی خوش' رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ دنیا دار آدمی تبھی خوش رہ سکتا ہے کہ جس جس چیز کو اس کا جی چاہتا جائے فی الوقت مہیا ومیسر ہوتی چلی جائے مگر کسی کو ابتدائے دنیا سے آج تک یہ بات نصیب ہوئی ہے' یا آیندہ تا بقائے دنیا کسی کو اس بات کے نصیب ہونے کی توقع کی جا سکتی ہے' کسی کو بھی نہیں۔ پس معلوم ہوا دنیا میں کامل خوشی تو نہ ہوئی ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ دوسرا طریقہ خوشی کے حاصل کرنے کا یہ ہے کہ طبیعت کو روکا' خواہشوں کو دبایا' حاجتوں کو کم کیا جائے اور یہی ہے خلاصہ دین کی تعلیم کا جہاں تک اس کو اصلاح معاش سے تعلق ہے۔

ابن الوقت: ایسے بھی کوئی ہوں گے جن کی دنیا بوجہ دین داری آرام سے گزرتی ہو گی؟ مجھے تو دین فی حد ذاتہ مصیبت کا ایک پہاڑ دکھائی دیتا ہے۔ دنیا میں سینکڑوں تو مذہب ہیں اور ہر مذہب میں ایک سے ایک عقیل' ایک سے ایک خدا پرست' ایک سے ایک نیک' ایک سے ایک حق پسند' ایک سے ایک راست باز اور پھر اہل مذاہب میں اس بلا کا محاسدہ ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتا۔ جس کو دیکھو اپنے ہی تئیں برسر حق جانتا ہے اور تمام دنیا کو گمراہ۔ نہیں معلوم آپ نے مذہب کی طرف سے کیوں کر اپنا اطمینان کر لیا ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ہر شخص تقلیدی مذہب رکھتا ہے۔ ایک مسلمان اس واسطے مسلمان ہے کہ وہ اتفاق سے مسلمان گھر میں پیدا ہوا۔

حجتہ الاسلام: دین کے لحاظ سے دیکھا جاتا ہے تو ہم سب کی ماشاء اللہ بڑی تباہ حالت ہے' ایسا کون سا بندہ بشر ہے جو مبتلائے گناہ نہیں۔ ہماری ہمت اس طرح کی ضعیف واقعی ہوئی ہے کہ ہم اس دام میں سے پھنسے رہ نہیں سکتے۔ ہماری مجال نہیں کہ دنیاوی حکومتوں

Marfat.com

کے آگے ذرا بھی سر اٹھا سکیں مگر خدائے برحق' قادر مطلق' شہنشاہ دو جہان کی حکومت کے استخفاف کو ہم نے کھیل سمجھ رکھا ہے: ع

کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ

غرض یوں تو ہر فرد بشر سے دن رات میں ہزار ہا نالائقیاں سرزد ہوتی ہیں مگر یہ سب سے بڑی نالائقی ہے کہ وہ دین کے پیرائے میں اپنی طبیعت کے پاجی پن کو ظاہر کرے- دوسروں کو میں کیا الزام دے سکتا ہوں کہ میں آپ سے بدتر نکھتر ہوں لیکن ان مذہبی مباحثات کو تو میں نہایت ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں- شاید میری رائے غلط ہو' مجھ کو تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام کشاکش آپس کی ضد اور تعلّی اور سخن پروری اور بے جا تعصب کی وجہ سے ہے- خیر اول! تو شامت نفس سے میں دینیات میں بہت ہی تھوڑا وقت صرف کر سکتا ہوں اور جس قدر کر سکتا ہوں وہ میرے اپنے ہی نفس کے احتساب کو کافی نہیں- میں مذہبی مباحثات کو ذہن میں آنے ہی نہیں دیتا' اگر کبھی ایسا خیال ہوا تو میں یہ کہہ کر گالی دیا دفا کرتا ہوں: ع

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

اور یہی مضمون ایک جگہ قرآن مجید میں بھی ہے: یا ایھا الذین آمنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھلیتم الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون - دوسرے پر حملہ کرنے کی مصیبت سے تو یوں بچے کہ اپنی کرنی اپنی بھرنی' وہ جانے ان کا کام جانے' نہ میں کسی کا محتسب' نہ دین کا ٹھیکہ دار' نہ منصب ہدایت پر مامور' مجھ کو کیا پڑی کہ دوسروں کے معاملات میں دخل دیتا پھروں- ''لاتزر وازرۃ وزر اخری'' رہ گئی اپنے معتقدات کی حمایت' سو میرے معتقدات میرے دل کی تسلی کے لیے ہیں' دوسروں کو ان سے تسلی نہ ہو' نہ ہو الغرض میری سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ لوگوں میں مذہبی لڑائی کیوں ہوتی ہے اور کیا اس سے مفاد ہے؟ اگر تم میری صلاح مانو تو علم کلام کی کتاب کو تو بھول کر بھی آنکھ اٹھا کر مت دیکھنا- ایک بڑا نقصان جو طلب گار دین کو اس فن کی کتابوں سے پہنچتا ہے' یہ ہے کہ اس کی طبیعت دینیات میں متشکی ہو جاتی ہے- جس ترتیب کے ساتھ میں نے تم کو دینیات میں غور کرنے کو بتایا تو اس کا

Marfat.com

لحاظ بھی حیرت اختلاف سے بچنے کے لئے مفید ہے جب انسان اس بات کو نصب العین کرلے گا کہ میں ایک فانی اور بے حقیقت مخلوق ہوں اور معلوم نہیں کہ بعد مرگ کیا پیش آئے' میں نہیں سمجھتا کہ ایسا آدمی ان جھگڑوں کی طرف متوجہ ہونے کے لئے اپنی طبیعت کو حاضر پائے۔ بعض باتوں سے تو وہ بہ ایں خیال اعراض کرے گا کہ میں ان سے زیادہ اہم کام میں مصروف ہوں:

کیا جانیں ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم
کچھ ہو کہ بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

اور بعض کی نسبت وہ شاید یہ خیال کرے کہ اگر میری سمجھ میں نہیں بھی آتا تو میری ہی فہم کا قصور ہے۔

میں نے مناظرے اور مباحثے کی نظر سے تو کبھی کسی مذہب کی تفتیش و تلاش کی نہیں مگر ہاں یوں ہندو' عیسائی' پارسی' یہودی جو مذہب ہمارے ملک میں مروج ہیں' ان کے معتقدات کا حال معلوم ہے' غایت مافی الباب' یہ کہ بالتفصیل نہ سہی' سو جن دلائل سے مجھ کو اس بات کا اذعان ہے کہ خدا ہے' انہی دلیلوں سے ان کا بھی تیقن ہے کہ کوئی اس کا شریک نہیں۔ ہندوؤں اور پارسیوں سے تو یوں سستے چھوٹے' رہ گئے عیسائی اور یہودی' اس میں شک نہیں کہ ہیں اہل کتاب' دین بھی ہمارا ان کا ایک' اختلاف اگر ہے تو شرائع کا ہے مگر وحدانیت کو انہوں نے بھی ڈگمگا رکھا ہے۔ پس ہم کو تو اسلام کے سوائے اپنا ٹھکانہ کہیں نظر نہیں آتا۔ جس بات نے مجھ کو زیادہ تر مذہب اسلام کا گرویدہ کیا' یہ ہے کہ اسلام میں تصنع نہیں۔ پیغمبر اسلام نے حد بشریت سے بڑھ چڑھ کر اپنے لیے کسی تقدس یا کسی استحقاق کا دعوی کیا ہی نہیں۔ آپ پکارے کہتے تھے۔ ''انما انا بشر مثلکم وما ادری مایفعل بی ولا بکم'' ''لا املک لنفسی نفعا ولاضرا الاماشاء اللہ۔ ولو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء۔ پس جب آپ سے لوگوں نے معجزات دکھانے کو کہا تو آپ نے صاف انکار کیا کہ یہ میرے اختیار کی بات نہیں: ''ویقولون لولا انزل علیہ آیتہ من ربہ قل انما الآیات عنداللہ۔ و قالوا لن نومن لک حتی تفجر لنا

Marfat.com

من الارض ینبوعاً- اوتکون لک جنت من نخیل و عنب فتفجر الانهار خلالها تفجیرا- اوتسقط السماء کما زعمت علینا کسفا اوتاتی بالله و الملئکته قبیلا- اویکون لک بیت من زخرف اوترقی فی اسماء و لن نومن لرقیک حتی تنزل علینا کتاباً نقروه قل سبحان ربی هل الا بشرا رسولا -اکثر لوگوں کا یہی خیال ہے کہ پیغمبر کو معجزات کا دکھانا ضرور ہے تا کہ لوگ اس کا پیغمبر ہونا تسلیم کریں لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں میری نظری میں معجزات کی کچھ بھی وقعت نہیں- میرے نزدیک پیغمبر آپ ہی سب سے بڑا معجزہ ہے: ع

آفتاب آمد دلیل آفتاب

مثلاً یوسف علیہ السلام کا وہ مقولہ ''معاذ الله انه ربی احسن مثوی'' میرے قلب پر اس قدر اثر کرتا ہے کہ اگو یوسفؑ میری آنکھوں کے سامنے مردے کو جلا کھڑا کرتے تاہم مجھ کو ان کی خدمت میں ایسی عقیدت نہیں ہوتی -اسی طرح اسلام کی ساری باتیں ایسی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آتی ہیں کہ خود بخود دل ان کو قبول کر لیتا ہے- مثلاً توبہ' ظاہر بات ہے کہ اگر ہم سے کوئی قصور عمداً یا خطأ سرزد ہو جائے سوائے افسوس اور ندامت کے ہم اس کی کچھ تلافی کر ہی نہیں سکتے -توبہ کو عیسائیوں کے کفارے کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھو تو تم کو اس کی خوبی معلوم ہو- پھر اسلام میں یہ کتنی بڑی عمدہ بات ہے کہ تکلیف مالا یطاق نہیں- یہود اور عیسائیوں کے احکام عشرہ میں یہ باتیں بھی ہیں کہ کل کے واسطے ذخیرہ مت کرو' اگر کوئی تمہارے داہنے کلے پر کوئی تھپڑ کھینچ مارے' بایاں کلہ بھی اس کے سامنے کر دو کہ لے اور مار- اپنے جانی دشمن کے لیے اسی طرح کی دعا کرو جس طرح اپنے اکلوتے بیٹے کے حق میں کرتے ہو- اس طرح کی ان ہوئی باتوں کی جگہ اسلام تعلیم کرتا ہے: ''کلوا و اشربوا ولا تسرفوا انه لا یحب المسرفین -من حرم زینت الله التی اخرج لعباده و الطیبات من الرزق ط قل هی للذین آمنوا فی الحیوة الدنیا خالصته یوم القیامته ○ و جزا سئیته مثلها ثم

Marfat.com

عفا و اصلح فاجره علی الله انه لا یحب الظالمین ٥ اب تم اپنے دل میں انصاف کرلو کہ دونوں طریقوں میں سے کونسا ممکن التعمیل ہے اور کون ناممکن التعمیل۔

مباحثہ اور مناظرہ تو مجھ کو پسند نہیں' جیسا کہ میں نے تم سے بار بار کہا مگر یوں اپنے طور پر میں نے مذہب کے بارے میں برسوں غور کیا ہے اور اب بھی اکثر غور کرتا رہتا ہوں۔ اور جن وجوہ سے میں نے اسلام کو حق سمجھا اور جن دلائل سے میرے دل کو تسلی ہوئی ان کو میں نے اپنے بچوں کے گوش زد کرنے کی غرض سے ایک کتاب میں جمع کر رکھا ہے۔ اگر تم دیکھنا چاہو تو میں بہت خوشی سے تم کو دوں گا۔ یہ مباحث دو چار' دس پندرہ ملاقاتوں کے طے ہونے میں نہیں ہیں۔ میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ تمہاری یا دوسروں کی بھی تشفی کرسکتا ہوں۔ تشفی بدون دین الٰہی ہو نہیں سکتی: **فمن یرد الله ان یهدیه یشرح صدره للاسلام و من یرد ان یضله یجعل صدره ضیقاً حرجاً کانما یصعد فی السماء**"۔ اور میں پھر ایک بار تم سے کہتا ہوں کہ طلب گار دین کو عموماً اور تم کو خصوصاً نہ کسی کتاب کے دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی سے پوچھنے کی حاجت۔ دنیا میں جدھر کو آنکھ اٹھا کر دیکھو' دین کے دفتر کے دفتر کھلے پڑے ہیں بشرطیکہ چشم بصیرت وا ہو۔ تم ہی میں سب کچھ ہے مگر سوجھتا نہیں: **وه فی انفسکم افلا تبصرون**" ایک بات کے کہنے کی اور ضرورت باقی ہے کہ اگر تمہارا نفس دین کی کسی بات سے مطمئن ہو جائے تو مجرد اس سے کہ تمہارے دل کو اس بات میں کسی طرح کا خلجان نہیں' نفس کے فریب میں مت آ جانا۔ کامل کی شناخت یہ ہے کہ اعمال میں' افعال میں' اقوال میں اس کا اثر ظاہر ہو۔ دنیا میں کسی ملک' کسی مذہب کا ایک متنفس بھی نہ ہے نہ ہوگا جس کو مرنے کا اذعان نہ ہو مگر کتنے ہیں جن کے برتاؤ سے اس اذعان کا ثبوت ہوتا ہو؟ پکی پکی حویلیاں بن رہی ہیں' باغ نصب ہو رہے ہیں' معاملات میں ڈیوڑھی ڈیوڑھی' دونی دونی عمر طبعی کے وعدے کئے جا رہے ہیں' روزمرہ کے استعمال کی جتنی چیزیں ہیں یہاں تک کہ جوتی میں پائیداری کی نظر ہے۔ غرض توقعات کی کچھ حد و غایت نہیں اور منہ سے کہنے کو:

Marfat.com

کیا بھروسا ہے زندگانی کا
آدمی بلبلا ہے پانی کا

ہم تو ایسے اذعان کے قائل ہیں نہیں۔قولاً اقراراً عملاً انکار۔ہاں اذعان ہے ریل کے مسافر کو جس کا ایک خاص مقام پر اترنا ہے۔اول تو وہ سرے سے اسباب کو زیادہ کھولتا پھیلاتا ہی نہیں اور جو بہ مجبوری نکالا ہے تو دو دو تین تین اسٹیشن پہلے سے گری پڑی چیز کو جمع کرتا ہے۔شاید اخیر شب ہے اور نیند کے جھونکے پر جھونکے چلے آتے ہیں مگر نہیں سوتا۔ٹکٹ معلوم ہے کہ ہے' مگر بہ نظر مزید احتیاط پھر اس کو دیکھ کو سنبھال کر جیب میں رکھتا ہے کہ وقت پر ڈھونڈنا نہ پڑے۔ابھی ریل کی رفتار مدہم نہیں ہوئی اور یہ بیگ ہاتھ میں لے مسافروں پر سے کود پھاند کھڑکی سے آ لگا۔صریحاً دیکھ رہا ہے کہ اس سرے سے کھڑکیاں کھلتی چلی آ رہی ہیں لیکن مستعجل ہے اور پکار رہا ہے کہ صاحب ہم بھی اسی اسٹیشن پر اتریں گے۔کسی ایک غریب' مصیبت مند آدمی کی نسبت بھی تم ایسا خیال کر سکتے ہو کہ دفعتہً تو بھلا خیر' اب سے شام تک کی اس کو مہلت دی جائے کہ نماز مغرب کے بعد تم کو مثلاً ضرور امریکہ چلنا ہوگا اور وہاں تمہارے لیے ہر طرح کی آسائش کا سامان مہیا ہے اور وہ وقت پر چل کھڑا ہو۔بھلا پھر سفر موت تو دوسری ہی طرح کا سفر ہے۔اس کے لیے تو ہم میں سے کوئی بھی تیار نہیں' نہ آج نہ کل' نہ برس بعد' نہ دس برس بعد۔

**ابن الوقت:** بس وہی رہبانیت! رہبانیت تو آپ کے کلام کا ترجیع بند ہے کہ دو چار باتیں کیں اور پھر

مامقیمان کوئے دل داریم

**حجتہ الاسلام:** میں ڈپٹی کلکٹر سمجھ کر تم سے ملنے نہیں آیا' نہ ڈپٹی کلکٹر سمجھ کر تم سے باتیں کر رہا ہوں۔ساتھ کھیلا ہوں' ساتھ پڑھا ہوں' عمر میں' رشتے میں' تم سے بڑا ہوں۔برا نہ ماننا۔ارے احمق! اتنا تو سمجھ کہ میں نے ایک بات نہیں کہی جس کا حوالہ قرآن سے نہ دیا ہو اور نہ دیا ہو تو اب دینے کو موجود ہوں اور دین کا یہ حال ہے ''خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم'' اگر قرآن کی تعلیم کا نتیجہ رہبانیت ہوتا تو

Marfat.com

پیغمبر صاحب علیہ الصلوۃ والسلام اور صحابہؓ کرامؓ اس قدر تھوڑے عرصے میں، جس کی نظیر کسی ملک کی تاریخ میں پائی نہیں جاتی، اسلام کی اتنی بڑی وسیع اور زبردست سلطنت قائم نہ کر سکتے اور اس وقت کے اہل اسلام نہ صرف سلطنت کی وجہ سے اقوام روزگار میں ممتاز تھے بلکہ ان کے زمانے میں جتنے ہنر تھے، سب میں اپنے اقران پر سبقت لے گئے تھے۔ پس اگر تعلیم قرآن کا نتیجہ رہبانیت ہوتا تو بزرگان دین دنیا کو اور دنیا بھی ایسی دنیا، اس خوبی اور عمدگی اور شائستگی کے ساتھ سنبھال نہ سکتے۔

**ابن الوقت:** صاحب، آپ برا مانئے، یا بھلا مانئے، میری سمجھ میں تو آپ کی دورخی بات بالکل نہیں آتی۔ ایک طرف تو آپ دنیا سے نفرت دلاتے ہیں اور دوسری طرف رہبانیت کے نام سے بھناتے ہیں۔ جن کو آپ بزرگان دین کہتے ہیں، ان کے دنیاوی عروج کی نسبت تو کوئی کلام کر نہیں سکتا۔ ان کی ملک گیریاں، ان کی فتوحات، ان کے انتظام، ان کے ارادے، ان کی شجاعتیں، چاردانگ عالم میں مشہور ہیں۔ مگر جس طرح کی دین داری آپ مجھ کو تعلیم کرتے ہیں، کوئی شخص اپنی ارادت سے جو چاہے فرض کر لے مگر تاوقتیکہ ان کے ظاہر حالات میں اس کے شواہد نہ ہوں، دوسرا آدمی کیوں ماننے لگا۔

**حجتہ الاسلام:** ان کے ظاہر حالات میں ان کی اسی طرح کی دین داری کے شواہد موجود تھے اور بہ افراط موجود تھے۔ جناب رسالت مآبؐ کے زہد کا حال تو ''مشتے نمونہ از خروارے'' میں تم سے خوشی کے بیان مین کہہ چکا ہوں۔ قریب قریب یہ حال اکثر اصحابؓ کا تھا۔ عقل پر کیا پتھر پڑ گئے! واقعات تاریخی بھی سب بھلا ڈالے؟ یا زمان طالب العلمی میں تاریخ دانی کا وہ زور وشور تھا کہ سارا کالج لوہا مانتا تھا۔ ان سے بڑھ کر کوئی کیا زہد کرے گا جنہوں نے پیغمبر کی رفاقت میں وطن چھوڑا، گھر بار چھوڑا، مال و متاع چھوڑا، عزیز و اقارب چھوڑے اور پردیس میں پرائی روٹیوں پر، اور وہ بھی غیر مقرر، قناعت اختیار کی۔ ان سے بڑھ کر کوئی کیا زہد کرے گا جو ہمہ وقت پیغمبرؐ کے ساتھ جان دینے کو موجود اور صرف موجود ہی نہیں بلکہ خدا کی راہ میں جان کے قربان کر دینے کو فوز عظیم سمجھتے تھے۔ ان سے بڑھ کر کوئی کیا زہد کرے گا، جن پر پیغمبرؐ صاحب نے تجہیز جیش کی ضرورت ظاہر کی اور کسی نے سارا اور کسی نے آدھا مال بے تامل لا حاضر کیا۔

Marfat.com

ان سے بڑھ کر کوئی کیا زہد کرے گا جنہوں نے وقت کے امیر المومنین کہلا کر اپنے ہاتھوں اینٹیں پاتھیں' پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنے' نمود و نمائش کے مواقع پر پیدل چلے' خچروں پر سوار ہوئے- ان سے بڑھ کر کوئی کیا زہد کرے گا جنہوں نے احتساباً اپنی حاجتوں پر دوسروں کی حاجتوں کو مقدم رکھا' آپ بھوکے رہے دوسروں کو کھلایا آپ ادھار لیے اور دوسروں کو غنی بنایا- کہیں تم تجاہل عارفانہ تو نہیں کرتے ورنہ سیر کی کتابوں میں اس قسم کی ہزاروں باتیں ضرور تمہاری نظر سے گذری ہوں گی-

**ابن الوقت:** اتنا میں بھی سمجھتا ہوں کہ دنیا میں اگر کوئی مذہب اختیار کرنے کے قابل ہے تو وہ اسلام ہے- اب تو آپ خوش ہوئے؟

**حجتہ الاسلام:** قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدا کم لا یمان ان کنتم صادقین-

**ابن الوقت:** خیر اب دنیا کی باتیں کیجئے- ہمارے کلکٹر صاحب تک آپ کیوں کر پہنچے' کیا کیا باتیں ہوئیں؟

**حجتہ الاسلام:** ایسی لایعنی باتیں کرنے کی مجھ کو فرصت نہیں اب دوسری ملاقات میں-

**ابن الوقت:** مجھ کو آپ سے بہت سی ضروری باتوں میں مشورہ لینا ہے-

**حجتہ الاسلام:** ایک بار کہہ تو دیا ''دوسری ملاقات میں''-

**ابن الوقت:** کب؟

**حجتہ الاسلام:** دیکھو' ان شاء اللہ اسی ہفتے کے اندر ہی اندر' جب موقع ملے-

**ابن الوقت:** بھلا اتنا تو فرمایئے صاحب کلکٹر سے میرے ملنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

**حجتہ الاسلام:** ان سے تو ملنے کا نام ہی نہ لینا- یہ بھی خدا جانے کیا اتفاق تھا کہ وہ اتنے بھی روبہ راہ ہوئے بلکہ میں تو تم کو یہی صلاح دوں گا کہ یہ وضع تم کو کیا کسی کو بھی سازگار نہیں- اس کو قطعاً ترک کرو اور ابھی کچھ اور خمیازہ بھگتنا باقی ہو تو اختیار ہے-

Marfat.com

## فصل بست و ہشتم

### ابن الوقت شہر میں پھوپھی کے گھر جا کر حجتہ الاسلام سے تیسری بار ملا اور دونوں میں پہلے پولیٹیکل اور پھر مذہبی گفتگو

صاحب کلکٹر کے ساتھ صفائی کا ہونا تھا کہ ابن الوقت کا بازار پھر گرم ہو چلا۔ نوبل صاحب کے بعد سے ابن الوقت' اس کا بنگلہ' اس کی کچہری' اس کے عملے' اس کے ذاتی ملازم' سبھی چیزیں گویا کوارنٹین میں تھیں کہ لوگ ان سے مٹھ بھیڑ کرتے ہوئے ڈرتے تھے' یا کم پر مسلط ہونے کی خبر کے مشتہر ہوتے ہی بعضے تو بے غیرتی کا جامہ پہن پہن' اسی شام کو آ دھمکے۔ لیکن ابن الوقت کو ایسا جھکولا نہیں لگا تھا کہ اس قدر جلد بھول جاتا اور حجتہ الاسلام کی نصیحت اس کے کانوں میں گونج رہی تھی سوا لگ۔ غرض انگریزیت کے ولولے ابن الوقت کے دل سے بلب تو نہیں ہوئے تھے پر ٹھنڈے ضرور پڑ گئے تھے۔ وہ لوگوں سے ملا مگر کچھ لمبے چوڑے تپاک سے نہیں۔ اس پر بھی جن کو ابن الوقت کی دعوتوں کی چاٹیں پڑی ہوئی تھیں' بے صلاح دیے باز نہ رہے کہ مسٹر شارپ کو بڑا بھاری ڈنر دیا اور اسٹیشن کے تمام انگریزوں کو مدعو کیا جائے۔

حجتہ الاسلام نے ابن الوقت سے ملنے کا وعدہ کیا ہی تھا اور وہ ہفتے کے اندر ہی اندر ملتے پر ملتے' لیکن ابن الوقت کو صبر کہاں تھا! ادھر لوگ اس کو ڈنر کے لیے الگ اکسا رہے تھے۔ حجتہ الاسلام تو اس طرح کے سیدھے سادے بے تکلف سے آدمی تھے کہ اگر ابن الوقت جھوٹوں بھی کہلا بھیجے تو پچوں دوڑے چلے آئیں مگر اس کو بلوانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی' کچھ رشتے یا عمر کی بڑائی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کی باتوں نے ان کی بڑی

Marfat.com

وقعت اس کے ذہن میں جمادی تھی- آخر تیسرے دن کوئی چار چھ گھڑی رات گئے' کبھی کے پڑے ہوئے ہندوستانی کپڑے یاد آئے' جلدی سے بدل' سوار ہو' جا موجود ہوا-

تبدیل وضع کے بعد سے یہ اس کا پہلا پھیرا تھا- کنبے کے لوگوں کو' رشتہ داروں کو اور خاص کر اس کی پھوپھی کو جس قدر خوشی ہوئی بیان سے باہر ہے- سب نے ریجھ ریجھ کر اس سے باتیں کیں- ہر چند ان باتوں کا لکھنا خالی از لطف نہ تھا مگر یہ مذکور ہمارے مطلب سے خارج ہے- اس نے حجتہ الاسلام سے کہا: ''حضرت' لوگوں نے میری جان کھا رکھی ہے کہ صاحب کلکٹر کو ڈنر دو' ڈنر دو-''

حجتہ الاسلام: اس وضع سے اگر تم صاحب کلکٹر سے ملنا چاہو تو میں اب ملوا لاؤں مگر مجھ سے انہوں نے کھل کر کہہ دیا ہے کہ میں کسی ہندوستانی کو انگریزی لباس پہنے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا- تم ناحق کیوں ان کے سر ہوتے ہو؟

**ابن الوقت**: پھر صفائی کیا خاک ہوئی؟

حجتہ الاسلام: نہیں ہوئی نہ سہی' جو تم سے بن پڑے سو کرو- تم بھی عجیب طرح کے ناشکر آدمی ہو- تمہارا کام تم کو پھر ملا' صاحب کلکٹر نے سچ پوچھو تو ایک طرح پر معذرت کی' کیوں کہ غلطی کا اقرار کرنا بھی معذرت ہے- لوگوں کی نظر میں جو تمہاری بے وقری ہو رہی تھی بالکل دھل گئی- جہاں تک تم کو صاحب کلکٹر کے ساتھ سرکاری تعلق ہے' بس پوری پوری صفائی ہوگئی- رہ گئی یہ بات کہ وہ تمہاری انگریزی وضع کو ناپسند کرتے ہیں' یہ ان کا ذاتی خیال ہے اور انہی کا نہیں بلکہ تمام انگریزوں کا- کسی کی آنکھ میں مروت زیادہ ہوئی اس نے منہ سے نہ کہا مگر دل میں وہ بھی ضرور برا مانتا ہوگا-

**ابن الوقت**: میں نہیں سمجھتا کہ صاحب کلکٹر یا کسی یورپین کو' اگرچہ وہ وائسرائے ہی کیوں نہ ہو' ہمارے لباس اور طرز تمدن میں دخل دینے کا انصافاً کیا استحقاق ہے؟ اور

Marfat.com

آج کوتو لباس ہے کل کو رعایا کے مذہب میں مداخلت شروع کریں گے۔ یہ بالکل برٹش گورنمنٹ کے اصول کے خلاف ہے اور دیکھیے گا کہ آخر کار شارپ صاحب اس معاملے میں بڑی زک اٹھائیں گے۔

حجتہ الاسلام: اگر انگریزی کو اس ملک پر حکمرانی کا استحقاق ہے تو ضرور اس بات کا بھی استحقاق ہے کہ جو چیزیں ضعف حکومت کی طرف منجر ہوں' ان کا انسداد کریں اور تمہارا طرز لباس اور طرز تمدن ان چیزوں میں ہے جن سے ضعف کا اندیشہ ہے۔ کوئی ہندوستانی جو اپنی مانوس' قدیمی قومی وضع چھوڑ کر تمہاری طرح انگریزی وضع اختیار کرے گا' اس کی غرض سوائے اس کے اور کیا ہوگی کہ وہ حکام وقت کے ساتھ برابری کا دعوے رکھتا ہے اور حاکم و محکوم میں مساوات کا ہونا ضعف حکومت نہیں تو کیا ہے؟

ابن الوقت: تو آپ کے نزدیک رعایا کی آزادی جس پر برٹش گورنمنٹ کو بڑا فخر اور ناز ہے' صرف دھوکا ہی دھوکا ہے۔

حجتہ الاسلام: رعایا کی آزادی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ انگریز حکومت سے دست کش ہو جائیں اور نہ کوئی معقول پسند آدمی انگریزوں سے اس طرح کی توقع رکھ سکتا ہے۔

ابن الوقت: یہ آپ ان انگریزوں کے خیالات بیان کر رہے ہیں جو ہندوستان میں برسر حکومت ہیں مگر ولایت والوں کا یہ حال نہیں۔ وہ ہندوستان کی اور انگلستان کی رعایا میں سر مو فرق نہیں کرتے۔ آپ شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ یہیں کے انگریز جو چاہتے ہیں سو کرتے ہیں' وہ زمانہ گیا۔ شارپ صاحب کیا میری ایک متنفس کی وضع کے پیچھے پڑے ہیں' ابھی تو ان کو بہت کچھ خلاف مزاج دیکھنا اور سننا ہوگا۔ وہ وقت قریب آ لگا ہے کہ اسی ملک میں سول سروس کا امتحان ہوا کرے گا۔ کسی ملکی خدمت کے لیے انگریزوں کی تخصیص باقی نہ رہے گی جیسی کہ اب ہے۔ وائسرائے کی کونسل میں برابر کے ہندوستانی ہوں گے

Marfat.com

اور کوئی قانون بدون ان کے صلاح و مشورے کے جاری نہ ہو سکے گا۔ غرض انتظام ملک میں ہندوستانی ویسے ہی دخیل ہوں گے جیسے انگلستان میں وہاں کی رعایا اور جب بادشاہ ایک ہے' کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا کہ دونوں ملکوں کی رعیت کے ساتھ ایک طرح کا برتاؤ نہ کیا جائے۔

حجتہ الاسلام: اللہ اللہ! اس خبط کا کیا ٹھکانا ہے! کہیں تم نے متوالی کو دوں تو نہیں کھالی' ''ایاز قدر خود شناس۔'' انگلستان کی رعایا کی سی قابلیت بہم پہنچائی ہوتی' ملک پر اپنا اعتبار ثابت کیا ہوتا تو ایسی بلند پروازیاں تم کو پھبتیں بھی' ''حلوا خوردن را وَے باید۔'' نالیاقتی کا تو یہ حال ہے کہ نہ ہمت ہے' نہ جرأت ہے' نہ اتفاق ہے' نہ تہذیب ہے' نہ شائستگی ہے' نہ سچائی ہے' نہ سچائی کی تلاش ہے' نہ معلومات ہے نہ معلومات بہم پہنچانے کا شوق ہے' نہ ہنر ہے' نہ تجارت ہے' نہ دولت ہے' نہ ایجاد ہے' نہ صناعت ہے۔ غرض صلاحیت تو اگر سچ پوچھو' خانہ داری کی بھی نہیں اور حوصلے دیکھو تو ملک گیری کے اور ہندوستانیوں پر کیا موقوف ہے' میں تو سمجھتا ہوں تمام ایشیا کی آب و ہوا میں کچھ اس طرح کی روائت آ گئی ہے کہ اس سرزمین میں کوئی شخص' جس کو ضابط اور منتظم سمجھا جائے' پیدا ہوتا ہی نہیں۔ بلکہ میں جب حج سے واپس آ کر بمبئی میں اترا اور یہاں کے غدر کے تفصیلی حالات سنے تو بے ساختہ میرے منہ سے نکلا تا حق انگریزوں نے اتنی زحمت اٹھائی' جیسے لوگوں نے بغاوت کی تھی' زیادہ نہیں تو ایک ہی ضلع تھوڑے دنوں کے لیے بالکل چھوڑ بیٹھے ہوتے کہ ہماری عملداری سے ناخوش ہو تو خود کر کے دکھاؤ۔ یقین ہے کہ ایک برس بھی پورا گزرنے نہ پاتا کہ لوگ بدعملی سے عاجز آ کر بہ منت انگریزوں کو منا کر لے جاتے اور پھر کبھی بھول کر بغاوت کا نام نہ لیتے۔

میں خیال کرتا ہوں تو انگریزی عملداری تمہاری ہی نہیں بلکہ ہم لوگوں کی بھی شرط زندگی ہو گئی ہے۔ چاقو' مقراض' سوئی تاگا' دیا سلائی' انواع و اقسام کے کپڑے' غرض

Marfat.com

ضرورت اور آسائش کی اکثر چیزیں انگریزی ہی انگریزی دکھائی دیتی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انگریزوں سے محض بے تعلقی ہو جائے تو ہمارا کیا حال ہو۔ بھلا خیر' فرض کیا کہ خدا کے فضل سے گورنری تک کے لیے بھی بہت سے بنگالی یا دوسرے انگریزی خواں ملیں گے بلکہ دور کیوں جائیں تم ہی ماشاء اللہ کس بات میں کم ہو' مگر یہ تو فرماؤ ضرورت کی چیزوں کا بنانے' بہم پہنچانے والا بھی کوئی ہے؟ انگریزی تعلیم کے فیضان سے گورنر' کونسلر' لفٹیننٹ گورنر' بورڈ کے ممبر' کلکٹر' جسٹس' مجسٹریٹ' اس قسم کے لوگ تو ہمارے بنگالے میں بہتیرے نکل پڑیں گے مگر کوئی ایسا بھی ہوا کہ انگریزوں کی طرح کلیں نکالتا یا زیادہ نہ سہی تو ان ہی کے کیل پرزوں کو جما بیٹھا کر ان سے کام لیتا۔ غیرت ہو تو چلو بھر پانی لے کر ڈوب مریں کہ ہمارے ملک کی پیداوار ولایت جائے اور وہاں سے بن سنور کر پھر آئے اور ہمارے ہی ہاتھوں چوگنے بچگنے داموں پر بکے۔

ہندوستان کا خطہ معدنیات' نباتات' حیوانات' غرض جملہ اعتبارات سے تمام روئے زمین کا لب لباب ہے مگر ہم کو ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا سلیقہ نہیں تو ہماری طرف سے ہو تو بلا سے اور نہ ہو تو بلا سے۔ سب کچھ کھو کھوا کر معاش کے دو ذریعے رہ گئے تھے' کاشتکاری اور تجارت۔ سو کاشتکاری کی برکتیں روز بہ روز سلب ہوتی چلی جاتی ہیں' زمین کو مہلت تو ملتی نہیں' اس کی قوت گئی گھٹ۔ ہم کو اس کا بھید معلوم نہیں کہ زمین میں سے کیا چیز نکل گئی ہے اور کیونکر اس کی تلافی کی جاتی ہے۔ پس اگلے وقتوں کے سے اللے تللے کے پیداوار ہوں تو کہاں سے ہوں؟

تمہاری دلی کے سوا میں رائے پتھورا کا اب سے دو سو اور دو ہزار پہلے کا بنا ہوا محل کھڑا ہے۔ پتھر پر ان وقتوں کے بل' ان وقتوں کے چھکڑے بنے ہیں۔ مدت ہوئی جب میں نے اس کو اول بار دیکھا تو خیال آیا: اللہ اکبر! زمانے میں اتنے انقلاب ہوئے' کتنی عملداریاں بدل گئیں' قومیں بدل گئیں' غرض دنیا بدل گئی اور نہ بدلے تو بل اور چھکڑے

Marfat.com

کہ جیسے تب تھے بجنسہ ویسے ہی اب بھی موجود ہیں- کاشتکاری ایسا تو ضروری پیشہ کہ سب کا مدار رزق اور ہمہ وقت لاکھوں آدمی اس میں مصروف' یہ خدا کا حکم نہیں تو کیا ہے کہ کسی کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوتا کہ لاؤ اس میں کوئی کام کی بات نکالیں-

ایک کاشتکار ولایت گئے ہیں کہ مرضی کے مطابق نہ آب و ہوا ہے' نہ موسم ہے' نہ زمین ہے مگر کاشتکاری میں اس قدر ترقی کی ہے کہ ہمارے ہاں رو کر' جھینک کر بیگھے میں پیدا ہو دس سیر' تو ان کے یہاں پیدا ہو من بھر- بات تھی بکار آمد ایسے پیچھے لپٹے' ایسے پیچھے لپٹے' کہ آخر کار سوچتے سوچتے گویا پیداوار کو اپنے بس میں کر لیا- سینکڑوں تو کلیں بنا ڈالیں کہ کھیتی کے جتنے کام ہیں ان ہی کلوں سے پڑے ہو رہے ہیں- وقت بچا' ہاتھ پاؤں کی محنت بچی اور کام دیکھو تو دگنا چوگنا بھی نہیں ہزار گنا اور اس افراط پر بہتر سے بہتر- دوسری باتوں کا کیا مذکور ہے' پیداوار کی ذات اور جانوروں کی نسلیں تک پلٹ گئیں-

معاش کا دوسرا ذریعہ تجارت ہے سو اس کا واقعی حال یہ ہے کہ گودا تو اہل یورپ چٹ کرتے ہیں' رہ گئیں خالی ہڈیاں' ان کو چاہے میمن اور بوہرے پڑے چچوڑا کریں یا پنجابی یا مارواڑی' یا میں چاہوں تو میں اور تم چاہو تو تم- خلاصہ یہ ہے کہ عقل معاش کے اعتبار سے اہل یورپ کے مقابلے میں ہمارے ملک کے لوگ ایسے ہی کودن اور کندہ ناتراش ہیں جیسے ہمارے مقابلے میں ایک بھیل یا کوئی اور جنگلی وحشی آدمی- ہم میں اور اہل انگلستان میں بڑی وجہ فارق تو یہ ہے- اس کے علاوہ انگریزوں کے ہم قوم نہیں' ہم مذہب نہیں' ہم وطن نہیں- انہوں نے ہم کو تلوار کے زور سے مطیع کیا ہے' جیسے کبھی ہمارے بزرگوں نے ہندوؤں پر اپنی سلطنت بٹھائی تھی- انگریز ہماری طرف سے کبھی مطمئن ہو نہیں سکتے اور احتیاط بھی اس کی مقتضی ہے- ''الحزم سوء الظن-'' تم کو تو کسی زمانے میں تاریخ دانی کا بڑا دعوی تھا' خیال کرو کہ ہم لوگوں نے ہندوؤں پر کس قدر

Marfat.com

اعتبار کیا تھا- کہیں سینکڑوں برس سلطنت کے بعد وہ بھی اس وقت کی بدقسمتی جو سر پر سوار ہوئی تو ہمارے بزرگ یہیں رہ پڑے اور ہندوؤں سے اختلاط کر کے انھی کی طرح آرام طلب اور کاہل اور جتلائے اوہام ہو گئے اور آخر کار سلطنت کھو بیٹھے غرض کہیں سینکڑوں برس کی سلطنت کے بعد ہندوؤں کو یہ بات نصیب ہوئی تھی کہ مسلمان بادشاہوں کے دربار تک پہنچے اور اعتباری کی خدمتوں پر مامور ہونے لگے تھے- انگریزوں کو اس ملک میں سلطنت کرتے ہوئے ابھی کے دن ہوئے اور جو کچھ ذرا ظہور اعتبار پیدا ہو چلا تھا' وہ اس کمبخت ۵۷ء کے غدر نے ملیا مٹ کر دیا- اب کم سے کم سو برس اطمینان کے اور گزریں' تب بات سو بات- لیکن ایک بغاوت تو خدا خدا کر کے فرو ہوئی' تم نے ابھی سے دوسری بغاوت کی چھیڑ چھاڑ شروع کر دی-

ابن الوقت: یک نہ شد دو شد- گورنمنٹ سے اپنے حقوق کا مطالبہ بھی آپ کے نزدیک داخل بغاوت ہے- بس غنیمت ہوا کہ میری طرح آپ بغاوت کے محکمے کے افسر نہیں ہوئے-

حجتہ الاسلام: قوم مفتوح کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں؟

ابن الوقت: حقوق کیوں نہیں ہوتے؟ یہ بات دوسری ہے کہ کوئی وحشی اور ظالم گورنمنٹ ان کو تسلیم نہ کرے' لیکن برٹش گورنمنٹ تو بڑی مہذب اور عادل گورنمنٹ ہے اس سے ہر ایک طرح کا دعوی ہے-

حجتہ الاسلام: اچھا' اگر دعوی ہے تو اس کا فیصلہ کون کرے گا؟

ابن الوقت: وہی گورنمنٹ اور اسی کے انصاف پر تو ساری لڑائی ہے-

حجتہ الاسلام: بس بس' یہی تو میں کہتا ہوں کہ گورنمنٹ کے انصاف پر اعتماد کرتے ہو اور اس کو عادل مانتے ہو تو اس پر پورا پورا اعتماد کرو- عادل گورنمنٹ رعایا کی حاجتوں

Marfat.com

اور ضرورتوں سے غافل ہو نہیں سکتی۔ گورنمنٹ کے تمام عہدہ دار' گورنر جنرل سے لے کر ایک اسسٹنٹ تک' اعلیٰ قدر مراتب' سب رعایا کی خوشنودی' رعایا کی آسائش کے فکر میں لگے ہیں۔

ابن الوقت: تو اگر ہم نے اپنی ضرورتوں کو ظاہر کر دیا تو کیا غضب ہو گیا؟ یہ من وجہ سرکار کی اعانت ہوئی یا بغاوت؟

حجتہ الاسلام: ظاہر کر دیا' ظاہر کر دیا! ذرا بنگلے کے دیسی اخبار کو دیکھو تو معلوم ہو کہ رعیت ہونے کی حیثیت سے اپنی ضرورتوں کو گورنمنٹ پر ظاہر کر رہے ہیں یا بیہودگی اور بے تمیزی کے ساتھ گورنمنٹ سے بٹیاریوں کی سی لڑائی لڑتے ہیں۔ سنو صاحب! بات صاف صاف تو یہ ہے کہ رعایائے انگلستان کے سے حقوق چاہو تو یہ طلب محال ہے۔ نہ ان کی طرح کی ہم رعایا ہیں اور نہ ویسے حقوق ہم کو مل سکتے ہیں اول تو ہم کو کسی حق کی طلب گاری کی ضرورت نہیں۔ طلب گاری تو ہم اس صورت میں کریں کہ گورنمنٹ کو غافل اور بے انصاف سمجھیں اور خیر ''اہل الغرض مجنون'' ایسی ہی بے صبری ہے کہ بیٹا بن کر سب کو کھاتا ہے' باپ بن کر کسی نے نہیں کھایا۔ یہ سچ ہے کہ حکام انگریزی خود گورنمنٹ نہیں ہے بلکہ گورنمنٹ کے ملازم ہیں مگر گورنمنٹ انہی کی آنکھوں سے دیکھتی ہے اور انہی کے کانوں سے سنتی ہے۔ ان کے دلوں میں ہماری طرف سے کسی طرح کے محاسدے اور سوء مظنہ کا پیدا ہونا ہمارے حق میں نہایت مضر ہے۔ لوگ فی زعمہم' ملک کے مفاد میں کوشش کرتے ہیں اور میرے نزدیک چلتی گاڑی میں روڑے اٹکا رہے ہیں' ع

بن مانگے موتی ملیں اور مانگے ملے نہ بھیک

میں جدھر خیال دوڑاتا ہوں تقدیر سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔ ہم میں سے بعض آدمی جو زمانہ حال کی ضرورتوں کے مطابق تعلیم پا کر کچھ لیاقت پیدا کرتے ہیں ''وقلیل ماہم'' ان کی مت یوں ماری جاتی ہے کہ مدرسے سے نکلے اور ان کو نوکری کی سوجھی۔

Marfat.com

نوکریوں کا حال یہ ہے کہ ''یک انار وصد بیمار'' جس کو نوکری نہ ملی وہی گورنمنٹ سے ناراض' منہ پھلائے ہوئے' روٹھا ہوا' بڑبڑاتا پھرتا ہے اور ایک عذاب ہے اپنے حق میں' سوسائٹی کے حق میں' اور گورنمنٹ کے حق میں- ان ہی کو اگر خدا توفیق دے اور تعلیم سے فراغ حاصل کرنے کے بعد معاش کے لئے گورنمنٹ کے آگے ہاتھ نہ پھیلائیں' امیدواران دھکے نہ کھائیں اور نوکری کے علاوہ دوسرے ذریعوں سے متوکلین علی اللہ معاش کی کوشش کریں تو معاش کے لئے کتنے تو نئے ذریعے پیدا ہو جائیں اور جو ذریعے بالفعل مروج ہیں' ان کی لیاقتوں کے انضمام سے ان میں بہت کچھ رونق ہو- باتیں جتنی چاہو بناؤ' جس کے جی میں آئے رفارمر بن لے قومی خیر خواہی کا مدعی ہو' ملکی ہمدردی کا حیلہ کرے' اصل مطلب ہے نوکری- اور فرض کیا کہ سرکار نے اس غل شور کے فرو کرنے کے لئے نوکری کو عام بھی کر دیا ''دھن سگ به لقمه دوخته به'' مگر اس کا نتیجہ کیا ہوگا یہی نہ کہ ہزار' دو ہزار یا مثلاً دس ہزار آدمیوں کی روٹی کا سہارا نکل آیا' لیکن کیا اتنی بات سے ملک میں فلاح ہوتی پڑی ہے؟ استغفر اللہ' اونٹ کے منہ میں زیرا!

اگر فی الوقع تمہارے دل میں قوم کی سچی خیر خواہی ہے تو سرکار کا کیا پیچھا لیا ہے قوم ہی کو کیوں نہیں درست کرتے- یورپ میں جو آج تمام روئے زمین کی دولت پھٹ پڑی ہے کہ طوفان نوح کی طرح اوپر سے بھی برس رہی ہے اور زمین سے بھی ابل رہی ہے' نوکری تو نوکری' سلطنت کو بھی تو اس میں دخل نہیں- ماشاء اللہ' چشم بد دور! ایسے ایسے ہزاروں سوداگر ہیں جو تمول کے اعتبار سے ایسی ویسی سلطنتوں کو بھی کچھ مال نہیں سمجھتے- خیال کرنے کی بات ہے مثلاً یہی ایک ہمارے ملک کی ریل ہے کہ روئے زمین پر کوئی سلطنت ایسی نہیں دکھائی دیتی جو اتنے بڑے مصارف کی متحمل ہو سکے اور یہ انگلستان کی رعایا کا ادنیٰ سا کام ہے-

پس اگر حقیقت میں ملک کی بہبود مدنظر ہے تو اس کا یہ رستہ نہیں ہے جو تم نے یا اس زمانے کے تعلیم یافتہ لوگوں نے اختیار کیا ہے- ''ایں رہ کہ تو مے روی بہ ترکستان است''

Marfat.com

اس کا رستہ اگر ہے تو میرے نزدیک یہی ہے کہ پہلے قوم کے خیالات کی اصلاح کرو۔ یہ بات کسی طرح ان کے ذہن میں بیٹھ جانی چاہیے کہ ہماری سرزمین سونے کی سرزمین ہے مگر ہم میں سے کسی کو کیمیا کا وہ لٹکا معلوم نہیں جس سے مٹی کو سونا بنایا جاتا ہے۔ وہ لٹکا خدا نے اہل یورپ کو بتا دیا ہے۔ آؤ ہم بھی ان سے سیکھیں اور ہمالیہ اور بندھیا چل اور اراولی پربت اور گھاٹ جتنے پہاڑ ہیں سب کو سونے کا بنالیں۔ ہم بھی اہل یورپ کی طرح کے مخلوق ہیں جن تدبیروں سے انہوں نے اپنی حالت کو درست کرلیا ہے انہی کی دیکھا دیکھی، ویسی ہی تدبیریں عمل میں لاکر، ہم بھی کرارے ہو جائیں۔ کیوں گورنمنٹ کے دست نگر ہوں؟ کس لیے سرکار کی خوشامد کریں۔ کاہے کو حکام پاس حاجت لے جائیں۔ کرنے پر آئیں تو ہم بھی سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اہل یورپ خدا کی رحمتوں اور زمین کی برکتوں کے ٹھیکے دار نہیں۔

مگر یوں کہو کہ ہم سے کچھ ہو نہیں سکتا۔ ہاں! گورنمنٹ میں ہزاروں کیڑے ڈالنے کو موجود۔ وہ تو گورنمنٹ ہی کچھ ایسی متحمل مزاج مل گئی ہے کہ جلی کٹی ایک کان سے سنی اور دوسرے کان سے نکال دی، جیسے ایک پہاڑ کہ آندھیاں چل رہی ہیں اور وہ جس شان سے کھڑا تھا، اسی شان سے کھڑا ہے۔ ۱۸۵۷ء کا غدر کیا کچھ ہلکی بات تھی؟ مگر بڑے لوگوں کے بڑے ظرف! پہلے تو بہ تقاضائے سیاست باغیوں کا خوب ہی سر کچلا اور جب دیکھا کہ بغاوت مستاصل ہو چکی، امن عام کی منادی پھیر دی۔ اے جزاک اللہ۔۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند
بر عفو و انتقام تو صد آفریں کنند

تعلیم، ڈاک، ریل، تار، قاعدے، قانون، پولیس، ایک چیز ہو تو اس کا نام بھی لیا جائے، میں تو جس جس پہلو سے دیکھتا ہوں انگریزی عمل داری رحمت الٰہی معلوم ہوتی ہے اور جب سے فارس اور روم کے انتظام کے نمونے دیکھ کر آیا ہوں، میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ انگریزی عمل داری کو دنیا کی بہشت سمجھتا ہوں روم اور فارس کی عمل داری تو خیر

Marfat.com

دور ہے' اسی ہندوستان میں کسی مسلمان نواب یا ہندو راجا کی عمل داری میں جا کر رہو تو قدر عافیت معلوم ہو اور پھر بھی ان ریاستوں میں انگریزوں کی نگرانی اور سرپرستی کی وجہ سے بڑا امن ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ انگریزی انتظام میں نقص نہیں ہیں اور ہونے چاہئیں' کیوں کہ انگریزی بھی بشر ہیں اور ع

کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نہ بود

پھر سلطنت کے انتظام اور سلطنت بھی ہندوستان کی سلطنت' بڑے پیچیدہ اور نازک کام ہیں۔ ملک کی وسعت کو دیکھو' پھر اس بات پر بھی نظر کرو کہ کیسے کیسے مختلف الطبائع' مختلف العقائد' مختلف الحالات لوگ اس ملک میں بستے ہیں اور اس پر اجنبی محض لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا ہے' ایسی صورت میں انتظام میں نقص کیا نقصانات کا ہونا کیا کچھ تعجب کی بات ہے؟ مگر میں دیکھتا ہوں تو حکام وقت کی نیت بہ خیر ہے' ہمہ تن اصلاح حال رعایا میں مصروف ہیں۔ ہم جو چلتے ہوئے بیل کے آر ماریں تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دولتی کھانے کو جی چاہا ہے۔

**ابن الوقت:** آپ نے تو میرے سارے منصوبے ہی غلط کر دیے۔

**حجتہ الاسلام:** میں نے غلط کر دیے یا وہ تھے ہی غلط۔ میں خوب جانتا ہوں کہ نیت تمہاری بھی خدانہ خواستہ کچھ بری نہ تھی۔ تم نے خیال کیا اور ٹھیک خیال کیا' اور جس کو خدا نے ذری سی بھی عقل دی ہے' خیال کر سکتا ہے کہ انگریزی عمل داری میں ہم مسلمانوں کے ساتھ ہر چند کسی خاص طرح کی رعایت نہیں کی جاتی (یہ بات دوسری ہے کہ ہماری حالت خاص رعایت کی مستحق ہے یا نہیں) مگر سرکار ہمارے ساتھ کسی طرح کی ضد اور مخالفت بھی تو نہیں کرتی' جو حال اور رعایا کا وہ ہمارا' مگر مسلمانوں میں خستہ حالی' مفلسی اور نکبت یوماً فیوماً بڑھتی چلی جاتی ہے۔ پھر تم نے خیال کیا اور ٹھیک خیال کیا کہ مسلمان

Marfat.com

اکثر بلکہ قریب کل نوکری پیشہ ہیں- کچھ آج سے نہیں بلکہ جب گھر کی سلطنت تھی' تب بھی ان کا یہی حال تھا- اب نوکری سے بھی ان کو دوسری قوموں نے گویا کہ بے دخل کر دیا' الا ماشاءاللہ-تم نے سبب کی تفتیش کی اور سمجھا اور ٹھیک سمجھا کہ نوکریوں میں سرکار انگریزی دانی کی قید لگاتی چلی جاتی ہے اور اگرچہ مسلمانوں کو انگریزوں سے مذہباً مغایریت نہیں ہونی چاہیے کیوں کہ انگریز بھی اہل کتاب ہیں اور ان کے ساتھ مناکحت اور موا کلت کی صاف اجازت قرآن میں موجود ہے: ''و طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم و المحصنات من المومنات و المحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن محصنین غیر مسافحی ولا متخذی اخدان ''لیکن از بس کہ انگریز اجنبی محض ہیں اور ان کے ساتھ ہند کے مسلمانوں کو کبھی اختلاط بھی نہیں رہا اور اور پشت ہا پشت سے ہندوؤں میں رہ کر وہمی سے بھی ہو گئے ہیں' غرض کچھ اجنبیت اور کچھ واہمہ' لگے انگریزی لباس' انگریزی طرز تمدن یعنی انگریزوں کی تمام چیزوں سے حتی کہ زبان انگریزی سے بھی پرہیز کرنے- معاش کے لیے وہی ایک نوکری کا دروازہ تھا' سو تیغہ ہو کر اس میں ایک ذرا سا موکھا رہ گیا-

یہاں تک مجھ کو تمہارے ساتھ بالکل اتفاق ہے' اس کے بعد کی تمہاری ساری کارروائی غلط ہے- اول سرے تو تم نے یہی غلط سمجھا کہ سرکاری نوکریوں سے مسلمانوں میں خوش حالی آ جائے گی- اول تو سرکار کے انتظام ایسی جزرسی اور کفایت شعاری کے ساتھ ہیں کہ جہاں ایک روپے کا خرچ ہے' سرکار وہاں آٹھ ہی آنے میں کام نکالنا چاہتی ہے' وہ بھی بڑے مضایقے کے ساتھ- اس کا ضروری نتیجہ ہے نوکریاں کم' تنخواہیں تھوڑی اور اس پر ایک دنیا ہے کہ ستو باندھ کر نوکریوں کے پیچھے پڑی ہے- بنئے' بقال' ٹھیرے' کسیرے' کنجڑے' بھٹیارے' انگریزوں کے کل شاگرد پیشہ' یہاں تک کہ سائیس'

Marfat.com

گراسکٹ جن کی ہفتاد پشت میں کبھی کوئی اہل قلم ہوا ہی نہیں' نوکری کی دھن میں سب کے بچے مدرسوں میں پڑھ رہے ہیں- پس نوکریوں سے کیا فلاح ہونی ہے؟ پھر دوسری غلطی تم سے یہ ہوئی کہ مسلمانوں اور انگریزوں میں اختلاط پیدا کرنے کے لیے تم نے انگریزی وضع اختیار کی اور تمہاری دیکھا دیکھی اور بہتیروں نے اور تمہاری غرض بھی یہی تھی- سمجھے کچھ اور ہوگیا کچھ! ہندوستانیوں میں جیسی کچھ تمہاری رسوائی ہوئی سو ہوئی- بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ انگریز رہے سہے ہتے سے اکھڑ گئے- گئے تھے نماز معاف کروانے الٹے روزے گلے پڑے- ''از ین سوراندہ وزاں سودر ماندہ'' یہ تو چند دنیاوی قباحتیں ہیں جو تمہاری سوتدبیر پر متفرع ہوئیں- رہا دین' اس کا تم نے اور تمہارے اتباع نے مل کر ایسا استخفاف کیا کہ ''باریش بابا ہم بازی'' کی بھی کچھ حقیقت باقی نہیں رہی- ایک ایک لونڈا جس کو دین سے مس نہیں' مناسبت نہیں' دین کی اس کی ذہن میں قدر نہیں' وقعت نہیں' دین کی باتوں میں غور کرنے کی اس کی عمر نہیں' حالت نہیں' دین کی اس کو طلب نہیں' تلاش نہیں' ناواقف' بے خبر' برخود غلط' چلا اسلام کا مجدد اور رفارمر بننے اور لگا اصول میں رائے زنی کرنے- امور دین میں مساہلت تو سبھی سے ہوتی ہے لیکن جو دین کا ادب رکھتے ہیں' اپنے مساہلے پر نادم اور قصور کے معترف ہوتے ہیں:

بندہ ہماں بہ کہ تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوار خداوندیش کس نہ توانہ کہ بجا آورد

لیکن اب اس زمانے میں لوگوں کے خیالات دین کی طرف سے کچھ ایسے برگشتہ ہوئے ہیں کہ دینیات میں مسابلہ کرتے ہیں ہیکڑی کے ساتھ' چوری اور سرزوری- اور آپ کرتے ہیں سو کرتے ہیں' قومی خیر خواہی اور رفارمر بن کر دوسروں کی باٹ مارتے ہیں' سو الگ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جب قوم کا مذہب نہ رہا' لباس نہ رہا' طرز تمدن نہ رہا' علم نہ رہا' زبان نہ رہی' تو امتیاز قومی بھی گیا گزرا ہوا- پھر کیسے رفارم اور کس کی خیر خواہی؟ اگر ہم ایک گھر کی رفارم کرنا چاہیں تو اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ اس کو جڑ بنیاد

Marfat.com

سے کھود کر پھینک دیں اور از سر نو دوسرا مکان بنا کھڑا کریں- اسی طرح مسلمانوں کی رفارم کو تو اسی وقت رفارم کہا جائے گا کہ مسلمان مسلمان رہیں' یعنی باپ دادا کے مذہب کے' وضع کے پابند ہوں- دور سے الگ پہچان پڑیں کہ مسلمان ہیں اور پھر ان کے دلوں میں زمانہ حال کے مطابق ترقی کی گدگدی پیدا کی جائے-

**ابن الوقت:** آخر آپ کے نزدیک اس کی اور کیا تدبیر ہے؟

**حجتہ الاسلام:** اس کی جو تدبیر ہے خود بہ خود ہو رہی ہے: ''المدبر الحسن المودین'' اب مسلمانوں میں اگلی سی وحشت کا کہیں پتا بھی نہیں-

**ابن الوقت:** یہ ہماری ہی کوششوں کا نتیجہ ہے-

**حجتہ الاسلام:** خیر' تم یوں ہی سمجھو لیکن اگر ایک طرف تو نے مسلمانوں کی وحشت کو دور کیا تو دوسری طرف ان کو بے دین بنایا- یہ کیا چیند بازی ہے کہ دفع وحشت کی داد چاہو اور بے دینی کا الزام اپنے اوپر نہ آنے دو ''میٹھا میٹھا ہپ ہپ' کڑوا کڑوا تھو تھو''-

**ابن الوقت:** اجی حضرت! وہ بھولے بھالے زمانے گئے کہ لوگ جلدی سے مذہبی ڈھکوسلوں کا یقین کر لیا کرتے تھے' اب عقل کا دور دورہ ہے- شاید آپ کو بھی اس سے انکار نہ ہوگا کہ آج کل کے لڑکے اگلے وقتوں کے بڈھوں کو چٹکیوں میں اڑاتے ہیں اور عقل کے آگے تو مذہب کی دال کا گلنا ذرا مشکل ہی ہے- فلاسفہ یونان جن کی عقل کا لوہا ساری دنیا نے مانا' سب کے سب لا مذہب- علی ہذا القیاس یورپ کے شاید سو میں بمشکل پانچ ایسے نکلیں گے جو سچے دل سے مذہب کے معتقد ہوں-

**حجتہ الاسلام:** مجھ کو تمہاری بات تسلیم نہیں- میرے نزدیک ہر زمانے اور ہر ملک میں مذہب کے ماننے والے بہت زیادہ رہے ہیں بہ نسبت نہ ماننے والوں کے' اور جہاں تک میں خیال کرتا ہوں دنیا کا اب بھی یہی رنگ ہے- تم کو لا مذہبوں کی شہرت سے دھوکا ہوا ہوگا' سو ایسے لوگوں کی شہرت نہ کثرت کی وجہ سے ہے بلکہ صرف اس سبب سے کہ

Marfat.com

انہوں نے دنیا سے نرالی' انوکھی بات اختیار کی' نکو اور انگشت نما ہو گئے- پھر تمہاری ہی نظر میں لامذہبوں کی عقل کی کچھ قدر اور وقعت ہو گی' میں تو ان کو سیانے کوے سے بڑھ کر نہیں سمجھتا- ضرور نہیں کہ جس کی عقل دنیا تیز ہو' دین میں بھی اس کا فہم رسا ہو- خاص خاص عقلیں' خاص خاص چیزوں سے زیادہ مناسب ہوتی ہیں- ایک شخص شطرنج خوب کھیلتا ہے مگر حساب کا ادنیٰ سوال حل نہیں کر سکتا- عقل فی حد ذاتہ ممدوح ہے لیکن وہیں تک درجہ اعتدال میں ہو- ''خیر الامور اوسطہا'' ورنہ افراط کر پڑی ہے اور تفریط حمق اور دونوں مذموم' اور یہی حال ہے کل فضائل کا بلکہ خدا کی تمام نعمتوں اور رحمتوں کا:

لطف حق با تو مواساہا کند
چوں کہ از حد بگزرد رسوا کند

اور فرض کیا کہ مذہب سے انکار کرنے والے بڑے عاقل سہی' اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہم اپنی عقل سے جو مدار تکلیف ہے' کام نہ لیں اور خود سوچیں- میں نے پچھلی ملاقات میں تم سے مفصلاً اور مشروحاً بیان کیا تھا کہ کہاں تک مذہب میں عقل کو دخل دینا چاہئے مگر شاید تمہارے خیال سے اتر گیا یا تم نے میرے ساتھ یہ بھی ایک طرح کی چھیڑ خانی نکالی ہے تو مشغلے کے لئے اور بہت باتیں ہیں- میں پسند نہیں کرتا کہ مذہب کے ساتھ تمسخر و استہزاء کیا جائے-

**ابن الوقت**: کیا آپ برا مان گئے؟

**حجتہ الاسلام**: گر تحقیق حق کے طور پر بحث کرو تو میں یہاں سے تمہارے اعتراضات کے سننے اور جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے تمہاری تشفی کرنے کو موجود ہوں مگر مخاصمانہ گفتگو کرنے سے کچھ فائدہ نہیں- تم بچے نہیں اور مذہب دوا نہیں کہ پچھاڑ کر تمہارے گلے میں اتار دی جائے- طلب صادق پیدا کرو تب مذہبی مناظرے کا نام لو- یاد ہے' میں تم سے کہہ چکا ہوں فکر اور تدبر انسان کو مذہب کے اختیار کرنے پر مجبور کر دیتا ہے-

Marfat.com

ابن الوقت: اس کا تو میں آپ کو ہر طرح سے یقین دلا سکتا ہوں کہ استہزاء کا تو خیال میرے دل میں نہیں آیا' ہاں مخاصمانہ کوئی بات میرے منہ سے نکلی ہوگی تو آپ معاف کیجئے۔ غور کرنے کا مجھے موقع نہیں ملا مگر کروں گا۔ پرسوں یا اترسوں' ذرا کی ذرا سوچنا چاہا تو ذہن اس بات کی طرف منتقل ہوگیا کہ اگر مذہب امر ناگریز ہو اور فرض کیا جائے کہ اسلام کے سوائے اور سب مذاہب باطل ہیں تو ساری دنیا میں مسلمان اور پھر ان میں بھی سچے مسلمان کتنے ہیں۔ کسی طرح عقل قبول نہیں کرتی کہ معدودے چند مقبول ہوں باقی تمام جم غفیر مردود۔

حجتہ الاسلام: تم تو پرواز کرتے ہی خدائی کی سرحد میں جا پہنچے۔ اول دنیا کی پہیلی کو تو بوجھ چکو' تب ہی آخرت کی چیستان میں عقل آزمائی کرنا۔ یہ بھی من جملہ انہی اسرار کے ہے جن کے ادراک سے عقل بشر عاجز ہے۔ اگر واقع میں تم کو دین کی طلب گاری ہے تو سیدھا راستہ کیوں نہیں اختیار کرتے کہ دنیا کی ہستی اور اس کا انتظام اس بات کا مقتضی ہے کہ کوئی اس کا خالق اور صانع ضرور ہے۔ موجودات عالم پر نظر کرتے ہیں تو انسان کو اشرف المخلوقات پاتے ہیں کیوں کہ وہ صاحب عقل اور ادراک ہے کہ اس صفت میں کوئی اس کا مشارک نہیں' با ایں ہمہ وہ ایک عاجز و ناچیز مخلوق ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو نہ ہم دیکھ سکتے ہیں اور نہ عقل کے زور سے اس کی ذات وصفات کو پورے طور پر دریافت کر سکتے ہیں مگر جس طرح مخلوقات سے خالق کو پہچانتے ہیں اسی طرح انہیں مخلوقات سے اتنی باتیں اور سمجھ میں آتی ہیں کہ جس نے ان کو بنایا اور پیدا کیا ہے' تمام صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہے۔ بس یہ تو اصل دین ہے' باقی اسی کے فروع اور متممات ہیں۔ میں تم کو بتاؤں' دین کے دو حصے کرو اولاً نفس اسلام پھر اسلام کے فرقوں میں کوئی ایک فرقہ خاص' جس کے معتقدات تم کو پسند ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ مذہب کے متعلق جو کچھ میں نے اب تک تم سے کہا پہلے حصے یعنی نفس اسلام کی نسبت

Marfat.com

تمہاری تشفی کرسکتا ہے بشرطیکہ تم کو تشفی درکار ہو اور جب اسلام کی اصلی اور حقیقی عمدگی تمہارے ذہن میں اچھی طرح بیٹھ جائے گی' جس کی شناخت یہ ہے کہ اعمال اضطراراً سرزد ہونے لگیں تو میری یہ بات لکھ رکھو کہ انگریزی وضع خود تم ہی کو بہ تقاضائے مذہب و بال معلوم ہونے لگے گی۔ رہا دوسرا حصہ یعنی اسلام کے فرقوں میں کسی فرقہ خاص کی تعیین اس کو کسی دوسرے وقت پر رکھو۔

Marfat.com

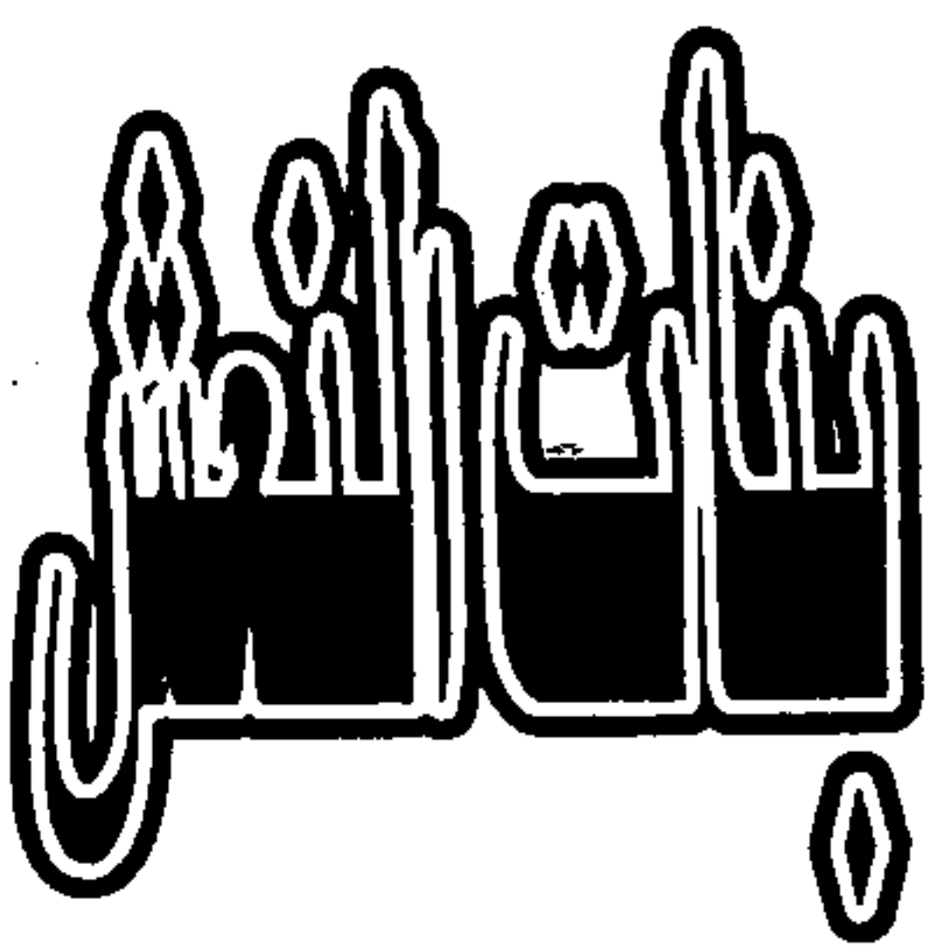

Marfat.com

Marfat.com

# حسن آرا کی بدمزاجی اور شرارت

حسن آرا کے مزاج کی افتاد ایسی بری پڑتی تھی کہ اپنے ہی گھر میں سب سے بگاڑ تھا۔ نہ ماں کا ادب نہ آپا کا لحاظ۔ نہ باپ کا ڈر نہ بھائیوں سے ملاپ۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں۔ لونڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حسن آرا سارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی تھی۔

شاہ زمانی بیگم کے آنے جانے سے چاہئے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی دو گھڑی کو چپ ہو کر بیٹھ جاتی لیکن شاہ زمانی بیگم کو پالکی سے اترے دیر نہ ہوئی تھی کہ لگاتار دو تین فریادیں آئیں۔ نرگس روتی آئی کہ بیگم صاحبہ دیکھیے' چھوٹی صاحبزادی نے اس زور سے پتھر مارا کہ میری آنکھ پھوٹتے پھوٹتے بچ گئی۔ سوسن نے آ کر فریاد کی کہ بیگم صاحبہ چھوٹی بیگم صاحبہ نے مجھ سے کہا کہ دیکھوں سوسن تیری زبان۔ جونہی میں نے دکھانے کو زبان نکالی' نیچے سے ٹھوڑی میں ایسا مکا مارا کہ سارے دانت زبان میں بیٹھ گئے۔ گلاب بلبلا اٹھی کہ ہائے میرا کان خونا خون ہو گیا۔ دائی چلائی کہ دیکھیے' میری لڑکی کمبخت کے ایسے زور سے لکڑی ماری کہ بازو میں بدھی پڑ گئی۔ باورچی خانے سے ماما نے دہائی دی کہ اچھی کوئی ان کو سمجھانا۔ سالن کی پتیلیوں میں مٹھیاں بھر بھر راکھ جھونک رہی ہیں۔

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی کہ حسنا' یہاں آؤ' خالہ کی آواز پہچان' بارے حسن آرا چلی تو آئی' نہ سلام نہ دعا۔ ہاتھوں میں راکھ' پاؤں میں کیچڑ۔ اسی حالت میں دوڑ خالہ سے لپٹ گئی۔ خالہ نے کہا حسنا' تم بہت شوخی کرنے لگی ہو۔ حسن آرا نے کہا۔ ''اس سنبل چڑیل نے فریاد کی ہوگی'' یہ کہہ کر خالہ کی گود سے نکل لپک کر بے خطا قصور سنبل کا سر کھسوٹ لیا۔ بہتیرا خالہ ایں ایں کرتی رہیں' ایک نہ سنی۔

Marfat.com

# حسن آرا کو مکتب میں بٹھانے کی صلاح اور استانی اصغری خانم کا مختصر حال

تب تو شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف مخاطب ہو کر بولیں۔ ''بوا سلطانہ اس لڑکی کے لئے تو از برائے خدا استانی رکھو''

سلطانہ بیگم نے کہا۔ ''باجی اماں کیا کروں۔ مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں کہیں نہیں ملتی۔''

شاہ زمانی بیگم بولیں۔ ''اوئی بوا، تمہاری بھی وہی کہاوت ہوئی، ڈھنڈورا شہر میں، لڑکا بغل میں۔ خود تمہارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہو لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے''

سلطانہ نے کہا ''مجھ کو آج تک اطلاع نہیں ہوئی۔ دیکھو، میں ابھی آدمی بھیجتی ہوں'' یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا کہ مانی جی، کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں؟ باجی اماں کہتی ہیں ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہیں۔ دیکھو اگر استانی گری کی نوکری کریں تو ان کو بلوا لاؤ، کھانا کپڑا دس روپیہ پان زردے کا خرچ ہم دینے کو حاضر ہیں اور جب لڑکی پہلا سپارہ ختم کرے گی اور ادب قاعدہ سیکھ جائے گی تو تنخواہ کے علاوہ بھی ان شاء اللہ ہم استانی جی کو خوش کر دیں گے۔''

مانی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں، محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوئی اور پوچھا۔

''اچھی بی، مولوی صاحب کی بی بی تم ہی ہو؟''

Marfat.com

ماما دیانت: ہاں' یہی ہیں۔ آؤ بیٹھو۔ کہاں سے آئیں؟

مانی جی: (گھر والی کی طرف مخاطب ہوکر) تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟

محمد کامل کی ماں: کوٹھے پر ہیں۔

مانی جی: میں ان کے پاس اوپر جاؤں؟

دیانت: آپ اپنا پتا نشان بتلا دیجئے۔ بہو صاحب یہیں آ جائیں گی۔

مانی جی: میں حکیم صاحب کے گھر سے آئی ہوں۔

یہ سن کر محمد کامل کی ماں نے نام بنام سب چھوٹے بڑوں کی خیر عافیت پوچھی اور مانی سے کہا۔ ''تمیز دار بہو سے کیا کام ہے؟''

مانی جی: وہی آئیں تو کہوں۔

تمیز دار کے نیچے اترنے کا وقت بھی آ گیا تھا کیونکہ عصر کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آتی تھی اور مغرب اور عشاء دونوں نمازیں نیچے پڑھا کرتی تھی۔ اصغری کو مانی جی نے دیکھا تو استانی گری کی نوکری کے واسطے کہتے ہوئے تامل کیا۔ باتوں ہی باتوں میں البتہ کہا کہ بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی لڑکی کی تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا۔

اصغری نے کہا' دونوں بیگم صاحبوں کو میری طرف سے بہت بہت سلام کہنا اور یہ کہنا کہ جو کچھ برا بھلا مجھ کو آتا ہے کسی سے مجھ کو عذر نہیں ہے۔ اسی واسطے انسان پڑھتا لکھتا ہے کہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے۔ اور بڑی بیگم صاحب کو معلوم ہوگا کہ میں اپنے میکے میں کتنی لڑکیوں کو پڑھاتی تھی اور میرا جی تو بہت چاہتا ہے کہ بیگم صاحب کی لڑکی کو پڑھاؤں لیکن کیا کروں' نہ تو بیگم صاحب لڑکی کو یہاں بھیجیں گی اور نہ میرا جانا وہاں ہو سکتا ہے

مانی جی نے تنخواہ کا نام صاف تو نہ لیا مگر دبی زبان سے کہا کہ بیگم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمے داری بھی کرنے کو موجود ہیں۔ اصغری نے کہا کہ یہ سب ان کی

Marfat.com

مہربانی ہے۔ ان کی ریاست کو یہی بات زیبا ہے۔ لیکن ان کے زیرِ سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا ننگا بھوکا نہیں رکھتا ہے۔ بے داموں کی لونڈی بن کر تو خدمت کرنے کو حاضر ہوں اور اگر تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی۔

اس کے بعد مانی جی نے اصغری کا حال پوچھا اور جب یہ سنا کہ تحصیلدار کی بیٹی ہے۔ اور مولوی محمد فاضل صاحب بھی پچاس روپیہ ماہواری کے نوکر ہیں تو مانی کو ندامت ہوئی کہ نوکری کا اشارہ ناحق کیا۔ مانی ہر چند نوابی کے کارخانے دیکھے ہوئے تھی لیکن اصغری کی شستہ تقریر سن کر دنگ ہوگئی اور معذرت کی کہ بی مجھ کو معاف کرنا۔ اصغری نے کہا' تم مجھ کو کانٹوں میں گھسیٹتی ہو۔ اول تو نوکری کچھ گناہ نہیں' عیب نہیں اور پھر ناواقفیت کے سبب اگر تم نے پوچھا تو کیا مضائقہ۔

غرض مانی جی رخصت ہوئیں اور وہاں جا کر کہا کہ بیگم صاحب' استانی تو واقع میں لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے' جس کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے' پاس بیٹھنے سے انسانیت حاصل کرلے' سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے' ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے' لیکن نوکری کرنے والی نہیں' تحصیلدار کی بیٹی ہے' رئیس لاہور کے مختار کی بہو۔ گھر میں ماما نوکر ہے۔ دالان میں چاندنی بچھی ہے۔ چاند پر سوزنی' اوپر سے گاؤ تکیہ لگا ہے۔ اچھی خوش گزران زندگی۔ بھلا ان کو نوکری کی کیا پروا ہے؟

شاہ زمانی: سچ ہے بوا سلطانہ۔ تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا لیکن مجھ کو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کریں گی۔

مانی جی: لیکن وہ تو ایسی اچھی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشی سے راضی ہیں۔

سلطانہ: یہاں آ کر؟

مانی جی: بھلا بیگم صاحب جو نوکری کی پروا نہیں رکھتا' وہ یہاں کیوں آنے لگا؟

سلطانہ: کیا پھر لڑکی وہاں جایا کرے گی؟

Marfat.com

شاہ زمانی: اس میں کیا قباحت ہے؟ دو قدم پر تو گھر ہے۔ اور مولوی صاحب کو تم نے ایسا بے عزت سمجھا؟ بھائی علی نقی خاں کی سگی پھوپھی زاد بہن کے بیٹے ہیں!

سلطانہ: آہا! تو ایک حساب سے ہماری برادری ہیں۔

شاہ زمانی: تو خدا نہ کرے کچھ ایسے ویسے ہیں۔ پہلے ان کا کام خوب بنا ہوا تھا۔ جب سے رئیس بگڑا' بیچارے غریب ہو گئے ہیں۔ پھر بھی گھر میں ماما ہمیشہ رہی۔ ڈیوڑھی پر بھی ایک دو آدمی برابر رہتے ہیں۔

سلطانہ: خیر' حسن آرا وہیں چلی جایا کرے گی۔

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں۔ باوجودیکہ اصغری کے یہاں غریبانہ سامان تھا لیکن اس کے انتظام اور سلیقے کے سبب بیگموں کی وہ مدارات ہوئی کہ ہر طرح کی چیز دہیں' بیٹھے بیٹھے' موجود ہو گئی۔ دو چار طرح کا عطر' چوکھڑا الائچی چکنیاں' چائے' بات کی بات میں سب موجود ہو گیا۔ خوب مزے کی گلوریاں تیار ہو گئیں۔ دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ مہربانی کر کے ذرا اس لڑکی کو دل سے پڑھا دیجئے۔

اصغری نے کہا کہ اول تو خود مجھ کو کیا آتا ہے' مگر دو چار حروف بزرگوں کی عنایت سے آتے ہیں۔ ان شاء اللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھر دریغ نہ کروں گی۔ چلتے ہوئے سلطانہ بیگم ایک اشرفی اصغری کو دینے لگیں۔ اصغری نے کہا کہ اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ پڑھوائی آپ سے لوں۔ سلطانہ بیگم نے کہا' استغفر اللہ! پڑھوائی دینے کے واسطے ہمارا کیا منہ ہے۔ بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔ اصغری نے کہا' شروع میں تبرک کے واسطے سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔ یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کوٹھری میں سے قاب بھر کر نکتیاں نکال لائی۔ اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حسن آرا کو دی اور بھری قاب دیانت کو اٹھا دی کہ سب بچوں کو بانٹ دو۔

سلطانہ نے کہا' اچھا تم نے مجھ کو شرمندہ کیا۔ اصغری نے کہا' ہم بیچارے غریب

Marfat.com

کس لائق ہیں۔ یہاں جو کچھ ہے وہ بھی آپ کا ہے۔ البتہ میرا دینا یہی ہے کہ حسن آرا کو پڑھا دوں۔ سو خدا وہ دن کرے کہ میں آپ سے سرخ رو ہوں۔ غرض دنیا سازی کی باتیں ہو ہوا شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو صغریٰ کے حوالے کر گئیں۔

## حسن آرا کا مکتب میں بیٹھنا اور لونڈیوں کی بے جا خوشامد

یوں دیکھنے اور کہنے کو حسن آرا اکیلی مکتب میں بیٹھی مگر کوئی درجن بھر تو لونڈیاں اس کے ساتھ تھیں اور کوئی کوڑی بھر سہیلیاں۔ لونڈیوں کا تو یہ قاعدہ تھا کہ بے ضرورت بھی ہر دم اور ہر لحظہ چاروں طرف سے حسن آرا کو گھیرے رہتیں اور کچھ کام نہیں تو بات بات میں خوشامد' بات بات پر تعریف۔ ذرا بیٹھک بدلی اور سب بول اٹھیں' بسم اللہ بسم اللہ۔ چھینک لی تو سب چلائیں' شکر الحمدللہ۔ مانی جی ہیں کہ چپکے ہی چپکے قل ہو اللہ کی تسبیحاں پڑھ پڑھ کر پھونک رہی ہیں۔ انا ہیں کہ بار بار ''ان یکاد'' دم کرتی جاتی ہیں۔ اور جو کہیں حسن آرا نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو کوئی جلدی جلدی پنکھا جھلنے لگی۔ کوئی چوری یا رومال ہلانے کھڑی ہو گئی۔ کوئی بولی' واری جاؤں' گلوری کھالو یا گوٹے ہی کے دو دانے ڈال لو۔ دیر ہوئی منہ بدمزہ ہو گیا ہو گا۔ کوئی کہنے لگی' صدقے گئی۔ ایک گھونٹ شربت پی لو۔ ایسا پڑھنا اور آگ لگے ایسے مکتب کو۔ لڑکی کا منہ تو دیکھو' کیسا ذرا سا نکل آیا ہے۔ یہ کہہ کر جلدی سے لپک' چٹاچٹ بلائیں لے لیں' حسن آرا کو گلے سے لگا لیا۔ جس شخص پر حسن آرا کی طرح ایسی لونڈیاں کا غضب الٰہی اور ایسے نوکروں کی بلا مسلط ہو' اس کے مزاج کا درست رہنا عجب کی بات ہے۔ فرشتہ بھی ہو تو ایسی صحبت میں توبہ! بھوت سے بدتر ہو جائے۔

## حسن آرا کی عادات

حسن آرا بے چاری بھی اسی آفت میں مبتلا تھی۔ کوئی خرابی نہ تھی کہ اس کے مزاج

Marfat.com

میں نہ ہو اور کوئی بگاڑ نہ تھا کہ اس کی عادتوں میں نہ ہو۔ مکتب میں گئی تو شرارت' بدمزاجی' بدزبانی' خود پسندی' بے باکی' جنگ جوئی' حسد' دروغ گوئی' بدلحاظی' تنگ چشمی' لالچ' بے صبری' سستی' بے ہنری' بدسلیقگی۔ اپنی قدیمی سہیلیوں کو ساتھ لیتی گئی۔ چونکہ استانی جی خود ماشاء اللہ امیر گھر کی بیٹی اور امیروں کے دستور اور قاعدے سے بخوبی واقف تھیں' ان کو تو حسن آرا کے چوچلے اور اس کے نوکروں کی ناز برداریاں دیکھ کر کچھ بھی اچنبھا نہیں ہوا۔ مگر مکتب کی لڑکیوں کو اچھا خاصا تماشا مل گیا۔ کیسا پڑھنا اور کس کا سبق یاد کرنا' سب کی سب ٹکٹکی باندھ کر حسن آرا اور اس کے ساتھ والیوں کو دیکھنے لگیں۔

اصغری نے دیکھا' اسی سنگت نے حسن آرا کو پیٹ بھر کر بگاڑا ہے۔ اگر اب بھی یہ سنگ ساتھ موجود رہا تو تعلیم و تربیت کا اثر ہونا معلوم۔ مانی جی سے کہا کہ اب ان لوگوں کو اجازت دیجئے کہ گھر کا کام کاج دیکھیں۔ مکتب کی لڑکیاں ہیں کہ انہی میں محو رہی ہیں اور حسن آرا بیگم کا دل بھی اچاٹ ہوا چلا جاتا ہے۔ مانی جی سمجھ دار تو تھی ہی' سنتے کے ساتھ سب کو رخصت کا اشارہ کیا۔ مگر لونڈیاں چلنے کا نام سن کر بے طرح مچلیں۔ ایک نے کہا' لو بھلا' بی صاحبزادی مجھ کو ایک دم قرار ہوگا' گھر میں مجھ سے بیٹھا جائے گا۔ دوسری بولی' کرتے؟

محمودہ: بی چیچک پھٹ ہے' منہ پھٹ ہوتی تو رفو کرتے۔

حسن آرا: ان کے پہلو میں یہ دوسری کالی کالی کون ہے جیسے سیہ تاب کا سیر فرش رکھا ہو؟

محمودہ: یہ بیچاری ایک غریب قلعی گر کی بیٹی ہے۔

حسن آرا: گھر کے گھر میں چہرے پر قلعی نہیں کرا لیتی؟

محمودہ: امیروں کے گھر قلعی کرنے سے فرصت نہیں ملتی ہوگی۔

حسن آرا: اچھی' یہ کونے میں کون لڑکی بیٹھی ہے؟ اے ہے! روتے میں اس کی صورت کیسی بدرونق ہو جاتی ہوگی؟

محمودہ: روتے میں سبھی کی صورت بگڑ جاتی ہے۔

Marfat.com

حسن آرا: ہماری تو نہیں بگڑتی۔

محمودہ: آپ نے کیوں کر جانا؟

حسن آرا: میں نے روتے میں اپنا منہ آئینے میں دیکھا تھا تو خاصی پیاری پیاری صورت تھی بلکہ لال منہ ہو جانے سے چہرہ اور بھی گرم گرم نکل آیا تھا۔

محمودہ: روتی صورت کی تعریف میں نے آپ ہی سے سنی ہے۔ خیر آپ کو آپ کا بسورتا ہوا حسن مبارک رہے۔ یہاں کوئی اس کا خواہاں نہیں۔

اسی طرح حسن آرا نے اور دو چار پھبتیاں کہیں تو محمودہ نے کچھ داد نہ دی۔ آخر حسن آرا کھسیانی ہو کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔ مگر پہلے ہی دن سے امیری کے زعم میں اس نے مکتب میں اپنا ایسا تسلط بٹھانا شروع کیا کہ گویا سب لڑکیاں اس کی لونڈیاں ہیں اور بے تکلف لگی سب پر حکم چلانے۔ اصغری خانم کو ابتدا میں اس کا اہتمام ضرور تھا کہ مانی جی' ایسی نوکری کو سلام ہے۔ میں نے کچھ روٹی کپڑے کے لالچ سے نوکری نہیں کی۔ ایک اس بچی کی محبت ہے۔ تنخواہ ہے تو یہ ہے اور انعام ہے تو یہ ہے۔

ان نوکروں کا مطلب یہ تھا کہ حسن آرا کے حیلے سے گھر کے کام دھندے سے بچیں۔ یہ سن کر اصغری نے کہا' بوا' بیگم صاحب سے بڑھ کر محبت کا دعویٰ تو دعویٰ ہے۔ وہی کہاوت ہے' ماں سے زیادہ چاہے' پھاپھا کٹنی کہلائے۔ اور خدانخواستہ رخصت نہیں وداع نہیں۔ چار قدم پر گھر لگا ہے۔ مکتب میں دیکھتی ہو' جگہ کی کتنی کوتاہی ہے۔ لڑکیوں میں تم سب کا اٹھنا بیٹھنا ان کے لکھنے پڑھنے میں ضرور حرج ڈالے گا۔ بہتر ہے کہ اس وقت چلی جاؤ۔ اپنا اپنا کام دیکھو۔ اس پر بھی دو چار نے عذر کیا کہ آخر صاحبزادی کو پنکھا جھلنے' پانی پلانے کو ایک دو آدمیوں کا رہنا ضرور ہے۔ اصغری نے جواب دیا کہ ہم لوگ اپنا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے ہی ہیں۔ اتنا کام بوا حسن آرا بیگم کا کر دیں گی تو ہاتھ گھس نہ جائیں گے۔ غرض کہ زبردستی اصغری نے سب کو دھکیلا۔ مانی جی بغدادی قاعدہ اور عم کا سپارہ بھی ایک کمخواب کے جزدان میں رکھ' بغل میں داب لائی تھیں۔ چلنے

Marfat.com

لگیں تو وہ جز دان حسن آرا کو دینے لگیں۔ اصغری نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

مانی جی: بغدادی قاعدہ اور عم کا سپارہ ہے۔ دیکھیے تو سہی' کیا پاکیزہ خط ہے۔

اصغری: مگر بالفعل اس کی ضرورت نہیں۔

مانی جی: آخر صاحبزادی کو کیا شروع کرائیے گا؟

استانی جی: ابھی تو کچھ بھی نہیں۔

مانی جی: کچھ بھی نہیں تو پھر مکتب میں بیٹھنے سے حاصل؟

اصغری: مجھ کو ہتھیلی پر سرسوں جمانی نہیں آتی۔ حاصل حصول جو کچھ ہوگا' چند روز میں آپ ہی نظر آ جائے گا۔ خلاف خواہش پڑھانا میرا دستور نہیں۔ پڑھنا پڑھانا بھی اسی وقت فائدہ دیتا ہے جب پڑھنے والا خواہش کرے۔ ورنہ مارے باندھے کچھ پڑھایا بھی تو کیا۔ اول تو ایسا پڑھایا یاد نہیں رہتا' دوسرے جب دل نہیں چاہتا تو زبردستی کرنے سے الٹا ذہن اور کند ہوتا ہے۔

مانی جی: سچ ہے۔ مگر بچوں کی خواہش پر ملتوی رکھا کریں تو پڑھنا لکھنا سب نیست و نابود ہو جائے۔

اصغری: میں یہ نہیں کہتی کہ سب بچے شوق ہی سے پڑھا کرتے ہیں۔ مگر میں نے اپنا یہی دستور رکھا ہے کہ اول علم کا شوق دل میں پیدا کر دیتی ہوں' تب پڑھنا شروع کراتی ہوں۔

مانی جی: سبحان اللہ! شوق ہو تو پڑھنا کیا بڑی بات ہے۔ بے شوق سے برسوں میں نہ ہو اور شوق والا مہینوں میں کر دکھائے۔ مگر صاحبزادی تو پڑھنے کے نام سے کوسوں بھاگتی ہیں۔ ان کو تو خدا ہی شوق دے گا تو ہوگا۔

اصغری: جی مانی جی' ان شاء اللہ یہی حسن آرا بیگم پڑھنے کے لئے ہاتھ جوڑیں' پاؤں پڑیں' منتیں کریں' تب تو سہی۔

غرض کہ ساتھ والیاں تو سب رخصت ہوئیں' اب حسن آرا اکیلی اصغری خانم کے

Marfat.com

ہیں رہ گئی۔ اصغری اول تو خود بڑی زیرک تھی' حسن آرا کے قیافے اور تھوڑی ہی دیر کے طرز و انداز سے سمجھ گئی۔ دوسرے ایک محلے کا واسطہ۔ بہت کچھ پہلے سے سن سنا چکی تھی۔ غرض جو دقتیں حسن آرا کی اصلاح میں پیش آنے والی تھیں' اصغری سب جان گئی تھی۔ خیریت اتنی تھی کہ حسن آرا کے مزاج میں جہاں دنیا بھر کی خرابیاں تھیں' ایک یہ اچھائی تھی کہ ذہین اور سمجھدار ہونے کے علاوہ نیک ذات بھی تھی۔ فوراً اس کا دل اچھی بات کا اثر قبول کر لیتا تھا۔ اور اس سے کوئی خطا ہو جاتی اور نرمی سے اس کو متنبہ کر دیا جاتا تو قائل اور نادم ہو کر اپنی حرکت پر تاسف اور تلافی مافات میں کوشش کرتی۔ اتنی ہی بات کا سہارا تھا کہ اصغری خانم نے اس کی تعلیم کا بیڑا اٹھا لیا۔ اصل میں حسن آرا کا مزاج نہایت نیک تھا۔ ناز پروردگی اور دولت مندی سے جن خرابیوں کا پیدا ہونا ممکن تھا وہ البتہ درجہ نہایت اس کے مزاج میں اثر کر گئی تھیں۔ حسن آرا جب مکتب میں بیٹھی تو اصل خیر سے گیارہویں برس میں تھی اور ہر چند اس وقت تک مکتب میں لڑکیوں کی کچھ بہت بھیڑ بھاڑ نہ تھی تاہم اصغری کی نند محمودہ' زبیدہ' آمنہ' رابعہ' کلثوم' حلیمہ' کنیز فاطمہ' خیر النساء' ہاجرہ' شہر بانو' دس لڑکیاں مکتب میں بیٹھی تھیں۔

## مکتب کی لڑکیوں کا حال

یہ لڑکیاں کچھ حسن آرا کی طرح سب کی سب امیر زادیاں تو تھی نہیں۔ اکثر تو پیشہ وروں کی بیٹیاں تھیں اور بعض خوش باش نوکری پیشہ لوگوں کی۔ اگرچہ حسن آرا کے مقابلے میں سب کی سب غریب تھیں مگر بمقابلہ یک دیگر کوئی زیادہ خوشحال تھی' کوئی متوسط الحال۔ کوئی نہایت غریب اور جس طرح ان کی حالتیں متضاد تھیں' ان کی صورتیں اور سیرتیں ضرور ایک دوسرے سے مختلف تھیں۔ مگر مکتب کی تعلیم نے سیرتوں کے اختلاف کو بالکل مٹا دیا تھا۔ یہ لڑکیاں باوجودیکہ کئی گھروں کی تھیں' تاہم آپس میں ایسی ملی جلی رہتیں کہ گویا سب کی سب سگی بہنیں ہیں۔ نہ ان میں کوئی لڑائی ہوتی نہ کبھی کسی

Marfat.com

طرح کی رنجش پیدا ہوتی۔ صورتوں کے اختلاف کا رفع کر دینا تو اصغری کے اختیار میں نہ تھا۔ اتنا البتہ کر دیا تھا کہ کسی کے نزدیک اختلاف صورت کی کچھ وقعت باقی نہ رہی تھی۔ جو رنگ کی اجلی اور گوری چٹی تھی وہ کبھی سیاہ فام کالی بھٹ کو نظر حقارت سے نہ دیکھتی۔ نہ اپنی صباحت پر ناز کرتی۔ اور جس کا نقشہ اچھا تھا وہ کم رو سے نفرت نہ کرتی اور نہ اپنے چہرے مہرے کو دیکھ کر خوش ہوتی۔ امیری غریبی سے تو یہاں کچھ بحث ہی نہ تھی۔ کوئی نہیں جانتی تھی کہ امیری کیا بلا ہے اور غریب ہونا بھی کچھ حقارت کی بات ہے۔ حسن آرا کا مکتب میں بیٹھنا تھا کہ صورت شکل اور امیری غریبی کے مضمون تازہ ہو گئے اور حسن آرا آتے کے ساتھ ہی غریبوں کو دیکھ کر لگی تیوری چڑھانے اور منہ بنانے۔ پاس بیٹھنا تو درکنار سرے سے غریب لڑکیوں کا مکتب میں ہونا اس کو ناگوار ہوا۔ اور صورت شکل پر تو حسن آرا کو اس بلا کا گھمنڈ تھا کہ بعض لڑکیوں کو دیکھ کر بے اختیار ہنس دیتی اور بے تامل کہہ بیٹھتی۔ ''شکل نہ صورت بھاڑ میں سے نکل'' محمودہ کی حسن آرا سے ایک طرح کی پہلی جان پہچان تھی۔ دو چار دفعہ کسی کی شادی بیاہ میں دیکھنے بلکہ بات چیت کرنے کا اتفاق بھی ہوا تھا۔ سو قاعدہ ہے کہ آدمی جو کسی نئی جگہ جانا چاہے تو وہاں کے لوگوں کا حال اپنے کسی جان پہچان والے سے پوچھتا ہے۔ حسن آرا محمودہ کے پاس تو بیٹھی ہی تھی، چپکے چپکے مکتب کی لڑکیوں کا حال محمودہ سے پوچھنے لگی۔

## حسن آرا کا مکتب کی لڑکیوں کو نظر حقارت سے دیکھنا اور محمودہ کا اس کو قائل کرنا

اس نے زبیدہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ کیوں بوا محمودہ بیگم یہ سامنے والی چیچک رولڑ کی طباق کی روٹی کا سامنہ لئے کون ہے؟ یہ کہہ کر حسن آرا آپ ہی آپ ہنسی اور اس امید سے کہ محمودہ بھی ایسی پھبتی سن کر پھڑک جائے گی، محمودہ کا منہ دیکھنے لگی۔ یہاں محمودہ پر اس کا الٹا اثر ہوا۔ منہ سے تو کچھ نہ کہا مگر حسن آرا کی بات کو اس قدر حقارت سے سنا کہ

Marfat.com

اس کے چہرے سے یہ بات ظاہر ہوگئی اور بے رخ ہو کر جواب دیا کہ امیر خاں کی حویلی میں رہتی ہیں۔ زبیدہ ان کا نام ہے۔ ان کے ابا رفو کا کام کرتے ہیں۔

حسن آرا: اچھی' کیسے رفوگر ہیں؟ بنی کے چہرے میں پاؤ بھر قیمہ لے کر رفو نہیں

حسن آرا کو مکتب سے بے دلی نہ ہونے پائے کیونکہ ان کو بخوبی معلوم تھا کہ اگر کہیں اس کا جی اچاٹ ہوا تو پھر ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے گی مگر یہ خدا کی بندی مکتب کی طرف رخ نہ کرے گی۔ مکتب کی لڑکیاں تو حسن آرا کا طرز مدارات دیکھ کر کھٹک چلی تھیں اور ایک عام نفرت اس کی طرف سے سب کو ہوگئی تھی۔ جتنا وہ اپنے تئیں کھینچتی' لڑکیاں اس سے کنارہ کشی کرتیں اور جس قدر وہ لڑائی کی لیتی' لڑکیاں اس کو ذلیل سمجھتیں۔

اصغری نے اشارہ سے سب کو روک دیا اور محمودہ سے کہا کہ حسن آرا بہت اچھی لڑکی ہے اور بڑی عمدہ سہیلی تم کو ہاتھ لگی ہے۔ تھوڑے دن صبر کرو۔ اس کو بددل مت ہونے دو۔ بیچاری طائر وحشی کی طرح گرفتار قفس ہے۔ اگر کہیں تم نے اس کو بھڑکا دیا تو پھڑ پھڑا کر اڑ جائے گی اور پھر نہ پکڑائی دے گی۔ اور اگر پرچا پایا تو دیکھنا کیسی کیسی میٹھی میٹھی صفیرین سناتی اور دلوں کو لبھاتی ہے۔

غرض ادھر تو لڑکیاں دلداری پر آمادہ ہوئیں' ادھر استانی جی نے پڑھنے لکھنے کا نام تک منہ سے نہ نکالا۔ پھر حسن آرا کو وحشت کی کیا وجہ تھی؟ تھوڑے ہی دنوں میں لڑکیوں سے ایسی بے تکلف ہوگئی کہ مدتوں ساتھ کھیلی ہوئی ہے اور خود فرمائش اور تقاضا کر کے محمودہ کی گڑیاں کھلوائیں۔

## محمودہ کی گڑیوں کا گھر دیکھ کر حسن آرا کا تعجب کرنا

اگرچہ حسن آرا کے گھر گڑیوں کا بڑا سامان تھا مگر یہاں محمودہ کی گڑیوں کو دیکھ کر نہایت ششدر ہوئی۔ حسن آرا کی گڑیاں بازاری گڑیاں تھیں۔ صورت دیکھو تو بے ہنگم۔ جوڑے دیکھو تو بھدے۔ جھوٹا مسالا' کھوٹا کام۔ نہ سلائی درست نہ ٹنکائی ٹھیک۔

Marfat.com

مگر محمودہ کی سر سے پاؤں تک اس کے اپنے ہاتھوں سے کاڑھی بنائی ہوئی تھیں۔ کہاں وہ بازاری بیگاری کام' کہاں یہ خانہ ساز۔ حسن آرا نے گڑیوں کے لئے بنا بنایا لکڑی کا گھر دو منزلہ پندرہ روپے کا مول لیا تھا اور اسی پر اتراتی تھی۔ محمودہ نے تیلیوں اور پنی کا نہایت خوبصورت خوش قطع مکان خود بنایا تھا۔ حسن آرا کو محمودہ کی گڑیاں دیکھ کر اول مرتبہ یہ خیال ہوا کہ ہنر اور سلیقے کے آگے مال و دولت ہیچ ہے۔ اپنے ہاتھ کے ہنر سے ہم وہ کام لے سکتے ہیں جو دولت سے نہیں نکل سکتا۔ بار بار حیران ہو کر محمودہ سے پوچھتی اے ہے! یہ ننھا سا کارچوبی بٹوا بھی تمہیں نے سیا ہے؟ اچھی' سچ کہنا یہ پلنگ کے تکیے تمہی نے بنائے ہیں؟ اس دھانی جوڑے میں تو مسالا تمہارا ٹانکا ہوا نہیں لگتا۔ اس چمنی کا کرتا تو ضرور استانی جی نے قطع کر دیا ہوگا۔ بھلا بتاؤ تو' یہ پٹا پٹی کے پردے کہاں سے لئے؟ یہ گنگا جمنی تاروں بھرا دوپٹہ کس نے دیا؟ بلا کے موباف ہیں! غضب کے ازار بند ہیں! اے لو! اور سنو۔ ابرق کے جھاڑ' کاغذ کے پنکھے' ابری کی دریاں! اجی یہ تو دیکھو' سینکو کی چلمنیں' سرکنڈوں کے کھمبے'' غرض کہ محمودہ کی گڑیاں دیکھ کر حسن آرا ایسی حیرت زدہ ہو گئی تھی کہ متعجب ہو ہو کر محمودہ ہی کو دکھاتی تھی۔

محمودہ نے حسن آرا کے تمام تر تعجب کا یہی جواب دیا کہ یہ سب کچھ میرا ہی کیا دھرا اور میرا ہی سیا پرویا ہے' اور یہ کچھ بڑی بات نہیں۔ اگر آپ دو مہینے بھی سینے پرونے میں جی لگائیں تو اس سے کہیں بہتر بنا سکتی ہیں۔ مجھ کو تو گڑیاں کھیلنے کا شوق بھی نہیں۔ استانی جی جب کوئی نیا کام سکھاتی ہیں تو میں پہلے پہل گڑیوں ہی پر ہاتھ صاف کرتی ہوں۔ پس جو کچھ آپ نے دیکھا' یہ میری شروع شروع کی مشق ہے۔

حسن آرا: دو مہینے میں' میں اس سے بہتر بنا سکتی ہوں؟

محمودہ: بے شک۔ بلکہ اس سے بھی کم میں۔

حسن آرا: بس' اس میں سلائی ہی سلائی ہے؟

Marfat.com

محمودہ: اور کیا؟ اور سلائی کیسی' بلکہ نرا گودڑ اور کچی کا کام ہے۔

حسن آرا: بھلا اتنا سینا مجھ کو دو مہینے میں کیوں کر آ جائے گا؟

محمودہ: اگر آپ جی لگائیں تو میرا ذمہ۔ دو مہینوں میں خاصی طرح فراغت سے سیکھ جائیے گا۔

حسن آرا: ابھی تو مجھ کو دھاگا پرونا بھی نہیں آتا۔ لو' کل شام ہی کی بات ہے' انا اپنی نواسی کا کرتہ سی رہی تھی اور دیر سے سوئی میں دھاگا پرو رہی تھی۔ آپ خیر سے عینک بھی ہر دم چڑھائے رہتی ہیں' پھر بھی خاک نہیں سوجھتا۔ دھاگا نہ پڑا پرنہ پڑا۔ میں جو کھیلتی کھیلتی جا نکلی تو مجھ سے گڑ گڑا کر کہنے لگی' اچھی بیٹی' انا کا ایک کام نہیں کر دیتیں؟ ذرا دھاگا پرو دو۔ رعشے کے مارے میری تو انگلیاں کہے میں نہیں ہیں۔ حرمت گلے سے ننگی پھرتی ہے۔ کسی طرح گونتھ گانتھ کر کرتہ کھڑا کیا ہے۔ گریبان رہ گیا ہے۔ میں نے بہت کوشش کی۔ دھاگا تو ناکے کے منہ پر آ جاتا تھا مگر پرویا نہ گیا۔ تب تو میرا جی جل گیا اور میں نے سوئی اٹھا دور پھینک دی۔

محمودہ: کیسا ہی آسان کام ہو' تھوڑی بہت محنت ضرور چاہتا ہے اور خاص کر پرونا تو بڑی پتے ماری کا کام ہے۔ دھاگا پرو لینا تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ بل کھا جانے سے دھاگے کے سرنے پر پھوسڑے نکل آتے ہیں۔ ان کو چٹکی سے مروڑ دے کر دبا دینا چاہئے۔ پھر تو شاید پرونے میں دیر نہ ہو۔

حسن آرا: ہاں ہاں۔ ضرور یہی بات تھی۔ مجھ کو انا نے یہ حکمت نہیں بتائی۔ بھلا ایک سوئی دھاگا تو دو۔ دیکھوں' مجھ سے پرویا جاتا ہے یا نہیں۔

محمودہ نے ایک بہت باریک ناکے کی سوئی اور بہت مہین پیچک کا دھاگا دیا۔ حسن آرا نے دھاگے کے سرے کو چٹکی سے مروڑی دی۔ جوں ہی دھاگے کے سرے کو ناکے کے برابر لگایا' دھاگا ناکے میں چلا گیا۔ تب تو خوشی کے مارے اچھل پڑی اور بولی' آہا

Marfat.com

جی! ہم نے دھاگا پرو دیا۔ کیا مجھ کو سینا آ گیا؟

محمودہ: سینا تو ابھی نہیں آیا مگر ذرا ہی سی کسر ہے۔

## محمودہ نے حسن آرا کو سینا سکھایا

غرض کہ محمودہ نے سیدھی تیچی لگا دی اور آدھی باشت کے قریب حسن آرا سے سلوایا۔ اس میں تین چار مرتبہ حسن آرا کے سوئی بھی چبھی۔ اس سے ذرا اس کی ہمت سرد ہوگئی اور جیسے کہ دھاگا پرونے پر اچھل کود کی تھی' یہ تیچی تھوڑی ہی سی تھی کہ جلدی سے محمودہ کو پکڑا دی اور کہا کہ بوا' یہ بڑا مشکل کام ہے۔

محمودہ: میں نے پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ سینے میں بڑی دیدہ ریزی اور محنت ہے لیکن دنیا میں اکثر عورتوں کو بڑی بڑی محنتیں کرنی پڑتی ہیں۔ دیکھیے' چکی پیسنا کیسی محنت کا کام ہے۔ مگر آخر سینکڑوں ہزاروں ہم ہی جیسی عورتیں کرتی ہی ہیں۔ اس کے مقابلے میں سینا تو کچھ بھی محنت کا کام نہیں۔ اس کے علاوہ یہ دستور کی بات ہے۔ کیسا ہی آسان کام ہو مبتدی اور نوآموز کو مشکل معلوم ہوا کرتا ہے۔ یہ صرف آپ کی بے مشقی تھی کہ آپ نے چند بار سوئی ہاتھ میں چبھو لی۔ دیکھیے مجھ کو سیتے سیتے ایسی مشق ہوگئی ہے کہ اگر فرمایئے آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی جاؤں تانکا بھی درست بیٹھتا چلا جائے' سیدھ میں ذرا فرق نہ آئے اور سوئی کے چبھنے چبھانے کا تو کیا ذکر۔ یہ کہہ کر باقی ماندہ تیچی محمودہ نے لے دونوں کپڑے برابر کر جو سوئی لگائی تو یا تو ادھر تھی یا دم کے دم میں اس سرے جا نکلی۔

حسن آرا: دیکھوں کہیں سوئی تو نہیں لگی؟

محمودہ: نہیں تو۔ (یہ کہہ کر ہاتھ دکھایا)

حسن آرا: یہ آپ کی بیچ کی انگلی کھردری کھردری کیوں ہے؟

Marfat.com

محمودہ نے ہنس کر کہا کہ سوئیوں کے چبھنے کے نشان تو نہیں ہیں مگر میں اس سے انکار نہیں کر سکتی کہ یہ ہے سینے کی بدولت۔ مجھ کو انگشانے کی عادت نہیں۔ بعض کپڑا اکلف دار یا دبیز ہوتا ہے کہ سوئی آسانی سے نہیں نکلتی۔ تب ایک طرف سوئی کو چٹکی سے کھینچنا پڑتا ہے اور بیچ کی انگلی سے ناکے کو سہارا لگانا ہوتا ہے۔ یہ اسی کے نشان ہیں۔

حسن آرا: تو پھر کچھ مبتدی پر موقوف نہیں۔ سینے میں سبھی کی انگلیاں لہولہان رہنی ضروری ہیں۔

محمودہ: بڑا تعجب ہے کہ آپ ایسی بے معلوم تکلیف کو بڑی مصیبت خیال کرتی ہیں۔ ایسی ایسی چھوٹی چھوٹی تکلیفیں نہ معلوم صبح سے شام تک کتنی پہنچ جاتی ہیں۔ کھیلتے ہی میں کہیں چوٹ پھیٹ لگ جاتی ہے۔ پھوڑے پھنسی نکلتے رہتے ہیں۔ آنکھیں ہی دکھنے آجاتی ہیں۔ گرمی سردی کی ایذا سے زکام ہو جاتا ہے۔ بخار آنے لگتا ہے۔

حسن آرا: لیکن ایک مجبوری کی تکلیف جس پر اپنا بس نہیں اور ایک اپنے ہاتھوں آفت مول لینا۔ بھلا کیا ضرورت ہے کہ بیٹھے بٹھائے میں اپنی انگلیوں کو زخمی کروں' آنکھوں کو ستاؤں' گردن کو دکھاؤں؟ جس کی ناک پر نکار کھ دیا' جیسا چاہا' سلوالیا۔

محمودہ: کیا دوسروں کا محتاج ہو کر رہنا تکلیف کی بات نہیں؟

حسن آرا: محتاج ہو کر رہنا کیسا؟ خدا نہ کرے' ہم کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے؟

## محمودہ کا حسن آرا کو آنا نکہ غنی تر اند' محتاج تر اند' مضمون سمجھانا

محمودہ: محتاج کے سر میں کیا سینگ لگے ہوتے ہیں؟ اس سے بڑھ کر محتاج اور کیا ہوگی کہ آپ کا ایک دن بھی بے نوکروں کے نہیں کٹ سکتا۔ بھلا میں پوچھتی ہوں' ماما نہ ہو تو کھانا کون پکائے' منہ کون دھلائے اور پنکھا کون جھلے' چیز کون اٹھا کر دے' چارپائی کون بچھائے' بچھونے کون کرے' گھر میں جھاڑو کون دے۔ یہ تو روزمرہ کے کام ہیں۔ کھانا'

Marfat.com

کپڑا' برتن اور زیور ضرورت کی کل چیزیں چھوٹی یا بڑی یہاں تک کہ پانی پینے تک کا منی کا آب خورہ' کنگھی' سوئی' سلائی کیا آپ نے اپنے ہاتھوں بنائی ہیں یا لوگوں نے آپ کو بنا کر دی ہیں؟ اس پر بھی آپ کہتی ہیں کہ خدا نہ کرے ہم کسی کے محتاج کیوں ہونے لگے۔

حسن آرا: بے شک' ضرورت کی سب چیزیں اور لوگ بناتے اور ٹہل خدمت بھی اور لوگ کرتے ہیں۔ مگر کیا کوئی چیز ہم کو مفت دے جاتا ہے اور کیا بے لئے کوئی ٹہل خدمت کرتا ہے؟ ہر چیز اور ہر کام کے لئے ہم روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ روپیہ کے لالچ سے لوگ خود بخود چیزیں لئے دوڑے چلے آتے ہیں۔ بے بلائے ٹہل خدمت کرنے کو حاضر ہوتے ہیں۔ روپیہ ہو تو گھر بیٹھے دنیا کا سامان لے لو اور نوکر تو ایک صبح رکھو اور ایک شام۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ دولت بڑی چیز ہے۔ جس کے پاس دولت ہے وہ کسی کا محتاج نہیں اور تمام دنیا اس کی محتاج ہے۔

محمودہ: آپا بیگم صاحب' آپ بڑی غلطی کرتی ہیں۔ بھلا اگر لوگ آپ کی پروانہ کریں اور کوئی روپے کا خواہاں نہ ہو' تب آپ کیا کیجئے گا؟

یہ سن کر حسن آرا تو چپ ہوئی اور سوچ کر کہا تو یہ کہا کہ ایسی حالت میں سوائے مر رہنے کے اور کیا تدبیر ہے۔ کام کاج ہم سے کچھ ہو نہیں سکتا اور فرض کیا کہ اوپر جبر سہا اور آپ اٹھ کر پانی پی لیا' بچھونا اپنے ہی ہاتھوں کر لیا تب بھی کھانا پکانا تو ممکن نہیں اور مانا کہ کوئی سیج سا کھانا بھی مر گر کر پکا لیا' کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ اماں جان سویاں اور خشکہ ابال لینا جانتی ہیں' مگر ضرورت کی اور ہزاروں چیزیں ہیں۔ کپڑا کون بنے گا؟ زیور کون گھڑے گا؟ لیکن کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ دولت کی قدر روپے کی خواہش نہ ہو؟

محمودہ: بے شک ممکن ہے۔ بہت دن ہوئے مجھ کو استانی جی نے ایک کتاب پڑھائی تھی۔ اس میں لکھا تھا کہ ابتدا دنیا میں بہت مدت تک اشرفی' روپے پیسے کا چلن

Marfat.com

کچھ بھی نہ تھا۔ اس زمانے میں لوگ کھیتی کے کام سے بھی ناواقف تھے اور جس طرح اب ہر طرح کا غلہ اور انواع واقسام کی ترکاریاں اور میوے اور پھل پھول لوگ محنت کر کے زمین میں پیدا کرتے ہیں' ان دنوں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ سمندر کی مچھلیاں اور جنگل کے جانور مارلاتے اور انہی کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتے تھے۔ یا جنگل میں جو ساگ پات از خود جم اٹھتا ہے' جانوروں کی طرح اس کو کھا لیتے۔ یہ زرق برق اور تکلف کے کپڑے جواب اس زمانے میں ایسے سستے ہیں کہ ہر ایک غریب آدمی کو بھی میسر آ جاتے ہیں' پہلے ان کا نام بھی کسی نے نہیں سنا تھا۔ جانوروں کے چمڑے اور ڈھاک وغیرہ کے پتوں نے بدن کو ڈھانکتے اور عالی شان محلوں کی جگہ درختوں کی چھاؤں اور پہاڑوں کی کھوؤں میں پانی اور سردی گرمی سے پناہ لیتے۔

جوں جوں دنیا کی عمر زیادہ ہوتی گئی۔ آدمی اپنے آرام کے لئے نئے نئے پیشے اور نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے گئے۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ ایک آدمی ہر ایک طرح کا کام آپ اکیلا کر لیتا اور ہر طرح کی چیز آپ بنا لیتا۔ اس سبب سے کسی نے ایک کام کیا اور کسی نے دوسرا۔ کوئی کھیتی کرنے لگا' کوئی لوہار بنا' کوئی بڑھئی' کوئی سنار' کوئی جولاہا' کوئی موچی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کھیتی والا سب کے لئے کھانے کا غلہ پیدا کرے۔ لوہار چاقو مقراض وغیرہ لوہے کی چیزیں بنائے۔ بڑھئی ہل' چارپائی' چوکی' کرسی وغیرہ لکڑی کی چیزیں۔ سنار زیور گھڑا کرے۔ جولاہا ہر قسم کے کپڑے بنے اور آپس میں ضرورتوں چیزوں کا مبادلہ کر لیا کریں۔

چندے اسی طرح بے روپیہ بے سکہ دنیا کا کام چلا۔ آخر کار مشکلیں پیش آنے لگیں۔ جس کو کتاب والے نے یوں لکھا ہے کہ اب فرض کرو کہ مثلاً موچی کو کپڑے کی ضرورت ہوئی اور وہ ایک بہت طرح دار جوتی بنا کر جولاہے کے پاس لے گیا اور کہا ''دیکھو تو شیخ جی' کیا جوتی بنا کر لایا ہوں۔ کیچڑ میں پھر و پکی سڑک پر دوڑو نہ تلا گھسے گا نہ

Marfat.com

صورت بگڑے گی۔ بھراؤ کا کام نہیں۔ برس روز سے کم چلے تو الٹی میرے سر مارنا۔ مگر مجھ کو گاڑھے کا ایک تھان چاہئے۔ آٹھ سے نہ ہو تو چھ سے پون گز کا پنا'' جولاہا بولا ''چودھری جی' جوتی تمہاری سرس اور تھان بھی جیسا تم چاہتے ہو موجود۔ سوت بھی گول ہے۔ راچھ بھی پنی دار ہے۔ خوب ٹھوک ٹھوک کر بنا ہے۔ ماری کا نام نہیں۔ مگر وہ پہلی جوتی جو تم نے بنا دی ہے' ابھی تک نئی ہے۔''

موچی: ارے شیخ جی! تین برس کی جوتی اب تک؟

جولاہا: کیوں؟ دن بھر کارگاہ میں بیٹھا رہتا ہوں۔ آٹھویں دن پینٹھ جانے کا اتفاق ہوا۔ جوتی پر ایسی زد کیا پڑتی ہے؟ دوسرے بھائی میں غریب آدمی ہوں۔ پاؤں بھی ہولے ہولے رکھتا ہوں۔

موچی بے چارہ ناامید ہو کر چلا آیا اور پہنچا سنار کے پاس کہ کیوں لالہ جی' تم کو جوتی کی ضرورت ہے؟

سنار: ہاں بھائی' اچھے آئے۔ دس دن سے ننگے پاؤں پڑا پھرتا ہوں اور اس کے بدلے زیور بھی وہ بنا کر دوں کہ تمام برادری میں کسی کے یہاں نہ نکلے۔

موچی: اجی شاہ جی! کہاں ہم اور کہاں زیور مجھ کو دیکھو کہ چیتھڑے لگائے پھرتا ہوں۔ گھر میں بچوں کے پاس ٹوپی تک نہیں۔ گھر والی پیوند گانٹھتے گانٹھتے ہار گئی۔ کپڑے کی ضرورت ہے۔

سنار: کپڑے کی ضرورت ہے تو شیخ غازی کے پاس جاؤ۔

موچی: گیا تھا اس کے پاس جوتی موجود ہے۔

سنار: چلو' دیکھیں۔ شیخ غازی کو کچھ گہنا بنوانا ہو۔ سنا تھا کہ بیٹی کا بیاہ کرنے والے ہے۔ تو میں اس کو گہنا بنا دوں گا۔ تم مجھ کو جوتی دینا اور میں اس سے تھان لے کر تم کو دے دوں گا۔ اب سنار اور موچی دونوں پھر جولاہے کے پاس گئے۔

Marfat.com

سنار: شیخ جی، کہو بیٹی کا بیاہ کب کرو گے؟

جولاہا: چودھری، وہ بات تو بگڑ گئی۔

سنار: کیوں؟

جولاہا: وہ لڑکا بڑا خراب نکلا۔ چور، جواری، بھنگ پیتا ہے۔

سنار: کچھ تم کو گہنا بنوانا ہے؟

جولاہا: ابھی تو نہیں۔ جب پھر نسبت ناتا ٹھہرے گا، دیکھا جائے گا۔

غرض کہ پھر بے چارے موچی کی جوتی اینڈ کی اینڈ رہ گئی۔ جب ہر ایک شخص کو ایسی وقت پیش آنے لگی تو سب نے مل کر یہ تجویز کی کہ چیز کا مبادلہ چیز سے ٹھیک نہیں۔ ایک ایسی چیز ٹھہراؤ کہ ہر کوئی ایک چیز کے بدلے اس کو لے لیا کرے۔ موچی اپنا بنایا ہوا جوتا اس کے عوض دیا کرے۔ سنار گھڑا ہوا زیور۔ جولاہا اپنا بنا ہوا تھان۔ تب سکہ چلا۔ پہلے لوہے کا سکہ تھا اور ایسا بھاری تھا کہ شاید سو روپے کی مالیت کے واسطے چھکڑا بھر بوجھ ہوتا تھا۔ پھر تانبے اور چاندی اور سونے کے سکے چلے۔ کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں چمڑے کا روپیہ چلا تھا۔ اس میں بھی سونے کی کیل تھی۔ اب انگریزوں نے وہ انتظام بٹھایا ہے کہ کاغذ کا سکہ چلاتے ہیں۔ ایک ورق کاغذ دس، سو ہزار، لاکھ روپے کا ہوتا ہے۔ جتنا روپیہ کاغذ میں لکھا ہے۔ جہاں چاہو بھنا لو۔ نہ بٹہ ہے نہ دستوری۔ پس روپیہ اپنی ذات میں کسی کام کا بھی نہیں۔ نہ اس کو نان خطائی کی طرح کھاتے نہ اس کو ہار بنا کر گلے میں پہنتے ہیں۔ مگر جو چیز چاہو روپے کے بدلے البتہ لے سکتے ہو۔ پس حقیقت میں درکار ہوتی ہے وہ چیز اور اس کے حاصل کرنے اور بہم پہنچانے کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے اس روپے کی جس پر امیروں اور دولتمندوں کو اس قدر ناز ہے۔

حسن آرا: کیا ہی اچھی بات آپ نے بتائی مگر یہ تو فرمایئے کہ جب روپیہ ہر ایک چیز کا عوض ہو سکتا ہے تو جس کے پاس روپیہ ہے گویا وہ ہر چیز کا مالک ہے اور ہر چیز اس

Marfat.com

کے اختیار میں ہے۔ تو ضرور روپیہ بڑی قدر و منزلت کی چیز ہے اور روپے والوں کو جتنا ناز اور جتنا گھمنڈ ہو سب بجا اور درست ہے۔

محمودہ: گھمنڈ کی تو کوئی وجہ میں نہیں پاتی۔ روپیہ بے شک ہر چیز کا بدل ہے۔ مگر خود اس چیز کا کام نہیں دے سکتا۔ مثلاً فرض کرو کہ ہم کو ایک جوتی کی ضرورت ہے۔ تو دو باتیں ہیں' ایک یہ کہ جوتی درکار تھی اور جوتی موجود ہے اور دوسری یہ کہ جوتی تو موجود نہیں مگر روپیہ ہے جس کے بدلے ہم جوتی مول لے سکتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں غور کیجئے' ہرگز یکساں نہیں۔ پھر بھی روپیہ لے کر بازار جائے اور جوتی مول لائے۔ فرض کیجئے کہ جوتی نہ ملی یا ملی اور قیمت نہ ٹھہری تو آخر روپے والا مجبور رہے گا یا نہیں؟ اور یہ بھی سوچنے کی بات ہے مگر جوتی والا حقیقت میں روپیہ کا محتاج نہیں بلکہ وہ اس چیز کا محتاج ہے جس کے بدلے جوتی کی قیمت خرچ کرے گا۔ غرض کہ روپے والا زیادہ محتاج ہے اور اگر زیادہ نہیں تو جوتی والے کے برابر سہی۔ پھر گھمنڈ کس بات کا ہے؟ ایک چیز کا یہ خواہشمند ہے یعنی جوتی کا اور دوسری یعنی روپے کا دوسرا۔

حسن آرا: لیکن روپے کے بدلے ہر وقت ہر چیز میسر آ سکتی ہے۔

محمودہ: یہ غلطی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پیسے کی جگہ دودینے کو موجود ہیں۔ اور چیز نہیں ملتی۔ میری امی جان کبھی غدر کے حالات بیان کرتی ہیں کہ سب لوگ بھاگ کر سلطان جی میں جا رہے تھے۔ روپے کا سیر بھر آٹا تلاش کرتے تھے اور نہیں ملتا تھا۔ دن بھر مرد دو نے روپے لئے پھرتے تھے اور شام کو ہار کر خالی ہاتھ چلے آتے تھے۔ غدر کے سبب رسد کا باہر سے آنا بالکل بند تھا۔ گاؤں والوں کے پاس جو رسد تھی' وہ کہتے تھے کہ روپیہ لے کر ہم کیا کریں گے۔ گھر میں تھوڑا بہت اناج رکھا ہے وبال بچوں کا سہارا ہے۔

حسن آرا: البتہ اگر ایسا اتفاق پیش آ جائے تو روپیہ محض نکما ہے۔ مگر کیا روز روز غدر ہوتا ہے؟ یہ بھی خدا جانے کیا بات تھی۔ اب تو جس کے پاس دولت ہے' وہی آسودہ

Marfat.com

## ایک غریب خاندان کی آسودہ زندگی کی مثال دے کر یہ ثابت کرنا کہ تکلفات موجب زحمت ہیں اور آرام طلب باعث کلفت

محمودہ: دولت سے ہرگز ہرگز آسودگی حاصل نہیں ہوتی۔ استانی جی اس ہمسائی کا حال دکھا کر مجھ کو سمجھایا کرتی ہیں کہ دیکھو کیا آزاد اور آسودہ زندگی اس کی ہے۔ ایک آپ ہے ایک میاں ہے اور چار پانچ بچے ہیں۔ وہ بہت چھوٹے چھوٹے ہیں۔ کچھ کام کاج کرنے جوگے نہیں۔ میاں کہیں نہر پر مٹی ڈھویا کرتا ہے۔ آپ پسائی کا پیستی ہے۔ مکان میں جا کر دیکھو تو نہ تخت ہے نہ فرش۔ شاید ٹوٹی پھوٹی تین چار پائیاں ہیں۔ بے تکلف کھری چارپائیوں پر سب بیٹھتے ہیں۔ برتنوں میں مٹی کے گھڑے مٹی کی ہنڈیا مٹی کے پیالے اور رکابیاں اور لکڑی کی ڈوئی۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

حسن آرا: یہی آزاد اور آسودہ زندگی ہے تو خدا دشمن کو بھی یہ عیش نہ دکھائے۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کیا مصیبت ہوگی۔ وہ اپنی جان سے ہلاک ہے اور آپ کو اور استانی جی کو اس کی آسودگی پر رشک ہے۔

محمودہ: پہلے مجھ کو بھی استانی جی کے کہنے پر اچنبھا ہوا تھا مگر مدتوں میں ہمسائی اور اس کے بچوں کی حالت پر غور کرتی رہی۔ آخر کو میں نے بھی سمجھا کہ استانی جی بہت سچ کہتی ہیں۔ سوچنے سے یہ معلوم ہوا کہ جسمانی آرام اور جسمانی تکلیفیں سب عادت پر موقوف ہیں۔ جس کو محنت کی عادت ہے وہ اسی میں ایسا خوش رہتا ہے کہ ہم جو نکمے پڑے رہتے ہیں ہرگز وہ خوشی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہی ہمسائی میں نے دیکھا ہے کہ برسات کی چپ چپی گرمی پڑ رہی ہے اور ہوا بند ہے کہ پتا نہیں ہلتا۔ میں باہر صحن میں کھڑی برابر پنکھا اپنے تئیں ہلائے جاتی ہوں اور ندیوں پسینا نکلا چلا آتا ہے۔ دم بولا بولا اٹھتا ہے۔ اور خدا سلامت رکھے بی ہمسائی ہیں کہ دالان کے اندر اکیلی چکی پیس

Marfat.com

رہی ہیں۔ اور میں نے کان لگا کر سنا تو معلوم ہوا کہ آپ خیر سے ایسی خوش ہیں کہ مزے میں گا بھی رہی ہیں۔ مجھ کو پہلے تو شبہ ہوا کہ اس حالت میں اس کو کیا خاک گانا سوجھا ہوگا۔ لیکن جب کھڑکی میں سے آواز دی تو نہایت ہشاش بشاش ہو کر بولی۔ ''کیا ہے بینا؟ استانی جی سے کہو: دو چار گلے اور رہ گئے ہیں۔ آٹا میں اب لائی کہ لائی۔'' ایسی کراری آواز سے جواب دیا کہ کوئی بات تکلیف کی معلوم نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتی ہوں کہ آپ آٹا لئے' ہنستی چلی آتی ہیں۔ آٹے کے ساتھ باٹ ترازو۔ آٹا تولا' چھانا' مٹکے میں بھرا۔ استانی جی نے کہا کہ ہمسائی آٹے کا مٹکا خوب اچھی طرح ڈھک دیا یا نہیں؟

ہمسائی: ہاں بی بی' بڑا طباق ڈھک کر اوپر سے پنیری رکھ دی ہے۔

استانی جی: اچھا' رخصت۔

ہمسائی: کیا اور چینی نہ دو گی؟

استانی جی نے کتاب دیکھ کر کہا۔ ابھی ضرورت نہیں۔ چار پانچ دن کا آٹا ہے۔ برسات کے دن ہیں۔ جہاں ذرا دیر ہوئی آٹے میں سرسریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ تلخا نے لگتا ہے۔

ہمسائی: نا بی بی' چینی تو دے ہی دو۔

استانی جی: کم بخت ایک دن آرام لیا کر۔ یہ بلا کی گرمی پڑ رہی ہے۔ تیرا جی نہیں گھبراتا؟

ہمسائی: کیا کہوں؟ کچھ ایسی عادت ہوگئی ہے جس دن پینا نہیں ملتا تمام دن بدن دکھا کرتا ہے۔ کھانا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چھاتی پر دھرا ہے۔ خالی بیٹھے کچھ آلکسی معلوم ہوتی ہے کہ جی نہیں لگتا۔

استانی جی: پینے کو تو دوں مگر ہمسائی آٹا اڑتا ہوا کیوں ہوتا ہے؟

ہمسائی: گیہوں پیلے ہوئے تھے۔ پہلے ہی گلے میں دلیا نکلنے لگا تو میں نے ذرا آنچ

Marfat.com

دکھا دی تھی۔ میں تو باہر ہوا میں بھی نہیں پیستی۔ والان کے اندر پیسا کرتی ہوں۔ جہاں ہوا کا گزر نہیں۔

استانی جی: کیا بتاؤں۔ کئی دن سے راہ دیکھتی ہوں کوئی گدھے والا گلی میں بولے تو دو بورے مٹی کے لے لوں۔ والان بھی لپ جائے اور چولہے بھی ٹوٹ گئے ہیں' پھر سے لیس پوت ہو جائے۔ مٹی ہوتی تو میں تم سے چولہے بنوا لیتی۔

ہمسائی: مٹی کا ملنا کیا مشکل ہے۔ ہمت باپ کے پاس تھوڑی دیر میں روٹی لے کر جائے گا۔ ادھر سے ایک ٹوکرا مٹی آ جائے تو کل پسائی کے بدلے یہی کام کرو۔

ہمسائی دعائیں دینے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد دیکھتی کیا ہوں کہ ہمت کی بہن چھوٹی' کوئی دس برس کی' ایک بڑا ٹوکرا سر پر رکھے آگے آگے اور بی ہمسائی پیچھے پیچھے چلی آتی ہے۔ نگوڑی لڑکی کو دیکھ کر تو مجھ کو بہت ہی ترس آیا۔ مجھ کو نہیں معلوم تھا کہ یہ کیا لائی ہے۔ لیکن میں نے جلدی سے دوڑ دروازے سے ٹوکرا اتروا لیا۔ دیکھوں تو نہر کی گیلی مٹی ہے۔ میں نے کہا ''اری! تجھ کو خدا کی سنوار! یہ تو نے کیا غضب کیا؟ نگوڑی' اتنا بوجھ!'' اتنے میں ہمسائی بھی آ پہنچی اور میں اس سے لڑنے لگی کہ ہمسائی ذرا تمہارے دل میں رحم نہیں۔ اس لڑکی کی بساط دیکھو اور اتنا بوجھ گھر سے یہاں تک لانا دیکھو۔ لڑکی ایسی ہی دو بھر ہے تو بلائے نگوڑی کو ایک دن زہر دے کر سلا رکھو۔ واہ! کوئی سوتیلی ماں بھی ایسا نہ کرتی ہوگی۔ ٹوکرا میں نے اتروایا تھا۔ ایسا بھاری بوجھل پتھر تھا کہ آدھی ہی دور پر ہاتھ سے چھوٹ پڑا۔ نہر کی گیلی مٹی کی خدا کی پناہ! لوہا بھی ہلکا ہوتا ہے۔ میرا تو اتنی ہی دیر میں دم پھول گیا۔

میں نے تو کس شد و مد سے ہمسائی کو الزام دینا چاہا تھا لیکن ہمسائی نے سرسری طور پر یہ کہہ کر ٹال دیا کہ بیوی' ہم غریب آدمی ہیں اور یہ غریب کی بیٹی ہے۔ ہم کو تو دن رات بوجھ اٹھاتے گزرتی ہے۔ مٹی کی ٹوکری کی کیا حقیقت ہے۔ یہ تو اکیلی چارپائیاں اٹھالاتی ہے۔ پرسوں دھانے کے لئے چکی کا پاٹ دروازے پر خمرے کو دے آئی تھی۔

Marfat.com

ہمارے بچے امیر زادیوں کی طرح باریک جان اور نازک بیگم اور مہین خانم ہوں تو ایک دن بھی کام نہ چلے۔

ہمسائی کی یہ بات سن کر مجھ کو ایسی ندامت ہوئی کہ پسینے پسینے ہوئی اور جی میں سوچی کہ الٰہی کیا بات ہے کہ ان لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا تو نصیب نہیں ہوتا' پھر اتنے قوی اور مضبوط کیوں ہیں! ایک دن میں نے استانی جی سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ سب زور اور سب بوتا اور سارا بل محنت کا ہے۔ ہم لوگ دن رات احدیوں کی طرح نکمے بیٹھے رہتے ہیں۔ کھانا جیسا کھایا' ویسا ہی پیٹ میں رکھا۔ نہ ہضم درست ہے' نہ کھل کر بھوک لگتی ہے۔ سدا کے روگی۔ ہمیشہ کے دکھیا۔ کبھی قبض' کبھی پیچش۔ آئے دن حکیم کے یہاں آدمی موجود۔ علاج کی عادت۔ دوا کا معمول۔ ہم لوگوں کے مزاج ہیں کہ چھوئی موئی کے درخت ہیں۔ ذرا ٹھیس لگی اور کملا کر رہ گئے۔ کوئی موسم ہو' ہم کو کچھ نہ کچھ شکایت ضرور رہتی ہے۔ گرمی ہے تو کہیں درد کے مارے سر پھٹا پڑتا ہے' آنکھیں جلتی ہیں۔ ہتھیلیوں اور آنکھوں سے آگ نکلتی ہے۔ یونہی عمر بھر بھوک کو روتے رہے۔ گرمیوں میں رہی سہی بھی گئی گزری ہوئی۔ نہ برف اور شورے کے پانی سے تسکین ہوتی ہے' نہ انار اور فالسے اور عناب اور نیلوفر کے شربتوں سے تسلی۔ برسات آئی تو مکھیوں اور مچھروں کے واسطے وہ وہ اہتمام ہو رہے ہیں کہ گویا کسی بادشاہ کے ملک پر غنیم چڑھ آیا۔ پوری جڑ کے سبب قوت ہاضمہ بالکل معطل۔ ریح کا درد صبح کو شانوں میں تھا تو دوپہر کو کمر میں اور شام کو پنڈلیوں میں۔ جاڑا آیا تو زکام اور کھانسی اور نزلے کو ساتھ لایا۔ اب سر ہے کہ کہے میں نہیں۔ ایک ایک آرام طلبی نے ہم کو سب نعمتوں کے مزے اور سب آسائشوں کی لذت سے بے نصیب کر رکھا ہے۔ کھانے میں لاکھ لاکھ تکلف کئے مگر وہ ذائقہ نہ ملا جو غریب آدمیوں کو سوکھی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی میں ہر روز میسر ہے۔ نیند سدا اچاٹ رہی۔ دن اور رات کوشش کرتے ہیں کہ گھڑی دو گھڑی آرام سے سو رہیں مگر نیند ہے کہ ذرا کھٹکا ہوا اور روسوں دور۔ مجھ کو اس ہمسائی کا حال دیکھ کر بڑی حیرت ہوا کرتی ہے۔

Marfat.com

ایک دن کا مذکور ہے کہ میں گرمی کے مارے رات کے وقت کوٹھے پر گھبرائی گھبرائی پھرتی تھی۔ دیکھتی کیا ہوں' ہمسائی کے پانچوں بچے ایک کے اوپر ایک' نہ بچھونا ہے' نہ تکیہ' نہ پنکھا۔ کھری چارپائی پر مزے میں خراٹے لے رہے ہیں۔ چھ برس میرے بیاہ کو ہوئے' میرے منہ میں خاک میں نے تو کسی دکھ یا بیماری کی شکایت ہمسائی سے نہیں سنی۔ فصل بدلنے کو ہوتی ہے تو قاعدہ ہے کہ اچھے بھلے آدمی کو بھی دو چار دن کے لئے بخار ہی آ جاتا ہے مگر ماشاءاللہ نہیں آتا تو ہمسائی اور ہمسائی کے بچوں کو۔ یہ تو غریبی ہے کہ چولہا کبھی دو وقت نہیں سلگتا۔ مگر بچوں کو دیکھو تو چونچال توانا۔ بھلا یہ چھوٹی لڑکی تمہارے عندیے میں کے برس کی ہوگی؟

استانی جی: میرا چوتھا چالا تھا۔ میرے آئے پر ہوئی ہے۔ خیر سے چھ برس پورے ہو چکے ہیں' ساتویں میں لگی ہے۔ ماشاءاللہ کیا اچھا اٹھان ہے۔ محمودہ' دیکھو' تم سے بھی نکلتی ہوئی ہے۔

حسن آرا: یہ بات چیت ٹھیک ہے۔ ہمارے گھر بھی نوکروں اور لونڈیوں کا یہی حال ہے۔ کھا کھا کر ایسے موٹے ہوئے ہیں کہ پہچان نہیں پڑتے۔

محمودہ: بھلا کیا سبب ہے کہ آپ لوگ گھر کی مالک و مختار' خدا کا دیا سب کچھ موجود' سب کچھ میسر اور بدن پر دیکھو بوٹی نہیں۔ لونڈیاں لاکھ چوری کریں' پھر بھی گھر والیوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔

حسن آرا: البتہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ محنت کا ہی سبب ہے۔ مگر یہ تو فرمایئے کہ جو کام لونڈیوں کے کرنے کے ہیں' ہم کیوں کرنے لگیں؟ اول تو ہو نہیں سکتے اور جو جان مار کر ایک آدھ کام کیا بھی تو اپنے ہی کنبے والے حقیر سمجھنے لگیں۔

محمودہ: ہو سکنے اور نہ ہو سکنے کی کچھ نہ پوچھئے۔ آدمی کے برابر سخت نہیں اور آدمی کے برابر کوئی چیز نرم بھی نہیں۔ ہم ہی جیسی عورتیں ہیں جو چکی پیستی ہیں اور وہ وہ کام کرتی ہیں جو شہر کے بعض مردوں سے نہ ہو سکیں۔ اور یہی عورتیں ہیں جن کو اپنی ہی جان دوبھر

Marfat.com

ہے۔کام کا کیا ذکر اور محنت کا کیا مذکور۔جیسی عادت ڈالو ویسی ہی پڑ جاتی ہے۔اور کنبے والوں کو حقیر سمجھنے کی تو کوئی وجہ نہیں' نوکر چاکر ہوتے سا تے اپنے ہاتھوں کام کرنے سے تو میرے نزدیک لوگوں کی نظروں میں اور عزت زیادہ ہونی چاہئے۔کتنی خوبی کی بات ہے کہ ٹہل کو نوکر' خدمت کو لونڈیاں ہوں اور اپنے ہاتھوں کام کرنا آدمی عار نہ سمجھے۔ استانی جی کو دیکھو' نوکر بھی ہے' اوپر کے کام کو بھی ایک عورت نوکر ہے۔اتنی لڑکیاں مکتب میں بیٹھتی ہیں' جھوٹوں بھی کہیں تو بچوں کام کو دوڑیں' مگر پانی تک آپ اٹھ کر پیتی ہیں۔ یہ بات خدا کو کیسی بھلی لگتی ہوگی کہ دیکھو' ہم نے اس بندے کو ایسا نوازا اور ایسا بڑھایا کہ اس کے ہم جنس اس کی خدمت اور تابعداری کو دیئے مگر یہ کیسا نیک بندہ ہے کہ اس کو غرور چھو نہیں گیا۔یہ اپنے تئیں اسی طرح ناچیز سمجھتا ہے۔

حسن آرا: بھلا جو کام اپنے سے ہو ہی نہ سکے تو آدمی کیا کرے؟

محمودہ: اس کا جواب میں ابھی دے چکی ہوں کہ جو کام دوسرے آدمی کرتے ہیں' ہر ایک آدمی کر سکتا ہے۔مگر خیر' دنیا میں خدا جس کو دولت ثروت دے اور اگر بڑی محنت کے کام وہ بھی نہ کرے تاہم ہزاروں چھوٹے چھوٹے کام ایسے ہیں کہ بے زحمت ان کو کر سکتا ہے۔ایسے کاموں میں آپ نہ ہلنا اور ہمیشہ نوکروں اور خدمت گاروں کا محتاج رہنا بڑی بری بات ہے۔ایک تو انسان آلکسی ہو جاتا ہے' آرام طلبی کی عادت چپکے چپکے بڑھتی جاتی ہے' دوسرے کیسا ہی چھوٹا کام ہو' آدمی اپنی مرضی کے موافق جیسا اپنے ہاتھ سے کر سکتا ہے' نوکر کتنا سلیقہ مند اور مزاج شناس کیوں نہ ہو' کبھی نہیں کر سکتا۔میں نے تو اپنا یہی قاعدہ رکھا ہے کہ لکھنے پڑھنے سے جتنا وقت بچتا ہے' اس میں کچھ نہ کچھ کام کیا کرتی ہوں۔دو برس ہوئے کہ میں اپنے کپڑے اپنے ہاتھ سے سیتی اور قطع کرتی ہوں۔پکانے میں بھی بہت ربط ہو گیا تھا۔اب تین چار مہینے سے ذرا کم ہو گیا ہے۔پھر بھی گوشت میں ہی بگھارتی ہوں' اور گھر میں کوئی نئی چیز پکے تو میں ہی پکاتی ہوں۔

حسن آرا: آہا! تم کو پکانا بھی آتا ہے؟

Marfat.com

محمودہ: آتا کیا ہے' خیر' غریبا موبھون بھلس لیا۔ استانی جی کی مہربانی سے ایک آدھ چیز ذرا اچھی بننے لگی ہے۔ اور مجھ پر کیا منحصر ہے۔ مکتب کی سب لڑکیاں جانتی ہیں۔ سب لڑکیوں نے ساجھا ملایا ہے۔ کل کڑاہی چڑھے گی۔ سامان آیا رکھا ہے۔ تلی تو ابھی جاتی استانی جی نے کہا دن کے وقت گرمی بہت ہوتی ہے۔ سویرے تڑکے دھوپ نکلتے تل تلا کر فراغت پا جاؤ۔ سو کل آپ بھی سیر دیکھیے گا۔

حسن آرا: سموسے بھی تلنے آتے ہیں؟

محمودہ: ان شاء اللہ ایسے سموسے تل کر کھلاؤں' نرم اور خستہ پتلے پرت کہ آپ بھی پسند کریں۔ مگر یہ فرمایئے کہ میٹھے سلونے' سادے یا قیمہ بھرے؟

حسن آرا: میٹھے۔

محمودہ: میٹھے سموسے شہر بانو ایسے بناتی ہیں کہ سبحان اللہ!

## صبح خیزی

حسن آرا: مگر سویرے تڑکے تو میں نہیں آ سکتی۔ میں تو کوئی پہر دن چڑھے سو کر اٹھتی ہوں۔ پہر دن چڑھے کا نام سن کر محمودہ بے اختیار ہنس پڑی۔

محمودہ: کیا آپ ہر روز پہر دن اٹھا کرتی ہیں؟

حسن آرا: ہر روز۔

محمودہ: سوتی آپ کس وقت ہیں؟

حسن آرا: سر شام۔

محمودہ: بلا کی نیند آپ نے بڑھا رکھی ہے۔

ن آرا: میں نے بڑھا رکھی ہے؟ نیند بھی کوئی اپنے اختیار کی بات ہے؟ میری آنکھیں تو کچھ دن رہے سے بند ہونے لگتی ہیں۔ اماں جان کھانے کے واسطے مجھ کو بلاتی ہی رہتی ہیں۔ جب دیکھتی ہیں کہ یہ سوئی ہی جاتی ہے تو ناچار کھانا کھلوا دیتی ہیں۔ پہر دن چڑھے ہی میرے آنکھ آپ سے نہیں کھلتی۔ سوتی کو زبردستی اٹھا بٹھاتی ہیں۔ کچی نیند

Marfat.com

جو جگا دیتی ہیں تو گھنٹوں نیند کا خمار رہتا ہے۔ اسی واسطے دوپہر کو پھر کوئی دو چار گھڑی کے واسطے سو رہتی ہوں۔

دوپہر کے سونے کا نام سن کر محمودہ پھر ہنسی اور کہنے لگی کہ اگر آپ کو جی بھر کے سونے دیا جائے تو شاید آپ رات دن سویا ہی کریں۔

حسن آرا: کیا بتاؤں۔ نیند کم بخت ایسی ٹوٹ پڑی ہے کہ کسی طرح مجھ کو سوتے سے سیری ہی نہیں ہوتی۔ گھر بھر مجھ کو چھیڑا کرتا ہے اور چاہے کوئی بیماری ہو' ابا جان ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ تمام تر سونے کا فساد ہے۔ مگر کیا کروں' نیند پر قابو نہیں چلتا۔ ہر روز ارادہ کرتی ہوں کہ آج سب کے ساتھ سوؤں' مگر جب وقت آتا ہے تو نیند کے غلبے سے ایسا جی خراب ہونے لگتا ہے کہ کچھ بن نہیں پڑتی۔ نیند کے آثار شروع ہوتے ہیں تو مجھ کو خیال ہوتا ہے کہ آج بڑا پکا وعدہ کر چکی ہوں۔ ابھی سے سو رہوں گی تو لوگ چھیڑیں گے اور اس شرمندگی کے مارے جی مضبوط کر کے تھوڑی دیر سنبھلی۔ بیٹھا جاتا نہیں۔ پلنگ پر جھکی اور ادھر سے اماں جان بولیں' ادھر سے آپا جان۔ لیکن ان کی بات پوری بھی نہیں ہونے پائی کہ بندی لیٹتے کے ساتھ خراٹے لینے لگی۔ میرے لئے پیچھے جو لوگ کہتے سنتے ہوں مجھ کو مطلق خبر نہیں ہوتی۔

محمودہ: اگر آپ دل سے نیند کو گھٹانا چاہیں تو کچھ مشکل بات نہیں۔ میں آپ کو بہت سہل تدبیر بتا سکتی ہوں۔

حسن آرا: ہاں' اس نظر سے کہ گھر بھر مجھ کو سونے کے واسطے چھیڑا کرتا ہے' میں بھی چاہتی ہوں کہ زیادہ نہیں تو سب کے ساتھ سوؤں اور اٹھ بیٹھوں۔

محمودہ: دو باتوں کا التزام کیجئے۔ اول تو یہ کہ نیند کو بہلانے کے لئے کچھ مشغلہ چاہئے کہ طبیعت اس میں مصروف ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ جو شخص سویرے اٹھنے والا ہو' اس پر تاکید کر دیجئے کہ جس طرح ممکن ہو جھنجھوڑ کر' پانی کے چھینٹے دے کر' آپ کو ہوشیار

Marfat.com

کر دیا کرے اور اٹھتے کے ساتھ' آپ منہ ہاتھ دھو' طبیعت کو سنبھال' کسی کام میں لگ جایا کیجئے۔ اول اول آٹھ دس دن خلاف عادت سویرے اٹھنے سے ایک خفیف سی گرانی اور درد معلوم ہوگا مگر پھر عادت ہو جائے گی۔ خود بخود آنکھ کھلنے لگے گی اور گرانی سر بھی موقوف ہو جائے گی۔ بلکہ سویرے اٹھنے سے صبح کی ٹھنڈی ہوا کھا کر مزاج ایسا باغ باغ ہو جائے گا کہ دن بھر طبیعت بحال رہا کرے گی۔

میں بھی بلا کی سونے والی تھی۔ مردوں سے شرط باندھ کر سوتی۔ استانی جی ہر روز مجھ کو نصیحت کیا کرتیں کہ دنیا میں انسان اس واسطے نہیں آیا کہ سونے اور نکمے پڑے رہنے سے دن تیر کرے۔ خدا نے دن کام کے لئے بنایا ہے۔ رات کیا تھوڑی ہوتی ہے کہ دن کو بھی سویا کریں۔ بہت سونے سے انسان کاہل' غبی اور ذہن مٹھا ہو کر کند ہو جاتا ہے۔ آدمی کا وقت بڑی قیمتی چیز ہے۔ فرصت کا ایک ایک لمحہ بس غنیمت ہے۔ اس وقت میں ہو سکے تو لگ لپٹ کر علم و ہنر حاصل کر لیں۔ جس سے دنیا اور عاقبت دونوں درست ہوں۔ چنانچہ میں نے رفتہ رفتہ سونا کم کر دیا۔ یہاں تک کہ اب سب سے پیچھے سوتی اور سب سے پہلے اٹھتی ہوں اور بہ نسبت سابق کے میں اپنے تئیں زیادہ تندرست بھی پاتی ہوں۔ مگر مکتب کی لڑکیاں غضب کرتی ہیں کہ گھر بھی ان کے چار چار چھ چھ پیسے ڈولی پر ہیں اور اندھیرے منہ یہاں آ جاتی ہیں۔ آپس میں شرط لگا رکھی ہے کہ دیکھیں سب سے پہلے کون مکتب میں پہنچتا ہے۔

حسن آرا: دیکھیے ان شاء اللہ اب میں بھی ضرور اس کا انتظام کروں گی اور جس طرح بن پڑے گا' خدا نے چاہا تو کل کڑاہی چڑھنے نہ پائے گی کہ یہاں مجھ کو پہنچا دیں۔

محمودہ اور حسن آرا آپس میں یہ باتیں کر رہی تھیں کہ استانی جی نے آواز دی۔

''محمودہ! تم تو نئی سہیلی سے اس قدر جلد بے تکلف ہوئیں کہ کون وقتوں سے باتیں کر رہی ہو۔ اب تک تمہاری باتیں ہو نہیں چکیں۔ پہلے ہی دن ایسا کیا صلاح مشورہ

Marfat.com

ہونے لگا؟''

محمودہ: بیگم صاحب تو نہایت اچھی آدمی ہیں۔ دو ہی باتوں میں میرا دل ان سے مل گیا۔ میں نے ان کو اپنی گڑیاں دکھائیں۔ مراۃ العروس' چند پند وغیرہ سے طاعت شعاری اور صبح خیزی کے فائدے سنائے۔

استانی جی: تم نے ایسی باتیں کر کے حسن آرا بیگم کو کہیں ناخوش تو نہیں کیا؟

حسن آرا: استانی جی' ایسی اچھی' عقل اور نصیحت اور فائدے کی باتیں محمودہ بیگم نے بیان کی ہیں کہ میں نے کبھی نہیں سنی تھیں اور میرا جی ان باتوں سے نہایت خوش ہوا۔ صرف ایک بات البتہ میں کسی قدر ناپسند کرتی ہوں کہ یہ امیروں کی بہت مذمت کرتی ہیں۔

استانی جی: امیروں کی یا ان کے کردار کی؟

حسن آرا: کردار کی مذمت ہوئی تو امیروں کی ہوئی۔ وہ ایک ہی بات ہے۔

استانی جی: نہیں۔ ان دونوں باتوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اگر مطلق امیروں کی مذمت کی جائے تو اس سے مطلق دولت کی مذمت نکلتی ہے' حالانکہ دولت بڑی قدر و منزلت کی چیز ہے۔ (یہ سن کر حسن آرا نے محمودہ کی طرف دیکھا)۔ لیکن اگر دولت پا کر آدمی گھمنڈ اور غرور کرے اور یہ سمجھے کہ وہی سب سے بڑا ہے اور جتنے غریب ہیں' حقیر اور ذلیل ہیں اور اس کی ٹہل اور خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں تا کہ وہ آپ ہاتھ نہ ہلائے اور دوسروں کی محنت سے آرام کرے اور دولت اس کو صرف اسی کے آرام و آسائش کے لئے دی گئی ہے اور غریبوں کو دینا اور محتاجوں کی مدد کرنا اپنا فرض نہ سمجھے تو ایسی دولت دنیا کا جنجال ہے اور عاقبت کا وبال۔

حسن آرا: مجھ کو اس میں شبے ہیں۔

استانی جی: میں تمہارے سب شبوں کو ان شاء اللہ بخوبی رفع کر دوں لیکن اب

Marfat.com

وقت بہت کم ہے۔ سب لڑکیاں کہانیوں کی منتظر ہیں۔

کہانیوں کا نام سن کر تو حسن آرا اور بھی خوش ہوئی اور بے تاب ہو کر پوچھنے لگی:

اچھی! کون کہانیاں کہے گا؟ آپ یا محمودہ؟

استانی جی: نہ میں اور نہ محمودہ بلکہ جس کی باری ہوگی۔

حسن آرا: کیا ان سب لڑکیوں کو کہانیاں یاد ہیں؟

استانی جی: یاد تو شاید کسی کو بھی نہیں۔

حسن آرا: پھر کہیں گی کہاں سے؟

استانی جی: بہت اچھی اچھی کہانیاں ایک کتاب میں لکھی ہیں۔ پڑھنا ان سب کو آتا ہے۔ جس کی باری ہوگی وہی کتاب میں سے پڑھ پڑھ کر کہانی کہے گی۔

## پڑھنے کے فائدے سن کر حسن آرا کے دل میں شوق کا پیدا ہونا

حسن آرا: جس کو پڑھنا آتا ہو کہانیوں کی کتاب پڑھ لے۔

استانی جی: بے شک!

حسن آرا: تو پڑھنا بڑی اچھی چیز ہے۔ ایک پڑھنا آ جائے تو سینکڑوں ہزاروں کہانیاں آ جائیں۔

استانی جی: پڑھنے کا یہ تو ایک ادنیٰ فائدہ ہے۔ سینکڑوں فائدے اور بڑے بڑے عمدہ ہیں جن سے لکھا پڑھا آدمی مزے لیا کرتا ہے۔ کہانیوں ہی کو دیکھو کہ بعض مرتبہ جی چاہتا ہے کہ کوئی اچھی سی کہتا ہو تو سنتے۔ اور ایسا اتفاق پیش آتا ہے کہ یا تو کسی کو نئی کہانی آتی نہیں یا آتی ہے تو اس کو فرصت نہیں۔ پس دلی کا شوق دل ہی میں رہ جاتا ہے۔ پڑھنا آتا ہو تو کتاب اٹھالی اور بیسیوں افسانہ خواں ہاتھ جوڑ آ موجود ہوئے۔ اور نگوڑی کہانیاں بھی کسی فائدے کسی گنتی میں ہیں؟ پڑھنا تو وہ چیز ہے کہ اس سے ہر طرح کی

Marfat.com

ہوشیاری آتی ہے۔ جن کے منہ پر آنکھیں نہیں' وہ ظاہری کے اندھے ہیں۔ دل کے اندھے وہ ہیں جن کو علم نہیں۔ دنیا اور دین دو ہی چیزیں ہیں۔ سو علم کے بدون دنیا بھی اکارت ہے اور دین بھی خراب ہے۔

آدمی کسی حالت میں کیوں نہ ہو' علم سے اس کو فائدہ ہی ہوگا۔ اگر مصیبت میں ہے تو علم اس کی ایسی غم گساری کرے گا جو کسی دردمند سے نہ ہو سکے۔ اور اگر خوشی میں ہے تو علم اس خوشی کو بے خرخشہ اور پائدار کرے گا۔ آسودگی اور قائم مزاجی اور استغنا اور سیر چشمی جیسی علم سے حاصل ہوتی ہے' نہ دولت سے حاصل ہوتی ہے' نہ حکومت سے۔ واری جایئے پڑھنے کے اور صدقے جایئے کتاب کے۔ فرصت کا مشغلہ' دل بہلاؤ۔ گھر بیٹھے کی سیر۔ استانی کی استانی اور سہیلی کی سہیلی۔ جو عورتیں پڑھنا نہیں جانتیں' کیسی بری طرح ان کا وقت کٹتا ہے کہ معاذ اللہ۔ اس کی غیبت' اس کی بدی' مجھ سے لڑ' تجھ سے بھڑ' یا اٹھوانٹی کھٹوانٹی لے پڑ رہیں۔ پڑھنا آتا ہو تو کتاب ہاتھ میں لے لی۔ جس ملک کی چاہی' سیر کر آئے۔ پڑھنا حاضرات کا ایک عجیب و غریب علم ہے۔ جس کو چاہا' پکڑ بلایا اور اسی سے باتیں کرنے لگے۔

حسن آرا: اچھی استانی جی' پڑھنے سے یہ کرامت بھی حاصل ہو جاتی ہے؟

استانی جی: بے شک۔ دیکھو اب یہ لڑکیاں کتابیں پڑھتی ہیں۔ گویا ان کے مصنفوں سے' جنہوں نے یہ کتابیں بنائی ہیں' باتیں کر رہی ہیں۔ غرض کہ علم جنت کا میوہ ہے جس نے کھایا ہے' وہی اس کی لذت جانتا ہے۔ کہنے اور بیان کرنے سے اس کی کیفیت ظاہر نہیں ہوتی۔ ہزاروں برس پہلے کی باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ گویا آنکھوں کے سامنے سماں بندھا ہوا ہے۔

حسن آرا: استانی جی' مجھ کو بھی پڑھنا آ جائے گا؟

استانی جی: تم اور تمہاری لونڈیوں کو' کرتب کی بد یا مشہور بات ہے۔ علم کچھ کسی کی

Marfat.com

میراث نہیں۔ جو کرے گا' اس کو آئے گا۔

حسن آرا: کتنے دنوں میں؟

استانی جی: لوگوں نے عمریں صرف کر دیں مگر علم کی اتھاہ نہیں ملی۔ پڑھتے پڑھتے ایسی چاٹ بڑھتی جاتی ہے کہ انسان سے صبر نہیں ہو سکتا اور رہا نہیں جاتا۔ کوئی مزہ ہو' کبھی نہ کبھی دل اس سے بھر ہی جاتا ہے' اور نہیں بھرتا تو علم سے۔

حسن آرا: کیا کچھ بڑی محنت کرنی پڑے گی؟

استانی جی: ذرا بھی نہیں۔ تھوڑے دنوں جب تک تم کو عبارت پڑھنی نہ آ جائے' البتہ طبیعت اکتائے گی۔ اور عبارت پڑھنی آئی تو اڑ چلیں۔ پھر تو تم کو ایسا مزہ ملنے لگے گا کہ بے پڑھے تم کو ایک چین نہ پڑے گا۔

حسن آرا: عبارت پڑھنی کتنے دنوں میں آ سکتی ہے؟

استانی جی: تم ماشاءاللہ ذہین ہو۔ اگر خوب جی لگا کر سیکھو تو چار مہینے میں۔

حسن آرا: اس قدر جلد؟

استانی جی: اور کیا۔

حسن آرا: اچھا تو مجھ کو پڑھنا شروع کرا دیجئے۔

استانی جی: پڑھنا۔ ابھی جلدی کیا ہے؟

حسن آرا: یہ دن ناحق ضائع ہو رہے ہیں۔

استانی جی: اچھی' جلدی کیا ہے؟ شروع کرنا۔ چند روز اور مکتب کا رنگ ڈھنگ دیکھو۔ جب تم کو خوب یقین ہو جائے گا کہ پڑھنا فائدے کی چیز ہے تو پڑھنے کی کیا کمی ہے۔ مکتب اسی واسطے ہے اور میں اسی واسطے ہوں۔ اچھا لڑکیو! کس کی باری ہے اور کون سی کہانی ہے؟

زبیدہ: جناب' میری باری ہے اور نواب مسیح الملک کی بیٹی کی کہانی ہے۔ یہاں تک

Marfat.com

ہو چکی ہے کہ جس بدو کی قید میں یہ لڑکی تھی' اس کی بیٹی ضمیراں کا بیاہ قرار پایا۔ مگر ارشاد ہو تو آگے کہہ چلوں؟

حسن آرا: اچھی' استانی جی' للہ! سرے سے۔

استانی جی: ہاں بی زبیدہ' حسن آرا کی خاطر پھر سرے سے خوب سمجھا سمجھا کر کہہ چلو۔ زبیدہ نے کہانی شروع کی۔

## مسیح الملک ایک بے رحم امیر کی حکایت کا آغاز

لال کنویں پر جو نواب بدل بیگ خاں ایک مشہور نواب رہتے ہیں' ان کے بزرگوں میں کوئی نواب مسیح الملک ہو گزرے ہیں۔ اسم تو ان کا بادشاہی طبیبوں میں تھا مگر بادشاہ کے مزاج میں کچھ ایسا درخوران کو ہو لیا تھا کہ سلطنت کے کل معاملات ان کے اختیار میں تھے کہ متوسلان شاہی کی دل جوئی' غریبوں کی پرورش اور مظلوموں کی دادرسی کرتے لیکن انہوں نے تو کچھ ایسے ہاتھ پاؤں نکالے کہ تھوڑے ہی دنوں میں ایک دنیا کو شاکی اور ایک عالم کو فریادی بنا لیا۔ جس سے پوچھو گلہ۔ صدہا آدمی جو دس دس پشت کے ملازم اور موروثی نمک خوار ہونے کی وجہ سے دل و جان سے خیر خواہ بادشاہ تھے' نہ خطا' نہ گناہ' موقوف کرا دیئے۔ مسیح الملک کے آوردوں کے سوائے کوئی شخص ایسا نہ بچا جس کی تنخواہ میں تھوڑی بہت کمی نہ ہوئی ہو۔ یونہی تنخواہ چھٹے مہینے ملا کرتی تھی' حکیم گری میں تو برسوں پر نوبت پہنچنے لگی۔ اور اس میں بھی کچھ ایسی کانٹ چھانٹ لگائی جاتی کہ دس والے کو چھ چھ والے کو چار بمشکل ملے پڑتے۔ بیواؤں اور یتیموں اور اپاہجوں کی معافیاں بے دریغ ضبط کر لیں۔

بادشاہ تک ان سب باتوں کی فریادیں پہنچتی تھیں۔ جب کبھی پوچھتے تو مسیح الملک یہ سمجھا دیتے کہ حضور والا! خزانے میں ٹکا نہیں رہا۔ کروڑوں کا قرضہ ہو گیا ہے۔ میں کہتا

Marfat.com

ہوں کہ جس طرح ہو سکے قرضہ چکا دوں۔ دو چار برس میں سب انتظام ہوا جاتا ہے۔ عمر بھر حضور کا نمک کھاتے رہے اور اس سرکار کی بدولت ہزاروں چین کئے۔ چند روز کے لئے اگر سب مل کر تھوڑی تکلیف جھیل لیں تو حضور بار قرض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔ اس پر بھی بادشاہ یہ فرماتے کہ لوگوں کو بے دل مت کرو۔ بلا سے میرے مصارف میں کمی ہو تو ہو لیکن نوکروں کی تھوڑی اوقات ہے۔ ان کو مت ستاؤ۔ قرضہ چار برس میں نہیں تو دس بارہ برس میں ادا ہو جائے گا۔ لیکن یہ تھوڑی اوقات کے لوگ زیادہ سختی کرنے سے تمام ہو جائیں گے۔ خدانخواستہ اگر ان میں سے ایک بھی کھسکا تو ہزاروں روپیہ خرچ کرنے سے ایسا آدمی ملنا دشوار ہے۔ ان میں کا ایک ایک آدمی جانا بوجھا اور آزمایا ہوا ہے۔ اور دیکھو جو چاہنا سو کرنا' خیرات کی رقموں میں خبردار جو تم نے کمی کی! اول تو وہ خیرات ہی کیا ہے جس کا حساب کیا جائے تو پہاڑ کے آگے رائی۔ مگر خیر' جس قدر ہو' نہایت ضروری ہے۔ مسیح الملک کے دل پر نیکی کا پرتو بھی نہیں پڑا تھا۔ فیاضی اور نفع رسانی خلائق اور رحم سے وہ بالکل بے نصیب تھا۔ بادشاہ کی باتوں کا اس پر مطلق اثر نہ ہوتا۔ آخر ظالم کی عمر کوتاہ' بچا کی شامت جو آئی۔۔۔۔

زبیدہ نے یہاں تک کہانی کو پڑھا تھا کہ استانی جی نے ہاتھ اٹھا کر کہا ''ذرا صبر کرو' اور لڑکیوں سے پوچھا ''بھلا یہ تو بتاؤ کہ بادشاہ اور مسیح الملک تمہارے عندیے میں کیسے تھے؟''

رابعہ: دونوں برے۔ مسیح الملک تو بے رحم تھا ہی' بادشاہ اس واسطے برا تھا کہ اس نے بے رحم کو ایسا اختیار کیوں دے رکھا تھا۔

حسن آرا: (خفا ہو کر) نوج اس مکتب کی لڑکیوں کی کیا بری زبان ہے! نہ یہ بادشاہ دیکھیں' نہ وزیر۔ جو چاہا بک دیا (اور رابعہ کی طرف خطاب کرتے ہوئے کہا) اپنا منہ دیکھو اور بادشاہ اور وزیر کو برا کہنا دیکھو۔ کچھ نہ ہوگا تو تم جیسی ہزاروں لونڈیاں ان کے

Marfat.com

آگے ہردم' ہرلحظہ ہاتھ باندھے کھڑی رہا کرتی ہوں گی۔

رابعہ: پھر اس سے کیا ہوتا ہے؟ بادشاہ وزیر ہونے سے یا بہت سی لونڈیاں رکھنے سے آدمی کو زور ظلم معاف ہو جاتا ہے۔

حسن آرا: زور و ظلم کیا۔ اپنے نوکروں اور اپنی رعیت پر جس طرح جی میں آیا' حکم چلایا۔ کسی کی مجال تھی کہ ان کے آگے بات کر لیتا۔ اب مرے پیچھے تم کہہ رہی ہو۔ ان کے ہوتے تمہارے بڑے بھی' کوئی رہے ہوں گے' تو حضور کہتے کہتے منہ خشک ہوتا ہوگا۔

رابعہ: تو آپ کے نزدیک بادشاہ وزیر نوکروں اور رعیت کو چاہے جتنا ستائیں بلکہ جان سے بھی مار ڈالیں تو ان کو روا ہے؟

حسن آرا: بے شک۔ جس بادشاہ کا دبدبہ نہ ہو' وہ بادشاہ کیا۔

محمودہ: بیگم صاحب' برا نہ مانئے گا۔ اگر بادشاہ ناحق میں بیٹھے بٹھائے آپ کے گھر کا تعلیقہ کر لے اور عورت مرد سب کو پکڑ کر قید کر لے تو پھر بھی آپ یہی کہے گا کہ بادشا نے واجب کیا؟

حسن آرا: ہمارا تعلیقہ کیوں کر لے اور ہم کو کیوں قید کرے؟

محمودہ: کیوں؟ آپ رعیت نہیں ہیں؟

حسن آرا: جی' رعیت رعیت میں بڑا فرق ہے۔

محمودہ: تو آپ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ غریبوں پر ظلم ہو تو مضائقہ نہیں۔

حسن آرا: اور کیا۔

محمودہ غریبوں نے ایسا کیا قصور کیا ہے؟ کیا غریبوں کی جان نہیں؟

حسن آرا: جان کیوں نہیں' مگر غریب سختی کو برداشت کر سکتے ہیں۔

استانی جی: بھلا بوا حسن آرا بیگم' اگر خدانا خواستہ تم غریب ہو جاؤ تو پھر تم کو ستانا شاید درست ہو جائے۔

حسن آرا: استانی جی۔ ہم کو ستانا کبھی بھی درست نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

استانی جی: یہ تو غضب کی ناانصافی ہے کہ غریب تو ستائے جائیں اور حسن آرا بیگم اگر خدانخواستہ غریب ہو جائیں تو معاف رہیں۔

حسن آرا: امیر اگر غریب ہو جائے تو بھی امیری کی بو کئی پشتوں تک نہیں جاتی۔

استانی جی: یہ کیوں کر ثابت ہے کہ دنیا میں بالفعل جتنے غریب ہیں' یہ سدا کے غریب ہیں؟ دولت تو چلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ امیر و غریب ہوتے رہتے ہیں۔ شہر میں کیا' دنیا میں کوئی خاندان ایسا نہ ہوگا جو سدا کا امیر یا سدا کا غریب ہو۔ دو چار پشتیں امیر جو گزری ہیں تو دو چار غریب بھی ہو گزری ہوں گی۔

## بادشاہ رعیت کا خدمت گزار ہے اور اس کے اختیارات محدود ہیں

حسن آرا: بھلا مسیح الملک کا تو قصور تھا ہی' لیکن بادشاہ بے چارے نے کیا کیا تھا؟

رابعہ: میں تو پہلے ہی بیان کر چکی ہوں کہ مسیح الملک کو ایسا ذی اختیار رکھنا بادشاہ کا قصور تھا۔

حسن آرا: بادشاہ کے ساتھ تمہارے منہ سے قصور کا لفظ سن کر مجھ کو بے اختیار ہنسی آتی ہے۔

رابعہ: آتی ہوگی لیکن نہ اتنی جتنی کہ مجھ کو بادشاہ کے ہوتے ہوئے مسیح الملک کا اختیار سن کر۔

حسن آرا: دنیا جہان کے بادشاہ تھے۔ ایک بات ان کے کان تک نہ پہنچی۔

محمودہ: بس یہی بادشاہ کا قصور تھا۔ ان کو اپنے کان ایسے کھلے رکھنے چاہئیں تھے کہ منزلوں سے نالش فریاد کی بھنک سنتے۔ اسی واسطے ان کو لوگوں نے بادشاہ بنا رکھا تھا۔

استانی جی: حسن آرا بیگم' افسوس ہے کہ تم نے کچھ پڑھا نہیں۔ جب تک تم کو پڑھنا نہ آئے گا' اسی طرح ہزاروں باتوں پر تم کو تعجب ہوگا۔ جتنے بادشاہ ہیں' سب لوگوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ جب دنیا میں آدمی بہت ہو گئے تو آپس میں لڑائی جھگڑا بھی ہونے

Marfat.com

لگا۔ بعض کم بخت ایسے برے تھے کہ قابو پا کر آدمی کو مار ڈالتے۔ مال چرا لیتے۔ بھلے مانسوں کو بے عزت کر ڈالتے۔ تب صلاح کر کے یہ تجویز ٹھہرائی کہ آؤ آپس میں کسی شخص کو سردار بنالیں۔ سب اس سردار کا حکم مانیں اور اس کی اطاعت کریں۔ اور اس سردار کا یہ کام ہو کہ وہ لوگوں کے جھگڑے طے کر دیا کرے اور رعایا کی جان و مال و آبرو کا نگہبان رہے۔ اسی کا نام بادشاہ ہوا۔ لوگوں کا کام ہے' اس کی اطاعت کرنا اور بادشاہ کا کام ہے' رعایا کو آرام دینا تا کہ کوئی ظلم زیادتی نہ کرے۔ ہاں صاحب' کہانی آگے چلے۔ ہاجرہ: جناب مجھ کو تو بڑی دور جانا ہے اور چھ گھڑی کی توپ اب چلی کہ چلی۔ پھر راستہ بند ہو جائے گا۔ مجھ کو تو اجازت ہو۔

استانی جی: اچھا' اب ملتوی کرو۔ ان شاء اللہ پھر دیکھا جائے گا۔

حسن آرا کو کہانیاں سننے کا اس قدر شوق تھا کہ کہانی کا ملتوی کیا جانا اس کو ناپسند ہوا۔ ہاجرہ سے کہنے لگی ''اے ہے! ذرا کے ذرا ٹھہر جاؤ۔ کہانی تو ختم ہو لینے دو۔ جہاں سے چھوٹی تھی' ابھی وہاں تک تو نہیں ہوئی''

ہاجرہ: نہیں بوا۔ دیر بہت ہو گئی ہے۔ میں تو نہیں ٹھہر سکتی۔

حسن آرا: اے ہے' آج کی رات یہیں رہ جانا۔ نہیں تو ہمارے گھر چلی چلنا۔

ہاجرہ: بھلا یہ بھی کوئی موقع ہے؟ کہانی کے لالچ سے میں رہ جاؤں؟ میری اماں راہ دیکھ رہی ہوں گی۔

حسن آرا: اے ہے! کہانی کے نا تمام رہنے سے تمہارا جی نہیں کڑھتا؟

ہاجرہ: جی کڑھنے کی کیا بات ہے۔ ایسا ہی مجھ کو کہانی کا سننا ہو تو کیا میں آپ نہیں پڑھ سکتی؟ غرض لڑکیاں رخصت ہوئیں۔

## حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا

حسن آرا چلنے لگی تو اس نے محمودہ کو الگ لے جا کر کہا کہ محمودہ بیگم' بھلا اتنا پڑھنا

Marfat.com

کہ میں کہانی کی کتاب آپ پڑھ لیا کروں' کتنے دنوں میں آ جائے گا؟

محمودہ: جی لگا کر پڑھو تو چار مہینے میں' بلکہ شاید اس سے بھی کچھ کم میں۔

حسن آرا: اچھی' تو مجھ کو کل سے شروع کرا دو۔

محمودہ: استانی جی سے کہو۔

حسن آرا: کہا تھا۔

محمودہ: پھر؟

حسن آرا: استانی جی نے کہا' ابھی جلدی کیا ہے۔

محمودہ: استانی جی کو ابھی تمہارے شوق کی طرف سے اطمینان نہ ہوا ہوگا۔

حسن آرا: کچھ ایسی ہی بات ہے۔

محمودہ: تو چند دن صبر کرو۔

حسن آرا: نہیں میں تو کہتی ہوں کہ آج مجھ کو کہانیوں کی کتاب پڑھنی آ جائے۔

محمودہ: پھر میں استانی جی سے کہہ دوں گی۔

حسن آرا: اس میں کیا قباحت ہے کہ تم چپکے سے مجھ کو پڑھا دیا کرو؟

محمودہ: قباحت کی کیا بات ہے؟

حسن آرا: استانی جی خفا نہ ہوں۔

محمودہ: ہرگز نہیں۔ اور ایسا ہی خیال ہے تو خود استانی جی سے کیوں نہیں شروع کرتیں؟

حسن آرا: مجھ سے چھوٹی چھوٹی لڑکیاں فرفر کتابیں پڑھتی ہیں۔ مجھ کو اتنی بڑی ہو کر الف بے پڑھتے شرم آتی ہے۔

محمودہ: بہت خوب! میں آپ کو کوٹھے پر لے جا کر اس طرح چپکے سے پڑھا دیا کروں گی کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو۔

حسن آرا: ضرور؟

Marfat.com

محمودہ: ضرور۔

حسن آرا: اچھی' استانی جی سے بھی نہ کہنا۔

محمودہ: نہیں۔

غرض یہ باتیں ہو ہوا کر حسن آرا چلنے لگی تو استانی جی نے دو عورتوں کو ساتھ کر دیا۔ گھر تو پاس تھا ہی۔ بات کی بات میں جا پہنچی۔

سلطانہ بیگم: آہا حسنا! میں نے تو جانا آج تم وہیں رہیں۔

حسن آرا: نیند آتی تو رہ جانے کا کیا تھا۔

سلطانہ بیگم: کیا تم کو اب تک نیند نہیں آئی؟ بچپن سے اب تک ہمیشہ دن ڈوبا اور تم سوئیں۔

حسن آرا: یہ مجھ کو آج معلوم ہوا کہ بے شغلی کی وجہ سے میری نیند بڑھتی جاتی ہے۔ دیکھیے' آج نہ تو سوئی اور نہ کچھ کسل معلوم ہوا۔

سلطانہ: آج ایسے کس کام میں تھیں؟

حسن آرا: کام تو کچھ بھی نہیں مگر وہاں کی باتوں میں ایسا جی لگتا ہے کہ دن رات سنا کیجئے۔

سلطانہ: ہم کو بھی تو کچھ سناؤ۔

حسن آرا: اب تو رات زیادہ ہوگئی ہے اور مجھ کو سویرے اٹھنا ہے۔ جلدی نہ سو رہوں گی تو تڑکے آنکھ کا کھلنا مشکل ہے۔

سلطانہ: اب تم سویرے اٹھ چکیں۔

حسن آرا: ان شاء اللہ ایسے سویرے اٹھوں گی کہ آپ دیکھیے گا۔ انا تم کہا کرتی ہو کہ میں اٹھتی ہوں تو تارے چھپکے ہوتے ہیں۔ بس ضرور ضرور مجھ کو اسی وقت اٹھا بٹھانا۔ دیکھو! خبردار! بھولنا مت۔

انا: جگا تو میں دوں گی۔ اٹھنا نہ اٹھنا تمہارے اختیار میں ہے۔

Marfat.com

حسن آرا: اگر میں نہ اٹھوں تو ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار دینا۔

انا: یہ تو مجھ سے نہ ہوگا کہ غفلت کی نیند میں تم کو حیران کروں۔

حسن آرا: میں کہتی ہوں نا کہ جگا دینا۔ پھر تم کو میری حیرانی کا خیال ناحق ہے۔

انا: بیٹی، تم کہتی تو ہو لیکن میری ایسی کیا شامت ہے کہ صبح سویرے تم کو چھیڑ کر اپنا برا ہڈ را کراؤں؟

حسن آرا: نہیں، نہیں۔ خدا کی قسم، میں ہرگز برا نہ مانوں گی۔ ضرور جگا دینا۔

سلطانہ: آخر تم کو ایسے سویرے اٹھنے کی ضرورت کیا ہے۔ بس معمول سے ذرا پہلے اٹھ جانا۔

حسن آرا: واہ! میں نے شرط کر لی ہے۔ اگر میں نہ بھی اٹھوں تو سوتی کو بڑے تڑکے اندھیرے منہ مکتب میں پہنچا دینا۔ انا دیکھو، پھر کہے دیتی ہوں۔ ضرور اٹھا دینا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

## حسن آرا سویرے اٹھنے لگی

انا اپنے معمول پر اٹھی۔ سلام پھیر، دعا مانگ، ڈرتے ڈرتے حسن آرا کی چارپائی کے پاس جا کر آواز دی۔ حسن آرا کا یا تو یہ حال تھا کہ بیسیوں آوازیں دیے جاؤ، ہونکارتک نہیں اگر نیند سے ہوشیار بھی ہوئی تو جب آواز دی، کبھی انگڑائی لے کر رہ گئی، کبھی اس کروٹ سے اس کروٹ ہو لیٹی۔ ان کی آواز سن کر جھٹ پٹ اٹھ ہی تو بیٹھی۔ بہتیرا چاہا کہ آنکھیں کھولے، پلکوں کو چیرا پھاڑا مگر یہ معلوم ہوا کہ جیسے سی دی ہیں یا گوند سے جما دی ہیں۔ اور جو ٹمٹما کر ذرا کی ذرا کھولیں بھی تو ایسا دکھ معلوم ہوا کہ گویا کسی نے پلکوں میں مرچیں بھر دیں۔ مگر کل کا وعدہ اور کڑاہی کی خوشی پیش نظر تھی۔ ہاتھ پھیلا دیے۔ انا نے پیار سے گودی میں اٹھا لیا اور کہا، بیٹا اب تو بہت سویرا ہے۔ صدقے گئی، ایک نیند اور لے لو۔

Marfat.com

حسن آرا: نہیں بی، نہیں مجھ کو ابھی مکتب لے چلو۔

انا: بیٹا منہ تو دھولو۔ کچھ ناشتا کرلو۔ تب جانا۔

حسن آرا: (ٹھنک کر بولی) اے ہے! اللہ! دیکھو، کم بخت دیر لگائے چلی جارہی ہے۔ لے نہیں چلتی وہاں۔ سب لڑکیاں آ گئی ہوں گی۔

غرض کہ انا مکتب میں لائی۔ حسن آرا کچھ تو آنکھیں کھولتی آئی ہی تھی، یہاں آ کر دیکھا کہ واقع میں بڑی چھوٹی لڑکیاں سب موجود ہیں مگر کوئی کتاب کھولتی جاتی ہے۔ کسی نے آموختہ پڑھنا شروع کر دیا ہے، کوئی ابھی مطالعہ لے کر بیٹھی ہے۔ یہ دیکھ کر حسن آرا کی رہی سہی آنکھیں بھی کھل گئیں۔

محمودہ: آہا! بیگم صاحب! ایسے سویرے! ماشاالله! خوب ہی آپ وعدے کی پکی اور ارادے کی پکی ہیں۔

حسن آرا: کیا وعدہ اور کیا ارادہ ہے۔ آخر سب کے پیچھے ہی آئی۔

محمودہ: گو آپ سب کے بعد آئیں مگر پہلے ہی دن آپ اتنے سویرے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بڑی مضبوطی کی بات ہے۔ اس اعتبار سے آپ ہی سب سے پہلے آئیں۔

حسن آرا: کڑا ہی کی فرمایئے۔

محمودہ: سب تیار ہے۔ آپ ہاتھ منہ دھولیں تو شروع ہو۔

محمودہ نے لوٹا، پانی، سلچی، منجن، آئینہ، کنگھی، تیل، سب سامان سامنے لا کر رکھ دیا۔

حسن آرا: کیا خوب! یہ مجھ کو ناحق میں کیوں گناہ گار بناتی ہیں؟

محمودہ: ہم غریب لوگ ہیں۔ تکلف کا سلیقہ نہیں رکھتے۔ اس کو چاہے آپ بھونڈا پن سمجھیں ہم سب طرح کا کام اپنے ہاتھوں کرلیا کرتے ہیں۔ اور آپ دیکھیے گا کہ کبھی ہماری آپس میں لڑائی نہیں ہوتی۔ کوئی کام ہو اور کسی کے کرنے کا ہو سب نے مل کر کرلیا۔ ایک دوسرے کو سہارا لگا دیا۔ اور یہ بات کچھ بناوٹ اور دکھاوے کی غرض سے

Marfat.com

نہیں۔ حاضر و غائب ہم سب لڑکیوں میں بڑی سچی محبت ہے۔ ایک ایک کو سگی بہن سے بڑھ کر ہے۔ ہاتھ خدا نے کام ہی کے واسطے دیئے ہیں۔ اور لوٹا پانی لا کر رکھ دینا' بھلا یہ بھی کوئی کام ہے؟

مکتب کی لڑکیوں نے مل کر پکوان تلا اور حسن آرا کام کاج میں شریک ہوئی۔ مگر کام کی عادت نہ تھی چھوٹے چھوٹے کاموں میں بڑی دقت ہوئی

غرض ادھر تو حسن آرا ہاتھ منہ دھوتی رہی اور ادھر محمودہ نے استانی جی سے کہا کہ اگر آپ ارشاد کریں تو کڑاہی کا سامان کئی دن سے آیا ہوا رکھا ہے' اس وقت ٹھنڈک بھی ہے۔ سویرے کا وقت ہے۔ ہم سب مل کر تل تلا لیں۔

استانی جی: بہت خوب! مگر حسن آرا بیگم کو بھی شریک رکھنا۔

محمودہ: بسر و چشم!

اس کے بعد کوٹھڑی کھول' سب سامان نکال' باورچی خانے میں لے گئیں۔ کسی نے بیسن گھولنا شروع کیا' کوئی نکیاں گھڑنے لگی' کوئی پیاز کترنے کو بیٹھ گئی۔ غرض سب کی سب کام میں لگ گئیں۔

حسن آرا: محمودہ بیگم' کوئی کام مجھ کو بھی بتاؤ۔ یہ تو مناسب نہیں کہ سب کام کریں اور میں کھڑی منہ دیکھوں۔

آمنہ: آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں۔ ہم سب کئے لیتے ہیں۔ صرف آپ سیر کیجئے۔

محمودہ: نہیں۔ اس میں کچھ قباحت کی بات نہیں۔ کوئی کام ہو' کرنے ہی سے آتا ہے۔ مگر کون سا کام بتاؤں؟ مسالا پیسنا' میدہ گوندھنا' تلنا' بہتیرے کام ہیں۔ ان میں سے جو آپ سے ہو سکے' کیجئے۔

Marfat.com

حسن آرا: مسالا تو مجھ سے نہیں پسے گا۔ پہلے ہی رگڑے میں میرے تو کھوئے رہ جائیں۔ میدہ کہے تو البتہ گوندھ دوں۔

محمودہ: میدہ گوندھنا بھی بڑے زور کا کام ہے بلکہ مسالا پیسنے سے زیادہ محنت ہے۔

حسن آرا: بلا سے ہے' مگر مجھ کو منظور ہے۔

محمودہ: آخر اس کا سبب؟

حسن آرا: کچھ ہے۔

محمودہ: کیا کچھ پردے کی بات ہے؟

حسن آرا: (جھینپ کر) جی' میدہ گوندھ' ہاتھ دھو دھا' کھڑی ہو جاؤں گی اور مسالا پیسوں گی تو ہلدی کا رنگ کلنک کا سائیکا' دو چار دن تو چھوٹتا نہیں۔ ناحق مجھ کو شرمندہ ہونا پڑے گا۔

محمودہ: شرم کی اس میں کیا بات ہے؟

حسن آرا: آپ کو نہیں' مجھ کو تو ہے۔ ہلدی بھرے ہوئے ہاتھ لوگ دیکھیں گے تو کیا کہیں گے؟

محمودہ: اپنی اپنی سمجھ ہی تو ہے۔ بعضوں کو کام کرنا عیب ہے' بعضوں کو دوسروں کا پکایا ریندھا احدیوں' اپاہجوں کی طرح کھانا عار ہے۔ غرض اتنا سمجھایا میری کی بوآپ کے دماغ سے نہ گئی پر نہ گئی۔

حسن آرا: اصیل مرغے کی ایک ٹانگ جان جائے پر آن نہ جائے۔

محمودہ: پھر کچھ زبردستی ہے؟ آپ آرام سے بیٹھئے۔ جو کچھ توفیق ہوگی ہم آپ کو بیٹھے بٹھائے چڑھا آئیں گی۔

حسن آرا: آپا' کچھ تم کو بھی ضد ہے۔ تم کو اپنے کام سے کام۔ آخر میدہ کوئی نہ گوندی

Marfat.com

گوندھے گا ہی۔ میرا ہاتھ لگ جائے گا تو کیا کیڑے پڑ جائیں گے؟

محمودہ: کیڑے تو نہیں مگر لوچ توڑ توڑ ستیاناس کرے رکھ دوگی۔ امیری کی شیخی بگھارنے کے سوائے اور بھی کچھ تم کو آتا ہے؟

حسن آرا: خیر کچھ اور کام مجھ کو دیجئے۔

محمودہ: کون سا کام دوں؟ مسالا تو تم پیسنا نہیں چاہتیں' آٹا بھی تم کو گوندھنا نہیں آتا۔ اور کون سا کام بتاؤں؟ خیر مسالے کی سل کے نیچے ادرک پڑی ہوئی ہے۔ چھوٹی چھوٹی دوگری نکال کر کتر ڈالئے۔

حسن آرا: ہاں' یہ کام میرے کرنے کا آپ نے بتایا ہے۔ دیکھیے گا' کیسے باریک لچھے کترتی ہوں۔

محمودہ: خدارا اس لائے۔

حسن آرا دوڑی' جا' سل کو اٹھانے لگی۔ سل تھی بوجھل۔ ایک بالشت بھر تک تو حسن آرا نے ہمت کر کے اٹھالی۔ آخر نہ سنبھل سکی۔ چھوٹ پڑی اور چھوٹی تو ہاتھ پر گری۔ حسن آرا بلبلا اٹھی۔ سب لڑکیاں دوڑ گئیں۔ جا کر دکھا تو حسن آرا سل کے تلے ہاتھ دیئے بیٹھی ہیں۔ چہرے کی رنگت زرد ہے۔ اور تھر تھر کانپ رہی ہیں۔ جلدی سے سل اٹھا کر الگ کی۔ ہاتھ دیکھا۔ کچل تو گیا تھا مگر زمین گیلی اور پولی تھی' چوٹ نہیں لگی۔

حلیمہ: واہ بیگم صاحب بڑے کچے دل کی ہو۔ تم تو ایسی بلبلائیں کہ ہم سب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

حسن آرا: منہ پر آنکھیں ہیں یا نہیں؟ اتنی بڑی سل تمہارے پر گرتی تو جانتیں۔

حلیمہ: گرتی ہی کیوں؟

حسن آرا: کیا خوب! ایک نہ شد دو شد۔ بھلا میں نے تو بالشت بھر اٹھا بھلی لی۔ تم ذرا ہلا بھی دو تو سلام کروں۔

Marfat.com

حلیمہ: ہاں؟

حسن آرا: ہاں۔

## علم جرثقیل کا مختصر تذکرہ

حلیمہ نے وہیں چولہے کے پاس سے ایک نوک دار لکڑی اٹھا' پتلا سرا سل کے نیچے اڑا' جوں ہی دوسرا اٹھایا کہ سل کھٹ سے دوسری جانب جا پڑی۔

حسن آرا: بہن! یہ تو تم نے کمال ہی کیا۔

محمودہ: کمال کی اس میں کیا بات ہے؟ علم جرثقیل میں اسی قسم کی ہزاروں باتیں ہیں۔ حکمت بڑی چیز ہے۔ اکیلا آدمی حکمت کے زور سے ہزاروں من کا بوجھ تنکے کی طرح اٹھا کر پھینک دے۔ سل کی کیا اصل ہے۔

حسن آرا: اب آپ لوگ اپنا اپنا کام کیجئے۔ میں ادرک کترتی ہوں۔

محمودہ: رہنے دیجئے۔ کوئی اور لڑکی کترے گی۔ آپ کا ہاتھ بھی دکھتا ہوگا۔

حسن آرا: نہیں میں تو اب کتر کے رہوں گی۔

حسن آرا نے باورچی خانے کے چاقو سے جو ایک گرہ چھیلی تو چاقو کند معلوم ہوا۔ آپ نے کیا کیا۔ محمودہ کے قلمدان سے راجس کا نیا چاقو نکال ادرک چھیلنا شروع کیا۔ ادرک کے عرق سے اول تو چاقو کی آب گئی گزری ہوئی' دوسرے چاقو تیز' ادرک نرم۔ تین چار مرتبہ کچ کچ چاقو ہاتھ میں لگا اور اوپر سے پہنچا ادرک کا عرق۔ خوب ہی مرچیں لگیں۔ مگر حسن آرا نے شرم کے مارے اس کو چھپایا۔ ادرک بھی اچھی نہ کتری گئی۔ ادرک کتر کر لائی تو اس میں سرخی جھلملاتی تھی۔ محمودہ نے دیکھ کر کہا۔ ''اے ہے! کیسی لال لال ادرک ہے۔ کہیں گل تو نہیں گئی؟'' دھویا تو خاصی سفید سفید ادرک نکل آئی۔ تب تو شبہ ہوا کہ شاید حسن آرا نے کہیں اپنا ہاتھ کاٹ لیا۔ گھبرا کر کہا ''دیکھوں ہاتھ''۔

Marfat.com

حسن آرا نے تامل کے بعد دکھایا تو معلوم ہوا کہ کوئی انگلی نہ تھی جس میں دو چار خراشیں نہ ہوں۔

محمودہ: اے ہے! یہ کیا کیا؟ کس چاقو سے ادرک کتری؟

حسن آرا: جس سے آپ قلم بناتی ہیں۔

محمودہ: بھلا قلم تراش سے کوئی ترکاری بناتا ہے؟ اسی واسطے میں آپ کو کام دیتے ہوئے ڈرتی تھی۔ دیکھیے' آپ نے ہاتھ زخمی کر ہی لیا۔

حسن آرا: بلا سے ہاتھ کا کیا ہے۔ اچھا ہو جائے گا۔ مگر چاقو کیسا بدرنگ ہو گیا ہے۔ یہ کیوں کر درست ہو گا؟

محمودہ: قربان کیا چاقو نگوڑا۔ بگڑ گیا' بگڑ گیا۔ جلدی سے پانی میں بگھو کر کپڑا انگلیوں پر لپیٹ لیجئے' اور خدا کے لئے کتب میں جا کر بیٹھے۔

حسن آرا: واہ! میں تو کام کر ہی لوں گی۔

محمودہ: کیا استانی کو خفا کرانے کی مرضی ہے؟ حاشا میں تو اب کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانے دوں گی۔

حسن آرا: میں بہت احتیاط سے پوچھ پوچھ کر کروں گی۔ اچھی' کچھ تو بتاؤ۔

حسن آرا نے اتنا اصرار کیا کہ محمودہ سے کچھ نہ بن پڑی اور مجبور ہو کر کہا: ''خیر آپ آگ سلگا کر گھی کو کڑا ڈالیے'' حسن آرا نے تو سمجھا کہ بڑا آسان کام ملا۔ جلدی سے لکڑیاں' اپلے چولہے میں بھر دیئے۔ دیا سلائی سلگا' پھونکنے۔ بہتیرا دھونکا' آگ بھلا کب سلگتی ہے۔ منہ بھی تمتما اٹھا۔ ناک اور آنکھ دونوں سے پانی جاری ہے۔ دھواں غٹ غٹ تمام مکان میں بھرا ہوا ہے۔ مگر لڑکیوں کو خبر نہیں۔ جب لڑکیاں سامان درست کر چکیں تو محمودہ نے پوچھا:

''کیوں بیگم صاحب' گھی کیا کہہ رہا ہے؟''

Marfat.com

حسن آرا: لکڑیاں کم بخت ایسی گیلی ہیں کہ آنچ ہی نہیں ہوتی۔

محمودہ: کیوں دیانت؟ اتنا کہہ دیا تھا کہ برسات کے دن ہیں' لکڑیاں دیکھ کر سوکھی ہوئی لانا۔ آخر وہی گیلی پانی اٹھالائیں۔

دیانت: بیوی' لکڑیاں تو ایسی خشک ہیں کہ برسات کی ہوا تک بھی ان کو نہیں لگی۔ بیچ ڈھیر میں سے اپنے سامنے نکلوا کر لائی ہوں۔ دو دن ہوئے انہی لکڑیوں سے کھانا پکتا ہے۔ ایسی ڈھڑ دھڑ جلتی ہیں کہ پھونکنا بھی نہیں پڑتا۔

## حسن آرا نے کام تو بگاڑا آپ اور ماما پر ناحق خفا ہوئی

حسن آرا کو ایک تو پہلے پہل چولہا پھونکنے کا اتفاق ہوا اور اس پر طرہ یہ کہ دو گھڑی کامل حیران ہوئی اور آگ نہ سلگی۔ یوں ہی کھسیانی ہو کر جلی بھنی بیٹھی تھی۔ ماما دیانت نے جو اس کے خلاف تقریر کی' اور بھی آگ بگولا ہو کر بولی ''اری جھوٹی نامراد! ذرا پھوٹے ہوئے دیدوں سے آ کر دیکھ تو سہی کہ گیلی ہیں یا نہیں؟ کون وقتوں سے سر کھپا رہی ہوں۔ انہی کو سوکھی لکڑیاں کہتے ہیں؟ نہ ہوئی تو اس وقت میرے گھر کی ماما' نہیں تو چپلوں سے مارتے مارتے نامراد تجھ کو فرش کر دیتی''

ماما دیانت حسن آرا کا بیہودہ کلام سن کر مارے غصے کے کانپ اٹھی اور چاہتی تھی کہ جواب دندان شکن دے کہ استانی جی نے اشارے سے روکا۔ لڑکیوں کو بھی حسن آرا کی بات نہایت ناگوار گزری اور قریب تھا کہ سب کڑاہی چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو بیٹھیں۔ محمودہ استانی جی کے اشارے کا مطلب سمجھ گئی۔ اس نے لڑکیوں کو کنایے سے باز رکھا اور خود چولہے کے پاس جا کر کہنے لگی: ''ذرا میں بھی تو دیکھوں' کیسی لکڑیاں ہیں۔'' دیکھا تو اندر تک حسن آرا نے لکڑیاں ٹھونس رکھی ہیں۔ راکھ کا اٹم کا اٹم بھرا پڑا ہے۔ محمودہ نے سب لکڑیوں کو باہر نکال پہلے تو راکھ صاف کی' پھر چار لکڑیوں کو اوپر تلے آڑا رکھ جھینا چولہے

Marfat.com

کے باہر کی طرف لگا کر ایک مرتبہ ذرا کے ذرا پھونکا تھا کہ آگ بھڑک اٹھی۔

حسن آرا: آپ نے تو کمال ہی کیا!

محمودہ ہنس کر بولی ''کم بخت آگ جلانے میں بھی کچھ کمال کی بات ہے۔ مگر اسی واسطے میں نے کہا تھا کہ کوئی کام ہو بے کئے نہیں آتا۔ لکڑیاں کیا کریں۔ اول تو مونہا منہ راکھ بھری پڑی تھی۔ اس پر آپ نے لکڑیاں اتنی ٹھونس دیں کہ ہوا کا گزر نہ ہوا۔ آگ جلے تو کیوں کر جلے؟ مشہور بات ہے کہ جھینا جتنا ہلکا ہو اتنا ہی جلد جل اٹھتا ہے''

حسن آرا: مجھ کو یہ حکمت معلوم ہوئی

محمودہ: بے شک! جو کام کبھی نہیں کیا' اس میں آدمی ضرور عاجز ہوتا ہے۔ مگر آپ نے ایک بات بہت بے جا کی۔

حسن آرا: وہ کیا؟ کہیں میں نے کوئی اپنا کپڑا تو نہیں جلا لیا؟ (یہ کہہ کر لگی اپنے کپڑوں کو دیکھنے)۔

محمودہ: خیر سے اپنا کپڑا نہیں جلایا' دوسرے کا دل جلایا۔

حسن آرا: ماما کو جو ذرا میں نے گھرکا' اس پر آپ کہتی ہوں گی۔

محمودہ: للّٰلہ میری خطا معاف! اول کو یہ فرمایئے کہ آپ کی خفگی بے جا تھی یا نہیں؟ قصور تو اپنا۔ آگ تک تو خیر سے اپنے تئیں سلگانی نہ آئے اور ماما بے چاری ناحق فضیحت ہو۔

حسن آرا: البتہ اتنا قصور میرا تھا۔ مگر ماما کو بیچ میں بول اٹھنا کیا ضرور تھا؟

محمودہ: ماما آپ سے نہیں بولی۔ میں نے پوچھا تو اس نے جواب دیا تھا۔

حسن آرا: پھر بھی میری بات کو کاٹنا اس کو مناسب نہ تھا۔

محمودہ: وہ ہرگز اس بات سے واقف نہ تھی کہ آپ برسرِ ناحق بھی ہوں تو آپ ہی کی تائید کرنی چاہیے۔

حسن آرا: کیا وہ نہیں جانتی کہ میں امیر زادی ہوں؟

Marfat.com

محمودہ: شاید جانتی ہو۔

## خیرات دے کر احسان جتانا

حسن آرا: شاید میں اس کو خوب پہچانتی ہوں۔ رمضان کے رمضان ہمارے یہاں لنگر سے برابر کھانا لینے جایا کرتی تھی۔ اب چار دن سے آپ کے یہاں نوکر ہے تو اس کے مغز چل گئے ہیں۔ وہ دن بھول گئی۔

محمودہ: لنگر آپ کے یہاں کیوں تقسیم ہوا کرتا ہے؟

حسن آرا: نام خدا پر تقسیم ہوا کرتا ہے۔

محمودہ: نام خدا اسی کا نام ہے کہ جو بھی اس میں سے کھانا لے' وہ عمر بھر آپ کا غلام نا رہے اور جس طرح اور تنخواہ دار آپ کی تعظیم کرتے ہیں' وہ بھی کیا کرے؟ ایسے لنگر کا خاک ثواب ہوگا؟

حسن آرا: تعظیم نہ کرے تو ہم کو جوتیاں مار لیا کرے۔

محمودہ: توبہ توبہ جوتیوں کا یہاں کیا مذکور ہے؟

حسن آرا: بوا' ایسے کم حیثیت لوگوں کا بے باکی سے بول اٹھنا بھی جوتیاں ہی مارنا ہے۔

محمودہ: جب لنگر خدا کے نام پر ہوا تو پھر آپ کا کچھ احسان نہیں۔ ایک خیرات کے دو دو بدلے تو نہیں ہو سکتے کہ عاقبت کا ثواب بھی لو اور دنیا میں بھی ادب اور تعظیم کی خواہاں رہو۔ پس خیرات دے کر یہ امید پیدا کرنا کہ یہ ہمارا ادب کرے' توقع بے جا ہے اور اس کو دل سے جگہ نہ دو تو آدمی آدمی سب برابر۔ جیسی آپ ویسی میں' ویسی ماما۔

حسن آرا: آپ کو اپنے تئیں ماما کے برابر سمجھنے کا اختیار ہے مگر میں تو خدا کے فضل سے خاصی امیر زادی ہوں۔ اور ایسی ایسی اب بھی دس بیس تو ہمارے گھر نوکر ہوں گی۔

Marfat.com

## حسن آرا نے جو ماما کی فضیحت کی تھی
## محمودہ کا اس کو ملامت کرنا اور خطا معاف کرانے پر مجبور کرنا

محمودہ: یہ بڑی زبردستی ہے کہ آپ امیر ہیں تو دنیا میں جو ہے' آپ کا ادب کرے' اور نری ہٹ دھرمی ہے کہ آپ امیر ہیں تو جس کو جی میں آئے گالیاں دے لیا کیجئے۔

حسن آرا: میں نے تو کوئی گالی نہیں دی۔

محمودہ: گالی کے سر سینگ ہوتے ہیں؟ آپ نے جھوٹی کہا' نامراد کہا' مردار کہا' دیدوں پھوٹی کہا اور یہ کہا کہ چپلوں سے مارتے مارتے فرش کر دیتی۔

حسن آرا: یہی گالی ہے تو خدا حافظ۔ اب کیا میں ان کو جناب کہتی خداوند بناتی؟

محمودہ: کیا ضرور ہے کہ کہے تو جناب اور خداوند کہے یا ایک دم سے جھوٹی' نامراد' دیدوں پھوٹی بنائیے۔ یہی لفظ' برا نہ مانیے' اگر کوئی آپ کو کہے' کیسا برا لگے۔

حسن آرا: مجھ کو برا لگے تو لگے لیکن یہ لوگ اسی اوقات کے ہیں۔ ان کو برا ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

محمودہ: ہاں بس یہی غلطی ہے۔ یہ ماما اس اوقات کی نہیں ہے۔ غریب تو ہے مگر عزت دار ہے۔ بے شک آپ کے نزدیک دولت ہی عزت ہے اور میرے نزدیک بلکہ خدا رسولؐ کے نزدیک دنیا کے عقلمندوں کے نزدیک نیکی بڑی عزت ہے۔

حسن آرا: بھلا میں بھی دیانت بیگم کی کچھ نیکیاں سنوں۔ کون سا لنگر تقسیم کرتی ہیں؟ کوئی سرائے مسافروں کے آرام کے لئے بنوا دی ہے؟ جنگل میں پیاسوں کے واسطے کوئی کنواں کھدوایا ہے؟ کسی بیوہ کی تنخواہ کر رکھی ہے؟ مسجد کے مسافروں کو کھانا مقرر ہے؟

محمودہ: کیا بس یہی نیکیاں ہیں یہ وہ نیکیاں ہیں جو دولت مندوں کے حصے میں

Marfat.com

ہیں۔ اب میں دیانت کی نیکیاں گنواؤں۔ دیکھیے' اس قدر تو غریب ہے کہ ماما گیری کرتی ہے مگر اتنی بڑی ایماندار ہے کہ لاکھ کو خاک سمجھتی ہے۔ چھ چپاتیاں صبح چھ شام اس کو یہاں سے ملتی ہیں۔ پانچ کبھی چار آپ کھاتی اور ڈیڑھ ایک ضرور خدا کے نام مسجد میں دے آتی ہے۔ اس کی ایک چپاتی آپ کے لنگر سے کہیں زیادہ ہے۔ دیکھیے' یہ عمر ہے کہ ناکا تک نہیں سوجھتا۔ آپ جانتی ہیں کہ اب یہ بغچہ کھول کر کیوں بیٹھی ہیں؟ ہمسائی کے بچوں کے کپڑوں میں پیوند لگائیں گی۔ دونوں وقت مفت میں چھ سات گھروں کا سودا لا دیا کرتی ہیں۔ ہمسایوں میں کوئی بیمار ہو' خدا واسطے کو اپنے ہاتھوں قارورہ حکیم کے یہاں لے جانا' عطار کی دکان سے نسخہ بندھوا لانا' چھان بنا کر پلانا اور دن میں دس دس مرتبہ جا کر پوچھا۔ جھوٹ کبھی نہیں بولتی۔ چغلی کسی کی نہیں کھاتی۔ پیٹھ پیچھے کسی کو برا نہیں کہتی۔ کسی کے کام میں عذر نہیں۔ سب کو نیک صلاح' نیک نصیحت۔ آپ اس کو بے غیرت سمجھیں۔ آپ کے بڑے حکیم صاحب جب تشریف لائے اور یہاں ملنے کو آئے ہمیشہ دیانت کو پوچھا اور بہت التفات کے ساتھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔

حسن آرا: آہا! تو دیانت بڑی نیک ہے!

محمودہ: بے شک' فرشتہ آدمی ہے۔ استانی جی اتنا ادب کرتی ہیں کہ کوئی ماؤں کا بھی نہ کرتا ہوگا۔

حسن آرا: کیا سچ مچ دیانت کو میری بات بری لگی ہوگی؟

محمودہ: یہ بات تو بری لگنے ہی کی تھی۔ شاید اس نے اپنی نیک مزاجی کی وجہ سے برا نہ مانا ہو تو نہ مانا ہو۔

حسن آرا: بھلا پھر ہوگا کیا؟

محمودہ: ہونا کیا تھا؟ اس بے چاری کے پاس لشکر ہے کہ آپ سے بدلہ لے گی؟

حسن آرا: اچھا اور کیا کرے گی؟ بہت کرے گی اماں جان سے جا کہے گی۔ سو میں اماں جان سے کچھ ڈرتی ڈراتی نہیں۔

Marfat.com

محمودہ: اس سے اطمینان رکھئے کہ آپ کی اماں جان تو کیا' ماما کسی سے اس کا مذکور تک تو کرنے کی نہیں۔ بڑے ضبط کی آدمی ہے۔

حسن آرا: پھر کیا خوف ہے؟ کہہ دیا کہہ دیا۔

محمودہ: اے ہے! یہی تو بڑا غضب ہے۔ اگر اس کا دل دکھا ہے تو ایسا نہ ہو کہیں خدا کو برا لگا ہو۔ اس کی مار بلا کی مار ہے۔ اس کی لاٹھی میں آواز نہیں۔ دم کے دم میں جو چاہے کر گزرے۔ اچھے بچھے کو اندھا کوڑی کر دے۔ بادشاہ سے بھیک منگوا دے۔

حسن آرا: اچھی تو خدا کے لئے دیانت سے میرا قصور معاف کرا دو۔

محمودہ: میں خطا میں شریک نہ تھی تو اب معافی میں بھی شریک نہیں ہوں گی۔ آپ ہی نے اس کو ناحق برا کہا۔ آپ ہی اس سے خطا معاف کرائیے۔

حسن آرا: اچھا' ذرا دیانت الگ ہو تو میں کہوں گی۔

محمودہ: الگ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

حسن آرا: ہاں' اب سب کے سامنے میں امیر زادی ہو کر' ایک ماما کے آگے ہاتھ جوڑوں؟

محمودہ: انصاف تو یہی ہے کہ سب کے سامنے اس کو ذلیل کیا تو سب کے سامنے ہی اس کو خوش بھی کیجئے۔ امیری آپ کے مغز میں کچھ ایسی سما رہی ہے کہ نہیں معلوم آپ اپنے تئیں کیا سمجھتی ہیں۔ جب آپ کے منہ سے غرور کی بات میں سنتی ہوں' لرز اٹھتی ہوں کہ دیکھیے خدا خیر کرے۔

یہ سن کر حسن آرا دوڑی دوڑی جا دیانت سے لپٹ گئی اور رونے لگی۔ دیانت کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور جھٹ اس نے حسن آرا کو اٹھا گلے سے لگا لیا اور ہزاروں دعائیں دیں۔ حسن آرا خطا معاف کرا کے پھر محمودہ کے پاس گئی۔ لیجئے' حضرت میں نے دیانت کو راضی کر لیا۔

محمودہ: بیگم' سچ کہنا۔ اب تمہارے دل کی کیا کیفیت ہے؟

Marfat.com

حسن آرا: میں دیکھتی ہوں کہ خطا کا اقرار کرنا کچھ بے عزتی کا موجب نہیں۔ میں نہ جاتی تو سدا کو دیانت سے آنکھ جھینپتی ہی رہتی۔ آپ کے کہنے سے ایک کھٹکا سا ہو گیا تھا۔ اب تو دل میں ایک عجیب طرح کی خوشی پاتی ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی۔

محمودہ: اس میں شک نہیں' بڑے حوصلے اور بڑی سیاست کی بات آپ نے کی جو سنے گا خوش ہوگا اور تعریف کرے گا اور خدا کی درگاہ میں تو اس کا اجر اتنا بڑا ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ جتنی کتابیں آج تک میں نے پڑھی ہیں' سب میں یہی لکھا ہے کہ دل آزاری سے بڑھ کر دنیا میں کوئی گناہ نہیں اور دل جوئی سے بڑھ کر نیکی نہیں۔

محمودہ اور حسن آرا میں یہ باتیں بھی ہوا کیں اور کام بھی ہوتا رہا۔ ادھر سے یہ گفتگو ختم ہوئی' ادھر کڑاہی اتری۔ ہر ہر چیز میں سے تھوڑا لے بھرا چنگیر تو اللہ کے نام مسجد میں گیا۔ جو باقی رہا' پہلے استانی جی کے آگے رکھا۔ مگر استانی جی روزے سے تھیں۔ لڑکیوں سے کہا' تم شوق سے کھاؤ پیو۔ غرض سب نے مل کر خوب کھایا۔

## نیکی اور سچی خیرات

سب کے برابر ایک حصہ دیانت کو بھی ملا تھا۔ دیانت پکوان کو گود میں لئے' دبے پاؤں' باہر نکلی۔ اسے جاتے ہوئے محمودہ نے دیکھ لیا اور چپکے چپکے حسن آرا سے کہا ''بیگم صاحب' بیگم صاحب لیجئے۔ آیئے۔ میں آپ کو اپنے کہے کی تصدیق کرا دوں'' اور حسن آرا کا ہاتھ پکڑ کھڑکی کی آڑ میں لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اتنے میں دیانت بی ہمسائی کے گھر جا پہنچی۔ نام لے لے کر ان کے سب بچوں کو پیار سے بلا بلا' اپنے پاس بٹھایا اور وہ پکوان جو ملا تھا' ان سب کو اپنے ہاتھ سے کھلا دیا۔ جب کھا چکے تو سب کا ہاتھ منہ دھلا کر آپ چلنے کے ارادے سے اٹھی اور چلتے چلتے سب پر تاکید کرتی آئی کہ خبردار چھلنائی پر کوئی پانی مت پی لینا۔ کھانسی ہو جائے گی۔ دیانت گھر آئی تو محمودہ نے پوچھا ''کیوں بی اماما پکوان کیسا تھا؟''

Marfat.com

ماما: سبحان اللہ! بڑے مزے کا مجھ کو تو بہت ہی بھایا۔

یہ سن کر محمودہ نے حسن آرا سے کہا ''دیکھا آپ نے؟ کس درجے کی یہ عورت نیک ہے۔ کیسا ہی کوئی گیا گزرا ہو' پھر بھی کڑائی ہوئی نئی چیز ہو تو جی للچا ہی اٹھتا ہے۔ خصوصاً بڈھوں کو تو کھانے کا غضب کا ہوکا ہوتا ہے۔ لیکن دیکھیے' دیانت نے کتنا اپنے پتے کو مارا ہے اور اس غریبی پر کیا استغنا ہے کہ آپ پکوان چکھا تک نہیں۔''

حسن آرا: کیا دیانت سے اور ہمسائی سے کچھ رشتہ ناتا ہے؟

محمودہ: ہرگز نہیں۔ دیانت سیدانی ہے اور ہمسائی پٹھانی۔ اور یہ ہمسائی تو پانی پت کرنال کی طرف کی رہنے والی ہے۔ اکیلی آپ ہے اور میاں کا کسی سے بھی رشتہ ناتا نہیں۔ رشتے ناتے پر سلوک تو سبھی کوئی کرتا ہے۔ یہ بھی دیانت ہی کا حوصلہ ہے کہ جان نہ پہچان اور دل و جان قربان۔ اور ذرا اس خیر خواہی کو دیکھیے کہ خبردار کوئی پانی نہ پی لینا۔ اور اس اخفا پر نظر کیجیے کہ کیسے دبے پاؤں گئی' اور میں نے پوچھا تو پکوان کی کیسی تعریف کی کہ گویا آپ ہی کھایا۔ سچی خیرات اسی کو کہتے ہیں۔ نہ یہ کہ دیں تو خدا کے نام اور اپنا نام و نمود چاہیں۔ بھلا لنگر بانٹنا اور ڈھول بجا کر دینا کیا ضرور ہے۔ دینا وہی ٹھیک ہے کانوں کان خبر نہ ہو۔

اتنے میں دیانت نے محمودہ سے کہا۔ صاحبزادی' اب تو کڑائی تل تلا چکیں۔ وہ روپیہ جو تم نے مجھ کو دیا تھا' اس میں سے کچھ پیسے بچے ہوئے میرے پلے بندھے ہیں۔ کہیں کھل کھلا پڑیں گے۔ اس کا حساب کر لو تو بہتر ہے۔

محمودہ: یاد ہے' کیا کیا چیز لائی ہو۔

ماما: چھ آنے کا گھی' دو پیسے کے تل' ڈیڑھ آنے کا بیسن' تین آنے کی کھانڈ' ایک آنے کا دہی' دو آنے کا میدہ۔ بس یہی چیزیں تو اس روپے میں آئی ہیں۔

محمودہ: بوا کنیز فاطمہ' دیکھو تو ماما کے پلے میں آٹھ پیسے بندھے ہیں۔ کھول لاؤ۔

کنیز فاطمہ نے پیسے لا محمودہ کے ہاتھ میں دیئے۔

Marfat.com

حسن آرا: دیکھو کتنے پیسے ہیں؟

گنے تو آٹھ تھے۔ تب تو اس نے حیران ہو کر محمودہ سے پوچھا ''اچھی' تم نے بے گنے کیوں کر جان لیا تھا کہ آٹھ ہیں۔''

محمودہ: حساب سے۔

حسن آرا: حساب کیا؟

محمودہ: حساب یہ کہ روپے لے سولہ آنے اور آنے کے چار پیسے۔ جتنا خرچ ماما نے بتایا' اس کو میں نے جوڑا تو چودہ آنے ہوئے۔ دو آنے باقی رہے۔ جن کے چار ادھنے' آٹھ پیسے ہوئے۔

حسن آرا: یہ تو عجیب چیز ہے! میں نے اپنے گھر میں تو ایسی بات کبھی نہیں سنی۔

محمودہ: عجیب اور بڑے کام کی چیز ہے۔ دنیا بھر کا لین دین' اچاپت بیوپار' سب حساب پر موقوف ہے۔ ممکن نہیں کہ آپ کے گھر حساب نہ ہوتا ہو۔ آپ کا گھر تو بڑا امیر ہے۔ غریب سے غریب گھر میں بھی تھوڑا بہت حساب ضرور ہوتا ہے۔

حسن آرا: کیا یہ بھی کوئی پڑھنے کی چیز ہے؟

محمودہ: دنیا میں کوئی چیز ایسی بھی ہے جو پڑھنے میں نہ ہو؟ مگر چھوٹا موٹا حساب لوگ زبانی بھی سیکھ لیتے ہیں۔ اور بازار کے بنئے' بقال' حلوائی وغیرہ سب بقدر ضرورت حساب سے واقف ہوتے ہیں۔

حسن آرا: مکتب کی یہ لڑکیاں بھی حساب جانتی ہیں؟

محمودہ: بعض تو ان میں بہت جانتی ہیں مشکل مشکل باتیں نکال لیتی ہیں' جن کو ان پڑھ آدمی مہینوں کے سوچ بچار سے بھی نہیں نکال سکتے۔ اور بعض جو مبتدی ہیں' وہ بھی بازار والوں سے کہیں زیادہ جانتی ہیں۔ اگر فرمایئے تو میں آپ کے روبرو ان سے کچھ حساب کے سوالات پوچھوں۔ دیکھیے' کیسے تڑ تڑ جواب دیتی ہیں۔

حسن آرا: بہت خوب!

Marfat.com

# حساب کی دلچسپ باتیں

محمودہ: کیوں کلثوم، تین اور سات اور نو مل کر کتنے ہوتے ہیں؟

کلثوم: انیس۔

محمودہ: اور بھلا آٹھ اور چھ اور دو۔

کلثوم: سولہ۔

محمودہ: بھلا پچیس روپے میں سے آٹھ روپے خرچ ہو جائیں تو کتنے روپے بچے؟

کلثوم: سترہ۔

محمودہ: بھلا بتاؤ، سوا سو کتنے روپے ہوتے ہیں؟

کلثوم سوا اور پچیس۔

محمودہ: بھلا پونے چار سو کتنے ہوتے ہیں؟

کلثوم: تین سو پچھتر یا پچیس کم چار سو۔

محمودہ: شاباش! بوا شاباش! جب جانیں ایک بات بتاؤ کہ آمنہ غدر میں سات برس کی تھی اور غدر کو اب چھ برس ہوئے تو آمنہ کی عمر اب کتنے برس کی ہے؟

کلثوم: تیرہ برس۔

محمودہ: ٹھیک۔ بہن، ایک بات اور بتاؤ کہ آمنہ کا بھائی اس سے چار سال بڑا ہے تو بھلا غدر سے کتنے برس پہلے ہوا تھا؟

کلثوم (سوچ کر) گیارہ برس۔

محمودہ: اچھا زبیدہ، تم کلثوم سے زیادہ پڑھی ہو۔ بھلا بتاؤ تو، بارہ لڑکیاں اگر ہنڈ کلھیا میں تین تین پیسہ کا ساجھا ملائیں تو سب کے آنے ہوں گے؟

زبیدہ: نو آنے۔

محمودہ: ڈیڑھ سیر میوے ہیں۔ اگر چھ لڑکیوں کے برابر حصے لگائے جائیں تو ہر

Marfat.com

ایک لڑکی کو کتنا پہنچے گا؟

زبیدہ: پاؤ بھر۔

محمودہ: دوسو آم ہوں اور دس لڑکیاں تو کتنے کتنے ہر ایک کو ملیں گے؟

زبیدہ: یہ تو بہت ہی صاف ہے۔ بیس بیس۔

حسن آرا: یہ گلاب کا پودا جو انگنائی میں لگا ہے پندرہ پھول روز کے روز اس سے اترتے ہیں۔ مہینے بھر میں کتنے پھول ہوں گے؟

زبیدہ: ساڑھے چار سو یعنی چار سو اور پچاس۔

محمودہ: کیوں صاحب' سات آنے گز کے حساب سے سات ایک پائجامے کی دریس کے کیا دام ہوئے؟

زبیدہ: (سوچ کر) تین روپے ایک آنہ۔

محمودہ: دو روپے کا آٹھ گز کا تھان تین روپے کو ٹھہرے تو کتنے گز پڑا؟

زبیدہ: لکھ کر جوڑ لوں؟

محمودہ نہیں' صاحب۔ زبانی سوچ کر کہو۔ کچھ ایسا مشکل نہیں ہے۔

زبیدہ: (تھوڑی دیر تامل کر کے) چھ آنے گز۔

محمودہ: گز میں کتنے گرہ؟

زبیدہ: سولہ۔

محمودہ: اور من میں کتنے سیر؟

زبیدہ: چالیس۔

محمودہ: خوب بہن! اچھا بی رابعہ' تم تو تشریف لاؤ۔ تم تو بڑی حسابی ہو۔ بتاؤ۔ نوگرہ عرض کی دریس ایک پائجامہ میں نو ہی گز لگتی ہے تو پورے گز بھر کا عرض ہو تو کتنے لگے گی؟

رابعہ: تختی پر لکھ لوں؟

Marfat.com

محمودہ: بہت اچھا۔ لیکن جلدی جواب دو۔ نہیں تو بزاز چلا جائے گا۔

رابعہ: (دو لمحہ بعد) پانچ گز ایک گرہ۔

محمودہ: بھلا یہ تو بتاؤ کہ یہ دالان جس میں ہم سب بیٹھے ہیں' چھ گز لمبائی اور ڈھائی گز کا چوڑا ہے۔ چاندنی میں کتنا مارکین خرچ ہوگا؟

رابعہ: اور مارکین کا عرض؟

محمودہ: یہی معمولی گز بھر۔

رابعہ: پورے پندرہ گز۔

زبیدہ: ایک سوال بتا دو تو تم کو شاباش دیں۔ یہ بڑی مسجد کا حوض چھ گز مربع ہے۔ یعنی لمبان چوڑان برابر اور دو گز گہرا اور ایک گز مربع میں تین مشک پانی آتا ہے اور ایک مشک میں پچیس لوٹے اور ایک لوٹے میں پندرہ گلاس اور ایک گلاس میں آدھ پاؤ پانی تو سارے حوض میں کتنا پانی ہوا؟

رابعہ: (پاؤ گھنٹے بعد) دو سو ترپن من پانچ سیر۔

حسن آرا: اے ہے! ان کم بخت جان ہاروں کو کیسی باتیں آ گئی ہیں! لڑکیاں ہیں کہ بلائیں!

محمودہ: اس سے بھی عجیب عجیب باتیں ان کو معلوم ہیں۔ میں نے آپ کے سمجھانے کو آسان آسان باتیں ان سے پوچھیں۔ کیوں ہاجرہ' جامع مسجد کے مینار کو بے گز' بے رسی اور بے اوپر گئے ناپ سکتی ہو؟

ہاجرہ: بے شک۔ مجھ کو وہ سائے کا حساب یاد ہے۔ کوئی دو مہینے کی بات ہے کہ ہمارے کنبے سے ایک برات پلول گئی تھی۔ میں ساتھ تھی راہ میں قطب صاحب کی لاٹ کے پاس ناشتا کرنے کو ٹھہری مجھ کو تو اس قاعدے کا بڑا چنبھا تھا۔ جھٹ میں نے ایک تنکا لے اور سایہ ناپ' وہیں زمین پر حساب لگایا۔ ساتھ والیاں مجھ کو چھیڑنے لگیں کہ یہ دن دہاڑے کیا تنکے چننے لگیں! غرض میں نے وہ ناپ جو میرے حساب سے نکلی تھی' یاد

Marfat.com

رکھی۔لوٹ کر گھر آئی تو ضاد یدعجم میں دیکھا۔ٹھیک وہی لسبان تھی۔کوئی شاید دو گز کا بل تھا۔

رابعہ: اجی بوا ہاجرہ' سائے کا حساب مجھ کو بھی بتا دو گی؟

ہاجرہ: اچھی ایک بڑی آسان بات ہے۔ایک تنکا لے کر اس کو ناپ لیا۔پھر اس کو دھوپ میں سیدھا کھڑا کر کے اس کے سائے کو ناپ لیا۔پھر لاٹ کے سائے کو ناپ ڈالا تو اربعہ متناسبہ کے قاعدے سے جو تم کو معلوم ہے' لاٹ کی لسبان نکل آئے گی۔اس طور پر اتنے لمبے تنکے کا سایہ اس قدر لمبا پڑتا ہے تو لاٹ جس کا سایہ اتنا لمبا ہے' کتنی اونچی ہوگی۔

رابعہ تو اتنا اشارہ پا کر خوشی کے مارے اچھل پڑی۔لیکن حسن آرا تو اربعہ متناسبہ وغیرہ تو کچھ جانتی نہ تھی۔وہ اس معمے کو کیا سمجھتی۔ہاجرہ کی طرف مخاطب ہو کر بولی ''افوری جھوٹی' افوری لپاڑن۔آپ خیر سے ابھی پوری چار ہاتھ کی بھی نہیں ہوئیں اور ہزاروں کوس کی اونچی لاٹ ناپنے چلیں۔تم نے کہا اور میں نے مان لیا۔خدا کو دیکھا نہیں تو عقل سے پہچانا ہے۔''

محمودہ: ایں این بیگم صاحب! آپ کا یہ کیا دستور ہے کہ باتوں ہی باتوں میں ناحق بگڑ بیٹھی ہیں؟

حسن آرا: خدائے پاک کی قسم' میں تو کچھ بھی نہیں بگڑی اور نہ میں نے کچھ کہا۔

محمودہ: یہ جلدی سے قسم کھا لینا اور غضب ہے۔

حسن آرا: یوں بات کاٹنے پر آؤ تو بولنا بھی غضب ہے۔

محمودہ: اگر ذرا آپ انصاف سے میری بات سنیں تو میں کچھ عرض کروں' اور اگر بیجا ہو تو میں قائل ہو جاؤں گی۔

حسن آرا: بھلا کچھ تو کہے۔

Marfat.com

# قسم کھانے کی برائی

محمودہ: اول تو یہ بتایئے کہ آپ نے خدا کی قسم کیوں کھائی؟

حسن آرا: تا کہ تم کو میرے کہنے کا اعتبار ہو۔

محمودہ: یہ آپ کی سمجھ کا پھیر ہے۔ جس کی بات کا اعتبار نہیں' اس کی قسم کا لاکھ دفعہ اعتبار نہیں۔

حسن آرا: خیر' میں نے یوں ہی قسم کھالی تو برا کیا کیا؟

محمودہ: بے شک برا کیا۔ خدا کو آپ نے لڑکیوں کی گڑیاں بنایا ہے یا بچوں کا کھلونا قرار دیا ہے؟ آپ کو اس دو جہان کے مالک اور بادشاہ کا نام اس بے احتیاطی سے لیتے ہوئے ڈر نہیں لگتا؟ یہ دیکھیے' دنیا کی بے ایمانی کہ آدمی آدمی کا ادب کرے تو اس کا نام نہیں لیتا۔ اور خدا کی یہ بے وقعتی اور بے وقری کہ بات بات میں اس کا نام لیا جائے۔ جب میں کسی کو خدا کی قسم کھاتے سنتی ہوں' میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حیران ہو کر منہ دیکھنے لگتی ہوں کہ کیوں کر بے دھڑک یہ لفظ اس کی زبان سے نکلا؟

حسن آرا: خدا کا نام لینا منع ہوتا تو اذان اور نماز میں کیوں لیتے؟

محمودہ: عبادت میں نام لینا دوہری بات اور خدا کے نام کو تکیہ کلام قرار دینا اور بجا بول اٹھنا بالکل خلاف ادب ہے۔

حسن آرا: لوگ تو بات بات میں واللہ باللہ کہا کرتے ہیں۔

محمودہ: جو بات بری ہے اگر دنیا بھر اس کو کرنے لگے تو اچھی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر دنیا کے لوگوں کی مثال لیجئے تو اچھے دیندار اور نیک بندے بہت ہی کم ملیں گے۔ آپ ذرا اتنی بات پر غور کر لیجئے۔ اور خدا کی عظمت اور اس کی بڑائی اگر ہمارے دل میں ہے ممکن نہیں کہ اس کا نام پاک کے ساتھ ہم اس بے احتیاطی سے پیش آئیں۔ آدمی با

Marfat.com

بال گناہ گار ہے۔ اپنے تئیں دیکھے اور اس خداوند عالی جاہ کی شان اور اس کے تقدس پر نظر کرے۔

حسن آرا: البتہ قسم کھانا تو بہت ہی بری بات ہے۔ توبہ توبہ! پھر میرے منہ سے قسم نکلے تو بے شک میرے منہ پر طمانچہ کھینچ مارنا۔

محمودہ: ایسا کیوں ہونے لگا۔ آپ بھی آئندہ سے خیال رکھیں اور جو کبھی آپ کے ذہن سے بات اتر گئی تو میں یاد دلا دوں گی۔

## ہمجولیوں میں پاس ادب

خیر یہ تو ہو چکا۔ اب میں پوچھتی ہوں کہ آپ نے بیچاری زبیدہ کی دل شکنی کیوں کی؟

حسن آرا: بوا' میں نے تو زبیدہ کو کچھ نہیں کہا۔ تم ناحق زبیدہ کو مجھ سے لڑاتی ہو۔

محمودہ: جھوٹی لپاٹن کہا اور کچھ بھی کہا۔ یہ وہی دیانت کی سی بات پھر آئی۔ آپ نہیں جانتیں کہ جھوٹ بولنا بڑے عیب کی بات ہے اور بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں جھوٹ نہیں بولا کرتیں۔ کسی کو جھوٹی کہہ دینا ایسا ہی ہے جیسے کسی کو چوری لگا دینا۔

حسن آرا: بوا' میں نے تو ہنسی ہنسی میں کہا تھا۔ آپس کی بے تکلفی میں ایسی بات بے ساختہ منہ سے نکل ہی جاتی ہے۔ اگر رات دن کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں سے ایسا تکلف کریں تو زندگی دشوار ہو جائے۔

محمودہ: یہ تو کچھ ہنسی اور بے تکلفی کی بات نہیں' بلکہ لڑائی اور بگاڑ کی بات ہے۔ اگر ساتھ کے اٹھنے بیٹھنے والوں میں ایسی باتوں کا لحاظ نہ رہے گا تو پھر عادت پڑ جائے گی اور شاید یہی سبب ہوا کہ آپ اس دن دیانت کے ساتھ ایسی بے تکلفی کر بیٹھیں۔

حسن آرا: بھلا میرا ہی قصور تھا یا زبیدہ کا بھی تھا کہ وہ زمین سے آسمان کے قلابے ملانے چلی تھی؟

Marfat.com

محمودہ: زبیدہ بے چاری کی تو کچھ بھی خطا نہ تھی۔ وہ تو ایک واجبی بات کہہ رہی تھی۔

حسن آرا: واجبی؟ اگر یہی واجبی ہے تو.....

محمودہ: آپ نے ابھی کچھ پڑھا نہیں۔ آپ کو دنیا جہان کی خبر ہو تو کیوں کر ہو۔ آپ کے نزدیک تو زبیدہ کی بات غیر واجبی ہونی ہی چاہئے۔ مگر جب زبیدہ کو آپ نے جھوٹی لپاٹن کہا' نہیں معلوم مجھ کو کیا خطاب ملے' اس ڈر کے مارے کچھ کہہ نہیں سکتی۔

حسن آرا: برائے خدا جو کچھ جی میں ہے کہہ ڈالئے۔

محمودہ: کہہ ڈالوں؟ پھر برا تو نہ مانئے گا؟

حسن آرا: بے شک۔ کہہ ڈالئے میں ہرگز برا نہ مانوں گی۔

محمودہ: بیگم صاحب' امیر زادی ہونا اور بات ہے اور علم و عقل دوسری بات ہے۔ آپ اتنا تو جانتی ہی نہیں کہ کوس کس جانور کا نام ہے۔

حسن آرا: کیوں؟ میں کوس کو خاصی طرح جانتی ہوں۔ بتا چلوں؟ قدم شریف ایک کوس' ہمایوں کی بھول بھلیاں تین کوس' قطب صاحب سات کوس اور (آپ کبھی گئی ہیں) میرٹھ پچیس کوس' پانی پت چار منزل۔ میں تو بڑی دور ہو آئی ہوں۔

محمودہ: درست۔ تبھی قطب صاحب کی لاٹ کو آپ نے ہزاروں کوس کی لمبی بتایا۔ لقا کبوتر کی طرح آدمی الٹا ہی تو گر پڑتا ہے۔ کبھی اوپر جانے کا اتفاق ہوا ہے؟ اچھے مردوں کا دم ہی تو چڑھ جاتا ہے۔

محمودہ: کیا ضرور ہے کہ اگر اوپر جانے میں اچھے مردوں کا دم چڑھ جائے تو لاٹ ہزاروں کوس لمبی ہو؟

حسن آرا: میں تو اس سے قیامت کرتی ہوں کہ ضرور ہزاروں کوس لمبی ہوگی۔ سنا ہے کہ بعضے مردوئے پندرہ پندرہ بیس بیس کوس چلنا کچھ بات نہیں سمجھتے مگر لاٹ پر چڑھنے میں ہانپنے لگتے ہیں اور دم پھول جاتا ہے تو ضرور لاٹ کچھ بہت ہی اونچی ہوگی۔

Marfat.com

محمودہ: اس کا سبب میں آپ کو سمجھاؤں۔

## زمین کی کشش

جتنی چیزیں ہیں' سب کو زمین اپنی طرف کھینچتی ہے۔ جو چیز اوپر کو پھینکتے ہیں' وہ کچھ دور تو پھینکنے والے کے زور اور زبردستی سے اوپر کو چلی جاتی ہے' پھر آخر زمین کی کشش اس کو نیچے کھینچ لاتی ہے۔ پتھر کو اوپر پھینکو اور دیکھتی رہو تو ایسا معلوم ہوگا کہ جوں جوں اوپر کو جاتا ہے' اس کی چال سست اور دھیمی ہوتی جاتی ہے اور پھر جو الٹتا ہے تو تیر کی طرح زمین کی طرف دوڑتا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ چیزیں زمین کی کشش کے مارے اوپر کو نہیں جانا چاہتیں اور جو جاتی بھی ہیں تو بڑی زبردستی اور مشکل سے۔ اسی طرح جب آدمی لاٹ کے اوپر جانے لگا تو اس کے بدن کا بوجھ اس کو روکتا ہے اور یہ زبردستی اپنا تمام بوجھ اچکا اچکا کر اوپر کی طرف لئے چلا جاتا ہے۔ اسی واسطے اوپر جانے میں بڑا زور پڑتا ہے اور آدمی جلدی تھک جاتا ہے۔ پھر جو نیچے اترنے لگتا ہے تو دیکھو کیسے کیسے دھم دھم جلدی جلدی نیچے اتر آتا ہے کیونکہ ایک تو خود اس کو اپنا زور' دوسرے بدن کے بوجھ کا جھکاؤ' دوہرا بل ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی ہمارا بالا خانہ کچھ ایسا بہت اونچا بھی نہیں۔۔۔ اٹھارہ سیڑھیاں ہیں' پھر بھی جس کو عادت نہیں اس کو چڑھنا کتنا مشکل پڑتا ہے۔ اماں جان جب کبھی ضرورتاً اوپر جاتی ہیں تو کوٹھے پر پہنچتے ہی دم لینے کو بیٹھ جاتی ہیں۔ مگر اترنے میں ہرگز یہ دقت نہیں ہوتی۔ غرض لاٹ کے اوپر جانے میں دم کا بھر جانا اس کی بلندی کی دلیل نہیں ہوسکتا۔

حسن آرا: خوب' صاحب خوب! یہ تو آج میں نے بالکل ایک نئی بات سنی کہ زمین چیزوں کو کھینچتی ہے مگر یہ تو فرمایئے کہ لڑکے جو کنکوے اڑاتے ہیں' یہ خود بخود زمین سے کیوں دور ہو جاتے ہیں؟ ایک مرتبہ ارجمند نے تکل کو ایسا بڑھایا تھا کہ آسمان سے ملا دیا تھا

Marfat.com

محمودہ: کنکوا ہو یا تکل' زمین کی کشش سب پر اثر کرتی ہے۔ اور اگر پتنگ کو بڑھا کر چھوڑ دیا جائے تو گو ہوا کے جھکولوں سے دیر میں گرے مگر گرے گی ضرور۔

## وزن مخصوص

اس میں بھید یہ ہے کہ کوئی چیز ہلکی ہے' کوئی بھاری۔ جتنی ہلکی چیزیں ہیں' خود بخود اوپر آ جاتی ہیں۔ مثلاً گلاس میں اول تیل ڈال دیجئے اس کے اوپر پانی تو چونکہ تیل پانی کی نسبت ہلکا ہے' خود بخود اوپر آ جائے گا یا ایک تسلے میں جھاڑو کے تنکے رکھ کر اس کو پانی سے بھر دیجئے۔ آپ سے آپ اوپر آ جائیں گے اور اسی بنیاد پر دریاؤں میں کشتیاں اور جہاز چلتے ہیں کیونکہ لکڑی پانی کی نسبت ہلکی ہوتی ہے وہ اس کے نیچے بیٹھ نہیں سکتی بلکہ اس کو پانی کے نیچے رہنے سے اتنی نفرت ہے کہ تھوڑا بوجھ بھی ہو تو وہ اس کو سہارے رہتی ہے۔

حسن آرا: کشتیاں ڈوب بھی تو جاتی ہیں۔

محمودہ: جب بے انداز بوجھ لاد دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ کنکوا ایسے پتلے کاغذ کا بناتے ہیں کہ اگر اس کو تولیں تو ایک یا دو ماشہ سے زیادہ نہ ہوگا' مگر اس کو اتنا پھیلا دیتے ہیں کہ ڈاک کا کاغذ جس پر خط لکھتے ہیں' آدھا دستہ بارہ تختے مشکل سے ایک تولے کے ہوتے ہیں۔ پس ایک تختہ کاغذ نے گز بھر جگہ تو گھیر لی مگر اتنی جگہ میں جو ہوا بھری ہے' اگر ایک تختے کے وزن کو تقسیم کر کے دیکھو تو سیر بھر ہوا پر کوئی خشخاش کے دانے سے بھی کم بوجھ ہوا لیکن تختے کی گولی بنا لو تو کاغذ کا سارا بوجھ اکٹھا ہو جائے گا۔ اس سبب سے کنکوا اوپر آ جاتا ہے اور اسی کے برابر گولی نیچے گرتی ہے۔ دانشمندوں نے زمین کی کشش پر جو بہت غور کیا تو یہ معلوم ہوا کہ فاصلے اور جسامت پر اس کا مدار ہے۔ یعنی چیز جتنی ٹھوس ہوگی' اس پر کشش کا اثر زیادہ ہوگا۔ کوٹھے پر سے اگر ایک پتھر نیچے کو لڑھکا دو تو جتنا وہ زمین کے

Marfat.com

قریب ہوتا جائے گا اس کی رفتار تیز ہوتی جائے گی۔ اسی طرح ایک پیسہ اور ایک پیسہ بھر کاغذ کی گولی بنا کر ایک ساتھ دونوں کو اوپر سے گراؤ تو ظاہر میں کاغذ کی گولی پیسے کی نسبت قد و قامت میں بڑی ہوگی' مگر چونکہ ٹھوس نہیں ہے' پیسہ پہلے گرے گا۔ دھواں بھی اسی قاعدے کے مطابق ہمیشہ اوپر کو جاتا ہے۔ اسی واسطے کہ لکڑی وغیر کی اجزائے لطیف جو آگ کی گرمی کے اثر سے باہر نکلتے ہیں' انہی کا نام دھواں ہے' اور چونکہ یہ ہوا سے ہلکے ہوتے ہیں' اس واسطے اوپر کو چڑھتے ہیں۔

حسن آرا: کیا ہی خوب بات آپ نے مجھ کو بتائی' مگر آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہوا کو بھی وزنی سمجھتی ہیں۔

محمودہ: ضرور' بے شک ہوا میں بھی بوجھ ہے۔

## ہوا کا دباؤ

حسن آرا: ہوا نگوڑی تو بالکل ہلکی پھلکی ہے۔ اس میں بوجھ کہاں سے آیا؟

محمودہ: اس میں تو اتنا بوجھ ہے کہ تم سنو تو حیران ہو جاؤ۔ روپیہ بھر جگہ میں پانچ سیر سے کم ہوا کا بوجھ نہیں ہوتا۔ اس حساب سے تمہارے بدن پر کئی ہزار من بوجھ ہوگا۔

حسن آرا: اے ہے! نوج! خدا نہ کرے کہ اتنا بوجھ ہو۔ میرا تو دب کر بھرکس ہو جائے۔

محمودہ یہ بات غلط نہیں ہے۔ عقلمندوں نے ہوا کو تولا ہے اور تول کر دریافت کیا

حسن آرا: جو بات آپ کہتی ہیں' ایسی ہی کہتی ہیں کہ کسی کی عقل میں نہ سما سکے۔

محمودہ: البتہ بے علم لوگوں کی عقل میں یہ باتیں نہیں آ سکتیں۔ مگر یہ ان کی عقل کا قصور ہے۔

حسن آرا: بھلا ہوا بھی کسی کے تولے تولی جاتی ہے؟

محمودہ: اس کی تدبیر سنئے کہ ایک خالی بوتل لی اور اس کو تولا' وہ بوتل خالی تو ہے مگر

Marfat.com

پھر بھی اس میں ہوا ہے۔ اس کو تولنے سے جو وزن ٹھہرا' اس میں سے کچھ تو بوتل کا ہے اور کچھ ہوا کا۔ پھر بوتل سے ہوا نکال کر تولا تو دیکھا کہ وزن گھٹ گیا۔ آخر اس کا سبب کیا ہے؟

حسن آرا: بوتل سے ہوا کیوں کر نکالی جائے گی؟

محمودہ: اس کی ایک کل' ہے۔ یوں منہ سے چوس لی جائے تو بھی نکل سکتی ہے۔ یا ایک اور طریقہ بھی اس کے امتحان کا ہے کہ ربڑ کا پھکنا جس سے لڑکے کھیلا کرتے ہیں' پہلے اس کو بغیر ہوا کے تول لیا۔ پھر پھونک کر ہوا بھر دی۔ جب خوب تن گیا تو سرا باندھ دیا اور پھر تولا تو ضرور بوتل میں کچھ فرق ہوگا۔ جب چاہو آزما لو۔

حسن آرا: مگر جتنا بوجھ آپ بتاتی ہیں' وہ تو بالکل خلاف قیاس ہے۔

محمودہ: ہوا کا بوجھ جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا اس کا بھی سبب ہے۔ وہ یہ کہ ہر جگہ اور ہر چیز میں ہوا ہے۔ اندر کی ہوا باہر کی ہوا کا روک کرتی ہے۔ اگر باہر ہوا نہ ہو تو بدن پھٹ پڑے اور بعض دفعہ لوگ جو غباروں میں بہت اونچے چڑھ گئے ہیں۔ ان کو بخوبی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کیونکہ زمین کے آس پاس جو ہوا ہے' وہ بہت وزنی ہے اور جس قدر اوپر چڑھتے جاؤ گے' ہلکی ہوتی جاتی ہے۔

یہ بات میں تم کو ایک بہت موٹی مثال میں سمجھا دوں۔ اگر روئی کا بڑا انبار لگا دیا جائے تو اوپر کی روئی ضرور ہلکی ہوگی اور نیچے کی روئی دب کر ٹھس ہو جائے گی۔ بعینہ یہی حال ہوا کا ہے۔ ہم لوگ زمین پر رہتے ہیں۔ جیسی ٹھس ہوا ہمارے اوپر اور آس پاس ہے' ویسی ہی ہمارے بدن میں بھری ہوئی ہے اور باہر کی ہوا کا دباؤ اور اندر کی ہوا کا زور برابر ہے۔ جب بہت اونچے جاؤ تو اندر وہی ٹھس ہوا ہے' مگر باہر کی ہوا ہلکی ہے جس کا دباؤ اندر کی ہوا کے زور کی نسبت بہت کم ہے۔ اس وجہ سے بدن پھٹنے لگتا ہے۔ تاکہ تم اس بات کو بخوبی سمجھ لو' میں دو مثالیں اور بیان کرتی ہوں۔ یہ تو مانتی ہو کہ پانی وزنی چیز

Marfat.com

ہے یا اس میں بھی کچھ کلام ہے؟

حسن آرا: پانی کے وزنی ہونے میں کس کو کلام ہے؟ مجھ سے تو دھیلے والی ٹھلیا بھی نہ اٹھائی جائے۔

محمودہ: خیر، کبھی حوض میں نہائی ہو؟

حسن آرا: سینکڑوں دفعہ۔ ہمارے گھر خود زنان خانے میں بڑا لمبا چوڑا حوض ہے۔ لوہے کا جال پڑا ہے۔ رنگ برنگ کی مچھلیاں پلی ہیں۔

محمودہ: پانی کے اندر کچھ پانی کا بوجھ بدن پر معلوم ہوتا ہے؟

حسن آرا: نہیں تو۔

محمودہ: کیا سبب؟

حسن آرا: کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

محمودہ: سبب یہی کہ اوپر کا پانی داب کرتا ہے اور نیچے کا پانی اوپر کو اچھلتا ہے۔ اس واسطے کہ آدمی کا بدن پانی سے ہلکا ہے۔ پس اوپر کا داب اور نیچے کا اچھال برابر سرابر کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا۔ اسی پر ہوا کو قیاس کرلو۔ اور دوسری مثال یہ ہے کہ آئینہ تو بڑی نازک چیز ہے۔ استانی جی کے سنگاردان کا آئینہ دیکھا ہے؟

حسن آرا: وہی نہ جس کے بیچوں بیچ دراڑ پڑی ہے۔

محمودہ: ہاں وہ دراڑ مجھ ہی سے پڑ گئی ہے۔ میں ایک دن سر میں کنگھی کر رہی تھی۔ بال کی لٹ جو الجھی، میں جھٹک کر لگی سلجھانے۔ کنگھی ہاتھ سے چھوٹ تڑ سے آئینے پر جا لگی۔ دیکھوں تو آئینے میں بال آ گیا۔ خیر ہوئی۔ کنگھی اوڑھنی میں اٹک گئی تھی۔ نہیں تو چکنا چور ہو جاتا۔ اتنی ٹھیس میں تو بال آ گیا۔ اور بھلا اسی آئینے پر تم کھڑی ہو جاؤ تو خبر نہ ہو۔

حسن آرا: عجب ہے!

محمودہ: الماری کھول آئینہ نکال لائی اور برابر جگہ میں رکھ کر حسن آرا سے کہا کہ لو، اس پر بسم اللہ کر کے دونوں پاؤں سے کھڑی ہو جاؤ۔

Marfat.com

حسن آرا: نہ بوا۔ کہیں ٹوٹ ٹاٹ جائے تو آئینے کا آئینہ غارت ہو۔ پاؤں میں کرچ لگ جائے تو اور آفت ہو۔

محمودہ: احتیاط کی بات تو یہی ہے۔ مگر اس وقت علم کا ایک مسئلہ حل ہوتا ہے۔ لاؤ' میں ہی سینگ کٹے بچھڑوں میں مل جاؤں۔

یہ کہہ کر بے تکلف آئینے پر جا کھڑی ہوئی اور آئینے پر ذرا آنچ نہ آئی۔ حسن آرا تو دیکھ کر حیران رہ گئی اور بار بار آئینے کو ہاتھ میں اٹھا غور سے دیکھا کی۔

محمودہ: خوب دیکھ لیجئے۔ ٹوٹنا کیسا' بال تک بھی نہیں آیا۔ اور کیوں آنے لگا؟ اوپر سے میرا بوجھ' ویسا ہی نیچے سے زمین کا سہارا۔ آئینے کو گزند کیا پہنچتا۔

حسن آرا: اب تو مجھ کو بھی یہ بات سچ معلوم ہوتی ہے کہ زمین چیزوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔

## کشش اتصال

محمودہ: زمین پر کیا منحصر ہے' کل چیزیں ایک دوسری کو کھینچتی ہیں۔

حسن آرا: زمین کا کھینچنا تو اس سے معلوم ہوا کہ جو چیز پھینکو' زمین پر گرتی ہے مگر یہ کیوں کر دریافت ہوا کہ کل چیزیں ایک دوسرے کو کھینچتی ہیں؟

محمودہ: کئی باتوں سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔ اول تو یہ کہ پانی میں انگلی ڈبوؤ تو پانی کی بوند سرے پر لٹکتی رہتی ہے۔ اگر انگلی کی کشش نہیں ہے تو بوند گر کیوں نہیں پڑتی؟ اس کے سوائے ایک اولا تھوڑے پانی میں ڈالئے تو دیکھیے گا کہ پانی الٹا کیوں چڑھتا ہے۔ ایک بات اور بتاؤں۔ کوٹھے پر چلئے۔ میں کچے سوت کا اک باریک سا دھاگا لٹکاؤں گی اور اس کو تانے رہوں گی۔ چاہئے کہ سیدھا رہے مگر دیوار کی کشش سے ضرور بیچ میں لچکا ہوا معلوم ہوگا۔ غرض کہ کشش کی قوت خدا تعالیٰ نے ہر چیز میں پیدا کی ہے۔ اور اس خاصیت پر غور کرتے کرتے دانشمندان فرنگ نے ہزاروں باتیں ایسی عجیب

Marfat.com

عجیب نکالیں کہ جن کو پڑھنے سے عقل کو تیزی اور دل کو خوشی ہوتی ہے۔

حسن آرا: بھلا اگر سب چیزیں ایک دوسرے کو کھینچ رہی ہیں تو سب مل جل کر ایک ڈھیر کیوں نہیں بن جاتیں؟

محمودہ: کھینچ تو رہی ہیں، مگر یہ کشش زور کی نہیں ہے، جیسی کہ مقناطیس میں ہوتی ہے

## مقناطیس

حسن آرا: مقناطیس کیا؟

محمودہ: کیا تم مقناطیس بھی نہیں جانتیں؟ مقناطیس ایک قسم کا لوہا ہے۔ بعض لوگ غلطی سے اس کو پتھر جانتے ہیں اور چنک پتھر کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے اس لوہے میں یہ خاصہ رکھا ہے کہ وہ دوسرے لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور عمدہ اور مفید خاصیت اس میں یہ ہے کہ اگر مقناطیسی لوہے کی سوئی بنائی جائے تو ایک سرا اس سوئی کا ہمیشہ اتر (شمال) کو رہے گا اور دوسرا دکھن کو۔

حسن آرا: یہ سب باتیں آپ سنی ہوئی کہتی ہیں یا دیکھی ہوئی؟۔

محمودہ: اپنی آنکھوں دیکھی ہوئی اور اپنے ہاتھوں آزمائی ہوئی۔ بوا آمنہ وہ تمہاری لوہے کی مچھلی کہاں ہے جو پانی میں تیرتی ہے اور بچے کو لینے دوڑتی ہے؟

آمنہ: میرے جزدان میں ہے۔ نکال لاؤں؟

آمنہ دوڑی، دوڑی جا، وہ مچھلی اور بچہ نکال لائی اور محمودہ نے مچھلی حسن آرا کے ہاتھ میں دی کہ آپ اس کو بخوبی غور سے دیکھ لیجئے۔ نہ کہیں تار ہے، نہ کوئی کل لگی ہے۔ حسن آرا نے مچھلی کو اوپر تلے سے خوب دیکھا۔ پھر آمنہ نے کہا کہ اب مچھلی کو الگ رکھ دو اور اس کے بچے کو دیکھو۔

حسن آرا: اچھی، مچھلی کو الگ کیوں رکھ دوں؟

آمنہ: بوا، بچہ ماں کو دیکھے گا تو پیار کے مارے ماں سے لپٹ جائے گا اور پھر چھڑانا

Marfat.com

چاہو گی تو رونے لگے گا۔

محمودہ: اچھا آمنہ ان کو اس کے تیرنے کی سیر تو دکھاؤ۔

آمنہ چینی کے ایک پیالے میں پانی بھر لائی اور مچھلی کو پانی میں چھوڑ دیا۔ وہ مزے سے تیرنے لگی۔ جب اس کو بچہ دکھاتی وہ اس کی طرف دوڑتی۔ حسن آرا کی عقل دنگ تھی کہ کیا ماجرا ہے۔ اور بار بار پوچھتی' اچھی' اس میں کیا ہے؟

محمودہ: کچھ بھی نہیں۔ مچھلی لوہے اور بچہ مقناطیس کا ہے۔ جب بچے کو پاس لاتے دوڑی آتی۔ ابھی دونوں کو ملا دو۔ ایک دوسرے کو چمٹ جائیں گے۔

حسن آرا: یہ تو بڑے اچنبھے کی چیز ہے۔

محمودہ: اب دوسرا اچنبھا دیکھیے ہاجرہ' دیکھنا بوا' وہ کھونٹی میں سامنے استانی جی کی تسبیح لٹک رہی ہے۔ اچھی' ذرا تمہارا ہاتھ لمبا ہے' اتار لینا۔

ہاجرہ تسبیح اتار لائی۔ امام کے ساتھ ایک چھوٹا سا کیری کا عطردان تھا۔ اس میں قبلہ نما لگا تھا۔ محمودہ نے ڈبیا کھول حسن آرا کو دکھایا کہ دیکھیے لال مرغ دیکھتی ہیں؟ اس کا یہ خاصہ ہے کہ پچھم کو منہ اور پورب کو دم اور داہنا بازو اتر کو اور بایاں دکھن کو رہتا ہے۔ جب جانیں' اس کا رخ پھیر دیجئے۔ حسن آرا نے بہتیرا ڈبیا کو گھمایا' الٹا سیدھا کیا' اصیل مرغے کی ایک ٹانگ۔ جب ذرا ڈبیا سیدھی ہوئی' مرغا جھٹ پچھم کو منہ پھیر' کھڑا ہو گیا۔

حسن آرا: اے ہے! کم بخت کیسا ضدی مرغا ہے! کسی ڈھب مانتا ہی نہیں۔ موئے کے حلق پر چھری پھیر دو۔ کیوں بوا محمودہ بیگم' آخر یہ سب کھلونے ہی ہیں؟

محمودہ: وہ مچھلی تو کھلونا ہے مگر قبلہ نما کھلونا نہیں ہے۔ بڑے کام کی چیز ہے۔ جنگل ہو' نئی جگہ' رات ہو' برسات ہو' اس کے ذریعے سے سمت معلوم ہو جاتی ہے۔ سمندر میں جب جہاز چلتے ہیں تو چاروں طرف پانی ہی پانی نظر آتا ہے۔ نہ سڑک ہے' نہ راہ نہ کوئی درخت نہ پہاڑ۔ کچھ نہیں معلوم ہوتا' کدھر جاتے ہیں' کہاں ہیں۔ تو اگلے زمانے میں ناخدا ستاروں کی شناخت سے کام نکالتے تھے۔ لیکن کبھی رات کو بادل ہوتا تو تارے نظر

Marfat.com

نہ آتے۔ بڑی دقت ہوتی تھی۔ جہاز سینکڑوں کوس کہیں سے کہیں چلے جاتے تھے۔ اور آخر تباہ ہو جاتے تھے۔ جب سے مقناطیس کا خاصہ دریافت ہوا' بڑا اطمینان ہو گیا ہے۔ ہے تو ذرا سی سوئی مگر لاکھوں روپے کا کام دیتی ہے۔ کروڑوں روپے کا مال تجارت جو سمندر کی راہ انگیریزوں کی ولایت سے آتا جاتا ہے' اسی سوئی کی بدولت ڈوبنے سے بچتا ہے اور لاکھوں آدمی جو سمندر پر سفر کرتے ہیں' بے خوف وخطر آتے جاتے ہیں۔ ہاں تو زمین کا چیزوں کو کھینچنا یا چیزوں کا آپس میں ایک دوسری کو کھینچنا' ایسے زور سے نہیں ہوتا جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔

## زمین گول ہے اور آفتاب کے گرد گھومتی ہے

مگر کیا خدا کی قدرت ہے کہ اسی کی کشش کی وجہ سے زمین گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے۔

حسن آرا: زمین گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے؟

محمودہ: جی ہاں۔ گیند کی طرح لڑھکنیاں کھاتی ہوئی آفتاب کے گرد چکر لگا رہی ہے۔

حسن آرا: تم تو غضب ڈھانے اور دنیا جہان کو اندھا بنانے لگیں۔

محمودہ: کیوں؟ کیا کچھ غلط کہتی ہوں؟

حسن آرا: اب کہوں گی تو برا مانو گی۔ ایک زبان کا ڈنڈا خدا نے حوالے کر دیا ہے' چاہو زمین کو گیند بناؤ' لڑھکاؤ' جو چاہو سو کرو۔ اور جو کہیں سچ مچ زمین گیند بن کر لڑھکنے لگے تو ایک ہی پلٹے میں بیوی صاحب کا جھوٹ سچ سب نکل جائے۔

محمودہ: بھلا زمین کا گول ہونا اور لڑھکنا اور آفتاب کے گرد چکر کھانا ثابت ہو جائے تو تب مانے گا؟

Marfat.com

حسن آرا: میں تو کچھ باؤلی نہیں ہوئی۔ تمام زمانہ بھی اس کا قائل ہو جائے تو بندی ماننے والی نہیں۔ مجھ سے تو آنکھوں پر ٹھیکری نہیں رکھی جاتی۔ صریحاً دیکھ رہی ہوں۔ اچھی خاصی طرح زمین چوڑی چکلی نظر آ رہی ہے۔ پھر ناحق گول کیوں سمجھ لوں؟

محمودہ: پس اسی واسطے آپ زمین کو گول نہیں سمجھتیں نا کہ آنکھ سے چوڑی چکلی نظر آ رہی ہے۔

حسن آرا: دنیا میں آنکھوں دیکھی بات کا سب سے بڑھ کر اعتبار ہے مگر آپ اس کو بھی جھٹلا دیجئے۔ دو چار باتوں میں جو آپ نے مجھ کو قائل کر دیا تو کیا مجھ کو ایسا بے وقوف بنا لیا ہے کہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتی؟

محمودہ: بھلا اگر آنکھ غلطی کرتی ہو؟

حسن آرا: میری یا سب کی؟

محمودہ: سب کی۔

حسن آرا: تو مجھ کو اس سرے کا نسخہ معلوم نہیں کہ لگاتے ہیں زمین گول نظر آنے لگے۔

محمودہ: وہ نسخہ میں آپ کو بتاؤں گی۔ بواز بیدہ' ذرا وہ خردبین شیشہ تو استانی جی سے میرا نام لے کر مانگ لاؤ۔ دیکھنا ذرا سنبھال کر لانا۔

## خردبین

زبیدہ: خردبین لے آئی۔

محمودہ: لیجئے' ذرا اس شیشے کو تو دیکھیے۔

حسن آرا: یہی شیشہ ہے جس میں زمین گول دکھائی دیتی ہے؟

محمودہ: نہیں۔ زمین تو گول نہیں دکھائی دیتی مگر اور بہت سے تماشے نظر آتے ہیں۔

حسن آرا نے دیکھا تو بولی "اے ہے! یہ سر کے بال ایسے لاؤ کی برابر موٹے! اچھی' دیکھنا' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بال بیچ میں نے کی طرح کھوکھلا کھوکھلا ہے۔"

محمودہ: ہاں' میں نے دیکھا ہے۔ اندر سے بال کھوکھلا ہوتا ہے۔

Marfat.com

حسن آرا: یہ لو۔ اور سیر دیکھو۔ بدن کے رونگٹے رونگٹے میں چھید۔ مکھی کو تو دیکھو۔ ہزاروں لاکھوں آنکھیں اور پروں میں اتنے رنگ۔ افو! ہوا میں اتنے بھنگے! اللہ اکبر پانی میں یہ بلا کے کیڑے! یہ عجیب طلسمات کا شیشہ ہے!

محمودہ: ایسی شیشے سے تو آنکھ کی کوتاہی ثابت ہوتی ہے۔

حسن آرا: آنکھ کی کوتاہی کیا ثابت ہوتی ہے؟ خدا جانے اس میں کیا بلا بھری ہے۔ کچھ جادو کا شیشہ معلوم ہوتا ہے۔ ایک سفید شیشے کا سہ پہل ٹکڑا میرے پاس بھی ہے۔ اس میں اور ہی خواص ہیں۔ جس چیز کو دیکھو ہے تو سفید مگر اس میں دیکھنے سے گوٹ کی طرح نیلی' ہری' لال دھاریاں نظر آتی ہیں۔

محمودہ: وہ تمہارا سہ پہل شیشہ بھی سچا ہے۔ ایک کتاب میں' میں نے رنگوں کا تھوڑا سا بیان پڑھا ہے۔

## رنگ

اس میں لکھا ہے کہ دنیا میں بہت سے رنگ ہیں۔ مگر اصل رنگ تین ہیں۔ زرد' سیاہ' سرخ۔ اور باقی سب رنگ انہی رنگوں سے بنتے ہیں۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ کوئی رنگ نہ ہو تو سفید کہا جاتا ہے۔ لیکن عقلمندوں نے جو چھان بین کی تو یہ دریافت ہوا کہ سب رنگ مل کر سفید بنتا ہے۔ اور اگرچہ اس بات کی دلیلیں ہیں مگر سہ پہل شیشے میں آنکھوں سے دیکھ لیا۔ برسات میں جو ایک رنگین کمان آسمان میں نکلا کرتی ہے' اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ ہوا میں پانی کی بہت ننھی ننھی بوندیں رہ جاتی ہیں۔ جب آفتاب سامنے آتا ہے تو اس کی شعاع بوندوں میں رنگین نظر آنے لگتی ہے۔ ایک مرتبہ میں سر دھو کر اٹھی۔ بال نم تھے۔ میں نے ہاتھ سے جھٹکے۔ بوندیں جو اڑیں تو عجب عجب رنگ دکھائی دینے لگے۔ میں اس تماشے میں ایسی محو ہوئی کہ جب تک بالوں میں ذرا نمی رہی' بالوں کو برابر جھٹکتی رہی۔ کہیں استانی جی کی نظر جو پڑ گئی' بولیں ''اے محمودہ' آج کیا ہے کہ برابر

Marfat.com

نگوڑے بالوں کو جھٹکے جاتی ہو۔ روکھے بال ہیں' نوکیں ٹوٹ جائیں گی'' تب میں نے استانی جی سے بیان کیا کہ میں یہ نئی سیر دیکھ رہی ہوں۔ اس کا سبب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ استانی جی نے الماری میں سے ایک کتاب نکال مجھ کو رنگوں کا بیان دکھا دیا کہ اس کو پڑھ لو اور جہاں سمجھ میں نہ آئے' پوچھ لو۔

حسن آرا: کیا بتاؤں۔ میری تو سدھ بدھ یہاں آ کر لچھ جاتی سی رہی ہے۔ جو بات سنتی ہوں' مجھ کو اچنبھا ہوتا ہے اور اپنے جی ہی جی میں کہتی ہوں کہ میں نے دنیا میں آ کر کیا دیکھا اور کیا سیکھا۔ خیر زمین گول ہوتا تو ثابت کیجئے۔ وہ بات ہی رہی جاتی ہے۔

محمودہ: ہاں' خردبین سے ہم کو اپنی نظر کا نقصان معلوم ہوتا ہے۔ دو باتیں میں اور بھی کہوں گی۔ ایک یہ کہ تم تو اپنے تئیں بڑی جہانیاں جہاں گشت جانتی ہو۔ سلطان جی' قطب صاحب' میرٹھ' پانی پت' نہیں معلوم کہاں کہاں کہتی تھیں کہ گئی ہوں۔

حسن آرا: ہاں' خدا رکھے جہانیاں جہاں گشت تو ہوں۔ تھوڑا ملک میں نے دیکھا ہے۔ باہر میدان میں صاف نظر آتا تھا کہ تھوڑی دور چل کر زمین آسمان کے کنارے سے مل گئی ہے۔ مجھ کو کیا' سب کو ایسا ہی دکھائی دیا کہ آسمان سرپوش کی طرح زمین پر ڈھکا ہوا ہے۔ میں تو جانتی ہوں کہ کوئی شہر میرے دیکھنے سے نہیں چھوٹا۔

محمودہ: کیوں جھوٹ بولتی ہو' بھلا جھجھر اپنی سسرال گئی ہو؟

حسن آرا نے جھجر کا نام سن کر آنکھیں نیچی کر لیں اور بولی کہ نگوڑے گاؤں' نہ جاڑے میں دھوپ نہ گرمی میں چھاؤں' کا کیا نام لینا تھا۔ نوج میں وہاں کیوں جانے لگی؟

محمودہ: بھلا تم پانی پت اور میرٹھ کس سواری میں گئی ہو؟

حسن آرا: پالکی گاڑی کی ڈاک تھی۔

محمودہ: راہ میں تم نے ادھر ادھر تو ضرور دیکھا ہوگا؟

حسن آرا: دیکھتی تو سہی' مگر ذرا کی ذرا پیک تھوکنے کو منہ نکالا تھا۔ دیکھتی کیا ہوں

Marfat.com

کہ سرسرزمین پاؤں کے تلے نکلی چلی جاتی ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ کو ایک چکر سا آنے لگا۔ جھٹ میں نے منہ اندر کرلیا۔

## متحرک چیزوں میں آنکھ کا غلطی کرنا

محمودہ: یاد رکھیے کہ یہ آنکھوں کی دوسری غلطی ہے۔ چلے تو گاڑی اور نظر آئے کہ زمین چل رہی ہے۔ بھلا دوسری بات اور پوچھوں کہ پھٹے ہوئے بادل میں چاند کو بھی بھاگتے ہوئے دیکھا ہے؟

حسن آرا: سینکڑوں دفعہ۔ ہم تو ہمیشہ چاندنی رات میں چند اماموں سے کھیلا کرتے ہیں۔

محمودہ: کیا تم سمجھتی ہو کہ چاند اتنی جلدی بھاگتا ہے؟

حسن آرا: اور کیا؟

محمودہ: بھلا جب بادل نہیں ہوتا تب چاند اس طرح بھاگتا ہوا کیوں نہیں نظر آتا؟ اگر حقیقت میں چاند چلتا ہو تو کھلی راتوں میں اس کا چلنا اور بھی صاف دکھائی دیتا۔

حسن آرا: کچھ سبب سمجھ میں نہیں آتا۔

محمودہ: میں بتادوں کہ یہ بھی آنکھ کی ایک غلطی ہے۔ ہوا بادل کو اڑائے لئے جاتی ہے اور بادل چل رہا ہے۔ ہم کو ایسا نظر آتا ہے گویا چاند بھاگ رہا ہے۔

## زمین کے گول ہونے کی دلیل

حسن آرا: بھلا ان باتوں سے زمین کا گول ہونا کیسے ثابت ہوگیا؟

محمودہ: ابھی نہیں، ذرا صبر کرو۔ ایک بات اور بتاؤ کہ جب تم قطب صاحب گئی تھیں تو لاٹ تم کو کتنی دور سے نظر آنی شروع ہوئی تھی؟

حسن آرا: اجی پرانی دہلی کے باہر نکلو اور لاٹ نظر آنے لگتی ہے۔ اور اگر درختوں

Marfat.com

اور مکانوں کی آڑ نہ ہو تو لاٹ اللہ اکبر! اتنی اونچی ہے کہ شاید اس کی چوٹی یہاں سے بھی دکھائی دے تو کچھ اچنبھا نہیں۔

محمودہ: صرف چوٹی؟

حسن آرا: اور کیا اب آپ چاہتی ہیں کہ گھر بیٹھے ساری لاٹ دیکھ لوں؟

محمودہ: نہ دیکھ لینے کا سبب؟

حسن آرا: سبب یہی دوری اور کیا؟

محمودہ: دوری کی وجہ سے لاٹ بلا سے چھوٹی دکھائی دے مگر ساری دکھائی تو دے۔ اس کا کیا سبب ہے کہ پہلے صرف چوٹی دکھائی دیتی ہے؟ اس کا نیچے کا دھڑ کہاں غائب ہو جاتا ہے؟

حسن آرا: کسی چیز مثلاً درخت وغیرہ کی آڑ پڑتی ہوگی۔

محمودہ: آڑ تو پڑتی ہے۔ مگر درخت کی آڑ ہوتی تو درخت تو نظر آتا۔ میں تبھی تو قطب صاحب چھ سات مرتبے سے کم نہیں گئی۔ ہمایوں کے مقبرے سے آگے اچھا خاصا کف دست میدان پڑا ہے اور ناک کی سیدھ عین لاٹ کی جڑ میں سڑک لگی ہے۔ اور لاٹ پر کیا موقوف ہے۔ یون سڑک پر دور کے بہت سے درخت صاف سامنے نظر آتے ہیں جن کے بیچ میں کچھ بھی آڑ نہیں۔ مگر پھر بھی پہلے وہی اوپر کی ٹہنیاں نظر آتی ہیں اور جوں جوں پاس جاؤ رفتہ رفتہ نگاہ نیچے تک پہنچتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ سارا درخت چوٹی سے جڑ تک نظر آنے لگتا ہے۔ (حسن آرا محمودہ کا یہ اعتراض سن کر بغلیں جھانکنے لگی)

محمودہ: اس کا سبب عرض کروں؟

حسن آرا: فرمائیے۔

محمودہ: وہی زمین کی گولائی کی آڑ۔

یہ کہہ کر محمودہ نے حسن آرا کو پانی کے مٹکے کے پاس لے جا گولائی کا آڑ کرنا اور

Marfat.com

لوگوں کو زمین کے گرد اگرد گھوم آنا بخوبی سمجھا دیا۔

حسن آرا: زمین کے گول ہونے کی یہی ایک دلیل ہے؟

محمودہ: نہیں' اور بہت دلیلیں ہیں۔ لیکن ابھی آپ کو ان کا سمجھنا مشکل ہے۔ مگر جب آپ کی معلومات زیادہ ہو جائیں گی تو میں زمین کے گول ہونے کی سب دلیلیں ضرور آپ سے بیان کروں گی۔

حسن آرا: اچھا اگر زمین گول ہے تو ہم لوگ اس پر سے پھسل کیوں نہیں پڑتے؟

محمودہ: گول تو ضرور ہے مگر ذرا اس کو بھی سمجھ لیجئے کہ گول چیز جس قدر چھوٹی' اسی قدر اس میں گولائی زیادہ۔ مثلاً رائی کا دانہ' چنے کا دانہ' بیر' آڑو' انڈا' آب خورہ' ٹھیلیا' مٹکا' گنبد' گول تو سب ہیں مگر چھوٹی چیز کی گولائی فوراً ظاہر ہو جاتی ہے۔ بیر میں سے ناخن برابر چھلکا بھی لو تو گول ہوگا اور بڑے مٹکے میں سے آپ کے ایک بالشت برابر ٹھیکرا توڑ لیا جائے تو سپاٹ کھپرا معلوم ہوگا۔ بھلا ایک اچھا گول بیر انڈے پر رکھنا چاہو تو لاکھ حکمت کرو' ہاتھ ہٹایا اور گرا۔ لیکن مٹکے پر جس جگہ چاہو دس پندرہ بیر رکھ دو۔ جب مٹکے کا یہ حال ہے تو گنبد کا اس سے زیادہ۔ زمین تو ان مٹکوں اور گنبدوں کے آگے خدا جانے کتنے کروڑ' کتنے لاکھ دفعہ بڑی ہے اور جب کشش زمین ہم کو تھام رہی ہے تو ہم گر جائیں تو کہاں جائیں؟ زمین کی بڑائی کی اٹکل کرا دینا آسان نہیں ہے مگر یوں سمجھئے کہ یہ ہمارے گھر کی انگنائی آپ دیکھتی ہیں' کیسی لمبی چوڑی ہے؟

حسن آرا: انگنائی ہے کہ شیطان کی آنت ہے۔ کم بخت اس سرے سے اس سرے تک جاؤں تو ٹانگیں ٹوٹ پڑیں۔ بھلا اتنا میدان کیوں چھوڑ رکھا ہوگا۔ صحن کیا ہے' جنگل معلوم ہوتا ہے۔

محمودہ: بیچ میں بارہ دری بننے والی ہے۔ اسی کی جگہ چھوڑی گئی ہے۔ بھلا خیر' اس دالان سے ڈیوڑھی تک کتنا فاصلہ ہوگا؟

Marfat.com

حسن آرا: مجھ کو نہیں معلوم۔

محمودہ: انکل سے۔

حسن آرا: کوئی بیس اور بیس۔ اے ہے! خدا جانے کے بیسی گز ہوگا۔

محمودہ: پورا پچاس گز ہے۔

حسن آرا: پچاس گز کتنے ہوتے ہیں؟

محمودہ: بیس اور بیس اور دس۔

حسن آرا: افوہ! بڑا لمبا صحن ہے۔

محمودہ: بھلا کتنے پھیرے آپ صحن کے اس سرے سے اس سرے تک لگا سکتی ہیں؟

حسن آرا: کتنے پھیرے؟ اجی ایک بھی ہو جائے تو بہت ہے۔

محمودہ: بس اتنا ہی زور ہے؟

حسن آرا: ہاں' میری ٹانگوں میں اتنا ہی بوتا ہے۔ کچھ خدا نہ کرے میں کہاری تھوڑی ہی ہوں۔ میں تو خاصی امیر زادی ہوں۔ اور امیر زادیاں بس اپنے پاؤں سے اتنا ہی چلا کرتی ہیں۔ جس دن استانی جی عین سامنے بیٹھی ہوتی ہیں' لحاظ کے مارے چبوترے کے پاس دایہ کی گود سے اتر پڑتی ہوں۔ مگر دالان تک پہنچتے پہنچتے دم ہی تو چڑھ جاتا ہے۔ اور کبھی استانی جی سامنے نہیں ہوتیں یا نیچی آنکھ کیے ہوئے کسی کو پڑھاتی ہوتی ہیں تو میں دایہ کو بیچ دالان اپنی جگہ پر لا کر چھوڑتی ہوں۔

محمودہ: اگر اپاہج ہونا بھی امیری کا ہنر تو شاباش! آپ بڑا اچھا کام کرتی ہیں۔ مگر میں ان شاء اللہ ایک دم سے سو پھیرے کر جاؤں اور نہ دم چڑھے اور نہ ٹانگیں دکھیں۔

حسن آرا: منہ سے یا ٹانگوں سے؟

محمودہ: اجی' انہی ٹانگوں سے۔ اور آپ کو یقین نہ ہو تو چلئے' استانی جس سے پوچھوا دوں۔

Marfat.com

## جسمانی ریاضت اور ایام غدر کی ایک حکایت میں اس کے فائدوں کا بیان

استانی جی کا تو بارہوں مہینے کا معمول ہے کہ کوئی چار گھڑی رات رہے اٹھیں' تہجد کی نماز پڑھی۔ اس میں کوئی دو گھڑی کا تڑکا ہو آیا۔ اس وقت سے برابر اسی صحن میں ٹہلا کرتی ہیں اور منزل پڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ جھٹپٹا ہونے آیا۔ نماز پڑھی معمولی وظیفہ کبھی پڑھ چکتی ہیں' کبھی پڑھتی ہوتی ہیں کہ میں جاگتی ہوں۔ پچھلی گرمیوں میں ایک رات یوں ہی میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو استانی جی ٹہل رہی ہیں۔ میرا جاگ اٹھنا جو ان کو معلوم ہو گیا تو کہا: محمودہ اب سویرا ہے۔ مت سوؤ۔ طبیعت خراب ہو جائے گی۔ آؤ' دیکھو تو' آخر شب چاندنی میں کیا لطف ہے۔ ستارے اس طرح ٹمٹما رہے ہیں کہ گویا رات بھر کے جاگے ہیں اور اب صبح ہوتے ہی اونگھتے ہیں۔ کیسی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے کہ طبیعت باغ باغ ہوئی جاتی ہے۔ پھول جو کھلے ہیں تو بھینی بھینی خوشبو آ رہی ہے۔ جانور میٹھی میٹھی آوازوں میں خدا کی حمد گا رہے ہیں۔ نور ظہور کی گھڑی اور برکت کا وقت ہے۔ پورب کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھو کہ صبح کا نور کیسا دل کو لبھاتا ہے''

جھٹ پٹ اٹھ کھڑی ہوئی اور ہاتھ منہ دھوا استانی جی کے ساتھ ٹہلنے لگی۔ میں نے اس دن خوب دھیان لگا کر گنا تھا تو کوئی اسی یا تم یوں سمجھو کہ چار بیسی پھیرے انگنائی میں ہو گئے تھے۔ میں نے استانی جی سے پوچھا کہ آپ اس قدر سویرے اٹھ کر کیوں ٹہلا کرتی ہیں تو فرمایا کہ دن رات میں اس سے بہتر فرصت کا کوئی وقت نہیں۔ اور ٹہلنے سے میرا اصلی مطلب یہ ہے کہ انسانی حفظ صحت کے لئے تھوڑی بہت بدنی محنت اور جسمانی ریاضت بھی چاہئے۔ تم دیکھتی ہو کہ خدا کے فضل سے میں کمتر بیمار پڑتی ہوں۔

اس کا ظاہری سامان میں تو یہی سمجھتی ہوں کہ ہر روز اتنا ٹہل لیتی ہوں کہ خاصی

Marfat.com

طرح بدن میں عرق آ جاتا ہے۔ اور ایک مرتبہ اس عادت کا ایک خاص فائدہ بھی میں دیکھ چکی ہوں۔ غدر میں جب سارا شہر بھاگ نکلا تھا' ہم اس امید پر پڑے رہ گئے تھے کہ ابا جان جس رئیس کے نوکر ہیں' وہ سرکار کا بڑا خیر خواہ تھا۔ خود اس کے اپنے بیٹے اور پوتے سرکاری فوج کے ساتھ لڑائی پر تھے۔ رئیس کی معرفت ابا جان نے سرکار سے یہ قرار کرالیا تھا کہ جب دہلی فتح ہو تو سرکاری فوج کا کوئی آدمی ہم لوگوں کو نہ ستائے۔ جب شہر میں بھاگڑ مچی' محلے والوں نے بہتیرا ہم لوگوں سے کہا کہ شہر میں رہ کر کیوں مفت میں جان گنواتے ہو' مگر ہم لوگ اس وعدے کے آسرے پر گھر سے نہ نکلے۔ لوگوں سے تو ڈر کے مارے یہ حال ظاہر نہ کیا مگر جی ہی میں دعائیں مانگ رہے تھے کہ کس دن دہلی فتح ہو اور ہم لوگ آرام سے بیٹھیں۔

خدا کا کرنا' جس دن دہلی پر پہلا دھاوا ہوا' اے ہے خدا دشمن کو بھی وہ دن نہ دکھاوے' ایک قیامت برپا تھی۔ دن بھر گولیوں کا مینہ برستا رہا اور گولے خدا کی پناہ! کان بہرے ہو ہو جاتے تھے۔ زمین دہل دہل پڑتی تھی۔ شام ہونے آئی تو نہر کے پرلے پار تک انگریز آ گئے تھے اور عین ہماری اس دیوار کے نیچے گلی کے نکڑ پر موئے تلنگوں نے توپ لگا رکھی تھی۔ کس کو امید تھی کہ زندوں کو صبح ہوگی۔ جان سے ہاتھ دھو کر تہہ خانوں میں چپ بیٹھے اللہ اللہ اکبر کر رہے تھے۔ کس کا کھانا اور کس کا پکانا۔ ایک ایک کا منہ تکتا تھا۔

کوئی پہر رات گئے کسی مردوے کی آواز آئی۔ ابا جان کا نام لے لے کر پکارتا تھا۔ ڈر کے مارے جواب کون دے! آخر میں نے بھائی جان سے کہا: ''خدا کے لئے انگنائی میں نکل کر خبر تو لو۔ کون وقت ہوا یہ آدمی برابر چلا رہا ہے۔ شاید سرکاری فوج کا کوئی آدمی ہو اور ہماری حفاظت کے لئے آیا ہو۔'' غرض بھائی جان باہر نکلے اور کوٹھے پر چڑھ کر آواز کی آہٹ لی۔ اس وقت لڑائی بھی بند تھی۔ وہ مردوا سڑک پر تھا۔ بھائی

Marfat.com

جان نے اس کو کوٹھے کے نیچے بلایا اور حال پوچھا۔ اس نے کہا کہ مجھ کو کپتان صاحب نے بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم نے ہر چند چاہا کہ آپ کے مکان کی حفاظت ہو مگر کوئی تدبیر بن نہیں پڑتی۔ باغیوں نے شہر خالی نہیں کیا۔ نہر کے ادھر وہ لوگ ہیں اور نہر تک ہماری عملداری ہے۔ رات کے دو بجے ہم لوگ باغیوں پر حملہ کریں گے۔ آپ کا مکان عین زد میں ہے۔ حملے کے وقت سے پہلے پہلے تم لوگ اپنی جانیں لے کر نکل جاؤ۔ جب سلطنت بیٹھے گی' دیکھا جائے گا۔ اس خبر کے سنتے ہی سب کو سناٹا ہو گیا۔ کسی نے کہا' جہاں پڑے ہو پڑے رہو۔ آخر یوں بھی مرنا' دوں بھی مرنا۔ بے فائدہ عورتوں کو بازار میں لئے پھرنا کیا حاصل۔ ایک آدھ احمق یہ بھی کہنے لگے کہ آؤ عورتوں پر ہم ہی ہاتھ صاف کریں۔ پھر جیسا ہو گا دیکھا جائے گا۔

غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ اس گفت و شنید میں آدھی رات گزری۔ بھائی جان نے دیکھا کہ وقت نکلا جاتا ہے اور لڑائی شروع ہونے میں کچھ دیر نہیں' تب تو وہ ذرا اکڑے ہو کر بولے یہ سب کہنے کی باتیں ہیں اور نرے نامردی کے خیالات ہیں۔ جان کا بچانا فرض ہے۔ جہاں تک ہو سکے' بھاگنا چاہئے۔ اور یوں قضا کا تو کچھ علاج نہیں۔ یہ کہہ کر مجھ سے کہا: ''اٹھ لڑکی' تو تو چل۔ یہ لوگ جانیں اور ان کا کام جانے''

میں پہلے ہی سے بھاگنا بھاگنا کر رہی تھی۔ چلنے کا نام سنتے ہی میں نے اپنا تمام زیور اپنے ہاتھوں نکال' انگنائی میں پھینکا اور دالان کو چاندنی میں سے دو پاٹ پھاڑ دوپٹہ بنایا اور کہا کہ لو صاحب' میں تو چلی۔ میرا چلنا تھا کہ سارا کنبہ پیچھے ہو لیا۔ اس رات تم ہوتیں تو ان کم بخت عورتوں کی سیر دیکھتیں۔ ایک صاحبہ ہیں کہ تمام دھن دولت تو گھر چھوڑا' پان کھانے کی پٹاری لادے لئے چلی جاتی ہیں۔ کسی کی جوتی پاؤں میں سے نکل نکل کر پڑتی تھی۔ کسی کا ازار بند پاؤں میں الجھتا تھا۔ اس دن جس کے بڑے پائنچے تھے' اسی کو چلنے کی بڑی مصیبت تھی۔ بھائی جان اس وقت بھی چھیڑتے تھے کہ کم بختو' اور نین

Marfat.com

سکھ کے تھان کے دو پائجامے بناؤ۔ لاہور کی ریشمی ازار بندوں میں پٹیاں لگا لگا کر اور بڑا کرو۔ ہنسی کی ہنسی' مصیبت کی مصیبت۔۔ ان بے چاروں کو بازاروں میں چلنے کا کا ہے کو اتفاق ہوا تھا۔

گورات تھی اور یوں بھی راستہ نہیں چلتا تھا مگر من من بھر کے پاؤں تھے۔ دو قدم چلیں اور گریں۔ خدا خدا کر کے صبح ہوتے ہوتے کاغذی محلے تک پہنچے۔ یہاں کیا ٹھکانا تھا۔ انگریز کہتے تھے کہ قلعہ لیں تو آج لے لیں۔ جوں ہی پن چکیوں کے برابر آئے' دیکھا کہ سینکڑوں ہزاروں گورے اور سکھ قطار باندھے چلے آتے ہیں۔ دیکھتے کے ساتھ دم ہی تو فنا ہو گیا۔ مٹھائی کے پتی کی طرف پھر بھاگے۔ بے چاری عورتوں کا برا حال تھا۔ ایک بیوی تو سڑک پر لیٹ گئیں کہ مجھ سے تو آگے نہیں چلا جاتا۔ خدا کے لٹے مجھ کو یہیں رہنے دو۔ تھوڑی دور میں نے ان کو چڈھی چڑھایا۔ اتنے میں دو تین اور گریں۔ اب کس کو کون کندھے چڑھائے؟ اپنی ہی جان بھاری تھی۔ بھائی جان نے کہا لوگو! خدا کے لئے دل مضبوط کر کے ذرا پھول کی منڈی تک تو چلو۔ وہاں ممکن ہوگا تو کچھ سواری کا بندوبست کیا جائے گا۔ بہزار دقت کوئی پہر دن چڑھے تک پھول کی منڈی پہنچے۔ سواری یہاں کیا رکھی تھی۔ باہر سے گدھوں پر اناج آیا تھا۔ گدھے والا اپنے گدھے باہر لئے جاتا تھا۔ اس سے بھائی جان نے بہت گڑگڑا کر کہا "بھائی میاں' ذرا شہر کے دروازے تک ان عورتوں کو بٹھا لو۔ جو کہو سو دیں گے۔"

گدھے والا: اجی میاں جی' انگریز قلعے میں پہنچ گئے ہیں۔ کم بختی کا مارا رات کو نہ جا سکا۔ اب دیکھیے کیسا بچتا ہوں۔ گدھے لو اور جس قدر چاہو لدلو اور ہانک لاؤ۔ مجھ کو دروازے کے باہر گدھے حوالے کر دینا۔

غرض کہ چار گدھے بھائی جان نے روک لئے اور کہا کہ لو صاحب' جو تھک گیا ہو' اس پر بیٹھ لے۔ دیر کرنا غضب ہے۔ پہلے تو گدھے کی سواری کا نام سن کر سب نے تامل

Marfat.com

کیا مگر کرتیں کیا' مجبوراً گدھوں پر سوار ہونا پڑا۔ مجھ سے بھائی جان نے کہا کہ لڑکی' تو بہت تھک گئی ہے' بیٹھ لے۔ میں نے کہا کہ میں ابھی مطلق نہیں تھکی اور ایسے ایسے دس جتے پاپیادہ چل سکتی ہوں۔

بھائی جان: آخر چڑھنا پڑے گا۔ تمہارا خیال ہے کہ شاید شہر میں چل کر ٹھہریں گے۔ ہرگز نہیں۔ عرب کی سرائے سے ادھر کہیں ٹھکانا نہیں۔

میں نے کہا ان شاءاللہ میں سرائے تک بخوبی چلی جاؤں گی۔ غرض مجھ کو تو خدا نے اس فضیحت سے بچالیا اور بیویاں چڑھی پر چڑھیں۔ آج تک ان کی ہنسی ہوتی ہے۔

حسن آرا: اجی غدر بھی اک آفت ناگہانی تھی۔ سو بیت گئی۔ کہیں خدانخواستہ ہر روز غدر ہو رہا ہے کہ کم بخت عورتیں اس کے واسطے دوڑنے کی عادت اور بھاگنے کی مہارت کریں؟

محمودہ. بات میں بات میں نے بیان کی۔ میرا بھی یہ مطلب نہیں کہ عورتیں گھروں میں گھڑ دوڑ کیا کریں۔ مگر اتنی آلکسی بھی ٹھیک نہیں کہ ڈیوڑھی تک جائیں تو ہانپنے لگیں' کوٹھے پر چڑھیں تو سانس پیٹ میں نہ سمائے۔ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں تو پھرتی رکھنی چاہئے۔

حسن آرا: خیر' اب وہ زمین کا گول ہونا تو ثابت کیجئے۔ کیا آپ اس بات کو ٹالنا چاہتی ہیں؟

محمودہ: ہاں تو یہ انگنائی پچاس گز لمبی ہے۔ اس سرے سے اس سرے تک تیس یعنی پانچ کم دو بیسی پھیرے کرو تو ایک میل ہو' اور دو میل کا ایک کوس ہوتا ہے۔

حسن آرا: اوہ! اتنا بڑا میل اور اتنا بڑا کوس ہوتا ہے؟

محمودہ: اب قطب صاحب کی لاٹ کو فرمایئے کہ کتنے ہزار کوس لمبی ہے؟

حسن آرا: میں تو جانتی ہوں کہ اس حساب سے پوری میل بھر بھی لمبی نہ ہوگی۔

محمودہ: بے شک' میل کیسا' میل کا دوسرا حصہ بھی نہیں۔

Marfat.com

# زمین کی جسامت' ہیئت اور تقسیم

اورزمین بتاؤں میلوں کے حساب کتنی بڑی ہے؟ چوبیس ہزار میل اس کا دور ہے۔ مردوں میں بارہ کوس کی منزل مقرر ہے۔ یعنی مرد لوگ جو سفر کرتے ہیں تو بارہ کوس روز چلے جاتے ہیں اور واقع میں آرام کے ساتھ سفر کیا جائے تو بارہ کوس دن بھر کے چلنے کو بہت ہے۔ اس حساب سے اگر کوئی آدمی ناک کی سیدھ چلنا شروع کرے تو پانچ برس میں جہاں سے چلا تھا' وہیں آ کھڑا ہوگا اور اس کا صرف ایک پھیرا پورا ہوگا۔

حسن آرا: اللہ اکبر! اب جو میں خیال کرتی ہوں تو زمین ہی بڑی ہے۔ بھلا تم نے کیوں کر جانا کہ چوبیس ہزار میل کا دور ہے؟

محمودہ: کتابوں سے جانا۔ ہمت والے لوگوں نے محنت اٹھا کر برسوں سفر کیا اور تمام دور ناپ ڈالا۔ خشکی کی راہ تو سیدھا چلنا مشکل ہے۔ کہیں سینکڑوں کوس کے جنگل ہیں جن میں نہ کہیں ٹھہرنے کا ٹھکانا ہے نہ پانی کا آسرا نہ سڑک۔ مگر سمندر سمندر جہازوں پر لوگوں نے سفر کیا ہے اور قطب نما کے سہارے سے سیدھ لگائے چلے گئے اور آخر کو وہیں آ موجود ہوئے جہاں سے چلے تھے۔ کیا اب بھی زمین کے گول ہونے میں کوئی شک وشبہ ہے؟

حسن آرا: دو دو تین تین کوس اونچے مہینوں کی چڑھائی کے پہاڑ ہیں تو زمین گول کہاں رہی؟

محمودہ: ہاں' زمین ایسی گول نہیں جیسی ڈھلی ہوئی گول ہوتی ہے۔ ٹھیک نارنگی کی طرح گول ہے۔ اتر دکھن دونوں سرے پچکے ہوئے اور جیسے نارنگی کے چھلکے پر پھنسیاں پھنسیاں ابھری ہوئی ہیں اسی طرح زمین پر یہ پہاڑ ہیں۔ جو شخص پہاڑوں کو دیکھ کر زمین کے گول ہونے میں شک کرے اس کو زمین کی بڑائی کا ٹھیک تصور نہیں۔ ایک مٹکے پر ایک رائی کا دانہ رکھ دو تو اس کی گولائی میں کیا فرق آ جائے گا؟

Marfat.com

حسن آرا: زمین کو تو میں پہلے سے بڑی جانتی ہوں' مگر ٹھیک اندازہ معلوم نہ تھا۔

محمودہ: تم خاک بھی بڑی نہیں جانتی تھیں۔ ایک میرٹھ اور پانی پت کیا گئیں کہ آپ نے سمجھا تمام روئے زمین کی سیر کر لی۔

حسن آرا: زمین اتنی بڑی ہے تو ہزاروں لاکھوں شہر اس پر بسے ہوں گے۔

محمودہ: بے شک۔ مگر اس سے یہ مت سمجھو کہ تمام روئے زمین پر آبادی ہے۔ تین حصے تو سمندر ہے' ایک حصہ جو کھلا ہے' اسی میں کل نوے کروڑ آدمی بھی جا بجا بسے ہیں اور جنگل' پہاڑ' دریا بھی ہیں۔

## تمدن کی وجہ

حسن آرا: سب لوگ مل کر ایک جگہ کیوں نہیں رہتے؟ ایک بڑا شہر بسا لیں اور سب اسی میں رہیں تو بڑا مزہ ہو۔

محمودہ: مزہ کیا خاک ہو؟ سب بھوکے مرنے لگیں۔

حسن آرا: کیوں؟

محمودہ: کھانے کا اناج میدان میں پیدا ہوتا ہے۔ اس سبب سے لوگ دنیا میں الگ الگ بسے ہیں۔ ہر ایک بستی کے آس پاس کچھ میدان جوتنے اور بونے اور اناج پیدا کرنے کے واسطے لگا رکھتے ہیں۔ سب ایک جگہ بسیں تو ہزاروں کوس کا لمبا چوڑا شہر ہو جائے۔ جوتنے بونے کہاں جائیں؟ اس واسطے ہمیشہ تھوڑے تھوڑے بہت بہت آدمی مل کر رہتے ہیں۔ جہاں تھوڑے آدمی بسے ہوں' وہ گاؤں ہے۔ اس سے بڑھ کر قصبہ۔ اس سے بڑھ کر شہر۔ اس سے بڑھ کر ملک اور ولایت۔ بعضے گاؤں چار چار پانچ پانچ گھر کے بھی ہوتے ہیں اور بڑے شہروں میں تو لاکھوں آدمی ہوتے ہیں۔

حسن آرا: جہاں صرف چار چار پانچ پانچ گھر ہیں' لوگ کیوں کر گزر کرتے ہوں گے؟

Marfat.com

محمودہ: ہم سب سے بہتر طور پر گزر کرتے ہیں۔

حسن آرا: کیا خاک گزر کرتے ہوں گے؟ نہ حلوائی نہ عطار نہ گندھی نہ منھیار نہ بزاز نہ کوئی نہ کوئی۔

محمودہ: یہ چیزیں امیرانہ زندگی کی لایعنی تکلفات اور شیخی اور نمود اور ڈینگ کے بیہودہ سامان ہیں۔ ان کو داخل ضروریات زندگی کون کہتا ہے۔ خوب غور کر دیکھا۔ پیٹ بھر لینے کو دال دلیا کچھ غذا چاہئے اور تن بدن ڈھک لینے کو موٹا جھوٹا کپڑا۔ بس اتنا ضرور ہے اور اس کے علاوہ سب انسان کی خود بینی اور تن پروری اور آرام طلبی کے ڈھکوسلے ہیں۔ سو جو چیزیں حقیقت میں ضروری ہیں' گاؤں والے اپنے ہاتھوں پیدا کر لیتے ہیں۔ کھانے کا غلہ اور میوے اور ترکاریاں' روئی' تمباکو' کسم' نیل سبھی کچھ تو کھیتوں میں ہوتا ہے بلکہ کھانے پینے کی چیزیں جیسی عمدہ اور صاف گاؤں والوں کو میسر آتی ہیں' ہم شہر والے خواب میں بھی نہیں دیکھتے۔

حسن آرا: بھلا اگر گاؤں میں آدمی بیمار پڑے تو دوا کہاں سے لے؟ علاج کس سے کرائے؟

محمودہ: گاؤں والے اللہ کے فضل سے دوا اور علاج کے محتاج نہیں ہوتے۔

حسن آرا: اس کا سبب؟

محمودہ: سبب صفائی' آب و ہوا کی عمدگی اور روز کی محنت۔

## آب و ہوائے شہر و دیہات کا مقابلہ

حسن آرا: آب و ہوا تو ساری دنیا میں ایک ہی ہوگی۔

محمودہ: ایک تو ہے مگر جہاں آدمی بکثرت رہتے ہیں' وہاں غلاظت بہت جمع ہوتی ہے اور عفونت کی وجہ سے آب و ہوا بگڑ جاتی ہے۔ آئے دن وبا آتی رہتی ہے' اور وبا نہیں بھی ہوتی تو بھی شہر کے لوگ اکثر بیمار رہتے ہیں۔

Marfat.com

حسن آرا: گاؤں والے بیمار نہیں ہوتے تو مرتے کیوں ہیں؟

محمودہ: مرنا اور بات ہے۔ گاؤں والے زندگی کا لطف تو پاتے ہیں نہ کہ شہر والوں کی طرح دائم المرض۔ یوں کبھی کبھار دکھ درد ہوتا ہے تو گاؤں والے سے کا علاج بھی کر لیتے ہیں۔ جنگل کی بوٹی' درختوں کی چھال اور پتے گھسے' رگڑے' پی گئے' اچھے ہو گئے۔ یہ نہیں کہ ہفتوں منضجین پیا کریں' مہینوں ماء الحلین میں پڑے گھلتے رہیں۔ لاکھ دوا کی ایک دوا تو تازی ہوا ہے جو شہر والوں کو عمر بھر بھی نصیب نہیں ہوتی اور گاؤں والوں کو ہر وقت میسر ہے۔

حسن آرا: سب کچھ تو ہے مگر گاؤں میں جی کیسا گھبراتا ہوگا۔ نہ محلہ نہ ہمسایہ۔ کس سے بات کیجئے' کس کے پاس جایئے۔

محمودہ: شہر میں روز کے روز کون کس کے پاس جاتا ہے؟ جس طرح شہر والے گھر کے کام کاج میں لگے رہتے ہیں' گاؤں والوں کو کھیتی باڑی اور مویشیوں کی خبر گیری کا مشغلہ کیا کم ہے۔ اس سے فرصت ہوتی ہے تو وہ لوگ بھی گھروں میں کام سے آتے اور آپس میں جی بہلاتے ہیں۔

حسن آرا: یہ گاؤں والے نرے اجڈ اور اکھڑ اور بے سلیقہ کیوں ہوتے ہیں؟

محمودہ: بوا! خیر النساء دیکھو حسن آرا گاؤں والوں کو اجڈ اور اکھڑ اور بے سلیقہ کہتی ہیں۔ تم بھی گاؤں والی ہو۔ جواب دو۔

خیر النساء: بیگم صاحب کو گاؤں والوں کا حال معلوم نہیں۔ سنے سنائے برا کہہ اٹھیں۔ اس کا جواب کیا دوں؟

حسن آرا: خیر النساء' تم کہاں کی رہنے والی ہو؟

حسن النساء: مراد آباد کے ضلع میں شریف پور نام کا ایک گاؤں ہے۔ وہیں میرا غریب خانہ ہے۔

حسن آرا: شہر میں کب سے ہو؟

Marfat.com

خیر النساء: کوئی ڈیڑھ برس سے۔

حسن آرا: تمہارے گھر میں کام کیا ہوتا ہے؟

خیر النساء: کوٹنا' پیسنا' پکانا' ریندھنا' کاتنا' سینا' پرونا گھر کی جھاڑو بہارو' بال بچوں کا نہلانا دھلانا۔

حسن آرا: میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں پوچھتی ہوں کہ تمہارے گھر کے مرد کیا کرتے ہیں؟

خیر النساء: جو لڑکے ہیں' پڑھتے ہیں۔ جو جوان ہیں' کمائی کرتے ہیں'۔ جو بڈھے ہیں' گھر کے لڑکے لڑکیوں کو پڑھاتے ہیں اور نماز روزے میں مصروف رہتے ہیں۔

حسن آرا: اے ہے! میں پوچھتی ہوں تمہارے گھر میں کیا ہوتا ہے؟

خیر النساء: دن کو دن' رات کو رات۔

حسن آرا: پتھر پڑیں ایسی موٹی سمجھ پر۔ کوئی جواب معقول نہیں۔

خیر النساء: آگ لگے ایسی بھونڈی تقریر کو۔ کوئی بات ٹھکانے کی نہیں۔

حسن آرا: نگوڑی' گنواری' شامت کی ماری' کوئی تیری کم بختی آئی ہے؟ بے تمیز! زبان سنبھال کر نہیں بولتی۔ ابھی مارتے مارتے کچلا کر ڈالوں گی۔

خیر النساء: چل چل' شہزی' بے بہری۔ امیر بیگم ہوگی تو اپنے واسطے۔ ہم کیا خدا نہ کرے کسی کی لونڈی باندی ہیں؟ ایک کہے گی تو دس سنے گی اور مارے گی تو مار کھائے گی بھی۔ لو صاحب مجھ کو بھی شہر کی لڑکی بنایا ہے کہ دھمکانے لگی۔

حسن آرا نے عمر بھر کبھی جواب نہ پایا تھا۔ خیر النساء کی بات سنتے ہی بے اختیار ہوگئی۔ مارنا اور کچلنا کرنا تو نری دھمکی تھی' سیدھی اٹھ' استانی جی سے جا فریاد کی اور رونے لگی۔ اتنا روئی کہ گھگھی بندھ گئی۔ جب تک روتی رہی' استانی جی چپ بیٹھی رہیں اور اگر کہیں دل جوئی کی ایک بات بھی ان کے منہ سے نکلتی تو حسن آرا بندی شام تک بھی نہ سنبھلتی۔ آخر کو سسکیاں لے لے خود بخود تھم گئی۔ اس درمیان میں محمودہ چند بار آئی اور

Marfat.com

قصداً حسن آرا کے پاس ہو کر نکلتی مگر حسن آرا نے منہ پھیر لیا۔ یہ دیکھ کر محمودہ کی جرات نہ ہوئی کہ حسن آرا سے بات کرے۔ ورنہ وہ رفع ملال کر بھی دیتی۔ اب شام قریب تھی۔ استانی جی نے کہا لڑکیو وہ مسیح الملک کی کہانی کن مدتوں کی ناتمام پڑی ہے۔ آج اسی کو ختم کر لیتیں۔ کس کی باری ہے۔

محمودہ: خیر النساء کی باری ہے۔

استانی جی: کیوں بوا حسن آرا خیر النساء کہانی کہیں، تم سنو گی؟ حسن آرا آنکھیں نیچی کر کے مسکرانے لگی اور بولی کیوں؟ سننے کو کیا ہوا؟ یہی نہ کہ میں بیچ میں نہ بولوں گی۔

محمودہ: کیوں نہ بولو گی۔ جب بیچ میں بات ہی نہ ہوئی تو کہانی کیا؟ وہ تو خاصا سبق ہو گیا۔ مزہ کیا خاک ملا؟ شوق سے بولو، بات کرو۔

حسن آرا: واہ! آپ بھی حضرت ہیں۔ اب پھر لڑائی دیکھنے کو جی چاہا ہو گا۔

محمودہ: ایسی بھی کوئی کم بخت ہو گی جس کو دو آدمیوں کی لڑائی میں مزہ ملتا ہو گا؟ آدمی تو آدمی، جانوروں کو لڑانا بھی بڑا گناہ لکھا ہے۔

حسن آرا: آپا کیوں مکرتی ہو؟ تم ہی نے خیر النساء کو مجھ سے بھڑایا۔

محمودہ: میں نے بھڑایا یا گفتگو کی تقریب نے؟ آپ شروع سے دیہاتیوں کی مذمت پر آمادہ تھیں۔ لمحہ دو لمحہ ضبط نہ ہو سکا، لڑ پڑیں۔

حسن آرا: میں لڑی؟

محمودہ: آپ تو منصف مزاج ہیں۔ آپ ہی فرمایئے، سخت کلامی پہلے کس نے شروع کی؟

حسن آرا: جو جیسا ہوتا ہے، کہنے میں آتا ہے۔ دیہاتیوں کو کیا میں اکیلی اجڈ اور اکھڑ اور بدسلیقہ کہتی ہوں؟ شہر بھر کہتا ہے۔ خیر النساء کس کس کا منہ بند کرتی پھریں گی؟

خیر النساء: آپ اپنی تعریف کرنے سے کوئی اچھا نہیں بن جاتا اور برا کہنے سے

Marfat.com

کوئی برا نہیں ہو جاتا۔ شہر والے دیہاتیوں کو اجڈ اکھڑ اور بے سلیقہ کہتے ہیں' دیہات والے شہریوں کو ابدی نکمے' کم بخت' پست ہمت' ظاہر پرست جانتے ہیں۔

استانی جی: جب تم دونوں اس امر میں بحث کرتی تھیں تو اس کے یہ معنی تھے کہ شہریوں اور دیہاتیوں کی لڑائی کا فیصلہ کرتی تھیں۔ پس دوسروں کی لڑائی کا فیصلہ کرتے کرتے آپس میں کیوں لڑنے لگیں؟

خیر النساء: جناب بیگم صاحب نے پہلے چھوٹتے ہی دیہاتیوں کو اجڈ' اکھڑ اور بے سلیقہ کہا۔ مجھ کو برا تو بہت لگا' مگر میں چپ ہو رہی۔

استانی جی: حسن آرا بیگم نے تم کو اجڈ' اکھڑ' بے سلیقہ نہیں کہا۔ ان کا یہ مطلب تھا کہ شہر والے دیہاتیوں کو ایسا سمجھتے ہیں۔

خیر النساء: کیا ہوا۔ پھر بھی ایسے کریہہ الفاظ بیگم صاحب کو زیبا نہ تھے۔ اور میں اس بات پر کچھ بولی بھی نہیں۔

استانی جی: کیا اس سے زیادہ کوئی اور سخت بات حسن آرا بیگم نے خاص تم کو کہی تھی؟ ان کی ایسی عادت تو معلوم نہیں ہوتی۔

خیر النساء: خیر اب اس کا اعادہ آپ کے روبرو کرتے مجھ کو شرم آتی ہے۔ میرا ہی قصور تھا۔ آخر میں بے تمیز گنوار ہی تو ہوں۔ ادب اور سلیقہ آئے تو کہاں سے آئے۔ اس میں شک نہیں کہ جواب میں نے بھی سخت دیا۔ پیچھے میرا دل بہت کڑھا۔

استانی جی: اگر تمہارا قصور تھا تو تم نے معذرت کیوں نہ کی؟

خیر النساء: میں سو مرتبہ معذرت کرنے کو موجود ہوں۔ ہاتھ جوڑنے اور پاؤں پڑنے میں بھی مجھ کو عذر نہیں۔ مگر ذرا اتنا بیگم صاحب کو بھی سمجھا دیجئے۔ کہ بات بات پر لڑکیوں سے نہ الجھا کریں۔ ان کی شان کو یہ بات ہرگز زیبا نہیں۔

حسن آرا: تم یہ چاہو کہ میں سب کے برابر ہو کر رہوں تو یہ بات مجھ سے ہوئی اور نہ ہوگی۔ تم لوگوں کو بھی تو کچھ خیال کرنا چاہیے کہ میں امیر زادی ہوں اور مجھ کو خدا نے بڑا

Marfat.com

کیا ہے۔

استانی جی: یہ بات تمہاری غیر واجب ہے۔مکتب کی لڑکیاں کچھ تمہاری لونڈیاں ہیں' نوکر ہیں یا تم اپنی دولت ان کو بانٹ دیتی ہو؟

حسن آرا: نوکر نہ سہی' غریب تو ہیں۔

استانی جی: غریب ہیں تو ہونے دو۔انہیں تمہاری دولت کی کچھ پروا نہیں۔

حسن آرا: ہم کب ان کی پروا کرتے ہیں۔

استانی جی: چلو نہ تم کو ان کی پروا نہ ان کو تمہاری۔ برابر برابر۔

حسن آرا: کیا ہوا' پھر بھی ان کو میری تعظیم کرنی لازم ہے۔

استانی جی: بے ضرورت' بے غرض کیوں لازم ہے اور نہ کریں تو ان کا کیا نقصان؟

حسن آرا: اے ہے' لازم نہیں' مناسب ہے۔اور نقصان آپس کا رنج۔

استانی جی: اس اعتبار سے تم پر بھی لازم ہے۔

حسن آرا: کیا؟

استانی جی: ان کی تعظیم۔ (حسن آرا کھل کھلا کر ہنس پڑی اور اس کے ساتھ سب ہنسے) سنو بوا حسن بیگم' ہم عمری و تکریم کا کیا مذکور۔تم سب کو آپس میں محبت رکھنی چاہیے اور ہر ایک لڑکی کو اس کا اہتمام رہے کہ آپس میں بگاڑ کی کوئی بات نہ ہو۔

حسن آرا: کیا خدا نہ کرے مجھ سے خیر النساء سے کچھ بگاڑ ہے؟ بہنیں بہنیں آپس میں لڑیں' لوگوں نے جانا بیر پڑے۔ (یہ کہہ کر حسن آرا خیر النساء کے گلے سے جا لپٹی)۔

## اہل شہر اور دیہاتیوں کا محاکمہ' جس میں دونوں کی طرز زندگی کا مذکور ہے اور ہر ایک کو اس کے عیب پر متنبہ کر دیا ہے اور گفتگو اور وضع اور حالت اور ذات اور ہنر پر بحث کر کے نصیحت کی بہت سی باتیں نکالی ہیں

Marfat.com

استانی جی: بھلا تم لوگوں میں تکرار کس بات پر ہوئی تھی؟

حسن آرا: بات تو اتنی تھی کہ میں نے خیر النساء سے پوچھا کہ تمہارے گھر ہوا کیا کرتا ہے' یہ بیوی صاحب لگیں عورتوں کے کام گنوانے' میں نے دوہرا کر پوچھا تو مردوں کا قصہ نکال بیٹھیں۔ تیسری بار پوچھا (کرتی کیا) تو ذرا آپ بھی دیکھیے' کہتی کیا ہیں کہ دن کو دن اور رات کو رات۔ استانی جی سن کر مسکرانے لگیں اور کہا سنو بوا خاصا جواب ترکی بہ ترکی دیا۔ تم کو یوں پوچھنا تھا کہ وجہ معاش کیا ہے یا تمہارے بھائی کیا پیشہ کرتے ہیں؟

خیر النساء: ان کا مطلب میں سمجھ گئی تھی۔ مگر ان کو اپنی گفتگو پر بڑا ناز ہے۔ ان کے قائل کرنے کو میں بھی بات پر اڑ بیٹھی تھی۔

حسن آرا: خیر اب فرمایئے کہ آپ کی وجہ معاش کیا ہے؟

خیر النساء: زمینداری اور کھیتی۔ اور غدر کے بعد دو چار آدمی نوکری بھی کرنے لگے۔

حسن آرا: بھلا سچ کہنا' تم کو شہر میں رہنا بھلا معلوم ہوتا ہے یا گاؤں میں؟

خیر النساء: سچ تو یہ ہے کہ شہر میں میرا جی خوب نہیں لگتا۔ اگر اس مکتب کا سہارا نہ ہوتا تو مجھ سے شہر میں ایک دن بھی نہ ٹھہرا جاتا۔

حسن آرا: آخر تم کو شہر میں تکلیف کس بات کی ہے؟ کیا کھیلنے اور بات کرنے کو محلے کی لڑکیاں نہیں؟

خیر النساء: لڑکیاں تو اتنی ہیں کہ شاید شہر بھر میں اتنی لڑکیاں نہ ہوں گی جتنی اکیلی شاہ تارا کی گلی میں ہیں۔ صبح سے شام تک ایک تانتا لگا رہتا ہے۔ یہ آئی' وہ آئی۔

حسن آرا: پھر تو گھبرانے کی کوئی وجہ نہیں۔

خیر النساء: ان لڑکیوں سے میری طبیعت میل نہیں کھاتی۔ شہر کے لوگوں میں ظاہر

Marfat.com

داری اور منہ دیکھے کی محبت بہت ہے مگر کام پڑنے پر طوطے کی طرح آنکھیں بدل جاتی ہیں۔ گویا کبھی کی جان پہچان ہی نہ تھی۔ بادشاہ بیگم کو تو تم بھی خوب جانتی ہوگی۔ ہمارے مکان سے ان کا مکان ملا ہے۔ وزیر بیگم ان کی چھوٹی بیٹی نے مجھ سے ایسا پیارا اخلاص بڑھایا کہ رات دن میں ایک دم کو الگ نہ ہوتیں۔ خانم کے بازار میں داروغہ صاحب السلطان کے گھر شادی تھی، ہم لوگوں کو بھی بلاوا آیا۔ اور بادشاہ بیگم تو داروغہ جی کی سگی پھوپھی کی بیٹی بہن ہیں۔ ان کا تو گھر بھر ہفتوں پہلے سے مہمان تھا۔ وزیر بیگم جب جانے لگیں تو زبردستی مجھ کو ساتھ لیے جاتی تھیں۔ پالکی پر سوار ہوتے ہوتے ہاتھ پکڑ لیا کہ میرے ساتھ چلو مگر بڑی مشکل سے میں نے ان کو سمجھایا کہ ہم لوگوں سے اور داروغہ جی سے دور کا واسطہ ہے۔ بن بلائے جانا مناسب نہیں۔

جب شادی کے تین دن رہے تو میں بھی گئی۔ وزیر بیگم اپنی سہیلیوں کو لیے بیٹھی تھیں۔

مجھے اترتے انہوں نے دیکھا بھی مگر جگہ سے ہلی تک نہیں۔ میں نے سمجھا کہ کھیل میں دھیان ہے۔ نہ خیال ہوگا۔ اترتے کے ساتھ میں گھر والوں کے پاس تک نہیں گئی۔ سیدھی وزیر بیگم کی طرف چلی۔ گھڑیوں پاس کھڑی رہی، اس خدا کی بندی نے آنکھ اٹھا کر بھی تو نہ دیکھا۔ اپنا سا منہ لے کر میں سامنے کے دالان میں، جہاں ہمارے ساتھ کے لوگ ٹھہرتے تھے، جا بیٹھی۔ چھوٹی آپا نے مجھ کو چھیڑا بھی کہ اترتے کے ساتھ تیر کی طرح گئی تو تھیں، آئی پھٹے منہ۔ اس نے بات بھی نہ پوچھی۔ یہ سن کر اس قدر مجھ کو شرمندگی ہوئی کہ پسینے پسینے ہوگئی۔ اور اپنے دل میں کہتی تھی کہ یہ وہی وزیر بیگم ہیں! ان کو کیا ہو گیا ہے؟

تھوڑی دیر بعد مجھ کو پیاس سی معلوم ہوئی۔ شہ نشین میں ایک کونے میں صراحی رکھی تھی۔ میں نے جانا کہ گھر والوں نے مہمانوں کے واسطے رکھوا دی ہے۔ میں نے جلدی سے

Marfat.com

اٹھ' اس میں سے پانی پی لیا تو وزیر بیگم لال پیلی ہو گئیں۔ کہتی ہیں' کیوں تو نے ہمارے پینے کی صراحی سے بے پوچھے پانی پیا؟ یہ کہہ کر صراحی کو فرش پر ٹپک دیا۔ تمام مہمان دیکھنے لگے اور بھر مجمع میں مجھ کو فضیحت کیا۔

استانی جی: وزیر بیگم کے ناحق بگڑ بیٹھنے کا سبب بھی کچھ تم نے دریافت کیا؟

خیر النساء: بہتیرا سوچا' کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ کوئی بات ہوئی ہو تو سمجھ میں آئے۔

محمودہ: میں اس کا سبب بتاؤں؟ میں بھی وزیر بیگم کے مزاج سے خوف واقف ہوں۔ ان کو محلے میں اپنے میل کی لڑکیاں کھیلنے اور بات کرنے کو نہیں ملتیں۔ اس ضرورت سے انہوں نے تم سے ملاپ کیا۔ وہاں شادی میں ان کو اپنے جیسی امیر زادیاں مل گئیں۔ تم سے ملنا عار سمجھیں۔

خیر النساء: ان کو مجھ سے صرف شادی میں ملنا عار تھا' اور مجھ کو ان سے ملنا ان شاء اللہ عمر بھر عار رہے گا۔

استانی جی: کچھ عجیب طرح کا معاملہ ہے۔ اکثر امیر مغرور ہوتے ہیں اور سب کو اپنے سامنے ہیچ سمجھا کرتے ہیں۔ دولت بھی بہت ہی بری چیز ہے۔ آدمی کو شیطان بنا دیتی ہے۔

نشہ دولت کا بد اطوار جس کو آن چڑھا
سر پہ شیطان کے اک اور بھی شیطان چڑھا

حسن آرا: بھلا خیر' وزیر بیگم اگر تمہارے ساتھ بری طرح پیش آئیں تو انہوں نے بڑی نالائقی کی بات کی۔ محبت ملاپ میں امیری غریبی کی کیا بحث باقی رہی۔ مگر یوں تو شادی کا مجمع' مہمانداری کے سامان' مہمانوں کی شوکت وشان' جہیز کی آرائش' رسموں کی خوبی' یہ باتیں تم نے ضرور ہی پسند کی ہوں گی۔

خیر النساء: اس میں شک نہیں کہ کبھی شہر والوں کی شادی میں مجھ کو شریک ہونے کا اتفاق نہیں ہوا تھا اور یہی شوق مجھ کو لے بھی گیا تھا۔ مگر انجام کار کچھ دل کو فرحت نہ

Marfat.com

ہوئی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے' ہزاروں عورتیں جمع تھیں' مگر غور سے دیکھا تو سب ایک رنگ میں تھیں۔ جس کو دیکھا شیخی اور نمود کی تصویر پایا۔ اتنے مہمان گھر میں بھرے تھے' سب تو امیر تھے ہی نہیں۔ جس کو خود مقدور نہ تھا کرائے کے کپڑے' مانگے کے زیور' بنائے ہوئے نوکر ساتھ لایا تھا اور اسی پر اترا رہا تھا۔ ایک بیوی ریشمی موزے دکھانے کی غرض سے گھٹنوں تک پائنچے اٹھائے چلی آ رہی ہیں۔ دوسری گرمی کے بہانے گلا کھول کر زیور دکھا رہی ہیں۔ تیسری بے تکلف سر کھولے بیٹھی ہیں تا کہ چوٹی کی بندش' موباف کی قطع پر لوگوں کی نظر پڑے۔ ایک صاحبہ نے پازیب کی آواز سنانے کو گھڑی بھر میں' خدا جھوٹ نہ بلوائے' کوئی پچاس بیٹھکیں بدلی ہوں گی۔

یہ تو ان بیویوں کا حال تھا جن کے پاس کوئی اپنی یا مانگے کی چیز تھی اور اس کو جان جان کر دکھاتی تھیں' اور بعضیاں خالی خولی ہی اتراتی تھیں۔ ایک بیوی موٹی ململ کا دوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھیں۔ آپ ہی آپ نہ کوئی پوچھے نہ گچھے' کہتی کیا ہیں: اے دیکھنا بوا' بنارس کے سیاہ کا مدار دوپٹے کا رنگ بھی کیسا ہے۔ لو ذرا کندھے پر ڈالا تھا کہ تمام کپڑوں پر دھبے پڑ گئے۔ جلدی میں نے اتار پھینک دیا۔ ایک بیوی زیور میں لدی بیٹھی تھیں اور ایک بے چاری غریب ان سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ بیوی جن کو میں بے چاری سمجھتی تھی' کہتی کیا ہیں کہ دیکھنا میرے کانوں کو کچھ ایسا بھنا گوشت خدا نے بنایا ہے کہ مطلق زیور کو نہیں سہار سکتے۔ جڑاؤ بالے پہنے مگر مرکیاں ذرا کی ذرا ڈالی تھیں کہ دکھنے لگے۔ ایسا معلوم ہوا کہ اب کٹ پڑیں گے۔ ناچار سادی بالیاں پہنیں۔ ان سے بھی سوج سوج کر کپا ہوئے۔ میں نے کہا بھٹ میں پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان۔ کہیں ایسا نہ ہو ٹھینٹ پڑ جائیں۔ اتار رکھیں۔

غرض جس کو دیکھا' شیخی کے مرض میں مبتلا پایا۔ آپس میں جو بیویاں باتیں کر رہی تھیں' کسی کی غیبت' کسی کی شکایت۔ اس کے سوا کچھ مذکور نہ تھا۔ کپڑوں کے رنگ اور

Marfat.com

خراش تراش اور وضع داری مجلس میں محو تھیں۔ شادی کی خبر سن کر بیچارے غریب غرباء سبھی مانگنے چلے آئے تھے۔ اتنا سامان تھا کہ رات دیگیں کھڑکتی تھیں۔ مگر شاید ایک چاول خدا کے نام کسی غریب کو نہیں ملا۔ منوں کھانا ضائع ہوا۔ چوری گیا۔ رکھا رکھا سڑ گیا۔ مگر نہ دیا۔ محتاج کو دھکے اور گالیاں دی جاتی تھیں۔ ایک بیچاری بڑھیا بھیک مانگتے نہیں معلوم کس طرح اندر محل میں چلی آئی تھی۔ نیچے کا دھڑ رہ گیا تھا۔ خدا جانے کس مصیبت سے گھسٹتی گھسٹتی آئی ہوگی۔ گھنٹوں انگنائی میں پڑی چلایا کی۔ کسی نے بات نہ پوچھی۔ سب اپنے کھانے میں لگے رہے۔ اور میرا یہ برا حال کہ بڑھیا کی آواز کان میں چلی آئے اور لقمہ حلق سے نہ اترے۔ پہلے میں دیکھتی رہی کہ اب بھی کوئی گھر والی اس بڑھیا کی کچھ خبر لے۔ جب بہت دیر ہوگئی اور کسی نے بات تک نہ پوچھی تو ایک خمیری روٹی میں ایک مٹھی چاول رکھ اپنے بھائی احمد کو دی کہ جاؤ وہ بڑھیا انگنائی میں کھڑی ہے۔ اس کو دے آؤ۔

جونہی احمد روٹی لے کر اٹھا' ان بیوی کی نظر پڑ گئی جو ہم کو کھانا کھلا رہی تھیں۔ خدا جانے وہ کون بیوی تھیں' مگر گھر والوں کے پاس کے رشتے کی ہوں گی۔ انہوں نے دوڑ احمد کے ہاتھ سے جھپٹا مار' روٹی چھین لی اور بولیں لوگو! کچھ خدا کا خوف بھی ہے؟ دستر خوان پر آنکھیں دیکھتے یہ غضب! میں بولی' خدا ہی کا خوف کھا کر میں نے یہ روٹی فقیرنی کو دینے بھیجی تھی۔ تب وہ بیوی کیا کہتی ہیں' حلوائی کی دکان' دادا جی کی فاتحہ۔ بیوی سنو' ایسا ہی خوف ہے تو گھر جا کر لنگر بانٹنا۔ مجھ کو ایسی سخت بات کہی تھی' اس کا تو مجھ کو کچھ بھی رنج نہیں مگر میرے سبب سے بڑھیا غریب کی جو شامت آئی اس کا مجھ کو اب تک صدمہ ہے۔ ان بیوی نے جو بے چاری فقیرنی کو دیکھا' لونڈیوں پر اس قدر خفا ہوئیں کہ خدا کی پناہ! اور چلائیں' نکالو اس مردار بڑھیا کو' کس نے اس کو یہاں آنے دیا؟ لونڈیوں نے بلا تامل بڑھیا کو گھسیٹ دروازے کے باہر ڈال دیا۔ میری یہ کیفیت تھی کہ جی چاہتا تھا'

Marfat.com

اس بیوی کو نوچ لوں۔ مگر کیا کر سکتی تھی۔ دستر خوان پر سے تو میں اسی وقت اٹھ کھڑی ہوئی۔ شربت پلائی دینے کو ایک چونی میرے پاس تھی' وہی چونی میں نے احمد کے ہاتھ بڑھیا کو بھیج دی اور اس کو اپنے مکان کا پتہ بتا دیا اور فوراً ڈولی منگا اپنے گھر چلی آئی۔

استانی جی: کیا اتنے مہمانوں میں کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ اس کو بڑھیا کی حالت پر رحم آیا ہو؟

خیر النساء: جناب' رحم کیسا جب لونڈیاں اس کو گھسیٹنے لگیں' تو سب کے سب ٹھٹھے مار مار ہنس رہے تھے۔ کھانے کے بعد لڑکیوں نے بڑھیا کی نقل کا کھیل بنایا۔

حسن آرا: فقیرنیاں اکثر مکار بھی ہوتی ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دینے کی غرض سے اندھی بن جائیں' لنگڑی لولی' اپاہج' ہو جائیں۔

استانی جی: اگر ایسا شبہ کیا کریں تو اصلی محتاج بھی محروم رہ جائیں اور خیرات کا سلسلہ منقطع ہو جائے۔ دینے والے کو اتنی تفتیش سے کیا مطلب؟ اور مانگنا تو شرم کی بات ہے۔ کوئی آدمی بے ضرورت سوال نہیں کرتا۔ آخر کو جو مکر کر کے مانگتے ہیں۔ ان کو بھی حاجت نے مجبور کر رکھا ہے۔

حسن آرا: کیوں؟ بعضے بے حاجت بھی مانگتے پھرتے ہیں۔ غیرت باقی نہیں رہی۔ کمانے کے لیے بھیک سے زیادہ سہل کوئی تدبیر نہیں۔ ہمارے محلے میں چند روز ہوئے' ایک فقیرنی مری تھی۔ معلوم نہیں کتنی اشرفیاں' کتنے ہنڈے روپے اس کوٹھری میں سے نکلے۔ پس کیا حاجت اس سے بھیک منگواتی تھی؟ نہیں بلکہ طمع۔

استانی جی: بھلا طمع سے کوئی فرد بشر خالی ہے؟

حسن آرا: طمع تو سب کو ہے مگر طمع والوں کی مدد کرنا کچھ ضرور نہیں۔

استانی جی: ایسا نہ ہو کہ خداوند کریم جو سب کو دیتا ہے' اس قاعدے کا برتاؤ کرے۔ البتہ حاجت مند کا حق مقدم ہے۔ بہتر ہے جن کو واقع میں حاجت ہو انھی کو دیا

Marfat.com

جائے' مگر نہ دینے کے لئے خواہ مخواہ ہر ایک پر بے وجہ شبہ بھی مت کرو۔ بے تحقیق دینے سے یہی نہ کہ بعض بے استحقاق لے جائیں گے' مگر اس زمرے میں سینکڑوں مستحق بھی تو پس جائیں گے۔ اکثر اس قسم کی حجتیں وہ لوگ نکالا کرتے ہیں جن کو خدا کے نام دینا منظور نہیں ہوتا۔

حسن آرا: بوا خیر النساء' یہ عیب جو تم شہر والوں میں بتاتی ہو' کیا گاؤں میں نہیں ہوتے؟ دیہات میں سب اللہ کے ولی ہی تو بستے ہیں۔

خیر النساء: نہیں۔ اچھے برے سبھی جگہ ہوتے ہیں۔ گاؤں شہر پہ کیا موقوف ہے۔ مگر اتنا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ گاؤں والوں کی اتنی شوخی' اتنی ظاہرداری ہرگز نہیں ہوتی۔

حسن آرا: بھلا شہر والوں کے مزاج خراب سہی' مگر شہر والوں کی وضع مطبوع وضع ہے۔

خیر النساء: کچھ آپ ہی کے نزدیک شہر والوں کی وضع مطبوع ہوگی۔ پردہ داری تو بالکل نہیں۔ یہ احمد میرا چھوٹا بھائی ہے' اس نے شہر کے لڑکوں کے دیکھا دیکھی بال رکھوائے تھے۔ اب یہ بلا کا اہتمام ہے کہ دوسرے دن آنونوں سے سر دھویا جاتا ہے۔ دن میں دس دس دفعہ کنگھی ہو رہی ہے۔ صبح و شام تیل ڈالا جاتا ہے۔ جب تک بال چھوٹے رہے' کہیں شلجموں کے پانی سے سر دھلتا ہے۔ کہیں ماش کی دال ملی جاتی ہے۔ اماں کہتی بھی تھیں کہ جن دن تیرا باپ آیا کھڑے کھڑے تیرا سر منڈوا کر رہے گا۔ جتنا بناؤ سنگار تجھ سے کرتے بن پڑے' کر لے۔ آخر کو بال نائی کے گھر جائیں گے۔

آگرے جاتے ہوئے خدا کا کرنا ابا بھی موجود ہوئے۔ میاں احمد کو دیکھو تو ہر دم عمامہ بندھا ہے کہ کہیں بال نہ دیکھ لیں۔ مگر بانک پن تو سر پر سوار تھا چھپے کیونکر۔ ابا نے دیکھا تو بہت خفا ہوئے کہ مردود شہر والوں کی طرح تو بھی زنخہ بنے گا؟ کیسا حجام' کس کا نائی' مقراض نکال' اماں سے کہا کہ پڑھوانے کے لالچ سے تم لڑکوں کو یہاں لائی تو ہو مگر ان کو شہری غنڈہ بنا کر لے جاؤ۔ دیکھو' خبردار! خیرن کو شہر کی لڑکیوں میں مت بیٹھنے دو

Marfat.com

مردوں کی وضع تو خیر' عورتوں کی وضع نعوذ باللہ بالکل خلاف شرع اور خلاف حیات ہے۔

استانی جی: تمہارے ابا نے بہت ٹھیک کہا۔ مگر دیکھو خیر النساء مجھ کو شہر والیاں چھیڑتی بھی ہیں لیکن میں ان کی وضع کی تقلید نہیں کرتی۔

خیر النساء: جناب آپ اپنے تئیں ناحق شہر والیوں میں گنتی ہیں۔ نہ شہر والوں کا سا آپ کا مزاج نہ شہر والوں کی سی آپ کی عادت۔ آپ تو دیہاتیوں سے بھی زیادہ پردہ دار کپڑا پہنتی ہیں۔ آپ کی دیکھا دیکھی تو میری امی بڑی آستینوں کی کرتی پہننے لگی ہیں۔

استانی جی: بوا حسن آرا بیگم' یہ بڑی بے جا بات ہے کہ خیر النساء شہر والوں میں عیب پر عیب نکالتی چلی جاتی ہیں۔

حسن آرا: کیا بتاؤں مجھ کو دیہاتیوں کے حال سے خوب واقفیت نہیں ورنہ ہفتاد پشت تک اکھاڑ کر رکھ دیتی۔ اور ذرا آپ ان شہر کی لڑکیوں کو دیکھیے۔ یہ کچھ بوچھاڑ ہو رہی ہے' کوئی ہوں بھی کرتی ہے؟ کیسی دم بخود بیٹھی سن رہی ہیں۔

محمودہ: بھلا بوا خیر النساء۔۔۔!

شہر بانو: ذرا خیر النساء کو میری ایک بات کا جواب پہلے دے لینے دیجئے۔ کیوں بوا خیر النساء گفتگو شہر والوں کی بہتر ہوتی ہے یا دیہات والوں کی؟

خیر النساء: تم سب شہر والیاں ایک طرف ہو جاؤ گی تو مجھ اکیلی کو قائل کر دینا کون بڑی بات ہے۔ مگر کوئی مجھے یہ بتاوے کہ گفتگو کی بھلائی برائی ہے کیا چیز؟

محمودہ: گفتگو کی خوبی یہ ہے کہ اس میں سختی نہ ہو۔ بولنے والے کی زبان سے لفظ آسانی کے ساتھ ادا ہوں۔ سننے والے کو گراں نہ گزرے۔

خیر النساء: گاؤں والوں کو بھی اپنی بولی ہرگز سخت نہیں معلوم دیتی۔

محمودہ: معلوم کیوں کر ہو؟ وہ شہر کی بولی کی نرمی سے واقف نہیں۔ تم بولو کہ دونوں بولیوں میں تم کو کہاں کی بولی بھلی معلوم ہوتی ہے؟

خیر النساء: بھلی بری تو میں کچھ جانتی نہیں۔ مگر شہر والے جو اپنی نرم اور نازک بولی

Marfat.com

سے کام لیتے ہیں' وہی کام گاؤں والے اپنی کرخت بولی سے نکالتے ہیں۔ کوئی مطلب ان کا انکا نہیں رہتا۔

حسن آرا: پس یہ تو گنوار پن ہے کہ بھلے برے میں امتیاز نہیں۔ مجھ کو تو دیہات کی بولی ایسی بری معلوم ہوتی ہے جیسے کسی نے پتھر کھینچ مارا۔ سیدھے بول کی بھی ہڈی پسلی توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

شہر بانو: اس میں تو شک نہیں کہ دیہات والے لفظوں کی بڑی شامت بلاتے ہیں۔ کوئی لفظ تشدید سے خالی نہیں۔ نون کو جب بولیں گے' ڈون۔ پانی کو پانڑیں۔ گاڑی کو گاڈی۔ خیر النساء کی بولی شہر میں رہنے سے بہت سنبھل گئی ہے۔ پھر بھی زبان کی اینٹھن نہیں گئی۔ کچھ عجیب طرح سے لفظوں کو مروڑ تروڑ کر بولتی ہیں۔ کیوں آپا محمودہ؟ یاد ہے جب خیر النساء نئی نئی آئی تھیں تو کس طرح کی بولی بولتی تھیں؟

محمودہ: خیر النساء ایسی احسان فراموش نہیں ہیں۔ شہر والوں کا یہ سلوک تو ضرور یاد رکھیں گی کہ ان کی بدولت ان کی زبان درست ہوگئی۔

خیر النساء: ایک زبان کا درست ہونا' میرا تو رواں رواں شہر والوں کا احسان مند ہے۔ تھوڑا بہت لکھنا پڑھنا' سینا پرونا' ریندھنا جو کچھ مجھ کو آتا ہے' سب کچھ شہر کی بدولت ہے۔ مگر میں تو کہتی ہوں' شہر والوں نے میری بولی خراب کر دی۔

حسن آرا: لو اور سنو! وہی کہاوت ہے' گدھے کو نون دیا' اس نے کہا میری آنکھیں دکھتی ہیں۔

خیر النساء: یہ بڑی شہر والی ہیں اور ان کو اپنی گفتگو پر بڑا ناز ہے۔ نہ سمجھیں نہ بوجھیں' کہہ دینے سے کام۔

حسن آرا: سیدھی تو بات ہے۔ پہیلی نہیں' چیستان نہیں۔ سمجھنے کو کیا ہوا؟ تم نے یہی کہا نا کہ شہر والوں نے میری بولی کو بگاڑ دیا۔

خیر النساء: ہاں ہاں' بگاڑ دیا۔ اب خدا کرے میں اپنے گھر جاؤں گی تو وہاں والے

Marfat.com

میری باتوں پر ہنسیں گے اور میری نقلیں کریں گے۔

استانی جی: خیر النساء سچ کہتی ہیں۔ بڑی خراب بات ہے' شہر کی بولی بولو تو گاؤں والے ہنسیں اور دیہات کی بولی بولو تو شہر والے چھیڑیں۔

حسن آرا: دس نکٹوں میں ایک ناک والا نکو' اب کیا نکٹوں کے ڈر سے آدمی ناک کٹا ڈالے؟ خیر النساء شوق سے تم یہی بولی بولنا۔

خیر النساء: نہیں بوا' جیسا دیس' ویسا بھیس۔ شہر میں آئی' کتا' بلی کرنے لگی۔ گھر گئی پھر وہی آٹا روٹی۔

حسن آرا: گاؤں میں تم جاؤ گی سہی۔ مگر ممکن نہیں کہ تمہارا وہاں جی لگے۔ ان شاء اللہ اگلے ہی مہینے الٹے پاؤں بھاگو گی۔

خیر النساء: ہم گاؤں والیوں کا خدا ایسا دیدہ ہوائی نہ کرے کہ گھروں میں جی نہ لگے۔ اس مکتب کے سوا اور بھی کوئی چیز ہے' جس کو میں گاؤں میں جا کر یاد کروں گی؟

حسن آرا: ہزاروں لاکھوں چیزیں یاد کرنے کی ہیں۔ ایک بات ہو تو کہوں۔ بڑے سویرے بچھونے سے نہیں اٹھے کہ چنے بیچنے والوں کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔

خیر النساء: اے لاحول ولاقوۃ! چنے کوئی آدمی کا کھانا ہے یا جانوروں کا دانہ؟ بس دیکھی شہر والوں کی نزاکت۔

حسن آرا: وہ دیہاتی چنے ہیں جن کا تم مذکور کرتی ہو۔ شہر کے چنے سبحان اللہ! جھلتے ہوئے' گرما گرم' سوندھے خستہ اور ٹھنڈی کا نام نہیں۔ نرم ایسے کہ بے تکلف پوپلے کھاتے ہیں۔

شہر بانو: اور لطف یہ ہے کہ کوڑیوں اور لوہے کی کیل' پرانے ٹاٹ اور گودڑ کے بدلے چنے لے لیجیے۔

حسن آرا: اور چنے والا ابھی گلی سے باہر نہیں نکلا کہ خوانچے والا آموجود ہوا۔ تازہ

Marfat.com

حلوہ پوری' تازہ خستہ کچوریاں' تازی مٹھائی۔ ہمہ نعمت موجود۔ ایک گیا ایک آیا۔ پہر رات گئے تک یہی تانتا لگا رہتا ہے۔ برتن' کپڑا' گوٹا کناری' برف' میوہ' پھل' ترکاری' جو چیز چاہیے' گھر بیٹھے لے لیجئے۔ کتنے بڑے آرام کی بات ہے۔ کباب ایک سے ایک چپٹے مزیدار۔ مٹھائیاں ایک سے ایک تحفہ' خوشگوار۔ چھ کوڑی کا سودا لو تو بھی دونے میں دیں گے۔ یہ نہیں کہ سودا لینے جاؤ تو بھیک کا پیالہ گھر سے لے کر نکلو۔ سودے والوں کی صدائیں سننے والوں کے دلوں کو لبھائیں۔ حق تو یہ ہے کہ دنیا کی بہشت شہر ہے۔ خدا رکھے تو شہر میں' ورنہ گاؤں کے جینے سے مجھ کو مرنا قبول ہے۔

خیر النساء: اللہ ری چٹوری منہ سوئی پیٹ کوئی۔ بس کھانے پر مرتی ہیں۔ ہم دیہاتیوں میں بھلے مانسوں کی بہو بیٹیاں بازار کی چیز زبان پر بھی نہیں رکھتیں۔ ہم لوگوں میں تو اس کو بڑا عیب گنا جاتا ہے۔

حسن آرا: آہا! آپ بڑی بھلی مانس' بڑی اشراف۔ کیوں نہ ہو' شریف پور میں آپ رہتی ہیں اور شہر والے کمینے اور رذالے۔

خیر النساء: کیوں؟ کیا باہر والوں کی شرافت میں کچھ کلام ہے؟ ہم لوگ ٹکسالی اشراف ہیں۔

حسن آرا: تمہاری ذات کیا ہے؟

خیر النساء: بے چارے پتلی دال کے کھانے والے شیخ۔

حسن آرا: میں تو مغلانی ہوں۔ کیوں بوا' کیا اس مکتب میں کوئی اور شیخ نہیں؟

حلیمہ: میں ہوں۔

کلثوم: میں بھی شیخ ہوں۔

زبیدہ: ہم بھی شیخوں کے نام لیوا ہیں۔

خیر النساء: حلیمہ اور کلثوم کا حال تو میں کچھ جانتی نہیں' زبیدہ جیسی شیخوں کا نام لیوا ہیں' مجھ کو خوب معلوم ہے۔ اور زبیدہ نے کہا بھی ٹھیک ہے۔ اپنے کو شیخ نہیں کہا' شیخوں

Marfat.com

کے نام لیوا کہا۔ زبیدہ تم کون شیخوں میں شیخ ہو؟

زبیدہ: کون شیخ تو میں جانتی نہیں البتہ شیخ سنا کرتی ہوں۔

خیر النساء: اجی قریشی ہو' عثمانی ہو' صدیقی ہو (ہنس کر) ڈفالی ہو؟

زبیدہ: یہ مجھ کو معلوم نہیں۔ مگر ڈفالی تم ہو گی۔

خیر النساء: تمہارے ماموں کا کیا نام ہے؟

زبیدہ: مرزا یاور علی بیگ۔

خیر النساء: اور خالو؟

زبیدہ: میر تقی۔

خیر النساء: اور بہنوئی؟

زبیدہ: دلاور خاں۔

خیر النساء: تو تم بوا خاصی ست نجی شیخ معجونی ہو۔ ایک گھر میں چاروں ذات' بیگم صاحبہ' شہر کے شیخوں کو آپ نے دیکھا؟

حسن آرا: دوسری ذات میں رشتہ ناتا کرنا کیا کچھ منع ہے؟

خیر النساء: شریعت میں تو منع نہیں' مگر باہر کے اشراف منع سے بڑھ کر جانتے ہیں۔ ہم لوگ سیدوں کو بیٹی نہیں دیتے۔ مغل پٹھان کی کون کہے۔ اور تمہارے شہر کا یہ قاعدہ ہے کہ ذات جماعت کچھ نہیں دیکھتے۔ صورت شکل اور روپیہ پیسہ دیکھا' پھر نہ بیٹی لینے کا مضائقہ نہ بیٹی دینے میں عار۔ اور دیہات والوں میں استخوان اچھی چاہیے' دولت ہو یا نہ ہو۔

محمودہ: بھلا اس سے حاصل؟ جب خدا رسولؐ کے نزدیک منع نہیں تو ذات پات کوئی چیز نہیں۔

خیر النساء: حاصل حصول تو میں کچھ جانتی نہیں۔ بزرگوں سے ایک بات ہوتی چلی آ رہی ہے۔

Marfat.com

استانی جی: دنیا میں بے وجہ کوئی رسم جاری نہیں۔ ذات سے بھی بڑے بڑے فائدے تھے اور ہیں۔ دنیا میں ذات سے زیادہ پرانی کوئی رسم نہیں اور کچھ نہ کچھ فائدہ اس رسم سے ہے۔ آج تک یہ رسم موقوف نہیں۔ شروع پیدائش دنیا سے کئی ہزار برس تک بادشاہت کا انتظام بیٹھنے نہیں پایا۔ چاروں طرف لوٹ کھسوٹ مچی رہتی تھی۔ آئے دن ڈاکے پڑا کرتے تھے اور ہمیشہ آپس میں مار کٹائی ہوا کرتی تھی۔ ان دنوں جان و مال دونوں غیر محفوظ تھے۔ اس واسطے پہلے لوگ جتھے باندھ باندھ کر رہتے تھے اور ایک دادا پردادا کی اولاد ایک گروہ بن جاتی تھی۔ جس گروہ میں آدمی زیادہ ہوتے تھے وہی زبردست گنا جاتا تھا۔ اس واسطے ہر گروہ میں یہ عہد و پیمان ہوتا تھا کہ آپس میں شادی بیاہ ہو اور اس گروہ کی طاقت کو گھٹنے نہ دیں۔ یوں ذات برادری کی رسم دنیا میں پھیلی جو کہ آج تک چلی جاتی ہے۔ کچھ ذاتیں پیشوں کے اعتبار سے بھی الگ ہوئیں۔ مثلاً جولا ہے' موچی' لوہار' بڑھئی وغیرہ اور اس سے یہ فائدہ تھا کہ اس ذات کے لوگ اپنے تئیں اسے پیشے کا ٹھیکیدار سمجھ کر اطمینان کے ساتھ کام کریں اور غیر آدمی اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ چنانچہ یہی دستور اب تک چلا آتا ہے۔ ہوتے ہوتے بادشاہت کا انتظام اب بخوبی بیٹھ گیا۔ جان و مال کی حفاظت کے لئے اب نہ جتھا درکار ہے نہ گروہ۔ ویسے ہی ذات برادری کا بچار کم رہ گیا ہے اور شہروں سے تو اب بالکل اٹھ ہی گیا۔ پیشوں کے اعتبار سے جو ذات کا امتیاز تھا' اس میں بھی کمی ہے۔

خیر النساء: تو ذات کچھ فخر کی بات نہیں؟

استانی جی: آدمی آدمی سب برابر۔ فخر کی بات اگر ہے تو ہنر ہے۔

خیر النساء: مگر ذات پہلے سے چلی آتی ہے اور ذات پر فخر بھی پہلے سے چلا آتا ہے۔

استانی جی: جن لوگوں سے ذاتیں چلیں' وہ بڑی نمود کے لوگ تھے اور اپنے گروہ میں سردار تھے۔ آخر فخر کریں تو وہ لوگ۔ اور یوں تو ذات پر برابر فخر ہوتا چلا آتا ہے۔

Marfat.com

کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا کہ اس میں لوگ شیخی خورے نہ رہے ہوں۔ جب لیاقت والے بزرگ مر گئے' جن کا نام تھا' ان کی اولاد میں کوئی نام نمود والا ہوا نہیں' اب یہ فخر کریں تو کس بات پر؟ بے چارے مردوں ہی کی ہڈیوں کو چچوڑ رہے ہیں۔

خیر النساء: کچھ ہو' مگر دھنیے جلاہوں کی برابری تو نہیں ہو سکتی۔

استانی جی: پھر حسن آرا بیگم کی امیری پر ناحق اعتراض ہے۔ ان کو امیری کا گھمنڈ تو کسی قدر جائز بھی ہے۔ ان کو خدا نے دولت تو دے رکھی ہے۔ تمہارے پاس نری شیخی کے سوا اور کیا ہے اور خدا کے یہاں تو اس کی پرسش ہی نہیں۔ دیکھو' اس زمانے کی سیدانیاں اپنے تئیں کتنا دور کھینچتی ہیں اور پیغمبر صلعم صاحب نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ کو جن سے سیدوں کی جڑ بنیاد ہے' بلا کر فرمایا کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہ! اس دھوکے میں مت رہنا کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں۔ بلکہ عاقبت کے لئے سامان کر۔ جب خود فاطمہ رضی اللہ عنہ! کا یہ حال ہے تو اب اور کس گنتی میں ہیں۔ ہندی کا ایک دوہا کیا ہی اچھا ہے۔

ذات پات نہ پوچھے کوئی
ہر کو بھجے' سو ہر کا ہوئے

حسن آرا: کیوں خیر النساء' اب تو کبھی ذات کا نام نہ لوگی؟

خیر النساء: تم بھی بات بات میں امیری نہ جتاؤ گی۔

استانی جی: ذات اور امیری پر کیا موقوف ہے؟ غرور تو کسی بات پر کرنا ہی نہیں چاہئے۔

حسن آرا: دیہات والے چاہے ٹکسالی اشراف ہوں' مگر عجب روڑھی' بھدی اور بے ہنگم صورتیں ہوتی ہیں کہ بے اختیار ہنسنے کو جی چاہتا ہے۔ نزاکت تو کسی کو چھو نہیں گئی۔ اچھی بھلی صورت کو بگاڑ دیتے ہیں۔

خیر النساء: شہر والوں کی وضع اور خراش تراش کا جواب تو میں پہلے ہی دے چکی

Marfat.com

ہوں۔ اگر وضعداری بے پردگی کا نام ہے تو ایسی وضعداری کو سلام ہے۔ اور ذرا مجھ کو نزاکت کے معنی سمجھا دیجئے۔

حسن آرا: مجھ کو تو ایسی ہندی کی چندی نہیں آتی۔

محمودہ: نزاکت یہ کہ دبلا ڈیل' سونتے ہاتھ پاؤں' کم خوراک' محنت اور تکلیف برداشت نہ کر سکے۔

خیر النساء: کیوں بیگم صاحب' نزاکت کے یہی معنی ہیں نا' جو محمودہ نے بیان کئے؟

حسن آرا: بے شک۔

خیر النساء: میں ہاری اور تم جیتیں۔ خدا ہم دیہات والیوں کو روگی اور اپاہج نہ کرے۔ کیا الٹی سمجھ ہے! معذوری پر فخر اور مرض پر ناز۔ اس کے بعد سب نے سکوت کیا تو خیر النساء بولی ''اور بھی کسی کو دیہات والیوں پر اعتراض کرنے کا حوصلہ ہو تو کہہ گزرو''۔

حسن آرا: ابھی تو میرے ہی اعتراض باقی ہیں۔ دیہات والیوں کے بے سلیقہ ہونے میں بھی کچھ کلام ہے؟

خیر النساء: میں شہر والیوں کے لغت کم سمجھتی ہوں' پہلے یہ تو فرمایئے کہ سلیقہ کسے کہتے ہیں؟

حسن آرا: نشست برخاست' بات چیت کا دستور۔

خیر النساء: یہ واللہ باللہ اور قبلہ و کعبہ اور مجرا اور کورنش اور مزاج مقدس۔ یہی نا؟

حسن آرا: ہاں' یہ بھی داخل سلیقہ ہے۔ دیہات والیوں کی طرح بی بو سلام

(حسن آرا نے اس طرح دیہات کی بولی کی نقل کی کہ سب لڑکیاں ہنس پڑیں اور خود خیر النساء بھی ہنسی کو ضبط نہ کر سکی)۔

خیر النساء: یہ تو پھر وہی بولی کا طعنہ ہوا۔ جھوٹے تپاک' ظاہر داری کے اشتیاق' بناوٹ کی لگاوٹ' منہ دیکھے کی محبت' دیکھاوے کے پیار کس کام کے؟ ہم باہر والے

Marfat.com

سیدھے سادھے منہ پر کم اور دل میں بہت کچھ۔ میں وزیر بیگم کے ہاتھوں اسی ظاہری داری کے دھوکے میں تو ماری گئی۔ میٹھی چھری' زہر کی بجھی۔ منہ در منہ خاندانی' پیٹھ پیچھے دشمن جان۔ چلو' مکارو' دیکھ لیے تمہارے سلیقے۔ اونچی دکان' پھیکا پکوان' میں تمہارے رگ وریشے سے واقف ہوں۔ بس بہت منہ مت کھلواؤ۔ ابھی تکلف کا لفافہ ادھیڑ کر رکھ دوں گی۔

محمودہ: بیگم صاحب! اب بس کیجئے۔ ان کو وزیر بیگم کی بے وفائی پر غصہ آ گیا ہے۔

خیر النساء: ہرگز مجھ کو غصہ نہیں ہے۔ بے شک ان کو اعتراض کرنے دیجئے۔ میں ان کو قائل کر کے رہوں گی۔

حسن آرا: ہاں؟

خیر النساء: ہاں اور ہاں۔

حسن آرا: بھلا سچ کہنا' دیہات والیاں بے ہنر ہوتی ہیں یا نہیں؟

خیر النساء: قصور معاف۔ یہ اعتراض آپ کے منہ سے اچھا نہیں لگتا۔ کوئی اور لڑکی کہے تو جواب دوں۔

حسن آرا: (کھسیانی ہو کر) میرا کیا مذکور تھا۔ میں اب تک دولت کو ہنر سمجھتی رہی۔ اب خدا نے چاہا تو تھوڑا بہت سیکھ ہی لوں گی۔ مگر ہنر مندوں سے شہر بھرا پڑا ہے۔ بہتر بہتر سلائی' بہتر سے بہتر کاڑھنا' بہتر سے بہتر کام' ہر گلی کوچے میں ہے۔

خیر النساء: سچ ہے۔ دیہات میں ایسے ہنر نہیں ہوتے۔

حسن آرا: بھلا شکر ہے' تم نے ایک تو مانی۔

خیر النساء: ذرا سن تو لیجئے۔ ان ہنروں کے نہ جاننے کی وجہ یہ ہے کہ دیہات میں ان چیزوں کی قدر نہیں اور نہ دیہات والوں کو ایسے تکلفات کی ضروریات اور عادت ہے۔

Marfat.com

حسن آرا: نہیں۔ گاؤں والوں میں کچھ عقل بھی واجبی ہی واجبی ہوتی ہے۔

محمودہ: عقل کی ترقی کے سامان گاؤں والوں کو میسر نہیں۔ زمین سے غلہ پیدا کر لینا اور مویشیوں کو پالنا' بس یہی دو بڑے کام ہیں۔

خیر النساء: کھیتی بھی بجائے خود بڑا مشکل کام ہے۔ ذرا دولت مند کو دیکھو۔ زمین کو درست کرنے اور جنس کو اعلیٰ اور عمدہ بنانے کی کیا کیا نادر تدبیریں لکھی ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ کوئی کرتا نہیں۔ زمین جوت کر بیج بو دیا۔ اللہ اللہ خیر سلا۔

حسن آرا: کیا دیہات میں عورتیں بھی کھیتی باڑی کرتی ہیں؟

خیر النساء: غریب آدمی' جن میں پردے کا رواج نہیں ان میں تو بیٹیاں مردوں کے برابر کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ مگر ہم لوگوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہماری بھی کھیتی ہے۔ گھر میں ترکاریاں بولیں' امرود' انار' آڑو' فالسہ' کھیرنی' لیموں' نارنگی' بیر' آم اس طرح کے میوہ دار درخت جگہ ہوئی تو لگا لیے یا جی بہلانے کو ایک آدھ کیاری میں پھول۔ مگر پھر بھی دیہات والے خدا کے اس نمونہ قدرت سے ناواقف نہیں ہوتے کہ خشکے کے پیڑ اور تنجن کے درخت کو دیکھ کر حیرت کریں۔

استانی جی: دیہات والوں کے حال پر البتہ مجھ کو بھی اس خیال سے تاسف ہوا کرتا ہے کہ ان کو عقل کی اصلاح کا کچھ سامان بہم نہیں پہنچتا۔ بے چاریاں انواع واقسام کے اوہام میں مبتلا رہتی ہیں۔ ٹونے' ٹوٹکے' اتارے' چڑھاوے' نظر گزر' جن' آسیب' بھوت' پریت' چڑیل' فال' شگون' جھاڑ پھونک' جادو منتر' نذر منت' ان چیزوں کا بچار گاؤں والوں میں اکثر ہوتا ہے۔ شہر میں بھی یہ خرابی بہت تھی۔ اب خدا خدا کر کے مولویوں نے درس سنا سنا کر کفر توڑا ہے۔ یہی خیر النساء موجود ہیں۔ ان کی چھوٹی بہن کو کس کس مصیبت سے میں نے چیچک کا ٹیکا کرایا ہے کہ معاذ اللہ!

Marfat.com

# عورتوں کے توہمات کی ایک حکایت طولانی

دیہات والوں کے خیالات میں بے دینی بہت ہے۔ سبب کیا ہے؟ علم کی کمی' عقل کی کوتاہی۔ ہمارے دور کے رشتے کی ایک نانی تھیں۔ کوئی چار برس ہوئے پورے سو برس کی ہو کر مریں۔ ان کے حالات سنو تو تعجب کرو۔ ایک تو اگلے وقتوں کی آدمی' دوسرے دیہات والوں کی خو بوان میں اتنا اثر کر گئی تھی کہ بس وہم کا پتلا بن گئی تھیں۔ اتنا پھونک پھونک کر تو قدم رکھتی تھیں مگر بے چاری رہیں سدا غم زدہ۔ میاں' بھائی جوان جوان بیٹے' جوان جوان بیٹیاں' سب ایک ایک کر کے ان کے روبرو مرے۔ اب اپنی مرتیوں کو شہر میں آ کر رہیں تو صرف ایک بھتیجا ساتھ تھا۔ بھرے کنبے میں یہ ایک بچہ بچا تھا۔ یوں ہی اس کی اللہ امین تھی اور اس پر (اللہ جنت نصیب کرے) نانی کی احتیاط۔ میں کہہ نہیں سکتی کس آفت میں وہ لڑکا مبتلا رہتا تھا۔ کوئی دکھ ہو' دوا تو اس بے چارے نے جانی ہی نہیں کہ کس کو کہتے ہیں۔ بس ٹوٹے ٹوٹکوں پر اس کی زندگی تھی۔

جب نانی اس کو لے کر شہر آئیں تو چار مہینے کا بخار تھا۔ لڑکا نگوڑا سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔ تیلیوں جیسے ہاتھ پاؤں پر اچھا خاصا ورم موجود۔ تلی اتنی بڑھی ہوئی کہ پیٹ میں سانس مشکل سے سمائے اور اس کے ساتھ کھانسی بھی ایسی کھانسی کہ رات دن دم نہ لینے دے۔ یہ تو حال تھا مگر آدھی کی دوائی نہیں ملتی تھی۔ خدا نہ کرے' کچھ پیسے کا لالچ نہیں۔ اس لڑکے کے لئے نانی کو اپنی جان تک سے دریغ نہ تھی۔ اور سوائے اس کے ان کا اور تھا کون۔ آپ گور میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھیں۔ مال و متاع جو کچھ تھا' اسی لڑکے کا تھا۔ جونہی پالکی سے اس نیم جاں لڑکے کو لے کر اتریں ہم سب تو اس کی صورت دیکھ کر ڈر گئے۔

میں: اچھی نانی' لڑکے کا کیا حال ہے' اور کب سے یہ بیمار ہے؟

Marfat.com

نانی: تیزی کا چاند دیکھ کر جو پڑا ہے تو اب تک نہیں سنبھلا۔ مرت بیاہی کے بچوں کی یہی تو خرابی ہے۔ بات بات میں ہٹ' بات بات میں ضد۔ اس کی ضد نے اس کو بھی اس ہڈرے کو پہنچایا۔ اور میں تو اس کی بیماری میں مردے سے بدتر ہو رہی ہوں۔ کھانے کا مجھ کو ہوش نہیں۔ اپنے تن بدن کی مجھ کو خبر نہیں۔ دھڑکوں میں جان جاتی ہے۔

میں: اچھی' پھر اس شہر میں کوئی حکیم' کوئی ڈاکٹر نہ تھا؟

نانی: بہتیرے حکیم' بہتیرے ڈاکٹر۔ مگر جب یہ کسی کے بس کے ہوں۔

میں: کیا یہ دوا نہیں پیتا' پرہیز نہیں کرتا؟

نانی: نہیں دوا تو پی لیتا ہے۔ اور پرہیز کو تو اب پانچواں مہینا ہے۔ اپالی کھچڑی کے سوا دوسری چیز زبان پر رکھی ہو تو حرام ہے۔

میں: پھر کیا علاج نے فائدہ نہیں کیا؟

نانی: حکیموں کا علاج تو کیا ہی نہیں۔

میں: اچھی حکیم کسی اوروں کے واسطے ہیں؟ یہ تو حال لڑکے کا ہو گیا ہے۔ بسم اللہ کر کے کل ہی علاج شروع کر دیجئے۔

نانی: حکیم کا علاج کرنے تو میں یہاں نہیں آئی۔ البتہ کچھ منتیں ہیں ان کو اتارنا ہے۔

میں: حکیم کا دوا کرنے میں تامل کی وجہ؟

نانی: یہ مرض حکیموں کے قابو کے نہیں ہیں۔ اس لڑکے کی ماں کو کوکھ کا خلل تھا۔ پانچواں برس بچے کو لگا اور رخصت ہوا۔ یہ لڑکا دسویں جگہ ہے۔ نہیں معلوم کہاں کہاں کی خاک چھانی اور اس لڑکے کے پیچھے میں نے اپنا لہو اور پسینا ایک کر دیا۔ اس دکھ کا دستور ہے کہ بارہ برس تک اس کا زور رہتا ہے۔ ایک چار مہینے مصیبت کے اور ہیں۔ یہ ٹل جائیں تو خاطر جمع ہو۔

Marfat.com

میں: اس طرح کے دکھ لوگوں سے تو میں بھی سنتی ہوں' مگر کچھ دل سے میں اس کی قائل نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ دکھ ہو ماں کو اور بچوں پر بارہ بارہ برس تک اس کا اثر رہے۔ اور کوئی دکھ ہو' اس کی کچھ دوا ہے۔ یہ کیسا لاعلاج دکھ ہے کہ طبیعت اس کے قائل نہیں' دید اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ ڈاکٹر اس کو نہیں مانتے اور نہ کچھ اس کی کیفیت معلوم ہوتی ہے کہ یہ کیا بلا!

نانی: ہاں' اس تیرہویں صدی میں یہ نئی حکمت ایجاد ہوئی ہے' ورنہ ہمارے خسر کیسے بڑے مولوی تھے کہ دنیا جہاں میں ان کا فتوی چلتا تھا۔ خود اس کے عامل تھے۔ اب برکت والے' علم والے لوگ اٹھ گئے۔ کٹھ ملا رہ گئے ہیں' جن کو نماز تک کی نیت نہیں آتی۔ نئے نئے مسئلے نکالے ہیں۔ پیر پیغمبر کے درود فاتحہ کو حرام بتائیں۔ سہرے کنگنے کو منع کریں۔ شادی بیاہ میں نوبت نقارہ سب بند۔ تیز تہوار پیغمبروں سے چلے آتے ہیں' سب موقوف۔ محرم کا شربت حرام۔ شب برات کا مانڈا حلوا حرام' عید کی سویاں حرام۔ مرد تو بگڑے ہی تھے' انہوں نے عورتوں کو بھی اپنے ساتھ خراب کیا۔ وہی کہاوت ہے

میں تو ڈوبا ہوں مگر تجھ کو بھی لے ڈوبوں گا

اب کی سہاگنیں رانڈوں سے بدتر۔ نہ کپڑوں میں رنگ' نہ منہ میں مسی' نہ ناک میں نتھ' نہ ہاتھوں میں چوڑیاں۔

میں: یہ سب کچھ ہے مگر اس سے کوئی خرابی تو پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ سردست ایک فائدہ ہوا کہ رسموں کی پابندی میں جو تکلیف ہوتی تھی' اس سے محفوظ رہے۔

نانی: جب سے رسمیں اٹھ گئیں' دنیا سے رونق' برکت' محبت بھی کچھ تو اٹھ گیا۔ رہا کیا ہے؟ یہاں بیبیوں میں وہ اگلے وقتوں کے سے اخلاص نہ رہے۔ بھائیوں' بہنوں میں پہلی سی محبتیں نہ رہیں۔ نہ وہ سستے سے ہیں' نہ وہ فراغتیں ہیں۔ اب تو گھر گھر روٹیوں کے لالے پڑے ہیں۔

Marfat.com

میں: نمود اور تکلف کی چیزیں نئی نئی بہت چل نکلی ہیں۔ اس سے سب کے خرچ بڑھ گئے ہیں اور ملک میں ہر طرف امن ہونے سے ایک جگہ کی پیداوار تمام ملک میں پھیل جاتی ہے۔ دو سال اس طرف خشکی رہی' کلکتہ تک سے غلہ کھنچا چلا آتا تھا۔ دوسرے' آدمیوں کا شمار بہت بڑھ گیا ہے۔ اناج سستا ہو تو کیوں کر ہو؟

نانی: اے چل لڑکی! میں ایسے ڈھکوسلے نہیں سمجھتی۔ میرے گھر آپ کھیتی ہوتی ہے۔ بیگھے میں دس من ہوتا تھا تو اب دو من نہیں ہوتا۔

میں: نانی' میں نے کھیتی نہیں کی' لیکن اس فن میں دو ایک کتابیں دیکھی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اگلے زمانے کی نسبت ان دنوں زمین کی پیداوار گھٹ گئی ہے۔ سو اس کا سبب یہ ہے کہ اگلے زمانے میں عملداری کا نظام خراب تھا۔ لوٹ کھسوٹ کے ڈر سے کھیتی کم ہوتی تھی اور بہت بہت زمین پڑی رہا کرتی تھی' اور پڑے رہنے سے اس کی طاقت بڑھتی تھی۔ جب بوئی جاتی تو بڑے اناج ہوتے۔ اب کسی سال زمین پڑی نہیں رہتی۔ پیداوار تو گھٹنی ہی چاہئے۔

نانی: بیٹی' وہ پہلے کی سی برسات ہی نہیں ہوتی۔ اتنی عمر ہونے کو آئی' ایک چورانوے کے کال کے سوائے ہم نے تو قحط کا نام نہیں سنا تھا۔ اب تو قحط ایک معمولی بات ہوگئی ہے۔ چار برس ہوئے' اڑیسہ خاک سیاہ ہوگیا۔ دو برس ہم لوگوں نے مصیبت جھیلی۔ امسال فصل اچھی ہوئی ہے تو پنجاب گڑا ہوا ہے۔ غرض کسی نہ کسی طرف کال ضرور رہتا ہے۔

میں: نانی' میں تو جانتی ہوں برساتیں جیسی سدا سے ہوتی آئی ہیں' ویسی ہی اب بھی ہوتی ہیں۔ بلکہ نہروں کے جاری ہونے سے جا بجا پانی کی افراط ہوگئی ہے۔ گو اگلے وقتوں میں ہم کو اور شہروں کا حال معلوم نہیں ہوتا تھا۔ اب ایک جگہ ذرا سی خرابی ہوتی ہے تو تمام ملک میں ڈھونڈورا پٹ جاتا ہے۔

Marfat.com

نانی: ایک تو برسات نے کچھ ایسا لیل ونہار بدلا ہے کہ نہ گرمی میں گرمی رہی نہ جاڑے میں جاڑا۔

میں: عجب کیا ہے؟ ہزاروں کوس کے جنگل کٹ کر آباد ہو گئے۔ جا بجا نہریں جاری ہیں۔ آبادی ڈیوڑھی ہوگئی۔ ان باتوں نے آب وہوا پر ضرور اثر کیا ہوگا۔

نانی: اثر کیسا' جن بیماریوں کا نام نہیں سنا تھا' برس میں دو دو بار ان کا دورہ ہوتا ہے۔ کوئی سال تو ہیضے اور چیچک سے خالی نہیں ہوتا۔

میں: کیا ہیضہ اور چیچک پہلے نہیں تھے؟

نانی: ہیضہ ہوتا تھا مگر وہی گرانی اور بدہضمی کے ہیضے ہوتے تھے۔ سو بھی شاذ و نادر۔ اب تو عالمگیر وبا ہوتی ہے۔ چیچک البتہ پہلے سے چلی آتی ہے۔

میں: نانی' اس کا تو انگریزوں نے ٹیکا وہ حکمی علاج نکالا ہے کہ کبھی خطا ہی نہیں کرتا۔

نانی: اے ہے! آگ لگے اس ٹیکے کو۔ میں پانچ مہینے سے وہی دکھڑا جھیل رہی ہوں۔ اس لڑکے کو اور روگ کیا ہے۔ اس کے باوا نے میرے بے پوچھے ٹیکا لگوا دیا۔ ابھی تک مصیبت سے پناہ نہیں۔

میں: دانا اٹھا تھا؟

نانی: اٹھنا کیسا' ساری ناتھ مہینوں پکا کی۔

میں: پھر چیچک نہیں نکلی ہوگی۔

نانی: بڑی ذات کی تو نہیں نکلی۔ اور بڑی نکلی ہوتی تو بھلے ہی دن نہ ہوتے۔

میں: کھسرا تھی۔ تو وہ کچھ ایسی خطرناک نہیں ہوتی۔

نانی: اوپر والوں کی بے ترتیبی نے بگاڑ دیا۔ اول تو ٹیکا لگوایا' دوسرے ان کے نکلنے میں جو پرہیز ہوتے ہیں' وہ نہ کیے۔

Marfat.com

میں: کھسرا میں کچھ پرہیز بھی ہوتا ہے؟

نانی: کیوں نہیں۔ گھر میں بگھار نہ لگے' دھوبی کے گھر کے دھلے ہوئے سفید کپڑے گھر میں کوئی نہ بدلے۔ باہر سے اول تو کوئی آنے نہ پائے اور جو ایسی ہی ضرورت ہو تو تھم کر اور دم لے کر آئے۔ خوشبو کسی قسم کی پاس نہ آئے۔ دوا تو اس بیماری میں کرنی ہی نہ چاہئے۔ گرج کی آواز بچے کے کان میں نہ پڑے۔ اسی طرح کے بہتیرے پرہیز ہیں۔ مگر کرے کون؟ ان کے باوا انہی بگڑے ہوئے مولویوں میں ہیں۔ ان کے یہاں نہ کچھ پرہیز ہے' نہ احتیاط۔ بلکہ اس کو شرک اور کفر بتاتے ہیں۔ اس لڑکے کو کھسرا نکلی تو ضد کر کے بد پرہیزیاں کیں۔ آنکھیں دکھنے آئیں تو کمال کا علاج ہوا۔ میں ہر چند کہتی رہی کہ دیکھو کھسرا کی آنکھیں ہیں' دوا مت کرو۔ ایک نہ مانی۔ ایسی آنکھیں ممی کی دوا یہی ہوتی ہے چنے کی دال اتار رکھی' سات پھول اتار کر رکھ چھوڑے۔ آنکھیں اچھی ہوئیں' نہر میں بہا دیئے۔ خیر انہوں نے آنکھیں تو اچھی کروالیں مگر آنکھوں کا اچھا ہونا تھا کہ بخار آنے لگا۔ تب تو میں نے کہا بلا سے شرک کرتے ہیں تو ہم کرتے ہیں۔ مگر ہماری بات میں دخل مت دو۔ ان کے باوا تو اسی بات پر لڑ کر علاقے پر چلے گئے۔ تب سے انہوں نے یہ نہیں پوچھا کہ لڑکا مرتا ہے یا جیتا ہے۔ میں اس کے پیچھے دیوانی بن رہی ہوں۔ دنیا بھر کی تدبیریں کر چکی۔ بخار ہے کہ ایک دن کو پیچھا نہیں چھوڑتا۔

میں: اچھی نانی' تم کہتی ہو حکیم کا علاج نہیں کیا۔ پھر وہ دنیا بھر کی تدبیریں کیا تھیں جو تم کر چکیں؟

نانی: مہینوں تو شربتوں کی کلھیاں اتار کر چوراہے میں رکھوائیں۔ تمبا کو کا ہاتھی بنا کر بلانا خ سرہانے رکھا۔ رتھ کے پھندنے اس کے گلے میں لٹکائے۔ سینکڑوں دفعہ پانی اور انگارے اس پر سے اتارے۔

میں: نانی' انگارے کیوں کر اتارتے ہیں؟

Marfat.com

نانی: پانی اور سات انگارے سر کی طرف سے پاؤں تک اتارے اور گھر کی موری کے پاس جا کر ٹھنڈے کر دیئے' اور ٹھنڈے وقت منہ سے کہہ دیا کہ بھوکا ہے تو آگ کھا اور پیاسا ہے تو پانی پی۔

میں: اچھا پھر' یہ سب کچھ تو کر چکیں اور کچھ فائدہ نہیں ہوا۔ روز بروز لڑکے کی حالت ردی ہوتی گئی تو اب حکیم کا علاج بھی کر دیکھو۔

نانی: یہ سب بگاڑ علاج ہی سے تو پڑے ہیں۔ اب پھر علاج کروں تو لڑکے سے ہاتھ دھو بیٹھوں۔

میں: معلوم ہوتا ہے کہ کھسرا کی گرمی اندر بھر گئی ہے۔ اس کو ٹھنڈائی نہیں پہنچی۔

نانی: اس لڑکے کی افتاد تو ماں کے پیٹ سے بگڑی ہوئی ہے۔ آج کل کی لڑکیاں بڑے بوڑھوں کو تمہاری طرح احمق تو سمجھتی ہی ہیں۔ اس نے بھی میرے کہنے پر کبھی خیال نہ کیا۔ اچھوتی کوکھ کو بیٹھے بٹھائے روگ لگا لیا۔

میں: کیا کچھ کھانے پینے میں بے احتیاطی کی؟

نانی: نہیں۔ اس روگ کی روک ان سے نہ ہو سکی۔

میں: اچھی نانی' مجھ کو تو بتاؤ۔ کس بات سے اس کی روک ہوتی ہے؟

نانی: آٹا چھاننے میں جو آٹے کا گھیرا زمین پر بن جاتا ہے' اس کو لانگھنے سے یہ دکھ ہو جاتا ہے۔ دونوں وقت ملے جائے ضرور جانے سے' کسی کے ساتھ برابر کھڑے ہو کر گلے لگنے سے' دوپٹے کا پلو زمین پر لٹکنے سے' چراغ کا ہاتھ پیٹ کو چھو جانے سے' درخت تلے نہانے سے' دکھ والی کے نہانے کا پانی لانگھنے سے۔

میں: تو معلوم ہوتا ہے یہ کوئی بدنی بیماری نہیں۔

نانی: توبہ توبہ! ایک طرح کا آسیب ہے اور آدمی سے آدمی کو اڑ کر لگ جاتا ہے۔

میں: آخر سب سے پہلے جس عورت کو ہوا ہوگا تو از خود ہوا ہوگا۔

نانی: خدا کی پناہ! لڑکی' تو بلا کی حجتی ہے۔ میں نے کہا نہیں کہ از خود بھی یہ روگ پیدا

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔

میں: نانی' تم تو خفا ہوتی ہو۔اب تم سے نہ پوچھیں تو کس سے پوچھیں؟

نانی: اے چل مکارہ۔ میں خوب سمجھتی ہوں۔تو مجھ کو باتوں میں بناتی ہے۔

میں: اے ہے' نانی! میں اور تم کو بناؤں گی؟

نانی: بالکل۔ تیری ہی سی طبیعت اس لڑکے کی ماں کی تھی۔ وہ بھی بات بات میں ناحق کی حجتیں نکالا کرتی تھی۔ جب تک جی' خوش نصیب نہ ہوئی۔ اب آپ تو چل بسی' آفت ہمارے سر پر ہے۔ اور ماں باپ کے اختیار میں رہتا تو توبہ توبہ! کیا یہ جیتا؟ وہ تو جس دن سے یہ روح پڑی' مجھی سری کی تھی کہ ہر طرح کی خبر گیری کرتی رہی۔ گنڈے اور تو سے اور منتیں اور چڑھاوے' کوئی بات تو میں نے اٹھا نہیں رکھی۔

میں: نانی' بہت ہی برا عقیدہ تمہارا ہے۔ توبہ کرو' توبہ۔ اب مرنے کے دن قریب آئے۔ خدا کو کیا جواب دو گی؟ سوائے خدا کے مرنا جینا بھی کسی کے اختیار میں ہے؟ یہی شرک ہے۔

نانی: خدا برحق اور اس کی قدرت برحق یہ باتیں بھی اسی نے بتائی ہیں۔ دکھا تو کون سے قرآن میں لکھا ہے کہ بچہ پیٹ میں ہو اور دہرے دہرے گہن پڑیں اور بچے والی آنگن میں چلے پھرے اور کام کرے؟ بتا تو کون سی حدیث میں آیا ہے کہ بچوں کو مکان میں اکیلا چھوڑ دیا کرو اور درختوں کے نیچے بے تامل دودھ پلایا کرو؟

میں: قرآن اور حدیث میں سینکڑوں جگہ لکھا ہے کہ موت و حیات صرف خدا کے اختیار میں ہے اور بندہ عاجز ہے۔

نہیں اس کے سوا طاقت کسی میں
کہ کام آوے کسی کی بے کسی میں

نانی: بھلا آگ کا کام جلانا ہے یا نہیں؟

میں: ہے اور خدا نے یہ تاثیر آگ میں رکھ دی ہے۔

Marfat.com

نانی: بس' نظر اور پرچھانوے میں خدا ہی نے یہ تاثیر رکھی ہے۔

میں: تم نے یہ زبردستی ناحق کی تاثیریں مان رکھی ہیں۔ کہیں سے اس کی اصل نہیں پائی جاتی۔

نانی: اے لڑکی! نظر کی تاثیر میں بھی کلام ہے؟ نظر تو مشہور بات ہے۔ پتھر کو توڑ دیتی ہے۔ آدمی تو آدمی' جانور کی نظر لگ جاتی ہے۔

میں: کس جانور کی؟

نانی: کتنے کی' چھپکلی کی۔

میں: در و دیوار کی۔ نظر لگنے کی تو غضب ہے۔ کوئی زمین کے پردوں میں آدمی جا کر کھائے؟

نانی: زمین کے پردوں میں نہ جائے تو ایسی بے احتیاطی بھی نہ کرے کہ ہر کس و ناکس کے سامنے کھاتے لگے۔ تم علاج علاج بہت پکارتی ہو۔ دیکھو' ایک یہی نظر ہے۔ لاکھ علاج کرو' جب تک وہ چیز نظر والے کو نہ پہنچ جائے گی' کوئی علاج فائدہ کرنے کا نہیں۔

میں: آخر نظر کا کچھ دفعیہ بھی ہے؟

نانی: نظر والے کی پاؤں تلے کی مٹی یا لہسن' پیاز' مرچ چولھے میں جلاتے یا وہی کھانا چوراہے میں رکھوا دیتے ہیں یا نظر والے کو کھلا دیتے یا نظر رسیدہ کے ہاتھ سے گوشت چھوا کر چیلوں کو دے دیتے ہیں۔ بعض لوگ کھانے سے پہلے حق نظری نکال کر رکھ چھوڑتے ہیں۔ صدقہ دیا' دور بلا۔ ثواب کا ثواب علاج کا علاج۔

میں: ثواب نہ علاج۔ ثواب تو جب ہے جب خدا واسطے کو دیا جائے۔ ایسا دینا تو ایک طرح کی بھینٹ ہوئی۔ اور علاج سے تو کچھ علاقہ ہی نہیں۔

نانی: جو کچھ سمجھو۔ نظر کے زہر کے اتارکا منتر ہے تو یہ ہے۔

میں: نانی' تم اتنی احتیاط کرتی ہو مگر اس کا اثر تو خاک نظر نہیں آتا۔ ہم نے تو تم کو

Marfat.com

سدا روتے ہی دیکھا۔ تم سے ہزار درجہ تو وہ لوگ خوش ہیں جو ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے۔

نانی: بیٹی' میرے رونے کی کچھ نہ پوچھو۔ جب سے آنکھ کے نیچے یہ مسا اٹھا' آنسو نہیں تھما۔

میں: پھر اس بیچارے لڑکے کو اسی طرح گھلایئے گا یا کچھ تدبیر بھی کیجئے گا۔

نانی: اس کو کھانسی اور بخار دو روگ ہیں۔ کھانسی کو تو ابھی چار دن اور میں نہیں چھیڑتی۔

میں: کیوں؟

نانی: اس کی کھانسی کالی کھانسی ہے۔ اور اس کی بڑی عمدہ دوا یہ ہے کہ کالے گھوڑے کے سوار سے پوچھے' اور وہ جو کہے سو کرے۔ سو گیارہ دن ہوئے ایک شخص کالے ٹٹو پر چڑھا جاتا تھا۔ اس سے پوچھا تو اس نے کہا دو ہفتے میں آپ اچھی ہو جائے گی۔ رہا بخار سو اس کی منتیں اتارنی مقدم ہیں۔ دیکھتی ہو' چار چوٹیاں سر پر ہیں۔ گردن میں ہنسلیوں اور چاندوں کا ڈھیر ہو گیا ہے۔ کہیں کی چادر دینی ہے' کہیں کا بکرا مانا ہوا ہے۔ یہ منتیں اتریں تو بخار کو اترا سمجھو۔ تکلیف اس کو ہے' میں جانتی ہوں۔ مگر میری خاطر جمع ہے۔ میں خواب میں اس کو مردہ دیکھ چکی ہوں اور جس کو مردہ دیکھو اس کی زندگی دراز ہوتی ہے۔ غرض کہ ہزار ہزار تدبیر کی کہ علاج ہو نہ ہوا۔ آب و ہوا کی تبدیلی سے خود بخود لڑکے کی طبیعت بہت کچھ سنبھل گئی تھی کہ یکا یک سنا کہ نانی کل جا رہی ہیں۔

میں: اچھی نانی' ایسی جلدی؟

نانی: ہاں بوا' مکان اچھا نہیں۔ کیا کروں؟

میں: ہاں کچھ بند بند سا ہے' ہوا کم لگتی ہو گی۔ رات کو بالا خانے پر سو رہا کرو۔

نانی: آگ لگے اس گھر کو اور اس کے بالا خانے کو۔ کوئی آدمیوں کے رہنے کا ہے؟

Marfat.com

میں: نانی' ایسا بہت چھوٹا تو نہیں ہے۔ اور بالا خانہ تو خوب ہی ہوادار ہے۔ نیچے کا صحن البتہ بھچا بھچا ہے۔

نانی: تم ہوا ہی کو پیٹتی ہو۔ رات بھر بچہ اچھل اچھل پڑتا ہے اور کچھ ایسا بھیانک بھیانک کہ خود مجھ ہی کو ڈر لگتا ہے۔ تمام رات برے برے خواب نظر آتے ہیں۔

میں: کبھی کچھ آنکھوں سے بھی دیکھا ہے؟

نانی: جھوٹ کیوں کر کہہ دوں۔ دیکھا بھالا تو کچھ نہیں۔ خدا نہ دکھائے۔ مگر نہیں بوا' مکان برا ہی ہے۔

میں: اچھی' کیا برائی ہے؟

نانی: تمام رات تو کم بخت بلیاں روتی ہیں۔ پچھواڑے بڑ کا درخت ہے' اس پر الو رہتا ہے۔ رات کو جب آنکھ کھلے' گلی میں کتوں کو روتے سنو۔ کوٹھا سب سے زیادہ خراب ہے۔

میں: دو برس تک ایک کرایہ دار بال بچوں سمیت اسی کوٹھے پر رہا۔ ہم نے تو کچھ شکایت نہیں سنی۔

نانی: اس کے اٹھ جانے پر خراب ہو گیا ہو گا۔

میں: اچھی' ایسا بھی ہوتا ہے؟

نانی: کیوں؟ اچھے گھر میں چالیس دن چراغ نہ جلے تو اس میں جنات دخل کر لیتے ہیں۔

میں: نانی' شہر کی ہوا لڑکے کو خوب راس آئی ہے۔ دیکھو تو' پہلے کی نسبت ماشاء اللہ کتنا فرق ہے۔ مہینہ سوا مہینہ اور رہ جاؤ۔ لڑکا بالکل اچھا ہو جائے گا۔

نانی: ان کا تو وہی منتوں کا تقاضا تھا' سو میں کر چکی۔ اب کچھ ڈر کی بات نہیں۔ اصل خیر سے ان کی سالگرہ ہو جائے تو پھر مجھ کو کسی طرح کا کھٹکا نہیں۔ میں تو آپ باہر سے گھبرا گئی ہوں۔ ان کی سالگرہ ہوئی اور میں سب کو ساتھ لے کر آئی۔

Marfat.com

غرض ایسا وہم دل میں سمایا کہ نہ ٹھہریں پر نہ ٹھہریں۔

دیکھو ان ہماری نانی کے کیسے خیالات تھے جن کو دین اور عقل سے کچھ واسطہ نہ تھا اور یہ سب دیہات میں رہنے کا اثر تھا۔ سب سے بڑا عیب تو دیہات میں یہ ہے۔ دوسرے عورتوں پر کچھ اس طرح کی سختی اور قید ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ آٹھ آٹھ اور دس دس برس کی بیاہی ہوئیں اور تین تین چار چار بچوں کی مائیں مگر گھونگھٹ کا بوتڑا چڑھا ہوا ہے۔ بات چیت سے معذور۔ گفت وشنید سے محروم۔ غرض کہ شرعی پردہ داری کے ساتھ جو آزادی عورتوں کو حاصل ہونی چاہئے' دیہات میں میسر نہیں۔ غلامی کی حالت میں بے چاریوں کی زندگی بسر ہوتی ہے۔

از بسکہ حسن آرا کی منگنی جھجھر میں ہوئی تھی' اس بات کو سن کر ایسے سناٹے میں آئی کہ پھر بولی ہی نہیں۔ جب شام ہونے آئی' استانی جی نے کہا: لڑکیو! تم کو خدا کی سنوار ہے۔ مسیح الملک کی کہانی کو کچھ ایسی گھڑی تہہ کیا ہے کہ پھر اس کا نام تک نہیں لیا۔ کوئی معمول ہو' ایک روز بھی ناغہ ہو جاتا ہے تو چالیس دن کی برکت اڑ بڑ جاتی ہے۔ تم کو کہانیوں میں کھیل سوجھتا ہے اور میں سبق سے بڑھ کر ان کو ضرور سمجھتی ہوں۔۔۔ جاؤ کتاب نکال لاؤ۔

## حسن آرا نے مسیح الملک کی کہانی پڑھ کر سنائی

اس اثناء میں حسن آرا نے بھی چپکے چپکے اتنی استعداد پیدا کر لی تھی کہ عبارت پڑھ سکتی تھی۔ فراٹے کے ساتھ تو نہیں پڑھا جاتا تھا مگر اٹکتی بھی نہ تھی۔ شاذ و نادر کوئی عربی فارسی کا لفظ آ گیا تو ذرا کے ذرا رکی اور چل نکلی۔ کہانیوں کا نام سن کر حسن آرا کے دل میں گدگدی ہونے لگی اور محمودہ کے پاس جا کر آہستہ سے کہا کہ آج جی چاہتا ہے کہ میں پڑھوں۔

محمودہ: بسم اللہ۔

Marfat.com

حسن آرا: استانی جی سے کہتے شرم آتی ہے۔

محمودہ: شرم کی کیا بات ہے؟ میں کہہ دوں؟

حسن آرا: کسی کو میرے پڑھنے کا حال معلوم نہیں۔ سن کر تعجب ہوگا۔

محمودہ: ہوگا تو سہی۔

حسن آرا: سب کان لگا کر سنیں گی۔ ایسا نہ ہو میری سٹی بھول جائے۔

محمودہ: ان میں کوئی اجنبی آدمی نہیں ہے۔ پڑھنے میں کتاب کے سوائے تم دوسری طرف خیال نہ کرنا۔

حسن آرا: آگے کی کہانی کچھ بہت مشکل ہے؟

محمودہ: نہیں۔ منتخب الحکایات تم بے تامل پڑھتی ہو۔ اس سے تو کہیں زیادہ سہل ہے۔

حسن آرا: تم میرے پاس بیٹھنا۔

محمودہ: ضرور۔

حسن آرا: استانی جی تو کچھ خفا نہ ہوں گی؟

محمودہ: خفا کیوں ہونے لگیں؟

حسن آرا: اے ہے! جی ڈرتا ہے۔

محمودہ: استانی جی کی خفگی ہے؟

حسن آرا: نہیں۔ سب کے سامنے پڑھنے سے۔

محمودہ: اجی آنکھیں نیچی کئے تم پڑھ چلنا۔

اتنے میں رابعہ کتاب نکال' پہنچی۔ جونہی چاہتی تھی کہ پڑھے' محمودہ نے کہا' استانی جی آج حکم ہو تو حسن آرا کہانی پڑھیں؟ یہ سن کر سب کو حیرت ہوئی۔

استانی جی: ہاں۔

محمودہ: حسن آرا بیگم کئی مہینے مجھ سے چپکے چپکے پڑتی تھیں۔ اب عبارت پڑھنے لگی ہیں۔

Marfat.com

استانی جی: شروع میں ایک مرتبہ ایک انہوں نے مجھ سے پڑھنے کو کہا تھا۔ میں نے اس خیال سے روک دیا کہ ان کا شوق خوب تیز ہو لے تب شروع کراؤں۔ پھر انہوں نے کچھ تذکرہ نہیں کیا۔ میں سمجھی ابھی ارادہ نہ ہوگا۔

محمودہ: جناب اسی دن انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ ماشاءاللہ ایسا ذہن ہے کہ میں نے تو نہیں دیکھا۔ ایک دن میں تو انہوں نے ساری الف بے پہچان لی تھی اور کچھ ایسا حافظہ خدا نے دیا ہے کہ جو پڑھا بس پتھر کی لکیر۔

## غیرت اور غور

استانی جی: حسن آرا بیگم محمودہ سے تمہارے پڑھنے کا حال سن کر میں بہت خوش ہوئی اور اتنی تھوڑی مدت میں جو تم نے عبارت پڑھ لینے کی استعداد حاصل کی میں سب لڑکیوں کے روبرو تم کو اس کی شاباش دیتی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ محمودہ سے چھپ کر پڑھنے کا یہ سبب ہوا ہے کہ تمہاری غیرت نے چھوٹی لڑکیوں کے روبرو کتابیں پڑھتی ہیں الف بے پڑھنا پسند نہیں کیا۔ میں تمہاری اس غیرت پر آفریں کہتی ہوں۔

غیرت آدمی کو خدا نے اسی واسطے دی ہے کہ وہ نیک کاموں میں اس سے مدد لے۔ غیرت سستی اور کاہلی کا تازیانہ ہے۔ غیرت سے شوق کو تیزی اور ارادوں کو پائیداری حاصل ہوتی ہے۔ غیرت ہمارے حق میں امداد الٰہی اور تائید غیبی ہے۔ مشکلوں پر غالب آنے اور دقتوں کو رفع کرنے کے لئے غیرت ایک عمدہ ہتھیار ہے۔ غیرت محنت کو راحت اور تکان کو آسائش دیتی ہے۔ غیرت ہمارے دلوں کی توانائی اور ہماری جانوں کی قیمت ہے۔ غیرت وہ تیر ہے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔ غیرت وہ تدبیر ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ کامیابی اور فتح مندی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے مزاج غیور ہوں اور اقبال مند ہیں وہی جو غیرت مند ہوں۔ حسن آرا بیگم ہزاروں خوبیوں کی ایک خوبی تم میں یہ غیرت ہے۔ اے لڑکیو تم سب اس کا اہتمام کرو کہ تمہاری غیرتیں ماند

Marfat.com

اور مدھم نہ ہونے پائیں۔

حسن آرا بیگم' یہ دو تین مہینے جو تم نے پڑھنے میں صرف کئے' تم خود سمجھ گئی ہو گی کہ تمہاری عمر کا یہ بہت چھوٹا سا حصہ کیسا عمدہ تھا۔ ایسے ایسے نہیں معلوم کتنے ہم تم نے باتوں اور نیند میں ضائع کر دیئے اور اگر اس وقت کی طرح ان کو بھی کام کی باتوں میں لگاتیں تو کیا کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا ہوتا۔ افسوس! آدمی وقت پر قابو پا کر اس کو اکارت کرے۔

حسن آرا بیگم' اب تم نے اس نیک کام کو شروع کیا ہے تو تندہی سے اس کو ختم تک پہنچاؤ۔ وہ شخص جو شوق کرتا ہے مگر ناتمام' اور ارادہ کرتا ہے مگر ناقص' اس سے زیادہ برا ہے جو بالکل بے شوق ہے۔ بڑی شرم کی بات ہے کہ جن لوگوں نے تمہارا پڑھنا سنا' وہ کبھی یہ بھی سنیں کہ حسن آرا بیگم نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ حسن آرا بیگم' کسی آدمی کو اپنی نادانی کی انتہا معلوم نہیں۔ جس کو جتنا آتا ہے۔ وہ اس چوہے کی طرح ہے جو ہلدی کی ایک گرہ جانے سے اپنے آپ کو عطار خیال کرتا ہے' بڑا عالم خیال کرتا ہے اور تھوڑی سی معلومات پر فخر کیا کرتا ہے۔ عجب نہیں کہ تم کو بھی اپنی حالت پر ناز ہو کہ جو کتاب سامنے آ جائے' میں پڑھ سکتی ہوں اور سب کچھ مجھ کو آ گیا۔ خبردار! ہرگز ہرگز ایسا خیال اپنے دل میں مت آنے دینا۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ دریائے علم کی تھاہ کسی نے نہیں پائی۔ عبارت پڑھ لینے کو علم نہیں کہتے۔ یہ تو علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ علم میں وہ باتیں ہیں جو کتابوں میں لکھی ہیں۔ حساب' جغرافیہ' طبیعات' طب' صرف نحو' منطق' ہندسہ' ریاضی وغیرہ۔

حسن آرا بیگم' بہت چیزوں کے جاننے اور بہت کتابوں کے پڑھنے سے چنداں فائدہ نہیں ہے۔ تمام تر علموں کا نتیجہ یہ ہے کہ آدمی ہر ایک چیز کی اصل اور ہر ایک بات کی تہہ کو دریافت کرے۔ تم شروع سے سوچنے اور غور کرنے کی عادت ڈالو۔ کوئی چیز جو دیکھو' اس کی حقیقت اور کوئی بات جو سنو اس کی وجہ سوچنی چاہئے۔ جو چیزیں ہم رات دن دیکھتے ہیں' کچھ ایسی سرسری نظر سے دیکھتے ہیں کہ گویا ان سے بالکل بے خبر ہیں۔ پانی' ہوا' درخت' غلہ' کپڑا' زیور' برتن بلکہ ضرورت اور خانہ داری کی سب چیزیں۔

Marfat.com

آسمان' ستارے۔ کبھی کسی نے غور کیا ہے کہ کیا ہیں؟ اور جنہوں نے کیا تو سمجھا کہ ایک ایک چیز بجائے خود ایک علم ہے۔ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

برگ درختان سبز' در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست' معرفت کردگار

غرض ذہن کو غور و فکر کی عادت رہے اور عقل کو تفتیش کا روگ لگ جائے۔ یک من علم را دہ من عقل باید کا یہی تو مطلب ہے۔ ورنہ طوطے کی طرح پڑھا بھی تو کیا۔ کتنا طوطے کو پڑھایا پر وہ حیوان ہی رہا۔ ہاں صاحب' اب کہانی شروع ہو۔

پھر حسن آرا نے پڑھنا شروع کیا۔ دو چار جملوں تک تو زبان لڑکھڑائی' مگر پھر صاف پڑھنے لگی۔

## مسیح الملک کی باقی حکایت

اس کا بعد معذولی جج کو جانا اور اس کی بیٹی پرناز پروردہ کا جس نے امیر زادیوں کی طرح تربیت پائی تھی' بدوؤں کے ہاتھ میں ہوشمند کنیز کے ساتھ گرفتار ہونا اور اس حالت بے ہنری سے تکلیف پانا اور ہوشمند کی کوشش سے رہا ہونا۔

مسیح الملک کی شامت جو آئی' بیٹی کا بیاہ کرنے اٹھے پہلا کام تھا۔ پس وپیں کچھ نہ سوچا۔ لوگوں کے حق مار مار کر زور و ظلم سے جو کچھ جمع کیا تھا' سب خرچ کر ڈالا بلکہ ہزاروں کا قرضہ سر کر لیا اور نام و نمود کے پیچھے مرمٹے۔ شادی کے سامان دیکھ کر جہاں پناہ کو بدگمانی ہوئی اور ستم رسیدوں کو کہنے سننے کا موقع ملا۔ غرض دفتر شاہی سے نام کٹ گیا۔ نام کا کٹنا تھا کہ قرض خواہوں نے تنگ کرنا شروع کیا متوسلان شاہی ناراض تو تھے

Marfat.com

ہی' راہ میں چلتے پھرتے آوازے کسنے لگے۔ مسیح الملک سے سوا اس کے اور کچھ نہ بن پڑی کہ کعبۃ اللہ جائیں نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی۔ سفر کا نام سن کر نوکروں چاکروں نے ٹکا سا جواب دیا۔ گھر کے لونڈی غلام کنی کاٹ گئے۔ اتنی بڑی بھیڑ میں سے صرف ایک کنیز ہوشمند نام ساتھ ہوئی۔ اس کو حکیم صاحب کی چھوٹی بیٹی ناز پروردہ کے ساتھ کھیلنے اور ہم عمری کی وجہ سے بڑی محبت تھی اور اسی تعلق سے اس نے ناز پروردہ کی رفاقت اختیار کی۔

ہوشمند تھی تو کنیز زادی' مگر بڑی عقل مند اور صاحب شعور تھی۔ مگر اس کی عقل آزادی چاہتی تھی۔ اپنی حالت کو ناپسند کرتی اور جی ہی جی میں غور کرتی کہ گھر میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک تو خود گھر والے' جس کو ہر طرح کا آرام اور اختیار حاصل ہے۔ دوسرے نوکر' کہ یہ لوگ گھر والوں کی ٹہل اور خدمت تو کرتے ہیں مگر خاطر خواہ اپنی مزدوری لیتے ہیں۔ اور جو نوکری سے ناخوش ہوتا ہے تو چھوڑ کر چل دیتا ہے۔ تیسرے ہم لوگ ہیں جو لونڈی غلام کہلاتے ہیں۔ ہمارے محنت اور مصیبت کی کچھ انتہا نہیں۔ نہ ہم کہیں چھوڑ کر جا سکتے ہیں' نہ کچھ تنخواہ کا استحقاق رکھتے ہیں۔ سب میں ہم ہی کم بخت گئے گزرے ہوئے ہیں۔ ہوشمند اس کے سبب کی تفتیش میں تھی کہ آخر میں نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کی پاداش میں مجھ کو عمر قید ہے۔ بہتیرا سوچتی' کچھ پتا نہیں چلتا تھا۔ دو ایک مرتبہ اس نے قصد کیا کہ ہم جنسوں میں اس کا تذکرہ کرے مگر کسی کو اس دل و دماغ کا نہ پایا۔ وہ لوگ سب کے سب اسی قدر عقل رکھتے تھے کہ کسی دن کام زیادہ پڑ گیا یا مارے پیٹے گئے' تھوڑی دیر کو رو نے دھوئے' پھر ویسے کے ویسے

چکنے گھڑے پہ بوند پڑی اور پھسل گئی

مگر ہوشمند تو ہمیشہ اپنے تئیں لئے دیئے رہتی تھی۔ مارنا پیٹنا' کیسا' سخت بات بھی کہتا تو مہینوں اس پر صدمہ رہتا۔ ہر وقت اپنی حالت اس کو پیش نظر رہتی اور اس وجہ سے

Marfat.com

سدا اداس رہا کرتی تھی۔ اکیلی ہوتی تو کبھی اپنی مصیبت پر رویا کرتی۔ آزادی کا تصور اس کے ذہن میں ایسا سمایا تھا کہ کوئی چیز اس کو خوش نہ آتی۔ اور جس قدر ہوشمند آزادی کی خواہش مند تھی' اسی قدر گھر والوں میں ذلیل تھی۔ خصوصاً ناز پروردہ اس کی دماغ داری سے نہایت جلتی اور کہا کرتی تھی کہ لونڈی ہو کر اس کے یہ دماغ ہیں۔ جھونپڑوں میں رہنا اور محلوں کے خواب دیکھنا۔ ہوشمند نے اپنے ذہن میں چپکے چپکے اپنی نسبت یہ تحقیق کیا کہ چورانوے کے قحط میں اس کی ماں کو اس کا نانا دو روٹیوں پر بیچ گیا تھا۔ اس وقت اس کی ماں چھ سات برس کی تھی۔ جب بڑی ہوئی تو حکیم صاحب نے اپنے کسی غلام سے نکاح کر دیا۔ یہی ہوشمند ایک لڑکی ہوئی تھی کہ ماں باپ دونوں مر گئے۔

ہوشمند کو جب یہ حال دریافت ہوا تو دل میں کہنے لگی کہ البتہ اس گھر کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ مجھ کو اور میری ماں کو پرورش کیا۔ مگر نرے حق پرورش سے یہ لازم نہیں آتا کہ تمام عمر کے لیے اسی ذلت اور مصیبت میں رکھی جاؤں۔ حق پرورش جیسا مجھ پر ویسا ہی گھر کے بال بچوں پر۔ پس کیا سبب کہ میں بڑی ہو کر لونڈی رہوں اور یہ لوگ برابری کے درجے میں سمجھے جائیں۔ یہی نا کہ میرا نانا قحط میں دو روٹیوں کا حاجت مند تھا۔ اور اس وقت دو روٹیاں دے کر ان لوگوں کو میرے نانا کی مدد کرنی فرض تھی۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر لوگ سلوک کرتے ہیں۔ لیکن کوئی کسی غلام کو نہیں بنا لیتا۔ اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا کہ نانا نے میری ماں کو بیچ کیوں کر دیا؟ ضرور میری ماں ان کی بیٹی تھی مگر کسی کو کسی کے بیچ دینے کا اختیار تو ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔

غرض اسی طرح کے بیسیوں منصوبے ہوشمند کے ذہن میں بھرے تھے۔ جب حکیم کا نام بگڑا اور سب لونڈی غلام شتر بے مہار کی طرح چلتے پھرتے نظر آئے۔ ہوشمند کی نسبت بھی کسی کو اطمینان نہ تھا۔ بلکہ سب کے بعد اس کا ٹھہرا رہنا اور کار و خدمت میں پہلے سے زیادہ مستعد ہونا ہر ایک کو موجب حیرت تھا۔ آخر جب روانگی میں دو دن رہ گئے

Marfat.com

تو ناز پروردہ نے خود کہا کہ کیوں ہوشمند' وہ آزادی جس کی تمنا تجھ کو برسوں سے تھی اب یہ وقت ہے' بسم اللہ' جہاں جی چاہے چلی جا۔ ہوشمند نے کہا' البتہ میں آزادی کی بڑی قدر کرتی ہوں مگر اس کا مطلب نہیں کہ میں اس گھر سے چلی جاؤں۔ آپ سے جدائی اختیار کروں۔ دنیا میں اس گھر کے سوا مجھ کو کسی سے تعلق نہیں۔ اگر اس بگڑے وقت میں میری جان بھی آپ کے کام آئے اور حق نمک اور حق پرورش ادا ہو جائے تو مجھ کو اس کے صرف کرنے میں بھی ان شاءاللہ دریغ نہ ہوگا۔

غرض حکیم صاحب بی بی اور چھوٹی بیٹی اور ہوشمند کو ساتھ لے بمبئی پہنچے اور یہاں جواہر بیش بہا جو پاس تھے' بیچ' سامان ضروری اور نقد روپیہ جہاز میں رکھ' سولہویں دن جدے جا داخل ہوئے۔ حج کو ابھی بہت توقف تھا۔ یہ صلاح ہوئی کہ چلو' پہلے مدینہ شریف ہو آئیں کہ راہ میں بدوؤں نے آ گھیرا۔ مال و متاع ذرا ذرا کر کے لوٹ لیا۔ ہوشمند اور ناز پروردہ دونوں کو جابر بدوی پکڑ کر لے گیا اور گھر لے جا بی بی کے حوالے کیا کہ ان دونوں کو لونڈی بنا اور گھر کی ٹہل خدمت ان سے لے۔ جب ریحانہ اور ضمیراں کا نکاح کریں گے تو یہی لونڈیاں ان کے جہیز میں دیں گے۔

بیچاری ناز پروردہ کے حق میں تو مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ گھر چھوٹا' دیس چھوٹا' ماں باپ چھوٹے' عزیز دیگانہ چھوٹے' بیگم سے لونڈی بنی اور اس پر طرہ یہ کہ لونڈی بھی بنی تو نکمی اور ذلیل۔ جابر کے چھالیہ کترنی نہ تھی' پان بنانے نہ تھے ورنہ شاید قہر درویش برجان درویش ناز پروردہ کر بھی گزرتی۔ یہاں تو بھیڑ بکریاں اور اونٹوں کو چرانا' پانی پلانا' دودھ دھونا' گھر کا پیسنا پکانا' یہ کام تھے۔ سوان میں کوئی بھی ناز پروردہ کے بس کا نہ تھا۔ اس کو دن رات رونے سے کام تھا۔ اس کی مصیبت کو دیکھ دیکھ کر ہوشمند کا کلیجا بھی منہ کو آ جاتا تھا۔ دو چار دن کو کسی نے ان سے کچھ پوچھا نہیں۔ جابر اپنی بیٹیوں سے شاید ان کے بارے میں کچھ کہتا سنتا ہو۔ وہ انہوں نے سمجھا نہیں۔ ناز پروردہ تو روتی ہی

Marfat.com

رہی۔ مگر ہوشمند نے گھر کے کام کاج میں ہاتھ لگانا شروع کر دیا۔

ایک دن جابر اپنی بی بی سے باتیں کرتا تھا اور ناز پروردہ کی طرف آنکھیں نکال نکال دیکھتا بھی جاتا تھا۔ ہوشمند سمجھی کہ اس کو ناز پروردہ کا رونا اور کام نہ کرنا ناگوار ہے۔ ڈری اور ناز پروردہ سے جا کر کہا کہ تقدیر کا جو لکھا تھا سو ہوا اور جو کچھ اور لکھا ہے' ہوگا۔ مگر رونے سے کیا ہوگا؟ پانچ پانچ چھ چھ دن ہوئے' دانہ تک آپ کے منہ میں نہیں گیا۔ آنکھیں تمام سوج گئی ہیں۔ ذرا دل کو مضبوط کیجئے۔ یہ کہنا تھا کہ ناز پروردہ اور بھی بے اختیار رونے لگی۔ تھوڑی دیر بعد ہوشمند نے کہنا شروع کیا کہ رونا کچھ آج تھوڑا ہی ختم ہوا جاتا ہے۔ یہ تو عمر بھر کا روگ ہے۔ جئیں گے تو بہتیرا روئیں گے۔

ناز پروردہ: کیا کروں؟ دل ہے کہ اُمڈا چلا آتا ہے' اندر سے۔

ہوشمند: سچ ہے۔ مصیبت ہی مصیبت ہے۔ جتنا رنج کیجئے' تھوڑا ہے۔ مگر میں کہتی ہوں' اس کا انجام کیا ہوگا؟

ناز پروردہ: میں اسی طرح اپنی جان دوں گی۔

ہوشمند: اے کاش! جان کا دینا اپنے اختیار میں ہوتا تو بھلی ہی بات نہ ہوتی' مجھ کو مرنا قبول ہے مگر آپ کی تکلیف دیکھنے کا یارا نہیں۔

ناز پروردہ: غش پہ غش تو مجھ کو آنے ہی لگے ہیں' دو ایک دن میں جان بھی نکل جائے گی۔

ہوشمند: سب کچھ تو ہوا' مگر خدا نے اس وقت تک بے حرمتی نہیں کی۔ اب مجھ کو اس کا بھی کھٹکا ہے۔

ناز پروردہ: (یہ سن کر چونک پڑی اور پوچھا) کیا؟

ہوشمند: وہ بدوہم کو پکڑ لایا ہے' اس کا نام جابر ہے۔ آج وہ اپنی بی بی سے باتیں کر رہا تھا اور آپ کی طرف آنکھیں نکال کر دیکھتا جاتا تھا۔ اس کے تیور اچھے نظر نہیں

Marfat.com

آتے۔

ناز پروردہ: تم کو کیا معلوم ہوا کہ وہ کیا چاہتا ہے؟ (آج یہ پہلا موقع تھا کہ ناز پروردہ ساری عمر میں ہوشمند سے تم کہہ کر بولی)

ہوشمند: میرے قیاس میں وہ یہی چاہتا ہے کہ آپ رونا دھونا موقوف کر کے کام کاج کریں۔ یہ سننا تھا کہ ناز پروردہ پھر بے تاب ہوگئی اور بہت دیر کے بعد سنبھل کر کہنے لگی کہ اگر میں اس کی مرضی کے موافق نہ کروں گی تو یہی نا کہ مجھ کو مار ڈالے گا۔ سو میں خود جان دینے کو موجود ہوں۔

ہوشمند: مرنے پر آپ سے زیادہ میں دلیر ہوں۔ مگر وہی خوف ہے کہ شاید اس نے جان سے نہ مارا اور کچھ بے حرمتی کی۔

ناز پروردہ: پھر کیا کرنا چاہئے؟

ہوشمند: سنگ آمد و سخت آمد اٹھا چاہئے۔

ناز پروردہ: تم جانتی ہو، مجھ کو کوئی کام کرنا نہیں آتا۔

ہوشمند: کام تو میں کرلوں گی۔ صرف آپ میرے ساتھ چلتی پھرتی رہیے۔

ناز پروردہ: کیا یہاں سے رہائی کی کوئی تدبیر نہیں؟

ہوشمند: کون تدبیر ہے؟

ناز پروردہ: رات کو چھپ کر بھاگ چلیں۔

ہوشمند: اجنبی ملک، اجنبی لوگ، نہ شہروں کے نام معلوم، نہ کہیں کی راہ معلوم۔ پاؤں میں چلنے کا جوتا نہیں۔ کہاں بھاگ کر جا سکتے ہیں؟

ناز پروردہ: ابا کی کچھ خبر نہیں؟

ہوشمند: کچھ نہیں۔

ناز پروردہ: یہ جابر تو ضرور جانتا ہوگا۔

Marfat.com

ہوشمند: بے شک۔ مگر پوچھے کون؟ اول تو اس کی بولی نہیں آتی۔ دوسرے وہ کچھ اس طرح کا سخت مزاج آدمی معلوم ہوتا ہے کہ خود اس کی بیٹیوں کا اس کی صورت دیکھنے سے دم فنا ہوتا ہے۔ ڈر کے مارے سامنے تک تو جاتی نہیں۔

ناز پروردہ: عورتوں میں کوئی بھلی مانس ہے؟

ہوشمند: ابھی کیا معلوم۔ مگر بڑی بٹی ضمیراں کچھ ملنسار معلوم ہوتی ہے۔ وہ جب ہم لوگوں کی طرف دیکھتی ہے تو اس کی نگاہ میں رحم پایا جاتا ہے۔

ناز پروردہ: چلو' اسی سے اپنی مصیبت بیان کرتے ہیں۔

ہوشمند: کس زبان میں؟

ناز پروردہ: کچھ اشاروں ہی سے اس کو سمجھائیں۔

ہوشمند: ابھی جلدی نہیں کرنی چاہئے۔

ناز پروردہ: زبان کے نہ جاننے سے کیسی خرابی آ بنی ہے؟

ہوشمند: میں تو سمجھتی ہوں کہ زبان کا نہ جاننا اس وقت ہم کو بہت فائدہ دے رہا ہے۔ اول تو اگر ہم کوئی کام ان کی مرضی کے مطابق نہ کر سکیں تو نہ سمجھنے کا عذر معقول ہے۔ دوسرے میرے اور آپ کے ارادے ان پر ظاہر نہیں ہو سکتے۔ بے تکلف ہم لوگ باتیں کیا کریں' ان کو خاک خبر نہیں ہوتی۔

ناز پروردہ: جابر کی بی بی اور بیٹیاں تو اپنے ہاتھوں سب کام کرتی ہیں۔ اب کیا یہ لوگ سب کام ہمارے سر ڈال کر الگ ہو جائیں گے؟

ہوشمند: نہیں۔ یہ تو ان لوگوں میں ایک بڑا عمدہ دستور معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ لونڈی غلاموں کو کام اور کھانے اور کپڑے اور سب باتوں میں گھر والوں کے ساتھ برابر رکھتے ہیں۔

غرض ہوشمند کی ڈھارس دلانے سے ناز پروردہ بھی اٹھنے بیٹھنے لگی۔ مگر کام کی

Marfat.com

عادت تو تھی ہی نہیں۔ اس پر دل غم زدہ۔ کچھ ہوتا ہوا تا نہ تھا۔ اور بے سلیقگی کے سبب سے جس کام کو ہاتھ بھی لگاتی' خراب کر دیتی۔ جابر کے گھر والے اس کو نری احمق اور کام چور جانتے تھے۔ وہ تو ہوشمند ہر ایک کام میں اس کی شریک ہو جاتی تھی۔ اس سے ناز پروردہ کا پردہ ڈھکا چلا گیا ورنہ خدا جانے کیا نوبت آتی۔ ہوشمند اپنی ہڈیاں پیلتی اور اکیلے دم پر تمام مصیبت جھیلتی۔ مگر ناز پروردہ کی تکلیف گوارا نہ کرتی اور جہاں تک ہو سکتا' اس کو کسی کام میں ہاتھ نہ لگانے دیتی۔

جابر بدوی کے گھر جا کر ناز پروردہ کو اپنی ساری حقیقت کھل گئی۔ ہوشمند کے ساتھ اپنی حالت کا مقابلہ کرتی تو آپ اپنی نظروں میں تھوڑی ہو کر رہ جاتی۔ اب اس نے جانا کہ جن لوگوں کو نظر حقارت سے دیکھتی تھی' واقع میں وہی بڑے کام کے تھے اور میں ہی بڑی نکمی' بے مصرف' دوسروں کی محتاج اور دوسروں کی دست نگر ہوں۔ اب اس نے سمجھا کہ آزادی کیا چیز ہے۔ اور دوسروں کی لونڈی ہو کر رہنا کتنی تکلیف کی بات ہے۔ اب اس کو ہوشمند کی قدر آئی کہ آزادی کی تمنا اس کو بے جا نہ تھی۔ اس پر بھی یہ غنیمت تھا کہ جابر کے گھر یہ دونوں ایسی ذلیل نہ تھیں جیسی اس کے اپنے گھر کی لونڈیاں۔ یہاں تو جس طرح ضمیراں اور ریحانہ جابر کی دونوں بیٹیاں رہتی تھیں' اسی طرح ناز پروردہ اور ہوشمند تھیں۔ کھانا ایک' کپڑا ایک' سب کام برابر'۔ یہ نہیں کہ دلی' لکھنؤ کی بیگموں کی طرح جابر کی بی بی' بیٹیاں پلنگوں پر لدی بیٹھی رہیں اور ہل کر پانی نہ پئیں۔ کچھ ایک جابر پر کیا موقوف تھا' اس ملک کا دستور ہی ایسا ہے۔ کیسے ہی بڑے امیر کیوں نہ ہوں' کام کرنا عار نہیں سمجھتے۔ جابر تھا تو لٹیرا' مگر خوشحال تھا۔ سو اونٹ تو لدو تھے۔ ہزار کے قریب بھیڑ بکریاں ہوں گی۔ یہی اس کا دھن دولت تھا۔ اور جو کبھی برس دو برس میں کچھ لوٹ ہاتھ لگ گئی تو وہ علاوہ۔ بایں ہمہ اس کی اور اس کے گھر والوں کی زندگی نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ گزر رہی تھی۔ ہر شخص سیر چشم' انسان نواز' سخی' دلیر' محنتی' جفا کش' وعدے کا سچا اور قول کا پکا۔ ہر چند یہ کہ سب باتیں مدت تک ناز پروردہ کو عجیب معلوم

Marfat.com

ہوتی رہیں' مگر چونکہ سب میں نیکی کا پرتو تھا' رفتہ رفتہ ناز پروردہ ان کو پسند کرنے لگی اور ہوشمند سے کبھی کبھی کہا بھی کرتی کہ یہ جنگلی بدو گو وحشی ہیں مگر بہت باتوں میں ان میں شہروں والوں سے بہتر پاتی ہوں۔

ہوشمند: ایک بات تو مجھ کو بھی اس ملک کی بہت پسند آئی۔ وہ یہ کہ عورتوں کی اس طرف زیادہ قدر ہے۔

نازپروردہ: آخر اس کا سبب کیا معلوم ہوتا ہے؟

ہوشمند: ایک تو یہ عورتیں اپنی رائے سے شادی کرتی ہیں۔ اب دیکھئے' ضمیراں کی باتیں ادھر ادھر سے آتی ہیں اور ضمیراں بے تامل ان سے گفتگو کرتی ہے۔ ہمارے ہندوستان میں اول تو ایسی چھوٹی سی عمر میں بیاہ دیتے ہیں کہ ان کو ایسی باتوں کی تمیز ہی نہیں ہوتی۔ اور جو لڑکی بڑی عمر کی بھی ہو جائے تو اپنی شادی میں کچھ بول نہیں سکتی۔ اس کو بے حیائی قرار دے رکھا ہے۔ دوسرے عورتوں کی زیادہ قدر ہونے کا سبب ہے اور وہ یہ کہ نکاح کے بارے میں جیسی آزادی مردوں کو ہے' ویسی ہی عورتوں کو ہے۔ مرد یہاں کئی کئی نکاح کرتے ہیں۔ عورتوں کا بھی یہی حال ہے۔ طلاق یہاں عیب نہیں۔ دوسرا نکاح عورتوں کو منع نہیں۔ عذرا کا حال آپ کو معلوم ہے۔ یہ جابر سے ساتویں جگہ ہے۔ اور پھر دیکھئے تمام گاؤن میں ساری بیبیاں عذرا کی کیسی عزت کرتی ہین۔

نکاح کا تعلق اس ملک میں ایسا قوی تعلق نہیں ہے۔ جیسا کہ ہمارے ملک میں ہے۔ تھوڑے تھوڑے مہر ہوتے ہیں۔ مرد ناخوش ہوا' فوراً طلاق دے دی۔ عورت ناراض ہوئی' جھٹ سے خلع کر لیا۔ پھر اب یہ نہیں کہ طلاقن ہے تو کوئی اس کو عیب لگائے' نہیں۔ اس کے ہزاروں خواہاں' سینکڑوں اس کے طالب۔ ہمارے ہندوستان میں مردوں نے اپنی آزادی تو قائم رکھی۔ جس کو مقدور ہوا' دو دو' تین تین چار چار بیبیاں کر لیتا ہے مگر عورتوں پر قید ہے۔ کسی حالت میں دوسرا نکاح نہیں کر سکتیں۔ اس سبب سے مرد کے مقابلے میں عورت دبی ہوئی ہے۔

Marfat.com

اسی اثنا میں ضمیراں کا نکاح بھی ٹھہر گیا۔ مغیرہ ان بدوؤں کا ایک سردار تھا۔ اس کے بیٹے ثابت سے قرار پائی۔ جابر کے گھر تو بڑی خوشیاں ہونے لگیں مگر ہوشمند اور ناز کے غم پھر تازہ ہو گئے۔ کیونکہ جابر اسی نیت سے ہوشمند اور ناز پروردہ کو لایا تھا کہ انہیں اپنی بیٹیوں کے جہیز میں دے۔ سو اب ہوشمند اور ناز پروردہ کے دوسرے سے جدا ہونے کا وقت آ پہنچا۔ جابر نے ضمیراں کو اختیار دیا کہ ہوشمند اور ناز پروردہ سے جس کو چاہے پسند کرے۔ ضمیراں نے ہوشمند ہی کو لیا۔

ضمیراں مزاج کی ایسی نیک تھی کہ اگر ہوشمند کہتی سنتی تو وہ اس کے عوض ناز پروردہ کو لے لیتی۔ مگر باوجودیکہ ناز پروردہ کی جدائی نہایت شاک تھی' ہوشمند نے ضمیراں کے ساتھ اپنا ہی جانا مناسب سمجھا۔ اس واسطے کہ اتنی مدت جابر کے یہاں رہی اور کسی وقت فکر آزادی سے غافل نہ تھی۔ مگر کوئی سبیل نہ نکلی۔ ہر چند کہ کوئی وجہ امید کی نہ تھی مگر ہوشمند کا دل اندر سے خود بخود گواہی دیتا تھا کہ مغیرہ کے گھر جا کر ضرور کوئی صورت رہائی کی نکلے گی۔ اور اس امید کو ہوشمند نے اس طرح وثوق کے ساتھ ناز پروردہ کے روبرو بیان کیا کہ اس کی بھی تسلی ہو گئی۔ ضمیراں کا بیاہ ہوا تو وہ بھی سادہ اور بے تکلف شرعی نکاح تھا اور مہمانی اور جہیز کا سامان بھی اتنا مختصر کہ اگر جابر دہلی یا لکھنؤ میں اتنا مقدور رکھ کر یوں بیٹی کا بیاہ کر لیتا تو دنیا تھڑی تھڑی کرتی۔

غرض ضمیراں ماں باپ سے رخصت ہو کر مغیرہ کو کھانا کھلاتی تھی۔ ثابت کے ہاتھ پر جو ہوشمند کی نگاہ پڑی تو اس کو بعینہ اسی طرح انگوٹھی پہنے دیکھا جیسی حکیم صاحب پہنے رہا کرتے تھے۔ تا بدیر غور سے دیکھتی رہی۔ وہی حلقہ وہی نگیں۔ ایک ایک دو دو دفعہ موقع پا کر ثابت کے سونے کی حالت میں بھی ہوشمند نے اس انگوٹھی کو دیکھا اور اچھی طرح یقین کر لیا کہ ضرور یہ انگوٹھی ہے حکیم صاحب کے ہاتھ کی۔ اب اس بات کے درپے ہوئی کہ یہ انگوٹھی ثابت تک کیوں کر پہنچی۔

بدو بڑے لڑاکے ہوتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر کشت وخون پر آمادہ ہو جاتے

Marfat.com

ہیں۔ ضمیراں کو سسرال گئے ہوئے تیسرا یا چوتھا مہینہ تھا کہ دفعتاً مغیرہ کے یہاں لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں اور اس نے یہ صلاح کی کہ عورتوں کو شیخ بصرہ کے گھر پہنچا دے۔ یہ ایسی بات نہ تھی کہ ہوشمند کو اس کی وجہ معلوم کرنے میں کچھ وقت ہوتی۔ تھوڑی ہی تفتیش سے یہ امر دریافت ہوا کہ مغیرہ بدوؤں کے ایک بڑے گروہ کا سردار ہے اور وہ لوگ جہاں کہیں لوٹ مار کریں' مغیرہ کو گھر بیٹھے عشر یعنی دسواں حصہ بھیج دیتے ہیں۔ پارسال حج سے پہلے مدینے کی راہ ہند کا قافلہ لوٹا گیا تھا اور اس لوٹ میں شداد نامی مغیرہ کے گروہ کا ایک شخص بھی شریک تھا۔ اس نے لوٹ میں جس قدر حصہ پایا تھا اس کے عشر کے عوض ایک انگوٹھی جو ثابت کے ہاتھ میں تھی' مغیرہ کو دی اور چند روز ہوئے مغیرہ کو یہ خبر پہنچی کہ شداد میر قافلہ کو بھی پکڑ لایا تھا اور اس کو غلام بنانا چاہا تھا۔ وہ شخص پیر مرد تھا۔ اس نے کہا کہ میں ضعیف ہوں۔ کار و خدمت کے لائق نہیں۔ مجھ کو غلام بنانے سے تجھ کو کیا حاصل ہوگا۔ تب اس نے یہ شرط کی کہ تو مجھ کو ہزار درہم دے تو چھوڑ دوں۔

وہ پیر مرد ہندی طبیب تھا۔ چنانچہ مکے میں اس نے کچھ اپنے پیشے سے کمایا اور کچھ اپنے ہم وطنوں سے لیا اور ہزار درہم شداد کو دیئے۔ مغیرہ نے اس ہزار درہم کا عشر شداد سے مانگ بھیجا۔ شداد نے اس ہزار درہم سے انکار کر دیا۔ مغیرہ کو پکی خبر ملی تھی کہ وہ طبیب ہندی ہنوز مکے میں ہے۔ اس نے اپنے دوست شریف مکہ کی معرفت دریافت کرایا تو ہزار درہم کا ملنا صحیح تھا۔ مغیرہ نے عشر کے لئے تنگ طلبی کی۔ اب تو ہوشمند کو حکیم صاحب کا ٹھیک ٹھیک پتہ مل گیا۔ نہایت خوشی ہوئی اور جی میں کہنے لگی۔ ''ہائے! پر ہوتے تو اسی وقت اڑ کر جاتی اور ناز پروردہ کو خوشخبری سناتی۔ حقیقت حال سننے کے ساتھ ہوشمند دل میں منصوبے بنانے لگی کہ حکیم صاحب مکے میں ہیں تو وہاں سال دو سال ہر طرف سے آدمی حج کو جاتے ہیں۔ کہلا بھیجنا کوئی مشکل نہیں۔ مغیرہ اور شداد میں جو لڑائی ہونے والی تھی' حج کے دن قریب آ جانے کی وجہ سے وہ بھی ملتوی ہوگئی۔ ہوشمند نے تحقیق کیا تو متوکل نامی ایک معلم مغیرہ کے گاؤں کا رہنے والا' ہندی لوگوں کو مناسک حج

Marfat.com

کی تعلیم کے لئے ہر سال مکے میں جایا کرتا تھا۔ یہ شخص ایک طرح کا مجاور تھا۔ ایلملم میں جہاز سے اترتے اترتے ہندیوں کو جالیا اور دس بیس کو حج کرا دیا۔ انہوں نے اس خدمت کے صلے میں جو کچھ دے دیا' یہی متوکل کی معاش تھی۔ متوکل بڑا نیک دل اور خدا پرست آدمی تھا اور بدواس کے زہد واتقاء کے بڑے معتقد تھے۔ ہوشمند جو کچھ مغیرہ کے گھر سے پاتی 'اپنا پیٹ کاٹ کر' متوکل کے گھر دے آتی۔''

رفتہ رفتہ جب ہوشمند نے متوکل سے اچھی طرح تعارف پیدا کر لیا اور اس کی دیانت داری اور امانت پر اس کو اعتماد ہو گیا تو اس نے متوکل سے کہا کہ مجھ کو آپ سے ایک حاجت ہے۔ وہ یہ کہ آپ مکے جایئے تو شریف مکہ کے پتے سے ایک ہندی طبیب مسیح الملک سے پتہ لگا کر اتنا ان سے کہہ دیجئے گا کہ ناز پروردہ نے جو بحر العرب میں جابر بدوی کے پاس ہے' آپ کو سلام کہا ہے۔ متوکل نے بہت وثوق کے ساتھ وعدہ کیا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تمہارا یہ پیغام میں ضرور مسیح الملک تک پہنچا دوں گا۔

غرض کہ جانے کے ساتھ متوکل نے مسیح الملک کو ڈھونڈا تو جلد ہی سے پتا مل گیا۔ اس واسطے کہ مسیح الملک خود شریف مکہ کے ہاں معالج تھے۔ جوں ہی مسیح الملک نے ناز پروردہ کا نام سنا' بے اختیار آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔ متوکل چونکہ خدا پرست آدمی تھا' مسیح الملک کو روتے دیکھ کر پوچھنے لگا کہ اگر اس مصیبت میں مجھ سے کچھ مدد ہو سکے تو ان شاء اللہ تعالیٰ میں دریغ نہ کروں گا۔ تب مسیح الملک نے اپنے لوٹے جانے اور قید رہنے کا قصہ بیان کر کے کہا کہ ناز پروردہ مجھ ہی کم بخت کی بیٹی ہے۔ آپ مجھ کو صرف یہ بتا دیجئے کہ اس کی رہائی کی عمدہ تدبیر کیا ہے؟

متوکل نے کہا کہ تمام عرب اگرچہ خود سر ہیں' مگر شریف مکہ کا ادب کرتے ہیں۔ اگر شریف ساعی ہو تو آپ کی بیٹی کی رہائی بہت سہل ہے۔ مسیح الملک یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فوراً شریف مکہ سے جا کر عرض حال کیا۔ شریف نے اسی وقت نامہ لکھ دیا اور اپنا خاص خادم مسیح الملک کے ساتھ کر دیا۔ مسیح الملک خادم شریف کو لے کر بحر العرب میں

Marfat.com

گیا اور ان کو شریف کا نامہ دیا۔ جابر نے خط پڑھنے کے ساتھ مسیح الملک کو بہت خاطر داری کے ساتھ اپنے گھر لے جانا چاہا۔ مسیح الملک نے تامل کیا۔

جابر: یہ امر ہرگز قرین انصاف نہیں ہے کہ آپ کی بیٹی برس روز سے میرے اہل و عیال میں داخل رہے اور میں اس کے ناموس کا محافظ رہوں اور آپ کو اجنبی سمجھوں۔

غرض جابر مسیح الملک کو گھر کے اندر لے گیا۔ ناز پروردہ باپ کو دیکھتے ہی دوڑ کر قدموں سے لپٹ گئی اور جدائی کے حالات جو دونوں کو یاد آئے تو بیٹی باپ دونوں ایسی ڈاڑھیں مار مار روئے کہ جابر کے گھر بھر کے دل ہل گئے

وہ رو رو کے اس طرح دونوں ملے
کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے

ناز پروردہ نے تھمتے کے ساتھ اپنی ماں کی خیریت پوچھی۔

مسیح الملک: تمہاری مفارقت میں زندہ در گور ہے۔

پھر ہر ایک نے اپنی اپنی مصیبت کا تذکرہ کیا۔ مسیح الملک پر متوکل سے ناز پروردہ کا سلام اور پتا سن کر ایک شادی مرگ کی حالت طاری ہوگئی تھی۔ اس وقت اس نے متوکل سے کچھ اور نہیں پوچھا تھا۔ اس واسطے کہ مسیح الملک کو اس وقت ہوشمند کا حال معلوم نہیں تھا بلکہ جب اس نے ہوشمند کو ناز پروردہ کے پاس نہیں پایا تو یہ جانا کہ شاید وہ کہیں اور ہوگی۔ ناز پروردہ نے مسیح الملک سے پوچھا کہ میرا پتا آپ کو معلوم کیوں کر ہوا؟

مسیح الملک: مجھ سے متوکل نامی ایک معلم نے تمہارا اسلام اور پتا بیان کیا۔

ناز پرودہ: میں متوکل کے نام سے بھی واقف نہیں۔ شاید خدائے تعالیٰ نے میری مصیبت پر رحم کر کے رجال الغیب میں سے کسی کو آپ کے پاس بھیجا ہو یا ہوشمند یہاں تھی، اس نے کسی سے تذکرہ کیا ہو۔ مگر مجھ کو معلوم نہیں۔

مسیح الملک: ہوشمند بھی تمہارے ساتھ تھی؟

Marfat.com

ناز پروردہ: شروع سے۔ وہ تو اب پانچواں مہینہ ہے کہ جابر کی بیٹی ضمیراں کے جہیز میں دی گئی اور اس کے ساتھ روانہ ہوئی۔

مسیح الملک: ضمیراں کہاں بیاہی گئی ہے؟

ناز پروردہ: یہاں سے چھ یا سات منزل کوئی مقام عمرانہ ہے۔ وہاں مغیرہ کے بیٹے ثابت سے۔

مسیح الملک: متوکل کا سخت عجب ہے!

ناز پروردہ: فی الواقع جابر سے پوچھئے۔ شاید کوئی شخص بحرالعرب میں اس نام کا ہو۔ مسیح الملک نے جابر سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہاں تو نہیں' عمرانہ میں ایک معلم ہے۔ تب تو مسیح الملک اور ناز پروردہ کو یقین ہوا کہ اس کی رہائی میں ہوشمند نے تحریک کی ہے۔ تب ناز پروردہ نے ہوشمند کی وفاداریاں اور اس کے احسان اور دلجوئیاں سب مسیح الملک سے بیان کیں۔ مسیح الملک نے دل میں کہا کہ ہرگز اقتضائے حمیت و مروت نہیں ہے کہ میں ناز پروردہ کو لے جاؤں اور ہوشمند کی رہائی میں سعی نہ کروں۔ اس نے یہ سوچ کر عمرانہ جانے کا ارادہ کیا اور جابر سے منزلوں کا حال پوچھنے لگا۔ جابر نے کہا کہ آج شام تک ایک قاصد عمرانہ سے آنے والا ہے۔ اس سے ٹھیک معلوم ہوگا۔

گھڑی بھر رات گئے قاصد آیا اور ہوشمند بھی اس کے ساتھ تھی۔ مسیح الملک کو دیکھتے ہی قدموں پر سر رکھ دیا۔ مسیح الملک نے پوچھا تو حال بیان کیا۔ متوکل جو حج سے واپس آیا تو میں نے اپنے پیام کا حال اس سے پوچھا۔ معلوم ہوا کہ آپ ملے اور چھوٹی بیگم کی رہائی کی تدبیر ہوگئی اور شریف کا نامہ لے کر آپ بحرالعرب روانہ ہوئے۔ متوکل نے مجھ سے پوچھا کہ تو نے اپنی رہائی کی کچھ فکر نہ کی۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ کو رہائی کی ضرورت نہیں۔ میں تو جنم کی کنیز ہوں۔ جن کو ضرورت ہے' خدا ان کو نصیب کرے۔ متوکل کو نہیں معلوم کیا سوجھی اور کیا مغیرہ سے کہا۔ غرض مجھ کو آزاد کر دیا۔ میں نے کہا کہ میں یہ احسان سر نہیں لے سکتی تاوقتیکہ اپنی بی بی کو آزاد نہ دیکھ لوں۔ یہاں قاصد آنے

Marfat.com

والا تھا۔ مجھ کو اس کے ساتھ کر دیا۔

یوں خدا نے ناز پروردہ اور ہوشمند دونوں کی رہائی کی اور مسیح الملک ہنسی خوشی دونوں کو ساتھ لے کر جابر سے رخصت ہوئے۔ مسیح الملک نے ہوشمند کو بیٹی اور ناز پروردہ نے اس کو بہن بنایا۔

کہانی ختم ہوئی تو سب لڑکیوں نے تعریف کی کہ سبحان اللہ! بڑی عمدہ اور بڑے مزے کی کہانی ہے۔ ہزار آفرین ہوشمند کی وفاداری پر۔

حسن آرا: عرب میں تو لوگ حج کرنے جاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں دینداری کا چرچا زیادہ ہے۔ پھر بدوؤں نے ان بے چاروں کو ناحق کیوں لوٹا اور پرائی بہو بیٹیوں کو پکڑ کر کس طرح لونڈی بنایا؟

استانی جی: کلثوم، تم نے عرب کا جغرافیہ، عرب کی تاریخ، بہت کچھ پڑھی ہے۔ وہاں کا حال تو حسن آرا بیگم کو سناؤ۔

## عرب کا جغرافیہ اور بدوؤں کے حالات

کلثوم: عرب ایک ویران ملک ہے۔ اس کا نقشہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بہت کم ہے۔ صدہا کوس کے ریگستان پڑے ہیں جن میں نہ پانی ہے نہ درخت، نہ گاؤں نہ بستی۔ اگر عرب میں مکہ مدینہ نہ ہوتا تو کوئی عرب کی طرف منہ بھی نہ کرتا۔ اور ملکوں میں جو لوگ جاتے ہیں تو آخر کسی غرض سے جاتے ہیں؟ کہیں غلے کی افراط ہے، کہیں میوے کی کثرت، کہیں جواہرات پیدا ہوتے ہیں۔ غرض کوئی چیز نایاب یا کثرت سے اس ملک میں ہوتی ہے کہ اس کی ضرورت لوگوں کھینچ لاتی ہے۔ سو عرب میں خدا کا نام ہے۔ نہ غلہ نہ میوہ، نہ جواہرات نہ کچھ نہ کچھ۔

محمودہ: کیوں؟ عرب کے اونٹ، عرب کے گھوڑے، تمام جہاں میں نامی ہیں۔ اونٹ تو بھلا خیر ہندوستان میں بیکانیر کی طرف پورب کے ملک میں بھی ہوتا ہے مگر

Marfat.com

گھوڑے جیسے عرب میں عمدہ اور بیش قیمت ہوتے ہیں' کسی ملک میں نہیں ہوتے۔

کلثوم: آپ نے درست کہا۔ عرب میں گھوڑے بڑے نفیس ہوتے ہیں۔ مگر گھوڑا ایسی عام ضرورت کی چیز نہیں۔ عرب میں تجارت کے لئے لوگ بہت کم جاتے ہیں۔ البتہ حج کے لئے ہر سال اطراف وجوانب سے لاکھوں آدمی مکے میں جمع ہوتے ہیں' اور بعض دیندار لوگ ہجرت کر کے عرب میں جا رہے ہیں۔ وہاں کے اصل باشندے بدو ہیں جن کا نہ کوئی شہر ہے' نہ گھر۔ یہ لوگ اس ملک کے کنجڑوں کی طرح خانہ بدوش ہوتے ہیں۔ گھر کی جگہ چرمی خیموں میں رہتے ہیں۔ بال بچے' مویشی ساتھ لئے پھرتے ہیں۔ جہاں پانی قریب ہوا اور مویشیوں کا چارہ پایا' رہ پڑے۔ جب پانی گھاس کی تکلیف ہونے لگی' دوسری جگہ جا رہے۔ لوٹ کھسوٹ ان کا موروثی پیشہ ہے۔ ہر سال حج کے دنوں میں دو چار کمزور قافلے لوٹ لیتے ہیں۔

## عام جغرفیہ مختصر

حسن آرا: کیوں بوا کلثوم' یہ سب حال تم نے کس کتاب میں پڑھا؟

کلثوم: جن کتابوں میں ملکوں اور شہروں کا حال لکھا ہوا ہے' ان کو علم جغرافیہ کی کتابیں کہتے ہیں۔ اس علم میں بہت سی کتابیں ہیں۔ مگر حال میں بابو بنی پرشاد صاحب نے ''جام جہاں نما'' ایک کتاب لکھی ہے۔ بڑی اچھی کتاب ہے۔

حسن آرا: تمام روئے زمین کے شہروں اور ملکوں کا حال اس میں ہے؟

کلثوم: بے شک۔ تمام روئے زمین کی مختصر کیفیت بھی اس کتاب کے پڑھنے سے بخوبی معلوم ہو جاتی ہے مگر ایشیا اور خاص کر ہندوستان کا حال تو نہایت تفصیل سے لکھا ہے

حسن آرا: ایشیا' افریقہ کے نئے نئے لفظ سننے میں آتے ہیں۔ نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ ان کا مطلب میں خوب نہیں سمجھتی۔

Marfat.com

محمودہ: میں آپ کو سمجھا دوں۔ جس طرح مکان میں ہر ایک حصے کا کچھ نام رکھ لیتے ہیں، غسل خانہ، آبدار خانہ، باورچی خانہ، توشے خانہ، بالا خانہ، صحن، غلام گردش، سائبان، اصطبل خانہ، پائیں باغ، شہ نشین، دالان کوٹھری وغیرہ، اسی طرح زمین کے حصوں کے نام رکھ لئے ہیں۔ جو حصہ سمندر کے پانی میں ڈوبا ہوا ہے، اس کو بحرِ اعظم کہتے ہیں اور جو پانی سے کھلا ہے اس کو براعظم۔ بحرِ اعظم کے بھی ٹکڑے کر لئے ہیں: لال سمندر، کالا سمندر، ہند کا سمندر، شمالی جنوبی سمندر۔ انہی ٹکڑوں کے نام میں خشکی کے دو حصے ہیں۔ بڑا پرانی دنیا اور چھوٹا نئی دنیا۔

حسن آرا: نئی پرانی دنیا کیسی؟

محمودہ: نئی دنیا کا حال پہلے کسی کو معلوم نہ تھا۔ اب کوئی چار سو برس سے معلوم ہوا کہ یہاں بستی ہے۔ نئی دنیا کو امریکہ کہتے ہیں۔ اس کے دو ٹکڑے ہیں: شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ۔ ہم لوگ پرانی دنیا میں رہتے ہیں۔ اس کے تین ٹکڑے ہیں: ایشیا، یورپ، افریقہ۔ ایشیا میں ہندوستان، چین، افغانستان، عرب، ایران، توران وغیرہ ہیں۔ یورپ انگریزوں کا ملک ہے اور افریقہ حبشیوں کا۔ مجمل حال تو یہ ہے اور مفصل سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اگر آپ نقشہ دیکھیے تو خوب سمجھ میں آئے۔ ہاجرہ، ذرا وہ کتاب تو دو جس میں نقشے ہیں۔

محمودہ نے ہاجرہ سے کتاب لے کر زمین کا نقشہ حسن آرا کے روبرو پھیلا دیا اور کہا "دیکھو یہ تمام زمین کی تصویر ہے۔"

## کرہ زمین کا نقشہ مع حالات عامہ

حسن آرا: تم تو کہتی تھیں زمین گول ہے۔ یہ چکی کے دو پاٹ الگ کیسے ہیں؟

محمودہ: ان دونوں کو جوڑ کر بیچ میں مٹی یا کچھ اور چیز بھر دو تو ٹھیک زمین کی صورت

Marfat.com

بن جائے۔ ایک مٹی کا گولا بنا کر اس پر موقع سے ملکوں اور سمندروں اور پہاڑوں اور ندیوں کے نشان بنا دیتے ہیں۔ اس کو کرہ کہتے ہیں۔ ہمارے یہاں کا کرہ فراش خانے کے مدرسے کی استانی جی نے منگوا بھیجا ہے۔ وہ ہوتا تو اس سے خوب سمجھ میں آتا۔ مگر خیر' اسی نقشے میں دیکھیے کہ نیلی' پیلی' لال' سبز لکیروں سے جو جگہ گھری ہے' وہ تو خشکی ہے' باقی جو جگہ آپ خالی دیکھتی ہیں' وہ تمام سمندر ہے۔

حسن آرا: اچھی' ہر چہار طرف سمندر ہی سمندر پھیلا ہوا ہے۔

محمودہ: بے شک۔ میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ تین حصے کے قریب سمندر ہے اور ایک حصے کے قریب خشکی۔

حسن آرا: بھلا یہ کنکھجورے کی طرح کیا بنا ہے؟

محمودہ: پہاڑ ہیں۔

حسن آرا: امریکہ میں پہاڑوں کی کثرت معلوم ہوتی ہے۔

محمودہ: واقعی۔

حسن آرا: اور یہ لہریئے دار لکیریں کیا ہیں؟

محمودہ: دریا ہیں۔

حسن آرا: ہماری دلی اس نقشے میں کہاں ہے؟

محمودہ: دلی اس میں نہیں ملے گی۔ ایک بالشت میں تمام زمین ہے۔ اس میں اتنی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ تمام شہروں کے نام لکھے جائیں۔ ورنہ نقشہ ایسا گچ مچ ہو جاتا کہ پڑھا بھی نہ جاتا۔ مگر دیکھیے' ہندوستان موجود ہے۔

حسن آرا: ایک بڑا کنکھجورا یہاں بھی چل رہا ہے۔

محمودہ: ہاں' یہی ہمالیہ پہاڑ ہے جس میں کشمیر' شملہ' منصوری' اندھور' نینی تال وغیرہ مقامات واقع ہیں' جہاں گرمی کے دنوں میں انگریز جا کر رہا کرتے ہیں۔

Marfat.com

حسن آرا: بھلا یہ دکن کی طرف ایک بندا سا کیا لٹک رہا ہے؟

محمودہ: ہندوؤں کی لنکا جس کے قصے کی نقل رام لیلا اور دسہرے میں ہوتی ہے یہ ایک ٹاپو ہے۔

حسن آرا: خالی میدان میں جو رنگین نقطے سے دیئے ہیں' یہ کیا ہیں؟

محمودہ: چھوٹے چھوٹے ٹاپو۔

حسن آرا: ٹاپو کیا؟

محمودہ: چاروں طرف سمندر' بیچ میں اونچی زمین' جس پر آدمی بس رہے ہیں۔

حسن آرا: ٹاپوؤں کے رہنے والے کہیں آتے جاتے کیوں کر ہوں گے؟

محمودہ: کشتیوں اور جہازوں پر۔

حسن آرا: دونوں سروں پر نہ آبادی کا نشان ہے نہ سمندر کا۔ یہ کیا بات ہے؟

محمودہ: زمین کے دونوں سرے قطب کہلاتے ہیں۔ ایک شمالی' دوسرا جنوبی۔ آج تک کوئی وہاں پہنچ نہیں سکا۔ غضب کی سردی ہے۔ سمندر مارے سردی کے جم گیا ہے۔

حسن آرا: کیا تمام روئے زمین پر سردی گرمی یکساں نہیں؟

محمودہ: ہرگز نہیں۔ بیچ میں جو یہ لکیر کھینچی ہوئی ہے' اس کو خط استوا کہتے ہیں۔ اس پر آفتاب کی کرنیں سیدھی پڑتی ہیں اور اس بلا کی گرمی ہے کہ سمندر ہے تو کھول رہا ہے' اور زمین ہے تو جلتے توے کی طرح تپ رہی ہے۔ اس خطے سے جتنی دور چلو' اتر کو یا دکھن کو' اسی قدر گرمی سردی زیادہ ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ قطبوں پر حد درجے کی سردی ہے۔

حسن آرا: یہ تو آپ نے بڑی عمدہ بات بتائی۔ تو انگریزوں کا ملک ہمارے ملک کی نسبت بہت سرد ہوگا اور افریقہ گرم۔

محمودہ: تم بہت درست سمجھیں۔ واقعی ایسا ہے۔

حسن آرا: حبشی شاید گرمی ہی کے سبب کالے ہوتے ہیں۔

Marfat.com

محمودہ: آدمی تین رنگ کے ہوتے ہیں کالے' گورے اور تانبے کے رنگ کے۔ سرد ملکوں کے رہنے والے گورے ہوتے ہیں' گرم ملکوں کے کالے اور امریکہ والوں کا رنگ تانبے کا سا ہوتا ہے۔

حسن آرا: سردی گرمی کے اعتبار سے ہمارا ملک بیچ کی راس ہے۔ اور ملک والے بھی یہیں آ رہتے ہیں۔

محمودہ: جو جس ملک میں پیدا ہوا ہے' وہ اسی کو پسند کرتا ہے۔ خدا نے ان کی ویسی ہی طبیعت پیدا کی ہے اور ان کی ضرورت کی چیزیں اسی ملک میں بہ آسانی میسر آتی ہیں۔

## ایشیا' یورپ' افریقہ کے نقشہ جات

حسن آرا: بھلا اس کتاب میں اور نقشے کیسے ہیں؟

ہاجرہ: یہ نقشہ تمام زمین کا تھا۔ اس کے آگے صرف ایشیا' صرف افریقہ' صرف یورپ' صرف شمالی امریکہ' صرف جنوبی امریکہ کے نقشے ہیں۔ پھر ایشیا میں جتنے ملک ہیں' ہندوستان' عرب' چین' افغانستان وغیرہ سب کے الگ الگ نقشے ہیں۔ اسی طرح ضلعے اور پرگنے اور گاؤں اور مکان کے نقشے ہوتے ہیں۔

حسن آرا: یہ کیا بات ہے' تمام زمین کا نقشہ تو چھوٹا اور ہندوستان کا بڑا۔

محمودہ: یہ تو پیمانے کا فرق ہے۔ پرگنے کا نقشہ بڑے پیمانے کا ہوتا ہے۔ یعنی مثلاً ایک میل کا ایک انچ۔ ضلع کا نقشہ اگر اتنے پیمانے پر بنائیں تو مکان میں نہ سمائے۔ اس واسطے پیمانہ چھوٹا کر دیتے ہیں۔ چار میل کا ایک انچ۔ اور ہندوستان کے اس نقشے میں پانچ سو میل کا ایک انچ ہے' اور کرۂ زمین کے نقشے میں پچاس سو میل کا ایک انچ۔ نقشہ ایک تصویر ہے اور اس کا چھوٹا بڑا بنا لینا اپنے اختیار میں ہے۔

Marfat.com

حسن آرا: اگر پرگنے کا پیمانہ رکھیں تو تمام زمین کا نقشہ خدا جانے کتنا بڑا ہو۔ قطب صاحب تک تو پھیل جائے۔

محمودہ: عجب کیا ہے۔

## سمندر کے منافع

حسن آرا: سمندر تو خدا نے ناحق ہی بنایا ہے۔ تمام زمین خشک ہوتی تو آدمی ادھر سے ادھر چلتے پھرتے۔ جہاں تک چاہتے' بستے بساتے۔

استانی جی: یہ بڑا کفر کا کلمہ ہے توبہ کرو' دنیا میں کوئی بے فائدہ اور بے مصلحت نہیں ہے اور خدا کے جتنے کام ہیں' سب عقل اور حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔ آدمیوں نے اتنا غور کیا مگر اس حکمت کا ایک شمہ بھی سمجھ پایا؟

حسن آرا: (کلوں پر ہولے ہولے طمانچہ مار کر) میری توبہ الٰہی توبہ! مگر استانی جی' ذرا سمندر کے فائدے مجھ کو بتایئے۔

استانی جی: میں دو چار فائدے جو مجھ کو معلوم ہیں' بتاؤں گی۔ لیکن انسان ایسا ضعیف العقل ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کا فائدہ سمجھنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی اپنے قصورِ فہم کی وجہ سے انتظام الٰہی پر اعتراض کرے۔ نظام الٰہی عقل انسان کے لیے ایک کسوٹی ہے۔ جب عقل کوئی بات خلاف تفہم ابھی سوچتی ہے تو یہ دلیل غلطی عقل ہے۔ سمندر کے فائدوں میں تم کو شک ہے تو لو سنو:

ایک فائدہ تو یہ ہے کہ سمندر سے لاکھوں روپے کے بیش بہا موتی نکلتے ہیں جو ہم عورتوں کے لئے موجب زینت ہیں۔ سمندر میں لاکھوں قسم کی مچھلیاں ہوتی ہیں' جن کو آدمی خواہش سے کھاتے ہیں۔ مچھلیوں کی چربی جلانے کے کام آتی ہے بلکہ بعض مچھلیوں کا تیل بہت سی بیماریوں کی دوا ہے۔ سمندر میں مچھلیاں اتنی بڑی ہوتی ہیں کہ تم

Marfat.com

سنو تو حیران ہو جاؤ۔ ایک قسم کی مچھلی ''وہیل'' ہوتی ہے۔ سینکڑوں گز کی لمبی چوڑی، ہزاروں من کی وزنی۔ یعنی بجائے خود جہاز کا جہاز۔ پھر سمندر میں مال کے لدے ہوئے بڑے بڑے جہاز چلتے ہیں۔ اگر اتنا مال خشکی کی راہ لے جائیں تو بڑی محنت بڑی دیر اور بڑے خرچ۔ اگرچہ جہاز خالی سمندر اور بڑے دریاؤں میں اسی طرح چلتا ہے جیسے خشکی میں ریل۔ مگر صدہا جہاز صرف ہوا کی مدد سے چلتے ہیں اور ہوا موافق ہو تو سینکڑوں کوس ایک ایک دن میں نکل جاتے ہیں۔ یہ تھوڑے فائدے ہیں؟ اور فائدے تو فائدے، سمندر نہ ہو تو کسی کی زندگی ہی نہ ہو۔

حسن آرا: جناب، لاکھوں آدمی ہیں جنہوں نے سمندر کی صورت بھی نہیں دیکھی، بلکہ شاید نام بھی نہ سنا ہو۔

استانی جی: یہ میں نے کب کہا کہ دیکھنے اور نام کے سننے پر موقوف ہے۔ میں نے یہ کہا کہ سمندر نہ ہو تو کسی کی زندگی نہ ہو۔

حسن آرا: مہربانی فرما کر مجھ کو اس کی وجہ سمجھا دیجئے۔

استانی جی: وجہ تو ظاہر ہے۔ کھانے کے انواع و اقسام کے غلے سب مینہ سے پیدا ہوتے ہیں اور مینہ سمندر سے آتا ہے۔

حسن آرا: آہا! تبھی لوگ کہا کرتے ہیں کہ بادل سمندر میں پانی پینے جاتے ہیں۔

استانی جی: یہ کہنا غلط ہے، مگر مینہ ضرور سمندر سے آتا ہے۔ رابعہ، تم نے ابھی چند روز ہوئے مینہ، اوس، کہر، قوس قزاح، بجلی اور اولوں کا حال پڑھا ہے۔ حسن آرا بیگم کے روبرو تو بیان کرو۔

## مینہ، بجلی، بادل وغیرہ اور روشنی اور ہوا کی رفتار

رابعہ: گرمی کی وجہ سے سمندر اور دریاؤں اور ہر ایک گیلی اور سیلی چیزوں سے

Marfat.com

بھاپ نکلتی ہے اور چونکہ سمندر کا پانی ہزاروں کوس میں پھیلا ہوا ہے' سب سے زیادہ بھاپ سمندر سے اٹھتی ہے۔ اس بھاپ کا نام بادل ہے جو ہلکی ہونے کے سبب اوپر جا کر آفتاب کے عکس سے ہم کو رنگ برنگ کی نظر آتی ہے۔ یہ بھاپ بلندی پر پہنچ کر ٹھنڈی پاتی اور مینہ بن کر برستی ہے اور کبھی خنکی کی وجہ سے جم کر اولا ہو جاتی ہے۔

حسن آرا: مینہ تو وہ بھاپ ہوئی جو سردی پا کر پانی بن گئی۔ تو بجلی وہ بھاپ ہوگی جو آگ بن جاتی ہوگی اوپر کی خنکی بھاپ کو پانی تو بنا دیتی ہے مگر کیا اس آگ کو نہیں بجھا سکتی؟

رابعہ نے تامل کیا۔

محمودہ: کوئی چیز گرمی سے خالی نہیں۔ یہاں تک کہ جمی ہوئی برف میں بھی گرمی رہتی ہے اور دو چیزوں کو آپس میں گھسنے اور رگڑنے سے یوں بھی گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ ستارہ جو ٹوٹتا ہے' ہوا کی گرمی کی تحریک پا کر بھڑک اٹھتا ہے۔ اور اس قاعدے کو نہ جاننے سے لوگوں نے بڑے بڑے دھوکے اٹھائے ہیں۔ قبرستانوں اور مرگھٹوں اور پرانی عمارتوں اور باغوں اور جنگلوں میں جو کبھی آگ بھڑک اٹھتی ہے' لوگ جانتے ہیں بلا ہے۔ بجلی اور دو چیزیں ایسی برابر رکھی جاویں جن میں سے ایک میں زیادہ گرمی ہو اور دوسری میں کم تو زیادہ گرمی والی چیز میں زیادہ گرمی ہو جائے گی۔ مثلاً ٹھنڈے پانی میں ہاتھ ڈالو تو ہاتھ کی گرمی پانی میں جائے گی' یہاں تک کہ دونوں میں یکساں گرمی ہو جائے گی اور تھوڑی دیر کے بعد پانی کی ٹھر جو ہاتھ کو محسوس نہیں ہوتی' اس کی یہی وجہ ہے۔ اسی طرح سے جس بادل میں گرمی زیادہ ہوتی ہے وہ پاس کے گرمی والے بادل میں زور سے جاتی ہے۔ اس کا نام کڑک ہے جس کی آواز ہم لوگ سنتے ہیں۔

حسن آرا. ٹھنڈے پانی اور ہاتھ کی مثال جو آپ نے دی' اس میں تو ہم کو ہاتھ سے آگ نکلتے تو نظر نہیں آتی مگر بجلی میں تو ایسی آگ ہوتی ہے کہ آنکھ چندھیانے لگتی ہے۔

Marfat.com

محمودہ: گرمی سے آگ بن جانا کون تعجب ہے پتھر کو پتھر پر مارو چنگاریاں جھڑتی ہوئی نظر آئیں گی۔ خیر النساء نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ان کے وطن میں ایک مرتبہ آندھی آئی بانسوں کی رگڑ سے جنگل میں اس بلا کی آگ لگی کہ تمام نیستان جل کر خاک سیاہ ہو گیا

حسن آرا: بجلی تو زمین پر بھی گرا کرتی ہے۔ اس کا سبب؟

استانی جی: جب بادل زمین کے قریب ہو تو نزدیک ہونے کی وجہ سے زمین اس گرمی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

حسن آرا: کیا یہ بادل آسمان میں نہیں ہوتے؟

استانی جی: اکثر میل دو میل سے زیادہ نہیں ہوتے۔ اور پہاڑوں پر تو گھروں میں بادل گھستے پھرتے ہیں۔ بیٹھے ہیں کہ یکا یک کہر کی طرح دھواں سا ابھرا۔ تھوڑی دیر بعد چاند نا ہوا تو دھواں ندارد۔ پانی میں تر بتر۔

حسن آرا: بجلی تو بڑی آفت ہے۔ کچھ اس کی روک بھی ہے؟ میں نے جہاں کڑک کی آواز سنی' اندر بھاگ جاتی ہوں۔

استانی جی: آواز کے سنتے پیچھے بھاگنا تو بے وقوفی ہے۔ بجلی گرتی ہے تو آواز پہنچنے سے پہلے گر چکتی ہے۔ ہوا کی نسبت روشنی کی رفتار بڑی تیز ہوتی ہے۔ تم نے کاہے کو دیکھا ہوگا' غدر کے دنوں ہم لوگ کوٹھے پر سے باوٹے کی توپوں کو دیکھتے تھے کہ رنجک کی چمک پہلے نظر آتی تھی۔ اس کے چند لمحے بعد توپ کی آواز سن پڑتی تھی۔ یہی حال بعینہ بجلی اور کڑک کا ہے۔ خوب دھیان لگا کر جب چاہو آزما لو۔ پہلے چمک نظر آتی ہے' اس کے تھوڑی دیر بعد کڑک کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور بجلی کی روک کی جو تم نے پوچھی تو ہاں عقلمندوں نے اس کی تدبیر بھی نکالی ہے۔ بجلی تھی تو نقصان کی چیز' عقل کے زور سے اس کو فائدہ مند کر لیا۔ تار برقی کا نام تم نے سنا ہے؟

حسن آرا: ہاں' دو چار مرتبہ بڑے ابا کے پاس سے سنا کہ تار میں خبر آئی۔

Marfat.com

استانی جی: دھات کی چیزیں لوہا' پیتل وغیرہ بجلی کو کھینچتی ہیں۔ میگزینوں میں بارود کی حفاظت کے واسطے بجلی کی روک تھام کرنی پڑتی ہے۔ چھتوں کے پہلو میں لوہے کی سلاخیں گاڑ دیتے ہیں کہ بجلی گرے تو سلاخوں کی راہ زمین میں چلی جائے۔ میرے پاس ایک رسالہ ہے جس میں تار برقی کا سب حال لکھا ہے۔ اس میں بجلی کے عجب عجب خواص لکھے ہیں۔ جب تم زیادہ پڑھ لوگی تو اس کو دیکھنا

## انگریزوں کا حال

حسن آرا: انگریز بھی بڑے عقل کے پتلے ہیں۔

استانی جی: قوم کی قوم کا یہی حال ہے۔ عقل کے پتلے نہ ہوتے تو کالوں کوسوں آ کر بادشاہ کس طرح بن بیٹھتے؟ ذرا انگلستان کی تاریخ پڑھو تو تم کو معلوم ہو کہ ابتدا ان لوگوں کی کیا تھی۔ نرے وحشی تھے۔ جانوروں کو مار کر گوشت کھاتے اور چمڑا پہنتے۔ پہاڑوں کی کھوہوں میں رہتے۔ کھیتی باڑی اور مکان بنانے تک کی عقل نہ تھی۔ رومیوں کی سلطنت تھی۔ انھی سے انگریزوں نے عقل و سلیقہ سیکھا۔ یہاں تک کہ رومیوں کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا۔ اب یہ وہی انگریز ہیں کہ روئے زمین پر کوئی قوم ایسی دانشمند اور ایسی شائستہ نہیں ہے۔

حسن آرا: اب تک میں یہ سمجھتی تھی کہ خدا نے سب آدمیوں کو برابر عقل دی ہے۔ مگر آپ کے فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کے ملک کی آب و ہوا میں ایک خاص تاثیر ہے کہ وہاں کے لوگ زیادہ عقیل ہوتے ہیں۔ میری کتاب میں بھی کئی جگہ دانشمندان فرنگ آیا ہے۔ پھر اس میں دوسرے ملک والوں کا کیا دوش ہے؟

استانی جی: عقل واقعی خداداد ہے۔ مگر اس کی ترقی بے علم کی نہیں ہوتی۔ اسی طرح جسم بھی خداداد ہے۔ مگر اس کی توانائی اور بالیدگی غذا پر موقوف ہے۔ عقل کی غذا علم ہے۔ سو افسوس ہے کہ علم ہندوستان سے بالکل اٹھ گیا ہے' اور جو ہے وہ جہل سے بدتر۔

Marfat.com

ناحق کی کٹ حجتی اور جھوٹی شاعری کے سوائے ہندوستان میں کچھ اور بھی ہے؟

حسن آرا: کیا انگریز بڑے مولوی ہوتے ہیں؟

استانی جی: لفظ مولوی کا استعمال تم کو اس مقام پر نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمان عالم مولوی کہلاتے ہیں۔ ہندو پنڈت۔ مگر کچھ شک نہیں کہ جو علم کارآمد ہیں' انگریز سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ اسی علم کے زور سے وہ نادر کلیں ایجاد کی ہیں اور آئے دن ہوتی جاتی ہیں کہ سن کر عقل دنگ ہوتی ہے۔ دنیا کا تمام کلوں سے لیا جاتا ہے۔ کلیں سوت کاتیں' کپڑے بنیں اور کلیں آٹا پیسیں' کلیں کتابیں چھاپیں' کلیں باجے بجائیں' کلیں لوہار بڑھئی کا کام دیں۔ بلکہ کلیں وہ کام کریں جو آدمی سے نہ ہو سکے۔

حسن آرا: کیا ان کی میمیں بھی اسی طرح کی عقل مند ہوتی ہیں؟

استانی جی: بے شک۔ عورتیں بھی سب کی سب پڑھی لکھی' ہنر مند۔ اور ممکن نہیں کہ مرد اس درجہ کے لائق ہوں اور عورتیں ہم کم بختوں کی طرح بے علم' بے ہنر۔ حلیمہ کے ہمسائے میں ایک میم رہتی ہے۔ ذرا ان کا حال سنو۔ بوا حلیمہ' کہو تو۔

## ایک انگریز خاندان کا حال اور اس کی نیک زندگی

حلیمہ: جناب' ہمارے مکان سے ملا ہوا مکان (وہ بھی ہمارا ہی ہے) پانچ چھ مہینے ہوئے ایک میم نے کرائے پر لینا چاہا۔ ہمارے محلے کی بہشتن میم صاحب کے پاس آیا گری میں نوکر ہے۔ وہی پیام لائی۔ میم کا نام سن کر اماں جان نے صاف انکار کیا کہ ہم میم کو مکان نہیں دیتے۔

بہشتن: بیوی ڈیوڑھا' دونا کرایہ ماہ بماہ لو۔ ایسا کرایہ دار نہیں پاؤ گی۔

اماں جان: کرایہ لے کر کیا چولھے میں ڈالنا ہے؟ دیوار نیچ تو مکان لگا ہے۔

[illegible] یوں بالیوں کی آواز برابر جاتی ہے۔ میاں مرزائی اپنے کارخانے کے لیے منتیں کرتے رہے۔ میں نے نہ دیا۔ رکھوں گی تو کسی اشراف کو ورنہ بلا سے خالی پڑا رہنا اچھا۔

Marfat.com

بہشتن: بیوی' میم صاحب بھی بڑی ہی اشراف آدمی ہیں۔ ہیں تو غیر قوم غیر مذہب۔ مگر مجھے اپنے ٹھوکے سر کی قسم' بڑی ہی بھلی مانس ہیں۔ اور پاس کے رہنے سے آپ کو حال کھل جائے گا۔ اگر میری بات میں فرق پاؤ' میری ناک چوٹی کاٹ لینا۔

اماں جان: بھلا ان کے یہاں انگریزوں کی آمدورفت تو رہتی ہوگی۔

بہشتن: بیوی' صاحب تار گھر میں نوکر ہیں۔ رات کو نو بجے آتے ہیں اور صبح چار بجے کام پر چلے جاتے ہیں۔ ان کی حاضری وہیں جاتی ہے۔ اور کوئی باہر کا نہ آتا ہے نہ جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ بڑی بیٹی مس بابا اصل خیر سے تمہاری لڑکی سے عمر میں تو کم ہے' مگر میری آنکھوں میں خاک' ڈیل میں کوئی دو مٹھی نکلتی ہوئی ہے۔

اماں جان: گو باہر والوں کی آمدورفت نہ ہو' خود میم صاحب تو نکل بیٹھتی ہیں۔

بہشتن: صبح وشام پا پیادہ بچوں کو ساتھ لے ہوا کھانے' البتہ کشمیری دروازے کے باہر جایا کرتی ہیں۔

اماں جان: میم صاحب یا ان کے بچے ہمارے گھر میں تو چلے آیا کریں گے؟

بہشتن: بے مرضی ہرگز نہیں۔

اماں جان: دیکھو' کچھ قباحت نہ ہو۔ مجھ کو تو ڈر ہی لگتا ہے۔

بہشتن: بیوی' کچھ شبہ مت کرو۔ میرا ذمہ۔

غرض کہ میم صاحب آ رہیں۔ دو چار دن اماں جان ہم سب بچوں پر آہستہ بولنے کی تاکید کرتی رہیں اور کوٹھے پر چڑھنے کو بھی منع کر دیا تھا اور ہم لوگوں نے بھی اتنے دنوں میم صاحب کی طرف سے آواز تک نہیں سنی۔ اوپر پیاز پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے لینے کو اماں سے پوچھ کر کوئی چار گھڑی دن رہے میں دبے پاؤں اوپر چڑھی۔ دیکھتی کیا ہوں کہ باہر صحن میں میز بچھی ہوئی ہے اور میم صاحب' ان کے بچے آس پاس کرسیاں بچھائے' سب کے سب کچھ پڑھ رہے ہیں۔ چھت پر میرے چلنے کی دھم دھم سن کر چھوٹی لڑکی نے مجھ کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی آپ سے آپ سلام کیا۔ اس کا سلام کرنا تھا کہ سب کے سب

Marfat.com

مجھ کو دیکھنے لگے۔ تب تو میں نے بھی میم صاحب کو سلام کیا۔ میم صاحب نے نہایت مہربانی سے میرا سلام لیا اور جلدی سے اٹھ' چھت کے نیچے آ کھڑی ہوئیں۔ اور کہنے لگیں کہ ہم لوگوں نے تم سے جان پہچان پیدا کرنے میں ابتدا کی ہے۔ تم اس بات سے ناخوش تو نہیں ہوئیں؟ میم صاحب کو آئے ہوئے دیکھ' جی میں آیا کہ بھاگ جاؤں۔ لیکن ان کی بات سن کر تو دل میں کچھ دلیری سی آئی اور میں نے کہا۔ ''جناب'' اس میں ناخوشی کی کیا بات ہے؟ آپ سے تعارف کرنا تو ہمارے لیے فخر ہے۔

میم صاحب: مجھ کو ایک بات پوچھنی ہے کہ اگر تمہاری اماں جان مہربانی کر کے اپنے کوٹھے پر ذرا کے ذرا آ کھڑی ہوں تو بڑا احسان کریں۔ اپنی اماں جان کو میرا بہت سلام اور پیام کہنا۔

میں نے کہا بہت خوب۔ میں ابھی جا کر کہتی ہوں۔ نیچے آ کر میں نے اماں سے سب حال بیان کیا۔ اماں جان نے پہلے کچھ تامل سا کیا۔ بارے چلی گئیں۔

میم صاحب: (سلام کے بعد) میں نے آپ کو صرف اتنا پوچھنے کے لیے تکلیف دی ہے کہ اس آنے کے سوائے اگر کچھ تکلیف ہم لوگوں کے رہنے سے آپ کو پہنچی ہو تو مہربانی فرما کر مجھ کو اس سے طلاع دیجئے۔

اماں جان: آپ کے منہ پر کہنا تو خوشامد ہے۔ مجھ کو تو آج تک یہ بھی نہیں معلوم ہوا کہ اس مکان میں کوئی رہتا بھی ہے یا نہیں۔ ایسا تو کوئی ہندوستانی بھی آ کر نہیں رہا۔ ہم لوگوں میں کم بخت پردے کی بڑی قید ہے۔ بس اسی کا خیال تھا۔

میم صاحب: ہوں تو بے شک انگریز مگر میں اسی ملک میں پیدا ہوئی اور اسی ملک میں ہوش سنبھالا۔ میں بڑے آدمی کی بیٹی ہوں۔ ماں باپ دونوں مارے گئے۔ اکیلی رہ گئی۔ شادی کر لی۔ خدا کے فضل سے چار بچے ہو گئے ہیں۔ ان کی پرورش کرتی ہوں۔ میں آپ کے دستور سے بخوبی واقف ہوں۔ خدا نے چاہا تو کوئی بات ایسی نہ ہوگی کہ آپ کی اذیت کا باعث ہو۔ ہماری کتاب میں ہمسائے کے بہت بڑے حقوق لکھے

Marfat.com

ہیں۔ سو اگر مجھ سے وہ حق نہ بھی ادا ہو' تاہم میں امید کرتی ہوں کہ میرے سبب سے آپ کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچے گی۔

اماں جان: آپ کے رہنے سے سراسر راحت۔ مگر ہم لوگوں کی وجہ سے عجب نہیں کہ آپ کو ایذا ہوتی ہو۔ اللہ رکھے' میرے بھی چار بچے ہیں۔ مگر دن بھی آپس میں ادھم مچائے رکھتے ہیں۔ بہتیرا گھرکتی ہوں' کوستی ہوں اور عاجز آ کر ایک طمانچہ بھی مار بیٹھتی ہوں' لیکن دن بھر مجھ کو پریشان کیے رہتے ہیں۔ سگے بھائی بہن ہو کر ایک کی ایک سے نہیں بنتی۔ جب سے آپ آ کر رہی ہیں' ذرا امن بھی ہے۔ میں بات بات پر روکتی ہوں۔ پھر بھی کیا اثر ہوتا ہے۔ ممکن نہیں ان کا شور وغل آپ کو تکلیف نہ دیتا ہو۔

میم صاحب: کیا ہوا' بچے ہی تو ہیں۔ کھیلنے کودنے کی تو عمر ہے۔ شرارت کیا ہی کرتے ہیں۔ ان کے شور وغل ہی کی تو گھر میں بستی ہے۔

اماں جان: مجھ کو حیرت ہے کہ آپ کے بچے کیوں نہیں غل کرتے!

میم صاحب: کرتے ہیں' مگر نہ ہر وقت۔

اماں جان: برائے خدا کوئی تدبیر مجھے بھی بتائیے۔ میں ان بچوں کے ہاتھوں سخت

میم صاحب: کیا آپ کی تواضع کروں؟ پان میں نہیں کھاتی' عطر ہم لوگوں کا شاید آپ کو پسند نہ ہو۔ خشک مٹھائی کا تو کچھ پرہیز نہیں۔ (ایک کنٹر منگا کر طشتریوں میں ہم لوگوں کے روبرو رکھ دیا۔ ہم لوگوں نے تامل کیا)۔

میم صاحب: (ہنس کر) بے تامل کھاؤ۔ اس میں تو کوئی حاجت نہیں۔ اور یوں آپ کے مذہب میں ہمارے ساتھ کھانا جائز لکھا ہے' اور روم مصر میں کوئی مسلمان بھی اس قسم کا پرہیز نہیں کرتا۔ یہ ہندوستان کے مسلمانوں نے نیا مسئلہ نکالا ہے۔

اماں جان: نہیں' پرہیز کی کیا بات ہے۔ مگر ابھی سب کھانا کھا چکے ہیں۔

میم صاحب: کیا ہوا؟ آپ کچھ نقصان کا اندیشہ نہ کیجئے۔ ہم لوگوں کی مٹھائیوں میں بھی دوا ہوتی ہے۔

Marfat.com

غرض نہایت نفیس اور لطیف مٹھائی ہم سب نے کھائی۔ اس کے بعد میم صاحب نے اپنے بچوں کو پکارا۔ سب آ موجود ہوئے۔ میم صاحب نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ بچوں کی عقل دیکھیے کہ ہر ایک اپنی اپنی ہمجولی کے پاس آ کر بیٹھا۔ مس روز میرے پاس آ کر بیٹھیں اور پہلا سوال انہوں نے مجھ سے یہی کیا کہ آپ پڑھتی ہیں؟ ان کا پوچھنا تھا کہ مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور میں نے شرمندہ ہو کر کہا ''کچھ نہیں۔'' مس روز نے میری بات کو نہایت تعجب سے سنا اور چپ ہو گئیں۔ پھر اپنے ہاتھ کی بنائی ہوئی تصویریں' اپنے بنے ہوئے قیمتی اور عمدہ سے عمدہ تکیوں اور کرسیوں کے غلاف' میزوں کی چادریں' کپڑے کے پھول' موزے' کتاب میں رکھنے کی نشانیاں' گلوبند' موباف' دستی رومال' جھالریں' ڈوری کے کام دکھائے۔ میں تو میں' اماں جان حیران رہ گئیں۔ پھر میم صاحب سب کمروں میں لے گئیں۔ کتابوں کی الماری سے ایک کتاب نکال کر اپنے رشتے داروں اور دنیا کی عمدہ عمارتوں اور نامی اور مشہور لوگوں کی تصویریں دکھائیں۔ گئے تو گئی۔ سات بجے واپس آئی اتنے میں صاحب آ جاتے ہیں۔ سب بچوں کا سبق سنتے ہیں اور ہر ایک کا کام دیکھتے ہیں اور پھر سب مل کر نماز پڑھتے ہیں۔ نماز کے بعد کھانا کھایا' سو رہے۔ فرمایئے' اب ان کو لڑائی کی فرصت کہاں؟ اور اگر میں ان کو آپس میں لڑتا دیکھوں تو کیا توقع رکھوں؟ جب یہ آپس میں ملاپ نہ رکھیں تو دنیا میں دوسرے لوگوں کے ساتھ کیوں کر گزریں گے؟

اماں جان: سبحان اللہ! آپ نے بڑا عمدہ انتظام رکھا ہے۔ اور تبھی تو تم لوگ سلطنت کر رہے ہو۔ ہم ہندوستانیوں کے یہی کام ہیں۔ دو چار کھانوں کی ترکیب سیکھ لی۔ اپنے ہاتھوں اپنے کپڑے سی لیے۔ پڑھنے لکھنے کا تو دستور ہی نہیں۔ نوکر چاکر رکھنے کا مقدور ہوا تو احدی بن کر بیٹھے رہے۔

میم صاحب: ہم لوگوں میں ضرورت کی نظر سے ہنر نہیں سیکھتے۔ بلکہ ہنر کو باعث عزت سمجھتے ہیں۔ مجھ کو اپنے باپ کی ایک بات یاد ہے کہ جب مجھ کو انہوں نے ولایت

Marfat.com

پڑھنے کے لیے بھیجا تو چچا کو چٹھی لکھ دی تھی کہ اس کو کسی اچھے مدرسے میں داخل کر دینا۔ چچا نے لکھا کہ فلانے مدرسے میں بڑی عمدہ اور اعلیٰ درجے کی تعلیم ہوتی ہے مگر وہاں فیس بہت دینی پڑتی ہے۔ میرے باپ نے لکھا کہ دو سو روپیہ مہینا میں نے اس لڑکی کا حق علیحدہ کر دیا ہے۔ اس کی تعلیم میں صرف ہو تو جمع ہونے سے بہتر ہوگا۔ کیونکہ ہنر کا جمع کیا جانا روپے کے جمع کئے جانے سے کہیں مفید ہے۔ چنانچہ مجھ کو چچا نے اسی بڑے مدرسے میں داخل کیا جس میں فیس اور میرا ضروری خرچ ملا کر دو سو روپیہ مہینا خرچ ہو جاتا تھا۔ جب میرے باپ غدر میں مارے گئے تو اب کہیں سہارا نہ تھا۔ ناچار مجھ کو مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ ایک برس کی اور کسر رہ گئی۔ ورنہ میں ایک سال اور پڑھتی۔ ماں باپ کے مارے جانے کا رنج اور مدرسے کو ایسی مجبوری کے ساتھ چھوڑنے کا صدمہ' میں سچ کہتی ہوں' دونوں نے میرے دل میں بڑا اثر کیا۔ ہر چند میں ناتمامی کی حالت میں مدرسے سے نکلی' پھر بھی میری لیاقت کا چرچا دور دور تھا۔ اور مدرسے سے نکلنے کے ساتھ جب لوگوں نے جانا کہ میں شادی کرنے پر آمادہ ہوں تو سینکڑوں آدمیوں نے مجھ سے شادی کی درخواست کی۔ ہم لوگوں میں یہ بہت اچھا طریقہ ہے کہ شادی لڑکا لڑکی کی رضامندی سے ہوتی ہے۔ میں نے کتابوں میں پڑھا ہے کہ رضامندی آپ کے مذہب میں بھی شرط ہے۔ لیکن دیکھتی ہوں کہ اس کا برتاؤ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اکثر بے تمیزی کی حالت میں آپ لوگ اولاد کو بیاہ دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آپ لوگوں میں اکثر زن وشوہر میں بے لطفی اور ناسازگاری رہا کرتی ہے۔ جب کثرت سے لوگ خواہاں ہوئے تو مجھ کو انتخاب میں بڑی دقت پیش آئی۔ مدرسہ کی استانی جو مجھ پر سگی ماں کی طرح مہربان تھیں' میں نے ان سے مشورہ کیا۔ انہوں نے مجھ کو یہ نیک صلاح دی کہ علم' لیاقت اور نیکی انسان کے بڑے جوہر ہیں۔ جس میں یہ صفتیں پاؤ اسی کو اختیار کرو۔ چنانچہ خوب تحقیق و تفتیش کرنے کے بعد ان صاحب کو پسند کیا۔ صاحب بڑے عالم ہیں۔ مدرسے سے خطاب فضیلت حاصل کیا ہے اور نیک اس درجے کے ہیں کہ یہاں کے سارے انگریز

Marfat.com

پادری ان کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور میں تو صاحب کی نیک مزاجی سے اس قدر خوش ہوں کہ سلطنت کی خوشی بھی اس مقابلے میں ہیچ نظر آتی ہے۔ صاحب کی تنخواہ تو کچھ بہت نہیں، صرف چار سو روپیہ مہینا پاتے ہیں، مگر جس محبت اور مہربانی سے وہ مجھ کو اور بچوں کو رکھتے ہیں، میرا منہ نہیں کہ ان کا شکریہ ادا کر سکوں۔ پندرہ برس میرے بیاہ کو ہوئے، کسی بات میں مجھ سے ردوکد کی نوبت نہیں آئی۔ بچوں کے ساتھ کچھ اس طرح کی مدارات ہے کہ ہر ایک بچہ دل و جان سے فدا ہے۔ جب کچہری سے آتے ہیں، بچوں کو عید کی سی خوشی ہوتی ہے۔ مگر مجال نہیں کہ کوئی ان کی خلاف مرضی بات کر سکے۔ نہ مارتے، نہ گھرکتے، نہ ترشروئی کرتے۔ مگر کچھ ایسا دھنک کر رکھا ہے کہ محبت میں رعب، پیار میں ڈر۔ انھی کے انتظام سے ان بچوں کی اصلاح بھی خاطر خواہ ہوتی جاتی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ بیٹے اور بیٹیاں، سب کہے میں ہیں۔ میری بڑی کا نام مس روز ہے۔ آپ نے تو کھڑکی میں قفل لگا رکھا ہے، ورنہ میری لڑکیاں تو ایسی ملنسار ہیں کہ دن میں سو سو بار کھڑکی میں آ کر کھڑی ہوتی ہیں اور آپ کے بچوں سے ملنے کو ترستی ہیں۔ قفل کھول دینے میں اگر کوئی قباحت نہ ہو تو ایک دن ذرا ہمارا گھر دیکھیے۔ اس سے خاطر جمع رکھیے کہ سوائے میرے اور بچوں کے کوئی غیر اندر نہ رہنے پائے گا۔

اماں جان: ان شاء اللہ تعالیٰ میں کسی دن حاضر آؤں گی۔

اگلے دن اماں جان، ہم سب کو ساتھ لے، کھڑکی کی راہ، میم صاحب کے گھر گئیں۔ گھر اتنا صاف ستھرا کہ صحن میں تنکے کا نام نہیں۔ خانہ داری کا اسباب اس سلیقے کے ساتھ اپنے اپنے موقع سے رکھا تھا کہ ہم لوگوں میں شادی بیاہ میں بھی ایسی آرائش نہیں ہوتی۔ کوئی چیز نایاب اور قیمتی تو ایسی تھی نہیں۔ اکثر چیزیں ایسی تھیں کہ ہمارے گھر میں بھی نہیں تھیں۔ مگر وہاں کی چیزوں پر اور ہی کچھ رونق تھی۔ منہ دھونے کا تسلا کیسا صاف منجھا ہوا کہ آنکھ نہ ٹھہرے۔ بید کے مونڈھے کی بھی کچھ اصل ہے؟ مگر تیلیاں چمکتی

Marfat.com

ہوئی۔ اوپر ایک دستکار جالی کا نفیس غلاف۔ سادگی میں تکلف۔ غرض جو چیز تھی' صفائی کا نمونہ تھی۔ جی چاہے کہ صحن میں کھانا بکھیر کر کھا لیجئے۔ وہاں کا سامان دیکھ کر مجھ کو یقین ہوا کہ صفائی بڑی زینت ہے۔ میم صاحب کے بچے اپنے اپنے کمروں میں کوئی لکھ رہا تھا' کوئی سی رہا تھا۔ سب نے ہم کو آتے دیکھا مگر کیا مقدور کہ بے ماں کی اجازت کے باہر نکل آئیں۔ میم صاحب نے ہم سب کو ملاقات کے کمرے میں بٹھایا۔ ہم لوگ تو ادھر ادھر دیکھ ہی رہے تھے اماں جان بھی کن آنکھوں سے چیزوں کو دیکھتی جاتی تھیں۔

عاجز ہوں۔ نہ اپنا دیکھیں' نہ پرایا' ان کو لڑنے سے کام۔ ان کی وجہ سے میں نے شادی بیاہ میں جانا کم کر دیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ نوج کیسی بے سری اولاد ہے۔ ناحق شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔

میم صاحب: یہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ہے جس کے واسطے آپ اتنا سوچ کرتی ہیں۔ بڑے ہو کر آپ درست ہو جائیں گے۔

اماں جان: کیا بڑے ہونے کے لیے کوئی اور زمانہ آئے گا؟ اللہ رکھے تیرھویں برس میں تو یہ میری حلیمہ ہے۔ بہتیرا کہتی ہوں' تم بڑی ہو' چھوٹوں کے منہ مت لگا کرو۔ چھیڑ چھیڑ کر لڑتی ہے۔ کچھ ان دقتوں ایسے خون سفید ہو گئے ہیں' نہ چھوٹوں کو بڑوں کا ادب ہے نہ بڑوں کو چھوٹوں کی محبت۔

میم صاحب: بچوں سے کچھ آپ کام بھی لیتی ہیں؟

اماں جان: کام کیا ہے۔ خدا کے دیئے نوکر چاکر گھر میں ہیں۔ ان کا یہی کام ہے کہ کھائیں' پئیں اور کھیلیں۔

میم صاحب: بس یہی خرابی ہے۔ میں نے تو ہر بچے پر اس کی بساط کے موافق اتنا کام ڈال رکھا ہے کہ اس کو اسی سے فرصت نہیں ملتی۔ ہم سب لوگ' چھوٹے بڑے' چاہے کوئی موسم ہو' صبح کے پانچ بجے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ ہر ایک نے غسل کیا' کپڑے بدلے اور

Marfat.com

تھوڑا سا ناشتا کیا۔ چھ بجتے بجتے میں ان سب کو لے کر شہر کے باہر ہوا کھانے چلی جاتی ہوں اور کوئی ساڑھے سات بجے' آٹھ بجے لوٹ آتی ہوں۔ آتے کے ساتھ سب کو لے کر نماز پڑھتی ہوں۔ پھر سبق پڑھاتی ہوں۔ گیارہ بجے سبق سن کر کھانا پکاتی ہوں۔ اس کے بعد کوئی لکھتا ہے' کوئی سیتا ہے۔ دن کو ہم لوگ کبھی نہیں سوتے۔ تین بجے پہلے کچھ کھا لیا' پھر دوسرا سبق دیا جاتا ہے۔ پانچ بجے پھر غسل کیا اور کپڑے بدلے' ہوا خوری کو نکل اس نیت سے تھے کہ ذرا کہ ذرا بیٹھ کر چلے آئیں گے مگر کوئی چار گھڑی دن رہ گیا' تب اماں جان نے کہا کہ آج میں نے آپ کا بڑا حرج کیا۔

میم صاحب: مجھ کو آپ کی ملاقات سے بڑی مسرت حاصل ہوئی اور ہرگز میرا کوئی حرج نہیں ہوا۔

اماں جان: مگر گستاخی معاف' میں آپ کے پاس سے اداس ہو کر چلی۔

میم صاحب: خیر ہے؟ بات تو کہیے۔

اماں جان: اب اپنی حالت پر جو نظر کرتی ہوں تو سخت افسوس ہوتا ہے۔ بھلا یہ کوئی زندگی کا ڈھنگ ہے! خیر میری تو تیر گئی۔ افسوس! اولاد کو بھی میں نے اپنا ہی ایسا اٹھایا۔

میم صاحب: افسوس کی کیا بات ہے۔ ہر ملکے وہر رسے۔

اماں جان: آگ لگے اس ملک کو جس میں ہنر کا نام نہیں۔ ہم لوگ شہر میں بڑے سلیقہ شعار کہلاتے ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ ہنر اور سلیقہ آپ لوگوں پر ختم ہے۔

غرض میم صاحب سے رخصت ہو کر گھر آئے تو جدھر آنکھ پڑتی تھی' ہر چیز حقیر اور بھونڈی نظر آتی تھی۔ میرا تو یہ حال ہوا کہ اس رات رنج کے مارے مجھ سے کھانا تک نہیں کھایا گیا۔ اگلے دن میں نے اماں جان سے کہا کہ اگر فرمائیں تو میں مس روز سے کچھ سیکھوں۔

اماں جان: بھلا بی' مس روز کچھ اپنے دیس کی تو ہیں نہیں کہ جان پہچان کا پاس

Marfat.com

ہو۔ خدا نا خواستہ کچھ محتاج نہیں کہ روپے پیسے کا لالچ کریں۔ میں ان سے کس منہ سے کہوں؟ دیکھو کسی طرح ان کی ماں سے دریافت کروں گی۔ میں نے جا کر کھڑکی کھولی تو مس روز صحن میں ٹہل رہی تھیں۔ مجھ سے پوچھا: ''آپ کہیں تو میں آپ کے گھر آؤں؟''

اماں جان: شوق سے۔

اماں جان نے مس روز سے آنے کو تو کہا' میں اپنے جی میں کہہ رہی تھی خدا کرے وہ نہ آئیں۔ آئیں گی تو کہاں بٹھائیں گے۔

حسن آرا: کیوں؟ کیا تمہارے گھر میں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی؟ میں تو سنتی ہوں تمہارا مکان بڑا عالیشان ہے اور فرش فروش' مونڈھے' ہر طرح کا وافر سامان موجود ہے۔

حلیمہ: خدا کا دیا سب کچھ ہے۔ مگر میں میم صاحب کے یہاں جا کر دیکھ چکی تھی۔ ان کے لائق ایک چیز بھی نہ تھی۔ ہمارے یہاں وہ صفائی اور وہ اجلاپن کہاں؟

حسن آرا: کچھ میم صاحب کی وقعت ہی تمہارے ذہن میں جم گئی ہے ورنہ ماشاء اللہ تم بھی صاف اور ستھری رہتی ہو۔

حلیمہ: ہاں' تم یونہی سمجھو۔ مگر میری طرح میم صاحب کا مکان دیکھے ہوتیں تو جانتیں کہ صفائی کس کو کہتے ہیں۔

حسن آرا: بلا سے' تم نے مس روز کے لئے سفید سوزنی بچھوا دی ہوتی۔

حلیمہ: کچھ آپ کے فرمانے پر موقوف نہ تھا۔ جلدی جلدی جو کچھ ہو سکا' کیا ہی۔ مگر کس کس چیز کو چھپاتی۔ جب مس روز آئیں تو میں نے باورچی خانے کی طرف پشت کر کے کرسی بچھا دی۔ تھوڑی دیر میں آفتاب سامنے آ گیا۔ مس روز کرسی پھیر' عین باورچی خانے کے سامنے ہو بیٹھیں اور میرا یہ حال کہ ان کو برابر باتوں لگائے جاؤں تاکہ ادھر ادھر ان کی نظر نہ پڑے۔ دو چار باتوں کے بعد مس روز بولیں کہ میرا جی چاہتا

Marfat.com

ہے آپ مجھ کو بہن بنا لیجئے۔ میں نے کہا کہ بہن بننے کا تو منہ نہیں' مجھ کو آپ شاگرد کیجئے اور کچھ سکھایئے تو بڑی مہربانی ہوگی۔

مس روز: بہ سروچشم۔

میں: کیا سکھایئے گا؟

مس روز: پڑھنا لکھنا تو آپ کو اپنے ملک کا سیکھنا چاہیے۔ مس گریوز جو زنانے درجے کی انسپکٹر ہیں' مجھ سے (استانی جی کا نام لیا) ان کے مکتب کی بہت تعریف کرتی تھیں۔ مگر سلائی ہر قسم کی میں سکھا دوں گی۔ اور اس سے زیادہ مجھ کو کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ آپ مجھ سے سیکھیں۔

میں: آپ کی اماں جان تو اس میں کچھ مضائقہ نہ کریں گی؟

دیکھیے مضائقہ؟ لوگ ان کے مزاج سے ابھی واقف نہیں ہیں۔ میری والدہ ضرور ہیں لیکن ارزوئے انصاف میں نے ایسی نیک عورت کوئی نہیں دیکھی۔ زیادہ رہنے سے خود آپ کو معلوم ہوگا۔ دوسرے کے لیے شاید اپنی جان تک سے ان کو دریغ نہیں ہے' آپ سے تو ہمسائیگی اور ملاقات ہے۔ کوئی ہو' ان کو ہمدردی کرنی ضرور۔

میں: آپ کی اماں جان کبھی آپ کو گھرکتی تو نہیں؟

مس روز: ان کو ہر ایک طرح کا اختیار مجھ پر حاصل ہے۔ مگر خدا مجھ کو ایسی نافرمان بیٹی نہ بنائے کہ میری اماں جان کو گھرکنے کی نوبت آئے۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی نادانی کی بات ہوگی کہ میں اپنی پیاری اور مہربان اور خیر خواہ اور دل سوز ماں کے خلاف رائے کوئی بات کروں؟

میں: چھوٹے بھائی بہنوں سے آپ سے کسی بات میں ردوکد ہوتی ہوگی۔ اس وقت تو آپ کی اماں جان ضرور دخل دیتی ہوں گی۔

مس روز: اگر میں اپنے چھوٹوں سے ردوکد کروں تو تف ہے میری بڑائی پر۔ میں

Marfat.com

اپنے سب چھوٹے بھائی بہنوں کی شکر گزار ہوں کہ وہ لوگ ہر طرح میرا ادب کرتے ہیں اور میں سب کو جان کی طرح عزیز رکھتی ہوں اور سب پر دم دیتی ہوں۔

میں: کیا سچ مچ تم بھائی بہنوں میں کبھی جھگڑا نہیں ہوتا؟

مس روز: بھائی بہن تو بھائی بہن، ہم لوگوں کو تو خدا کے فضل سے غیروں کے ساتھ بھی لڑنے کا اتفاق نہیں ہوتا۔

میں: آپ کی باتوں کو سن کر مجھ کو سخت تعجب ہوتا ہے۔ ایسا تو ممکن نہیں کہ اوپر تلے کے بھائی بہنوں میں لڑائی جھگڑا نہ ہو۔

مس روز: اور مجھ کو آپ سے یہ سن کر تعجب ہوا کہ بھائی بہنوں میں لڑائی کا ہونا ضرور ہے۔

میں: اجی، لڑائی کچھ خدا نا خواستہ بیر نہیں۔ یہی بحث و تکرار۔

مس روز: جی ہاں، میں سمجھتی ہوں۔ مگر مجھ کو حیرت ہے کہ وہ کیسے بھائی بہن ہیں جو آپس میں تکرار رکھتے ہیں۔

میں: چھوٹے ناسمجھ کسی بات پر ضد کریں تو اس کا کیا علاج؟

مس روز: نرمی سے، پیار کے ساتھ، ان کو سمجھا دینا۔

میں: اگر وہ نہ سمجھیں؟

مس روز: وہ نہ سمجھے یا بڑا نہ سمجھے؟

میں: وہ ایک ہی بات ہے۔

مس روز: یہ تو بڑے کا قصور ہے۔

میں: بھلا صاحب، کھانے پہننے کی کسی چیز کو آپ کا جی چاہتا ہوگا تو آپ کی ماں جان کسی بات میں روک ٹوک نہیں کرتیں؟

مس روز: خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھ کو اپنے کھانے اور پہننے کے واسطے ضرورت

Marfat.com

نہیں۔ مجھ سے زیادہ اماں جان کو میری ضرورتوں کا خیال رہتا ہے۔ اور میں دیکھتی ہوں' جو چیز مجھ کو درکار ہے اور میری حالت کے لیے مناسب ہے' اماں جان بے کہے خود اس کا سامان کر لیتی ہیں۔ پھر مجھ کو اس میں دخل دینے سے حاصل؟

میں: بھلا کسی نوکر چاکر پر آپ کو خفا ہونے کا اتفاق ہو۔

مس روز: میری اماں جان نے مجھ کو تعلیم ہے کہ اگر آدمی (جس کا بال بال گناہ گار اور خطاوار ہے) چاہتا ہے کہ اس کی خطاؤں سے درگزر کیا جائے تو چاہیے کہ وہ اپنے زیردستوں کی خطاؤں سے درگزر کرے۔ پھر نوکروں پر خفا ہونے کا کیا موقع ہے؟

میں: تبھی اتنے دن آپ کو اس مکان میں رہتے ہوئے ہو گئے' آواز تک نہیں سن پڑی۔

مس روز: خدا کا شکر ہے' جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے' اسی طرح گھر کو غل غپاڑے سے خالی پاتی ہوں۔

میں: کیوں صاحب' کیا کسی بات پر چھوٹے بچوں کو آپ کے گھر مار نہیں پڑتی؟

مس روز: اگر خدانخواستہ بچوں کو مارنے پیٹنے کی ضرورت ہو تو سمجھیں کہ ان کی خرابی علاج سے درگزری ہے۔ مار پیٹ آخری درجہ بچوں کی سزا ہے' جیسے پھانسی آخری درجہ مجرموں کی سزا ہے۔

میں: پڑھنا لکھنا' سینا پرونا آپ نے اپنی امی جان سے سیکھا یا کسی دوسرے سے؟

مس روز: بہت کچھ اپنی امی جان سے تھوڑا سا مدرسے میں۔

میں: پڑھنے پر بھی آپ کی اماں جان نے کبھی نہیں مارا؟

مس روز: کبھی نہیں۔

میں: (ہنس کر) آپ مجھ کو مارا کیجئے گا؟

مس روز: (ہنس کر) ضرور لیکن اس طرح کی مار جیسی میں نے کھائی ہے۔

Marfat.com

میں: کب سے شروع کرایئے گا؟

مس روز: ابھی۔

میں: آپ اپنی اماں جان سے پوچھ لیجئے۔

مس روز: میں کہہ چکی ہوں کہ ایسے کاموں میں ان سے دریافت کرنے کی مطلق ضرورت نہیں۔

میں: کیا ہوا' پھر بھی آپ احتیاطاً ان سے اجازت لے لیجئے۔

مس روز نے جیب سے کاغذ پنسل نکال' وہیں بیٹھے بیٹھے ماں کو رقعہ لکھ بھیجا۔ اسی کی پشت پر یہ جواب لکھا آیا کہ اگر تم ہمسائی کی بیٹی کو (کہ مجھے تمہاری طرح عزیز ہیں) کچھ سکھا سکو تو جتنی محنت تم نے ان کاموں کے سیکھنے میں کی ہے' اس سے بہتر اس کا انعام نہیں۔ اور بے شک اگر ہم ہمسائی کے بچوں کو سکھانے کی کوشش نہ کریں تو ہمارا یہاں رہنا لاحاصل محض ہے۔ اور جب یہاں سے اٹھیں گے تو یہ حق اپنی گردن پر لے جائیں گے۔ اگر تم کسی تدبیر سے ان کو سیکھنے پر آمادہ کر سکو تو میں نہایت خوش ہوں گی اور آئندہ کی کوششوں میں ہر طرح تمہاری شریک ہوں گی۔

غرض یہ کہ اس دن سے میں نے اس مکتب میں آنا شروع کیا اور مس روز نہایت مہربانی سے مجھ کو سکھایا کرتی ہیں۔ گھر بار اس طرح کا نیک ہے کہ میں نے تو اس قسم کے آدمی نہیں دیکھے۔ دو ہی مہینے میں تمام محلے کو گرویدہ کر لیا ہے۔ غرباء کو چپکے چپکے بہت کچھ ملتا ہے۔ کوئی بیمار پڑے' میم صاحب پاس سے مفت دوا دیتی ہیں اور دلجوئی ایسی کہ اپنا بھی نہ کرے۔ ایک دن میری چھوٹی بہن کا جی اچھا نہ تھا۔ میم صاحب پہر دن رہے سے آدھی رات تک بیٹھی رہیں۔ کبھی یہ دوا پلا' کبھی وہ دوا پلا۔ بہتیرا اماں جان نے کہا کہ آپ آرام کیجئے' بہت رات گزر گئی' سرکیں تک نہیں۔ جب وہ سو گئی اور آرام ہو گیا' تب گئیں۔ یہ بات میں نے انہی میں دیکھی۔ اپنے اوپر مصیبت ہو تو بڑی مستقل مزاج'

Marfat.com

بڑی مضبوط بڑی صابر۔ بھول کر بھی زبان پر نہ لائیں اور دوسرے کی آنکھوں دکھتی سن پائیں تو پھڑک انھیں' بے تاب ہو جائیں۔

حسن آرا: تم تو میم صاحب کی حد سے زیادہ تعریف کرتی ہو۔ لوگ تو انگریزوں کو عموماً برا سمجھتے ہیں۔

حلیمہ: ان کو انگریزوں سے سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ ہمارا بھی یہی حال تھا۔ ڈرتے ڈرتے ہم لوگوں نے میم صاحب سے ملاقات کی اور بہت دنوں تک دل میں کھٹکتے رہے۔ معاملہ پڑا تو جانا۔

حسن آرا: نیک ہیں تو باہر کیوں نکلتی ہیں؟

استانی جی: اپنی رسم' اپنا دستور۔ پردے کا دستور مسلمانوں میں ہے۔ اب ہندو بھی مسلمانوں کی دیکھا دیکھی عورتوں کو پردے میں چھپانے لگے ہیں۔ ورنہ روئے زمین پر اور کسی قوم میں پردے کا رواج نہیں۔

## علم تاریخ کا تذکرہ اور آدمیوں کی مختلف رسمیں

حسن آرا: آدمی میں ذات رواج کا مختلف ہونا بڑی حیرت کی بات ہے۔

استانی جی: ایک رواج کا اختلاف؟ اجی صورتیں' قد و قامت' لباس' وضع' بولی' راہ و رسم میں بھی تو اختلاف ہے۔ دنیا میں کوئی دو ہزار تو بولیاں ہیں۔ راہ و رسم کے اختلاف کا تو یہ حال ہے کہ سرحد چین پر اب تک یہ دستور ہے کہ جتنے سگے بھائی ہوں' سب کی بی بی ایک۔ اسی واسطے ان لوگوں میں نسب ماں کی طرف سے لیا جاتا ہے۔ جزیرہ انڈمان' میں جس کو کالا پانی کہتے ہیں' مرد' عورت سب مادر زاد برہنہ پھرتے ہیں' سچ کہا ہے' ہر ملکے وہر رسے۔ ملکوں کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہو۔ عجب عجب دستور ہے۔ تاریخ چین میں' میں نے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ وہاں چھوٹا پاؤں بڑی خوبصورتی کی بات سمجھی جاتی ہے۔ چھٹپن میں لڑکیوں کو لوہے کی جوتی پہنا دیتے ہی تاکہ پاؤں بڑھنے نہ پائے۔ بڑے

Marfat.com

ہونے پر چھوٹے پاؤں بدن کا بوجھ نہیں سہار سکتے اور چلنے میں عورتیں گر پڑتی ہیں۔ وہ اس کو داخل نزاکت سمجھتے ہیں۔ چپٹی ناک کی بڑی تعریف ہے۔ بڑی بڑی حکمتوں سے ناک کے بانسے کو دباتے ہیں۔ مرہٹے بیوہ عورتوں کا سر منڈوا دیتے ہیں۔ راجپوت لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے ہیں۔ عرب کی عورتیں کئی کئی نکاح کرتی ہیں۔

حسن آرا: آخر اس اختلاف کا سبب کیا ہے؟ شروع میں تو سب ایک آدم کی اولاد ہیں۔

استانی جی: آدم کی اولاد جب بہت بڑھ گئی تو ایک جگہ نہیں رہ سکتی تھی۔ دس ہزار بیس ہزار کے غول اطراف و جوانب میں جا بسے اور وطن اصلی سے کچھ تعلق نہ رہا۔ شدہ شدہ اختلاف اس درجے کو پہنچا کہ گویا دو ملک کے لوگ ایک آدم کی نسل سے نہیں ہیں۔

## اجرامِ فلکی اور علم ہیئت کے اصول سرسری طور پر اور تھوڑا سا چاند گہن اور سورج گہن کا بیان

حسن آرا: کچھ خدا کی قدرت میں عقل کام نہیں کرتی۔ کتنی بڑی زمین بنا دی ہے! کتنے آدمی بسا دیئے ہیں!

استانی جی: خدا کی قدرت کے آگے تو زمین نہایت چھوٹی ہے۔ اس قادر مطلق نے تو ایسے عالم بے شمار پیدا کر دیئے ہیں کہ ان کے مقابلے میں زمین کی کچھ بھی حقیقت نہیں

حسن آرا: وہ کون؟ عالم عاقبت؟

استانی جی: عاقبت نہیں، یہ ستارے جو تم آسمان میں دیکھتی ہو۔

حسن آرا: یہ زمین سے بڑے ہیں؟

استانی جی: بہت بڑے ہیں۔

حسن آرا: بہت تعجب کی بات ہے! سچ مچ میں کچھ اندھی تو نہیں ہو گئی؟

استانی جی: خدا نہ کرے۔

Marfat.com

حسن آرا: یہ ستارے جو آسمان میں ٹمٹماتے ہیں' ان کو آپ زمین سے بڑا فرماتی ہیں؟ مجھ کو تو ناخن سے بھی چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔

استانی جی: تم اکیلی کو کیا سبھی کو چھوٹے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر واقع بہت بڑے ہیں۔ آنکھ کا قاعدہ ہے کہ دور کی چیز کو چھوٹا دیکھتی ہے۔ اس نقص کے رفع کرنے کو عقلمندوں نے دوربین ایجاد کی ہے۔ وہ بھی ایک قسم کا شیشہ ہے۔ مگر دور کی چیز اس کے ذریعے سے بڑی نظر آتی ہے۔ جن کتابوں میں چاند' سورج اور ستاروں کا بیان ہوتا ہے' وہ علم ہیئت کی کتابیں کہلاتی ہیں۔ مجھ کو خوب یاد ہے جب میرے والد صاحب نے اپنا تصنیف کیا ہوا رسالہ ''سیر آسمان'' مجھ کو پڑھایا تو بات بات پر تم سے زیادہ تعجب مجھ کو ہوتا تھا۔ بلکہ میں نے اپنے والد صاحب سے عرض بھی کیا کہ یہ باتیں مجھی کو عجب معلوم ہوتی ہیں یا فی الواقع عجیب ہیں' تو جناب والد صاحب نے فرمایا کہ انسان ناقص العقل جو کچھ زمین پر دیکھتا ہے' اپنی کم فہمی کی وجہ سے جانتا ہے کہ خدا کی قدرت اسی میں مضمر ہے اور اس کی کاریگری کے اسرار و کرشمے یہی ہیں اور خدائی کارخانے سب اس کے سمجھ لئے ہیں۔ انسان کا حال گولر کے بھنگے کا سا ہے۔ وہ اسی کے اندر پیدا ہوا اور اسی کو جہان خیال کرتا ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ دنیا کی پیدائش سے لے کر اب تک جو کچھ انسان نے جانا اور سمجھا ہے' وہ خداوند عالم کے کارخانہ قدرت میں ایسا ہے جیسے سمندر کے آگے ایک ننھی سی بوند' بلکہ اس سے بھی کم۔

حسن آرا: اچھا' پھر استانی جی' کیا سچ مچ زمین سورج سے چھوٹی ہے؟

استانی جی: ہاں ہاں' چھوٹی بھی کیسی چھوٹی' جیسے بڑے مٹکے کے آگے مٹر کا دانہ۔

حسن آرا: بھلا آفتاب ہم سے کتنا دور ہوگا؟

استانی جی: پونے پانچ کروڑ کوس۔

حسن آرا: پونے پانچ کروڑ کوس؟ اے ہے! کچھ سمجھ میں نہیں آتا!

استانی جی: میں آفتاب کی دوری تم کو دوسری طرح سمجھاؤں۔ توپ کا گولا کتنا تیز

Marfat.com

چلتا ہے؟ تمہارے ذہن میں اس کی رفتار کا کچھ اندازہ ہے؟

حسن آرا: کوئی ریل سے دونا؟

استانی جی: نہیں۔ ایک منٹ میں ڈیڑھ میل۔ یعنی گھنٹے میں کوئی سو میل اور ریل کو تو گھنٹے میں تیس میل سے زیادہ چلتے ہوئے نہیں سنا۔ شاید انگریزوں کی ولایت میں کچھ زیادہ تیز ہوگی۔

حسن آرا: گھنٹے کا حساب مجھ کو محمودہ بیگم نے بتایا تو تھا' یہ خیال سے اتر گیا۔ اچھی استانی جی' ذرا آپ بتا دیجئے۔

استانی جی: دن رات کے چوبیس گھنٹے اور گھنٹے کا ساٹھواں حصہ منٹ۔

حسن آرا: ہاں تو گولا ایک منٹ میں ڈیڑھ میل جاتا ہے۔

(پھر سوچ کر) ایک منٹ میں ڈیڑھ میل۔

استانی جی: ہاں' ایک لاکھ توپ چھوڑ دی جائے تو ۱۹ برس میں گولا آفتاب پر پہنچے۔

حسن آرا: اے ہے! خدا کی پناہ! کیا ٹھکانا ہے؟

حسن آرا: چاند زمین سے کتنا بڑا ہے؟

استانی جی: چاند بڑا نہیں' چھوٹا ہے۔

حسن آرا: تو کچھ پاس بھی ہوگا؟

استانی جی: ہاں' ایک لاکھ بیس ہزار کوس دور۔

حسن آرا: اچھی استانی جی' یہ نور کے اتنے بڑے بڑے گولے اللہ میاں نے اسی واسطے بنائے ہوں گے کہ زمین پر ان کی روشنی پہنچے۔

استانی جی: آفتاب تو اپنی ذات سے روشن ہے' مگر چاند کا یہ حال نہیں۔ وہ ہماری زمین کی طرح بے نور ہے۔

حسن آرا: کیا جس طرح آنکھ ستاروں کے قد و قامت میں غلطی کرتی ہے' ان کی چمک میں بھی غلطی کرتی ہے؟

Marfat.com

استانی جی: چمک دار تو سب ستارے ہیں' لیکن جو ستارے اپنی ذاتی چمک نہیں رکھتے' آفتاب کی شعاع جس طرح زمین پر پڑتی ہے' اسی طرح وہ ستارے بھی آفتاب کی دھوپ پڑنے سے ہم کو چمکدار نظر آتے ہیں۔

حسن آرا: آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعض ستارے بے نور ہیں' جیسے چاند' اور بعض مثل آفتاب اپنی ذات سے روشن۔

استانی جی: تم نے ٹھیک سمجھا۔ یہی حال ہے۔

حسن آرا: مگر آفتاب کے برابر تو کسی میں چمک نہیں۔

استانی جی: آفتاب تو پاس ہے' ستارے اس قدر دور ہیں کہ بیان نہیں ہوسکتا۔

حسن آرا: بھلا جو ستارے اپنی ذات سے روشن نہیں ہیں' کیا آفتاب کی شعاع ان پر ہر وقت رہتی ہے۔

استانی جی: زمین پر بھی ہر وقت رہتی ہے۔

حسن آرا: استانی جی' رات کے وقت جب آفتاب غروب ہو جاتا ہے تو دھوپ کہیں بھی نہیں ہوتی۔

استانی جی: زمین گول ہے۔ جس طرف سے آفتاب کے سامنے ہوئی' وہاں دن اور دوسری طرف اندھیرا' جس کو رات کہتے ہیں۔ اسی طرح ستاروں کی بھی ایک نہ ایک طرف آفتاب کے سامنے رہتی ہے۔

حسن آرا: زمین تو بے دھوپ کے بھی نظر آتی ہے مگر تارے جتنے ہیں' چمکتے ہوئے ہی نظر آتے ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے؟

استانی جی: اس کا سبب ہے' دور ہونا۔ ستارے اتنی دور ہیں کہ صرف روشنی کے سہارے ہم کو ٹمٹماتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ورنہ کیا امید ان کے نظر آنے کی ہے۔

حسن آرا: تارے دن کو کیوں نہیں دکھائی دیتے؟

استانی جی: خود آفتاب کی دہکتی ہوئی شعاعیں ہم پر ہوتی ہیں۔ تاروں کی مدھم

Marfat.com

چمک نظر نہیں آتی۔ جیسے دن کو چراغ کا نور پھیکا پھیکا ہو جاتا ہے۔

حسن آرا: یہ آپ نے فرمایا کہ زمین کے ایک طرف اجالا اور دوسری طرف اندھیرا رہتا ہے۔ بات تو ٹھیک ہے۔ گول چیز کی روشنی کے سامنے رکھیں گے تو سامنے والی طرف اجالا ہوگا' اور دوسری طرف تاریکی۔ مگر چاہئے تھا کہ زمین پر جہاں دن تھا' سدا دن رہتا اور جہاں رات تھی' سدا رات۔

استانی جی: کشش جانتی ہو؟ (حسن آرا نے تامل کیا)

محمودہ: ایں' بھول گئیں؟ وہ کشش جس کے اثر سے چیزیں زمین پر گرتی ہیں۔

حسن آرا: ہاں ہاں' جانتی ہوں۔ پھر؟

استانی جی: یہ کشش صرف زمین میں نہیں ہے۔ ہر ایک چیز ایک دوسری کو کھینچ رہی ہے۔ زمین' چاند سورج' ستارے' سب ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں۔ اس کھینچا تانی کا آخر یہ اثر ہوا کہ زمین ملا کر گیا۔ سیارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں۔

حسن آرا: زمین بھی ایک سیارہ ہے؟

استانی جی: بے شک۔

حسن آرا: اچھا' زمین آفتاب کے گرد گھومتی سہی' مگر اس سے دن رات کا ادل بدل تو لازم نہیں آتا۔

استانی جی: سہی کیا معنی' یوں کہو' گھومتی ہے۔ اور دن رات کا ادل بدل یوں ہے کہ زمین اپنے اوپر بھی پلٹے کھاتی جاتی ہے۔ ایک پلٹے کا نام رات دن ہے اور آفتاب کے گرد ایک چکر کا نام برس۔ حساب سے یہ نکلا کہ ایک گھنٹے میں اٹھاون ہزار میل زمین اپنے چکر میں چلی جاتی ہے۔ اور جس طرح ریل ناؤ کے بیٹھنے والوں کو ریل اور ناؤ کی حرکت معلوم نہیں ہوتی' ہم لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ زمین کہاں جا رہی ہے۔

حسن آرا: صرف گیارہ ستارے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں؟ اور باقی؟

استانی جی: باقی ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اور کون جانے شاید ان ٹھہرے ہوئے

Marfat.com

سیاروں میں ایک ایک بجائے خود آفتاب ہو۔ اس کے گرد اگرد اور سیارے گھومتے ہوں اور جو ہم کو نظر نہیں آتے۔

حسن آرا: ایسا نہ ہو' گھومتے گھومتے یہ گولے ایک دوسرے سے ٹکرا اٹھیں۔ اچھی استانی جی' تب کیا ہوگا؟

استانی جی: عجب نہیں کہ قیامت اسی طرح آئے۔ بلکہ آفتاب کے گرد گھومنے والے چار سیارے انگریزوں نے نئے دیکھے ہیں۔ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں کہ وہ چاروں کبھی ایک تھے۔ نہیں معلوم کب اور کیوں ٹوٹ کر چار بن گئے۔

حسن آرا: ان سیاروں سے کچھ چنداں روشنی تو ہم کو پہنچتی نہیں۔ بھلا آفتاب' ماہتاب تو قدرتی مشعلیں ہیں۔ یہ سیارے اللہ میاں نے کیوں بنائے ہیں۔

استانی جی: تمہیں اللہ میاں نے کیوں بنایا ہے؟ اپنی قدرت کے بھید وہ خوب جانتا ہے۔ جس طرح زمین ایک جہان ہے' ہر ہر سیارہ بجائے خود ایک جہان ہے۔ شاید ان میں ہم جیسے انسان بستے ہوں۔

حسن آرا: یہ صرف آپ قیاس فرماتی ہیں یا سیاروں میں آدمیوں کا رہنا تحقیق ہوا ہے؟

استانی جی: قیاسی بات ہے۔ لیکن قیاس معقول ہے۔ کچھ نامعقول نہیں۔ بعض سیاروں میں پہاڑ' سمندر' بادل' ہوا یہ چیزیں تحقیق ہوئی ہیں۔ پس کیا عجب ہے کہ آدمی بھی ہوں۔ چاند میں جو ایک دھبا سا دکھائی دیتا ہے' جانتی ہو کیا ہے؟

حسن آرا: میں نے سنا ہے کہ کوئی بڑھیا چاند میں بیٹھی چرخہ کاتا کرتی ہے۔ (سب ہنسنے لگے)

استانی جی: یہ پہاڑوں کی بڑھیا ہے۔

حسن آرا: جتنی باتیں آپ نے فرمائیں' سب میرے دل نے قبول کیں۔ علم ہئیت بڑی دلچسپ چیز ہے اور میں وہ رسالہ ''سیر آسمان'' ضرور پڑھوں گی۔

Marfat.com

رابعہ نے آہستگی سے حسن آرا کے کان میں کہا کہ چاند اور سورج کو کبھی گرہن لگتا ہے اس کا سبب بھی استانی جی سے پوچھ لو۔

حسن آرا: پوچھنے کی ضرورت ہے؟ تمام دنیا اس کا سبب جانتی ہے کہ یہ ایک قسم کا عذاب الٰہی ہے۔

رابعہ: ہاں' لوگ کہتے ہیں۔ مگر شاید پوچھنے سے کوئی ٹھیک بات دریافت ہو۔

حسن آرا: میں تو ایسی موٹی بات پوچھ کر خفیف ہونا نہیں چاہتی۔

استانی نے ان دونوں کی سرگوشی سن کر پوچھا ''کیا ہے؟''

حسن آرا: جناب' کچھ بھی نہیں۔ رابعہ چاند گرہن اور سورج گرہن کا سبب دریافت کرتی تھیں۔ سو میں نے بتا دیا۔

استانی جی: کیا؟

حسن آرا: عذاب الٰہی۔

استانی جی: عذاب الٰہی بلکہ خدا کی قدرت اور اس کا جلال۔

حسن آرا: کچھ خوب سمجھ میں نہیں آیا۔

استانی جی: میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ زمین اور چاند اپنی ذات سے نورانی نہیں۔ زمین گھومتی گھماتی جب سورج اور چاند کے بیچ میں آ پڑے گی تو چاند گرہن ہوگا اور جب چاند سورج اور زمین کے درمیان حائل ہوگا تو سورج گرہن۔ مگر یہ باتیں بہت مشکل ہیں اور ابھی تم کو ان کا سمجھنا دشوار ہے۔ ان شاء اللہ جب تم رسالہ ''سیر آسمان'' کے پڑھنے کی لیاقت حاصل کرو گی تو میری باتیں بخوبی تمہارے ذہن نشین ہو جائیں گی۔

## حسن آرا کا مکتب سے رخصت ہونا

ہم شروع کتاب میں لکھ چکے ہیں کہ حسن آرا مکتب میں بیٹھی تو گیارہویں برس میں تھی۔ جب اس کو خیر سے چودھواں برس لگا تو جھجھر والوں کی طرف سے بیاہ کا تقاضا شروع ہوا۔ اس عرصے میں حسن آرا نے سارا قرآن مجید پڑھا' اور چونکہ دو سیپارے روز تلاوت کا معمول تھا' ایسا یاد تھا کہ گویا حفظ ہے۔ اردو بے تکان' بے تکلف' لکھتی

Marfat.com

پڑھتی تھی۔ سواد خط بھی کچھ برا نہ تھا۔ قرآن کا ترجمہ اور کنزالمصلےٰ قیامت نامہ' راہ نجات' وفات نامہ' قصہ شاہ روم' قصہ سپاہی زادہ' معجزہ شاہ یمن' رسالہ مولود شریف' شہید مشتاق الانوار' اتنی تو مذہبی کتابیں اس کی نظر سے گزر گئیں اور ان کے علاوہ حساب کے ضروری قاعدے کسر تک' اور ہندوستان کا جغرافیہ' ہندوستان کی تاریخ چند پند' منتخب الحکایات' مراۃ العروس' سب کچھ کچھ سیکھ پڑھ کر فارغ ہوگئی۔ اردو کے اخبار بے تامل پڑھ کر سمجھ لیا کرتی تھی اور لکھنے پڑھنے کے علاوہ خانہ داری کے جو ہنر عورتوں کو درکار ہیں' سب اس نے حاصل کئے اور معلومات مفید کا اتنا ذخیرہ اس نے جمع کرلیا کہ وہ اس کو تمام عمر کی آسائش اور مسرت کے لئے کافی تھا۔ کتاب کے ذریعے سے جو کچھ اس نے سیکھا اس کا ہزار چند استانی اصغری خانم اور مکتب کی لڑکیوں سے باتوں باتوں میں حاصل کیا۔ جب اس کے بیاہ کی تاریخ قریب پہنچی تو ہر چند گھر والوں نے اس کو مکتب جانے سے روکا مگر اس کو شوق تھا۔ حسب دستور مکتب آتی رہتی یہاں تک کہ مائیوں بیٹھنے میں صرف تین دن باقی رہ گئے' تب ناچار سلطانہ بیگم خود استانی جی اصغری خانم کے پاس گئیں۔ سلام و دعا اور مزاج پرسی کے بعد سلطانہ بیگم بولیں استانی جی' تم میں ایسا پڑا تھا کہ روز کہتی تھی' آج جاؤں۔ لیکن تمہاری اس لونڈی کے بیاہ کرنے کی فکر میں ایک دم چھٹی نہیں ملتی۔ سیتی میں نہیں' پروتی میں نہیں' مگر کام ہے کہ سمٹنے میں نہیں آتا۔ آخر میں آج زبردستی نکل کھڑی ہوئی۔ سو کام کاج کا حرج کیا اور میں نے کہا کہ چلو ذرا کھڑے کھڑے استانی جی سے تو مل آؤں۔

استانی جی: درست ہے۔ یہی تو کام کاج کا وقت ہے۔ آپ نے ناحق تکلیف کی مجھی کو بلا بھیجا ہوتا۔ میں بھی دن رات آپ کے کام میں لگی لپٹی رہتی ہوں۔ جوڑے جو میں نے سینے اور مسالا ٹانکنے کو آپ سے منگوائے تھے' سب تیار ہیں۔ پہلے تو میرا جی ڈرتا تھا کہ جوڑے ماشاء اللہ بہت بھاری ہیں اور خدا کے فضل سے امیر گھر جانے والے ہیں۔ ایسا نہ ہو یہ لڑکیاں کہیں بگاڑ دیں۔ مگر نہیں۔ حسن آرا کی محبت سے لڑکیوں نے خوب جی لگا کر سیا اور مسالا بھی بہت ہی صفائی سے ٹانکا۔ اس جوڑی گلبدن کے پائجامے میں جو میں نے پرسوں سلوا کر بھیجا ہے' ذرا کلیوں کا گوکھرو کچھ زیادہ کیا ہے۔

Marfat.com

بہتیرا شہر بانو کہتی رہی کہ استانی جی' لاؤ' ادھیڑ کر پھر ٹانک دوں' میں نے کہا' خیر' رہنے بھی دو۔ ادھیڑ سے گو کھر وخراب ہو جائے گا۔ آئندہ اس کا خیال رکھنا۔

سلطانہ بیگم: وہ جوڑا میں نے اپنے یہاں کی مغلانیوں کو دکھایا تھا۔ پھڑک گئیں اور کہنے لگیں کہ پھر کہاں مردوں کی چٹکی اور کہاں عورتوں کی۔ میں بولی' اری' مردوں کا یہاں کیا مذکور۔

مغلانیاں: اے حضور' یہ جوڑا میاں علی جان کے کارخانے کا ٹنکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے ٹانکا ایسا درست بیٹھتا چلا گیا۔ تو لونڈیوں کے عرض کرنے کا یہ مطلب کہ عورتوں کا کام کیسا ہی پھل کیوں نہ ہو' مردوں کے کام کو نہیں پا سکتا۔

میں: کہاں کے علی جان اور کیسے مرد۔ یہ جوڑا تو میری استانی جی کے مکتب کی لڑکیوں نے سیا اور انہی نے اس میں مسالا ٹانکا ہے۔ یہ سن کر مغلانیاں بار بار جوڑے کو کھول کھول کر بغور دیکھتی تھیں۔ بولیں' حضور فرماتی ہیں تو ہم کو یقین ہے۔ لیکن عورتوں کے ہاتھ میں یہ صفائی اور ستھرائی ہم نے تو نہیں دیکھا۔

استانی جی: خیر' اور جوڑوں کی سلائی مجھ کو بھی پسند ہے۔ پھر آپ نے حسن آرا بیگم کے تمام جوڑے بھیج دیئے ہوتے۔ لڑکیاں تو خوشی خوشی سی دیتیں۔

سلطانہ بیگم: اور یہ سارا جہیز کس نے ٹانکا؟ مغلانیوں سے تو میں نے صرف موٹا کام لیا۔ چاندنیاں ہوئیں' گٹھڑیاں ہوئیں' دسترخوان ہوئے' سوزنیاں ہوئیں' موباف' غلاف' تکیے' توشک' لحاف' اس طرح کی چیزیں البتہ مغلانیوں نے سی ہیں۔ یا ہاں' شب خوابی کے کپڑے' باقی پہننے کے کپڑے اکثر تو مکتب میں اور کچھ تھوڑے باجی اماں کے یہاں سے پروئے گئے۔

استانی جی: الٰہی' خیر حسن آرا بیگم کو نصیب ہوں اور ہزاروں گھس پس کر پرانے ہوں۔

سلطانہ بیگم: (ٹھنڈی سانس بھر کر) ہاں استانی جی' دعا کیجئے۔ اللہ نصیب اچھے کرے۔ بیٹیوں کا بھی کچھ عجب نازک معاملہ ہے۔ کن کن مصیبتوں سے پالو' پرورش کرو اور پھر دھن پرایا۔ کیا کروں' کچھ بن نہیں پڑتی ورنہ میں حسنا کو اپنی نظروں سے دور نہ

Marfat.com

ہونے دیتی۔ شہر میں ایک سمدھیانا کر کے وہ وہ آفتیں اٹھائیں کہ میں نے آگے کو توبہ کی اور کان سیت لیے' ورنہ حکیم صاحب بے چارے کا کچھ قصور نہیں۔ کیسی کیسی باتیں حسنا کے واسطے منگوائیں۔ ایک سے ایک بڑی چڑھی۔ میں نے کہا' حاشا! ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے گی' میں اب بیٹی نہ دوں گی۔ کالا منہ ایسے شہر کا جس میں یہ کچھ رسوائی اور فضیحت ہے۔ سو استانی جی' اب دیہات والوں سے معاملہ کیا ہے۔ خدا کے ہاتھ میں شرم ہے۔

استانی جی: حسن آرا بیگم سے آپ مطمئن رہئے۔ اول تو جھجھر والے خود بڑے رئیس ہیں' دوسرے خاک چاٹ کر کہتی ہوں' آپ ان شاء اللہ دیکھ لیجئے گا کہ بیاہ کے دوسرے تیسرے ہی مہینے حسن آرا بیگم تمام ریاست کے سیاہ وسفید کی مالک نہ بن بیٹھیں' تو مجھ کو الاہنا دیجئے گا۔ کیا آپ کو حسن آرا کے مزاج میں کچھ فرق نہیں معلوم ہوتا؟

سلطانہ بیگم: فرق تو آپ کی عنایت سے زمین آسمان کا ہے۔ آپ کے فیضان تعلیم نے خاک کو اکسیر' تانبے کو کندن' ذرے کو خورشید' پوتھ کو لعل سفید' حیوان کو آدم اور حسنا کو ماشاء اللہ حسن آرا بیگم بنا دیا۔ اس کی خوبی تقدیر کی یہی ایک بڑی نشانی ہے کہ وہ شاگرد اور آپ جیسی اس کی 'ستانی ہے۔ یہ ایسا احسان آپ نے سب گھر والوں پر کیا ہے کہ جب تک جئیں گے' آپ کے مرہون منت رہیں گے۔ مگر جب سے حسنا نے بیاہ کی تیاری ہوتے دیکھی ہے' کچھ سہم سی گئی ہے۔ یونہی گھر میں اس کا جی نہیں لگتا تھا' اور بھی دل اچاٹ ہو گیا۔ ارادہ تھا کہ پورے مہینے بھر مائیوں بٹھاؤں گی۔ اس کی حالت دیکھ کر میں نے کہا مائیوں سے بدتر یہ خود ہوتی جاتی ہے۔ رنگت زرد ہو گئی ہے۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں۔ چہرہ دیکھو' اداس۔ صورت دیکھو' غمگین۔ میں کہتی ہوں اس کو اتنی عمر میں فکر کیوں ہے؟ اس عمر میں تو لڑکیوں کو دلہن بننے کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔

استانی جی: حسن آرا بیگم اور لڑکیوں کی طرح نادان نہیں ہیں۔ ماشاء اللہ بڑی فہمیدہ اور زیرک لڑکی ہے۔ یہی' گھر چھوڑنے کا خیال ہو گا۔

سلطانہ بیگم: گھر کی تو اس کو مطلق پروا نہیں۔ البتہ مکتب اس کی جان ہے۔ دیکھیے' کیوں کر بچی کا دل بہلے گا۔

استانی جی: میں سمجھا دوں گی۔ اور یوں آدمی اپنے پیاروں سے جدا ہوتا ہے تو رنج

Marfat.com

ہوتا ہی ہے۔

سلطانہ بیگم: اترسوں خیر سے پچیسویں تاریخ اور جمعے کا دن ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو حسنا کو مائیوں بٹھایا جائے۔ کنبے والے پچھوا پچھوا بھیجتے ہیں کہ اب تک لڑکی کو مائیوں نہیں بٹھایا۔

استانی جی: خدا مبارک کرے۔ تاریخ بھی اچھی' دن بھی اچھا اور حسن آرا بیگم کو مائیوں بٹھانے کی ضرورت تو کچھ نہ تھی' مگر خیر' دنیا کی رسم ہے۔

سلطانہ بیگم: پھر آپ فرمائیں تو حسنا گھر سے نکلے۔ میں تو کئی دن سے کہہ رہی ہوں۔ منہ سے کچھ نہیں کہتی۔ آنکھ بچی اور مکتب میں۔

استانی جی: کل اور معاف کیجئے۔ پرسوں ان شاءاللہ میں حسن آرا بیگم کو مکتب سے رخصت کر دوں گی۔ لڑکیوں کی خواہش ہے کہ کل دونوں وقت مکتب کی طرف سے حسن آرا بیگم کی دعوت ہو۔ رت جگا کریں۔ پرسوں سویرے ذرا آپ بھی جمال آرا بیگم کو ساتھ لے کر تشریف لائیے گا۔ اور لڑکیوں کی ماں بہنیں بھی آئیں گی۔

اس کے بعد سلطانہ بیگم تو رخصت ہوئیں۔ اگلے دن بڑے تکلف سے' بڑی دھوم دھام کے ساتھ حسن آرا بیگم کی دعوت ہوئی۔ مکتب کی لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں وہ وہ کھانے پکائے کہ کیا کوئی رکابدار پکائے گا۔ رات کو رت جگا ہوا۔ حسن آرا کے سہاگ کے مائیوں کے گیت گائے گئے۔ اور لڑکیوں نے یہ صلاح کی کہ مکتب کی طرف سے چڑھاوے کا جوڑا تو خیر دیا ہی جاوے گا' مانجھے کا جوڑا بھی مکتب ہی کا ہو۔ اور حسن آرا بیگم وہی جوڑا پہن کر مکتب سے رخصت ہوں۔ صبح سویرے اٹھ' نماز اور تلاوت سے فارغ ہو مکتب میں جھاڑ دلوا' سلیقے کے ساتھ دالان میں صاف اور ستھرا فرش بچھوا دیا۔ اتنے میں مہمانوں سے بھر گیا۔ لڑکیوں کی ماں بہنوں میں تو کوئی ایسی نہ تھی کہ نہ آئی ہو۔ محلے کی ساری بیویاں بے بلائے سیر دیکھنے کو آ موجود ہوئیں اور اچھی خاصی شادی رچ گئی۔ جب سب لوگ بیٹھ بٹھا چکے تو اندر کوٹھڑی سے لڑکیاں حسن آرا بیگم کو مانجھے کا جوڑا پہنا کر باہر لائیں اور استانی جی کے عین سامنے لا بٹھایا۔ تب استانی جی نے حسن آرا کی طرف مخاطب ہو کر یہ تقریر کی:

Marfat.com

بواحسن آرا بیگم' آج میں تم کو اپنی اور اپنے مکتب کی لڑکیوں کی طرف سے رخصت کرتی ہوں۔ آج استانی شاگردی اور ہم مکتبی کا' سب خاتمہ ہوگیا۔ (یہ سن کر سارے مہمانوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپک پڑے اور استانی جی کا دل بھی اس قدر بھر آیا کہ گو ضبط کرتی تھیں مگر آواز سے رقت ظاہر ہوتی تھی) مگر محبت' اخلاص ان شاء اللہ جب تک دم میں دم ہے' باقی رہے گا۔ حسن آرا بیگم' میں تم کو مثل اپنی بتول اور محمودہ کے چاہتی ہوں اور پیار کرتی تھی اور کرتی ہوں۔ اور جب تک دنیا میں ہوں' خدا نے چاہا' کروں گی۔ مگر استادی شاگردی کا ایسا ناتا ہے کہ مجھ کو اس محبت کا برتاؤ رکاوٹ کے ساتھ کرنا پڑتا تھا۔ کبھی کبھی میں نے تمہاری غلطیوں پر متنبہ کیا ہوگا' بلکہ شاید کسی بے جا بات پر ملامت بھی کی ہو۔ سو وہ تنبیہ اور ملامت تمہارے فائدے' تمہاری اصلاح اور تمہاری بہتری کے واسطے تھی۔ جب دو آدمی دنیا میں کسی طرح کا تعلق رکھتے ہیں' چاہے وہ تعلق ہمسائیگی اور ہم وطنی اور انسانیت کا کیوں نہ ہو' بہت سے حقوق ایک دوسرے پر ہوتے ہیں۔ جو تعلق مجھ کو تمہارے ساتھ تھا' میں کہہ چکی ہوں کہ تعلق مادری و فرزندی کے قریب قریب تھا۔ ہر چند میں تمہارے حقوق ادا کرنے میں اپنے مقدور بھر کوشش کرتی رہی ہوں لیکن ممکن ہے کہ مجھ سے تمہارے کسی حق ادا کرنے میں کچھ فروگزاشت ہوئی ہو۔ سو آج میں اس بھرے مجمع میں تم سے بمنت اس کی معافی چاہتی ہوں۔ اس واسطے کہ میں بھی آدمی ہوں اور آدمی کو یہ کبھی غرور نہیں کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے فرائض انسانیت کو پورا پورا ادا کیا ہے۔ (ہر طرف سے واہ وا! سبحان اللہ! کا شور ہوا مگر اس کے ساتھ رقت بھی تھی): بواحسن آرا بیگم' انسان کا خمیر انس سے ہے۔ دو چار دفعہ کی صاحب سلامت سے آدمی کو آدمی کی محبت پڑ جاتی ہے۔ اور تم سے تو تین برس کامل اس درجہ کا اختلاط رہا کہ رات دن پاس رہنے کا اتفاق ہوا۔ بس آج میں تم کو اسی صدمے اور اسی رنج کے ساتھ رخصت کرتی ہوں جس طرح بتول اور محمودہ کو کروں گی' اگر خدا کو منظور ہے۔ (سب لوگ جتنے اس وقت موجود تھے' پکار کر روئے)۔

استانی جی: (تھوڑی دیر ضبط کرنے کے بعد) بواحسن آرا بیگم' میں جدائی اور رخصت کے مضمون کو بار بار کہنا نہیں چاہتی۔ اس واسطے کہ اس سے تم کو اور سب سننے

Marfat.com

والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ مگر غور کرو تو تمہارا رخصت ہونا کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ دنیا جہان کی بیٹیوں کا دستور ہے کہ بیاہ ہوا اور ماں باپ سے جدا ہوئیں اور مجھ کو بھی اپنی ماں سے کبھی ایسا ہی تعلق تھا جیسا کہ اب تم کو بیگم صاحبہ سے یا مجھ سے ہے۔ تمہاری طرح میں بھی ایک آپا رکھتی تھی۔ تمہاری جیسی سہیلیاں میری بھی تھیں۔ مگر آخر سسرال کی نئی دنیا میں آ کر بی' اور کیا میں اکیلی بسی؟ مجھ ایسی ہزاروں لاکھوں۔ تم کو شاید شہر کے باہر بیاہے جانے کا خیال ہوتا ہوگا۔ سو جھجھر کچھ دور نہیں ہے۔ باہر شہر کے ہے' مگر تمہارے واسطے نہیں' جن کے لئے ماشاء اللہ ہر طرح کی سواری موجود ہے۔ اگر آنا ہو تو پہر نہیں' سوا پہر۔ بوا حسن آرا بیگم' میکے کے تعلقات یاد رکھو کہ رفتہ رفتہ خود بخود ضعیف ہو جاتے ہیں۔ پس کیا دل کو اتنا سمجھا لینا کچھ بڑا کام ہے کہ پہلے سے ادھر کے تعلقات کو ضعیف فرض کر لیا جائے؟ حسن آرا بیگم' حالت میں جو انقلاب عظیم ہونے والا ہے' مجھ کو امید ہے کہ تم اس سے بے بہرہ نہیں ہو۔ اور تم کو شکر کرنا چاہئے کہ جس امتحان کے لئے تم بلائی جاتی ہو' تم کو اس کے واسطے تیاری کرنے کی اچھی خاصی فرصت اور فراغت حاصل تھی۔ جو کچھ تم نے پڑھا اور سیکھا اور سنا' اب اس امتحان میں تمہارا اصلاح کار اور مددگار ہوگا۔ جو شخص تمہاری طرح کتابوں کا ذخیرہ پاس رکھتا ہے' اگر وہ اپنے تئیں تنہا سمجھے یا وہ اپنے تئیں اپنے پیاروں سے بچھڑا ہوا خیال کرے تو یہ اس کی غلطی ہے۔ یہی کتابیں تمہاری تنہائی کی سہیلیاں ہیں' اور سہیلیاں بھی کیسی' ماں کی طرح مہربان' استانی کی طرح شفیق' مونس' غم خوار' رفیق' غم گسار' ناصح' دوستدار' خیر خواہ' وفا شعار۔ بوا حسن آرا بیگم' اب تک جو تم پڑھتی رہیں' تم کو قصہ اور کہانی معلوم ہوا ہوگا۔ لیکن وہ کہانی اب تک جگ بیتی تھی اور اب آپ بیتی ہوگی۔ جتنی کتابیں تمہارے پاس ہیں' اگرچہ تھوڑی ہیں' مگر غور کرنے اور عمل کرنے کو بہت ہیں' اور میں تمہارے ہی فائدے کی نظر سے یہ آخری نصیحت تم کو کرتی ہوں کہ تم اسی طرح التزام کے ساتھ ان کو پڑھتی اور دیکھتی رہنا جیسے مکتب کے پڑھنے کی حالت میں پڑھا اور دیکھا کرتی تھیں۔ جس روز سے تم مکتب میں داخل ہوئیں میں نے تمہارے حالات قلمبند کرنے شروع کر دیئے تھے' اور اب تک جو جو مباحثے' اور مناظرے تم میں اور لڑکیوں میں واقع ہوئے ہیں' سب کو بسلسلہ وار لکھتی چلی گئی۔ اب

Marfat.com

میں دیکھتی ہوں تو ان سے ایک اچھی خاصی کتاب بن گئی۔ میں نے اس کا نام بنات النعش رکھ دیا ہے۔ یہ وہی کتاب ہے جو میں تم کو بطور اپنی یادگار کے دیتی ہوں۔

یہ کہہ کر استانی اصغری خانم نے سرخ اطلس کے کامدار جزوان سے کتاب نکالی۔ کلابتوں کا شیرازہ' جلد جیسے سونے کا ڈلا۔ خود استانی جی کے دست خاص کی نہایت پاکیزہ و خط نستعلیق میں لکھی ہوئی کہ دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جائیں۔ لوح' بین السطور' جدول' سرآغاز' ہر جگہ طلائی کام۔

پہلے تو حاضرین مجلس میں دست بدست وہ کتاب پھری' پھر استانی جی نے بدستور جزدان میں رکھ کر حسن آرا بیگم کو دی۔ حسن آرا گھونگھٹ نکالے نکالے' سروقد کھڑی ہو' استانی جی کو بہت ادب سے سلام کر کے بیٹھ گئی۔ کتاب کی دیکھ بھال میں کوئی دو چار لمحے سلسلہ سخن منقطع رہا اور پھر استانی جی نے اپنی تقریر شروع کی:

بوا حسن آرا بیگم' اس کتاب میں تم اپنی بلکہ مکتب کی سب لڑکیوں کی ہو بہو تصویریں پاؤ گی۔ (یہ سن کر کل حاظرین جنہوں نے کتاب کو اچھی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا تھا' متعجب ہوئے) تصویر سے مراد ہے کہ تمہارے مزاج' تمہاری عادتیں' تمہاری خوبو کا اس میں ایسا بیان کامل ہے کہ جو تمہارے حالات سے واقف ہے' کتاب کے پڑھنے کے ساتھ سمجھ جائے گا کہ تمہارا تذکرہ ہے۔ یہ کتاب تم کو وہ عادتیں یاد دلائے گی جن کی اصلاح مجھ کو بڑے بڑے اہتمام کرنے پڑے ہیں۔ تم کو اس کتاب کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ گویا پھر وہی تم ہو اور تمہارا مکتب ہے۔ وہی بات بات پر ضد اور وہی بات بات پر تعجب ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے تم کو معلوم ہوگا کہ مکتب کی تعلیم نے تم پر کہاں تک اثر کیا' کون کون سی بری عادتیں تھیں کہ چھڑا دیں' کون کون سی غلط فہمی تھی کہ اس کی اصلاح کی' اور کون کون سی نیک باتیں ہیں کہ اولاً ان کی بہتری تم سے تسلیم کرا کے' پھر تم کو ان کے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ اگرچہ ظاہر میں تم آج سے اس مکتب سے جدا ہوئیں مگر میرے اور سب لڑکیوں کے دلوں سے ہمیشہ ہمیشہ تم نزدیک رہو گی اور وقتاً فوقتاً جو فائدہ تم کو اس مکتب سے پہنچنا ممکن ہے پہنچتا رہے گا۔ جو نئی کتاب ہم لوگ پائیں گے یا جو عمدہ مضمون سنیں اور دیکھیں گے' ضرور تم کو پڑھنے میں شریک کر لیا کریں گے۔

Marfat.com

بواحسن آرا بیگم' تم تو جانتی ہو کہ میں ایک غریب آدمی ہوں لیکن خدا کا شکر کرتی ہوں کہ میں اپنی حالت سے رضامند اور اپنی حیثیت میں خوش ہوں۔ کیونکر بقول ایک بزرگ کے' آسمان کو دیکھتی ہوں کہ ضرور کسی نہ کسی دن طائر روح کو قفس عنصری سے نکل کر اوج فلک پر پرواز کرنا ہے۔ پھر زمین کو دیکھتی ہوں اور پاتی ہوں کہ جب مروں گی تو صرف چند بالشت میری ہڈیوں کیلئے درکار ہوگی۔ پھر غور کرتی ہوں تو دنیا میں نہ کچھ ساتھ لائی اور نہ کچھ ساتھ لے کر جاؤں گی۔ اور ہزاروں لاکھوں خدا کے بندے ایسے ہیں کہ ان کے مقابلے میں ہر طرح اور ہر اعتبار سے میری حالت بہ مدارج بہتر ہے۔ ان خیالات نے میرے دل پر یہ اثر کیا ہے کہ دوزخ شکم بھر لینے کو کچھ دال دلیا اور تن بدن ڈھانک لینے کو کچھ موٹا جھوٹا کپڑا۔ اس کے سوائے دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس کا ہونا میں اپنے واسطے ضرور سمجھوں اور اس کے حاصل کرنے کی فکر کروں۔ پھر بھی خدا نے فضل و کرم سے مجھ کو اپنی ضرورت سے زیادہ اور حاجت سے بڑھ کر بہت کچھ دے رکھا ہے۔ کچھ تھوڑا سا بانقاضائے محبت' اس میں سے اور کچھ مکتب سے لے کر میں نے دوسو روپے کا ایک جوڑا تمہارے لئے بنایا ہے۔ مکتب کی رقم تم جانتی ہو کہ میں اس کی مالک نہیں ہوں' لڑکیوں کی چیز ہے' جن کے کاموں کے دام سے یہ رقم فراہم کی جاتی ہے۔ پس یہ جوڑا خلعت مکتبی ہے جو میں تم کو نہایت خوشی سے دیتی ہوں۔ خدا تم کو اس کا پہننا مبارک کرے۔ تمہارے جہیز میں اس سے کہیں زیادہ قیمت کے جوڑے ہوں گے۔ مگر جب دیکھو گی کہ کس چاؤ اور کس شوق سے' کس محبت سے ہم چند غریب آدمیوں نے مل کر جوڑا بنایا ہے' تو ہم سب کو امید ہے کہ تمہارے قیمتی اور عمدہ اور نفیس جہیز میں اس کا شامل کیا جانا کچھ بدنما نہ ہوگا (یہ سن کر حسن آرا نے پھر اسی حالت میں اٹھ کر سلام کیا)۔

حسن آرا بیگم' اب دن زیادہ چڑھ گیا ہے اور لوگوں کے کھانے پکانے کا وقت ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ زیادہ دیر تک تم سب کو باتوں میں لگائے رکھوں۔ مگر صرف ایک بات مجھ کو اور کہہ لینے دو کہ اگر اس کو نہ کہوں گی تو گویا تمہارا فرض رخصت ہمارے ذمے رہ جائے گا۔ دنیا ہمارا میکا ہے اور عاقبت بجائے سسرال کے ہے۔ کوئی لڑکی سدا میکے نہیں رہتی۔ اوپر سویرا ایک نہ ایک دن اس کو سسرال جانا ضرور ہوگا۔ اسی طرح کوئی شخص

Marfat.com

ہمیشہ دنیا میں نہیں رہے گا۔ سدا رہے نام اللہ کا۔ جس لڑکی نے میکے میں رہ کر ہنر سیکھا' عقل و تمیز حاصل کی' سسرال میں ساس سسرے کی لاڈو' نند بھاوجوں کی چہیتی اور اپنے میاں کی پیاری ہوگی۔ اسی طرح جس نے دنیا میں رہ کر اچھے عمل اور نیک کردار کئے' عاقبت میں اسی کی عزت اور اسی کی توقیر ہے۔ اور ایسے ہی لوگ بہشت کے مالک ہوں گے۔ مگر جس لڑکی نے ماں باپ کی ناز برداریوں میں وقت ضائع کیا اور اپنے مزاج کی اصلاح اور عادات کی درستی اور تحصیل ہنر کی کچھ فکر نہ کی۔ سسرال میں جائے گی تو میاں کی نظروں میں ذلیل' ساس نندوں کے نزدیک بے وقر۔ بعینہ یہی حال ہوگا ان کا جو زندگی کے دن غفلت اور بے پروائی میں اکارت کرتے ہیں۔ وہ قیامت میں رسوا اور فضیحت ہوں گے۔ جس طرح لڑکیاں میکے سے جہیز لے کر جاتی ہیں' دنیا کے میکے کا جہیز اپنے اپنے عمل ہیں' جو آدمی کے ساتھ جاتے ہیں۔ حسن آرا بیگم' میں جانتی ہوں کہ ان دنوں تمہارے دل میں عجب عجب طرح کے خیالات گزرتے ہوں گے کہ یہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہوگا! مگر اپنے خیالات کو ذرا اونچا کرو اور اپنی نظر کو تھوڑا اور آگے بڑھاؤ۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات تو یہ ہے کہ دنیا کیا چیز ہے۔ کس لئے ہم یہاں آئے ہیں۔ کیا ہم کر رہے ہیں اور انجام کار کیا ہونا ہے۔ جس طرح تمہارے میکے رہنے کے دن پورے ہو چکے' ہر شخص کے واسطے ایک دن وہ بھی ہوگا کہ اس کی مدت حیات تمام ہو جائے گی۔

آؤ' سب مل کر اس خدا کی درگاہ میں دعا کریں کہ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق دے۔ (ہر طرف سے آمین آمین کا شور ہوا) دنیا کے میکے اور سسرالیں تو چند روزہ باتیں ہیں' الٰہی اس جہان میں' جہاں سدا سدا کا رہنا ہے' پردہ رکھ لیجیو اور فضیحت مت کیجیو۔ (سب نے پکار کر کہا آمین آمین)۔

الٰہی' یہ تیری کنیز جس کو ہم لوگ حسن آرا بیگم کہہ کر پکارتے ہیں' منزل دنیا جس کو تیرے حکم سے ہم سب طے کر رہے ہیں' شروع کرنے والی ہے۔ تیرا فضل و کرم اس کا حافظ' تیری توفیق اس کا بدرقہ' تیری عنایت و مہربانی اس کی زادراہ ہو۔ (سب کو رقت ہوئی اور سب نے کہا آمین)۔

اس کے بعد استانی جی نے اٹھ کر حسن آرا کو دیر تک گلے لگا کر پیار کیا اور آہستہ

Marfat.com

آہستہ کوئی دعا پڑھ کر جسن آرا پردم کی اور دروازے تک ساتھ لے جا کر پالکی میں سوار کرا دیا اور مجلس تمام ہوئی۔

Marfat.com

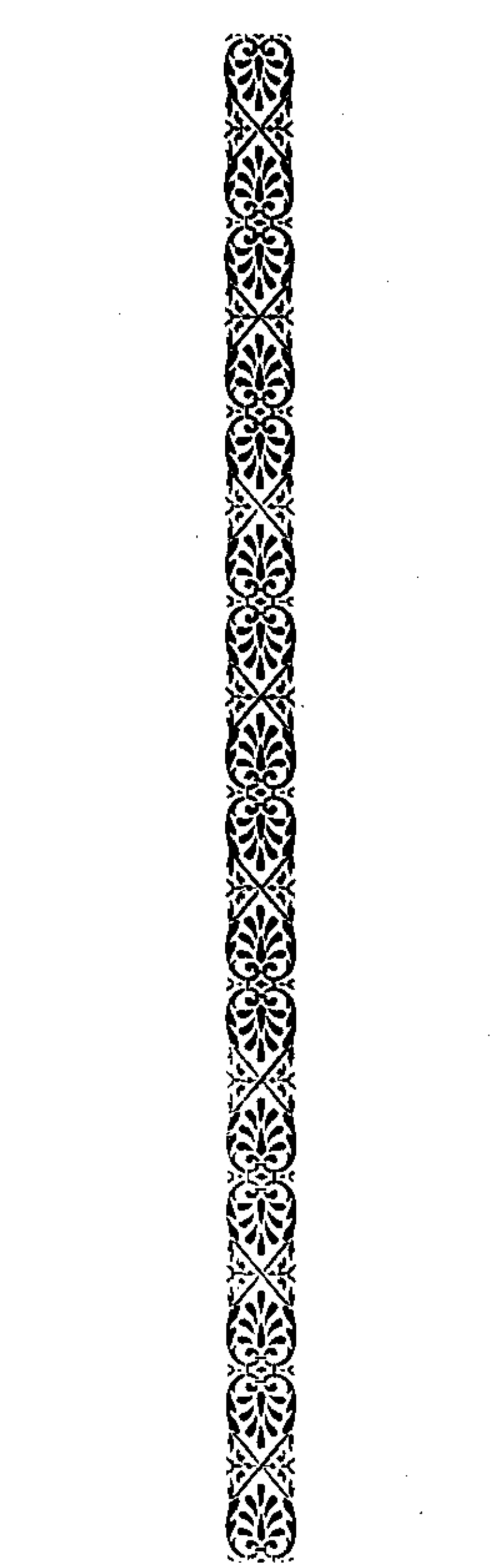

Marfat.com

Marfat.com

فصل اول

# مبتلا کی ولادت اور طفولیت

تمول کے اعتبار سے مبتلا ایک خوشحال باپ کا بیٹا تھا اور چونکہ اکٹھی نو بیٹیوں پر جن میں سے پانچ زندہ تھیں' باپ کے بڑھاپے میں بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد پیدا ہوا۔ اس سے بڑھ کر اللہ آمین کس کی ہوگی۔ بیٹے کا ارمان تو شروع ہی سے تھا۔ ہر مرتبہ ملنے جلنے دیکھنے بھالنے والے مولوی' ملا' نجومی رمال حتیٰ کہ دائی جی کے خوش کرنے کو کہہ دیا کرتے تھے کہ اب کے ضرور بیٹا ہوگا۔ مگر ایک عمر اسی میں گزر گئی۔ توقع کی ناامیدی کے واسطے' امید لگائی ناکامیابی کے لئے مبتلا کی نوبت میں تو یاس اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ سارے گھر میں کسی کو بیٹے کا سان گمان تک بھی نہ تھا۔ دم کے پانی' تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے اور دواوہل برسوں سے موقوف تھے۔ مبتلا پیدا ہوا تو سب سے پہلے دائی کو معلوم ہوا کہ بیٹا ہے۔ اس نے اتنی عقل مندی کی کہ لوگوں پر بیٹے کا ہونا فوراً ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ورنہ زچہ جس کو سکون اور قرار درکار تھا مارے خوشی کے پھولی نہ سماتی اور الٹے لینے کے دینے پڑ جاتے' بارے بتدریج سب کو خبر ہوئی۔ سنتے کے ساتھ جو کھڑا تھا تو کھڑا اور بیٹھا تھا تو بیٹھا سجدے میں گر پڑا۔ کسی کے منہ سے دعا نکلی کوئی لگا بے ساختہ زچہ گیریاں گانے' کسی نے دوڑ کر چٹا چٹ زچہ اور بچہ کی بلائیں لے لیں۔ غرض گھر کیا اسی وقت سارے محلے میں شور وغل مچ گیا اور صبح ہوتے ہوتے تو گلی میں ڈولیوں سے اور گھر میں بیبیوں سے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ ہر چند بیٹے کا ارمان اس بلا کا تھا کہ کیسا ہی بدصورت بیٹا ہوتا چوم چاٹ کر ماتھے چڑھاتے۔ مگر اس خاندان میں ہمیشہ سے صورتوں سے پرچول رہا

Marfat.com

کرتی تھی۔ گھر میں جو آتا بچے کو دیکھنا چاہتا۔ یہ لوگ پر چھاویں اور نظر کے ڈر سے اس کے دکھانے میں مضائقہ کرتے تھے۔ جب بیبیوں کا بہت تقاضا ہوا اور گرمی پڑنے لگی تو زچہ کے پاس گھر کی کوئی عورت بیٹھی تھی۔ اس نے کہا خدا کے لئے بیبیو ذرا ہوا کا رخ چھوڑو کہ دم گھٹا جاتا ہے۔ مرد بچے کی صورت کیا دیکھنا ہے۔ خدا عمر دے پروان چڑھائے' الٰہی ماں باپ کا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔ ایک بی بی باوجودیکہ خود بھی ہجوم کرنے والیوں میں تھیں بول اٹھیں' لو گو بھیڑ کیا لگائی ہے۔ اللہ رکھے پانچ بہنوں کا بھائی ہے۔ انیس بیس کے فرق سے اپنی بہنوں سے ملتا ہوگا۔ اتنے میں دائی اندر سے نکلی تو ساری بیبیوں نے اس کو گھیر لیا۔ کیوں بوا بچہ پورے دنوں کا صحیح سلامت تو ہوا۔ دائی ہاں پورے دن بھی کیسے خوب بھر پور ہاتھ پاؤں' بال' ناخن' سب خاصے توانا ماشاء اللہ پڑے۔ پڑا اور انؐ کے جتنے بچے ہوئے سب اسی طرح کے' خدا کے فضل سے کوکھ بہت صاف ہے۔ بیبیاں کیوں بوا بہنوں میں ملتا ہوا تو ہے۔ دائی بہنوں کی اس سے کیا نسبت لڑکیاں بھی اچھی صورت کی ہیں۔ مگر اس سے پہلے دو لڑکیاں کہ ایک دو مہینے کی ہو کر اتر گئیں۔ اور دوسری دو سوا دو برس کی بس دونوں آفتاب ماہتاب تھیں۔ اور یہ خدا جیتا رکھے نور کا پتلا ہے۔ بڑی بڑی غلافی آنکھیں' اونچی اور ستی ہوئی ناک' پتلے ہونٹ' چھوٹا دہانہ' چمکتے ہوئے سیاہ گھونگر والے بال' کتابی چہرہ' صراحی دار لمبی گردن' سانچے میں ڈھلا ہو بدن' میری اتنی عمر ہونے کو آئی۔ تیرہ برس کی بیاہی آئی تھی۔ تب سے اپنی ساس کے ساتھ یہ کام کرنے لگی۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے اتنے بچے میرے ہاتھ سے ہوئے کہ جن کا شمار نہیں' مگر ایسا قبول صورت بچہ میں نے تو بڑے بڑے نامی گرامی امیروں کے ہاں بھی جن کے حسن کی آج بڑی دھاک ہے نہیں دیکھا۔ بات یہ ہے کہ اللہ عمر دے اور بھاگوان ہو۔ سب نے کہا آمین۔ مبتلا کے پیدا ہونے کی روداد جو ہم نے اوپر بیان کی اس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مبتلا کے ساتھ ماں باپ اور عزیز و اقارب نے کیا کچھ چونچلے نہ کیے ہوں گے۔ غرض وہ تمام خاندان اور سارے کنبے میں ایک انوکھی چیز سمجھا جاتا تھا۔ جس جس پہلو سے دیکھیے وہ انوکھی چیز تھا

Marfat.com

بھی۔ جب سے پیدا ہوا سارے سارے دن ساری ساری رات گودوں ہی میں رہتا۔ نہالچے پر لٹانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ اپنے ہی گھر میں ماں' نانی' خالہ' ممانی ایک کم آدھی درجن سگی بہنیں۔ اتنے آدمی لینے والے تھے کہ ایک سے ایک چھینے لیتا تھا۔ باپ کا یہ حال کہ جتنی دیر ممکن تھا' گھر میں رہتے یا پیش نظر رکھتے۔ مبتلا کے پہلے پانچ بلکہ سات آٹھ برس کی زندگی یعنی جب تک وہ محتاج پرورش رہا اس قابل ہے کہ مستقلاً ان حالات کی ایک کتاب لکھی جائے مگر ہم کو تو اس کے دوسرے ہی معاملات سے بحث کرنی ہے۔ اس کی پرورش کے متعلق ہم اتنا ہی لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ اگرچہ خاندان کے لوگ سب کے سب دین کے پابند نہ تھے۔ مگر مبتلا کا باپ بڑا نمازی اور پرہیز گار آدمی تھا۔ مولوی شاہ حجت اللہ صاحب کے وعظ سے اس کو ایسا عشق تھا کہ آندھی جائے' مینہ جائے' طبیعت درست ہو نہ ہو جہاں سنا کہ مولوی صاحب کا وعظ ہے' سب سے پہلے موجود۔ گھر کی بڑی بوڑھیاں بھی نماز پڑھتی تھیں۔ باہمہ جو احتیاطیں مبتلا کی پرورش میں برتی جاتی تھیں ان سے ایسا مستنبط ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے پندار میں مبتلا کی تندرستی نہ صرف غذا سے اور آب و ہوا سے بلکہ مکان سے برسوں سے مہینوں سے دنوں سے' لیل و نہار کے خاص خاص اوقات سے اپنے بیگانے کی نگاہ سے آئے گئے کی پرچھائیں سے' لوگوں کی باتوں سے دلی خیالات سے' تنہائی سے' تاریکی سے' چاندنی سے کسوف خسوف سے' کتنے سے بلی سے' چھپکلی سے' دیو سے' بھوت سے' جن سے' پری سے' غرض ہر چیز سے جو واقعی ہے اور ہر چیز سے جو ادعائی ہے۔ معرض خطر میں ہے ہم تو معاذ اللہ کسی کلمہ گو مسلمان پر کفر اور شرکت کا الزام کیوں لگانے لگے۔ مگر بہ مجبوری اتنی بات کہنی پڑتی ہے کہ مبتلا کے ساتھ جو برتاؤ کئے جاتے تھے۔ واہمہ شرک اور مظنہء کفر سے خالی نہ تھے۔ یہ بات کہ جس خدا نے ہم کو پیدا کیا ہے وہی ایک وقت مقررہ تک جس کا حال اسی کو معلوم ہے' ہماری زندگی اور تندرستی کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جس طرح بدون اس کے فضل و کرم کے ہم دنیا میں رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ سوتے جاگتے چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے کہیں اور کسی حالت میں ہوں۔ ہم اس کی پناہ

Marfat.com

میں ہیں اور اس کا سایہ رحمت ہمارے سر پر ہے۔ وہ ہر مرض میں ہمارا طبیب ہے اور ہر مصیبت میں ہمارا معین و مددگار۔ ہر تکلیف میں ہمارا غم گسار بدون اس کی مرضی کے نہ غذا میں تقویت ہے نہ دوا میں تاثیر۔ بغیر اس کے حکم کے نہ زہر زہر ہے نہ اکسیر اکسیر۔ غرض یہ بات ان لوگوں کے معتقدات میں تو ضرور ہوگی جو مبتلا کو پال رہے تھے۔ مگر ان کے برتاؤں میں توکل وانابت کی کوئی بات ہمارے دیکھنے میں نہ آئی بلکہ ان کی تدبیریں سن کر حیرت ہوتی تھی کہ مبتلا کا پلنا اور پرورش پانا کیسا یہ گراں جان ان نادان دوستوں کے ہاتھ سے بچ کیوں کر گیا۔ کوئی دکھ کوئی روگ نہ تھا کہ جس کو یہ لوگ اسباب غلط اور ادعائی نظر آسیب وغیرہ کی طرف منسوب نہ کرتے ہوں اور چونکہ تشخیص میں غلطی ہوتی اسی وجہ سے جو تدبیریں کی جاتی تھیں غلط در غلط مگر مبتلا خلقناً توانا پیدا ہوا تھا۔ ہمیشہ اس کی طبیعت امراض پر غالب آتی رہی۔ بہر کیف مبتلا کسی نہ کسی طرح خدا کے فضل سے پل پلا کر بڑا ہوا۔ یہاں تک کہ ان گنا برس بھی خیریت کے ساتھ گزرا۔ مبتلا کی تعلیم و تربیت سے مستورات کو ظاہر میں تو کچھ سروکار نہ تھا۔ ہر چند وہ مکتب میں نہیں بیٹھا۔ کسی استاد سے اس نے سبق نہیں لیا تاہم ہمارے نزدیک (اور ہمارے نزدیک کیا بلکہ واقع میں) ایک اعتبار سے اس کی تعلیم و تربیت بہت کچھ ہو چکی تھی۔ دنیا میں سارے لوگ پڑھے لکھے نہیں ہوتے اور پڑھنے لکھنے پر زندگی یا معاش کا انحصار ہے اصل چیز ہے عادت کی درستی' مزاج کی شائستگی' طبیعت کی اصلاح' سو جس وقت سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی وقت سے وہ اخذ کر چلتا ہے۔ ان لوگوں کی خوبو جو اس کو پالتے۔ اس کو اٹھاتے بٹھاتے۔ اس کو سلاتے۔ اس کو کھلاتے پلاتے ہیں۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہے کہ بچے ایک مضغہ گوشت کی طرح پڑے ہیں۔ نادان اور لایعقل نہیں۔ نہیں وہ اپنے سارے حواس سے ظاہری ہوں یا باطنی بڑی کوشش کے ساتھ کام لے رہے ہیں۔ چیزوں کو دیکھتے ٹٹولتے آوازوں کو سنتے اور جو دیکھتے سنتے اس کو حافظے میں رکھتے جاتے ہیں۔ اس کی ایک آسان شناخت ہے کہ اگر بڑی عمر میں ہم کوئی دوسری زبان سیکھنی چاہیں تو کس قدر کوشش کرنی ہوتی ہے۔ بعض بعض اوقات سارے

Marfat.com

سارے دن رٹنا پڑتا ہے اور ہم کو اپنی مادری زبان سے لکھنا آتا ہے تو لکھنے سے اس زبان کی صرف ونحو سے لغت سے بھی بڑی مدد ملتی رہتی ہے۔ تب ہم کو کہیں برسوں میں جا کر وہ زبان آتی ہے۔ تاہم ناقص و ناتمام بچے جن کو ہماری سہولتوں میں کوئی سہولت بھی حاصل نہیں کیا کچھ زحمت اٹھاتے ہوں گے کہ ذہین ہوئے تو برس کے اندر ہی اندر ورنہ ڈھائی تین برس کی عمر میں تو مٹھے لدھڑ کند ذہن تک طوطے کی طرح چرغتے لگتے ہیں۔ کیا اتنی بات ہے کہ کسی نے ہیا مما اور اما۔ دس بیس بار سکھانے کے طور پر ان کے سامنے کہہ دیا۔ کوئی دعوی کرسکتا ہے کہ ہم نے ان کو بولنا سکھایا' زبان کی تعلیم کی نہیں یہ سب بچوں کی ذاتی کوشش ہے۔ پھر یہ خیال کرنا بھی غلط ہے کہ بچوں کی ساری ہمت صرف زبان کے سیکھنے میں مصروف رہتی ہے' ایک زبان کیا بھلا برا' ادب قاعدہ' نشست برخاست' رغبت اور نفرت' سود وزیاں' دوست دشمن' خویش و بیگانہ۔ محبت اور عداوت حیا اور غیرت' غصہ اور لالچ۔ حسد اور رشک۔ وغیرہ وغیرہ سارے سبق ان کو ایک ساتھ شروع کرا دیئے جاتے ہیں۔ پس مبتلا جس کی عمر آٹھ برس ہو چکی تھی' پڑھ چکا تھا۔ جو کچھ اس کو پڑھنا تھا۔ وہ پڑھ چکا تھا۔ جو کچھ اس کو سیکھنا تھا۔ ماں سے' باپ سے' نانی سے' خالہ سے' بہنوں سے' گھر کے نوکروں سے' آئے گئے سے' عمر کے اعتبار سے اس کی تعلیم وتربیت کی ایسی مثال تھی کہ جیسے کپڑا مول لیا گیا۔ درزی نے قطع کیا۔ سیا اور کھڑا کرنے کے بعد اس نے پہنا کر بھی دیکھ لیا۔ صرف بخیہ کر دینا باقی ہے۔ اب اگر کپڑا بدرنگ یا گلا ہوا نکلے یا کہیں سے تنگ ہو جائے تو درزی اس میں کیا کمال کرے گا۔ کپڑا لیتے وقت یا قطع کراتے وقت یہ باتیں دیکھنے کی تھیں اور نہیں دیکھیں تو جھک مارو اور وہی پہنو گلا ہوا کہ پہنا اور کھسکا کچے رنگ کا جس میں پہلے ہی دن دھبے نمودار ہوں۔ یہاں تک کہ پہلے سے بدن میں بدھیاں پڑیں اور سانس اندر کا اندر اور باہر کا باہر رہ جائے۔ اب دیکھ پہنے کہ مبتلا پر زنان خانے کی تعلیم کا کیا اثر مرتب ہوا تھا۔ جوں جوں وہ بڑا ہوتا گیا۔ ضدی' چڑچڑا' غصیلا' مچلا'

Marfat.com

ہٹیلا' زود رنج' مغرور' خود پسند' طماع' حریص' تنگ چشم' بودا' ڈرپوک' شوخ' شریر' بے ادب' گستاخ' کاہل' آرام طلب' جابر' سخت گیر' گھر گھسنا' زنانہ مزاج بنتا گیا۔ اس کو دنیا و مافیہا کی کچھ خبر تو تھی نہیں' کبھی وہ بے رت کے پھلوں اور بے موسم کے میووں کے لئے گھنٹوں لوٹتا اور پٹخیاں کھاتا پہروں ایڑیاں رگڑتا اور آخر کو ایڑیوں کے بدلے اپنے چاہنے والوں اور ناز برداروں سے ناک رگڑوا لیتا تب مشکل چپ کرتا۔ وہ جب جی چاہتا جو چیز چاہتا جتنی چاہتا کھاتا اور اپنی بے اعتدالیوں اور بے احتیاطیوں سے بیمار پڑتا' اور الٹا ماں سے لڑتا۔ ایک مرتبہ وہ اس بات پر خوب رویا اور بہت بکھرا کہ ہائے بادل کیوں گرج رہا ہے۔ ہر چند سارا گھر اس بات کے اہتمام میں لگا رہتا تھا کہ کوئی امر اس کے خلاف مزاج نہ ہو۔ مگر اس کے رونے اور بگڑنے کے لئے ہر وقت کوئی نہ کوئی بہانہ ایک نہ ایک حیلہ مل ہی جاتا تھا۔ اس کی ناخوشی کا روکنا حقیقت میں انسان کے اختیار میں خارج اور آدمی کی قدرت سے باہر تھا۔ کوئی جان نہیں سکتا تھا کہ وہ کس بات پر روٹھ جائے گا۔ اور روٹھے پیچھے کسی کو خبر نہ تھی کہ وہ کیونکر منے گا۔ لاکھ اللہ آمین کیوں نہ ہو' کہاں تک برداشت کتنا' تحمل' آخر رفتہ رفتہ لوگ اس کے لاڈ پیار میں کمی کرنے لگے۔ سب سے پہلے بڑی اور بیاہی ہوئی صاحب اولاد بہنوں نے بے رخی ظاہر کی۔ آخر تھیں تو اس کی بہنیں جب اس کی شوخی ہو شرارت سے عاجز آتیں جھڑک دیتیں اور گھرک بیٹھتیں بلکہ ایک تو ایسی جلے تن تھی کہ یہ اس کے پاس بھانجے کو دق کرنے اور بوٹیاں توڑنے گیا اور اس نے دور ہی سے ڈانٹا کہ خبردار جو میرے بچے کو چھیڑا ہوگا۔ میں ایسے چونچلے ایک نہیں سمجھتی۔ دیکھو خدا کی قسم میں مار بیٹھوں گی۔ ماں کا بھی مبتلا کے ہاتھوں دم ناک میں تھا۔ مگر سچ کہا ہے حبک العشی بعمی و بصمعہ۔ وہ کھسیانی تو ہوتی تھی مگر ادھر جوش آیا اور فوراً ٹھنڈی پڑ گئی۔ تیوری پر بل پڑ چلا تھا کہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ مبتلا کی برائیوں کو برائی سمجھنا تو درکنار وہ اس کی طرف سے ساری دنیا کے ساتھ ہر وقت لڑنے کو تیار تھی۔ ایک مرتبہ مبتلا خدا جانے کس بات پر

Marfat.com

پیچھے سے ماں کی چوٹی گھسیٹتے جاتا تھا۔ سب سے بڑی بہن نے (جس کی پہلونٹی بیٹی مبتلا سے بھی دو برس بڑی تھی) دیکھ کر سبحان اللہ کیا ماں کا وقر ہے۔ لاڈ پیار بہت دیکھے مگر اتنا ناہموار اس درجے بے تمیز جب ماں کا یہ بدڑا کر رکھا ہے۔ تو ہمارا تو سر مونڈ کر بھی بس نہیں کرے گا۔ ہائے تو میرا بیٹا نہ ہوا تجھ کو ایسا ٹھیک بناتی کہ یاد ہی تو کرتا۔ باوجودیکہ بیٹی نے نصیحت کی بات کہی تھی مگر ماں پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے لپٹی اور سر ہوگئی۔ ماں کی پردہ داری کی وجہ سے باپ کو مبتلا کی شوخیوں کی پوری پوری خبر نہیں ہونے پائی تھی پھر بھی جس قدر حال چار و ناچار معلوم تھا اس سے انہوں نے اتنا تو سمجھ لیا تھا کہ اس کا اٹھان اچھا نہیں۔ مبتلا کو چھٹا سال لگا تھا۔ باپ نے اس کو مکتب میں بٹھانا چاہا۔ عورتوں نے عذر کیا کہ آئے دن تو بیمار رہتا ہے۔ مکتب کی قید' استاد کی تنبیہ سے اس کا نگوڑا اتنا سا جی رہا سہا اور بھی اداس ہو جائے گا۔ ابھی جینے تو دو اور مبتلا کی ماں نے تو کھلا کھلا کہہ دیا کہ جب تک اصل خیر سے ان گنا نہ گزر جائے میں تو اس کو نہ لکھاؤں نہ پڑھاؤں غرض عورتوں کی ہٹ اور ہیکڑی نے مبتلا کے پورے تین برس کھوئے مگر سچی بات یہ ہے کہ مبتلا کا باپ اپنی طرف سے برابر اس کی کوششوں میں لگا رہا۔ اس پر بھی جو مبتلا تین برس تک آوارہ ہوتا رہا تو یہ اس کے باپ کا مسابلہ اور ضعف۔ ماں کی نادانی اور حماقت اور خود مبتلا کی بدقسمتی اور کم بختی۔ اتنا تھا کہ جب باپ کو مبتلا کی کوئی بے جا بات معلوم ہوتی تو اسے ڈراتے دھمکاتے تو نہیں مگر نرمی اور دل جوئی کے ساتھ اس کو سمجھا ضرور دیتے کہ بیٹا یہ حرکت بہت نامناسب ہے اور خود اس کے ساتھ ظاہری پیار اخلاص اتنا نہ رکھتے کہ ماں کی چوٹی کے ساتھ ان کی ڈاڑھی بھی کھسوٹنے لگتا۔ مبتلا کو باپ کا کسی طرح کا خوف تو نہ تھا۔ مگر یوں کہو کہ زیادہ میل جول نہ ہونے کی وجہ سے ایک طور کی جھجک اور رکاوٹ تھی۔ چاہو اس کو لحاظ سے تعبیر کرلو۔ مگر کیا اتنا کرنے سے مبتلا کے باپ نے باپ ہونے کا فرض ادا کیا۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ اس نے عورتوں کو مبتلا کی شرارتوں کی پردہ داری کرنے دی۔ اس نے بیٹے کے

Marfat.com

حالات سے پوری پوری خبر نہ رکھی۔ اس نے جتنی خبر رکھی اس کا بھی تدارک جیسا چاہئے تھا نہ کیا۔ اس نے مستورات ناقصات العقل کی رائے میں آ کر جلد سے جلد بیٹے کو پڑھنے کے لئے نہ بٹھایا اور اس کے اکٹھے تین برس ضائع ہونے دیئے۔ اتنا غنیمت ہوا کہ مبتلا کو اس کی ماں نے اپنے وہم کو پیچھے اکیلا دوکیلا گھر سے باہر نہیں نکلنے دیا ورنہ محلے میں دھوبی کنجڑے بھٹیارے' قصائی' تیلی اس قسم کے لوگ بھی رہتے تھے۔ اگر کہیں مبتلا ان لوگوں کے لڑکوں میں کھیلنے کودنے پاتا تو ساری خوبیاں جا کر ایک ذاتی شرافت باقی تھی وہ بھی گئی گزری ہوتی۔ جب تک میٹھا برس ختم ہوا' مبتلا کے مزاج کی تلخی اضعافاً عضا بڑھ گئی تھی۔ ادھر ابھی سالگرہ کو دو تین مہینے باقی تھے کہ باپ نے بسم اللہ اور مکتب کی چھیڑ چھاڑ شروع کی' بارے اس مرتبہ عورتوں نے بھی چنداں مزاحمت نہیں کی اور سالگرہ اور بسم اللہ دونوں تقریبیں ایک ساتھ ہو گئیں۔

Marfat.com

فصل دوم

# مبتلا کی تعلیم مکتبی اور اس کا اثر

اتنا تو ہوا کہ مبتلا کے لئے دروازے پر مکتب بٹھانا پڑا۔ شروع شروع میں تو میاں جی کے پاس تک جانے اور مکتب میں بیٹھنے کے لئے مبتلا نے خوب خوب فیل مچائے اور غضب بکھرا مگر آخر سودے کی چاٹ اور پیسوں کے لالچ اور ماں کے چمکارنے پچکارنے سے جانے اور بیٹھنے تو لگا۔ بیٹھے پیچھے پڑھنا چنداں مشکل نہ تھا۔ ذہن اور حافظہ دونوں خدا داد اس بلا کے تھے کہ جو دوسرے لڑکے ہفتوں میں کرتے تھے وہ بھی بڑی ریں ریں کے ساتھ مبتلا گھنٹوں میں کھیلتے کودتے' چلتے پھرتے' اٹھتے بیٹھتے' کر لیتا' کہتے ہیں کہ دو دن میں تو اس نے الف بے کے حروف مفرد ایسی اچھی طرح پہچان لئے تھے کہ کتابوں میں سے آپ ڈھونڈھ ڈھونڈ کر بتاتا۔ پڑھنا تھا کہ اس کے ساتھ واہ واہ شاباش شروع ہوئی۔ اس کے دل کی امنگ بڑھتی چلی اور ہر دا کھلتا گیا۔ مبتلا نہ مطالعہ دیکھتا نہ سبق یاد کرتا۔ نہ آموختہ پڑھتا۔ مگر ایک ہی دفعہ کے دیکھ لینے سے وہ سب ہم سبقوں میں میر ہی رہتا تھا۔ بدشوخی اور شوخی اور شرارت کی نسبت جو چاہو سو کہو۔ پڑھنے لکھنے کے متعلق تو میاں جی کو اس کی شکایت کرنے کا موقع نہ ملا پر لے سرے کی بے توجہی اور حد درجے کی بدشوخی پر چھ برس میں اس کی فارسی کی استعداد ایسی ہوگئی تھی کہ مکتب کے لڑکے تو کیا خود میاں جی باوجودیکہ اچھے جید فارسی دان تھے اور درسی کتابیں بھی ان کو خوب مستحضر تھیں' اس کو سبق دیتے ہوئے بھناتے تھے۔ مبتلا کو مکتب کی تعلیم نے اتنا فائدہ تو پہنچایا کہ اس کو ایک دوسرے ملک کی زبان جس کے بدون اردو کی تکمیل نہیں ہوسکتی۔ اچھی خاصی آ گئی مگر اس

Marfat.com

کی تعلیم سے اس کو ایک بہت بڑا نقصان بھی پہنچا جس کو اندر باہر کسی نے جانا پہچانا نہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مبتلا کو اپنا حسین ہونا کب سے معلوم ہوا۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ اس خاندان میں شکل وصورت کی بڑی پرچول رہتی تھی۔ اس خاندان کی عورتوں کے نزدیک تو دنیا بھر کے ہنر' سلیقے' حسب نسب' دولت' تندرستی' نیک مزاجی' صاحب اولاد ہونا' دینداری' ساری نعمتیں اور برکتیں ایک طرف اور گورا رنگ اور نقشہ ایک طرف۔ صورت شکل تو انسان کے اختیار کی بات نہیں۔ خدا جس کو جیسا چاہتا ہے بناتا ہے ایک ہی ماں کے پیٹ سے دس بچے ہوتے ہیں اور کیا خدا کی قدرت ہے کہ دس کی دس شکلیں ورنہ ایک دوسرے سے ملتبس ہو کر کوئی پہچان نہ پڑے' انسان کے چہرے کی بساط کیا اتنی ہی سی جگہ میں ہزاروں لاکھوں کروڑوں مختلف نقشے یہ سب اس کی قدرت کی دلیلیں ہیں۔ آدمی اتنا سمجھے تو اپنے چہرے مہرے پر نہ ناز کرے نہ دوسرے پر ہنسے مگر مبتلا کے خاندان کو ایسے خیالات سے کیا واسطہ' یہاں تو چھوٹے بڑے' بڈھے' جوان' بیاہے کنوارے سب کو صورت شکل کا پٹنا تھا۔ آپس ہی میں اس صورت شکل کے پیچھے ایک کی ایک سے نہیں بنتی تھی۔ ایک ایک کو چڑاتی۔ ایک ایک کی نقلیں کرتی اور اتفاق سے کنبے میں کوئی تقریب ہوتی اور یہ لوگ مہمان جاتے یا کہیں شامت کی ماری کسی نئی دلہن کو دیکھ آتے تو بس مہینوں ان کو صورتوں کا جھگڑا لگا رہتا۔ یہاں تک کہ ان عورتوں کی ایسی عادتیں دیکھ کر لوگ ان سے ملنے میں مضائقہ کرنے لگے تھے۔ مبتلا کا ایسے خاندان میں پیدا ہونا اور پرورش پانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ جب اس کو بات کے سمجھنے کا شعور ہوا تو شاید سب سے پہلی بات جو اس نے سمجھی یہی ہوگی کہ حسن صورت اس کو کہتے ہیں اور میں اس کا مصداق ہوں مگر جب تک مبتلا زنان خانے کی نگرانی میں رہا اس کی عمر ہی کیا تھی۔ سات آٹھ برس اس وقت تک وہ اتنا ہی سمجھ سکتا تھا کہ میٹھی چیز سب کو بھاتی ہے۔ اور چونکہ وہ اپنے ذائقے میں بھی اس کی لذت پاتا تھا۔ اس نے سمجھا تھا کہ حقیقت میں بھانے کی چیز ہے۔ آگ کے چھوتے

Marfat.com

ہوئے لوگ ڈرتے ہیں اور اس نے بھی شاید دو چار بار اس سے چپکا کھایا ہو۔ اس کو معلوم تھا کہ آگ سے جل جاتے ہیں۔ غرض جس چیز کی نسبت لوگوں کو کہتے سنا کہ اچھی یا بری ہے۔ آپ بھی تجربہ کیا تو ثابت ہوا کہ جس چیز سے آرام پہنچے دل کو خوشی ہو' اچھی ہے۔ اور جس سے ایذا پہنچے تکلیف ہو بری۔ حسن کی خوبی کی نسبت اس کو ایسا یقین کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ کیونکہ اس کو حسن سے متلذذ ہونے کی اس وقت تک اہلیت ہی نہ تھی۔ مکتب میں بیٹھنے کے بھی ایک مدت بعد اس میں جوانی کے ولولوں کی تحریک شروع ہوئی اور جوں جوں یہ تحریک قوت اور استبداد پکڑتی گئی۔ اس پر پسندیدگی حسن کی وجہ منکشف ہوتی گئی۔ اس کا تذکرہ گھر میں تھا۔ اور اسی، کا سبق مکتب میں اور اب لگا اندر سے دل بھی اس کی گواہی دینے' مبتلا نے جو زبان فارسی کے سیکھنے میں غیر معمولی ترقی کی' اس کا بھی سبب یہی تھا کہ اکثر کتابیں نظم جن کو مبتلا کی شکل صورت کا آدمی بے مزا میر ذرا لے سے پڑھے تو اچھے خاصے ثقہ مجرے کا مزا ملے۔ مضمون دیکھو تو جھڑا عاشقی جس کے نام سے نوعمر آدمی کے منہ میں رال بھر آئے۔ مادہ قابل طبیعت مناسب۔ مبتلا کا تو حال یہ تھا کہ جو شعر عاشقانہ ایک بار بھی اس کی نظر سے گزرا۔ دیکھنے کے ساتھ ہی کالنقش فی الحجر ہو گیا۔ غرض فیضان مکتب سے حضرت میں ایک صفت اور پیدا ہوئی یعنی عاشق مزاجی۔

Marfat.com

## فصل سوم

## مبتلا کا مدرسے میں تعلیم پانا اور برے لڑکوں کی صحبت میں آوارہ ہونا

مبتلا کے باپ کی تو پہلے ہی سے یہ رائے تھی کہ اس کو شروع سے مدرسے میں بٹھایا جائے مگر عورتوں کو مبتلا کی اتنی مفارقت بھی گوارا نہ ہوئی۔ ناچار پورے چھ برس میاں جی کو نوکر رکھ کر اس کو گھر ہی پر تعلیم دلوائی۔ اب میاں جی کا بھی سرمایہ معلومات ختم ہو چکنے پر آیا اور فارسی کی درسی متداول کتابیں سب مبتلا کی نظر سے نکل گئیں۔ اور بات صاف تو یہ ہے کہ مبتلا کے سر میں اب اور ہوا بھری ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں یاروں کے جلسے دوستوں کی صحبتیں اور وہ گھر پر میسر نہ تھیں۔ باپ نے کچھ اور سوچا مبتلا نے کچھ اور غرض سب کی صلاح سے مبتلا مدرسے میں داخل ہوا۔ تو مبتلا نے چھ برس مکتب میں تعلیم پائی مگر مکتب کیا تھا برائے نام اس کا جی بہلنے کے لئے چار پانچ ریزگی لڑکے اور بٹھا لئے گئے تھے یعنی بے حساب چودہ برس کی عمر تک مبتلا بھونرے میں پلا۔ اور دنیا کی کسی قسم کی ہوا اس کو نہ لگنے پائی۔ اب جو مدرسے کی عربی جماعت میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا لڑکوں کا جنگل کہ سات سات آٹھ آٹھ برس کی عمر سے لے کر بیس پچیس برس تک کے اچھے خاصے جوان ہر ذات کے ہر پیشے کے چار ساڑھے چار سو لڑکے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ اگرچہ انگریزی' عربی' فارسی' سنسکرت' ریاضی کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور ہر جماعت کا کمرہ الگ مگر اوقات درس کے علاوہ سب ایک دوسرے سے بلا امتیاز آنا دانہ ملتے بات چیت کرتے اور کھیلتے ہیں۔ مبتلا کو یہ حال دیکھ کر بلا مبالغہ ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی جانور کو قفس سے آزاد کر کے باغ میں چھوڑ دیا جائے۔ اب تک وہ یہی جانتا تھا کہ میاں جی ہوئے' مولوی ہوئے' بڈھے ہی ہوئے ہوں گے۔ کیونکہ اس نے اپنے میاں جی کو دیکھا تھا پلپلیں

Marfat.com

تک سفید یہاں مدرسے میں آ کر دیکھا مدرس اکثر جوان کہ اب سے چار چار پانچ پانچ برس پہلے خود طالب علم تھے۔ امتحان دیا۔ پاس ہوئے زمرہ مدرسین میں داخل کر لئے گئے۔ اس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ بعض مدرس اپنی جماعت کے بعض بعض طالب علموں سے بھی کم سن ہیں۔ جس جماعت میں مبتلا داخل ہوا' چونکہ عربی کی سب سے چھوٹی جماعت تھی۔ اس میں طالب علموں کی بڑی کثرت تھی۔ رجسٹر میں تو ستر لڑکوں کا نام تھا مگر پچاس پچپن ہمیشہ حاضر رہتے تھے ایک میں سے ایک تہائی کے قریب مبتلا سے بھی بہت بڑی عمر کے تھے۔ اس جماعت کو جو مولوی صاحب پڑھاتے تھے جیسے ان کی جماعت سب جماعتوں میں چھوٹی تھی ویسے ہی تمام مدرسوں میں خود بھی سب سے چھوٹے تھے۔ عمر میں' قد و قامت میں' وقعت و جاہت میں یعنی قسمت سے مدرس بھی ملے تو یار استاد لونڈا تھا' نکیلا! اور طرح دار مدرسے کے احاطے میں پاؤں کا دھرنا تھا کہ یاروں نے مبتلا کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بعضے تو ٹکٹکی باندھ باندھ کر ایسی بری طرح گھورتے تھے کہ گویا آنکھوں کے رستے کھائے جاتے ہیں۔ پہلے ہی سے لڑکوں میں بہت سی ٹولیاں تھیں۔ اب ایک بڑی بھاری اور نئی ٹولی مبتلا کی قائم ہوئی۔ ایک جماعت بندی تو سرکاری تھی کہ جس قدر لڑکے ہم سبق ہوتے سب کے سب وقت واحد میں ایک استاد سے پڑھتے۔ مگر ایک جماعت بندی لڑکوں نے آپس میں ٹھہرا رکھی تھی جس کو ہم نے ٹولی سے تعبیر کیا۔ جس طرح سرکاری جماعت بندی کے اوقات مقرر تھے کہ مثلاً جب ریاضی کا گھنٹہ آیا۔ عربی اور فارسی اور سنسکرت کی جماعتوں سے جو جو ریاضی کا پڑھنے والا تھا۔ ماسٹر صاحب کی خدمت میں آ حاضر ہوا۔ اسی طرح ٹولیوں کے اجتماع کے بھی خاص خاص اوقات تھے۔ مدرسے کے وقت سے ذرا پہلے لڑکے سویرے مدرسے میں آ پہنچتے یا جب ایک بجے نماز کے لئے ایک گھنٹہ کی چھٹی ہوتی یا مدرسہ برخاست ہونے کے بعد ان تین وقتوں میں جو لڑکا جس ٹولی کا تھا اس میں آ ملتا اور بعض چھٹیں بھی پڑے پھرتے تھے جو کسی ٹولی میں نہ تھے۔ یہ ٹولیاں ایک مجمع ناجائز تھیں اور ان کی اغراض مشترکہ تمام تر بے ہودہ مدرسے کے سارے انتظام اچھے

Marfat.com

تھے۔ چیزیں وہ پڑھاتے تھے جو دنیا میں بکار آمد ہوں شوق کے مشتعل کرنے کو امتحان کا قاعدہ نہایت عمدہ تھا۔ فرداً فرداً ایک ایک لڑکے کو الگ الگ سبق پڑھانے سے جماعت کو پڑھانے کا نہایت مفید طریقہ تھا۔ اس سے لڑکوں میں ایک طرح کی مناقشت پیدا ہوتی تھی کہ ایک پر ایک سبقت لے جانی چاہتا تھا۔ دوسرے ہم سبق ہونے سے ایک' ایک کی مدد کرسکتا تھا۔ تیسرے لڑکوں کی لیاقت کا موازنہ اور مقابلہ بخوبی ہوسکتا تھا۔ لڑکوں کو حاضر باشی کا پابند کرنے کے لئے ترتیب' نشست کا ردوبدل بھی بہت موثر تھا۔ پڑھائی اس قدر تھی کہ لڑکوں کو تمام وقت مشغول رکھنے کے لئے بخوبی کافی تھی۔ نوبت بہ نوبت مختلف مضامین کے پڑھانے سے طبیعت ملول اور کند نہیں ہونے پائی تھی۔ غرض سبھی انتظام بھلے تھے' مگر افسوس لڑکوں کے چال چلن اور اخلاق کی طرف کسی کو مطلق توجہ نہ تھی۔ ہر مدرس اس فکر میں رہتا کہ جس چیز کا پڑھانا اس سے متعلق ہے۔ اس چیز کے امتحان میں لڑکے برے نہ رہیں۔ جب تک کوئی لڑکا اس شرط کو پورا کئے جاتا ہے۔ اگرچہ چوری جیسے ناجائز طور پر دوسرے سے مدد لے کر ہی کیوں نہ ہو کسی کو اس کے کردار سے بحث نہیں' چوری کرو' جھوٹ بولو' سربازار جوتی پیزار لڑلو' گالیاں دو اور گالیاں کھاؤ' شرافت کو بٹا لگاؤ' بدمعاشوں میں رہو اور بدمعاش بنو۔ کیڑیاں کھیلو پتنگ لڑاؤ۔ اکھاڑے میں جاکر ڈانٹر پیلو۔ مگدر ہلاؤ۔ گاؤ بجاؤ غرض جو تمہارا جی چاہے سو کرو مگر جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں ان میں امتحان اچھا دو تو سکالرشپ بھی ہے۔ انعام بھی' سرخروئی بھی ہے' آفرین اور تحسین بھی ہے واہ واہ بھی ہے۔ اور آخر کار نوکری بھی ہے۔ مدرس خوش۔ پرنسپل صاحب راضی' مبتلا کی افتاد تو روز پیدائش سے بگڑی ہوئی تھی۔ زنان خانے میں پرورش پاتا تھا کہ اس کے دل میں بدی کا بیج بویا گیا۔ مکتب میں تھا کہ بیج کا درخت ہوا' اب مدرسے میں آکر وہ درخت پھلا پھولا۔ گھر میں بچھڑا تھا۔ مکتب میں بچھڑے کا بیل ہوا اور مدرسے میں بیل کا سانڈ کسی قسم کی آوارگی نہ تھی جو اس سے بچی ہو اور کسی طرح کی بیہودگی نہ تھی جو اس نے نہ کی ہو۔ جس طرح مبتلا مدرسے کے بڑے لڑکوں کی صحبت میں بانکا بنا۔ چھیلا بنا۔ طرح دار

Marfat.com

بنا۔ مسخرہ بنا۔ کوچہ دار بنا۔ ننگ خاندان بنا اور کیا کیا بنا۔ اسی طرح مبتلا تخلص رکھ کر شاعر بنا' نصیحتیں تو رفتہ رفتہ بھولی بسری ہوگئیں۔ شاعری کی یادگار اس کا منحوس تخلص رہ گیا ہم کو تو اس کے نام سے اس قدر نفرت ہوگئی ہے کہ اس کے حالات کا دریافت کرنا کیسا سننے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ مگر خیر منہ پر بات آئی رک نہیں سکتی۔ آٹھ برس یہ کم بخت مدرسے میں رہا۔ آخر کچھ نہ کچھ پڑھتا ہی ہوگا کہ عربی کی دوسری جماعت تک اس نے ترقی کی۔ دس روپے مہینہ وظیفہ پاتا تھا۔ برس کے برس انعام بھی ملتے رہتے تھے۔ ایک سال سنا کہ ایسا اچھا امتحان دیا تمغہ ملا۔ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں اور نہ اس سے آوارگی کا الزام رفع ہوسکتا ہے۔ ہم کو اس کی ذکاوت کا حال معلوم ہے وہ اس بلا کا ذہین تھا کہ مدرسے کی پڑھائی اس کے آگے کچھ حقیقت ہی نہ رکھتی تھی۔ برس میں ایک بار تو امتحان ہوتا تھا۔ اکثر انگریزوں کے بڑے دن سے پہلے پس امتحان کے مہینے ڈیڑھ مہینے آگے سے وہ تیاری کر لیتا ہوگا۔ لیکن فرض کیا کہ وہ اچھی طرح پڑھتا ہی تو بدوضع کو پڑھنے سے فائدہ علم سے حاصل۔ اس سے جاہل بہ مدارج ان پڑھ کہیں بھلا۔ مدرسے پھر سوا پہر رات گئے بلکہ کبھی آدھی کبھی پچھلی رات کو تو اس کا گھر میں آنے کا معمول شروع سے تھا۔ اور پھر اچھی طرح سورج نکلا کہ اس کے شیاطین الانس لگے گھر پر آ کر کنڈی کھٹکھٹانے' دستک دینے اور پکارنے' سیٹی بجانے' اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ تین تین چار چار دن تک برابر غائب' ماں کو یہ تمام تفصیلی حالات معلوم تھے۔ مگر اب اس کی محبت کا دوسرا رنگ تھا۔ بیٹے سے اس قدر ڈرتی تھی جیسے قصائی سے گائے۔ اس کو آپ سے آپ یہ خوف سما گیا تھا کہ بیٹا ہے ماشاء اللہ جوان ایسا نہ ہو میری بات کا برا مان کر کہیں کو نکل جائے۔ یا اپنے تئیں ہلاک کرے تو پھر میں کدھر کی ہوئی۔ اس ڈر کے مارے بے چاری کبھی چوں نہیں کرتی تھی اور مبتلا نے اپنے تئیں اس کے نزدیک ایسا ہوا بنا رکھا تھا کہ جب اس کی صورت دیکھتی ہکا بکا ہو کر رہ جاتی۔ پہلے سے بھی مبتلا کی شرارتوں کی باپ سے پردہ داری کی جاتی تھی۔ اب انہیں شرارتوں کی بدکرداریاں ہوگئی تھیں۔ ادھر شرارتوں میں ترقی ہوئی ادھر پردہ داری میں

Marfat.com

زیادہ اہتمام ہونے لگا۔ مگر باپ نے دھوپ میں داڑھی سفید نہیں کی تھی۔ بڈھا اس کی چال ڈھال سے اس کی گفتگو سے اس کی کن انکھیوں سے تاڑ لیتا تھا۔ مگر بی بی کا مغلوب تھا اور خوب جانتا تھا کہ اس کو بیٹے کے ساتھ بلا کا شغف ہے اور یوں بھی ہر کام میں مساہلت کرنا اس کی ہمیشہ کی عادت تھی اور انہیں وجوہ سے اس نے مبتلا کی اصلاح کی طرف کبھی پوری توجہ نہ کی۔ اب جوان بیٹے کے کیا منہ لگتا۔ ایک کہتا تو دس سنتا۔ آخر اس کے سوائے اور کچھ نہ سوجھ پڑی کہ جس قدر جلد ممکن ہو اس کو پابند کر دیا جائے۔

Marfat.com

## فصل چہارم

# مبتلا کا بیاہ اور اس کا معاملہ بی بی کے ساتھ

یہ کب کی بات ہے کہ مبتلا کو مدرسے میں داخل ہوئے چوتھا برس شروع تھا۔ خوشحال باپ کا بیٹا صورت شکل کا اچھا بلکہ حد سے زیادہ اچھا پڑھا لکھا کماؤ۔ دس روپے کا مدرسے میں وظیفہ دار اس روداد کے لڑکے کو بیٹیوں کی کیا کمی تھی۔ قاعدے کے مطابق مبتلا کی طرف سے بیٹی والوں کے یہاں ابتداً رقعہ جانا چاہئے تھا۔ مگر مبتلا کی ظاہری حالت دیکھ سن کر لوگ اس قدر ریجھے ہوئے تھے کہ کئی جگہ سے بیٹی والوں نے منہ پھوڑ کر رقعہ منگوا بھیجا۔ دستور کی بات ہے کہ خریداروں کی کثرت ہوتی ہے تو بیچنے والوں کے مغز چل جاتے ہیں۔ مبتلا کی ماں بہنوں کا یہ حال تھا کہ کہیں کی بات ان کے خاطر تلے آتی ہی نہ تھی ورنہ کیا مبتلا جیسا اللہ آمین کا بیٹا سترہ اٹھارہ برس کی عمر تک کنوارا بیٹھتا۔ اب تک تو اس کے ایک چھوڑ کبھی کے چار چار بیاہ ہو گئے ہوتے۔ اس گھر کی خوشحالی اتنی ہی تھی کہ قلعے کی تنخواہیں' اسامیاں مکانات کا کرایہ ملا کر کل سو سوا سو روپے کی آمدنی تھی اور اس میں اتنا بڑا کنبہ مگر وہ تو مبتلا کا باپ ایسا منظم اور کفایت شعار آدمی تھا کہ اس نے اپنے سلیقے سے گھر کا بھرم بنا رکھا تھا۔ اس حالت پر جہاں کہیں سے پیام آیا چھوٹتے کے ساتھ ایک دم سے چاندی کا بھی نہیں سونے کے پلنگ کی فرمائش ایسے اصرار کے ساتھ ہوتی تھی۔ گویا کہ نکاح کی شرط اعظم ہے اور پھر معاملے کی بات ہے جیسا لینا ویسا دینا۔ ہیکڑی تو یہ تھی کہ لیں تو سنہرا پلنگ اور دینے کے نام پٹاری کے خرچ کے لئے آدھی نہیں کیونکہ ہمارے خاندان کا دستور نہیں۔ مہر شرع محمدی' سو روپے کا چڑھاوا' سو روپے کا جھومر' صورت شکل اپنی اپنی جگہ سبھی تلاش کرتے ہیں۔ اور سمجھنے اور غور کرنے والے کو تو یہ بات ہے کہ باوجودیکہ ہر شخص خوبصورتی کا خواہاں ہے مگر بری بھلی' کالی گوری یہاں تک کہ کانڑی' کھدری اللہ کی

Marfat.com

بندیاں سبھی کھپی چلی جاتی ہیں' ہم نے تو اتنی عمر ہونے آئی کسی کو صورت کی وجہ سے کوار
بیٹھے نہ دیکھا۔ تاہم چونکہ مبتلا ایک خوبصورت خاندان کا آدمی اور خود بھی بڑا خوبصور
تھا۔ اگر اس کے لئے خوبصورت بی بی تلاش کی جاتی تھی تو کچھ بے جا بات نہ تھی۔ مگر تلاش
کرنے کے بھی طریقے ہوتے ہیں۔ کہ عورتیں چوری چھپے حیلے بہانے کسی نہ کسی طرح لڑکی
کو یا تو خود کسی وقت دیکھ آتی ہیں یا اپنے دیکھنے کا موقع نہیں بنتا تو کسی کو بھیج کر دکھلوالیا
کرتی ہیں۔ یہاں تو یہ ضد کہ ہم تو اپنی آنکھ سے دیکھ بھال کر کریں گے اور اپنے ہاتھوں
سے لڑکی کے منہ میں مصری کی ڈلی دیں گے۔ کیسی کیسی جگہ سے پیام آئے۔ کہاں کہاں
رقعہ گیا مگر کہیں لین دین پر تکرار ہوئی۔ کہیں صورت پسند نہ آئی' کہیں دیکھنے بھالنے کی
شرط نامنظور ہوئی۔ غرض کوئی بات ٹھہری نہیں۔ پچاسوں پیام مسترد اور بیسیوں جگہ سے
رقعہ [illegible] شرط کی بات چیت ہو کر چھٹم چھٹا ہو جانا یا رقعہ واپس آنا کچھ آسان نہیں
ہے۔ بنی والے اس میں اپنی ہتک سمجھتے ہیں اور ان کو یہ خیال ہوتا ہے کہ ایک جگہ کا رقعہ
واپس جائے گا تو دوسروں کو خدا جانے کیا کیا خیالات پیدا ہوں گے' اکثر ایسے موقعوں پر
دلوں میں رنجش آ جاتی ہے۔ خیر ایک دو جگہ بہ مجبوری ایسا اتفاق ہو تو مضائقہ نہیں نہ کہ مبتلا
کا رقعہ آج بھیجا اور بلا کر دس دن بعد الٹا منگوالیا۔ جب متواتر واپسی رقعے کی نوبت پہنچی تو
سارے شہر میں ایک غل سا پڑ گیا اور جہاں جہاں رقعہ واپس منگوایا گیا ان کے ساتھ بیٹھے
بٹھائے ایک طرح کی عداوت قائم ہوئی۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ جس مشاطہ سے کہتے
کانوں پر ہاتھ دھرتی۔ جہاں رقعہ بھیجتے وہ لوگ لانے والے کے اندر آنے تک کے روادار
نہ ہوتے۔ پس اس خاندان کے ناز بے جانے مبتلا کو ایسا نکو بنا دیا کہ اب کوئی اس کی بات
کی حامی نہیں بھرتا تھا۔ رقعے کا بے ردوکد واپس آنا تو ممکن نہیں۔ ایک گھر کا تو ہم کو حال
معلوم ہے کہ وہاں پہلے مشاطہ کی معرفت زبانی بات چیت ہوئی۔ وہ لوگ ان کے کنبے دار
بلکہ کچھ دور کے رشتے دار بھی تھے۔ مہینوں سوال جواب ہوتے رہے۔ اکثر باتیں طے ہو
کر بعض کی نسبت کچھ تکرار در پیش تھی کہ یکا یک ان کی طرف سے رقعہ جا موجود ہوا۔ بنی
والے خوش ہوئے کہ گفت وشنید کے بعد جو رقعہ آیا تو بس اس کے یہی معنی ہیں کہ منظور

Marfat.com

کرلیا۔ چنانچہ یہی سمجھ کر رقعہ تو رکھ لیا اور جواب میں زبانی اتنا ہی کہلا بھیجا کہ ہم کو بسر وچشم منظور ہے۔ خدا انجام اچھا کرے۔ ان شاءاللہ دو چار دن میں صلاح کر کے کوئی اچھی سی تاریخ ٹھہرا کر کہلا بھیجیں گے۔ سمدھنیں آ کر لڑکی کا منہ میٹھا کر جائیں۔ پھر اللہ خیر کرے۔ جب ان کی مرضی ہوگی بیاہ برات ہو رہے گا۔ ہم تو اس وقت چاہیں تو اس وقت تیار ہیں۔ ہمارے یہاں ذرا دیر نہیں۔ جو عورت یہ پیام لے کر گئی تھی مبتلا والوں نے اسی ہاتھ کہلا بھیجا کہ پہلے ہماری شرطوں کے مطابق تحریری اقرار نامہ بھیج دیں۔ تب تاریخ ٹھہرائیں۔ تاریخ کا ٹھہرنا ایسا کیا آسان ہے یہ سن کر سب کو سخت تعجب ہوا اور اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ آخر مبتلا والوں کی طرف سے واپسی رقعے کا تقاضا ہوا۔ دن میں دو بار رقعے کے لئے آدمی جاتا اور ایسی ایسی سخت سخت باتیں کہتا کہ گویا رقعہ کیا ہے مہاجن کا قرضہ ہے۔ خیر ہار کر رقعہ واپس تو کیا مگر اس طرح کہ مارے غصے کے نکال کر موہری پر پھینک دیا کہ کم خواب کی تھیلی جس میں رقعہ دستور کے مطابق لپٹ کر آیا تھا۔ تمام کیچڑ میں لت پت ہوگئی اور کہا کہ جاؤ اس کو شہد لگا کر چاٹو اور دیکھو خبردار لڑکے کی ماں سے ضرور ضرور کہہ دینا کہ تم نے کنبے داری میں دو مہینے بات لگی رکھ کر آپ ہی رقعہ بھیجا اور پھر آپ ہی ان ہونی باتوں پر اصرار کر کے واپس منگوایا۔ یہ کچھ بھل مانسیت کی بات نہیں ہے۔ ہم نے مانا کہ ان کا بیٹا ان کے لئے چوہے کو ہلدی کی گرہ اللہ آمین کا ہے۔ مگر دوسروں نے بیٹیاں کوڑے پر پڑی نہیں پائیں۔ ایسی شرطوں سے جو نہ سنیں نہ دیکھیں۔ ان کو شہر میں تو ان شاءاللہ بیٹی ملنے کی نہیں۔ سونے کا پلنگ ان کو مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اس سے پہلے تین بیٹیاں بیاہ چکے ہیں اور ابھی اللہ رکھے آگے دو اور موجود ہیں۔ بیٹیوں کو تو ڈھنگ کے نواری پلنگ بھی نہ جڑے بیٹے میں ایسا لیا سرخاب کا پر لگا ہے کہ بدوں سونے کے پلنگ کے اس کو نیند نہیں آتی۔ آئے وہ نگوڑا ہیجڑا تھا۔ جس کو سارا شہری تھڑی تھڑی کر رہا ہے۔ خدا نہ کرے جو بھلا مانس اس کو بیٹی دے۔ منہ پر ہاتھ پھیر کر دیکھیں ناک رہی یا کٹ گئی۔ ہمارے نزدیک دنیا جہان کے نزدیک تو جڑ بنیاد سے کٹ گئی۔ جس گھر سے رقعے کی واپسی کا مذکور ہے اس گھر کی عورتیں ایسی ملنسار تھیں کہ سارے شہر میں ان کا حصہ بخرا چلتا تھا۔ کہیں شادی بیاہ ہو۔

Marfat.com

کوئی دوسری تقریب ہو۔ ان کے یہاں ضرور بلاوا آتا اور یہ بھی اپنے یہاں کی چھوٹی بڑی تقریب میں سبھی کو بلاتے۔ سبھی کو یکساں پوچھتے تھے۔ ان عورتوں نے ضد میں آ کر مبتلا کا اچھی طرح خاکہ اڑایا اور سارے شہر میں خوب ڈھنڈورا پیٹا اور رسوا کیا۔ غرض اس گھر کے بگاڑنے رہی سہی اور بھی آس توڑ دی۔ اب شہر میں مبتلا کی نسبت ناتے کا ہونا محال تھا۔ بہت قریب کے رشتہ داروں میں جس قدر بیٹیاں تھیں۔ مبتلا تھے تو بڑے لاڈلے دودھ پی پی کر ان سب کو رضائی بہنیں بنا چکے تھے۔ مبتلا کے نزدیک و دور کے رشتہ داروں میں وہی مثل تھی۔ از ہیں سوراندہ وزاں سو در ماندہ۔ اب صرف ایک گھر رہ گیا کہ ہو تو وہیں ہو ورنہ مبتلا ساری عمر کنوارا پھرے۔ مبتلا کی پھوپھی دلی سے دس بارہ کوس سیدنگر میں بیاہی ہوئی تھیں۔ وہ لوگ زمیندار تھے مگر زمینداروں میں سربرآوردہ بڑے بڑے سالم چھ گاؤں کے مالک ان کے بزرگ تو مہمان داری اور مسافر نوازی اور داد و دہش میں دور دور مشہور تھے۔ مگر اب کثرت پٹی داری کے سبب نہ ویسی آمدنی تھی نہ وہ دل۔ قرب شہر کی وجہ سے رعایا شوخ' حصہ داروں میں طرح طرح کی تکراریں غرض ہمیشہ ان میں دو چار آدمی مقدموں کی پیروی کے لئے شہر میں موجود رہتے تھے۔ جس طرح دائم المرض اپنی دوا کرتے کرتے حکیم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ لوگ مقدمے لڑتے لڑتے ایسے قانون دان ہو گئے تھے کہ بیرسٹروں کو مات کرتے' وکیلوں کی کچھ حقیقت نہ سمجھتے' ڈھونڈ ڈھونڈ کر لڑائیاں مول لیتے اور تلاش کر کے جھگڑے خریدتے قرب و جوار میں یہ لوگ ایسے لڑاکو اور جھگڑالو مشہور تھے کہ لوگ ان سے رشتہ ناطہ کرتے ڈرتے تھے۔ رقعہ کا پہنچنا تو بہت بڑی بات تھی۔ اگر ان کے یہاں جھونوں بھی تذکرہ ہوتا اور یہ چاہتے تو چٹوں سر ہو جاتے اور کچھ ایسے قانونی اڑنگے لگاتے کہ کسی کی ایک نہ چلتی مگر مبتلا کو کوئی دوسرا گھر نہ تھا۔ خدا نے ایسا ان کے غرور کو ڈھایا کہ کس کا پلنگ اور کہاں کا دیکھنا بھالنا۔ مبتلا کی ماں گئیں اور منگنی ٹھہرا کان دبا کر چپکی چلی آئیں۔ اور اگر ذرا بھی چیں چیڑ کرتیں تو فوجداری کے استغاثوں اور دیوانی نالشوں کے مارے ہوش بگڑ جاتے۔ اب مبتلا کی منگنی کو منگنی نہ سمجھو بلکہ بیچ ڈالنا یا غلام بنا دینا یا عمر قید۔ سمدھیانے تو برابر ہی کے اچھے ہوتے ہیں۔ خیر اٹھارہ

Marfat.com

بیس تک کے فرق کا بھی مضائقہ نہیں مگر یہاں تو سید نگر والوں کی اس قدر ہیبت چھا رہی تھی کہ جیسے کسی بڑے جابر کو توال کی۔ ادھر سے حکم ہوتے تھے' ادھر سے تعمیل۔ ادھر سے فرمائش ادھر سے بجا آوری ادھر سے ناز ادھر سے نیاز۔ بعد چندی انہوں نے کہلا بھیجا کہ اگلے مہینے کی دسویں کو اس طرح ساز و سامان کے ساتھ بارات یہاں پہنچے سو ویسا ہی ہوا۔ بیس ہزار روپیہ کا مہر ماننا ہوگا اور مان لیا' ہزار روپیہ جوڑے چڑھاوے کا نقد دینا ہوگا اور دیا پچیس روپے مہینہ پٹاری کا خرچ لکھوانا چاہا اور لکھوالیا۔ مگر بات یہ ہے کہ سید نگر والوں نے بیٹی کو دیا بھی تو اتنا کہ سونے کا پلنگ تو نہ تھا۔ شاید ان کے ہاں کا دستور نہ ہوگا۔ مگر گلے اور کانوں اور سر کا سارے کا سارا زیور دوہرا ملا جڑاؤ الگ شادی بیاہ اپنے نام کے مطابق کیا دلی میں اتنا جہیز ملنا مشکل تھا۔ لوگ باہر کی سوبھا اور مال اور اسباب کی فہرست دیکھ کر پانچ ساڑھے پانچ ہزار کا جہیز آنکتے تھے' اوپر کا خرچ الگ' سو گھر کا دھڑیوں گھی اور منوں غلہ زمینداروں کے یہاں اس کا حساب کیا۔ انیسویں برس مبتلا کا بیاہ ہوا۔ جہیز کے اعتبار سے تو دلہن بہت اچھی پائی۔ ذات جماعت کچھ پوچھنی نہ تھی سگی پھوپھی کی بیٹی۔ رہی صورت کوئی خاص چیز تو چنداں بری نہ تھی بلکہ الگ الگ دیکھو تو رنگ بھی گورا نہیں تو کھلتا ہوا چمپئی آنکھ' ناک' دہانہ' ماتھا' مانگ کسی میں کوئی خاص عیب نہ تھا۔ ہاں چہرے کی مجموعی بناوٹ میں خدا جانے کیا بات تھی۔ نزاکت اور جسم میں جامہ زیبی نہ تھی۔ ہزار بیبیوں میں بیٹھی ہو تو صاف پہچان پڑتی کہ باہر کی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ مبتلا کے پہلو میں رہی سہی اور بھی بے رونق معلوم ہوتی تھی۔ جن دنوں مبتلا کا بیاہ ہوا وہ اپنے آپے میں نہ تھا۔ نشہ شباب میں سرشار اور بدمست سیر تماشوں میں منہمک۔ وہ اپنے بیاہ برات کی خبر سن کر خوش ہوتا تھا۔ مگر صرف اس لئے کہ ناچ دیکھنے میں آئیں گے۔ شادی کی تیاری دیکھ کر مسرت ظاہر کرتا تھا۔ مگر اس غرض سے کہ گانا سنیں گے وہ اگر سمجھ کو کام میں لاتا تو اس کی سمجھ زیبا تھی اور جان سکتا تھا کہ بیاہ کیا چیز ہے اور بیاہ سے کس طرح کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں مگر وہ دنیا کے کام میں مطلق غور کرتا ہی نہ تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لئے بھی بیاہ کے انجام کو نہ

Marfat.com

سوچا۔اس نے نکاح کے وقت قبلت کہا گویا کہ کھیل ہے۔اقرار نامہ پر دستخط کئے بغیر یعنی ہنسی ہے۔اس کو بی بی کی طرف ملتفت ہونا چاہئے تھا۔اور ملتفت ہونے کی اس کی عمر بھی تھی مگر اس کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں۔ناز و کرشمہ غمزہ و ادا مٹک چٹک وہ شریف زادیوں میں کہاں اور خصوصاً دیہات کی شریف زادیوں میں۔پس اس نے بی بی کو دیکھا' ناپسندیدگی سے استکراہ سے اور ناخوشی سے اور بی بی کے ساتھ اس کی لشٹم پشٹم گزرتی گئی اور آپس میں ویسی محبت و موانست پیدا نہ ہوئی جیسے نئے بیاہے ہوئے دولہا دلہن میں ہونی چاہئے اور عموماً نہیں تو اکثر ہوا بھی کرتی ہے۔علاوہ اس کے مبتلا کو ابھی اپنی ہی پرداخت سے فرصت نہ تھی۔سو دلہنوں کی ایک دلہن تو وہ آپ بنا تھا۔بناؤ سنگھار میں ہر دم مصروف' زیب و زینت میں ہر لحہ مشغول۔وہ خود اپنی حسن صورت پر اس قدر فریفتہ تھا کہ آئینہ دیکھنے سے کبھی اس کو سیری ہی نہیں ہوتی تھی۔اس کو یہاں تک خبط نے گھیر رکھا تھا کہ راستہ چلتا تو مڑ مڑ کر اپنے سائے کو دیکھتا جاتا تھا۔

Marfat.com

فصل پنجم

# مبتلا کی مصیبتوں کا آغاز اور اس کی بدکرداریاں

بیاہ تک کی زندگی نہایت ہی بے فکری سے گزری۔ اس نے چودہ برس کی عمر تک گھر میں ایسے عیش و آرام کے ساتھ پرورش پائی کہ کم ترکسی کو نصیب ہوتی ہے مدرسے میں اس کے یار دوستوں نے ماں باپ سے بڑھ کر اس کی ناز برداریاں کیں۔ مگر اب اس کے عیش کی مدت' آرام کی مہلت پوری ہو چکی تھی اور یہی حال دنیا کی تمام حالتوں کا کہ راحت ہے تو ایک وقت خاص تک اور مصیبت ہے تو وہ بھی ایک میعاد مقررہ تک۔ نہ اس کو ثبات اور نہ اس کو قیام۔ وہ عارضی اور یہ چندروزہ' جن کو خدا نے عقل سلیم دی ہے وہ ہر حالت کو اسی طور پر انگیز کرتے ہیں کہ اس کے زائل ہونے پر ان کو ملال نہ ہو تاسف نہ کرنا پڑے۔ اتنا نہیں کھاتے کہ نخمہ ہو۔ ایسے دوڑ کر نہیں چلتے کہ ٹھوکر لگے۔ عادتوں کو طبیعت نہیں ہونے دیتے اور امور اتفاقی کو ضروری نہیں سمجھ لیتے۔ لیاقت یا ہنر یا صفت یا جوہر یا خوبی یا مابہ الامتیاز یا سرمایہ فخر و ناز یا ذریعہ تعریف یا وسیلہ تقریب جو کچھ سمجھ۔ مبتلا کے پاس ایک حسن صورت تھا۔ اور پس یہی ایک چیز تھی جس کی وجہ سے وہ ہر دلعزیز تھا۔ یہی عمل تھا۔ یہی تسخیر تھی۔ یہی کیمیا اور یہی اکسیر تھی۔ مسیں تو اس کی سترھویں برس بھیگنے لگی تھیں۔ اٹھارہویں میں تو اس کی اچھی خاصی ڈاڑھی نکل آئی۔ شعر

گیا حسن خوبان دل خواہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

اور ڈاڑھی بھی نکلی تو اس کثرت سے کہ ماتھا اور ناک اور آنکھوں کی جگہ چھوڑ کر کہیں

Marfat.com

تل دھرنے کو جگہ باقی نہ رہی۔ جب ڈاڑھی نکلنے کو ہوئی اگر مبتلا اس کو اس کے طور پر نکلنے دیتا تو برس سوا برس وہ اور بھی حسینوں کے زمرے میں گنا جاتا اور سبزہ خط اس کی گوری رنگت پر خوب کھلتا مگر اس نے غلطی یہ کی کہ روئیں اور روؤں کی جگہ کالے کرخت بال نکل پڑے اور چہرے کی جلد پر جو ماء الشباب کا ایک قدرتی روغن تھا وہ بھی گیا گزرا ہوا' اب روکھی کھال رہ گئی اور اس پر ہزار ہا بال۔ یہ پہلی مصیبت تھی جو مبتلا پر نازل ہوئی اور اس نے اس پہلی کیفیت کے اس قدر جلد زائل ہو جانے کا سخت رنج کیا اور جب اس کے ان دنوں کے خیالات پر نظر کی جاتی ہے تو اس کا رنج حق بجانب بھی تھا۔ رفتہ رفتہ زوال حسن کا اثر اس کی حالت پر مترتب ہونے لگا جو لوگ اس کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے' نفرت اور جو درپے تھے گریز کرنے لگے۔

یار اغیار ہو گئے اللہ
کیا زمانے کا انقلاب

گرم صحبتوں کی جگہ صاحب سلامت رہ گئی وہ بھی دور کی۔ اختلاف کے عوض راہ گزر کی مڈبھیڑ وہ بھی اتفاقی۔ اس کی طرز زیست نے ادعائی ضرورتوں کو اور ادعائی ضرورتوں نے خرچ کو اتنا بڑھا دیا تھا کہ مدرسے کا وظیفہ اور اس کا چہار چند اور اس کو بمشکل وفا کرتا۔ اب ادھر تو اس کے اعوان و انصار دست کش ہوئے ادھر جو گھر سے مدد ملتی تھی اس میں بی بی نے حصہ بنوانا شروع کیا۔ ضرورتیں اگر جائز اور واجبی ہوتیں گھر سے مدد ملتی۔ مگر حاجتیں ناجائز' اغراض بے ہودہ' گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل جی للچاتا اور ناچار ضبط کرتا۔ طبیعت بھر بھرائی مجبوری پیتے کو مارتا۔ انگریزی کی کہاوت ہے کہ مصیبتیں ایک ایک کر کے نہیں آتیں یعنی جب آنے کو ہوتی ہیں تو بس ایک تار بندھ جاتا ہے۔ مبتلا کے بیاہ کے بعد سے تو گویا اس کہاوت کے سچے کرنے کو موتین کچھ ایسی تابڑ توڑ ہوئیں کہ پانچ برس کے اندر ہی اندر جتنے بزرگ تھے کیا مرد کیا عورت ایک کے بعد ایک سبھی رخصت ہوئے۔ بہنیں بیاہی

Marfat.com

جا کر اپنے اپنے گھروں میں آباد تھیں' بس اب تن تنہا مبتلا رہ گیا اور ایک بی بی تو وہ بھی اس کی بے التفاتی کی وجہ سے پہلے تو اکثر میکے میں رہتی تھی۔ چوتھے پانچویں مہینے داخل سسرال آ گئی تو آ گئی۔ اب کوئی برس دن ہوا تھا کہ ماں اور باپ دونوں کے مر جانے سے بھائیوں نے ترکے سے محروم کرنے کے لئے بلانا چاہا۔ مطلقاً موقوف کر دیا تھا۔ اور بہ مجبوری نہایت کس مپرسی کی حالت میں مبتلا کے یہاں ڈھئی دیئے پڑی تھی۔ مبتلا پر مصیبتوں کا ایسا پہاڑ ٹوٹا تھا کہ اگر وہ ذرا بھی عقل سلیم رکھتا ہوتا تو ساری عمر اس تازیانے کو نہ بھولتا' مگر اس کے دل پر تو مہر لگی ہوئی تھی اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ کیسی عبرت اور کس کا ڈرنا مطلق العنان ہوتے ہی لگا دلکی دوڑنے پویہ بھاگنے۔ یہاں تک کہ جن حرکتوں کو پہلے چراتا چھپاتا' اب کھلے خزانے ان کے کرنے میں ذرا بھی نہ شرماتا' باپ کے مرتے ہی میدان خالی پا کر تعزیت کے حیلے اور غم گساری کے بہانے سے دوست آشناؤں نے پھر اس کو آ گھیرا۔ اور پھر وہی اپنی قدیم پٹی اس کو پڑھا چلے چہلم بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ جلسے شروع ہو گئے۔

Marfat.com

## فصل ششم

# مبتلا کے چچا کا حج سے واپس آنا

مبتلا کے حقیقی چچا میر تقی میر متقی ایک مدت سے نواب رام پور کی سرکار میں نوکر تھے اور وہیں ایک شریف خاندان میں انہوں نے اپنا نکاح بھی کرلیا تھا۔ مبتلا ان دنوں مکتب میں پڑھتا تھا کہ میر متقی دلی ہو کر بھائی سے ملتے ہوئے حج کو گئے۔ ارادہ تو صرف حرمین شریفین کی زیارت کا کر کے گئے تھے مگر وہاں پہنچ کر یہ خیال ہوا کہ سالہا سال کے ارادے میں تو اب بہ مشکل گھر سے نکلنا ہوا کیا معلوم اب زندگی میں پھر یہاں آنا نصیب ہو یا نہ ہو۔ لاؤ لگتے ہاتھوں جہاں تک ہو سکے زیارتیں تو کرلو۔ پورے تین برس تو زیارتوں میں لگے۔ پھر تین برس تک متواتر ایسا اتفاق پیش آ گیا کہ جب واپسی کا ارادہ کرتے تھے' بیمار ہو جاتے تھے۔ غرض ساتویں برس لوٹے تو بمبئی میں پہنچ کر انہوں نے ارادہ کرلیا تھا کہ بھوپال میں استاد سے احمد آباد میں پیر سے اور دہلی میں بھائی سے ملتا ہوا رام پور جاؤں گا۔ دہلی میں داخل ہوئے تو تھوڑی رات گئی تھی سیدھے بھائی کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے' کیا دیکھتے ہیں کہ پھاٹک بند اور طبلے کی تھاپ کی آواز سے چلی آ رہی ہے۔ سمجھے کہ ناچ ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر میں بڑے زور کے قہقہے سنائی دیئے معلوم ہوا کہ بھانڈ نقلیں کر رہے ہیں۔ میر متقی کو پہلے ذرا سا دھوکا ہوا کہ میں نے گھر کی شناخت میں تو غلطی نہیں کی' گلی کے نکڑ تک لوٹ کر گئے۔ ادھر دیکھا ادھر نگاہ کی' بے شک سات برس کے عرصے میں تھوڑے بہت تغیرات بھی ہوئے مگر نہ اس قدر کہ جہاں آدمی پیدا ہوا' پرورش پائی' بڑا ہوا رہا سہا اس گھر کو نہ پہچانے۔ پھر خیال ہوا کہ شاید بھائی نے اس گھر کو چھوڑ دیا ہو۔ اسی سوچ

Marfat.com

کے گھروں میں سے ہو کر تھا۔ وہ بھلے مانس ان بلاؤں کا اپنے یہاں سے ہو کر گزرنا کیوں جائز رکھتے۔ غرض وہ سب کا سٹپٹانا اور ایک کا ایک سے پوچھنا اور ایک ایک کے سامنے ہاتھ جوڑنا۔ ایک ایک کے پاؤں پڑنا ایک تماشا تھا۔ قابل سیر' ایک کیفیت تھی لائق دید کہ رنڈیاں جو اپنے حسن کے غرور میں کسی کے ساتھ سیدھی بات نہ کرتی تھیں۔ اب ایک ایک کے آگے بچھی جاتی تھیں کہ خدا کے لئے کہیں ہم کو پناہ دو۔ ایک ایک کے پیچھے لپٹی تھیں کہ للہ ہمیں نکال کہیں لے چلو ایک پکارتی تھی میں انعام واکرام سے باز آئی مجھے راستہ بتاؤ۔ دوسری چلاتی تھی۔ مجھے مجرے کی کوڑی مت دو مگر کسی ڈھب سے گھر پہنچاؤ۔ رات کے جلسے میں ایک طائفہ چلبلا بھانڈ کا بھی تھا۔ ان کم بختوں کو فی الوقت خوب سوجھتی ہے۔ ادھر تو یہ تمام ہل چل مچی ہوئی تھی اور ادھر چلبلا بے طلب' بے فرمائش تیار ہو' اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے لگا نقل کرنے۔ (نقل) ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر دوڑ دوڑا' لوگوں کو ہٹاتا ہوا دباتا ہوا پھرنے لگا کہ کیا ہے ابے کیا ہے۔ کاہے کا غل ہے' کیوں شور مچا رکھا ہے۔ دوسرا بولا' بے احمق تو نے نہیں سنا کہ حضرت کے چچا مکہ معظمہ سے تشریف لائے ہیں۔ پہلا کون چچا' ابوجہل یا ابولہب۔ دوسرا (پہلے کے منہ پر زور سے ایک طمانچہ مار کر) چپ مردود کیا کفر بکتا ہے۔ ابے حضرت پیغمبر صاحب کے چچا نہیں۔ ہمارے (مبتلا کی طرف اشارہ کر کے) حضرت پیر و مرشد کے چچا۔ پہلا ہاں الحمدللہ پھر ڈرنا کیا ہے۔ آؤ ہم سب مل کر بھی ان کو چچا بنائیں۔ حج نصیب ہونے اور سلامتی سے واپس آنے کی مبارکباد دیں۔ ناچ دکھائیں گانا سنائیں'' دوسرا (پہلے کے منہ پر طمانچہ مار کر) ابے توبہ کر توبہ کہیں اوپر سے چھت نہ گر پڑے' سید آل رسول مولوی حاجی جو ابھی خدا کے گھر سے پھرے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ کہیں ناچ دیکھتے ہیں۔ ناچ دیکھنا حرام' یا گانا سنتے ہیں (گانا سننا ممنوع) ان کے نزدیک رنڈیاں جہنم کی چھپڑیاں ہیں اور بھانڈ دوزخ کے کنڈے) پہلا میں کھڑے تھے کہ ایک شخص گلی کی طرف لپکا ہوا چلا آ رہا تھا۔ جب ان کے برابر آیا انہوں

Marfat.com

نے اس سے پوچھا کیوں صاحب یہ کونسی گلی ہے۔ وہ یہ کہتا ہوا اپنی دھن میں چلا گیا کہ اس کو سادات کا کوچہ کہتے ہیں۔ اب ان کو اس کا تو یقین کامل ہو گیا کہ گھر کے پہچاننے میں مجھ سے غلطی نہیں ہوئی۔ اب اتنی بات اور رہ گئی کہ بھائی اس گھر ہیں یا نہیں۔ اس شخص کی جلدی نے ان کو اس کے پوچھنے کی مہلت نہ دی' اتنے میں دیکھا کہ ایک بوڑھے سے آدمی بغل میں بچھونا دبائے لکڑی ٹیکتے ہوئے اندر گلی سے آہستہ آہستہ چلے آ رہے ہیں۔ ان سے تھوڑی دور پیچھے ایک جوان سا آدمی ہے اور وہ ذرا تیز چل رہا ہے۔ یہاں تک کہ جب بڑے میاں کے برابر آیا تو کہنے لگا کہ اے حضرت خیر ہے۔ یہ اس وقت آپ بچھونا لئے ہوئے کہاں جا رہے ہو۔ لائیو بچھونا مجھ کو دیجئے میں پہنچا دوں' بڑے میاں نے کہا' نہیں بھائی تم کیوں تکلیف اٹھاؤ۔ بچھونے میں ایسا کیا بوجھ ہے۔ کیا کریں جھپ سے بے چارے میر مہذب مرے ان کا لڑکا خدا اس کو نیک ہدایت دے' بری صحبت میں پڑ کر ایسا آوارہ ہو رہا ہے کہ سارے سارے دن اور ساری ساری رات گھر میں دھما چوکڑی مچی رہتی ہے۔ ہم ٹھہرے دیوار بیچ ان کے پڑوسی اتنا نہیں بن پڑتا کہ گھر میں دو رکعت نماز اطمینان سے پڑھی جائے۔ ناچار میں تو اس مسجد میں چلا جاتا ہوں۔ متقی بھائی کے مرنے کی خبر سن کر قریب تھا کہ چکر کھا کر وہیں زمین پر گر پڑے مگر آدمی تھا دین دار اس نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر ضبط کیا اور اپنے تئیں سنبھالا اور سوچا کہ اگر گھر چل کر دستک دوں پکاروں تو نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنے گا اور فرض کیا چیخنے چلانے سے دروازہ کھلا بھی تو رات گئی ہے زیادہ سب کو تکلیف ہو گی۔ رونا پیٹنا مچے گا۔ ماتم برپا ہو گا۔ بہتر ہے کہ رات کو کہیں پڑا رہوں۔ پھر خیال کیا کہ پاس کے پاس اسی مسجد میں ٹھہر جانا مناسب ہے کہ بڑے میاں سے اور حالات بھی دریافت ہوں گے۔ مسجد میں گیا اور وضو کر کے نماز پڑھی' دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔ بھائی سے اس کو محبت تھی بہت۔ یوں بھی ہمیشہ غائبانہ اس کے حق میں دعائے خیر کیا کرتا تھا۔ اب حضرت موسیٰؑ کی دعا اس کو یاد آئی اور اس کے منہ

Marfat.com

سے نکلا "رب اغفرلی ولاخی و ادخلنا فی رحمتک و انت ارحم الراحمین" جی بھر آیا اور بے اختیار اتنا کہ ہچکی بندھ گئی۔ جس کے دل کو یکا یک اتنا بڑا صدمہ پہنچا ہو اس کو بھوک کیا لگے اور نیند کیونکر آئے۔ ساری رات گزر گئی کہ صحن مسجد میں ننگے سر بیٹھا ہوا۔ کبھی کچھ پڑھ کر بھائی کی روح کو بخشتا ہے اور کبھی اس کی مغفرت کے لئے خدا کی درگاہ میں زار نالی کرتا تھا۔ سفیدہ صبح نمودار ہوتے ہی اول وقت فجر کی نماز پڑھی اور پھر اشراق تک معمولی اوراد میں مشغول رہا۔ جب قافلہ اشراق سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ بڑے میاں بھی اپنا بچھونا لپیٹ لپاٹ کر گھر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ان کو ضعیفی کے سبب ذرا دھندلا بھی نظر آتا تھا۔ متقی نے ان کو پہچان کر السلام علیکم کی اور قریب جا کر اپنے تئیں پہنچوایا اور رات کا ماجرا کہہ سنایا۔ ملے تو میر مہذب کی صحبتوں کو یاد کر کے بڑے میاں بھی آب دیدہ ہوئے اور متقی تو رات سے رو رہا تھا۔ سفر کی تکان' ساری رات کا فاقہ' جاگنا اور رونا آنکھیں سوج گئی تھیں' منہ سے آواز نہیں نکلتی تھی۔ بارے بڑے میاں نے بہت کچھ سمجھایا۔ دنیا کے دستور کے مطابق صبر کی تعلیم کی اور کہا کہ میاں مرحوم تو اللہ کے نیک بندے تھے۔ یہاں بھی اپنی اچھی گزار گئے اور ان شاء اللہ وہاں بھی ان کے لئے اچھا ہی اچھا ہے۔ وہ اگر مرے تو اپنی عمر سے مرے اور ایک نہ ایک دن سبھی کو مرنا ہے۔ بڑا رونا ان کے فرزند ناخلف کا ہے کہ اپنے کردار ناسزا سے مرحوم کی روح کو ایذا دے رہا ہے۔ اب تم باپ کی جگہ ہو۔ اس کو سنبھالو اگر ہو سکے اس کو رو کو اگر بن پڑے۔ گھر کے نصیب اچھے ہیں کہ تم آ پہنچے۔ خدا کو کچھ بھلا کرنا منظور ہے کہ تم کو بھیجا۔ ابھی وقت ہے۔ اگرچہ تنگ ہے۔ موقع ہے گو اخیر ہے۔ اور تم یہاں مسجد میں اکیلے بیٹھ کر کیا کرو گے۔ میرے ساتھ چلو تمہارے بھتیجے صاحب تو کہیں دوپہر تک اٹھیں گے وہ بھی اٹھائے سے' تب تک میرے گھر کچھ ناشتہ کرو ہم بھی کچھ غیر نہیں ہیں۔ تمہارے بھائی صاحب خدا ان کو جنت نصیب کرے ہم کو عزیزوں سے بڑھ کر سمجھتے تھے' کیا تم کو یاد نہ ہوگا۔ غرض میر متقی بڑے میاں کے ساتھ ساتھ چلے تو سارے رستے بھائی کا تصور پیش نظر تھا اور قدم قدم پر ایسا

Marfat.com

خیال ہوتا تھا کہ بھائی سامنے سے چلے آ رہے ہیں پیچھے سے پکار رہے ہیں۔ اس دروازے پر کھڑے باتیں کر رہے ہیں۔ اس دوکان والے سے کچھ کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ یہ اتفاقات متقی کو بھائی کی زندگی میں صدہا بار پیش آ چکے تھے۔ ان ہی باتوں کی یادداشت اب تازہ ہوگئی متقی رات سے بہتیرا رو بھی چکا تھا اور اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب رونا آئے گا بھی تو روکوں گا' ضبط کروں گا مگر جوں جوں گھر کی طرف پاؤں اٹھتا تھا۔ دل کی کیفیت متغیر ہوتی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک دروازے پر پہنچ کر تو نہ تھم سکا اور بے اختیار پکار کر رویا۔ رونے کی آواز سن کر پاس پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے۔ پھاٹک تو باہر کی طرف سے نہ کھلوا سکے' اندر ہی اندر کھڑکی کی راہ پہلے زنان خانے میں اور پھر مردانے میں خبر پہنچی۔ مبتلا اور اس کے جلسے کے شرکاء ابھی تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ کہروا اور بھیرویں سن کر سوئے تھے۔ میر متقی کا آنا سن کر سب کی نیندیں اچاٹ ہو گئیں۔ اور سب کے ہوش اڑ گئے۔ جو لوگ اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے بھانڈوں اور رنڈیوں کو نچوا رہے تھے۔ اب لگے آپ ناچے ناچے پڑے پھرنے چاہتے تھے کہ نکل بھاگیں مگر راستہ کہاں تھا۔ پھاٹک پر تو خود میر متقی صاحب اور ان کے ساتھ محلے کے چالیس پچاس آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ زنان خانے میں ہو کر جانا چاہتے تو پہلے مہرے پر گھر والی تھی کہ وہ میاں کے سامنے تو لومڑی یا بھیگی بلی جو کچھ تھی سو تھی مگر ان بدذاتوں کے حق میں خاص کر اس وقت شیرنی سے کم نہ تھی۔ اس کے علاوہ زنان خانے سے اگر باہر جانے کا راستہ تھا تو دوسرے لوگوں ہائے میرے اللہ رنڈیوں نے وہاں بھی بھانڈوں کو نہ چھوڑا۔ نرے کنڈے ہوتے تو ذرا دیر میں تو جلتے اور کیوں صاحب یہ سب لوگ (مبتلا اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کر کے) کیا ہوں گے؟'' دوسرا۔ ان کو کہتے ہیں کہ بھاڑ میں بھونے اور کڑھائی میں تلے اور بھٹی میں جلائے جائیں گے'' پیلا'' (دونوں ہاتھوں کو کلوں پر ہولے ہولے تھپڑ مار کر اور خوفزدہ آنکھیں بنا کر الٰہی توبہ الٰہی توبہ' دوزخ کی آنچ سے بچائے اور بھانڈوں کو بھوت بنائے۔ آسیب بنائے۔ جو چاہے سو کرے۔ مگر دوزخ کے کنڈے نہ بنائے۔ بھلا

Marfat.com

پھر یہ حاجی صاحب چاہتے کیا ہیں؟ دوسرا ''چاہتے یہ ہیں کہ نمازیں پڑھو' روزے رکھو' خدا کی بندگی کرو' جو روپیہ رنڈیوں اور بھانڈوں کو دیتے ہو' غریبوں محتاجوں کو دو'۔ پہلا ''بھئی بات تو واجبی ہے۔ رنڈیوں کو دینا تو محض فضول ہے۔ رہے بھانڈ' ان سے بڑھ کر غریب محتاج اور کون ہوگا'' یہ کہہ کر عمامہ باندھ' پائنچے ٹخنوں سے اونچے کر جہاں کھڑا تھا اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ باندھ اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ گویا امام بنا اور نماز شروع ہوئی مسخرہ پن تو یہ تھا کہ نیت باندھ چکا اور پھر ایک طرف یہ کہہ رہا ہے کہ بس بے تامل پھاٹک کھول دو اور مولوی یا حافظ یا حاجی یا زوار یا واعظ جو ہوں ان کو آنے دو اور دوسری طرف سب کو اشارہ کر رہا ہے کہ میرے پیچھے مقتدی بن کر کھڑے ہو جاؤ اور بڑبڑانے لگا۔ طائفے کے جتنے بھانڈ تھے سب صف بستہ ہو کر مقتدی بنے اور اس کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ ذرا دیر گزری تھی کہ ایک نے صف میں سے نکل کر امام کی پیٹھ پر ایک دوہتڑ مارا ایسے زور سے کہ تھوڑی دور آگے جا کر اوندھے منہ گر پڑا اور کہا ''ابے بدعتی یہ کیسی بے وقت اور بے رخی جماعت کی نماز پڑھ رہا ہے۔ اگر مولوی اسماعیل کے مقلد سن پائیں تو مارے کفر کے فتووں کے اتو کر دیں۔'' امام۔ ''ابے تو کیا جانے یہ صلوۃ الخوف ہے اور پھر اسی طرح اپنی جگہ جا کھڑا ہوا۔ گویا اتنی حرکت پر بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ تھوڑی سی دیر کے بعد پیچھے کی صف سے پھر ایک شخص آگے بڑھا اور اس نے امام کا عمامہ اتار تڑاتڑ آٹھ دس بیس لتیڑے رسید کئے۔ امام سہلاتا ہوا یہ کہتا ہوا بھاگا کہ کفر کا فتوی آیا تو یہ لتیڑے مارنے والا کیا کہتا ہے۔ ابے ڈرو مت فتوی نہیں تیری عبادت کا صلہ ہے۔ امام بولا عبادت کا صلہ ہے تو اس میں مقتدیوں کا بھی حق ہے۔ پھر تو اس سرے سے اس سرے تک بلا امتیاز جوتی کاری ہونے لگی اور رنڈیوں اور بھڑوے اور میر محفل اور تماشائی سبھی پر آفت آئی۔ کہتے ہیں کہ چلبلا بھانڈ کے طائفے کا بیس روپے روز معمول تھا اور مبتلا اس طائفے کا ایسا گرویدہ تھا کہ اگر خرچ مساعدت کرتا تو ہر رات ان کا ناچ دیکھتا مگر اس پر بھی کئی سو روپے ان لوگوں کے چڑھ گئے تھے۔ اب مبتلا کے چچا کا آنا سن کر بھانڈوں کو

Marfat.com

بالکل نا میدی ہوگئی اور ایسی نقل کی نقل تو نہایت برجستہ تھی، مگر طبیعت کس کی حاضر تھی۔ اور دل کس کا ٹھکانے تھا کہ مزہ لیتا اور داد دیتا۔ مبتلا کی تو ایسی سٹی بھولی کہ ننگے پاؤں کبھی اندر جاتا اور کبھی باہر آتا۔ مگر کوئی تدبیر بن نہ پڑتی تھی۔ آخر اس نے اپنے باپ کے پرانے نوکر وفادار کو آواز دی۔ یہ بوڑھا آدمی اسم با مسمی مبتلا کو بہت سمجھاتا رہتا تھا مگر نوکر کی بساط کیا۔ جب وفادار نے بار بار کہنا شروع کیا مبتلا نے اس کو جھڑک دیا۔ وفادار نے دل شکستہ ہو کر مبتلا سے کنارہ کشی اختیار کی۔ مردانے میں اس کے رہنے کی ایک کوٹھڑی تھی۔ رات دن اسی کوٹھڑی میں پڑا رہتا۔ اندر سے کچھ فرمائش آتی تو اس کی تعمیل کر دیتا۔ مبتلا کے کسی کام کاج کو ہرگز ہاتھ نہ لگاتا۔ آدمی تھا زمانہ دیدہ سمجھ چکا تھا کہ یہ لیل و نہار اس طرح پر تو سدا چلنے والا نہیں یا تو یہ رسم و راہ نہیں اور رسم و راہ یہ ہے تو بندہ درگاہ نہیں۔ وفادار اکیلا کوٹھڑی میں بیٹھا ہوا دیکھتا نہیں تھا تو سنتا سب کی تھا۔ اس کو میر متقی کا آنا اور ارباب جلسہ کا گھبرانا معلوم ہو چکا تھا۔ خلاف عادت مبتلا کے بلانے کی آواز سن کر مطلب تو سمجھا مگر جان بوجھ کر چادر تان لیٹ گیا۔ مبتلا نے ایک بار پکارا دوبارہ پکارا تین بار پکارا۔ جواب ندارد۔ اگر کبھی پہلے ایسا اتفاق ہوا ہوتا تو وفادار کی مجال تھی کہ مبتلا پکارے اور پہلی آواز پر جواب نہ دے مگر میر متقی کا آنا تھا کہ باہر سے اندر تک سب کا رنگ بدل گیا۔ جو ناچیز تھے وہ اب عزیز تھے جو با اقتدار تھے وہ اب ذلیل و خوار تھے۔ یہاں تک کہ مبتلا نے خود کوٹھڑی کے دروازے پر آ کر پکارا۔ میاں وفادار۔ میاں وفادار جلدی اٹھو چچا آئے۔ وفادار نے گھبرا کر پوچھا کیا چھوٹے میاں حج سے تشریف لائے۔ مبتلا۔ ''ہاں'' وفادار نے میر صاحب مرحوم کو یاد کر کے ایک آہ کی اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا۔ اور میر متقی کے صحیح و سلامت واپس آنے پر خدا کا شکر کیا اور دروازے کھولنے کے ارادے سے دوڑا۔ مبتلا نے لپک کر روکا کہ ذرا ٹھہرو۔ ذرا ٹھہرو۔ مبتلا نے چچا کو دیکھا تو تھا مگر سات برس میں صورت بھول گیا تھا۔ وفادار سے کہا کہ ذرا کواڑوں کی درز میں جھانک کر تو دیکھو وہی ہیں۔ وفادار نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا اور کہا کہ بے شک وہی ہیں اور اب تو مین مین

Marfat.com

سرکار معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ڈاڑھی میں تو ویسی سفیدی نہیں۔ مبتلا یہ سن کر وفادار کے گلے سے لپٹ گیا اور کہا کہ خدا کے لئے کسی طرح مجھ کو اس فضیحت سے بچاؤ۔ میں ان کم بختوں کو کہاں لے جاؤں اور کس طرح چھپاؤں۔ وفادار کو مبتلا کا اضطرار دیکھ کر بہت ترس آیا اور اس نے کہا تھوڑی دیر کے لئے ان لوگوں کو پاخانے کھڑا کر دیجئے۔ چھوٹے میاں آخر اندر جائیں گے۔ اس وقت ان کو نکال باہر واقع میں اس کے سوا کوئی تدبیر ہی نہ تھی۔ آخر یہی کیا کہ چھپا چھپ ان سب کو پاخانے میں اوپر تلے ٹھونس آگے پیچھے دھکیل کنڈی لگا باہر کا پھاٹک کھول دیا۔ میر متقی نے دوڑ کر بھتیجے کو چھاتی سے لگایا اس وقت کی کیفیت بھی جس جس نے دیکھی ساری عمر اس کو نہیں بھول سکتا' بوڑھا پھونس نہیں مگر ادھیڑ' اور جوان فرشتہ اور شیطان' یا رحمت اور قہر یا نیکی اور بدی یا ثقہ اور رند یا حاجی اور پاجی' یا چچا اور بھتیجا دونوں ایک دوسرے کے گلے لگے ہوئے کھڑے رو رہے تھے۔ مبتلا تو دھاڑیں مار رہا تھا۔ اور میر متقی کی آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے۔ اور چونکہ رنج کو بہ تکلیف ضبط کرتے تھے' بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ پچاس ساٹھ آدمی حلقہ باندھے ہوئے گرد و پیش تھے اور سب پر رقت طاری تھی۔ کامل پاؤ گھنٹے کے بعد متقی نے مبتلا کو سینے سے جدا کیا۔ اور سب کے ساتھ اس کو لے جا کر دالان میں بیٹھے۔ تھوڑی دیر سب سکوت میں تھے۔ آخر کسی نے میر صاحب مرحوم کا ذکر خیر نکالا۔ پہلے ان کے محامد اخلاق کا مذکور رہا پھر علالت اور وفات کا آخر فاتحہ پڑھ کر لوگ رخصت ہوئے اور میر متقی زنان خانے میں گئے۔

Marfat.com

فصل ہفتم

# مبتلا کے چچا میر متقی کا اپنی بھانجی یعنی مبتلا کی بی بی کے سامنے تعزیت کے طور پر وعظ کہنا

ماموں کا آنا سن کر بھانجی کو ماں باپ اور ساس سسرے کا مرنا۔ بھائیوں کا ظلم اور سب سے بڑھ کر مبتلا کا اس سے بے تعلق رہنا۔ اپنی بے کسی گھر کی تباہی آئندہ کی ناامیدی غرض ساری داستان مصیبت اول سے آخر تک یاد آ گئی۔ وہ دل ہی دل میں رونے کی تیاریاں کر چکی تھی۔ جوں ماموں نے اندر قدم رکھا۔ اور بھانجی کے ساتھ نظر دو چار ہوئی۔ اس نے کسی طرح لڑکھڑاتے ہوئے کھڑے ہو کر سلام تو کر لیا اور پھر تو ایسی بلکی کہ غش کھا کر گر پڑی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ گئے۔ دانت بچی ہو گئے۔ لخلخے سنگھائے۔ منہ پر گلاب کے چھینٹے دیئے۔ بارے ہوش آیا تو اس نے ایسے بین شروع کئے کہ سننے والوں کے کلیجے منہ کو آنے لگے۔ دل دہل گئے۔ آخر متقی نے سر پر ہاتھ پھیرا اور سمجھایا کہ مصیبت میں اس قدر رنج کرنا عبودیت کی شان نہیں ہے۔ رنج مصیبت کو نہ ٹال سکتا ہے اور نہ اس کو ہلکا کر سکتا ہے بلکہ الٹا مصیبت کو بڑھاتا ہے۔ جیسے محبت ماں کو اکلوتے بیٹے کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس سے لاکھوں کروڑوں درجے بڑھی ہوئی محبت خدا کو اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے۔ اگر خدا نہ چاہے تو کیا بندے آپ سے آپ پیدا ہو جائیں اور اپنے اختیار سے زندگی کریں۔ ایسا خیال کرنا تو کفر کے علاوہ غلط صریح بھی ہے۔ بندے بھلے اور اے امیر اور غریب اور ضعیف حاکم اور محکوم بادشاہ اور رعیت یہاں تک کہ ولی اور پیغمبر سب کے سب اس قدر عاجز اور بے اختیار ہیں کہ بدون خدا کی مرضی کے ایک پتا ہلانا چاہیں تو نہیں ہلا سکتے۔ ایک ذرے کو جگہ سے سرکانا چاہیں تو نہیں سرکا سکتے۔ کسی انسان کا

Marfat.com

نفع وضرر نہ خود اس کے اختیار میں ہے نہ کسی دوسرے انسان کے۔ دنیا میں جس کسی کو جس کسی کے ساتھ کسی طرح کی محبت ہے۔ اس کے یہی معنے ہو سکتے ہیں کہ جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے' اس کا فائدہ چاہتا ہے۔ نہ یہ کہ اس کو فائدہ پہنچتا ہے یا پہنچا سکتا ہے۔ اس واسطے دنیا کی ساری محبتیں از برائے نام ہیں۔ سچی اور اصل محبت خدا کی ہے کہ ساری نعمتیں اور ساری برکتیں جو ہم کو حاصل ہیں۔ یہاں تک کہ زندگی اسی کی دی ہوئی ہے۔ بایں ہمہ انسان کو اس زندگی میں ایذائیں بھی پہنچتی ہیں۔ مگر ان میں ضرور انسان کا کوئی نہ کوئی فائدہ مضمر ہوتا ہے۔ مثلاً طبیب کہ وہ کسی مریض کا علاج کرتا ہے۔ کبھی اس کو کڑوی دوا پلاتا ہے۔ اور کبھی اس کی فصد لیتا اور کبھی بیمار کے زخم کو شگاف دیتا اور کبھی شاید اس کے عضو کو کاٹ بھی ڈالتا ہے مگر ایسا کرنے سے کیا شبہ کر سکتا ہے کہ طبیب اپنے بیمار کے ساتھ عداوت رکھتا ہے۔ اسی طرح جو تکلیفیں ہم کو دنیا میں پہنچتی ہیں اور بلاشبہ خدا کی مقدس مرضی سے پہنچتی ہیں۔ ظاہر میں تکلیف میں اور باطن میں آرام' ابتداء میں ایذا ہیں اور انجام میں راحت اول تو اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ تکلیف حقیقت میں بھی تکلیف ہے یا نہیں۔ فرض کرو کہ کسی عورت کا شوہر مر جائے۔ ظاہر میں بیوگی ایک بڑی مصیبت ہے۔ مگر کیا یہ ممکن نہیں کہ مرد زندہ رہتا اور بیوی پر سوکن لا کر اس کو زندہ درگور کرتا یا بیوی سے اس کا دل ایسا پھرتا کہ جب تک جیتا اس کو سخت ایذا دیتا یا ایسے امراض میں مبتلا ہوتا کہ سارے گھر کی زندگی دشوار کر دیتا اور اسی طرح کے اور بہت سے احتمالات ہیں جن کی وجہ سے ایک عورت اپنی بیوگی کو ترجیح دے سکتی ہے۔ سہاگ پر بس جب تک انسان کو علم مستقبلات یعنی علم غیب نہ ہو اور وہ اس کو نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ وہ کسی حالت کو جو اس پر یا کسی پر طاری ہو برا کہہ نہیں سکتا۔ دنیا کے بہت سے واقعات کو ہم پسند کرتے ہیں۔ مگر جس طرح ہماری معلومات ناتمام ہیں۔ اسی طرح جو نتیجے ہم اپنی معلومات سے نکالتے ہیں ناقص۔ ادھوری روداد اس پر فیصلہ ناکافی تحقیقات اور اس پر تجویز اور مانا کہ جو تکلیف ہم کو پہنچی حقیقت میں تکلیف ہے تو کیا۔ شفیق باپ اپنے پیارے بیٹے کو منصف اور رحم دل بادشاہ اپنی عزیز

Marfat.com

رعیت کو تادیب یا تنبیہ یا اصلاح یا کسی دوسری مصلحت سے ایذا نہیں پہنچاتا۔ ہمیشہ ایسی ایذائیں پہنچتی رہتی ہیں' نہ فریاد نہ شکایت۔ پس اگر خدا کی طرف سے ایک ایذا پہنچ جائے (جانے دو ان بے شمار احسانوں کو اور بھول جاؤ اس کی نامحصور نعمتوں کو) تو بندہ کیوں منہ پھلائے' کس لئے بڑبڑائے۔ سب سے بڑا فائدہ جو مصیبت سے انسان کو پہنچتا ہے۔ یہ ہے کہ مصیبت دل میں ہالتخصیص و عجز و انکساری کی صفت پیدا کرتی اور خدا کو یاد دلاتی ہے اور حقیقت میں مصیبت کے وقت بندہ خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ مصیبت نہیں رحمت ہے۔ لیکن خدا کو یاد کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شکایت کرو اور اس سے ناراض رہو۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کی رحمت پر پورا بھروسہ اور اعتماد کر کے صمیم قلب سے یقین کرلو کہ جو کچھ ہوا خوب ہوا۔ مناسب ہوا اور یوں ہی ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو درجہ رضا اور تسلیم کا ہے۔ اور اسی کا نام صبر جمیل ہے اور آدمی کو جس کا عقیدہ ضعیف اور دل کمزور اور جس کی ہمت کوتاہ اور جس کا ارادہ متزلزل ہے' اس درجے پر پہنچنا دشوار ہے۔ مگر اعلیٰ علیین پر نہیں پہنچ سکتے۔ تو ایک سیڑھی دو سیڑھی جتنا ہو سکے کچھ تو اچکو کسی قدر تو ابھرو کہ اسفل السافلین کفران سے نکلو۔ یوں کہنے کو تو زبان سے سبھی کہتے ہیں کہ دنیا فانی ہے۔ چند روزہ ہے' حباب ہے' سراب ہے' سایہ ہے' سحاب ہے' برق بے تاب ہے' مگر مصیبت کے وقت بخوبی ظاہر ہو جاتا ہے کہ زبان ہمارے دل کی سچا ترجمان نہیں۔ کیا کوئی فانی ایک فانی حالت کے لئے اتنا غل مچاتا اور اس قدر روتا پیٹتا مصیبت پر جو منفعت ہم نے ہمیشہ مترتب ہوتے دیکھی' وہ تو یہ ہے کہ مصیبت آدمی کے مستقبل کو اس کی ماضی سے ضرور بہتر کر دیتی ہے یعنی اگر انسان کاہل تھا تو مصیبت کے بعد حالاک ہو جاتا ہے۔ آرام طلب تھا تو جفاکش' بھولا تھا تو سیانا' مسرف تھا تو تو محتاط' جلد باز تھا تو دھیما' آوارہ تھا تو نیک کردار۔ جس آدمی پر نہ اس کی عقل کا ٹھکانا' نہ اس کی رائے کا بھروسہ' نہ اس کا دین اخلاق شائستہ۔ اس کے علاوہ اس کا دستور ہے کہ ایک حالت کیسی ہی

Marfat.com

عمدہ کیوں نہ ہو' اگر ساری عمر یکسانی کے ساتھ چلی جائے تو اس حالت کی عمدگی کا احساس نہیں رہتا بلکہ اکتا کر خود اس حالت سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ ایک باورچی کو میں جانتا ہوں جو نمکین اور میٹھے چاول یعنی بریانی تنجن وغیرہ پکانے میں کامل استاد تھا۔ شہر میں کہیں نہ کہیں شادی یا غمی کی کوئی نہ کوئی تقریب لگی ہی رہتی تھی' جس کے یہاں چالوں کی پخت ہوتی اسی باورچی سے پکواتا۔ اور اس کو مزدوری کے علاوہ دستور کے مطابق تہ دیگی کی چوٹی دار رکابی بھی ملتی وہ ایک رکابی ایسی ہوتی تھی کہ اس کا سارا گھر اس کو کھا کر اٹل ہو جاتا۔ پس ان لوگوں کو دونوں وقت عمدہ سے عمدہ بریانی اور بہتر سے بہتر تنجن کھانے کو ملتا تھا۔ پس یہ حالت تھی کہ کسی غریب آدمی کے سامنے جو بریانی تنجن کو ترستا ہو' بیان کیجئے تو سننے کے ساتھ ہی رال ٹپک پڑے مگر اس باورچی اور اس کے اہل وعیال کا کیا حال تھا کہ منتیں کر کے بریانی تنجن کی رکابیاں ہمسائے کے لوگوں کو دیتے اور ان سے روٹی چٹنی مانگ کر کھاتے۔ پس ہم نے تندرستی کی قدر بیماری سے جانی۔ وطن کی پردیس سے' تونگری کی مفلسی سے' آرام کی دکھ سے' راحت کی مصیبت سے' تو جو شخص حقیقی راحت کا خواہاں ہے ضرور ہے کہ مصیبت کا بھی مزہ چکھے۔ مصیبت زدہ کے لئے سب سے بہتر تدبیر یہ ہے کہ وہ دوسرے مصیبت مندوں پر نظر کرے۔ مثلاً اگر اس کو صرف بیوگی کی شکایت ہے تو پائے گی کہ اس جیسی اور اس سے بدتر لاکھوں بیوہ عورتیں اور بھی ہیں۔ شاید یہ ایک مدت خانہ داری کرنے کے بعد بیوہ ہوئی۔ اور ہزار ہا اللہ کی بندیاں ایسی بھی ہیں۔ جنہوں نے شوہر کی صورت تک نہیں دیکھی۔ پس وہ بیوگی کے علاوہ لاولد بھی ہیں اور شاید ان کو روٹی کا بھی کہیں سے آسرا نہ ہو پس بیوہ اور لاولد کے علاوہ محتاج بھی۔ نگھری ندری بھی اور شاید دکھیا۔ بیمار اور شاید اندھی اور لولی اور اپاہج بھی' کسی کو اگر کھجلی کی ایذا ہے تو وہ دیکھے گا اپنے ہی جیسے آدمی کو زخمی اور کوڑھ میں کیڑے اور کیڑوں کے ساتھ زخم اور زخموں میں سوزش العیاذ باللہ۔ جس کی آنکھ میں ناخنہ ہے۔ کیا اس کو اس سے تسلی نہیں ہوگی کہ

Marfat.com

دوسروں کی آنکھ میں ٹینٹ یا دوسرے کا نڑے بلکہ اندھے بھی ہیں۔ غرض دنیا کا حال یہی ہے کہ ایک سے ایک بہتر ہے۔ پس کیوں کوئی مغرور ہو اور ایک سے ایک بدتر ہے تو کس لئے کوئی ناصبور ہو۔ بیٹی میں یہ نہیں کہتا کہ تم پر مصیبت نہیں پڑی۔ مگر اس مصیبت پر جو تمہاری حالت ہے شکر کے قابل ہے کہ خدا کے فضل وکرم سے تندرست ہو۔ عزت وآبرو کے ساتھ گھر میں بیٹھی ہو۔ تم نے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔ تم نے دروازے دروازے بھیک نہیں مانگی۔ تم نے پیٹ کے واسطے کسی کی خدمت نہیں کی ٹہل نہیں کی۔ گو ماں باپ کو خدا نے اٹھالیا۔ مگر ابھی تمہارے غم گسار' تمہارے خبر گیر' تمہارے سرپرست موجود ہیں۔ اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں کہ باپ جتنی نہیں کروں گا۔ اس سے پورا اطمینان رکھو کہ ان شاء اللہ اپنے مقدور بھر تمہارے حال کی اصلاح تمہارے معاملات کی درستی میں کسی طرح کی کوتاہی بھی مجھ سے نہ ہوگی۔ لاؤ شہر سے بلکہ اسی محلے سے بلکہ اسی کوچے سے بلکہ تمہارے پڑوس سے جتنی عورتیں کہو بلا لاتا ہوں جن کو دیکھ کر تم ضرور رحم کروگی اور سمجھوگی کہ یہ مجھ سے زیادہ دکھیا ہیں۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ دنیا میں ہر شخص خوش ہے اس واسطے کہ وہ اپنی حالت کو کسی دوسرے کی حالت کے ساتھ بدلنا نہیں چاہتا۔ جس دن پہلے پہل میں نے یہ بات کتاب میں لکھی دیکھی تو میں ذرا اس پر ٹھٹکا پھر میں نے سوچا کہ اس کو میں اپنے ہی اوپر کیوں نہ آزماؤں تو میں نے اپنی جان پہچان کے پانچ آدمی تجویز کئے۔ جن کی حالت تو بنظر ظاہر میں اپنی حالت سے بہتر سمجھتا تھا۔ لیکن اچھی طور پر غور کیا تو ایک لاولد تھے۔ دوسرے بیٹے تو رکھتے تھے مگر ناہموار۔ تیسرے دائم المرض۔ چوتھے شدت سے کنجوس۔ پانچویں بیوی کی بدمزاجی اور بدسلیقگی اور بدزبانی سے عاجز چھٹے لامذہب غرض کسی کو بے داغ نہ پایا۔ تب اس حکیم کے مقولے کی تصدیق ہوئی میرے دل کی تشفی ہوئی اور پھر ایک بات اور بھی سوچنے کے قابل ہے کہ غم کیسا ہی سخت اور صدمہ کتنا ہی بھاری کیوں نہ ہو۔ رفتہ رفتہ خود بخود اس کا اثر مضمحل ہوتے ہوتے آخر کار

Marfat.com

ہو جاتا ہے۔ کبھی ہمارے ماں باپ بھی مرے تھے ہم بھی ان کے فراق میں تمہاری طرح بہتیرا روئے' دھوئے' غمگین اور اداس رہے۔ آخر بھول بسر گئے۔ غرض انسان کو چار و ناچار صبر تو کرنا پڑتا ہے کیا کرے دیوار سے سر ٹکرا کر کوئیں میں گر کر' افیون کھا کر حرام موت مر رہے۔ مگر اس کو صبر محمود نہیں کہتے۔ صبر محمود وہی ہے کہ نزول مصیبت کے وقت ہو۔ جبکہ رنج دل کو نچوڑتا اور کلیجے کو کھرچتا ہے۔ آنسو ہیں کہ نکلے چلے جاتے ہیں۔ اور سانس ہے کہ پیٹ میں نہیں سماتا۔ وہ بندے کے لئے سخت آزمائش کا وقت ہے۔ معاذ اللہ اگر خدا کی شان میں شکایت کا کوئی کلمہ اس کے منہ سے نکل گیا یا اس کے دل میں خدا کی نسبت جل جلا شانہٗ بے رحمی یا بے انصافی کا خیال وسوسے کے طور پر بھی آ گیا تو بس دنیا خراب عاقبت برباد۔ خسر الدنیا و الاخرۃ و نالک ھو الخسران لمین متقی نے جو یہ باتیں عقل کی دین کی نصیحت کی بیان کیں تو بھانجی پر ایسا اثر ہوا کہ گویا گرتی ہوئی دیوار کو ٹھونی لگا دی۔ ڈوبتے ہوئے کو اچھال کر کنارے پہنچایا۔ مرجھائے درخت کو پانی دیا۔

Marfat.com

فصل ہشتم

# میر متقی کا مبتلا کے امور خانہ داری کی اصلاح میں کوشش کرنا

متقی کا ارادہ تو یہ تھا کہ بھائی سے مل کر ہفتہ عشرہ رہ کر رام پور روانہ ہوں گا۔ مگر سوچا کچھ اور ہوا کچھ۔ یہاں آ کر دیکھا تو بھائی کو مرے ہوئے چھ مہینے ہو چکے تھے اور بھتیجے صاحب نے وہ اودھم مچا رکھی تھی کہ خدا کی پناہ۔ دو تین مہینے بھی متقی کے پہنچنے میں دیر ہوتی تو تنخواہوں کا' کرائے کا' رہنے کے موروثی مکان کا' خاندان کی عزت و آبرو کا' بزرگوں کے نام و نمود کا سب کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ باپ کا بیمار پڑنا اور مبتلا کا مدرسے سے اٹھنا۔ وہ دن اور آج کا دن اس بندہ خدا نے بھول کر بھی تو مدرسے کو یاد نہ کیا۔ شروع شروع میں دو چار ہم جماعت بلانے کو آئے۔ بعض مدرسوں نے بھی کہلا بھیجا۔ مبتلا کس کی سنتا تھا۔ رخصت کی غیر حاضری ہوئی اور غیر حاضر ہوتا تھا کہ نام کٹ گیا۔ بیٹھے بٹھائے اچھا معقول وظیفہ کھویا اور بات کی بات میں آئندہ کی ساری امیدیں ایک دم سے منقطع ہو گئیں۔ جن جن سرکاروں سے تنخواہیں مقرر تھیں ضرور تھا کہ پیروی کر کے وارثوں کے نام ان کا اجراء کرایا جائے مگر یہاں پیروی کرے تو مبتلا اور نہ کرے تو مبتلا۔ اگر باپ کے مرنے پر مبتلا ان سرکاروں میں جاتا تو جن سرکاروں کا جیسا دستور تھا کہیں سے ماتمی خلعت' کہیں سے نقد کچھ نہ کچھ ملتا۔ اور تنخواہ بھی کہیں سے پوری کہیں سے ادھوری جاری ہوئی ہی ہوتی۔ مگر مبتلا کو اپنے مشاغل لایعنی سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ وہ ان باتوں کو سوچے اور خلعت یا

Marfat.com

تند یا تنخواہ کے لئے سرکاروں میں دوڑ دھوپ کرے۔ غرض جتنے معمولات تھے سب بند ہو گئے اب آمدنی کے نام سے تو رہ گیا کیا صرف کرایہ۔ اول تو وہ تھا ہی کتنا مگر خیر جس قدر تھا اس کا بھی یہ حال ہوا کہ کسی کے دو روپے دینے ہیں اس نے مانگنے نہ مہینہ دیکھا نہ حساب نہ کتاب۔ قلم اٹھا کسی کرایہ دار کے نام چٹھی لکھ دی کہ اس کو دو روپے دے کر کرایہ میں مجرا کر لو۔ اب وہ چٹھی والا کرایہ دار کے سر ہوا۔ ہر چند وہ کہتا جاتا کہ بھائی ابھی مہینہ پورا نہیں ہوا۔ میں نے اپنی گرہ سے مرمت کرائی ہے۔ چٹھی والا ہے کہ ایک نہیں سنتا۔ کرایہ داروں نے دیکھا کہ الٰہی شہر میں ہزار ہا مکان اور لاکھوں دکانیں ہیں' یہ چٹھی کا انوکھا اور نرالا دستور نہ دیکھا نہ سنا۔ ایک میر صاحب تھے اللہ بخشے کہ ایک مہینے کا کرایہ دوسرے مہینے میں اور دوسرے کا تیسرے میں وصول ہوتا رہتا تھا۔ بے چارے کبھی ایک سخن بھی تو زبان پر نہیں لائے۔ انہیں کے صاحبزادے ہیں کہ بے حساب بیٹھے بیٹھے چٹھیاں اڑاتے ہیں۔ گویا کوتوالی کے پروانے ہیں یا تھانے کے حکم نامے۔ غرض اکثروں نے بیدل ہو کر مکان خالی کر دیئے اور اٹھ کر کہیں اور جا رہے ہیں اور جائداد اس قدر بدنام ہو گئی کہ کوئی دوسرا کرایہ دار رخ نہیں کرتا۔ مبتلا کے ہاتھ لگ گیا تھا ماں کا زیور اسی میں یہ تمام گل چھرے اڑا رہے تھے۔ پونے دو ہزار کا زیور اس مرحومہ کا تھا۔ چھ مہینے میں سب خالصہ لگ چکا۔ اب مہینے سوا مہینے سے ادھار پر گزران تھی۔

متقی نے جو یہ حال بھائی کے گھر کا دیکھا تو کیونکر ممکن تھا کہ ان لوگوں کو ایسی حالت میں چھوڑ کر چلا جائے۔ ناچار رام پور کا ارادہ سردست فسخ کیا اور مبتلا کو ساتھ ساتھ سرکاروں میں لئے لئے پڑا پھرا۔ کسی کے کار پرداز سے ساز باز کی۔ کسی کے داروغہ کو جا گانٹھا۔ سفارش پہنچائی اور سعی کے مقام پر سعی کرائی۔ بعض جگہ اپنی وجاہت سے کام نکالا اور جہاں موقع بن پڑا بھائی کے حسن خدمات پر زور ڈالا۔ غرض کئی مہینے کی دماد وش سے اتنا ہوا کہ میر مہذب کے زمان حیات میں جتنی تنخواہیں تھیں بلا کم و کاست پوری پوری کھل

Marfat.com

گئیں بلکہ بعض سیر چشم سرکاروں نے پچھلے چھ مہینے کی چڑھی ہوئی تنخواہیں بھی بلا وضعات دیں۔ میر متقی نے ایک پیش بینی یہ کی کہ جس قدر ذاتی تنخواہ تھی یعنی بلا خدمت بطور معاش ملتی تھی۔ اپنی بھانجی غیرت بیگم یعنی مبتلا کی بی بی کے نام جاری کرائی اور تنخواہ مشروط الخدمت مبتلا کے نام۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ بی بی کے آگے مبتلا کی ذرا کنی دبی رہے۔ تنخواہوں کا پچھلا چڑھا ہوا روپیہ جس قدر ملا اس سے مکانات اور دکانات کی شکست و ریخت کی درستی کرا کے کرایہ داروں کو بسا کر ان کے سر خط بھی آدھے کرائے کے مبتلا کے نام اور آدھے غیرت بیگم کے نام لکھوا دیئے۔ میر مہذب کے روز وفات سے آج تک بیوتات کا حساب بننے کے یہاں سے ادھار چلا آتا تھا۔ حساب کر کے اس کا قرضہ چکایا اور آئندہ کے لئے اچاپت کو مطلقاً بند کر کے یہ قاعدہ باندھ دیا کہ جو چیز درکار ہو نقد بازار سے آجایا کرے۔

Marfat.com

فصل نہم

# میر متقی بڑے بھانجے سید حاضر کو سمجھاتے ہیں کہ بہن کو محروم الارث مت کرو

غیرت بیگم کو بھائیوں نے ترکہ پدری سے محروم کر رکھا تھا۔ اور کس کی مجال تھی کہ ان بھڑوں کے چھتوں کو چھیڑے وہ اس بلا کے لوگ تھے کہ اگر نالش کی بھنک بھی ان کے کان میں جا پڑتی تو کہاں کے ماموں اور کس کی بہن اور کیسا بہنوئی سب کی عزت کے لاگو ہو جاتے۔ یہ ایک شعر جو مشہور ہے۔

بہر جا جمع ہے آیند سادات
فسادات فسادات فسادات

کہتے ہیں کسی نے سید نگر والوں ہی کی شان میں کہا تھا اور متقی کو وہاں کے لوگوں کے ہتھکنڈے بخوبی معلوم تھے اور مخاصمانہ طور پر بھانجوں کے ساتھ پیش آنا اور ان کے مقابلے میں مدعی یا مدعا علیہ ہونا گو بھانجی ہی کا حق طلب کرنے کے لئے نہ ہو نہ ان کو شایان تھا۔ اور نہ غیرت بیگم کے حق میں مفید۔ سید نگر کے سب لوگ زمیندار اور رعایا یہاں تک کہ خوش باش اور اس قدر مفسد تھے کہ جھوٹ بولنا جھوٹا حلف اٹھالینا جھوٹے گواہ جھوٹی روداد اور جھوٹی دستاویزیں بنانا حاکم کو دھوکا پر ایا حق مار بیٹھنا لوگوں کو ناحق ستانا ان باتوں کو بڑا ہنر اور داخل ہوشیاری سمجھتے تھے اور جس طرح کوئی بڑا نامی جنرل اپنے دوستوں میں فخراً اپنی فتوحات کے واقعات بیان کرتا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ دیوانی فوجداری کے مقدمات

Marfat.com

کے تذکرے کرتے رہتے تھے۔ کوئی امیر اپنی مدح پر اتنا ناز نہ کرتا ہوگا۔ جتنا ان کو ڈگریوں اور فیصلوں پر تھا' ان لوگوں کی نظروں میں میر متقی صوفی وفقیہ تھے۔ مگر سادہ لوح اور سفید عالم وفاضل تھے۔ مگر احمق ولا یعقل' میر متقی کا چھوٹا بھانجا سید نگر ناظر جو غیرت بیگم سے بھی عمر میں چھوٹا تھا۔ کچہری دربار کا کام دیکھتا تھا۔ اور تمام معاملات مقدمات اسی سے متعلق تھے۔ پس یہ گھر کا عقل کل تھا' سید حاضر جو غیرت سے بڑا اور اکبر اولاد تھا۔ سید نگر میں مکان کی خبر گیری کرتا تھا اور رعایا سے وصول تحصیل کرتا اور سیرا کا جتوانا بوانا غرض گاؤں کا سب کام کاج اس کے سپرد تھا' ماموں کا آنا سن کر سید نگر سے سید حاضر تو فوراً اگلے ہی دن آ حاضر ہوا اور اس نے اس کا بھی انتظار نہ کیا کہ تعزیت کے لئے ماموں کی طرف سے تقدیم ہونی چاہئے۔ لیکن جب وہ واپس جانے لگا تو میر متقی اس کے ساتھ ادائے رسم تعزیت کے لئے سید نگر گئے۔ ناظر وہاں نہ تھا۔ معلوم نہیں کسی ضرورت سے غیر حاضر تھا۔ یا قصداً ماموں کی آمد سن کر ٹل گیا تھا۔ میر متقی نے بقریب تعزیت جہاں اور بہت سی باتیں سید حاضر سے کیں۔ ان میں سے یہ بھی تھی کہ تم کو شروع سے خدا نے بڑا کیا کیونکہ تم بھائی صاحب مرحوم کی اولاد میں سب سے بڑے ہو لیکن تم پہلے صرف ان کی نسل میں بڑے تھے اور اب خاندان اور برادری میں بھی بڑے ہو کیونکہ تم کو لوگ مرحوم کا جانشین سمجھتے ہیں اور تم ان کے جانشین ہو بھی۔ انسان کو خدا نے ایسے طور کا مخلوق بنایا ہے کہ تمدن اس کو لازم ہے۔

جس طرح تمدن اس کے وجود کی شرط ہے کہ اگر انسان مدنی الطبع نہ ہوتے اور آدمی آدمی کے ساتھ مل کر نہ رہتا تو آگے کو ان کی نسل نہ چلتی۔ اسی طرح تمدن انسان کی حیات بلکہ اس کی ممات کی بھی شرط ہے۔ تمدن نہ ہو تو انسان کی زندگی عذاب اور مرے پیچھے اس کی مٹی خراب' تمدن کی ضرورت سے آدمی دو دو چار چار' دس دس' پچاس پچاس' ہزار ہزار لاکھ لاکھ اور اس سے بھی زیادہ اکٹھے ہو کر رہتے ہیں اور خاندان اور قبیلے اور کنبے اور

Marfat.com

برادری اور گاؤں اور قصبے اور شہر اسی تمدن کے مظاہر ہیں۔ تمدن سے لوگوں میں انواع و اقسام کے باہمی تعلقات قائم ہوتے ہیں۔ ماں' باپ بیٹا' بیٹی' میاں بی بی' بھائی بہن اور جتنے طور کے دور و نزدیک کے رشتہ دار ہیں۔ اور ہمسایہ اور ہم وطن اور حاکم و محکوم اور بادشاہ اور رعایا اور استاد اور شاگرد اور آقا اور نوکر اور افسر اور ماتحت اور زمیندار اور کاشت کار اور بائع اور خریدار وغیرہ یہ سب نام ہیں' لوگوں کے باہمی تعلقات کے' ہر تعلق کے ساتھ کچھ حقوق ہوتے ہیں اور کچھ ذمہ داریاں مثلاً باپ اور بیٹے میں ایک طرح کا تعلق ہے' باپ کا حق ہے کہ بیٹا اس کا ادب کرے۔ اس کا حکم مانے اور اس کی ذمہ داری یا بعبارت دیگر اس کا فرض یہ ہے کہ بیٹے کو شفقت کے ساتھ پالے۔ تربیت کرے' پڑھائے لکھائے ہنر سکھائے جو اس کے کام آئے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ تمدن کے حقوق اور فرائض میں اکثر بلکہ سب کے سب الا ماشاء اللہ مطفف میں مطفف عربی میں کہتے ہیں اس شخص کو کہ اپنا لینا ہو تو جھکی ہوئی تول لے اور دوسرے کا دینا ہو تو اڑتی ہوئی دے۔ ایسے ہی لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

افسوس ہے ڈنڈی ماروں پر کہ جب لوگوں سے ناپ کر لینا ہو تو پورا پورا لیں اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دینا پڑے تو ان کو گھاٹا پہنچائیں۔ کیا لوگ اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ ایک بڑا دن آنے والا ہے اور اس دن ان کو مر کر اٹھنا ہوگا۔ اس دن لوگ پروردگار عالم کے روبرو کھڑے ہوں گے۔ اسی طرح دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں الا ماشاء اللہ جو اپنے حق میں سے کسی بھائی کو رتی بھر چھوڑ دے۔ لینے میں تو ایسا سیانا اور سخت گیر اور دوسرے کے حقوق ضائع ہوں۔ تلف ہوں کچھ پروا نہیں۔ ذرا دل پر میل نہیں دینے میں ایسا گھر کا بھولا اور شریر اور کش مکش اور مفسدے کے روکنے کے لئے اللہ صاحب جل شانہ نے دو ہرے دو ہرے انتظام کے لئے ایک سلطنت ظاہری کہ بادشاہ ہے اور اس کے پاس فوج ہے اور توپ ہے اور تلوار ہے اور قوت ہے اور پولیس ہے اور حاکموں کا ایک گروہ ہے اور جلاد ہے اور جیل خانہ ہے اور بند ہے اور تازیانہ ہے۔ اس انتظام کے تفصیلی

Marfat.com

حالات تم کو مجھ سے بہتر معلوم ہیں۔ دوسری ایک سلطنت الٰہی ہے جس کو دین یا مذہب یا شرع کہتے ہیں۔ اس میں توپ کا نام نہیں، تلوار کا کام نہیں۔ اعوان و انصار نہیں فوج اور سپاہ درکار نہیں۔ مگر دنیا میں جس قدر امن اور جتنی عافیت ہے۔ اسی الٰہی سلطنت کی بدولت ہے۔ ظاہر بیں اور کوتاہ بیں ایسا سمجھتے ہیں کہ دنیا کا سارا انتظام حکام ظاہر کرتے ہیں۔ استغفراللہ نہ کرتے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں۔ ملک کی ساری پلٹنیں کالوں کی اور گوروں کی اور سارے رسالے اور سارے توپ خانے اور سارے پولیس کے ملازم اور سارے حاکم سب کے مجموعے کو ملک کی مردم شماری پر پھیلا کر دیکھو۔ تو کیا پرتا پڑتا ہے۔ اگرچہ دس ہزار باشندوں پر ایک کا پرتا بھی نہیں بیٹھے گا۔ مگر فرض کرو کہ دس ہزار پیچھے ایک تو کیا یہ بات سمجھ میں آنے کی ہے کہ ایک متنفس دس ہزار آدمی کے ضبط پر قادر ہو۔ آدمی تو آدمی اگر دس ہزار گدھے یا دس ہزار بھیڑ بکری بھی ہوں تو ایک چرواہا ان کو ایک جگہ کھڑا نہیں رکھ سکتا۔ نہ یہ کہ ان کو جس کروٹ اٹھائے اٹھیں اور جس کروٹ بٹھائے بیٹھیں، ہاں شاید تمہارے دل میں یہ بات خطور کرے گی کہ حاکم ایک کو سزا دیتا ہے تو دس ہزار کو عبرت ہوتی۔ لیکن خیال کرنے کی بات ہے کہ جن کو سزا ہوئی انہیں کو کیا عبرت ہوئی کہ دوسروں کو ہوتی ہم نے تو یوں سنا ہے خدا جانے جھوٹ یا سچ کہ بدمعاش لوگ اول تو گرفت ہی میں نہیں آتے اور اگر کوئی شامت کا مارا اتفاقاً ماخوذ بھی ہوا تو سید نگر والے (وکیل مختار) اس کو سزا نہیں ہونے دیتے اور سزا بھی ہوئی تو ان کو عبرت۔ اس سے ظاہر ہے کہ چھوٹتے ہیں تو دوسرے قیدیوں کو وصیت کر آتے ہیں۔ دیکھنا بھائی میرے چولہے کو ہاتھ نہ لگانا مہینہ پورا نہیں ہونے پائے گا کہ میں پھر آتا ہوں۔ ہم کو تو کبھی اتفاق نہیں ہوا اور خدا نہ کرے کہ ہو مگر اخباروں میں اکثر دیکھا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں خونی کو فلاں تاریخ فلاں وقت پھانسی دی گئی۔ دو ہزار آدمیوں کی بھیڑ تھی۔ عبرت ہو تو ایسی ہو۔ یہ سب نالائق تماشائی تھے اور سنگ دل قصائی اس کے علاوہ ایک بدیہی دلیل ایسی ہے کہ اس سے تو تم کو میری بات کا پورا یقین ہو جائے گا۔ یہ ہلواہا جو بیلوں کو تھان سے کھول کر لے جا رہا تھا۔

Marfat.com

اس کا کیا نام ہے؟ حاضر ''اس کا نام غریبا۔ ''متقی'' ذرا اس کو بلانا'' حاضر' نے بلایا تو اس نے ہل تو کندھے پر سے اتار کر وہیں رکھ دیا اور اسی ہل سے بیلوں کو ٹکا سامنے آ کھڑا ہوا۔ متقی کیوں میاں تمہارا کیا نام ہے۔ ''غریبا'' میاں مجھ کو گریبا کہتے ہیں۔ ''متقی'' کون ذات ہو۔ غریبا۔ ''گوجرنا'' ''متقی'' تم کتنی کھیتی کرتے ہو؟ ''غریبا'' میری کھیتی الگ نہیں (سید حاضر کی طرف اشارہ کر کے) ہاجر (حاضر) میاں کا ہلواہا ہوں اور کھار میں ایک دو بیگھے کا کھپت بھومالو نیے کا ہے۔ اس میں ادھواڑ کا بانٹیہ دار ہوں۔ ''متقی'' بال بچے کتنے ہیں؟ ''غریبا'' (مسکرا کر) بھگوان کی بڑی کرپا ہے۔ آٹھ۔ ''متقی'' کسی کا بیاہ برات بھی کیا ہے۔ غریبا ابھی سب نیدان ہیں۔ ''متقی''۔ اتنے کنبے میں کیوں کر گزرتی ہوگی۔ غریبا۔ ہاجر (حاضر) میاں کی یاد سے روکھی سوکھی' بسی کشی دو وخت نہیں تو ایک وخت مل ہی جاتی ہے۔ چھوٹے بڑے انہی کی ٹہل میں لگے رہتے ہیں۔ یہی سب کو پالتے ہیں بھیتر سے بڑی سہایتا رہتی ہے۔ ''متقی''۔ اشارے سے غریبا کو پاس بلا کر (آہستہ سے) کیوں بے آج کل تو کھلیان تیار ہیں۔ رات بے رات موقع پا کر کھلیان پیچھے دو دو پولی بھی اٹھا لائے تو کسی کو کیا معلوم اور مزے میں تیرا کام ہو جائے۔ غریبا دور ہٹ کر) نا میاں بھگوان برا کام نہ کرائے۔ ''متقی''۔ کیوں کیا جاگا چوکیدار سے ڈرتا ہے۔ اس کو ہم سمجھا دیں گے۔ غریبا۔ جاگا (گالی) کہاں کا سورما ہے۔ ایک ڈپٹ بٹاؤں تو (گالی) دو ہولی میں۔ پر نہیں برا کام برا ہی ہے۔ ''متقی'' ابے مسخرے کسی کو کانوں کان تو خبر ہونے کی نہیں' یہ اچھا ہے کہ تن پر چیتھڑا نہیں' پیٹ کو ٹکڑا نہیں۔ ''غریبا'' مانس پڑا مت دیکھو بھگوان سے تو کچھ چھپا نہیں۔ اس کے بعد متقی نے استمالت کی دو چار باتیں کر کے غریبا کو تو رخصت کیا اور سید حاضر سے کہا۔ کیوں صاحب آپ نے دیکھا یہی انتظام الٰہی ہے کہ یہ بے چارہ نہ تو پڑھا اور نہ لکھا اور نہ شاید ساری عمر کسی پنڈت' برہمن کی صحبت میں بیٹھا۔ ضرورت اس درجے کی کہ اگر سچ سچ پوچھئے تو فمن اضطرفی مخمصۃ کا مصداق ہے اندیشہ پاسباں سے مطمئن اور اس پر چوری کو سمجھتا ہے کہ برا کام ہے۔ اصل میں برا سمجھنا اس کو چوری کے

Marfat.com

ارتکاب کا مانع ہے اور یہ سمجھ یعنی برے بھلے کا امتیاز جو خدا نے مرد عورت لڑکے جوان' بوڑھے خواندہ ناخواندہ ذہین غبی شہری دیہاتی سب بنی آدم کو اعلیٰ قدر مراتب دیا ہے۔ ایک پاسبان الٰہی ہے جو ہر ایک پر مسلط ہے اس کو کراماً کاتبین کہو یا نفس لوامہ سمجھو یا جن الفاظ سے چاہو تعبیر کرو میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ جرموں کا انسداد لاکھ حصے سلطنت الٰہی کی تاثیر سے ہے تو شاید ایک حصے حکومت ظاہری کی تدابیر سے حکومت ظاہری میں ایک بڑا نقص یہ ہے کہ حاکم کیسا ہی منصف کیوں نہ ہو چونکہ اس کو معاملے کی اصل حقیقت سے تو آگہی ہوتی نہیں۔ ناچار اسے روداد کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور روداد کی کیفیت تو کوئی ہمارے سیدنگری بھائیوں سے پوچھے کہ کہو تو مکھی کو بھینسا بنا دیں اور فرماؤ تو بھینسے کو مچھر بنا کر اڑا دیں۔ پس حاکم ظاہری کبھی پورا پورا انصاف کر ہی نہیں سکتا۔ اس کا فیصلہ اندھے کی لاٹھی ہے۔ لگی لگی نہ لگی برخلاف سلطنت الٰہی کے اس کا نشانہ ممکن نہیں کہ خطا کرے۔ اس کا مجرم ہو نہیں سکتا کہ سزا سے بچ جائے کسی کی مجال ہے کہ اس کی ڈگری کو رد کے کس کی طاقت ہے کہ اس کے حکم کو ٹالے اگرچہ خدائی فیصلوں کے لئے ایک دن مقرر ہے۔ یعنی روز قیامت کے اس دن اللہ جل وعلا شانہٗ عدل وانصاف کے تخت پر اجلاس فرمائے گا اور نیک اور بد اور سخی اور شوم اور ظالم اور مظلوم سب کا اخیر چکوتا کر دے گا۔ فریق فی الجنته و فریق فی السعیر مگر کبھی مصلحت الٰہی اس کی بھی متقضی ہوتی ہے کہ اس دنیا میں بدل مل جاتا ہے۔ یہی سیدنگر ہے کہ اب سنے بہت زیادہ دور بھی نہیں۔ شاید بیس برس پہلے دس بارہ ہاتھی سادات کے دروازوں پر کھڑے جھومتے تھے۔ اور ان کی سخاوت اور داد دہش اور مہمان نوازی اور مسافر پروری کی کیا شہرت تھی کہ کربلا اور بغداد اور حرمین اور نجف اور کاظمین تک زوار ہر سال نام سن کر آتے تھے۔ میں ان دنوں اچھا خاصا ہوشیار تھا۔ مجھ کو اب تک یاد ہے کہ اس بڑی مسجد میں دو ڈھائی' سو طالب علم رہتے تھے۔ اور یہیں کے سادات ان کے کھانے کپڑے کتاب چیزوں کی خبر گیری کرتے تھے۔ طالب علموں کو پڑھانے کے لئے بیش قرار تنخواہوں کے پانچ یا چھ اچھے جید حافظ اور مولوی نوکر تھے۔

Marfat.com

سارے مہینے رمضان کے اور دس دن محرم کے غربا اور مساکین کے لئے اس قدر کھانے پکتے تھے کہ اس کا ٹھیک اندازہ کرنا مشکل ہے۔ بارہ کوس کے گرد کی تمام خلقت ٹوٹتی تھی اور کیا نیتوں کی برکت تھی کہ ہزار دو ہزار پانچ ہزار جتنے آدمی ہوتے ہر شخص کو دو خمیری روٹیاں ایک پیالہ قلیے کا اور ایک خوانچہ کھیر کا وقت پر پہنچ جاتا۔ میر بابا صاحب کا گھران دنوں سب سے بڑھا چڑھا تھا۔ ان کا حال سنا ہے کہ ان دنوں وقت گئے ہوئے پورے سو آدمی دسترخوان پر میر صاحب کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔ اور کیسی خدا کی مہربانی تھی کہ گلی میں دیکھو تو کوڑیوں لڑکے سیدنگر میں کبھی کسی سیدانی کو بانجھ اور چھے سے کم کسی کے بچے سننے میں نہیں آئے۔ غلہ ہمیشہ ارزاں' عام بیماری یا وباء کبھی سیدنگر کے سوانے میں داخل نہیں ہوئی۔ یکا یک گوجروں سے سوانے کی تکرار ہوئی لٹھ چلا طرفین سے آدمی مارے گئے۔ بس اس دن سے سیدنگر پر تباہی آئی۔ یوں تو سادات اور گوجروں میں سدا سے ہی چھیڑ چھاڑ ہوتی ہی چلی آتی تھی۔ مگر اس مقدمے میں سادات سراسر برسرناحق تھے۔ ہمیشہ سے سیدنگر کا سوانا اس تمیں ہزاری باغ کی مشرقی کھائی تھی۔ یہ باغ عین سوانے پر اسی غرض سے لگایا گیا تھا کہ گوجر حد سے متجاوز نہ ہوں۔ تکرار اتنی ذرا سی بات پر ہوئی کہ میرے بابا کے بڑے بیٹے میر مقتدر کے سائیسوں نے گوجروں کی رکھانت گھانس باغ کے پورب کاٹنی شروع کی۔ گوجروں نے مزاحمت کی۔ یہاں تک کہ داتا سنگ نے جو گوجروں کا سرگروہ اور میر بابا کا مدمقابل تھا۔ اپنا خاص کارندہ میرے بابا کے پاس بھیجا۔ وہ کارندہ میر صاحب تک پہنچنے نہیں پایا کہ بیچ میں میر مقتدر نے اس کو بہت کچھ سخت سست کہا اور حق و ناحق ہزارہا گالیاں داتا سنگ کو دیں۔ میر مقتدر بڑے غصیلے اور بڑے [illegible] اور بڑے سخت گیر اور بڑے جابر مشہور تھے۔ کہتے ہیں کہ دو تین خون ان کے ہاتھ سے ہوئے۔ مگر دب دبا گئے۔ انہوں نے ظلماً کئی بھلے آدمیوں کی ناموس بگاڑی اور عزت ریزی کی۔ میر بابا کے خاندان میں جو سید لوگ ناتا نہیں کرتے اصل میں اس کا سبب یہی ہے کہ میر مقتدر نے بلا امتیاز بہت سی عورتوں کو ناتا جبراً گھر میں ڈال لیا تھا۔ کوئی ہندنی تھی

Marfat.com

کوئی چماری کوئی گوجرنی غرض میر مقتدر کے بعد سے ان کے خاندان کے نسب کا اعتبار اٹھ گیا۔ بیٹے کے زور و ظلم نے میر بابا کی تمام نیکیوں کو بے قدر کر رکھا تھا' نہیں معلوم دیدہ و دانستہ بیٹے کی حرکات ناشائستہ سے چشم پوشی کرتے تھے یا واقع مقتدر پر ان کا کچھ اقتدار نہ تھا۔ میر مقتدر کا تمام علاقے میں ایسا زلزلہ تھا کہ کوئی بھلا آدمی سید نگر کی تھانہ داری پر آنے کے لئے رضامند نہیں ہوتا تھا۔ مجبور کیا جاتا تو نوکری سے استعفیٰ دیتا مگر ادھر کا رخ نہ کرتا۔ میں ایسا خیال کرتا ہوں کہ سید نگر کو مقتدر کے ظلموں نے تباہ کیا اور نزاع سوانے کا ایک بہانہ تھا۔ جب مقتدر نے داتا سنگ کے کارندے کو برا بھلا کہا اور اس کے مالک کے علے رؤوس الاشہاد مغلظات سنائیں وہ بیچارہ اپنا سا منہ لے کر لوٹ گیا۔ اور داتا سنگ کے آگے جا کر اپنی پگڑی زمین پر دے ماری اور کہا کہ تم نے مجھ کو بے عزت کرایا اور خود بھی بے عزت ہوئے۔ آج میر بابا کے بیٹے نے بھری کچہری میں مجھ کو اور تم دونوں کو فضیحت کیا اور ایسی ایسی گالیاں دیں کہ کوئی چمار کو بھی نہیں دیتا۔ داتا سنگ بڑی غیرت اور طنطنے کا آدمی تھا اور کسی بات سے میر بابا سے ہیٹا نہ تھا۔ سن کر لال ہو گیا اور کہا کہ اس مسلمان کے چھوکرے کا اتنا مقدور' خیر اب لڑائی ہے تو لڑائی سہی' داتا سنگ کے منہ سے اتنی بات کا نکلنا تھا کہ ڈیڑھ دو ہزار گوجر بھاری بھاری لٹھ کندھوں پر دھر رکھانت پر جا موجود ہوئے۔ میر صاحب کے گھسیارے ان کو دور سے دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ سید نگر میں خبر ہوئی۔ ادھر سے لشکر سادات نکلا دو پہر کا مل لٹھ چلا دو پونے دو سو آدمی زخمی ہوئے' چار گھڑی رات جاتے جاتے سرکاری فوج توپ لے کر آ پہنچی پکڑ دھکڑ شروع ہوئی۔ تحقیقات ہونے لگی اور نتیجہ یہ ہوا۔

| قید | میعادی | قصاص |
|---|---|---|
| دائم الحبس | | |
| ۵ | ۵۱ | ۷ |
| ۲۲ | ۱۰۱ | ۱۸ |

Marfat.com

ہنگاموں اور خانہ جنگیوں میں اکثر سزا کا پلہ دنوں طرف برابر رہتا ہے۔ مگر سیدوں نے بڑا غضب یہ کیا کہ ادھر تو سوانے پر لڑائی ہو رہی تھی' اور ڈھائی تین سو آدمی سید نگر سے نکل کنی کاٹ گوجر پور میں جا گھسے۔ اور وہاں گوجروں کے مندروں کو توڑا پھوڑا عورتوں کو بے عزت کیا۔ مگر یوں سیدوں کی طرف سے زیادتی بہت ہوئی اور سزا بھی بہتوں نے پائی۔ میر بابا نے تو جس وقت سرکاری فوج کا آنا سنا اسی وقت زہر کھا کر مر رہے۔ میر مقتدر کسی تدبیر سے بھاگ نکلے گھر بار ضبط ہوا اسباب نیلام ہوا' بیٹوں میں تین یا چار نابالغ تھے وہ تو بچے دونے پھانسی پائی اور دو کالے پانی بھیجے گئے میر مقتدر کے لئے پانسو روپے کا اشتہار ہوا مگر پکڑے نہ گئے۔ رفیق ان کا ایک خانہ پروردہ ان کے ساتھ بھاگا۔ دس بارہ برس بعد اکیلا واپس آیا بڑا نمازی پرہیز گار' وہ بیان کرتا تھا۔ ان کی مصیبتیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے کہتا تھا کہ آخر کار کسی مقام پر بغداد کے علاقے میں میر مقتدر مرض موت میں مبتلا ہوئے۔ مگر ایسی سختی کی موت ہم نے تو دیکھی کیا سنی بھی نہیں پورے پندرہ دن بول و براز بند تھا نہ مسہل اثر کرتا تھا نہ حقنا نہ پچکاری دن اور رات مچھلی کی طرح تڑپتے تھے۔ اور کسی وقت تالو سے زبان نہیں لگتی تھی۔ بول و براز کے بند ہونے سے مادے میں سمیت پیدا ہوئی اور سمیت ظاہر جلد تک پھوٹ پڑی' باوجودیکہ نہایت گورے چٹے آدمی تھے اور ان مصیبتوں میں بھی ایرانی معلوم ہوتے تھے۔ سمیت کی وجہ سے سارا جسم ایسا ہو گیا تھا جیسے سیہ تاب اور سوزش اس بلا کی کہ کیچڑ میں لوٹے لوٹے پھرتے تھے۔ مگر ایک لحہ قرار نہ تھا۔ مرنے سے سات دن پہلے نہیں معلوم کیا بات تھی۔ بے ہوشی میں وطن کے لوگوں کے نام لے لے کر کہتے تھے فلانا مجھ کو مارے ڈالتا ہے۔ فلانا گرم سیخیں میرے پیٹ میں بھونکتا ہے۔ فلانا مجھ کو تنور میں دھکا دیتا ہے۔ فلانا میری کھال کھینچتا ہے۔ رفیق یہ دیکھ کر اس قدر مرعوب ہوا کہ گویا اسی دن سے اس نے ترک دنیا کیا۔ غرض وہ کم بخت سوانے کا مقدمہ کیا ہوا تھا کہ سید نگر کے حصے کی قیامت آ گئی۔ آبرو اور جان اور مال کا جو نقصان ہوا تھا سو ہوا تھا۔ ایک بڑا نقصان یہ ہوا تھا کہ سادات سے خیر بالکل اٹھ گئی۔

Marfat.com

اب اس نواح میں سید کے معنے ہیں مفسد' لڑاکا جھگڑالو' مردم آزار' جھوٹا جعلساز' مفتری' فتنہ پرداز اور واقع میں لوگوں کے افعال اور معاملات پر نظر کرتے ہیں تو جس قدر بدنامی ہو رہی ہے۔ اس سے زیادہ کے مستحق ہیں۔ گوجروں کے ساتھ لڑنے کا مزہ چکھ چکے تھے۔ چاہئے تھا کہ لڑائی کے پاس نہ پھٹکتے مگر الٹا اثر یہ دیکھنے میں آیا کہ بھائی سے بھائی لڑنے لگا' باپ بیٹے سے بیٹا ماں سے' میاں بیوی سے' پڑوسی پڑوسی سے حصہ دار حصہ دار سے' زمیندار کاشتکار سے گویا لڑائی ان کے خمیر میں داخل ہے۔ یا بے لڑے ان کو نیند نہیں آتی یا کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ شرافت نجابت کے دعوے اتنے لمبے چوڑے کہ کسی کو اپنا کفو نہیں سمجھتے مگر معاملات ایسے کہ پاجی سے پاجی کو شرم آئے اور کمینے سے کمینے کو عار۔ سید نگر کی کھیوٹ نکال کر دیکھو جھڑا عورتوں کے نام ہیں کسی کی جورو کسی کی بیٹی' کسی کی بہن۔ دیوانی و فوجداری میں مہر اور نان ونفقہ اور طلاق کے جتنے مقدمے ایک سید نگر کے ہوں گے۔ شاید ساری لفٹینٹی کے نہ ہوں۔ مگر ان تمام فسادات کے نتیجے کیا ہیں۔ تم لوگوں کے گھروں میں اسٹامپ کے بڑے بڑے پشتارے بہت نکلیں گے۔ بیبیوں کے جسم پر چاندی کا تار نہیں' باوجودیکہ دیہاتی پہناوا ہے۔ گٹھڑی میں سلیقے کا کوئی کپڑا نہیں جوار باجرا سانواں کردوں جو کچھ سیر میں پیدا ہوا اسی پر تمہاری گزران ہے۔ تمہارا علاقہ شہد کی مکھیوں کا چھتا ہے۔ جتنے پیدا ہوتے گئے۔ اسی میں بھرتے گئے۔ میں اگر تمہارے علاقے کا مہتمم بندوبست ہوتا بیگھ بسوانسی کچوانسی سب موقوف کر کے کسور اعشاریہ میں تمہارا کھیوٹ بناتا۔ یہ حال تمہاری حصہ داریوں کا ہو گیا ہے۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ جس حصے کو دیکھیے کثرت انتقالات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک کباب ہے اور اس میں ہزارہا چیونٹیاں۔ سید زادوں کو دیکھا تو اس سرے تک ایک ہوشیار نہیں۔ کسی میں آئندہ کی فلاح کے آثار نہیں یہ وبال کہ نکبت یہ ذلت یہ افلاس سب تمہارے ہی اعمال کی سزا ہے اور اگر یہ پوری سزا ہوتی تو تم سستے چھوٹ گئے تھے۔ یقین جانو سزا نہیں ہے بلکہ تمہید سزا۔ جب سزا کا وقت آئے گا۔ تو یہ تمہارا قانون اور قاعدہ کچھ نہیں پوچھا جائے گا۔ حقوق کے متعلق ایک بات اور ہے۔ جس

Marfat.com

کو میں چاہتا ہوں کہ تم اس کی طرف زیادہ توجہ کرو وہ یہ ہے کہ انسان کے ذمہ دو طرح کے حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ لوگ حقوق العباد کی نسبت بڑی غلطی میں پڑے ہیں اور ان کو آسان سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ اگر کسی آدمی سے اللہ کے حقوق ضائع ہوں اور سبھی سے ہوتے ہیں۔ تو بندے کا خدا سے کیا مقابلہ' حقوق الٰہی کا زیاں اکثر سہو اور غفلت اور نادانی اور کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ہوتا ہے اور امید ہے کہ خداوند غفور و رحیم بندوں کے ضعف پر نظر فرما کر ان کے قصور معاف کرے اور کرے گا' مگر حقوق العباد کا یہ حال نہیں ہے۔ اس میں ایک بندہ زور سے ظلم سے ہیکڑی سے زبردستی سے دوسرے بندے کو ستاتا' اس کا دل دکھاتا' اس کو ایذا پہنچاتا ہے۔ اور اس قصور کا معاف کرنا نہ کرنا۔ اس بندہ مظلوم کے اختیار میں ہے۔ مگر انصاف کرو۔ دنیا میں کتنے لوگ اس کی پروا کرتے ہیں۔ لاکھوں مظلمے ہیں جن کو بندگان خدا مرتے وقت اپنے سروں پر لاد کر لے جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ دین کو کھیل اور مذہب کو ہنسی سمجھ رکھا ہے۔ منہ سے کہتے ہیں کہ مرنا برحق نکیرین کے ساتھ سوال و جواب کا ہونا برحق عذاب قبر برحق' قیامت برحق' مرے بعد پھر زندہ ہونا برحق' رتی رتی کا حساب دینا برحق جنت برحق دوزخ برحق اور کردار برحق تھو سید حاضر مجھ میں تم میں قرابت کا ایک تعلق ہے۔ اور جیسا میں نے تم سے کہا تعلق سے پیدا ہوتے ہیں حقوق اور فرائض میں اس کو اپنا فرض تعلق سمجھتا تھا کہ تمہارے فرائض کو تم پر بالا جمال ظاہر کر دوں سو میں نے اپنا فرض ادا کیا یہ کہہ کر متقی بھانجے سے رخصت ہوا اور چلتے چلتے کہہ گیا کہ افسوس ہے سید ناظر سے ملاقات نہ ہوئی ان شاء اللہ پھر کسی دن آؤں گا۔ میر متقی نے اچھے خاصے پہر سوا پہر سید حاضر کے ساتھ باتیں کیں اس تمام وقت میں سید حاضر کا یہ حال تھا کہ ماموں کے منہ پر اس کی ٹکٹکی بندی ہوئی تھی اور ہمہ تن گوش ہو کر ان کی باتوں میں مستغرق تھا جو لفظ ماموں کے منہ سے نکلتا اس کے دل میں کالنقش فی الحجر بیٹھتا چلا جاتا۔ حاضر کے کان مطلقاً ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے اس پر میر متقی کا بیان گویا ایک

Marfat.com

دریا ہے کہ موجیں مار رہا ہے یا ریل ہے کہ فی گھنٹہ سو میل کی رفتار سے دوڑ رہی ہے یا بھری برسات میں ساون بھادوں کا بادل ہے کہ امڈا چلا آ رہا ہے۔ اور پھر باتیں کھری سچی ستھری جن میں ذرا اونچ نیچ نہیں۔ دنیا کے فائدوں کے ضامن دین کی درستی کی کفیل بھلائی کی اصلاح بہتری کا مشورہ سید حاضر بت کی طرح چپ بیٹھا سنتا رہا۔ اگرچہ گاؤں کا کام کاج کرتا تھا مگر کونسا گاؤں سید نگر جہاں کے پرچونیے ساہوکاروں کے شکمی کاشتکار تعلقہ داروں کے جاہل محض لیاقت شعاروں کے اہل مقدمہ وکیل مختاروں کے کان کترتے تھے مگر متقی نے اتنا کچھ کہا اور سید حاضر سے چوں کرتے نہ بن پڑی۔

Marfat.com

## فصل دہم

سید حاضر کا میر متقی کے وعظ سے متاثر اور متنبہ ہو کر بہن کو اس کا حق دینے پر آمادہ ہونا اور دونوں بھائیوں کی اسی بات پر باہمی رنجش

میر متقی کے چلے جانے کے بعد بھی سید حاضر دیر تک سکتے کے عالم میں تھا' اپنے یہاں کے معاملات میں سے جس پر نظر کرتا تھا کسی کو دغل فساد سے اتلاف حقوق العباد سے خالی نہیں پاتا تھا۔ جن باتوں پر اس کو بڑا ناز تھا۔ اب اس کی نظر میں نہایت ذلیل اور پاجی پن کی دلیل معلوم ہوتی تھیں۔ وہ گھبرایا ہوا دالان میں ٹہل رہا تھا اور اس قدر بے قرار تھا کہ جاڑے کے دن اور شام کے وقت اس کو پسینے پر پسینے چلے آتے تھے اور دیکھتا تھا کہ کھانا اور پینا اوڑھنا اور بچھونا اور ساز و سامان اور مال و متاع اور نقد و جنس کہ اپنا گوشت پوست کوئی چیز بھی لوث حرمت سے پاک نہیں پاتا تھا کہ بد کرداری اور بدمعاملگی ہماری برادری اور ہمارے خاندان میں ابا عن جدا۔ چلی آتی ہے۔ اگرچہ حاضر و ناظر دونوں باپ کے مرنے سے معاملات کرنے لگے تھے مگر حاضر نے احتساب کیا تو اتنے ہی دنوں میں صد مظلمیہ ان کے نامہ اعمال پر چڑھ چکے تھے۔ اور ان میں اکثر ایسے تھے جن کا تدارک محال تھا اور تلافی ناممکن۔ ہم کو حاضر کی اتنی بات سے تعلق ہے کہ جہاں اس کو اپنے وقت کے اور بہت سے معاملے یاد آئے ان میں سے ایک معاملہ غیرت بیگم کا تھا۔ اگرچہ غیرت بیگم کے معاملے میں ابتداء تحریک ناظر کی طرف سے ہوئی اور کسی کو اس میں زیادہ اصرار بھی نہ تھا مگر پھر حاضر کا اتنا قصور تو تھا ہی کہ بڑا بھائی ہو کر اس نے ناظر سمجھایا نہیں۔ غیرت بیگم کا خیال آنا تھا کہ فوراً گھوڑا کسوا سوار ہو کر راتوں رات شہر میں ناظر کے مکان پر جا دستک دی۔ اگلے دن کسی مقدمے کی پیشی تھی اور ناظر آدھی رات تک

Marfat.com

گواہوں کی تعلیم اور کاغذات کی درستی میں مصروف تھا۔ ابھی ابھی طرح نیند بھری ہی نہ تھی کہ بھائی کی آواز سن کر چونک پڑا اور لگا پوچھنے خیر تو ہے آپ ایسے سویرے کیونکر آئے۔ ''حاضر'' خیر ہے تم نے باطمینان وقتی ضرورتوں سے فارغ ہولو تو میں اپنے آنے کی وجہ بیان کروں۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ تھوڑی دیر بعد جب دونوں بھائی ایک جا ہوئے تو حاضر نے پوچھا ''چھوٹے ماموں آئے ہیں تم ان سے ملے۔'' ''ناظر'' میں جانتا ہوں کہ وہ آپا کا جھگڑا ضرور نکالیں گے۔ اور مجھ کو کسی طرح آپا کا حصہ دینا منظور نہیں بے فائدوں باتوں ہی باتوں میں تکرار ہو پڑے گی۔ ''حاضر'' کیوں بے چاری غیرت نے ایسا قصور کیا کیا ہے' کیا وہ ہماری حقیقی بہن اور متروکہ پدری میں عنداللہ اور عندالرسول حقدار نہیں ہے۔ حاضر کے منہ سے یہ سوال سن کر ناظر کے کان کھڑے ہو گئے۔

آدمی تھا معاملہ فہم معاملہ شناس فوراً تاڑ گیا کہ بھائی ماموں سے ملے اور ماموں نے پٹی پڑھائی تو کہتا کیا ہے کہ اگر ماموں کوئی فتوی مکے سے لکھوا کر لائے ہوں تو اس کو اپنی قدوری میں چپکا رکھیں ان کو شاید یہ معلوم نہ ہوگا کہ یہاں شریف مکہ کا حکم نہیں چلتا انگریز بہادر کی عمل داری ہے۔ میں نے برسوں کی جستجو میں پریوی کونسل اور عدالت ہائے عالیہ ہائی کورٹ اور چیف کورٹ اور جوڈیشل کمشنر کے فیصلوں اور میکناٹن سر ہنری لا کی شرع محمدی سے وہ وہ نظائر اور احکام چھانٹ رکھے ہیں کہ اگر آپا سے جہیز واپس نہ کرالوں تو سید نہیں چمار۔ حاضر کو بھی بھائی کی اس قدر خشونت دیکھ کر نہایت استعجاب ہوا کیونکہ اس نے آج تک حاضر کے رو در روایسی شوخ چشمی کے ساتھ کبھی بات نہیں کی تھی اور بولا کہ تم ماموں سے ناحق بدگمان ہوتے ہو میں ان سے ملا بے شک اور تعزیت کے لئے سید نگر تشریف لے گئے بلاشبہ مگر غیرت بیگم کا نام تک ان بے چارے نے نہیں لیا اور افسوس ہے کہ تم نے ان کی شان میں خورد ہو کر اس قدر گستاخی کی اور وہ بھی غائبانہ' پس تم نے ایک بزرگ کا حق تلف کیا۔ ''ناظر'' انہوں نے آپا کا نام نہ لیا ہوگا الکناتہ ابلغ حسن

Marfat.com

الصاحتہ اور فرض کیا میں نے گستاخی کی تو قانون نے صرف ایک ہی گستاخی کو جرم قرار دیا ہے یعنی حکم عدالت کے ساتھ گستاخی کرنا جب کہ وہ عدالت کا اجلاس کر رہا ہو اور ظاہر ہے کہ ماموں اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ ناظر کے اس جواب سے حاضر کو سید متقی کی اس بات کی تصدیق ہوئی کہ حکام ظاہر کے انتظام سے پورے طور حقوق العباد کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔ سید متقی کے وعظ سے سید حاضر کے خیالات دفعتہً اس قدر متبدل ہو گئے تھے کہ دونوں بھائیوں میں التیام کا ہونا محال تھا۔ ناظر اپنے اس پرانے موروثی ڈھرے چلتا تھا کہ قانونی گرفت بچا کر جہاں تک اور جس طرح ممکن ہو اپنا فائدہ کرنا چاہئے۔ کسی کا حق تلف ہو تو مضائقہ نہیں' کسی کا دل دکھے تو پروا نہیں' عاقبت تباہ ہو تو کچھ حرج نہیں اور سید حاضر کو اب اس بلا کا اہتمام تھا کہ ایک غیبت کو بھی وہ اتلاف حق سمجھا' غرض یہ جو سنا کرتے تھے کہ الدنیا والدین ضرتان۔

یا ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں
ایں خیال ست و محال ست و جنوں

اب وہ معمہ حل ہوا کہ حقیقت میں وہ یہ دنیا ہے کہ جیسی ناظر کی تھی جس میں حلال و حرام کا امتیاز نہیں جائز و ناجائز کا فرق نہیں خدا اور رسول کا خوف نہیں' روز قیامت کا اندیشہ نہیں۔ ناظر کی اتنی ہی باتوں سے حاضر کو پورا یقین ہو گیا کہ اس کو سمجھانا اس کے ساتھ بحث کرنا محض بے سود اور لاحاصل ہے۔ اس پر قانون کی پھٹکار ہے اور اس کے سر پر چڑھا ہوا جن سوار ہے۔ اس لئے زیادہ ردوکد مناسب نہ سمجھ کر اس نے دوٹوک بات ناظر کو سنا دی کہ تم اس کو ماموں کا اغوا سمجھو یا میرا حق میں تو غیرت بیگم کا حق اب ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکھ سکتا۔ ''ناظر'' دیکھیے ایسا کیجئے گا تو مجھ سے آپ سے بگاڑ ہو جائے گا ''حاضر'' اگر اتنی ہی بات پر کہ میں ایک حقدار کا حق مارنا نہیں چاہتا تم مجھ سے بگڑو تو تمہاری خوشی اگرچہ تمہارے بگڑنے کا مجھے سخت افسوس ہوگا مگر اس سے ہزار درجے زیادہ

Marfat.com

افسوس ہوگا اگر غیرت بیگم کا حق غصباً میرے پاس رہے۔ ''ناظر'' یہ آپا کی خصوصیت کیا ہے۔ ''حاضر'' خصوصیت پوچھو تو میری حقیقی بہن ہے۔ مگر ایصال حق کے لئے اس کی مطلق خصوصیت نہیں ان شاء اللہ سب حق داروں کے ساتھ میں ایسا ہی معاملہ کروں گا۔ ''ناظر'' تو آپ سیدھی بات یہی کیوں نہیں کہتے کہ آپ ترک دنیا پر آمادہ ہیں۔ ''حاظر''۔ اگر منصوبات کا واپس کر دینا تمہارے نزدیک ترک دنیا ہے تو مجھے اس سے انکار نہیں۔ ''ناظر''۔ بیٹھے بٹھائے یہ آپ کو ہوا کیا ہے پہلے تو میں ماموں کو مولوی حاجی اور جیسا ان کا نام ہے متقی سمجھتا تھا۔ اب معلوم ہوا کہ تسخیر یا سحر کے بھی عامل ہیں۔ ''حاظر''۔ ماموں کی شان میں تمہاری طرف سے یہ دوسری گستاخی اور دوسری غیبت اور دوسرا اتلاف حق ہے۔ ''ناظر''۔ میں آپ کو آگاہ کیے دیتا ہوں کہ یہ گھر کی تباہی کے سامان ہیں۔ ''حاضر'' جس گھر کی آبادی دوسروں کے حقوق غصب کرنے پر موقوف ہو اس کا تباہ کرنا بہتر ہے۔ ''ناظر'' تم نے انجام کار پر بھی نظر کر لی ہے'' حاضر'' انجام کار پر نظر کرنا ہی مجھ کو تو اس ارادے کا باعث ہوا ہے۔ ''ناظر''۔ تو آپ مجھ کو بھی اپنے ساتھ برباد کرتے ہیں' کیسی کیسی تدبیروں سے میں نے ملکیت کو درست کیا۔ اب ایک ڈھنگ پر آ چلی تھی تو آپ ساری عمارت کو جڑ بنیاد سے ڈھائے دیتے ہیں۔ ''حاضر''۔ کیا تم نے مجھ کو مجنوں قرار دیا ہے یا مخبوط الحواس سمجھا ہے۔ دنیا میں کوئی شخص بھی ایسا ہے جو دیدہ دانستہ اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارے یا سمجھ بوجھ کر اپنے رہنے کے مکان میں آپ آگ لگائے' فرق صرف اتنا ہی ہے کہ اس بات کا میں نے قطعی فیصلہ کر لیا ہے کہ دنیا کو دین پر ترجیح نہ دوں اور جس دنیاوی فائدے میں دین کا ضرر ہے اس کی طمع نہ کروں۔ اگر ایسا کرنے سے میری دنیا برباد ہوتی ہو اور اگر مجھ پر دنیاوی تباہی آتی ہو تو آئے۔ جب میں نے دین کے خلاف دنیاوی فائدے کا لالچ نہ کیا تو دنیاوی نقصان میں کیا پروا کر سکتا ہوں۔'' ناظر میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تمہارے فائدے کو بہت ہی عزیز رکھتا ہوں مگر وہیں تک کہ

Marfat.com

وہ فائدے جائز طور پر حاصل کئے جائیں غضب اور ظلم اور دغا اور فساد اور اتلاف حقوق العباد کو نہ میں اپنے لئے جائز رکھتا ہوں اور نہ تمہارے لئے۔ ''ناظر''۔ یہی تو میں کہتا ہوں کہ آپ پر ماموں نے جادو کیا۔ ''حاضر''۔ اگر تمہارے نزدیک یہ جادو تو ہے تو یہی جادو تمام پیغمبر صلوۃ اللہ وسلامہ علیہم اجمعین تمام اولیاء تمام انبیاء تمام اتقیاء کرتے آئے ہیں مگر جادو ایک مکروہ لفظ ہے۔ اس کا استعمال بزرگان دین کے حق میں میرے نزدیک تو درست نہیں۔ ''ناظر'' اچھا تو ایک کام کیجئے آپ اپنے حصے کا بٹوارا کرا لیجئے اور علیحدہ ہو جایئے۔ ''حاضر'' میرا ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا مگر اس صورت میں مشکل یہ ہے کہ جب تک تمام ملکیت تمام مظالم سے پاک نہ ہو میں اس میں سے حصہ لے نہیں سکتا۔ ''ناظر'' آپ نے ساری ملکیت کا ٹھیکہ نہیں لیا۔ اپنے مذہب کی رو سے حصہ پدری میں سے جتنا حصہ آپ اپنا سمجھتے ہوں الگ کر لیجئے۔ ''حاضر'' والد مرحوم کی جگہ میرا اور تمہارا اور غیرت بیگم تینوں کا نام لکھا جانا چاہئے۔ **للذکر مثل حظ الانثیین**۔ ہم دونوں نے ناحق اور ناروا بہن کو محروم کر کے اپنے ہی نام چڑھوائے تو نصف ہم دونوں کا ہوا پس سرکاری کاغذات میں میرا نصف حصہ لکھا ہے۔ اس میں بھی تو غیرت بیگم کا ایک عشر شامل ہے جس کو میں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتا۔ ''ناظر''۔ آپ بٹوارے کی درخواست میں لکھ دیجئے کہ اگرچہ میرے نام نصف حصہ لکھا ہے مگر حقیقت میں میرا دو خمس ہوتا ہے۔ اسی قدر کا میں بٹوارہ چاہتا ہوں۔ حاکم آپ کی درخواست تصدیق کر کے آپ کے دو خمس کا بٹوارہ کر دے گا۔ ''حاضر''۔ تو غیرت بیگم کا یہ ایک عشر بھی تمہاری طرف منتقل ہو جائے گا ''حاضر'' تو اس کے یہ معنی ہیں کہ میں غیرت بیگم کا ایک عشر جو میرے نام ہے تمہارے نام منتقل کر دوں۔ ''ناظر'' خیر معنے مطلب تو میں سمجھتا نہیں۔ ایک راہ کی بات جو میں نے آپ کو بتائی اگر آپ کو مجھ سے پرخاش نہیں ہے تو جس طرح میں نے بیان کیا درخواست لکھئے اور پیش حاکم اس کو چل کر تصدیق کرایئے باقی مراتب میں دیکھ بھال لوں گا آپ کو

Marfat.com

وہی دو خمس ملے گا جو آپ چاہتے ہیں۔ ''حاضر'' غیرت بیگم کا ایک عشر میں تمہارے نام تو منتقل نہیں کرا سکتا وہ بھی ناجائز ہے حقدار کو تو اس کا حق نہ ملا ہاں اگر کہو تو درخواست میں یہ بات بے شک لکھ دوں کہ میرے نام جو نصف حصہ لکھا ہے اس میں دو خمس میرا ہے اور ایک عشر غیرت بیگم کا۔ ''ناظر'' اس میں تو میری نصفی میں فتور پڑے گا۔ ''حاضر'' پڑے گا تو تم جانو میرے اختیار کی بات نہیں۔ ''حاضر'' آپ کے اس اصرار سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف تقاضائے دین داری نہیں ہے بلکہ ماموں کے سب فساد ہیں ''حاضر'' تم بار بار ہر پھر کر ماموں کو ان کی پیٹھ پیچھے برا کہتے جاتے ہو مجھ کو اس بات سے سخت تکلیف ہوتی ہے۔ میں نے تم سے کہا کہ ماموں نے غیرت بیگم کا نام تک نہیں لیا اور تم نے میرے کہنے کو سچ نہ جانا فرض کرو ماموں ہی نے مجھ کو غیرت بیگم کا حق مغصوب واپس کر دینے پر آمادہ کیا تو احقاق حق میں کوشش کرنا فساد ہے۔ ناظر یہ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا بہت خوب معلوم ہوا۔ آپ آپا کو ان کا حصہ دیجئے اگر آپ سے دیا جائے اور وہ لیں اگر ان سے لیا جائے اور ماموں جس غرض سے بھانجی کی خوشامد میں لگے ہیں مجھ کو معلوم ہے' مبتلا بھائی کو انہوں نے دیکھ پایا ہے بھولا۔ بیوقوف چاہتے ہیں کہ بھانجی کے نام سے جو بڑے ماموں لی تمام املاک پر خود قابض ہو جائیں لیکن (مونچھوں پر تاؤ دے کر) اگر ناظر کے دم میں دم ہے تو ماموں کو ایسا مزا چکھاؤں کہ سات برس بعد تو حج سے پھر کر آنا نصیب ہوا اب ان کو ہجرت ہی کرنی پڑے تو سہی۔ آپ کا حصہ لینا ایسا کیا ہنسی کھیل ہے۔ حاضر بے چارہ اپنا سا منہ لے کر سید نگر واپس آ گیا۔ غمگین اداس' کیا خدا کی شان ہے' کہ کل شاموں شام سید متقی کے وعظ سے حاضر متنبہ ہوا توبہ کی تلافی مافات پر آمادہ ہوا راتوں رات بھاگا ہوا بھائی کے پاس آیا۔ ابھی جی کھول کر بھائی سے باتیں نہیں کرنے پایا تھا کہ سخت امتحان میں پکڑا گیا وہ خوب واقف تھا کہ ناظر ایک سانپ ہے۔ اس بلا کا زہریلا کہ اس کا کاٹا پانی نہ مانگے۔ اس کا ڈسا ہوا پھنکار نہ کھائے' وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ناظر اگر بگڑا اور اب اس

Marfat.com

کے بگڑنے میں کسر ہی کیا باقی تھی تو کیسی زمینداری اور کس کی حصہ داری گاؤں کا رہنا دشوار کر دے گا۔ اور اس کے ہاتھوں سے زندگی وبال دوش ہو جائے گی۔ یہ خیال کر کے وہ جی ہی جی میں اپنے آپ کو سمجھاتا تھا کہ تجھ کو بھائی کے ساتھ بگاڑنا کیا ضروری ہے۔ اگر وہ غیرت بیگم کا حصہ نہیں دیتا تو نہ دے' وہ جانے اور اس کا کام جانے اپنا اپنا کرنا اپنا اپنا بھرنا۔ غیرت بیگم کا حصہ لینا ہوگا تو آپ سے آپ نالش کریں گی۔ ہر کسے مصلحت خویش نکو مے داند۔ میری طرفی سے اتنا ہی کافی ہے کہ ابھی سے غیرت بیگم کے حصے سے دست بردار ہو جاؤں اور اگر نالش ہو تو دعوی کی تردید نہ کروں۔ پھر سوچتا تھا کہ اب تک غیرت بیگم حصے سے بے دخل رہیں۔ اس کا وبال جیسا ناظر پر ویسا مجھ پر زیادہ اور ناظر پر کم کیونکہ میں پٹی کا نمبردار ہوں اور پٹی کی تحصیل کی وصولی میرے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے کہ کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ ہم دونوں بھائی تو بے زحمت اپنے حقوق پر قابض ہوں اور غیرت بیگم کو نالش کرنے پر مجبور کریں۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ عورت ہے پردہ نشیں اور کوئی اس کے حق کی حفاظت کرنے والا نہیں' دنیا میں آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لی تو خدا کو کیا جواب دیں گے اور مانا کہ میں غیرت بیگم کے حصے سے دست بردار ہو بیٹھا تو وہی بات پھر آئی کہ میں نے لیا نہ ناظر کو لینے دیا۔ غیرت بیگم کو تو اس کا حق پہنچا۔ علاوہ ازیں آج تک تو ایک غیرت بیگم کا معاملہ ہے اس میں یہ حجت ہے ابھی تو ایسے صدہا معاملے نکلیں گے' غرباء کے ضعفاء کے اور ایسے لوگوں کے جن کو سوا خدا کہیں پناہ نہیں اور ناظر کا منشاء تو معلوم ہو چکا کہ وہ تو سوائے قانون کے خدا اور رسول کسی سے ڈرنے دبنے والا نہیں تو بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ بھائی سے تو ایک نہ ایک دن جھگڑے ہی گی۔ اور آج اگر غیرت بیگم کے معاملے میں میں نے ذرا بھی اپنا نصف ضعف ظاہر کیا پھر تو ناظر کی جیت ہے۔ غرض یہ تزالزل تو ٹھیک نہیں بلکہ وسوسہ شیطانی ہے۔

Marfat.com

فصل گیارھویں

# سید حاضر نے بتقاضائے دینداری علی الرغم

# الف سید ناظر اپنی بہن کو اس کا حق دلایا

ایسے ابتلاء کے وقت میں خدا نے حاضر کی مدد کی۔ اس کو معلوم تھا کہ ناظر کے پاس سادہ سٹامپ کا ایک بستہ ہے۔ آخر ڈھونڈ سے ملا۔ کھول کر دیکھتا ہے تو اس میں پرانے پچھلے سنوں کے متعدد قطعات ہیں' سمجھا کہ ناظر نے کسی ارادہ فاسد سے ان کو مہیم پہنچایا ہے۔ اس نے اٹھنی کا ایک جو قطعہ نیا سادیکھ کر تو لے لیا اور باقی اس فساد کی پوٹ کو چولھے میں جھونک دیا جو قطعہ اس نے نکال لیا تھا' اس پر ایک درخواست لکھی جس کی عبارت یہ تھی (نقل درخواست) کہ میں اور سید ناظر اور غیرت بیگم تینوں حقیقی بھائی بہن ہیں' غیرت بیگم کا نام پٹی داری میں داخل ہونے سے رہ گیا میں پٹی کا نمبردار ہوں اور میرے ہاتھوں پٹی کی تحصیل وصول ہوتی ہے۔ غیرت بیگم کے حق اور قبضے کو میں تصدیق کرتا ہوں اس لئے غیرت بیگم کا نام ایک خمس جمع پر چڑھا دیا جائے اور اسی وقت درخواست کو رجسٹری کرا کر حاکم پرگنہ کے نام روانہ کر دیا۔ وہاں سے معمول کے مطابق اشتہار جاری ہوا۔ اشتہار کا آنا تھا کہ سید ناظر نے عذرداری کا مقدمہ لڑنا شروع کیا۔ کلکٹری میں تو سرسری کاروائی ہوتی ہے۔ اور صرف قبضہ دیکھا جاتا ہے۔ چونکہ نمبردار پٹی نے جس کے ہاتھ سے پٹی کی تحصیل وصول ہوتی تھی غیرت بیگم کے قبضے کی تصدیق کی۔ اس سبب سے ناظر کی عذر داری نامنظور اور غیرت بیگم کا نام ایک خمس پر داخل ہونے کا حکم ہو گیا مگر سید ناظر محکمہ کلکٹری کو کیا مال کو کچھ سمجھتا تھا۔ جس وقت داخل خارج کا حکم پہنچا تو اس کے مختار نے تسلی کے طور پر اس سے کہا کہ نمبردار کے بیان مجرد پر حکم ہو گیا ہے۔ یہ حاکم کی رائے ہے۔ اپیل

Marfat.com

کی بڑی گنجائش ہے۔ ناظر نے کہا ارے میاں کہاں اپیل اور کس کا مرافعہ کل تو نہیں پرسوں تم کو والد کا تحریری وصیت نامہ لا کر دیتا ہوں۔ اس کی بنیاد پر اثبات حقیقت کا دعویٰ (خاک از تو دوکلاں بردار) دیوانی میں دائر کرو تو نمبردار کی ساری شیخی کرکری ہو جائے گی۔ ناظر وصیت نامہ لینے گھر دوڑا ہوا آیا اور اسٹامپ کے بستے کی تلاش میں سیدھا کوٹھڑی میں گھسا بستہ نداردا اس کا ماتھا ٹھنکا معلوم ہوا کہ ایک بستہ تو بڑے میاں کوئی ڈیڑھ مہینہ ہوا جلا چکے ہیں۔ یہ سنتے ہی پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ حاضر ناظر کا جھگڑا ہمارے قصے سے متعلق نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ دونوں بھائیوں میں ایسی چلی ایسی چلی کہ سید نگر والوں میں بھی جو سنتا دانتوں میں انگلی رکھ لیتا تھا۔ قاعدہ ہے کہ آٹے کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ سید حاضر کے ساتھ غیرت بیگم اور غیرت بیگم کی لپیٹ میں سید متقی کی بھی شامت آئی۔

Marfat.com

فصل بارھویں

# سید ناظر کے فسادات' میر متقی کی نسبت عرضی گم نام میر متقی کے سمجھانے سے اصلاح ذات البین کا ہونا

ناظر کو شروع میں صرف اس پر اصرار تھا کہ غیرت بیگم کو حصہ نہ دوں۔ شامپ کے بستہ کو جلانا سن کر وہ بھائی پر نہایت برافروختہ ہوا اور اس نے دیوانی میں سالم حقیقت پدری کا دعوی دائر کیا۔ اس بیان سے نہ حاضر میر باقر کا بیٹا ہے اور نہ غیرت بیگم میر باقر کی بیٹی۔ اس نے بات یہ بنائی کہ میر باقر کا اکلوتا بیٹا میں ہوں میرے پیدا ہونے میں دیر ہوئی تو میر باقر لے پالک کے طور پر حاضر کی پرورش اور پرداخت کرنے لگے اور اس بیان کی تائید میں شامپ کے کاغذ پر ایک وصیت نامہ پیش کیا جس پر میر باقر کی مہر تھی اور اس کا سواد خط بھی میر صاحب کے خط سے شب میر متقی کی نسبت ایک گم نام عرضی لیفٹیننٹی میں پہنچی کہ سلطان روم کی طرف سے جاسوس بن کر آئے ہیں اور لوگوں کو چپکے چپکے جہاد کی ترغیب دیتے ہیں اور عنقریب ہندو مسلمانوں میں ان کے اغواء سے فساد عظیم ہونے والا ہے۔

سید حاضر کو جب دیوانی کے دعوی کا حال معلوم ہوا تو عرضی دعوی کی نقل لے کر سید متقی کے پاس دوڑا ہوا آیا۔ سید متقی کو اس وقت تک داخل خارج کے سوا کچھ حال معلوم نہ تھا دور سے حاضر کو دیکھتے ہی خوش ہو کر لگے تحسین و رضا کی باتیں کرنے۔ حاضر نے پاس آ کر ناظر کی عرضی دعوی کی نقل دکھائی تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر ایسے سناٹے میں گئے کہ بہت دیر ہو گئی اور برا یا بھلا کوئی ہی لفظ منہ سے نہ نکالا تو حاظر نے خود ابتدا کی اور کہا کہ میں اس غرض سے حاضر ہوا تھا کہ میں تو اپنے میں ناظر کے مقابلہ کی طاقت نہیں پاتا عزت کو آبرو کو سچائی کو دین کو ایمان کو خوف کو خدا کو سب کو ایک دم سے بالائے طاق رکھ

Marfat.com

دوں تو ناظر کے ساتھ لڑنے کا نام لوں اور یہ مجھ سے اب نہیں ہوسکتا' ہر چند رہ رہ کر غصہ آتا ہے اور بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس مردک کو اسی قانون سے جس پر اس کو بڑا گھمنڈ ہے اس کے کیے کی ایسی سزا دلواؤں کہ ساری عمر اس کو قید سے نجات نہ ہو اور اس کی تدبیریں سمجھ میں آتی ہیں اور میرے اختیار کی بھی ہیں۔ ناظر کتنا ہی قاعدہ دان اور ضابطہ شناس کیوں نہ ہو۔ آخر ہے تو مجھ سے چھوٹا لیکن آپ کے ارشاد کے مطابق میں خدا سے عہد کر چکا ہوں کہ دنیا کے لئے دین کو نہیں بگاڑوں گا۔ اب دنیا میں ایک فضیلت نہیں ہزار فضیلت اور ایک نقصان نہیں ہزار نقصان کیوں نہ ہو جائیں۔ اس عہد کو تو میں توڑ نہیں سکتا مگر ناظر کے حملے سے بچنے کے لئے میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ میر غالب کو تو آپ جانتے ہوں گے وہ بھی ان دنوں سید نگر کے بڑے چلتے ہوئے پرزوں میں ہیں۔ سید نگر خاص میں ان کا بھی تھوڑا سا حصہ ہے۔ ان کی وکالت آج کل بڑے زوروں پر ہے۔ چند روز ہوئے مجھ سے کہتے تھے کہ اگر کوئی حصہ بکتا ہو تو مجھ کو خبر کرنا تو میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ اپنا حصہ ان کے ہاتھ فروخت کر دوں جواب ترکی بترکی وہ ناظر سے سمجھ بوجھ لیں گے۔ اتنا ہی خیال ہے کہ گاؤں میں حصہ ہے تو رعایا پر سو طرح کی حکومت ہے مگر جس طرز پر مجھ کو آئندہ زندگی گزارنی منظور ہے اس کے لئے مجھے حکومت درکار نہیں۔ آپ سے اتنی بات پوچھنی تھی کہ اگر آپ کی صلاح ہو تو غیرت بیگم کے حصے کی بھی بات چیت میر غالب سے کی جائے' میں نہیں سمجھتا کہ غیرت بیگم کو ناظر چین لینے دے گا۔ یہ سن کر میر متقی نے کہا ان معاملات کو تم مجھ سے بہتر سمجھتے ہو۔ قرابت کے اعتبار سے بھی تم نزدیک تر ہو اور تمہارے معاملے کی سچائی کا یہی بڑا ثبوت ہے کہ تم نے بے فریاد بے تالش غیرت بیگم کو اس کا حق دیا اور دلوایا اور بلکہ حق کے واسطے تم نے بھائی سے بگاڑی اور اس بگاڑ کے نتائج کی پہلی قسط یہ عرضی ہے جو تم نے مجھ کو دکھائی۔ خدا حق ہے اور وہ حق سے راضی ہوتا ہے اور وہی حقداروں کی حمایت کرنے والا ہے اور ان شاء اللہ آخر حق کو غلبہ ہے الحق یعلو۔ اس بات میں تم اپنی بہن سے مشورہ کرو لیکن اگر میری رائے پوچھتے ہو تو شروع

Marfat.com

سے تم نے غلطی کی۔ تم نے وہ کیا اور آئندہ بھی وہی کرنا چاہتے ہو جو دنیا میں سبھی راست معاملہ کیا کرتے ہیں اور بلاشبہ شرع کی رو سے تم پر کوئی الزام نہیں مگر الزام کے عائد نہ ہونے سے تم کسی تحسین کے بھی حقدار نہیں۔ تم کو اور غیرت بیگم دونوں کو صلاح دیتا ہوں کہ اگر کر سکو تو اپنے اپنے حق سے دست بردار ہو جاؤ ایسی کونسی بڑی مالیت ہے۔ خدا نے تم کو بہت کچھ دے رکھا ہے' ناظر کو موروثی کچھ انسیاں مبارک۔ لے کر وہی بڑے آدمی بنیں آخر وہ بھی تو کوئی غیر نہیں' گئی کہاں گیا کھچڑی میں۔ تین بہن بھائیوں کے پاس نہ رہا' ایک کے پاس رہا۔ بلاشبہ حصہ کو کتنا ہی جزوی کیوں نہ ہو چھوڑنا مشکل ہے۔ خصوصاً جب کہ موروثی ہو اور اسی گاؤں کا ہو جس میں رہنا سہنا ہے اور چھوڑنا بھی اس حالت میں کہ گالی گلوچ تک کی نوبت پہنچ چکی ہو لیکن تم خود کہتے ہو کہ اب بدوں فضیلت کے اس کا سنبھالنا ممکن نہیں۔ حصہ منتقل کر دینے کی تجویز جو تم نے سوچی ہے' صرف من سمجھوتی ہے۔ آخر اس کی تحقیقات ہو گی ہی۔ تمہارے مقابلے میں ہو یا خریدار کے کہ تم دونوں میر باقر کی اولاد ہو جیسا کہ واقعی ہے یا نہیں ہو جیسا کہ ناظر نے عرضی دعویٰ میں لکھا ہے۔ اگرچہ کامل یقین ہے کہ آخر کار تم کو ناظر کے مقابلہ میں ظفر ہو گی لیکن پھر بھی ہمیشہ کے لئے وہ تم سے چھوٹ جائے گا اور تم اس سے' اور مدت العمر تم کو باہمی خرخشوں سے نجات ملنے کی امید نہیں مگر جو تدبیر میں بتاتا ہوں اس کا انجام جہاں تک میری سمجھ میں آتا ہے ان شاء اللہ یہی ہونا ہے کہ حصے کا حصہ تمہارے پاس رہے گا اور تم بھائی بہن پھر ایک کے ایک ہو جاؤ گے۔ تھوڑی دیر کے لئے فرض کرو کہ ناظر نے کل حصہ لیا مگر اس طرح کہ وہ لینا چاہتا ہے یعنی جھوٹ بول کر جعلی بنا کر بھائی بہن کو ماں کو باپ کو یعنی اپنے آپ کو رسوا اور فضیحت کرنا کیسا' صاف صاف گالیاں دے کر تو ناظر یہ حصہ لے کر تمام کو تو خیر چھوڑ ہی دے گا مگر کیا بیوی بچے رشتہ دار کنبہ دار قبیلہ برادری خاندان دوست آشنا جان پہچان ایک دم ساری دنیا کو چھوڑ دے گا۔ ایسا تو نہیں ہو سکتا مگر سمجھتے ہو کہ دنیا اس کو کیا کہے گی۔ لعنت کرے گی۔ گانے اور بے گانے سب اس کے منہ پر تھوکیں گے۔ لڑکے اس کے پیچھے تالیاں پیٹیں

Marfat.com

گے۔ سب کی نظروں میں وہ خوار اور بے اعتبار نکوا اور انگشت نما ہوگا۔ در و دیوار اور کوچہ و بازار سے اس پر پھٹکار برسے گی۔ یہ حصہ ڈھاک کے کوئلے کا ایک دہکتا ہوا انگارہ ہوگا کہ وہ ہرگز اس کو مٹھی میں سنبھال نہ سکے گا۔ مشکل سے مشکل مقدمات اور پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات میں تم ایک مختار وکیل کے کہنے پر عمل کرتے ہو۔ اس ایک بات میں خدا کی صلاح پر بھی چل کر دیکھو کہ کیا نتیجہ ہوتا۔ خدا کی صلاح کیا ہے۔ ادفع بالتی ھی احسن فاذ الذی بینک عداوۃ کانہ ولی حمیم یعنی اگر تجھ سے کوئی لڑائی کرے تو بھلائی کے ساتھ اس کا توڑ کر اور پھر دیکھ کہ یا تو تجھ میں اور اس میں دشمنی تھی یا بات کی بات میں وہ تیرے ساتھ گرم جوشی کرنے لگا۔ حقیقت میں جیسی میر متقی نے پیشین گوئی کی تھی ویسا ہی ہوا۔ حاضر اور غیرت بیگم کی طرف سے ناظر کے دعویٰ کی کچھ تردید نہ ہوئی قاعدے کے مطابق دعویٰ یک طرفہ ڈگری ہو گیا۔ مگر کیسی ڈگری کہ حاکم اور عملے اور اہل معاملہ اور چپڑاسی اور مدکوری سبھی نے تو ناظر کو ملامت کی۔ جہاں گیا اس نے لتاڑا اور جس سے ملا اس نے لتھیڑا اور آخر کار ہار کر جھک مار کر کلنک کا ٹیکہ ماتھے پر لگا کر جس قدر گالیاں تقدیر میں تھیں سن کر جتنی بدنامی مقدر میں تھی بھگت کر بصد منت و بہزار خوشامد ہاتھ جوڑ کر پاؤں پڑ کر وہی دو خمس حصہ حاضر کو اور وہی ایک خمس غیرت بیگم کو دیا اور ساری عمر کے لئے ناحق بیٹھے بٹھائے بھائی بہن کو کنونڈا بننا پڑا سوالگ۔

Marfat.com

فصل تیرھویں

# میر متقی کا مبتلا کو سمجھانا اور اس کی اصلاح حال میں کوشش کرنا

پچھلے بیانات سے بخوبی ظاہر ہو گیا ہوگا کہ غیرت بیگم کے جتنے معاملات تھے' سبھی تو خدا نے میر متقی کے ہاتھ سے درست کرائے اور کیسی عمدگی اور خوش اسلوبی کے ساتھ کہ نہ لڑائی نہ جھگڑا نہ قصہ نہ فساد نہ غل نہ شور تنخواہیں بھی جاری ہو گئیں مکانات اور دوکانات کا بھی انتظام ہو گیا۔ ناظر جیسے موذی کے پنجے سے حصہ زمینداری بھی چھٹا جس کے چھوٹنے کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ مگر ابھی غیرت بیگم کا سب سے بڑا معاملہ باقی تھا یعنی اس کے شوہر مبتلا کی اصلاح اس کی آوارگی کا علاج اس کی بدوضعی کی روک تھام عورت جب بیاہی گئی تو میاں ہی سے اس کا آرام میاں ہی اس کا عیش اور میاں ہی سے توقیر ہے اور میاں ہی سے اس کا اعزاز و احترام۔ آپس میں بیمار اخلاص ہو تو دنیا کی ساری مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور جہاں دلوں میں محبت نہیں پہننے میں مزہ اور کھانے میں لذت نہیں دل میں امنگ نہیں سنگھار میں بہار نہیں پھولوں میں باس نہیں' مہندی میں رنگ نہیں۔ میر متقی کچھ اس سے غافل نہ تھے مگر مبتلا کے بارے میں ان کو بڑی مشکل یہ پیش آ رہی تھی کہ ان میں اور مبتلا میں کئی سبب سے اختلاط اور واشدگی کا ہونا ممکن نہ تھا۔ اول تو رشتہ کہ میر متقی مبتلا کے چچا باپ کی جگہ۔ دوسرے عمروں کی بڑائی چھٹائی کہاں میر متقی پچاس پچپن برس کے بوڑھے اور کہاں مبتلا بیس برس کا پٹھا۔ تیسرے مبتلا کے ہوش میں میر متقی کو دیکھا آتے ہوئے یہ تیسرا پھیرا تھا ایسی صورت میں اجنبیت تو ہونی ہی چاہیے۔ چوتھے وضع میں عادات میں خیالات میں ایک کو دوسرے سے مطلق مناسبت نہیں' پس حال یہ تھا کہ میر متق

Marfat.com

مردانے میں ہیں تو مبتلا زنان خانے میں قدم رکھا ادھر مبتلا آہٹ پاتے جھٹ باہر نکل آیا۔ رات دن میں صرف دو بار چچا بھتیجے بہ ضرورت کھانے کے دسترخوان پر جمع ہوتے تھے۔ وہ بھی کس طرح کہ مبتلا نے چچا کے سامنے جانے کے لیے ٹوپی اور کپڑے اور جوتی سب چیزیں سادہ اور بھلے مانسوں کے استعمال کی الگ کر رکھی تھیں۔ کھانے کے لیے طلبی آئی اور اس نے جلدی جلدی رگڑ رگڑ کر منہ دھویا' موچھوں کو جن پر سارا دن مالش رہتی تھی بل نکال کر سیدھا کیا پٹیوں کو ابھارا بالوں کی سج دھج کو بگاڑا کھانے کے نہیں چچا کے سامنے جانے کے کپڑے پہنے اور گربہ مسکین بن کر جھکے ہوئے نیچی نظر مؤدب دسترخوان پر جا بیٹھے پھر میر متقی کا کھانا کوئی انگریزی ڈنر تو ہوتا ہی نہ تھا کہ کھانا میز پر آیا اور جتنے کھانے والے تھے اپنی اپنی کرسیوں پر چرغنے لگے۔ دنیا بھر کی بکواس شروع ہوئی اور یہ بھی نہیں کہ کھانے کے ضمن میں باتیں کرتے جاتے ہوں بلکہ یوں کہو کہ باتوں کے ضمن میں کھانا بھی کھاتے جاتے ہیں۔ میر متقی مولوی آدمی دور سے کھانا آتا ہوا دیکھ کر کسی شغل میں ہوں' چھوڑ چھاڑ پہنچوں تک ہاتھ دھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اکڑوں ہو بیٹھے کھانا کھایا مگر اس کو بھی عبادت سمجھ کر خیال یہ کہ آداب الطعام میں سے کوئی ادب منزوکب نہ ہو۔ پس ان کے دسترخوان پر بات چیت کا کیا موقع میر متقی مستعجل کہ کم کھاؤں مبتلا منتظر کہ اٹھ جاؤں الغرض ایسا کوئی موقع ہی نہیں بن پڑتا تھا کہ چچا بھتیجے میں جی کھول کر باتیں ہوں مگر میر متقی بلا کے تاڑنے والے تھے۔ انہوں نے اتنی ہی دیر کی صحبت میں مبتلا کی حرکات وسکنات سے اس کی نشست و برخاست سے اس کی طرز عادت سے اتنا جان لیا اور ایسا پہچان لیا کہ مبتلا کے لنگوٹیے یار اور اس کے بھیدی اور رازدار بھی اتنا ہی جانتے ہوں گے۔ مبتلا اگرچہ ان کے سامنے اپنے آپ کو بہت ضبط کیے رہتا تھا مگر اسی دن کے لیے کہتے ہیں کہ آدمی بری لت نہ ڈالے اور عادت کو بگڑنے نہ دے' مبتلا کو خبر تک نہ ہوتی تھی' اور بے خیالی میں آوبدا کر چچا کے سامنے اس سے کوئی حرکت ایسی سرزد ہو جاتی تھی کہ ہر روز ان کی نظروں

Marfat.com

میں اس کی قلعی کھلتی رہتی تھی مثلاً بیٹھے بٹھائے خود بالوں پر ہاتھ جا پڑا اور عادت کے مطابق لگا وہیں پٹیاں جمانے۔ پھر جو ہوش آیا چچا کو کن انکھیوں سے دیکھ کھجانے کے حیلے سے بالوں کو بگاڑ سیدھا ہو بیٹھا یا کھاتے کھاتے ایک مرتبہ انگرکھے کی چولی کے شکن نکالنے لگا تن کر سینے کو دیکھنے اتنے میں چچا پر نظر جا پڑی اور جلدی سے پھر جھک کر ہو بیٹھا۔ ایک مرتبہ تو اس نے کیا غضب کیا کہ خدا جانے کس خیال میں مستغرق تھا کہ آپ ہی آپ لگا گنگنانے مگر میر متقی نے اس کو ایسے طور پر ٹال دیا کہ گویا سنا ہی نہیں۔ مبتلا اپنے دل کو یوں سمجھا لیا کرتا تھا کہ چچا نے دھیان نہیں کیا اگر کیا تو آدمی سے ایسی لغو حرکتیں ہوا ہی کرتی ہیں۔ اتنی ہی بات سے ان کا ذہن اس طرف کیوں منتقل ہونے لگا کہ پٹیاں جمانا یا اکڑنا یا گانا میری عادت ہے لیکن یہ اس کی غلطی تھی میر متقی کی آنکھ کبھی کسی چیز پر اچٹتی ہوئی پڑی ہی نہ تھی۔ وہ جس چیز کو ایک نظر دیکھ لیتے اس کی تہ تک پہنچ جاتے اور اس کے لم کو دریافت کرتے' میر متقی نے مبتلا کی حرکات سے آخر یہ استنباط کیا کہ اس میں دو عیب بہت بڑے ہیں' اول یہ مذہب سے اس کو مطلق سروکار نہیں' یہ جانتا ہی نہیں کہ خدا بھی کوئی چیز ہے اور آدمی اس کے بندے ہیں' اس کو خبر ہی نہیں کہ آدمی کو کھانے اور سو رہنے کے سوا دنیا میں کچھ اور بھی کرنا ہے۔ دوسرے حسن پرستی اس کے نزدیک دولت' شرافت' حسب' نسب' علم' ہنر' سلیقہ' اخلاق' دین داری غرض دنیا کے سارے کمالات' ہیچ ہیں۔ صرف ایک حسن صورت قابل قدر ہے۔ اور بس' میر متقی کا ایک قاعدہ اور بھی تھا کہ بڑے دھیمے آدمی تھے۔ جب کسی خاص شخص کو نصیحت کرنا منظور ہوتا تو مدتوں اس کے حالات کی تفتیش میں لگے رہتے اور جب معلوم کر چکتے جس قدر معلوم کرنے کی ضرورت تھی تو ہفتوں غور کرتے کہ کس پیرائے سے اور کیسے وقت اس کو نصیحت کروں کہ موثر ہو اور یہی سبب تھا کہ ان کی نصیحت کبھی خالی گئی ہی نہیں۔ اگر ایک شخص تارک الصلوۃ ہے اور انہوں نے اس کو نماز کے لیے نصیحت کی تو پھر سفر یا مرض دنیا کی کوئی کیسی ہی ضرورت کیوں نہ ہو اس نے مدت العمر

Marfat.com

نماز کو قضا نہیں ہونے دیا یا اگر کوئی شخص منہیات شرعی میں کسی کا مرتکب ہے اور انہوں نے واعظ کہا تو پھر توبہ ہی کرا کے چھوڑا۔ غرض میر متقی نے ایک دن موقع پا کر جوں ہی مبتلا کھانا کھا کر جانا چاہتا تھا اس کو روکا اور کہا کہ ذرا ٹھہرو مجھ کو تم سے کچھ کہنا ہے۔ مبتلا سمجھا کہ آج نماز گلے پڑی بیٹھ گیا تو میر متقی نے فرمایا (وعظ) اگرچہ مجھ کو تمہارے حالات بالتفصیل معلوم نہیں مگر جس قدر معلوم ہیں ان سے میرا خیال یہ ہے کہ تمہاری تعلیم جیسی درستی کے ساتھ ہونی چاہئے تھی نہیں ہوئی' تمہاری تعلیم کا عمدہ حصہ وہ ہے جو مدرسہ میں ہوا۔ مدرسے کی تعلیم اس اعتبار سے کہ جو چیزیں پڑھائی جاتی ہیں دنیا میں بکار آمد ہیں بلاشبہ مفید ہیں مگر افسوس بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ مذہب کی طرف بھول کر بھی کوئی توجہ نہیں کرتا' مذہب کو سلسلہ درس سے اس طرح نکال کر پھینک دیا ہے جیسے دودھ سے مکھی' جس سے لوگوں پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذہب ایک فضول اور لایعنی چیز ہے اور دنیا میں اس سے مطلق ضرورت نہیں۔ پس مدرسوں کی تعلیم کا نتیجہ کیا ہے کہ نوجوان لڑکے فارغ التحصیل فضیلت کے خطاب اور لیاقت کی سندیں لے کر مدرسوں سے نکلتے ہیں۔ ان کو تمام ملکوں کی نئی و پرانی تاریخیں خوب مستحضر ہوتی ہیں۔ جغرافیے میں شاید ان کی معلومات اس درجہ کی ہوں کہ سمندر کی مچھلی ہیں یا پہاڑی کوے یا افریقہ کے ریچھ یا آسٹریلیا کے لنگور یا امریکہ کے بن مانس یا تبت کے دنبے یا تاتار کے مینڈھے یا عرب کے بدو یا یورپ کے فرنگی یا ہندوستان کے بھیل وہ انگریزی شاید ایسی عمدہ لکھ سکتے ہوں گے کہ گویا ان کی مادری زبان ہے۔ ریاضی میں وہ شاید وقت کے بطلیموس ہوں' علم ہیئت میں وہ اپنے زمانہ کے فیثا غورث فلسفے میں افلاطون غرض ان میں علوم دنیا کی ایسی جامعیت ہوگی کہ شاید ان کی نظیر نہ ہو مگر وہ نہ مذہب کے معتقد نہ خدا کے بندے نہ رسولؐ کی امت نہ بادشاہ کی رعیت نہ باپ کے بیٹے نہ بھائی کے بھائی نہ دوست کے دوست نہ قوم کے ساتھی نہ برادری کے شریک نہ وضع کے پابند نہ رسم کے مقلد ذرا نظر انصاف سے اس بات کو دیکھو کہ فی الحقیقت

Marfat.com

مدرسے کی تعلیم میں ایسے خیالات پیدا کرنے کا رجحان ہے یا نہیں ہے اور ضرور ہے اور اس کا سبب ظاہر ہے کہ مختلف مذاہب کے نوجوان لڑکے ایک جگہ جمع رہتے ہیں۔ اپنے اپنے عقائد سے سب کے سب بے خبر عمروں کے تقاضے یہ کہ جہاں اور ہنسی کی باتیں کرتے ہیں ان میں ایک مذہب کا استخفاف بھی سہی اگرچہ اپنا ہی مذہب کیوں نہ ہو۔ مدرسے کے حاکم یا مدرس کچھ مذہب کی پروا کرتے ہی نہیں طالب علموں کے لیے سب کیونکہ ان کا فرض خدمت نہیں اپنے لیے بھی بعض یا اکثر اس لیے کہ خود کسی مذہب کے قائل نہیں۔ وظیفہ یا انعام یا دوسرے موجبات ترغیب مذہب پر کسی کا انحصار نہیں۔ علوم جو پڑھائے جاتے ہیں اکثر جدید زمانہ حال کے ایجاد کوئی مسئلہ نہیں جس میں متقدمین کی غلطی جس میں سابقین کی خطا ظاہر نہ کی جائے اور ایک بڑی خرابی آ کر یہ پڑی ہے کہ بہت سی باتیں ہیں تو علوم دنیا سے متعلق مگر لوگوں کی غفلت یا بے مبالاتی سے داخل مذہب سے ہیں کورے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے باپ دادا و مذہباً..... ایسی لغو اور بیہودہ باتوں کو تسلیم کرتے چلے آئے نرے احمق تھے اور ان کا مذہب ہی سراسر ہیچ اور پوچ ہے ایک خرابی اور ہے اور علوم جدید جن کا مدارس میں بڑا زور و شور ہے سب ہیں از قسم بدیہات مشاہدات پر مبنی اور تجربات پر متفرع۔ ایسے علوم پڑھتے پڑھتے طالب علموں کو اس بات کی عادت پڑ جاتی ہے کہ وہ ہر چیز کا ثبوت ایسا ہی ڈھونڈنے لگتے ہیں جیسے اقلیدس کے دعووں کا ایک مذہبی باتوں کے لیے ایسا ثبوت نہ ہوا ہے اور نہ ہونا ممکن ہے۔ حضرت موسیٰؑ سے بھی یہود ایسی ہی بے جا فرمائشیں کرتے تھے۔ لن یزمن لک حتی نری اللہ جھرۃ ہم تم جب تک خدا کو کھلے خزانے نہ دیکھ لیں تجھ پر ایمان لانے والے ہیں تو نہیں لیکن مذہب کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انسان کی ضعف خلقت کے سبب۔ کیا اگر موسیٰؑ خدا کا دیدار یہود کو نہ دکھا سکے تو اس سے لازم آ گیا کہ خدا نہیں ہے۔ نہیں خدا تو ہے مگر وہ آدمی کی آنکھوں میں آنے کی چیز نہیں ہے مدارس کی تعلیم بلکہ سچ پوچھو تو عمل داری کا خلاصہ ہے آزادی بلاشبہ

Marfat.com

آزادی ہر ایک فرد بشر کا ایک ضروری حق ہے مگر آزادی کی بھی کوئی حد ہوتی ضرور ہے آدمی کی بناوٹ اس طرح کی واقع ہوتی ہے اور آدمی فی حد ذاتہ اس طرح کی مخلوق ہے کہ آزادی مطلق تو اس کو حاصل ہونی ممکن نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ کیا آزاد ہو سکتا ہے وہ بندہ ناچیز جس کا ہونا اور نہ ہونا اس کے اختیار میں نہیں' غیروں کا محتاج۔ دوسروں کا دست نگر پہننے میں کھانے میں پینے میں مرنے میں جینے میں چند منٹ کے لیے ہوا نہ ملے تو ہلاک۔ ایک وقت خاص تک غذا نہ پہنچے تو فنا تڑاکے کی دھوپ کا تحمل نہیں کڑاکے کی کی سردی کی برداشت نہیں۔ حالت تو اس قدر خستہ وخراب اور اس پر آزادی کا سرخاب وہی مثل ہے۔ جھونپڑے کا رہنا اور محلوں کے خواب شعر

باندھتے ہیں سرو کو آزاد اور وہ پابہ گل
کیسی آزادی کہ یاں یہ حال ہے آزاد کا

میں اس میں لڑکوں کا زیادہ قصور نہیں پاتا۔ سارا قصور ان کی تعلیم وتربیت کا ہے۔ گھڑی جو تمہاری جیب میں ہے اس میں فولاد کی ایک کمانی کنڈلی کے طور پر تہ کی ہوئی موجود ہے۔ کنجی کے زور سے کمانی کی تہوں کو خوب کس دیتے ہیں' اسی کو کوکنا کہتے ہیں۔ کوکنے سے کمانی میں ایک قوت پیدا ہوتی ہے۔ کمانی چاہتی ہے کہ کھلے اور اپنی اصلی حالت پر عود کر آئے۔ اگر کوئی چیز مانع نہ ہو تو کمانی سڑ سے دم کے دم میں ڈھیلی پڑ جائے اور وہ قوت جو اس میں پیدا کی گئی تھی اکارت ہو۔ اس کے روکنے کے لیے گھڑی میں ایک پرزہ لگایا جاتا ہے جس کا نام ہے ریگولیٹر اور اس قوت سے وقت کی شناخت کا علیحدہ کام لیا جاتا ہے' یہی حال ہے انسان کا کہ اس میں بھی ایک حالت کے مناسب خدا کی دی ہوئی چند قوتیں ہیں اگر ان قوتوں کا کوئی روکنے والا ریگولیٹر نہ ہو تو یہ تمام قوتیں بے کار ہیں بلکہ بجائے مفید ہونے کے الٹی مضر۔ انسان کا ریگولیٹر ہے مذہب جو اس کو اندازہ مناسب اور حد اعتدال سے گھٹنے بڑھنے گرنے ابھرنے نہیں دیتا۔ مدرسوں کی تعلیم کوک ہے اور

Marfat.com

ریگولیٹر ندارد۔ پس اس کا ضروری نتیجہ ہے کہ آزادی کا خیال دل میں سماتے ہی لوگ ہر طرح کی قیود سے نکلنے کی خواہش کرنے لگتے ہیں' یہاں تک کہ قید عبودیت سے بھی' سرے سے مدرسے کی تعلیم کے اصول ہی غلط ہیں کہ صرف دنیاوی علوم کے پڑھا دینے سے آدمی دنیا کے کام کا ہو جاتا ہے۔ اس سے تو یہ بات نکلتی ہے کہ دنیا اور دین دو چیزیں ہیں' جداگانہ ایک کو دوسرے سے کچھ تعلق نہیں' ہم نہیں جانتے کہ جو لوگ ایسا خیال کرتے ہیں دین سے کیا مراد رکھتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک بلکہ تمام اہل ادیان کے نزدیک دین کے معنے ہیں' انسان کی اصلاح اور اس کے دو حصے ہیں' اصلاح معاش اور اصلاح معاد۔ پس دین اور دنیا میں اگر ایک طرح کی منطقی مغائرت ہے جیسے عموماً کل و جز میں ہوا کرتی ہے۔ اس کو تباین یا تناقض یا تنافر یا بے تعلقی سے تعبیر کرنا مغالطہ ہی ہے۔ کتنا ہی پڑھاؤ جب انسان میں دین نہیں دیانت نہیں اس پر بھی اگر وہ آدمی دنیا کے کام کا ہے تو اس دنیا کو خیر باد ہے اور اس دنیا کو سلام۔ ایک بات تعلیم کے متعلق اور بھی سوچنے کی ہے کہ انسان کو دوسرے حیوانات سے ایک وجہ امتیاز یہ بھی ہے کہ حیوانات کو جتنی عقل دی گئی ہے فطری ہے۔ تجربے یا امتداد عمر سے اس میں ترقی نہیں ہوئی مثلاً بیا گھونسلا بناتا ہے کیسا مدہ کہ انسان اس کی اگر پوری پوری نقل کرنا چاہے تو نہیں بن پڑتی مگر جیسا گھونسلا ایک بڈھا بیا بناتا ہے جو اپنی عمر میں شاید بیس پچیس گھونسلے بنا چکا ہوگا۔ بحسبہ ویسا ہی گھونسلا پہلی بار ایک نوجوان بیا بنائے گا برخلاف انسان کے کہ اس کی عقل تجربے اور عمر کے ساتھ کمال حاصل کرتی جاتی ہے۔ اس مضمون کو سعدی نے کیا تل دل طور پر ادا کیا ہے

مرغک از بیضہ بروں آید ور دزی طلبد
آدمی زادہ نہ دار د خرد و عقل و تمیز
آن نباگاہ کسے گشت و بچیز نے نہ رسید
ویں یہ تمکین و فضیلت بکرنشت از ہمہ چیز

Marfat.com

اس لیے انسان کی تعلیم و تربیت کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز اس کی عمر کا ایک مناسب وقت دیکھ کر سکھاتے ہیں' مثلاً غیر ملک کی بولی ضرور ہے کہ بچپن میں سکھائی جائے ورنہ بڑے ہو کر زبان مشکل سے ٹوٹتی ہے۔ چھوٹے بچے کو اگر منطق کے پیچیدہ مباحث سمجھانا چاہو تو سعی لا حاصل ہے۔ اسی طرح دین کی تعلیم کے لیے بھی ایک وقت مناسب ہونا چاہئے اور وہ نہیں ہو مگر سن طفولیت کیونکہ آدمی کی عمر جس قدر بڑی ہوتی جاتی ہے اسی قدر فطرت سے دور اور اس کا دل لوث دنیا سے آلودہ اور زنگ اغراض سے تیرہ ہوتا جاتا ہے۔ پھر شاید ایک وقت ایسا آئے کہ اس کے دل میں صبغت اللہ یعنی دین کا رنگ اٹھانے کی قابلیت باقی نہ رہے نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا ۔ اسی حالت کی نسبت قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون اور کچھ بات نہیں ان کے دلوں پر ان کی بدکرداریاں جم گئیں ہیں۔ دنیا میں اور بھی ہزاروں لاکھوں اللہ کے بندے ایسے ہیں جن کو دین کی طرف سے مطلق توجہ نہیں مگر بے توجہی دو طور کی ہے۔ ایک وہ جس کا سبب کاہلی اور غفلت اور مساہلت ہو دوسری وہ جو دین کے استخفاف سے پیدا ہو۔ یہی بے توجہی ہے جو نہایت خطرناک اور نہایت مذموم ہے اور یہی بے توجہی ہے جس کو مدارس کی تعلیم پھیلائے چلی جا رہی ہے لیکن دین و مذہب لوگوں کی قدر دانی اور تسلیم کا محتاج نہیں ہے۔ ہمالیہ پہاڑ اپنی جگہ سے سرک جائے۔ گنگا پورب کو بہتے بہتے پچھتم کو بہنے لگے مگر خدا کی باتیں نہ کبھی ٹلتی ہیں اور نہ کبھی کسی کے ٹالے ٹلیں گی۔ دین تم سے چاہتا کیا ہے۔ صرف اتنی بات کہ خدا نے تم کو آدمی بنایا ہے آدمی بن کر رہو۔ تم کو آنکھیں دی ہیں اور دیکھتے ہو کان دیئے ہیں اور سنتے ہو زبان دی ہے اور بولتے۔ غرض ہر قوت سے وہ کام لیتے ہو جو اس کے کرنے کا ہے۔ قوتوں میں سب سے قوی اور سب سے عمدہ عقل ہے۔ اس نے تمہارا ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس کے کرنے کا کام اس سے نہیں لیتے۔ ددئے زمین پر خدا کی جتنی مخلوق ہے سب میں اعلیٰ اور

Marfat.com

افضل اور اشرف انسان ہے اور اس کی برتری اس سے ظاہر ہے کہ دوسری مخلوقات پر حکمرانی اور ان میں مالکانہ تصرف کرتا ہے۔ دیکھو انسان کی بنائی ہوئی عمارتیں اس کے بسائے ہوئے شہر اس کے لگائے ہوئے باغ' نہریں' سڑکیں' پل' ریل' تار' دخانی' جہاز' انواع و اقسام کی کلیں۔ زندگی کے ساز و سامان مگر یہ برتری جو انسان کو استحقاقاً حاصل ہے' کیوں ہے۔ اس کی جسمانی قوتیں تو حیوانات کی قوتوں سے بہت ضعیف ہیں۔ مثلاً اس کی نظر سے گدھ کی نظر بہت تیز ہے۔ اس کے شامے سے شکاری کتوں کا شامہ کہیں زیادہ قوی ہے۔ وہ اگر ذائقے سے چیزوں کا صرف مزا پہچانتا ہے تو بعض جانور مزے کے سوا خاصیت طبی کی شناخت بھی کر لیتے ہیں' توانائی کے لحاظ سے تو ہاتھی اور شیر وغیرہ کے سامنے وہ ایک مور ضعیف سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ پھر انسان کی بڑائی کس چیز میں ہے عقل میں' اب دیکھنا چاہئے کہ عقل کا کام کیا ہے یہ سمجھنا کہ عقل ہم کو صرف اسی واسطے دی گئی ہے کہ کھانا پینا کپڑا مکان سازو سامان بہم پہنچانے میں مدد کرے عقل کو ذلیل اور بے قدر کرنا ہے۔ یہ تو عقل کے نہایت مبتذل کام ہیں۔ جانور جن کے جتنے ہمارے جنوں سے بہت بہت بڑے ان کی بھوک پیاس ہماری بھوک پیاس سے کہیں زیادہ ہے۔ ہماری جتنی عقل نہیں رکھتے اور ہم سے زیادہ آسودگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں۔ ساٹھ ستر برس کی زندگی اور معدودے چند ضرورتوں کے لیے ایسی عقل جو ماضی اور مستقبل کے قلابے ملائے اور زمین سے آسمان تک پاؤں پھیلائے کسی بڑے اور عمدہ کام کے لیے دی گئی ہے اور وہ یہ نہیں ہے مگر یہ کہ مخلوق سے خالق اور فانی سے باقی اور دنیا سے آخرت کو پہچان کر اس گھر کے لیے تیاری کریں' جہاں روح کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے لیکن فرض کرو کہ ہم ان خیالات کو اپنے ذہن میں نہ آنے دیں اور آنکھیں بند کر لیں۔ دنیا و مافیہا سے جس کا ایک ایک ذرہ ہستی صانع اور ایک ایک واقعہ وجود سبب پر دلالت کر رہا ہے۔ تو اس سے واقعات کا بطلان تو نہیں ہو سکتا' خدا ہے اور ہمیشہ کو رہے گا۔ ہم اس کے بندے ہیں اور کسی

Marfat.com

طرح اس کے فرمان سے باہر نہیں ہو سکتے۔ ہم کو مرنا ہے اور جو کچھ دنیا میں کیا ہے اس کی جواب دہی کرنی ہے' عمل اچھے ہیں تو تسلی ہے اور امن ہے اور عافیت ہے اور سکون ہے اور قرار ہے یعنی یہ کہ بیڑا پار ہے برے ہیں تو حسرت ہے اور افسوس ہے اور ندامت ہے اور پھٹکار ہے اور دھتکار ہے' یعنی یہ کہ دکھ کی مار ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ اصل میں تو ہوتی ہے غفلت اور اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ اختلاف مذہب بے توجہی کا باعث ہو جاتا ہے۔ آدمی دیکھتا ہے دنیا میں کہ سینکڑوں ہزاروں مذہب ہیں ہر ایک صرف اپنے آپ کو برسرِ حق سمجھتا ہے۔ باقی سب کو گمراہ و کافر اور مردود اور ملعون اور جہنمی تو یہ دیکھ کر خواہ مخواہ اس کے دل میں خیال آتا ہے کہ پہلے ان ہزاروں مذاہب کے معتقدات سے واقفیت حاصل کروں پھر ان کے سوال و جواب سنوں پھر ان میں محاکمہ کروں۔ اس کے لیے میں کیا میری تو دس نسلوں کی عمریں بھی کفایت نہیں کر سکتیں۔ اس سے بہتر ہے کہ مذہب کی پہیلی کو جس کا اتا پتا کچھ نہیں سوچو ہی مت لیکن یہ بھی ایک وسوسہ شیطانی ہے اور انسان کے لامذہب ہونے کے لیے حجت نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں جتنے مذہب ہیں' جہاں تک مذہب کو دنیا سے تعلق ہے سب کا مقصود اصلی ہے' آدمی کی اصلاح۔ اور اختلاف اگر ہے تو ملکوں کی آب و ہوا لوگوں کی طبائع اور عادات اور ضرورتوں کے اختلاف کی وجہ سے اور فروغ میں ہے' نہ اصول میں جزئیات میں ہے نہ کلیات میں۔ پس تم جیسے نوجوان آدمیوں کے لیے اس سے بہتر اصلاح کی بات نہیں کہ جس شان میں ہے اسی شان میں رہ کر پابندی مذہب کو نہ چھوڑے۔ اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نیکی کا خیال دل میں راسخ ہو جائے گا۔ خدا سے لگاؤ پیدا ہوگا۔ اور حق کی تلاش میں اس کو مزا ملے گا۔ آدمی گرا تنا کرے اور اس سے زیادہ کر ہی کیا سکتا ہے تو ضرور خدا کی رحمت اس کی دست گیری کرے گی۔ والذین جاھدو افینا لنھدینھم سبلنا لوگ مذہب کی طرف سے جو اس قدر غافل اور گرے بن رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ خدا نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے دنیا کا انتظام ایسے طور پر رکھا ہے کہ دنیاوی حالات کے اعتبار سے نیک اور بد اور پابند اور

Marfat.com

لا مذہبی اور مومن و کافر اور محدود مشرک کسی کا کچھ امتیاز نہیں خداوند تعالی کی عام رحمتوں سے سب کے سب بلا تخصیص یکساں طور پر متمتع ہوتے ہیں۔ وقت پر پانی سب کے واسطے برستا ہے۔ ہوا کا ذخیرہ سب کے لیے موجود ہے۔ رزق ہر ایک کی خاطر مہیا ہے۔ صحت و مرض تمول و افلاس توالد و تناسل حیات و ممات غرض زندگانی کی بھلی بری تمام کیفیتیں جیسی مسلمانوں میں ویسی عیسائیوں میں ویسی یہود میں' کوئی قوم بلکہ کوئی گروہ بلکہ کوئی فرقہ بلکہ کوئی متنفس ان بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ مذہب کی وجہ سے مجھ کو دنیا میں یہ خصوصیت حاصل ہے اور کہیں ایسی ایک ادنی سی خصوصیت حاصل ہے اور کہیں ایسی ادنیٰ سی خصوصیت بھی پائی جائے تو آپ جانیے تمام روئے زمین سے اختلاف مذاہب کے معدوم کر دینے کو کافی ہے۔ یہ ہی خصوصیت ان لوگوں کے حق میں سم قاتل ہے جن کی طبیعتیں لامذہبی کی طرف مائل ہیں۔ غور کرنے کی تو ان لوگوں میں عادت ہوتی ہی نہیں۔ دنیا میں میں اور دنیا ہی کو دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں بس جو کچھ ہے یہی دنیا ہے۔ ذالک مبلغھم من العلم لیکن ذرا عقل کو کام میں لائیں تو معلوم ہو اور اندر سے دل آپ ہی آپ گواہی دینے لگے کہ نہیں ایک جہاں اور بھی ہے۔ یہ دنیا خواب ہے اور وہ جہاں اس کی تعبیر یہ مجاز ہے اور وہ حقیقت یہ نمونہ ہے اور وہ اصل۔ جس طرح عقل دنیا سب کی یکساں نہیں۔ اسی طرح عقل دین کے مدارج بھی متفاوت ہیں۔ بعض لوگ وہ ہیں جو صرف موجودات دنیا سے خدا کو اور خدا سے اس کی عظمت کو اس کی عظمت سے اس کی معبودیت کو مانتے پہچانتے ہیں اور بعض موجودات سے نہیں بلکہ تغیرات سے اور تغیرات سے بھی نہیں بلکہ حادثات عامہ سے بھی متنبہ نہیں ہوتے تاوقتیکہ خود ان پر کوئی آفت نازل نہ ہو اور بعض حادثات عامہ سے حلول مصیبت پر بھی کہنے کے محتاج گویا بکل ہیں کہ آر بھی کھپوؤ اور ساتھ منہ سے بھی ٹٹکاری دو تب ان کو خبر ہو کہ چلنا چاہئے۔ اے میرے پیارے بھتیجے اے مرحوم کی یادگار اے مغفور کی نشانی مجھ کو بھائی کے مرنے کا اتنا رنج نہیں ہوا جتنا تمہارے دین کی تباہی کا۔ بھائی اگر مرے تو عمر طبعی کو پہنچ کر مرے اور ایک دن مرنا ضرور

Marfat.com

تھا۔ میں نے اپنی موت کے لیے دعا تو نہیں مانگی۔ اس واسطے کہ موت کے لیے دعا مانگنا منع ہے۔ مگر سات برس عرب میں رہا کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں نے اس سرزمین میں اپنے دفن ہونے کی تمنا نہ کی ہو۔ مگر خدا کی مبارک مرضی یوں تھی کہ میں یہاں پھر آؤں اور بھائی کا مرنا سنوں جب سے میں نے بھائی کا مرنا سنا ہر روز بلکہ دن میں کئی کئی بار (دعا نہیں) دل میں تمنا کرتا ہوں کہ الٰہی اگر عرب کی مٹی سے میرا خمیر نہیں ہے تو مجھ کو باایمان دنیا سے اٹھا کر اس شخص کے پہلو میں مجھ کو جگہ دے جو مجھ کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز تھا۔ یعنی میرے بڑے بھائی اور تمہارے والد مرحوم۔ میں نہیں جانتا کہ یہ تمنا بھی پوری ہو یا نہ ہو مگر بھائی کے مرنے کے بعد اب زندگی بے مزہ ہے اور اس ملک میں رہنا اس سے زیادہ بے مزہ۔ یہ مت سمجھو کہ آدمیوں کے باہمی تعلقات اس زندگی تک کے تعلقات ہیں نہیں نہیں یہ تعلقات روحی تعلقات ہیں اور چونکہ روحوں کو فنا نہیں۔ ان کے تعلقات کو بھی انقطاع نہیں۔ یقین جانو کہ تمہاری اس طرز زندگی سے بھائی کی روح کو ایذا ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کو اس زندگی میں بھی تمہاری تکلیف کی برداشت نہ تھی اور اس طرز زندگی کے ہاتھوں تم پر جو سخت بلا نازل ہونے والی ہے میں اس کو عقل سے جانتا ہوں اور تمہارے باپ اس کو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ باپ سے ہوسکتا ہے کہ بیٹے کو کنویں میں گرتا ہوا دیکھے اور پروانہ کرے' باپ سے ممکن ہے کہ بیٹا جلتی ہوئی آگ میں کود دے اور وہ کھڑا ہوا تماشہ دیکھے۔ مرحوم نے لوگوں کی نظروں میں سلامت روی اور نیک وضعی اور بھلمنساہت سے جو ایک وقار پیدا کیا تھا تم ہی اپنے دل میں انصاف کرو کہ تم نے اس کو بڑھایا یا گھٹایا۔ روشن کیا یا مٹایا۔ ایسے چاہنے والے ایسے شفیق ایسے مہربان دل سوز باپ کے احسانات کا یہی معاوضہ تھا ان کے سلوک اسی پاداش کے قابل تھے۔ جو باتیں میں تم سے کہہ رہا ہوں' تم کو شاید پہلی بار ان کے سننے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ مگر میری ساری عمر ان ہی غوروں اور فکروں میں گزری ہے اس میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں کہ شروع سے مجھ کو اچھے لوگوں کی صحبت رہی۔ ہندوستان سے لے کر عرب تک ہزار ہا علما، اور شیوخ سے

Marfat.com

ڈھونڈ کر ملا اور جس سے جتنا فیضان قسمت کا تھا حاصل ہوا۔ الحمد اللہ علی ذلک۔ تم دیکھتے ہو کہ میں دین کے کاموں میں بھی جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے اور افسوس ہے کہ قدر واجب کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ لگا لپٹا رہتا ہوں' اس پر بھی خدا کی عظمت اور اس کے جلال پر نظر کرتا ہوں تو مجھ کو اپنی نجات کی طرف سے بالکل مایوسی ہوتی ہے اور تنہائی میں خصوصاً رات کے وقت دنیا کی بے ثباتی قیامت کے حساب اور اپنی بے بضاعتی کے افکار ہجوم کرتے ہیں تو مجھ کو اس قدر وحشت ہوتی ہے کہ تم کو اس کا اندازہ سمجھنا مشکل ہے' صرف ان کی رحمت بے انتہا کی توقع اس وقت دست گیری کرتی ہے جس سے دل کو تسلی ہوتی ہے۔ یہ زحمت جو مجھ کو دین کے کاموں میں اٹھاتے ہوئے دیکھتے ہو اگر اس کو زحمت سے تعبیر کرنا درست ہو تو اتنی مدد کرتی ہے کہ امیدوار رحمت کی ڈھارس بندھاتی ہے' اگر خدا عقل میں رائی دے تو دنیا کی سب باتوں سے دین کی تعلیم نکلتی ہے۔ دنیا میں جس کو جس پر کسی طرح کی حکومت ہے جیسے شوہر کو بی بی پر یا باپ کو اولاد پر یا بادشاہ کو رعایا اگرچہ دنیا کی ساری حکومتیں عارضی اور ضعیف ہیں۔ اس پر بھی کوئی حاکم کسی محکوم کی کسی نافرمانی سے درگزر نہیں کرتا کیا غفلتیں ہیں کیا بے فکریاں ہیں کیا مغالطے ہیں کیا مناسبتی ہے کہ بندہ بے حقیقت و ناچیز نافرمانی کیسی' اس قادر ذوالجلال کے اوامر کا استخفاف کرے۔ گویا اس کا مد مقابل ہے اور پھر درگزر کی توقع۔ کیا ہیکڑی ہے' مغفرت کی امید کیا بے حیائی ہے۔ تم کو اکثر باتوں میں مغالطہ واقع ہوا ہے۔ دوستوں کے بارے میں بھی تمہاری رائے غلطی سے محفوظ نہیں رہی۔ یہ لوگ جو تمہارے آگے پیچھے پڑے پھرتے ہیں۔ اور ہر وقت تم کو گھیرے رہتے ہیں۔ جہاں تک میں نے خیال کیا ہے' ایک کو بھی تمہارا خیر خواہ نہیں پاتا' ان کے کچھ مطلب ہیں بے ہودہ اغراض ہیں فاسد۔ تم کو دیکھ پایا' عقل کے کوتاہ گانٹھ کے پورے آپ بنے شکار بنی اور تم کو گرداب آنٹی اور لگے تمہاری آڑ میں تکے چلانے' غرض مندانہ رابطے عموماً اور خاص کر جب کہ اغراض خسیس ہوں نہایت بے ثبات ہوتے ہیں اور سریع الانقطاع ہوتے ہیں تو توقع یہ ہے کہ تم نے خود اس کا تجربہ کر لیا ہوگا

Marfat.com

ورنہ میرا اس وقت کا کہنا چاہو لکھ رکھو تمہارے اتنے دوست ہیں ان میں سے کسی ایک کے ساتھ دو برس تک صحبت یوں ہی چلی جائے تو جاننا کہ بہت چلی' خیال کو اور وسعت دونوں کا یہی حال ہے۔ دنیا کے تمام جسمانی تعلقات کا غیروں کی کیا شکایت دوسروں کا کیا گلا' اپنے ہی اعضاء جوراح اپنی ہی قوتیں کب تک کی ساتھی ہیں۔ دیکھو مجھ جیسے بوڑھوں کو کہ ایک بصارت سے معذور ہے تو دوسرا ثقل سمع سے مجبور' کسی کی بھوک تھکی ہوئی ہے' اور کسی کے ہاضمے میں فتور۔ پیری وصد عیب زندہ در گور۔ دنیا کی یہی بے ثباتی دیکھ کر جن کی عقلیں سلیم ہیں' فانی لذتوں کے گرویدہ اور عارضی منفعتوں کے فریفتہ نہیں ہوتے' جس قدر میں نے تم سے کہا۔ اگرچہ ضرورت سے بہت کم کہا مگر مجھ کو تمہاری طبیعت کی پاکیزگی سے امید ہے کہ ان شاءاللہ رائیگاں نہ جائے گا اور خدا نے چاہا تو میں دعا بھی کروں گا کہ تمہارے دل میں سوچنے اور غور کرنے کا شوق پیدا ہو مگر قاعدہ ہے کہ دنیا میں کوئی متبذل سے متبذل فائدہ بھی بے خطاب نہیں ملتا۔ سچ ہے کہ جب تک بچہ روتا نہیں ماں بھی دودھ نہیں دیتی۔ پس دین کے عمدہ اور دائمی فائدے بدرجہ اولیٰ طلب پر موقوف اور پیروی پر منحصر ہونے چاہئیں اور وہ تمہارے کرنے کا کام ہے۔ دین کے کام ہیں تو دل سے متعلق اور کوئی شخص دوسرے کے خیالات یعنی دلی حالات پر مطلع نہیں ہوسکتا مگر خیالات کی اصلاح سے ارادے کی اور ارادے سے افعال کی طرز تمدن کی اور وضع کی گفتگو کی نشست برخاست کی حرکات وسکنات کی سبھی چیزوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ یعنی انسان کا ظاہر حال اس کے دل کا ترجمان ہوتا ہے۔ پس تم کہو یا نہ کہو خود بخود منکشف ہوتا رہے گا کہ جس راستے پر میں نے تم کو لگا دیا ہے تم نے اس میں چلنا شروع کیا یا نہیں۔

Marfat.com

فصل چودھویں

# مبتلا پر متقی کے وعظ کا کہاں تک اثر ہوا

مبتلا کو جب چچا نے پکڑ کر نصیحت کے لیے بٹھایا تھا تو خواہ مخواہ اس کی طبیعت میں از خود ایک ضد سی آ گئی تھی تاہم تھوڑی دیر ادب کی وجہ سے دم نہ مار سکا اور پھر تو میر متقی کی باتوں پر ایسا ریجھا کہ آنکھیں اور منہ دونوں کے دونوں کھلے رہ گئے اور جب تک میر متقی نے بات کو ختم نہیں کیا۔ مبتلا کو کوئی دیکھتا تو کیا معلوم ہوتا کہ بس حیرت کا ایک پتلا ہے۔ چچا کے پاس سے چلے جانے کے بعد بھی کئی دن تک وہ مبہوت سا رہا۔ اس کا دل تو مان گیا تھا کہ چچا نے جو کچھ کہا ٹھیک کہا مگر جس بات کی آن پڑ گئی تھی' اس کے بدلتے ہوئے اس کا جی ہچکچاتا تھا۔ آوارگی اس کی طبیعت میں یہاں تک سما رہی تھی کہ ترک وضع کرتے ہوئے اس کو عار آتی تھی وہ سوچتا تھا کہ چچا کے کہنے پر چلوں تو دوست آشنا کھانا پینا سیر تماشا تفریح تمامی مشاغل سب کو ایک دم چھوڑوں یعنی ترک دنیا کروں تو پھر جیوں کیونکر' اور فرض کیا کہ جبراً قہراً میں نے ترک دنیا کیا بھی تو لوگ مجھ کو کیا کہیں گے۔ آخر پرہیزگار بنوں تو پورا پورا بنوں جیسے چچا زربفت کی ٹوپی خلاف آداب میں پہننے سے رہا ناچار شملہ' دوپٹہ' عمامہ باندھنا پڑے گا اور اس کی زد میں بالوں کی جیسی گت بنے گی ظاہر ہے۔ تو ضرور ہوا کہ سب سے پہلے سر منڈواؤں' منڈے سر پر یہ خشخاشی داڑھی اور چڑھی ہوئی مونچھیں کیا بھلی لگیں گی تو لازم آیا کہ ڈاڑھی چھوڑوں اور مونچھوں کو سیدھا کروں پھر ایسی مقطع صورت پر گلے میں کرتہ نہ ہو تو خیر نیچی چولی کا انگرکھا اور ٹانگوں میں ایک برکا گھٹنا اس وجہ سے کیا منہ لے کر بازار میں نکلوں گا۔ ساری عمر کبھی مسجد میں جانے کا اتفاق نہیں ہوا اب جو ایک دم سے جا کھڑا ہوں تو جتنے نمازی ہیں سب آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے گھوریں

Marfat.com

گے غرض جن کو چھوڑتا ہوں اور جن میں جا کر ملتا ہوں سبھی کا انگشت نما ہونا پڑے گا۔ مبتلا اسی پس وپیش میں تھا کہ میر متقی ایک دن اس کو وضو کرا کپڑے بدلوا اپنے ساتھ جمعہ کی نماز میں لے گئے اور اس کے بعد سے جب تک رہے نماز کو جاتے مبتلا کو گھر سے ساتھ لے کر نکلتے ہیں۔ غرض مبتلا کی وہ جھجک تو جاتی رہی اور اس کی وضع میں بھی رفتہ رفتہ اصلاح آتی چلی۔ اگر میر متقی کا دو تین مہینے بھی اور رہنا ہوتا تو مبتلا کے درست ہو جانے میں کوئی کسر نہ تھی۔ آخر میر متقی نے کیا ہی کیا تھا' مبتلا کو صرف ایک وعظ سنایا۔ صرف اتنی سی کوشش کی اس کی غفلت کو تازیانہ ہو۔ دیندار بھلا مانس بنتے ہوئے وہ جھینپتا تھا۔ اس کی شرمندگی مٹا دی۔ اگر زیادہ رہنے کا اتفاق ہوتا تو خدا جانے کتنے وعظ اور کہتے اور کیا کیا اس کو سکھاتے سمجھاتے وہ تو اچھی طرح جانتے تھے کہ برسوں کے جمے ہوئے زنگ میں یہ کیا ایک رگڑے سے چھوٹنے والے ہیں۔ حسن پرستی کا وہ بڑا سخت عیب بھی گویا مبتلا کی گھٹی میں داخل تھا۔ میر متقی موقع پا کر اس کا علاج کرتے پر کرتے مگر مبتلا کو تو اپنے اعمال کی شامت بھگتنی تھی۔

Marfat.com

فصل پندرھویں

# میر متقی کا دفعتاً بے وقت رام پور روانہ ہونا اور مبتلا کو سید حاضر اور عارف کے سپرد کر جانا

میر متقی نے مبتلا کی اصلاح پر توجہ شروع کی تھی کہ اتنے میں چپکے چپکے اس گمنام عرضی کی تحقیقات ہونے لگی جو ناظر کی شرارت سے میر متقی کی شکایت میں گورنر کے پاس پہنچی تھی اور تو کچھ حال نہ کھلا مگر خلاف عادت پولیس کے لوگ وقت بے وقت کوئی وعظ سننے کے بہانے سے کوئی نماز کے حیلے سے آمد و رفت کرنے لگے ان میں جو زیادہ ہوشیار تھے پتے دے دے کر ٹیڑھے ٹیڑھے مسئلے پوچھتے تھے۔ مثلاً یہ کہ کیوں حضرت ہندوستان آپ کے نزدیک دارالحرب ہے یا نہیں۔ انگریزوں سے اور ہنود سے سود لینا روا ہے یا نہیں۔ انگریز اگر کابل پر چڑھائی کریں اور ایک پلٹن کو امیر کے مقابلے میں لڑنے کا حکم دیں اور ایک مسلمان اس پلٹن میں پہلے سے نوکر ہو تو اس کو کیا کرنا چاہئے۔ مہدی جنہوں نے مصر میں خروج کیا ہے' مہدی موعود ہیں یا نہیں اور ان کو مدد دینا از روئے شرع شریف کیا حکم رکھتا ہے۔ انگریزی دواؤں کا استعمال درست ہے یا نہیں' کچہری سے برابر سود کی ڈگریاں ہوتی ہیں۔ اس سود کا دینا گناہ ہے یا نہیں۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا اور لباس اور طرز تمدن میں ان کے ساتھ شبیہ کیا حکم رکھتا ہے۔ میر متقی جہاندیدہ آدمی تھے۔ ان باتوں کو دیکھ کر ان کے کان ہوئے اور سمجھے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ کوتوال شہر سے معرفت اور دور کی صاحب سلامت تو تھی ہی۔ ایک جمعہ کی نماز کو جاتے ہوئے راہ میں کوتوال سے آمنا سامنا ہو گیا۔ میر صاحب نے کہا مجھ کو آپ سے کچھ کہنا ہے۔

Marfat.com

وقت فرصت معلوم ہو تو میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ کوتوال نے کہا آج بعد نماز مغرب میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ غرض کوتوال کے ساتھ تخلیہ ہوا تو میر صاحب نے فرمایا کیوں کوتوال صاحب یہ کیا ماجرا ہے کہ چند روز سے پولیس کے لوگ میری نگرانی کرنے لگے ہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ جتنی دیر میں باہر رہتا ہوں پولیس کا ایک نہ ایک آدمی ضرور موجود ہوتا ہے مسئلے پوچھتے ہیں تو بیچ دار باتیں کرتے ہیں تو اکھڑی ہوئی میں نے دھوپ میں ڈاڑھی سفید نہیں کی۔ یہ لوگ مجھ سے چھپاتے ہیں اور میں سب سمجھتا ہوں' مجھ سے پردہ کرتے ہیں اور میں ان کے تیور پہچانتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے میں یہاں کا رہنے والا نہیں۔ سات برس بعد سفر حجاز سے واپس آیا۔ رام پور جانا چاہتا تھا۔ میں نے کہا کہ لاؤ لگے ہاتھ بھائی سے ملتا جاؤں' یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بھائی کا انتقال ہو چکا ہے' ان کے معاملات خانہ داری کو دیکھا۔ سب کے سب ابتر' ناچار ٹھہرنا پڑا۔ اکثر معاملات خدا کے فضل سے درست ہو گئے ہیں۔ بعض باتیں باقی ہیں۔ اگر میرے حال سے تعرض نہ بھی کیا جائے۔ تاہم تین چار مہینے سے زیادہ ٹھہرنا منظور نہیں اور ٹھہر سکتا بھی نہیں۔ لیکن اس نظر بندی کی حالت میں تو میں ایک دن بھی نہیں رہ سکتا' بے اطمینانی کی وجہ سے وہ مطلب بھی فوت ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے میں ٹھہرا ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں نے سرکار کا ایسا کون سا قصور کیا ہے۔ درس میں نہیں دیتا کہ میرے پاس جمع رہے خطا یا قصور اگر ہے تو یہی کہ جو اللہ کا بندہ پاس آ بیٹھتا ہے تو نصیحت کی دو چار باتیں اس سے کہہ دیتا ہوں اور یہ کام ایسا ہے کہ دنیا کی حکومت کیسی ہی قاہر کیوں نہ ہو مجھ کو اس سے باز نہیں رکھ سکتی۔ نصیحت تو لوگوں کو میں نے کی ہے اور کرتا ہوں اور آئندہ بھی جہاں رہوں کروں گا۔ ضرور کروں گا' اگر یہ بغاوت ہے تو میں پکارے کہتا ہوں کہ میں باغی۔ سرکار کو اختیار ہے مجھے قید کرے مگر ان شاء اللہ وہاں بھی قیدیوں کو نصیحت کرتا رہوں گا۔ سرکار شہنشاہ زبردست اور میں اس کی ایک ادنیٰ رعیت میرے واسطے ایسی کارروائی کی کیا

Marfat.com

ضرورت ہے۔ اگر کچھ اشتباہ پیدا ہوا ہے تو مجھ کو علی روس الاشہاد طلب کرے میں جوابدہ
کو اور اگر قصور ثابت ہو تو سزا کو حاضر ہوں مگر ابنائے جنس کی نظر میں ناحق نکو بنانا مشتبہ
ٹھہرانا شیوہ انصاف سے بہت بعید ہے۔ کوتوال یہ سب باتیں چپ بیٹھا ہوا سنتا رہا اور
آخر بولا تو یہ بولا کہ میں ارادتمندانہ اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ جب حضرت کا ارادہ تین چار
مہینے بعد خود رام پور روانہ ہونے کا ہے۔ اگر ابھی قصد فرمایئے تو مناسب ہے۔ یہاں کا
اگر کوئی کام ہو تو مجھ کو سپرد کر جایئے۔ ان شاء اللہ اس کا سرانجام خاطر خواہ میرے ذمے۔
میر متقی نے سمجھا کہ اب ٹھہرنا مصلحت نہیں اور زیادہ کاوش کرنے سے بھی حاصل نہیں فوراً
سفر رام پور کا ارادہ کر دیا۔ غیرت بیگم باپ کے مرنے پر تو کیا روئی تھی جیسا کہ چچا کے
جانے کا اس نے ماتم کیا۔ مبتلا کے خیالات میں بھی تھوڑے ہی دنوں میں اتنا فرق پڑ گیا تھا
کہ اس کو بھی چچا کے چلے جانے کا رنج ہوا۔ میر متقی نے ہر ایک کو اس کی جگہ تسلی دی۔ چلتے
چلتے مبتلا سے اتنا کہہ گئے کہ سید حاضر کے خیالات بہت راستے پر آ گئے ہیں۔ اگر تم ان
سے مشورہ لو گے تو امید ہے کہ نیک صلاح دینے میں دریغ نہ کریں گے یا میاں عارف
جن کو تم میرے پاس اکثر دیکھتے تھے' تمہارے ہی مدرسے کے طالب علم ہیں۔ بڑے اچھے
دل کا لڑکا ہے' ہے تو تمہارا ہم عمر مگر استعداد اور معلومات کے اعتبار سے پورا مولوی ہے'
بڑی خوبی اس میں یہ ہے کہ اس کے خیالات حکیمانہ اور شگفتہ ہیں۔ میں نے اس سے بھی
بہ تاکید کہہ دیا ہے اور وہ ہفتے میں ایک دو بار تمہارے پاس آیا کریں گے۔ تم بھی رابطہ بڑھا
لینا ان سے تم کو ہر طرح مدد ملے گی۔

Marfat.com

## فصل سولہویں

# میر متقی کے چلے جانے کے بعد مبتلا کس رنگ میں رہا

مبتلا کی تو اس وقت بعینہٖ ایسی مثال ہوگئی کہ ایک مریض مرض مہلک میں گرفتار ایک طبیب حاذق نے اس کا علاج شروع کیا ارادہ تھا کہ منضج ہوں۔ منضجوں کے بعد مسہل۔ مسہلوں کے بعد تبرید معجونات کا استعمال کرایا جائے۔ ابھی منضج بھی پورے نہ ہونے پائے تھے کہ طبیب صاحب تشریف لے گئے۔ سید اگرچہ اس کا پھوپھی زاد بھائی تھا مگر رشتہ داری کے جھگڑوں کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ انس نہ تھا۔ رہ گئے میاں عارف مولوی تھے حکیم تھے' شگفتہ خیال تھے سب کچھ تھے مگر مبتلا کے چچا نہ تھے۔ مبتلا کو ان کا کیا لحاظ اور ان کو مبتلا کا کیا درد' پھر بھی بے چارے نے خدا ان کو جزائے خیر دے میر متقی کے کہنے پر اتنا تو کیا کہ پیر کے پیر جمعے کے جمعے مبتلا کے پاس آتے اور گھنٹے دو گھنٹے بیٹھ کر چلے جاتے۔ اسی طرح مبتلا بدھ کے بدھ اور اتوار کے اتوار عارف کے گھر جاتا اور یوں ایک دن بیچ دونوں کی ملاقات کا سلسلہ بندھ گیا۔ اس سے اتنا تو ہوا کہ مبتلا کے پرانے یار اور دوستوں کو اس پر احاطہ کرنے کا موقع نہ ملا اور جس دھرے پر چچا نے اس کو لگا دیا تھا' اس پر تھوڑا چلا سست چلا بدیر چلا۔ دین داری میں اگر سچ پوچھو تو مبتلا نے ترقی نہیں کی مگر اس کا سنبھلا رہنا بھی غنیمت ہوا کہ پھر اس نے آوارگی نہیں کی' وہ نماز بھی پڑھ لیتا تھا مگر گنڈے دار۔ اب دین کی باتوں کا اگر اہتمام نہیں کرتا تھا تو پہلے کی طرح ان پر ہنستا بھی نہ تھا' اس کی ظاہر وضع میں بھی اگلی سی سخاوت باقی نہ تھی۔ جب سے باپ مرے اس نے گھر میں سونا بالکل چھوڑ دیا۔ چچا کے آنے سے وہ پھر گھر میں سونے لگا تو ان کے چلے جانے کے بعد وہی معمول رکھا۔ غرض مبتلا دین دار نہیں تو ایک خانہ دار بھلا آدمی بن گیا تھا جیسے اکثر لوگ ہوتے ہیں مگر حسن پرستی کی ہڑک ہر روز دو ایک بار اس کو ابھرتی رہتی تھی۔

Marfat.com

فصل سترھویں

# حسن صورت پر مبتلا اور عارف کا مباحثہ

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ عارف کے آنے کا وقت تھا اور مبتلا بیٹھا ہوا ان ہی کی راہ دیکھ رہا تھا بیٹھے بیٹھے اسی حسن پرستی کے خیال میں ایسا محو ہوا کہ عارف سر پر آ کھڑے ہوئے اور اس نے عادت کے مطابق نہ تو ان کا استقبال کیا اور نہ کھڑے ہو کر ان کو تعظیم دی۔ جب عارف نے جھک کر السلام علیکم کہا تب سٹ پٹا کر کھڑا ہونے لگا۔ مگر عارف بیٹھ چکے تھے۔ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا اور پوچھا کہ خیر ہے آج کس خیال میں مستغرق تھے' مبتلا نے ٹالنا چاہا' عارف نے اصرار کیا نہیں کوئی بات تو ضرور ہے جس کو تم اس قدر غور کے ساتھ سوچ رہے۔ ''مبتلا'' غور کے بارے میں تو چچا نے مجھ پر بڑی سخت تاکید کی ہے۔ ''عارف'' بلاشبہ ان کا فرمان درست ہے۔ غور کے معنی کیا ہیں۔ عقل سے کام لینا اور انسان نے اگر عقل ہی سے کام نہ لیا تو اس میں اور دوسرے حیوانات میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں' مگر پوچھنے سے میری غرض یہ تھی کہ اگر وہ بات مجھ پر ظاہر ہو تو جہاں تک مجھ سے ممکن ہو تمہاری مدد کروں۔ تمہارے چچا نے جن کو میں اپنے والد کی جگہ سمجھتا ہوں تم سے غور کرنے کو کہا اور مجھ سے تمہاری مدد کرنے کو۔ پس تم اگر ان کے کہنے کے غور کرتے ہو تو ان ہی کے ارشاد کے موافق مجھ سے مدد بھی لو۔ ''مبتلا'' جس بات کو میں سوچ رہا تھا اکثر سوچا کرتا ہوں مگر ابھی تک کچھ سمجھ میں نہیں آیا تاہم اتنا تو جانتا ہوں کہ آپ سے اس میں کچھ مدد ملنے کی توقع نہیں۔''

عارف۔ ''جب تک تم اس بات کو مجھ سے بیان نہ کرو اور میں جواب نہ دے دوں

Marfat.com

کہ میں کچھ نہیں کرسکتا۔ اس وقت تک تم کو میری مدد سے ناامید ہونے کا کوئی محل نہیں۔'' مبتلا اچھا تو آپ مدد کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔ ''عارف''۔ اجی تم سے کیا وعدہ کروں گا میں تو وعدہ کر چکا ہوں۔ جناب میر متقی صاحب سے۔ مبتلا۔ ''اس خاص بات کا اس وقت تک کچھ مذکور نہ تھا۔'' ''عارف''۔ مجھ سے جناب میر صاحب نے کسی بات کا مذکور نہیں کیا۔ عام طور پر تمہاری مدد کرنے کو فرمایا اور میں نے اس کو تسلیم کیا۔ اس سے بڑھ کر اور وعدہ کیا ہوگا ''مبتلا'' آپ کو میرے خانہ داری کے حالات معلوم ہیں۔ ''عارف'' جس قدر حالات جناب میر صاحب کو معلوم تھے مجھ کو بھی معلوم ہیں۔ ''مبتلا'' چچا باوا نے آپ سے میری خانہ داری کے بارے میں کبھی کچھ کہا تھا ''عارف'' اکثر اس بات کا سخت افسوس کیا کرتے تھے کہ بی بی کے ساتھ تمہارا معاملہ درست نہیں۔ ''مبتلا''۔ نادرستی معاملہ سے ان کی کیا مراد تھی۔ ''عارف'' مراد یہ تھی کہ تم کو بی بی کے ساتھ انس نہیں محبت نہیں۔ ''مبتلا'' بھلا اس کا کچھ سبب بھی انہوں نے بیان کیا تھا۔ ''عارف''۔ ہاں یہ فرماتے تھے کہ تمہارے مزاج میں آوارگی ہے۔ حسن پرستی کے مزے پڑے ہوئے ہیں' دل میں یہ خبط سما رہا ہے کہ میں حسین ہوں' بی بی نظروں میں بھرتی نہیں۔ ''مبتلا'' کیا چچا باوا اس بارے میں بھی کچھ کرنے کو تھے۔ ''عارف''۔ بیشک فرماتے تھے کہ مطالب کو تو میں نے اپنے ذہن میں ترتیب دے لیا ہے۔ اب موقع کی تاک میں ہوں۔ ''مبتلا'' شاید ان کا ارادہ تھا کہ اس پر بھی کوئی وعظ کہیں مگر بھلا ہوا اس کی نوبت نہ آئی ورنہ چار و ناچار مجھ کو مخالفت کرنی پڑتی۔ ''عارف''۔ کچھ تم نے پہلے وعظ کی مخالفت کی ہوگی کہ اس کی کرتے۔ ''مبتلا۔ پہلے وعظ میں چچا باوا نے کسی بات میں واقعات کی مخالفت نہیں کی۔ اس سے میں نے ان کی مخالفت نہیں کی' مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ خوبصورتی کے بارے میں وہ کہتے تو کیا کہتے۔ ''عارف'' یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ کیا کہتے مگر اتنا انہوں نے ضرور کہا تھا کہ جس قدر اس کو حسن کے ساتھ فریفتگی ہے ان شاء اللہ اسی قدر نفرت کرنے لگے تو سہی۔ ''مبتلا''

Marfat.com

(چونک کر) میں اور حسن سے نفرت تو یوں کہیے کہ میرے سر سے دماغ اور دماغ سے عقل کو عقل سے سلامت کو سب کو سلب کر لینے کی فکر میں تھے۔ بھلا آپ چچا باوا کے اس ارادے کی نسبت کیا خیال کرتے ہیں؟ ''عارف'' میں تو جناب میر صاحب کی شان کو اس سے بہت ارفع سمجھتا ہوں کہ غلط بات ان کے منہ سے نکلے یا ان کے کلام میں مبالغہ ہو۔ ان کو خدا نے علم کی، دینداری کی، خلوص کی، خیر خواہی خلق کی، گویائی کی بہت سی قوتیں دی ہیں۔ میرا عقیدہ تو یہ ہے کہ انہوں نے چھٹانک بھر کو کہا تو من بھر کر دکھاتے۔ مگر افسوس ہے کہ یکا یک ان کا چلنا ٹھہر گیا۔ ''مبتلا'' آپ بھی تو ان کے شاگرد رشید ہیں۔ حسن سے نفرت نہیں تو خیر اتنا کیجئے کہ کسی طرح میری یہ شورش تو فرو ہو کہ مجھے اس تصور میں نہ رات کو نیند ہے نہ دن کو قرار ہے۔ یہ کیا بلا میرے سر پر سوار ہے۔ ''عارف'' کبھی تم نے اس بات پر غور کیا ہے کہ حسن کیا چیز ہے۔ اور لوگوں کو اس قدر فریفتگی حسن کے ساتھ کیوں ہے۔ ''مبتلا''۔ یہ تو کوئی غور کرنے کی بات نہیں ہے۔ مرد، عورت، بوڑھا، جوان، شہری، دیہاتی، خواندہ، ناخواندہ ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ خوبصورتی اس کو کہتے ہیں۔ تفصیل پوچھئے تو تمام شاعروں نے معشوقوں کے سراپا لکھے ہیں۔ آپ کی نظر سے بھی تو ضرور گزرے ہوں گے۔ رضا لکھنوی کا سراپا مرقع خوبی میرے نزدیک سب سے بہتر ہے۔ اس سراپا میں کئی باتیں خاص ہیں۔ اول تو سر سے لے کر ناخن پا تک کسی عضو کو نہیں چھوڑا۔ دوسرے مردوں کا سراپا الگ ہے اور عورتوں کا الگ۔ تیسرے اعضاء کی ساخت کے علاوہ ان کی حرکات کی خوبیاں بھی بیان کی ہیں۔ چوتھے حسن خلقی اور حسن مصنوعی کا تفرقہ بڑے عمدہ طور پر دکھایا ہے۔ غرض جو کچھ شعراء کے سراپاؤں میں ہے وہی حسن ہے۔ اور یہ جو آپ نے پوچھا کہ لوگوں کو اس قدر فریفتگی حسن کے ساتھ کیوں ہے تو یہ میرے نزدیک انسان کی طبیعت کا خاصہ ہے اور اس کے واسطے سوائے اس کے کہ آدمی کی طبیعت ہی خلقتاً حسن کی طرف راغب واقع ہوئی ہے اور کوئی وجہ درکار نہیں۔ آپ کا یہ سوال بجنسہ اسی طور کا ہے

Marfat.com

جیسے کوئی پوچھے کہ کہربا گھاس کو اور مقناطیس لوہے کو کیوں کھینچتا ہے۔ آگ کیوں جلاتی ہے۔ ''عارف'' شعراء نے جو خیالات سراپاؤں میں ظاہر کئے ہیں۔ آپ کی سمجھ میں آتا ہے کہ ان کا ماخذ کیا ہے۔ ''مبتلا'' میرے نزدیک ان تمام خیالات کا ماخذ وہی طبیعت انسانی ہے جو حکم کرتی ہے کہ اس عضو کو اس وضع اور اس ساخت اور اس انداز کا ہونا چاہئے۔ ''عارف''۔ ہاں۔ لیکن اگر یہ خیالات طبعی ہوتے تو ضرور تھا کہ سب آدمیوں کے ایک ہی طرح کے ہوں۔ کیونکہ آدمی انسانیت میں سب یکساں ہیں تو اس کے یہی معنی ہیں کہ طبیعت انسانی سب میں یکساں ہے اور طبیعت یکساں ہوتی تو چاہئے کہ سب کے تقاضے یکساں ہوں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں جو ایک کے نزدیک مطبوع ہے۔ دوسرے کے نزدیک مکروہ۔ مثلاً بڑی خوبصورتی رنگ کی ہے۔ کہتے بھی ہیں ایک رنگ ہزار ڈھنگ۔ لیکن رنگ کے بارے میں مذاق اس قدر مختلف ہیں کہ گورا، سرخ و سفید' گندم گوں ملیح' چمپئی وغیرہ کتنی قسم کے رنگ ہیں۔ جن کے پیچھے ہمارے ملک کے لوگ سر دھنتے ہیں۔ لیکن فرض کرو کہ ان رنگوں میں سے کسی رنگ کا آدمی افریقہ میں جا نکلے تو وہاں اس کی کیسی قدر ہوگی جیسی کہ ہمارے یہاں جذامی کی یا مبروص کی۔ افریقہ کے باشندے بھی آدمی ہیں ان کی طبیعتوں میں بھی ایسے ہی جوش اور ایسے ہی ولولے پائے جاتے ہیں۔ عشق و محبت ان میں بھی ہے۔ ان میں بھی حسین ہیں مگر ان کے سراپا تمہارے سراپا سے بالکل مختلف خاص خاص اعضاء کی نسبت بھی مذاقوں کے اختلاف کا یہی حال ہے۔ ہم پسند کرتے ہیں بالوں کی سیاہی جس کو ہمارے شعراء تشبیہ دیتے ہیں' شب دیجور سے' کالی گھٹا سے' مار سیاہ سے' عاشق کی تیرہ بختی سے' ظلمات سے' اور اہل یورپ چاہتے ہیں بھورے سے بال سونے سے ہم رنگ اور بھی ہندوستان کا نہیں۔ کیلیفورنیا' کا پتلی۔ ہم ڈھونڈتے ہیں آنکھ موتی چور جس کی پتلی سیاہ ہو۔ صاحب لوگ نیلی کرنجی۔ چینیوں کی نسبت مشہور ہے کہ کمانیاں چڑھا چڑھا کر ناک کو بٹھا چھوڑا کیوں ان کے نزدیک ناک کی اٹھان سے

Marfat.com

چہرہ ناہموار ہوتا تھا۔ عورتوں کے پاؤں کو کیسا شکنجے میں کسا کہ کھڑے ہونے سے ان کا مرکزِ ثقل ہی ٹھکانے پر نہیں رہتا۔ ناچار گر گر پڑتی ہیں۔ ہمارے یہاں دانتوں کا وصف ہے صفائی اور چمک۔ چینیوں میں تیرگی اور سیاہی۔ افریقہ میں عورتیں دانتوں کو سوہن کرا کے آرے کا ہم شکل بناتی ہیں۔ انگریزنیاں ساری دنیا کی عورتوں پر ہنستی ہیں۔ کسی کے گہنے پر، کسی کے لباس پر، کسی کے پاؤں کی بندش پر، کسی کے بناؤ سنگھار پر اور خاص کر چینیوں پر اور ان کا کہنا یہ ہے کہ انسان کی اصلی خوبصورتی اس کی قدرتی بناوٹ میں ہے۔ مگر جس وقت اپنی بہنوں پر جو دوسرے ملکوں کی رہنے والیاں ہیں ہنستی ہیں، ان کو اپنی کمر یاد نہیں رہتی۔ مختلف ملکوں کی تاریخیں اور جغرافیے پڑھو تو معلوم ہو کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات کس قدر مختلف ہیں۔ قومی اختلاف سے اتر کر شخصی اختلاف پر آؤ تو ہر جگہ وہی معاملہ ہے کہ لیلیٰ را بچشم مجنوں باید دید۔ غرض جہاں تک غور کیا جاتا ہے حسن کا کوئی مفہوم معین نہیں ٹھہرتا۔ پس مفہومِ حسن کو انسان کا طبعی خیال سمجھنا غلط ہے۔ بلکہ وہ ایک شخصی خیال ہے۔ ''مبتلا''۔ یہ تو ایک لفظی بحث ہے۔ حسن کی نسبت میرا خیال طبعی اور شخصی ہو تو نتیجہ واحد ہے کہ مجھ سے بدوں حسن کے صبر نہیں ہو سکتا۔ ''عارف'' واہ واہ لفظی بحث کی بھی خوب کہی۔ اجی حضرت یہ تو علم الاخلاق کا ایک بڑا ضروری مسئلہ ہے۔ جتنی باتیں طبعی ہیں یعنی تقاضائے طبیعت انسانی سے سرزد ہوتی ہیں۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتیں۔ ان کی تبدیلی میں کوشش کرنا محض لاحاصل ہے اور مطلق بے سود۔ مگر جن کو میں نے شخصی سے تعبیر کیا ہے ضرورتیں ہیں ادعائی حاجتیں ہیں تکلفی جن کو آدمی عموماً نہیں بلکہ افراد خاص اپنے اوپر لازم کر لیتے ہیں۔ اگرچہ ان ادعائی ضرورتوں کا تقاضا کبھی ضرورتوں سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی چونکہ تقاضائے طبیعت نہیں ہے اس کی شورش کو فرد اس کی تیزی کو مدھم کرنا ممکن ہے۔ مثلاً مطلق کھانا پینا تقاضائے طبیعت انسانی ہے۔ اور کسی تدبیر سے یہ خواہش دفع نہیں ہو سکتی۔ مگر خاص قسم یا خاص ذائقے یا خاص کیفیت کے کھانے کا التزام

Marfat.com

تقاضائے طبعت انسانی سے خارج ہے۔ جولوگ شراب یا افیون یا مدک یا چنڈو یا گانجے یا چرس یا تاڑی یا حقے یا کسی قسم کے نشے کی عادت ڈال لیتے ہیں اس کی طلب میں ایسے بے قرار ہو جاتے ہیں جیسے بھوبھل میں مچھلی۔ تاہم یہ ایک ضرورت ہے جس کو ان کی طبیعت شخصی تقاضا کرتی ہے نہ طبیعت انسانی۔ اسی طرح خداوند تعالی کی حکمت کاملہ نے نوع انسان کے باقی رہنے کے لئے ایک قاعدہ ٹھہرا دیا ہے کہ دو طرح کے آدمی بنائے۔ مرد اور عورت اور دونوں کے لئے عمر کا ایک وقت مقرر کر دیا کہ جب اس حد پر پہنچیں تو دونوں میں از خود ایک دوسرے کی طرف رغبت پیدا ہو۔ بس یہاں تک اور صرف یہیں تک تقاضائے طبیعت انسانی ہے۔ جیسے مطلق غذا اور اس سے بڑھ کر کہ جس طرح رغبت کرتا ہے' پورا یا ادھورا رند کے سراپا کا مصداق ہو کر از قبیل نشہ ہے۔ اور جہاں انسان کے اوپر ہزار ہا لغویات ہیں کہ شاید دس ہزار آدمیوں میں ایک بھی ان سے محفوظ نہیں۔ ایک طرح کی لغویت حسن پرستی بھی ہے۔ بھلا کوئی مجھ کو اتنا تو سمجھا دے کہ طبیعت انسانی جس رغبت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس سے اور رند کے یا کسی دوسرے شاعر کے سراپا سے کیا مناسبت۔ ''مبتلا'' میں ایسا سمجھتا ہوں کہ اسی رغبت میں جس کا طبعی ہونا آپ تسلیم کرتے ہیں' سراپا کو ایسا مدخل ہے جیسا غذا میں مسالے کو۔ ''عارف''۔ بالکل غلط۔ مسالہ جزو غذا ہوتا ہے۔ داخل غذا اور خود غذا۔ ''مبتلا'' حسن کی نسبت آپ کی رائے تمام دنیا کی رائے کے خلاف ہے۔ اور اگرچہ بادی النظر میں آپ کی دلیل لاجواب معلوم ہوتی ہے۔ مگر چونکہ فی الواقع ایک عالم فریفتہ حسن ہے۔ اور ازاں جملہ میں بھی ہوں گو آپ کو قائل نہ کر سکوں۔ تاہم دل ہے کہ حسن کے تصور سے پگھلا جاتا ہے۔ ''عارف'' اگر دنیا عبارت ہے ان لوگوں سے جن کو تمہاری طرح حسن پرستی کا خبط ہے تو بلاشبہ تمہارا کہنا درست ہے مگر زیادہ نہیں تو اپنی ہی معرفت کے مثلاً دس گھر معین کرو اور دیکھو کہ ان میں کتنے آدمی ہیں پھر ان میں اپنے جیسے عادی مزاج منتخب کرو تب تم کو معلوم ہو کہ جنون عشق عالمگیر ہے یا نہیں اور ایک بات میں تم سے اور بھی کہتا ہوں کہ یہ تمام خرمستیاں پیٹ بھرے کی ہیں۔ ایک

Marfat.com

دوسرے یہ روگ اکثر شہریوں ہی کو ہوتے دیکھا اور تم نے اپنے دل کا جو حال بیان کیا اس کو میں مانتا ہوں لیکن برا مت ماننا۔ مدرسے کے تمام طالب علموں میں تم سب سے زیادہ معروف مشہور تھے مگر کس بات میں مدرسے کے چند آوارہ اور بد وضع نوجوان لڑکے تمہاری محبت کا دم بھرتے تھے اور انہوں نے گفتار سے کردار سے یہ بات تم پر ثابت کر دی تھی کہ تم بھی حسین ہو۔ آدمی فربہ شود از راہ گوش سنتے سنتے وہ خیال ذہن میں راسخ ہو گیا۔ جب خود جوان ہوئے اس خیال کا پیرایہ بدل گیا۔ شعر

عاشق ہوئے ہیں آپ بھی ایک اور شخص پر
بارے ستم کی کچھ تو مکافات چاہئے

مبتلا آپ مولوی ہو کر آداب مناظرہ کا لحاظ نہیں رکھتے۔ آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ حسن کی نسبت لوگوں کے خیالات طبعی نہیں بلکہ شخصی ہیں اور اس دعویٰ کے اثبات میں آپ میری خاص حالت سے استدلال کرتے ہیں۔ دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص دنیا میں ہزارہا آدمی حسن پرست ہیں تو کیا سب کی حسن پرستی کا یہی سبب ہو سکتا ہے کہ میری طرح وہ بھی حسین ہیں ''عارف'' تم نے اچھی طرح خیال نہیں کیا۔ جیسا میرا دعویٰ عام ہے۔ ویسی ہی میری دلیل بھی عام ہے۔ اور تمہارا تذکرہ تمثیلاً تھا نہ استدلالاً۔ میری دلیل یہ ہے کہ حسن کی نسبت مختلف ملک کے باشندوں اور مختلف قوموں اور مختلف شخصوں کے مذاق مختلف ہیں اور اگر طبعی ہوتے تو مختلف نہ ہوتے۔ ''مبتلا'' آپ کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اتمنیات طبیعت انسانی تمام دنیا میں یکساں ہیں۔ مگر میرے سمجھنے میں تو یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی۔ میں دیکھتا ہوں کہ روئے زمین کے مختلف قطعات میں مختلف طور کی آب و ہوا اور مختلف طور کی پیداوار ہے۔ اور آب و ہوا اور پیداوار کے اختلاف سے باشندوں کے طبائع کا مختلف ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ بعض ملکوں کے لوگ آرام طلب ہوتے ہیں اور بعض کے جفاکش۔ بعض کے غصیلے زود رنج بعض کے متحمل بردبار، بعض کے بہادر دلیر بعض کے بزدل ڈرپوک بعض کے سیدھے سادھے بعض کے مفسد چالاک

Marfat.com

اور بایں ہمہ اختلافات یہ سب خصائص طبعی سمجھے جاتے ہیں۔ اسی طرح حسن کی نسبت لوگوں کے مذاق ہوں۔ مذاقِ حسن پھر بھی طبعی ہی کہا جائے گا۔ ''عارف'' جن خصائص کے اختلاف پر تم مذاق حسن کے اختلاف کو قیاس مع الفارق کرتے ہو وہ خصائص طبعی اور کیمیائی اثر کرتی ہے۔ گرم ملکوں کے لوگوں کے مسامات کشادہ خون گرم اور رقیق اور اس کی گردش تیز اور سرد ملکوں میں اس کے بالکل خلاف اور یہی وجہ ہے کہ گرم ملکوں کے لوگ آرام طلب غصیلے اور بزدل اور ذہین ہوتے ہیں۔ لیکن آب و ہوا کو اس طرح کا مدخل مذاق حسن میں ہو نہیں سکتا اور اگر ہے تو اس کا ثابت کرنا تمہارا کام ہے۔ ہاں اگر یہ کہو کہ بعض گرم ملکوں کے لوگوں میں توالد تناسل کی رغبت جلد پیدا ہوتی ہے یا وہ لوگ اس رغبت پر زیادہ حریص ہوتے ہیں تو میں اس کو مانتا ہوں۔ کیونکہ مطلقاً اس رغبت کا طبعی ہونا مجھ کو تسلیم ہے' رہی عجلت اور حرص دونوں حرارت کے آثار کیمیائی ہیں۔ مگر ہر پھر کر وہی بات آئی کہ اس رغبت طبعی کو شاعروں نے سراپا سے کہ وہی حسن ہے' کیا تعلق۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی شخص دوسرے شخص کے کسی عضو کو بسبب بے غرض بے مطلب کیوں اچھا یا برا کہہ سکتا ہے۔ مثلاً تمہارے ناک سے اگر کسی کی کوئی غرض متعلق ہو سکتی ہے تو وہ تم ہی ہو کہ تم اس سے سونگھتے یا سانس لیتے ہو۔ اگر تمہاری ناک تمہارے کام اچھی طرح دیتی ہے تو وہ اچھی ہے مگر تمہارے لئے۔ میرا کون سا مطلب تمہاری ناک سے اٹکا ہے کہ میں اس کو اچھا یا برا سمجھوں اور یہی حال ہے تمام سراپا کا جس کے پیچھے رند نے جز کے جز سیاہ کئے ہیں۔ غرض تم کو دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں۔ اول یہ کہ مذاق حسن تقاضائے طبیعت انسانی ہے۔ دوسرے یہ کہ توالد تناسل کی رغبت طبعی میں اس کو مدخل ہے'' مبتلا'' تبھی تو میں اس بات کو سوچ رہا ہوں کہ لوگوں میں مذاق حسن مختلف کیوں ہیں۔ ''عارف''۔ میں نے ان باتوں کو برسوں سوچا ہے۔ آخر اس بات سے دل کو تسلی ہو گئی کہ حسن صورت فی نفسہ کوئی چیز نہیں پھر یہ خیال پیدا ہوا تو کہاں سے پیدا ہوا۔ پہلے ذہن اس طرف منتقل ہوا تھا کہ شاید حسن کا ماخذ علم قیافہ ہو یعنی انسان کی روح اور جسم میں ایک تعلق ہے ایسا کہ اعضاء کی

Marfat.com

ساخت اور وضع سے اس کے دلی خیالات اور اخلاق پر استدلال کیا جاتا ہے۔ لوگوں نے تجربے سے اس تعلق کو دریافت کر کے جمع کیا تو علم قیافہ مدون ہو گیا۔ جو لوگ علم قیافہ کے بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ آدمی کے اعضاء کی بناوٹ سے اس کے خصائص طبیعت کو پہچان جاتے ہیں۔ عجب نہیں کہ اعضاء کی جو وضع محاسن اخلاق پر دلالت کرتی ہو اس کو اچھا سمجھنے لگے ہوں۔ لیکن جن لوگوں کے حسن کا بڑا چرچا ہے۔ ان کو دیکھا تو من حیث الاخلاق سب سے بدتر پایا۔ معلوم ہوا کہ علم قیافہ تو حسن کا ماخذ نہیں ہو سکتا۔ آخر غور کرتے کرتے یہ بات سمجھ میں آئی کہ جس طرح اب لوگوں میں اعلیٰ اور ادنیٰ اور شریف اور وضیع اور خواص اور عوام کا تفرقہ ہے۔ ایسا ہی ابتدائے دنیا میں سب لوگ تو یکساں حالت میں نہیں رہے ہوں گے۔ جسمانی قوت یا اعوان و انصار کی کثرت یا کسی دوسری وجہ سے بعض لوگ ضرور اکابر قوم سمجھے جاتے ہوں گے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کو انسان اپنے سے بہتر اور برتر سمجھتا ہے۔ اس کی سبھی باتیں اس کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ یوں سب سے پہلے حسن کا خیال پیدا ہوا ہو تو عجب نہیں اور پھر تو مثل دوسرے خیالات کے یہ خیال بھی اباً عن جد متوارث ہوتا چلا آیا۔ اور یہی سبب ہے کہ ملکوں میں مذاق حسن کے مختلف ہونے کا کہ ہر ملک میں جو شخص سب سے بہتر اور برتو لوگوں نے اس ہی کو نمونہ حسن قرار دے لیا۔ تم نے نپولین شاہ فرانس کی تصویر تو دیکھی ہو گی۔ اس کی ڈاڑھی تھی چگی اور ڈاڑھی کی خوبصورتی ہے بھری ہوئی گول مگر نپولین کی دیکھا دیکھی سارے فرانس نے اپنی ڈاڑھیاں چگی کر لیں اور اسی کو شعار خوبصورتی ٹھہرا لیا اور چگی ڈاڑھی کا نام رکھا امپیریل بیرڈ یعنی شاہانہ ڈاڑھی۔ ہم لوگوں میں جو انگریزی وضع کھانے میں پینے میں لباس میں نشست و برخاست میں طرز تمدن میں ہر چیز میں وبا کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ انگریز ہیں وقت کے حاکم اور ان کی تمام ادائیں خوشنما لگتی ہیں اور ہم لوگوں کے مذاق ہیں کہ یوما فیوما انگریزی طور کے ہوتے چلے جاتے ہیں بغیر خلقت تو اختیار بات نہیں مگر رفتہ رفتہ مہندی اور وسمہ کے عوض ہمارے یہاں کے بڈھے انڈے کی زردی کا خضاب تو ضرور کرنے

Marfat.com

لگیں گے۔ حسن کی نسبت شخصی مذاقوں کی تاویل چنداں مشکل نہیں۔ ایک شخص میں تمام محاسن صورت کا جمع ہونا تو کمیاب ہے۔ اکثریوں ہی ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑے حسینوں میں بھی دو چار نقص ضرور ہوتے ہیں۔ اب یہ پسند کرنے والے کی تجویز پر منحصر رہا کہ چاہے جس پہلو کو ترجیح دے۔ بعضے رنگ پر مرتے ہیں اور بعضے نقشے کی نزاکت پر نظر کرتے ہیں' بعضے حسن داد کے خریدار ہیں اور بعضے دام زلف کے گرفتار۔ ''مبتلا'' حسن اگر خصائص انسانی سے ہوتا تو جو ماخذ آپ نے بیان کیا بلاشبہ قابل تسلیم تھا' مگر جمادات' نباتات' حیوانات غرض تمام موجودات میں کوئی چیز حسن سے خالی نہیں' والد مرحوم زندہ تھے کہ ایک مقدمے کی پیروی کے لئے انہوں نے ناظر بھائی کو گرمیوں کے دنوں میں نینی تال بھیجا اور مجھ کو ان کے ساتھ کیا تو پہاڑ دھندلا دھندلا کئی منزل سے نظر آتا تھا۔ مگر تین چار کوس کے فاصلے سے تو ہم اس کو اچھی خاصی طرح سمو چاد یکھنے لگے۔ وہ صبح کا وقت اور پہاڑ کی چوٹیوں پر سفید براق برف گویا سنگھار میز بڑا قد آدم آئینہ لگا ہے کہ آفتاب سوتا اٹھ کے پہلے شبنم سے منہ دھوئے اور پھر اپنا چہرہ اس آئینے میں دیکھے اور چوٹیوں کے گرداگرد جب شفق کی سرخی اور دامان کوہ کی سبزی پر آنکھ پڑتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک نازنین گلابی دوپٹہ اوڑھے اور ہری پشواز پہنے غور سے کھڑی ہوئی آس پاس کی چیزوں کی سیر دیکھ رہی ہے۔ شروع میں تھوڑی دیر تک۔ تو اس کا شعور تھا کہ واقع میں پہاڑ ہے اور ہماری قوت متخیلہ نے اس کو نازنین اور شفق و سبزے کو اس کا لباس بنالیا ہے۔ مگر آفتاب کی کرن نکلتے ہی اوپر برف کے کنارے اور نیچے ندی نالے سارے جگمگا اٹھے جیسے عین مین سچا گوٹا۔ اب تو جو خیال تھا وہ حقیقت الحال ہوگیا۔ قوت نامیہ کا ہر طرف یہ زور شور کہ ایک چپہ بھر جگہ سبزہ خودرو سے خالی نہیں۔ شاعر تو سبزے کو خوابیدہ باندھتے ہیں مگر وہاں کا سبزہ بیدار۔ ہوا کے جھونکوں سے ہر وقت متموج بلا تصنع اس وقت تو یہی خیال میں آتا تھا کہ ہوا کے گدگدانے سے پہاڑ کے پیٹ میں ہنسی کے مارے بل پڑ پڑ جاتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے پگڑی سنبھال کر درختوں کو دیکھو تو ایسا شبہ ہو کہ آسمان کی چھت بہت پرانی ہو چکی تھی۔

Marfat.com

شاید اس کی دراڑیں ہیں۔ رنگ رنگ کے جانور پھدک پھدک کر ادھر سے ادھر اس طرح اڑتے پھرتے تھے کہ گویا جگہ جگہ چوتھیاں کھیلی جا رہی ہیں غرض ہر چیز پر ایک قدرتی جوبن تھا کہ جی بے اختیار لوٹا چلا جاتا تھا۔ ایسے کسی موقع پر آپ کے جانے کا اتفاق ہو تو آپ کو معلوم ہو کہ حسن ایک کیفیت خداداد ہے۔ ہر جگہ ہے اور ہر چیز میں ہے۔ اسی نینی تال کے راستے میں ایک ندی ملی تھی۔ دنیا کی تمام صنعتیں تمام دست کاریاں جس غرض سے ہیں، صرف اتنی ہی بات کے لئے کہ چیزوں میں حسن پیدا ہو۔ کسی انگریزی شاپ (دکان) میں میرے ساتھ چلئے۔ تو میں آپ کو دکھا دوں کہ صرف مکان کی آراستگی کے لئے کیسا کیسا اسباب انگریزوں کی ولایت سے بن کر چلا آ رہا ہے۔ زندگی کے تمام ساز و سامان میں کون سی چیز ہے جس میں خوبی نہیں اور یوں آدمی آنکھوں پر ٹھیکری دھر لے اور ہدایت کا انکار کرے تو اس کا علاج نہیں۔ حسن کا تقاضائے طبیعت ماننا آسان ہے یا ایک عالم کو مجنوں اور مبتلائے خبط "عارف"۔ بات کو بہت طول ہوتا جاتا ہے اور حجت اور تقریر سے لکھی کسی بات کا تصفیہ ہوا نہیں اور مدت العمر کے جمے ہوئے خیال کا دفعتاً دل سے نکالنا بھی مشکل۔ میں تم کو اتنی نصیحت کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کو مختلف اوقات میں تم خود سوچو اور میں نے بھی یہی کہا تھا کہ مدتوں خود غور کرتا رہا۔ یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ آخر کار تم میری رائے کے ساتھ اتفاق کرو گے یا نہ کرو گے مگر اس کا تو مجھ کو پورا یقین ہے کہ انشاء اللہ تمہاری یہ شورش تو ضرور فرو ہو جائے گی جس طرح تم دوسری چیزوں کا استحسان کرتے ہو۔ یعنی مثلاً نینی تال کی سیر سے تمہاری طبیعت کو ایک طرح کی تفریح ہوئی اگر اسی طرح کی تفریح تم کو خوبصورت آدمی کے دیکھنے سے ہو تو اس میں میرے نزدیک کوئی اعتراض کی بات نہیں بلکہ اس استحسان کو تم تقاضائے طبیعت بھی سمجھو تو چنداں مضائقہ نہیں۔ مگر دل میں انصاف کرو کہ اس استحسان کے ساتھ کیا مناسبت اور فرض کرو کہ استحسان مردم یعنی حسن پرستی جیسا تم کہتے ہو۔ تقاضائے طبیعت انسانی ہی سہی تو طبیعت انسانی کے اور بہت سے تقاضے ہیں مگر چار و ناچار ان کو روکنا اور ضبط کرنا پڑتا ہے۔ سب

Marfat.com

میں زیادہ شدید تقاضا غذا کا ہے۔ تاہم بعض اوقات طبیب حکم دیتا ہے کہ فاقہ کرو اور فاقہ کرتے ہیں۔ یا غریب آدمی کو ایک وقت کھانا میسر نہیں آتا اور وہ انتڑیوں کو مسوس کر کے رہ جاتا ہے۔ اسی طرح تقاضائے حسن پرستی مطلق العنان تو رہ نہیں سکتا۔ حسن کمیاب اور اس کے خواہاں بہت معشوقوں کے غزوہ وادا سے شہید ہونے کا انتظار بھی نہ کریں۔ آپس ہی میں رقابت کی وجہ سے لڑ مریں اور مشکل یہ ہے کہ کمیابی ٹھہری شرط حسن۔ کیونکہ اگر حسین کثرت سے ہوں تو بے قدر ہو جائے۔ کوئی اس کی طرف رغبت بھی نہ کرے۔ پس حسن پرستی فی نفسہ ایسی خواہش ہے کہ ہزار خواہشوں میں ایک کی کامیابی کی بھی توقع نہیں۔ تو کیوں آدمی ایسی حالت اپنے پیچھے لگائے کہ اس سے سوائے رنج کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے۔ موقع پر آئی ہوئی بات کہنی پڑتی ہے تم کو معلوم ہے کہ واقع اور ادعائی ضرورتوں کی شناخت کیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز جس قدر زیادہ سہولت سے میسر آسکتی ہے۔ بس جان لو کہ ہم کو اسی قدر زیادہ اس کی حاجت ہے۔ مثلاً ہوا اور پانی اور غلہ سب ضرورت ہی کی چیزیں ہیں غلے سے زیادہ پانی اور پانی سے زیادہ ہوا مگر ہوا سب سے زیادہ سہل الحصول ہے۔ پانی اس سے کم اور غلہ اس سے بھی کم۔ اسی طرح لوہا اور چاندی اور سونا اور موتی اور جواہرات۔ سب سے زیادہ بکار آمد لوہا ہے اور اسی کی زیادہ افراط ہے۔ پس حسن اگر حقیقت میں ہم کو درکار ہوتا تو ضرور تھا کہ اس کی افراط بھی ہوتی اور افراط ہوئی تو پھر حسن کہاں۔ حسن تو اسی وقت تک حسن ہے کہ اس کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہوں۔ ''مبتلا'' آپ کا یہ فرمانا بالکل ٹھیک ہے کہ حسن کم یاب ہے اور جو ہے اس پر دسترس کا ہونا مشکل۔ اور میں اسی سوچ میں بیٹھا تھا کہ آپ تشریف لائے۔ مگر دنیا کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی مشکلیں پیش آتی ہیں اور یہ تو وہ لذتیں ہیں کہ دنیا کے سارے مزے اس کے آگے ہیچ ہیں۔ بلکہ میں تو ایسا سمجھتا ہوں کہ جب تک لذت حسن کا شمول نہ ہو دنیا کی کسی چیز میں کوئی مزہ ہی نہیں تو ایسے عمدہ مطلب کے حصول میں اگر جان تک بھی جوکھوں میں ہو تو کیا مضائقہ۔ اتنا خدا کا شکر ہے کہ دوسروں کو محال ہے اور مجھ کو

Marfat.com

آسان۔ ''عارف'' کیوں تم میں خصوصیت کیا ہے۔ کیا تم کہیں کے حاکم ہو۔ یا تمہارے یہاں کچھ دولت پھٹ رہی ہے۔ ''مبتلا'' بس آپ کے نزدیک تو دنیا میں حکومت اور دولت دو ہی چیزیں ہیں۔ اجی حضرت میں حسن کی دولت رکھتا ہوں۔ اب چند روز ہوئے چچا باوا کے لحاظ سے میں نے آنا جانا چھوڑ دیا۔ ورنہ شہر میں ایسا کون نازنین ہے جو مجھ کو پیار نہیں کرتا۔ ذرا میرا رخ دیکھیں تو گلے کی ہار ہو جائیں مجھ کو حسن کی کیا کمی ہے۔ آج چاہوں تو ایک ریوڑ پال لوں۔ ''عارف'' **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم کچھ عقل رکھتے ہو۔ اب معلوم ہوا کہ عقل اور حیات اور غیرت اور عزت اور آبرو اور مذہب کسی چیز سے تم کو بہرہ نہیں اور تمہاری حالت بڑی خطرناک حالت ہے۔ تم تو جناب میر متقی صاحب کے پاس برسوں رہو تب کہیں جا کر آدمی بنو تو بنو۔ تمہاری عقل کا تو یہ حال ہے کہ ابھی تک خوبصورتی کا خبط تمہارے سر سے نہیں نکلا۔ تم بات بات میں اس طرح منہ بھر بھر کر اپنے تئیں حسین اور خوبصورت کہتے ہو کہ گویا حسن صورت بڑا جوہر ہے۔ مرد ہو کر تمہیں عورتوں کے ہنر پر ناز کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ خوبصورتی کے خیال سے کچھ تم ہی اپنے دل میں خوش ہوتے ہو گے۔ مگر غیرت مندوں کی نظر میں اس گورے چمڑے نے سارے خاندان کی عزت ڈبو دی اور تم کو دنیا اور دین دونوں کے کام سے کھو دیا۔ اور خیر جوان ہوئے پیچھے وہ کم بخت خوبصورتی گئی گزری ہوئی تھی تو بچپن کے اس خیال کو جانے دیا ہوتا۔ نہیں وہ خبط ہے کہ بدستور تازہ ہے۔ منہ پر ڈاڑھی نکل آئی ہے۔ چہرہ پکا کیمخت ہو گیا۔ وہ رنگ و روغن وہ نرمی و نزاکت کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ مگر خدا جانے وہ تمہاری خوبصورتی کس چیز سے عبارت ہے۔ کہ اس میں فرق نہ آیا۔ شہر کے نازنینوں کا حال تو معلوم نہیں مگر مدرسے میں جو تمہارے چاہنے والے تھے' وہ تمہارے رہتے ہی ایک ایک کر کے تم سے بے رخی کرنے لگے تھے۔ اور کیا تم کو اس کا امتیاز نہ ہوا ہو گا اور جب تمہاری وہ لڑکپن کی کیفیت بدل گئی کہ خیر وہ ایک طرح خوبصورتی تھی بھی تب بھی مرد خدا تم کو تنبیہ نہ ہوئی کہ کیا ایسی بے ثبات اور

Marfat.com

ناپائیدار چیز کے درپے ہونا جو آج ہے اور کل نہیں۔ یہ کیفیت جو تم میں اب ہے۔ اگرچہ اس کو خوبصورتی سمجھنا تمہارا ہی ادعا ہے مگر بری یا بھلی جیسی ہے اسے تو قیام ہو۔ جس نے تم کو بچپن میں دیکھا ہے۔ اب سے چار برس بعد پہچاننے کا بھی تو نہیں کہ یہ وہی مبتلا ہے یا دوسرا شخص ہے۔ میرے نزدیک تو خوبصورتی کا دعویٰ اب بھی تم کو زیب نہیں دیتا مگر ایک وقت آنے والا ہے تو اس کو آیا ہوا سمجھو جب کہ تم خود پکار اٹھو گے۔

دریغا کہ عہد جوانی برفت
جوانی مگو زندگانی برفت

ذرا خیالات کو اونچا کرو۔ نظر کو تھوڑا آگے بڑھاؤ۔ یہ خواہشیں جن کا تم اس قدر اہتمام کر رہے ہو' خدا نے گدھے' کتے بندر' سور ذلیل سے ذلیل جانوروں کو بھی دی ہیں۔ بلکہ جانوروں میں یہ قوتیں آدمی سے بہت زیادہ ہیں۔ کیا آدمی کے لئے شرم کی بات نہیں کہ جانوروں کی ریس کرنے پر حریص ہو۔ تم کو اس بات پر بڑا گھمنڈ ہے کہ نازنینان شہر یعنی بازاری عورتیں تم کو پیار کرتی ہیں۔ یہ جھوٹی رکابیاں' یہ چچوڑی ہوئی ہڈیاں یہ کھائی ہوئی قلفیاں کسی بھلے مانس کی غیرت تقاضا کر سکتی ہے کہ ان کو منہ لگائے یا پاس بٹھائے نرمی خوبصورتی کو اگر ہو بھی، لے کر کیا آگ لگانی ہے۔ جبکہ ان میں شرم و حیا نہیں، مہر و وفا نہیں۔ عفت و عصمت نہیں۔ غیرت و حمیت نہیں۔ ''مبتلا'' میں نے تو ان لوگوں کا تذکرہ آپ سے صرف اس غرض سے کیا تھا کہ میں حسن کی خواہش کروں۔ تو غالباً میرے لئے اس کا بہم پہنچنا کچھ دشوار نہ ہوگا۔ کیونکہ میں ان لوگوں کو اپنی طرف بھی مائل پاتا ہوں۔ مجھے دوسرا ذریعہ تقریب درکار نہیں۔ جس دن چچا باوا تشریف لائے میں نے ان لوگوں سے ملنا جلنا قطعاً موقوف کر دیا اور آئندہ بھی میرا ارادہ ان لوگوں سے ملنے جلنے کا ہرگز نہیں۔ چچا باوا کے آنے کا تو مجھ کو ایک حیلہ ہاتھ لگ گیا ورنہ میں نے تھوڑے ہی دنوں کے اختلاط میں ان لوگوں کو خوب آزما لیا' بک گیا' برباد ہو گیا' چچا باوا نہ ہوتے تو فاقوں پر

Marfat.com

نوبت پہنچ چکی تھی۔ مگر حقیقت میں عجب بے مروت قوم ہے۔ چندے کے بندے اور دام کے غلام۔ اس میں شک نہیں کہ مجھ کو پیار بھی کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ لے بھی مرتے ہیں۔ ''عارف'' الحمدللہ میرا جی یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ تم کو اس نالائق گروہ سے تو نفرت ہوئی۔ اور میں تو بھائی اس کو جناب میر صاحب کا تصرف سمجھتا ہوں۔ ''بتلا''۔ خیر جو کچھ ہو مگر حسن پرستی کی کسک میرے دل میں باقی ہے وہ نہیں نکلتی۔ ''اب بہت دیر باتیں ہوئیں۔ آدمی کے دل کا حال ہر وقت یکساں نہیں رہتا۔ ان شاءاللہ پھر کسی دن موقع دیکھ کر گفتگو کریں گے۔ اس اثناء میں تم بھی وقتاً فوقتاً سوچنا اور غور کرنا اگر خدا کو منظور ہے تو خود تمہارے ہی دل سے کوئی نہ کوئی بات ایسی پیدا ہوگی کہ اس سے تمہاری تسکین ہو جائے گی۔ اتنی بات تمہارے کان میں اور ڈالے دیتا ہوں کہ دنیا کے تمام معاملات کا مدار خیالات پر ہے۔ شعر

برخیالے صلح و شان و جنگ شان
برخیالے نام شان و ننگ شان

ایک شخص کو دیکھتے ہیں کہ ایک غرض کے پیچھے دیوانہ بن رہا ہے اور اسی جیسے ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں کہ اس غرض سے مطلق سروکار نہیں رکھتے۔ زندگی کے دن پورے کرنے کو گنتی کی چند چیزیں درکار ہیں اور ان کے بہم پہنچانے کے لئے کچھ زیادہ زحمت اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ صائب نے کیا خوب کہا ہے۔ شعر

حرص قانع نیست صائب ورنہ اسباب جہاں
آنچہ من درکار دارم بیشتر درکار نیست

اور جب دوسرے لوگ ہمارے ہی ابناء جنس ایک چیز کے بدوں خوش و خرم رہ سکتے ہیں تو اس سے بخوبی ثابت ہے کہ حقیقت میں وہ چیز داخل ضروریات زندگی بلکہ داخل تفریحات بھی نہیں ہے۔ ان لوگوں نے ایک طرح پر خیال کیا اور اس چیز پر غالب آئے

Marfat.com

اور ہم نے دوسری طرح پر سوچا اور مغلوب ہو گئے۔ یوں تو سوچنے اور غور کرنے کو ہزاروں باتیں ہیں مگر تمہاری حالت کے واسطے موت کا تصور کرنا بالخاصہ مفید ہے۔ اگر دن رات میں تھوڑی دیر کے لئے بھی آدمی اپنے تئیں مرتا ہوا فرض کر لیا کرے اور یہ تو یقینی ہے کہ ایک نہ ایک دن سچ مچ اس کو مرنا ہوگا تو دنیا کی بہت سے ترغیبات سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اور چونکہ دینداری کے خیالات ابھی تمہاری طبیعت میں راسخ نہیں ہوئے۔ موجبات ترغیب کے پاس نہ پھٹکنا ورنہ سارا کیا کرایا دم کے دم میں اکارت ہو جائے گا۔

Marfat.com

فصل اٹھارھویں

# مبتلا کا دامِ محبت میں مبتلا ہونا

عارف تو یہ کہہ کر اس وقت رخصت ہو گیا۔ مبتلا کے شیاطین برابر اس کی گھات میں لگے ہوئے تھے۔ میر متقی کا جانا سنتے ہی سب نے چاروں طرف سے یورش شروع کی۔ مبتلا تو ایک مدت سے ادھار پر عیاشی کر ہی رہا تھا۔ سینکڑوں روپے ان لوگوں کے اس پر چڑھے ہوئے تھے۔ پہلے کو ہلے ہوئے خدا جانے میر متقی کے رہتے ہوئے بھی انہوں نے کیوں کر صبر کیا ہوگا۔ میر متقی کا اگر جانا نہ ہوتا تو آخر ایک نہ ایک دن اس قرض کا جھگڑا ان کے روبرو پیش ہوتا تو وہ عمدہ طور پر فیصلہ بھی کر دیتے اب اونے پونے کیسے سوائے ڈیوڑھے کی قسط بندی پر تو قرضے کا چکوتا ہوا۔ اور ان لوگوں کے پاس آ کر بیٹھنے بات کرنے سے مبتلا کی طبیعت جو میر متقی اور عارف کے سمجھانے سے کسی قدر سنبھل چلی تھی، پھر بگڑی۔ سامان تو ایسا بندھا تھا کہ مبتلا پھر بدستور سابق آوارہ مزاج ہو جائے۔ مگر ادھر تو نصیحت کے خیالات تھے تازہ اور ادھر ادائے قرض کی وجہ سے مبتلا کو ان لوگوں سے ایک طرح ناخوشی اور تو کسی کے پاؤں نہ جمے مگر اب سے کوئی تین چار برس پہلے کا مذکور ہے۔ مبتلا کے والدان دنوں زندہ تھے۔ اسی محلے میں مبتلا کے گھر سے ذرا فاصلے پر ایک عورت کرایہ کے مکان میں آ کر رہی۔ وہ تھی تو لکھنؤ کی کوئی خانگی پر اس نے اپنے تئیں بیگم مشہور کیا۔ باوجودیکہ تھوڑے ہی دنوں کی آئی ہوئی تھی مگر سارے محلے میں اس کی خوبصورتی اور لیاقت کا غل مچ گیا۔ عیاش مزاجوں میں جو جس ڈھب کا تھا اپنے شوق کی چیز میں بیگم کا مداح تھا۔ شاعر کہتے تھے فی البدیہہ شعر کہتی ہے۔ ستار بجانے والوں میں چرچا تھا کو بول خوب بجاتی ہے، تاش گنجفہ چوسر شطرنج کھیلنے والے ان تمام کھیلوں میں اس کے کمال

Marfat.com

کے قائل تھے۔ ضلع جگت پھبتی حاضر جوابی پہیلی مکرنی نسبت میں سب مانتے تھے کہ اپنا جواب نہیں رکھتی۔ اس کی خوبصورتی میں لوگ کچھ کلام کرتے تھے مگر اس کے جامہ زیب ہونے پر سب کو اتفاق تھا۔ مبتلا تو خود ایسی خبروں کی ٹوہ میں لگا رہتا تھا۔ اس کو بیگم کا حال سب سے پہلے معلوم ہوا ہوگا۔ لیکن باپ کے رہتے محلے میں بدلحاظی نہیں کرسکتا تھا نہ جاسکا۔ باپ کے پیچھے جب مبتلا کھل کھیلا تو جہاں اس نے اور نالائقیاں کیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بیگم سے ملا۔ شاعری اور ستار اور شطرنج اور کیا یہ تو سب بہانے تھے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ عورت تھی بڑی گویا اس کی زبان کہے دیتی تھی کہ خواصی مصاحبت یا کسی دوسرے طور پر اس نے بادشاہی محلات میں ضروری تربیت پائی ہے یا کیا عجب ہے کہ جیسا وہ کہتی تھی خود بیگم ہی ہو۔ لسانی کے علاوہ اس کا سلیقہ مجلس بھی بہت دلکش تھا وہ نہایت جلد آدمی کے دل کو ٹٹول لیتی اور ہر ایک کے ساتھ اس ہی کے مذاق کی باتیں کرتی۔ یہ عمل تھا جس کے ذریعے سے وہ لوگوں کے دلوں کو مسخر کرتی تھی۔ ورنہ صورت شکل کے اعتبار سے وہ چنداں قدر کی چیز نہ تھی۔ مبتلا کے ساتھ آنکھیں چار ہوتے ہی وہ پہچان گئی کہ یہ کوئی نیا مردوا بنا ہے۔ اس نے مبتلا کو دور سے کھڑے ہو کر ایسے انداز کے ساتھ سلام کیا جیسے کوئی ہندو آفتاب کو ڈنڈوت کرتا ہے اور گاؤ تکیہ سے وہ لگی ہوئی بیٹھی تھی چھوڑا اپنی جگہ مبتلا کو بٹھایا اور آپ مودب سامنے ہو بیٹھی۔ مبتلا نے چاہا کہ اس کو اپنے برابر بٹھائے مگر وہ ایاز قدر خود بشناس کہہ کہ پہلو پر نہ آئی۔ مبتلا تو تمہید کلام ہی سوچتا رہا کہ اتنے میں وہ آپ ہی بولی ایک مدت سے دلی کی تعریفیں سن سن کر جی پھڑکتا تھا اور دل میں ارمان تھا کہ اگر پر ہوتے تو اڑ کر جاتی اور ایک نظر دلی کو دیکھ آتی۔ بارے سان نہ گمان خود بخود ایسا اتفاق پیش آیا کہ خدا نے دلی میں لا بٹھایا۔ اور جیسا سنا تھا اس سے ہزار حصے بڑھ کر پایا۔ چشم بدور لکھنؤ میں دولت کی افراط ہے اور لوگ بھی وہاں کے بڑے زندہ دل ہیں۔ حسن کی جو قدر و منزلت ہمارے لکھنؤ میں ہے کسی دوسرے شہر میں کم ہوگی اور یہی

Marfat.com

سبب ہے کہ ملکوں ملکوں سے حسن کھنچ کر سب لکھنؤ میں سمٹ آیا ہے اور میرا رہنا بھی ایسی ہی جگہ ہوا ہے کہ اس کو حسن کا اکھاڑا کہنا چاہئے۔ مگر اپنا شہر ہے تو ہونے دو بات تو سچی ہی کہی جائے گی۔ ماشاءاللہ آپ کی صورت کا آدمی بھی میری نظر سے نہیں گزرا۔ ''مبتلا''۔ یہ تو سب تمہاری مہربانی ہے۔ چونکہ تم نظر محبت سے دیکھتی ہو۔ تم کو تو میری صورت بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ ہم مردوں کی صورت اگر اچھی ہوئی بھی تو کیا بے مصرف صورتیں تو تم لوگوں کی ہیں کہ ایک عالم تمہاری ان صورتوں ہی کے پیچھے دیوانہ ہو رہا ہے۔ میں نے بھی تمہاری صفت و ثنا بہت کچھ سنی تھی۔ اور تمہارے دیکھنے کے لئے دل بے قرار تھا۔ مگر موقع نہیں بن پڑتا تھا۔ اب جو تم کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ حقیقت میں لکھنؤ یہاں دلی میں تمہارے قیام کا کیا بھروسہ بیگم۔'' ہم لوگوں کا کم بخت اس طرح کا برا پیشہ ہے کہ قرآن کا جامہ پہن لیں تب بھی تو کوئی اعتبار نہیں کرتا۔ آپ کو یقین آئے نہ آئے میں ایک عزت دار خاندان کی بیٹی ہوں خدا جانے یہ بھی کرشم میں لکھا تھا کہ ایسے برے احوال سے پردیس میں پڑی ہوا۔ میرا حال اس قطعے کے مصداق ہے۔''

## قطعہ

رہیے اب ایسی جگہ چل کر جہاں کوئی نہ ہو
ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم زباں کوئی نہ ہو
پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیمار دار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

میں جس وقت لکھنؤ سے نکلی دل میں یہ ٹھان کر نکلی کہ اب اس شہر کو پیٹھ دکھائی ہے جیتے جی منہ نہ دکھاؤں گی۔ جس حالت میں آپ مجھ کو دیکھتے ہیں جس قدر مجھے اس سے نفرت ہے بس خدا ہی کو خوب معلوم ہے مگر موت اپنے بس کی نہیں۔ شاد باید زیستن۔ ناشاد باید زیستن۔ آج اگر کوئی بھلا آدمی خدا اس کے دل میں رحم ڈالے اور میری دست

Marfat.com

گیری کرے تو مجھ کو چرخہ کا تنا منظور، چکی پیسنی قبول میں اس کی کفش برداری کو حاضر ہوں مگر مان نہ مان میں تیرا مہمان زبردستی کسی کے سر ہو جاؤں۔ آپ سے آپ کس کے ساتھ لگ لوں۔ ہر چند مبتلا کی آوارگی ان دنوں بڑے زوروں پر تھی مگر اس کے دل میں کسی عورت کے ساتھ تعلق لازمی پیدا کرنے کا خیال کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ بیگم کی سحر بیانی تھی کہ ابھی اس کی تقریر پوری نہیں ہونے پائی کہ مبتلا نے اس کو گھر میں ڈال لینے کا پہلے پہل کچھ یوں سا ارادہ کر لیا۔ بیگم میں دو باتوں کی کمی تھی کہ ایک تو اس کی صورت کچھ بہت عمدہ نہ تھی بنانے سنوارنے سے وہ اتنی بھی نظروں میں جچتی تھی۔ دوسرے گانا ناچنا جس کی ان دنوں مبتلا کو چاٹ لگی ہوئی تھی اس کو مطلق نہیں آتا تھا۔ تاہم اس نے اپنی لسانی سے مبتلا کو پہلی ہی ملاقات میں اتنا تو گرویدہ کر لیا کہ شام کا گیا ڈیڑھ پہر رات کو توپ اس کے وہیں بیٹھے بیٹھے چل گئی۔ اس اثناء میں بیگم نے خوب مزے مزے کی گلوریاں اپنے ہاتھ سے بنا بنا کر مبتلا کو کھلائیں۔ دو دور چائے اور کافی کے چلے۔ مبتلا اگر ایک جلسے میں مدعو نہ ہوتا تو اس سے رات کا رہ پڑنا بھی کچھ تعجب نہ تھا۔ بارے مکان پر سے آدمی آیا کہ صاحب جلسہ خود آپ کو لینے آتے ہیں۔ ناچار اٹھنا پڑا۔ اور جلسے کی سن کر بیگم کو بھی اصرار کرنے کا موقع نہ تھا۔ مگر چلتے چلتے بیگم نے اتنا عہد تو لے لیا کہ جلسے کے سوائے اپنے یہاں ہو یا کسی دوست کے یہاں بلا ناغہ ہر روز ملاقات ہوا کرے گی اور میر متقی کے آنے تک ایسا ہی ہوتا رہا اور اتنے دن میں بیگم نے مبتلا کے دل میں بخوبی اپنی جگہ کر لی۔ میر متقی کی لاحول سے جہاں اور شیطان بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بیگم صاحبہ بھی تھیں۔ میر متقی کے رہتے بھی بیگم نے بہتیرے ڈھب لگائے کہ مبتلا زیادہ نہیں تو کبھی کبھار کھڑے کھڑے صورت دکھا جایا کرے۔ مگر مبتلا خود ان دنوں ہتھے سے اکھڑا ہوا تھا آنا جانا تو درکنار زبانی سلام و پیام تک کا بھی روادار نہ ہوا۔ مبتلا بے چارے کے حال پر خیال کر کے کس قدر افسوس آتا ہے۔ شعر

Marfat.com

قسمت تو دیکھیے کہ کہاں ٹوٹی ہے کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

قریب تھا کہ بیگم تو اس کو صبر کر کے بیٹھ رہے' اتنے میں میر متقی کو سنا کہ تشریف لے گئے۔ بیگم تو اس خبر کو سنتے ہی مارے خوشی کے اچھل پڑی اور اسی وقت سے لگی مبتلا کے انتظار میں بار بار مڑ مڑ کر دروازے کی طرف دیکھنے۔ ایک دن گزرا دو دن گزرے تین دن گزرے مبتلا کا پتہ نہیں۔ سمجھی کہ چچا نے ضرور بھتیجے کو کچھ پٹی پڑھائی۔ آخر جب اپنے اہل برداری کو سنا کہ حساب کتاب کو آنے لگے تو اس نے بھی کسی کے ہاتھ ایک رقعہ بھیجا۔ (رقعہ) جامن یاباں شورا شوری دیابایں بے نمکی اس قدر بے مروتی ایسی بے وفائی۔ کچھ تصور کوئی خطا۔ دل کے ایسے بودے کہ اور ارادے کے اتنے کچھ تھے تو اتنا ربط بڑھانا ایسا گہرا اختلاط کرنا کیا ضروری تھا۔ از برائے خدا چند لمحے کے لئے تشریف لاؤ۔ اور اپنی حقیقت مجھ کو سناؤ۔ میں خدانخواستہ کوئی بلا نہیں کہ چمٹ جاؤں گی۔ آپ کوئی بچے نہیں کہ پھلا لوں۔ اور اگر آپ کو آنا منظور نہیں تو مجھ سے وہاں پہنچنا کچھ دور نہیں۔ شعر

تم جانو غیر سے جو تمہیں رسم و راہ ہو
ہم کو بھی پوچھتے رہو تو کیا ہو گناہ ہو

مبتلا یہ رقعہ پڑھ کر غوطہ میں تھا کہ عارف اس کے سر پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ عارف کے چلے جانے کے بعد مبتلا نے رقعے کو پھر کئی بار پڑھا۔ وہ اس وقت جانے میں ہچکچاتا تھا۔ مگر پھر اس نے سوچا کہ اگر میں نہ گیا تو بیگم خود چلی آئے گی۔ اس سے تو میرا جانا بہتر ہے۔ غرض دل خوب مضبوط کر بیگم کے گھر گیا مگر افسوس ہے کہ کچھ گھڑی کو گیا کہ بس اسی کے گھر کا ہو رہا۔ بیگم نے جو کئی مہینے کے بعد مبتلا کو دیکھا تو نہایت تپاک سے ملی۔ بس اس کا وہ تپاک ایک جادو تھا کہ مبتلا کی تو کیا حقیقت تھی۔ اس کے چچا باوا میر متقی صاحب بھی ہوتے تو پھسلتے نہیں تو لڑکھڑا تو ضرور جاتے۔ دیر تک آپس میں گلے شکوے ہوتے

Marfat.com

رہے۔ آخر میں مبتلا نے شروع سے آخر تک میر متقی کا آنا اور امور خانہ داری کی اصلاح اور ان کی نصیحت اور ناظر کی فضیلت اور میر صاحب کا تشریف لے جانا اور عارف سے متعارف کرانا اور عارف کو سمجھانا اور ارباب نشاط کا حساب کتاب ذرا ذرا بیان کیا۔ بیگم نے بہت ہی توجہ سے مبتلا کے قصے کو سنا اور کہا کہ اتنے دن برابر جو آپ کا آنا نہ ہوا۔ اس سے مجھے بڑی آزردگی ہوئی تھی اور میں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ آپ سے اخیر دو دو باتیں کر کے ضرور اس محلے سے اٹھ جاؤں گی۔ مگر اب جو آپ سے ساری حقیقت معلوم ہوئی۔ میرا جی بہت خوش ہوا اور اگر میں جانتی ہوتی تو ضرور میر صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرتی۔ سبحان اللہ! اچھوں کی اچھی ہی باتیں ہوتی ہیں۔ انہوں نے باپ سے بڑھ کر آپ کے ساتھ سلوک کیا' ان کے فرمانے پر چلو تو دنیا اور دین دونوں میں سرخرو۔ میں تو خود آپ سے کہنے والی تھی کہ ان بیسواؤں سے ملنا اور یوں پیسے کو برباد کرنا اور یہ ہرجائی پن اچھا نہیں۔'' مبتلا۔ مشکل یہ آپڑی ہے کہ بی بی کی طرف سے مجھ کو رغبت نہیں پھر آپ کسی طرح زندگی بسر بھی کروں یا نہ کروں''۔ بیگم۔ ''بیاہتا بی بی سے اگر مرضی نہ ملتی تو ایک اپنی مرضی کی بی بی کرلو۔'' ''خدانخواستہ تم کچھ غریب نہیں ہو کہ دو بیبیوں کا خرچ نہ چلا سکو گے۔ مردوں پر تو خدا نے نہیں کی' ایک ایک کو چار چار کا حکم ہے'' مبتلا۔ تم مجھ سے نکاح پڑھنے پر راضی ہو۔ بیگم۔ ''میں تو خود تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں اس حالت میں رہنا پسند نہیں کرتی۔ میں تو کوئی دن جاتا ہے کہ کسی نہ کسی کا دامن پکڑ کر بیٹھ رہوں گی۔ اور اگر تم میری دست گیری کرو تو زہے قسمت مگر تم کو بہتیری مجھ سے بہتر ملیں گی۔ نکاح کرو تو ایسی کے ساتھ کہ پھر بی بی کی تمنا باقی نہ رہے بلکہ مناسب تو یہ ہے کہ نکاح مت پڑھاؤ چندے کسی کو آزماؤ۔'' مبتلا۔ میں تو فکر کرتے کرتے تھک گیا اور سوچتے سوچتے میرا سر دکھنے لگا۔ چچا باوا اور میاں عارف کی تو مرضی یہ ہے کہ میں ساری عمر رنج و غم میں گھل گھل کر مر جاؤں۔ بیگم۔ ''تو جو دور پار نصیب و دشمناں رنج کرے تمہاری بلا اور غم اٹھائے تمہاری پاپوش دنیا میں بار بار جنم لینا نہیں اور جوانی کی عمر بھی چلتی چھاؤں ہے۔ جب اپنا ہی جی خوش نہ رہا تو

Marfat.com

دنیا کو لے کر کیا چولہے میں ڈالنا۔'' مبتلا۔ ''دل پر تو قابو نہیں چلتا۔ اس بی بی سے ممکن نہیں کہ مجھ کو انس ہو چار و نا چار دوسری بی بی تو کرنی ہی پڑے گی۔ اچھا تو آج کے آٹھویں دن'' ۔ بیگم۔ ''بلکہ پندرھویں دن مگر ایک شرط ہے کہ ہست و نیست جو کچھ کہنا ہو تم خود آ کر مجھ سے کہنا ایسا نہ ہو کہ پہلے کی طرح بیٹھ رہو'' مبتلا۔ ''نہیں کچھ ہی کیوں نہ ہو میں خود ضرور آؤں گا۔ بلکہ ہو سکا تو بیچ میں ایک دو پھیرے کروں گا'' بیگم۔ ''قسم کھاؤ'' ۔ مبتلا۔ تمہاری جان کی قسم۔ بیگم۔ میری جان تو تم ہو۔ مبتلا۔ ''اپنے سر کی قسم۔ یہ عہد و پیمان ہو کر بیگم سے رخصت ہوا مگر سچ پوچھو تو آج ہی کا جلسہ جلسہ نکاح تھا۔ بیگم ایک بلا کی عورت اور اس کو بشرے سے دلی حالات کے معلوم کر لینے کا بڑا ملکہ تھا۔ آج کی ملاقات میں اس کو پورا یقین ہو گیا کہ مبتلا پر اس کا جادو چل چکا ہے اور اسی بھروسے پر اس نے آپ مہلت دی ورنہ وہ ایسا ڈھونگ ڈالتی بے نکاح پڑھائے مبتلا جانے کا نام نہ لیتا۔ بیگم کے پاس یہ آج کا جانا مبتلا کے حق میں غضب ہو گیا۔ اس کو میر متقی نے ایک حالت پر پایا اور انہوں نے اور عارف نے اس کو ٹھیل ٹھیل کر کے کچھ دور سرکایا' آج وہ پھر اپنی جگہ پر عود کر آیا۔

Marfat.com

فصل انیسویں

# مبتلا اور عارف کا مباحثہ

عارف نے اس خیال سے کہ اس کو اچھی طرح بطور خود غور کر لینے دو ایک ہفتے تک اس کی خبر نہ لی۔ پھر جو ملاقات ہوئی تھی تو مبتلا کا تیور ہی بدلا ہوا تھا۔ پوچھا کیوں صاحب تم نے کچھ سوچا غور کیا؟ مبتلا۔ ''جی ہاں دوسرے نکاح کی ٹھہرائی ہے'' عارف۔ (چونک کر) ''ایں دوسرا نکاح سچ کہو۔ مبتلا۔'' ''کیا کروں میں بھی آدمی ہوں۔ میرے سینے میں بھی دل اور دل میں خواہش ہے۔ مجھ کو بھی موافق سے راحت اور ناموافق سے ایذا پہنچتی ہے۔ میری زندگی کا زمانہ بھی محدود ہے اور جوانی کا تو محدود نہیں بلکہ مختصر میں بھی اتنی بات سوچتا ہوں کہ دنیا سے ایک بار جا کر پھر آنا نہیں۔ ان باتوں پر نظر کر کے میں نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ آخر مجھ کو تو آسائش ملے'' عارف۔ ''بیشک آسائش جائز کو کون منع کر سکتا ہے اور تم پر کیا موقوف ہے۔ تمام آدمی کوشش کرتے ہیں اور سب کی کوششوں کا دینی ہو یا دنیاوی ماحصل ہے آسائش۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ جس کو تم نے آسائش سمجھا ہے وہ حقیقت میں بھی آسائش ہے یا نہیں''۔ مبتلا۔ ''یہ تجویز کرنا میرا کام ہے۔'' عارف۔ بس یہ غلط ہے۔ ہم سب ہیں بیمار اور شارع ہے ہمارا طبیب۔ اگر بیمار کو اختیار دیا جائے کہ اپنی آسائش کے لئے آپ تجویز کرے تو بیمار یقیناً اپنے تئیں ہلاک کرے گا۔ مبتلا۔ ''آپ اطمینان رکھئے میں نے شرع ہی کے مطابق اپنی آسائش تجویز کی ہے۔ کیا میں نے تمہیں کہا نہیں کہ دوسرے نکاح کی ٹھہرائی ہے۔ اگر بے نکاح کسی عورت کو گھر میں ڈال لینے یا پانچویں نکاح پڑھانے کا نام لیتا تب ہی آپ نے کان کھڑے کئے ہوتے''۔ عارف۔ ''جواز تعداد نکاح کی نسبت تم نے جس طرح پر اپنا اطمینان کر لیا ہو۔ ذرا مجھ کو بھی تو سناؤ۔'' مبتلا۔ ''میں تو آپ کے ادنی شاگردوں کی برابری بھی نہیں کر سکتا۔ میرا کیا مقدور

Marfat.com

ہے کہ آپ کو سمجھاؤں۔ تعدادِ نکاح کی سند تو قرآن کی وہی ایک مشہور آیت ہے۔ ''و ان خفتم الاتقسطوا فی الیتھی فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع۔''

عارف۔ ''لیکن اسی کے آگے فرماتے ہیں۔ فان خفتم الاتعلو افواحۃ۔ یعنی اگر تم کو یہ خوف ہو کہ متعدد بیبیوں میں برابری نہ کرسکو گے تو ایک ہی بی بی کرو اسی سورۃ اور اسی پارے میں اور آگے چل کر ولن تستطیغوا ان تعللوا بین النساء ولوا حرمتم فلا تمیلوا کل المیل فتتد وھا کالمعلقته ''یعنی تم بہتیرا چاہو مگر تم سے یہ ہو ہی نہ سکے گا کہ عورتوں میں برابری کرسکو۔ پس سارے کے سارے جھکاؤ ایک طرف اب ان دونوں باتوں کو ملاؤ کہ برابر نہ کرسکو تو ایک کرو۔ اور تمہارے کئے برابر ہو ہی نہ سکے گی۔ ایک شخص نے حال ہی میں حرمتِ تعدد نکاح پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کے نزدیک ان دونوں آیتوں کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بس ایک بی بی کرو۔'' مبتلا۔ ''ایسی ہی ایسی تفسیریں کر کے تو لوگوں نے دین کو رخنے ڈالے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہ اور تابعین اور تمام بزرگان دین سب متعدد بیبیاں کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کو بھی یہ دونوں آیتیں معلوم تھیں اور قرآن کو سب سے بہتر سمجھتے تھے اور ان کا تدین بھی بہت زیادہ تھا۔ مگر کسی نے تعدد نکاح کی ممانعت کا نتیجہ نہ نکالا اور ''ولن تستطیغوا ان تعلوا بین النساء ولوا حرمتم فلا تمیلا کل المیل فتذروھا کالمعلقته '' سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس برابری کی نسبت ارشاد ہے کہ تم سے ہو ہی نہیں سکے گی۔ وہ پوری پوری برابری ہے۔ یعنی عدل حقیقی۔ کیونکہ مطلق عدل سے قاعدے کے مطابق فرد کامل مراد لینی ہوگی۔ اور وہ نہیں ہے۔ مگر عدل حقیقی اور اسی لئے فرمایا ہے کہ تم سے عدل حقیقی تو ہو نہیں سکے گا تو ایسا بھی تو غضب مت کرو کہ ایک ہی طرف کے ہو رہو اور دوسری کو لٹکا رکھو کہ وہ بیچاری بیچ میں پڑی جھولا کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عدل حقیقی کے علاوہ کہ وہ اعلیٰ درجے کا عدل ہے اور انسان سے اس کا

Marfat.com

ہونا ممکن نہیں۔ ایک ادنی درجے کا عدل مجازی بھی ہے کہ انسان صرف ایک ہی کا نہ ہو رہے' بلکہ دوسری کی بھی خبر گیری کرتا رہے۔ چچا باوا کے رہتے میرے دل میں اس بات کا کھٹکا تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور مجھ کو ٹوکیں گے تو میں نے مولوی محمد فقیر سے اس مسئلے کی خوب تحقیق کی تھی۔ میری سمجھ میں تو یوں آتا ہے کہ پہلی آیت ''وان خفتم الاتعللو فراحة ''میں عدل سے مجازی مراد ہے کہ اگر تم کو اس بات کا ڈر ہے کہ تم ادنی درجے کا عدل بھی نہ کر سکو گے اور بالکل ایک ہی کے ہو رہو گے تو ایسی صورت میں تم کو ایک ہی بی بی کرنی چاہئے اور اگر تعدد نکاح میں عدل حقیقی مشروط ہو تو فی الواقع جیسا آپ کہتے ہیں ممانعت ہوئی تعلیق بالمحال اور اگر چہ اس آیت میں بھی مطلق عدل ہے اور چاہئے کہ یہاں بھی عدل حقیقی مراد ہو۔ مگر دوسری آیت ''مابعد ولن تستطیعو! الخ قرینہ صاف موجود ہے اور اگر خدا کو تعدد نکاح کی ممانعت منظور ہوتی تو تعلیق بالمحال کا پیرایہ اختیار کرنا کیا ضروری تھا۔ صاف صاف کہہ دینا تھا کہ بس ایک بی بی کرو نہ کہ یہ اگر عدل حقیقی نہ کر سکو تو ایک کرو کیونکہ یہ تو ایک ہی تھا کہ عدل حقیقی مقدور بشر نہیں اگر ''وان خفتم الاتعللوا'' سے ممانعت تعدد نکاح مراد ہو تو معاذ اللہ اس آیت کی ایسی مثال ہوگی کہ یوچھیں ناک کہاں ہے اور جواب میں بائیں کان سے شروع کر کے گدی کی طرف سے داہنی جانب ہاتھ لا کر بتایا جائے کہ یہ ہے۔''

عارف۔ ''اس میں شک نہیں کہ مولوی محمد فقیر نے اس مسئلے کی اچھی تحقیقات کی اور تم نے جو کچھ سمجھا میرے نزدیک نہایت درست سمجھا۔ مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب سے جو تم نے استشہاد کیا اس کو میں نہیں مانتا۔ یہ دونوں آیتیں عام مسلمانوں کے واسطے ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کے نکاح ان میں داخل نہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کے لئے سورہ احزاب میں ایک پورا رکوع موجود ہے۔''

یاایھا النبی انا احللنا لک ازواجک اللاتی اتیت اجورھن الخ۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کے لئے چار بیبیوں کی قید نہ تھی اور اگر چہ آنحضرت صلی اللہ

Marfat.com

علیہ وسلم ازواج طاہرات میں اپنی طرف سے عدل فرماتے تھے مگر خدا نے ان پر اس کو بھی لازم نہیں کیا تھا۔ چنانچہ اسی رکوع میں یہ آیت ہے۔ ''ترجی من تشامنهن و تودی الیک من تشاء ومن ابتغیت ممن عزلت فلا جناح علیک'' یعنی اپنی بیبیوں میں جس کو چاہو اپنے سے جدا رکھو اور جس کو چاہو بٹھا کر پھر بلا لو تو تم کو کچھ گناہ نہیں۔ اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کو بلا مہر بھی نکاح کر لینا جائز تھا۔ اور یہ باتیں خصائص نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں اور کیا مصلحتیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کے ان ذاتی معاملات میں مضمر تھیں اس کی تفصیل ہے جس کے بیان کرنے کو بڑی فراست چاہئے۔ اسی طرح صحابہ وغیرہ سے استشہاد کرنے میں درست نہیں سمجھتا۔''

مبتلا۔ ''مذہبا'' اور عقلاً عارف۔ ''یہ تو تم نے عجیب لغو بات پوچھی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ مذہب مخالف عقل باطل عقل مخالف مذہب گمراہ۔'' مبتلا۔ ''جس چیز کے جواز کے لئے نص قرآنی موجود ہے۔ اس سے آپ کو مخالفت کرنے کا سبب۔'' عارف۔ ''بات یہ ہے کہ شارع نے مردوں اور عورتوں کی معاشرت کے قاعدے ٹھہرا دیئے ہیں۔ نکاح اور مہر اور نفقہ اور طلاق اور خلع اور لعان اور اظہار اور رجعت اور رضاع وغیرہ جتنے معاملات ہیں سب کے واسطے احکام ہیں۔ اگر ان احکام کی پوری پوری تعمیل ہو تو کسی قوم اور کسی مذہب کے زن وشوہر میں اس سے بہتر معاشرت ہو نہیں سکتی۔ مگر خرابی کیا آ کر پڑی ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے رسم اور مذہب دو چیزوں کو ملا کر اپنے طرز معاشرت کو آدھا تیتر اور آدھا بٹیر بنا لیا ہے۔ مثلاً پردہ چلو بلاشبہ اسلام کا حکم ہے کہ بیبیاں پردہ کریں اور اس میں شک نہیں کہ ایک پردے سے ہزارہا مفسدوں کا انسداد ہوتا ہے۔ مگر جس سختی کے ساتھ ہم لوگوں نے پردے کو لازم کر لیا ہے۔ افراط ہے' حد شرع سے متجاوز پردہ نہیں ہے۔ مگر قید اور قید جس قدر سخت اسی قدر ایذا وہ نکاح ایک ایسا معاہدہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی زندگی کی کامیابی اور ناکامیابی راحت اور تکلیف خوشی اور ناخوشی اسی پر موقوف ہے۔ معاہدہ تو ایسا مہتم بالشان اور معاہدہ کرنے والے جن کو اس کا نباہ کرنا ہے اور جن پر

Marfat.com

اس معاہدے کا اثر مرتب ہوگا۔ اس سے بے تعلق کیونکہ اکثر تو معاہدہ نکاح ایسی چھوٹی عمروں میں ہو جاتا ہے کہ فریقین میں سے کسی کو بھی اس کے نتائج کے سمجھنے کی اہلیت نہیں ہوتی اور اگر شاذ و نادر ہوتی بھی ہے تو اظہار رائے کر کے بے شرم اور بے حیا اور بے غیرت اور منہ بولا کون کہلائے۔ پس معاہدہ نکاح تو کرتے ہیں۔ مثلاً زید اور ہندہ ایجاب اور قبول کرتے ہیں اور ان کے ولی۔ کھلم کھلا پوری آزادی تو نکاح کے معاملہ میں مرد عورت کسی کو بھی نہیں۔ رہ گئے دبے دبائے اشارے کنائے وہ بھی مردوں کے لئے بدنمائی ہے اور عورتوں کے لئے نصیحت اور رسوائی سب سے بڑا ظلم جو ہم نے اپنی عورتوں پر کر رکھا ہے یہ ہے کہ بیوہ کو دوسرا نکاح نہیں کرنے دیتے' ہزار ہا اللہ کی بندیاں ہیں کہ انہوں نے شوہر کا منہ تک نہیں دیکھا اور نصیبوں پر ایسے پتھر پڑے کہ رانڈ ہو گئیں۔ ہندوؤں کی طرح ستی ہو کر ایک بار کا جل مرنا ساری عمر کے جلاپے سے ہزار درجے بہتر تھا مگر حرام موت ستی کیوں کر ہوں۔ دنیا میں ناک کٹتی ہے۔ دوسرا نکاح کس طرح کریں۔ غرض جیتی ہیں تو لطف حیات نہیں اور مرتی ہیں تو اپنے اختیار کی بات نہیں تو اس کا مطلب نکلا کہ شارع نے جو حقوق میں سے رتی بھر چھوڑنا نہیں چاہتے تو جو نسبت مرد اور عورت میں شارع کو رکھنی منظور تھی کیونکر باقی رہ سکتی ہے اور وہ نسبت کیا تھی۔ اس کے لئے میں تمہارے آگے قرآن کی دو آیتیں پڑھتا ہوں۔ سورہ بقرہ میں ہے۔ ''ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجتہ یعنی جیسے عورتوں کی ذمہ داریاں ہیں ویسی ہی راست معاملگی کے ساتھ برتاؤ کرو۔ پس اگر وہ تم کو بھلی نہ لگیں تو عجب نہیں تم کو ایک چیز بھلی نہ لگے اور خدا اس میں بہت سی بہتری کر دے۔ اب فرمایئے کہ تعدد نکاح جائز ہے یا ناجائز۔ مبتلا۔ میں تو مذہب کا کوئی بڑا محقق نہیں مگر اسی طرح جوروئیں اگر زبردستی ہمارے گلے مڑھی جائیں گی تو جو حالت آپ نے بیوہ عورتوں کی بیان کی اس سے بدتر ہماری ہوگی۔ بیوہ عورت کو تو خیر صبر کرنے کے لئے ایک بات بھی ہے کہ شوہر نہیں ہے نہ سہی یہ کیا مصیبت ہے نہ ایک عورت کو آنکھ بھر کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا' بات کرنے کی طرف طبیعت

Marfat.com

رغبت نہیں کرتی اور آپ کہتے ہیں کہ زبردستی اس کے ساتھ عاشقی کرو۔ اگر خدا کے یہاں ایسی ہی ہیکڑی ہے تو اس کو اختیار ہے دوزخ میں ڈالے جہنم میں جھونکے بندگی و بے چارگی۔ مگر میں تو آپ سے صاف کہتا ہوں کہ ایسی مجبورانہ عاشقی مجھ سے نہ ہوئی ہے نہ ہوگی۔ عارف۔ بلاشبہ تم مغلوب طبیعت ہو رہے ہو اور جب تک تمہاری یہ حالت رہے گی۔ حقیقت میں تم سے خلاف طبیعت کوئی بات ہو ہی نہیں سکتی۔ مبتلا۔ اسی میں تو میں آپ سے مدد چاہتا تھا' کہ طبیعت پر غالب آنے کی کوئی تدبیر بتایئے۔ عارف جو تدبیر مجھ کو معلوم تھی وہی ایک تدبیر ہے میں نے تو اس کے بتانے میں دریغ نہیں کیا۔ پہر بھر تک تمہارے ساتھ اپنا مغز خالی کیا تو لاجواب ہو گئے۔ اور چلتے چلتے تم سے کہتا گیا۔ کہ تم ان باتوں کو فرصت سے سوچنا اور موجبات کے پاس نہ جانا۔ تم یوں سمجھو کہ حسن پرستی مرض ہے سوچنا دوا اور موجبات ترغیب سے دور رہنا پرہیز۔ بھائی مرض جسمانی بھی اگر مزمن ہوتا ہے تو اس کو جلد صحت نہیں ہوتی۔ اور بعض صورتوں میں برسوں علاج اور ساری عمر کے لئے پرہیز کرنا پڑتا ہے۔ یہی حال ہے امراض روحانی کا جن کا دوسرا نام ہے بری لت' بدعادت' تمہارا علاج تمہارے ہی ہاتھ میں ہے۔ کرو تو تم اور نہ کرو تو تم۔ مبتلا۔ آپ تو تعدد نکاح میں چند در چند طرح کے خدشات پیدا کرتے ہیں اور بزرگان دین میں کوئی بھی اس سے خالی نہیں۔ عارف جب ایک بات کی صراحت ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں تو ہم کو کسی بزرگ کے قول و فعل پر نظر کرنے کی ضرورت نہیں' ایک اور دوسرے یہ معاملات ہیں شخصی جب تک کسی کو طبیعت کیفیت حالت ضرورت کا کچھ حال معلوم نہ ہو' ہم بری یا بھلی کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جو لوگ اپنے لئے اس کی آزادی کو عمل میں لاتے تھے۔ وہ عورتوں کی آزادی میں بھی مضائقہ نہیں کرتے تھے۔ ہماری طرح ان کا معاہدہ نکاح مرنے بھرنے کا معاہدہ نہ تھا۔ ذرا سی ناموافقت ہوئی۔ مرد نے طلاق دے دی یا عورت نے خلع کر لیا۔ تھوڑے تھوڑے مہر ہوتے ہیں۔ ان کو معاہدہ نکاح کا فسخ کر دینا ایک بات تھی نہ طلاق کا عیب نہ دوسرے نکاح کی عار تو ان کی آزادی

Marfat.com

حق بجانب ہم کیا ان کی ریس کر سکتے ہیں۔ کہ ہماری بیبیاں لونڈیوں سے بڑھ کر بے اختیار' دائم الحبس ناک چوٹی گرفتار اور پھر تعدد نکاح سے بیبیاں جو بے لطفیاں اور بدمزگیاں خانہ داری میں پیدا ہوتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں تو بزرگان دین کو بھی اس سے نجات نہ تھی۔ امہات المومنین یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کی ازواج مطہرات میں باوجودیکہ دنیا کے عیش وآرام میں کسی کو میسر نہ تھے۔

تاہم فقر وفاقے میں باہم ویسے ہی محاسدات تھے۔ جیسے سوکنوں میں ہوتے ہیں اور ہونے چاہئیں۔ سنی شیعہ کا تفرقہ جو تم دیکھتے ہو کہ دونوں گروہوں کا خدا ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک قرآن ایک اور پھر آپس میں اس درجے کی عداوت اگر سچ پوچھو تو متفرع ہے۔ ان ہی محاسدات پر پیغمبر صاحب کی سب سے پہلی بی بی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہ ہیں جن کے بطن سے حضرت فاطمۃ الزہرہؓ پیدا ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے پاس ان کے پہلے شوہر کا بڑا سرمایہ تھا۔ جس کو انہوں نے تجارت میں لگا رکھا تھا۔ ان کی ضرورت تھی ایک دیانت دار اور ہوشیار کارندے کی۔ انہوں نے البعثت سے بہت پہلے کا مذکور ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت امانت راست بازی کا حال سن کر ان کو اپنی تجارت کے کام میں لگایا۔ اللہ نے حضرت کی نیک نیتی سے تجارت میں بڑھ کر برکت دی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے حسن کارگزاری سے خوش ہو کر ان کے ساتھ نکاح پڑھ لیا۔ اس نکاح کی وجہ سے جو لوگ نرے دنیادار تھے البتہ حضرت کی زیادہ وقعت کرنے لگے پھر جب حضرت کا راز بعثت نزدیک آیا۔ تو خوارق عادات پیش آنے لگے۔ کبھی آسمان پر فرشتوں کو دیکھتے' کبھی درخت ان کو سلام کرتے' کبھی غیب سے آواز آتی' ان واقعات کو دیکھ کر ڈرے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ پر اس تمام حقیقت کو ظاہر کیا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ تھیں بڑی باخدا بی بی اور ان کے گھر میں صف انبیاء اور توراۃ کی تلاوت کا بڑا چرچا تھا۔ انہوں نے سن کر حضرت کو بڑی تسلی دی کہ تم خدا ترس آدمی ہو۔ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر رحم اور رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرتے ہو۔ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ خدا تم جیسے آدمی کو ضائع کرے اور حضرت کو اپنے بھائی کے پاس لے گئیں

Marfat.com

جو تورات کے بڑے عالم تھے۔ پیغمبر آخر الزمان کی پیش گوئیاں تو آسمانی کتابوں میں موجود ہی تھیں اور لوگ دن گن رہے تھے انہوں نے حضرت کو دیکھا اور ان کی حقیقت سنی تو پہچان گئے اور صاف کہہ دیا کہ آپ پیغمبر ہونے والے ہیں۔ جب تک حضرت خدیجہؓ زندہ رہیں پیغمبرؐ صاحب نے دوسرے نکاح کا قصد تک بھی تو نہیں کیا۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد پیغمبر صاحب نے متعدد بیبیاں کیں جن میں سب سے زیادہ عزیز اور سر برآوردہ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی ام المومنین حضرت عائشہؓ تھیں۔ رشتے میں ماں اور عمر میں حضرت فاطمہؓ سے بھی چھوٹی۔ اس سے انکار کرنا اور واقعات کا جھٹلانا ہے کہ حضرت عائشہؓ کا تعزز تمام ازواج طاہرات پر مشتاق تھا اور اسی طرح حضرت فاطمہؓ پر بھی جو اپنے تئیں اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کی جگہ سمجھتی تھیں اور جن کو پیغمبر صاحب کا معاملہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنے کانوں کا سنا اور آنکھوں کا دیکھا سب یاد تھا۔ یہ ہے فی الاصل سنی اور شیعہ کی بنیاد جنہوں نے یہ سمجھا کہ پیغمبرؐ صاحب کو دنیا میں حضرت فاطمہؓ کے سوا کسی کے ساتھ کچھ انس نہ تھا وہ شیعہ ہو گئے۔ باقسام مہم یعنی تفصیلی اور نصیری اور کیا خوارج ٹوٹ کر بیبیوں کی طرف داری کرنے لگے۔ اہلسنت کہتے ہیں کہ بی بی' بی بی کی جگہ اور بیٹی بیٹی کی جگہ یہاں تک درست ہے مگر آگے چل کر انکار کرنے لگتے ہیں کہ خاندان نبوت میں کسی کو کسی سے کسی طرح کا ملال نہ تھا۔ بس سینوں کی بات دل کو نہیں لگتی۔ میں بھی سنی ہوں مگر میرے نزدیک پھوٹ اور نا اتفاقی بے شک تھی تاہم اس سے ان بزرگوں کی مذہبی شان میں کچھ فرق نہیں بھی نہیں آتا۔ یہ تقاضائے بشریت ہے اور کیوں کسی کی دین داری میں بشریت سے بٹا لگنے لگا جب کہ پیغمبر صاحبؐ نے اپنی شان میں فرمایا ہو انما انا بشر مثلکم یوحی الی میں بھی تو تم جیسا بشر ہوں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ غرض اس طول مقام سے یہ ہے کہ جو بے لطفیاں تعدد نکاح کو لازم ہیں۔ خاندان نبوت بھی ان سے محفوظ نہیں رہا دوسرا کس گنتی میں ہے۔ مبتلا۔ اب بھی مجھ کو کون سا لطف حاصل ہے۔ عارف۔ تم آگ کے جلے ہوئے کو سینکتے ہو۔ یعنی ایک بے لطفی کو دوسری بے لطفی سے دبانا چاہتے ہو مگر ممکن ہے یہ دوسری بے لطفی آخر میں اس پہلی بے لطفی

Marfat.com

سے زیادہ شاق ہو۔ مبتلا۔ اس وقت جیسا موقع ہوگا دیکھا جائے گا۔ میں ابھی سے فکر مستقبل کر کے اپنی زندگی کو کیوں تلخ کرلوں۔ عارف۔ تو اب حقیقت میں میری ملاقات لاحاصل ہے۔ مگر میں اتنا کہے دیتا ہوں کہ تم اپنے حق میں اچھا نہیں کرتے۔ افسوس کہ تم نے مجھ کو جناب میر متقی صاحب سے شرمندہ کیا۔ یہ کہہ کر عارف بہ کمال نارضامندی اٹھ کر چلا گیا۔

Marfat.com

فصل بیسویں

# مبتلا کا دوسرا نکاح

مبتلا کے سر پر ان دنوں ایسا جن سوار تھا کہ اس کی عقل ہی ٹھکانے نہ تھی۔ عارف سے پیچھا چھڑاوہ پھر بیگم کے گھٹنے سے جالگا۔ وہ تو پہلے ہی سے اس کے لئے جال پھیلائے بیٹھی تھی۔ جانا تھا کہ اس پر چھا گئی۔ بیگم بالطبع زیادہ تر اس بات کی طرف راغب تھی کہ مبتلا آشنائی کے طور پر اس کو گھر میں ڈال لے۔ مگر میر متقی اور عارف کی تعلیم کا مبتلا پر اتنا تو اثر ہوا کہ اس نے بے نکاح بیگم کے ساتھ تعلق رکھنے کو پسند نہ کیا۔ پاس تھی مسجد دو طالب علموں کو بلا بھیجا۔ نکاح پڑھا جانے لگا۔ مہر میں ہوا اختلاف۔ مبتلا نے چاہا شرع محمدی۔ بیگم نے کہا جو غیرت بیگم کا مہر وہ میرا مہر' جیسی نکاحی بی بی وہ ویسی نکاحی بی بی میں۔ دیر تک اس میں تکرار ہوتی رہی۔ آخر مولوی صاحب جو نکاح پڑھاتے تھے بولے جانے دو مہر مثل رکھو مبتلا تو نیم راضی ہو چلا تھا۔ مگر بیگم مہر مثل کے نام سے جھینپتی تھی کیونکہ سارے خاندان میں کبھی کسی کا نکاح ہوا ہو تو مہر مثل ہو دادی اور پوپھیاں ساری عمر خرچیاں کماتی رہیں' مہر مثل آئے تو کہاں سے آئے۔ ناچار مہر شرع محمدی ماننا پڑا اور بات یہ بنائی کہ وہ بھی کیا بی بی ہے جو میاں پر مہر کا دباؤ ڈال کر گھر کرے۔ ہم تو بڑا مہر مرد کے دل کو سمجھتے تھے۔ دل مٹھی میں آیا تو جانو سب کچھ پایا وہ کیا غضب کے دوانچھر تھے کہ ادھر پڑھے گئے اور ادھر فکروں نے آگھیرا۔ بیگم نے نکاح کے بعد پہلی جو بات کی وہ یہ تھی کہ یہ مکان جس میں میں رہتی ہوں تم کو معلوم ہے کہ کرائے کا ہے۔ اور جتنا ساز و سامان جو تم یہاں دیکھتے ہو۔ یہاں تک کہ میرے ہاتھ کا گہنا اور گلے کے کپڑے کوئی چیز میری نہیں۔ میری سگی خالہ میرے ساتھ ہیں' یہ سب ان کا مال ہے۔ ان کی ہرگز مرضی نہ تھی کہ میں نکاح کروں

Marfat.com

اب جو میں نے ان کو ناراض کر کے کیا ہے تو ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے۔ خالہ بندی میرے پاس ٹھہرنے والی نہیں اور مجھ کو اس وقت کہیں لے چلتے ہو تو میں تیار ہوں' اپنی آبرو کا پاس کر کے گہنا کپڑا تو بہتیرا پہناؤ گے اور میں پہنوں گی مگر لے کر چلنا ہے تو مجھ کو اپنے یہاں کے کپڑے پہنا کر لے چلو۔ اور دو چار دن کے لئے یہاں ٹھہرانے کی صلاح ہے تو جا کر خالہ سے اجازت لے لو۔ میں ان کے سامنے نہیں جا سکتی۔ مبتلا نکاح کے لئے تو بڑا مستعجل تھا مگر احمق نے پہلے سے اتنا بھی تو نہ سوچا کہ کہاں دوسری بی بی کو لے جا کر رکھوں گا اور کیونکر اس نئے گھر کا انتظام ہوگا۔

اب جو دفعتہً اس کو معلوم ہوا کہ بیگم بے سر و سامان محض بیک بینی و دو گوش اس کے سر پڑی تو بہت سٹ پٹایا اور جتنا اختلاط وہ معمولی ملاقاتوں میں کر لیا کرتا تھا' طبیعت کو اس کے لئے بھی حاصل نہ پایا۔ یہ حقیقت تھی اس خواہش کی جس کے پیچھے مبتلا اس قدر دیوانہ بن رہا تھا کہ دنیا اور دین اس کو کچھ نہیں سوجھتا تھا۔ اب ایک ذرا سا تردّد پیش آ گیا تو کہیں اس خواہش کا پتہ نہ تھا۔ میر متقی اور عارف اس کو یہی تو سمجھاتے تھے۔ کہ کس فکر خسیس میں پڑے ہو۔ فکر کرنے کی باتیں دوسری ہیں عمدہ اونچی اور ضروری۔ اگر ان میں دل لگاؤ تو اس فکر بیہودہ سے نجات پاؤ۔ بیگم پر اپنی درماندگی ظاہر کرتے ہوئے تو اس کو شرم آئی۔ آخر وہ یہ کہہ کر اٹھ آیا کہ ابھی تھوڑی دیر میں بندوبست کر کے تم کو لے چلتا ہوں تیار رہو۔ ایک بات یہ بھی اکثر دیکھنے میں آئی کہ آوارہ اور عیاش مزاج لوگ دھوکا دینے میں بڑے چالاک ہوتے ہیں اور اس کا سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خود ہمیشہ تختۂ مشق مغالطات رہتے ہیں۔ مبتلا کو بھی عین وقت پر غضب کی سوجھتی تھی۔ جس وقت تک وہ بیگم کے پاس بیٹھا رہا۔ کوئی بات اس کے ذہن میں نہ تھی۔ اٹھ کر باہر آنا تھا کہ اس نے اپنے دل میں کہا۔ بیگم کو اپنے ہی مکان میں بلکہ زنان خانے میں بلکہ غیرت بیگم کے ساتھ رکھنا ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ بات چھپنے والی تو ہے نہیں۔ آخر کبھی نہ کبھی کھلے گی ضرور پس جو کچھ ہوتا ہے

Marfat.com

وہ پرسوں کا ہوتا کل کا ہوتا آج ہو چکے۔ یہ دل میں ٹھان وہ گھر کی طرف چلا آ رہا تھا کہ راہ میں اس کو اپنے گھر کی دو عورتیں ملیں ماما' ماما کے ساتھ انا' انا کی گود میں مبتلا کی دودھ پیتی ہوئی دس گیارہ مہینے کی ننھی بچی۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ مبتلا تو سمجھا کہ غیرت بیگم کو نکاح کی خبر ہوگئی اور سننے کے ساتھ ہی شاید ناظر کے گھر چلی گئیں۔ اور یہ عورتیں پیچھے سے جا رہی ہیں۔ گھبرا کر پوچھا۔ ماما بولی ننھی بچی کا جی دس بارہ دن سے ایسا ماندہ ہو رہا ہے کہ بخار کسی وقت نہیں اترتا۔ کل شام سے مطلق آنکھ نہیں کھلی۔ اب کے ایسی بھاری نظر ہوئی ہے کہ دوپہر سے دودھ بھی منہ میں نہ لیتیں۔ متوکل شاہ صاحب کے پاس دم کرانے کے لئے جاتے ہیں۔ مبتلا کی ایک ڈاکٹر سے بہت ملاقات تھی۔ مبتلا لڑکی کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ اس نے دیکھ کر کہا کہ بخار بڑے زور کا ہے مگر کچھ گھبرانے کی جگہ نہیں کچلیاں پھول رہی ہیں۔ میں مسوڑھا کھولے دیتا ہوں اور شیشی ایک بھیج دینا عرق دوں گا۔ گھنٹے گھنٹے بعد ایک ایک چمچہ پلانا پسینا آ کر تپ اتر جائے گا۔ اور دودھ تو خدا نے چاہا لڑکی ابھی پینے لگے گی۔ مسوڑھے کی تکلیف کے مارے منہ نہیں چلا سکتی۔ یہ کہہ کر نشتر نکال مسوڑھا کھول دیا۔ انا نے پیٹھ موڑ کر دودھ لگایا تو غٹ غٹ پینے کی آواز آنے لگی۔ سب لوگ خوشی خوشی گھر واپس آئے۔ جب مردانے میں پہنچا تو مبتلا نے لڑکی کو آپ لے لیا۔ یہ تو خیر لڑکی تھی۔ اس سے بڑا لڑکا معصوم ساڑھے تین برس کا ہوا۔ اس بلا کی باتیں جیسے بنگالے کی مینا اور ایسی پیاری صورت کہ کوئی راہ چلتا اس کو دیکھتا تو گود میں اٹھا لیتا۔ مبتلا نے کبھی بھول کر بھی آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھا۔ بلکہ وہ بچہ جب اس کو دیکھتا ابا ابا کہہ کر دوڑتا اور یہ ظالم دور سے اس کو جھڑک دیتا۔ خلاف عادت بیٹی گود میں لئے ہوئے جو گھر میں گھسا غیرت بیگم تو دیکھتے ہی ریجھ گئی۔ اور بیٹی کو لینے کے لئے دوڑی اور لگی پوچھنے کہ میں نے تو اس کو دم کروانے کے لئے بھیجا تھا۔ کیا تم اس کو الٹا پھرا لائے؟ تم کو خبر بھی ہے اس کی کچلیاں نکل رہی ہیں اور کچلیوں کا تو معمول ہے بچے کو کچلا کر کے بڑی مشکل سے نکلتی

Marfat.com

ہیں۔ میں اس کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا۔ اس نے نشتر سے اس کا مسوڑھا کھول دیا ہے اور بخار کے لئے عرق دینے کو کہا ہے۔ شیشی بھیج دو۔ ماما جا کر عرق لے آئے۔ خدا نے چاہا آج ہی رات کو بخار بھی اتر جائے گا اور کچلی کو تو سمجھو نکل آئی۔ غیرت بیگم اے ہے کیا مسوڑھے کو چیرا لگایا ہے۔ مبتلا۔ ''کچھ خوف کی بات نہیں۔ ان سے پوچھو کہ لڑکی کو خبر تک بھی نہیں ہوئی۔ اسی وقت تو اس نے خاصی طرح دودھ پیا۔ ڈاکٹر کہتا تھا کہ جب دانت نکلنے کو ہوتا ہے تو مسوڑھا پہلے سے مردار پڑ جاتا ہے۔ اس وجہ سے تکلیف نہیں ہوتی۔ کچھ خدا کو بہتری کرنی تھی کہ عین وقت پر تدبیر ہوگئی۔ ورنہ آج رات بھر معلوم نہیں کیا ہو جاتا'' غیرت بیگم نے لڑکی کا منہ کھول کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں بخار بھی کسی قدر ہلکا ہو گیا تھا اور صورت بھی ہوشیار تھی۔ پکارا' بتول بتول! تو ماں کی آواز پہچان کر آنکھیں کھول دیں اور دیکھ کر مسکرائی بھی۔ ماں نے پیار کر کے انا کی گود میں دیا تو پھر دودھ پیا۔ یہ دیکھ کر غیرت بیگم بولی کہ ننھے بچوں کی یہی تو بڑی مصیبت ہے کہ آپ تو منہ سے کچھ نہیں کہہ سکتے اوپر والوں کو کیونکر معلوم ہو کہ ان کو کس بات کی ایذا ہے۔ آنکھوں کا نہ کھولنا اور ڈر ڈر کر اچھل پڑنا اور ہتھیلیوں میں بساندی بساندی بوکا آنا ان باتوں کو دیکھ کر یہاں تو سب یہی کہتے تھے کہ نظر ہوگئی ہے۔ ''مبتلا'' ڈاکٹر نے دیکھنے سے پہلے زبانی حال سن کر کہہ دیا تھا کہ کوئی دانت نکل رہا ہوگا۔ پھر جو منہ کھول کر دیکھا تو حقیقت میں دور سے کچلی صاف جھلک رہی تھی۔ ''بیگم'' گھر میں کوئی بڑا بوڑھا ہو تو ان باتوں کا دھیان رکھے۔ بچے ذرا ماندے پڑتے ہیں تو میرے ہوش وحواس ٹھکانے نہیں رہتے۔ لو اب تو مغرب کی اذان تو ہو چکی ہوگی' یا ہو رہی ہوگی۔ لڑکی کے جھگڑے میں کھانے کا بھی تو کچھ بندوبست نہیں ہوا۔ گوشت کا تو اب وقت نہیں رہا۔ کہو تو خاکینہ پکوالوں۔'' مبتلا جو تمہارے جی میں آئے پکواؤ۔ مگر خدا کے لئے کوئی سا مندعورت ضرور رکھو۔ ''غیرت بیگم'' ماماؤں کا تو ہمارے شہر میں ایسا توڑ ہے کہ دوا کے لئے بھی میسر نہیں۔ جو عورتیں اس کام کی ہیں مزے میں گھر

Marfat.com

بیٹھے ہی گوٹے کناریاں بنتی ہیں۔ یا سلائی کا سیتی ہیں۔ نوکری پرائی تابعداری کرے ان کی بلا۔ اور جن سے یہ کام ہو نہیں سکتا۔ انہوں نے سر پر ڈالا برقعہ اور جدھر کو منہ اٹھا چل کھڑی ہوئیں۔ پہر چھ گھڑی بھیک مانگی لدی پھدی گھر لوٹ آئیں۔'' مبتلا۔ ''لیکن میرے نزدیک تم کو ماما کی نہیں بلکہ ایسی عورت کی ضرورت ہے جو بال بچوں کی خبر گیری کرے۔ وقت پر ان کا ہاتھ منہ دھلائے۔ کھانا کھلائے۔ کپڑے پہنائے گھر کی چیز بست دھرے اٹھائے۔ غرض داروغہ کی طرح گھر کے سارے انتظام کی نگرانی کر کے تم کو آسائش پہنچائے۔'' غیرت بیگم۔ ''تم ہی کوئی اس طرح کی عورت ڈھونڈ کر نہیں لا دیتے۔'' مبتلا ''لادوں تو رکھو گی اور کیا تنخواہ دو گی؟'' غیرت بیگم ''ضرور رکھوں گی اور تنخواہ پانچ روپے اور کھانا کپڑا۔'' مبتلا۔ ''خیر اتنی ہی تنخواہ دینا۔ مگر خاطر داری رکھنا۔ لکھنؤ کی ایک عورت ہے۔ خدا جانے کس تباہی میں آ کر یہاں چلی آئی ہے۔ اگر پھٹا پرانا ایک جوڑا کپڑا دو تو میں پہنا کر ابھی اس کو لے آؤں۔'' غیرت بیگم نے جلدی سے گٹھڑی کھول ایک جوڑا کپڑا نکال میاں کے حوالے کیا۔ مبتلا کپڑے لے بیگم کے پاس پہنچا اور اس کو سمجھا دیا کہ اس طور پر میں نے تمہارے گھر لے چلنے کی راہ نکالی ہے۔ مجھے اپنی بی بی کا حال معلوم ہے۔ وہ یہی نہیں کہ صورت کی اچھی نہیں بلکہ اس مین عقل کی بھی کوتاہی ہے صورت تو خیر تم چل کر دیکھ لوگی۔ مگر عقل کی کوتاہی اس سے ظاہر ہے کہ اس نے عورت کے لانے کی فرمائش کی بھی تو مجھ سے۔ پس تم کو چند روز البتہ بے عزتی کا تحمل کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد مجھے کامل یقین ہے کہ تم گھر والی ہوگی اور وہ رہے گی تو تمہاری خدمت کرے گی یا اپنے میکے چلی جائے گی۔ غرض غیرت بیگم کا اتارن پہن معزز ماما یا داروغہ کا بھیس بنا بیگم مبتلا کے گھر جا داخل ہوئی۔ بھلے مانسوں کی بہو بیٹیوں کی طرح دبی، جھکی، سکڑی، سمٹی، مبتلا کو تو اتنی جرات نہ ہو سکی کہ خود لے جا کر غیرت بیگم سے ملا دیتا۔ دروازے کے اندر کر کے اتنا پکار دیا لو صاحب! یہ داروغہ آتی ہے۔ اور آپ مردانے میں جا بیٹھا۔

Marfat.com

بیگم نے اپنے تئیں سنبھالا بہت مگر وہ جس قدر اپنے تئیں چھپاتی تھی اس قدر اس کا پردہ فاش ہو جاتا تھا۔ آئی تو نوکروں کے نام سے اور عورتوں میں بیٹھی' دلہنوں کی طرح گھونگھٹ نکال کر رات کا تھا وقت۔ غیرت بیگم نے کہا ذرا روشنی قریب لاؤ تو ان کی صورت اچھی طرح نظر آئے۔ جوں غیرت بیگم نے زبردستی کا منہ کھولا دیکھتی کیا ہے کہ ایک عورت ہے جوان ماتھے پر افشاں چنی ہوئی' پٹیاں جمی ہوئیں' الٹے بل کی چوٹی اور اس میں چمپا کا موباف۔ کانوں میں چنبیلی کی کلیاں' آنکھوں میں دھواں دھار سرمہ مسی کی دھڑی اور دھڑی پر لاکھا۔ ہاتھ پاؤں میں مہندی' دور سے خوشبو پڑی مہک رہی ہے۔ غیرت بیگم دیکھنے کے ساتھ اس طرح ڈر کے پیچھے کو ہٹی کہ جیسے کوئی بچہ بیچا سے بھاگتا ہے۔ اور لگی کہنے اوئی بیوی۔ یہ ماما کس قسم کی یہ تو کوئی نامراد کنجنی ہے پھر تو ہمسائے تک کی عورتیں گھر میں آ بھریں اور سب نے مل کر بیگم کا ایسا برا بدڑا کیا کہ کوئی دوپٹہ اتارے لئے جاتا ہے کوئی پیچھے سے چوٹی گھسیٹ رہا ہے۔ مگر کسی رحم دل بی بی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر ڈیوڑھی میں لے جا کر چھوڑ دیا اور کہاں بیوی بنو جدھر سے آئی ہے ادھر ہی کو چلی جا۔ وہ تو گھر والی دل کی بڑی نیک ہے۔ کوئی اور دوسری ہوتی تو بے ناک چوٹی کاٹے نہ رہتی۔ مبتلا ڈیوڑھی کے بازو سے لگا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ کچھ ہنسی کچھ غصہ۔ بیگم کو دیکھتے ہی بولا۔ واہ اچھی اپنی گت کرائی۔ باوجودیکہ میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ میں تم کو نوکری کے حیلے سے لئے چلتا ہوں۔ پھر تم کو ایسا بن سنور کر آنا اور اتنا لمبا چوڑا پردہ لگانا کیا ضرور تھا۔ سیدھے سبھا چلی آئی ہوتیں' نہ کسی کو شبہ ہوتا اور نہ چراغ لے لے کر کوئی تمہارا منہ دیکھتا۔ خیر اب ذرا کی ذرا یہاں ٹھہرو پھر میں تمہاری پٹش جماتا ہوں مگر دیکھو خبردار کوئی ایسی بات نہ کرنا جس سے لوگوں کو میرے تمہارے لگاؤ کا شبہ ہو۔ مبتلا نے گھر کے اندر پاؤں رکھتے ہی پوچھا لڑکی کا کیا حال ہے۔ انا بولی اب تو اللہ کا فضل ہے۔ دو بار عرق پلایا اس قدر پسینہ آیا کہ شام سے تین کرتے بدل چکی ہوں۔ مبتلا۔ ''بس ان شاء اللہ اب بخار گیا۔ بارے اب الحمد اللہ گئیں۔ (بیوی کی طرف مخاطب ہو کر) لاؤ صاحب کھانا تیار ہو تو منگواؤ۔ دسترخوان بچھا

Marfat.com

عادت کے مطابق میاں بی بی کھانا کھانے بیٹھے تو مبتلا نے پوچھا۔ کیوں صاحب وہ عورت آئی تھی۔ غیرت بیگم۔ ''واہ چوری اور سینہ زوری آج کو بڑے ماموں جان زندہ ہوتے تو الٹے استرے سے مردار کا سر منڈوا کر بھی بس نہ کرتے اور تم کو تو اپنی لاج کا لحاظ پاس آج کیا برسوں سے نہیں۔ بڑے ماموں جان کی زندگی تک چوری چھپے کرتے تھے۔ وہ مرے تو تم کھل کھیلے۔ مردانہ مکان تو مدتوں سے کنچنیوں کا چکلہ ہو رہا ہے۔ ایک زنانہ مکان بچا تھا سو میں خوب جانتی ہوں کہ تم اس کی تاک میں لگے ہو۔ مگر جب تک میں جیتی بیٹھی ہوں دیکھوں تو کون رستم کی جنی میری ڈیوڑھی کے اندر پاؤں رکھتی ہے۔ اپنا اس کا خون ایک کر دوں تو سہی۔'' مبتلا۔ ''بے وجہ بے سبب تم اس قدر گرم کیوں ہوتی ہو۔ بھلا اتنا تو سمجھو اگر وہ کنچنی ہوتی اور فرض کرو کہ اس کو بلانا منظور ہوتا تو مردانہ ہوتے ساتھ مجھ کو اسے گھر میں لانے کی کیا ضرورت تھی ایک' اور دوسرے خدا عقل دے تو سمجھنے کے لئے ایک موٹی بات یہ ہے کہ تمہارے مانگے کپڑے پہن کر کیوں آتی۔'' غیرت بیگم۔ ''کپڑا اور گہنا تو بے شک اس کے پاس نہ تھا مگر سر سے پاؤں تک چوتھی دلہن معلوم ہوتی تھی۔'' مبتلا۔ تم کو چاہئے تھا کہ مجھ کو بلا کر پوچھتیں۔ اگر میں تمہاری تشفی نہ کر سکتا۔ تب بھی اس بے چاری کا کیا قصور تھا۔ مجھ پر جتنا چاہتیں خفا ہو لیتیں۔ بات یہ ہے کہ حقیقت میں وہ آج شاموں شام تک کنچنی تھی۔ مگر میں اس کو ایک مدت سے جانتا ہوں' ہمیشہ یہ مجھ سے کہا کرتی کہ مجھ کو اس پیشہ سے سخت نفرت ہے۔ اگر کہیں میری روٹی کا ٹھکانہ لگ جائے تو میں تائب ہو جاؤں۔ جب تم نے نوکر رکھنے کا وعدہ کیا تو میں نے اس کو زبان دی اور وہ ارادے کی ایسی پکی تھی کہ فوراً میرے ساتھ ہو لی۔ اور پھر کس طرح کہ گہنا اور پاتا اور کپڑا اور لتا اور ساز و سامان یعنی بھرا بھرایا گھر سب کو لات مار کر جس طرح بیٹھی تھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے بے شک جھک مارا اور میرا بال بال خدا کا اور تمہارا گنہگار ہے۔ مگر جس دن سے چچا باوا تشریف لائے تم میری کوئی' ایک بات بتاؤ اور یوں اگر تمہارے مذہب میں توبہ کوئی چیز نہیں اور ناحق بدگمان رہو تو تمہاری خوشی بھلا تم نے چند روز تو اس بے چاری غریب کو رکھ

Marfat.com

کر دیکھا ہوتا۔ جو شخص آٹھوں پہر آنکھوں کے سامنے رہے۔ اس کا حال آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو پرسوں ضرور کھلے گا۔ نوکر سر پیش نہیں ہے کہ چمٹ جائے۔ مرضی ہوئی رکھا۔ مرضی نہ ہوئی نہ رکھا۔ مگر چونکہ میرا قدم درمیان ہے۔ میں تم سے بات کہوں صاف یوں بے خطا بے قصور تو میں اس کو ادھر نہیں چھوڑ سکتا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ جائے تو کہاں جائے۔ غیرت بیگم ابھی کچھ ہاں نہ کرتے نہیں پائی تھی کہ مبتلا نے کہا ماما جا باہر ہریالی ایک عورت کھڑی ہے اس کو بلا لا اور کام کاج میں اس سے مدد لیا کر۔ غرض ہریالی نکالی جا کر پھر آموجود ہوئی۔ رات گئی تھی۔ زیادہ لوگ کھا پی کر اپنی اپنی جگہ سو سلا رہے۔ ہریالی بھی تخت پر بے تکیے بے بچھونے ماماؤں میں سوئی۔ صبح کو جو اٹھے تو پھر لوگوں نے ہریالی کو گھورنا شروع کیا۔ مگر اب اس کا سنگھار ہو گیا تھا باسی۔ اور تمام شب کی بدخوابی اور زحمت کی تکان سے اس کا جوبن بھی نڈھال ہو رہا تھا۔ لوگوں نے کچھ بہت اس کا پیچھا نہیں کیا۔ اس میں شک نہیں کہ گھر میں ایک منتظم عورت کی سخت ضرورت تھی اور یہی ضرورت ہریالی کے پاؤں جم جانے کا سبب ہوئی۔ ہریالی نے جو صبح سویرے اٹھ کر دیکھا تو تمام اسباب مولی گاجر کی طرح سارے گھر میں پھیلا پڑا ہے۔ اس نے خود کھڑے ہو کر جہاں جہاں فرش تھا اٹھوا کر دالانوں میں صحنچیوں میں' دروں میں' باورچی خانے میں' یہاں تک کہ ڈیوڑھی میں جھاڑ دلوائی' نوکروں نہیں چھکڑوں کوڑا نکلا اور بہت سی گری پڑی چیزیں ملیں' جن کو ڈھونڈ ڈھونڈ صبر کر کے بیٹھ رہے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ کھوئی گئیں' مٹی کی تہیں جمتے جمتے دریوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ اصل رنگت پہچان نہ پڑتی تھی جھڑوایا تو منوں گرد' دروازوں میں جو چلمنیں اور پردے بندھے تھے' الٹے سیدھے کا تو کس کو امتیاز تھا' کوئی دھر تک بندھا ہے تو کوئی آدھے در میں پڑا لٹک رہا ہے۔ اور کسی کا لپیٹ ایک طرف کو جھک کر نکل پڑا ہے تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ اس کو برابر کر دیں۔ بلکہ کئی پردوں میں سے تو فاختاؤں اور جنگلی کبوتروں اور گلہریوں کے گھونسلے نکلے۔ گھر میں تخت تو بہتیرے ہیں مگر بیٹھنے کے لئے دالانوں میں زمین پر بوریے بچھے ہیں۔ بوریوں پر دریاں' دریوں پر چاندنیاں' لونڈیاں

Marfat.com

اور مامائیں ہیں کہ بے تکلف مٹی اور کیچڑ کے ننگے ننگے پاؤں پر لئے پھرتی ہیں۔ اور چاندنیوں کا مارے دھبوں اور چکتوں کے یہ حال ہو رہا ہے کہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ صبح سے کھڑے کھڑے ہریالی کو دوپہر ہو گئی تب کہیں جا کر اتنا کام ہوا کہ گھر میں جھاڑو دی گئی' دالانوں میں اس حساب سے تخت بچھوائے کہ بیچ میں فرش اور ادھر ادھر ماؤں اور لونڈیوں کے چلنے پھرنے کی جگہ اب چاندنیوں اور تکیوں کے غلاف اور پلنگوں کی چادروں کی ڈھنڈیا پڑی۔ قاعدہ ہے کہ جب چیزوں کا انتظام نہیں تو ہوتا یہی شناخت ہے کہ چیزوں کی حفاظت بھی نہیں۔ اتنا بڑا گھر اور اس وقت دھوئی ہوئی تین چاندنیاں درکار تھیں وہ بھی نہیں ملتی تھیں۔ غیرت بیگم نے بہتیرے پتے بتائے۔ ارے کم بختو ابھی ہفتے عشرے کا ذکر ہے۔ دھوبن چاندنیوں کا گٹھڑی لائی۔ وہ سب ڈھیر کا ڈھیر دھیا ہو گیا۔ لٹھے کی کوری چاندنی جو بیچ کے دالان میں بچھی تھی اور پرسوں اترسوں اس پر سالن کی دیگچی مبارک دولہا کے ہاتھ سے الٹ پڑی تھی اور میں نے صاف کرنے کے لئے اٹھوا دی تھی' کہاں ہے۔ جتنی کھڑی تھیں ایک ایک کا منہ دیکھتی تھیں اور ایک ایک پر ٹالتی تھیں۔ آخر بڑی مشکل سے دو چاندنیاں اناج کی کوٹھڑی کی مچان پر پڑی ملیں۔ جن میں چوہوں نے کاٹ کاٹ کر بغارے ڈال دیئے تھے اور ایک میں کسی مامانے سوکھے ٹکڑے باندھ کر کھونٹی پر لٹکا رکھے تھے۔ اس جستجو میں معلوم ہوا کہ کئی چاندنیاں باہر سائیس کے پاس ہیں اور وہ اوڑھ کر سوتا ہے۔ دو یا تین چاندنیاں کسی کو مانگے دی تھیں۔ وہ واپس نہیں آئیں۔ میلی چاندنیوں کا ایک ڈھیر غسل خانے میں پڑا ملا۔ غرض اس وقت تو ہریالی نے کسی طرح گونتھ گونتھ کر فرش کو پورا کیا۔ پلنگ سب کے سب جھولا ہو رہے تھے۔ ان کو کسوا اجلی چادریں بچھوا دیں۔ تکیوں کے غلاف بدلے۔ اجلا دسترخوان نکلوایا۔ اتنے میں معلوم ہوا کہ میاں (مبتلا) کھانے کے لئے آ رہے ہیں۔ ہریالی یہ سن کر سامنے سے ٹل گئی۔ باورچی خانے کے آڑ میں ہو گئی۔ مبتلا نے آ کر دیکھا تو اتنی ہی دیر میں گھر کی صورت بدلی ہوئی تھی۔ سمجھا کہ یہ سب ہریالی کے تصرفات ہیں۔ دالان میں بیٹھ کر کھانا مانگا۔ تو باورچی خانے سے دو

Marfat.com

لونڈیاں سالن کی دو دو رکابیاں لے کر چلیں۔ پیچھے سے ایک ماما ہاتھ میں روٹیوں کی تھئی اٹھا کر دوڑی۔ ہریالی سے نہ رہا گیا۔ عین وقت پر کیا ہو سکتا تھا مگر خیران جائیوں کو روک کر جلدی جلدی تھالی جوڑ پانی پینے کی صراحی' سینی' سلفچی' خاصدان' اگالدان سب چیزیں منجھوائیں۔ سینی کے بیچ میں روٹی گرداگرد سالن کی رکابیاں جما اوپر سے خوان پوش ڈھک ایک لونڈی کے سر پر رکھا سمجھا دیا کہ دیکھ خبردار آگے دیکھ کر آہستہ آہستہ چلنا کہیں ٹھوکر نہ لگے۔ اور دوسری لونڈی کو سلفچی' آفتابہ' اجلا دسترخوان دے کر اس کے ساتھ کیا کہ پہلے تخت کے نیچے کھڑی رہ کر میاں بی بی دونوں کے ہاتھ دھلائیو۔ جب جب ہاتھ دھو چکیں سلفچی آفتابہ الگ رکھ کر دونوں کے بیچ میں اجلا دسترخوان' بچھائیو اور سینی احتیاط کے ساتھ اتروا کر روٹیاں بیچ میں رکھیو دو قسم کا سالن ہے۔ دونوں کے سامنے دونوں قسم کا رکھ دیجیو۔ تھالی جوڑ اور پانی پینے کی صراحی پیچھے سے بھجواتی ہوں۔ جب مانگیں تو خبردار آدھے کٹورے سے زیادہ بھر کر نہ دینا اور پانی جو پلانا تو جھک کر کٹورا آگے کر دینا کہ خود اپنی آنکھ سے دیکھ لیں اور تھالی منہ کے نیچے رکھنا کہ پانی کپڑوں پر گرنے نہ پائے۔ گھر میں چٹنی' اچار' مربہ' سبھی کچھ تھا مگر دسترخوان پر رکھنے کا دستور نہ تھا۔ جس کسی کو بھی کسی چیز کا خیال آ گیا اور منہ پھوڑ کر مانگی تو مرتبان یا اچار اس کے پاس لے جا کر روٹی پر ایک پھانک رکھ دی۔ ہریالی نے چار قسم کی چار پیالیاں ایک رکابی میں لگا ابھی کھانا شروع نہیں کرنے پائے تھے کہ پہنچا دیں۔ کھانے بعد ہاتھ دھونے کا گرم پانی کا آفتابہ اور ایک طشتری میں بیسن کھانے کو خاصدان میں بھیگی ہوئی صافی سے لپٹی ہوئی گلوریاں پہلے سے تخت پر رکھا دیں۔ یہ تو ہریالی کے پہلے دن کے بلکہ پورا دن بھی نہیں دوپہر کے اور جلدی کے کام تھے مہینے بھر کی محنت میں اس نے کپڑے کا' کھانے کا سامان' خانہ داری کا اندر باہر دونوں جگہ کے نوکروں کا بازار کے سودا سلف کا سب انتظام کر دیا۔ سلیقہ بھی عجیب چیز ہے۔ اندر باہر عورت مرد جتنے نوکر تھے آپ سے آپ سب ہریالی کا ادب کرنے لگے۔ معصوم ایسا بلا کہ دن رات میں ایک دم کے لئے گود سے نہیں اترتا تھا۔ بتول کی کیا بساط تھی کیسی ہی بھڑکتی

Marfat.com

ہوئی آواز سنی اور چپکی ہوئی۔ غیرت بیگم کے دل میں اس کی طرف سے شک تھا تو مگر ہر چند ٹوہ لگائی کوئی بات نہ پکڑ پائی۔ مبتلا کے گھر میں آنے کے وقت مقرر تھے' ہر یالی ان وقتوں میں ادبدا کر کسی نہ کسی بہانے سے ٹل جاتی تھی اور اگر احیاناً بضرورت سامنے چلی پھری بھی تو ایک دوسرے سے ایسے بے رخ بن جاتے تھے کہ تعلق کیسا گویا جان پہچان تک بھی نہیں۔ مگر خدا جانے دونوں کا کیا ڈھب یا دھا تھا کہ اتفاقی اچٹتی ہوئی ایک نگاہ ان کے حق میں خلوت کا حکم رکھتی تھی۔ نہیں معلوم مبتلا آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ دیا کرتا تھا کہ ہر یالی برابر سرگرمی اور دل سوزی کے ساتھ گھر کے انتظام میں مصروف رہتی تھی۔ سچ ہے کہ غیرت بیگم کے ساتھ مبتلا کے دل کے نہ ملنے کا بڑا سبب تھا۔ مبتلا کی حسن پرستی اور آوارگی۔ مگر اتنا قصور تو غیرت بیگم کا بھی تھا کہ اس نے مبتلا کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ وہ سمجھی جیسا کہ گھر کی بیبیاں اکثر سمجھا کرتی ہیں کہ جب ماں باپ نے میاں کے ہاتھ میں ہاتھ پکڑا دیا تو بس مجھے اپنی طرف سے کچھ کرنا نہیں۔ اب میاں کا کام ہے کہ کما کر لائے اور مجھے کھلائے پہنائے۔ میری خاطر داری و مدارت کرے۔ لیکن اس کو اتنی بات اور سمجھنی چاہئے تھی کہ کھلانا اور پہنانا خاطر داری و مدارت کرنا۔ سب چیزیں متفرع ہیں رغبت پر رغبت کرنا میاں کا کام اور دلانا بی بی کا۔ رہی یہ بات کہ بی بی کیوں کر میاں کو رغبت دلائے۔ اس کے لئے کوئی ایسا قاعدہ نہیں کہ ہر جگہ چل سکے۔ کیونکہ ہر ایک کا مزاج مختلف اور ہر شخص کی رغبت جدا۔ لیکن بی بی اگر چاہے تو اس کو اپنے میاں کی رغبت کا معلوم کر لینا کیا مشکل ہے۔ مثلاً غیرت بیگم اتنا تو دیکھتی تھی کہ مبتلا کیسی صفائی اور کس شان کے ساتھ رہتا ہے۔ وہ ہر چیز میں حسن چاہتا تھا۔ خیر حسن صورت مبتلا کی پسند کے لائق تو اختیاری بات نہ تھی۔ مگر جس قدر اختیاری تھی غیرت بیگم نے اتنی ہی کر کے دکھائی ہوتی۔ گھر کی صفائی ستھرائی' ساز و سامان کی درستی' انتظام کی خوبی یہ بھی داخل حسن ہیں اور طبیعت میں سلیقہ ہو تو ہاتھ پاؤں کے اور غیرت کے تو زبان کے ملانے سے سب کچھ ہو سکتا تھا۔ مگر اس نے ان چیزوں کی طرف کبھی بھول کر بھی توجہ نہ کی۔

Marfat.com

مردانے مکان میں میاں کی بیٹھک تھی۔ اسی کو دیکھ کر متنبہ ہوئی ہوتی اس کا اپنا کیا حال تھا کہ میاں کو جو شروع شروع میں اپنی طرف سے بے رخ پایا تو تین تین چار چار دن سر میں کنگھی ندارد' لونڈیوں کے تقاضے سے دسویں پندرھویں سر دھویا ہے تو بالوں میں تیل کی خبر نہیں پھولے پھولے' روکھے بال دور سے ایسا معلوم ہوتا کہ کڑک ناتھ کڑک مرغی بیٹھی ہے۔ آنکھوں میں سرمہ نہیں ہاتھ پاؤں میں مہندی نہیں' پھول نہیں' عطر نہیں' گوٹا نہیں' کناری نہیں' غرض عورتوں کے سنگھار کی کوئی چیز نہیں' مبتلا کو پہلے استکراہ تھا' غیرت بیگم کی بے تدبیریوں نے استکراہ کو نفرت اور نفرت کو ضد اور ضد کو چڑ بنا دیا۔ صورت شکل میں ہریالی کچھ غیرت بیگم سے زیادہ اچھی نہ تھی مگر چھٹا تک بھر حسن ہوتا ہے تو غور پرداخت سے دیکھنے والوں کی نظر میں سیر بھر جچنے لگتا ہے۔ سو غور و پرداخت کے عوض غیرت بیگم تو یہ چاہتی تھی کہ اٹنے کی جگہ تھوڑی سی کیچڑ ملے تو اٹھا کر منہ کو مل لوں۔ میاں بی بی میں جب اختلاف مزاج اس درجے کا ہو تو ان میں صحبت برآر ہونے کی کیا امید۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چھاتی پر مونگ دلنے کے لئے آخر ایک سوکن تو آ موجود ہوئی۔ ہریائی کا انتظام دیکھ دیکھ کر غیرت بیگم کا پھوہڑ پن مبتلا کے دل میں بیٹھتا چلا جاتا تھا۔

Marfat.com

فصل اکیسویں

# غیرت بیگم پر اپنی سوکن کے راز کا فاش ہونا

معلوم نہیں مبتلا کو کب تک ہریالی کا اس نہج پر رکھنا منظور تھا کہ ایک دن گھر میں باہر سے اطلاع پہنچی کہ ایک بوڑھی عورت نوکری کی تلاش میں آئی ہے۔ اگر حکم ہو اندر بھیج دیں۔ انتظام خانہ داری تو سب ہریالی کے ہاتھ میں تھا۔ غیرت بیگم نے ہریالی سے پچھوایا۔ ہریالی کسی کوٹھڑی میں خدا جانے کس کام میں مصروف تھی۔ اس نے وہیں سے کہا کیا مضائقہ' غرض وہ عورت اندر آ کر سیدھی غیرت بیگم کے پاس جا بیٹھی۔ اور لگی کہنے کہ ہریالی بیگم کے پاس آئی ہوں جن کو تمہارے میاں نکاح پڑھوا کر نکال لائے ہیں۔ مدت سے میں ان کے یہاں اوپر کام پر نوکر تھی بیگم کو تو نکلے ہوئے تین مہینے ہونے کو آئے ہیں میں ان کی خالہ کے پاس رہی۔ آج آٹھواں دن ہے کہ وہ بھی لکھنؤ سدھاریں میں نے کہا چلو اگر بیگم پھر رکھ لیں تو میں ان کے مزاج سے واقف ہوں' وہ مجھ کو جانتی پہچانتی ہیں انجان جگہ تابعداری کرنی کیا ضرور' کیا وہ اس گھر میں نہیں رہتیں غیرت بیگم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے بتایا کہ تم جن کے پاس آئی ہو وہ سامنے کوٹھڑی میں ہیں۔ وہ عورت اٹھ کر کوٹھڑی کی طرف چلی۔ دروازے تک پہنچی تھی کہ اتنے میں غیرت بیگم بے خود ہو کر بگولے کی طرح اٹھی وہ عورت ہریالی سے ابھی بات بھی نہیں کرنے پائی تھی کہ اس نے پہنچ کر بے چاری بڑھیا کو اوندھے منہ ہریالی پر دھکیل دیا۔ اور کہا کہ تم نے دیکھا یہ ہریالی نہیں گھر والی ہے یہ بی بی ہے' یہ میری سوکن ہے۔ میں رانڈ ہوں یہ سوہاگن ہے۔ میں لونڈی ہوں یہ بیگم ہے میں چڑیل ہوں یہ حور ہے یہ میاں کی لاڈو ہے۔ یہ میاں کی چہیتی ہے۔ یہ میاں کے کلیجے کی ٹھنڈک ہے۔ یہ کہتی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ہزار ہا گالیاں اور سینکڑوں کوسنے اور دو ہتڑ تھا کہ باری باری سے اس شامت کی ماری بڑھیا اور ہریالی پر اور اپنے آپ پر

Marfat.com

بھی اس زور سے پڑ رہا تھا کہ گویا مزدور سڑک کوٹ رہے ہیں۔ گھر میں بہتیری لونڈیاں اور مامائیں تھیں مگر سیدانی کا جلال دیکھ کر کسی کی ہمت نہ پڑ سکی کہ کوٹھڑی کی طرف رخ کرے۔ سب کی سب بدحواس ہو کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ ہمسائے کی عورتیں کوئی کھڑکیوں میں سے کوئی دیوار سے کھڑی جھانکتی تھیں پر کسی سے اتنا نہیں ہو سکتا تھا کہ گھر کے اندر قدم رکھے' مبتلا کو دکھلوایا تو وہ بھی اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے' مردانے میں ٹٹروں ٹوں اکیلا وفادار اس کو اور تو کچھ نہ سوجھی' گھوڑا تو دروازے پر بندھا ہوا تھا ہی منہ میں لگام دے ننگی پیٹھ سوار ہو بگٹٹ سیدھا پہنچا کچہری میں سید ناظر کے پاس۔ ناظر اسی گھوڑے پر چڑھ دھم سے آ موجود ہوئے اور اتفاق سے سید حاضر بھی کسی ضرورت سے دو تین دن کے آئے تھے کچہری ان کے پاس بھی آدمی دوڑا دیا کہ آپ بھی جلد آیئے غرض سید حاضر اور مبتلا بھی آگے پیچھے پہنچ گئے۔ غیرت بیگم سید حاضر کے آنے سے پہلے کھڑی اور پڑی اتنا پیٹی اتنا پیٹی کہ آخر اس کو غش آ گیا۔ ناظر جس وقت پہنچا ہے تو وہ بالکل بے ہوش پڑی تھی۔ ناظر نے آنے کے ساتھ اس کو ہوش میں لانے کی تدبیریں شروع کیں۔ سید حاضر اور مبتلا دونوں آ لئے ہیں اس کے بہت دیر بعد غیرت بیگم کو ہوش آیا۔ سب سے زیادہ چوٹ غیرت بیگم کو ہی لگی کہ اس نے پیٹ پیٹ کر اپنا سارا بدن چوڑی کی طرح نیلا کر لیا تھا ہریالی کی بھی کندی خوب ہوئیں۔ مگر اس کو کچی مار لگی تھی۔ بڑھیا اور ہریالی کوٹھڑی کی دیوار کے بیچ میں آ کر بچ گئی مگر وہی مثل ہے کہ مرغی کو تکلے ہی کا گھاؤ بہت ہوتا ہے۔ دو تین دو ہتڑ جو اس پر جمے ہوئے بیٹھ گئے۔ وہ اتنے ہی میں سسکیاں لینے لگیں اگر ناظر ہو تو کوتوالی والے کیا اس مقدمے کو بے چالان کئے رہیں تو بہ' اور اگر حاضر نہ ہوتا تو ناظر اور مبتلا آپس میں کٹ مریں۔ پانچ چھ دن کو بیماروں کی دوادارو ہوتی رہی۔ اندھے کے موقع پر آنبہ ہلدی کا حلوا پکا پکا کر باندھا سینکنے کی جگہ پرانے روڑ اور ریہ سے سینکا۔ پھٹکری کو دودھ میں جوش کر کے پلایا۔ اب کیا باقی رہ گیا تھا جس کے لئے مبتلا کو ہریالی سے ملنے

Marfat.com

کا تامل ہوتا۔ حاضر ناظر بہن کی خدمت گذاری میں لگے تھے اور مبتلا کھلم کھلا ہریالی اور اس کی بڑھیا بارے۔ جب سب کے ہوش وحواس درست ہوئے تو لگے اپنی اپنی جگہ صلاحیں کرنے' مبتلا اور ہریالی نے تو یہ مصلحت گٹھی کہ اب اسی گھر میں برابری کے داعیہ سے رہنا اور جلتوں کو خوب جلانا ادھر حاضر ناظر غیرت بیگم کے آپس ہی میں پھوٹ تھی۔ ناظر کہتا تھا کہ ابھی لگے ہاتھ پہلے تھانے میں اطلاع لکھوا کر ایک دم سے تین نالشیں تو فوجداری میں داغو۔ مداخلت بے جا کی ہریالی پر اور ضرر رسانی اور اپنے دونوں بچوں کے نفقے کی امید پر اور ایک دعویٰ مہر کا کاغذ کامل القیمت پر دیوانی میں دائر کرو غیرت بیگم معاملے مقدمے کچھ سمجھتی بوجھتی نہ تھی۔ وہ اپنی اس ایک بات پر اڑی ہوئی تھی کہ مجھ کو سیدنگر پہنچاؤ نہیں تو افیون کھاتی ہوں۔ سید حاضر تھا میر متقی صاحب کے خوشہ چینیوں میں اور بات کے انجام کو سوچتا تھا۔ اس کی رائے یہ تھی کہ نہ تھانے میں اطلاع لکھواؤ نہ سرکار دربار میں کسی طرح کی نالش فریاد کرو نہ سیدنگر جاؤ نہ افیون کھاؤ' صبر کر کے چپ چاپ گھر میں بیٹھی رہو۔ سوکن کا آنا تمہاری تقدیر میں تھا سو ہوا۔ اب تمہارے شور وفساد سے بہت ہوگا تو شاید اس گھر سے نکل جائے' مگر تم اپنے میاں کو اس کے چھوڑ دینے پر مجبور نہیں کر سکتیں' تم جو سیدنگر جانے یا افیون کھانے کو کہتی ہو یہ تمہاری نامراد سوکن کی عین مراد ہے۔ ناظر بھائی نے جو تدبیر بتائی اس کا خلاصہ یہ ہے۔ لڑائی اور لڑائی کا ضروری نتیجہ نقصان اور تردد اور فضیحت اور رسوائی' اب تو سوکن کے آنے سے تم کو صرف ایک حیاتی تکلیف پہنچی ہے' اور تم افیون کھانے کو موجود ہو۔ لڑائی کی صورت میں بہت سی واقعی تکلیفیں ایسی پیش آئیں گی کہ شاید تمہارے ساتھ مجھ کو اور ناظر بھائی کو بھی افیون کھانی پڑے' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سوکن کے آنے پر تم اس قدر آپے سے باہر کیوں ہو۔ کیا سوکن تم پر آج آئی ہے تمہارا تو بیاہ ہوا ہے پیچھے اور سوکنیں تمہارے بیاہ سے بہت پہلے کی آئی ہوئی موجود تھیں کیا تم کو معلوم نہیں' تم ہی بتاؤ کہ مبتلا بھائی کس دن بے سوکن کے رہے۔ سارا سیدنگر جانتا ہے میں نے تمہاری

Marfat.com

منگنی کے وقت بہتیرا غل مچایا مگر میری سنتا کون تھا۔ میں تو تمہارے نصیبوں کو اسی دن سے رو چکا جس دن تمہاری سمجھ کا پھیر ہے۔ ورنہ میں تو حقیقت میں اس بات کو سن کر بہت خوش ہوا تھا کہ مبتلا بھائی نے نکاح پڑھالیا۔ اس سے تو یہ پایا جاتا ہے کہ انہوں نے آوارگی سے توبہ کی' کوٹھوں کوٹھوں سر بازار خدائی خوار پڑا پھرنا بہتر یا ایک کا ہو رہنا' اور اس کو اپنا کر لینا بہتر تم کیسی مسلمان ہو کہ ایک شخص جب تک خلاف شرع چلتا رہا۔ تم نے ہوں تک نہ کی' اس کا طریقہ شریعت پر آنا تھا کہ تمہارے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی۔ ہم تو بھائی ایسے دین و ایمان کے قائل نہیں۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ مبتلا بھائی نے تمہارا بڑا لحاظ کیا کہ نکاح کو تم سے چھپایا اور تمہاری خاطر سے بی بی کو ماما بنایا اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر تم پردہ فاش نہ کرتیں تو مبتلا بھائی اس عورت کے ساتھ اپنے معاملے کو اسی طرح دبا دبایا رہنے دیتے مگر تم نے بیٹھے بٹھائے سوئی ہوئی بھڑوں کو جگایا۔ ان کو حیلہ ہاتھ آیا اب اگر وہ اس عورت کی اور بڑھیا کی دلجوئی اور خبر گیری نہ کرتے تو سارا گھر کھچا کھچا پھرتا۔ میں نے تو جس وقت آ کر بڑھیا کو دیکھا' میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف' چہرے کی رنگت متغیر' میں تو سمجھا خدا جانے کہاں بے موقع صدمہ پہنچا کہ اس کا سانس پیٹ میں نہیں سماتا۔ پوچھو میاں ناظر سے اخباروں میں کئی بار دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی گورے نے ایک قلی کو تھپڑ مارا۔ یا ٹھکرا دیا اور قلی فوراً مر گیا۔ غیرت بیگم تم نے یہ بڑی سخت بے جا حرکت کی' اور اگر تم اس طرح دست درازی کرو گی' تو یقین جانو تم اپنی تو اپنی ایک نہ ایک دن سارے خاندان کی ناک کٹوا دو گی' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے چند بدنصیب بندے یعنی لونڈیاں جو تمہارے اختیار میں ہیں تم حق ناحق اپنا غصہ ان پر نکالتی رہتی ہو۔ یہ بے چاریاں تمہارا کچھ کر نہیں سکتیں ہاتھ چھوٹا ہوا طبیعت بڑھی ہوئی تم سمجھیں کہ سب جانور ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جاتے ہیں' سوکن اور بڑھیا دونوں کو اٹھا کر پیٹ ڈالا۔ گویا وہ تمہاری لونڈی ہے۔ اور یہ تمہاری باندی وہ تو خدا

Marfat.com

نے انتی خیر کی کہ بڑھیا مری نہیں اور ادھر عین وقت پر آ پہنچے' میاں ناظر کہ ان کے ملاحظے سے کوتوالی والوں نے تھوپ تھاپ کر دی۔ ورنہ ساری شیخی کرکری ہو جاتی کہ سادات سید نگر کی بیٹی میر مہذب کی بہو کی ڈولی کوتوالی کے چبوترے پر دھری ہوتی۔ صد آفرین ہے' تمہاری سوکن پر' ہے تو ذات کی کنجنی مگر بڑی ضبط کی آدمی ہے' کہ تم سے کہیں زبردست معلوم ہوتی ہے۔ مگر چپکی مار کھایا کی اور الٹ کر اف تک نہ کی' کیوں غیرت! جیسا تم نے اس کو مارا تھا' اگر وہ بھی برابری سے مارتی' تو ہماری عزت دو کوڑی کی ہو جاتی۔ مگر اتنا فائدہ تو ضرور تھا کہ پھر تمہارا ہاتھ کسی پر نہ اٹھتا' سید حاضر نے ناظر اور غیرت بیگم کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ دونوں کو کچھ جواب نہ بن پڑا اور دونوں اپنا اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ آخر ناظر بولا کہ آپ ہم دونوں سے بڑے ہیں' جو کچھ آپ کے نزدیک مناسب ہو' اس کی تکمیل میں نہ مجھ کو عذر ہے' اور نہ آپا کو۔ یہ معاملہ ناموس کا ہے اور بھائی بہنوں کی ناموس کچھ جدا جدا نہیں ہوتی۔ اس میں رتی برابر فرق نہیں کہ آپ جو کچھ کریں گے' آپا کے حق میں بہتر ہی کریں گے' سید حاضر نے کہا بس تو مجھ کو مبتلا بھی سے دو باتیں کر لینے دو۔ ان شاء اللہ میں کوئی ایسی راہ نکالوں گا کہ دونوں میاں بیوی میں صفائی ہو جائے۔ ایسا موقع تاک کر جب مبتلا مردانے میں اکیلا تھا' سید حاضر خود اس کے پاس گئے' جس وقت سے گھر میں یہ واردات ہوئی تھی حاضر اور ناظر دونوں کی طرف سے برے ہی برے خیالات مبتلا کے دل میں گزرتے تھے' اس کو ساری عمر کبھی کچہری جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔ بس کچہری کے نام سے اس کا دم فنا ہوتا تھا۔ اور حاضر اور ناظر دونوں کو خصوصاً ناظر کو کچہری ایسی تھی جیسے مچھلی کو تالاب' مویشی کو تھان پرند کو گھونسلہ' عورت کو میکہ۔ باوجودیکہ سرتاسر قصور غیرت بیگم کا تھا' مگر مبتلا الٹا چور کی طرح سہما جاتا تھا۔ کہ دیکھیے یہ بھائی بہن کئی کئی دن سے کمیٹیاں کر رہے ہیں۔ کیا فساد کھڑا کرتے ہیں۔ اس کے دوست آشناؤں میں بھی کسی نے اس کو کوتوالی اور فوجداری میں استغاثہ کرنے کی صلاح دی تھی' مگر یہ چند

Marfat.com

اس کو مردوا بناتے تھے' کچہری کا نام آیا اور اس کا رنگ فق ہوا۔ وہ بگڑ بگڑ کر ایک ایک کی منت کرتا تھا کہ یارو مجھ سے مدعی بننے کی توقع مت کرو کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ اگر یہ لوگ مجھ پر نالش کریں۔ اور کریں ہی گے' تو مجھ کو حاکم کے روبرو نہ جانا پڑے' بہتیرا لوگ سمجھاتے تھے' کہ ان کی طرف سے نالش کے ہونے کی کوئی روداد نہیں' اور فرض کیا نالش ہو بھی تو تم اپنی طرف سے جواب دہی کے لئے مختار وکیل کھڑا کر دینا' بلکہ بعض شرط باندھتے تھے کہ اگر نالش ہو اور خدانخواستہ تم پر کسی طرح کی آنچ آ جائے تو حاکم جو سزا تمہاری تجویز کرے اس کی چوگنی ہم بھگتنے کو موجود ہیں چاہو ہم سے لکھوالو۔ مبتلا کہتا تھا تم ناظر بھائی کے ہتھکنڈوں سے واقف نہیں ہو۔ ارے میاں' وہ اس بلا کا آدمی ہے کہ چچا باوا بے چارے کسی لینے میں نہیں دینے میں نہیں۔ اس نے دل پر رکھا تو شہر سے نکلوا کر چھوڑا۔ مبتلا کا حال یہ ہو گیا تھا کہ ہریالی اور اس کی بڑھیا کی مرہم پٹی کی ضرورت سے کھڑے کھڑے گھر میں جاتا تو الٹے پاؤں باہر بھاگا ہوا آتا دیکھو کہیں سرکار سے طلبی تو نہیں آئی' اتنے دن نہ تو اس نے پیٹ بھر کے کھانا کھایا اور نہ پوری نیند سویا' اگر تھوڑے دن اور سید حاضر کی طرف سے سبقت نہ ہو تو مبتلا اس قدر پریشان تھا کہ وہ ابتدا کرتا اور اتنے دن بھی وہ اپنے آپ کو لئے رہا۔ تو ان لوگوں کی نارضامندی کے خیال سے اس کو جرات نہیں ہوئی' سید حاضر کو دور سے آتا ہوا دیکھ کر کھڑا تو ہو گیا' مگر اس وقت تک اس کے دل میں کھٹکا تھا کہ ان کا آنا خالی از علت نہیں۔ جب سید حاضر نے قریب پہنچ کر معانقے کے لئے ہاتھ پھیلائے تو اس کو اطمینان ہوا اور بھائی کے گلے لگ کر غیرت بیگم کی زیادتی اور اپنی مجبوری اور اتنے دن پریشانی کو یاد کر کے خوب رویا۔ سید حاضر کا بھی بھر آیا۔ کہ دیکھو گھر میں خدا کے فضل سے سب طرح کی فراغت ہے ایک چھوڑ دو دو بیبیاں ہیں۔ بچے ہیں کسی بات کی کمی نہیں مگر ایک بری لت جو اپنے پیچھے لگا لی ہے' تو زندگی کیا تلخی سے گزرتی ہے' معانقے کے بعد دونوں بھائی ایک جگہ بیٹھے تو سید حاضر نے کہا۔ مبتلا بھائی یہ نیا

Marfat.com

رشتہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے کہ وہ پرانا رشتہ بھی اس کے پیچھے گیا گزرا ہوا۔ دیہات کا کم بخت کیا برا دستور ہے کہ ہم تو بہن کے گھر پر بلا ضرورت آ نہیں سکتے۔ اب تمہاری ہی طرف سے ملاقات ہوتو ہو۔ سید نگر تو بھلا تم کیوں آنے لگے شہر میں بھی تم کہیں نظر نہیں آتے آج آٹھواں دن ہے کہ میں بلاناغہ دونوں وقت یہاں آتا ہوں۔

تم کو دو چار بار دیکھا بھی' مگر تمہارا رخ نہ پایا۔ آخر آج مجھ سے رہا نہ گیا۔ تو میں نے کہا لاؤ میں ہی پیش قدمی کر کے تم سے ملوں' مبتلا کیا کہوں میں ندامت کی وجہ سے نہیں مل سکا ''ندامت کیا بات ہے! عورتیں ناقصات العقل آپس میں لڑا جھگڑا ہی کرتی ہیں۔ اگر مرد ایسی ایسی باتوں کا خیال کیا کریں تو دنیا میں کیسے گذر ہو'' مبتلا'' آپ پر ثابت تو ہو گیا ہوگا کہ زیادتی کس کی تھی۔ '' حاضر'' اس معاملے میں میرا منہ نہ کھلواؤ۔ میں تم سے کیسی ہی سچی بات کیوں نہ کہوں پر تم یہی سمجھو گے کہ بہن کی طرف داری کرتا ہے'' مبتلا'' میں نے آپ کی تدین کی تعریف اور کسی سے بھی نہیں؟ چچا باوا سے سنی ہے میں آپ کی نسبت بے انصافی کا خیال کبھی کر ہی نہیں سکتا'' حاضر'' دوسرا نکاح تو تم کر ہی چکے۔ اب اس کی نسبت یہ کہنا کہ تم نے جلدی کی یا بے جا کیا فضول ہے مناسب کیا' خوب کیا۔ اور ضرور کرنا چاہئے تھا۔ تمہارا طرز زندگی دین کے شرافت کے بھلمنساہٹ کے عقل کے سب کے خلاف تھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے اس سے توبہ کی خدا کرے کہ تمہاری یہ توبہ پہاڑ کی طرح مستحکم ہو' بھاری بھرکم ہو' مضبوط ہو' اٹل ہو مگر مجھ کو اس بات کا اندیشہ ہے کہ ایک مگدر کو تم اٹھا نہ سکے' جوڑی تم سے کیونکر ملائی جائے گی۔ تمہاری وہی مثل ہے کہ تنور سے بچنے کے لئے بھاڑ میں گرے دو بیبیوں کا رکھنا۔ جمع بین النقیضین کچھ آسان کام نہیں' تم نے ایسی ہنڈیا پکائی ہے کہ یہ واقعہ جو پیش آیا۔ اس کا پہلا ابال ہے۔ جب کھرچن کی نوبت آئے گی تو اصل مزہ معلوم ہو جائے گا۔ یقین جانو کہ میں کچھ بہن کی پاسداری سے نہیں کہتا۔ بلکہ حقیقت نفس الامری بیان کرتا ہوں کہ تم نے غیرت کی قدر و وقعت کو مطلق نہیں پہچانا۔

Marfat.com

غیرت بیگم خدانخواستہ (برامت ماننا) تمہاری اس بی بی کی طرح گری پڑی بازاری عورت نہیں۔ وہ ایسے جتھے اور ایسے گروہ اور ایسی برادری اور ایسے خاندان کی بیٹی ہے کہ جہاں اس کا پسینہ گرے' آج سید نگر میں کم سے کم دوسو آدمی نکلیں گے' جو اپنا خون بہانے کو موجود ہو جائیں گے۔ عورتوں کے معاملے عزت اور آبرو اور ناموس کے معاملے میں مال کی تو کیا حقیقت ہے' عزت کے آگے شرفا خاص کر دیہات کے خاص کر سادات خاص کر سادات سید نگر جان کی ذرا بھی پروا نہیں کرتے یاد کرو تو کتنی منت کس قدر خوشامد کیسی آرزو سے ماموں اور ممانی (خدا ان دونوں کو جنت نصیب کرے) غیرت بیگم کو بیاہ کر لائے آج کو وہ دونوں یا ان میں سے ایک بھی زندہ ہوتے تو کیا تمہاری مجال تھی کہ تم غیرت بیگم پر سوکن لاؤ اور اسی کی گود میں بٹھاؤ۔ پھر بندہ خدا تم کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ ماں باپ اس کے نہیں۔ ساس سسرے اس کے نہیں' دنیا میں وارث کہو' سرپرست کہو' ایک تم سو تم نے جلا جلا کر اس کا یہ حال تو کر دیا کہ سید نگر کی نسبت ایک تہائی بھی باقی نہیں رہی۔ اور اس پر بھی تم کو صبر نہ آیا۔ سوکن کو لا بٹھایا' عورت ہو تو جانو' عقل ہو تو پہچانو' کہ سوکن کا کیسا داغ ہوتا ہے۔ بیوگی سے بڑھ کر' میاں نکھٹو اپاہج ہو یا بدمزاج ہو۔ روٹی کھانے کو' اولاد جی بہلانے کو نہ ہو' سب مصیبتیں جھیلی جا سکتی ہیں اور نہیں جھیلی جا سکتی تو سوکن کی' دنیا کے جلاپے اور جلاپے ہیں۔ اور سوکن کا جلاپا سلگاپا۔ جس شخص پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو وہ اگر افیون کھا لیتی یا کنوئیں میں گر پڑتی یا پیٹ میں چھری بھونک لیتی۔ اس سے کسی بات کا تعجب نہ تھا بلکہ تعجب یہ ہے کہ رونے پیٹنے پر قناعت کی۔ اگر خدانخواستہ اس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا ہوتا تو تمہارا کیا جاتا' تم تو نئی بی بی کے ساتھ چین کرتے۔ گل چھرے اڑاتے' ہم کو بہن کہاں پیدا تھی' ''مبتلا'' اگر آپ کہیں تو میں اس عورت کو چھوڑ دوں ''حاضر'' میں تو چھوڑنے کو نہیں کہہ سکتا۔ اور تم ایسے چھوڑنے والے ہوتے تو کرتے ہی کیوں۔ فرض کیا کہ تم نے میرے کہنے پر اس کو چھوڑ دیا اور پھر وہی سابق کا وطیرہ اختیار کیا

Marfat.com

تو اپنے ساتھ دنیا اور دین دونوں جگہ میرا منہ بھی کالا کرواؤ۔ ''مبتلا'' پھر آپ ہی کوئی راہ نکالیے۔ مجھ سے ایک نادانی تو ہوئی اور اپنی طبیعت کو بارہا آزما چکا ہوں' میرے قابو کی نہیں آج آپ سے وعدہ کروں اور کل کو جھوٹا ٹھیروں۔ تو پھر آپ کے نزدیک میرا کیا اعتبار رہا۔ اس سے بات کا صاف صاف کہہ دینا اچھا اور اگرچہ آپ سے اس معاملہ میں صلاح پوچھنا داخل بے حیائی ہے مگر چچا باوا چلتے چلتے کہہ گئے تھے کہ اگر کوئی مشکل آپڑے تو آپ کی رائے پر عمل کرنا اور یوں بھی آپ بڑے بھائی ہیں۔ باپ کی جگہ آپ ہی اگر اڑی پر آڑے نہ آئیں گے' تو میں کس کے پاس التجا لے جاؤں۔ بندے کے سو قصور خدا معاف کرتا' آپ برائے خدا میرا ایک قصور معاف کیجئے'' حاضر'' بات یہ ہے کہ میں تمہاری اس نئی بی بی کے حالات سے بخوبی واقف نہیں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کس طرح اس کے ساتھ مدارت کرنی مناسب ہے۔'' مبتلا'' اس کم بخت کے اور حالات ہی کیا ہیں۔ بازاری عورت ہے تن تنہا مدت سے تو بہ تو بہ پکار رہی تھی' میری جو شامت آئی۔ اس کے ساتھ عقد شرعی کر لیا۔ کیونکہ چچا باوا کے سامنے آوارگی سے میں توبہ کر چکا تھا۔ حماقت پر حماقت یہ ہوئی کہ اب میں اس گھڑی کو بہت پچھتاتا ہوں کہ گھر میں لا کر اوپر کا کام کاج سپرد کیا۔ دوسری ماماؤں کی طرح رہنے سہنے لگی' اگر میں نے اس کے ساتھ کسی طرح کا سروکار رکھا ہو تو مجھ پر خدا کی مار پڑے' یہ تو اس کی پچھلی کیفیت ہے' آئندہ کے لئے بھی اگر آپ کی مرضی ہو تو وہی ماماؤں کی طرح رہے گا اور بدستور گھر کی خدمت کرے گی۔'' حاضر'' اس کا غیرت بیگم کے پیش نظر رہنا تو میں پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اس صورت میں فساد عاجل کا بڑا اندیشہ ہے دو سوکنوں کی مثال میں تمہیں کس طرح بتاؤں یوں سمجھو کہ وہ گلاب ہیں ایک میں سوڈا ہے' پانی میں حل کیا ہوا۔ اور دوسرے میں ایسڈ' ممکن ہے کہ سوڈا اور ایسڈ ملیں اور ان میں جوش و خروش پیدا نہ ہو۔ پس دونوں کو ایک جگہ رکھنے کا تو تم کبھی بھول کر ارادہ نہ کرنا۔ ورنہ آج دو ہتڑ تھے تو کل جوتیاں ہوں گی اور پرسوں چھریاں اس کو تو کسی دوسرے

Marfat.com

شہر میں یا خیر دوسرے محلے میں یا خیر دوسرے گھر میں تو رکھنا ضرور ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ وہ اکیلی ہے۔ تن تنہا۔ آدمی زیادہ رکھے جائیں تو تمہاری چادر میں اتنے پاؤں پھیلانے کی گنجائش نہیں۔ پس صرف یہ ایک تدبیر ہے کہ زنانے مکان میں پورب کی طرف جو ایک کھانچا سا نکل گیا ہے۔ پردے کی طرف دیوار کھچوالو اور ڈیوڑھی میں سے دروازہ پھوڑ کر اتنا گھر الگ کراؤ۔ اور حقیقت میں یہ تھا بھی دوسرا گھر' ماموں باوا نے مول لے کر باہر گلی کا دروازہ تیغہ کرا کے زنانے مکان میں ملا لیا تھا۔ تیغے کا نشان اب تک موجود ہے اتنا مکان ایک مختصر خانہ داری کے لئے بخوبی کافی ہے۔ ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں۔ دالان در دالان آگے سائبان۔ دونوں طرف بڑی بڑی دو کوٹھڑیاں۔ باورچی خانہ اس کے بغل میں چیز بست رکھنے کو لمبی کوٹھی' سامنے کے ضلع میں سہ درہ بس اور چاہئے کیا۔ بڑے گھر کی طرف خدا کے فضل سے آدمی زیادہ ہیں اور خرچ بھی بہت ہے۔ برابری اگر چاہو تو دونوں گھروں میں ممکن نہیں۔ اور ضرور بھی نہیں اور مناسب بھی نہیں۔ چھوٹے ماموں باوا پینسٹھ روپے کی تنخواہیں اور کرایہ تمہارے نام کرا گئے ہیں۔ اور ساٹھ کی غیرت بیگم کے نام سوا پنے پینسٹھ میں تیس روپے چھوٹی بی بی کو دیا کرو۔ اکیلا دم ہے۔ فراغت سے بسر کر سکتی ہیں۔ پینتیس تم کو بچیں گے۔ اس میں تمہارا کپڑا ہے اور باہر مردانے کا خرچ' غیرت بیگم کے ساٹھ کو ہاتھ مت لگاؤ۔ ایک دن بڑے گھر میں رہو ایک دن چھوٹے گھر میں نہ ہڑ ہڑ نہ کھڑ کھڑ اللہ اللہ خیر صلا۔ مبتلا تو اپنی جگہ پہ ڈر رہا تھا کہ نہیں معلوم شہر سے نکلوائیں گے یا قید ڈلوائیں گے یا گھر بار ضبط کرائیں گے۔ سید حاضر کا فیصلہ سننے کے ساتھ اس کے پیروں پر گر پڑا کہ بس اس میں اگر میری طرف سے کبھی سرمو فرق ہو تو جانیئے گا کہ میری اصالت میں فرق ہے۔ ہریالی بھی اپنی جگہ بہت خوش ہوئی اور سمجھی کہ اب میرا بی بی ہونا سب پنچوں نے جانا گھر بنوا پایا' میاں کے پینتیس بھی میرے اپنے ہی ہیں۔ وہ ملا کر تنخواہوں میں کرائے میں بڑا آدھا میری طرف رہا۔ کہاں غیرت بیگم سیدانی اشراف میاں کی پھوپھی زاد بہن صاحب اولاد آٹھ نو برس کی

Marfat.com

بیاہی ہوئی اور کہاں میں' انصاف کی رو سے تو میں ان کی جوتی کی برابری نہیں کر سکتی۔ قربان جاؤں خدا پہ کہ اس نے مجھ گنہگار ناچیز کی توبہ کو ایسا نوازا کہ ان ہی کے سگے بھائی کے ہاتھ سے مجھ کو جتوایا۔ غیرت بیگم کو تو سوکن کے نام کی جلن تھی۔ اس کو مکان سے تنخواہ سے کچھ بحث نہ تھی۔ ہریالی کو کیسے ہی برے احوال سے رکھتے۔ مگر جب تک غیرت بیگم یہ جانتی تھی کہ یہ میری سوکن ہے۔ کسی طرح وہ راضی ہو ہی نہیں سکتی تھی' لیکن بڑے بھائی نے جب ایک فیصلہ کر دیا۔ تو کیا کرتی دل میں پیچ و تاب کھا کر چپکی ہو رہی۔ مبتلا کے ساتھ بولنا۔ بات کرنا پہلے ہی سے کم تھا' اب بالکل چھوڑ دیا۔ غرض صحن میں پردے کی دیوار اٹھائی گئی ڈیوڑھی میں دروازہ لگا۔ ہریالی نے الگ گھر کر کے رہنا شروع کیا۔

Marfat.com

فصل بائیسویں

# دوسوکنوں کی لڑائی کا سلسلہ اور اس کا اثر بد مبتلا پر مبتلا کی اولاد پر اس کی بیبیوں پر انتظام خانہ داری پر

آدمی الگ گھر کرتا ہے تو پلنگ پیڑھی تخت چوکی چولہا چکی برتن بھانڈا بھی چیزیں اس کو درکار ہوتی ہیں۔ غیرت بیگم کے یہاں اسباب کے اٹم لگے ہوئے تھے۔ مگر کس کی مجال تھی کہ تنکا تو اٹھا کر ادھر سے ادھر لے جائے۔ ہریالی کو ابتدا میں سخت تکلیف ہوئی۔ مگر سلیقہ بھی عجیب چیز ہے۔ دو ہی برس میں ہریالی نے رفتہ رفتہ اپنا گھر ایسا درست کر لیا کہ غیرت بیگم کے کئی پشتوں کے جمے ہوئے گھر میں ایک چیز وقت پر نہیں بھی ملتی تھی، مگر ہریالی کے یہاں آتا تو کون تھا لیکن اگر دس مہمان بھی آ جاتے تو آسائش کا ہمہ سامان موجود پاتے' ایک مرتبہ پرانا سرکہ درکار تھا تعجب کی بات ہے کہ سارے محلے میں کسی کے یہاں سے نہ ملا' ہریالی نے (جس کی طرف کسی کا ذہن بھی منتقل نہیں ہوتا تھا) سنتے کے ساتھ ہی پیالہ بھر کر بھجوا دیا جس طرح سید حاضر نے ٹھیرا دیا تھا۔ مبتلا ایک ایک دن باری باری سے دونوں گھروں میں رہتا تھا۔ بڑے میں تو کوئی اس سے بولتا چالتا نہیں تھا۔ کسی دن اگر معصوم کو پکڑ پایا تو گھڑی دو گھڑی اس کے ساتھ جی بہلا یا ورنہ منہ لپیٹا سو رہا۔ خاطر داری سمجھو مدارات سمجھو آؤ بھگت سمجھو جو کچھ تھی سو چھوٹے گھر میں تھی۔ مگر غیرت بیگم اس کو وہاں بھی چین سے نہیں رہنے دیتی تھی وہ اپنے گھر میں تو مبتلا سے ایسی بے رخی کرتی کہ گویا اس کو میاں کی ذرا بھی پروا نہیں اور چھوٹے گھر کی باری آئی اور صبح سے اس نے مبتلا کی نگرانی شروع کی۔ مردانے میں کتنی دیر بیٹھے گھر میں کس وقت آئے کہاں سوئے۔ کیا کھایا اور کتنا کھایا۔ ہریالی کے ساتھ کیا باتیں کیں۔ گھر کے نوکروں پر ایک نیا کام یہ اور

Marfat.com

آ پڑا کہ سارے سارے دن اور پہر پہر رات گئے تک ایک ڈیوڑھی میں کھڑی جھانک رہی ہے۔ تو ایک دروازے میں کان لگائے سن رہی ہے۔ اور ایک ہے کہ جس طرح جولاہا تانا بانا تنتا پھرتا ہے۔ اوپر تلے بیسیوں پھیرے زنانے سے مردانے میں اور مردانے سے زنانے میں۔ باوجودیکہ غیرت بیگم نے ایک مبتلا کے پیچھے اتنے جاسوس لگا رکھے تھے اس پر بھی اس کا جی نہیں مانتا تھا۔ ایک موکھا تو اس نے پاخانے کی دیوار میں کیا کہ چھوٹے گھر کے سہ درے کی ذرا ذرا بات وہاں سے سنائی دیتی تھی۔ رہ گیا ایک ضلع صحن سایہ بان اور سایہ بان کے اندر کا دالان سو غیرت بیگم کی طرف ایک بالا خانہ تھا۔ اور اس میں تھی ایک کھڑکی کھول دو تو صحن سے لے کر اندر والے دالان تک سب کچھ دکھائی دیتا تھا۔ یا تو غیرت بیگم نے جس دن کی بیاہی آئی کبھی بالا خانے پر پاؤں نہیں رکھا تھا یا اب سوکن کی ضد پر جس دن چھوٹے گھر کی باری ہوتی صبح سویرے سے کوٹھے پر چڑھی چڑھی اگلی صبح کو اترتی۔ غرض ساری گرمی غیرت بیگم نے میاں کو ہریالی سے بات نہیں کرنے دی' جاڑا آیا اور پردے چھوڑ کر دالان میں سونے لگے تب تھک کر بیٹھی شروع میں تو نوکروں کو آنے جانے کی ایسی سخت ممانعت تھی کہ ایک مرتبہ ایک لونڈی نے باہر ڈیوڑھی میں سے آگ پکڑا دی تھی۔ غیرت بیگم کو خبر ہوگئی تو اس کے ہاتھ پر جلتا ہوا انگارا رکھ دیا لیکن پھر سوچی کہ نوکروں سے خبریں خوب ملتی ہیں ان کا روکنا ٹھیک نہیں۔ بندی کھول دی مگر اس سے خرابی کیا پیدا ہوئی کہ ماما لونڈی جو کوئی چھوٹے گھر سے ہو کر آتی۔ غیرت بیگم اس سے حال پوچھتی' اگر وہ اس کی خواہش کے مطابق کچھ بیان نہ کرتی تو اس پر خفا ہوتی کہ تو جھوٹی ہے یا چھپاتی ہے۔ یا تو ادھر ملی ہوئی ہے' ناچار اس کی بدگمانیوں سے بچنے کے لئے نوکروں نے اپنے جی سے باتیں بنانا شروع کیں۔ حقیقت میں تو وہ باتیں ہوتی تھیں بے اصل مگر اس کو ایک بات کا ہفتوں جھگڑا لگا رہتا تھا' آپ رنجیدہ رہتی اور مبتلا پر اپنی بدنفسی اور حماقت ثابت کرتی۔ ایک آتی اور دل سے جوڑ کر کہتی بیوی آج تو تمہاری سوکن کے عجب ٹھاٹھ ہیں۔ ایسی بن سنور کر بیٹھی ہے جیسے کوئی نئی دلہن سر میں چنبیلی کا تیل پڑا ہو۔ مگر کوئی چار

Marfat.com

روپے سیر کا۔ سارا گھر پڑا مہلک رہا ہے۔ چوٹی گندھی ہے یہ بڑے بڑے موتیا کے پھولوں کا سارا گہنا البتہ ڈیڑھ دو روپے سے کیا کم کا ہوگا۔ ملا گیری چنا ہوا مہین رینگ کا دوپٹہ اچھا خاصہ چار انگل کا جوڑا سنہری ٹھیکا ٹنکا ہوا سفید ترین تیل بیل کا پاجامہ پائچوں میں بیل دار کنارہ۔ کنارے پر کیکڑی۔ کیکڑی پر بانکڑی۔ بانکڑی پر بانکڑی کی چپک' غیرت بیگم یہ سن کر ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہتی' ہاں صاحب جن کے بھاگ ان کے سہاگ دوسری یہ بات بنائی کہ وہ آپ تو صحن میں کرسی بچھائے بیٹھی ہیں' میاں سامنے کھڑے گنا چھیل رہے ہیں۔ گنڈیریاں بنا بنا کر آپ بھی کھاتے جاتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں بھی دیتے جاتے ہیں' میں تو یہ دیکھ کر الٹے پاؤں پلٹ آئی' ماما باہر بیٹھی کھانا پکا رہی ہے۔ غیرت بیگم لعنت خدا کی پھٹے منہ حیا اور شرم تو مطلق چھو کر نہیں گئی۔ تیسری اشارے سے بیوی کو بلاتی کہ ذرا آپ بھی تو موکھے میں دیکھیے آج میاں کا جی کیسا ہے۔ دولائی اوڑھے پڑے ہیں اور کنچنی پاس بیٹھی پاؤں دبا رہی ہے۔ غیرت بیگم اری کم بخت تجھ کو دھوکہ ہوا ہوگا۔ کنچنی لیٹی ہوگی اور میاں پاؤں دبا رہے ہوں گے۔

اس طرح کی سینکڑوں باتیں صبح سے شام تک اپنے ہی گھر کے نوکر غیرت بیگم سے آ آ کر کہتے۔ اور سب میں زیادہ منہ لگی وہ تھی جو اس طرح کی باتیں خوب تصنیف کر سکتی تھی۔ اتنی تو کسی کی مجال نہ تھی کہ غیرت بیگم کے منہ پر ہریالی کو ہریالی کہہ دے اور اگر کسی کی زبان سے بھولے سے بھی چھوٹی بی بی نکل جاتا تو بیشک غیرت بیگم تڑ سے اس کے منہ پر جوتی کھینچ مارتی۔ نام سے تو اتنی نفرت اور پھر رات دن اس کی تسبیح آخر سوچ کر غیرت بیگم نے سوکن کو بے غیرت کا خطاب دیا۔ اور جتنے لوگ غیرت بیگم کے طرفدار تھے یہاں تک کہ ادنیٰ ادنیٰ نوکر اس کی حمایت پا کر سب بے تامل ہریالی کو پکار پکار کر بے غیرت کہتے تھے اور دیوار کے پیچھے ہریالی اپنے کانوں سے سنتی تھی بلکہ اس نے سینکڑوں بار مبتلا کو سنوا دیا تھا۔ مبتلا کو نوکروں کے منہ سے یہ لفظ سن کر سخت رنج ہوتا تھا۔ کیونکہ ہریالی جو کچھ تھی سو تھی۔ مگر راجہ کے گھر آتی اور رانی کہلاتی' اب تو اس کی منکوحہ تھی نوکروں کو اور گھر کی

Marfat.com

لونڈیوں کو کیا زیبا تھا کہ اس کی منکوحہ کو یوں منہ بھر بھر گالیاں دیں۔ مگر وہ کیا کر سکتا تھا ہریالی کو سمجھا دیتا کہ کچھ تم سے پرخاش نہیں' مجھ کو نوکروں کے ہاتھ سے ذلیل کرانا مقصود ہے' خدا کی شان میرے نوکر میرے لونڈی غلام اور ایسے گستاخ ایسے بے ادب' کیا کروں کچھ کرتے بن نہیں پڑتا۔ میں صبر کرتا ہوں تم بھی صبر کرو۔ غیرت بیگم کو سوکن کی طرف سے ہر طرح کی بدگمانی تو تھی۔ بتول کو تو اس طرف کوئی لے جانے نہیں پاتا تھا۔ مگر معصوم اپنے پاؤں دوڑا دوڑا پھرتا تھا۔ اس کو کون روکے' غیرت بیگم سے اور مبتلا سے تو روز بروز عداوت بڑھتی چلی جاتی تھی' مبتلا کے جلانے اور چھیڑنے اور ایذا دینے کو جہاں غیرت بیگم اور بہتیری باتیں کرتی تھی ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ بچوں کے ساتھ اس کی اگلی سی مدارات باقی نہیں رہی تھی۔ اب تو وہ بات بات پر معصوم کو مار بیٹھتی اور کوسنا تو تکیہ کلام ہو گیا تھا۔ بچوں کا تو قاعدہ ہے کہ وحشی جانوروں کی طرح ہلانے اور پرچانے سے رام ہوتا ہے۔ معصوم کا یہ حال ہو گیا تھا کہ غیرت بیگم کی شکل سے دور بھاگتا۔ اور اس کی پرچھائیں سے ڈرتا چھوٹے گھر میں اس کی ایسی خاطر داری ہوتی تھی کہ اس نے اندر پاؤں رکھا اور ہریالی نے دوڑ کر اس کو گود میں لیا۔ ہاتھ منہ دھلایا۔ بالوں میں تیل ڈالا۔ کنگھی کی آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ میوہ مٹھائی اس کے لئے لگا رکھتی تھی۔ جو کچھ موجود ہوا کھلایا۔ گھنڈی ٹکمہ اگر ٹوٹ گیا ہے ٹانک دیا۔ کبھی کبھار کوئی کھلونا منگوا دیا۔ آپ پان کھاتی ہوئی۔ تو اس کو بھی ٹکڑا بنا دیا۔ یا آئینہ ہاتھ میں دے دیا' کہ دیکھو تو کیا منہ لال لال ہوا ہے۔ پس معصوم سارے سارے دن چھوٹے گھر کھیلتا اور اگر کوئی بڑے گھر میں بلا لے تو روتا اور مچلتا۔ ایک دن غیرت بیگم معصوم کا انگرکھا قطع کر رہی تھی' کہ لونڈی سے کہا کہ جا ذرا معصوم کو جلدی بلا لائے۔ انگرکھا اس کے قد سے ناپ لوں ایسا نہ ہو اونچا ہو جائے' لونڈی نے چھوٹے گھر میں جا کر کہا چلو میاں بی بی بلاتی ہیں۔ لونڈی کی صورت دیکھ کر اور طلبی سن کر معصوم زمین میں لیٹ گیا' بہتیرا لونڈی گود میں اٹھاتی ہے۔ نکل نکل پڑتا ہے۔ اس کشتم کشتا میں تھوڑی دیر لگ گئی اور وہاں غیرت بیگم ہاتھ میں کپڑا لئے انتظار کر رہی ہیں۔ آخر

Marfat.com

دوسری کو دوڑایا کہ نسبتی معصوم کو بلانے گئی تھی وہیں مر کر رہ گئی۔ بس آپ بھی اس کے ساتھ کھیل میں لگ گئی۔ جا دونوں کو پکڑ کے تو لا غیرت بیگم جو بگڑی اور خفا ہو کر زور سے بولی تو اپنے گھر میں ہریالی نے بھی سنا۔ اور اس نے جلدی سے اٹھ کر معصوم سے کہا۔ آہا بڑی اماں کے یہاں کیسے کیسے بہار کے کپڑے ہیں' جلدی بھاگ کر جاؤ تمہاری بھی اچکن بیونتی جائے۔ وہ بڑی اماں بیٹھی کہہ رہی ہیں۔ آنکھیں میچیں کون آئے۔ معصوم سامنے گیا تو غیرت بیگم بولی موئے جان ہاریوں ہی سارے دن خدائی خوار خاک چھاننا پڑا۔ پھر دیکھ اب تجھ کو کیسے ظالم استاد کے پاس پڑھنے بٹھاتی ہوں کہ تو بھی یاد کرے' معصوم میں اپنی چھوٹی اماں کے پاس بھاگ جاؤں گا۔ ''غیرت بیگم'' لانا دست پنے میں ایک انگارا کہ اس کم بخت ناشدنی کا منہ جلاؤں نگوڑا بدوں کا بد۔ گندی بوٹی کا بساندا شوربا آخر اپنی اصالت پر آ گیا۔ کنجنی کو میا بنایا میرے سامنے اگر پھر اس مردار کو اماں کہا ہوگا تو جبو۔ پکڑ کر کاٹ ڈالوں گی'' معصوم یہ سن کر آدھی دور سے پھر الٹا بھاگ گیا۔ نسبتی پیچھے دوڑی بھی مگر اب وہ کسی کے ہاتھ آتا تھا۔ ڈیوڑھی میں کھڑا ہوا' غیرت بیگم کے چڑانے کو پکار پکار کر چھوٹی اماں کہتا تھا اور جہاں غیرت بیگم نے دیکھا تو آڑ میں ہو گیا اور پھر ذرا سی دیر میں سامنے آ کر چھوٹی اماں چھوٹی اماں کہنے لگا۔ غیرت بیگم نے دالان میں سے بیٹھے بیٹھے جوتی کھینچ کر ماری مگر وہ ڈیوڑھی تک کیا پہنچتی' غرض معصوم کو جو دھت لگی تو غیرت بیگم کو اسی طرح گھڑی بھر تک دق کرتا رہا اور پھر چھوٹے گھر میں جا گھسا۔ غیرت بیگم ہریالی کی ساری باتوں کو برائی پر ڈھال لے جاتی تھی۔ معصوم کے ساتھ جو ہریالی عام ماؤں سے اور خصوصاً غیرت بیگم سے بڑھ کر محبت کرتی تھی تو میاں کی خوشامد پر محمول کرتا شاید چندا بے جا نہ تھا مگر ہریالی کی مخالفت میں غیرت بیگم کے خیالات ایسے بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا بھی دوسرا ہی مطلب لگاتی تھی۔ اس کا مقولہ یہ تھا دیکھنا نامراد کٹنی کو کیسی معصوم کی للو پتو میں لگی رہتی ہے اور مجھ کو یقین ہے کہ وہ ضرور اس کو مجھ سے تڑا کر رہے گی۔ ابھی سے اس کو میری صورت سے بیزار کر دیا ہے۔ نہیں تو اتنے بچے ماؤں سے ایک لمحے کے لئے پرے

Marfat.com

نہیں ہٹتے۔ اور معصوم کو تو اگر میں نہ بلاؤں کبھی بھول کر بھی ادھر کا رخ نہ کرے۔ بیگم کو تو اسلئے سیدھے ہر طرح ہریالی کو الاہنا دینا منظور تھا معصوم اگر کبھی بیمار ہوتا اور چھوٹے بچے اکثر بیمار ہوتے ہی رہتے ہیں تو مصیبت یہ تھی کہ میاں کی ضد کے مارے دوا علاج کچھ نہ کرتی اور جو کوئی دکھ ہو تو علاج کروں اس کو تو دشمنوں نے کچھ کر دیا ہے۔

اور دشمن کون یہی بغلی گھونسا یہ کیا ہم میں کسی کو جیتا چھوڑے گی لیکن اگر میرے بچے کا بال بیکا ہوا تو کوٹھڑی میں کیا مار ماری تھی اگر جان سے نہ مار ڈالوں تو سید کی جنی نہیں اور پھر اس کے حمائتیوں کو دیکھ لوں گی۔ ہریالی عجیب پس و پیش میں تھی۔ اگر معصوم کو نہیں آنے دیتی تو کہیں خود جو بے اولادی ہے جلتی ہے دیکھ نہیں سکتی اور آنے دیتی ہوں تو اس کی ذمہ داری کون کرے کہ بچہ بیمار نہ پڑے تو ضرور اچھا ہی ہو جایا کرے پس ذرا بھی معصوم کا جی ماندہ ہوتا تو ہریالی کا کئی چلو لہو خشک ہو جاتا کہ خدا کرے انتظام خانہ داری کی یہ صورت ہوتی کہ آخر اس کو بھی تو صاحب خانہ کی توجہ درکار ہے۔ یہاں آپس کی کہلسنی تاک جھانک لڑائی جھگڑے قصے قضیئے سے اتنی فرصت ہی کس کو تھی کہ انتظام کی طرف متوجہ ہوتا اور فرصت تھی بھی تو دلوں میں شوق نہیں۔ رغبت نہیں اطمینان نہیں امنگ نہیں۔ کسی کی بلا کو غرض پڑی تھی کہ یہ دردِ سر مول لے' خانہ داری میں سب سے بڑا انتظام کھانے کا کہ صبح بھی ہو اور شام بھی ہو۔ سو کھانے کا یہ حال کہ بڑے گھر میں تو مبتلا نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہی نہیں۔ میاں بی بی میں ناخوشی تو سدا کی تھی' تاہم کھانا دونوں ایک ہی دسترخوان پر کھایا کرتے تھے جس دن سے ہریالی نے الگ گھر کیا' غیرت بیگم نے میاں کے ساتھ بات چیت کرنی کیا چھوڑی بات چیت کے ساتھ کھانا اور کھانے کے ساتھ دیکھنا بھالنا نکالنا سب کچھ چھوڑ دیا۔ دو چار بار مبتلا نے منہ پھوڑ کر کہا بھی جواب ندارد۔ پس کھانا تیار ہوتا تو گھر کے نوکروں میں سے کسی نے میاں کا حصہ نکال کر لا آگے رکھ دیا۔ اس بے قراری کے ساتھ جو کھانا دیا جاتا تھا تو مبتلا کو اس قدر طیش آتا تھا کہ اگر اس کا بس چلے تو غیرت بیگم کو کچی اٹھا کر کھا جائے مگر وہ اپنا خون جگر پی کر چپ ہو رہتا تھا۔ ڈر کے مارے

Marfat.com

ذرا کی ذرا منہ جھٹلایا اور کھڑا ہو گیا۔ غیرت بیگم خود تو کبھی خبر نہیں لیتی تھی۔ اگر کبھی کوئی نوکر خدا کے واسطے کو کہہ بیٹھا کہ میاں تو پوری ایک چپاتی بھی نہیں کھاتے تو بولتی اس مال زادی کے بدون میاں کے حلق سے نوالہ کیوں اترنے لگا اور ان کو گھر کا کھانا کیوں بھانے لگا۔ غیرت بیگم جلی تن کا مبتلا سے بدتر حال تھا وہ آپ ہی اپنے دل سے باتیں پیدا کرتی اور آپ ہی ان کی ادھیڑ بن میں دو دو وقت کھانا نہ کھاتی۔ نوکروں نے جو دیکھا گھر والے دو' میاں اور بیوی اور دونوں کو کھانے کی طرف مطلق رغبت نہیں۔ یہ لوگ بھی سستی اور بے پروائی اور چوری اور طرح طرح کی خرابیاں کرنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خرچ تو ڈیوڑھا اور دونا بڑھ گیا۔ اور برکت آدھی اور پاؤں بھی باقی نہ رہی' غیرت بیگم کی طرف تو سویرے خاک اڑنے لگی چھوٹا گھر خیر یوں ہی لشٹم قشٹم چلا جاتا تھا۔ گھر کی عزت ہوتی ہے مردانے سے اور مردانے کی رونق مردوں سے۔ مردوں کے شوق کے اہتمام سے مبتلا کبھی جس کا یہ حال تھا کہ بالوں میں تیل نہ پڑتا تو سر درد کرنے لگتا۔ دن میں اگر چار مرتبہ گھر سے باہر نکلتا تو چار طرح کی پوشاک پہن کر ایک چیز ایک جگہ سے بے جگہ رکھی ہوتی تو بے چین ہو جاتا فرش پر سلوٹ پڑی دیکھی اور تیوری پر بل پڑا' آندھی ہو مینہ ہو سردی ہو گرمی ہو چار گھڑی دن رہے گھوڑے کی سواری کبھی ناغہ ہونے نہیں دی۔ ہر چیز صاف ستھری قیمتی انوکھی یا اب خانہ داری کے جھگڑوں نے اس کو اس قدر عاجز اور ناچار کر دیا تھا کہ اس کو اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا۔ بال الجھ کر نمدہ ہو گئے ہیں کسی کو دماغ ہے کہ کنگھی کرے' معلوم ہے کہ کپڑے میلے چکٹ ہو رہے ہیں۔ مگر بدلتے ہوئے آلکسی آتی ہے چیز بے ٹھکانے پڑی ہے مگر زبان کون ہلائے کہ اس کو موقع سے رکھو سفید چاندنی دھبے پڑ پڑ جاجم بن گئی ہے نوکروں کو توفیق نہیں کہ بدلیں' میاں کو خیال نہیں کہ بدلوائیں۔ گھوڑا نسل ولایتی جس پر مکھی پھسلتی تھی۔ پٹھوں پر نالی پڑی ہوتی سواری جو ہوئی موقوف تھان پر بندھے بندھے پانچواں۔ عیب نکال لایا بادی نے آدبایا' مالش میں ہوئی کمی اور دانے میں ہوئی

Marfat.com

چوری تھوڑے دن میں پرتل کا ٹٹو معلوم ہونے لگا۔ سینکڑوں روپے کا اسباب صرف غور اور پرداخت کے نہ ہونے سے کوڑے کی طرح بے قیمت ہوگیا۔ غرض وہ لوگ کہاوت کہتے ہیں کہ دوملا میں مرغی حرام' دو بیبیوں کی کشمکش میں گھر کی مٹی ایسی پلید ہوئی کہ باہر سے لے کر اندر تک نکبت اور مفلسی اور بے رونقی چھا گئی۔ ایک مدت تک غیرت بیگم کی طرف سے انواع واقسام کے ظلم ہریالی پر ہوتے رہے اور بدلہ لینا کیسا اس کی اتنی بھی مجال نہ تھی کہ اف کرے' نام لے لے کر' پکار پکار کر سناسنا کر گالیوں کی بوچھاڑ برسا رکھی ہے اور کوسنوں کا تار باندھ دیا ہے اور دم بخود۔ مگر کتنا صبر کہاں تک برداشت۔ آخر اس کا منہ کھلا کہ لوگوں نے اپنے اپنے کان بند کر لئے برکت' رونق فراغت' عافیت' محبت' مروت سب کچھ غارت ہو کر ایک آبرو وہ بھی محلے والوں کی نظر میں نہ رہی تھی۔ ہر وقت کی تھکا فضیحت میں وہ بھی گئی گزری ہوئی۔ کم بختیں اس بے ہودگی کے ساتھ آپس میں لڑتی تھیں کہ کنجڑنوں قصائنوں کو مات کر دیا تھا۔ اور دھوبنوں بھٹیارنوں کو شرمندہ۔ غیرت بیگم تو کسی کے قابو کی تھی نہیں۔ مگر ہاں ہریالی کو اگر مبتلا منع کر دیتا تو وہ بے شک باز آجاتی۔ پر غیرت بیگم کی طرف سے مبتلا کو ایسے ایسے رنج پہنچے تھے کہ روکنا کیسا وہ تو کبھی کبھی ہریالی کو اور اشتعال دے دے کر اس کی آڑ میں اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑ لیتا تھا۔ ان لوگوں میں جو باہمی رنجش اور عداوتیں تھیں' پہلے چند روز تک دل میں رہیں۔ بڑھتے بڑھتے دلوں سے منہ تک آئیں' اب وہ زیادہ ہوئیں تو پھوٹ کر ایسی بہیں جیسے کوہ آتش فشاں کا ملغوبہ' آگے آگے آپ اور پیچھے پیچھے تباہی اور بربادی۔

Marfat.com

فصل تیئیسویں

# ہریالی کا امید سے ہونا غیرت بیگم کا اس بات کو جاننا اور اپنی ماما خاتون سے اس کو سنکھیا دلوانا مقدمہ کا کوتوالی میں دائر ہونا اور آخر ناظر کی تدبیر سے دب دبا جانا مگر مبتلا کا دیوالہ نکال کر

اتفاق سے ہریالی پڑی بیمار شاموں شام سر دھویا۔ سردی کھائی زکام ہوا بخار آنے لگا۔ چند روز کچھ دھیان نہ کیا۔ بخار تھا کہ چم چچڑ ہو گیا۔ بلکہ ذرا ذرا کھانسی کی بھی دھسک شروع ہو گئی معمولی طور پر حکیموں کے علاج کئے منضج ہوئے۔ بخار ہے کہ جنبش نہیں کھاتا۔ کھانسی کو اتنا آرام ہوا سمجھو سوکھی ہے تر ہو گئی۔ ایک دن بلغم میں کچھ سرخی کی جھلک دکھائی دی تو تردد ہوا اور تردد کی بات ہی تھی خیال کیا کہ پان کی سرخی ہو گی مگر پھر ثابت ہوا کہ نہیں خون کی ہے۔ تب تو مبتلا گھبرایا۔ غیرت بیگم کے ہاتھوں سے تو ایسی ایسی ایذائیں پہنچی تھیں کہ اس کے نام سے اس کا دل بے زار تھا۔ اس کو تھوڑی یا بہت جو کچھ دل بستگی تھی ہریالی کے ساتھ تھی۔ اب جو اس کو خون تھوکتے دیکھا۔ قریب تھا کہ سودائی ہو جائے۔ شبہ تو تھا کئی دنوں سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہیں غیرت بیگم نے کچھ کرا دیا ہو۔ کھانسی کے ساتھ خون کا آنا تھا کہ یقین کیسا حق الیقین ہو گیا۔ کہ غیرت بیگم نے پون بٹھائی خدانخواستہ ایسا تو پرانا بخار بھی نہیں کہ سل ہونے کا اندیشہ ہو' ڈھونڈ ڈھونڈ کر سیانے اور بھگت بلائے! آئے سب نے اپنے اپنے جادو چلائے مگر کم بخت پون کی کچھ اصل جادو کی کچھ حقیقت ہو تو روگ میں کمی' مرض میں خفت ہو۔ خبط کے جادو' وہم کی پون اس کو اتارے کون' ہریالی کا حال بہت پتلا

Marfat.com

چلا۔ آخر کسی نے صلاح دی کہ سب کچھ تو کر چکے ذرا ڈاکٹر چنبیلی کو بھی تو ایک نظر دکھاؤ۔ چنبیلی کا نام اصل میں مس بیلی تھا۔ ولایت سے نئی آئی تھی کہ اس نے نواب اقتدار الدولہ بہادر کے محل مین ایک بڑے معرکے کا علاج کیا۔ تب ہی سے شہر میں بڑی شہرت ہوئی۔ نواب صاحب کی محل سرا میں اس کو چنبیلی پکارتے تھے۔ وہاں کی سنی سنائی اور لوگ بھی چنبیلی کہنے لگے۔ دایہ گری کے فن میں نہایت تجربہ کار اور مشاق تھی۔ اور خود مبتلا کے گھر میں معصوم اور بتول دونوں کے ہونے میں بلائی گئی تھی۔ ہریالی اور ہریالی کے تیماردار کسی کے ذہن میں بھی نہیں بات آئی تھی کہ ہریالی کی حالت ڈاکٹر چنبلی کے علاج کے متقاضی ہے۔ ڈاکٹر چنبیلی کو جب بلایا گیا' تو غیرت بیگم سمجھ کر معرفت سابقہ کے لحاظ سے بلا عذر بڑی خوشی کے ساتھ فوراً چلی آئی۔ اس کو یہاں آ کر معلوم ہوا کہ مبتلا نے دوسری بی بی کی ہے۔ اس نے بیمار کو دیکھا تو سہی مگر مبتلا سے کہا کہ مجھ سے اور غیرت بیگم سے دوستی یا بہناپا تو نہیں ہے پر تم کو پتہ ہے کہ ان کے دو بچے ہونے میں' میں نے ان کی خبر گیری کی ہے۔ تو تمہاری اس بی بی کا علاج کرنے کو میرا جی نہیں چاہتا۔ اس کو میں خلاف مروت سمجھتی ہوں اور میرے علاج کی چنداں ضرورت بھی نہیں جس حکیم کا علاج کرتے ہو ان کو صرف اتنا اشارہ کر دینا کہ دو جانوں کی رعایت سے علاج کریں' اتنا کہہ کر ڈاکٹر غیرت بیگم کی طرف گئی۔ معصوم اور بتول دونوں کو گود میں لے کر پیار کیا۔ پھر غیرت بیگم سے بولی کہ اگر میں دوسرے گھر میں نہ بلائی گئی ہوتی تو میں تم سے پوچھتی کہ اس قدر دبلی کیوں ہو۔ ہم لوگوں میں مرد دوسری بی بی نہیں کر سکتے اور مرد اور عورت دونوں کے حقوق کو تولا جائے تو شاید عورت ہی کا پلہ جھکتا ہوا رہے گا پھر بھی مرد اور عورت کا تعلق اس قسم کا ہے کہ بیاہ ہو جانے سے عورت مرد کے بس میں آ جاتی ہے۔ یہی سمجھ کو میں نے اپنا بیاہ نہیں کیا اور کرنے کا ارادہ بھی نہیں۔ میں تمہاری حالت پر افسوس کرتی ہوں اور اس سے زیادہ افسوس اس مجبوری کا ہے کہ مدد کرنے کی جگہ نہیں۔ لیکن کبھی اگر میرا کام آ پڑے تو ضرور مجھ کو یاد کرنا

Marfat.com

غیرت بیگم نے اگرچہ دیہات میں پرورش پائی تھی۔ پر وہ اتنی بھی تو بے تمیز نہیں تھی کہ چنبیلی کے آنے کا اس کی محبت کا' مروت کا ہمدردی کا شکریہ ادا نہ کرتی۔ مگر سوکن کے جھگڑے سے اس کو کسی چیز کی سدھ نہ تھی۔ چنبیلی اس سے بات کر رہی تھی اور یہ اس فکر میں تھی کہ کب چپ کرے' اور میں سوکن کا حال پوچھوں' غرض غیرت بیگم نے چھوٹتے ہی پوچھا کہو کیا دیکھا۔ چنبیلی بولی حکیم کو دھوکا ہوا۔ اس نے پہچانا نہیں کہ یہ عورت چار مہینے ہوئے دو جی سے بیٹھی ہے' میں نے تمہارے میاں کو جتا تو دیا ہے۔ اب بھی اگر سمجھ بوجھ کر علاج ہوگا تو بچے کو تو میں نہیں کہہ سکتی کیونکہ ادھر تو ہوئے جلاب اور ادھر بخار کی وجہ سے ملیں اوپر تلے ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں بچے کو سردی نے پکڑ لیا۔ مگر احتیاط کی وجہ تو میرے نزدیک بچے والی کو ابھی تک کچھ بڑی جوکھوں نہیں ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ آدمی فربہ شود از راہ گوش۔ ہریالی نے جو سنا تو اس کے دل کو اس قدر تقویت پہنچی کہ کیسی دوا اور کس کا علاج گھڑیوں اس کا مزاج خود بخود ٹھیک ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ یا تو آپ سے کروٹ نہیں بدل سکتی تھی یا ایک ہی ہفتے میں چلنے پھرنے لگی۔ یہ تو اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی جگہ غیرت بیگم پڑی۔ غیرت بیگم کا سارا غرور' سارا گھمنڈ' سارا ناز بے جا اولاد کے برتے پر تھا۔ اب جو اس نے دیکھا کہ سوکن نے اس میں سا جھا لڑایا تو حقیقت میں اس کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور سمجھی کہ بس اب ہریالی کے مقابلہ میں نہیں پنپتی۔ اس کو اس بات کی بڑی تسلی تھی کہ ہریالی لاکھ میاں کی پیاری کیوں نہ ہو۔ آخر ہے تو بے اولاد نہ کوئی نام کا لینے والا نہ پانی کا دینے والا۔ جتنا اس کی تقدیر میں ہے اور پہن لے' جس قدر اس کے نصیب کا ہے پھر میں ہوں تو میں اور نہیں تو اللہ رکھے اور پروان چڑھائے میری اولاد اس خیال سے کبھی اس نے سوکن کو سوکن مانا ہی نہیں۔ اب البتہ اس کو سوکن کی حقیقت کھلی اور آدھی اور ساری کی سوچ پیدا ہوئی۔ چنبیلی ایسا کوئی دو تین گھڑی دن چڑھتے آئی تھی۔ اس کے گئے پیچھے سے جو غیرت بیگم گھٹنوں میں سر دے کر بیٹھی تو دوپہر ڈھلتے ڈھل گئی۔ مگر اللہ کی بندی نے گردن اونچی نہ کی۔ دو تین

Marfat.com

بار کھانے کی اطلاع ہوئی مگر اس نے یہی کہہ دیا کہ مجھے بھوک نہیں۔ اس کے گھر میں ایک بہت پرانی نوکر تھی' خاتون وہ گھر کی داروغہ تو نہ تھی' مگر کبر سنی اور قدیم الخدمتی اور ہوشیاری اور سلیقے کی وجہ سے گھر کے نوکروں میں سے سب سے سر برآوردہ تھی۔ غیرت بیگم کو اس سے مانوس ہونے کا ایک سبب خاص یہ بھی تھا کہ جس طرح مبتلا نے غیرت بیگم پر سوکن کی اسی طرح خاتون پر بھی اس کے میاں نے سوکن کی تھی۔ غیرت بیگم کا تو ایسی باتوں میں بہت جی لگتا تھا۔ خاتون گھڑیوں اپنی سوکن کی باتیں کرتی اور غیرت بیگم کرید کرید کر پوچھتی اور ایک ایک بات کو بار بار کہلواتی۔ پس خاتون نوکر کی نوکر تھی' قصہ خواں کی قصہ خواں اور بیوی کی ہمدرد۔ جب خاتون نے دیکھا کہ جس گھڑی سے چنبیلی آئی بیوی کچھ ایسی سوچ میں گئی ہیں کہ پان تک نہیں کھایا۔ کھانے کا وقت بھی ٹل گیا۔ تو اس نے قریب جا کر پوچھا کہ ''بیوی جو تم اس قدر اداس بیٹھی ہو اس کا سبب کیا ہے۔ غیرت بیگم تم نے نہیں سنا کہ بے غیرت کے یہاں بال بچہ ہونے والا ہے۔ ابھی اس نے اٹھا رکھا ہے بال بچہ ہونے والا ہوتا تو حکیم کیا ایسے اندھے ہیں۔ جلابوں پر جلاب کیوں دیتے۔ ''غیرت بیگم'' حکیموں کو دھوکا ہوا' انہوں نے جانا ٹھنڈی ٹھنڈی دوائیں دی جا رہی ہیں۔ پیٹ میں بادی بھر گئی ہے۔ اب چنبیلی نے دیکھا تو بتایا۔ کیوں خاتون بی میں تو سنتی تھی' کنچنیوں کے اولاد نہیں ہوتی؟ کیا میری ہی تقدیر پر ایسے پتھر پڑے تھے کہ مجھ پر کنچنی بھی آئی تو آتے دیر نہ ہو اور ماں بن جائے۔ خاتون نہیں بی بی کون کہتا ہے کہ کنچنیوں کے اولاد نہیں ہوتی؟ ہوتی ہے اور نہیں بھی ہوتی۔ کیا تم بھول گئیں میری سوکن کون تھی۔ اصل نسل کی کنچنی۔ جب میرا میاں اس کو لایا تو خدا جانے نامرادیں مردوں کی آنکھوں میں کیا ٹپکی ڈال دیتی ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ سترہ اٹھارہ برس کی لڑکی ہے۔ پیچھے معلوم ہوا کہ چار کی ماں تو وہ اس وقت تھی اور ہمارے یہاں تو بیوی پانچ پرس وہ جی میری اتنی روک ٹوک پر سات یا آٹھ دفعہ اس نے تیاری کی مگر واہ ری چنبیلی۔ دائی ہو تو ایسی ہو کبھی چوتھا نہ لگنے دیا۔ ''غیرت بیگم''

Marfat.com

وہ چنیا اب ہے۔ ''خاتون'' مدتیں ہوئیں مرکھپ گئی۔ ستر پچھتر برس کی تو وہ میری سوکن کے وقت میں تھی۔ ''غیرت بیگم۔'' پھر خاتون۔ کوئی ویسی ہی تدبیر یہاں نہیں کرتیں۔ ''خاتون'' بیوی تمہارے یہاں افتاد دوسرے طور کی ہے۔ ہم تو غریب آدمی ہیں۔ اب بھی ہیں اور تب بھی تھے۔ میاں سات روپے مہینے پر ایک عطار کی دوکان پر بیٹھتا تھا۔ سامنے تھا اس بیسوا کا کوٹھا۔ آدمی تھا وہ تھی طرح دار' یہ نامراد اس کے سر ہوتی میں بارہ آنے مہینے کرائے پر دینا بیگ خاں کے کٹڑے میں رہتی تھی' ذرا سا مکان میرے اکیلے دم کا اس میں گزر ہوتا تھا۔ سوکن صاحب جو آئیں بس میری گود میں بیٹھیں' مردوا کم بخت اس طرح کا ظالم کہ گالی دے بیٹھا اس کے آگے ایک بات اور بات بات میں مکا اور لات۔ اگر وہ کبھی مجھ کو اور سوکن کو آپس میں لڑتے دیکھ پائے تو دونوں کے ڈنڈے اگائے۔ سو بیوی اپنی عزت اپنے ہاتھ میں نے تو چوں نہیں کی اور ظاہر میں سوکن سے ایسی گھلی ملی رہی جیسے سگی بہن' پر دل سے تو میری جان کی دشمن تھی اور میں اس کی۔ ایک جگہ کے رہنے سہنے اور ظاہر کے میل ملاپ سے ایک یہ فائدہ تو تھا کہ میں جو چاہتی سو کر گزرتی تھی۔ اس کو یا مردے کو شبہ نہیں ہونے پاتا تھا۔ تمہارے یہاں بیوی اول دن سے کھلم کھلا بگاڑ پڑے ہوئے ہیں۔ ایسی جگہ کوئی تدبیر چلنی ذرا مشکل ہے' نہیں تو کیا بڑی بات ہے چنیا نہیں' چنیا کی بہنیں اور بہتیری اور دائی کا بھی اس میں کیا کام۔ ایک سے ایک دوا مجھ کو ایسی معلوم ہے کہ چٹکی بجاتے میں کھڑا کھٹکا نہ کھائے۔ ''غیرت بیگم''۔ اے ہے اچھی میری خاتون ایسی کوئی دوا ہے تو ضرور مجھ کو بتاؤ۔ ''خاتون''۔ دوائیں تو بہت پر کاڑھے ہیں پینے کے کچھ لیپ ہیں لگانے کے۔ آج کو یہاں دوا بنتی چھنتی ہوتی تو کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ دوا تو جاتے ہیں اپنے ہاتھوں سے میاں کوئی کرے تو کیا کرے۔ ''غیرت بیگم''۔ پھر تم ہی کچھ تدبیر نکالو گی تو نکلے گی ورنہ میں تو اپنی جان پر کھیلے بیٹھی ہوں اور یہی بات اس وقت میں سوچ بھی رہی تھی۔ خدا مجھے تو اس دن کے واسطے نہ رکھے ہائے کن آنکھوں سے

Marfat.com

دیکھوں گی کہ اس کے بچے کھیلتے پھریں۔ اور کن کانوں سے سنوں گی کہ اماں پکاری جائے۔ تم سے کچھ ہوسکتا ہے تو کرو نہیں تو تم اکیلی کیا دنیا دیکھ لے گی کہ جلا ہوا دل بہت برا ہوتا ہے۔ اور کسی پر زور نہیں چلتا۔ اپنی جان تو بس کی ہے۔ جان جائے کسی کی بلا سے' غیرت میرا نام ہے' نام کے پیچھے جان دوں تو سہی "خاتون" بیوی خدا کے واسطے تم ایسی ایسی باتیں میرے سامنے تو کرو مت سن سن کر میرے تو ہوش اڑے جاتے ہیں۔ جان سی چیز کہاں پائیے تم اپنے ننھے منے بچوں کا منہ کرو۔ خدا تمہاری سلامتی میں ان کو پروان چڑھائے۔ الٰہی تم کو ان کی بہاریں دیکھنی نصیب اور قربان کی وہ نامراد سوکن خدا چاہے گا تو وہی نہ رہے گی۔ ہراساں ہو تمہاری بلا اور غم کرے تمہارے پاپوش۔ جب خدا نہ کرے تمہاری ہی جان پر آ بنے گی تو ہم پندرہ بیس بندے جو تمہاری جوتیوں سے لگے ہمیں تو کیا منہ دیکھنے کے واسطے ہیں۔ پہلے ہم سب تم پر نے تصدق ہولیں گے تب جو بات سو بات۔ پر بیوی جو بات تم چاہتی ہو جان جوکھوں کا کام ہے۔ پہلے اپنی جان سے ہاتھ دھولو تو اس کا بیڑا اٹھائے۔ پھر اس کو چاہئے دل کا پکا پیٹ کا گہرا بھروسہ کا پورا کہ خدانخواستہ کل کلاں کو کچھ ایسی ویسی ہو تو اپنے اوپر جھیل لی جائے اور مالک کو بال بال بچائے سو تمہارے گھر میں تو میں اس ڈھب کا کسی کو نہیں پاتی۔ چھوکریاں ہیں چھچھوری کہ آدھی بات سن پائیں تو ایک ایک کی چار چار دل سے بنائیں اور سارے محلے میں دھوم مچائیں۔ رہ گئیں مامائیں' نوکریں تو ہر کسی سے کہتے جی لرزتا ہے۔ اور مجھ اکیلی سے سارا سرانجام ہو نہیں سکتا۔ ایک میرا بھانجا ہے جو میرے میاں کی جگہ عطار کی دکان پر نوکر ہے۔ اگر وہ گھٹھ جائے تو سارے کام آسان ہیں۔ دیکھو میں اس سے ذکر کروں گی پر بیوی تم اپنی جگہ پر سمجھ لو' میری تو اگر جان بھی تمہارے کام آجائے تو دریغ نہیں۔ میں نے تمہارا نمک کھایا ہے۔ اور اب دنیا میں جی کر بھی کیا کروں گی بہتیرا جی چکی پر میرا بھانجا بال بچے دار آدمی ہے۔ عمر بھی اس کی کچھ ایسی بہت نہیں۔ اس کو تو کچھ ایسا ہی بھاری لالچ دیا جائے گا تو شاید وہ اس کام میں

Marfat.com

ہاتھ ڈالے۔ ''غیرت بیگم''۔ مجھ کو تو اگر کوئی کھڑا کر کے بیچ لے تو بھی عذر نہیں پر کسی طرح اس عذاب سے چھٹکارا ہو۔ ''خاتون''۔ بیوی دیکھو خبردار میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں کسی کو کانوں خبر نہ ہو۔ نہیں تو سارے گھر پر آفت آ جائے گی۔ ''غیرت بیگم'' خیر مناؤ تم نے کیا مجھ کو ایسا نادان سمجھ رکھا ہے۔ میں خوب سمجھتی ہوں کہ بڑے اندیشے کی بات ہے۔ مجھ کو اپنے دونوں بچوں کی جان کی قسم کیا مجال کہ منہ تک بات آ جائے۔ ''خاتون'' تو بس بات کو اپنے ہی تک رہنے دو۔ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو میں تم کو خبر کر دوں گی اور میں تم کو یہی صلاح دیتی ہوں کہ مل جاؤ، کیونکہ ملاپ میں خوب کام نکلتا ہے۔ مگر ملو نہیں تو یہ ہر وقت کا جھگڑا۔ بکھیڑا تو موقوف کر دو۔ ورنہ کرے گا کالا چور اور پکڑے جائیں گے تمہارے دشمن برا چاہنے والے خاتون کے سمجھانے بجھانے سے غیرت بیگم نے باوجودیکہ ناوقت ہو گیا تھا منگوا کر کھانا کھایا۔ اور جو سارے سارے دن ہریالی کا جھگڑا لگا رہتا تھا وہ بھی بند ہوا۔ آدمی لاکھ چھپائے پر دل کی کپٹ ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی لوگ جو چوری یا دوسرے جرموں کے مرتکب ہوتے ہیں اپنے پندار میں بڑی بڑی پیش بندیاں کرتے ہیں اور آخر کو وہی پیش بندیاں ان کو رسوا اور فضیحت کراتی ہیں۔ یا تو تمام دن دونوں سوکنوں کی لڑائی کا ایک غل پڑا رہتا تھا ایک دم سے ہوا سناٹا تو غیرت بیگم اور خاتون کے سوائے سبھی کو حیرت تھی کہ دلوں میں ایسی کیا نیکی خدا نے ڈالی کہ آپ سے آپ لڑتے لڑتے رک گئیں' باوجودیکہ خاتون نے سمجھا دیا تھا کہ جب سب ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا تو میں تم کو خبر کر دوں گی مگر غیرت بیگم کو اتنا صبر کہاں تھا اس نے تو اگلے ہی دن سے خاتون کی جان کھانی شروع کر دی''۔ کیوں بی کب ہو گا کیا دیر ہے کا ہے کا انتظار ہے۔ اے ہے کبھی ہو بھی چکے گا یا نہیں۔ بس اب خاک ہو گا تم کو نہیں کرنا منظور تھا تو مجھ کو آس کیوں دی تھی۔ سخی سے شوم بھلا جو ترت دے جواب آخر جب تقاضا حد سے گزر گیا تو ایک دن خاتون نے کہا لو بی بی خدا نے مجھ کو تم سے سرخرو کیا اب کہیں اتنے دنوں میں جا کر بڑی مشکل سے معاملہ طے ہوا۔ میں تو سمجھی تھی خدا جانے سرے سے حامی بھی بھرے یا نہ بھرے' تو دس

Marfat.com

ہزار مانگے پندرہ ہزار مانگے پر ماشاءاللہ قسمت تمہاری بڑی زبردست ہے۔ سستا چک گیا ایک ہزار اور جو خدانہ کرے کہیں کھل کھلا پڑے تو دو ہزار" غیرت بیگم تو کہہ ہی چکی تھیں اگر مجھ کو کوئی کھڑا کر کے بیچ ڈالے تو بھی عذر نہیں۔ سنتے کے ساتھ لگی ہاتھوں سے سونے کے ٹھوس کڑوں کی جوڑنی اتارنے کہ اتنے میں خاتون بولی" بیوی کڑے مت دو۔ میرا جی کڑھتا ہے ننگے ہاتھوں برے لگیں گے اور لوگوں میں بھی پر چول پڑے گی بلکہ جتنا گہنا تم پہنے رہتی ہو اس میں سے کچھ بھی مت دو۔ غرض جس طرح خاتون کہتی گئی کچھ نقد و جنس ملا کر ہزار پورے کر اس کے لئے باندھے ہزار معجّل اور ہزار غیر معجّل کے یہ لے خاتون نے یہ کارنمایاں کیا کہ چوہوں کے بہانے سے تھوڑی سی بھانجے سے مانگ لائی۔ دونوں گھروں میں دودھ کا راتب بندھا ہوا تھا۔ گھوسن بڑے سویرے آتی اور سب سے پہلے یہیں کا راتب لاتی۔ خاتون اندھیرے منہ اٹھ مردانے میں جا بیٹھی' جوں ہی گھوسن نے پاؤں اندر رکھا کہ خاتون نے اس سے لڑنا شروع کیا کہ ساری دنیا میں حلوائی ہوئے گھوسی ہوئے دودھ میں پانی ملاتے ہیں۔ یہ کہیں سے بے چاری انوکھی گھوسن نکلی کہ پانی میں دودھ ملا کر لاتی ہے۔ پرسوں کھیر پکی کسی نے منہ پر نہیں رکھی کل جوں چاہا کہ سویوں میں اوپر سویر کوئی جلدی کوئی دیر مینا سکڑنی بلی بولائی کبوتر چکرائے مرغیاں اونگھنے لگیں۔ ماما مارے قے اور دستوں کے بدحواس ہوگئی' ڈولی میں لاد اس کے گھر پہنچوایا اس کا بیٹا تھانے میں نوکر تھا۔ سنتے کے ساتھ بھاگا ہوا آیا۔ ماں کو دیکھا تو آدمی کو نہیں پہچانتی تھی۔ نیم جان کو اٹھا کر ہسپتال لے گیا۔ ڈاکٹر نے پچکاری سے پیٹ صاف کیا۔ پانی جو پیٹ میں سے نکلا تھوڑے سے میں کوئی دوا ڈال دیکھا تو سنکھیا تھی۔ آخر ڈاکٹر نے سوچ سوچ کر یہ کہا کہ ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اس نے کتنی سنکھیا کھائی اور ٹھیک کس وقت کھائی لیکن جس قدر اس کے پیٹ میں سے نکلی ہے۔ اگر اتنی بھی ہضم ہو کر خون میں مل گئی ہوگی تو قاعدے کی رو سے اس کو مرنا نہیں چاہئے۔ غرض سنکھیا کے توڑ کا جو تریاق انگریزوں کے یہاں ہوتا ہوگا اوپر تلے دینا شروع کیا۔ اگلے دن صبح ہوتے ہوتے بیمار کی طبیعت کچھ سنبھلی آخر

Marfat.com

لوٹ پیٹ کر کچھ اچھی تو ہوئی مگر کچھ ایسا روگ لگ گیا کہ جب تک زندہ رہی مارے دھڑکن کے بے چاری کو ساری ساری رات بیٹھے گزر جاتی تھی۔ ادھر ہریالی کے یہاں جس جس جانور نے ذرا سی فیرنی کھائی سبھی کی تو موت آئی۔ ہریالی اپنے اس کنبے کے سوگ میں تھی کہ کوئی چار گھڑی دن رہتے تو کوتوالی کے لوگ مردانے میں آ بھرے پکڑ دھکڑ ہونے لگی فیرنی کی قلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں تو کوتوالی والوں نے فوراً ہسپتال کو ڈاکٹر کے پاس چلتی کیں اور لگے اپنے دستور کے مطابق ایک ایک کو الگ الگ لے جا کر پوچھ گچھ کرنے۔ غرض چھ گھڑی رات کو توپ نہیں چلی تھی کہ کوتوالی والوں نے سارا مقدمہ مرتب کر لیا۔ محلے والوں نے اظہار دیئے کہ دونوں گھروں میں ہر وقت کوسم کانا رہا کرتی تھی۔ اب ہفتے عشرے سے امن ہے۔ گھوسن نے بیان دیا کہ میں مدت سے دونوں گھروں میں دودھ کا راتب لاتی ہوں۔ کبھی کسی نے دودھ کو برا نہیں بتایا۔ کل خاتون نے پہلے پہل مجھ سے کہا کہ تیرے دودھ میں ملونی ہوتی ہے اور ہنڈیا میرے ہاتھ سے لے ڈیوڑھی میں گھس گئی اور پھر الٹے پاؤں ہنڈیا لے کر باہر آئی کہ بیوی نہیں تھیں میں نے وہی ہنڈیا جوں کی توں چھوٹے گھر میں بھیج دی۔ دونوں گھروں کی ماماؤں نے ایک زبان گواہی دی کہ گھوسن نے دودھ کبھی برا نہیں دیا۔ حکیم عطار نے تصدیق کی کہ میری دکان پر خاتون کا بھانجا بیٹھتا ہے اور جس دن میں دوکان پر نہیں ہوتا وہی بیچتا کھوچتا ہے اور میری دکان میں سنکھیا بھی رہتی ہے مگر میری سخت تاکید ہے کہ دیکھو سنکھیا' کچلا' جمال گھوٹا' شنجرف' ہڑتال' بچناگ' دھتورہ اس قسم کی چیزیں انجان آدمی کے ہاتھ مت بیچنا۔ ان چیزوں کی فروخت کا حساب کتاب میں کیا شہر میں کوئی عطار بھی نہیں رکھتا۔ خاتون کے بھانجے کو بلوایا۔ بہتیرا ڈھونڈا اتفاق سے اس وقت نہیں ملا بلکہ کوتوالی والوں کو شبہ ہوا کہ کہیں خبر پا کر روپوش تو نہیں ہو گیا۔ بس اس کے آنے کی کسر رہ گئی ورنہ مقدمہ اسی وقت لکھا پڑھی ہو کر چالان ہو جاتا۔ گھر کے نوکروں میں خاتون ذرا سب سے زیادہ معزز تھی اور ڈیوڑھی تک بھی بہت ہی کم آتی جاتی تھی۔ کوتوالی والوں کو ہوا تامل کہ اس کو دوسرے

Marfat.com

نوکروں کی طرح باہر بلوائیں یا آپ ڈیوڑھی کے پاس جا کر اس سے پوچھ پاچھ کر لیں۔ اتنے میں تو سید ناظر خبر پا کر آ موجود ہوئے۔ اگر ناظر ذرا سی دیر اور نہ آتے تو خاتون کی کیا اصل تھی کوتوالی والے تو اس کے اچھے سے قبول کروا لیتے بلکہ وہ اس فکر میں تھے کہ اپنی طرف سے کسی عورت کو اندر بھیج کر خود بیگم صاحبہ کی مزاج پرسی کریں۔ ناظر کا آنا تھا کہ مقدمے کا رنگ بدل گیا۔ کوتوالی نے مناسب سمجھا کہ رات گئی زیادہ اس وقت تحقیقات کو ملتوی کیا جائے۔ فیرنی کی قلفیاں اور مرے ہوئے جانوروں کی لاشیں یہی دو بڑے ثبوت تھے سو دونوں ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ اب ناظر نہیں ناظر کے باپ بھی قبر سے اٹھ کر آئیں تو کیا کر لیں گے ماما کے پیٹ میں سے سنکھیا موجود اب رہ گئی یہ بات کہ سنکھیا دی تو کس نے دی۔ سو نہ دونوں سوکنوں سے انکار ہو سکتا ہے' اور نہ دونوں کی عداوت ہے۔ زہر ڈالیں نیلا نیلا سوت پانی ہر روز بیوی کو ہم لوگوں پر خفا کرواتی ہے لا تیری ہنڈیاں بیوی کو لے جا کر دکھاؤں تب تو انہیں یقین آئے گا۔ غرض زبردستی گھوسن کے ہاتھ سے ہنڈیا چھین ڈیوڑھی میں لے گھسی اور سنکھیا کی پڑیا دودھ میں گھول ہنڈیا گھوسن کو پھیر دی کہ بیوی کہتی ہیں میرے پاس حرام کا پیسہ نہیں ہے جا دور ہو اب میرے گھر دودھ نہ لانا۔ برسوں کی لگی ہوئی گھوسن اور روزگار کا راتب اس طرح ملونی کرتی تو اتنی مدت کیوں کر نبھتی بے چاری رونکھنی اور کھسیانی ہو کر خاتون کا منہ دیکھنے لگی اور چھوٹے گھر کی ماما کو آواز دے بھری ہنڈیا اس کے حوالے کی کہ بڑی بی نے تو آج کئی برس کے بعد جواب دیا چھوٹی بی بی بھی اگر دوسری گھوسن لگا لیں تو میری ہر روز صبح سویرے کی اتنی دور کی ربڑ بچے۔ ہریالی نے دیکھا تو دودھ ہر روز جیسا گاڑھا اور چکنا اس کے جی میں آ گیا کہ میاں کئی بار فیرنی کی فرمائش بھی کر چکے ہیں لاؤ آج قلفیاں جما دیں۔ سارے کا سارا دودھ لے لیا۔ جب دودھ لے چکی تب اس کو خیال آیا کہ آج تو بڑے گھر کی باری ہے' ماما سے کہا دیکھا تو نے کیا مجھ سے بھول ہوئی۔ بڑے گھر کی باری کا خیال نہ رہا اور فرنی کے لئے اتنا سارا دودھ لے بیٹھی۔ اب کیا کروں۔ ماما نے کہا۔ مضائقہ کیا ہے جاڑے کے دن ہیں۔ اس وقت کی

Marfat.com

جمی ہوئی باسی قلفیاں تو کل تک ٹھنڈی اور بھی مزے کی ہوں گی غرض فرنی پکا قلفیاں بھرا الماری میں رکھ اوپر سے قفل لگا دیا۔ جن لوگوں کے بال بچے نہیں ہوتے جی بہلانے کو اکثر جانور پال لیا کرتے ہیں۔ ہریالی نے بھی طوطا اور مینا اور بلی اور کبوتر اور مرغیاں بہت سے جانور پال رکھے تھے۔ اچھا ایک پیالہ بھر کر فرنی ان جانوروں کے لئے الگ نکال کر تھوڑی ماما کے لئے دیگچی میں لگی چھوڑ دی تھی۔ دو سیر دودھ مسا کر۔ پاؤ بھر چاول برابر کی کھانڈ فیرنی کا ہے کو تھی اچھا خاصا کھویا کہنا چاہیے جس نے پائی خوب مزے سے کھائی۔ دو گھنٹے نہیں گزرنے پائے تھے کہ سب سے پہلے میاں مٹھو میں ہوئے پھر تو باری باری سے خوردنی کا مقدمہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا۔ صاحب مجسٹریٹ کوتوالی کے چالان کئے ہوئے مجرم اکثر چھوڑ دیا کرتے ہیں اور ان کو کوتوالی کے ساتھ خدا واسطے ایک ضدی آ پڑی ہے۔ لیکن اگر اس مقدمے کو بگاڑا تو علم کی قسم صاحب سپرنٹنڈنٹ کو سمجھا کہ صدر کو ایسی رپورٹ کراؤں کہ جواب دیتے بن نہ پڑے اور میاں ناظر کو بھی وکالت کا بڑا گھمنڈ ہے۔ بڑی مدت میں اونٹ پہاڑ کے تلے آیا ہے دیکھیں تو اب ہائیکورٹ کی کون سی نظیر پیش کر کے بہن کو بچاتے ہیں۔ غرض کوتوال خاتون کو ناظر کے سپرد کر حوالہ نامہ لکھوا گھوسن کے ساتھ سے چلتا ہوا اور سیدھا پہنچا صاحب سپرنٹنڈنٹ کے پاس' اور ان کو مقدمے کی روداد سمجھا کر کہا کہ مقدمہ ہے سنگین اور مجرم عورتیں پردہ نشیں سید ناظر وکیل کا نام حضور نے سنا ہوگا۔ اصل میں ان کی بہن نے سوکن کو زہر دلوایا مگر وہ اتفاق سے بچ گئی کل حضور بھی واقعہ واردات تک چلیں ورنہ وکیل صاحب بڑے شور و پشت اور ثقہ بدمعاش ہیں۔ ہم لوگوں کے قابو میں آنے والی آسامی نہیں۔ ادھر بہن کے پاس تو دیکھا مارے ہول کے دست پر دست چلے آ رہے ہیں۔ دیکھنے کے ساتھ ہوش ہی تو خطا ہو گئے اور سمجھا سب سے بڑا ثبوت تو خود ان کی حالت ہے۔ آخر بہن سے اتنا کہا کہ بڑے بھائی نے تم کو اس قدر ڈرا دھمکا دیا تھا۔ مگر تم نے نہ مانا اور دل کی بودی طبیعت کی کچی ہمت کی ہیٹی تھیں تو ایسے کام پر تم کو جرأت کیونکر ہوئی بس اب تین پہر رات اور ہے صبح ہوئی اور تمہاری ڈولی

Marfat.com

کوتوالی چلی۔ بھائی کے منہ سے اتنی بات سن کر غیرت بیگم کو اور تو کچھ نہ سوجھا۔ بہت دن ہوئے تولہ بھر افیون منگوا کر صندوقچے میں رکھ چھوڑی تھی۔ دوڑی کوٹھڑی میں جا صندوقچہ کھول افیون کا گولا نگل اوپر سے بھر کٹورا پانی کا پی لیا۔ بتول کی انا کو یہ حال معلوم تھا کہ انہوں نے صندوقچے میں افیون رکھ چھوڑی ہے۔ دالان کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی بھائی بہن کی باتیں سن رہی تھی' بیوی کو جو اس طرح گھبرا کر اندھیری کوٹھڑی میں جاتے ہوئے دیکھا جلدی سے بتول کو چارپائی پر لٹا پیٹتی ہوئی بھاگی۔ کہ اے ہے۔ خاک پڑے ایسے جھگڑے پر لو اب تو دشمنوں کو ٹھنڈک پڑی وہ بیوی نے افیون کھالی۔ اتنے میں تو غیرت بیگم بھی کوٹھڑی سے کہتی ہوئی نکلی کہ بھائی تم کچھ تردد مت کرو' مجھ بری سے خدا نے تم سب کا پیچھا چھڑایا' صبح تک میں ہی نہیں رہوں گی کوتوال کو اختیار ہے میرا مُردہ لے جا کر کوتوالی میں دفن کرے۔ زہر خورانی کا ایک مقدمہ تو قائم تھا ہی اقدام خودکشی کا دوسرا اور ہوا۔ معصوم اور بتول دونوں کو گلے لگا کر ایسی بلک بلک کر روئی کہ گھر میں قیامت برپا ہوگئی۔ ناظر نے جو بہن کا بلبلانا دیکھا اور ساتھ ہی خیال آیا کہ بس یہ بھی دنیا میں تھوڑی دیر کی مہمان اور ہے پھر کہاں ہم اور کہاں بہن اس کے سر پر ایسا جنون سوار ہوا کہ نہ پکارا نہ کنڈی کھڑکھڑائی نہ دستک دی نہ اجازت لی' منہ اٹھا سیدھا چھوٹے گھر میں جا گھسا' دونوں میاں بیوی سر جوڑے بیٹھے ہوئے خدا جانے کیا صلاحیں کر رہے تھے۔ مبتلا نے آہٹ پا کر دور سے ڈانٹا ایں یہ کیا بدتمیزی ہے' اندھے ہو تم کو معلوم نہیں کہ پردہ ہے۔ اس مرتبہ بہن کو مداخلت بے جا کی نالش پر آمادہ کرتے تھے۔ اب یہ مداخلت بے جا نہیں ہے۔ ''ناظر'' اللہ رے تیرا پردہ' نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی یہی نالائق پردے والی بنی تو پردے والی نے افیون کھائی اور دنیا جہان سے روپوش ہونے کی تیاری کی۔ ''مبتلا'' الحمدللہ خس کم جہاں پاک۔ مگر تم خیریت سے چلتے پھرتے تو نظر آؤ سامنے سے پرے ہٹتے ہو یا میں اٹھ کر تم کو رستہ دکھاؤں۔'' مبتلا کا اتنا کہنا تھا کہ ناظر یا تو صحن میں تھا یا مبتلا کی چھاتی پر پھر تو دونوں میں خوب کشتی ہوئی' ناظر دیہات میں پیدا ہوا۔ دیہات میں پلا ہاتھ

Marfat.com

پاؤں کا ڈھلا گھٹیلا برسوں اکھاڑے کا لڑا ہوا بیسیوں داؤ یاد۔ پچاسوں گھاتیں معلوم سینکڑوں پیچ رواں اور اب تک بھی دو وقت ڈنڈ مگدر کبھی اس نے ناغہ ہونے نہیں دیئے۔ مبتلا بے چارے نازنین میر پھوپھا مرزا مہین ناظر نے وہ پٹخیاں دیں اور ایسا رگڑا کہ آنکھیں نکل نکل پڑیں اور سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے۔ مبتلا کے پاس پھیکتی پکتی کل جمع تین حربے چٹکیاں لینا نوچنا کاٹنا سو ناظر کی پھرتی کے مقابلہ میں ایک بھی کارگر نہ ہوا۔ مبتلا کو اگر معلوم ہوتا کہ یہ کم بخت چھوٹا کھوٹا چھپا رستم ایسے غضب کا بچھا ہوا ہے تو کبھی بھول کر بھی اس سے دو بدو نہ ہوتا مگر اس کی تقدیر میں تو دو بیبیاں کر کے ہر طرح کی مصیبت اٹھانی تھی چھوٹا سمجھ کر اس کو ایک ڈانٹ بتائی بیٹھے بٹھائے اور اپنی سعادت گنوائی ہریالی نے دیکھا کہ میاں کو ناظر گیند کی طرح اچھالے اچھالے پڑا پھرتا ہے۔ یہاں سے اٹھایا اور وہاں دے مارا۔ ادھر سے اچھالا ادھر لا پٹکا ایسی دہشت دل میں سمائی کہ اس کا حمل جس کے سبب سے اتنا سارا فساد ہوا ساقط ہو گیا۔ ناظر کیا مبتلا جیتا چھوڑتا وہ تو خدا کا کرنا عین وقت سید حاضر آ پہنچے دیکھا تو گھر میں مجموعہ تعزیرات ہند پھیلا پڑا ہے مگر کیا قائم مزاج آدمی تھا آتے کے ساتھ سب سے پہلے تو ناظر اور مبتلا کو چھڑایا پھر نمک ڈال بھر بھر لوٹے گرم پانی غیرت بیگم کو پلانا شروع کیا۔ غیرت بیگم اس طرح کی ضدی عورت تھی کہ اگر ساری دنیا ایک طرف ہوتی تو گرم پانی کا کٹورا منہ کو نہ لگانے دیتی مگر کچھ تو بڑے بھائی کا لحاظ اور ادھر چپکے سے کسی نے کان میں جھک کر کہہ دیا کہ مبارک ہو ہریالی کا حمل تو گر گیا۔ بے عذر خوب ڈگڈگا کر پانی پی لیا۔ پانی کا حلق سے اترنا تھا کہ استفراغ ہوا اور استفراغ کے ساتھ کھٹ سے افیون کا گولا سموچے کا سموچا نکل کر الگ جا پڑا۔ ادھر ہریالی کی خدمت کے لئے دوہری دوہری دائیاں بلوائیں اور پھر مبتلا اور ناظر دونوں کو ساتھ لے جا کر بیٹھا کہ ہر چند تم دونوں کی طبیعتیں اس وقت حاضر نہیں اور سچ تو یہ ہے کہ مزاج میرا بھی ٹھکانے نہیں مگر میں دیکھتا ہوں تو آدھی رات ڈھل چکی ہے۔ صرف سوا پہر کی مہلت ہے۔ سامان تو بدقسمتی سے ایسا جمع ہوا ہے کہ اب آبرو بچتی ہوئی نظر نہیں آتی اور

Marfat.com

جب آبرو پر بنی تو سب سے پہلے شخص جو جان دینے میں دریغ نہ کرے میں ہوں دیکھو تو کتنے آدمی ہم لوگوں کے ملاقاتی ہیں مگر ہمدردی اور مدد تو درکنار مرد عورت کوئی آ کر بھی جھانکا۔ سچ کہا ہے گاڑی بھر آشنائی کام کی نہیں اور رتی بھر ناتا کام آتا ہے۔ بڑے سخت افسوس کی بات ہے کہ جب ناتے سے کام لینے کا وقت آیا تو تم لوگ آپس ہی میں لڑنے لگے جس طرح پر تم دونوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ میں سب سن چکا ہوں تم میں سے کسی کو مجھ سے توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ میں ایک کو ملزم ٹھہراؤں اور دوسرے کو بری۔ جس طرح تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی اسی طرح لڑائی کبھی ایک کے لڑنے سے نہیں لڑی جاتی۔ میں تم دونوں کو برا الزام دیتا ہوں لیکن رشتہ داروں میں اگر کسی بات پر جھگڑا بھی ہو جاتی ہے تاہم ان کے خون ملے ہوئے ہیں وہ ظاہر میں جدا ہیں اور باطن میں ایک۔ غیرت بیگم کا افیون کھا لینا سن کر مبتلا بھائی کو منہ سے الحمدللہ کہہ دینا بہت آسان تھا لیکن جب غیرت بیگم کی مدت حیات پوری ہو اور خدا کرے کہ مبتلا بھائی اس کو اپنے ہاتھوں سے مٹی دیں تو دنیا میں سب سے بڑھ کر رنج کرنے والے بھی یہی ہوں گے گھر کس کا برباد ہوگا ان کا۔ اولاد کس کی بے ماں کی ماری ماری پھرے گی' ان کی' کنبے والوں کا میل ملاپ کس سے چھوٹ جائے گا' ان سے بھلے مانسوں میں جو خانہ داری کے ساتھ ہوتی ہے۔ یعنی تمدنی عزت وہ کہیں کی جاتی رہے گی ان کی۔ اس میں شک نہیں چھوٹی بھاوج کی وجہ سے دلوں میں بڑے فرق پڑ گئے ہیں۔ اور پڑنے ضرور تھے مگر پھر بھی غیرت بیگم کی ناموس کا پاس ہم کو چھٹانک بھر تو مبتلا بھائی کو سیر بھر ہوگا۔ میں جانتا ہوں کہ مبتلا بھائی بڑے ضبط کے آدمی ہیں۔ منہ سے نہیں کہتے مگر ان کے تلوؤں سے لگی ہے۔ ناظر کیا تم سے کوئی خیر کی توقع کرے گا۔ جب تم ایسی مصیبت میں مبتلا بھائی کی مدد نہ کرو۔ ہزاروں مقدموں میں تم بہ طمع صلہ پیروی کرتے ہو اس ایک مقدمے میں صلہ رحم کو صلہ سمجھو اور میری خاطر سے اپنی بہن کی خاطر سے بھانجے بھانجی کی خاطر سے غصے کو تھوک کر بچاؤ کی کوئی صورت نکالو اور تم مبتلا

Marfat.com

بھائی از برائے خدا رحم کرو اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر' بزرگوں کے نام پر خاندان کی عزت پر تم کو معاملات مقدمات کا کبھی اتفاق نہیں پڑا۔ کوتوالی والے مدت سے تم پر دانت لگائے ہیں۔ خدا جانے کس بلا میں تم کو پھنسا دیں گے۔ ناظر تمہارا خورد ہے۔ اگر اس نے بے تمیزی کی تو بہت برا کیا۔ جھک مارا میں اس کی طرف سے معذرت کرتا اور تمہاری ٹھوڑی میں ہاتھ ڈالتا ہوں۔ جانے دو معاف کرو۔ اس کے بعد ناظر کو پکڑ کر مبتلا کے پیروں پر گرایا اور ناظر اور مبتلا دونوں کو گلے لگوایا۔ وہ دونوں بھی ایک دوسرے سے مل کر روئے۔ حاضر بہن کی تباہی کا تصور کر کے مغموم تو پہلے سے تھا اب ان کو روتا دیکھ کر آپ بھی رونے لگا۔ جب سب کے دلوں کی بھڑاس نکل چکی تو حاضر نے ناظر سے پوچھا کیوں بھائی اب کیا کرنا چاہئے؟ ناظر۔ خیر اب آپ فرماتے ہیں اور آپ کا قدم درمیان میں ہے تو میں اس مقدمہ میں ہاتھ ڈالتا ہوں مگر مبتلا بھائی نے آج اس رنڈی کے سامنے (آپ برا مانیں یا بھلا مانیں میں تو اس کو ساری عمر بھاوج کہنے والا نہیں) جیسا ذلیل کیا ہے کہ میں اس رنج کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ جب آپا نے میرے بیٹھے پر افیون کھائی تو میں گھبرا کر اس غرض سے ان کے پاس دوڑا ہوا گیا تھا کہ ہم دونوں ہم صلاح ہو کر تدبیر کریں۔ انہوں نے مجھ کو دروازہ میں سے دیکھ کر اس طرح دھتکارا کہ کوئی کتے کو بھی نہیں دھتکارتا' مجھ کو رہ رہ کر غصہ آتا ہے کہ انہوں نے تو شرم اور حیا سب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ یا آپ کے سامنے میرا منہ کھلواتے ہیں۔ کل کی بات ہے کہ یہی نالائق جو آج بڑا لمبا چوڑا پردہ لگا کر بیٹھی ہے (بے اختیار جی چاہتا ہے کہ مارے جوتیوں کے بدذات کے سر پر ایک بال باقی نہ رکھوں) ٹکے ٹکے پر ماری ماری پڑی پھرتی تھی اور کوئی اس پر تھوکتا بھی نہ تھا۔ ان ہی سے پوچھئے کہ کئی بار میرے یہاں اس کا مجرا ہوا۔ جب آتی تھی ڈیوڑھی میں سے فراشی سلام' یا اب اس کو یہ بھاگ لگے ہیں کہ ہمارے سامنے ہونے سے اس کی بے پردگی ہوتی ہے۔ عزت بنانے سے نہیں بنتی بلکہ خداداد چیز ہے۔ آج یہ پردہ نشین بنی کل کو

Marfat.com

سیدانی بن کر چاہے گی کہ ہماری ماؤں بہنوں کے ساتھ بیوی کی صحنک کھائے۔ پرسوں اس کے بال بچے اور کہے گی کہ سیدوں میں رشتہ ناتہ کرتی ہوں تو کوئی بھلا مانس اس کو جائز رکھے گا۔ یہ جو کچھ آپ دیکھ رہے ہیں سب ہماری آپا کا صبر پڑ رہا ہے۔ اور بھی کیا ہے مظلہ تو مبتلا بھائی کو ایسے ناچ نچائے گا کہ ہریالی کو ساری عمر ایسا ناچ ناچنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا۔ ناظر تو باتوں باتوں میں گرم ہو جاتا تھا اور مبتلا کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں کہ اگر اب کے پھر کہیں یہ جن لپٹ پڑا تو ہڈی پسلی ایک کر کے رکھ دے گا۔ حاضر کے بیٹھنے کی اگر ڈھارس نہ ہوتو قریب تھا کہ مبتلا کی گھگھی بندھ جائے۔ بارے حاضر نے کہا بھائی ناظر یہ تو تم پھر بگاڑ کی سی باتیں کرتے ہو۔ یہ سوچ ہے کہ مبتلا بھائی کی نادانی نے سارے گھر کو تہ و بالا کر دیا مگر یہ بھی تو نہیں ہوسکتا کہ ہم غیروں کی طرح دوڑ کھڑے ہوئے تماشا دیکھیں۔ ''ناظر'' یہ تو میں نے وہ حقیقت بیان کی جو میرے دل میں تھی رہ گیا مقدمہ اس سے آپ اطمینان رکھئے' مبتلا بھائی کو روپیہ تو بہت خرچ کرنا پڑے گا۔ ایسا کوئی پانچ چھ ہزار مگر خدا نے چاہا تو ان پر اور ان کے طفیل میں ہریالی پر کوئی گزند نہیں آنے پائے گا۔ اس وقت تک مبتلا کو مقدمہ کی واقعی روداد اور کوتوالی کی تحقیقات سے اپنی اور ہریالی دونوں کی طرف سے پورا اطمینان تھا اور دونوں اپنی جگہ خوش تھے کہ چاہ کن را چاہ در پیش۔ سنکھیا اسی غرض سے ہم دونوں کھائیں اور مر کر رہ جائیں۔ خدا کی قدرت ہم دونوں کے منہ پر رکھنے کی نوبت بھی نہیں آئی۔ اور اوپر ہی اوپر ماما کے بیٹے نے جا سرکار میں خبر پہنچائی۔ اب لینے کے دینے پڑے۔ غیرت بیگم کو پھانسی ہو تو پھانسی عمر قید میں تو شک ہی نہیں چلو سستے چھوٹے اور روز کا ٹنٹا مٹا۔ ناظر کے منہ سے یہ کلام سن کر کہ پانچ چھ ہزار روپیہ خرچ کرو تو تم پر گزند نہیں آنے پائے گا۔ مبتلا تو حیران ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا اور بے اختیار بھول اٹھا کیوں صاحب۔ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے مجھی کو زہر دیا جائے اور میں ہی گزند سے بچنے کے لئے پانچ چھ ہزار روپیہ بھی خرچ کروں۔ کیا انگریز کی عمل داری میں یہی انصاف

Marfat.com

ہے۔ ''ناظر'' ہوش کی بنواؤ تماش بینی اور شے ہے اور مقدمہ کی باریکی کو پہنچنا کچھ اور چیز ہے۔ تم کو اتنا تو معلوم ہی نہیں کہ معاملہ کس کو کہتے اور مقدمہ کس جانور کا نام ہے۔ میں تو زبان دے چکا ہوں اور بدعہدی کسی شریف آدمی کا کام نہیں اس لئے چند تہہ کی باتیں تم کو سمجھاتا ہوں کوتوالی کی تحقیقات کو تو عدالت میں کوئی پوچھتا تک نہیں روداد وہی معتبر ہے جو عدالت کی مثل میں ہو۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کوتوالی کے لوگ زبانی پوچھ گچھ کے سوا کسی کا اظہار تک قلم بند کر نہیں سکتے۔ اصل بات یہ ہے کہ پہلے کوتوالی اور فوجداری ایک تھی جب یہ لوگ لگے اظہار کارگزاری کے لئے ہر واردات بے سراغ کے لئے مجرم بنانے اور اصل مجرموں سے سازش کر کے بے گناہوں کو ناحق پھنسانے تو سرکار نے کوتوالی اور فوجداری کو الگ کر دیا۔ اب تو کوتوالی والوں کا اتنا ہی اختیار ہے کہ جس کو اپنے نزدیک مجرم سمجھیں حاکم عدالت کے پاس چالان کر دیں۔ حاکم عدالت مدعی اور مدعا علیہ گواہوں کے اظہار قلم بند کرتا ہے اور اپنے یہاں کی روداد پر سزا یا رہا کرتا ہے۔ کوتوالی والے اناپ شناپ جس کو پکڑ کر پاتے ہیں چالان کر دیتے ہیں عدالت میں گئے اور رہا ہوئے اور ہمارے صاحب مجسٹریٹ کوتوالی سے اس قدر بدظن ہیں کہ مجسٹریٹی کا اجلاس کرتے ہوئے پورا برس نہیں اتنے ہی دنوں میں کوتوالی والوں سے جیل خانہ بھر دیا۔ غرض کوتوال اور ان کی تحقیقات کی تو کچھ بھی حقیقت نہیں۔ اب رہ گئی مقدمے کی روداد سو اس کا یہ حال ہے کہ سنکھیا حقیقت میں پکڑی گئی۔ ہریالی کے یہاں پس مدعا علیہ اول ہوئی ہریالی اور پہلے اسی پر اشتباہ کیا جائے گا کہ اسی نے فیرنی میں ڈالی یا ڈلوائی۔ ''مبتلا'' بھلا وہ کم بخت بدنصیب کس کو سنکھیا دینے اٹھی تھی اپنے تئیں یا مجھ کو یا اپنی ماما کو جو سال با سال سے نوکر ہے اور کبھی اس کو پھٹے منہ تک نہیں کہا یا اپنے پالے ہوئے جانوروں کی تو بات الگ ہے لیکن دوسرے احتمالات میں تو کوئی استبعاد کی بات نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے زہر دینا چاہا ہو تو عجب نہیں بازاری خلقت کا بھروسہ کیا خدا جانے اس نے کیا سمجھ کر تم

Marfat.com

سے نکاح پڑھوایا اور اب جو اس کی مراد بر نہ آئی تو اس نے اپنا پنڈ چھڑانے کے لئے یہ تدبیر کی۔ اگر وہ اپنی حالت سابقہ پر عود کرنے کی آرزومند ہو تو اس سے کچھ دور نہیں۔ ماما تم خود کہتے ہو کہ اس کے پاس مدت سے ہے تو ضرور اس کے پچھلے حالات سے بخوبی واقف ہوگی اور عداوت کے لئے اتنی بات کافی ہے اور سنکھیا کے لئے تمہاری اور ہریالی ماما کی کیا تخصیص ہے۔ معصوم سارے سارے دن ہریالی کے یہاں رہتا ہے وہ یقیناً اس کی جان کی دشمن ہے۔ ان کے علاوہ احتمال اور ہے اور وہ سب میں زیادہ قرین قیاس ہے کہ آپا کے پھنسانے کے لئے یہ سارا منصوبہ سوچا گیا ہے ورنہ سبب کیا کہ جانوروں تک فیرنی کھلائے اور آپ منہ تک نہ لے جائے۔ اور بدذات نے کیا چالاکی اور بے رحمی کی ہے کہ بے زیادہ جانوروں کو تو اتنی فیرنی ٹھسائی کہ ایک نہ بچا لہو لگا شہیدوں میں داخل کیا۔ گھوسن کی گواہی پر کچھ لحاظ نہ ہوگا؟ ''ناظر'' کیا معلوم کہ عدالت تک پہنچتے پہنچتے گھوسن اپنے بیان پر قائم بھی رہتی ہے یا نہیں اور فرض کرو قائم رہے تو اس نے تو سنکھیا کا نام تک بھی نہیں لیا بلکہ میری نظر سے دیکھو تو گھوسن کا بیان ہریالی کے حق میں سم قاتل ہے' وہ کہتی ہے کہ خاتون نے مجھ کو دودھ کی ہنڈیا واپس کر دی۔ بہت خوب۔ ہریالی نے جب یہ سن لیا تھا کہ بڑے گھر سے دودھ برا سمجھ کر واپس کیا گیا تو اس نے چپ چپاتے ضرورت سے زیادہ بھری کی بھری ہنڈیا رکھ کیوں لی۔ بس یہیں تو پانی مرتا ہے اس سے صاف شبہ ہوتا ہے کہ ہریالی نے گھوسن سے مل کر اسی کے گھر دودھ میں سنکھیا گھلوائی اور جب خاتون دھوکے میں آئی تو دوسری چال چلی اور طرہ یہ بھی سمجھ لو کہ ہریالی اور تم دو نہیں ہو' ہریالی کا کرنا میں تمہارا کرتا ہے اور ابھی خاتون کے بیان کی تو نوبت آنے دو دیکھو تو وہ کیا زہر اگلتی ہے۔ کوتوالی والوں کی کارروائی میں فی الواقع ہمیشہ ایک بڑا نقص یہ ہوتا ہے کہ تحقیقات سے پہلے مقدمہ کو کسی ایک پہلو پر ڈھال لے جاتے ہیں اور پھر بااصرار اخیر تک اسی پہلو کی تائید میں لگے رہتے ہیں جو باتیں میں نے تم سے سرسری طور پر بیان کی ہیں' ان میں سے ایک

Marfat.com

کی طرف بھی کوتوال صاحب کا ذہن منتقل نہ ہوا ہوگا اور ہم لوگوں کو تو باتیں حاکم کی میز پر سوجھتی ہیں' عین وقت پر کچھ اس طرح کا بہرہ کھل جاتا ہے کہ خود بخود بات میں سے بات نکلی چلی آتی ہے۔ مبتلا کی ساری ہمت تمام عمر رہی مصروف حسن و عشق میں مدعی اور مدعا علیہ بنا در کنار اور اس کو کبھی گواہی دینے کا بھی اتفاق نہیں پڑا۔ بچپن کا لاڈلا جوانی کا چھیلا وہ وکیلوں کے چہل فریب کیا سمجھے۔ ناظر نے جو الٹی سیدھی باتیں سمجھائیں چھکے ہی تو چھوٹ گئے اور سمجھا کہ بس اب نہیں بچتا سنکھیا کا غصہ ہریالی کا رنج اپنی چوٹ۔ اگلے پچھلے گلے شکوے سب کچھ بھلا بسرا ناظر کے گلے سے لپٹ گیا کہ بس اب اوپر خدا ہے اور نیچے تم۔ چاہو مارو' چاہو اجاڑو' چاہو بساؤ۔ ''ناظر'' مقدمہ تو میری طرف آ گیا ہو اور سمجھو کہ مقدمہ کا میں بیمہ لے چکا خرچ کا بندوبست تم کرو۔ ''مبتلا'' خرچ کا بندوبست بھی تم ہی کو کرنا پڑے گا تم کو تو ہر گھر کا ذرا ذرا حال معلوم ہے۔ ''ناظر'' کیا مضائقہ خرچ کا بھی انتظام ہو جائے گا۔ ''مبتلا'' کوڑی کوڑی۔ ''ناظر'' خیر آپ دو رقعے میرے نام لکھئے ایک تو کل کی تاریخ میں کہ چوہوں کی جیسی کثرت ہے تم کو معلوم ہے اب تو یہ نوبت پہنچتی ہے کہ کھونٹیوں پر لٹکے ہوئے کپڑے کاٹ کاٹ کر ٹکڑے کئے ڈالتے ہیں' ناچار تھوڑی سنکھیا منگوائی پڑیا چھوٹے گھر کے بیچ والے دالان میں اس خیال سے کہ کسی کا ہاتھ نہ پڑے اونچے پر رکھوائی تھی' یہ ذکر کوئی سات یا آٹھ دن پہلے کا ہے کل کیا اتفاق ہوا کہ شام کے وقت ایک روپے کی کھانڈ کا پڑا آیا اور جیسا دستور ہے پڑے کے ساتھ نمونے کی پڑیا۔ سنکھیا کا تو خیال نہ تھا۔ کھانڈ کا پڑا اور پڑیا دونوں کو اسی طاق میں رکھوا دیا جس میں سنکھیا کی پڑیا تھی۔ آج خود گھر والی نے اپنے ہاتھ سے فیرنی میں کھانڈ ڈالی تو انہوں نے کہا پڑیا کی کھانڈ بھی کیوں ضائع ہو' پڑا اور پڑیا دونوں اتارتی لائیں مگر پڑیا سنکھیا کی باورچی خانے میں بھی دھوئیں کی وجہ سے کچھ دکھائی نہ دیا اور چونکہ دل میں کسی طرح کا کھٹکا نہ تھا۔ انہوں نے دیکھا بھی نہیں فیرنی پک کر تیار ہو گئی تو تھوڑی جانوروں کو دی جو گھر والی نے اپنے

Marfat.com

شوق کے لئے پال رکھے تھے اور جو دیگچی میں رہ گئی تھی ماما نے پونچھ کھائی۔ جانور تو مر گئے ماما کو کچھ دست آئے مگر بچ گئی کوتوالی کے لوگ مقدمہ کو طول دینا چاہتے ہیں تم مختار کارانہ اس کی خبر گیری کرو اور دوسرا رقعہ اب سے مہینے سوا مہینے جتنے دن پہلے کا چاہو لکھ دو کہ مجھ کو اتنے روپے کی ضرورت ہے جہاں سے بن پڑے بندوبست کر دو۔ بس اللہ اللہ خیر صلا' اور چین سے پیر پھیلا کر سو رہو۔ سنکھیا کے رقعے کا مضمون سن کر تو مبتلا کی عقل دنگ رہ گئی اور سمجھا کہ ناظر بھی بڑا ڈوبر کا بجھا ہوا ہے۔ دیکھو تو مغز سے بات اتاری ہے۔ ایسے شخص سے پار نے جا سکتا ہوں۔ میرا بچاؤ تو اسی میں ہے کہ جو یہ کہے اس میں ذرا کان نہ ہلاؤں۔ غرض اسی وقت دونوں رقعے لکھ ناظر کے ہاتھ دیئے اور پوچھا کہ بھلا صاحب اب صبح کوتوال صاحب آئیں تو کیا کرنا ہوگا؟ ناظر نے کہا اب بندہ درگاہ کے رہتے کوتوال صاحب کیا آتے نہیں' آب آمد تیمم برخاست اور اگر آئے بھی تو کوتوال بن کر نہیں نڈھال بدحال سراپا اضمحلال۔ ''مبتلا'' اور کیوں صاحب جیسا اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا اگر اس نے انگریز کو جو کوتوالی کا افسر ہے لا کھڑا کیا؟ ''ناظر'' او ہم سگ زد برادر شغال۔ باوجودیکہ ابھی جھٹ پٹا تھا ناظر فوراً سوار ہو سیدھا کوتوال کے پاس پہنچا کوتوال سمجھا کہ ایسے وقت آئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ضرور کچھ نہ کچھ بوہنی کرائیں گے۔ دور سے ہنس کر بولا آیئے آج تو سویرے ہی سویرے اچھے سخی کے درشن ہوئے۔ میں تو آپ کے یہاں آنے کو وردی پہن کر تیار لیس بیٹھا ہوں۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ سے سات بجے کا وعدہ ہے۔ ''ناظر'' کیا تیار بیٹھے ہو وہاں تو رات بڑا غضب ہو گیا۔ ''کوتوال'' کیا کوئی اور صاحب سنکھیا کھا کر شہید ہوئے۔ ناظر نہیں سنکھیا نہیں مگر آپ تو جانتے ہیں مبتلا بھائی کے گھر میں جو وہ دوسری عورت ہے پورے دنوں سے تھی کل نہیں معلوم آپ کے سپاہیوں نے اس کو کیا کیا ڈرایا دھمکایا طبیعت تو اس کی آپ کے رہتے ہی بگڑ چلی تھی' آپ ادھر آئے شاید کوتوالی بھی نہ پہنچ سکے ہوں گے کہ اس کا حمل ساقط ہو گیا۔ ساری رات اسی کے

Marfat.com

تردد میں پلک نہ جھپکی۔ خیر حمل تو حمل اب اس کی جان کے لالے پڑے ہیں۔ دیکھیے وہ بھی بچتی ہے یا نہیں۔ مبتلا بھائی کو اس عورت کے ساتھ اس درجہ کا تعشق ہے کہ جس وقت سے یہ واردات ہوئی ہے سارے گھر میں بولائے بولائے پڑے پھر رہے ہیں۔ وہ تو ڈاکٹر چنبیلی کو بلاتے تھے میں نے بہ ہزار مشکل روکا کہ انگریزوں کے کان پڑی ہوئی بات پھر اپنے قابو کی نہیں رہتی۔ ایک چھوڑ دو دو دائیاں بلوادی ہیں بارے اب کہیں جا کر کسی قدر طبیعت سنبھلی تو میں آپ کے پاس بھاگا ہوا آیا۔ میں تو رقعہ لکھنے کو تھا پھر خیال آیا کہ خدا جانے کس کے ہاتھ پڑے۔ آپ چل کر کہنا چاہئے۔ یہ کہنا تھا کہ کوتوال کو کاٹو تو بدن میں لہو کی بوند نہیں۔ گڑگڑا کر بولا آپ کے یہاں ہم تابعداروں کی مجال ہے کہ ذرائیں دھمکائیں یا کوئی خلاف قاعدہ کارروائی کریں۔ آپ جس وقت تشریف لائے ہیں آپ نے بھی دیکھا ہوگا کہ مردانے میں صرف دو ہی کانسٹیبل میرے ساتھ تھے' اور وہ دونوں بے چارے الگ اصطبل کے پاس کھڑے تھے۔ میں نے آپ کے آدمی وفادار کے ہاتھ ماماؤں اور لونڈیوں کو بلا بلا کر ہولے سے دو دو باتیں پوچھ لیں۔ اصل حقیقت تو یہ ہے اور ہم نے تو جس دن پولیس میں نام لکھوایا اسی دن سمجھ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن ضرور قید ہوں گے یہ ایسی تیسی نوکری ہی اس قسم کی ہے' کوئلوں کی دکانداری کہ بے کالا منہ ہوئے نہیں رہتا۔ بڑوں کا کہا اور آنولے کا کھایا پیچھے مزہ دیتا ہے۔ لالہ جی۔ بہتیرا سر پٹکتے رہے کہ ہم لوگ ٹھہرے لکھنی چند ہم کو سپاہیوں کا بھیس سزاوار نہیں۔ ہرکارے وہر مردے اس وقت ان کی بات کچھ دھیان میں نہ آئی سو اپنے کئے کی سزا پائی۔ ''ناظر'' یہ میں خوب جانتا ہوں کہ آپ نے بے جا کارروائی نہیں کی ہوگی۔ آدمی کا حال چھپا نہیں رہتا۔ سارا شہر آپ کا مداح ہے۔ اور اگر آپ احتیاط نہ کرتے تو اتنے کو کوتوالی کا چلنا بھی محال تھا خصوصاً صاحب مجسٹریٹ حال کے وقت میں مگر عورتیں تو جیسی ڈرپوک اور کچے دل کی ہوتی ہیں آپ خوب جانتے ہیں۔ آپ کا ہی آناسن کر ان کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئی ہوں گے اور

Marfat.com

پھر کسی سپاہی نے کوئی ایک آدھ بات بھی کہہ دی ہوگی' حالت تو نازک تھی ہی اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوگیا۔ چھوٹے گھر میں تو خیر ایک واردات بھی ہوئی تھی کہ جانور مرے' ماما کو دست آئے' فرنی میں سنکھیا نکلی۔ بڑا گھر جس کو واردات سے کچھ بھی تعلق نہیں' وہاں کیا حال تھا۔ جا کر دیکھتا ہوں تو چولہا تک نہیں سلگا۔ وہ تو جب میں سمجھا کہ یہ کیا اس سے بڑی بڑی اتفاقی اور ناگہانی وارداتیں ہو جاتی ہیں' اور آخر کار مقدمہ داخل دفتر' تب سب کو تسلی ہوئی۔ ''کوتوال'' اتفاقی کیسی۔ تب ناظر نے مبتلا کا رقعہ دیا کہ وہ خونی دروازے میں جو ایک شخص نے اپنی آشنا کو دھتورہ کھلا کر مار ڈالا تھا اور شاید آپ ہی نے اس مقدمہ کی بھی تحقیقات کی تھی کل اس کی پیشی تھی اور میں مدعا علیہ کا وکیل تھا۔ آپ کے اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ بھی سرکار کی طرف سے پیروی کے لئے موجود تھے۔ بڑے بڑے مباحثے رہے آخر ساڑھے چار بجتے بجتے مدعا علیہ کی رہائی ہوئی ہاں تو یہ رقعہ مجھ کو عین اجلاس پر ملا تھا اور اس کو دیکھ کر میں کچہری سے سیدھا وہیں چلا گیا۔ کوتوال نے رقعہ پڑھا تو مقدمہ کی طرف سے بھی اس کی آس ٹوٹ گئی۔ کمر سے کرچ کھول ناظر کے پیروں میں رکھ دی کہ نوکری تو یہ حاضر ہے خدا واسطے کو ایک اتنا سلوک کیجئے کہ عزت پر ہاتھ نہ ڈالئے۔ ناظر نے بہت تسلی کی کہ بھلا اتنا تو سمجھئے کہ اگر میرے دل میں کچھ فساد ہوتا تو میں اس سویرے اندھیرے منہ آپ کے پاس دوڑا ہوا کیوں آتا۔ خیر جو کچھ ہونا تھا سو ہوا۔ میں جس طرح بن پڑے گا مبتلا بھائی کو سمجھا لوں گا۔ جب سے انہوں نے دوسری عورت کر لی ہے ذرا تنگ دست رہتے ہیں یہی نہ کہ دو اور رہن کا رخ اور اوپر سے سو دو سو روپیہ اور ان کو دے دیا جائے گا اور ہاں سنکھیا کے مقدمے میں آپ ان کو کچھ زیادہ چھیڑ چھاڑ نہ کیجئے گا۔ اس میں کچھ ہوتا ہوا تا بھی نہیں۔ ناظر چلنے لگا تو کوتوال نے کہا پھر اس کرچ کو تو آپ اپنے ہاتھ سے باندھ دیں گے تو میں کمر سے لگا لوں گا ورنہ جہاں پڑی ہے' پڑی رہے گی۔ ناظر نے جلدی سے کرچ اٹھا بسم اللہ کر کے کوتوال کی کمر سے باندھی گویا اپنی طرف سے کوتوالی

Marfat.com

دی۔کوتوال نے کہا بس اب ہاتھ پکڑنے کی لاج آپ کو کرنی ہوگی۔صاحب سپرنٹنڈنٹ کو وہاں ایک اور ضرورت پیش آ گئی کہ کسی انگریز کے یہاں سوڈا واٹر کی ایک دو بھی نہیں' اکٹھی آدھی درجن بوتلیں چوری ہوگئیں۔صاحب نے چٹھی لکھی اور سپرنٹنڈنٹ صاحب اس کی تحقیقات کو بھاگے گئے' کوتوال سے کہلا بھیجا ہمارا آنا نہیں ہوسکتا پھر کوئی پندرہ بیس دن بعد خود سپرنٹنڈنٹ صاحب ہی کو خیال آیا تو پوچھا کیوں کوتوال صاحب وہ کسی وکیل صاحب کے یہاں کی زہر خورانی کا آپ نے تذکرہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔کوتوال نے کہا حضور فدوی نے تو اگلے ہی دن ۳۰۲ نمبر کا روزنامچہ خاص بھیج دیا تھا کہ واردات اتفاقی ہے بات رفت وگزشت ہوئی۔ دو چار دن تو مبتلا کو کھٹکا رہا پھر اس نے دیکھا کہ کوتوالی والوں میں سے کسی نے آ کر بھی نہ جھانکا تو اس کو یقین ہوا کہ ناظر کو حکام کے مزاج میں کچھ اس طرح کا دخور ہے' کہ آج جو چاہے سو کر گزرے' ناظر نے اس مقدمے میں اچھی بردباری کی ہزار روپے تو چپکے سے اس نے وہ اگلوائے جو خاتون کتنی غیرت بیگم کو بہکا پھسلا کر لے اڑی تھی اور رقعے کے بدلے مبتلا سے اس کے حصے کی دکانوں کا قطعی بیع نامہ اپنے نام لکھوالیا اور پھر سب میں سرخرو۔اب بیچارے مبتلا کے پاس پینسٹھ روپے ماہوار کی جگہ صرف ستائیس روپے مہینے کی نری تنخواہیں رہ گئیں۔وہ کس طرح کہ کوئی چھٹے مہینے آدھی پاؤ وصول ہوتی تو کوئی برس بعد اور کوئی مار میں بھی آ گئی اور غیرت بیگم کی یہ تاکید کہ بھلا کوئی ایک لوٹا پانی تو اس کے گھر میں سے مبتلا کو دے دیکھے' غیرت بیگم کے یہاں پہلے ہی مبتلا کی کون سی قدر کی جاتی تھی' اب جس دن سے یہ معاملے مقدمے کھڑے ہوئے رہا سہا اور بھی نظروں سے گر گیا۔ پہلے بے رخی تھی۔ رفتہ رفتہ بدمزاجی ہوئی۔ بدمزاجی سے بددماغی کی نوبت پہنچ گئی بلکہ طرز مدارات سے ایسا مستنبط ہونے لگا کہ سید حاضر نے جو ایک دن بیچ کے آنے کا معمول باندھ دیا تھا اب مبتلا کو اتنا آنا بھی گوارا نہیں۔غیرت بیگم کو مبتلا سے بات چیت کیے ہوئے برسوں گزر گئے تھے' لونڈیاں ماما ئیں میاں کا اتنا لحاظ کرتی تھیں کہ باری کے دن بچھونا صاف کر دیا۔ جب تک گھر میں بیٹھے حقے کی خبر رکھی کھانے کو

Marfat.com

پوچھ لیا اور اب مقدموں کے بعد سے تو ان باتوں میں بھی مضائقہ ہونے لگا۔ مبتلا لاکھ گیا گزرا تھا مگر آخر تھا تو صاحب خانہ یہ بے وقری دیکھ کر وہ بڑے گھر کی باری کو تپ لرزہ کی باری سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ مگر حاضر ناظر سے اس قدر ڈرتا تھا جیسے مردہ نکیرین سے۔ ناخواستہ دل آتا اور برخاستہ خاطر رہتا۔ ایسی ایسی سنگین وارداتیں گھر میں ہو جائیں اور کسی کی نکسیر تک نہ پھوٹے، غیرت بیگم اور بھی بے محابا ہو کر لگی بادل کی طرح گرجنے اور بجلی کی طرح کڑکنے۔ سقہ اور دھوبی اور حلال خور وغیرہ جتنے اہل خدمت تھے ان تک کی بندی ہو گئی کہ چھوٹے گھر کا کام نہ کرنے پائیں۔ ناچار گلی کی طرف کا قدیم دروازہ جو مدتوں سے بند تھا تیغا توڑ کر کھولا تب کام چلا۔

Marfat.com

فصل چوبیسویں

# مبتلا اور ہریالی کا بگاڑ

جب تک باتوں کا زبانی جمع وخرچ رہا کہ غیرت بیگم نے اپنے گھر میں کوس کاٹ لیا اور ہریالی نے اپنی جگہ پکار پکار کر نہیں تو چپکے سے جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا تب تک اگر سچ پوچھو تو ہریالی کی جیت تھی کیونکہ مبتلا اس کے پلے پر تھا اور آمدنی کے حساب سے دونوں گھر برابر برابر۔ اب جو پینسٹھ کے رہ گئے ستائیس تو اس کا ایمان ڈگمگا چلا اور مبتلا سے ادھر اکیلے گھر میں ساٹھ اور ادھر مردانہ زنانہ دو گھروں میں پینسٹھ نگوڑا پانچ روپے کا بل خدا جانے میں کیا کتر بیونت کرتی تھی کہ خیر گذر ہوتی چلی گئی۔ تم اپنے ہاتھ میں خرچ رکھتے ہوتے تو حقیقت کھلتی اور تمہارے بڑے گھر میں جاتی نہیں تو آخر سنتی تو ہوں کہ آدمیوں کو ابالی دال ملتی ہے اور وہ بھی ایک وقت بچوں کا سودا سلف تو درکنار کبھی آدھی کے چنے لے کر دیئے نصیب۔۔۔ نہیں ہوئے۔ اب تم نے پینسٹھ کے ستائیس کرائے ہیں تو تم ہی خرچ کا انتظام بھی کرو میں کوئی اپنی بوٹیاں کاٹ کاٹ تو کھلانے سے رہی۔ ''مبتلا۔ ''پینسٹھ کے ستائیس میں نے کرائے ہیں۔'' ''ہریالی جانے بلا تم نے کرائے ہیں یا انہوں نے جو تمہارے کچھ لگتے ہیں۔'' ''مبتلا تم ہی نے فیرنی پکا کر بیٹھے بٹھائے سارا فساد برپا کیا اور الٹ مجھ کو الاہنا دیتی ہو۔'' ''ہریالی'' مجھے خبر تھی کہ دشمنوں نے دودھ میں سنکھیا گھول کر میری جان لینے کا سامان کیا ہے۔'' ''مبتلا'' اسی کا تو پتہ نہ چل سکا کہ کس نے دودھ میں سنکھیا گھولی۔ ''ہریالی'' تو کیا میں نے گھولی۔ ''مبتلا'' ۔تم نے گھولی تو نہیں مگر تم پر تھپ گئی۔ ہریالی تم نے تھپوائی تو تھپی۔ ''مبتلا'' ایک نہ شود دو شود۔ مہینہ میں نے کم کرایا۔ سنکھیا کا الزام میں نے تم پر لگایا۔ میں ہی برا ہوں تو خدا برے کو موت دے۔ ''ہریالی'' خدا نہ

Marfat.com

کرے تم کیوں برے ہونے لگے۔ بری میں کہ تمہارے کارن گھر چھوڑا آرام چھوڑا اس کا یہ انعام ملا کہ تمہارے یہاں آ کر کوسنے سنے گالیاں کھائیں اور بے عزتی کا کوئی درجہ باقی نہ رہا۔ دو دفعہ جان کا خطرہ اٹھایا۔ مبتلا۔ ''تم کو معلوم تھا کہ میرے بیوی بچے ہیں' پھر نہ آئی ہوتی۔ کسی نے زبردستی کی تھی اور اب تمہارا جی چاہے تو اب چلی جاؤ۔ تم سے کسی نے کچھ چھین تو نہیں لیا۔ ''ہریالی'' ہاں ہاں میں کیا کرتی ہوں میں تمہاری بی بی کو جانتی تھی اور بچوں کا ہونا بھی معلوم تھا مگر مجھے خبر نہیں تھی کہ تم اس طرح کے خیر ہو کہ ناظر کی صورت دیکھنے سے تمہارے ہوش باختہ ہوتے ہیں اور میں اگر جاؤں گی اور جاؤں گی نہیں تو کیا مفت میں اپنی جان گنواؤں گی تو ناظر کو جو وکالت کے گھمنڈ میں بہت اکڑا ہوا پڑا پھرتا ہے اور اس مکار حاضر کو جو ہر مرتبہ بڑا مولوی بن کر وعظ کہنے کو آ بیٹھتا ہے اور تیری بھینا کوتوال کی جورو کو اور اس موئے کوتوال کو جس نے رشوتیں لے لے کر خون کے مقدموں کو ملیامیٹ کیا ہے اور سب کے ساتھ تجھ کو دنیا جہان میں الم نشرح کر کے جاؤں گی۔ میرا جانا کیا ایسا ہنسی ٹھٹھا ہے' میں نے تیرے پیچھے اپنے تئیں خاک میں ملا دیا اور آج تو نے اس کا یہ پھل دیا۔ لے اب دیکھ میرا تماشہ تیرا تو کیا منہ ہے مگر بلا اپنے حمائتوں کو کہ مجھے جاتی کو روکیں یہ کہہ کر ہریالی کھڑی ہو سیدھی دروازے کی طرف چلی بارے مبتلا نے ساری عمر میں ایک یہ بہادری تو کی کہ ان کو کوٹھڑی میں دھکیل جھٹ اوپر سے کنڈی لگا دی۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔ مبتلا تو ہریالی کو کوٹھڑی میں بند کر کے باہر چلا گیا۔ ہریالی کے پاس جو پرانی ماما تھی وہ تھی ایک طرح کی اس کی کٹنی اس نے ہریالی کو سمجھایا۔ بی بی مرد کا مزاج دیکھ کر بات کی جاتی ہے۔ اس کم بخت پر تو آپ ہی مصیبتیں پڑی ٹوٹ رہی ہیں تم اور چلیں گھاؤ میں اوپر سے مرچیں لگانے تھوڑے دن صبر کیا ہوتا وہ اپنے تئیں بیچتا' چوری کرتا کہیں نہ کہیں سے تمہارا بھرتا بھرتا اور اگر تمہاری مرضی جانے کی ہوگی تو اس کی سورا ہیں۔ ڈھنڈورا پیٹنا اور ڈھول بجانا کیا ضرور ہے۔ ادھر پان کے بہانے مبتلا کے پاس گئی

Marfat.com

اور اس سے کہا میاں برا کہو نصیحتی کرو سب تم کو پہنچتا ہے' پر منہ بھر کر یہ کہہ بیٹھنا کہ چلی جا تم ہی انصاف کرو' بڑی سخت بات ہے' خیر غصہ حرام ہوتا ہے۔ میاں بی بی کی لڑائی کیا اور میاں بی بی بھی تم جیسے کہ وہ تمہاری عاشق زار اور تم اس پر دل و جان سے نثار۔ اٹھو گھر میں چلو۔ بیوی کی بھی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔ اب میں نے اٹھا کر زبردستی پانی پلایا

-۷-

Marfat.com

## فصل پچیسویں

# مبتلا کی خانہ داری دونوں بیبیوں کے ساتھ کس طرح پر تھی

مبتلا اور ہریالی کی یہ لڑائی تو خیر ایک اتفاقی بات تھی مگر دیکھنا چاہئے ان میں باہمی ارتباط کس درجے کا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کے سمجھنے میں غلطی کی۔ ہریالی نے سمجھا تھا کہ یہ آدمی ہے حسن پرست۔ بیوی اس کو بھائی نہیں اور مجھ پر ہو رہا ہے لٹو۔ میں گئی نہیں اور اس کی بیوی سے تڑا چھڑا اپنے کھونٹے سے باندھا نہیں۔ یہاں آ کر دیکھا تو بیوی کو میاں کا خصم پایا کہ وہ اس کو اس طرح لپٹی ہے جیسے مکھی کو شہد۔ یہ بہتیری کوشش کرتا ہے کہ اس سے چھوٹ جاؤں مگر اور لتھڑتا چلا جاتا ہے' چاہئے تھا کہ مجبور سمجھ کر معذور رکھے۔ خود غرضی جبر و اختیار میں فرق کرنے نہیں دیتی تھی وہ کچھ کر نہیں سکتا تھا اور یہ جانتی تھی کہ اپنے بینے پن سے خود نہیں کرتا۔ وہ واری اور قربان تھی جب تک توقع میں جان تھی نا امیدی کا پیدا ہونا تھا کہ ساتھ رہنے سے اکھڑ گئی۔ مبتلا تو اول دن سے حسن صورت کے پیچھے ایسا فریفتہ تھا کہ خوب صورتی کے آگے حسب نسب سلیقہ ہنر عقل نیکی دینداری کسی چیز کو دیکھتا ہی نہ سنا۔ بیوی سے تھی اس کو نفرت چوٹوں کی طرح دو چار باررات کو ہریالی کے یہاں گیا آنکھوں میں کھپ گئی۔ نہ انجام سوچا نہ عاقبت کار پر نظر کی گھر میں لا بٹھایا مبتلا کے دل کو جو اچھی طرح سے ٹٹول کر دیکھا تو گھر میں آگے پیچھے ہریالی کی طرف اس کا اگلا سا رخ نہ تھا اول تو اس نے ہریالی کے جانچنے اور آنکنے ہی میں غلطی کی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہریالی خوب صورت تھی مگر نہ اس درجہ کی کہ مبتلا جیسا حسین آدمی اس پر مفتوں ہو۔ یونیورسٹی کی ڈگریاں اگر خوبصورتوں کو ملتی ہوتیں تو ہریالی ہماری بس ایف اے کے قابل تھی مگر مبتلا تو اس کو نکاح سے پہلے ایم اے کے درجے سمجھتا تھا۔ دوسری ایک وجہ یہ ہوئی کہ

Marfat.com

ہریالی کو ویسا بناؤ سنگار نہ تو اب میسر تھا اور نہ اس کا موقع تھا اور سب سے بڑا سبب تو ہمارے سمجھنے کو یہ تھا کہ کیسی ہی کوئی نعمت کیوں نہ ہو اس کی قدر طلب تک رہتی ہے۔ حاصل ہوئی اور اس کی منزلت گھٹی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انسان کو اس کا احساس بھی باقی نہیں رہتا کہ یہ نعمت کچھ نعمت بھی ہے یا نہیں۔ اگر غیرت بیگم کو ذرا بھی عقل ہو کہ خدمت اور اطاعت سے میاں کو اپنا کرنا چاہئے تو ہریالی کی اتنی بھی قدر نہ ہو یہ اپنی صورت کو آئینہ لئے بیٹھی چاٹا ہی کرے اور اندر باہر غیرت بیگم ہی غیرت بیگم رہے مگر وہ چال بری چلی۔ اس نے چاہا نکتوڑوں سے دباؤ بھائیوں کی حمایت سے مبتلا کے دل میں جگہ کر لی۔ نہ خوبصورتی کے برتے پر بلکہ سلیقے اور رضا جوئی کے بل پر غیرت بیگم کے جھگڑے مبتلا کو چین تو لینے دیتے ہی نہ تھے۔ وہ ہریالی کی خوشی کیا مناتا دونوں میں میل جور ہا مگر عاشق معشوقی کا سا نہیں بلکہ جیسا کہ عام طور پر میاں بیویوں میں ہوا کرتا ہے۔

Marfat.com

## فصل چھبیسویں

مبتلا نے تنگ ہو کر دونوں گھروں میں رہنا چھوڑا اور اس کی حالت یومأفیومأ ردی ہوتی گئی یہاں تک کہ ایک دن مر کر رہ گیا

جس شخص کی پینسٹھ کی آمدنی جا کر ستائیس کی رہ جائے اور وہ بھی غیر مقرر اسی کے دل سے پوچھنا چاہئے کہ اس پر کیا گزرتی ہوگی۔ تواتر مصائب اور ہجوم افکار نے مبتلا کو اس قدر تنگ مزاج کر دیا تھا کہ دنیا کی کوئی چیز اس کو بھلی نہیں لگتی تھی۔ اس کو ہریالی سے لڑائی کا ایک بہانہ مل گیا اور اس نے دونوں گھروں کا جانا کلیتاً موقوف کر دیا۔ سارے دن رات اٹوانٹی کھٹوانٹی لئے اکیلا مردانے میں پڑا رہتا تھا نہ خود کسی کے پاس جاتا اور نہ اپنے پاس کسی کے آنے کا روادار ہوتا۔ اگر اتفاق سے کوئی آنکلتا تو اس کی طرف مطلق ملتفت نہ ہوتا۔ اس رنج نے اس کو رہا سہا اور بھی اپچور کر دیا کہ دو دشمن اس کے اور تیار ہوئے۔ ناظر سے بڑھ کر معصوم اور غیرت بیگم سے زیادہ بتول۔ مبتلا اپنی طرف سے بہتیرا دونوں کو لپٹتا تھا مگر یہ دونوں اتنا بھی نہیں جانتے تھے کہ ہمارا باپ ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا کوسنا برا برا پس دونوں کے ذہن میں اس کی برائی ایسی راسخ ہوگئی تھی کہ ابا یا باوا یا باپ کہنا کیسا دونوں خاص طرح نام لیتے تھے۔ معصوم گالی کے اور بتول کوسنے کے ساتھ مبتلا نے جب دونوں گھروں سے ملول ہو کر مردانے میں رہنا اختیار کیا تو اس نے یہ خاصی تدبیر سوچی تھی' اگر ہو سکے' تو معصوم اور بتول دونوں کو ورنہ اکیلے معصوم کو خالی بیٹھا ہوا پڑھاؤں اور اسی طرح اپنا جی بہلاؤں مگر معصوم پٹھے پر ہاتھ تو دھرنے ہی نہیں دیتا تھا۔ مردانے مکان میں بے رونقی تو ہریالی کے ساتھ آ چکی تھی۔ اب تھوڑے ہی دن میں خاک اڑنے لگی جس

Marfat.com

مکان میں عمدہ اسباب کے اٹم لگے پڑے تھے اب اس میں کیا رہ گیا۔ بانوں کے چند جھلگنے۔ ایک کی چول ٹوٹی ہوئی ہے تو دوسرے میں ادوان نہیں' کسی کی پٹی لچکی ہوئی ہے تو کسی کے سیروے میں جان نہیں۔ شاید چھوٹی بڑی ملا کر چار یا پانچ چوکیاں وہ بھی بے جوڑ بوسیدہ بے مصرف نوکروں میں صرف ایک وفادار سودہ بھی کس طرح کہ یہاں سے تو اس کو کھانا تک نہیں ملتا تھا اور ملے کہاں سے دیں نہ دیں' یہاں سو بے چارے کے پلے ٹکا نہیں' دن کو مزدوری کرتا اور رات کو یہاں کی پائینتی آ کر پڑ رہتا۔ دنیا کا کوئی کام یا دین کا روزہ نماز ہو تو صبح و شام کا تفرقہ اور دن رات کا امتیاز ہو مبتلا کو سب وقت یکساں تھے۔ اس کو سونے جاگنے کھانے پینے کسی بات کا کوئی وقت ہی مقرر نہ تھا۔ جب دیکھو منہ اوندھا کئے چارپائی پر پڑا ہے۔ معلوم نہیں سوتا یا جاگتا ہے۔ اپنی تباہی کا خیال ہے کہ کسی وقت دل سے نہیں جاتا۔ جاگتا ہے تو اس کی سوچ ہے اور سوتا ہے تو اسی کا خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ کبھی اپنے پچھلے وقتوں کو یاد کرتا اور اس کے چہرے پر ایک طرح کی بشاشت آ جاتی تھوڑی دیر بعد خود بخود یکا یک چونکہ کر ادھر ادھر دیکھنے لگتا اور پھر اس کے منہ پر مردنی سی چھا جاتی' غیرت بیگم اور اس کے علاقہ داروں سے یہاں تک کہ اپنے بچوں سے تو اس کو مطلق ناامیدی تھی۔ وہ خوب سمجھ چکا تھا کہ اب کسی حالت میں جیتے جی ان لوگوں سے صفائی کا ہونا ممکن نہیں۔ رہ گیا قطع تعلق اس کے لئے چاہئے ہمت جرأت اور یہی باتیں اگر مبتلا میں ہوتیں تو یہاں تک نوبت ہی کیوں پہنچتی۔ قاعدہ ہے کہ جس پر پڑتی ہے اسی کی طبیعت خوب لڑتی ہے۔ رنجوں سے بچنے کا کون سا پہلو تھا جو مبتلا نے نہیں سوچا مگر جدھر جاتا تھا راہ نجات کو مسدود پاتا تھا۔ مارے غم کے وہ اس قدر نحیف و ناتوان ہو گیا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار' شاید چھینکنے سے اس کو غش آتا اور کھانسی کے ساتھ اس کا سانس اکھڑ جاتا۔ اللہ رے غیرت بیگم عورت ذات ہو کر اس قدر سخت دلی اور اس بلا کا غصہ کہ مبتلا گھلتے گھلتے چارپائی سے لگ گیا اور اس نے بھول کر بھی خبر نہیں لی۔ ہریالی تھی تو رزالی پر

Marfat.com

خیر دکھاوا ظاہر داری جو چاہو سمجھو بیسیوں بار تو اپنی ماما کو بھیجا اور آخر خود گئی ہر چند منت خوشامد کی مگر مبتلا تو اپنی زندگی سے ہاتھ دھوئے بیٹھا تھا ذرا نہ پتیایا۔ مبتلا خوب سمجھتا تھا کہ میں اس رنج سے جان بر نہیں ہوسکتا۔ اختلاج قلب تو اس کو مہینوں سے تھا۔ اب کسی وقت میں ایک طرح ہلکا ہلکا درد بھی اٹھنے لگا۔ تدبیر کچھ ہوئی نہیں دورے متواتر اور شدید ہونے لگے۔ آخر ایک دن ادھر آفتاب ڈوبتا تھا۔ ادھر یہ بے کس و بے نصیب دل کے درد سے کھری چارپائی نہ تکیہ نہ بچھونا تڑپ کر سرد ہوگیا۔

Marfat.com

## فصل ستائیسویں

# خاتمہ

ایک حسن پرستی کے پیچھے دنیا میں کیا کیا سختیاں اٹھائیں کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے۔ اپنایا بیگانہ مرنا تو سبھی کا قابل افسوس ہے مگر نہیں تو مبتلا کا۔ اس کا جینا قابل افسوس تھا اور مرنا قابل خوشی۔ کیونکہ مر کر وہ دنیا کی مصیبتوں سے تو چھوٹ گیا۔ مصیبتیں تو اس کے دم کے ساتھ تھیں۔ نہ مرتا اور مصیبت بھرتا پھر بھی ہم اس کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ دنیاوی ایذائیں اس کے گناہوں کا کفارہ ہوں اور بے چارہ مصیبت کا مارا حسن صورت کا بہت فریفتہ تھا۔ خدا اس کو جنت میں بہت سی حوریں دے بشرطیکہ غیرت بیگم اور ہریالی کی طرح آپس میں نہ لڑیں۔ عبرت کا مقام ہے۔ ایک چھوڑ دو دو بیبیاں موجود بیٹا موجود بیبی موجود بیبیوں کے نوکر چاکر موجود اور مرتے وقت منہ میں پانی ٹپکانے کو مبتلا کے پاس کوئی نہیں۔ کہیں پہر رات گئے وفادار محنت مزدوری سے فارغ ہو کر آیا اور اس نے پکارا تو میاں کو مرا ہوا پایا۔ چیخ اٹھا سارے محلے کو خبر ہوئی اور محلے والوں کے ساتھ محل کے لوگوں نے ہریالی کو دیکھا تو وہ اور اس کی ماما اور اسباب سب ندارد۔ گھر میں جھاڑو دی ہوئی پڑی ہے۔ نہیں معلوم ایسا کون کالا چور اس کو بھگا کر لے گیا کہ پھر اس کا پتہ نہ لگا۔ غیرت بیگم یا تو اس قدر میاں سے اکڑی رہتی تھی یا میاں کا مرنا سنتے ہی ایسا روئی اتنا پیٹی کہ بس خود میاں بیوی کی عاشق زار ہوگی وہ بھی اس سے زیادہ کیا روئے پیٹے گی۔ اب اس کو معلوم ہوا کہ میاں اس کا ظلم سہنے کے لئے سدا کو بیٹھا رہنے والا نہ تھا۔ وہ میاں کے مرنے پر اتنا نہیں روتی تھی جتنا اپنے ظلموں پر جن کی تلافی اب کچھ اس کے اختیار میں نہ تھی۔ روتے روتے دونوں آنکھوں میں ناسور پڑ گئے تھے۔ اور ہتھنی جیسا ڈیل ایسا سوکھا تھا کہ جیسے کانٹا۔ مبتلا کی چھ ماہی بھی نہیں ہونے پائی تھی کہ غیرت بیگم اسی رنج میں تمام ہوئی۔ مرتے مرتے وصیت کی کہ مجھ کو بتول کے باپ کی پائینتی دفن کرنا تاکہ اگر جیتے جی میں ان کے پاؤں نہ پڑ سکی تو خیر قبر میں ان کے پاؤں ہوں اور میرا سر۔ مبتلا کے مرنے پر تاریخیں اور مرثیے تو بہت لوگوں نے کہے مگر عارف کے مرثیے کے چند بند یاد رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

Marfat.com

# مرثیہ

دنیا عجیب مرحلہ بے ثبات ہے
ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
دن ہے تو دن کے بعد بلاشبہ رات ہے
جس کو فنا نہیں ہے وہی اک ذات ہے

بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمیں میں
لے جائے گی آخر یہ کھینچ کے زمیں میں

ایسا مکان بتاؤ کہ بن کر گرا نہ ہو
پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو
حاوت نہ ہو تو مدخل چون و چرا نہ ہو

فانی ہر چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

اعمال نیک ہیں تو زمرد کے ہیں قصور
خدمت میں لونڈیوں کی جگہ دست بستہ حور
ہر طور کا عیش تو ہر طرح کا سرور
یعنی خلاصہ یہ ہے کہ راضی ہوئے حضور

خوشنودیٔ خدا ہی عبادت کا دام ہے
جنت بھی اک رضائے الٰہی کا نام ہے

اور ہیں عمل برے تو ہوئی عاقبت خراب
ایذائیں طرح طرح کی اقسام کے عذاب

Marfat.com

اور سب سے بڑھ کر خالقِ کونین کا حساب
گر پوچھنے پر آئے تو کیا بن پڑے خواب

حق کو جو ناپسند ہو تف ایسے کام پر
مالک ہی خوش نہیں ہے تو لعنت غلام پر

توفیقِ کارِ نیک ہمیں اے کریم دے
دل میں صلاح دے ہمیں طبعِ سلیم دے
شوقِ سلوک جادۂ مستقیم دے
ایمان درمیانہ امید و بیم دے

ہم کو نہیں ہے بحث عذاب و ثواب سے
تیری رضا ملے ہمیں تیری جناب سے

اٹھ جائے دل کی آنکھ سے اسباب کا حجاب
دنیا دکھائی دینے لگے نقشِ سطحِ آب
ذرے میں رونما ہو حقیقت کا انتخاب
لاریب فیہ ہو خیر ذالک الکتاب

کھل جائے اصل رازِ حیات و ممات کا
ہو ایک حال ماضی و مستقبلات کا

دل لوث حبِ دولتِ دنیا سے پاک ہو
دے وہ غنا کہ آنکھ میں اکسیر خاک ہو
لالچ ہو فائدے کا نہ نقصان باک ہو
دین سے شفقت ہو دین میں ہی انہماک ہو

فرقِ نیاز فرشِ زمین پر پڑا ہو
ہمت کا پاؤں عرشِ بریں پر گڑا ہو

Marfat.com

ہر دم خیال موت کا پیش نظر رہے
جب تک جئے جئے جب اجل آئی مر رہے
رہ رو ہمیشہ چاہیے باندھے کمر رہے
دنیا وطن نہیں ہے کہ آئے پسر رہے

آئے ہیں ہم جہان میں تو جانا ضرور ہے
سارا ہی قافلہ سرِ راہِ مرور ہے

پھر بعد مرگ کیسی بنے کچھ خبر نہیں
یہ وہ خطر ہے جس سے کسی کو مفر نہیں
پر کیا ہی ڈھیٹ ہم ہیں پر اس کا بھی ڈر نہیں
عقل معاد سے ہمیں بہر مگر نہیں

رب العباد نعمتِ فکرِ معاد دے
فکرِ معاد دے ہمیں ذکرِ معاد دے

کیا جانبِ خدا سے ہدایت ہمیں نہیں
یا سوچنے کو عقل و درایت ہمیں نہیں
فی الاصل کچھ ضرورت و حاجت ہمیں نہیں
پر ہائے غور کرنے کی عادت ہمیں نہیں

ہم دیکھتے نہیں کبھی غائر نگاہ سے
سنتے نہیں ہیں بات کوئی انتباہ سے

غفلت کرا رہی ہے یہ ساری شرارتیں
بنوا رہی ہے رہنے کو پکی عمارتیں
اللہ رے دلیریاں بل بے جسارتیں
دنیا کمائیں دین کی کرکے خسارتیں
غفلت کا کر علاج کہ اصل مرض ہے یہ

Marfat.com

تیرا ہی کچھ بھلا ہو ہماری غرض ہے یہ
غفلت نہ ہو تو کینہ و بغض و حسد نہ ہو
جھگڑا نہ ہو لڑائی نہ ہو رد و کد نہ ہو
بھائی کی پیٹھ پیچھے کبھی ذکرِ بد نہ ہو
انسان مشارک صفت دام دود نہ ہو

غفلت سے اس جہاں میں سارا فساد ہے
غفلت کو آؤ مار مٹائیں جہاد ہے

مخلوق ذی شعور ہے تو ہوشیار رہ
مت مسمند زندگی مستعار رہ
دنیا کا کاروبار کر اور دین وار رہ
امیدوار رحمتِ پروردگار رہ

کس نے کہا تجھ سے کہ دنیا کو چھوڑ بیٹھ
بس ایسی باتیں اپنی طرف سے نہ جوڑ بیٹھ

کیا حال تھا رسولؐ علیہ السلام کا
اصحابؓ کا ائمہ عالی مقام کا
سرکردہ ہائے امت خیر الانام کا
سکہ بٹھائے گئے جو محمدؐ کے نام کا

ان میں سے ایک بھی کبھی راہب ہوا کوئی
دنیا کو کھو کے دین کا طالب ہوا کوئی
دنیا بھی کچھ ہماری طرح کی نہیں ذلیل
اگر سو گھروں میں دیکھو گے تو ننانوے رزیل

Marfat.com

روٹی کی بابزار مشقت ہوئی سبیل
کپڑے کے واسطے وہی ستار ہے کفیل

گرمی کے دن تو خیر کسی ڈھب گزر گئے
جاڑا جو آیا رات کو سکڑے ٹھٹھر گئے

افلاس سے زیادہ جہاں میں نہیں وبال
افلاس سے مقدمہ قہر ذی الجلال
افلاس کر ہی دیتا ہے انسان کو پائمال
ڈرپوک پست ہمت سست رو فی خیال

مفلس کہ اس غریب کی دنیا نہیں درست
مشکل کہ اس کے ہاتھ سے ہو کار دیں درست

اور شاد اگر ہوا کوئی محتاج دل غنی
سمجھا کہ یہ جہان ہے جہان گزشتنی
کے دن کی زندگی کے لیے اتنی سرزنی
اس کو نہ دوستی ہے کسی سے نہ دشمنی

ایسا بزرگ شک نہیں اس میں کہ نیک ہے
پر قوم کو ہوا نہ ہوا دونوں ایک ہے

سوچو تو کچھ بھی نیست کو نسبت ہے ہست سے
تم چاہتے ہو کام بلندی کا پست سے
کیا خیر ہو سکے گی بھلا تنگ دست سے
کوڑی تو لے ادھار کوئی فاقہ مست سے

کیا اس سے فیض ہو کہ نہیں آپ جس کے پاس
دنیا میں چیل سے بھی ملا ہے کسی کو ماس

Marfat.com

گر مجھ سے پوچھتا ہے حقیقت میں ہمشیں
ایصال نفع ہے مرے نزدیک اصل دین
پر چاہیے ہے اس کے لیے نقد آستین
خرمن بیار خواجہ کہ بسیار خوشہ چین

دین کے درست کرنے کو دنیا ضرور ہے
دنیا نہیں تو دعویٰ دیں کرد زور ہے

اس واسطے جو معشر خیر القرون تھے
اور کلہم عمارت دیں کے ستون تھے
امت کو کالنجوم بھی رہ نمون تھے
اورمرجع ضمیرھم المھتدون تھے

دنیا میں رہ کے دین کا برتنا سکھا گئے
دونوں کے جمع کرنے کا راستہ دکھا گئے

راوی نے یوں لکھا ہے جناب عمرؓ کا حال
جن روزوں آپ امیر تھے یا ہیبت و جلال
اپنے ہی دست خاص سے پاتھا کئے سفال
تاریخ میں دکھایئے ایسی کوئی مثال

شاگرد تھے نبی کے پیمبر کے تھے جلیس
دنیا کو جانتے تھے پریشہ خسیس

یسر ان کا تھا فراغ عبادت کے واسطے
کی سلطنت فلاحِ رعیت کے واسطے
عزت طلب کرتے تھے دین کی عزت کے واسطے
القصہ جو وہ کرتے تھے امت کے واسطے

Marfat.com

ان کو کسی طرح طمعِ سیم و زر نہ تھی
ہرگز انہیں مفاد پر اپنے نظر نہ تھی

فیضان صحبت نبوی سے تھے مستفید
دیکھا انہوں نے نور رسالتؐ کو چشم دید
پیدا ہوئے سعید جئے اور مرے سعید
تھی ان سے خواستگاری دنیا بہت بعید

لیکن یہ انتظام الٰہی ہے مہربان
چڑھتا ہے بام پر کوئی بے وضع نردبان

زاہد تھے اور ہلک ستانی کا اہتمام
دیکھو اگر یقین نہ آئے فتوح شام
دنیا میں ان کی دین کا تھا لحم فی الطعام
دونوں کا پاس کرگئے تھے قصہ ہوا تمام

بدلا اسی سبب سے زمانے کا طور ہے
اسلام جب کا اور تھا اور اب کا اور ہے

دنیا سے ان کو ہوتی ذرا بھی اگر گریز
اسلام کی تو ہو ہی چکی ہوتی دست خیز
کھا جاتے لوگ گھور کے آنکھوں سے تیز تیز
تب دیکھتے زمانے کی کج دار اور مریز

پھر دن پوجتا تھا خدائے یگانہ کو
پاتا نہ کوئی زندگی جاودانہ کو

اب بھی جو دیکھتے ہو ان ہی کا طفیل ہے
کم بیش سب کو جانب توحید میل ہے

Marfat.com

اعمال و شرک چوں خس و خاشاک وسیل ہے
اتنا بھی گر نہ سمجھے تو انسان بیل ہے

مشرک کی کوئی شے نہیں کرتا خدا قبول
اس کی دعا قبول نہ کچھ التجا قبول

القصہ اک وہ دین تھا دنیا کا دوست دار
واعظ ادیب ناصح مشفق صلاح کار
مونس رفیق موجبِ تسکین غم گسار
ہم درد بے ریا و ہوا خواہ جاں نثار

وہ کھینچتا تھا بارا امیر و فقیر کا
دنیا میں اس میں ربط تھا شاہ و وزیر کا

اب ہم نے اپنے دین کو بنایا چھوئی موئی
دنیا میں اور دین میں لگانے لگے دوئی
پھر قاصر اس قدر نظر نارسا ہوئی
شہتیر بن گیا جو حقیقت میں تھی سوئی

دین کے عوض تعصب و اوہام رہ گئے
دیں دار اصل مر گئے بدنام رہ گئے

دنیا گئی کہ ہم نہ ہوئے اس کے خواست گار
اور کیوں کر ہوتے مولوی جنت کا چوبدار
مسجد میں وعظ کہتا تھا منبر پہ آشکار
مفلس امیر مومن و دوست از طلب بدار

دنیا و دیں کے ربط کی رسی کو کاٹ کے
دھوبی کے کتے ہو گئے گھر کے نہ گھاٹ کے

Marfat.com

ادبار کا یہی تو سب سے بڑا سبب
دنیا میں اور دین میں عداوت ارے غضب
دنیا بغیر سکت مصیبت ہے روز و شب
لازم ہے دین کا بھی کماحقہٗ ادب

خستہ ہوئے خراب ہوئے ہائے مٹ گئے
ان دونوں کی لڑائی میں ہم مفت پٹ گئے

دل بجھ گیا ہے دیکھ کے دنیا کا انقلاب
افسوس کیا خراب ہوئی قوم انتخاب
دین کے خدا پرست وہ دنیا کے فتح یاب
آپس میں رحم و لطف عدو کے لیے عذاب

مسجد میں سر بہ سجدہ پڑے ہیں زمین پر
میدان میں ڈٹے ہوئے ہیں گھوڑوں کی زین پر

لوگوں کو گر مناسب دینا گناہ ہوں
داخل محرمات میں اعزاز و جاہ ہوں
دنیا کی آبرو سے اگر دیں تباہ ہوں
ان کا تو دیں یہی تھا کہ ہم بادشاہ ہوں

اگلے بزرگ لوگ تھے خاص امتیاز کے
پیشانیوں پر ان کے تھے گھٹے نماز کے

معمور ہیں خزائن انعام کردگار
بے انتہا و بے خد و بے حصر و بے شمار
وہ چھینتا نہیں ہے کبھی دے کے ایک بار
شایاں اسے نہیں ہے کہ بندوں کو دے ادھار

Marfat.com

دنیا بدل گئی ہمہ نعمت بدل گئی!
اس واسطے کہ قوم کی ہمت بدل گئی
افسوس قوم میں عصبیت نہیں رہی
ہم میں کسی طرح کی مزیت نہیں رہی
مضبوطیِ ارادہ و نیت نہیں رہی
جرأت کہاں سے ہو حمیت نہیں رہی

ہم میں ہر اک بشر کے خیالات پست ہیں
پس لا جرم ذلیل ہیں اور تنگدست ہیں

اے قوم یہ تباہی و افلاس جائے شرم
اے قوم یہ تعصب و وسواس جائے شرم
اس درجہ ضعف قوت احساس جائے شرم
تقصیر فی مقابلۃ الناس جائے شرم

تم اور تمہاری نسل ہو مشغول کھیل میں
اور لوگ چل رہے ہیں ترقی کی ریل میں

کیا خوب کہہ گیا ہے کوئی شخص خوش خیال
لفظ عرب میں سخن رجال وہم رجال
اب اے عزیزو تم سے ہمارا ہے یہ سوال
کیوں آ گیا ہے قوم کی حالت میں اختلال

اقوام روز گار میں ہیٹے ہو کس لیے
بے وقعتی کی خاک پہ لپٹے ہو کس لیے

کثرت سے تم میں صاحب مقدور کیوں نہیں
لوہا تمہارا مانتے جمہور کیوں نہیں

Marfat.com

منہ پر تمہارے حسن نہ ہو نور کیوں نہیں
دل قوم کے شگفتہ و مسرور کیوں نہیں

آخر تمہاری قوم پہ یہ کیا وبال ہے
جس شخص پر خیال کرو خستہ حال ہے

جب تک ہماری قوم میں تاج و نگیں رہا
ہم میں کسی کو فکر معیشت نہیں رہا
کس کس کا نام لیں کہ چناں اور چنیں رہا
ہر فرد عافیت سے غنا کے قریں رہا

ہم مالک خزائن روئے زمین تھے
اہل زمانہ طبقۂ خوشہ چین تھے

یسر و فراغ دولت حشمت ہزار حیف
وہ شوکت اور لوازم شوکت ہزار حیف
عزت ہزار حیف حکومت ہزار حیف
صد حیف قابلیت نعمت ہزار حیف

گو حور بعد کور اشد العذاب ہے
یاد از قبیل لیت یعود الشباب ہے

کیا فائدہ جو تذکرۂ ماضے کریں
کیوں یادِ رفتگان میں ماتم بپا کریں
بے سود اگرچہ تا بہ قیامت بکا کریں
اک امر اختیار سے خارج ہے کیا کریں

فرہاد دارد رسد و جوئے شیر کیا
اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹیں لکیر کیا

Marfat.com

پھر بھی اک وجہ تسلی بہت بڑی
قسمت ہمارے ملک کی اچھوں سے جا لڑی
جن کو فلاحِ خلق ہے منظور ہر گھڑی
لیکن یہ مشکل ایک بڑی سخت آ پڑی
فاوا جب اڑ کے بیٹھے ہیں ہم اپنی بات پر
پیاسے تڑپ رہے ہیں کنارِ فرات پر

دروازہ کونسا ہے جو ہم پر کھلا نہیں
ناممکن الحصول کوئی مدعا نہیں
مذہب کا قوم و ملک کا یا تفرقہ نہیں
آزادی اس قدر ہے کہ کچھ انتہا نہیں
بے جوتے بوئے آپ اگے کا اناج کیا
ہم ہی اگر نہ چاہیں تو اس کا علاج کیا

اس ضدِ احمقانہ کو اللہ کم کرو
جانوں پر اپنی بہر خدا مت ستم کرو
چاہو ہمیں برا کہو یا متہم کرو
پر روٹیوں کا فکر تو ہے بہر شکم کرو
ہم دیکھتے ہیں قوم کی حالت تباہ ہے
بیمار کو دوا نہ بتائیں گناہ ہے

پھر بھی تم ہی تم ہو اگر دل پہ ٹھان لو
وہ وقت اب نہیں ہے کہ سیف و سنان لو
ہے علم پر مدار اسے خوب جان لو
اتنی سی ایک بات ہماری بھی مان لو

Marfat.com

رکھتی ہے اپنا وقت مناسب ہر ایک شے
تسویف تا کجا و پس و پیش تا بہ کے

جاگو کہ شرط باندھ کے مردوں سے سو چکے
خارِ قنوطِ راہِ تمنا میں بو چکے
جو کچھ تمہیں خدا نے دیا تھا سو کھو چکے
سن لینا ایک دن کہ مسلمان ہو چکے

قسمت میں قوم کی ہے لکھی صبح و شام موت
بے حرمتی کے جینے سے بہتر حرام موت

دنیا میں جس قدر ہیں ذریعے معاش کے
ان میں ہمارا حصہ واجب ہو کاش کے
پودے ہیں جستجو کے طلب کے تلاش کے
ہاں مبتلا کی وضع کے اس کی قماش کے

گر چاہیے تو لاکھ میں نوے ہزار ہیں
طوطی چمن میں ایک ہے کوے ہزار ہیں

عبرت کی داستان ہے احوالِ مبتلا
آنکھوں کے آگے پھرتی ہے تمثالِ مبتلا
اللہ رے جمالِ خدوخالِ مبتلا
اور عنفوانِ عمر سن و سالِ مبتلا

جس وقت وہ شرابِ جوانی سے چور تھا
بے شک وہ شبیہ روکشِ غلمان و حور تھا
لیکن وہ حالت ایسی سریع الزوال تھی
بس دیکھتے ہی دیکھتے خواب و خیال تھی

Marfat.com

وہ زلف جو کبھی دلِ عاشق کا جال تھی
خود دوش مبتلا پہ بلا تھی وبال تھی

دیکھا تو آخرش خورش گرم گور تھا
جس کے جمال و حسن کا عالم میں شور تھا

وہ مبتلا جو ناز و نعم میں پلے کبھی
سانچے میں ہاتھ پاؤں تھے جس کے ڈھلے کبھی
خنجر چلیں گر ایک قدم بھی چلے کبھی
تیغ ادا سے کٹتے تھے جس کے گلے کبھی

بس جنتری میں قبر کی سب بل نکل گئے
رکھتے کے ساتھ محلہ کے سانچے میں ڈھل گئے

آفت سے موت خاصۂ مبتلا کی موت
تکلیف دوردود محنت و رنج و عنا کی موت
قہر الٰہی و غضب کبریا کی موت
دشمن کو بھی نصیب نہ ہو اس بلا کی موت

انجام کار جو تری مرضی ہو کیجیو
پر ایسی موت بار خدایا نہ دیجیو

تھی اس پہ ابتدا سے مسلط بلائے حسن
طفلی میں تھا وہ آئینہ رونمائے حسن
مضمر ہر اک وضع میں اس کی ادائے حسن
اک عالم اس کا شیفتہ و مبتلائے حسن

اول سے شوق حسن جو خاطر نشان ہوا
خواہاں روئے خوب ہوا جب جواں ہوا

Marfat.com

شامت جو اس کی آئی کیا دوسرا نکاح
سمجھا کہ چار شرع پیغمبر میں ہیں مباح
آئی مگر نظر نہ کبھی صورت فلاح
کیا ہی بری وہ رائے تھی کیسی بدصلاح

فرصت نہ دی پھر اس کو نزاع و جدال نے
سب کچھ حرام کر دیا اس اک حلال نے

امن و فروغ و عاقبت و راحت و قرار
نام و نمود عزت، توقیر و اعتبار
حسن معاشرت کہ تمدن کا ہے مدار
اور جس سے بے نیاز نہیں کوئی خانہ دار

سب چیز جا کے فقر، ہوا گھر میں جاگزیں
جس چیز کو مکان میں پوچھو نہیں نہیں

جب مبتلا پر آ ہی گیا وقتِ احتضار
منہ میں چوانے پانی لگی چشمِ اشکبار
یسین پڑھ رہی تھی کھڑی یاس غمگسار
اور دونوں آنکھیں نے دیں ڈھانک ایک بار

یوں بے کسانہ ہائے جوانی میں جان دے
جنت میں اس کو بار الٰہا مکان دے

جو لوگ ہیں سعات عظمیٰ سے بہرہ مند
کرتے ہیں بات بات سے وہ کتاب اکتساب پند
پرواز کے خیال کو رکھو ذرا بلند
مت ہو لذائذِ نفسانی کے پائے بند

دو بیبیاں نہ کیجیو زنہار بھر کر
میری سنو اگر نہیں شمع قبول کر

Marfat.com

Marfat.com

# ڈپٹی نذیر احمد کی دیگر کتب

خزینۂ علم و ادب

الکریم مارکیٹ اردو بازار ۔ لاہور ۱۳۱۱۶۹


Marfat.com